اصلاحی اور تبلیغی بیانات

جلد اوّل و جلد دوم

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رح



مرتب

پروفیسر ڈاکٹر محمد سراج سواتی

نوٹ

مولانا محمد اشرف خان سلیمانی نور اللہ مرقدہ کے یہ بیانات کتابی صورت میں دو جلدوں میں شائع ہوئے ہیں۔

موجودہ الیکٹرانک ایڈیشن میں ان دونوں جلدوں کو یکجا کیا گیا ہے۔

اصلاحی اور تبلیغی بیانات

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

پروفیسر ڈاکٹر محمد سراج سواتی

نام کتاب: اصلاحی اور تبلیغی بیانات
حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ
ترتیب و تدوین: پروفیسر ڈاکٹر محمد سراج سواتی
اشاعتِ اول:
پبلشرز: الاحمد انٹرپرائزز، پشاور پاکستان
عبدالمجید:0345-9292470
کمپوزر: ایکسپرٹ گرافکس پشاور:091-2592916
قیمت:
ملنے کا پتہ: 71 پروفیسر کالونی، گلی نمبر 3، نزد زرعی یونیورسٹی پشاور
فون:091-5600840، موبائل:0333-9994556
ای میل: zasadiqyam@gmail.com

فہرست

نمبر شمار	عنوان	تاریخ	صفحہ
1	حضرت الشیخ مولانا محمد اشرفؒ کی روئیداد	13 مئی 1969ء	1
2	تعارف جامعہ علوم القرآن	اگست 1961ء	6
3	انسانِ کامل (شہری و تاجر)	23 اگست 1961ء	13
4	آفتابِ ہدایت ﷺ (شکر و قناعت)	12 اگست 1962ء	19
5	اہل اللہ کی مجلس کے آداب	3 ستمبر 1962ء	26
6	سکونِ قلب کیسے حاصل ہو؟	13 ستمبر 1962ء	33
7	دین کی اہمیت اور تبلیغ	17 ستمبر 1962ء	40
8	ولی کون ہوتا ہے؟	18 ستمبر 1962ء	47
9	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نُور تھے یا کہ بشر؟	یکم اکتوبر 1962ء	51
10	تسخیرِ کائنات کا آسان نسخہ	2 اکتوبر 1962ء	59
11	تسکین دِل	7 اکتوبر 1962ء	68
12	ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام کی ضرورت	9 اکتوبر 1962ء	77
13	انبیاء علیہم السلام اور ہدایت کے لیے قربانی	15 اکتوبر 1962ء	86
14	خطبہ والی آیت کی توضیح اور مقام صحابہؓ	16 اکتوبر 1962ء	94
15	دین کے لیے عقل کے ساتھ عشق کی ضرورت	17 اکتوبر 1962ء	104
16	تخلیق کائنات کا مقصد	18 اکتوبر 1962ء	126
17	معرفتِ الٰہی کا حصول	20 اکتوبر 1962ء	137
18	ہدایت اور ضلالت کے مظاہر	21 اکتوبر 1962ء	140

19	انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور انسانی حاجات	25اکتوبر1962ء	156
20	اللہ تعالیٰ کی محبت اور شیطان سے عداوت	30اکتوبر1962ء	165
21	دُنیااور آخرت کا تقابل	6نومبر1962ء	173
22	دُنیامیں انہماک اور آخرت سے لاپرواہی	20نومبر1962ء	177
23	لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر دین کا قیام	25نومبر1962ء	185
24	بیعت کی حقیقت	29نومبر1962ء	192
25	ہماری دینی کمزوری کی داستان	27نومبر1962ء	200
26	دین کو اپنانے اور دوسروں تک پہنچانے کا عمل	30نومبر1962ء	205
27	معجزات اور خدا کی قدرت	30نومبر1962ء	212
28	انسانی تخلیق کا مقصد	یکم دسمبر1962ء	223
29	تبلیغ دین کی نزاکت اور اہمیت	یکم دسمبر1962ء	248
30	حضور پاک ﷺ قرآنِ مجید	2دسمبر1962ء	259
31	بعثت انبیاء علیہم السلام اور رحمتِ الٰہی	9 دسمبر1962ء	268
32	مراقبہ: اللہ تعالیٰ سے لو لگانے کی ترکیب	10دسمبر1962ء	271
33	اتباع رسول ﷺ اور مقامِ محبوبیت	10دسمبر1962ء	285
34	دنیامیں آخرت کے لیے محنت کی اہمیت	11دسمبر1962ء	293
35	دُنیامیں مصروفیت کا عذاب	12 ستمبر1962ء	298
36	طلب صادق اور اہل اللہ کی صحبت کا اثر	11دسمبر1962ء	307
37	تکبر سے گریز اور فقر کا اختیار کرنا	13دسمبر1962ء	312
38	مکائد نفس	13دسمبر1962ء	316
39	دھیانِ رب کی اہمیت	15دسمبر1962ء	319

40	تبلیغ کی اہمیت	15 دسمبر 1962ء	325
41	اپنی استعدادوں کا صحیح استعمال	16 دسمبر 1962ء	335
42	اوقات کی قدر شناسی	18 دسمبر 1962ء	341
43	ہدایت کی راہ اور انبیاء علیہم السلام والے اعمال	20 دسمبر 1962ء	354
44	انسانی فضیلت	یکم جنوری 1963ء	359
45	عظمتِ الٰہی اور توحید	6 جنوری 1963ء	366
46	ایمان واستقامت	8 جنوری 1963ء	370
47	اخلاق	12 جنوری 1963ء	380
48	اعمالِ صالحہ اور عطائے رب	13 جنوری 1963ء	
49	قرآن وسنت ورمضان	25 جنوری 1963ء	
50	عظمتِ الٰہی	21 فروری 1963ء	
51	مقصدِ کائنات	اگست 1963ء	
52	علم وخشیت	31 اگست 1963ء	
53	ذکرِ الٰہی	یکم ستمبر 1963ء	
54	مسلمان کا مقام	ستمبر 1963ء	
55	نبی ﷺ کا مقام اور کام	5 ستمبر 1963ء	
56	تبلیغِ دین	12 ستمبر 1963ء	
57	حضور پاک ﷺ کے اخلاق	15 ستمبر 1963ء	
58	حضور پاک ﷺ کی جامعیت	16 ستمبر 1963ء	
59	اسلام: دینِ کامل	24 ستمبر 1963ء	
60	حضور پاک ﷺ کا مقام اور آپؐ کے چار حقوق	26 ستمبر 1963ء	

61	مسئلہ تقدیر	9 اکتوبر 1963ء	
62	تخلیقِ انسانی اور معرفتِ خداوندی	10 اکتوبر 1963ء	
63	دینی دعوت کا تقاضا	14 اکتوبر 1963ء	
64	انبیاء علیہم السلام کا راستہ دُنیا اور آخرت کا ضامن	15 اکتوبر 1963ء	
65	اہل دِل کی نگاہ کا اثر	16 اکتوبر 1963ء	
66	صحابہؓ کی قربانیاں اور موجودہ مسلمانوں کی بے حِسی	17 اکتوبر 1963ء	
67	صحابیؓ اور ولی کی درجات میں فرق	19 اکتوبر 1963ء	
68	مسلمان اور کافر کی کامیابی کا تصور	21 اکتوبر 1963ء	
69	گناہوں کے لیے توبہ کا صابن	21 اکتوبر 1963ء	
70	کامیاب کون؟	22 اکتوبر 1963ء	
71	حضرت ابراہیمؑ کی قربانیاں اور قبولیت دُعا	23 اکتوبر 1963ء	
72	نبی ﷺ کا طریقہ اور دائمی نعمتیں	24 اکتوبر 1963ء	
73	انسانی فضیلت کا راز	25 اکتوبر 1963ء	
74	تبلیغ کی اہمیت	27 اکتوبر 1963ء	
75	نورانیت اور دین کا فروغ	29 اکتوبر 1963ء	
76	دُنیوی علوم کا نچوڑ	30 اکتوبر 1963ء	
77	دین اور ایثار	1 نومبر 1963ء	
78	نسبت اور کرامت	2 نومبر 1963ء	
79	خیر الاُمم ہونے کی وجہ	6 نومبر 1963ء	
80	توکل اور حضرات صحابہؓ	7 نومبر 1963ء	
81	نام اور حقیقت میں تفاوت	11 نومبر 1963ء	

82	ایمان کی کمزوری کا علاج	12 نومبر 1963ء	
83	حضور پاک ﷺ اور صحابہؓ کی دین کے لیے قربانی	13 نومبر 1963ء	
84	ایمان اور غیبی حقائق	14 نومبر 1963ء	
85	تصوّف اور اُس کی نزاکتیں	18 نومبر 1963ء	
86	اللہ تعالیٰ کا تعلق اور اطمینان	21 نومبر 1963ء	
87	خلافت اور دعوت کے مختلف ذرائع	22 نومبر 1963ء	
88	دینِ اسلام کا مقصد رضائے حق نہ کہ طلب حکومت	23 نومبر 1963ء	
89	دھیان سے ذکر اور رضائے رب کی طلب	25 نومبر 1963ء	
92	دنیا کی محنت کے ساتھ آخرت سنوارنے کی محنت	26 نومبر 1963ء	
91	ولی اللہ بننے کا نسخہ	29 نومبر 1963ء	
92	حضور ﷺ اور جملہ خیریں	یکم دسمبر 1963ء	
93	راہِ سلوک میں شیخ کی رہنمائی	2 دسمبر 1963ء	
94	عبادات میں لذت	2 دسمبر 1963ء	
95	کرامت استدراج اور دینی اعمال	7 دسمبر 1963ء	
96	حُبِّ الٰہی اور اِتباعِ رسول ﷺ	10 دسمبر 1963ء	
97	حقیقی محبت اور اعمالِ صالحہ	10 دسمبر 1963ء	
98	حُسنِ طلب کا اثر	11 دسمبر 1963ء	
99	حضور پاک ﷺ کی محبت کا تقاضا	12 دسمبر 1963ء	
100	نسبت کیا ہے؟	21 دسمبر 1963ء	
101	وجودِ کائنات اور دینی فلسفہ	3 جنوری 1964ء	
102	رمضان کے روزے اور حصولِ تقویٰ	17 جنوری 1964ء	

103	روزوں کا مہینہ۔۔۔ذکر وعبادت	26جنوری1964ء	
104	انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی جامعیت	1964ء	
105	راضی برضائے رب	5فروری1964ء	
106	اُمت مسلمہ ایک دعوت والی اُمت	20فروری1964ء	
107	عظمتِ الٰہی	21فروری1964ء	
108	اسباب زوالِ اُمت	22فروری1964ء	
109	انبیاء علیہم السلام اور دنیا	25فروری1964ء	
110	کامیابی کا معیار اور احکامِ الٰہی	25فروری1964ء	
111	قرآن کریم ایک دائمی لائحہ عمل	28فروری1964ء	
112	نفس کے مختلف اقسام	29فروری1964ء	
113	مذاہبِ عالم اور اِسلام	29فروری1964ء	
114	دُنیا کی امامت کا حقدار کون؟	3مارچ1964ء	
115	کامیابی کا معیار تقویٰ والی زندگی	3مارچ1964ء	
116	انبیاء علیہم السلام کے طریقے اور انسانی کامیابی	5مارچ1964ء	
117	ابلاغ ہدایت کے ذرائع	6مارچ1964ء	
118	یقین کی کمزوری کے مختلف اسباب اور اس کا مداوا	9مارچ1964ء	
119	دعوت و تبلیغ کی اہمیت	17مارچ1964ء	
120	دین کا پھیلاؤ اور ہجرت و نصرت	19مارچ1964ء	
121	حضور ﷺ باعثِ تخلیق کائنات اور عبد کامل	20مارچ1964ء	
122	ایمان اور اعمال	24مارچ1964ء	
123	دُنیا و آخرت میں حضور ﷺ کی رحمۃ للعالمین	26مارچ1964ء	

	شان		
124	مصیبت اور پریشانی کے اسباب اور استغفار	27مارچ1964ء	
125	ہدایت کا واحد راستہ اور بعثتِ انبیاء علیہم السلام	31مارچ1964ء	
126	حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر آکر بسنا	2اپریل1964ء	
127	مشیخت کے لیے شرط ہے یا نہیں؟	4اپریل1964ء	
128	حصولِ فیض کے لیے اہل دِل کی صحبت کی ضرورت	5اپریل1964ء	
129	خواہش اور نفس و شیطان سے بچنے کی راہ	6اپریل1964ء	
130	ہدایت کے چراغ اور نیکیوں کی اماں	6اپریل1964ء	
131	دِلوں کی زندگی مُردہ کے زندہ کرنے سے زیادہ اہم	8اپریل1964ء	
132	عشق مجازی سے حقیقت تک رسائی کا تصوّر	11اپریل1964ء	
133	نبی کی پہچان کے لیے دیدۂ بینا کی ضرورت	17اپریل1964ء	
134	حضور پاک ﷺ اور ابراہیمؑ کی باہمی مناسبت	23اپریل1964ء	
135	فقہ اور آئمہ اربعہ اور سودی بینک کاری کا حل	25اپریل1964ء	
136	مقامِ دِل اور تقویٰ	30اپریل1964ء	
137	ہدایت کا حصول اور انبیا علیہم السلام کی محنت	5مئی1964ء	
138	صحبت کا اثر	9مئی1964ء	
139	خلافتِ الٰہی اور انسان	12مئی1964ء	
140	ذکرِ الٰہی اور اہل اللہ کی صحبت کا اثر	14مئی1964ء	
141	مادہ پرستی کو چھوڑ کر معرفتِ الٰہی کا حصول	19مئی1964ء	
142	ایمان، عبادات اور اخلاق سنوارنے کی محنت	26مئی1964ء	
143	فیضان کے حصول کیلیے اولیاءاللہ کی صحبت کی ضرورت	2جون1964ء	

144	موت کے بعد والی زندگی کیلیے محنت کی ضرورت	2جون1964ء	
145	انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور روح پر محنت	3جون1964ء	
146	باطن کی بناوٹ اور اہل اللہ کی صحبت	7جون1964ء	
147	اشیاء کا وجود اور خواص اللہ کے قبضے میں	9جون1964ء	
148	انسانی ترقی اور تنزل اور اختیار کا استعمال	10جون1964ء	
149	اللہ کی طرف لوگوں کو بلانا اور حکمت	11جون1964ء	
150	انسانی اور ربانی علوم اور اوقات کا استعمال	27اکتوبر1964ء	
151	اہل اللہ کے قلوب اور فیض رسانی	28دسمبر1964ء	
152	توحید تامہ کا حصول عبدیت کی راہ سے	29دسمبر1964ء	
153	ایمان اور اعمالِ صالحہ	14مارچ1965ء	
154	محبتِ الٰہی اور اعمالِ صالحہ	6اپریل1965ء	
155	آخرت کے لیے زادِ راہ کی ضرورت	23اپریل1965ء	
156	حضور ﷺ کا مقام	27اپریل1965ء	
157	غذائے روح	27اپریل1965ء	
158	محبت کے حدود اور تقاضے	28اپریل1965ء	
159	مقامِ دِل اور تقویٰ	30اپریل1965ء	
160	انسان کا مقام	30اپریل1965ء	
161	طریقِ انبیاء علیہم السلام اور نعمائے الٰہی	5مئی1965ء	
162	عبدیت اور ختمِ نبوت	7مئی1965ء	
163	ایمان اور ہدایت کی محنت	12مئی1965ء	
164	کامیابی کا راستہ اور حضور پاک ﷺ کی امامت	20اکتوبر1965ء	

165	اسلام میں دُنیا اور آخرت کی کامیابی	مارچ1966ء	
166			
167	حضور پاک ﷺ کے فضائل اور تعلیمات	26اپریل1972ء	
168	اعمالِ دین میں مستورات کا حصّہ	27اپریل1972ء	
169	اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا تقاضا	27اپریل1972ء	
170	اعمال میں شرائط قبولیت	29اپریل1972ء	
171	دعوت و تبلیغ انبیاء علیہم السلام والی سڑک	13 ستمبر1972ء	
172	مظاہرِ قدرت صفاتِ الٰہی اور جھاڑ پھونک	1972ء	

تاثرات

شیخ الحدیث مولانا عبد القیوم حقانی مدظلہ العالی

صدر القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الرسالۃ۔

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحبؒ متنوع کمالات، گوناگوں خصوصیات اور متفرق اوصاف کے حامل شخصیت تھے۔ آپ ایک متبحر عالمِ دین، بصیرت مند مبلغ، محرم اسرار صوفی اور زمانہ شناس مربی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالمانہ دماغ، صوفیانہ دِل اور ادیبانہ قلم عطا فرمایا۔ اُن کے لفظ لفظ سے سوزِ دِل ٹپکتا اور سازِ ادب چھلکتا تھا۔ ان کا اسلوبِ تصنیف محققانہ، طرزِ حیات قلندرانہ اور اندازِ نگارش مفکرانہ رہا۔ وہ محض الفاظ و حروف کی مشق نہیں کرتے تھے بلکہ معانی و معارف سے عشق کرتے تھے۔ وہ محض افکار کی ترویج نہیں کرتے تھے بلکہ اعمال کی تلقین بھی کرتے تھے۔ وہ کتابی عبارتوں سے شناسائی کے ساتھ عصری ضرورتوں سے بھی شناسائی رکھتے تھے۔ تسبیح کے دانوں کو پلٹنے کے ساتھ ساتھ دِلوں کو بھی بدلنے میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ ان کا علم تصوف کی چاشنی سے معمور اور ان کا تصوف علم کی روشنی سے مالامال تھا۔ یہ امتزاج بہت کم لوگوں کے حصے میں آتا ہے۔

سید سلیمان ندویؒ کی صحبتوں، ابوالحسن علی ندویؒ کی مجلسوں اور مولانا یوسف کاندھلویؒ کی رفاقتوں نے آپ کی باطنی صلاحیتوں کو مانجھ لیا تھا جس کا نقد ثمرہ یہ تھا کہ آپ پشاور یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے سربراہ بھی تھے، پشاور تبلیغ مرکز کے امیر بھی تھے اور پشاور کے وسیع تر لکھے پڑھے طبقے کے مربی بھی تھے۔

بندہ کو آپ سے کئی مرتبہ نیاز مندانہ ملاقات کا شرف حاصل رہا۔ ہمیشہ ان کے لہجہ میں تکلف کے بجائے تقدس، تصنع کی بجائے تلطف اور مصنوعیت کی بجائے معصومیت محسوس کی۔

استادِ محترم حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حکم پر اکابر کی علمی و مطالعاتی زندگی پر مشتمل ایک مفصل کتاب کی ضبط و ترتیب کا ارادہ کیا تو حضرت الاستادؒ کا ایک تفصیلی سوالنامہ ملک بھر کے معروف مشائخ، اکابر اور مشاہیر کو ارسال کیا گیا تھا جس کے جواب میں اکثر حضرات نے اپنے اپنے اسلوب میں جوابات دیئے جن میں حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب کا جواب منفرد طرزِ تحریر، انوکھے اندازِ نگارش اور جداگانہ پیرایۂ اظہار کی وجہ سے کتاب کا بیت الغزل بن گیا تھا جس کی رعنائی اب بھی اپنے جوبن پر ہے۔

آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ کتاب انہی مولانا محمد اشرف سلیمانی کے متفرق بیانات کا مجموعہ ہے جسے شب و روز کے ہمہ جہت مشاغل کی وجہ سے بلااستیعاب تو نہ دیکھ سکا تاہم جتنا کچھ دیکھ سکا اسے بے حد نافع پایا۔ ہر مضمون ہدایت کا سرچشمہ، ہر جملہ روحانیت کا خزینہ اور ہر لفظ نجات کا زینہ ہے۔ مرتب سے گزارش ہے جہاں جہاں اجمال و ابہام ہے اس کی توضیح اور تشریح بھی کر دی جائے تو فائدہ دوبالا ہو جائے گا۔ اس میں کل چونتیس تقاریر ہیں جن کی تفصیل بتا کر میں آپ کو اس لذت سے محروم نہیں کرنا چاہتا جو ایک نئی کتاب پڑھتے ہوئے قارئین کے ذہن سے پُر کیف لہروں کی طرح ٹکراتی ہیں۔

تو لیجیے! میرے واسطے کے بغیر یہ کتاب پڑھئے اور شاہراہِ رُشد و ہدایت پر گامزن ہو جائیے۔

عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

خالق آباد نوشہرہ خیبر پختونخوا پاکستان

۵ شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ / ۲۰ مارچ ۲۰۲۱ء

تقریظ

جناب مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی

مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور

باسمہ تعالیٰ

''اصلاحی اور تبلیغی بیانات'' حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصلاحی بیانات کا مجموعہ ہے جو آپ نے زیادہ تر تعلیم یافتہ طبقہ سے مخاطب ہو کر فرمائی ہیں جنہیں جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد سراج سواتی صاحب نے جمع کر کے ترتیب و تدوین کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ حضرت مولانا اشرف صاحب بزرگوں کے فیض یافتہ تھے اس لیے یونیورسٹی کے ماحول میں رہتے ہوئے اس طبقہ کو اللہ تعالیٰ سے وفاداری کا درس دیا جو اس سے کوسوں دُور تھے۔ اگرچہ آپ بدنی طور پر ایک معذور شخص تھے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ سے دین کا جتنا کام لیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی ہے۔ کئی بار آپ سے ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ خودکسی مسئلہ کے لیے میرے پاس دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تھے۔ غالباً ڈاکٹر نعمان صاحب کے سہارے تشریف لائے تھے پھر جب سنہ 1992ء میں پشاور منتقل ہوا تو مولانا غلام رسول حقانی کی مسجد ''الکوثر'' میں ایک پروگرام میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ آپ کی صحبت کی وجہ سے میں نے اس قوت ''اصلاح نفس کے ذرائع'' پر تقریر کی جس سے سن کر آپ بہت خوش ہوئے اور بعد میں میری دلجوئی فرمائی۔

آج کل کے پی کے میں تعلیم یافتہ طبقہ میں اگر دین دار لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو مولانا اشرف مرحوم کی صحبت میسر ہوئی ہے جو بھی آپ کی محفل میں پہنچا تو بہت کچھ حاصل کر کے لوٹا جس کے اثرات آج ان لوگوں میں محسوس ہو رہے ہیں۔

آپ کے الفاظ میں ایسا درد ہوتا تھا جو اثر کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ زیر نظر تحریر اس کا بین ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان خطبات کے ذریعے لوگوں کے دِلوں کی دُنیا بدل دے۔ آمین

مفتی غلام الرحمٰن

مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور

تقریظ

جناب محترم سعید اللہ شاہ صاحب مدظلہ العالی

سابقہ شیخ الحدیث مسجد درویش پشاور صدر و خلیفہ اجل حضرت مفتی مختار الدین دامت برکاتہ

کربوغہ شریف و موجودہ سرپرست دار الایمان والتقویٰ پشاور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمہ اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جسمانی کمزوری کے باوجود اس مردِ قلندر سے خلقِ خدا کے اصلاح کا جو کام لیا، وہ قابل شنیدن و خواندن ہے۔ مدارس و مساجد کے سطح پر یا بہ تعبیرِ دیگر مسجد و مدرسہ کے ماحول میں اصلاح کا کام کرنا آسان اور عموماً نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے لیکن سکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر وہاں پڑھنے اور پڑھانے والوں کی اصلاح انتہائی مشکل ترین کام ہے لیکن نامعلوم کتنی کثیر تعداد نے نہ صرف اس بے جوڑ ماحول میں حضرت مولانا رحمہ اللہ سے استفادہ کیا بلکہ دوسروں کے لیے مصلح و مرشد بن گئے۔ جن کے چہروں کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ زیورِ تقویٰ سے آراستہ ہیں تو خود مولانا صاحبؒ کا کیا حال ہو گا۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

"اصلاحی اور تبلیغی بیانات" میں حضرت کے خادم خاص اور اُن کے صحبت یافتہ اور اُن کے مجالس، بیانات اور صحبتوں کے خوشہ چین ہمارے مخدوم و محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد سراج سواتی نے کافی حد تک حضرت مرحوم کے بیانات کو جمع کرنے کی سعی بلیغ کی ہے۔ "اِنَّ فِیۡ ذَالِكَ لِعِبۡرَةِ الّلاُوۡلَی الۡاَبۡصَار"۔ (القرآن)

ان اکابر کے بیانات، فرمودات اور واقعات بیان کرنے والوں کے لیے اُصولی پہلو کے ساتھ ساتھ علمی مواد بھی بکثرت پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ڈاکٹر محمد سراج صاحب کی اس سعی بلیغ کو قبول فرمائے اور عوام وخواص کے لیے مفید بنا کر ان کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

سعید اللہ شاہ

دارالایمان والتقویٰ پشاور

تقریظ

جناب محترم علامہ محمد طفیل صاحب مدیر البیان پشاور

باسم سبحانہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین متین کی حفاظت و اشاعت کے لیے ایسے رجال کار کھڑے کیے جن کے جہد و جہاد، تعلیم و تربیت، سوزِ درون اور اخلاص و للّٰہیت نے صدیوں تک اپنے انمٹ نقوش ثبت کیے۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی اشاعت و حفاظت اور تعلیم و تمکین کی ذمہ داری ہمیشہ سے مشائخ تصوف اور مشاہیر علمائے سلاسل سے وابستہ رہی۔ آخری دَور میں دین متین کے جملہ شعبے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم سلسلہ سے وابستہ رہے۔ اس مرتبہ کے عظیم المرتبت شیخ سلطان العارفین، قدرۃ السالکین حضرت مولانا اشرف خان سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے ان چند ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے بیک وقت دیوبند و ندوہ کے چشمہائے صافی سے خود کو سیراب کیا۔ ایک طرف حضرت مولانا عبدالعزیز دعاجو، حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری، مولانا عبدالغفور نقشبندی، علامہ محمد یوسف بنوریؒ جیسے رجال قافلہ کے علم واحسان سے سیراب ہوئے تو دوسری طرف سلسلہ تھانویہ کے گل سرسبد حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت عبدالماجد دریابادیؒ کے خوشہ چینی اور تعلق نے بھی انہیں جلا بخشا۔ وہ بیک وقت داعی بے لوث، خطیب شعلہ نوا، عالم بے بدل، مفکر و مدبر، معلم و مدرس، صوفی مرتاض، کہنہ مشق مصنف و محقق، صاحب طرز انشا پرداز اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ وہ اپنی ذات میں انجمن تھے۔ ان کے سیال قلم سے درجنوں مقالات اور کتابیں ہوئیں۔ ان کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد سے ہزارہا سالکین نے ہدایت کی راہ پائی۔ ان کے جہد و جہاد اور استیصال باطل

کی کوششوں سے منبر و محراب سے لیکر عدالت عالیہ تک کفر و الحاد کو شمشیر بے نیام بن کر للکارا۔ باوجود جسمانی معذوری کے صدیقی غیرت اور علوی فراست نے انہیں سکون سے بیٹھنے نہیں دیا۔ وہ جذبۂ بے تاب لیکر دعوت و تبلیغ، بیعت و تلقین، اصلاح و ارشاد اور تصنیف و تالیف سمیت دین کے جملہ میدانوں میں تادم مرگ سرگرم عمل رہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کا ایک بڑا صدقہ جاریہ آپ کے وہ بیانات اور مجلسی افادات ہیں جو آپ کے دولت خانہ پر طالبین و واردین کی اصلاح احوال کے لیے ارشاد فرماتے۔ آپ کے نامور خلیفہ اور آپ کے نسبتوں کے امین ڈاکٹر سراج صاحب مدظلہ العالی قابل صد مبارکباد ہیں جنہوں نے آپ کے افادات کو تحریر کی لڑی میں پرو دیا۔ اکابر کی صحبت کا قدرے بدل اُن کی تصنیف و بیانات ہوتے ہیں۔ ان بیانات کے اکثر حصہ پر فقیر نے بطرز استفادہ نظر ڈالی۔ الحمدللہ! کمال ضبط کے ساتھ ساتھ مرتب نے تدوین میں بھی خوب محنت کی ہے۔ اکابر کے بیانات کی اصل روح درست دینی معلومات کے ساتھ ساتھ وہ تاثیر ہوتی ہے جو اصلاح باطن کے متلاشیوں کے لیے نسخۂ اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ قارئین اس تاثیر کو سطر سطر میں محسوس کریں گے۔

حضرت مولانا محمد اشرفؒ کی نسبی اولاد نہ تھی لیکن آپ کی روحانی اولاد نے آپ کے افادات کو نسل نو تک پہنچانے کا انتظام کرکے جہاں اپنی آخرت سنوارنے کا بندوبست کر دیا ہے وہاں حضرت مولاناؒ کے لیے بھی عظیم صدقہ جاریہ بن گیا ہے۔ یقیناً اس سے حضرت مولاناؒ کی روح پر فتوح کو جو فرحت و خوشی ہوگی اور اس کے جو اثرات متعلقین پر آئیں گے ان کا کوئی عادی بدل ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ ملفوظات و بیانات کو اپنے دربار میں قبول و منظور فرمائے اور اس کا فیض عام و تام فرمائے۔ آمین

خویدکم محمد طفیل کوہاٹی

تقریظ

جناب مفتی التماس خان صاحب

لیکچرار شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پشاور یونیورسٹی کی سرزمین پر حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحی خدمات اور تبلیغی محنت کے آثار ابھی تک قائم ہیں۔ ۲۰۰۴ء میں میرا واسطہ جب جامعہ پشاور سے پڑا تو یہاں کے اکثر سینئر پروفیسرز صاحبان اور دیگر متعلقین جامعہ کے اندر پختہ مذہبی رنگ نمایاں تھا۔ تقریباً ہر مسجد نمازیوں سے بھرپور، تبلیغی اعمال اور اصلاحی حلقے موجود رہے۔ مجھے تجسس پیدا ہو گیا کہ یہ ماحول کس طرح بنا ہے لیکن بہت جلد معلوم ہوا کہ یہاں ایک بزرگ ہستی گزری ہے اور وہ یہ گلشن سجا کر دُنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔

حضرت کے خلفاء نے مرحوم کی سوانح کو تالیف کیا جس کی طباعت بھی ہوئی ہے اور اب محترم ڈاکٹر محمد سراج سواتی صاحب مدظلہ نے حضرت مولانا مرحوم کے اصلاحی اور تبلیغی بیانات کو تاریخ وار مرتب کر کے قابلِ اشاعت بنا دیا ہے۔ بہت عظیم کاوِش ہے۔ اگر روزانہ کی بنیاد پر تعلیم کے حلقے میں درس کا معمول بنالیا جائے تو بہت فائدہ مند رہے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی اس سعی جمیل کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں۔ آمین

بندہ محمد التماس خان

لیکچرر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی

تقریظ

جناب پروفیسر میر حاتم صاحب

خلیفۂ حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو اسلامیہ کالج پشاور کے شعبہ عربی میں بطور لیکچرر بھرتی ہوئے۔ ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے بطور پروفیسر اینڈ چیئرمین شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی سے ۵ مئی ۱۹۸۵ء کو ریٹائرڈ ہوئے اور ۱۹ ستمبر ۱۹۹۵ء کو اس جہاں فانی سے رخصت ہوگئے لیکن اس بیالیس سال کے عرصہ میں آپ نے یونیورسٹی کے دینی ماحول میں ایک انقلاب برپا کردیا۔ آپ تقریباً ۲۵ سال تک پشاور کے تبلیغ کے امیر رہے۔

یونیورسٹی کے ملازمت سے پہلے آپ علامہ سید سلیمان ندویؒ کو اپنا دِل دے کر اکتوبر ۱۹۴۳ء میں تصوف و سلوک کی وادی میں قدم رکھ چکے تھے بلکہ علامہ سید صاحب ہی کے مشورہ سے آپ نے تعلیم کے شعبہ کا انتخاب کیا۔ اسی طرح ۱۹۴۵ء میں پشاور آنے والی پہلی تبلیغی جماعت کے ساتھ شناسائی کے بعد آپ ۱۹۴۸ء میں بلوچستان میں اپنا تبلیغی چلہ لگا چکے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ تبلیغ و تصوف دونوں کے لیے آپ کو ایک کلا میدان ملا لیکن یہاں کام کرنا ایک پُرپیچ اور خاردار وادی میں کام کرنے سے کم نہ تھا۔

اُس وقت کالج کے ماحول کا ہلکا سا خاکہ اور اُس میں خالص دینی کام کرنے کے مشکلات کچھ یوں تھے۔ انگریز استعماری حکومت کا بنایا ہوا کالج گو نام اسلامیہ کالج تھا لیکن اس کی بنیاد استعمار کی باطل افکار و نظریات پر کڑی تھی اور اُس کا ماحول مکمل مغرب زدہ تھا۔ داڑھی رکھنا او پگڑی باندھنا تو دُور کی بات، سر پر ٹوپی اور چادر پہننا بھی عیب سمجھا جاتا تھا حالانکہ ٹوپی اور چادر یہاں کی مضبوط ثقافت میں سے ہے۔ سارے پشاور یونیورسٹی اور اسلامیہ

کالج میں صرف ایک جامع مسجد تھی جس میں تبلیغی بیان یا اجتماع کی اجازت نہیں تھی۔ یونیورسٹی کے تبلیغ والے سڑک کے پار ایگریکلچر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کے مسجد میں جمع ہوا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا صاحب کو اپنے اسلامیہ کالج کے گھر کے اندر بھی بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ حضرت مولانا صاحب اکثر جرمنی کے حالات سنانے کے بہانے اپنے تبلیغی بیرونی سفر کے روئیداد سناتے تھے۔ کسی ہاسٹل میں مسجد نہ تھی۔ فجر اور عشاء تو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا سوچا بھی نہ جا سکتا تھا۔ تبلیغی جماعتوں کا یونیورسٹی کے اندر آنا اور ٹھہرنا تو ایک خواب تھا۔ پشاور شہر میں بھی تبلیغی ماحول سازگار نہیں تھا۔ بعض اوقات شب جمعہ میں مجمع کے بغیر حضرت مولانا صاحب دیواروں کو تقریر سناتے۔

محمد سراج صاحب اُن سابقون الاولون میں سے ہیں جنہوں نے حضرت مولانا صاحب کے ساتھ ان سختیوں کو جھیلا اور کام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو بے شمار خصوصیات سے نوازا ہے۔ آپ بے شمار افراد کے لیے حضرت مولانا صاحب اور تبلیغ کی طرف آنے کا سبب بنے۔

ہم خود اس کے قائل و گھائل ہیں۔ بیانات کے نقل کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ تبلیغ میں بھرپور حصہ لینے والے ہیں اور مختلف مقامات پر حضرت مولانا صاحب کے حضر و سفر میں شامل رہے۔ اکیلے شب جمعہ کے بیانات اس شہادت کے لیے کافی ہیں۔ مجلس گفتگو کا نقل کرنا اور بیانات کا ریکارڈ رکھنا محمد سراج صاحب کا طرۂ امتیاز ہے حالانکہ نہ اُس وقت بیانات و گفتگو کا رواج تھا اور نہ تبلیغ والے اِس کو پسند کرتے تھے۔ یہ سراج صاحب کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ نقل کرنے کی بدولت یہ دولت ضائع ہونے سے بچ گئی اور ہم سب کے لیے استفادہ کا زریعہ بنا۔

موجودہ مسودہ کے اصلاحی اور تبلیغی بیانات ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۶ء کے قلمبد کیے ہوئے

ہیں۔ جب حالات کچھ سدھر چکے تھے اور تبلیغی کام بتدریج بڑھ رہا تھا۔ موجودہ مجموعہ میں دو قسم کے بیانات ہیں۔ ایک تو حضرت مولانا صاحب کے اپنے رہائشگاہ پر مجلسی گفتگو ہے جو عموماً حاضرین میں کوئی سوال کر دیتا ورنہ مولانا صاحب خود کسی مناسب اور ضروری موضوع پر بیان فرماتے۔ سوال کے مطابق ان میں بعض مضامین گہرے اور غامض ہیں اور مجمع محدود ہوتا تھا۔ بعض اوقات حضرت مولانا صاحب بجائے تفصیل کے اشاروں سے کام چلاتے دوسرے وہ بیانات ہیں جو شب جمعہ یا دوسرے اجتماعات میں ہوئے۔ ان بیانات میں تفصیل اور پھیلاؤ زیادہ ہے۔ چونکہ مجمع زیادہ اور متفرق ہوتا ہے اس لیے بات آسان اور عام فہم ہوتی ہے۔ حضرت مولانا صاحب جب بھی بولے خوب روانی سے بولے۔ یہ سراج صاحب کا احسان ہے کہ مولانا صاحب کا روانی سے بولنے کے باوجود اُنہوں نے نقل کیا۔ دوسرے ہر بیان کو ذیلی عنوانات سے مزین کر کے قارئین کے لے آسان بنایا۔ اب قاری ایک جزیا ذیلی عنوان کو پڑھ کر بھی مطلب اخذ کر سکتا ہے اور مطمئن ہو سکتا ہے۔

سراج صاحب نے جو سب سے اہم اور کٹھن کام کیا وہ ہر آیت و حدیث شریف کو حوالہ جات سے مزین کرنا اور حاشیہ میں اُس کی تشریح کرنا ہے۔ اس سے بیان کے افادیت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔ بیان میں ہر بات ایک مضبوط اور ٹھوس بنیاد پر قائم ہے اور قرآن و حدیث سے اُس کے حوالہ جات ریب و شک کے احتمالات کو بھی دُور کر دیتی ہیں۔ سراج صاحب نے ایسے مضامین و بیانات کو قلمبند کیا جو کسی دوسرے شخص یا جگہ سے ملنے والے نہیں۔ پھر ان پر عنوانات چڑھا کر مزید آسان کر دیا اور اب اس کو چھپوا کر ہمارے لیے السہل التسہیل بنا دیا۔ بیان سے پہلے اور بیان کے بعد والے ماحول کا ذکر کر کے سراج صاحب نے بیان کو اور بھی زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے۔ بیان کے دوران کسی واقعے کا ذکر کرے اور حاضرین میں سے کسی کا نام لیکر مخاطب ہونے کی وجہ سے پرانی یادیں تازہ ہوئیں اور بچھڑنے

والوں کی یاد نے تڑپا دیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور زور قلم اور زیادہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ اِس مجموعے کو اس کے لیے اور ہمارے لیے نجات کا ذریعہ بنائے اور پڑھنے والوں کے لیے بزرگوں کے صحبت کا متبادل بنائے۔

مناسب ہے کہ اب اس انقلاب کو ہلکا سا خاکہ بھی پیش کیا جائے جو حضرت مولانا صاحب لے آئے ہیں۔ الحمد اللہ اب یونیورسٹی میں داخل ہو کر آپ کو کہیں کہیں یہ منظر بھی پیش آجاتا ہے کہ شاید کسی دارالعلوم میں آگیا۔ داڑھیوں، پگڑیوں والے شلوار قمیص میں ملبوس بہت سارے اساتذہ و طلباء ملیں گے۔ تقریباً ہر ڈیپارٹمنٹ اور کلاس میں یہ حضرات رونق افروز ہوں گے۔ ہر ہاسٹل میں باقاعدہ مسجد جس میں پنج وقتہ نماز، تبلیغی بیان، گشت وشب جمعہ ہوا کرتا ہے۔ تبلیغی جماعت کے آنے اور ٹھہرنے پر کوئی پابندی نہیں بلکہ نصرت کی جاتی ہے۔ سالانہ تبلیغی اجتماع یا دوسرے بڑے اجتماعات کو جتنے بسیں پورے پشاور سے جاتی ہیں اُس کے برابر اکیلے یونیورسٹی سے جاتی ہیں۔ پشاور کی تبلیغی مجلس شوریٰ زیادہ تر یونیورسٹی ارکان پر مشتمل ہے۔ یہ حضرت مولانا صاحب کی فیض و برکت ہے کہ کسی قادیانی یا عیسائی کی مشن کو یہاں ٹکنے نہیں دیا۔

پروفیسر ڈاکٹر میر حاتم

۲۶ جنوری ۲۰۲۱ء

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۴۲ھ

تقریظ

مفتی سعید الرحمٰن بخاری

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی خطیب جامع مدنی مسجد پروفیسر کالونی یونیورسٹی پشاور

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں میں بعض بندے ایسے پید افرماتے ہیں کہ بظاہر دیکھنے میں وہ ایک فرد ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ پوری جماعت اور ایک مستقل ادارے جیسے ہوتے ہیں۔ منجملہ انہی میں سے حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحبؒ بھی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؒ سے جو کام لیا وہ شاید ایک مستقل جماعت اور ادارہ بھی بمشکل انجام دے سکے۔

آپ نے اس وقت ان عصری اداروں میں کام کیا جس وقت ان اداروں کی طرف دیکھنا بھی دینی طبقے کے لیے ایک جرم سمجھا جاتا تھا۔ غیر تو غیر اپنوں کی تنقید سے بچنا بھی مشکل تھا۔ دوسری بات یہ کہ جب دینی اداروں سے ان عصری اداروں کا رُخ کرتے ہیں تو اکثر ان میں سے یہاں آکر فوراً متاثر ہو کر بدل جاتے ہیں بجائے اس کے کہ ان کو متاثر کریں شاید ہمارے اسلاف کا دینی طبقے کو ان عصری اداروں میں جانے سے منع کرنے کی بہت ساری وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہو لیکن مولانا صاحبؒ تو یہاں ان عصری اداروں میں آکر کسی سے متاثر ہونا تو دُور کی بات بلکہ آپ نے سب کو متاثر کیا۔ یونیورسٹی کا پورا ماحول ہی بدل دیا جسے میں اپنے آٹھ سالہ ملازمت کے دوران یہاں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو بہترین رفقاء بھی عطاء فرمائے تھے کہ جنہوں نے ان سب کو محفوظ کیا اور آج یہ قیمتی نصائح وخطبات اُمت مسلمہ تک پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

میں اپنے پی ایچ ڈی ریسرچ کی مصروفیات کی وجہ سے جو دیکھنے کا حق تھا اس قدر تو

نہیں دیکھ سکا البتہ جتنا کچھ دیکھا مطالعہ کیا ان خطبات کو انتہائی مفید پایا خاص کر دعوت سے منسلک حضرات کے لیے اور آئمہ و خطباء کے لیے بہت ہی قیمتی نصائح موجود ہیں اور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صاحبؒ کو حدیث اور رجال حدیث پر بھی گہری نظر تھی۔

اللہ پاک حضرت مولانا صاحبؒ اور آپؒ کے رفقاء خاص کر حضرت ڈاکٹر پروفیسر محمد سراج صاحب کی محنت کو قبول فرمائے۔ اُمت مسلمہ کو ان قیمتی نصائح سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سعید بخاری عفی عنہ

۱۹ مئی ۲۰۲۱ء

بروز بدھ بوقت عصر

پیش لفظ

کیا بتاؤں کہ وہ نگاہیں کیونکر رگ جان ہو گئیں
دِل میں نشتر بن کے ڈوبیں اور پنہاں ہو گئیں

۱۹۵۹ء میں میرا داخلہ اسلامیہ کالج میں ہوا۔ مولانا محمد اشرف صاحبؒ اسلامیہ کالج میں پروفیسر تھے اور ان دِنوں لاٹھی کے سہارے چل سکتے تھے۔ بندہ نے آپ کو آتے جاتے اور خاص کر سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے ضرور دیکھا ہوگا لیکن شناسائی شاید اُس قوت ہوئی جبکہ ۱۵ رمضان ۱۳۸۰ھ بروزِ جمعہ مبارک بمطابق ۳ مارچ ۱۹۶۱ء کو فجر کی نماز کے بعد آپ کے بیان سننے کا موقع ملا۔ ۲۸ مارچ ۱۹۶۱ء کو آپ کے مطالبہ پر رائے ونڈ کے اجتماع کے لیے نام لکھوایا اور ۲۹ مارچ ۱۹۶۱ء کو عشاء کی نماز پڑھ کر آپ کی معیت میں رائے ونڈ کے اجتماع کے لیے خیبر میل سے لاہور روانہ ہوئے۔ اِن دِنوں دو طالب علم فتح محمد (جو اسلامیہ کالجیٹ میں استاد رہے) اور الطافؔ (جو میرے ساتھ ٹیوٹوریل گروپ میں تھے، بعد میں اسلامیہ کالج کے صدر بنے اور پھر سی ایس ایس کر کے ڈاکخانہ جات چلے گئے) یہ دونوں مولانا صاحبؒ سے ترجمہ قرآن شریف پڑھتے تھے۔ اس میں میں بھی شریک ہوا۔ اس کے بعد مولانا صاحبؒ کی پُرکشش شخصیت بندہ کو کھینچتی رہی اور یکم جون ۱۹۶۱ء میں چلّہ کے لیے روانہ ہوا اور حضرت ارشد پشاوری (انجینئر ٹیلیفون) کا بیان شب جمعہ میں سُنا۔ اس بیان کے بعض حصے نوٹ کیے اور دِل میں ہوس پیدا ہوئی کہ حضرت مولانا کے گوہر پاروں کو جو ہم وقتاً فوقتاً سنتے رہتے ہیں۔ اپنے حسب توفیق لکھنا شروع کروں۔ بندہ نے مولانا صاحبؒ سے مشکوٰۃ پڑھی اور ایم اے عربی کی کلاس کو جو آپ تفسیر پڑھاتے تھے، اس میں بھی شرکت کی کوشش کرتا رہا۔ ۲ مئی ۱۹۶۲ء کو آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت سے مشرف ہوا۔ میرا جو حال تھا وہ تو اپنی جگہ لیکن مولانا صاحبؒ کی قدردانی کو دیکھئے کہ ہر قسم کی خاطر داری فرماتے رہے۔ چنانچہ ایک دفعہ میں آپ

کے گھر کے پاس تھوڑی سی فالتو زمین میں کچھ سبزی وغیرہ کی تیاری میں مصروف تھا کہ مولانا صاحبؒ گھر کی طرف سے وارد ہوئے اور یہ شعر پڑھا:

ہر ضرب تیشہ لذت کیف وصال دوست
فرہاد کی جو بات ہے مزدور کی نہیں

سیکنڈ ائیر میں پاس ہونے کی نوید آپ نے خود مجھے رائے ونڈ میں سنائی اور جب بھی موقع ملتا تو بزرگانِ دین کی زیارت اور اُن سے دُعا کرواتے۔ خود اُن کی قدردانی کی حالت یہ تھی کہ ۱۹ جون ۱۹۷۲ء کو رائے ونڈ سے ان الفاظ میں اپنا مکتوب بھیجتے ہیں:

''اُمید ہے مزاج بعافیت ہوں گے اور شاید یہ نابکار یاد بھی آجاتا ہو۔ ہمارا تو بقول شاعر یہ حال ہے:

گھر میں رہا رہین ستمہائے روزگار
لیکن تمہاری یاد سے غافل نہیں رہا

ہر حال مولانا صاحبؒ کی شخصیت آپ ہی کو سجتی تھی اور بقول کسے!

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

۳ ستمبر ۱۹۶۲ء سے بندہ نے مولانا صاحبؒ کے بیانات قلم بند کرنا شروع کیے۔ اس سے پہلے میری معلومات کے بقدر کسی نے یہ کام نہیں کیا۔ البتہ میرے بعد میرے کلاس فیلو، پڑوسی اور پیر بھائی جناب شیر حسن آف زروبی (صوابی) نے اس کارِ خیر کو بجالانے کا بیڑا اُٹھایا اور اس سلسلہ میں بہت کچھ کر گزرے۔ مولانا صاحبؒ اعلیٰ پایہ کے ادیب اور مقرر تھے اور ہم لوگ دیہاتی پٹھان آپ کے اعلیٰ ادبی شان کو برقرار کیسے رکھ سکتے ہیں اس لیے موجودہ ذخیرے میں جو کمی کوتاہی نظر آئے وہ بندہ کی طرف منسوب کی جائے اور جو جواہر پارے موجود ہوں تو وہ آپ کی زبان سے آپ کے قلب اقدس کی ترجمانی سمجھئے۔ نیز یہ بھی یاد رکھئے

کہ مواد کا اکثر حصہ عام لوگوں کو خطاب ہے اس لیے بہت ساری باتیں آپ اپنے مقام عالی سے اُتر کر سمجھانے کے طور پر کرتے ہیں۔ بقولِ مولانا رومؒ!

بہر پسر خود پدرتی کند
گر چہ عقلش خندہ برگیتی کند

نیز آپ کے موضوعات میں اکثر یکسانیت ہے کیونکہ آپ کا خصوصی موضوع تبلیغ تھا جس کی وجہ سے بعض مطالب اور الفاظ کا تکرار نظر آئے گا۔ گو اس پر بھی آپ نے مضامین میں کافی حد تک تنوع اختیار کر کے سامعین کی خاطر خوش طبعی کا سامان تیار کر رکھا ہے۔ تبلیغ کو آپ ختم نبوت کا ایک اہم جزو سمجھتے رہے اس لیے آپ نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ اسی میں گزارا اور اس کے لیے قسما قسم ذہنی، فکری، بدنی، مالی اور جانی قربانیاں برداشت کیں اور اس کو ایک خاص نوعیت کے ساتھ محدود نہیں رکھا بلکہ تقریر کے ساتھ تحریر اور عوامی اصلاح کے ساتھ انفرادی تزکیہ اور اصلاحی کوششوں میں سرگرم رہے۔ آپ نے باوجود جسمانی معذوری کے وہ کارہائے نمایاں سر انجام دیئے جو بڑے بڑے پہلوان نہ کر سکے۔ آپ میں ہمت اور عزم کی اِتنی فراوانی تھی کہ جسمانی معذوری آپ کے لیے رکاوٹ نہ بن سکی اور مولانا عزیز گل اسیر مالٹا سے بندہ نے خود یہ سُنا کہ ”مجھے دو آدمیوں پر رشک آتا ہے جو باوجود اعذار کے پھرتے ہیں۔ ایک تو حضرت مولانا محمد اشرفؒ اور دوسرے مولانا غور غشتویؒ کہ باجود بڑھاپے کے ہر جگہ نظر آتے ہیں“۔

مولانا صاحبؒ نے ہر قسم کے مجمعوں میں خوب روانی اور جگر داری کے ساتھ تقاریر کیں اور ہر طبقے نے آپکو سراہا۔ یہاں تک کہ بریلوی حضرات بھی آپ پر اُنگلی نہ اُٹھا سکے۔ یہ خوبی آپ کی للّٰہیت اور اخلاصِ عمل کی ایک بہترین نشانی ہے۔ آپ کی بزرگی، تواضع، کسر نفسی اور انسان دوستی کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ بہت سارے لوگ جو کہ ابتداء میں آپ

کے مخالف تھے باوجود اپنی کمالِ شخصیت کے آپ کے معتقد اور ہمنوا بن گئے اور قرآن کے اس آیت کے مصداق ''اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ۝'' (فصلت:۴۱،۳۴) نیز آپ کی توہین کو آپ کے مخالفین بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔

یہ بات بھی انصاف کے خلاف ہوگی کہ جن حضرات نے کتاب کی تیاری میں مختلف طریقوں سے مدد کی اُن کا ذکر نہ کیا جائے۔ محترم قاری سعید الرحمٰن بخاری صاحب، پروفیسر میر حاتم صاحب نے غلطیوں کی تصحیح کی، پروفیسر شیر حسن صاحب نے پوری جانفشانی سے مکمل کتاب کو پورے غور سے پڑھ کر نہ صرف الفاظ کی تصحیح کی بلکہ کتاب کے متعلق اپنے مشوروں کو بڑے پُر زور انداز سے نوازا۔ جناب حاجی غضنفر صاحب لاہوری نے کتاب کا اکثر حصہ پوری غور و انہماک سے دیکھ کر جگہ جگہ الفاظ کی تصحیح کی اور اپنی قابلِ قدر مشوروں سے نوازا۔ شاہ عبدالرحیم مروت اور حسن خان مروت نے بڑی جانفشانی کے ساتھ اہل علم حضرات سے تقریظات لکھوالیں۔ اپنی چھوٹی بیٹی رابعہ نے بھی کتاب کی پروف ریڈنگ میں اپنی مہارت دکھائی۔ عبدالمجید نے حسب موقع حاضری کی اور کتاب کو شائع کرنے کا سہرا اپنے سر باندھا اور کمپوزر اسلام گل نے بھی بڑی عرق ریزی سے کتاب کی تکمیل کا کام سرانجام دیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سارے لوگوں نے دُعاؤں سے نوازا اور بندہ کو اس عظیم کام کے سرانجام دینے کی ہمت دِلائی۔ بندہ ان سب حضرات کا انتہائی مشکور اور احسان مند ہے۔ خدا کرے کہ یہ مجموعہ جو اس ناچیز نے حضرت مولانا صاحبؒ کے حوالے سے پیش کیا ہے ناظرین کی دینی فہم کے لیے کام آئے۔ اب ناظرین سے عرض ہے کہ وہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ قارئین تک پہنچائے اور اگر کوئی کمی محسوس کریں تو اس کی نشان دہی بھی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس محنت کو قبولیت کا درجہ دے اور بندہ کے لیے مغفرت اور ثواب کا ذریعہ بنائے اور مولانا

صاحبؒ کے درجات کو بلند فرمائیں جن کی دلسوزی سے یہ سب کچھ ممکن ہوا۔ وباﷲ التوفیق و هو خیر الرفیق و اٰخر دعوانا ان الحمد ﷲ رب العالمین۔

پروفیسر محمد سراج سواتی

نوٹ: کتاب میں جہاں صرف مولانا صاحبؒ لکھا ہو تو اس سے اکثر مراد حضرت الشیخ مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ مراد ہوتے ہیں۔ جہاں پر مولانا صاحبؒ نے حضرتؒ فرمایا تو مراد آپ کے شیخ قیم حضرت سید سلیمان ندویؒ ہوتے ہیں اور جب صرف حضرت شاہ صاحبؒ بولتے ہیں تو آپ کے شیخ ثانی حضرت شاہ عبد العزیز دعاجو دہلویؒ کی ذاتِ اقدس کی طرف اشارہ ہے جس نے آپ کو پہلی مرتبہ اپنا خلیفہ اور مجاز بنایا۔ مولانا رومؒ اکثر مولانا کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اللہ میاں کو اکثر اوقات مختصراً ''میاں'' کے لفظ پکارتے ہیں۔ باقی اکابرین کو اکثر ان کے معروف نام سے ذکر فرمایا ہے۔

حضرت الشیخ مولانا محمد اشرف سلیمانؒ کی روئیداد اُن کی زبانی

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (13 مئی 1969ء)

جون 1948ء میں حاجی میاں عبد اللہ (رائے ونڈ والے) سے ظاہری اور باطنی ملاقات ہوئی۔ میں اور ایک اور صاحب جو کہ تبلیغ میں اُنیس دن گزار گئے تھے، کی مولانا احتشام الحسن صاحبؒ سے لاہور میں ایک کوٹھی پر ملاقات ہوگئی۔ احتشام الحسن صاحب، حضرت مولانا الیاسؒ کے خلفاء میں سے ہیں اور خاص معتقدین میں ''مسلمانوں کی پستی کا واحد علاج'' آپ کی تصنیف ہے۔ مولانا الیاسؒ کے کل چھ خلفاء تھے۔ یہ ان دِنوں کی بات ہے جبکہ رائے ونڈ کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔

''جو خدا کے لیے زمین پر گھسٹتے ہیں وہ اللہ کے ہاں تقرب کے رُخ سے آسمانوں پر اُڑتے ہیں''۔

ابتدائی دَور میں میری ٹانگیں ٹھیک تھیں، جوانی تھی، جوش تھا اور سیاست سے دلچسپی۔ تحریک آزادی میں سرگرم رہے۔ ایک دفعہ ڈی۔ ایس۔ پی نے پکڑنے کی کوشش کی لیکن اپنے آپ کو بچا کر رہے۔ بیس اکیس سال کی عمر تھی کہ مسلم لیگ کا علاقائی اور صوبائی سیکرٹری بنا۔

حضرت جیؒ (مولانا محمد یوسفؒ) سے ملاقات ہوئی۔ حاجی نور الٰہی ساتھ تھے، پائنتی بیٹھے، آپ آکر میرے سرہانے بیٹھے اور واقعات سنانا شروع کر دیئے۔ تقسیم کے وقت قتل عام کے بعد آپ پر سوز کی کیفیت تھی اور اس وقت آواز ذبح کی ہوئی گائے جیسے ہوگئی تھی۔ یہ وہی وقت ہے جس کے متعلق شیخ الحدیث نے کہا ''کہ ہوائی جہاز کی رفتار سے ترقی کرتے

رہے" مجھے صاحبزادے صاحبزادے کہتے رہے فرمایا کہ والد صاحبؒ (مولانا الیاسؒ) کہہ کر گئے تھے۔ "نکل جاؤ ورنہ چوہوں کی طرح مار مار کر نکالے جاؤ گے"۔

مولانا الیاسؒ نے مفتی کفایت اللہ صاحب کے مکان پر مجمع کے سامنے مفتی صاحب کو چھری دے کر کہا "اگر میں فتنہ ہوں تو مجھے ذبح کرو اور اگر ٹھیک ہوں تو میری حمایت کیوں نہیں کرتے"۔

فرصت کے عالم میں سال میں پانچ پانچ مرتبہ سید صاحبؒ کے پاس کراچی گیا ہوں۔ حضرت سید صاحبؒ کی ہر تحریر میرا حال بن جاتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے شروع ہی سے ڈورے ڈالنے شروع کیے تھے۔

مولانا الیاسؒ لکھنو تشریف لے آئے، شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحبؒ ساتھ تھے اور ایک تبلیغی جماعت بھی ندوہ میں مقیم تھی۔ حضرت سید صاحبؒ ساتھ رہے اور آپ پر اُن کے کام کا اثر ہوا اور معارف میں تبلیغ کے بارے میں مضمون لکھا۔ (1943ء) میں ایک تبلیغی وفد پشاور آیا جن میں مولانا الیاسؒ کے دو تین خلفاء کے ساتھ مولانا منظور نعمانی[1]، عبد المالک صاحب اور مولانا علی میاں صاحب شامل تھے، یہ حضرات سول کوارٹرز میں ٹھہرے۔

علی میاںؒ کی تقریر:

عالم همه ویرانه زچنگیزئ افرنگ
معمار حرم باز با تعمیر جهان خیز

(انگریزوں کے ظلم و ستم سے پوری دنیا ویرانی کی شکل اختیار کر گئی ہے، اے حرم کے معمار دنیا کی آبادی کے لیے پھر اپنا کمر باندھ لینا۔)

عبد المالک صاحب کا کہنا "حجرہ نبوی میں جتنے بھی لوگ رہے ہیں، اُن کی اولاد کسی

---

[1]۔ مولانا منظور نعمانیؒ اور حضرت ابوالحسن علی ندوی (علی میاں)ؒ حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری کے خلفا ہیں۔

نہ کسی زمانہ میں بادشاہ وغیرہ رِہ چکی ہے''۔

حضرت سید صاحبؒ سے تبلیغ میں شرکت کے سلسلے میں عرض کیا تو فرمایا کہ اول اصلاح خویش اور بعد میں تبلیغ۔ 1948ء میں دوبارہ دریافت کیا تو فرمایا'' آپ اس کام میں شرکت فرماسکتے ہیں لیکن اپنی اصلاح اور صلحاء کی صحبت کی نیت ہو اور نیت خالص ہو''۔ مسجد گنج علی خان میں عبدالمجید ملتان والے کا بیان ''جو لوگ تبلیغ کا کام نہیں کرتے وہ گویا غیر شعوری طور پر حضور ﷺ کے ختمِ نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ تبلیغی اجتماع اور حالات کا جائزہ لینا اور ایک دو دِن کام کرنا اور پھر غائب ہونا۔ اپریل کے مہینے میں مولانا نور محمد صاحب میواتی حجاز میں ساڑھے تین سال گزار کر آئے۔ قریشی صاحب کا آنا اور بڑے قریشی کا دیکھنا اور چائے کا کہنا۔ وقت کا دیکھنا، مولانا نور محمد صاحب میواتی کے ذریعے مطالبہ کیا اور (مولانا صاحبؒ) کا ماں کی اجازت سے پہلے دَس دن اور پھر اُنیس دن تبلیغ والوں کے ساتھ گزارنا اور حضرت شاہ صاحبؒ سے ملاقات۔ شاہ صاحبؒ کا پشاور آکر مولانا صاحبؒ کو جواب بھیجنا، طبیعت میں مناسبت آپ کی تقریر اور تاثیر ہمارا رونا اور آنسو بہنا۔

حضرت شاہ صاحب دُعاجوؒ کا حضرت مولاناؒ سے چلے کا مطالبہ اور فرمانا کہ اگر پیسے نہیں تو اماں سے مانگ لو اور پھر خود سو روپے نکال کر دے دینا اور کہنا'' پھر واپس کر لو تم تو ہمارے بیٹے ہو۔ جس وقت آسانی سے دے سکو دے دو''۔ خیر پھنس گئے اور بہاولپور چل دیئے وہاں سے کوئٹہ اور قلات کا سفر کیا۔ احمد دین صاحب بھی راستے میں شامل ہوگئے۔ یہ فضل محمود صاحب کے بھائی ہیں۔ وہاں پر بتیس آدمی تیار ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ خرچ خوب کرتے تھے، دو کارخانے تھے اور رقم آتی تھی۔ اس سفر میں آپ نے تقریباً بارہ سو روپے خرچ کیے تھے۔ ایک دفعہ گشت پر نکلا اور رئیسؔ صاحب کے ساتھ نواب قلات کی مسجد میں گیا۔ رمضان کا مہینہ تھا، انہوں نے سوکھی ہوئی روٹیاں کنڈول میں ڈال کر افطاری کروائی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کو کشف بہت زیادہ ہوتا تھا۔ فرمایا کہ ''نتھرے ہوئے علوم قلب پر موسلادھار بارش کی طرح وارد ہوتے ہیں۔ بعض اوقات کھلے ہوئے نہیں ہوتے، اُن میں غموض ہوتا ہے''۔ آپؒ نے نواب قلات کی مسجد کو میرے پیچھے سائیکل پر آدمی بھیجا اور مجھے واپس اپنے پاس بلایا۔ اُس چلے کی تمام گفتگو اور تقریر یاد ہے۔ تربیت بھی کرواتے تھے۔ حکایاتِ الصحابہؓ پڑھوا کر اُس پر گفتگو کروائی۔ کہا ''جی چاہتا ہے کہ جی نکال کر دوں'' اور ایک صاحب کو کہا ''کہ تمہیں گولی ماروں اور اُسے گھول دوں''۔

کوہاٹ کا سفر کیا اور حاجی بہادر کی مسجد میں ٹھہرے۔ اس سفر میں حاجی اسلم بھی ساتھ تھے۔ تین دن وہاں رہے، پھر میاں والی گئے۔ گشت میں حضرت شاہ صاحبؒ بھی ساتھ تھے۔ اب نماز میں جو ہم یہاں آئے تو وہاں آگ لگ گئی۔ اب بجھتی نہیں تھی تو اس پر حضرت نے تین کنکریاں پھونک مار کر پھینک دیں تو آگ بجھ گئی۔

میاں والی اور ٹانک کی گرمی زوروں پر تھی اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تعلیم عمومی اور خصوصی جاری رہتی۔ ایک رفیق جو دسویں کا امتحان دیتا تھا، اُن کو علیٰحدہ بٹھاتے تھے اور بچوں کی چھوٹی چھوٹی باتیں بتاتے تھے۔ فرمایا کہ ''تبلیغ نرے وقت کا لینا نہیں بلکہ تبلیغ تمہارے نفس کا تقاضا بن جائے''۔ فرمایا ''فکر تو ہے لیکن تقاضا نہیں'' اور فرمایا کہ ''دعوتیں کھائی نہیں'' جب بولتے تو موتی رولتے۔

جو کام نہ قوت سے نکلتے دیکھے
جن کاموں سے عاجز ہے دنیا
وہ کام محبت سے نکلتے دیکھے

فرمایا ''محبت دل جیت لے گی اور جب جی جیت لیا جائے گا تو دن خود بخود وصول ہوں گے''۔ فرماتے تھے ''دل بڑھا کہ دن بڑھے''۔

دوسری دفعہ پشاور آنے پر حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ ہولیا۔ اُس وقت سفر میں بشیر طارق صاحب بھی ساتھ تھے۔ یہ بچے تھے، اُن کے والد اور چچا پیروں سے تعلق رکھتے تھے تو حضرت شاہ صاحبؒ پیری کے رُخ سے بھی شکار کرتے تھے، تعویذ اور دُعا کے ذریعے نکالتے تھے۔

بائیس اور تئیس نومبر 1953ء کی درمیانی شام کو حضرت سید صاحبؒ کا وصال ہوا۔ ہم تو بالکل Stunned ہوگئے۔ مدتوں تک ہوش ہی نہیں آیا کہ کیا کریں۔ دو ڈیڑھ سال کے بعد خیال ہوا کہ کسی سے تو رابطہ قائم کرلیں۔ مولانا مفتی محمد حسین صاحبؒ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور خلیفہ ارشد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تعریف سُنی تھی اور حضرت سید صاحبؒ اُن کو بزرگوں میں شمار کرتے تھے۔ ’’نفیر غیب‘‘ مجھے دیدی تھی اور فرمایا ’’کہ میرے نزدیک یہ کروڑوں روپے سے زیادہ قیمتی ہے‘‘۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ کو خط لکھا، جواب بڑا مختصر دیا، حالات لکھ دیئے۔ فرمایا: ’’اچھا کیا‘‘۔ میں نے لکھا کہ آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ کہا ’’استخارہ کیجیے‘‘۔ لمبا چوڑا خط اور مختصر جواب۔ اس میں کافی عرصہ گزرا اور محبت کا پھر دورہ پڑا تو استخارہ کیا۔ دیکھتا ہوں کہ میرے استاد جس سے میں نے صحاح کی کتابیں پڑھی تھیں، اُن کا انتقال ہوا۔ عرفہ کے دن عرفات میں۔ استاد صاحب مرحوم نے خواب میں فرمایا ’’تین گھنٹے کا راستہ ہے، وہاں چلو‘‘۔ خیال مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری کی طرف گیا جو ان دِنوں اکوڑہ خٹک میں بادشاہ گل صاحب کے مدرسہ میں شیخ الحدیث تھے لیکن کئی دفعہ چکر لگانے پر وہ نہ مل سکے۔ دوسرے دن خواب دیکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور ایک دوسرے صاحب موجود ہیں اور اُس دوسرے صاحب کا فرمانا کہ ’’یہ بزرگ اس وقت انتہائی مقام پر ہیں۔ شاہ صاحبؒ اُن دِنوں کوہاٹ میں تبلیغی سفر پر تھے‘‘۔ کوہاٹ جاکر اُن سے ملا اور ان کو اپنا حال سنایا۔ آپ نے کامل پوریؒ کے نام

رقعہ دیا لیکن وہ پھر نہ مل سکے۔ تیسرے دن پھر خواب دیکھا کہ شاہ صاحب مردان میں ہوتی پار کی مسجد کے چھپر کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں اور اُن کے سینے سے کچھ میری طرف منتقل ہو رہا ہے"۔ حضرت سید صاحبؒ سے سنا تھا کہ آپ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ کافی مدت تک رہے ہیں۔ چنانچہ مردانؔ حضرت شاہ صاحب کے پاس پہنچا اور اُن سے اپنا حال عرض کیا تو آپ نے فرمایا "ہمارے ہاں گوٹے کی ٹوپی نہیں ہوتی۔ میں نے قبول کیا۔ دوسری جگہ جاؤ گے تو پتہ نہیں مناسبت ہو گی یا نہیں ہو گی"۔

1951ء کی بات ہے یعقوب خان (پلوسی والے نہیں) تبلیغ میں شروع میں لگے تھے۔ اُن سے ملنے سویرے آدمی بھیجا لیکن تانگے والے کا انکار کہ صبح ہی آدمی بھیجا۔

وہی رات ان کی وہی رات میری
کہیں گھٹ رہی ہے کہیں بڑھ رہی ہے
دل تو تمہاری یاد سے ہے
صورت پرست دیدوں کو کیا کروں عجیب

1961ء میں سکھر ٹنڈو آدم کا اجتماع تھا، شاہ صاحبؒ کا بھی وہاں قیام تھا۔ اجتماع میں مفتی زین العابدینؒ اور ارشد صاحبؒ کے بیانات ہوئے لیکن اوقات نہیں آئے۔ دوسری رات عشاء سے پہلے مشورہ ہوا اور مجھے بیان کے لیے کہا گیا۔ شاہ صاحبؒ کی توجہ تھی کہ ساڑھے چار گھنٹے بیان ہوا اور ایک سو تین آدمیوں کے نام آئے اور دوسرے دن حضرت شاہ صاحبؒ نے مجھے اجازت دے دی۔ فرمایا کہ ساتھیوں کو اطلاع دیدو اور جو بھی آئے انکار نہ کرنا۔ فرمایا "بھئی بات یہ ہے کہ ایک ہوتی ہے بیعت ارادت اور ایک ہوتی ہے بیعت ایمان۔ صحیح عقیدے کے ساتھ نہیں جڑیں گے تو نہ جانے کہاں جائیں۔ اُس وجہ سے بیعت کر لیتے ہیں کہ کہیں غلط جگہ پھنس کر ایمان خراب نہ کرے ورنہ ہمیں کیا ہے؟

ازان ترسم کہ من شایانِ شانِ تو نہ بودم

(مجھے ڈر اس کا ہے کہ میں تیرے شان کے مطابق نہیں تھا۔)

استدراج کا خوف رہتا ہے، خطبے کے آخری لفظ تک یہ سمجھ نہیں آتا کہ کیا کہوں لیکن وہ کہلوا لیتا ہے۔ اسے کہتے ہیں فیضانِ نظر۔

بینی اندر خود علوم انبیاء

بے کتاب و بے معید و اوستا

(یعنی اگر تو راہ طریقت پر گامزن ہو جائے تو اپنے اندر انبیاء علیہم السلام والے علوم مشاہدہ کروگے بغیر کتاب، تکرار اور استاد کے۔)

دلوں ہی دلوں میں فیصلہ ہو جاتا ہے۔

تمنا دردِ دِل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو

یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اللہ کی نسبت کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ استعداد نسبت یا تخم نسبت۔ جس وقت مرید کی طرف سے ارادت اور شیخ کی طرف سے افاضہ شروع ہو جاتا ہے، اُسے ابتدائے نسبت بھی کہتے ہیں اور حضرت تھانویؒ کے لفظوں میں اس کو شیخ و مرید کی مناسبت بھی کہتے ہیں۔ اب جتنی بھی نسبت تامہ ہو گی، اُدھر سے افاضے کا فیضان و سیلان ہو گا اور مرید کی طرف سے انقیاد و طلب میں زیادت ہو گی۔ یہاں تک کہ مناسبت تامہ اُس مقام پر پہنچ جائے گی کہ باطنی طور پر شیخ و مرید ایک جان دو قالب ہو جائیں گے یعنی جو قلب شیخ میں ہے وہ قلب مرید میں ہو گا۔ اب جب رابطہ قوئیہ مستقل اور قوی بالذات ہو گا تو اُسے انتقال نسبت کہتے ہیں۔

بعض شیوخ جو اپنے مریدین کی بہت عظمت و محبت کرتے ہیں جیسے مولانائے روم اور حسام الدین چلپائیؒ کہ وہ تمام کمالات جو مرید میں دیکھتا ہے اپنے کو نیست سمجھتا ہے اور اسے وہ اپنے شیخ کا کمال سمجھتا ہے تو وہ محبت شیخ کی بناء پر اپنے مرید سے وہ معاملہ کرتا ہے جو کہ شیخ سے کرتا ہے اور مرید مراد دکھائی دیتا ہے۔

کان مملوکی فاضحیٰ مالکی

اِنّ ھٰذا من اعاجیب الزمن

(زمانہ کے عجائبات جس سے ایک یہ بھی ہے کہ میرے مملوک کو میرا مالک بنایا۔)

جس وقت مرید اپنے شیخ سے مناسبت کھا جاتا ہے تو حضور ﷺ کے قلب مطہر میں جو خدا کی لگن اور نسبت تھی وہ سلسلہ بہ سلسلہ ایک شیخ سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتی آئی ہے اور ہر شیخ نے اپنے شیخ سے بقدر ظرف اس نسبت کو لیا ہے۔

فیض ساقی ہے بہ اندازۂ ظرف میخوار

دل حریف مے بسیار کہاں سے لاؤں

جب مرید کا ظرف قلب شیخ کی تربیت سے اُس نسبت کے قابل ہو جاتا ہے جو کہ سلسلہ بہ سلسلہ حضور ﷺ سے قلباً بہ قلباً منتقل ہوتی آئی ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت اُس تعلق الٰہی کی نسبت و لگن کو اُس مرید کی طرف منتقل کر لیتی ہے اور وہ وہاں قرار پکڑ لیتی ہے اور مرید مستقل خدا کا تعلق والا ہو جاتا ہے یعنی بالغ ہو جاتا ہے۔

آثار نسبت یا ظہور نسبت کی نشانی یہ ہوگی کہ بندہ کو اپنے اندر خداوند قدوس کی محبت اور خشیت کا غلبہ حال ہو گا لیکن شیخؒ کا سر خاص جو کہ نسبت کا لونِ خاص ہوتا ہے۔ وہ صرف ایک کی طرف، دو کی طرف یا چند مریدوں کی طرف منتقل ہو گا اور وہ خلیفۂ خاص کہلائے گا۔ نسبت تامہ کا تحقق عموماً ایک شخص کی طرف ہوتا ہے اور پھر کیا ہوتا ہے جو شیخ میں

ہوتا ہے وہ مرید میں ہوتا ہے۔ ''الولد سِرٌّ لابیہ'' یہ محرم خاص، محرم حال اور علوم خاصہ کا حامل ہوگا۔

حضرت سید صاحبؒ 15 اگست 1953ء کو عصر کے وقت ملفوظات فرما رہے تھے گویا کہ رخصتی تھی اور میرا قلب یوں محسوس کر رہا تھا کہ گویا بیٹھ جائے گا اور جیسے کہ دودھ وغیرہ پینے کے بعد کچھ چیز محسوس ہوتی ہے۔ ادراک یافت محسوس ہوتا ہے اور وہ کیفیت مدتوں محسوس ہوتی ہے۔

کچھ دل میں نظر کرنا کچھ جلوہ گری ہوگی
یہ شیشہ نہیں خالی کچھ اس میں پری ہوگی

ایک مرتبہ حضرت سید صاحبؒ سے پوچھا۔ بزرگوں سے فیض کیسے حاصل کیا جاتا ہے؟ پہلے تو لرز گئے اور پھر استغفر اللہ استغفر اللہ کہا۔ پھر فرمانے لگے۔ ہمیں حضرت تھانویؒ نے اس کا طریقہ یہ بتایا تھا کہ جب کسی بزرگ کے ساتھ بیٹھو تو یوں سمجھو کہ تمہارا دل اس کے دل کے ساتھ پیوست ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے دل پر جو فیض آرہا ہے وہ میری طرف منتقل ہو رہا ہے اور میں نے اپنے ذہن میں اس کی صورت مثالی یوں بنائی تھی کہ میرا دل نیچے اور حضرت کا دل اُوپر ہے۔ اگر پاس انفاس کا خیال رکھا جائے اور اللہ تعالیٰ کا دھیان کرے تو فیضان کی آمد ہو جائے۔

علی ہجویریؒ کے مزار پر جانا۔ متوجہ ہو کر جائیں تو سب توجہ آپ کی طرف ہوگی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا فرمانا ہے کہ نسبت قادریہ نسبت اویسیہ کا مماثل ہے اور بغداد میں میں نے نوٹ کیا کہ جب توحید تامہ حاصل نہ ہو جائے تو نسبت قادریہ میں شرک کا شبہ رہتا ہے۔

نوٹ: یہ بیان اگرچہ بعد والے زمانہ کی ہے لیکن اس کو ابتدا میں اس لیے رکھا گیا کہ یہ مولانا

صاحبؒ کی روئیداد زندگی خود اپنے زبان سے بتاتی ہے۔ اس میں بعض ایسے اشارات ہیں کہ انکا سمجھنا اس وقت مشکل ہے۔ اگر ابتدا میں حضرت الشیخؒ سے خود عرض کرتے تو شاید گتھی سلجھ جاتی۔ اب تو موجودہ صورتحال پر صبر کرنا ہے یا اگر کسی صاحب کی سمجھ میں آجائے تو بتائے کہ آئندہ ازالہ ہوسکے۔

محمد سراج

تعارف جامعہ علوم القرآن

(قائم شدہ ربیع الاوّل 1381ھ بمطابق اگست 1961ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾"۔

ترجمہ: "رحمان ہی نے قرآن سکھایا، پیدا کیا انسان کو، اسے بولنا سکھایا"۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور حضرت محمد ﷺ کا سب سے بڑا دائمی معجزہ ہے جس کا ہر ہر نقطہ و حرف نُور و ہدایت، معرفت و حکمت، علم و حقیقت، اسرار و رموز اور احکامِ الٰہی کا خزانہ ہے۔ قرآن کریم کی یہ انوکھی شان ہے کہ اپنے سے مناسبت رکھنے والے متقی اہل علم پر خوب کھلتا اور کِھلتا ہے لیکن اہل باطل اور اپنی خواہش کی پرستاروں سے اس کے علوم و حقائق بالکل پردہ میں رہتے ہیں اور وہ اپنے اوہام اور خیالات فاسدہ ہی کو (العیاذ باللہ) قرآن مجید کے الفاظ سے مستنبط کرنے کی گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں اور یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا کا مظہر بنتے ہیں۔ آج جس طرح ایک طبقہ اپنی خواہشات اور باطل نظریات کو قرآن کریم کا نام لیکر پیش کر رہا ہے اور دین اور عربی سے ناواقف لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ اہل نظر سے مخفی نہیں وقت کی ایک سب سے بڑی ضرورت ہے کہ قرآن فہمی اور قرآنی تعلیم و تعلم کا سلسلہ صاحب نظر متقی اور حقیقت رَس علماء کی سرپرستی میں قائم کیا جائے جس کے فارغ التحصیل قرآن کے غوامِض و حقائق کو سمجھ کر دوسروں کو سمجھا سکیں اور قرآنی علوم کی اشاعت قرآن و سنت اور سلف صالحین کے صحیح مسلک کے مطابق کر سکیں اور بقولِ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہٗ، قرآن کریم کو "نامستند، غیر معتمد مؤدلین و مفسرین کے ہاتھوں سے بچا سکیں"۔

اہل علم جانتے ہیں کہ بر صغیر ہند و پاک میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے خاندان سے اللہ تعالیٰ نے احیاءِ علوم قرآن و سنت کی جو خدمت لی ہے اس کی نظیر پورے عالم

میں نہیں ملتی۔ حجۃ اللہ البالغہ اسرار شریعت میں بے مثل کتاب ہے جس کے مباحث سے واقفیت علوم قرآنی اور رموز شریعت کے سمجھنے کے لیے کلید و کیمیا کا حکم رکھتی ہے۔ اسی طرح فوزالکبیر اُصول تفسیر میں اپنی شان کی نرالی کتاب ہے۔ علوم قرآنیہ میں بصیرت حاصل کرنا اور تفسیری علوم سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے باوجود اپنے ایجاز و اختصار کے فوز الکبیر ایک صادق طالب کے لیے کافی ہے کیونکہ شاہ صاحب نے اس کتاب میں دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے جو شاہ صاحب کا ہی حصہ ہے۔ اسی طرح بوریا نشین شاہان دہلی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب، شاہ عبد القادر رحمہم اللہ کے تراجم قرآنی اپنی مثل آپ ہیں اس لیے موجودہ دَور میں قرآن فہمی کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم و نظریات کے مطابق قرآن کی تفسیر و تشریح، قرآنی حقائق و معارف اور علوم کے سمجھنے کے لیے اکسیر و بنیاد اور معیارِ کامل کا حکم رکھتی ہے جس سے قرآن فہمی اور قرآن دانی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں اور علوم قرآنی میں بصیرت تامہ اور حقائق قرآنی سے مناسبت کاملہ پیدا ہوتی ہے اور قرآن کے غیر محتاط مترجمین کی غلطیاں اور غیر مستند مؤلین اور مفسرین کی ابلہ فریبیاں اور جہل و نادانی آشکارا ہوتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا اہل سرحد اور خصوصاً اہل پشاور پر احسان ہے کہ حکمت ولی اللہ کے ایک بڑے آشنا جن کی عمر کا ایک بڑا حصہ قرآن کریم اور حضرت شاہ صاحب کی کتابوں کے درس و تدریس میں گزرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شاہ ولی اللہؒ کے علوم کی روشنی میں قرآنی علوم کی تعلیم و تدریس اور فوزالکبیر اور حجۃ اللہ البالغہ کی تفہیم و تدریس کے لیے ایک مدرسہ جامعہ علوم القرآن کے نام سے مسجد شیخان ایجرٹن روڈ نزد قصہ خوانی پشاور میں قائم فرما رہے ہیں جس کا افتتاح جناب حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے بتاریخ 31 اگست 1961ء سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں کی تفسیر بیان فرما کر کر دیا ہے۔

میری مراد بحر العلوم حافظ حدیث حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد رشید جامعہ ملیّہ دہلی اور جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمان مدظلہ کی ذات گرامی ہے جو پشاور یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کی پروفیسری سے فراغت پا لینے کے بعد اپنی زندگی کے ایّام قرآن کی اس خدمت میں گزارنا چاہتے ہیں۔ مولانا موصوف سے جو حضرات واقف ہیں وہ ان کے قرآنی علوم میں تبحر حقیقت رَسی اور بصیرت سے واقف ہیں۔ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات مغتنم ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور اہل سرحد کو توفیق عطا فرمائے کہ حضرت کے علوم قرآنی سے فیضیاب ہو سکیں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتابوں اور حضرت کشمیریؒ کے نکاتِ علمیہ سے مستفید ہو سکیں۔

دِل و جان سے حق سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں دُعا ہے کہ موصوف کی یہ کوشش ہمارے ان نواح اور پاکستان میں علوم قرآن کے احیاء کا سبب بنے۔ آمین

سردست جامعہ علوم قرآن میں مندرجہ ذیل چار شعبے کھولے جارہے ہیں:

(۱) شعبہ تجوید القرآن (۲) شعبہ تعلیم القرآن (۳) شعبہ تذکیر بالقرآن (۴) شعبہ اشاعتِ قرآن۔ غالباً ہر شعبہ کا مختصر تعارف اس جگہ مناسب ہوگا اس لیے آئندہ سطور میں درج کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

۱) شعبہ تجوید القرآن

اس شعبہ میں طلباء کو تجوید اور تصحیح مخارج کی مشق علماً اور عملاً بتائی جائے گی۔ علمی نصاب میں کتاب جمال القرآن مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ اول سے آخر تک پڑھائی جائے گی اور عملی نصاب میں اِتنی مدت تک مشق کرائی جائے گی کہ استاد کو کلی اطمینان ہو جائے کہ اب طالب علم کی قرأت صحیح ہوگئی۔

۲) شعبہ تعلیم القرآن

اس شعبہ میں صرف فارغ التحصیل طلباء کو لیا جائے گا (خواہ وہ درس نظامی کے

مدارس عربیہ اسلامیہ کے فارغ شدہ ہوں یا یونیورسٹیوں کے بی۔اے اسلامیات یا ایم۔اے اسلامیات ہوں، بی۔اے عربی، ایم۔اے عربی مولوی عالم یا مولوی فاضل ہوں اور اُن کو ایک سال کے اندر چار چیزوں کی تکمیل کرائی جائے گی۔

- تفسیر قرآن کے ایسے اُصول بتائے جائیں گے جن کا حفظ کرنا قرآن کے مطالب میں گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے اور ان کے حفظ کے بغیر قرآن پاک کا صحیح فہم ناممکن ہے۔ اس مقصد کے لیے مجدّدِ دین حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتاب الفوزالکبیر اول سے آخر تک پڑھائی جائے گی۔
- ترجمہ قرآن پاک اوّل سے آخر تک علمی تحقیقات، حل اعتراضات اور اُصولِ تفسیر مذکورہ الفوز الکبیر کے اجراء کے ساتھ پڑھایا جائے گا۔
- اسرارِ شریعت اسلامیہ جن کے فہم کے بغیر اسلامی احکام کا علی وجہ البصیرۃ سمجھنا ناممکن ہے اس مقصد کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا حصہ اول پڑھایا جائے گا۔
- تجوید قرآن پاک کی علماً و عملاً تکمیل کرائی جائے گی جیسا کہ پہلے شعبہ میں ذکر کیا گیا۔

تنبیه: ان چار چیزوں کی تکمیل اور سالانہ امتحان میں کامیابی حاصل کر لینے پر مدرسہ کی طرف سے سند دی جائے گی اور جب ان چار چیزوں کی تکمیل طالب علم نہیں کر پائے گا اور سالانہ امتحان میں کامیابی حاصل نہیں کرے گا، کسی سند کا مستحق نہیں ہو گا۔

۳) شعبہ تذکیر بالقرآن

- مناسب مقررہ وقت پر صرف تذکیر اور نصیحت کی غرض سے قرآن پاک کے مطالب کی تشریح کی جائے گی جس میں عامۃ المسلمین شرکت کر سکیں گے۔
- مناسب وقت پر دَور حاضر کے اعتراضات کا خیال رکھتے ہوئے قرآن پاک کے

مطالب کی تشریح کی جائے گی جس میں تعلیم یافتہ حضرات شرکت کر سکیں گے۔

۴)شعبہ اشاعت قرآن پاک

✦ قرآن پاک کے متعلق مباحث و علمی تحقیقات پر مقالات اور محققانہ تصنیفات کی نشرو اشاعت کی جائے گی۔

✦ کتب خانہ قرآن پاک کی قدیم و جدید تفاسیر اور علوم فنون پر جملہ مستند اور مفید کتابیں جمع کرنا تاکہ اہل علم ان سے مستفید ہو سکیں۔

مدرسہ جامعہ علوم قرآن کے مؤسس حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب کی پیرانہ سالی میں یہ جوان ہمتی قابل صد ستائش و مبارکباد ہے۔ اب اہل نظر علماء کرام، تعلیم یافتہ حضرات اور عامۃ المسلمین کا تعاون ہی اس قرآنی دورہ کی بقاوترقی کا سبب بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ قرآنی علوم کی تعلیم و تعلم واشاعت و فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

آخر میں مدارس عربیہ کے اکابر سے مخلصانہ اور عاجزانہ التماس ہے کہ اس مدرسہ کی سرپرستی فرما کر اپنے فارغین کو اس مدرسہ میں شرکت کی طرف متوجہ فرمائیں۔ اسی طرح تعلیم یافتہ اور عام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ مدرسہ جامعہ علوم القرآن کو اپنے کلی تعاون سے مضبوط بنا کر قرآنی علوم کے حصول و خدمت کی سعادت حاصل کریں۔

نوٹ: جامعہ کا یہ تعارفی مقالہ مولانا صاحب کی ڈائری سے جس میں کہ نصف موجود تھا اور نصف ندارد اور بندہ سے لکھنے میں چند اغلاط بھی ہوئی تھیں جو کہ سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے تھیں مگر بزرگوں کی عنایات کا کیا کہنا کہ آج جو ہم کتابوں کو ترتیب دے رہے تھے انہوں نے یہ مقالہ کہیں سے نکال کر حوالہ کیا۔ چنانچہ یہ مضمون بھی اب پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔

الحمد للہ والشکر للہ

محمد سراج بقلم خود

مورخہ 11 ستمبر 1962ء

انسانِ کامل (شہری و تاجر)

ریڈیائی تقریر (23 اگست 1961ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔

ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور انسانی فضل و کمال کا انتہائی نکتۂ معراج تھے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی ذاتِ پاک تمام انسانوں کے لیے قیامت تک راہنمائی اور ہدایت کا سبب ہے۔ انسانیت کے تمام طبقات کے لیے آپ ﷺ کی کامل زندگی اور مکمل تعلیمات ہر زمانہ میں مشعل ہدایت اور ذریعۂ نجات ہیں۔ شاہ و گدا، حاکم و محکوم، امیر و غریب، تاجر و زارع، صنعت کار و مزدور، عورت و مرد، جوان اور بوڑھا ہر ایک اِس آفتابِ نُور سے فیض و روشنی حاصل کر سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی آمد اس دنیا میں ہدایت کے عام کرنے کے کسوٹی ہے اس لیے اُس کی ذات سراپا رُشد و ہدایت ہوتی ہے اور نبی ﷺ اسی زندگی کے کسی عمل میں بھی مشغول ہو، انسانیت کی رہنمائی کے لیے اس کی ذات سے ہر آن ہدایت کے انوارات نکل کر دوسروں کو روشن کرتے رہتے ہیں۔ اس کا دل بینا و حقائق آشنا ہوتا ہے اور بے محابا اُس کے قول و عمل سے حق و باطل میں تفریق ہو جاتی ہے۔ اس پر زندگی کے جملہ شعبوں کے حقائق، خوبیاں اور بُرائیاں کھولی جاتی ہیں۔ وہ اپنی نبوی آنکھ سے خیر و شر کو دیکھتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ایک کامل نمونہ کی زندگی پاتا اور اپناتا ہے اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتا ہے۔ وہ اپنی الٰہی بصیرت و روشنی کی بنا پر انسانیت کے جملہ طبقات کو ان ہدایات سے روشناس کرتا ہے جس میں ان کی دائمی دنیاوی و اُخروی کامیابی و فلاح پوشیدہ ہوتی ہے۔ وہ انسانوں میں پیدا ہوتا ہے، انسانوں میں زندگی گزارتا ہے، انسانی اعمال اُس سے طبعاً سرزد ہوتے ہیں لیکن اُس کے ہر قول و عملکی خدائی حفاظت اور اُس کے ہر قدم و

نظر کی ربانی رہنمائی کی جاتی ہے۔ وہ اس دنیا میں رہتا ہے لیکن اُس کی زندگی کی ہر حرکت و سکون آسمانی احکام کی پابند ہوتی ہے اور بشریت کے باوجود وہ پاکیزگی اور معصومیت کا فرشتہ نظر آتا ہے۔ ہمارے آقا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ خاصانِ خدا اور پیغمبران ذی جاہ کے سلسلہ کی آخری کڑی اور ان سب کے سردار تھے اور ہدایت ربانی کے لیے آئے تھے اس لیے آپ ﷺ جملہ انبیاءؑ کے محاسن و فضائل، خصائل و کمالات کو اپنی ذاتِ عالی میں سموئے ہوئے تھے اس لیے آپ ﷺ سب انبیاءؑ میں شرف و فضیلت، تکمیل و جامعیت کے لحاظ سے نمایاں و ممتاز اور گلشن نبوت کا گل سرسبد تھے۔ آپ ﷺ کی شان سب سے نرالی، کام سب سے اُونچا، کردار سب سے پیارا، نمونہ سب سے اعلیٰ، کمال سب سے انوکھا اور دائرہ سب سے وسیع اور مکمل تھا۔ آپ ﷺ کا ہر قول و فعل نظریہ و عمل اپنی جامعیت و کاملیت میں اپنی نظیر آپ اور دلکشی اور محبوبیت میں لاثانی اور بے مثال تھا۔

تُو ہے مجموعۂ خوبی و سراپائے جمال
کون سی تیری ادا دِل کی طلبگار نہیں

جہاں نبوت کے نُور سے خالی حکماء و فضلاء کے علم و عقل کی آخری سرحد ہے اس سے آگے ایمانی حکمت و دانائی کی ابتدا ہوتی ہے۔ نبی حکمت و دانائی، وسعت نظر اور فکر و معرفت کی جس بلندی پر ہوتا ہے، غیر نبی کی انتہائی پرواز بھی اُس کی گرد کو نہیں پا سکتی ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کی زندگی کو عام انسانی معیار سے جانچنا اور پرکھنا نادانی ہے۔ نبی کے علم و نظر اور عمل کی پاکیزگی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے جملہ تصورات و مفروضہ علوم و پیمانوں سے قطع نظر بے چوں و چرا اس کا اتباع کرنے لگے۔ یہ بات اس لیے عرض کی گئی کہ نبی ﷺ کی زندگی انسانوں کے بنائے ہوئے خاکوں کی پابند نہیں ہو سکتی۔ وہ متبوع ہوتا ہے، مخلوق کا تابع نہیں ہوتا۔ اُس سے زندگی کا نمونہ لیا جاتا ہے اُسے دوسرے انسان زندگی نہیں سکھا سکتے۔

اس بنا پر کسی نبی کی زندگی کے کسی پہلو کا جائزہ بھی ہم انسانی تراشیدہ اُصولوں اور معیار سے نہیں کر سکتے۔ خاص کر سید النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ہم انسانی فکر نارسا کی کسوٹی پر نہیں پرکھ سکتے اس لیے جب ہم حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کا مطالعہ ایک شہری یا تاجر کی حیثیت سے کریں گے اس وقت یہ حقیقت ہمیں اپنے ذہن میں رکھنی ہوگی کہ اولین و آخرین کے سردار سید ولد آدم خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دنیا کے کسی جدید و قدیم مفکر و حکیم کے نظریات شہریت یا اُصولِ تجارت پر نہیں پرکھیں گے بلکہ انسانیت کے اِس سب سے بڑے معلم سے سیکھنے کی کوشش کریں گے کہ آپ ﷺ جس عالمگیر و ہمہ گیر دعوتِ دین کے داعی تھے اور آپ ﷺ نے جس انسانی برادری کی طرح ڈالی تھی اور تمام نسل انسانی کی جس آفاقی و مکمل مملکت کی بنیاد رکھی تھی اس کا تصور بھی دنیا کے دیگر حکماء و فضلاء نہیں کر سکتے۔ اسلام کی آفاقی و عالمگیر شہریت، یونان کی شہری مملکتوں یا عصرِ حاضر کی نسلی و لونی حکومتوں یا محدود معاشی و سیاسی نظریوں پر مبنی دولتوں میں نہیں سما سکتی۔ افلاطون و ارسطو لارڈ برائس ویل وغیرہ کے نظریات شہریت اُم القریٰ کے اُمّی معلم انسانیت کے سامنے پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔

آپ ﷺ نے دارالاسلام کی جس عالمگیر مملکت کی بنیاد ڈالی اس کا کمال یہ تھا کہ یورپ کی نام نہاد تمدن و استیلا سے پیشتر مسلمانوں کے دور انحطاط میں بھی ابن بطوطہ سا جہاں گرد سیاح یا سعدی جیسا بے نوا درویش پاسپورٹ و کرنسی کی موجودہ پابندیوں سے دوچار ہوئے بغیر دنیا میں مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے اسلامی ممالک میں یہ کہتے ہوئے پھر جاتا تھا کہ ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست۔ اور جہاں جاتا مسلمانوں کے ہمہ گیر جذبۂ اخوت کی بنا پر اپنے کو اپنے وطن بلکہ اپنے گھر میں پاتا تھا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو بتایا کہ تمام زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے

جس پر الٰہی بالادستی و سرداری قائم ہے اور تمام انسان رنگ و نسل، ملک و وطن کے اختلاف کے باوجود اس کے بندے ہیں۔ پس جو شخص اِس الٰہی مملکت میں بستا ہے اور اللہ کی خدائی کو مانتا ہے اور اس کے احکام کی پابندی اختیار کرتا ہے وہ ہر اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کا بھائی ہے جن کے خاص حقوق و فرائض ہیں۔ الٰہی مملکت کے ان ماننے والوں کا طبقہ مومن و مسلم یعنی ماننے والا و فرمانبردار کہلاتا ہے اور یہی اصل میں خدائی مملکت کے اصلی شہری ہیں۔ ان کے علاوہ جو خداوند تعالیٰ کی حاکمیت و احکام کو نہ ماننے والا ہے کافر کہلاتا ہے۔ اس کی مثال آج کل کی اصطلاح میں غیر ملکی "Alien" کی ہے۔ اگر وہ امن میں رہتا ہے تو اس کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت بھی ماننے والوں کی طرح ہے اور اگر باغی اور سرکش ہیں تو حقوق شہریت کو زائل کر دیتا ہے۔ بہر حال انسانیت کے جملہ طبقات کو مُحمَّدٌ رَّسولُ اللہ ﷺ نے عیال اللہ قرار دیکر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اُس کے عیال کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ علمائے شہریت اور سیاست مدن کہتے ہیں کہ ہر شہری کے کچھ حقوق ہوتے ہیں اور ان حقوق کی بنا پر اُس پر فرائض عائد ہوتے ہیں۔ اچھا شہری وہ ہے جو فرائض کی ادائیگی میں حقوق طلبی کی نسبت زیادہ سرگرم ہو۔ آج دنیا میں مزدور اور سرمایہ دار کا جھگڑا، حاکم و محکوم میں رقابت، بیچنے اور خریدنے والوں میں منافست اور ہر طبقہ میں فساد کا سبب یہ ہے کہ حقوق کا تو ہر ایک طالب ہے لیکن اپنے فرائض کی ادائیگی سے غفلت برتتا ہے۔ سیدنا مُحمَّدٌ رَّسولُ اللہ ﷺ نے اگر ایک طرف حقوق انسانی کا بے مثل منشور دنیا کو پیش فرمایا اور آقا اور غلام، حاکم و محکوم، عزیز و اقارب، اپنے اور بیگانے، مسلم اور غیر مسلم کے حقوق یہاں تک کہ انسان سے آگے حیوان تک کے حقوق بیان فرمائے اور جس طبقہ کا مفاد جس گروہ سے وابستہ تھا، اُس کے مفاد کو دوسرے گروہ پر لازم فرما کر اُس کا دین بنا دیا اور اعلان فرمادیا ''لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ''۔ (بخاری و مسلم) تم میں سے اُس وقت تک کوئی ایماندار نہیں

ہو سکتا جب تک دوسرے انسان کے لیے وہی بھلائی نہ چاہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ وہاں اپنے فرائض کی ادائیگی اور اپنے حقوق کو طلب کرنے کا ایسا جذبہ انسانوں میں پیدا فرمایا اور اس کا نمونہ خود پیش کیا کہ شہریت کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کبھی اپنا ذاتی بدلہ کسی سے نہیں لیا۔ زہر کھلانے والی یہودیہ کو جانتے ہوئے معاف فرمایا اور اپنے قتل کی سازش کرنے والوں، وطن سے بے وطن اور ہر قسم کی ایذائیں دینے والوں جن کی تلواروں سے اب تک خون ٹپک رہا تھا، سب سے بڑی کامیابی کے دِن فتح مکہ کے روز یہ کہہ کر معاف فرمایا کہ آج کے دن تم پر کوئی سختی نہیں۔ تم سب آزاد ہو۔ جب پورا عرب زیر نگیں تھا اُس وقت بھی آسمانی بادشاہی کا شہزادہ دوسروں کو کھلا کر خود بھوکا رہتا تھا۔ جس وقت آپ ﷺ پر ایک پُر جلال شہنشاہ کا دھوکہ ہوتا تھا اس کے کاشانہ مبارک کا کل سرمایہ ایک کھری چارپائی، ایک مٹھی ستو اور چمڑے کا ایک مشکیزہ تھا۔ وہ دینے آیا تھا۔ مخلوق سے لینے نہیں آیا تھا۔ وہ کسی سے اپنے حقوق کا طالب نہیں تھا بلکہ اوروں کے حقوق کی ادائیگی میں سرگرم تھا، لارڈ برائس نے اچھی شہری کی صفات ضبط نفس، بے نفسی اور ذہانت بتائی ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی پوری عمر میں جس ضبط نفس، بے نفسی اور اخلاص کے ساتھ گزارا اُس کا تذکرہ سورج کو چراغ دِکھانا ہے۔ آپ کی تعلیمات کا اثر تھا کہ دین کے فروغ اور پھر اسلامی مملکت اور خلافتِ الٰہیہ کی بقا کے لیے صحابہ کرامؓ نے بغیر کسی دنیاوی لالچ اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ ہر شہری پر دینی خدمت اور ملکی حفاظت کے لیے جہاد لازم ٹھہرا اور آزادئ گفتار اور ضمیر کی وہ آزادی عطا ہوئی کہ ایک بڑھیا اور ایک دیہاتی بدوی امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ تک کو بھرے مجمع میں ٹوک دیتا ہے اور وہ جب تک اپنی صفائی نہیں کر لیتے دوسری بات نہیں کر پاتے۔ معاشرتی مساوات کا یہ حال ہے کہ آقا و غلام، امیر و محکوم، شاہ و گدا میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ معاشی مساوات اِس حالت پر ہیں کہ جو ادنیٰ مسلمان کو میسر آتا

ہے۔ سردار دوعالم ﷺ اور اُن کے خلفاء اس سے کم لیتے اور نوش فرماتے ہیں۔ بنیادی ضروریات زندگی کی فراوانی کا یہ حال ہے کہ بے سروسامان اور فاقہ کش عرب شہریت انسانی کی اس خدا کی قلمرو میں بیس سال کے عرصہ میں فارغ البالی کے اُس مقام پر پہنچتے ہیں کہ صدقہ وزکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملتا۔ تمام شہری اسلامی مملکت کے قیام اور اپنے مقصد کے لیے جان قربان کرنے والے انسانوں کو انسانوں کی خود ساختہ بندگیوں کی زنجیروں سے آزاد کرانے والے اور عالمگیر اخوت و محبت، خدمت و ایثار کا نمونہ پیش کرنے والے ہیں۔ غرض انسان کامل اور معلم انسانیت حضرت محمدؐ رّسولُ اللہ ﷺ نے جس کمالِ شہریت انسانی کا درس دیا وہ آج بھی اس سسکتی انسانیت کے مداوا اور انسانی مشکلات کا آخری حل ہے۔ سلام ہو اللہ تعالیٰ کے اُس فرستادہ پر جو آسمانی مملکت اس عالم میں قائم کرنے آیا تھا اور درود ہو اُس پر جس نے عالم گیر انسانی شہریت کی زرین اُصول بتائے۔ اس طرح تاجر کی حیثیت سے مکے کا یہ امین تاجر اپنی کم عمری ہی میں تجارت کے کاروبار میں مشغول ہو چکا تھا۔ اس وقت مکہ مشرق و مغرب کی تجارت کا سنگم تھا۔ جہاں ایک طرف چین و مصر تک کا مال اور دوسری طرف شام و روم تک کا سامان آتا جاتا تھا، تجارتی میدان میں جب اس سید التجار ﷺ نے قدم رکھا تو امانت اور دیانت نے قدموں کو چوم لیا اور دیکھتے دیکھتے مکے کا یہ درّ یتیم جو اپنے کسی ذاتی سرمایہ کا مالک نہ تھا بلکہ مکہ کی سب سے بڑی تاجرہ کے مال تجارت کو شام و جرش اور بحرین تک لے جانے والا بن گیا اور عفت و اعتماد کی بنا پر برابر کا ساجھی اور آکر شریک زندگی بن گیا اور اپنی تجارتی ساکھ اور دیانت کو اسی طرح قائم کیا کہ جس طرف گزر جاتے تھے امین و صادق کی آوازیں بلند ہو جاتی تھیں۔ کاروبار تجارت میں، معاملہ کی صفائی کا یہ عالم تھا کہ اعلان نبوت سے پہلے جن لوگوں سے تجارت میں آپ کا سابقہ تھا وہ بھی مداح اور شاہد تھے۔ سائب نامی ایک صحابی جب خدمت اقدس میں اسلام لانے کے بعد حاضر ہوئے تو لوگوں نے حضور ﷺ سے اُن کی

تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ سائب نے کہا: آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان۔ آپ ﷺ میرے شریک تجارت تھے لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے حضور ﷺ سے کوئی تجارتی معاملہ تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا کچھ خرید وفروخت باقی تھی۔ میں نے حضور ﷺ سے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے تین دن تک مجھے وعدہ یاد نہ آیا۔ تیسرے روز جب وعدہ کی جگہ پر پہنچا تو آپ ﷺ کو اُسی جگہ منتظر فرمایا لیکن اس خلافِ وعدہ سے آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ صرف اس قدر فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی۔ میں اِس مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اُس تاجر پر رحم کرے جو بیچنے خریدنے میں سہولت برتتا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ سچے اور امانتدار تاجر کا حشر قیامت کو نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا اور جھوٹی قسمیں مال کو بکوا دیتی ہیں لیکن برکت کو ختم کر دیتی ہیں۔ جو دھوکا کرتا ہے ہم میں سے نہیں۔ غرض اس صادق اور امین تاجر کے نمونہ پر جب تک مسلمان چلتے رہے اُن کی تجارت چمکتی رہی اور حُسن معاملات کو دیکھ کر لوگ اسلام میں داخل ہوتے رہے جیسا انڈونیشیاء، جنوب مغربی ایشیاء اور چین میں ہوا اور جب سے آپ ﷺ کا اُسوۂ نگاہوں سے اوجھل ہوا ہم دنیاوی اور اُخروی گھاٹے میں مبتلا ہوئے۔ کاش! دنیا اس معیاری تاجر کا اُسوہ آج بھی اپناتی تو تجارتی بُرائیاں اِس دنیا سے ختم ہو جاتیں۔ وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔

آفتابِ ہدایت ﷺ (شکر و قناعت)

ریڈیائی تقریر (12 اگست 1962ء بوقت شام 7 بجے)

حضرت محمد ﷺ ہدایت کا وہ روشن چراغ ہیں جو ہمیشہ اپنی روشنی سے دنیا کو منور بناتا رہے گا۔ حضور ﷺ اس دنیا میں سب نبیوں کے سردار تمام نبیوں کی جملہ خوبیوں کے حامل اور پوری انسانیت کے لیے خُلق، کردار کا بہترین نمونہ بن کر آئے۔ وہ کون سی خوبی ہے جس نے حضور ﷺ کی ذاتِ عالی سے جلانہ پائی ہو۔ وہ کون سا کمال ہے جس نے نبی اُمی (روحی فداہ) ﷺ سے خوشہ چینی نہ کی ہو۔ آپ کی ذات عالی تمام محاسن جملہ خوبیوں اور اچھائیوں کا معراج ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے:

تُو ہے مجموعۂ خوبی، و سراپائے جمال
کون سی تیری ادا دِل کی طلبگار نہیں

اور ایسا ہونا فطرت کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ اگر ایک طرف اللہ کے سب سے زیادہ چہیتے اور پیارے محبوب ہیں تو دوسری طرف آپ ﷺ کی ذاتِ پاک تمام انسانوں کے لیے قیامت تک کے لیے ہدایت کا نمونہ ہے۔ ظاہر ہے ایک ایسا رسول، نبی ﷺ جو سب کے لیے آیا ہو اور ہمیشہ کے لیے آیا ہو، اُس کی ذات بھی گوناگوں خصائل اور کمالات کا ایسا مرقع جس سے ہر عامی، عالم، ہر امیر و غریب، شاہ و گدا، آقا و غلام، مرد و عورت، گلیم پوش و کشور کشا، نیکی کا سبق اور بھلائی کا نمونہ حاصل کر سکے۔ ہمارے آقا سیدنا محمد ﷺ نے تئیس سال تک انسانوں میں رہ کر بشریت کے باوجود فرشتوں جیسے اخلاق کا نمونہ پیش کیا۔ وہ آپؐ ہی کا حصہ تھا۔ یوں تو جیسا عرض کیا گیا آپ ﷺ کی ذات ہر قسم کے اخلاق و خصائل کا مجموعہ اور نمونہ تھی۔

قہر ہو یا مہر ہو جو کچھ بھی ہو
ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

لیکن انسانی زندگی کے دو متضاد پہلو جو دھوپ چھاؤں کی طرح انسانی زندگی کے ساتھ توام ہیں یعنی رنج و خوشی، مصیبت و آسائش، ناداری و تونگری میں آپ ﷺ نے جو نمونہ پیش کیا، انسانیت کے لیے اس سے اعلیٰ معیار ذہن میں نہیں آسکتا۔ آج کی بات چیت اسی عنوان پر ہے کہ ناداری اور مصیبت میں سید عالم ﷺ نے قناعت کا کیا سبق دیا اور آسائش و تونگری کس شکر و سپاس گزاری کے حالات میں گزاری۔

انسان کی اس دنیا میں جملہ پریشانیوں کا سبب ''معیارِ زندگی'' کا گھٹیا ہونا نہیں بلکہ انسانی دُکھ، اطمینان و چین انسان کے دِل اور نفس کی کیفیت سے متعلق ہے۔ اگر ایک انسان کے ساتھ تمام دنیا کی دولت اکٹھی ہو جائے اور اُسے قناعت والا دِل نہ ملا ہو تو وہ دوسری زر و جواہر سے بھرپور دنیا کی تلاش کرے گا اور اُس کے حرص کی آگ یا تو قبر کی مٹی بجھائے گی یا قناعت۔ اس لیے دِلوں کے سب سے بڑے طبیب اور انسانوں کے سب سے بڑے چارہ ساز حضرت محمد ﷺ نے سب سے پہلے انسان کے اس غلط نظریہ کی قولاً و عملاً تردید کی کہ دولت کے انباروں میں، سونے کے ڈھیروں میں زرق برق لباسوں میں انسان کا چین و ترقی ہے جسے گزشتہ اور عصر حاضر کے لوگوں نے معیار زندگی کی بلندی کے پُر فریب اور دلکش نام سے ذہنوں میں جگہ دے رکھی ہے۔ پھر بتایا کہ قناعت مخلوق کے حصول میں ہے ہی نہیں بلکہ دلوں کا چین رب کے تعلق اس کی رضا پر راضی رہنے اور اُس کی ہر عطا پر مطمئن و قانع رہنے میں ہے۔ اگر خداوند تعالیٰ تخت، تاج، اطلس، کمخواب، مرغ، کباب سے نوازے تو اس پر شکر گزار ہو اور اگر محبوب ازلی کی حکمت بوریا و ٹاٹ، فقر و فاقہ بندہ کے لیے پسند کرے تو اس میں چین محسوس ہو کہ ہر چہ از دوست رسد نیکو است اور بقول حافظ!

بدرد صاف ترا حکم نیست دم در کش
که هر چه ساقی ماریخت عین الطاف است

(شراب خواہ صاف ہو یا کہ میلا تجھے کچھ کہنے کی مجال نہیں۔ یہ سب ساقی کا نظرِ کرم ہے کہ تجھے کچھ دیا تو سہی حالانکہ تو اس کا حقدار نہیں تھا یعنی راضی بہ قضائے رب ہونا چاہیئے۔)

حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات نے قناعت کی تلقین کچھ اس طرح صحابہؓ سے کی کہ اُن کی نگاہوں میں دنیا کی قیمت مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں رہی۔ انہوں نے دنیا کو کمایا لیکن دنیا کو مقصد نہیں بنایا۔ وہ فقر فاقہ میں بے چین اور ناشکر گزاری کے مرتکب نہیں ہوئے اور تخت و تاج، مال و دولت نے انہیں خداوند قدوس سے غافل نہیں بنایا بلکہ اُن کی زبانیں خدا کے شکر سے تر، اُن کے دل شکر الٰہی سے معمور اور اُن کے اعمال ہمہ تن شاکر بندوں کے لیے نمونہ بن گئے۔

ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد ﷺ پر ایسا وقت بھی آیا کہ مہینوں تک گھر میں چولہا جلنے کی نوبت نہیں آئی۔ تین سال متواتر شعب ابی طالب میں فقر و فاقہ کا دور گزرا۔ اس کا آج تصور بھی محال ہے۔ آپ کے رفقا میں سے آپ کے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ پتے کھا کر ہمارے منہ پک گئے تھے اور ہم بکریوں کی طرح مینگنیاں کرتے تھے۔ غزوہ خندق میں جب تین دن کے فاقہ سے نڈھال ہو کر صحابہؓ نے حضور ﷺ کو اپنے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر دکھائے تو شہنشاہِ کونین نے اُن کی تسلی اس عملی نمونہ سے کر دی کہ اگر اُن کے پیٹ کو سیدھا رکھنے کے لیے ایک پتھر بندھا ہے تو شکم اقدس پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں اور زبان پر خدائے برتر کی حمد، تعریف کے کلمات جاری ہیں۔ ۹ھ جبکہ یمن سے شام تک صرف اسلام کی حکومت تھی آقائے دوجہاں ﷺ کے گھر میں صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ تھا۔ حضرت عائشہؓ نے جس رات حضور ﷺ کا وصال ہوا ہمسایہ

کے گھر سے تیل اُدھار لیکر چراغ روشن کیا اور جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو گھر میں تھوڑے سے جو کے سوا کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بقول حضرت عائشہؓ کے حضور ﷺ کی پوری زندگی میں آپ کے اہل و عیال نے دو دِن جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ ایلاء کے زمانے میں جب حضرت عمرؓ سردار دو عالم ﷺ کے بالاخانہ (حجرہ) میں تشریف لے گئے تو حجرہ کی پوری کائنات دیکھ کر بے اختیار روئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ جسم مبارک پر صرف ایک تہبند ہے، ایک چارپائی بچھی ہے۔ سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس میں خرمے کی چھال بھری ہے۔ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں۔ ایک کونے میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے اور کھونٹی پر ایک طرف مشکیزہ لٹک رہا ہے کہ سرور عالم ﷺ کا کل سازوسامان یہی تھا۔ حضرت عمرؓ کو روتا دیکھ کر حضور ﷺ نے پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میں کیوں نہ روؤں۔ چارپائی کے بان سے جسم اقدس میں بدھیاں پڑ گئیں ہیں۔ یہ آپ ﷺ کے اسباب کی کوٹھڑی ہے اور اس کا کل سامان یہی ہے جو نظر آرہا ہے۔ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور آپ ﷺ اللہ کے پیغمبر اور برگزیدہ نبی ہو کر اس حالت میں رہیں۔ ارشاد فرمایا: ”اے عمرؓ! کیا تم کو پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت“۔ اس عملی نمونہ کے ساتھ آپ ﷺ نے پیہم یہی تلقین کی کہ دنیا میں جو تم سے کم ہو اُس پر نظر کرو اور نیکی میں جو تم سے زیادہ ہو اُس کے اُسوہ کو اپناؤ۔ ایک مرتبہ فرمایا: ”کامیاب وہ شخص ہے جس کو حقیقت اسلام نصیب ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اُسے گزارہ کا رزق دیا اور اس کو اس تھوڑے رزق پر قانع بنادیا۔ دولتمندی مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اصل دولتمندی دل کی بے نیازی ہے“۔ اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا ”اصلی دولتمندی دل کی تونگری ہے اور اصل ناداری دل کی محتاجی ہے“۔ لوگوں سے اُمید ہٹانے کی تلقین اس طرح فرمائی ”کہ تونگری ہر اُس چیز سے نااُمید ہو جانا ہے جو لوگوں کے پاس ہے کہ مومن کا غنی دل

سوائے اللہ کے کسی سے اپنی حاجت اور ضرورت کو متعلق نہیں دیکھتا“۔ بقول اقبال!

میرا نشیمن نہیں در گہ میر و زیر
میرا نشیمن بھی تُو شاخ نشیمن بھی تُو

(میں وہ حریص آدمی نہیں ہوں کہ ہر امیر اور وزیر کے درگاہ پر بیٹھنے کے لیے بیتاب رہوں۔ میرا اسہارا اللہ کی ذات پر ہے کہ وہ جہاں بٹھائے آرام اور سکون سے رہوں۔)

سچی بات ہے کہ انسان کا دل جب قناعت کی دولت سے مالامال ہو جاتا ہے تو فقیری میں اُسے شاہی کا اور جھونپڑے میں محل کا لطف آتا ہے بلکہ حق یہ ہے کہ شاہوں اور مال والوں کو وہ چین نصیب نہیں جو ایک قناعت والے نادار شخص کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ ایک دعا کیا کرتے تھے ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِكَ نَفْسًا مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ تَرْضٰى بِقَضَاءِكَ وَ تَقْنَعُ بِعَطَائِكَ“۔ (اے اللہ! میں تجھ سے اطمینان والا نفس چاہتا ہوں جو تمہارے ساتھ ملنے پر ایمان رکھے اور تمہارے فیصلے پر راضی ہو اور تمہارے عطا پر صابر ہو۔)

فقر و فاقہ میں سید دو عالم ﷺ کا قول و عمل تو یہ تھا۔ شکر گزاری کا یہ حال ہے کہ پوری پوری رات شکر و امتنان کے جذبات سے خدا کے سامنے کھڑے ہیں۔ پاؤں پر ورم آجاتا ہے۔ ساتھی عرض کرتے ہیں ”یارسول اللہ ﷺ! آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ آپ ﷺ کیوں اِتنی مشقت اُٹھاتے ہیں“۔ فرمایا: ”کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں“۔ گویا حضور ﷺ کی بندگی کا منشا اور وجہ اپنے رب کی شکر گزاری ہی تھی۔ آپ کے صحیفہ قرآنی میں اسی عملی شکر کا پیغام ہے۔ ”اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا“۔ (السباء:۱۳) اے آل داؤد! عمل کے ذریعے شکر کرو۔ حضور ﷺ اس عملی شکر گزاری کا بہترین نمونہ تھے۔ ہر وقت زبانِ شکر گزار پر تسبیح و تحمید کے الفاظ جاری رہتے تھے اور حدیث میں آیا ہے

کہ جب کبھی کوئی خوشی کی خبر آتی تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے آپ ﷺ سجدہ میں گر پڑتے تھے۔

دنیاوی بادشاہوں کو جب فتوحات ہوتی ہیں تو اُن کے سر فخر و ناز سے بلند ہو جاتے ہیں لیکن سرورِ دو عالم ﷺ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو دنیاوی کشور کشاؤں کے خلاف سواری پر ٹھہر جاتے ہیں اور فتح کے شکریہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اِتنا جھکتے ہیں کہ ٹھوڑی مبارک کجاوہ کی لکڑی سے لگتی ہے اور زبان حق ترجمان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلتے ہیں:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابِ وَحْدَهٗ''۔(ابو داؤد، حدیث نمبر:۱۹۰۵)

کہ سب تعریف و حمد ایک اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے کی مدد کی۔ اپنا وعدہ پورا کیا اور اکیلے اپنی قوت سے سب لشکروں کو شکست دی۔ اس طرح سید عالم ﷺ نے ہر حال میں قناعت و شکر کا عملی نمونہ قائم فرما کر اور زبانی تلقین فرما کر انسانیت کو بتایا کہ بندہ وہ ہے جو رب کی عطا پر قانع اور اُس کی رضا و خوشی پر شاکر رہے۔ سچ ہے قناعت و شکر کی دولت جسے مل گئی اُسے اس دنیا میں جنت کا مزہ آ گیا۔ اللہ تعالیٰ سلام و درود بھیجے اُس اُمی آقا ﷺ پر جس نے انسانیت کے ہر روگ کا علاج بتایا اور اپنے فیض صحبت اور کردار عمل سے ہر بُرائی کا ازالہ اور بیماری کا مداوا کیا۔

اہل اللہ کی مجلس کے آداب

مجلسی گفتگو در خانۂ خویش (3 ستمبر 1962ء، بعد از نمازِ مغرب)

شیطان کے فریبوں اور چالوں میں سے ایک بڑی چال اور فریب یہ ہوتا ہے کہ جو شخص دین کی طرف آتا ہے تو بعض اوقات اعتراضات کے رُخ پر اس کو ڈال دیتا ہے۔ لیکن دین اعتراض سے نہیں بلکہ اخلاص اور اللہ کے بندوں کی صحبت سے ملتا ہے۔ اگر ان سے کوئی فیض حاصل کرنا چاہے لیکن اگر وہاں بھی اعتراض کی نوعیت ہو تو فیض اُٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ اعتراض کا اصلی سبب کبر ہوتا ہے۔ چاہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔

آپ کہیں گے کیسے؟ اعتراض وہی شخص کرے گا جو اپنے کو سمجھنے والا اور جاننے والا سمجھے۔ اسلئے بزرگوں نے کہا کہ اَعلمُ کہنا آسان ہے لیکن لا اعلمُ کہنا مشکل ہے۔ کیونکہ اس کے کہنے سے نفس پر چُھری چلتی ہے۔ انسان بعض اوقات سادہ لوحی سے اعتراض کرتا ہے۔ لیکن بات چلتے چلتے کسی اور جگہ جا ٹھہرتی ہے۔

سوال اور اعتراض میں فرق

یہاں ایک بات واضح کروں کہ جاننے کی غرض سے جو سوال کیا جائے اُس کو اعتراض نہیں کہتے بلکہ اعتراض تو وہ ہے کہ کوئی بات آپ نے سنی ہے اور اسکے متعلق آپ کو کچھ معلومات ہیں۔ تو اب آپ مجلس آرائی، یا بات کو بڑھانے کی خاطر یا علم کو جتلانے کی خاطر اعتراض کر ڈالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیا نے ہر زمانے میں مناظرے کی مخالفت کی ہے۔ حضرت امام غزالیؒ بہت بڑے عالم تھے اور بعد میں بہت بڑے بزرگ بھی ہوئے۔ جب بغداد میں نکلتے تو خلیفہ تک رکاب میں جاتے۔ لیکن جب طریقت میں آئے تو حضرت سیدنا ابراہیمؑ کے مزار پر جاکر تین عہد کئے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ آئندہ کے لئے مناظرہ نہیں

کروں گا کیونکہ اس سے بحث پیدا ہوتی ہے اور دین نہیں آتا۔ دین طالب بننے سے آتا ہے۔ خالی ہاتھ آؤ گے تو بھرے ہاتھ جاؤ گے اور بھرے ہاتھ آؤ گے تو خالی خولی جاؤ گے۔ اللہ کے ہاں جو طلب ہے وہ زبان کی نہیں ہوتی دل کی طلب ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ دل کے اندر کو بھی جانتے ہیں اور باہر کو بھی۔ حقیقی دینے والے وہ ہیں۔ وہ کسی کو دینا چاہیں تو یا بالذات دے دیں یا کسی کو واسطہ بنا کر۔

طلب کی اہمیت

جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو ابتدائی ایام میں اس کو دودھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور فطرت سے یہ ملکہ اُس کی ماں کو ودیعت ہوتا ہے۔ اُس کے سینے میں دودھ اُبھرنے لگتا ہے۔ کوئی شخص بچے کو دودھ پینے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ خود بخود اُس کو تعلیم مل جاتی ہے لیکن جب وہ دودھ پینا چھوڑ جاتا ہے۔ تو ماں کی چھاتی بھی خشک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہدایت کا دودھ طلب کے جاتے رہنے پر خشک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر تم کسی شیخ کے پاس جاؤ اور اُس سے اللہ تعالیٰ اچھی اچھی باتیں کہلوائے تو اکثر یہ تمہاری طلب کی برکت ہی سے ہو گا۔

سیدنا ابو ہریرہؓ نے بڑھاپے میں ایک دعا فرمائی جسکو حضرت جیلانیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِكَ اَنۡ اَزۡنِیَ اَوۡ اَشۡرِكُ[2]۔

ترجمہ: اے اللہ! میں اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ زنا کر جاؤں یا آپ کے ساتھ کسی کو شریک بناؤں۔

کسی نے سوال کیا کہ تمہاری یہ عمر اس کام کی ہے۔ جواب دیا کہ ابھی شیطان اور میرا نفس دونوں زندہ ہیں۔ کیونکہ برائی سے بچنا اللہ کی توفیق سے ہوتا ہے جو کہ طلب سے دی

---

[2]۔ اللھم انی اعوذبك ان ازنی او اعمل بکبیرۃ فی الاسلام۔ (البیھقی فی شعب الایمان)

جاتی ہے۔ مولانا رومؒ نے ایک مقام پر کہا:

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود
گر نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود

(عشق اول مشعوق کے دل میں پیدا ہو کر عاشق کے دِل میں سرایت کر جاتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ پہلے شمع جل اُٹھتی ہے اور پھر پروانے اس کے گرد جمع ہو کر اس کے شیدائی بن جاتے ہیں۔)

اللہ خود طالب ہوتے ہیں اور جب وہ چاہے تو بندے کے دل میں ایک قسم کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ اس اُمنگ کے پیدا ہونے کے بعد بندہ اُسکو چاہنے لگتا ہے اور اللہ مطلوب بن جاتے ہیں۔ اگر رب عاشق نہ ہوتے تو تمہارے دل میں اُمنگ کیسے پیدا ہوتی؟

تم کہو کہ ہمیں کیا پتہ کہ اللہ ہمارے عاشق ہیں تو مولانا نے فرمایا۔

عشق معشوقان نہان است و ستیر
عشق عاشق باشد باطبل و نفیر

مطلب یہ ہے کہ معشوقوں کا عشق تو چھُپا ہوا اور پردے میں ہوتا ہے اور عاشقوں کا عشق آشکارا اور نمایان ہوتا ہے۔ جیسا کہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

تُرا صبا و مرا آب دید شد غماز
وگر نہ عاشق و معشوق رازدارا نند

ترجمہ: تجھے صبا اور مجھے آنسوؤں نے آشکارا کر دیا، وگرنہ عاشق و معشوق دونوں اپنے راز عشق کے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

صوفیاء کا مشہور قول ہے جسکو بعض لوگ ناواقفیت سے حدیث بتلاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور مخلوق کو اسلئے پیدا کیا کہ اسکی معرفت ہو جائے۔

اِنِّیْ اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ۔

دا دنیا ده خدائے له عشقه پیدا کړې
د همه ؤ مخلوقاتو پلار دے دا
رحمان بابا

پہچان اُسی کی ہوتی ہے جسے کہ جاننا چاہو۔ تو گویا مخلوق کو اس لئے پیدا کیا گیا۔ کہ لوگ اللہ کو جاننے والے پہچاننے والے بن جائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے طالب نہ ہوتے تو تمہیں طلب کی توفیق کیسے ملتی،،،،،ازل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ، (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔) سب نے پکارا ''بَلٰی شَهِدْنَا'' (ہاں کیوں نہیں۔) ہم اس پر شاہد ہیں۔ بلا تشبیہ عرض کرتا ہوں۔ کہ اپنے دلوں کو بمثل ہارمونیم کے جانو، اور جتنے بھی سُر اور تار ہیں وہ اسکے اندر ہیں۔ تو اللہ رب العزت نے شروع میں انسان کے اندر ایسی طلب بھر دی۔ لیکن جب انسان یہاں آجاتا ہے۔ تو یہ طلب اور طلبوں کے اندر دب جاتی ہے۔ اور دوسری بیشمار طلبیں اس ایک طلب پر غالب آجاتی ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ ''اللہ کی طلب اور طلبوں پر غالب رکھو'' اب جبکہ رب کی طلب غالب ہو تو رب کو پیار آئے گا اور پیار کے بعد وہ عطا فرمائینگے اور توفیق خیر پیدا ہوگی۔ اِسی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: جس کے لیے اللہ خیر کا ارادہ کرے اُسے دین کی سمجھ دیتے ہیں۔

اور دین کس چیز کا نام ہے۔ یہ کہ اللہ کے بتائے ہوئے احکام پر چل کر اللہ کو حاصل کرنے والے بن جاؤ۔

ہدایت کے نمونے اور انبیاء علیہم السلام

اللہ طلب پیدا کرتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کو نمونہ بناتے نہیں۔ شروع میں ملک اور قوموں کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بطورِ نمونہ بھیجا اور آخر میں تمام دنیا کیلئے ایک نمونہ پیش کیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلو اور اُس کے نقش قدم کی پیروی کرو۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نشانات پر تمہارے جتنے بھی قدم پڑ گئے۔ اور اُن کے رُخ والے اعمال پیدا ہوں۔ اُتنا ہی تمہارے اندر دین آئے گا۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ۔ (سورۃ محمد:۴۷:۱۷)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہے اللہ نے اُنہیں ہدایت میں اور ترقی دی ہے اور انہیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا ہے۔

جیسے ایک پودا پانی اور مناسب خوراک دینے سے بڑھتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کو اللہ ہدایت دیتا ہے تو وہ بھی نیکی میں بڑھتے بڑھتے طبعاً برائی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اللہ کو چاہتا ہے۔ اُس کو چاہنے لگتا ہے اور جن چیزوں سے اللہ نفرت کرتا ہے۔ اُس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے۔ طلب اور توفیق پر ملتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجو شد آب از بالا و پست

پانی پانی کم پکار۔ اپنے اندر تشنگی پیدا کر دے کہ اوپر سے بھی پانی پیدا ہو جائے اور نیچے سے بھی۔ قرآن کے الفاظ ہیں۔

تقویٰ کی اہمیت

''وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ''۔(سورۃ الاعراف ۷:۹۶)

''اگر اِن بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آئیں۔ تو اللہ انہیں اوپر سے بھی رزق کھلائے اور نیچے سے بھی''۔اور اس میں روحانی اور مادی رزق دونوں آتے ہیں۔(مولانا صاحب نے مثنوی لکھی نہیں بلکہ لکھائی گئی) چنانچہ فرماتے ہیں۔ توفیق پر مزید توفیق کیسے ملتی ہے ؟تم جو اللہ کہتے ہو۔ اگر رب اُسے قبول نہ فرمائیں تو دوبارہ تمہیں اللہ کہنے کی توفیق نہ دے۔ تو گویا دوبارہ اللہ کہنا اسکی دلیل ہے۔ کہ پہلا قبول ہو گیا۔

چنانچہ ایک بزرگ کا قول ہے۔ کہ ہر وقت اللہ کے طالب رہو۔ اور کبھی اس پر فخر نہ کرو کہ میں نیکی کے رُخ پر آرہاہوں۔ تو گویا جس طرح کہ مچھلی کو پکڑنے کے لئے ڈوری کو نیچے لٹکایا جاتاہے۔ اسی طرح اللہ کی توجہات کی ڈوریاں نیچے کو لٹکی ہوئی ہیں۔ اور جیسے کہ مچھلی خود نہیں آتی بلکہ کھینچی جاتی ہے۔ اسی طرح انسان ہدایت پر خود نہیں آتا بلکہ کھینچا جاتاہے۔ حضرت سید صاحبؒ کا شعر ہے۔

دیکھ کر سب کو اُسی کو چُن لیا
جو نگاہِ ناز کے قابل ہوا

اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِااللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ میں ہم بس یہی تو کہتے ہیں کہ خیر کی توفیق بھی رب کی طرف سے ملتی ہے اور بُرائی سے منع کرنے کی طاقت بھی رب کی طرف سے عطاہوتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اعتراض سے بچتے رہو۔ طلب پیدا کرتے رہو۔ اور طاعت میں بڑھتے چلو۔ کیونکہ اعتراض کو انسان سمجھتا نہیں لیکن بعض اوقات اس کا اثر بہت دور جا پہنچتا

ہے۔ اب یہ کہ اعتراض اور سوال میں فرق کیسے معلوم ہو؟ تو یہ دل ہی بتائے گا۔ اگر نیت شک کے رفع کرنے کی ہے۔ تو وہ خیر کی ہے۔ لیکن اگر نیت امتحان مجلس آرائی، اپنی علمیت ظاہر کرنے کی یا بات کو بڑھانے کی ہے۔ تو وہ اچھی نہیں۔ حضرت کا قول ہے!

''اخلاص سوال کی تلخی کو رفع کرتا ہے''۔

اس کے بعد عام بات شروع ہوئی جس میں یہ بتایا گیا کہ اللہ سے عشق پیدا ہو جانے کے بعد مجاہدات، مجاہدات نہیں رہتے بلکہ اُن میں مزا آتا ہے۔

؎ از محبت تلخہا شیرین شود

(محبت کڑوی چیزوں کو بھی میٹھی بنا لیتی ہے۔)

اور یہ بھی فرمایا گیا۔ کہ زیادہ سے زیادہ نیکی کمانے کا آسان طریقہ اوروں کو نیکی کے راستے پر ڈالنے کا ہے۔ الدال علی الخیر کفاعلہ۔ (نیکیوں کا تلقین کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ کرنے والا) یعنی دونوں کو ثواب ملے گا۔ یہ وعظ مولانا صاحب نے اپنے گھر پر دیا۔ حاضرین کی تعداد شاید پانچ تھی۔

سکونِ قلب کیسے حاصل ہو؟

مجلسی گفتگو در خانۂ خویش (13 ستمبر 1962ء)

[نوٹ: ہم مولانا صاحبؒ کے پاس بیٹھے تھے کہ عصر کی نماز کے بعد ایک سائل (محمد عثمان ففتھ ائیر تھیالوجی) نے سوال کیا کہ سکونِ قلب کیسے حاصل ہو۔ اس سوال کے جواب پر مندرجہ ذیل بیان ہوا۔] (محمد سراج)

سوال: سکون قلب کیسے حاصل ہو؟

ایک چھوٹا بچہ تھا اور اُس کے تمہاری طرح ننھے منے ابا جان تھے۔ چنانچہ بچے نے رونا شروع کیا۔ بیچارے ابا جان کبھی تو اُس کو گود میں پھرائے اور کبھی کیا دے اور کبھی کیا۔ لیکن رونا بند نہیں ہوتا تھا۔ کہ اتنے میں دادی آئی اُس نے کہا۔ پگلو کیا کر رہے ہو؟ نہ تو یہ دودھ سے چھپ ہوگا اور نہ تمہاری گود میں پھرانے سے بات یہ ہے کہ تم نے دے رکھا ہے آئینہ اور اس میں وہ چاند کے عکس کو دیکھ رہا ہے؟ آئینہ کو اس سے لے لو تا کہ وہ نہ دیکھے تو خود بخود چھپ ہو جائے گا۔ یہی حال ہمارا ہے ہمارے دل نے چاند کو دیکھا ہے۔ "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ"۔

ترجمہ: کیا میں تمہارا پروردگار نہیں، سب پکار اُٹھے، ہاں کیوں نہیں۔

اور اب تم اس کو مخلوق سے تسکین دینا چاہتے ہو۔

ماہ من گر بتماشہ بہ لب جو آید
ماہیاں شور بر آرند کہ ماھے ماھے

ترجمہ: میرا چاند یعنی دوست اگر تماشہ دیکھنے کے لیے ندی کے کنارے آجائے تو تمام مچھلیاں پکارنے لگیں گی، چاند آگیا چاند آگیا۔

اسی طرح ہمارے دل کو سوائے اللہ کے تعلق سے تسکین ہو نہیں سکتی۔ دیکھو ایک ہے رب اور ایک ہے یادِ رب۔ یادِ رب میں اتنی طاقت ہے کہ اس میں دلوں کی تسکین ہے

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ○

ترجمہ: خبر دار! اللہ کی یاد سے دِلوں کی تسکین وابستہ ہے۔

اس بات کو اچھی طرح دلنشین کرو کہ سکون قلب رب کی یاد میں ہے، یاد رب کو چھوڑ دو تمام سونا، چاندی، اور صرف اس دنیا کی بادشاہی نہیں بلکہ ساتوں آسمان اور زمین حوالے کرو تسکین قلب حاصل نہیں ہوگی۔ بات یہ ہے کہ جو چیز جس کے لئے بنائی گئی ہو اُس کے لئے اگر استعمال کی جائے تو تب ٹھیک ورنہ بے محل استعمال لغت کے اعتبار سے ظلم ہے۔ دل جسم انسان میں سب سے اہم عضو ہے اور جس نے دل کو غلط استعمال کیا تو اس نے سب سے بڑا ظلم کیا۔ اس لئے قرآن کہتا ہے: اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ○

ترجمہ: بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

کیونکہ وہ محل ہے ایک کا اور تم اس کے ساتھ دوسرا لاتے ہو غیرت ربانی یہ گوارا نہیں کرتی کہ اسکے ساتھ کسی دوسرے کی شرکت ہو۔

مثالاً عرض کرتا ہوں کہ ایک عورت ہو وہ اپنے خاوند کے علاوہ کسی دوسرے کو دِل میں چھپاتی ہے اور اگر اُس عورت کا خاوند اُسکو دیکھ لے تو کیا ہوگا۔ اب ہم اللہ کے ساتھ دوسروں کو دل میں چھپاتے ہیں تو وہ کیونکر ناراض نہ ہونگے۔

آپ کہیں گے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ دنیا میں خوب خوش ہیں لیکن یقین جانئے کہ اُسکی مثال گندگی کے کیڑے کی طرح ہے۔ ''ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ'' (ترجمہ: پھر ہم اُسے پستی والوں میں سب سے زیادہ نچلی حالت میں کر دیتے ہیں۔) اور قرآن نے فرمایا ''ورضوا باالحیوٰۃ الدنیا'' (ترجمہ: اور دُنیا کی زندگی پر راضی ہوئے۔) کہتے ہیں کہ جسکو سانپ ڈس جائے اُس کو کڑوی چیز میٹھی اور میٹھی کڑوی نظر آتی ہے۔ کیا تم یہ خیال کرو گے یہ میٹھی چیز واقعی کڑوی اور کڑوی میٹھی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُسکے جسم میں زہر نے ایسا اثر کیا ہے اور اس میں ایسی کڑواہٹ پیدا کی ہے کہ اب یہ کڑوی چیز میٹھی نظر آنے لگتی ہے۔

اسی طرح اگر مردہ کو سوئی چبھو دی جائے تو وہ بالکل محسوس نہ کرے گا اور سوئی تو کیا اگر گوشت کا ٹکڑا بھی کاٹنا چاہو تب بھی کچھ نہ کہے گا کیونکہ اُس کو ادراک کرنے کی صلاحیت ہی نہیں اور یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو کہ اللہ کو بُھلا بیٹھے ہوتے ہیں اور دنیا میں پھنسے ہوتے ہیں۔

اور میں تو کہوں کہ اور تو اور جہنم کو بھی بغیر رب کے چین نہ آئے۔جب جنتی جنت میں دوزخی دوزخ میں چلے جائیں تو اللہ تعالیٰ دوزخ سے پوچھینگے ''هَلِ امتَلَئْتِ'' (کیا تُو بھر گئی؟) تو وہ پکارے گی ''هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ'' (کیا اور بھی ہے؟) حدیث میں آتا ہے کہ رب اپنا ساق اُس پر رکھ دے گا جس سے وہ بھر جائے گا۔

اب اطمینان کی دو صورتیں ہیں ایک ہے قلب کا اطمینان اور دوسرا نفس کا اطمینان اور دل کا موضوع ہی رب کا حاصل کرنا ہے ''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴿۲۸﴾'' اور نفس مطمئنہ کو بھی اللہ کے ذکر سے چین آتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے نفس میں اتنی چاہتیں رکھی ہیں جس کا پورا کرنا مخلوق سے محال ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایک سیدھی خط کھینچ لی اور پھر اس کے گرداگرد بہت سی ٹیڑھی خطیں کھینچ لیں اور پھر فرمایا کہ یہی سیدھا خط ہے صراط مستقیم اور یہ باقی ہیں انسانی خواہشیں۔بقول غالب!

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

انسان کی چاہتیں ہیں غیر متناہی اور دنیا ہے متناہی، دنیا ہے فنا ہونے والی اور انسان ہے لافانی، اب متناہی لامتناہی اور فانی لافانی کی چاہتوں کو پورا کیسے کرے؟اسلئے حضور ﷺ نے فرمایا ''اگر انسان کو دو وادیاں سونے کی دی جائیں تو تیسری وادی کو حاصل کرنے کی خواہش کرے گا'' تسکین قلب حاصل نہیں ہوگا۔ اب یہ تسکین کیسے حاصل ہو؟ رب کے تعلق کے ساتھ ہی حاصل ہوگا کیونکہ انسان کی چاہتیں لامتناہی ہیں اور رب کی صفات لا متناہی ہیں۔ اسلئے لامتناہی چاہتوں کی تسکین لامتناہی ہی سے ہوتی ہے اسلئے فرمایا کہ دنیا

تمہاری چاہتوں کا محل نہیں تمہاری چاہتوں کے پورے کرنے کی جگہ آخرت ہے۔ ''وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾''۔(ترجمہ: اور اُس جنت میں تمہارے لیے وہی حاصل ہوگا جو تمہارے نفسوں کی خواہش اور جن کا تمہارا تقاضا ہو۔)وہاں تمہارے دل میں جو بات آئے رب اُس کو پورا کرے گا کیونکہ وہاں تو کچھ لگتا نہیں ''اِنَّمَآ اِذَآ اَرَادَ شَيْءً اَنْ يَّقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ''(ترجمہ: بیشک وہ جس چیز کا ارادہ کرے اُسے کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔)تو میں یہ کہتا تھا کہ نفس کا اطمینان بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق سے حاصل ہوتا ہے۔جو تسکین کے طالب ہوتے ہیں وہ رب کے ساتھ تعلق قائم کر لیتے ہیں۔رب کا تعلق حاصل نہیں کروگے تو کبھی تسکین کے مالک نہ بنوگے۔

بعد از سی سال ایں نکتہ محقق شد بخاقانی
یک لحظہ با خدا بودن بہہ از سلطنت سلیمانی

(تیس سال کی محنت کے بعد خاقانی پر یہ بات کھل گئی کہ ایک لمحہ کے لیے خدا کا ساتھ سلیمانی سلطنت سے بہتر ہے۔)

کیونکہ وہ سلطنت مقصود بالذات نہ تھی۔

اگر سکون چاہتے ہو تو اللہ کے بتائے ہوئے احکام پر چلنا شروع کرو۔ عنقریب ہی خواہش پوری ہوجائیگی۔''وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾'' (ترجمہ : اور جس نے بھی اللہ کو مضبوطی سے پکڑا تو اُسے سیدھی راہ کی ہدایت حاصل ہو گئی۔) جب جہنم کی چاہت پوری ہوتی ہے تو نفس کی کیوں پوری نہ ہو۔

انسان جب کسی کا تعلق چاہتا ہے تو محبت والا چاہتا ہے۔غصے والا نہیں چاہتا تعلق عبارت ہوتا ہے۔ اُن تعلقات سے جن کے ساتھ محبت ملی ہوتی ہے ایک بزرگ نے فرمایا۔ اللہ کا تعلق چاہتے ہو تو محبت کی پُڑیا کھاؤ۔ لیکن محبت میں اور چیزوں کی محبت بھی آسکتی ہے۔اسلئے رب کی محبت کی پُڑیا کھاؤ۔ جب رب سے محبت پیدا ہو جائے تو وہ ہر وقت یاد

آئے گا اور اسی یاد سے دل کو اطمینان ہوتا ہے۔

ذکر اللہ اور صحبت اہل اللہ کی اہمیت

اب اس کا نسخہ کیا ہے؟ کسی کو بیداری میں دس بیس دفعہ یاد کروگے تو پھر خوابوں اور خیالوں میں بھی آئے گا۔

؎ بھلاتا لاکھ ہوں لیکن وہ اکثر یاد آتے ہیں
الٰہی ترک الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں

؎ یاد آتے ہو یاد کرتا ہوں
پھر بتاؤ میری خطا کیا ہے

یاد ذریعہ بن جاتی ہے اُس شخص کی محبت کا ''وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا ﴿۸﴾'' اللہ کی نام کی رٹ لگایا کروگے تو اوروں کے تعلقات منقطع ہو کر رب کی یاد آجائے گی۔ تو پہلی چیز ہو گئی رب کی یاد اور دوسری چیز خواہش نفس کو رب کی رضا پر قربان کرنا۔ ہمارے حضرتؒ نے فرمایا کہ اللہ تک پہنچنے تک ایک قدم کا راستہ ہے ایک نفس پر رکھو دوسرا قدم منزل پر ہوگا اور دلیل یہ بیان فرمائی۔ ''وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾'' (ترجمہ: اور جو بھی رب کے پاس حاضر ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے بچایا تو بیشک جنت اُس کا ٹھکانہ بنا۔) دوم جزو نفس کی خواہش کو دبانا مٹانا نہیں اور اللہ کی یاد،،،، میاں کو ہر وقت یاد کرو اور معصیت سے بچو۔

اب معین اور مددگار کے طور پر ایک تیسری چیز بھی ہے کہ اہل الذکر و محبت کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ کیونکہ انسان میں مسارقت کا مادہ ہے۔ یعنی یہ ایک دوسرے سے عادات چھین لیتے ہیں اور نیک لوگوں کے تذکرے پڑھو۔ تو انشاء اللہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔

کسی نیک بندے سے اذکار کے متعلق پوچھو اور جو وہ بتائے اُس پر عمل کرو۔ معصیت سے بچتے رہو اور مجاہدہ کی عادت ڈالو کیونکہ مجاہدہ زمین کو ہموار کرتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ اکثر فرمایا کرتے ہیں:

؎ بلا سے تکلیف نزع میں ہے سکون خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں امیدیں کسی کے چھٹنے کا غم نہیں ہے

مطلب یہ ہے کہ طبعی رنج تو ہو گا لیکن عقلی رنج نہیں ہو گا۔ اس کے متعلق حضرت تھانویؒ نے کیسی عمدہ مثال دی ہے کہ تم راستہ پر جا رہے ہو اچانک تمہارا معشوق پیچھے سے تمہاری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دے اور تم کو پتہ نہ ہو تو پہلے تم کتنے غصہ ہو جاؤ گے لیکن اگر پتہ لگ جائے کہ یہ محبوب کے ہاتھ ہیں تو پھر چاہو گے کہ آنکھیں ہی نکل جائیں لیکن وہ دباتا رہے۔ اسی طرح اگر محبت رب پیدا ہو جائے تو تکلیف تکلیف نہیں رہتی بلکہ اس میں بھی مزا محسوس ہوتا ہے۔

پہلے دہلی کے جامع مسجد میں کباب پکتے تھے جس میں بہت مرچ مصالحہ ہوتا تھا۔ اب جو کھائے تو آنکھوں سے آنسو بہنا نہ رُکے اور کھانے سے جی نہ بھرے یہی حالت ہوتی ہے۔

؎ یار دمے کہ تیغ زند بر سرت تو دم مزن
سر را فدائے یار کن ھیچ نہ خونبھا طلب

ترجمہ: دوست جب تمہارا سر کاٹے تو تُو خاموش رِہ، تُو اپنی جان کو دوست پر قربان کر اور اس کا بدلہ مت مانگ۔

یا مثلاً عراقی فرماتے ہیں:

؎ نشود نصیب دشمن کہ شود ھلاک تیغت

سرِ دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ترجمہ: یہ دشمن کو کبھی نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے اُس کی ہلاکت ہو، خدا تمہارے دوستوں کو زندہ رکھے کہ تُو اُن پر تلوار چلانے کی مشق کرتا رہے۔

یا جو اردو میں ایک شاعر کہتے ہیں:

؎ سر بوقت جان سپردن اُس کے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

دین کی اہمیت اور تبلیغ

مجلسی گفتگو در خانۂ خویش(17 ستمبر 1962ء)

میرے دوستو، عزیزو اور بزرگو! انسان کی زندگی ماں کے پیٹ سے صرف قبر تک نہیں بلکہ حقیقت میں یہ زندگی کا ایک چھوٹا اور قلیل حصہ ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان کی زندگی کے کئی مراحل ہیں۔ ہماری زندگی کے تین منازل ہیں۔

ا۔ عالم ارواح یعنی روحوں کا عالم جب کہ روح کا ابھی جسم سے تعلق نہیں ہوتا اور عالم ارواح میں آزادانہ پرواز کرتا ہے۔ اِس کے بعد اللہ جب چاہتے ہیں تو ماں کے پیٹ کے اندر ایک بے جان سالو تھڑا بناتے ہیں اور چار مہینے کے بعد اس میں روح کو بھیج دیتے ہیں۔ اور جیسے کہ پنجرے کے اندر چیز داخل ہوتی ہے اس طرح اللہ پیٹ کے اندر روح کو ڈال دیتا ہے۔ اب جب پیدائش ہوتی ہے تو پہلے بچپن پھر جوانی اور آخر میں بڑھاپا آجاتا ہے۔ بعض ہم میں سے بچپن میں بعض جوانی میں اور بعض بڑھاپے میں مر جاتے ہیں۔ جب ہم ماں کے پیٹ میں تھے تو ماں کے ذریعے صرف جسم کے لئے رزق مقرر تھا لیکن جب اس عالم میں آئے تو جسم اور روح دونوں کا انتظام کیا گیا۔

موت کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ختم ہو جاتے ہیں مگر جس طرح کہ عام بول چال میں کہتے ہیں کہ فلاں کا انتقال ہو گیا یعنی اس دار فنا سے دار بقا میں منتقل ہو گیا۔ یا جس طرح کہ ماں کے پیٹ کے لحاظ سے موت واقع ہو کر ہم یہاں آجاتے ہیں اسی طرح اس دنیا میں دوبارہ موت واقع ہو کر عالم برزخ او پھر عالم حشر میں چلے جاتے ہیں جس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اس کے لئے، عالم حشر کے بعد ہمیشہ ہمیشہ راحت، آرام، چین اور اللہ کے رضوان والی زندگی ہوتی ہے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی تو اس کے لئے تکلیف، رنج اور ہلاکت والی زندگی ہوتی ہے جہاں

سے پھر دوسرے جہاں میں منتقل نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ فرمایا ''خالدین فیھا ابدا''یعنی جو شخص جنتی ہے۔ اُس کو جنت سے نکالا نہیں جائے گا اور جو شخص جہنمی ہے اُس کی جہنم سے نکلنے کی سبیل نہیں ہو گی۔

اب جبکہ زندگی اتنی چھوٹی نہیں بلکہ اتنی بڑی ہے۔ تو آپ سب سمجھنے والے ہیں بتلایئے کہ ایک شخص ہے جب وہ دو سال کا ہو جاتا ہے تو اُس پر فالج کا حملہ ہو جاتا ہے۔ قسم قسم کی تکالیف آتی رہتی ہیں۔ کوئی دوست نہیں، رشتہ دار نہیں، اکیلا پڑا رہتا ہے اور اس پر پھر ستر سال کی زندگی دی گئی ہے۔ بھلا ایسا شخص اپنی اس زندگی کو پسند کرے گا۔ نہیں اور ہر گز نہیں۔ مگر اس کا بس کب چلتا ہے چارو ناچار رہنا پڑتا ہے۔ اسی طرح جو جہنمی ہو اس کی زندگی بھی فالج زدہ جیسی زندگی ہوتی ہے موت کی آرزو کرتا ہے لیکن موت آئے گی نہیں ''ثم لا یموت فیھا ولا یحییٰ''(اعلیٰ:۱۳،۸۷) اللہ رب العزت انسانوں پر انتہائی رحیم و کریم ہیں وہ چاہتا ہے کہ میرے ایک ایک بندے کا میرے ساتھ تعلق جڑ جائے کیوں؟ اللہ اس کے محتاج ہیں۔ اسکی کوئی ضرورت مخلوق سے اٹکی ہوئی ہے یا اسکے کوئی کام بند ہیں۔ واللہ! ایک بات بھی نہیں۔ بقول مولانا!

؎ من نکر دم خلق تا سودے کنم
لیک تا بر بندگان جودے کنم

ترجمہ: میں نے پیدائش کا سلسلہ اس لیے قائم نہیں کیا کہ مجھے کوئی نفع حاصل ہو مگر یہ کہ اپنے بندوں پر جود و سخا کے دروازے کھولوں۔

وہ تو غنی ہے اس کی کیا حاجت لیکن اللہ تعالیٰ مہربان ماں سے بھی زیادہ شفیق ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمام لوگوں کی زندگی سدھر جائے۔ مثلاً ایک شخص کھانا چھوڑ دیتا ہے جیسا کہ بھوک ہڑتال میں کیا جاتا ہے۔ تو اسکی طاقت زائل ہونا شروع ہو گی اور ہوتے ہوتے آخر

موت کی نوبت آئے گی۔ اسی طرح انسان کی روح کو بھی خوراک کی ضرورت ہے اور یہ خوراک تعلق مع اللہ، ایمان اور احکام خداوندی کے مان لینے پر مشتمل ہے جس قدر تعلق مع اللہ زیادہ ہو اُسی قدر روح طاقتور ہوگی۔ ''لا یموت من احیا القلوب'' جن کے دل زندہ ہوتے ہیں وہ مرتے نہیں۔ وہ کسی نے کہا ہے کہ موت کیا ہے۔

ایک پُل ہے جس سے ایک انسان اللہ کے ساتھ جاملتا ہے۔ یہ دنیا ایک جیل خانہ ہے اور جیل خانہ خواہ کتنا ہی مزیدار کیوں نہ ہو کسی کو وہاں قرار آنہیں سکتا۔ جیسا ایک پرندے کو اگر ایک قفس میں بند کیا جائے خواہ یہ قفس سونے کا ہی کیوں نہ ہو، کیا وہ اس میں خوش ہو سکتا ہے؟ اسی طرح ایک انسان چاہتا ہے کہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر رب سے ملوں۔

دوستو! بندہ پیدا نہیں ہوتا کہ اُسکے لئے رزق لکھ دیا جاتا ہے۔ ''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ''(ھود:۱۱،۶)(ترجمہ: اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمہ ہے وہ جہاں رہتا ہے اُسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اُسے بھی۔)

مولانا رومؒ نے ایک مقام پر لکھا ہے تم کہاں رزق کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہو جس طرح موت تمہیں تلاش کرے گی۔ اسی طرح تمہارا مقررہ رزق تجھ کو مل کر رہے گا۔ جب جسمانی رزق کا یہ حال ہے کہ بندہ کو چھوڑتا نہیں بلکہ پاس آہی جاتا ہے تو روحانی غذا کا رب نے کیا کیا انتظام نہ کیا ہوگا۔ عقل اور فکر سب کا تقاضا ہے کہ اُس کا انتظام تو نہایت ہی اعلیٰ ارفع اور اکمل ہوگا۔ چنانچہ جس طرح کہ ماں کی چھاتی سے بچے کیلئے دودھ آتا ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے سینوں سے انوارات نکلتے ہیں اور امت کے سینوں میں قرار پکڑتے ہیں۔ اسی چلت پھرت کا نام زندگی ہے۔ ایک ریڈیو سیٹ آپ نے رکھ لیا لیکن اب اُسکے وال اتنے کمزور ہو گئے ہوں کہ کسی سٹیشن کو نہیں کھینچتے۔ تو اب یہ ریڈیو سیٹ کس کام کا رہ گیا۔ وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے۔

؎ کس کام کا ہے وہ دل جس دل میں تُو نہیں
کس کام کا ہے وہ گُل جس گُل میں بُو نہیں

اللہ تعالیٰ نے جسم کی پرورش کے لئے مادی رزق کا واسطہ قائم کیا ہے۔ اسی طرح روحانی رزق کے حصول کے لئے انبیاء علیہم السلام کو ذریعہ بنایا ہے۔ اور اس میں سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ تشریف لائے۔ اب اگر روحانی غذا چاہتے ہو تو حضور ﷺ کے ہر ہر قول، ہر ہر فعل اور ہر ہر ادا کو اپنالو جس کے بغیر ہدایت کا کوئی راستہ نہیں۔ غیروں کی طرز زندگی، چال، ڈھال اور قطع وضع کی نقل چھوڑو تمہارے پاس تو ایسی دولت ہے جو کسی دوسرے کے پاس نہیں پھر تم دوسروں کے ہاں مانگتے کیا ہو؟

غفلت کا نتیجہ:

مولانا رومؒ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ ایک شخص ہے اسکے سر پر روٹیوں کا ایک ٹوکرا ہے، پھر بھی وہ در بدر پھرتا ہے اور بھیک مانگتا ہے۔ ایک شخص آکر اُسے کہتا ہے کہ ’’بھائی تمہارے سر پر تو روٹیوں کا ٹوکرا بھرا پڑا ہے۔ اسے کھاتے کیوں نہیں؟ جو بھیک مانگتے ہو‘‘ تو اس پر وہ جواب دیتا ہے کہ "مجھے دکھائی نہیں دیتا بھلا اسے کھا کیسے لوں" تو تم سب اس کو بیوقوف جانو گے یا نہیں۔

دوستو! ہم کو اللہ تعالیٰ نے کتاب اور سنت جیسی کتابیں عطا کیں اور صحابہؓ جیسے لوگ آئے جنکی نظیر دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

؎ جب وہ شاہ دلرُبا سامنے آ جائے ہے
تھامتا ہوں دِل کو لیکن پہلو سے نکلا جائے ہے

محمد ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنالو اور اس پر عمل کرو۔ حقیقت ایمان کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ خدا کی قسم لفظوں سے کام نہیں بنے گا۔ حقیقت سے کام بنے گا۔ ایک

بزرگ کا واقعہ ہے کہ اُس نے ایک روپیہ کو اپنے پاس رکھا ایک دن کچھ سودا خریدنے کے لئے دوکاندار کے پاس گیا اور روپیہ اس کو دے دیا۔ دوکاندار نے روپیہ کو پرکھ دیا اور کہا" یہ تو کھوٹا ہے" بزرگ نے جو یہ سنا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ دوکاندار کو بھی سخت صدمہ ہو گیا۔ مالش کیا پانی چھڑکا یا تلوے سہلائے اور کیا کچھ نہ کیا۔ آخر جب بزرگ ہوش میں آیا تو اُس سے کہنے لگا کہ اتنے بڑے آدمی ہو اور ایک روپے سے اتنے بد حواس ہوئے جاتے ہو مجھے کہتا تو ایک کے بدلے دو دیتا۔

بزرگ نے کہا" او پگلے! تجھے کیا خبر، کیا تیرا یہ خیال ہے کہ یہ سب کچھ ایک روپے سے ہوا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس اور دولت تو کچھ نہیں مگر ایک کلمہ ہے اگر کل قیامت میں پرکھنے والے (اللہ تعالیٰ) نے اسکو کھوٹا قرار دیا تو کیا کرونگا۔

دوستو! اپنے دین کی فکر کرو۔ ایک شخص سپلیمنٹری میں آتا ہے۔ تو روتا ہے اور وہاں آخرت میں تو سپلیمنٹری بھی نہیں ''یوم لا ینفع الندامة'' (یہ ایک ایسا دن ہو گا کہ کسی کی ندامت اس کے کام نہیں آئے گی۔)

دوستو! تو عمل کرنے سے پہلے سوچ لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اخلاق معاملات، عبادات، کے طریقے بتادئے ہیں جو کہ تمام اچھے ہیں۔ مگر ان سب سے بڑا عمل خود سنبھلنے اور دوسروں کو سنبھالا دینے کا عمل ہے۔

''ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء''۔

(ترمذی: کتاب البر، باب ماجاء فی حدیث نمبر ۱۹۲۹)

(تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔)

جس طرح تم میں مختلف قسم کے لوگ ہیں۔ کسی نے ایگریکلچر لیا ہے تو کسی نے میڈیکل اور کسی نے نان میڈیکل، غرض ہر ایک نے شعبے مقرر کر کے اس پر عمل کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ عمل ضائع نہیں جائے گا۔ اسی طرح ایمان پر محنت کرنے سے وہ رائیگاں نہیں جاتی۔ ''وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط''۔

(اور جو لوگ ہماری راہ میں محنت کرتے ہیں، ہم ضرور اُن کو اپنے راستے سمجھائیں گے۔)

تو دوستو! میں عرض کرتا ہوں جس طرح دنیا میں ہزاروں آئے اور ہزاروں گئے یعنی یہ ایک سرائے ہے جس میں ہر ایک اپنا وقت پورا کر کے چلا جاتا ہے۔ تو جس نے مرنا ہے۔ وہ یہ ارادہ کرے کہ میں اپنی زندگی کو حضور ﷺ کی زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرونگا اور جس نے مرنا نہیں تو اس سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں۔ اب اس وعدے کو وفا کرنا ہے۔ یہ نہ ہو کہ زبان سے کہو کہ ہیں تو محمد ﷺ والے اور گزارتے ہیں اور قسم کی زندگی۔

اب ایسا زمانہ آیا ہے کہ ہمارے کروڑوں کی تعداد میں ہوتے ہوئے دین پر خزان آرہی ہے اسلئے آپ وعدہ کریں کہ عمر میں چار مہینے اور سال میں چالیس دن اس مشق کو تازہ کرنے کے لئے دیا کریں۔ اسی طرح ہر وقت اللہ کی یاد رکھیں۔ اگر ہم اس پر عمل کریں تو یہ دنیا بھی اچھی ہوگی اور وہاں بھی خوشی ہوگی۔ ایسا اخلاق اختیار کرو تاکہ کل قیامت میں لوگ کہیں کہ یہ محمد ﷺ والے ہیں فقط

عرض کاتب

ہم ایسے بیش بہا موتیوں کو یونیورسٹی کے اس تنگ اور مختصر علاقے تک محدود کیوں رکھیں جہاں کہ جو مجھ جیسا آتا ہے تو پہلے تو بیٹھتا نہیں اور جو بیٹھتا ہے تو پیچھے ڈائیننگ ہال یاد آرہا ہے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو اور نفس پر کنٹرول کرنے والا ہے تو چلے کے مطالبہ کے وقت آنے سے جانے کا راستہ تو ضرور ڈھونڈتا ہے یا دوسرے کو آڑ بنا کر اپنے کو چُھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ وقت تو گزر جاتا ہے ان باتوں میں اب جو بیان ختم ہو جاتا ہے۔ تو رائے زنی شروع ہو جاتی ہے اور میرے خیال میں تمام اس بات پر متفق ہو جاتے ہیں کہ بہت اچھا بیان ہوا۔ لیکن یاد شاید بہت کم حضرات کو رہیگا کہ کیا فرمایا اور کونسی بات کس نکتہ سے حل کی گئی ایسی بات پر ٹھنڈے دل سے سوچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن جب بات ہی نہ رہے تو سوچے کس پر۔ لہذا میری ناقص رائے میں یہ آتا ہے کہ بیانات کو تحریری شکل میں محفوظ کر کے شائع کیا جائے

اس سے نہ صرف یہ فائدہ ہے کہ وقت کی بچت ہوتی ہے بلکہ طالبین کی طلب پر اکثر ایسی باتیں کھل جاتی ہیں جو کہ تحریر میں عام طور پر نہیں کھلتیں وہ بھی محفوظ رہتی ہیں۔ لیکن اب ایک مرحلہ درپیش ہے کہ اُن عبارات کو تحریر میں کیسے لایا جائے جو کہ ایک وجدانی کیفیت میں بیان فرمائی جاتی ہیں۔ ایک تو ہوتا ہے وہ ریکارڈ کرنے کا آلہ جو کہ تاہنوز موجود نہیں اور ایک ہوتا ہے تیز لکھنے والا جس کا ابھی شوق نہیں جاگا۔ رہا مجھ جیسا سُست تو وہ سو چھوڑے گا اور ایک لکھے گا اور اس سے مطالب پر اور عبارات پر جو اثر ہوتا ہے وہ تو گزشتہ اوراق سے ظاہر ہے۔ لیکن تاہم جو کچھ اسباب ہمارے پاس ہیں اگر اس کو ذرا سوچ سے استعمال کیا جائے تو کچھ کام لیا جاسکتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بعض اوقات لکھتے وقت بیان کے مزے میں مشغول ہو کر بات تحریر سے رہ جاتی ہے اور کبھی کوئی اور چیز مجبور کر دیتی ہے تو پہلے تو مجھے چوکنا رہنے کی ترکیب بتا دینی چاہیے۔

دوسری بات بیان کی رفتار ہے۔ میں نے سنا ہے کہ حضور ﷺ جس انداز سے بیان فرماتے تھے کہ سامعین الفاظ تک گن سکتے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ کی ایسی رفتار اسوۂ نبوی کی پیروی میں معلوم ہوتی ہے کیونکہ کاتب کے لئے حرف بحرف نقل کرنا آسان کام نہیں ہوتا اور پھر تو ہم نے قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کو خود بیان دیتے ہوئے سُنا۔ تو اب مولانا صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر ممکن ہے کہ ہم بھی اس قابل ہو جائیں کہ آپ کے فرمودات کو سُن کر اور اُنکو تحریر میں لا کر نہ صرف اپنے لئے محفوظ رکھیں بلکہ اُن متعلقین تک پہنچا سکیں جو کہ حاضر نہیں ہو سکتے اور اگرچہ مضامین کا علیحدہ شائع ہونا ایک مشکل کام ہے لیکن یہ مشکل کام بھی تو کسی خاص اخبار یا رسالے کے ذریعے انجام ہو سکتا ہے۔

بہر حال میری خواہش یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک فیض پہنچ سکے طریقہ خواہ کچھ بھی ہو۔

العارض محمد سراج بقلم خود

۱۷ ستمبر ۱۹۶۲ء

ولی کون ہوتا ہے؟

مجلسی گفتگو در خانہ خویش (18 ستمبر 1962ء، بروز منگل، بعد از نماز عصر)

سوال: ولی کون ہوتا ہے؟

جس سے اللہ تعالیٰ کی دوستی ہو۔ ویسے تو ہر ایک دعویٰ کرتا ہے کہ ہم ہیں ولی۔ جیسے کہ دو دوست تھے ان میں سے ایک بادشاہ کی لڑکی پر عاشق ہوا تو دوسرے دوست سے کہا کہ آدھا معاملہ تو طے ہوا۔ کہا "کیسے؟"۔ کہا "میں تو راضی اگر وہ راضی"۔ یعنی میں تو اُسے چاہتا ہوں اب اگر وہ بھی مجھے چاہتی ہے تو پھر تو سو فیصدی معاملہ صاف اور اگر وہ مجھے نہ بھی چاہے تو میں تو اُسکو چاہتا ہوں اسلئے آدھا معاملہ ختم۔ ایسا ہی حال ہمارا ہے اردو کا ایک محاورہ ہے "سہاگن وہ جسے میاں چاہے" اور جسے ہر وقت جوتیاں لگے تو پھر وہ کہاں کی سہاگن۔

ویسے کفار کے مقابلہ میں ہر مسلمان اللہ کا دوست ہے۔ یعنی اللہ ہر ایک مسلمان کو جو اسلام کے دائرے میں آگیا اپنی دوستی سے کاٹتا نہیں۔ ایک شخص ہے جو کہ نیک اعمال کرتا ہے فقیروں کو کھانا کھلاتا ہے۔ ان کی امداد کرتا ہے لیکن ایمان والا نہیں تو اللہ کے نزدیک اسکی وقعت مکھی کے پَر کے برابر نہیں۔ قرآن میں آتا ہے کہ "اَللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ" لیکن یہ دوستی عام ہے اور ہر ایک مؤمن کے لئے ثابت ہے اسکو ولایت عامہ کہتے ہیں۔

اور ایک ہوتی ہے ولایت خاصہ جسکو اسی آیت میں بیان فرمایا اور وہ یہ کہ "اَللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْن" یہی لوگ ہیں جو تقویٰ والے ہیں اور ایمان والے ہیں ایک دوسرے مقام پر آتا ہے: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ (یونس: ۱۰، ۶۲)

ترجمہ: سنو! بیشک اللہ کے دوست وہ ہیں جن پر نہ خوف آئے اور نہ ڈر، یہ وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے۔

ایمان لانے سے تو وہ ولایت عامہ میں داخل ہوئے اب ولایت خاصہ میں داخل کیسے ہوں؟ وہ لوگ جو متقی ہیں۔ عام ترجمہ میں تو اس کے معنیٰ ''ڈر'' کے ہیں۔ کیا اللہ میاں ہوّا ہیں! کہ اُن سے ڈرا کریں جیسے بچوں کو ہوّا سے ڈر لگتا ہے۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا ڈر محبوب والا ڈر ہوتا ہے۔

قہر ہو یا مہر ہو جو کچھ بھی ہو
ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

(محبوب کی ہر ادا پیاری لگتی ہے، خواہ وہ غصّہ ہو، محبت ہو، یا اور کچھ۔)

حضور ﷺ اس فکر میں گھلتے تھے کہ اللہ کے بندوں کا تعلق کسی طرح اللہ کی ذات سے جُڑ جائے اور سب اللہ والے ہو جائیں اب ایک دن نبی ﷺ رؤسائے مکہ کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے۔ اور اُن کو ایمان کی دعوت دے رہے تھے اور یہ کوشش فرمارہے تھے کہ اللہ کی بات اُنکے دلوں میں اُتر جائے۔ یہ لوگ تو بس خیال کرتے ہیں کہ ''میں کچھ ہوں اور میں کچھ ہوں'' ایک ایسا خناس ہے جو کہ تمام آفتوں کو برپا کرتا ہے۔ جہنم سے بھی اُس وقت نکالا جائے گا۔ جبکہ یہ ''میں'' ختم ہو اور تکبر باقی نہ رہے۔ اب حضور ﷺ یہ کوشش کرتے تھے کہ یہ کبر نکل جائے۔ اب آئے ایک نابینا غریب صحابی عبد اللہ ابن اُم مکتومؓ وہ تو جانتے نہ تھے کہ حضور ﷺ کیا فرمارہے ہیں۔ آتے ہی ایک مسئلہ چھیڑ دیا۔ حضور ﷺ اپنی ذات کے لئے کسی پر غصہ نہیں کرتے حتیٰ کہ کھانے میں زہر کھلانے والی تک کو معاف کیا۔ لیکن جبکہ حضور ﷺ دعوت میں لگے ہوئے تھے تو اُن کو یہ بات ناگوار گزری۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴿۲﴾ (عبس:۸۰، ۱-۲) اب جو میں نے کہا تھا کہ محبوب کیساتھ غصے کا کچھ اور عالم ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ محمد ﷺ نے ایسا کیا۔ بلکہ فرمایا

اُس نے تیوری چڑھائی جبکہ ایک اندھا اُس کے پاس آیا اور آخر میں فرمایا جو تیری طرف توجہ نہیں کرتا ہے تو اس کے درپے ہوتا ہے اور جو کہ تمہارے پاس آتا ہے اُس سے اعراض کیوں کرتا ہے؟

اب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اپنے اس پیار کا ذکر جب بھی عبد اللہ ابن اُم مکتومؓ کو دیکھتے ہیں ان کو خطاب ان الفاظ میں کرتے ہیں ''مرحبا بمن عاتبنی فیه ربی'' عتاب غصّہ کو نہیں کہتے بلکہ عتاب وہ ہے جس میں پیار کی بو آئے جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ کو ایک مرتبہ فرمایا: ''یاابراھیم اعرضِ عن ھٰذا'' یاابراہیم! اس بات کو جانے ہی دیجئے۔ یہ اپنوں کا معاملہ کچھ اور ہوتا ہے۔

ہمارے حضرتؒ کے الفاظ ہیں کہ تقویٰ دل کی اُس کیفیت کا نام ہے۔ کہ انسان یوں سمجھنے لگے کہ میں ہر آن اللہ کے سامنے ہوں اب اُسکے خلوت اور جلوت کے گناہ کا قصّہ ختم ہو جائے گا۔ دیکھو! ہم تو میاں کو چھوڑ دیتے ہیں اور کبھی کس میں مشغول اور کبھی کس میں۔ لیکن رب ہمارا ساتھ نہیں چھوڑتے۔

ے من بہ تو مشغول و تو غائب زمیانہ

(اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم تمہاری طرف لگی ہوئی ہے اور تجھے کوئی دھیان نہیں۔)

بس تقویٰ اسکو کہتے ہیں کہ اس بات کا استحضار ہو جائے کہ اگر میں اُسکی مرضی کے خلاف کروں تو وہ مجھ سے مُنہ موڑ جائے گا۔ عارفین نے لکھا ہے کہ قرآن میں سب سے سخت آیت یہ ہے کہ

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ (المطففین:۸۳،۱۵) (بیشک یہ لوگ اُس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے حجاب میں ہوں گے۔)

دیکھئے کتنا سخت مقام ہے کہ رب ہی کا دیدار میسر نہ ہو۔ اب اس استحضار کے ساتھ کہ ''واللہ معکم این ما کنتم'' (الحدید:۵۷،۴) کوئی گناہ کرے گا جب کوئی ایک ہے تو

دوسرا خدا ہوتا ہے۔ دو ہوں تو تیسرا اور علیٰ ھٰذا القیاس۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تقویٰ کے اختیار کرنے سے انسان معصوم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ تقویٰ بہت سارے گناہوں سے رکاوٹ بن جاتا ہے، اسکو کہتے ہیں ولایت خاصہ۔ متقی کا مقصد رب کے لیے جینا اور رب کے لیے مرنا ہوتا ہے۔ جہاں غیر آیا وہاں تقویٰ ختم۔

بتوں کا ہے بندہ خدا کا نہیں ہے
خدا کا نہیں جو مسلمان ہو کر

تقویٰ تام نہیں ہوتا جبکہ اخلاص نہ ہو۔ یوں سمجھ لو کہ اخلاص کے بغیر تقویٰ کے بازار میں داخل ہونا ہی نہیں۔ اب اخلاص کسے کہتے ہیں۔؟ ایک بزرگ کو کسی نے دیکھا کہ روضہ اقدس ﷺ کے سامنے بیٹھے زار و قطار رو رہے ہیں۔ ”کسی نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟“۔ کہا: ”میں نے اس صاحب قبر سے یہ بات سنی ہے کہ شیطان اس سے نااُمید ہو چکا ہے کہ یہ امت بتوں کو پوجے لیکن مجھے یہ شائبہ ہے کہ یہ امت دنیا کی ریس میں مبتلا ہو گی“۔ ”وانی واللہ ما أخاف علیکم أن تشرکوا بعدی ولٰکن أخاف علیکم أن تنافسوا فیھا“۔ (عقبہ بن عامرؓ فی الصحیحین)

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بغیر اخلاص کے تقویٰ ہو نہیں سکتا اور جب تک تقویٰ نصیب نہیں ہوتا انسان کامل انسان نہیں بن سکتا۔ اب جب انبیاء علیہم السلام آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ تقویٰ والے بن جاؤ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ صرف نماز ہی پڑھو، زکوٰۃ دو بلکہ اس میں وہ سب اچھے کام آجاتے ہیں جو شریعت نے بیان فرمائے ہیں۔ کسی چیز کے چھوڑنے سے تقویٰ ناقص تو ہو گا لیکن کامل نہیں ہو گا۔

پھر متقیوں کے بھی مدارج ہیں۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم متقی تھے۔ وحشی بھی متقی تھے۔ صدیق بھی متقی تھے۔ عثمان بھی متقی تھے اور علی بھی مگر ہر ایک کے درجہ میں فرق

ہے۔ ''کلھم درجات'' جتنا تقویٰ بڑھتا چلا جائے گا اُس قدر درجوں میں فرق ہو گا اور جس قدر درجوں میں فرق ہو گا اس قدر تقویٰ ہو گا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے۔

اے برادر بے نہایت در گہے است
ہر کہ بروئے می رسی بروئے مائیست

(بھائی! قرب الٰہی کے بے شمار درجات ہیں، جہاں تمہاری پہنچ ہو جائے اُس سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگا رہ۔)

اللہ کی صفات غیر متناہی ہیں اور انسان کی تسلی صرف ان غیر متناہی صفات سے ہو سکتی ہے فرمایا: علم و عمل کے جس مقام پر بھی پہنچ گیا۔ تو کہو کہ ابھی ابتدا ہے اور اگر اپنے کو کچھ سمجھا تو شیطان والی ایک خو آگئی اپنے کو کچھ سمجھنا کمال نہیں بلکہ مٹا دینا کمال ہے۔

نبوت کے درجات تو ختم ہیں لیکن ولایت کے باقی ہیں۔ فرداً کوشش کرے گا تو فرداً کامیابی ہو گی اور اجتماعاً کوشش کریگا تو اجتماعی کامیابی حاصل ہو گی لیکن اجتماعی کام میں اگر اپنے ثواب اور اپنی اصلاح کی نیت نہ ہو اور محض دوسرے کا مصلح بن کر نصیحت کرنے والا اور اپنے کو کچھ سمجھ کر کام کرنے والا بنے گا تو اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارے گا۔ دوسرے کو جو بات کہنی ہو اس لئے نہیں کہنی ہو کہ وہ مجھ سے حقیر ہے۔ حضرت تھانویؒ کا قول ہے کہ عین جس وقت جس کو امر بالمعروف کر رہا ہے اُس کو اپنے سے افضل سمجھے اور اگر حقیر جانا تو اپنا راستہ کھوٹا کیا حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ کافی ہے ایک مسلمان کے لئے یہ برائی کہ اپنے بھائی مسلمان کو حقیر جانے۔ اہل اللہ کا تو یہاں تک حال رہا ہے۔ کہ حالاً اپنے کو ہر ایک سے حقیر جانتے اور یہ خطرہ کرتے ہیں کہ نامعلوم کہ ہم فرعون اور نمرود جیسے کافر سے بھی بدتر ہو کر جائیں۔ اسلئے یہ فیصلہ آخری انجام پر ہے کہ اگر ایمان کے ساتھ چلے گئے تو اچھا ہے اور اگر دوسرا معاملہ ہے تو پھر کتوں سے بھی بدتر ہو جائے۔

اسلئے بزرگ کہتے ہیں کہ دوسری دعاؤں کے ساتھ حسن خاتمہ کی بھی دعا فرمائیں۔ اور اسکا طریقہ یہی ہے کہ جو چیز تمہیں پسند ہے اُس پر شکر کریں اور کہا کر کہ اے اللہ! ہمیں اپنے اہل ایمان کے ساتھ شامل فرما۔ زندگی کا حاصل ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونا ہے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا ''اکثروا ذکرھا ذم اللذات الموت'' (رواہ الترمذی والنسائی) اُسکو یاد کرو جو کہ لذتوں کو مٹانے والی ہے۔ یعنی موت اور اگر رب سے تعلق ہے تو تم تو انتظار کرو گے کہ وہ آئے گی اور کب آئے گی۔

؎ خرم آن روز کہ ازیں منزل ویراں بروم
راحتِ جان طلبم وسوئے جانان بروم

مطلب یہ تھا کہ اگر عشق و محبت والی لائن کو اختیار کرو گے تو موت تمہارے لئے خوشی ہو جائے۔ اور تم اس کے انتظار میں پڑے رہو گے۔ کہتے ہیں کہ

بے حجابانہ در آ از در کاشانۂ ما
کہ کسی نیست بجز درد تو درخانۂ ما

(معشوق صادق اپنے عاشق کو پکارتا ہے کہ ہمارے گھر میں تجھے پردے کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہاں درد و حسرت کے سوا اور دھرا ہی کیا ہے۔)

اس لحاظ سے موت کا انتظار موت کو میٹھا کرتی ہے اتنا میٹھا کرتی ہے جیسا آپکے لئے لڈو پیڑے گو موت مقصود بالذات نہیں ہوتی جیسا کہ کسی نے کہا ''الموت جسرٌ یوصل حبیب الی المحبوب'' اور اگر محض خانہ پُری کے لئے چل رہے ہیں تو اپنے کو اُن گناہوں سے بچاؤ جو تمہارے راستہ کو کھوٹا کر رہے ہیں۔

بس اللہ کا ولی وہ ہوتا ہے جو کہ ہر لحظہ ہر آن اس فکر میں رہتا ہے کہ اپنی زندگی کو تمام عمر اُن اعمالِ صالحہ پر چلنے کے لئے آمادہ کرے جو کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے بتائے ہیں کیونکہ

نبوت جڑ اور اصل ہے ولایت کی۔ اگر کوئی نبوت سے مستغنی ہو کر ولایت ثابت کرنا چاہتے ہیں تو وہ محض دعویٰ ہے۔

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جب تک موت نہ آئے تب دغدغہ سے غافل نہیں ہو جایا کر اور اکثر یہ شعر فرمایا کرتے:

اندریں رہ می تراش و می خراش
تادم آخر دمے غافل مباش

(معرفت حق اور سلوک کا راستہ ایسا راستہ ہے کہ اس میں مستقل محنت کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں تک کہ موت آجائے۔)

جیسے کہ چاند چڑھے نہیں چھپتا، بیٹا پیدا ہوئے نہیں چھپتا۔ اسی طرح محبت چھپتی نہیں اور اگر چھپی ہوئی ہو تو آثار تو ہوتے ہیں۔

بلکہ فرمایا جتنی محبت بڑھتی جائے۔ اتنا ہی نبی ﷺ کا اتباع بڑھتا چلا جائے اور جتنا نبی ﷺ کا اتباع بڑھتا جائے اتنی ہی محبت زیادہ ہو گی اور اتباع میں صرف ظاہری اتباع نہیں بلکہ باطنی اتباع بھی چاہیئے کہ حضور ﷺ کے قلب کی کیا حالت تھی۔ یعنی ہر آن اور ہر لحظہ یہ تصور ہونا چاہئے کہ میرے آقا نے کیا کیا؟ محمد ﷺ کا ظاہری و باطنی اتباع حاصل کئے بغیر اگر کوئی شخص ہوا میں اُڑتا چلا جائے سورج کو ہاتھ میں لے لے جو کہ ناممکن ہے تو وہ ولایت نہیں بلکہ استدراج ہے دھوکا ہے۔ اسکے ساتھ صرف دعویٰ ہے دلیل نہیں اور حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: ''وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا''۔ (الٰہی ہم کو متقیوں کا امام بنا۔) اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ ہم کو تقویٰ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نُور تھے یا کہ بشر؟

مجلسی گفتگو (یکم اکتوبر 1962ء، اپنے دولت خانے پر بوقت شام)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے یا کہ بشر؟

ہر چیز کا فیصلہ کتاب و سنت سے ہوتا ہے اور یہ دونوں کسی چیز کے پرکھنے کے حقیقی معیار ہیں اب جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے تو قران نے ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر آپکی بشریت کو واضح کیا ہے۔ مثلاً قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝۱۱۰ (الکھف۱۸: ۱۱۰) یہاں قل ایک اعلان والی بات ہے نیز عربی میں اِنّما حصر کے لیے آتا ہے مطلب یہ ہوا کہ آپ فرما دیجئے کہ میں تو بشر ہوں تم جیسا۔ ایک چیز ہے کہ مجھے وحی ہوتی ہے یعنی بشریت کے ساتھ مجھے وحی سے سرفراز کیا گیا ہے۔

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے اونچا ہے اور اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اونچے ہیں۔ اب اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بال برابر بھی اپنے مقام سے اونچا یا نیچا کریں تو ہلاکت ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(خدا تو خدا ہے اور مخلوقات میں سب سے اُونچا درجہ رسول اللہ ﷺ کا ہے۔)

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ سب سے مشکل کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو۔ میرے ساتھ وہ معاملہ نہ کرنا جو کہ یہود اور نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ کیا کہ یہودیوں نے انکار کیا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کو خدا کا بیٹا بنایا۔ مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا نہیں اور اگر بالفرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا مانیں گے تو ناقص ہوں گے اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبد کامل ہیں اور جیسے خدا وحدہ لاشریک ہیں ایسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمال عبدیت میں وحدہ لاشریک ہیں۔ اب جو یہ جھگڑا ہے وہ لفظوں کا جھگڑا ہے۔

وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ۔(الفرقان ۲۵: ۷)(ترجمہ: اور کہتے ہیں یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے)۔

ایک تو ہے افراط میں اور دوسرے تفریط میں۔

عربی میں بشر کھال کو کہتے ہیں۔ اور انسان کو بشر کیوں کہتے ہیں؟ اسی لیے کہ تمام جانوروں کے تمام یا اکثر جسم پر بال ہوتے ہیں اور انسان کی حالت اُن جیسی نہیں۔ اس لیے اس کو بشر کہتے ہیں۔ یہ (امام راغب اصفہانی کا قول ہے)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا سید ولد ادم (ابوداؤد، حدیث نمبر:۴۶۹۳) میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں رہتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں اور بازاروں میں پھرتے ہیں۔ اور یہ قرآن سے ثابت ہے اور جو بھی قرآن کا ماننے والا ہے وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ۔(الفرقان ۲۵: ۷)(اور یہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے۔)

اب دیکھنا یہ ہے کہ بشریت کیا ہے؟ لوگ تو بشریت کے مقام کو جانتے نہیں حالانکہ جب اللہ نے آدم علیہ السلام کے سامنے تمام فرشتوں کو جھکایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور اکمل ہیں۔ تو انکا کیا مقام ہو گا اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ فرشتے نور سے

پیدا ہوئے تو گویا نور کمال کی بات نہیں بلکہ بشر ہونا کمال کی بات ہے۔ اب غور کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے یا نہیں اور تھے تو کیسے نور؟ دیکھو مٹی کا بدبودار تیل جل جاتا ہے اور نور پیدا ہوتا ہے لکڑی وغیرہ جل کر روشنی دینے لگتی ہیں۔ یعنی جب ایسی ایسی چیزوں میں روشنی ہوتی ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ فضیلت کونسی روشنی میں ہے اور آیا انسان میں بھی روشنی ہوتی ہے یا نہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج تشریف لے گئے جبرائیل علیہ السلام بھی ساتھ تھے لیکن سدرۃ المنتہٰی پر پہنچ کر وہ رہ گئے اور کہا:

گر یک موئے برتر پرم تجلی عظمت بسوزد پرم

(اگر ایک بال کے برابر بھی میں آگے جاتا ہوں تو تجلی عظمتِ الٰہی میرے پَر جلاتے ہیں۔)

تو جبرائیل علیہ السلام جو کہ نرے نورانیت ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو نورانی مخلوق میں اور کون ہے جو آپکا ہمسفر بن سکے۔ بندے سے جو اعمال نکلتے ہیں۔ انکی وجہ سے اس میں نور و عظمت کی تخلیق ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قران میں سراجاً منیرا کہا ہے اب یہاں منیراً صفت ہے سراج کی تو مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نُور تھے لیکن بشریت والے نور تھے بلکہ ہم تو یہ مانتے ہیں کہ اولیاء اللہ اور شہدا میں بھی نُور ہوتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ بشریت نورانیت کے منافی نہیں بلکہ دونوں باہم مل سکتے ہیں۔ آگے جو یُوْحٰی اِلَیَّ فرمایا گیا۔ تو وحی اپنی ذات میں نُور ہے ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نُور ہے لیکن اللہ کا عطا کیا ہوا نُور ہے۔ یہ نہیں کہتے کہ اللہ سے ایک ٹکڑا علیٰحدہ ہوا اور اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے کیونکہ اس سے تو پھر عیسائیوں والی بات ثابت ہوتی ہے جو خدا کے تین جزو مانتے ہیں۔

تو کہنے کا مقصد یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر بھی تھے اور نُور بھی تھے لیکن خدا کے

جزو نہیں۔ بلکہ خدا کے عطا کئے ہوئے نُور ہیں اور نُور تو کیا نُور اعلیٰ نُور ہیں۔

یہاں پر پہنچ کر مولانا صاحب بات کو وضاحت سے بیان کرنا چاہتے تھے لیکن سائل کو جانے کا خیال پیدا ہوا تو بیان بھی ختم فرمایا گیا[3]۔

---

[3]- عن ابی سعیدٍ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انا سیّدُ وُلْدِ اٰدم یوم القیامۃ ولا فخر، و بیدی لواء الحمد ولا فخر و ما من نبی یومئذٍ اٰدمُ فمن سواہ الا تحتَ لوائی و أنا اوّل من تنشق عنہ الارض ولا فخر۔ (جامع الترمذی، تفسیر القرآن ۱۸، حدیث نمبر: ۳۴۱۵)

ترجمہ: میں قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں۔ میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا اور مجھے کوئی فخر نہیں اور اس دن سارے نبی مع آدم علیہ السلام کے میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں اول شخص ہوں گا جس پر سب سے پہلے زمین پھٹ جائے گی اور مجھے کوئی فخر نہیں۔

عن ابی ھریرۃ قال: قال روسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا سید ولد آدم واول من تنشق عنہ الارض واول شافعٍ واول مشفَّع۔ (ابوداود کتاب السنۃ ۱۴، حدیث نمبر: ۴۶۷۳)

تسخیرِ کائنات کا آسان نسخہ

اسلامیہ کالج مسجد (2 اکتوبر 1962ء، بروز منگل بعد از نمازِ مغرب)

[نوٹ: مغرب کی نماز ہو رہی تھی کہ ہمارا قافلہ مسجد آپہنچا مولانا صاحبؒ نے کوچوان کو تین روپے دیئے چنانچہ اس نے بڑے اطمینان سے نوٹ جیب میں ڈالے نوٹ دینے سے پہلے مولانا صاحبؒ نے میری طرف دیکھا گویا یہ پوچھ رہے ہیں کہ آیا یہ رقم پوری ہو گی یا نہیں۔ بھلا مجھے کیا پتہ؟ میں تو کالج میں تانگے پر تھوڑا ہی جاتا ہوں یہ تو وہ جانے جنکو ان حضرات سے معاملے کی نوبت آئی ہو۔

ہماری بھی عجیب حالت ہے کہ ایک تو اتنی تکلیفوں کو بھی جھیلیں تانگے والے کے خصوصی قاعدے کے مطابق کرایہ بھی دیں وقت کو بھی فارغ کیا جائے اور پھر جو کہا جائے کہ نماز کے بعد دین کی بات ہو گی تو سب سے پہلے امام اور پھر مقتدی بھاگ کھڑے ہوں گویا کہ وہ اب سب پر قید کا حکم لگا رہے ہیں۔ اور اگر لگائے بھی تو ہم تو اسکے مستحق بھی ہیں عمل پیدا نہ بھی ہو تو یہ کچھ تھوڑا عمل ہے کہ اتنی دیر کے لیے اللہ کے دین کی بات سنی جائے۔ مگر ہم کو تو رمضان کے ختم کی وہ رات پیاری ہوتی ہے جس میں مٹھائی تقسیم ہوتی ہے۔ اور پھر بقول ایک مولانا صاحب کے جبکہ ہم ایک ہفتہ میں سرمن اور پھر جمعہ کا خطبہ سنیں تو تیسرے بیان کی کیا حاجت رہتی ہے۔] (محمد سراج)

ہمارا مشاہدہ

ہمیں سب کچھ اللہ رب العزت کے خزانوں سے آرہا ہے ہماری زندگی اللہ تعالیٰ کی صفت ''حی'' سے ہی قائم ہے۔ جو کچھ کرنے والے ہیں اللہ کرنے والے ہیں اور مخلوق میں سے جو کچھ ہوتا نظر آرہا ہے وہ مخلوق کا نہیں بلکہ دراصل خالق کا فضل ہے۔ کافر یہ دیکھتے ہیں کہ زمین میں سے بیج پھٹتا ہے اور پھر اس سے کونپل نکلتی ہے پھلتی ہے اور آخر کار ختم ہو جاتی ہے لیکن ایک مؤمن کہتا ہے کہ کرنے

والی ایک دوسری طاقت ہے جو کہ اس بیج کی پرورش کرتا ہے اگر ایسا نہیں تو پھر بعض دانے اُگتے کیوں نہیں؟ اور اُگیں بھی تو بڑھتے کیوں نہیں۔ اور بڑھیں بھی تو ان پر پھل کیوں نہیں آتا؟ بیج تو بیج اگر ہماری سانس لینا ایک لمحہ کے لیے بند ہو جائے تو ہماری زندگی ختم ہو جائے اسی طرح درخت اور کوئی بھی زندہ چیز ان کی زندگی اللہ کے حکم سے قائم ہے۔ کافر اور مؤمن میں بس یہی فرق ہے کہ کافر کی نگاہ چیزوں کی طرف جاتی ہے اور مسلمان کی نگاہ ہر لمحہ اللہ پر ہوتی ہے۔ ہم یہی کہتے ہیں کہ یہ درخت، چاند اور سورج تو اللہ کے حکم کے پابند ہیں اور ہم ہیں آزاد۔ ایسا نہیں بلکہ ہم بھی ایسے تابع ہیں جیسے کہ اور مخلوق اور لا الہ الا اللہ کا مطلب یہی ہے کہ کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ تمام مخلوق ملکر اللہ کی مشیئت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی۔

ماں کے پیٹ سے پہلے جبکہ ہمارا وجود نہیں تھا ہم نے پیدا ہونے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ ماں کے پیٹ میں لے آئے یہاں ہم مردہ تھے اس نے روح ڈالی کان، آنکھ، ہاتھ پاؤں بنا دئے۔ اسکے بعد پیدا کیا اور پھر بھی ہمارا کچھ اختیار نہ تھا۔ پیدا ہو گئے تو کیا یہاں ہمارا بس چلتا ہے کہ ہم ہمیشہ رہیں۔ بلکہ جب تک چلاتے رہیں چلتے رہیں گے۔

ہم کہتے ہیں کہ آنکھ دیکھتی ہے ایسا نہیں بلکہ دکھاتا کوئی اور ہے۔ ہم نے خود ایسی آنکھوں والے دیکھے ہیں کہ ظاہری طور پر آنکھ بالکل صحیح سالم لیکن نظر نہیں اسی طرح کان کو لے لو اس میں سننے کی طاقت اللہ تعالیٰ کی رکھی ہوئی ہے وہ لے لیں تو بظاہر صحیح معلوم ہونے کے بھی غیر صحیح ہوتا ہے۔ اوروں کی کیا مثال دوں میں خود ایک نسبت میں بہرا ہوں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے طبیب کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کے طبیب ہی نے تو بیمار کیا ہے۔ آپ ہی کے دور میں سے ایک شاعر نے کہا ہے۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لااِلٰہ را

(جب میں اپنے کو مسلمان کہتا ہوں تو لرز جاتا ہوں کہ مجھے معلوم ہے کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کن مشکلات کا تقاضا کرتی ہے۔)

بھائی تو مسلمان اور کافر میں فرق کیارہ گیا کہ اگر انکا بھی یہ یقین ہو کہ چیزوں سے ہوتا ہے اور ہمارا بھی یہ یقین ہو کہ چیزوں سے ہوتا ہے۔

اور ہمارا تو یہ حال ہے کہ نہ نماز کی خبر نہ دعا کی فکر پہلے جب امام نماز پڑھتے تھے تو آگے دیکھتے کہ کیسی نماز پڑھیں لیکن اب پیچھے دیکھتے ہیں کہ مقتدی تو خفا نہ ہونگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نماز کے اختتام پر یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ **اللھم لامانع لمااعطیت ولا معطی لمامنعت ولا ینفع ذالجد منك الجد**۔ (بخاری، کتاب الدعوات، حدیث نمبر:۶۳۳۰) (اے اللہ! تو جیسے دینا چاہے کوئی مانع نہیں بن سکتا اور جس کو تو نہ دینا چاہے تو کوئی اُسے دینے والا نہیں اور کسی شخص کی بڑائی آپ کے مقابلے میں کام نہیں آسکتی۔)

مثال کے طور پر ایک زنجیر ہے اور اسکی سو کڑیاں ہیں اب میں اس کو اٹھاتا ہوں اوراس میں سے آخری کڑی کے ساتھ چیونٹی لگی ہوئی ہے اس چیونٹی کو کڑی اٹھتی ہوئی نظر نہیں آتی اور نہ زنجیر کا ہِلنا محسوس ہوتا ہے۔

عقل بر اسباب می دارد نظر
عشق می گوید مسبب رانگر

(نری عقل تو اسباب کو دیکھتی ہے اور عشق کی نظر مسبب الاسباب یعنی اللہ پر ہوتی ہے وہ اسباب سے بے پرواہ ہوتی ہے۔)

اطاعت الٰہی کے کرشمے

جب مسلمان اللہ کی اطاعت میں رہتے تھے تو زمین اور دریا انکی اطاعت میں چلتے تھے اوراب جو اللہ سے نظر ہٹائی تو ہر ایک چیز کے پیچھے پڑتا ہے لیکن حاصل نہیں ہوتی۔ دیکھو! ایک انسان ہے کہ

وہ ہر ایک چیز کے پیچھے لگتا ہے اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ بغیر کوشش کے تو کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔ اب تو زندگی اس نے چند چیزوں کے حصول میں گزار لی اور باقی تمام خواہشیں ویسی کی ویسی رہ گئیں۔ چیزوں کے حصول کا طریقہ یہ نہیں بلکہ وہ ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا: وَلَمْ يَجْعَلْ لَهٗ عِوَجًا۔ (الکہف ۱۸: ۱) (اور اس میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں رکھی)۔ کفار کا تو یہ عقیدہ ہے کہ ہر ایک چیز صرف محنت کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور اِسی وجہ سے وہ ہر ایک چیز پر محنت کرتے ہیں لیکن مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں وہ کہتا ہے کہ ہر ایک چیز اللہ کے اختیار میں ہے اگر ہم اسکے ہو جائیں تو دنیا اور آخرت کی تمام چیزیں ہماری ہو جائیں گی اور اگر یہ نہیں تو چاہے جس وادی میں ہلاکت ہو جائے ''فِیْ أَیِّ وَادٍ هَلَكَ'' اللہ پرواہ نہیں کرتے۔

ہمارے اگلوں کا تو یہ حال تھا کہ مخلوق کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے بلکہ خالق کے حکم سے مخلوق کے ساتھ تعلق رکھا اب دریائے نیل ہے جس پر ہر سال طغیانی آتی ہے اور پرانے مصریوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جب تک ہر سال یہاں ایک جوان لڑکی کی قربانی نہ کی جائے طغیانی نہیں آتی۔

اب جب مسلمان وہاں گئے تو وہ آکر یہی بات کہنے لگے لیکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو کہ وہاں کے گورنر تھے نے بھینٹ چڑھانے سے انکار کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خط لکھ دیا۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ بھینٹ نہ چڑھائی جائے اور ایک رقعہ دریائے نیل میں ڈالنے کے لیے لکھا جسکا مضمون یہ تھا۔

دریائے نیل اگر تو اپنے حکم سے چلتا ہے تو جس طرح چل ہم تم پر بھینٹ نہیں چڑھاتے اور اگر رب کے حکم سے چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا تابع ہو کر رہ۔

صحابہؓ نے جب قیروان کو فتح کیا یہاں ایک بڑا سخت جنگل تھا اور ہر قسم کے جانور تھے اب یہ کس کس کو ماریں۔ ایک صحابی نے آواز دی کہ اے جنگل کے درندو گزندو اور حشرات الارض اس جنگل کو کل تک خالی کر لو ورنہ اگر کل تک تم نے یہ جنگل خالی نہیں کیا تو تمہارا خون ہم پر حلال۔ صبح

جو دیکھتے ہیں۔ تو شیر اپنے بچوں کو لیے ہوئے اور بھیڑیا اپنے بچوں کو اور نکلے چلے جا رہے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ ایک دن میں نے اپنے شیخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک چیتے پر سوار ہوتے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ تو جواب دیا کہ جو خدا کا ہو جاتا ہے ساری خدائی اسکی ہو جاتی ہے۔ ایک اور بزرگ کے متعلق آتا ہے کہ جنگل سے آرہے تھے اور شیر پر لکڑیوں کا گٹھا رکھے ہوئے تھے اور حسین بن منصور حلّاج تو سانپ کا کوڑا رکھتے تھے۔

تم جانو یا نہ جانو یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کی ہیں۔ ''وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ''۔(النحل۱۶: ۱۲) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رات دن، سورج اور چاند کو مسخر کیا ہے۔

ہائے! ہم نے ہر ایک چیز کو آزما کر دیکھا لیکن رب کو آزما کر نہ دیکھا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا ہے:

وہ چشم محبت تو جویائے محبت ہے
دیکھے تو ذرا کر کے اس سے کوئی یارانہ

حدیث قدسی ہے: اے بنی آدم! تُو میری عبادت کے لیے تیار ہو۔

''یابنی اٰدم تفرغ لعبادتی'' تو کیا ہو گا؟ کہ پوری کی پوری مخلوق تمہارے لیے مسخر ہو گی اور ہر چیز تمہارے پاس آئے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہوئی اور مسیلمہ کذاب نے ایک صحابی کو آگ میں ڈالدیا لیکن اس پر آگ کا کچھ اثر نہ ہوا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تمام تعریف اس اللہ کی جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت کو امت میں زندہ کیا۔

میں آپکا زیادہ وقت نہیں لیتا کیونکہ اس کام کے لیے آپ کے ساتھ وقت کم ہی ہے۔ چنانچہ وعدہ کرو کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی گزاریں گے، ہم نے تمام سے منہ موڑا اور تمہاری

طرف آگئے یہ کیا قصہ ہے کہ آدھا تیتر آدھا بٹیر وہی بات کہ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے نہ ''اِلاّ الّذی نہ اُلا الّذی''۔

دعوت کی فضیلت

اب دیکھو! ایک بلب ہے جب جل جائے تو تم اسکو اپنے پاس رکھو گے یا پھینکو گے یا کتاب جب کورس سے خارج ہو جائے تو کیا تم اسکو ایسے پڑھو گے جیسے کہ پہلے کورس میں شامل تھی۔ یقیناً ایسا نہیں کرو گے تو دیکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کام تمہیں کرنے ہیں ایک تو اپنی زندگی کو بناؤ اور دیکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اسلیے خود اس راستے پر چلو اور اوروں کو اس راستے پر چلنے کی دعوت دو اور دیکھو! صرف یہ نہ کرو بلکہ اللہ کے راستے پر لگانے والوں کو پیدا کرو۔ ایک تو وہ آدمی ہے جو کہ خود نیکی کرتا ہے اور ایک اوروں کو نیکی پر ڈالتا ہے اور ایک آدمی ایسا ہے جو کہ نیکی پر لگانے والوں کو پیدا کرتا ہے۔ تو بتاؤ کس کو زیادہ ثواب ملتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اوروں کو نیکی پر ڈالے تو اس کو اس کام کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا اور خود کام کرنے والے کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہو گی۔ دیکھو تم نے مغرب کی نماز پڑھی اب تم اگر چاہو کہ ہم کو پچاس آدمیوں کا ثواب ملے تو یہ تو ہے فرض نماز نفل اسکے برابر ہو نہیں سکتی اور نہ تم پچاس آدمی بن سکتے ہو تو آسان طریقہ یہ ہے کہ پچاس نمازیوں کو پیدا کر لو۔ یہی حال روزے کا ہے کیونکہ نفل روزہ تو فرض روزے کے برابر نہیں ہو سکتا اور ہر رمضان میں روزے رکھنا خود فرض ہوتا ہے تو اب جو شخص فرض روزوں کا ثواب کمانا چاہے تو روزے دار پیدا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ طریقہ نہیں بتایا کہ عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود بلکہ خود عمل کرنے اور اوروں کو عمل پر ڈالنے کی تاکید کی۔ دیکھو! اگر ہمارے والد صاحب مرتے وقت کسی بات کی وصیت کر جائیں تو چاہے ہم اسکی اور باتوں کو مانیں یا نہ مانیں اس وصیت کو پورا کرنے کی تو ضرور کوشش کرتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ ہم کو اپنے والد سے بھی پیارے ہیں نے آخر وقت میں وصیت کی۔

''الا هل بلغت قالوا نعم'' کیامیں نے تم کو دین پہنچایا۔ تمام نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے بڑے اچھے طریقے سے پہنچایا اسکے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللھم اشھد فلیبلغ الشاھد الغائب''۔ اے اللہ! تُو گواہ رہ، اے اللہ! تُو گواہ رہ۔ اور پھر فرمایا کہ تم میں سے جو حاضر ہیں وہ اسکو غائب کو پہنچادے اور اس بہانہ کو دُور کرنے کے لیے کہ کہیں کوئی یہ نہ کہے کہ ہم میں اتنی قابلیت کہاں کہ اوروں کو دعوت دے سکیں لیکن

کیسی گلی رقیب کی کیا طعن اقربا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

''فرب مبلغ اوعی من سامع''۔(بخاری، کتاب الحج، حدیث نمبر:۱۷۴۲)

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بہانہ بھی ختم کیا۔ یہ فرمانے سے اگر تم اس کو نہ سنبھال سکو تو ممکن ہے کہ وہ تم سے زیادہ سنبھالنے والے ہوں۔

دوستو! قرآن میں عورتوں کے متعلق جو حقوق ہیں۔ تو تم ان پر عمل نہیں کرسکتے ۔۔۔ کیونکہ یہ تو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں۔ اگر وہ ثواب کمانا ہو تو عورت بننا ہوگا لیکن اگر عورتوں کو یہ احکام بتائیں تو عمل کریں گی وہ اور ثواب تم کو بھی ملے گا۔ اسی طرح جہاد ہے تو اگر جو شخص کسی عذر سے جہاد کے لیے جانے کی طاقت نہیں رکھتا تو اوروں کو جہاد کے لیے تیار کرنے سے ان کو بھی جہاد کا ثواب ملا کرے گا۔

اب دیکھو! جس دین کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی مصیبتیں جھیلیں، محنتیں کیں، دانت مبارک شہید ہوئے تو اب اگر تم اس پر عمل نہ کرو تو کل اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ اتنا تو کرو تاکہ کل اور نہیں کم از کم یہ تو کہہ سکو:

گو نالہ نارسا تھا نہ تھی آہ میں اثر
میں نے تو کچھ کمی نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

اب دوستو! اللہ کو تھوڑا بہت یاد کرلیا کرو۔ اور یہ تبلیغی حضرات جو کہتے ہیں کہ عمر میں چار مہینے اور سال میں چالیس دِن اللہ کے دین کے لیے باہر نکلو تا کہ دین آپ کی زندگی میں آجائے۔ اِسی طرح جمعرات کے دن ہمارے کچھ طالب علم شہر کو گنج علی خان مسجد میں دین کی بات سننے کے لیے جاتے ہیں تو اگر تم بھی جاسکو واپسی بھی ہوسکتی ہے لیکن اگر ایک رات اللہ کے دین کے لیے گزاردی تو کیا ہوا جبکہ چھ دن دنیا کے کاموں میں گزرجاتے ہیں۔

دوستو! کتنے ہی بڑے انجینئر بن جاؤ ایک نہ ایک دن ضرور مرجاؤ گے یہی حال بڑے سے بڑے ڈاکٹر صاحب کا بھی ہے تو اب جب اس چیز پر محنت کی جاتی ہے جس کو چھوڑنا ہے تو ایک لافانی چیز پر اگر تھوڑی سی محنت کی جائے تو کیا ہوا۔ اور بغیر محنت کے کسی چیز کی قدر پیدا نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک قیمتی دوشالہ سے اپنے بوٹوں کو صاف کررہے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ پاگل یہ کیا کرتے ہو؟ تو جواب دیا پاگل تو تم ہو۔ بوٹ میرے اپنی کمائی کے ہیں اور دوشالہ والد صاحب سے ورثے میں ملا ہے۔ اسی طرح دین کی قدر تب پیدا ہوگی جبکہ تم اس کے لیے کچھ وقت لگاؤ اور اس پر محنت کرو۔ اسی طرح ایک بات اور عرض کروں کہ ہمارا گھر عثمانیہ ہاسٹل کے نزدیک سڑک پر واقع ہے۔ مکان کا نمبر 10 ہے مشہور نمبر ہے اس لیے اگر ہوسکے تو وہاں بھی تشریف لایا کرو لیکن اصل چیز جان کو کھپانا ہے تا کہ تم سے خود وہ چیز پھوٹ کر نکلے۔ وللہ الحمد

تسکین دِل

درِ دولت خانۂ خویش تضمین بر مہر دل (7 اکتوبر 1962ء، بروزِ اتوار، بعد از نماز مغرب)

تجلیات رب

شیون الٰہیہ یعنی تجلیات الٰہیہ مختلف ہوتی ہیں اور ابنائے جنس کے لحاظ سے کہتے ہیں کہ

بسیار شیوہ ہاست بتان راکہ نام نیست

(معشوق کے بہت ناز و نخرے ہوتے ہیں جن کو آپ نام دے کر نہیں پکار سکتے۔)

تو رب کی ہر آن میں کیا کیا تجلیات ہوتی ہیں جبکہ قوس قزح میں ایک ساتھ سات رنگ ہوتے ہیں بزرگان دین عشق و محبت کے متوالے ہوتے ہیں صوفیاء کے نزدیک اور کیا ہوتا ہے۔

ما قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

(عاشق صادق کہتا ہے کہ میں نے سکندر، دارا وغیرہ کے فضول قصے نہیں پڑھے مجھ سے پوچھنا ہے تو محبت اور وفا کے متعلق پوچھ لیا کرو۔)

پورا دین کیا ہے رب کی محبت اور محبت کے تقاضوں کو اپنانا ہے۔ نبھایا تو اچھا اور نہ نبھایا تو رب کا کیا؟ نقصان ہمارا ہوا۔ مثلاً ایک گل ہے تب تک تو وہ گل ہے جبکہ وہ یا شاخ پر ہو اور یا سر اور جیب میں اور پاؤں تلے روندو تو پھر خاک میں مل جائے گا۔ اسیطرح ہمار دل ایک گل ہے اور مکان کی عزت مکین سے ہوتی ہے اور چونکہ دل رب کی تجلیات کی جگہ ہے اس لیے اس کی کچھ خوبی ہے تو یہ ہے کہ رب کی تجلیوں کا محل بنے ورنہ بلی چوہے کھا جائیں گے۔

ہر کس کہ دید روئے تو بوسید چشم من
کارے کہ کرد دیدۂ تو آن بے نظر نہ کرد

(جس شخص نے بھی تیرا چہرہ دیکھا میرے آنکھوں کو بوسہ دیا کہ تجھ جیسا کام کرنا کسی نابینا کا کام نہیں۔)

تو میں کہوں کہ ہم اس دل کو کیوں نہ چُومیں کہ اس میں بوئے یار آجائے دل کی قدر کی تو میاں کا تعلق پیدا ہو جائے گا اور میاں کا تعلق پیدا ہوا تو پھر کیا کہنا۔

ہم عالم ارواح میں تھے، کچھ بھی پتہ نہیں تھا، آرام سے تھے میاں کو آیا پیار پوچھا ''الست بربکم'' کیا میں تمہارا رب نہیں؟ اب رب کا کلام اپنی ذات میں تجلی لیے ہوتا ہے جسطرح بجلی کی کوند روشنی کو اور نسیم خوشبو کو لے آتی ہے۔ اگرچہ نسیم اپنی ذات میں تو کچھ نہیں ہوتی لیکن پھولوں کی جو خوشبو لاتی ہے ہے تو نسیم بن جاتی ہے۔

اسیطرح کلام کچھ نہیں لیکن جو رب کے ساتھ تعلق ہو تو اسکی حثیت اور ہو جاتی ہے۔ بعض آنکھوں کے بیمار ہوتے ہیں اور بعض کانوں کے بیمار۔ آپ علیٰحدہ کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور پھر اچانک آواز آجائے اور آواز مانوس ہو تو حالت بدل جائے گی قرآن تو پڑھا ہے قرآن میں گو زلیخا کا نام نہیں لیکن قصہ مذکور ہے کہ زنانِ مصر نے اسکے بارے میں کہا ''تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖ‌ۚ قَدۡ شَغَفَهَا حُبًّا‌ؕ اِنَّا لَـنَرٰٮهَا فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝۳۰'' (سورۃ یوسف ۱۲: ۳۰) (عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کو ورغلا رہی ہے۔ اس نوجوان کی محبت نے اُسے فریفتہ کیا ہے ہمارے خیال میں تو یقینی طور پر وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہے)۔

یہ تھی بڑی چالاک مجلس بلائی اور نارنگیاں اور چھریاں ہاتھ میں دے دیں اور پھر یوسف علیہ السلام کو آواز دی کہ ذرا آنا تو سہی۔ اب جو وہ نکلے تو کیا ہوا ایک نے نہیں بلکہ تمام نے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ کہا ''وَقَطَّعۡنَ اَيۡدِيَهُنَّ وَقُلۡنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا‌ ؕ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيۡمٌ ۝۳۱''

(یوسف ۱۲: ۳۱)

(اور ان کے حُسن سے مبہوت ہو کر ہاتھ کاٹ ڈالے اور بول اُٹھیں کہ ''ماشاء اللہ! یہ شخص کوئی انسان نہیں ہے ایک قابل تکریم فرشتے کے سوا یہ کچھ اور نہیں ہو سکتا'')۔

تو رب نے جو اچانک کہا کیا میں تیرا رب نہیں تو تمام بے اختیار پکار اٹھے ''بَلٰی شَهِدْنَا'' اور وہ شہادت کیسی؟ کہ ہمارا وجود ہی اس ذات کی دلالت ہے کیونکہ اگر تو ہمارے وجود کو پیدا نہ کرتے تو ہم ہوتے کہاں۔

کاشتی در جان من تخم محبت کاشتی
عاقبت کردی ہم آن کارے کہ دَر دِل داشتی

(تو نے میرے دِل میں محبت کا بیج بویا اور جس کام کا آپ کا (اللہ تعالیٰ) کا ارادہ تھا۔ بات اگر دہان پر ٹھہری کہ تو نے اپنے ارادے کو بروئے کار لایا یعنی انسان کے دل میں اپنی محبت ڈال دی۔)

اب دل میں بیج ڈالدیا اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ ''ان الامانة نزلت فی جذر قلوب الرجال'' (بخاری) بیشک امانت لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اُتری۔

حاتم طائی کا قصہ تو پڑھا ہوگا۔ ہم نے بچپن کے زمانے میں پڑھا تھا۔ قصہ یہ تھا کہ ایک خوبصورت شہر تھا اور اس میں جو بھی جاتا واپس لوٹ نہ آتا اور کہتا ایک بار دیکھا اور پھر دیکھنے کی آرزو ہے۔

دیکھو! عالم ارواح میں اب ایسا نہیں کہ تمام سوتے تھے مگر وہاں بھی اُنسیتیں ہوتی تھیں۔ دلیل یہ ہے کہ بعض آدمی ایسا ہوتا ہے کہ دیکھا نہیں ہوتا لیکن جو دیکھے تو فوراً طبیعتیں مانوس ہو جاتی ہیں اور بعض روزانہ آتے ہیں لیکن طبیعتیں نہیں کھلتیں۔

دیکھو! عالم ارواح میں حجابات نہیں ہوتے لیکن ترقیات بھی نہیں۔ جیسے کہ نرسری ہوتی ہے نرسری میں پودے کچھ پھولتے نہیں، ترقی مطلوب ہو تو دوسری جگہ لگانا پڑتا ہے۔ اسی طرح رب نے اپنی محبت پھونک تو دی تھی لیکن ترقیات نہیں ہوتی تھیں اس لیے عالم اجسام میں لے آیا۔ یہاں بھی وہی محبت ہے لیکن بعض کو پتہ نہیں لگتا۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات انگلی وغیرہ

میں خارش تو ہوتی ہے لیکن جگہ پوری معین نہیں ہوتی اسی طرح ہم یہاں آئے۔ تو پردے ہی پردے۔ اب یہ بھی غلط ہے کہ رب پردے میں ہے بلکہ خود ہماری نگاہ پردے میں ہے ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے ''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَ هُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝۱۰۳'' (الانعام۶: ۱۰۳) (ترجمہ: نگاہیں ان کو نہیں پا سکتیں اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے اس کی ذات اِتنی ہی لطیف ہے اور وہ اِتنا ہی باخبر ہے۔)

اقبال نے خوب کہا ہے:

وہ اپنے حُسن کی مستی سے ہیں مجبورِ پیدائی
مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسبابِ مستوری

رب کی صفات ظہور چاہتے ہیں لیکن کوئی چیز تو ہو جو اسے آشکارہ کرے۔

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

دیکھو! اب یہ تو سمجھ میں آگیا کہ بندے میں طلب ایک بنیادی بات ہے۔ آپکی انگریزی میں اگر پلورشن (Pulversion) چورا ہو جائے تو غیر کے پاس جائے گا۔ اب غیر ہے محدود اور یہ طلب ہے لامحدود۔ بندہ کسی کا طالب بن کر آیا ہے اور اب جو یہ طلب پوری نہیں ہوتی تو وہ چیزوں کے پیچھے پڑتا ہے۔ کبھی ایک کے پیچھے اور کبھی دوسری چیز کے پیچھے لیکن طلب ختم نہیں ہوتی اور نہ تسلّی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ مقصود او جھل ہوتا ہے وہ کسی والی بات:

کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

جیسے ایک بچہ ہے وہ کچھ مانگتا ہے، یا کان میں درد ہے اب ہم تو کبھی لڈو دیدیں اور کبھی پیڑا دے دیں لیکن اس کو قرار نہیں آتا۔ قرار تو تبھی ہو جبکہ ہم اسکو اسکی وہ چیز دیدیں اور یا کان میں دوائی ڈال دیں اور یہ نہیں تو چیزوں کا انبار لگ جائے گا لیکن اسکی طلب ختم نہیں ہوگی اور نہ

رونا بند ہو گا۔ اسیطرح ہم اپنے نفس کو کبھی کیا دیتے ہیں اور کبھی کیا دیتے ہیں لیکن تسلّی نہیں ہوتی۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصوّر جاناں کیے ہوئے

ایک سکون کے لیے آئے تو جس طرح سورج کی کرن نکلتی ہے پھر آہستہ آہستہ تمام سورج نکل آتا ہے اور پھر ہوتے ہوتے نصف النہار پر آجاتا ہے اسیطرح دل کا دھیان جب اللہ کی طرف ہو جائے تو پہلے تو کچھ تکلیف سی ہو گی لیکن آہستہ آہستہ سکون کی کیفیت پیدا ہو گی۔ دل کا دھیان اللہ کی طرف نہ ہو تو سکون پانا محال ہے۔

دیکھو! آنکھ ہے تو ایک شخص اگر یہ خیال کرے کہ جب منہ کے سوراخ سے روٹی کھائی جاسکتی ہے تو آنکھ کے سوراخ سے کیوں نہیں؟ اور وہ اس خیال سے روٹی آنکھ کی طرف لے جاتا ہے یا ناک سے روٹی کے چبانے کی کوشش کرے تو کیا وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گا۔ اور کیا تم اسکو دیوانہ نہیں سمجھوگے کیونکہ یہ روٹی کھانے کا محل نہیں ہے۔ تو بھائی دل کی حفاظت کرو غیر کو اس میں نہ آنے دو کیونکہ یہ کوڑے کرکٹ کا محل نہیں ہے اور مہر و وفا بس یہی ہے اور ہم وفا کا عہد باندھ کر آئے ہیں اور اس عہد کو وفا کرنا دین، تقویٰ اور دین کا حاصل ہے اور کیا؟ یہ وفا "کہ میں تیرا تو میرا"۔

جو تجھ بِن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اُس عہد کو اب وفا کر چلے

دیکھو! ایک دم تھری ناٹ تھری کی گولی چل کر جان دینا تو آسان ہے لیکن دل پر مسلسل آرے چل رہے ہیں اور یہ کچھ نہیں کہتے ایسا کرنا مشکل ہے۔ اور یہ مہم عشق کے بغیر سر نہیں ہوتی۔ اب یہ اپنی اپنی استعداد پر منحصر ہے کسی کو جلد اور کسی کو بعد میں ملتا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ کے بہت سارے مرید تھے ایک دن ایک مرید آئے اور حضرت

نے جلدی خلافت دیدی۔ اور مریدین نے کہا کہ ہم تو ہیں روز کے حاضر باش اور مٹھائی اسکو ملی۔

کہتے ہیں بادشاہ اکبر نے ہاتھی ایک میراثی کو دیا۔ تو ایک دن شور ہوا بادشاہ نے جو دیکھا تو وہ میراثی والا ہاتھی بھاگ رہاہے۔ بادشاہ نے میراثی کو بلا کر پوچھا "کہ ہم نے ہاتھی دیا اور اب تو نے اسکی یہ قدر کی" میراثی نے جواب دیا حضور ہم کو ہاتھی سے کیا کام ہم تو خود ڈھول بجا کر کھاتے ہیں۔ اب اسکے گلے میں ڈھول باندھا ہے کہ یہ بھی اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے۔ تو نظام الدین اولیاءؒ نے مریدوں کو بلایا اور انکو ایک ہاتھی دے کر کہا کہ اسکو کوٹھے پر چڑھا دے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہاتھی کو کیسے کوٹھے پر چڑھایا جاتا ہے ؟ لیکن پھر جو اس مرید سے کہا تو وہ آگیا اور اسکے پاؤں سے لپٹ کر اُٹھانے لگا تو حضرت نے کہا: دیکھو! تم میں اور اس میں یہ فرق ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دل ہے محل تجلیات رب کا اور اسکی تجلیات ہی سے دل کی جلا ہے دل کی قدردانی یہ نہیں کہ اس میں غیروں کو بسایا جائے بلکہ اسکی قدر یہ ہے کہ اس میں رب کو بسایا جائے اور دیکھو رب کے اسماء میں اتنا اثر ہے کہ اسکے ذکر سے طمانیت قلب حاصل ہوتی ہے " اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ " اور جب رب خود آجائے تو پھر کیا کہئے تو دلوں کی سیاہی رب کے یاد کرنے سے دُھل جاتی ہے۔ اہل خلوت کا جلوت میں آنا بھی ایک مجاہدہ ہوتا ہے۔ دیکھو! ایک آدمی ہے اس کے ساتھ اپنا ساتھی خلوت میں مشغول ہے اور پھر کوئی آکر باہر سے آواز دے کہ باہر تو آنا۔ تو کیا وہ اس سے خوش ہو جائے گا؟ یہی حال اہل اللہ کا ہے۔ اب اہل اللہ کے نزدیک یہ دنیا آئینہ جمال عکس ہے۔

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم

اے بے خبر از لذت شرب مدام ما

(پہلے تو وہ خالق کی محبت میں مست ہوتے ہیں لیکن اب مخلوق میں خالق کا عکس دکھائی دیتا ہے۔)

پہلے شراب زیست تھی اب زیست ہے شراب
کوئی پلا رہا ہے پیئے جا رہا ہوں میں

(پہلے تو شراب سے زندگی وابستہ تھی لیکن اب میری زندگی ہی شراب ہے اور محبت حقیقی کے رچ جانے کے بعد شراب کی مستی کی حاجت نہیں رہی اور نہ اس کے لیے تگ و دو کرنا پڑ رہا ہے۔)

اب مخلوق کیا ہے خالق کی کاریگری تو ہے اور تصویر کیا ہے مصور کی کاریگری ہی تو ہے لیکن پھر بھی تصویر اور مصور تو برابر نہیں ہو سکتے اور یہاں تو یہ حال ہوتا ہے۔

بر دل سالک ہزاران غم بود
گر ز باغ دل خلالے کم بود

(جسے خدا کی معرفت حاصل ہو جائے اُس سے اگر معمولی دین کی بات چھوٹ جائے تو انتہائی مغموم رہتا ہے۔)

نماز کی اہمیت

اس لیے یہ لوگوں میں آجانا بھی ایک مجاہدہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور نماز میں ایک شغل ہے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بد دعا نہیں دی۔ سوائے دو موقعوں پر اور وہ دونوں مواقع نماز کے تھے۔ ایک تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ کافروں نے ایک اوجھڑی لا کر سجدہ کی حالت میں آپ پر رکھدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بوجھ کی بنا پر گردن نہیں اٹھا سکتے تھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو آئی اور اسکو دور کیا۔ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ''ان لی عنداللہ وقت'' (میرے لیے اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے۔) اور مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ وہ وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں حاصل تھا۔ تو اس وقت آپ نے نو آدمیوں کے لیے بددُعادی اور یہ نو کے نو بدر میں ایک گھڑے میں دفنائے گئے۔ اور ایک اور جگہ غالباً جنگ خندق میں فرمایا کہ اے خدا تو انکے گھروں کو آگ لگا دے جنہوں نے ہم سے نماز وسطیٰ میں تاخیر کروائی۔

تو بہرحال خلوت میں حائل ہونا بڑا ظلم ہے اور جب تک ہم اپنے دل کی خلوت میں دوسرے کو حائل کر دیں گے تو ہمارے دل ہم پر لعنت بھیجیں گے۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ'' (بیشک اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرانا بہت بڑا ظلم ہے۔) اور شرک اور کیا ہے دل میں غیروں کی محبت بسانا ہی تو ہے۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''اے عزیز تو جب مہمان کو لے آتا ہے تو اسکے بیٹھنے کی جگہ کو پاک صاف رکھتے ہو۔ لیکن دل جو کہ اللہ کی مسند ہے اس میں غیروں کو جمائے ہوئے ہو''۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ انسان کتنا نادان ہے کہ اپنے اعضاء وجوارح کے لیے گناہ کرتا ہے۔ حالانکہ یہی تو ہیں جو کل قیامت میں ہمارے خلاف سلطانی گواہ ہوں گے۔

اللہ ہمارے دلوں کو خود ہی صاف کرے۔ دیکھو گناہوں سے دل کی ظلمت بڑھ جاتی ہے اور گناہ غیر کے تعلق اور اثر کی بنا پر ہوتا ہے۔ خواہ اپنی ذات کی طلب سے ہو کیونکہ اپنی ذات بھی تو اللہ کی غیر ہے۔ اور دل کے صاف کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

''وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا'' جب تک میاں کو دل نہیں دیتے تو غیر کے حملوں سے کیونکر بچ جاؤ گے اور ذکر میں دوام کی کیفیت ہونی چاہئے کیونکہ

ان سے ملاقات ہے گاہے گاہے

حضرت کا شعر ہے:

قرب بے غیبت نماز عاشقان
فی صلوٰۃ دائمونم آرزوست

(مجھے عاشقان صادق کی اُس نماز کی ہوس ہے جس میں مسلسل اللہ کی طرف توجہ ہو اور لاتوجہی نہ پائی جائے۔)

جب تک دائمی کیفیت نہ ہو تو غیر آتے رہیں گے تو اسکو ختم ہی کیوں نہ کر دیں کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

(عصر کے وقت حاضر نہ ہو سکا اور قدرے دیر ہو گئی کیونکہ میں حسین علی شاہ کے ساتھ تھا۔ چنانچہ بعد میں حسین علی شاہ کو بھی ساتھ لے گیا۔) محمد سراج سواتی

ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام کی ضرورت

اسلامیہ کالج پشاور (9 اکتوبر 1962ء، بروزِ منگل بعد از نمازِ مغرب)

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرورانفسنا ومن سیّاٰت اعمالنامن یھدہ اللہ فلامضلّ لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھدان لاالہ اللہ وحدہ لاشریك لہ ونشھدانّ سیدناوسندنا ونبیناوشفیعنامحمداعبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وبارك وسلّم۔

ھوالذی بعث فی الامیّن رسولًا منھم یتلوعلیھم اٰیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوامن قبل لفی ضلالٍ مبین۔ واخرین منھم لمّایلحقوابھم وھوالعزیزالحکیم ذالك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔(سورۃ الجمعۃ ۶۲: ۲تا۴)

بصیرت اور بصارت میں تماثل

بھائی، دوستو اور عزیزو! اللہ رب العزت نے اس عالم میں انسانوں کو جس طور پر نگاہیں عطافرمائیں نظر دی اور کچھ ایسی چیزیں عطافرمائیں ہیں۔ جن کو نگاہ بھانپ لیتی ہے۔ اب اگر نگاہیں (آنکھیں) موجود اور نظر ٹھیک ہو لیکن روشنی نہ ہو تو چیزیں دکھائی نہیں دیتیں۔ اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نگاہوں کے ساتھ ساتھ روشنی بھی ہو دن کے وقت اللہ رب العزت نے سورج کو نکالا اور سورج کی روشنی میں آپ سب کچھ دیکھتے ہیں اور جتنی دور تک نگاہ جاتی ہے ملاحظہ کرتے ہیں۔ اب جب رات آجاتی ہے تو بھی ستاروں اور چاند کی روشنی میں کچھ جھلملا نظر آتا ہے پہلے زمانے میں لوگ چراغوں، لیمپوں کے ذریعے چیزوں کو رات کے وقت دیکھتے تھے اوراب بجلی سے روشنی حاصل کی جاتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ دیکھنے کے لیے انسان کو

دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک بینائی کی اور دوسری روشنی ایک ہو اور دوسری نہ ہو تو کچھ نظر نہ آئے گا۔ یہی حال ہے ان باتوں کے معلوم کرنے کا جن کو غیب کہتے ہیں۔ اور جن کو بتانے کے لیے انبیاء علیہم السلام آئے تھے۔ ان کے ماننے کے لیے بھی دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ان دونوں میں ایک بھی کم ہو تو ہم کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اس عالم کے بعد قبر میں حشر میں پل صراط پر دوزخ میں اور جنت میں جو کچھ ہونے والا ہے وہ دکھائی دے گا لیکن ان کے لیے بھی دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک آنکھ اور دوسری روشنی لیکن وہ آنکھ کونسی؟ کیا یہ آنکھ؟ یہ آنکھ وہاں کام نہیں آئے گی۔ لیکن دل والی آنکھ "فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَ لٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ"۔(الحج ۲۲: ۴۶) (ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دِل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔)

ایک ضرورت تو یہ ہوگی کہ ہماری دل والی آنکھ کھل جائے اور دوسری چیز نُورِ نبوت ہوگی۔ اس دنیا میں مختلف انبیاء علیہم السلام آئے اور سب کے سب اپنے ساتھ نور لے کر آئے۔ اور آخر میں ایک آنے والا ایسا آیا جس کی روشنی ختم نہ ہوگی اسکی روشنی میں دیکھنے والوں نے وہ دیکھا جو کبھی کسی نے نہ دیکھا اور نہ بعد میں دیکھے گا۔ اور جسطرح کہ سورج کی روشنی میں چیزیں دکھائی دیتی ہیں اسیطرح اس آفتاب ہدایت کی روشنی میں ہر چیز کا ظاہر و باطن کھل جاتا ہے۔ اور اسکے نُور خداداد بصارت، بصیرت اور علم کی بنا پر کاملوں، نگاہ والوں اور آپ ﷺ کی راہ پر چلنے والوں نے خدا کو پہچانا اور چیزوں کی حقیقت کو جان گئے لیکن اندھوں نے اس وقت بھی کچھ نہیں دیکھا اور نہ پہچانا جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

گمراہی پر ڈھٹائی

جیسے کسی نے کہا ہے کہ اندھا کیا جانے بسنت کی بہار۔ پس معلوم ہوا کہ عتبہ شیبہ اور ولید وغیرہ کی نگاہ ہی نہ تھی اس لیے آپ کو نہیں پہچانا لیکن جن کی نگاہ تھی تو انہوں نے چہرہ انور کو دیکھ کر فرمایا: ''اَنّ وَجهَهُ لیس بوجه الکذاب''[4] خدا کی قسم! ایسا چہرہ جھوٹے آدمی کا نہیں ہو سکتا۔ عبد اللہ بن سلامؓ ایک بڑے یہودی عالم تھے۔ اب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نگاہ پڑی تو دیکھ کر کہا کہ یہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نگاہ تھی لیکن اس کے جو بعض ساتھی تھے ان اندھوں کی خاطر اور یہودیوں کے حسد کو آشکارا کرنے کے لیے آپ کو اپنے ایمان کے ظاہر کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب ترکیب سمجھائی اور وہ یہ کہ آپ پس پردہ ہوئے اور یہودی آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے آپ کے متعلق پوچھا اسکی تعریف کرنے لگے اور کہا کہ وہ اچھے اور اسکے باپ اچھے اور دادا اچھے انکی علمیت اور عمل سب کا اعتراف کیا اب جو وہ پردے سے باہر آئے اور کلمہ پڑھا تو فوراً یہ یہودی پکار اٹھے یہ بھی جھوٹا اسکا باپ بھی جھوٹا اور اسکا دادا بھی جھوٹا۔ وجہ یہ ہے کہ دل میں جو خباثت ہوتی ہے تو سچی بات کرنے نہیں دیتی اور سیدھی بات اُلٹی دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح بیمار کو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ اور اس طرح عربی میں احول اردو میں جس کو بھینگا کہتے ہیں کو ایک چیز دو نظر آتی ہے۔ جب ہم چھوٹے تھے ہماری ملازمہ تھی وہ لیمپ کی روشنی کو دیکھ کر کہتی: "تا تہ یوہ بنکاری ماتہ دوہ بنکاری"۔ (یعنی تجھے ایک نظر آتا ہے لیکن مجھے دو نظر آتے ہیں)۔

حضور پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بعثت

---

[4]۔ عبداللہ بن سلام: فجئت فی الناس لا نظر، فلمّا بیّنت وجهه، عرفتُ انّ وجهه لیس بوجه کذّاب۔۔۔(ابن ماجه، حدیث نمبر:۲۰۴۸)

اب ہدایت کی روشنی کو عام کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آفتاب ہدایت بھیجا۔ جسطرح سورج مشرق سے نکلتا ہے لیکن یکدم نہیں نکلتا لیکن پہلے ٹکیہ نکلتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ طلوع ہو جاتا ہے تو اب اگر وہ آرام کرے تو تمازت کہاں پیدا ہو گی؟ آڑ والی دنیا کے لوگ تو سردی سے ٹھٹھر کر مر جائیں گے یہی حالت آفتاب ہدایت کی ہے نبی جو آتا ہے بیٹھتا نہیں اٹھتا ہے بڑھتا ہے چلتا ہے اور جو چیز اسکے سامنے آتی ہے اس سے ٹکراتا ہے یا تو غالب آتا ہے اور یا اگر اللہ تعالیٰ کسی حکمت کی بنا پر اسکو اٹھالیتا ہے تو دوسرے کو اپنا ہدایت نامہ دیکر مبعوث فرماتے ہیں۔ اسی سلسلہ نور وہدایت کی آخری کڑی ہمارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

جب وہ شاہ دلربا سامنے آجائے ہے
تھامتا ہوں دل کو لیکن پہلو سے نکلا جائے ہے

اب جو جبرائیل علیہ السلام بھیجتے ہیں تو وہ فیضان جو کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو آلہ بنا کر دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منتقل ہوتا ہے اور پہلے تو کہا جاتا ہے کہ ''مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ'' میں نے پڑھا نہیں لیکن اب ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے ہیں۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾ (سورۃ العلق ۹۶: ۱ تا ۵) (ترجمہ: پڑھو اپنے پروردگار کے نام سے جس نے سب کچھ پیدا کیا، اُس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو اُس بات کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔)

یہ آیتیں پڑھیں اور لرزہ طاری ہوا گھر پہنچ کر فرمایا۔ ''زملونی زملونی'' مجھے کمبل اوڑھا دو کمبل اوڑھا دو۔ حضرت خدیجہ نے کمبل اوڑھایا اور پھر خود ورقہ بن نوفل تورات کے

ایک عالم کے پاس صورت حال معلوم کرنے کے لیے گئی۔ (بہر حال مجھے اس وقت یہ مضمون بیان کرنا نہیں بلکہ میرا جو مطلب ہے اسکی طرف رجوع کرتا ہوں) اب تو کہا جاتا ہے یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾ (سورۃ المدثر ۷۴: ۱ تا ۳) (ترجمہ: اے کپڑے میں لپٹنے والے! اُٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو۔) کہ نبوت کمبل اوڑھانے کے لیے نہیں آتی ہے اٹھے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے نہ تھے تو پورا عالم اندھیرے میں رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نُور علی نُور تھے اسکو کیا ضرورت۔ بیٹھنے سے تو اسکی روشنی اور جلا پاتی لیکن ایسا نہیں کیا بلکہ انکو لوگوں کے "انذار" ڈرانے کے لیے حکم دیا اب یہ ڈر سانپ بچھو کا ڈر نہیں ہوتا بلکہ "تنذیر" کہتے ہیں۔ عربی کے محاروے میں کسی کو چوکنا کرنا، خبردار کرنا اور یہی انبیاء علیہم السلام کا فریضہ ہوتا ہے چنانچہ پہلے تو اسکو کہا گیا "وانذر عشیرتك الاقربین"۔ (الشعراء: ۲۶، ۲۱۴) (اور (اے پیغمبر!) تم اپنے قریب ترین خاندان کو خبردار کرو۔) پھر عام حکم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بصیرت سے وہ طریقہ اختیار کیا اور پہاڑ پر چڑھے اور تمثیل کے پیرائے میں ہر ایک قبیلے کو بلایا اس وقت عربوں میں یہ رواج تھا کہ جو شخص کسی سے مدد چاہتا تھا تو وہ اسکو مخاطب کر کے پکارتا اور پھر اسکی امداد دشمن پر بھی ضروری سمجھی جاتی۔ چنانچہ محمد بن قاسم سے پہلے جب عرب عورتوں نے سندھ کی بندرگاہ پر حجاج کو پکارا تو جب آواز حجاج کو پہنچ گئی تو اس نے بڑی تیزی سے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو بھیجا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ پہلے تو کپڑوں کو اتارتے تھے پھر امداد کے لیے پکارتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک قبیلہ کا نام لے کر لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا چونکہ میں اس وقت تم سے اونچی جگہ پر ہوں اس لیے جو میری نگاہیں دیکھتی ہیں تمہاری نگاہیں نہیں دیکھتیں پھر ارشاد فرمایا۔ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کو مانو گے سب نے

کہا کیوں نہیں مانیں گے کیونکہ آپ ﷺ تو صادق اور امین ہیں اور آپ ﷺ نے کبھی بچپن سے جھوٹ نہیں بولا۔ اسکے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو عذاب آخرت سے ڈراتا ہوں۔ یہ سنکر ابولہب بڑا غصہ ہوا اور کہا: ''تبّالك ما دعوتنا الا لهذا''۔ (بخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر:۴۹۷۱)(تیرے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں کیا اس لیے ہم کو بلایا) جس پر قرآنی سورت ''تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ؕ'' اتری۔ اب میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ایسی تھی جیسے کہ کوئی شخص ایک ایسے اونچے چبوترے پر کھڑا ہو جس سے اسکو دنیا اور آخرت دونوں نظر آتے ہوں۔ اب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر گئے اور لوگوں سے آکر کہا تو کفار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ابتک تو تمہارا ساتھی کہتا تھا کہ مجھ کو اوپر سے وحی آتی ہے اور اب یہ دعویٰ کرنے لگا کہ میں خود اوپر گیا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ کیا واقعی انہوں نے یہ کہا ہے؟ جواب دیا کہ ہم نے اپنے کانوں سے سنا فرمایا ''خدا کی قسم وہ جھوٹ نہیں بولتا''۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو کافرانکار کے طور سے آپ سے سوالات کرنے لگے تو یہ آیت اتری ''افتمارونه على مايرىٰ'' رؤیت کہتے ہیں عربی میں آنکھوں سے کسی چیز کا دیکھنا تو فرمایا کیا تم ان سے ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے ہو؟ جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہمارے آقا ﷺ نے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور حضرت مجدد سرہندیؒ کے الفاظ میں زمان ومکان کو لپیٹ کر دکھایا گیا۔

دین کے لیے مجاہدہ کی ضرورت

اب جب یہ یقین آنا شروع ہو گا تو نبی ﷺ والے انوارت منتقل ہو جائیں گے مگر نبی ﷺ والے انوارت اوروں کو منتقل نہیں ہوتے جب تک وہ محنت نہ کرے تو ہم اور تم کس

شمار میں۔ اگر تم سے کہا جائے کہ جان کو کھپالو تو تم کہو گے کہ ہم تو کتابوں سے لیں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے کا مقصد کیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ کچھ مشکل نہ تھا کہ کروڑوں کی تعداد میں نسخے چھاپ کر ہر ایک کے گھر میں دو دو تین تین بھیج دیتے اور پھر جس طرح کہ آج کل ریڈیو اور ٹیلی وژن سے آوازیں نکلتی ہیں لیکن بات یہی ہے جو کہ اکبر مرحوم نے فرمائی:

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اس لیے کتابوں کی ضرورت نہیں لیکن محنت کی ضرورت ہے۔ اب ایک بہت اعلیٰ بیج ہے اس کے لیے آپ نے زمین نہیں جوتی ہو ہل نہیں چلایا ہو، محنت نہ کی ہو تو بیج کیا خاک اُگے گا۔ تو بھائی سیدھی راہ چلنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک انبیاء علیہم السلام والی ہدایت اور دوسری محنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارات ختم نہیں ہوئے بلکہ روز قیامت تک جاری ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے ہیں۔ اسکو حاصل کرنے کے لیے بزرگوں کی صحبت اور مجاہدے کی ضرورت ہے اور وہ مجاہدہ کونسا؟ نبیوں والا مجاہدہ جب مکہ فتح ہوا تو ہجرت کی فرضیت ساقط ہوگئی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات فرمائی ''**واذااستنفرتم فانفرو**''۔(جمع الفوائد، جلد 2 ،حدیث نمبر:۶۱۵۱)(لیکن جب دین کے لیے نکلنے کا وقت آجائے تو نکل جاؤ۔) اب اس ہدایت کو اپناؤ اپنے کو روشن کرو اور پھر گھر میں بیٹھے نہ رہو بلکہ اٹھو اسکو قریہ قریہ گاؤں گاؤں پہنچاؤ۔ یہ تبلیغ کی آواز جو لگائی جا رہی ہے یہ اپنے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لیے کہہ رہے ہیں کہ دیکھو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی نہیں آئے گا اور نہ اسکے بعد کوئی نبی آنے والا ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: دیکھو! خود نمونہ بن کر اوروں کو بناؤ، ہدایت کو عام کرو، اسکو محدود نہ رکھو اور اگر محدود رکھا تو کل اللہ کے سامنے جوابدہی ہوگی۔ اپنے بدن میں نُور پیدا کرو، اپنے دل میں نُور پیدا کرو، اپنے چہروں میں نُور پیدا کرو تاکہ آپ کے چہرے

بتا رہے ہوں کہ اس میں محمد ﷺ والا رنگ سمایا ہے۔ جب ایک شرابی کی چال اور ادا بتا رہی ہو کہ وہ شراب پی چکا ہے تو کیا قیامت ہے کہ دین والے ہو کر ہم سے دین والی چیز ظاہر نہ ہو جائے۔

دوستو!

لَآ اِلٰہَ گوئی بگو از گوش جان

(''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کے الفاظ تو تو نے پڑھ رکھے ہیں لیکن اس کے تقاضے کو سمجھ پورے اخلاص سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کر۔)

لَآ اِلٰہَ کے مطالبے کو ہم جب پورا کریں گے، جب ہم ہدایت والے بن جائیں گے۔ اس دنیا میں دو دفعہ آنا نہیں ہم ایک دفعہ سانس لیں تو دوسرے کے متعلق یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ اب جب حال یہ ہے کہ کل کی خبر نہیں پل کی خبر نہیں تو کم از کم اتنا تو ارادہ کرو کہ ہم دین پر جمے رہیں گے اور اوروں کو جماتے رہیں گے۔ تم تو قوم کے جوان ہو اور جوان تو قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے۔ ہائے! اس ہڈی پر غیروں نے ایسا وار کیا کہ پہچانے نہیں جاسکتے کہ یہ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں یا دوسرے۔

دوستو! معلوم نہیں کہ تم پہلے ہو یا ہم۔ لیکن ظاہر کے لحاظ سے میں پہلا ہوں۔ تو دوستو! اپنے دین کو پھیلانے کے لیے اپنے گاؤں، اپنے ملک اور پوری دنیا میں چلو پھرو۔

تو یہ تبلیغ کے نام سے جو کام چلتا ہے۔ اس میں عمر میں زیادہ نہیں چار مہینے لگالو تاکہ دین کا کچھ رنگ آجائے۔ ویسے گرمیوں میں چھٹیاں ہوتی ہیں۔ اگر ہو سکے تو اس میں بھی چالیس دن گزارو کہ دین کی کچھ سمجھ پیدا ہو۔ اسی طرح مہینے میں تین دن اللہ کے دین کو عام کرنے کے لیے دیا کرو۔ خود تمہارے کالج سے طالب علم جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ جایا کرو۔ اوروں کو نہیں اپنے کافر نفس کو سمجھانے کے لیے اور کافر نہیں تو اور کیا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

نفس ما کمتر از فرعون نیست

لیک اورا عون مارا عون نیست

(ہمارا نفس بھی فرعون سے کچھ کم نہیں لیکن اس کی فرعونیت کے لیے حالات ساز گار تھے اور ہمارے لیے ایسا نہیں اس لیے اپنے اُوپر ناز نہیں کرنی چاہیئے۔)

تو اس کے لیے کچھ کوشش کرو کہ منگل میں یہاں کچھ دعوت ہوتی ہے۔ اور کالج کے پندرہ سو کی تعداد میں تم ان کے نمائندے بن کر آتے ہو یونیورسٹی بھی ساتھ ہے اسی طرح جمعہ کے دن مسجد گنج علی خان میں بھی کچھ اللہ کے دین کی باتیں ہوتی ہیں وہاں بھی جایا کرو۔ اور ہمارا مکان ہے نمبر دس۔ وہاں بھی عصر سے عشاء تک کچھ بات ہوتی رہتی ہے۔ وقت ہو تو آجایا کریں۔ بہر حال کوشش کرو کہ کل قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہے کہ یہ ہیں وہ لوگ کہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چیز کو بھی نہیں اپنایا۔ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک طائفہ ایسا ہو گا جنہیں دوزخ کی طرف ہنکایا جائے گا اور میں کہوں گا کہ یہ میرے والے ہیں لیکن کہا جائے گا کہ یہ وہ قوم ہے جنہوں نے آپ کے بعد آپ کی ایک بات کو بھی نہیں اپنایا۔ اب جو ارادے کرنا چاہیں کرلیں کیونکہ مٹھائی زور سے منہ میں نہیں ٹھونسی جاتی اس لیے جو دل سے ارادہ کرلیں وہ اپنا نام لکھیں۔ فقط

انبیاء علیہم السلام اور ہدایت کے لیے قربانی

یونیورسٹی ہاسٹل نمبر 1(15 اکتوبر 1962ء)

[نوٹ] پچھلے دو دِنوں میں مجھے یہاں عصر کی جماعت نہ مل سکی جس کے اسباب میں سے ایک تو میری سُستی ہے اور دوسرا سبب دوستوں کی کرم فرمائی تو اب کے بار خدا کے فضل سے اتفاق ایسا ہوا کہ میں کچھ جلدی پہنچ گیا اور وہ تو میری طرف سے جلدی تھی ورنہ وہاں جو گیا تو نماز کا وقت تھا۔ ان دِنوں میں کچھ باتونی سا ہو گیا ہوں۔ چنانچہ باتوں باتوں میں یہ بات بھی آئی کہ ہاسٹل نمبر 1 کی طرف سے مولانا صاحب کو بیان دینے کے لیے کہا گیا ہے۔ جہاں اِن دِنوں سرگرم رکن غضنفر صاحب معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی بیعت اس سال گرمیوں کی چھٹیوں سے پہلے مولانا صاحب کے ساتھ ہوئی۔ موصوف دل کے نرم، مجاہدہ میں سخت اور خاموش طبیعت کے مالک ہیں۔ مولانا صاحب کے حاضر باشوں اور مخلصوں میں سے ہیں۔ دل کی نرمی کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ بیعت کے چند ہی دِنوں میں کسی بات پر رو پڑے اور مولانا صاحب کی ٹوپی حاصل کر لی۔ غرض یہ کہ جو کام مجھ جیسے سخت دل برسوں میں نہ کر سکے وہ غضنفر صاحب چند ہی لمحوں میں کر گئے۔

اب میں اپنی سخت دلی کا بھی ایک واقعہ پیش کروں تا کہ نفس کو کوئی حجت نہ رہے اور وہ ایسے ہوا کہ آج غضنفر صاحب نے ایک آدمی کو سائیکل دیکر یہاں بھیجا کہ مولانا صاحب کو لے آئیں لیکن صحبت کا اثر دیکھئے کہ وہ بھی نرم دل نکلے اور مولانا صاحب کو لے جانے کی جرأت نہ کر سکے۔ اب جو مجھے کہا ''تو اس کے کہنے سے پہلے تیار'' مولانا صاحب کو سائیکل پر بٹھا کر سرعت سے روانہ ہوا جو میرا خاصہ ہے۔ اب جو اُترنے کا وقت آیا تو خود تو اُترا اور سائیکل کو اِتنا بھی قابو نہ کر سکا کہ مولانا صاحب اُترے۔ چنانچہ وہ زمین پر گِر پڑے۔ اب یہاں غضنفر

ہوتے تو نہ جانے کیسی حالت ہوتی اور مجھے دیکھو تو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور پھر جو مولانا صاحب نے عجلت کی بات کہی تو یہ دلیل پیش کی ''خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ''۔(انسان جلدی ہی کے خمیر) کا بنا ہوا ہے۔)(الانبیاء:۲۱،۳۷) مغرب کی نماز یہاں پڑھی اور پھر فرمانؒ نے ایک کرسی بچھائی جس پر مولانا صاحبؒ نے بیٹھ کر تقریباً ایک گھنٹہ بیان دیا۔ اب جب واپسی ہوئی تو میں نے سائیکل اس طرح پکڑ لی گویا کچھ ہوا نہ تھا اور پھر اگرچہ کم رفتار سے لیکن ایک حکم کے نافرمانی کے ساتھ سائیکل چلانے لگا اور وہ یہ کہ مولانا صاحبؒ نے بار بار فرمایا کہ بیچ بیچ کی آواز لگایا کرو لیکن اس کے لیے منہ کا کھلنا دُشوار تھا۔

سامنے کالج کے نوجوانوں کا ایک گروہ اپنی باتوں میں مُست ایک اُفقی لائن میں سڑک پر پھیلا ہوا تھا۔ اِتنے میں ایک بس نمودار ہوئی۔ لڑکوں نے قطار توڑ کر کناروں کا رُخ کیا۔ ہماری سائیکل بھی قریب پہنچ گئی۔ بچانے کے خاطر میں نے جو کنارے کا رُخ کیا تو سائیکل قابو سے نکل گئی اور دیکھا تو میں تو بالکل صحیح اور مولانا صاحبؒ ایک جگہ پر پڑے ہوئے اُٹھنے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ نوجوان بھی آپ کو اُٹھانے میں مدد دے رہے تھے۔ قریب پہنچا تو فرمایا''کہ تجھ کو کوئی چوٹ تو نہیں لگی''۔ حیرت ہوتی ہے اِن بزرگوں کے حال پر کہ جو بات مجھے پوچھنے چاہیے تھی وہ یہ حضرت فرمانے لگے۔ خیر مولانا صاحبؒ کو پھر سائیکل پر سوار کیا اور بغیر کسی افسوس کے آپ کو اپنے مکان پر پہنچایا۔ یہاں پر معلوم ہوا کہ میں تو صحیح سلامت تھا اور مولانا صاحبؒ کو ران پر چوٹ آئی تھی اور یہی تو بتایا گیا جو اور تکلیف پہنچی ہوگی وہ تو آپ ہی کو معلوم ہوگا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ جس بیان کو ہم عام قسم کی باتیں سمجھ کر ٹال لیتے ہیں۔ وہ نری باتیں تھوڑی ہوتی ہیں۔ وہ تو ایک زبردست مجاہدہ کے بعد منہ سے نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے نکل کر آتی ہیں مگر عقل سلیم کہاں کہ جو ان موتیوں کو چُن لے۔ اپنی زندگی کی

راہ میں ان کو اپنا سنگ میل بناتے اور اپنی زندگی کے لیے ایک ضابطہ عمل کی ترتیب مرتب کرتے۔

میرے عزیزو اور دوستو اور بزرگو! انسان دنیا میں زندگی گزارتا ہے اور جس معاشرے اور ماحول میں وہ ہوتا ہے اس کے اصول اور قوانین کے مطابق چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک زبان میں نہیں کئی زبانوں میں آپ کو اس قسم کی باتیں ملیں گی مثلاً Do in Rome as the Romans do انگریزی میں اور اُردو میں جدھر کی ہوا ہو اُدھر کو چلو اور عربی میں دُر مع الدھر کیف الدار اور فارسی میں سعدی نے ایک مقام پر کہا ہے ”تو بازمانہ بساز“۔

زمانہ کی چال اور انبیاء علیہم السلام کا رویہ

انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ زمانہ ایک ڈگر پر چل رہا ہے اور اس رُخ پر چلنے کو کامیابی اور ترقی سمجھتے ہیں اور اس سے ہٹنا پسند نہیں کرتے اور یہ آج کی بات نہیں جس کو مصر کے تھوڑے حالات بھی معلوم ہیں اور جو اہرام مصر وغیرہ کو دیکھ لے اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ پرانے زمانے میں مصر نے سنگ تراشی میں جو ترقی کی تھی وہ ابھی تک نہیں ہوئی اور آج کل کے انجینئر بھی ان کو ایک عجوبہ کہتے ہیں۔ اسی طرح عراق میں بابل کے ہَوا میں معلق باغ کو ایک عجوبہ شمار کیا جاتا ہے۔ یورپ میں جب تحریک احیائے علوم Renaissance کا دَور آتا ہے۔ اسی طرح یونان کو دیکھو اس میں سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے فلاسفر پیدا ہوئے۔ تو بیچ کے زمانے کو بالکل نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اور انبیاء علیہم السلام دیکھتے تھے کہ زمانہ تغیرات کے لیے بخوشی ورغبت تیار نہیں ہوتا تھا بلکہ ان سے ٹکر لینی پڑتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے۔ ایک بھی خدا کا ماننے والا نہیں تھا۔ نمرود بادشاہ خود خدائی کا مدعی ہے اور باقی تمام رعایا بت پرستی میں مبتلا ہے حتیٰ کہ

آپ کے والد بھی مقابلہ کرتے ہیں۔ لوگ مانتے نہیں اور آپؑ کو آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ جب کوئی صورت ان کی اصلاح کی نظر نہیں آتی تو یہاں سے نکل کر عراق کی طرف چلتے ہیں۔

اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام آئے۔ اس نے بھی زمانے سے ٹکر لی اور پھر دیکھئے کہ ہمارے بیانات تو یہی ہیں کہ حواریوں نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا اور وہ تو کہتے ہیں کہ حواریوں نے بھی آخری ایام میں ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ آخری نبی آتا کس لیے ہے؟ ایسی باتوں کی دعوت کے لیے جن کو تم اپنے سائنس سے ثابت نہیں کر سکتے ہو۔ پرانے زمانے میں لوگ چاہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں کہ اس دنیا میں ہماری ضروریات پوری ہو جائیں لیکن ہمارا دائرہ نظر تنگ ہے۔ ہم ان چیزوں کو نہیں دیکھتے جن چیزوں کو انبیاء علیہم السلام کی نگاہیں دیکھتی ہیں۔ وہ ایک آواز لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک گاڑی جو کہ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہی ہے اس کے آگے ایک کھڈا ہے جس کی وجہ سے تمام سواریوں اور گاڑی کو خطرہ ہے۔ وہ جانتے ہیں اور دیکھ کر کہتے ہیں لیکن ہماری نظریں آگے جاتی نہیں اور ان خطرات کو محسوس نہیں کرتیں۔ آپ اس یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں۔ آپ میں سے بعض انجینئر، ڈاکٹر اور آرٹس والے ہوتے ہیں اور بعض کیا اور بعض کیا؟ لیکن یہ سب دنیا پر محنت کرنے کی چیزیں ہیں۔ آگے ان کا کام نہیں۔ انبیاء علیہم السلام یہ آواز لگاتے ہیں کہ جو کچھ تم کر رہے ہو دھوکا ہے۔ اگر تم دھوکا نہیں سمجھتے تو دیکھو یہ گاڑی خود بخود چلتی نہیں بلکہ اس کا چلانے والا کوئی اور ہے۔ دیکھو! تم اس عالم میں آئے ہو اور تم سے پہلے بھی بہت لوگ آئے تھے اور چلے گئے اور جس طرح وہ گئے اسی طرح تمہیں بھی جانا ہے اور تم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ہم ہمیشہ رہیں گے اور جس طرح وہ لوگ اپنے زمانے کو جدید کہا کرتے تھے لیکن آج وہ قدیم بن گئے اس طرح ہر زمانہ کہتا ہے کہ ہم جدید ہیں لیکن کل جو آئے گا یہ جدید ان کے لیے قدیم ہو گا تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں سب ہمارے اختیار میں ہیں اور جو ہم چاہیں کریں اسی طرح فرعون نے کہا ''اَنَا

رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ’’(میں ہوں رب تمہارا سب سے اُوپر)(النّٰزعٰت:۷۹،۲۴) لیکن جو اپنے کو رب پکارتا تھا اس کا کیا حشر ہوا؟ اور اب اس کی یہ بات سوائے ایک فرسودہ کہانی کے اور کیا رہی اس لیے آج کا یہ دعویٰ کل کے لیے پرانا ہو جائے گا۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات

انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ اے دنیا کے لوگو! یہ تمہاری تہذیب اسی طرح چلی جائے گی جس طرح کہ اور تہذیبیں چلی گئیں۔ ایک تہذیب رِہ جائے گی اور وہ تہذیب اسلامی تہذیب ہے۔(درمیان میں ایک بات عرض کروں) اب تک لوگوں کا بنیادی نظریہ یہ رہا ہے کہ دنیا میں زندگی چین سے گزاریں، موت کے بعد والی زندگی کی انہوں نے فکر ہی نہیں کی۔ اسی طرح آج یورپ اور امریکہ کو لیجیے وہ کیا کہتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ انسان کو موت تک زندگی میں آرام ملنا چاہیئے لیکن انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ یہ پورا کارخانہ جو ہمہ جہتی اور یکجہتی کے ساتھ چل رہا ہے۔ جیسے قرآن نے کہا ’’کہ ذرا اُوپر تو دیکھو تم کو ایک ایک چیز میں کچھ بھی کمی نظر نہیں آئے گی۔ ایک باٹنی(Botany) والا ایک پتے میں کیا کیا دیکھتا ہے۔ اسی طرح ایک انجینئر کو ایک ایک چیز میں کیا کیا دِکھائی دیتا ہے۔ قدرت نے چھوٹے کیڑے کو جو پیدا کیا ہے اس کو اگر چیرو اور پھاڑو اور دیکھو تو جو نظام اس کے اندر قائم فرمایا ہے وہ بڑے بڑے کارخانوں میں بھی نہیں ملے گا تو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ اگر تم نے رب کو لیا تو عالم کا اسٹیرنگ تمہارے ہاتھ میں آجائے گا جس طرح کہ موٹر کا اسٹیرنگ ہوتا ہے۔ ڈرائیور موٹر کو قابو میں کیے ہوتا ہے اسی طرح رب العزت نے جہاں کا اسٹیرنگ اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے ’’لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ‘‘ زمین اور آسمان کی کنجیاں اس کے پاس ہیں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا مقصد بھی تو یہی ہے کہ اور کسی سے نہیں ہو سکتا بلکہ اللہ کی ذات سے ہوتا ہے۔ اب جبکہ کرنے والے اللہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام ہمیں بتاتے ہیں کہ دنیا سے پھر کر آخرت کی طرف

جاؤ۔ وہ صاف آواز میں کہتے ہیں کہ زندگی کو تم جس نظام سے چلاتے ہو وہ ناقص ہے، بیکار ہے اور اس کے بدلے وہ جو نظام دیتے ہیں جو طریقے سکھاتے ہیں وہ نظام ایسا کامل ہوتا ہے اور وہ طریقے ایسے اچھے ہوتے ہیں کہ ان سے دین تو مل ہی جاتا ہے دنیا کی چیزیں بھی خود بخود حاصل ہوتی ہیں۔ دیکھو! ایک موٹر کچی سڑک پر چلتی ہے اس کا مقصد گرد کو اُڑانا نہیں ہوتا بلکہ مقصد چلنا ہوتا ہے لیکن گرد خود بخود اُڑتی ہے۔

مومن اور کافر کی زندگی

کافر اور مومن کے مقصد میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ وہ دنیا کے لیے جیتا ہے اور دنیا کے لیے مرتا ہے۔ ''وَمَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ يُحْيٰى ''(اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں یہی ہے ہمارا جینا دنیا کا ہم جیتے ہیں اور مرتے ہیں۔) اور جو آخرت کو مانتے ہیں تو اُن کا ماننا بھی نہ ماننے کے برابر ہے کیونکہ وہ اس کے لیے محنت نہیں کرتے۔ جیسے کہ ایک طالب علم ہے نہ تو محنت کرتا ہے اور نہ کوشش اور پھر جب امتحان کا وقت آتا ہے۔ ہال میں جا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ یونیورسٹی مجھے کامیاب کرے گی۔ ایسے آدمی کو ہم بیوقوف نہ کہیں تو کیا کہیں۔ اب کافر دنیا کے لیے محنت کرتے ہیں۔ اس کے لیے مرتے ہیں اور اس کے لیے جیتے ہیں اور اگر ہمارا بھی یہی حال ہے تو آپ تعلیم یافتہ لوگ ہیں آپ سے اور کیا عرض کروں۔ فرق کیا ہوا۔ روس(Russia) کو دیکھو اپنی لادینی کے لیے کتنی محنت کرتا ہے اور کتنی کوشش کرتا ہے کہ یہ نظام دنیا میں چالو ہو جائے اور ہم جو ایک ایسے نظام کے حامل ہیں جس کی سچائی پر ہمیں قطعی یقین ہے تو ہم اس کے لیے محنت نہ کریں۔ دوستو! کیا قیامت ہے کہ اللہ والے ہوتے ہوئے ہم میں اللہ والوں کا رنگ نہیں، محمد ﷺ کو مانتے ہوئے ہم میں وہ جھلک نہیں۔

محنت کی ضرورت

یہ یونیورسٹی جو ہے آپ نے دیکھا نہیں ہم نے خود دیکھا ہے کہ یہ ایک کھیت تھا۔ کیا

یہاں یہ پھول خودبخود لگے اور یہ مکانات خودبخود تیار ہوئے نہیں اور ہرگز نہیں تو اب جب یہ معمولی کام خودبخود نہیں ہوتا تو دین کا کام جس کے لیے سب سے پیارے نے اپنا خون بہایا خودبخود ہو جائے گا۔ دوستو! اسلام اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ زمانہ کتنا آگے بڑھتا چلا جائے، اللہ تعالیٰ کا قانون اس سے آگے ہوگا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے آگے ہے اس لیے اس کا قانون بھی آگے ہوگا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو ایک وصیت کی اور مرتے وقت جو وصیت کی جاتی ہے وہ نہایت ہی ضروری ہوتی ہے تو اس ضروری وصیت میں آپ نے فرمایا: ''وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ'' کہ تم نہ مرو مگر اس حال میں کہ مسلمان ہو تو اس نوجوان طبقے اور پہلے میں اپنے نفس سے یہ کہتا ہوں کہ اس زمانے میں جو وصیت ہے وہ یہ کہ اسلام کے لیے محنت کرو۔ اپنے اُوپر بھی اور اوروں کے اُوپر بھی۔ دیکھو! حضور ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اپنے عمل نے پیچھے کیا اس کا نسب اس کو آگے نہیں کرے گا۔ موجودہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قول ہے کہ جیسے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح آدمی اپنے عمل سے پہچانا جاتا ہے۔ نام سے کام نہیں بنتا بلکہ عمل سے کام بنتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مردم شماری میں ہم تو مسلمان ہوں لیکن کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے کھاتے میں بھی ہمارا مسلمان ہونا درج ہو۔

اکبر نے فرمایا:

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر اُمید کا تھا
جب صرصرِ عصیان چلنے گی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

ہم کہتے ہیں کہ ہم ایسے ہیں اور ویسے ہیں لیکن ہماری تہذیب ختم ہوئی، ہم ملیامیٹ ہوئے اور پھر ہم ہیں کہ اوروں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ دوستو! کیا ماتم کروں ماتم سے کچھ نہیں بنتا۔ کام کرنے سے ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ''وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ'' ہم

یہ نہیں کہتے کہ انجینئرنگ نہ پڑھو، ڈاکٹر نہ بنو بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی پڑھو لیکن اپنے رب کو نہ بھولو۔ تمہارے پاس تو وہ خزانے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قسم کسی اور کے پاس نہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو؟ کہ جیسے اور کنگال ہیں ہم بھی اسی طرح کنگال ہیں۔ اللہ کی قسم! اللہ کی قسم! اور پھر اللہ کی قسم! کہ اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ رب کے ملنے میں یہ مزا ہوتا ہے تو پھر غیروں کی طرف بالکل التفات نہ رہے اور غیر ہوتے کیا ہیں کہ ایک مسلمان ان کی طرف نظر کرے۔ وہ اکبر والی بات:

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
ہاں ایک سخن بندۂ عاجز کار ہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

دوستو! سوسائٹی پروف بنو، سوسائٹی بدلا کرے تم نہ بدلو۔ مومن بھی کبھی بدلا کرتا ہے۔ زمانہ کتنا بھی بدلے تم نہ بدلو۔ حضور ﷺ والے طریقے کو اختیار کرو تاکہ تمہارا عمل بتلائے کہ تم اللہ والے ہو۔ قرآن کہتا ہے کہ ''اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ''(سبا۴۶: ۳۴)(اللہ کے لیے جماعت اور فرداً فرداً کھڑے ہو جاؤ۔ فکر کرو اور سوچ لو کہ یہ محمد ﷺ (نعوذ باللہ) دیوانے نہیں تھے۔)

میں وصیت کرتا ہوں کہ یہ وعدہ کرو کہ جئیں تو اسلام پر جئیں اور مریں تو اسلام پر مریں اور موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں تو ایک طریقہ ہے اسلام کو زندہ کرنے کے لیے اور اپنی ایمانی حقیقت کو اپنانے کے لیے اور بقول مولانا رومؒ ایمان صرف الفاظ الف، ی، میم، الف اور نون کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جب یہ اندر آجاتی ہے تو تمام سینہ روشن ہو جاتا ہے جس طرح کہ ڈاکٹروں کی دوائی کا اثر ہوتا ہو۔ اسی طرح ایمان کا بھی اثر ہوتا ہے۔

کافر اور دہریہ اللہ کے بھی منکر ہوں لیکن موت کا انکار نہیں کر سکتے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ یہاں اپنے اوقات نکال کر ایسے ماحول میں جہاں دین کی باتیں ہوا کرتی ہیں کچھ وقت گزارو تاکہ دین اندر آجائے۔ پہلے بھی اور اب بھی اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو کہ تم میں پھرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تم کو دیوانے معلوم ہوں لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں۔ پہلے بھی نبیوں (علیہم السلام) تک کو دیوانہ کہا گیا لیکن انہوں نے اپنا کام نہیں چھوڑا اس لیے کوشش کیجیے کہ ان میں شامل ہو جاؤ۔ یہ لوگ ہفتے میں کچھ اپنے بھائیوں کو اکٹھا کرتے ہیں، اس کو گشت کہتے ہیں اور اس وجہ سے میں آپ کے سامنے آگیا اور اللہ کی بات کہہ دی اس طرح اگر آپ بھی ایک دوسرے کو دین کی بات کہہ دیں تو کچھ اُتر جائے گا۔

ایمان کو اُتارنے کے لیے کچھ محنت کرو۔ یہ خود نہیں آیا کرتا بلکہ محنت سے آتا ہے اسی طرح اسلامیہ کالج کی مسجد میں کچھ دین کی بات ہوا کرتی ہے اور گھنٹہ گھر کے نزدیک گنج علی خان مسجد میں اللہ کے کچھ بندے اکٹھے ہوتے رہتے ہیں۔ وہاں بھی آجایا کیجیے۔ یہاں کوئی ممبر شپ کی بات نہیں۔ وہاں آسکتے ہو تو فبھا ورنہ یہاں اپنے ہاسٹل میں کوشش کرو۔ دیکھو! اس ہاسٹل کی رونق ان درختوں، پودوں، پتوں اور مکانات سے نہیں بلکہ یہاں کے رہنے والوں سے رونق ہوتی ہے۔ کپڑوں سے آدمی کی عزت نہیں بلکہ انسان سے نکلنے والے اعمال سے ہوتی ہے۔ یہاں پر جو غیر ملکی آتے ہیں وہ عمارات کو دیکھ کر متاثر نہیں ہو سکتے بلکہ تمہارے اعمال کو دیکھ کر ان میں اثر پیدا ہو جائے گا۔ اظہارِ تنفس کے طور پر نہیں کہتا بلکہ ویسے ایک بات آگئی تو کہہ ہی دیتا ہوں کہ ہم نے یورپ کے کئی ملکوں کا سفر کیا۔ وہاں دین کی وجہ سے جو ہماری عزت ہوئی وہ اور کسی وجہ سے نہیں ہو سکتی تھی اور اگر ہم ان کی پیروی کریں تو پھر ہماری وہ کون سی چیز ہو گی کہ ان کو متاثر کرے گی۔

دیکھ تو پوشیدہ تم میں قوتِ طوفان بھی ہے

اس پر میں اپنے بیان کو ختم کرتا ہوں۔ والحمد للہ رب العالمین

خطبہ والی آیت کی توضیح اور مقام صحابہؓ

اسلامیہ کالج (16 اکتوبر 1962ء، بروز منگل)

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ اَمَّا بَعۡد فَأَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ [5]۔ هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ ٭ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۲﴾ وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳﴾ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴﴾ (سورۃ الجمعہ ۶۲: ۲ تا ۴)

خطبہ والی آیت کی توضیح

یہ آیات جو میں نے پڑھیں، ان میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کو بھیجکر اپنے فضل کا اظہار فرماتے ہیں۔ ان میں حاضرین سے لیکر تا قیامت آنے والے انسانوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو ذریعہ ہدایت بتاتے ہیں تا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی قدر پہچانیں اور آپکی ذات بابرکت کی تعلیمات سے استفادہ کریں اور دونوں جہانوں کی کامیابیاں سمیٹ کر اپنے لیے اور دوسروں کے لیے ذریعہ خیر بنیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو اس کے متعلق ہدایت کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ۔

اللہ کی ذات جس نے امیوں میں سے ایک رسول کو پیدا کیا یعنی وہ کتابی علم لینے والے نہیں بلکہ اللہ کی ذات کی طرف سے اسکو ایک چیز عطا ہوئی ہے اور وہ ان علوم کو یعنی آیات کو لوگوں کے سامنے پڑھکر سناتا ہے۔ پہلے تو الفاظ اور پھر معنی اور بقول معنی کے

[5]۔ مولانا صاحبؒ ان ہی آیات کو پہلے پڑھ کر اپنا بیان شروع کر لیتے اور یہی آپ کی مستقل عادت رہی۔

اندر معنی۔ وہ جو کسی نے کہا اَنْتَ نُوْرٌ اَنْتَ نُوْرٌ۔

ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لفظوں کو سمجھایا بلکہ اللہ نے حضور ﷺ کی زبانکو اپنے قول کے پہنچانے کا ذریعہ بنایا اب وہ نبی کہتا ہے کہ میری زبان بولے گی لیکن اپنی نہیں اللہ کی بات بولے گی۔ حضور ﷺ جو عمل بھی کریں اپنی خواہش سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے۔ یعنی حضور ﷺ آلہ ہیں قرآن اوراسکے جملہ علوم کے منتقل کرنے کا اورالعیاذ باللہ ایسا نہیں جو کہ بعض پگلے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ صرف الفاظ کے پہنچانے والے تھے اورایک ڈاکئے کی حیثیت سے قرآن کو دیکر چلے گئے۔ ایسا نہیں بلکہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اوپر اتارا ''انزله علی قلبه'' اور پھر ہو بہو وہی الفاظ جو کہ اللہ کے الفاظ تھے آپ ﷺ کی زبان سے نکلے۔ حضور ﷺ اپنی ذات سے نہیں کہتے تھے بلکہ کہنے والے تو اللہ تھے اور آپ بطورآلہ کے مستعمل ہوتے جیسے کہ ریڈیو بولتا ہے تو کیا یہ اپنی ذات سے بولتا ہے بلکہ بولنے والا تو کوئی اور ہوتا ہے اور یہ تو صرف پہنچانے کا آلہ ہوتا ہے۔ اسیطرح نبی اپنی ذات سے نہیں کہتا اپنی من مانی نہیں کرواتا بلکہ

گفتن او گفتن اللہ بود
گر چہ از حلقوم عبداللہ بود

(اس کا یعنی نبی ﷺ کا بول اللہ کا بول ہوتا ہے اگرچہ الفاظ اس کے زبان سے ادا ہوں، وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحیٌ یّوحیٰ۔)

اگر محمد ﷺ نہ کہتے کہ یہ قرآن، قرآن ہے تو ہم کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ یہ قرآن قرآن ہے۔ قرآن آیا حضور ﷺ پر اترا اور پوری نورانیت کے ساتھ اترا، اور حضور ﷺ کی ذات میں ایسے سرایت کر گیا کہ آپ ﷺ کی پوری ذات قرآن بن گئی اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ کے

اخلاق کیسے تھے؟ تو فرمایا ''کان خلقه القراٰن'' کہ محمد ﷺ کی ذات قرآن ہے۔ اب اگر کوئی شخص حضور ﷺ کی ذات کو قرآن سے جدا کرتا ہے تو خدا کی قسم وہ قرآن کے کسی ایک جز کو بھی نہیں پائے گا۔ جیسے کہ ہم کہتے ہیں کہ فلاں چیز میں کرنٹ دوڑ گیا اور کرنٹ دوڑنے کے بعد بجلی کے اثرات مختلف رنگوں میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور کرنٹ کی مقدار بھی تاروں کی استعداد پر ہوتی ہے لوڈ زیادہ ہو جائے تو تاریں جل جاتی ہیں۔ جیسے اقبال نے کہا:

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخ گل میں جسطرح باد سحر گاہی کا نم

اِسی طرح حضور ﷺ کی ذات میں، رگ و پے میں قرآن ایسے سما گیا کہ جس نے محمد ﷺ کو دیکھا اُس نے قرآن کو عملی شکل میں دیکھا۔ اب آتا ہے قرآن ''لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط''۔ اگر پہاڑ پر بھی نزول قرآن ہوتا تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ تو وہ بھی کوئی سینہ تھا جس نے اس نُور کو پورا پورا سنبھالا۔ قرآن اُترا اور پوری نورانیت کے ساتھ اُترا اور ان تمام چیزوں کے ساتھ اُترا جو کہ قرآن مجید پیدا کرنا چاہتا ہے۔ نبی آتا ہے اور بنا ہوا آتا ہے اور دوسروں کو بنانے کے لیے آتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام انسان سازی کے لیے آتے ہیں وہ لوگوں کے بنانے کے لیے ہیں۔ پہلا کام نبی کا یہ ہوتا ہے۔ کہ مخلوق کا تعلق خالق سے جڑ جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی ہوتی ہے اور ایک ہی تجلّی میں اسکی طرف حکم ہوتا ہے کہ ہم نے تم کو بنا دیا۔ اب تم اوروں کے بنانے کے لیے چلے جاؤ۔

مقامِ صحابہؓ

دوستو! آج ہم اس ظلماتی رو کے کرنٹ کو برداشت نہیں کر سکتے تو جس ذات کے دل میں وہ نُور سمایا وہ کونسا دل ہو گا اور پھر جنہوں نے اس منبع سے فیض لیا انکے دل بھی تو دیکھنے

کے قابل ہیں۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہ ہی کے کلیجے تھے جنہوں نے نُور نبوت سے فیض لیا۔ اب انبیاء علیہم السلام کا کام کیا ہے؟ وہ آتے ہیں اور دلوں کو بنانے کے لیے آتے ہیں یعنی غیروں کے ظلماتی اثر سے اور محبت سے دلوں میں جو تاریکی پیدا ہوتی ہے وہ اسکو دُور کرنے کے لیے آتے ہیں۔ جیسے کہ ہسپتالوں میں آنکھیں بنائی جاتی ہیں۔ یعنی وہ انبیاء علیہم السلام دِلساز ہوتے ہیں۔ اب انبیاء علیم السلام جو آتے ہیں تو پہلے اسلام کو منواتے ہیں۔ اور جو اسلام میں آیا تو پھر اس پر تزکیہ نفس لازم ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے لے کر حبشیؓ تک جو بھی آئے مخلوق کی طرف سے خالق کی طرف منتقل ہوئے دنیا سے آخرت کی طرف پھر گئے۔ اور قرآن کو اپنی ذات میں ایسے سما گئے کہ خود رب نے فرمایا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ اب رب نے سرٹیفیکیٹ دے دیا تو اور لوگ کیا کریں؟ جتنے بھی دوسرے اولیاء، شہدا اور بزرگ ہیں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ادنیٰ کے درجے تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ اِنکی ولایت ظنی اور صحابہ کرامؓ کی ولایت ثابت ہے اور ظنی، ثبوت کے برابر نہیں ہو سکتا۔ حضور ﷺ کے متعلق آتا ہے۔ سراجًا منیرًا کہ وہ چراغ روشن ہیں تو جسطرح دئے سے دیا روشن ہوتا ہے۔ اسیطرح اِس روشن چراغ سے صحابہ رضوان اللہ علیہم روشن ہوئے اور خود حضور ﷺ نے فرمایا: اصحابی کالنجوم۔ (کنز الحقائق) میرے صحابہ مانند ستاروں کے ہیں۔ ایک ایرانی نے کہا کہ تمہیں تو کل اُونٹ چرانے نہیں آتے تھے آج اس سلطنت کے مالک کیسے بن گئے اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! تجھے تو کل اُونٹ چرانے نہیں آتے تھے اور آج تُو سوائے اللہ کے اور کسی سے نہیں ڈرتا اور پھر خود ہی فرمایا: یہ اسلام ہی کی برکت ہے جو مجھے یہ عزت دی گئی۔ اب اگر تم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو دیکھا ہے تو انکے پورے خاکے کو دیکھو یہ کیا قیامت ہے کہ ان میں کسی ایک کے جزو کو لیتے ہو اور پھر اُن پر اعتراض کرتے ہو۔ پہلے تو اپنے میں وہ عمل تو پیدا کرو پھر بات کرو۔ وہی بات چھاننی نے

کوزے پر اعتراض کیا کہ تجھ میں دو سراخ ہیں۔ دیکھو! صحابہ رضوان اللہ علیہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے عینی گواہ ہیں۔ اور عدالت کے قاعدے کے مطابق (اگرچہ تم لوگ عدالت کے مقدمات کے متعلق نہیں جانتے) جب گواہ مجروح ہو جاتے ہیں تو پھر معاملے کا کوئی ثبوت نہیں رہتا۔ اسیطرح اگر تم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اعتراض کر کے انکو مجروح کیا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے گواہ کون رہیں گے اب قرآن میں آگے بیان ہوتا ہے ''یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ'' اور بعض پگلے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیتیں تو اس نے منتقل کیں اور معنی ہم بیان کریں۔ گویا شعر تو شاعر نے کہا اور معنیٰ کوئی اور بتائے جو کہ مسلمہ اصول کے خلاف ہے کیونکہ شعر کے حقیقی معنی وہ ہوتے ہیں جو کہ شاعر خود بیان کرے۔ تو صرف اس پر بس نہیں کیا آگے بیان فرمایا۔ ''وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ'' قرآن کو پڑھانے والے ہیں۔ تعلیم دینے والے ہیں۔ اور پھر ''وَ الْحِکْمَةَ'' کا لفظ اور بڑھایا۔ اور حکمت عربی میں ایک ایسی حقیقت کو کہتے ہیں۔ کہ جب یہ دل میں آجائے۔ تو اگر تمام دنیا بھی اسکی مخالفت کرے تو وہ کہے گا۔ کہ یہ حقیقت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس ہوئے تو کفار نے کہا ابو بکر اب تک تو محمد ﷺ یہ کہتے تھے کہ مجھے اوپر سے فرشتہ آتا ہے اور آج کہتا ہے کہ میں اوپر گیا اور ''ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اور کچھ نہیں کہا بلکہ یہ فرمایا کیا تم نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ سنا''۔ یہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نہیں بلکہ انکے دل میں جو نُورانیت تھی اور جو عشق تھا وہ بول اُٹھا۔ قرآن میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دی اور حالانکہ ''وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ''۔ تم اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ خدا کا فضل ہے کہ ہم کو اپنے آباؤ اجداد سے اسلام ورثے میں ملا۔ یہ نہ ہوتا تو آج ہم بھی چھپکلیاں کھاجاتے جیسے کہ اور لوگ کھاتے ہیں۔ اور پھر فرمایا۔ ''وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ'' اور ایسے بھی ہیں۔ جو کہ ابھی آئے نہیں آنے والے ہیں۔ اب ہمیں یہ کرنا ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو بڑھائیں فرداً فرداً ہو یا اجتماعی صورت میں ہو کرنے والے تو اللہ ہیں لیکن اگر ہماری طرف سے صرف کوشش ہی کی جائے تو اللہ تعالیٰ دین کی ترویج کی ایسی صورتیں مہیا فرمائیں گے جو کہ کسی کے وہم وخیال میں بھی نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ اس بات کو عام فرمائیں گے۔ ''وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ'' اگر چہ کافر لوگ کتنا ہی برُا سمجھیں۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا:لا تزال من امتی امة قائمة بامر الله لا يضرُّهُم من خالفهم ولا من خالفهم حتی یأتی امر الله وهم علیٰ ذالك متفق علیه۔

(مرقاۃ المصابیح،حدیث نمبر:۶۲۸۵)

(میری اُمت میں ہمیشہ ایک ایسا طبقہ موجود ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے اوامر پر مضبوط کھڑا ہوگا، جنہیں نہ مخالف اور نہ موافق نقصان پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا آخری فیصلہ آجائے (یعنی قیامت) اور وہ اسی پر قائم ہوں گے۔)

تو دوستو! اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو اپناؤ اور محبوب کی تو ہر ادا پیاری ہوتی ہے۔اس پر تو کٹ مرنا چاہیے۔نہ کہ اُلٹے ''وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ'' سب سے پہلے نہ ماننے والے بن جاؤ۔اپنی روح پر ظلم نہ کرو۔

دوستو! تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے ہو، انکی تہذیب کے نگہبان ہو، ہدایت کے عام کرنے والے ہو، تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو کیوں مٹاتے ہو۔یہ بھی عجیب بات ہے کہ تمہارے سامنے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے مٹیں اور تم آرام سے بیٹھے دیکھتے ہو۔اللہ نے دنیا کو ہمارے خاکے بنانے کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے بنانے کے لیے پیدا کیا۔جب ایک موٹر کا تیل بند ہو جاتا ہے اور پھر تم اسکو دھکے دیکر تھوڑی دُور لے جاتے ہو۔تیل آزاد ہو کر انجن سٹارٹ ہو جاتا ہے اور پوری رفتار سے چلنے لگتا ہے۔تو کیا تم یہ کہ سکتے ہو کہ اس رفتار سے ہم نے چلایا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے کام کروانا نہیں چاہتے اسکی کوئی حاجت تمہارے ساتھ اٹکی ہوئی نہیں۔وہ تو صرف یہ

دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ اللہ کے نام پکارنے والے، یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم والی ہمت کر لیتے ہیں۔ گاڑی کو دھکا دیتے ہیں یا نہیں وہ کسی بزرگ نے کہا کہ ”رحمت حق بہانہ نہ می جوید بہانہ می جوید“ وہ بہا نہیں چاہتا صرف بہانہ چاہتا ہے۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے تھوڑی کوشش کی اور تاقیامت اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی راہیں پیدا کیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اگر آج یہ لوگ مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیرا نام لیوا باقی نہ رہے۔

دوستو! کل میں نے یونیورسٹی ہاسٹل نمبر 1 میں کہا اور آج آپ سے پھر کہتا ہوں اور آپ سے کیا خود اپنے سے کہتا ہوں کہ اسلام پر قائم رہو۔ اوراسکے لیے محنت کرو۔ قبر میں تمہارے پاس کوئی بھی نہیں جائے گا۔ صرف تم جاؤ گے اور تمہارے جسم سے نکلنے والے اعمال جائیں گے۔ تو آج یہ فیصلہ کر لو اور تم تو جوان ہو کہ ہم اللہ کے دین کے لیے کوشش کریں گے اور یہ قوم کا نظریہ نہیں۔ یونیورسٹی کا نظریہ نہیں، بلکہ تمام دنیا کافۃ الناس کا نظریہ ہے۔ اور جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کی نیت اسکے عمل سے اچھی ہوتی ہے۔ اس لیے ارادہ کر لو۔

دیکھو! یہاں منگل والے دن کچھ دین کی بات ہوتی ہے اس طرح گنج علی خان مسجد میں کچھ بات ہوتی ہے۔ لہٰذا کوشش کرو کہ شامل ہو جاؤ۔ بہت سارے ایسے ہوتے ہیں۔ کہ کہتے ہیں۔ اس میں کیا پھریں؟ جہاد ہو تو چلے جائیں" قدم تو اٹھا نہیں سکتے پسینہ تک بہا نہیں سکتے اور کل خون بہاؤ گے۔

دوستو! جس طرح پچھلے دن مجمع ہوا تھا اس سے زیادہ مجمع نظر نہیں آتا۔ جسطرح کہ عجب کڑھی میں تو علیحدہ نہیں جاتے بلکہ دوستوں کو بھی ساتھ کھنچکر لے جاتے ہو۔ اسیطرح یہاں بھی اپنے ساتھیوں کو لانے کی کوشش کرو۔

اب دیکھو 27,26 اور 28 کو چھٹیاں آرہی ہیں۔ تو تم میں سے جو ہمت کر کے نام لکھوائے ، خوشی والی بات ہے کسی پر جبر نہیں۔ جہاں اور کاموں کے لیے کوشش کرتے ہو اسکے لیے بھی ہمت کر کے چلے جاؤ۔ (بیان ختم ہوا اس کے بعد دُعا فرمائی گئی)

دین کے لیے عقل کے ساتھ عشق کی ضرورت

محل کوارٹر نمبر 10 (17 اکتوبر 1962ء، بعد از نماز مغرب)

دیوانگی نتیجہ نظارۂ کسے است

انبیاء علیہم السلام اور دین کے لیے قربانی

لیکن اس سے مراد وہ دیوانگی ہے جس پر فرزانگی بھی فدا ہو۔ دیکھو! رب دیکھتا ہے اور لوگ انبیاء علیہم السلام کو دیوانہ کہتے ہیں۔ انہ لمجنون رب چاہتا تو انکی منہ سے یہ نہ نکلتا۔ لیکن رب کو بھی پیار آتا ہے۔ وہ دیکھتا تھا۔ کہ جس نے مجھ سے جوڑا اور لوگوں سے توڑا ہے تو اس کو دیوانہ کہتے ہیں۔ دیکھو! نبی پگلے نہیں ہوتے انکے زبان سے سوائے رب کی پکار اور صدا کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ ان کے سامنے غیر اللہ مفقود نہیں محجوب ہو گیا ہوتا ہے وہ ایک ہی سے دیکھتے ہیں۔ ایک ہی کی سنتے ہیں اور باقی کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ تو انکی ہر پکار کسی کے نظارے کے طور پر نتیجے میں آتی ہے۔ اگر انہوں نے کسی کا نظارہ نہ کیا ہو اور کسی کو دیکھا نہ ہو تو باقی لوگ انسے متاثر کیسے ہوں اور لوگ غیروں سے متاثر ہوتے ہیں اور غیروں کی سنتے اور سناتے ہیں اور تمہاری انگریزی میں جسکو Adaptation کہتے ہیں۔ اس سانچے میں اپنے کو ڈھالتے ہیں یہ تو کروڑوں سانچوں میں ڈھلنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو ایک سانچے میں ڈھل جائے وہ کسی کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ دین تو دین ہے۔ دنیا کا کوئی کام بھی تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا لیکن دیوانگی سے میری مراد یہ نہیں، کہ ایک کو پتھر مارے اور دوسرے کو گالی دے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کو لے کر دوسروں کو توجہ ہی نہ دے اور دوسروں سے کہے ''لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ'' ہم کسی اور کے ہیں۔ ہم کسی دوسرے کے نہیں مگر ایک کے ہیں۔ اور جو کروڑوں کا ہو وہ ایک کا کیسے بن جائے؟ ایاز جب

تک محمود کے نہ ہوئے تھے تب تک ایاز ہی نہ تھے۔ ایک کے بن جاؤ اور جب ایک کے بن جاؤ گے تو باقی مخلوق کے نقشے بے وقعت رہ جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اگر دنیا کی قیمت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو پانی کا ایک گھونٹ تک نہ دیتے، دیکھو! جب سورج نکلتا ہے تو کوئی چراغ جلاتا ہے؟ اور جو سورج کی روشنی میں چراغ کو جلائے تو اسکو کیا کہو گے۔ دیوانہ نہیں کہو گے۔

جب صبح کو مطلع تابان سے خورشید کا نُور ظہور ہوا
سب چاند ستارے ماند ہوئے عالم بقعۂ نُور ہوا

کیا خورشید کے نکلنے سے ستارے فنا ہوئے، فنا نہیں ہوئے بلکہ ماند ہوئے بلکہ محجوب ہوئے اسکو کہتے ہیں۔ مسئلہ وحدۃ الوجود۔ اس مقام پر انسان پہنچ جائے تو پھر غیر سے ہونا نظر نہیں آتا بلکہ ایک سے ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔

کار فرما ایک آتا ہے نظر
منکشف اب راز اِلَّا اللہ ہے

توحید کاملہ جب کھلتی ہے انسان پر تو پھر غیر سے التفات باقی نہیں رہتا۔ اور اللہ میاں کے ہوتے کسی دوسرے کو دیکھنا بھی انسانیت ہے؟ کسی کا ہے بڑا محبوب اور وہ نقاب اُلٹ کر سامنے آجائے اور کوئی کہے کہ بھئی ادھر دیکھو تو وہ کہے کہ کیا تو پگلا ہے۔ مولانا نے ایک واقعہ لکھا ہے۔ ایک تھا بوالہوس، بوالہوس جانتے ہو خواہشات کا پیرو۔ جارہا تھا کہ کوئی اسکے پیچھے ہوئے اور اپنی محبت جتانے لگے، جیسے کہ پگلے ہوتے ہیں۔ اور کہا "کہ میں تجھ پر مرتا ہوں" وہ بھی تھی بڑی ہوشیار کہنے لگی مجھے کیا دیکھو! پیچھے مجھ سے بھی حسین آرھی ہے اب جو اس نے پیچھے دیکھا تو اس نے جوتا اٹھایا اور دے مارا کہ جب تم مجھ پر عاشق ہو تو دوسری کے پیچھے میرے ہوتے ہوئے دیکھتا کیوں ہے"۔

جب وہ شاہ دلربا سامنے آجائے ہے
تھامتا ہوں دل کو لیکن پہلو سے نکلا جائے ہے
دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نماز پڑھ رہے تھے اور پتہ کیا؟ کہ کیا دیکھتے تھے وہ کسی نے کہا ہے کہ ایک نظر سے رب کی طرف دیکھنا تمام عمر عبادت سے ارفع ہے۔ کوئی تو وقت ایسا آئے کہ غیر کی فکر سے فارغ ہو کر دھیان رب اور فکر رب میں تو گزر جائے۔ تو دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انسان کی زندگی عبارت ہے رب کے تعلق سے اور جسے رب کا تعلق نصیب ہو جاتا ہے وہ اوروں کے تعلقات کو اس پر ترجیح نہیں دیتا۔ زمانہ کسی رخ پر بھی چلتا ہو وہ تو کہے گا کہ میرا آقا اس رخ پر چلتا ہے۔ اسے دیکھوں کہ تجھے دیکھوں اور انبیاء علیہم السلام اسی طریقے پر چلتے ہیں۔ وحی کیا ہے۔ رب کی آواز ہی تو ہے۔ اب جو یارانہ کھل گیا وہ اس یارانہ کو نبھائیں یا کسی اور کو دیکھیں اور دین کیا ہے رب کے ساتھ ایک عہد ہے کہ اے رب میں تیرے فرمان کے مطابق زندگی گزاروں گا۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے ہیں ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

پوری زندگی کیا ہے انسان کی رب کے عہد کا نبھاؤ اب جو اس عہد کو نبھائے تو وہ رب کے نبھاؤ کو دیکھے گا یا اوروں کو دیکھے گا۔ اگر پوری دنیا خلاف ہو جائے اور کہے کہ یہ بہاؤ کے رخ نہیں جا رہا ہے بہاؤ کے خلاف جا رہا ہے۔ تو کیا وہ انکی بات کو مان لے گا اور دیکھو! جو پگلوں کی Meeting میں جائے تو وہ کیسے پگلوں کے ساتھ رہے اور انکی بات کو کیسے قبول کرے۔ اب تمام لوگ تو انکو پتھر ماریں، دیوانہ کہیں لیکن حقیقی دیوانے تو وہ ہیں جو اس دیوانے

کی بات نہیں مانتے تو مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد
مرعسس را دید و درخانہ نہ شد

(دیوانہ تو وہ ہے جو راہ حق کے لیے دیوانے جیسے قربانی نہ دے سکے، جو کوتوال (آثارِ عذاب) کو دیکھ کر اپنے احوال نہ بدلے اور اپنی گھر کی راہ نہ لے۔)

اور دوسرا شعر ہے:

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست
جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

(کوئی کونا یعنی کوئی جگہ بھی درندے اور دام سے یعنی خطرے سے خالی نہیں۔ اگر کہیں آرام کی جگہ ہے تو وہ خلوت گاہ حق یعنی نیکی کی راہ ہے۔)

اب جب تم رب کی پناہ کو چھوڑتے ہو تو دوسرے کے پاس خیر وعافیت کے لیے جاؤ گے لیکن جو بھی قدم رکھو گے شر نکلے گا۔ خیر لینی ہے تو رب کے خزانوں سے لے لو۔ یہاں بھی شہزادوں کی طرح زندگی گزارو گے اور پھولوں کی طرح تجھے رکھے گا۔ اور یہ بھی کوئی شاہی ہے کہ رب کی مخالفت سے ہو۔ وہ اقبال نے فرمایا:

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزومندی
مقام بندگی دیکر نہ لوں شان خداوندی

(درد وسوز اور اللہ کی طرف محتاجی ایک بے مثل اور قیمتی سامان کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے اسے دیکر مجھے آزادانہ زندگی کی طلب نہیں۔)

اور ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

یک ذرۂ درد دِل از سلطنت جم بہہ

(جسے دین کی فکر کا ایک ذرہ دِل میں پیدا ہو وہ جمشید کی پوری سلطنت پر لات مارے گا۔)

اور عطار نے کہا:

کفر کافر را و دین دیندار را
یک ذرہ درد دل عطار را

(کافر کو اپنے کفر پر گھمنڈ مبارک اور ظاہری دیندار کی ہوس والے کو اس کی دینداری اور عطارؒ کو دردِ دِل کا ایک ذرہ مل جائے تو بہت ہے۔)

کیوں؟ پگلا بن جائے گا اور یہ وہ پگلا پن ہے۔ جس کی دعوت دیتے ہوئے لوگ یہ کہیں کہ پگلا ہے۔ ذکر کی اتنی کثرت کرو کہ لوگ تجھے دیوانہ کہیں کہ بالکل اللہ والے بن جاؤ۔

مولانا نے ایک مقام پر کہا:

دست و پایم گوش و چشمم اوگرفت
من بدر رفتم سر ایم اوگرفت
این بصر این سمع چوں آلات اوست
بلکہ ذرات تنم مرأت اوست
چوں مرا دیدی خدا را دیدہ
گرد کعبہ صدق حق گرویدہ

(میں عشق حقیقی کے طلب میں دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ اُس نے مجھے پورے قبضہ میں لے لیا یعنی میرے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان اور گھر تک پر قبضہ جما لیا۔ اب میری آنکھ اور کان اس کے آلہ کار بن گئے بلکہ جسم کے پورے ذرات اُسی کا آئینہ ہے۔ جب تم نے مجھے دیکھا تو یوں خیال کرو کہ خدا کے ایک خاص بندے کو دیکھا اور کعبہ کے خصوصی تجلیات کو

حاصل کیا۔)

مولانا رومؒ کے اشعار کی تشریح

اب اگر لفظی ترجمہ کروں تو مطلب کچھ اور ہو جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ کان اور آنکھیں اسکے آلات بن گئے بلکہ میرے تن کا ہر ذرہ اسکا آئینہ بن گیا، اور اس میں اسکا عکس پڑ گیا۔ اور پھر فرماتے ہیں۔ کہ اب جو تو مجھے دیکھے گا تو رب کی معرفت کھلتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''من رأني فقد رأى الحق''۔ (متفق علیہ، بخاری، حدیث نمبر: ۶۹۹۶، مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۶۷) جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا اور کوئی شخص اس دنیا میں رب کو دیکھ سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جو دیکھا تو معراج میں دیکھا اوپر بلایا گیا تو بات صاف ہے کہ اس دنیا میں کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا اور نہ بندہ خدا ہے تو فرمایا کہ جب مجھے دیکھے گا تو حق کو دیکھے گا اور اگر میرے گرد گھومے تو حق (سچائی) کے گرد گھومے۔ وہ کسی کا کہنا:

کہ تیرے جلے بھنے اور بہار رکھتے ہیں

اور فرماتے ہیں:

گفتن او گفتن اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود
ما ز جانان زندہ ایم از جان نہ یم
ما ز جان رفتیم و از جانانہ ایم

(پیغمبر ﷺ کی بات حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی بات ہوتی ہے۔ اگر بظاہر آپ ﷺ کے زبان سے ادا ہوتی ہے۔ میری زندگی جانان کے تعلق سے عبارت ہے اور خود اپنی ذات سے نہیں۔ اب میں اپنی ذات سے گزر کر جانان سے وابستہ ہوں۔)

تو دیکھو! یہاں بھی واضح کرتے ہیں کہ میری بات صاف رب کی بات ہے اگر چہ

میری زبان سے نکل رہی ہے اور پھر فرماتے ہیں:

ماز جانان زندہ ایم ازجان نہ یم
ماز جان رفتیم و از جانانہ یم

اور جو اپنی ذات سے گزر جائے اور ایسا گم ہو جائے کہ رب کا مظہر اتم بن جائے جیسے کہ مجنون نے ایک مقام پر کہاانا لیلیٰ ولا لیلیٰ سوائی ۔(اب میں لیلیٰ خود ہوں کوئی دوسری لیلیٰ میرے سوا موجود ہی نہیں۔) خدائی کا دعویٰ نہیں کرتا۔ بلکہ رب کے رنگ میں ایسا ڈوب جائے کہ کسی دوسرے کی طرف التفات نہ رہے ''اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' (میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔) کیا ہے؟ سب سے توڑ کر ایک سے جوڑے ''وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا'' (المزمل:۷۳،۸) (اور سب سے الگ ہو کر پورے کے پورے اُسی کے ہو رہو۔) یہ گروں کا گر ہے کہ غیر سے نہ جئے رب سے جئے۔ رب سے تعلق مظبوط ہو جائے اور غیروں کے پیچھے نہ جائے۔ اور اسی کو مولانا نے فرمایا:

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد
مرعسس را دید و درخانہ نہ شد

وہی دیوانہ ہے جو کہ رب کے تعلق میں اپنے کو فنا نہیں کرتا۔ اور جو تمام نقشوں کو مٹاتا ہے اور رب کے نقشے کو زندہ کرتا ہے اور سب کچھ اس سے دیکھتا ہے جب اوروں کو دوسری طرف لپکتے ہوئے دیکھتا ہے۔ تو کہتا ہے کہ یہ ڈھورڈ نگر کہاں جاتے ہیں وہ اسے دیوانہ کہیں اور یہ انہیں دیوانہ پکارے۔ اب دیوانہ کون ہے۔ جو ان کے پاس جائے جہاں کچھ نہیں یا وہ جو اس کے پاس جائے جہاں سب کچھ ہے۔ دیکھو! سراب کیا ہے؟ میں نے صحرائے لوط میں خود دیکھا ہے جو کہ دریا کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اب جو اس سراب سے پانی

لینے کی کوشش کرے اور اپنے گھر میں زمزم کا کنواں ہے اور یہ پانی بھرنے کو کہاں چلے یہ پیاسے نہ مریں تو اور کیا ہو گا۔ تو کیا عرض کر رہا تھا کہ مولانا فرماتا ہے:

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد

مرعسس رادید و درخانہ نہ شد

پگلا نہیں وہ کہ خطرات کو سر پر دیکھتا ہے اور پناہ میں نہیں جاتا۔ اس سیکنڈ وار میں یہ تھا کہ سائرن بجا کرتے تھے اب جو خطرہ ہو جاتا تو لوگ بم شلٹر میں چلے جاتے تھے۔ اب جو وہاں نہ جائے اور کہے کہ میں فٹ بال کی طرح ہیڈ ماروں گا تو پگلا نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ رب فرماتے ہیں۔ ''لا عاصم الیوم الامن رحم ربی'' تو خطراتِ آخرت ہمارے سر پر منڈلا رہے ہیں اور خطرات آخرت کا اس دنیا سے کچھ مقابلہ ہی نہیں۔ کچھ نسبت ہی نہیں ہو سکتی۔ اب جن پر رب ان خطرات کو کھولتا ہے اور وہ رب کے گھر میں پناہ نہ پکڑے۔ یا کوتوال کو دیکھے اور پھر اپنے گھر میں نہ جائے۔ پس تمام شعر کا مطلب یہ ہوا۔ ''فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَا اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا'' (۱۹،۷۳) (اب جو چاہے، اپنے پوردگار کی طرف جانے والا راستہ اختیار کر لے۔) پس جو چاہے تو رب کی پناہ میں آجائے اور وہ جو رب کے پاس پناہ نہ پکڑے تو وہ دیوانہ ہے۔ تو پس کیا بننا چاہیے۔ رب کے پاس جا کر دیوانہ بن جائے۔ یا غیروں کے پاس چلکر پاگل رہے۔ تو عرض یہ ہے کہ

دیوانگی نتیجۂ نظارہ کسے است

دیوانگی حاصل نہیں ہوتی جب تک کسی کا نظارہ نہ کرے ایک ہے رب اور ایک ہے سبیل رب تو سبیل رب پر چل کر رب کو پہنچنا نصیب ہوتا ہے۔ (یہاں پہنچ کر ایک سائل نے جسکی کہ ایم اے انگلش میں ہے سوال کیا) کہ یہ نظارہ کیسے کرے؟ آپ نے فرمایا کونسے ہاسٹل میں رہتے ہو۔ (جواب ملا) نمبر 1 میں (تو فرمایا) کہ نمبر 1 ہاسٹل میں جانے کا راستہ کونسا ہے

(عرض کیا گیا) (پھر فرمایا) اگر کوئی شخص پہنچنا چاہتا ہے اور پوچھ لے تو یہ کہو گے کہ یہ سامنے والی سڑک چھوڑ کر دوسری پر مڑ کر سیدھا جاؤ پہنچ جاو گے۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اللہ پاک تک پہنچانے والا ہے۔

بو علی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردہ محمل گرفت

(بو علی سینا نرے یعنی عقل والے اس کی طلب میں اُونٹنی کے دھول میں پھنس کر بھٹک گئے اور جو رومی کی طرح صحیح عاشق تھے وہ اپنا مطلب پا کر سواری کے پردہ تک جا پہنچے۔)

لوگ کہتے ہیں کہ عشق کیسے لگتا ہے۔ تو مولانا فرماتے ہیں:

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازان دیوانہ ساختم خویش را
قال را بگزار و مرد حال شو
پیش مردے کاملے پامال شو

(پہلے میں نے عقل کی خوب آزمائش کی اور اس کے دُور اندیشی کو پرکھا، اس کے بعد راہِ حق کا دیوانہ بنا اور یہ معلوم ہوا کہ دیوانہ تو وہ ہے جو دیوانہ نہ بنے اور عقل کے ظن و تخمین میں پڑے۔ فضول باتوں کو چھوڑو مردِ حال بنو اور اس کے لیے مردِ کامل کی تلاش کر کے اس کی مکمل تابعداری اختیار کرو تو مقصد کو حاصل کرو گے۔)

مطلب یہ کہ عشق لگایا بھی جاتا ہے اور یہ کیسے؟ کہ عشق والوں کی صحبت میں بیٹھنے سے۔

مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

(مولانا رومؒ ایک عالم ہی رہتا اور شہرت اور بزرگی کے ان بلندیوں کو نہ چھوتا اگر وہ

شمس تبریز کی تابعداری اختیار نہ کرتا۔)

کہو گے کہ یہ تو عشق بازی سکھاتے ہیں اور آئے تھے ہم دین کی بات کے لیے تو میرا مطلب شیخ چلی والے عشق سے نہیں کہ اماں سے پوچھا ماں عشق کیسے کیا جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ گو در (گھاٹ) جاؤ اور جو لڑکی بھی پسند آئے اسکو آنکھ مارو یا کنکر پھینکو۔ اب جو یہ وہاں گئے ایک لڑکی دیکھی پہلے تو دونوں ہاتھوں سے اپنے منہ کو مارنے لگے لیکن جب کچھ اثر نہیں ہوا تو ایک پتھر لیا اور لڑکی پر دے مارا۔ لڑکی کا تو کام تمام ہوا اور اس صاحب کا عشق ہی پورا نہ ہوا۔ وہ کسی والی بات: فسق کی بنا پر عشق جیسا پاک لفظ بدنام ہو گیا۔ کیا غیروں کے ساتھ بھی عشق ہوتا ہے؟ یہ تو مولا کے ساتھ ہوتا ہے تو عشق مولا کو حاصل کرے اور اسکے حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ رب کی محبت عطائے رب ہے یا تو وہبی ہو گی اور اگر وہبی نہیں تو محنت اور کسب پر عطا فرمائیں گے اور طلب پر عطا فرمائیں گے۔ نہ ڈھونڈنے والوں کو تو دنیا بھی نہیں دیتے اور جو ڈھونڈنے والے ہوتے ہیں انکو رب بھی مل جاتا ہے اور رب تو خود تمہاری تلاش میں ہے، تم ذرا ہمت کر کے قدم تو اٹھاؤ۔

تخلیق کائنات کا مقصد

گنج علی خان مسجد (18 اکتوبر 1962ء، بعد از نماز مغرب)

[نوٹ: گو ہماری انسٹالیشن سرمنی تھی جو کہ کالج کی (Activities) میں ایک اہم جزو ہے لیکن پھر بھی میں نے مولانا صاحب کے ہاں جانے کا ارادہ کر ہی لیا۔ اگرچہ بیچ میں وہ سوشل ورک کی سرٹیفیکیٹ کی خواہش بے تاب کر رہی تھی ۔ مولانا صاحب تو فریدی صاحب کی کار میں تشریف لے گئے اور میں بھی یونیورسٹی بس میں سوار ہوا۔ گنج علی خان پہنچ گیا۔ وہاں جو دیکھا تو مولانا صاحب کے بجائے ایک اور صاحب بیان دے رہے تھے۔ جلدی نماز پڑھی اور جو بیان کے لیے بیٹھ گیا تو مزہ نہیں آیا کیونکہ نئے نئے آدمی تو مزے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ مولانا صاحب نے اشارہ کیا اور ساتھیوں نے اُن کے لیے منبر پر جگہ بنالی۔ آپ تشریف لے گئے اور وہی پرانے دل جلے انداز میں بیان فرمانے لگے:] (محمد سراج)

میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! اللہ رب العزت کی یہ پوری کائنات اللہ رب العزت کی صفات ہم پر کھولتی ہے۔ یہ پوری کی پوری کائنات اپنی ذات کے لحاظ سے کچھ نہیں بلکہ اللہ کے جاننے اور تعلق پیدا کرنے کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ یہ عالم اپنی ذات میں مقصود نہیں انسان اپنی ذات میں مقصود نہیں۔ آسمانوں کے بنانے میں، حیوانات کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا مقصد یہی تھا کہ انسان اللہ کی ذات کو پہچانیں۔ مخلوق کو پیدا کیا تو اس لیے پیدا کیا کہ اُس کی معرفت کا ظہور ہو اور پھر اللہ نے اس عالم میں اپنی معرفت کو اس طرح بکھیر دیا کہ جس کی ذرا بھی آنکھ کھل جائے تو ہر چیز میں اللہ کے انوارات نظر آنے لگیں۔ عربی کا شعر ہے: ''وَ فِیْ كُلِّشَیْءٍلَہٗ اٰیَۃٌ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ'' اور ہر چیز میں اُس کی معرفت کی دلیل ہے کہ وہ یکتا ہیں۔

یہ بات نہیں کہ اللہ کی ذات کے جاننے کے لیے اللہ کی صفات کو پہچاننے کے

لیے اللہ تعالیٰ نے معلومات فراہم نہیں کئے بلکہ اگر کوئی اُس کو جاننا چاہے تو ہر چیز سے اُس کی معرفت کے اسباب پیدا ہو جائیں گے۔

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ

(فصلت:۴۱، ۵۳)

’’بہت جلد ہم اُن کو اپنی نشانیاں دنیا میں دکھائینگے اور اُن کے اپنے نفسوں میں بھی‘‘۔

یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے کہ حقیقت کیا ہے؟ اللہ کی ذات حقیقت، محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حقیقت، جنت حقیقت، دوزخ حقیقت اور الغرض جس کو اللہ نے پیدا کیا اور جس کو حق کہا وہ حق اور جس کو باطل کہا وہ باطل۔ یہ بات نہیں کہ رب نے ہم کو پیدا کر کے ایسے ہی چھوڑ دیا بلکہ اُس نے دنیا کی ہر چیز میں اور خود ہمارے اپنے وجود میں اللہ کے پہچاننے کے لیے دلائل پیدا کئے۔ لیکن کسی کی نگاہ خود بخود ان چیزوں کی طرف ایسے نہیں اٹھتی کہ اُس میں جمال حق دیکھے اُن کی نگاہوں پر پردے ہوتے ہیں۔ اب انبیاء علیہم السلام آتے ہیں۔ وہ انسانوں کی نگاہ چیزوں سے ہٹا کر اُن حقائق کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ جس سے غفلت کی وجہ سے انسانی آنکھیں بند ہو گئی ہیں۔ اور پردہ ایک قسم کا نہیں۔ اس کی کئی قسمیں ہیں ایک تو کفر والا پردہ اور ایک غفلت والا پردہ۔ ایک لوہے کی طرح سخت اور ایک پتھر کی طرح سخت۔ تو انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ ان پردوں کو ہٹاؤ۔ سب سے پہلے وہ کفر والے پردے کو ہٹاتے ہیں کیونکہ اس سے پرے کچھ دکھائی نہیں دیتا وہ قرآن میں آتا ہے۔’’اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ‘‘ ظلم عربی میں بے محل استعمال کو کہتے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ شرکِ بڑا ظلم ہے اور پھر اس سے چھوٹے بھی ظلم ہیں تو جیسے میں نے پہلے کہا کہ اللہ نے اس دنیا کو اپنی ذات کی پہچان کا ذریعہ بنایا۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد:

انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور کہتے ہیں اور وہ اپنی ذات سے نہیں کہتے بلکہ اُن سے کہلوایا جاتا ہے۔ وہ اپنی ذات سے قائم نہیں بلکہ اللہ کی ذات سے قائم ہیں۔ وہ اللہ کے فرستادہ ہیں۔ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں، اور اللہ اُن کی حفاظت ہر رُخ سے فرماتا ہے۔ نبی کا پہچان لینا رب کا پہچاننا ہے کیونکہ نبی اس لیے نہیں آتا کہ اپنی ذات کو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنائے۔ بلکہ اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کا تعلق رب سے جوڑے، اُن کو رب سے روشناس کرالے، رب سے اُن کی پہچان پیدا کرلے۔ نبی کا تمام عمل ایک محور کے گرد گھومتا ہے۔ ''فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ'' یعنی اللہ کی طرف دوڑو اور ''اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ'' میں تو صرف چوکنا کرنے والا ہوں۔

یعنی تمہارا جو مقصد ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔ تم رب کے لیے ہو، غیر کے لیے نہیں آئے۔

تو میں نے بات شروع کی تھی کہ کائنات کے خاکے پر سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ رب نے یہ قائم کیا تھا اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے کہ کون ہے جو میرے پاس آئے اور یہاں کے ایک ایک ٹکڑے کو ذرّے ذرّے کو میرے دیکھنے کا آئینہ بنائے۔ غیروں کی طرف نگاہ نہ جائے۔ وہ حافظ شیرازی نے جو فرمایا ہے:

ما در پیالہ عکسِ رُخ یار دیدہ ایم
اے بے خبرزِ لذت شربِ مدامِ ما

(مجھے پیالہ میں یعنی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات نظر آتی ہیں، اے بے خبر! تجھے کیا پتہ ہے کہ میں مخلوقات میں غور و فکر کا عادی بن گیا ہوں۔)

رب نے کائنات کو اپنی معرفت اور اپنی پہچان کے لیے پیدا کیا۔ وہ آنکھ آنکھ نہیں

جو حق کو نہ دیکھے، وہ کان کان کہلانے کے مستحق نہیں جو حق بات کو نہ سنے اور وہ زبان زبان کہلانے کی مستحق نہیں جو حق بات کو نہ کہے غرض وہ انسان انسان کہلانے کے مستحق نہیں جو اپنے رب کو نہ پہچانے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا وہ جسم کے بنانے کے لیے نہیں آئے۔ اُن کی دعوت آنکھ کے بنانے کے لیے نہیں۔ زبان کی علت دور کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اُن کی دعوت کائنات کے فریب سے نکل کر رب کی طرف جانے کے لیے ہے۔ انسان اپنے رُخ سے رب کی طرف نہیں پہنچتا جب تک اُس کو بتانے والا نہ ہو۔ کائنات کے مالک نے جب پورے عالم کو پیدا کیا تو اُس کی حکمت بالغہ نے اس پورے عالم پر حجابات کا پردہ ڈالا۔ کیوں؟ ''لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا'' (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ بہتر ہے۔) تو جس نے ان پردوں کو چاک کر کے رب کی طرف پہنچنے کا راستہ معلوم کیا اُس کو پہچانا۔ وہ کامیاب ہوا اور جو کائنات میں اُلجھ کر رب کو بھول گیا وہ ناکام ہوا۔ انسان کو اشرف المخلوقات کیوں کہا؟ حالانکہ اطاعت اور فرمانبرداری میں فرشتے سب سے آگے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اطاعت اُن کی فطرت میں رکھی گئی ہے، نیکی اُن کی طبیعت ہے، حقیقتیں اُن پر کھلی ہوئی ہوتی ہیں وہ دیکھ کر کرتے ہیں اور ہماری راہ جو ہے وہ بن دیکھے ہے اور اسی وجہ سے اِس کو افضل کہا اور یہی وجہ ہے کہ ایک عام مؤمن عام فرشتوں سے افضل ہے۔

انسانی فضیلت کی وجہ:

ہمارے آقا کو دیکھئے کہ اُن کی پرواز کیا تھی وہ جسم اطہر جب روح سے متعلق ہوا تو کہاں کہاں پہنچا۔

جسد پاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

(محمد ﷺ کی جسد مبارک کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی سیر کرائی اور کوہِ طور تجلّی حق سے رقص و وجد کرنے لگا۔)

اُن کی پرواز کا حال یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جو کائنات کی پرواز کی انتہا ہے۔ اور جس پر جبرائیلؑ بھی پہنچ کر کہنے لگے کہ:

اگر یک موئے برتر پرم
فروغ تجلیٰ بسوزد پرم

(جبرئیلؑ نے فرمایا اگر ایک بال برابر بھی آگے جانے کی کوشش کرتا ہوں تو تجلیاتِ ربانی سے پَر جلنے لگیں۔)

جس جگہ پہنچ کر فرشتوں کے سب سے بڑے یعنی حضرت جبرئیلؑ نے یہ اظہار کیا۔ تو وہاں حضور ﷺ اپنے جسم اطہر کے ساتھ گئے تا کہ ملائکہ پر اور تمام مخلوقات پر کھل کر انسان کا مقام ظاہر ہو جائے۔

ہمارے حضرت نے کہا کہ "دیوار کہے کہ میں گناہ نہیں کرتی تو اس میں دیوار کا کیا کمال ہے اُس میں تو گناہ کرنے کی طاقت ہی نہیں"۔ فرشتے کہیں کہ ہم گناہ نہیں کرتے او بھئی! تم میں گناہ کا مادہ ہی کہاں۔ کمال تو یہ ہے کہ خوب حسن والی ہو، حسب والی ہو، نسب والی ہو اور پھر دعوت بھی اس کی طرف سے ہو اور یہ خوب جوان ہو اور پھر کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں" یہ کیا کمال ہے کہ لوگوں سے علیحدہ ہو کر کنج میں بیٹھ جائے، اور پھر کہیں کہ ہم گناہ نہیں کرتے"۔

زاہدِ نداشت تابِ جمالِ پری رخاں
کنجے گرفت و خوفِ خدا را بہانہ ساخت

(زاہد کو صاحب جمال عورتوں کی دیکھنے کی طاقت نہ تھی تو خوفِ خدا کا بہانہ بنا کر

کونے میں بیٹھا۔)

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ لیجئے، اور قرآن میں یہ جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں یہ محض قصے نہیں ہوتے کہ دل لبھانے کے لیے بیان کئے جائیں بلکہ یہ حقیقتیں ہیں ہمارے لیے نصیحتیں ہیں یہ بتاتے ہیں کہ کس طرح ہمارے مخصوص اوقات مخصوص کاموں میں صرف ہوں لیکن اُنکو جانتا وہی ہے جس کے دل کی آنکھیں روشن ہوں۔

معرفت خداوندی کی اہمیت:

فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ۔(الحج ۲۲: ۴۶)

(اُن کی آنکھیں اندھی نہیں لیکن وہ دل اندھے ہیں جو کہ سینوں میں ہوا کرتے ہیں۔) اور جس کا دل اندھا ہے اُس کو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اندھا نہیں۔ ظاہر کی آنکھیں تو خوب بڑی بڑی ہوں نظر بھی خوب ہو لیکن دل کی آنکھیں کمزور ہوں تو وہ اندھا ہے، نابینا ہے۔ کیونکہ جب موت کا وقت قریب آگیا، اور چھت سے آنکھیں لگیں اور فرشتہ آگیا تو بس روشنائی ختم۔ آنکھیں وہ پیدا کیجئے کہ قبر میں، حشر میں، صراط میں اور ابدالآباد تک کی زندگی میں کام آئے۔ قبر میں اندھیرا محسوس نہ ہو بلکہ رب کے انوارات اور تجلیات کی وجہ سے وہ روشنی ہو کہ ذہن میں آئے بھی نہیں، خیال میں بھی نہ گزرے۔ ہم نے گوشت کے لوتھڑے کو دیکھا تو کہا کہ یہ آنکھیں ہیں۔ یہ کیا آنکھیں ہیں؟ کہ جس سے اپنی پیٹھ بھی دکھائی نہ دے جو دیوار کے پیچھے نہ دیکھے اور خود اپنے آپ کو بھی نہ دیکھے۔ تم نے کبھی بغیر آئینہ کے اپنی آنکھوں سے اپنی آنکھوں کو دیکھا ہے۔ یہ کیا نگاہ ہے کہ سامنے والی چیز کو تو بغیر آڑ کے دیکھے اور خود اپنے کو نہ دیکھے حالانکہ چیزوں کی معرفت، اُن کی پہچان بھی اپنی ذات میں منزل مقصود نہیں جبکہ رب سے معرفت نہ ہو۔ ہمارے حضرتؒ نے ایک دفعہ نہایت دل جلے انداز میں فرمایا ہائے! ”جو بھی آتا ہے کہتا ہے کہ چودہ طبق روشن ہو جائے یہ کوئی نہیں کہتا کہ دل روشن ہو جائے“ چودہ طبق روشن ہوئے تو کیا ہوا مخلوق ہی کو تو دیکھ لیا اور دل روشن ہو جائے تو خالق کی معرفت نصیب

ہو جائے گی اور خالق کی معرفت کے لیے ہی انسان کو پیدا کیا گیا ہے نہ کہ مخلوق کی معرفت کے لیے۔ سائنس اور اسلام میں یہی تو فرق ہے کہ سائنس کا مقصد مخلوق کی معرفت، اُن کے خواص کو جاننا اور اُلٹ پُلٹ کر رب کی دی ہوئی چیزوں کو رب کے دیئے ہوئے دماغ سے سوچ کر نئی چیزوں کا بنانا ہے۔ اور اسلام کا مقصد خالق کی معرفت، خالق کی پہچان اور اُس کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہے، وہ مخلوق پر اپنی قوت ضائع کرتا ہے۔ اور یہ خالق کو اپنی کوشش کا مطمع نظر بناتا ہے۔ مخلوق پر اپنی قوت لگاؤ گے تو ایک چیز کی حقیقت کو بھی نہ پہنچ سکو گے۔ خواص میں گم ہو جاؤ گے، حقیقت پنہاں رہے گی، خالق پر محنت کرو تو چیزوں کی حقیقت بحیثیت ایک ذیلی چیز کے خود بخود سمجھ آ جائے گی۔ مخلوق پر محنت کرو گے تو مخلوق مردہ ہے، تم بھی مردہ ہو جاؤ گے۔

غفلت کی مختلف اقسام:

ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد

(جو بھی نمک کے کان میں گیا نمک بن جاتا ہے۔)

اور جس نے خالق پر محنت کی، تو وہ زندہ ہے، ”حی“ ہے۔ اُس کی نسبت سے اللہ تعالیٰ اُس کی محنت کو کبھی بھی ضائع نہیں فرمائے گا، باقی رکھے گا، "والباقیات الصالحات" اور اعمال صالح ہی باقی رہنے کی چیزیں ہیں۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو آنکھیں دی تھیں، دیکھنے کے لیے اُن پر پردے پڑ گئے۔ ”زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ“۔ (آل عمران: ۳، ۱۴) (لوگوں کے لیے ان چیزوں کی محبت خوشنما بنا دی گئی ہے جو ان کی نفسانی خواہش کے مطابق ہوتی ہیں یعنی عورتیں، بچے، سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر۔)

شہوات کے پردے، عورتوں کی محبت کے پردے، بچوں کی محبت کے پردے اور مال سے محبت کے پردے۔ لیکن جہاں پر رب العزت کی تجلیات ہوتی ہیں، جن کو رب العزت

نے اپنی معرفت کا ذریعہ بنایا۔ اُن کے آگے غیروں کی حقیقت کیا ہوتی ہے۔ وہ غیروں میں الجھتے کب ہیں۔ وہ تو ہر آن اور ہر وقت معرفت رب میں مستغرق ہوتے ہیں۔ تو انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور ان پردوں کو ہٹا کر رب کی تجلیات کو آشکارہ کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اُس کی تجلیات نہیں ہوتیں وہ تو ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہوتی ہیں۔ لیکن ہماری آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ اقبال نے کہا ہے:

وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی
مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسباب مستوری

''لاتدركه الابصار و هو يدرك الابصار''(الانعام:۱۰۳،۱۶) (نگاہیں اُس کو پا نہیں سکتیں اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔) آنکھیں اُس کو دیکھتی نہیں۔ تو وہ ان پردوں کو ہٹاتے ہیں۔ دِلوں کو بینائی دیتے ہیں، آنکھوں کو بینائی دیتے ہیں، اور جسم کے ذرّے ذرّے کو بینائی دیکر اُن میں زندگی کی نئی لہر دوڑاتے ہیں۔ نبی کا ہر فعل انسان کو زندہ کرتا ہے، نبی کا ہر قول انسان کو زندہ کرتا ہے، اور نبی کی ہر نگاہ انسان کو زندہ کرتی ہے اور نبی ہے ہی زندگی۔ اللہ حقیقت زندگی اور نبی اُس کے مظہر اتم ہیں۔ چیزوں کی وجہ سے زندگی حاصل نہیں ہوتی، مال دولت سے زندگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ نبیوں والے اعمال سے زندگی حاصل ہوتی ہے۔

من زجانان زندہ ام و زجان نہ یم
من زجان بگزشتہ و جانانہ یم

(میری زندگی کا مراد جانان سے تعلق پر ہے، اگر وہ خوش ہیں تو مجھے اپنی جان کیپرواہ نہیں کیونکہ اب اس کی خوشی میرے وجود میں رچ بس گئی ہے۔)

نبی ﷺ کی کسی بات کو معمولی نہ سمجھو، اُس کی ہر ادا کی قدر کرو۔ ہر فعل کو معزز جانو۔ دیکھو! ایک ترازو ہے۔ ایک پلڑے میں ڈال دو سونا یا ہیرا اور دوسرے میں روئی

ڈال دو۔ وزن کے لحاظ سے دونوں برابر ہوں۔ اب روئی تو دکھائی دے گی زیادہ اور پھر تول کے لحاظ سے برابر ہے لیکن مول کے لحاظ سے کم۔ اسی طرح نبی کی ہر بات قیمتی ہوتی ہے، اُس کا ہر فعل قیمتی ہوتا ہے۔ وہ خود نہیں کہتا اُس سے کہلایا جاتا ہے، وہ خود نہیں کرتا اُن سے کرایا جاتا ہے۔"وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى"(اُس کی زبان سے جو کچھ نکلا تو وہ رب نے کہلوایا، اپنی خواہش سے نہیں کہا۔ اور نبی کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش سے نہ کہے بلکہ اللہ کے امر سے کہے۔

ہمارے آقا تہجد کی نماز میں یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ اور تہجد میں کیا ہوتا ہے ایک بندہ ہوتا ہے اور ایک رب ہوتا ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی نے اس بات کی تصریح میں کہا "ان لی مع الله وقت" میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے۔ کہ یہ ایک خاص الخاص وقت بیان فرمایا ورنہ خاص تو اُنکو ہر وقت میسر ہوتا ہے اور نبی ﷺ تو کیا اور انبیاء علیہم السلام اور پھر صلحاء کے لیے بھی ثابت ہے "ان الله مع المتقين" اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

اب حدیث کیا ہے؟ قرآن کی حقیقت کو کھولا گیا ہے۔ قرآن کے انوارات کو کھولا گیا ہے۔ پگلے ہیں وہ لوگ جو حدیث سے انکار کرتے ہیں۔ تو بیان فرمایا:

"انت الحق ، ووعدُك الحق ، ولقاؤك حق و قولك حق والجنة حق والنار حق والنبيون حق و محمد حق والساعة حق"۔(مناجات مقبول۔ تہجد کی دُعا)

(اے اللہ تو حق ہے، تمہارا وعدہ سچا ہے، تمہارے ساتھ ملنا سچ ہے، تمہاری بات سچی ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، انبیاء علیہم السلام سچے ہیں اور محمد ﷺ بھی سچا ہے اور قیامت کا آنا بھی سچ ہے۔)

یہاں نبی ﷺ چند باتوں کو حقیقت قرار دیتے ہیں اور ایک بات کی دو دفعہ تکرار کرتے ہیں اور وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی ذات حق ہے اور جب نبی اپنی ذات میں حق ہے تو اس کا ہر ہر عمل اپنے اندر حقائق کو لیے ہوئے ہے اور حقیقت کسے کہتے ہیں؟ جو دھوکا نہ ہو

فریب نہ ہو۔ فرمایا ”جب انبیاء علیہم السلام کی بات کرو تو سوچ کر کرنا“ عقل کے ناخن لے لو۔ تو تم نبی ﷺ کی بات کو کیا جانو۔ اور جن کی طاقتیں باطل میں لگی ہوئی ہوں وہ نبی کو کیا جانے۔ یہاں پر آکر حضور ﷺ فرمانے لگے ”وَ مُحَمَّدٌ حَقٌّ“ اور محمد ﷺ بر حق ہیں۔ وہ تو نبی تھے اور میں تو کہوں کہ نبی الانبیاء تھے۔ اور نبی کو اپنی ذات پر ایمان لانا فرض ہوتا ہے۔ تو فرمایا: ”محمد ﷺ بر حق ہیں“ میٹھا لڈو ہر طرف سے کھاؤ تو میٹھا ہوتا ہے۔ نُور کا گولا ہر طرف سے اگر دیکھو نور سے بھرپور ہوتا ہے۔ اور حضور ﷺ تو رب کے بنائے ہوئے ہیں تو حضور ﷺ کا ہر ہر عمل حقیقت چلنا بھی حقیقت، آنا بھی حقیقت، اُٹھنا بھی حقیقت، سونا بھی حقیقت، بلکہ میں تو کہوں کہ رفع حاجت کا عمل بھی حقیقت۔ جس نے اس حقیقت کو اپنایا وہ نُور سے بھرپور ہوا اور جو اس راستے سے کٹا تو وہ پاگل ہے۔ حضور ﷺ حقیقت مطلق ہے حقیقت مطلق تاکہ کل لوگ یہ نہ کہیں کہ تاریخ سے ثابت نہیں اور فلانے سے ثابت نہیں ۔ جس طرح قرآن ”لَا رَیْبَ فِیْہِ“ اس طرح محمد ﷺ کی ذات ”لَا رَیْبَ فِیْہِ“ ہے۔

انسانی فطرت:

ہائے! دوستو عرض یہ کر رہا تھا کہ نبی جو حقائق سے بھرپور ہوتے ہیں، جو حق کہتے ہیں خواہ غصّے میں کیوں نہ ہو! وہ آکر یہ بات کہتے ہیں کہ کائنات کے ذرّے ذرّے میں اللہ کا جلوہ نمایاں ہے۔ لیکن ہماری آنکھوں پر پردے پڑ گئے ہیں کہ اُن کو دیکھتے نہیں۔ رب نے تو وہاں بھی جلوہ دکھایا جب کہ ہم پیدا بھی نہ ہوئے تھے، عالم ارواح میں تمام مخلوق کو اکٹھا کیا اور فرمایا ”اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ“ کیا میں تمہارا پالنہار نہیں ہوں؟ تمام پکار اُٹھے ”بَلٰی شَھِدْنَا“ ہاں کیوں نہیں! ہم اس پر گواہ ہیں۔ عربی کے قاعدے کے لحاظ سے بلٰی کافی تھا۔ لیکن اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آگے یہ بھی فرمایا ”شَھِدْنَا“ ہم گواہ ہیں۔ اور یہاں پر بس نہ کیا بلکہ ماں کے پیٹ

میں بھی یہ وعدہ یاد دلایا۔ حضور ﷺ نے خبر دی جن پر حقائق کو کھولا گیا تھا۔ فرمایا یہ نہ کہو کہ رب کے پہچاننے والے نہیں بلکہ ''کل مولود یولدُ علیٰ فطرۃ الاسلام فأ ابواہ یھودا نہ و ینصرا نہ و یمجسٰنہ'' (بخاری، حدیث نمبر:۱۳۸۵) (ہر بچہ اسلام کے فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین یا تو اسے یہودی بنا لیتے ہیں یا نصرانی اور یا مجوسی۔) اُس کی آنکھیں تو رب سے پہلے لڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ اب ماحول، معاشرہ اور اُس کے اعمال اس حقیقت پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں، انبیاء علیہم السلام آتے ہیں۔ اور ان پردوں کو اُٹھانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس راستے پر محنت کرو۔ ''جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ'' اللہ کی راہ میں اپنی جان کو کھپاؤ، جتنی جان کھپاؤ گے اللہ کی نگاہ میں زندہ ہو گے۔ جب تمہارے خاکے ٹوٹیں گے، رب کے خاکے زندہ ہوں گے، نُور اور تاریکی اکھٹے ہو نہیں سکتے تو یا تو تمہارے ظلماتی خاکے زندہ ہوں گے یا رب کے نُورانی خاکے۔ تو تمام انبیاء علیہم السلام نے یہ بیان فرمایا'' کہ مجاہدہ کی راہ سے رب کو حاصل کرو''۔

راہِ ہدایت:

وہ جو اللہ کی ذات کو دیکھ کر آیا اور جس پر رب العزت نے حقائق کو کھولا۔ کیا وہ یہ نہیں بتا گئے کہ رب کی پہچان کیسے ہو؟ کیا اُس نے رب کی معرفت کا راستہ نہیں بتایا۔ کوئی شخص تمہیں کہتا ہے کہ بی اے ہو جاؤ تو یہ ملے گا، ایم اے ہو جاؤ تو یہ ہو گا۔ میڈیکل پاس کرو، ڈاکٹر بنو گے، نان میڈیکل میں انجینئر بن جاؤ گے تو کیا انبیاء علیہم السلام جن کی ذات سراپا رحمت ہے نے دین کو ویسے ہی پیش کیا اس پر چل کر نمونہ نہیں بتایا، کیا انہوں نے صرف لوگوں کو کتابیں دیں اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ نہیں بتایا؟ کیا انبیاء علیہم السلام لوگوں کو بھول بھلیوں میں مبتلا کرتے تھے۔ نہیں اور ہر گز نہیں وہ لوگوں کو بھول بھلیوں میں مبتلا کرنے کے لیے نہیں آیا کرتے۔ وہ ایک سیدھا آسان صاف اور واضح راستہ بتانے کے لیے آتے ہیں وہ سبیل اللہ پر لگ

جانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اُس راستہ پر چلو تو رب کو حاصل کروگے، رب کی معرفت ہو جائیگی ، رب کا تعلق حاصل ہو گا اور جو ذرا اِدھر اُدھر ہوئے تو گمراہ ہو جاؤگے جس طرح چارسدہ کو پہنچنا ہو تو چارسدہ کی طرف رُخ کرکے، چارسدہ والے راستے سے جانا ہو گا یہ نہیں کہ جانا تو ہے چارسدہ اور راہ لے لی پنڈی کی اور پھر بھی یہی امید کہ منزل پر پہنچ جاؤنگا۔ یہ دیوانا پن نہیں تو اور کیا ہے۔

به ایں راہ کہ تو می ردی بہ ترکستان است

(اس راستے پر جو تو جا رہا ہے یہ ترکستان جاتا ہے اس لیے اگر حج کا ارادہ ہے تو یہ راستہ صحیح نہیں۔)

نبی جو راستہ بتاتا ہے وہ سب سے چھوٹا، آسان اور رب کی ذات تک پہنچانے والا ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن نے فرمایا: لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔ (ابراهیم ۱:۱۴)

"تا کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف اُن کے رب کے حکم سے جو کہ زبردست اور خوبیوں والا ہے"۔

اور ایک دوسری جگہ فرمایا: قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۔ (البقرة:۲،۲۵۶) (ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا، اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لے آئے گا اس نے ایک مضبوط کنڈا تھاما۔)

"اور بندگی ہے اور کیا غیروں سے کٹ کر ایک کا ہو جانا"۔

عاشقی چیست بگو بندہ جانان بودن

دل بدستے دیگرے دادن و حیران بودن

(عاشقی کیا ہے؟ یہ اپنے معشوق کا غلام بننا ہے، دِل دوسرے کے حوالے کر کے خود اپنی مرضی کو مٹاتا ہے۔)

بس یہ کہو کہ میں تو تیرا ہو چکا ہوں، جو کچھ تصرف کریگا میں اُس پر راضی

ایمان اس کو کہتے ہیں کہ جو تشریعی تصرفات ہوں اور جو تکوینی تصرفات ہوں اُن پر راضی ہو جائیں۔ ہمارے جسموں میں کوئی تغیر ہو تو ہم اُس پر راضی مال میں تغیر ہو تو اُس پر خوش۔ اولاد کی قربانی ہو تو اُس پر راضی۔ غرض یہ کہ دین نام ہے قربانی کا اور بغیر قربانی کے دین کا آجانا مشکل ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے رب کے لیے اپنی ذات کو قربان کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی قربانی کی۔ فرمایا: فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ۔ (الصافات ۳۷: ۱۰۳) یعنی دونوں نے اپنے جسموں اور روح دونوں کو رب کے لیے مطیع کیا۔ مٹاؤ اپنی خواہش کو۔ جب خواہش نفس نہیں مٹی انسان کامل نہیں ہو سکتا۔ ہمارے آقا نے فرمایا ''لَا يُؤۡمِنُ اَحَدُكُمۡ حَتّٰى يَكُوۡنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئۡتُ بِهٖ''۔ (مشکوٰۃ، حدیث نمبر: ۱۶۷، کتاب الایمان) یہ نہیں کہ بعض کو تو مانتا ہو اور بعض کو نہیں مانتا ہو۔ بلکہ پورے کے پورے دین کے لیے فرمان بردار ہو۔ یہ کیا قصہ ہے کہ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر۔ اور نہ الا الذی ناالالذی قرآن کو اپنانا ہے تو محمد ﷺ والے احکام کو اپناؤ، اقوال کو اپناؤ ''اُدۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً'' اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اسلام نام ہے احکام ربانی کا اور کفر نام ہے خواہشات نفسانی کا ۔ اب ایک آسان سا راستہ ہے۔ جو حضور ﷺ نے ایک دعا میں فرمایا اور حضور ﷺ کی دعاؤں کو ہلکا نہ سمجھو یہ حضور ﷺ کے دل کے قطرے ہیں، اندر سے پھوٹ کر نکلے ہیں۔ تو فرمایا:

''الھم اجعل وساوس قلبی خشیتك و ذکرك واجعل ھمتی و ھوای فیما تحب و ترضٰی''۔ (مناجات مقبول: ۱۷۷) یا اللہ میرے دل کے خیالات کو تیری خشیت اور یاد کا ذریعہ اور میری ہمت اور خواہش کو تیری محبت اور رضامندی کا وسیلہ بنا۔

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ حضور ﷺ نے سجدہ سہو اس لیے نہیں کیا کہ وہ بھول گئے تھے بلکہ اُس نے سجدہ سہو اس لیے کیا کہ ہمیں کرنا تھا۔ حضور ﷺ کا سجدہ سہو ہمارے لیے تعلیم تھا۔ پگلے ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ حضور ﷺ بھول گئے۔ جس نے فرمایا کہ ''صلوا کما رائیتمونی اصلی'' اس طرح نماز پڑھو جیسا کہ مجھے دیکھتے ہو۔ اُس سے نماز میں بھول کیسی ہو سکتی ہے بلکہ ہم تو یہ کہیں کہ جس نے قرآن کو اُتارا، اُس کے لیے حضور ﷺ کا انتخاب کیا اور پھر اِس کو اپنی عنایت سے بھول چوک سے محفوظ رکھا۔ قرآن والے اعمال اُن سے جاری فرمائے۔ جو کچھ اُس نے فرمایا قرآن کے مطابق فرمایا اور جو کچھ اُس نے کیا قرآن کے مطابق کیا۔ اور یہ میں نہیں کہتا بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا۔ حضور ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟'' تو جواب میں فرمایا:''کان خلقه القرآن''۔

(مسلم، حدیث نمبر:۹۲۶ الدار المنثور)

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور ﷺ کو بھی سجدہ سہو ہوا۔ اس لیے تاکہ امت پر ایسی حالت آجائے تو یہاں بھی نمونہ ہو تو حضرت صاحب (سید سلیمان ندوی) نے فرمایا کہ ہمارا سہوہ تو عدم التفات کی بناء پر ہوتا ہے اور حضور ﷺ کا سجدہ غایت التفات اور استغراق کی بناء پر ہوا، اور حضور ﷺ تو حضور ﷺ ہیں اور اولیاء اللہ پر بھی ایسی حالتیں آتی ہیں ہمارے مولوی مولانا رومیؒ نے فرمایا:

چوں نماز می گزارم بخدا خبر ندارم
کہ تمام شد رکوعے یا امام شد فلانے

اور اسی وجہ سے تو حضور ﷺ نے فرمایا:''ان فی صلٰوۃِ شغلاً''(الجامع الصغیر) نماز میں ایک خاص شغل ہوتا ہے۔

تو نبی کس لیے آتا ہے۔ رب کو پہچاننے کے لیے آتا ہے۔ لیکن ہمارے نبی اکرم

ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقوں میں بین فرق ہے۔ پہلے آئے اور وہ تمام اپنی ذات میں کامل بلکہ اکمل تھے اور اپنی امت کے لیے اُن کی ہر ہر ادا دین اور کامل تھی لیکن ایک آنے والا ایسے آیا جو کہ اکمل الکاملین تھے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام کے سر تاج تھے، اور اس سلسلہ الذھب کی آخری کڑی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ایک خاص قوم، ملک اور زمانے کے لیے تشریف لائے لیکن حضور ﷺ تمام دنیا کی تمام اقوام کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔ تو جس طرح دائرہ ہدایت میں خصوصیت ہو اس طرح طریق دعوت میں بھی کوئی خصوصیت ہونی چاہیے۔ آخر کوئی بات تو تھی۔ کہ موسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر نے خواہش ظاہر کی کہ آپ کی امت مجھے ملے تو عام طریقہ کیا ہے۔ ''ایمان لاؤ اور طاغوت سے بچو''۔

تو ایک طبقہ اب ایسا پیدا ہوا جن کی نُور معرفت ایسی سلب ہوئی کہ حضور ﷺ کی بات کو بھی کہتے ہیں کہ یہ تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی ۔ جہنم میں جائے ایسی سمجھ جو حضور ﷺ کی بات کو بھی اپنی سمجھ پر پرکھتے ہیں اور پھر ظلم یہ کہ ایسے کو کہتے ہیں علامہ۔ جہنم میں جائے ایسا علامہ جسے اتنا بھی فہم نہیں کہ یہ کس کی بات پر زبان درازی کر رہے ہیں۔

مسلمانو! صرف کہنے سے بات نہیں بنتی کہ ہم حضور ﷺ والے ہیں ۔ حضور ﷺ کے ایک ایک عمل کی حفاظت کرو، ایک ایک سنت کی حفاظت کرو۔ ایک ایک ادا کو اپناؤ۔ کل حضور ﷺ کو کیسا منہ دکھاؤ گے۔

بتوں کا ہے بندہ خدا کا نہیں ہے
خدا کا نہ ہو جو مسلماں ہو کر

غیروں سے گریز:

یہ کہاں کی مسلمانی ہے کہ کلمہ تو پڑھو محمد ﷺ کا اور جاتے ہو کسی دوسری طرف۔ سُن لو اور خوب کان دھر کے سُن لو۔ کہ کلمہ میں جان، کلمہ میں حقیقت حضور ﷺ والے

اعمال سے آتی ہے۔ حضور ﷺ والے اعمال کو اپناؤ۔ تمہیں کیا ہوا کہ غیروں کے پیچھے چلے جارہے ہو غیروں کی اداؤں پر جان دے رہے ہو۔ غیروں کی باتوں پر مر رہے ہو۔ سوچو، فکر کرو، سمجھ لو کہ حضور ﷺ والے اعمال کو چھوڑ کر اور کیا ہوتا ہے ''فما ذا بعد الحق الا الضلال'' ہدایت کے بعد کیا ہوتا ہے مگر گمراہی۔ اپنے کو بچاؤ اور آنکھیں بند کر کے حقیقت محمدیہ کو اپنالو۔ اور نہیں اپناؤ گے تو ایمان کی حقیقت کو نہیں پاؤ گے۔

دیکھو! رب ہے بڑا مہربان۔ وہ نہیں چاہتا کہ اُس کی مخلوق گمراہ ہو جائے اور اُنکو خبر نہ ہو۔ تو بھیج دئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام تاکہ اُنکو سمجھائیں۔ اُنکو راہ راست پر لگائیں، گمراہی سے بچائیں، یہ سلسلہ چلتا رہا چلتا رہا، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا کہ تمام دنیا میں پھر ضلالت کا چرچا ہوا، گمراہی عام ہوئی، ایسے وقت میں جبکہ دنیا کے سنبھلنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور ایک بہت بڑی شخصیت کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیج دیا۔ تاکہ اُن کو سمجھائیں برائی سے بچائیں اور نیکی پر لگائیں۔ آپ تھے بڑے مہربان۔ تمام عمر دعوت میں صرف کی اور جب آیا نزع کا وقت تو جس طرح ایک مہربان باپ چاہتا ہے کہ میرے یہ بچے کہیں بے راہ نہ ہو جائیں کہیں بھٹک نہ جائیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا تھا کہ حضور والے عمل کو باقی رکھیں۔ وہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

من بہ تو مشفق ترم از صد پدر

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندوں پر سو باپوں سے بھی زیادہ شفیق ہوں۔)

رب ہزار باپوں سے زیادہ مشفق ہے اور راہ بتانے کے لحاظ سے حضور ﷺ پر انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ تم بے واسطہ اللہ کی ذات سے نہیں لے سکتے جسے بھی کچھ ملے گا، حضور ﷺ کی ذات سے ملے گا۔ حضور ﷺ کے راستے سے ہٹ کر کوئی عمل نہیں۔ جس بات پر حضور ﷺ کی مہر ہو وہ حق ہے اور جس پر حضور ﷺ نے مہر نہیں لگائی اور

کسی نے اُس پر عمل کیا تو وہ بدعت ہو جائے گی۔ اللہ نے سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی ذات کو ایسا بنایا جو سب سے جامع ہو قرآن میں آتا ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (سورۃ البقرۃ ۹:۱۲۶) (لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمہاری تکلیف اُن کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مؤمنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔)

حرص برائی کے لیے ہو تو بُری اور نیکی کے لیے ہو تو اچھی۔ فرمایا "کہ تمہاری اچھائی کے لیے نہایت ہی حریص ہیں" وہ جو کسی نے کہا ہے:

تو کریمی ورسول تو کریم
صد شکر کہ ھستیم میانِ دو کریم

(یا اللہ! تو بھی کریم اور تیرا رسول بھی کریم، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ میرا تعلق دو کریموں کے درمیان ہے یعنی خیر کی توقع رکھتا ہوں۔)

اب رؤف کسے کہتے ہیں؟ نہایت مہربان اور رحیم کے معنی نہایت رحم کرنے والا۔ مطلب یہ ہوا کہ ہیں تو رحمت اللعالمین لیکن خصوصاً مؤمنوں پر تو نہایت ہی مہربان اور رحم کرنے والے ہیں۔ تو اس مہربان پیغمبر ﷺ نے آخر میں یہ بات بیان فرمائی کہ میں تو نہایت مہربان اور نہایت رحیم بن کر آیا لیکن اگر تم نے اُس سے روگردانی کی جس کے لیے میں بھیجا گیا ہوں تو پھر تم میرے والے نہ رہو گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں ایک گروہ ایسا ہو گا جو دوزخ کی طرف پھینکا جائیگا۔ نبی ﷺ فرمائیں گے: "اصحابی اصحابی" یہ میرے والے یہ میرے والے ہیں۔ کہا جائیگا۔ آپ کے نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے دوسری راہ اختیار کی تھی۔

تو جنت کو لینا کیا ہے۔ حضور ﷺ والے اعمال کو لے لینا ہے۔ اور دوزخ کیا ہے حضور ﷺ کے اعمال سے روگردانی کرنا ہے۔ حضور ﷺ کے اعلان نبوت سے لیکر آخری وقت تک جو بھی شخص آئے گا حضور ﷺ کا اُمتی ہوگا۔ تو جس طرح ماں کے لیے تمام بچے پیارے ہوسکتے ہیں ہر ایک سے ماں کو محبت ہوتی ہے اگرچہ کسی سے کم اور کسی سے زیادہ اسی طرح حضور ﷺ کو اپنی تمام امت سے محبت تھی وہ چاہتے تھے کہ تمام اسلام قبول کریں۔ حضور ﷺ نے صرف اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا غم نہیں کیا بلکہ ابوجہل، ابولہب اور قیامت تک آنے والے کی فکر تھی۔ ایک مرتبہ تو حضور ﷺ کی آنکھ لگی تو جب اٹھے تو فرمایا'' کہ عرب کے لیے ہلاکت ہو''جب صحابہ نے عرض کیا کہ کیا ہوا تو فرمایا کہ یاجوج وماجوج نے اُس دیوار میں سراخ کیا۔ اگر حضور ﷺ کے درد کا ایک معمولی سا حصہ پہاڑ کو بھی دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔

آخر کوئی بات تو تھی کہ قرآن بار بار تسلی دیتے ہیں کہ غم نہ کیجئے اور فرماتے ہیں''لعلك باخع نفسك علیٰ اٰثارھم ان لم یؤمنوا بھذ الحدیث اسفًا'' کیا تم گھل گھل کر جان دے دوگے۔ اگر یہ لوگ ایمان نہ لے آئیں۔(سورۃ الکھف ۱۸:۶)

تبلیغ کی اہمیت:

تو معلوم ہوا کہ درد خزانۂ نبوت کی سب سے قیمتی چیز ہے۔ اور وہ فارسی کا محاورہ ہے کہ ''میراثِ پدر خواہی، ہنر او آموز'' باپ کی میراث چاہتے ہو تو اُس کا ہنر سیکھ لو۔ اور یہ درد کیا ہے؟ جیسے کہ اپنے لیے گھلتے ہو اوروں کے لیے بھی گھلتے رہو کہ یہ دوزخ میں کیوں جائیں؟ تم تو نیابت نبی ﷺ میں ہو۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور جو کہے گا کہ میں نبی ہوں تو وہ دجّال ہوگا، جھوٹا ہوگا، اب حضور ﷺ کے بعد جب دوسرا نبی آئے گا نہیں، تو اس درد والے کام کو سنبھالے گا کون؟ وہ جس کے اندر یہ درد ہو جس کو سوز نبی سے حصہ ملا ہو، جو

اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف نبیوں والے طریقہ پر بلاتا ہو اس کو کہتے ہیں تبلیغ۔ تبلیغ کیا ہے؟ خود گھل کر اوروں کو راہ پر ڈال دینے کی کوشش کرنا۔ کوئی راہ پر آئے یا نہ آئے ہم تو ان کو حق بات کی دعوت دیتے رہیں، ایسا کرنے سے نبی کریم ﷺ کے نور سے حصہ ملے گا۔ اور جس سینے میں حضور ﷺ کے نُور کا ایک ذرہ بھی آجائے تو کیا وہ جہنم میں جائے گا؟ نہیں اور ہر گز نہیں: تو پھر حضور ﷺ والے اعمال کو کیوں نہیں لیتے؟ حضور کا فیض جاری ہے۔ اور تا قیامت جاری رہے گا۔ اپنالو! اعمال محمدی ﷺ کو قبل اس کے کہ آنکھ بند ہو جائے سورج مغرب سے طلوع ہو جائے، اور طلوع کا کیا بلکہ اب تو وہ ایسا مرض پیدا ہو گیا کہ فکر کا موقع ہی نہیں مل سکتا، سوئچ (Switch) دَب گیا اور اب چلے گئے۔ نہ توبہ کا موقع مل سکتا ہے، اور نہ پشیمانی کا، اس کو کہتے ہیں ڈاکٹروں کی اصطلاح میں ھرٹ فیل (Heart Fail) تو دوستو! جب سانس اس قدر ناپائیدار ہے تو اس کے لیے اتنی لمبی لمبی امیدیں باندھنا کیا معنی رکھتے ہیں۔ ''موتوا قبل ان تموتوا'' اپنے اعمال کا جائزہ لو، اپنے اوقات کا محاسبہ کرلو قبل اس کے کہ موت آجائے۔ کیونکہ جو بات نعرہ بن جاتی ہے حقیقت کو کھو دیتی ہے۔ تو جب موت کا وقت آتا ہے۔ تو بدبخت سے بدبخت انسان بھی کیا کہے گا یہی تو کہے گا۔ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ (سورۃ المنافقون ۱۰:۶۳) (اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی دیر کے لیے اور مہلت کیوں نہ دیدی کہ میں خوب صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں شامل ہوتا۔)

اور جب سب سے بڑا کافر (فرعون) مرنے لگا اور جہنم کے غوطے نہیں کھائے تھے صرف پانی کے غوطے کھائے تو کیا کہا: ''اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾''۔ (یونس: ۱۰، ۹۰)

ترجمہ: میں ایمان لایا کہ جس (خدا) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

دوستو! قیمتی بناؤ ہر سانس کو۔ اور اُس درد کو اپنالو جس نے حضور ﷺ کو اعلان نبوت کے بعد چین لینے نہیں دیا، نہ رات کو چین تھا اور نہ دن کو آرام، لگاؤ اپنے کو، تمہیں لگی نہیں اور جسے لگ جائے تو وہ خبیبؓ بن جائے ، صدیقؓ بن جائے عمرؓ بن جائے ، عمارؓ بن جائے، یاسرؓ بن جائے نہ دل میں درد اور نہ جسم میں درد۔ اس درد کو پیدا کرنے کے لیے اور اس کڑھن کو اپنانے کے لیے ایک عمل ہے۔ اور اس کو کہتے ہیں تبلیغ ۔ اس میں لگو، لیکن دوستو! لگانے کے لیے پہلے لگنا پڑتا ہے۔ دیکھو! روٹی کو بھی آسانی سے نہیں کھایا جاتا ہے۔ پہلے کھیت میں ہل جوتا جاتا ہے، بیج بوتے ہیں، پانی دیتے ہیں اور جب تیار ہو جاتا ہے تو دانوں کو الگ اور بھوسہ الگ کیا جاتا ہے، آٹا پیستے ہیں، پانی ملاتے ہیں، آگ سے پکاتے ہیں، منہ میں ڈالتے ہیں اور پھر بھی حلق سے نہیں اُترتا جب تک نگلنے کی قوت نہ لگائی جائے۔ تو روٹی کو کھانے کے لیے تو اتنی تکلیفیں اور اتنی محنتیں برداشت کریں اور اس نورانیت کو لینا ہو تو میں اپنے منبر پر بیٹھوں اور تم اپنے کام میں لگو۔

عشق مولیٰ کے کم تر از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بھر اُو اولیٰ بود

(مولانا کا عشق لیلیٰ سے کم کیوں ہو جبکہ اس کا تعلق ہر ایک سے زیادہ ہے۔ اس کے لیے اگر گیند بند جائے کہ ہر طرف سے مار کھائے تو زیادہ مناسب ہے یعنی سختی آجائے تو صبر اختیار کرے۔)

دوستو! بغیر کوشش اور مجاہدہ کے کچھ نہیں ہوتا۔ تمہارے ذاتی مجاہدات سے اللہ نے چاہا تو تمہاری ذات بن جائے ۔ اور تمہارے اجتماعی مجاہدات سے اللہ چاہے تو پوری دنیا ہدایت پر آجائے۔ تو یہ تبلیغ کیا ہے۔ اجتماعی طور پر دین کی فکر پیدا کرنے کے لیے اللہ کے راستے میں نکل جانا ہوتا ہے۔ اس کے لیے چار مہینے گزار دو تو دین کی فکر آجائے گی اور تم کہو کہ

چار مہینے دین کی فکر کے لیے! او بھائی! نو مہینے تو ماں کے پیٹ میں گزارے۔ میں نے تو گزارے ہیں اور تمہارا پتہ نہیں کہ گزارے ہیں یا نہیں، پھر دو سال ماں کا دودھ پیا۔ تو چلنے کے قابل ہوئے اور جب چودہ سال گزر گئے تو بالغ ہوئے۔ تو دنیا میں تو بالغ ہونے کے لیے تیرہ چودہ سال لگ جائیں۔ اور دین کو اپنے اندر لانے کے لیے چار مہینے بھی نہ لگائیں۔

قرآن میں آتا ہے: تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔
(سورۃ النور ۲۴: ۳۱)

ترجمہ: مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

اس سے صرف تم نہیں بن جاؤ گے بلکہ تمام عالم بن جائے گا اپنے بھی بن جائیں گے اور غیر بھی بن جائیں گے اور میں تو کہوں کہ دنیا میں جنت کا مزہ آجائے۔ وہ آتا ہے اُحد کے متعلق۔ اُحد ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جس کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا: ”یہ ایک ایسا پہاڑ ہے جو کہ ہم کو پسند کرتا ہے“ تو یہاں سے ایک آدمی گزر رہے تھے جو کہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ ایک صحابی نے فرمایا: ”مجھے اُس پہاڑ سے جنت کی خوشبو آرہی ہے“ یہ آئے اور کہا ”کہ اگر میں تم پر ایمان لاؤں اور شہید ہو جاؤں تو میرے واسطے کیا ہوگا؟“ آپ نے فرمایا ”جنت“۔ بس کیا تھا، چلے گئے اور لڑتے لڑتے جان دے دی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”**عمل قلیل و اجر کثیر**“۔ (ابوداؤد) تھوڑا عمل اور بسیار ثواب۔ خیر ہماری اُن سے کیا نسبت۔ وہ تھے بڑے اُن پر بڑے بوجھ ڈال دئے اور ہم ہیں چھوٹے اس لیے چھوٹا بوجھ لاد دیا۔ تو جس نے دین کے لیے اللہ کے راستے میں اپنے پر ایک روپیہ بھی خرچ کر دیا۔ تو اُس کے لیے سات لاکھ کا ثواب ملے گا۔ (ابن ماجہ)

اب تو جس نے مرنا ہے۔ تو وہ موت سے پہلے ارادے کر لیں اور جس کو یقین ہے کہ سو سال تک جیئے گا، مرے گا نہیں تو اُس سے کوئی واسطہ نہیں۔

اور جو یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ جیئنگے تو پھر اپنا نام لکھوا لیں، اور بھائی زندگی

کا اعتبار ہی کیا ہم کو تو نہ پل کی خبر نہ کل کی خبر۔

ایک زمانہ تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اتنی قوت دے رکھی تھی کہ ہم اوروں پر چھاپا مارتے تھے ، اور اب لوگ ہیں کہ ہمارے ایمان پر ڈاکے ڈالتے ہیں ۔ یہاں ایک اجتماع ہو رہا ہے۔ 11، 12 اور 13 کو جو صاحب بھی نام لکھوانا چاہے تو وہ اُٹھ کر لکھ دیں۔ وہ آتا ہے کہ سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ نے ایک دفعہ فرمایا"جب دو مسلمان اللہ کی رضا کے لیے آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو انکے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے خزاں میں پتے، کسی نے کہا: اتنا تھوڑا عمل اور اتنا بڑا ثواب، تو حضرت ابن عباسؓ نے غصہ ہو کر فرمایا: تم تو اسے معمولی سمجھتے ہو، حالانکہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ''۔(سورۃ الانفال۸: ۶۳)

ترجمہ: اگر تم زمین میں جو کچھ ہے خرچ کرتے تو پھر بھی انکے دلوں میں ایسی محبت پیدا نہ کر سکتے۔

تو یہ دلوں کا جوڑ ہے۔ تو جو اس جوڑ کو پیدا کرنے کے لیے وقت لگانا چاہے وہ ارادہ کر کے نام لکھوالے۔ توفیق دینا خدا کا کام ہے۔ تمہارا کام تو سچے دل سے ارادہ کرنا ہے۔ اللہ پورا فرمالے گا۔ وقت گزرتے دیر نہیں لگتی، یعقوب خان کا خط آیا ایک تو کراچی سے ، دوسرا چٹا گانگ سے اور تیسرا فلپائن سے ، تو جو لوگ جانے والے ہیں۔ وہ ڈاکے (مشرقی پاکستان) کے لیے رائے ونڈ کے لیے اپنے اپنے ارادوں کا اظہار کریں۔

بات کافی ہو گئی، اب اگر نتیجہ اچھا نکلا تو بات بات ہو گئی۔ دیکھو! اب ایک دوسرے کو دیکھتے کیا ہو۔ کیا دستر خوان پر ایک دوسرے کو دیکھتے ہو۔ معاف کیجئے میں آپکا نہیں کہتا بلکہ اپنا یہ حال ہے۔ ہاں! تو جو حضرات نام لکھانا چاہیں لکھ لیں، جتنے بھی اوقات دے سکیں۔

معرفتِ الٰہی کا حصول

مجلسی گفتگو در مکانِ خویش (20 اکتوبر 1962ء، بروز ہفتہ، بعد از نماز عصر)

[نوٹ: آج جو حاضری ہوئی، تو مولانا صاحب کو ہزارے کے ایک نوجوان، میڈیکل کے طالب علم، محمد اقبال کی طرف متوجہ پایا، یہ صاحب نئے آئے ہوئے تھے، اور مولانا صاحب ویسے تو سب ساتھیوں کا لحاظ رکھتے ہیں، لیکن نئے حضرات کو خصوصی توجہ دیتے ہیں، چنانچہ آج بات بھی ڈاکٹری کے رُخ پر ہوئی اور ساتھ ساتھ تقاضائے وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کل والی بات کو بھی ضرورت کے مطابق درمیان میں لے آئے، اب کل کیا تھا، جس نے دیکھا تھا اور اب بھی یاد ہے وہ تو رہیں چُپ اور جس نے نہیں دیکھا وہ مجھ سے سنیں۔

جمعے کا مبارک دن تھا، اور ہمارے صدر محترم محمد ایوب خان صاحب اُن سماجی خدمات کے بدلے میں اسناد تقسیم کرنے کے لیے آئے تھے جو کہ پشاور یونیورسٹی کے طالب علموں سے گرمیوں کی چھٹیوں کے دوران کرائی گئیں۔ نیز ایگریکلچر کالج کی اوپننگ سرمنی (Opening Ceremony) بھی تھی، اس تقریب میں ہماری تعلیم کی وزیر محترمہ محمودہ بیگم صاحبہ، اور قانون ساز اسمبلی کی ممبر بیگم زری سرفراز صاحبہ بھی تشریف لا چکیں تھیں، اس کے علاوہ صوبائی گورنر ملک امیر محمد خان، دوسرے بے شمار عہدہ دار، اور عمائدین ملک و شہر تشریف لا کر رونق بزم بنے ہوئے تھے۔

اب کون تھا جس کا جی نہ چاہتا تھا، کہ عمائدین ملک اور مجاہدین قوم کے دیدار سے آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل کرلیں، چنانچہ ہر طبقے کے لوگ مختلف مقاصد کو لیے ہوئے جوق در جوق یونیورسٹی کے پنڈال میں جمع ہونے لگے، ہمارے مولانا صاحب بھی کسی خاص مقصد کے تحت، دورِ حاضر کی ترقی کو ملاحظہ کرنے کے لیے تشریف لا چکے تھے، اور وہی بات تھی

جس کو شاعر نے یوں کہا ہے۔

جناب شیخ وضو کے لیے سہی لیکن
کسی بہانے لبِ جو نکل ہی آتے ہیں

وہ مقصد بھی آپ کے بیان میں آتا ہے۔

عیسائیوں کی ننز(Nuns) بھی سفید لباس پہنے ہوئے، اپنے مذہبی نشان صلیب کو لٹکائے ہوئے کھڑی تھیں اور زبانِ حال سے اس قوم پر مسکراتی تھیں جن کو اپنے مذہبی شعار کے اختیار کرنے سے شرم آتی ہے۔

یہ ذوق و شوق دیکھ کر جنس مخالف سے بھی رہا نہ گیا، برقع اُتارا، چادر کندھوں پر رکھی، زرق برق کپڑے پہنے، میدان میں اُتر آئیں، اب ان پری پیکروں سے مقابلہ کی تاب کس کو تھی، سب نے ہار مان لی، اور پہلی قطار خالی کر دی سوائے ہمارے زراعتی مجاہدین کے جو کہ اپنی جگہ سے نہیں ٹلے، اور جم کر سٹیج کے دائیں جانب مغرب کی طرف بیٹھے رہے، کیونکہ یہ سارے لوگ ان مصنوعی پریوں کے حقیقی دیوپنے سے واقف تھے، وہ غازے کو سرخی سے، پاوڈر کو سفیدی سے غرض بناوٹ کو فطرت سے جدا کرنا جانتے تھے، اور اس واسطے ثابت قدم رہے۔

اب یہ ایک لمبا چوڑا قصہ ہے، کہ لوگوں کا استقبال کس طرح کیا گیا، اسناد کیسے تقسیم ہوئے، اور اس درمیان میں لوگوں کا رویہ کیسے رہا مگر خیر جب مجلس برخاست ہوئی، تو چائے کے لیے کہا گیا، یہ سننا تھا کہ لوگ ایک دوسرے کو روندتے ہوئے میزوں کی طرف چلے، بغیر اس خیال کہ یہ اُن کی جگہ ہے بھی یا نہیں، بسکٹ کو ھپ ھپ کھانے لگے اور چند ہی سیکنڈ میں صفایا کر لیا، اور چائے کی جوگت بنائی اُس کا تو کچھ کہو ہی نہیں، مجھ جیسوں نے کئی پیالیاں نوش فرمائیں، اور بعض جو خوب بھر گئے تو کھانڈ کی پُڑیاں جیب میں ڈال دیں اور ایک صاحب کو خود میں نے

چھپے چُراتے ہوئے دیکھا، اور یہ کام غیر مہذب، غیر تعلیم یافتہ لوگوں نے نہیں کیا، بلکہ ہماری نئ روشنی کے تعلیم یافتہ، مہذب (Civilized) حضرات سے ہوا۔

سچ فرماتے ہیں مولانا صاحب معیار زندگی کا،،،، ایسا بلند ہونا ہمارے دلوں کے لیے ناسور ہے، اور میں تو کہوں کہ سوسائٹی کے لیے بھی۔] (محمد سراج سواتی)

مقصد کا تعین اور اُس کی طرف چلنا:

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ارادہ بعد کی چیز ہے اور پہلے انسان مقصد کو متعین کر لیتا ہے اور مقاصد کا متعین کرنا ذوق پر منحصر ہوتا ہے جیسے کہ ایک جگہ تک پہنچنے کے لیے انسان کو مسافت طے کرنی پڑتی ہے اور اس مسافت کو طے کرنے کے لیے سب سے بڑی چیز انسان کے اندر طلب ہوتی ہے طلب نہ ہو تو مسافت طے نہ ہو۔ تو جس طرح دنیا کی کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلے مقصد ہوتا ہے اُس کو متعین کرنے کے بعد مسافت ہے اور پھر مسافت کے لیے طلب جتنی سخت ہو اُس قدر تیز مسافت ہو گی۔ یہی حال ہے سلوک الی اللہ کا۔ ہم یہاں میاں کے ڈھونڈنے کے لیے آئے۔ یہی مقصد متعین نہیں کیا تو نشانہ مس ہو جاتا ہے۔ آپ نے شکاریوں کو دیکھا ہو گا کہ جو بھی ٹارگیٹ ہے اگر اُس سے ذرا بھی فرق ہو گیا تو نشانہ نہیں لگتا۔ تو اسی طرح تعین مقصد میں رب کو مقصد بنانا ہے۔ اور اس طرح مقصد بنانا ہے کہ ذرا بھی نہ چھوٹے۔ جیسے کہ کیمرہ مین (Camera Man) کیمرہ کو فوکس (Focus) کر لیتے ہیں اسی طرح ہماری نظریں اللہ کی ذات پر جم جائیں۔ اب تعین رب میں اگر ہم نے مقصد کو ذرا بھی اِدھر اُدھر کیا تو فرق آجاتا ہے۔ مثلاً ہمارے اقبال صاحب ہیں کہ صرف ڈاکٹری پڑھتے ہیں اب اگر ایم بی بی ایس کے ساتھ ایل ایل بی کا بھی خیال آیا۔ اور پھر اس کے لیے بھی محنت شروع کی تو کیا ہو گا؟ ایزجی (Energy) ڈیوائیڈ (تقسیم) ہو جائے گی اور اب اس کو اس قدر کامیابی نہ ہو گی جس قدر کہ پہلی صورت میں ہو سکتی ہے۔ اس وجہ

سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:"اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔(الانعام٦: ٧٩)یعنی میرا مقصود رب کی طلب ہے اور اس مقصد میں کسی دوسرے کو شریک کرنے والا نہیں۔

جب مقصد متعین ہوگیا تو اس کے بعد مسافت کا نمبر آتا ہے۔ تو اب اگر ہم اپنے خیالات کو اس طرح کرلیں کہ کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہوں تو یہ مرحلہ بھی طے ہوجاتا ہے۔ آپ کہیں گے کہ یہ کیسے ہو، یہ تو ہم کو جنگل میں بٹھانا چاہتا ہے۔ آگے جاکر میں اس کی تشریح کروں گا۔

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کے لیے میں خدا چاہتا ہوں

یعنی رب کی طلب بھی اپنی خواہش نفس کے لیے نہیں چاہتا بلکہ اس لیے چاہتا ہوں کہ خدا کہتا ہے کہ مجھے چاہو تو چاہتا ہوں۔

اب اس مقصد میں ارتکاز جتنا ہوگا مقصد صاف اور شفاف ہوگا۔ اب مقصد تو متعین ہوگیا۔ لیکن جس طرح آپ ہزارے سے یہاں آئے اس طرح مسافت ہوگی اور اس مسافت کو صوفیاء کے الفاظ میں سلوک الی اللہ کہتے ہیں۔ اب آپ نے مقصود تو بنالیا کہ میں یونیورسٹی جانا چاہتا ہوں لیکن قدم اٹھانا تو کیا جگہ سے اُٹھنا بھی نہیں چاہتا۔ تو کیا یونیورسٹی پہنچ جاؤ گے۔ اور اگر مجھے ایسی طلب ہو کہ بھاگنا شروع کروں، تو جلد پہنچ جاؤں اور یہ نہیں تو دھیرے دھیرے چلوں پھر بھی پہنچ جاؤں لیکن قدم اُٹھانا ضرور پڑے گا۔

رب قریب بھی ہے اور دور بھی۔ قریب اپنی ذات سے اور دور ہماری نگاہ سے۔ وہ ذوقؔ نے ایک مقام پر کہا ہے۔

تجھ سے دیکھا کُل جہاں، پر تو نظر سے ہے نہاں
تو رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

بہر حال رب اتنا دور نہیں کہ آپکو ماونٹ ایورسٹ (Mount Everest) پر چڑھنا پڑے۔ رب کی ذات انتہائی قریب ہے لیکن انتہائی قرب کی وجہ سے ہم اُس کی طرف توجہ نہیں کرتے اب اُس کی طرف توجہ کیسے ہو، رب تک پہنچا کیسے جائے؟ جس طرح دائرے کے ایک نقطے سے ابتداء بھی ہوتی ہے اور اُس پر انتہا بھی ہوتی ہے۔ تو اس طرح اُن اعمال کو اختیار کیا جائے۔ جو رب نے بتائے۔ تو اس عالم میں رب نے دو چیزیں بتائیں زیادہ نہیں بتائیں یعنی کچھ اعمال کو اختیار کرلو اور کچھ کو چھوڑ دو۔

دیکھو! بھائی اس دنیا میں انسان کی بہت سی خواہشیں ہوتی ہیں اور ہر خواہش کے پورا کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن کیا تمام خواہشیں پوری ہوتی ہیں۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

دُنیا اور خواہشات:

یہ میں اہل اللہ کا نہیں کہہ رہا ہوں۔ اپنے جیسوں کا کہہ رہا ہوں۔ مرنے والے سے کوئی پوچھے "کہ کیا تمہاری تمام خواہشیں پوری ہو گئیں" تو وہ کہے گا "پوری کہاں ہو گئیں۔ ذرا بیٹوں، پڑپوتوں اور اس کے بعد پڑپوتوں کے پوتوں کی شادی تو دیکھ لوں" غرض یہ خواہشیں یہاں پوری ہونے کی نہیں کیونکہ دنیا خواہشات کے پورہ ہونے کا محل ہی نہیں۔

تو جس طرح تم اور بیماریوں سے بچنے اور صحت کے برقرار رکھنے کا انجکشن لگاتے ہو۔ اسی طرح رب کے تعلق کے لیے رب کی چاہت کا انجکشن لگالو۔ تاکہ تمہاری رگ وپے میں رب کی محبت بھر جائے۔

ھویٰ کو ھدیٰ سے بدلنا:

انسان کی خواہشات کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (ا) یا تو ہماری خواہش پوری ہو گی

(۲) یارب کی۔ اور یہ بات میں ایک مسلمان کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں۔ تو اب کیوں نہ رب کی خواہش کو اپنی خواہش بنالیں۔ کہ تمام خواہشیں پوری ہو جائیں۔ تو اس کو کہتے ہیں "ترکِ ھویٰ" اور ھویٰ کہتے ہیں خواہشاتِ نفسانی کو۔ تو قرآن چاہتا ہے کہ تمہاری ھویٰ ھدیٰ سے بدل جائے۔ اب میرا یہ کپڑا ہے، میں اس کو سبز رنگ دیتا ہوں تو رنگ دینے کے بعد بھی آپ اس کو سبز کپڑا کہیں گے۔ کپڑا بدل نہیں جائے گا لیکن نام میں فرق ضرور آئے گا۔ اسی طرح رب نہیں چاہتے۔ کہ تمہاری خواہشیں بالکل نہ رہیں۔ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری خواہشیں مسلمان ہو جائیں۔

تو اب ایک مثبت پہلو ہوتا ہے اور ایک منفی پہلو۔ خلاصہ یہ ہوا کہ رب تک پہنچنے کے لیے احکام پر چلنا ہوتا ہے، کچھ کو لینا ہوتا ہے اور کچھ کو چھوڑنا ہوتا ہے۔ گویا اُس گاڑی کے دو پہیے ہیں جو کہ رب کی رضا والے سٹیشن تک جاتی ہے اور یہ سب بات میں نے اس پر کہی: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ (النازعات:۷۹، ۴۰،۴۱) کہ جس شخص کو یہ دھڑکا رہا کہ میاں سے ملنا ہے، رب سے دوچار ہونا ہے، آنکھیں ملنی ہیں، تو اس کی وجہ سے اُس نے کیا کیا، اپنی چاہت کو یعنی چاہت نفس کو روک لیا، چاہت نفس پر نہیں چلا، تو کیا ہوگا، "اُس کا ٹھکانہ جنت ہوگا"۔

اب جنت کیا ہے؟ جنت کہتے ہیں، اللہ میاں کے ملنے کی جگہ کو، جہاں میاں بھی ملیں گے اور اپنی نعمتیں بھی بانٹیں گے۔ ہمارے حضرت کہتے تھے۔ کہ نفس کو مارنا نہیں، بلکہ دبانا ہے۔ جتنا بھی خواہشاتِ نفسانی کو کم کروگے، نفس کو دباؤ گے اُتنی ہی ترقی ہوگی۔ جیسے کہ ایک ڈرائیور ہے۔ موٹر میں بیٹھتا ہے، اُس کے پاؤں کے نیچے ایک لوہا ہوتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں ایکسلیٹر (Acceletor)۔ جس قدر اس کو دباتا ہے گاڑی اپنی استعداد کے بقدر تیز ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہمارا نفس ہے جس قدر اسکو دباؤ گے اس قدر اچھا ہوگا۔ اور جس طرح کہ ڈرائیور کے

ہاتھ میں پہیے کی طرح ایک گول سا دائرہ ہوتا ہے، اس کو سٹیرنگ کہتے ہیں، اس کو اِدھر اُدھر کرتے ہیں تاکہ کہیں ٹکر نہ لگ جائے، کھڈ میں نہ گرے۔ اسی طرح نفس کو دبا کر سرپٹ دوڑاؤ اور ساتھ ساتھ شریعت مطہرہ کا سٹیرنگ لیکر اِدھر اُدھر کرتے رہو تاکہ منکرات میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ ایک مثال سمجھو کہ آپ کو کہیں جانا ہے اور ایک شریر گھوڑے پر سوار ہیں، اور لگام ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں۔ تو گھوڑا کتنا بھی شرارت کرے لیکن آپ گرنے نہ پائیں گے لیکن اگر گھوڑے کی لگام نہ ہو۔ تو وہ آپ کو پٹخ دے گا۔ تو اب اگر آپ یہ خیال کریں، کہ یہ تو شرارت سے باز نہیں آتا سرے سے قتل ہی کریں، ایسا کیا تو چلو گے کیسے؟ یہ تو وہ بات ہوئی نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ تو اس طرح اسلام نفس کُشی نہیں بتاتا بلکہ نفس کَشی بتاتا ہے۔

رب کو اپنی خواہشات کا مرکز بنالو۔ دیکھو! بھئی ہوا یہاں محسوس ہوتی ہے؟ نہیں۔ اب ذرا پنکھا چلاؤ، تو سردی محسوس ہونے لگے۔ کیا یہ پنکھا ہوا کو پیدا کر دیتا ہے۔ عدم سے وجود میں لاتا ہے نہیں لاتا بلکہ متحرک کر دیتا ہے تاکہ محسوس ہو۔ اسی طرح اپنے مقصد کو، اپنی اُمنگ کو رب کے ساتھ ایسا لگالو کہ ہر وقت وہ ہی وہ محسوس ہو، جیسے کہ کوئی بھوکا ہو، اور بھوک ایسی لگے کہ انتڑیاں قل ھو اللہ کہنی لگیں، وہ کہے کہ میں بھوکا ہوں اور آپ لے لیں سٹیتھو کسوپ کہ واقعی قل ھو اللہ پڑھتی ہیں یا نہیں۔ اُس کا تو حال ہو اور آپ اُن کو دلیلوں سے سمجھائیں کہ تو بھوکا نہیں تو وہ کہے گا "کیا تو میرے پیٹ میں گھُسا ہوا ہے" بس یہی کرلو کہ قال حال بن جائے۔

دست بکار دِل بہ یار:

یا یوں سمجھ لو کہ ایک شخص ہے وہ آتا ہے ایک کمرے میں، اُس میں ایک دروازہ ہے اور ایک ہے کھڑکی، کوئی دروازہ سے آتا ہے اور کوئی کھڑکی سے۔ اور اس صاحب کو تو دروازے کا پتہ ہے لیکن کھڑکی کو دیکھا نہیں۔ تو اب اگر کوئی شخص کہے کہ کھڑکی سے بھی

دیکھا جاسکتا ہے۔ تو یہ حضرت کہے بتا تو سہی یہاں کھڑکی ہے کہاں؟ اسی طرح انسان کے اندر بھی ایک کھڑکی ہے اور یہ کھڑکی انسان کا دل ہے۔ لیکن ہم نے اس کو بالکل بھلایا ہے اور گوشت کا ایک لوتھڑا سمجھ رکھا ہے۔ یہ پتہ ہی نہیں کہ یہ موجود بھی ہے یا غائب ہے۔ ہم اپنے طالب علموں کو جب پڑھاتے ہیں تو چہرے کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ اس کا دل یہاں موجود نہیں، تو ظاہراً موجود ہے اسی طرح تمہاری بھی بہت سی باتیں ایسی ہوں گی، کہ آپ تو سمجھ جائیں اور دوسرے کو پتہ بھی نہ لگے کہ کیا کہا۔ اسی طرح انسان ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مصروف تو کام میں ہوں اور نگاہ کہیں اور ہوتی ہے۔ آپ نے پہاڑوں میں گھڑے لینے والی عورتوں کو دیکھا ہو گا، جو کہ پانی بھرتی ہیں، دو تین گھڑے ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے ہوتی ہیں اور ایسی باتیں کرتی ہیں کہ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُنہیں خبر بھی نہیں۔ لیکن حقیقت میں توجہ گھڑے کی طرف ہوتی ہے اب ذرا اگر توجہ کو ہٹالیں تو تمام کے تمام گھڑے زمین پر آجائیں مطلب یہ ہوا کہ بعض انسان ایسے بھی ہوتے جو کہ کام تو ایک کرے اور توجہ دوسری طرف ہوتی ہے۔ یہی حال اہل اللہ کا ہوتا ہے۔ چاہے ظاہری طور پر وہ دنیا میں ڈوبے ہوئے ہوں لیکن مال کی محبت اُن کے دلوں میں راہ نہیں پاتی۔ وہ دنیا میں مشغول ہوتے ہیں لیکن یہ مشغولیت اس لیے نہیں کہ نفسانی خواہشات کو پورا کرلیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے۔ وہ اس کو آڑ تو سمجھتے ہیں لیکن محبوب کا حکم ہوتا ہے مانتے ہیں جیسے کہ ایک انسان اس بات کو چاہتا ہے کہ اُس کے معشوق کی بات پوری ہو اور چاہے اس پورا ہونے میں اس کو تکلیف کیوں نہ ہو وہ کسی نے کہا ہے۔

میل من سوئے وصال و میل اوسوئے فراق
ترکِ کارِ خود گرفتم تا براید کام دوست

(میری چاہت وصال کی طرف اور میرا معشوق مجھ سے دُوری چاہتا ہے تو میں نے

اپنی مرضی دوست کی خوشی پر چھوڑی یعنی میں اس کی مرضی کا تابع بنا۔)

تو اب اسلام لانا، مؤمن بننا صرف الفاظ نہیں ہیں بلکہ یہ اس حقیقت کا اقرار ہے کہ اپنی من چاہی زندگی کو چھوڑ کر رب چاہی زندگی گزاریں گے۔ تو جس طرح میں نے شروع میں بات کہی تھی کہ طلب پیدا ہو جائے تو تب کام کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب محبت ایک ایسی چیز ہے جو کہ برابر بڑھتی رہتی ہے۔ کم نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ رب کی محبت کی پُڑیا کھالو تو تمام کام سہل ہو جائیں۔ وہ غالب کہتا ہے۔

عشق پر جور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

تو اب میاں نے طریقہ بھی بتایا۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ اور جو لوگ ایمان لا چکے وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اور ایک جگہ پر فرمایا: سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ (مریم: ۹۶،۹) بہت جلد اللہ تعالیٰ اُن کی محبت کو اور بڑھائے گا۔ اور ایک جگہ پر یوں فرمایا: ”قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ“ اگر اللہ کی محبت کا دعویٰ ہے اُس کے محبوب کے طریقوں کو اختیار کر دو تو اللہ محبت کرنے لگے۔ محبوبین کے طریقوں کو اختیار کرو تو محبوب بن جاؤ گے۔ اور سید المحبوبین کے طریقے اپناؤ تو کیا بنو گے۔ تو سید المحبوبین کون ہیں۔ حضور ﷺ تھے۔ آگ کے ساتھ بیٹھو تو تپش محسوس کرو گے حضور ﷺ والے اعمال اپناؤ گے تو حضور والے نُور سے فیض پہنچے گا۔ حضور ﷺ کا فیض جو ہے وہ بند نہیں بلکہ جیسے کہ دیئے سے دیا روشن ہوتا ہے ایسے دل سے دل روشن ہوتے ہیں۔ جیسے ملاکنڈ کی بجلی یہاں آتی ہے اسی طرح حضور ﷺ والا نُور سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہتا ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ اب حضور ﷺ والے اعمال اختیار کرو تو نُورِ نبوی سے حصہ ملے گا رب سے محبت پیدا ہو جائے گی، اور رب کو تھوڑا تھوڑا یاد کرو، کیونکہ یاد سے محبت بڑھتی ہے۔

اب جب تمہاری محبت پیدا ہو جائے تو اوروں کے دل میں بھی اللہ کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اس کو کہتے ہیں تبلیغ۔ تبلیغ صرف تقریروں کا نام نہیں۔ بلکہ اللہ کے دین کے لیے کام کرنے کو تبلیغ کہتے ہیں۔ دیکھو! دنیا اور اس کے جملہ طریقے فانی ہیں سوائے رب والے طریقے کے کہ وہ باقی ہے۔ فانی پر محنت کرو گے تو فنا ہو جاؤ گے اور اگر اُس طریقے پر جو کہ باقی ہے پر محنت کریں گے تو رب کا دیدار بھی حاصل ہو جائے گا اور چین بھی حاصل ہو گا۔

جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا
لگا کے برف میں ساقی صراحی مے لا

معیارِ زندگی کا تماشا:

اور معیار زندگی بھی بلند ہو گا۔ کل آپ نے دیکھا تھا کہ معیار زندگی کیسا بلند ہو چکا تھا، کہ دیدار عام میسر ہوتا ہے۔ یہ معیار زندگی کا بلند ہونا نہیں، بلکہ دلوں کے لیے ناسور ہیں۔ اب اس ناسور پر مرہم ایسا لگالو کہ اے خدا ہم تو تیرے طریقے پر کام کریں گے۔ اب اللہ میاں کا طریقہ اتنا وسیع میدان ہے کہ ڈاکٹر بھی خدا کو لے سکتا ہے۔ انجینئر بھی لے سکتا ہے، اُستاد بھی لے سکتا ہے۔ بلکہ جو بھی خدا کے لیے حضور ﷺ کے طریقے پر محنت کرے گا، وہ حاصل کر سکتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص شادی کرے دنیا کا کام ہے، لیکن رب کی فرمانبرداری کی خاطر کر لو تو تب عبادت بن جائے گی، اس طرح کھانا بھی عبادت بن جاتا ہے اور عبادات تو ہیں ہی عبادت۔

اخلاصِ عمل اور عطائے رب:

تو جیسے میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ شکاری کا ہاتھ ذرا اِدھر اُدھر ہو جائے تو گولی نشانہ پر نہیں بیٹھتی لیکن یہی شکاری اگر لیٹ کر شکار کرے، بیٹھ کر شکار کرے لیکن ہاتھ

نشانہ سے ہٹا ہوا نہ ہو، تو ٹارگیٹ مس نہیں ہوتا۔ تو اب رب کو پہنچانے والی بندوق حضور ﷺ کا طریقہ ہے اس پر چلنے کی کوشش کرو۔ تو رفتہ رفتہ رب تک پہنچو گے۔ وہ آپ کی انگریزی والی بات ہے۔ "Rome was not built in a day" روم ایک دن میں نہیں بنا۔ بچہ بھی ایک دن میں باپ نہیں بن سکتا بلکہ بہت سے مراحل میں سے گزرنا پڑتا ہے اب اگر پیدا ہوتے ہی وہ یہ کہنے لگے کہ میں باپ بن جاؤں تو کیسے بن جائے۔ جس طرح دنیا میں یہ قانون چلتا ہے تو دین میں بھی یہ قانون ہے۔ لیکن رب ہیں نہایت شفیق وہ تم کو زیادہ چلنے نہیں دیں گے ۔ جیسے ایک بچہ ہوتا ہے ، وہ چل نہیں سکتا، اب اماں اُس کو بلاتی ہے ، وہ آتا ہے اور گرجانے کو ہوتا ہے کہ اماں جھپٹ کر اُس کو اپنی گود میں لے لیتی ہے۔ اس طرح رب گو گود سے پاک ہے لیکن جو بھی اُس کی طرف خلوص نیت سے حضور ﷺ والے طریقے سے جائے تو وہ اُس کو یوں پیار کرے کہ کبھی خیال میں بھی نہ آئے۔ رب تو صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپ کے اندر اخلاص کتنا ہے۔ ماچس تو آپ نے دیکھا ہوگا، کہ مسالہ تو موجود ہوتا ہے، آگ لینے کی صلاحیت ہوتی ہے لیکن کبھی ایسے کرو، اور کبھی ویسے کرو تب جل اُٹھتا ہے، اسی طرح رگڑا رگڑی سے دِل جل اُٹھتا ہے۔

ہدایت اور ضلالت کے مظاہر

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (21 اکتوبر 1962ء، بعد از نماز عصر)

[نوٹ: آج عصر کے وقت جو مولانا صاحب کے ہاں گیا، تھوڑی دیر ٹھہرا اور پھر اندر جانے کی اجازت مل گئی اور مولانا صاحب کبھی بھی انکار نہیں کرتے، لیکن بیماری کے دوران میں جب تکلیف بڑھنے لگی، تو ساتھیوں کے مشورہ سے یہ طے ہوا، کہ بعد از نماز عصر تا مغرب لوگوں کی ملاقات کے لیے مخصوص کیا جائے، اور اس غرض سے ایک بورڈ بھی لگایا گیا، جو تا ہنوز موجود ہے، بورڈ تو موجود ہے لیکن اس پر عمل درآمد بہت کم کیا جاتا ہے، یونیورسٹی اور کالج کے طلباء تو اس کے خلاف کرنے سے مجبور ہیں، کیونکہ پڑھائی ہوتی ہے اور کلاسز مس ہونے کی جرأت نہیں کرسکتے، ورنہ یہ بھی بتائے کہ قانون کو کیسے توڑا جاتا ہے، لیکن شہر کے حضرات اور زیادہ تر تبلیغی دوست اور باقی لوگوں نے تو اس قانون کا خوب کچومر نکالا کہ جب بھی فرصت ملی آئے، اور جم کر بیٹھ گئے، اور اناب شناب کی باتیں سنانے لگے، سناتے رہے، سناتے رہے اور جب اُٹھنے کو جی چاہا، جھٹ گھڑی دیکھ لی، اور بجائے اس کے کہ کچھ معذرت کرے کہا، اُف فوہ! یہ تو مجھے دیر ہوگئی بس ملے گی یا نہیں، یہ کہا اس وقت تو مجھے فلان سے ملنا ہے فلاں کام ہے اور چلے گئے۔ اب اگر مولانا صاحب چاہیں کہ پانچ منٹ ٹھہر جائیں۔ تو بات کو تو مان لیتے ہیں لیکن بعد میں کہتے ہیں عجیب آدمی ہے کسی کو پھر چھوڑتا نہیں۔ خیر میں گیا، نماز پڑھائی اور پھر محمد یوسف صاحب (ہیڈ ماسٹر مڈل سکول) محمد پذیر تھرڈ ایئر زراعت اور عبد اللہ صاحب سیکنڈ ایئر نان میڈیکل آئے آخر الذکر خاموش طبیعت کے آدمی ہیں، سادہ لباس پہنتے ہیں، مولانا صاحب نے سائیں کا خطاب دیا تھا، لیکن اب زیادہ تر اپنا نام بولتے ہیں، بات شروع ہوئی اور جو کچھ ہوئی وہ آئندہ اوراق میں حاضر ہے۔] (محمد سراج سواتی)

اگر حقیقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو جیسے انبیاء علیہم السلام ہدایت کا مظہر ہوتے ہیں، اسی طرح مخالفین صفت اضلال کا مظہر ہیں، اور سب سے بڑا مظہر اضلال شیطان ہے، اور جس طرح انبیاء علیہم السلام ہدایت کا آلہ بنتے ہیں اسی طرح ان کے مخالفین شیطان کا آلہ بنتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ''**فاذا مرضت فھو یشفین**'' (الشعراء:۲۶،۸۰) جب بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہ ہی شفا دیتے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ اعمال طبیعہ بھی وہ اپنی ذات سے فرما رہے ہیں تو جب اعمال تکوینی اور طبیعی اس کے ہاتھ میں ہیں تو اعمال تشریعی کیوں رب کے ہاتھ میں نہ ہوئے؟ انبیاء علیہم السلام کا موضوع ہی ہدایت و شریعت ہے، اب جب موضوع ہی شریعت و ہدایت ہے تو اس لحاظ سے نبی ﷺ نے فرمایا" حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کرو، بلکہ حلال و حرام کرنے والی ذات اللہ کی ہے، اس کی طرف کرو، تاہم نبی ﷺ شارع ہیں اس لحاظ سے کہ شارعِ حقیقی کا مظہر حقیقی ہیں۔

یہ کس میکدہ سے اُٹھی موج مے ہے
چلی آرہی ہے جو فیضان ہوکر

جیسے انبیاء علیہم السلام کی ذاتیں منشائے ربانی ہوتی ہیں اور انکی ذاتوں سے مرضیاتِ حق کا کلّی طور پر پتہ چل جاتا ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے مقابل میں جن شخصیتوں کو کھڑا کیا جاتا ہے منشائے شیطانی کے پورے مظہر ہوتے ہیں اس لیے ہر نبی کا فرعون یا مخالف نبی کی نسبت کے ساتھ گمراہی میں اتنا ہی قوی ہوتا ہے، جتنا نبی ہدایت میں قوی ہوتا ہے امت محمدیہ ﷺ کے فراعنہ ابو جہل، ابو لہب، ابی بن خلف، کسی طور پر فراعنہ موسیٰ علیہ السلام فرعون، ہامان اور قارون سے کم نہیں۔ اگر نبی کی قوت ہدایت کے مقابلے میں مخالفین کی قوت ضلالت کم ہو تو نبی کے کمال کا اظہار کم ہو گا۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ ہر نبی کے کمالات

کو زیادہ چمکانے کے لیے ان کے مخالفین کو زیادہ طاقتیں دیتے ہیں تاکہ ہمارا محبوب ان مغضوبوں کے سامنے آئے اور پھر کامیاب ہو کر دنیا والے دیکھیں کہ ہمارے محبوب کیسے کامیاب ہوتے ہیں۔

پہلے انبیاء علیہم السلام کا زمانہ ان کے ہی دور تک یا آگے چل کر محدود ہوتا تھا لیکن ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا زمانہ قیامت تک کا ہے، اس لیے اس دور میں شیطان ہر صدی میں اور قرن میں بلکہ یوں کہئے کہ ہر سال میں نئے نئے روپ بدل کر آئے گا اور جہاں تک بھی اس سے ہو سکا اپنے جملہ کمالات اور قوت کو اپنے متعلقین کے واسطے سے ظاہر کیا، گویا سیدنا محمد ﷺ کے اعلان نبوت سے لیکر قیام ساعت تک جتنے بھی فراعنہ دجّال متنبیّن یا ائمہ الکفر والدجل پیدا ہوں گے یہ سب شیطان کی قوت ضلالت کا مظہر ہوں گے، ظاہر میں انسان ہوں گے اور حقیقت میں شیطان ہوں گے اور رب کی قوتِ اضلال کا کامل مظہر ہوں گے، اس بنا پر ہمیں شیطان کے نت نئے رویوں سے چاہے وہ تہذیب کے رنگ میں ہوں، چاہے تمدّن کے رنگ میں ہوں، چاہے وطنیت کے رنگ میں ہوں، جو بھی نظریات ہوں ان سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ کیونکہ اگرچہ نبی نے پردہ فرمالیا لیکن حضور ﷺ کی دعوت اور حضور ﷺ کا طریق زندگی اپنی پوری قوت فیوض و برکات کے ساتھ قیامت تک کے زمانے کے لیے باقی رہے گا۔ یہ علیٰحدہ بات ہے کہ کاملین کا گروہ مقدار میں کم ہو جائے لیکن ان شیطانی لشکروں کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہوں گے جیسے حدیث میں لا تزال طائفة من اُمتی علی الحق ظاھرین لا یضرّ ھم من خذلھم حتی یأتی امر اللہ۔(الترمذی) تو جیسے عصر سعادت یا خیر القرون میں دعوت اور اُسوہ نبویہ ﷺ اور اسوہ صحابہ نے کفر کو ملیامیٹ کر دیا تھا اس طرح جس قدر اسوہ نبوت اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ ظہور میں آئے گی تو شیطانی طاقت نیست و نابود ہو گی۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور انسانی حاجات

تبلیغی مرکز مسجد گنج علی خان (25 اکتوبر 1962ء، شب جمعہ)

انسان کی دو قسم کی ضروریات

میرے عزیز دوستو اور بزرگو! انسان کو اللہ رب العزت نے پیدا فرمایا اور اس کی تمام ضروریات اور حاجتوں کی کفالت کا وعدہ فرمایا، حاجتیں انسان کی صرف وہی حاجتیں نہیں جن کو انسان اپنے محدود علم، کمزور نظر اور معمولی تجربے کی بنا پر سمجھتا ہے، ان کی تقسیم اگر کی جائے تو دو قسم کی ہیں:

ا۔ جسم کے ساتھ تعلق رکھنے والی اور ۲۔ روح کے ساتھ تعلق رکھنے والی

دیکھو! ہم اس عالم میں آنے سے پہلے ماں کے پیٹ میں تقریباً نوماہ رہے، پہلے حیثیت ایک قطرہ آب کی تھی، اس کے بعد ہم خون بنے، گوشت بنے اور پھر بعد میں پورے ہوئے، اب جو پیدا ہوئے، تو زیادہ سے زیادہ یہ زندگی سو ڈیڑھ سو سال میں ختم ہو جاتی ہے، ہم اگر اس زندگی کا اندازہ لگائیں تو بہت معمولی ہے جس وقت اللہ چاہیں، تو اس جسم کو ایسے ختم کرینگے، کہ لوگوں کو معلوم بھی نہ ہو گا، کہ یہ کس کا جسم ہے، وہ قصہ ہے کہ ایک دفعہ بہلول دانا آئے، اور دو کھوپڑیوں کو اپنے ساتھ لیکر ایک مقام پر بیٹھ گئے، ہارون الرشید کا وہاں سے گزر ہوا، اولیاء اللہ کا ڈھنگ بھی کچھ عجیب قسم کا ہوتا ہے، وہ اپنے فن کے ماہر ہوتے ہیں، اور اس کی ماہیت کو سمجھتے ہیں اب ہارون الرشید نے جو دیکھا تو آیا اور پوچھا کہ "ان کھوپڑیوں سے تو کیا کرتا ہے"۔ تو فرمایا "کہ تیرا باپ اس سلطنت کا مالک تھا، جس کے متعلق تم نے ایک دن کہا کہ اے بادل جا اور جہاں بھی چاہے برس جا، تیرا خراج میرے خزانے میں آئے گا" اور میرا باپ ایک غریب شخص تھا، تو میں یہ کوشش کر رہا ہوں، کہ تیرے باپ کی کھوپڑی کونسی ہے، اور میرے باپ

کی کونسی، نہ تو ان میں چہرہ نظر آتا ہے نہ ناک اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ انسان کی کھوپڑی ہے یا کسی اور جاندار کی۔ اب دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انسان کی دو قسم کی ضروریات ہوتی ہیں۔

۱۔ جسمانی اور ۲۔ روحانی

جسم روح کا باہمی تعلق

اور پھر ان دونوں کی حدیں ہیں، جن سے اگر یہ آگے بڑھ جائیں، تو نقصان ہو گا، مثلاً ایک انسان ہے، ایک لقمہ زیادہ کھالے، دو زیادہ کھالے تین زیادہ کھالے، چار زیادہ کھالے آخر ایک لقمہ ایسا بھی آئے گا جس کو اگر کھالے تو پہلوں کو بھی نکالنا پڑے، یہی حال پانی کا ہے ایک گھونٹ زیادہ پی لیا، دو زیادہ پی لیے اور پھر پینا مشکل، اب کپڑوں کو دیکھو! تو گرمی میں کتنے کپڑوں کو ایک انسان پہن سکتا ہے، اسی طرح بیوی ہے، کتنی بیویوں کے ساتھ تعلق رکھ سکتے ہو، ایک بیوی کے ساتھ بھی روزانہ تعلق کرو تو دیکھا جائے گا، اسی طرح انسان کی تمام جسمانی ضروریات کو لے لو تو ان کی جو حدیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھی ہیں، ان سے بڑھو گے تو پتہ چلے گا، تو فرمایا کہ ''خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا''(سورۃ النساء: ۴،۲۸)(اور انسان کمزور پیدا ہوا ہے۔) آدم علیہ السلام آئے اور ہم آئے، ہماری روحیں پیدا ہوئیں، ان میں قوت حس پیدا کی گئی، اگر عالم ارواح میں ہماری روحوں کو یہ احساس نہ ہوتا، تو کیسے جواب دیتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کیا میں تمہارا پالنہار نہیں ہوں؟ تو کہا ''قَالُوْا بَلٰى'' ہاں کیوں نہیں، اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جن جن کی روحیں عالم ارواح میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتی تھیں، تو اس دنیا میں بھی ان کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، اور جن کے درمیان وہاں نفرت تھی تو یہاں بھی متنفر ہوں گی، اب جو جسم کو پیدا کیا، تو روح کو اس کا فرمانروا مقرر کیا، روح نہ ہو تو جسم کو کپڑے میں لپیٹ کر مٹی کے ایک گڑھے میں دفن کرے، اسی طرح عالم

برزخ میں روح کا عنصر غالب ہو گا، اب اس کے بعد جب قیامت کی زندگی شروع ہو گی، اس میں اللہ تعالیٰ روحوں کو جسموں کے ساتھ اکھٹا کرے گا، لیکن روحوں کا عنصر غالب ہو گا، اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جن پر حقیقتوں کو کھولا نہیں، تو وہ جسم والی زندگی بسر کرتے ہیں، لیکن جن پر حقیقتوں کو کھولا تو ان پر روح والی زندگی غالب ہو گی اس عالم میں اللہ تعالیٰ نے جسم کو ظاہر کر کے روح کو مخفی رکھا اور وہاں روح کا غلبہ جسم پر ہو گا جس طرح ماں کے پیٹ سے کوئی شخص جیسے آتا ہے، اسی طرح رہتا ہے، اسی طرح جس شخص نے اپنی روحانیت کے خاکے کو وجود نہیں بخشا تو وہ زندہ ہوں گے لیکن مردوں کے حکم میں ہونگے، ''ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰ'' یہ عالم ہے انسان کا تعلق جوڑنے کا اللہ تعالیٰ سے جس کے تعلق سے انسان، انسان بن جائے اور جس کے تعلق سے انسان ذاتِ الٰہی سے استفادہ کرنے والا بن جائے، تو میں نے یہ عرض کیا تھا کہ انسان کی دو قسم کی ضرورتیں ہوتی ہیں۔(۱) جسم والی (۲) روح والی۔

آج کل ڈاکٹر کہتے ہیں زیادہ چربی والی چیزیں نہ کھایا کرو، چربی رگوں میں جم جائے گی، جو کہ دوران خون میں مداخلت کرتی ہے، حرکت قلب بند ہو گی (Heart failure) اور ہرٹ فیل ہو گا۔ اسی طرح حضور ﷺ نے جس طرح ان اسرار کو ہمارے سامنے کھولا، اسی طرح وہ نقشے بھی سمجھائے جن کو انسان دیکھ کر اس میں الجھ جاتا ہے، جہاں ذہن کام نہیں کرتا اور جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے وہاں سے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات (وحی) شروع ہوتی ہے۔ ہمارے رب نے ہمارے لیے کسی چیز کی کمی باقی نہیں رکھی ''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا''۔(ھود: ۱۱،۶) (اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمے نہ لے رکھا ہو۔)

بعثت انبیاء علیہم السلام اور روحانی ضروریات

رب نے جس کو وجود بخشا تو وہ اس کو رزق بھی دے گا، جیسے موت انسان کو تلاش

کرتی ہے، اسی طرح رزق بھی انسان کی تلاش میں ہوتا ہے، سب ہوتا ہے اللہ میاں سے، میاں ہی دیتے ہیں، اور میاں ہی لیتے ہیں، تو میں عرض کرتا ہوں کہ جس طرح ہمارے رب نے اس دنیا کو نہایت کاریگری اور خوبی کے ساتھ بنایا اور کہا ''فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ'' نگاہ ڈال کر دیکھ لے، کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے۔اور پھر فرماتا ہے، ''ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ'' پھر بار بار نگاہ ڈالکر دیکھ، نگاہ ذلیل اور ماندہ ہوکر تیری طرف لوٹ آوے گی، یہ جو رب کے نظام پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو نظر نہیں آتا، تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جیسے ہمارے رب نے ان چیزوں کو عدم سے پیدا کیا، تم رب کی چیزوں کو استعمال کیے بغیر مکھی کے پر کو تو پیدا کرو، اب جب جسم کے لیے رب نے اتنی چیزیں پیدا کیں، تو روح کی پرورش کے لیے کوئی صورتیں پیدا نہیں کی ہوں گی، رب نے تو پہلے ہی فرشتوں سے فرمایا تھا کہ ''اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً'' میں زمین میں ایک خلیفہ کو بناتا ہوں، انسان کی صورت میں اپنے نائب کو بھیجتا ہوں، اور خلافت الٰہیہ کیا ہے؟ انسان کی روحانیت کی حقیقت کو سمجھ کر اس کو جسمانیت پر غالب کرنا ہے،اس کے لیے بہت سارے انبیاء علیہم السلام آئے، اور آخر میں ہمارے پیغمبر ﷺ تشریف لائے،اور ان کا زمانہ اعلانِ نبوت سے تا قیامت باقی رہے گا۔ حضور ﷺ کے انوارات ختم نہیں ہوئے اور نہ حضور ﷺ کے فیوضات ختم ہوئے، بلکہ جیسے کہ پہلے تھے اب بھی ہیں، تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضور ﷺ آئے اور اس خلافت کے نظام کو انتہائی تکمیل اور انتہائی اہتمام کے ساتھ ایسے رُخ سے پیش کیا، جس کے بعد اس سے زیادہ کوئی ترقی ہو ہی نہیں سکتی، اللہ کی ذات سے اتنا لیکر آئے کہ کوئی بھی اتنا لیکر نہیں آیا،اور اتنا دیکر گئے کہ کوئی بھی اتنا نہ دے سکا، حضور ﷺ کے فیوضات ہر زمانے میں دائم و قائم ہیں،اب انسان اپنے جسم کے لیے اندھا دھند دوڑتا ہے، پیاس بجھانے کے لیے پانی تلاش کرتا ہے، بھوک لگے

توروٹی کے لیے بھاگا بھاگا پھرتا ہے، گرمی تنگ کرے تو خود بخود سائے کو ڈھونڈتا ہے، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے لیے بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کے برعکس روح کی ضروریات جو مخفی ہوتی ہیں، ان کو ہر شخص آسانی کیساتھ سمجھ نہیں سکتا، تو انبیاء علیہم اسلام آتے ہیں، روح کی ضروریات کو پہچاننے کے لیے کہتے ہیں، اور وہاں لے جاتے ہیں جہاں کہ انسان رب سے لینے والا بن جائے، انسان کا قلب مردہ ہوتا ہے آنکھیں اندھی ہوتی ہیں، کان بہرے ہوتے ہیں، ''صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ'' قرآن جھوٹ نہیں کہتا، صحیح کہتا ہے، ان آنکھوں والوں کو جن کی بڑی بڑی آنکھیں ہوتی تھیں، جن کے لمبے لمبے کان ہوتے تھے، پورے مجمع میں پکارتا ہے، کہ ان کی آنکھیں نہیں، ان کے کان نہیں اور فرماتا ہے کہ ان کی عقل ماری گئی، لیکن کوئی یہ جرأت نہیں کرسکتا کہ یہ جھوٹ کہتا ہے، کیونکہ یہ ایک حقیقت بیان کی جارہی ہے۔ تمام وہ خاکے جو کہ حضور ﷺ کے خاکے سے مختلف ہیں، اس سے ٹکراتے ہیں، سب کے سب ایک دھوکا، فریب ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے کبھی ان کو حقیقت نہیں کہا بلکہ فریب کہا، اور قرآن نے کہا ''لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾'' (اٰل عمران: ۳،۱۹۶) (جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے ان کا شہروں میں (خوشحالی کے ساتھ) چلنا پھرنا تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہ تو تھوڑا سا مزہ ہے (جو یہ اُڑا رہے ہیں) پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور بدترین بچھونا ہے۔) تو انبیاء علیہم السلام کو دیوانا کہا جارہا تھا ، کیوں؟ اس لیے کہ دنیا والوں نے پوری طاقتوں، دلوں، کانوں اور آنکھوں کو استعمال کر کے خاکے بنائے اور ان کی تکمیل میں سب کچھ لگایا، اور اب نبی آتا ہے اور اُٹھ کر کہتا ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا کہ ایسے نقشے بناتے ہو۔ ''مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾'' (النبیاء: ۲۱،۵۲) (یہ کیا مورتیں ہیں جن کے آگے تم دھرنا دے بیٹھے ہو۔) یہ تمام خاکے اور نقشے مٹنے والے ہیں، ختم ہونے والے ہیں، فانی ہیں، اور ایک مومن کی حیثیت سے ہمارا ایمان ہے کہ یہ

تمام مٹ جائیں گے، سورج کو لپیٹ دیا جائے گا، سمندروں میں ایسی گرمائش پیدا ہوگی جس سے وہ جل اُٹھیں گے اور جتنے بھی یہ خاکے پیدا کئے جاتے ہیں سب کے سب ختم ہوجائیں گے، اب ایک شخص ایسی بنیاد پر جو مضبوط ہے، دیوار قائم کرنا چاہتا ہے، اور ایک دوسرا ریت پر دیوار بناتا ہے، تو کونسی دیوار پائیدار ہوگی۔ تو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں، کہ تمہارے خاکے بیکار ہیں، تمہارے نقشے ناپائیدار ہیں، ایک ایسی بنیاد کو لے لو، جس سے زیادہ کوئی بنیاد مضبوط نہیں ہوسکتی اور وہ کونسی بنیاد ہے، وہ ہے، ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' جو تغیر اور تصرف ہوتا ہے اور جو کچھ ہوگیا ہے اور جو کچھ ہوجائے گا، سب کا سب اللہ کی ذات سے ہوتا ہے۔ اب جب یہ سب اللہ سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو سامنے رکھ کر تمہارے لیے خاکے بنائے ہیں، جن سے تمہاری دنیوی زندگی بن جائے گی، قبر والی زندگی بن جائے گی، حشر والی زندگی بن جائے گی اور ابد الاباد والی زندگی بن جائے گی۔ وہ خاکے ایک حقیقت پر قائم ہیں، اور وہ حقیقت کیا ہے؟ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' اور ہر زمانے میں ہر ایک نبی نے ''لَآ اِلٰہَ'' کی حقیقت کو ہر ایک شخص کی استعداد کے بقدر کھولا۔ جب حضور ﷺ آئے جو سردار الانبیاء تھے، اس نے ''لَآ اِلٰہَ'' کی حقیقت کو کھولا، اور جس طریقے سے کھولا، ایسا نہ کبھی کھلا اور نہ کھلے گا، پہلے بھی کاملین تھے اور کاملین نہیں بلکہ وہ بھی اکمل تھے لیکن یہ اکمل الکاملین تھے۔ نبی کی زندگی، نبی کا ظاہر وباطن، ہر ایک ادا، اس کے اخلاق اس کے معاملات اس کی گھریلو زندگی پورے کا پورا رب کا ہوتا ہے، نبی مرضیاتِ الٰہی کا مجسمہ ہوتا ہے، نبی ایک آئینہ ہوتا ہے۔ جیسے آئینہ میں چیزیں روشن ہوتی ہیں، اسی طرح نبی کی ذات میں مرضیاتِ الٰہی دکھائی دیتی ہیں، اب جو بھی نبی سے جدا ہونا چاہے اس کو خدا کی قسم کچھ نہیں ملے گا، کچھ نہیں ملے گا۔

بمصطفیٰ برسان خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر با او نہ رسیدی تمام بولہبی است

(اگر سچے دین کے طلبگار ہو تو محمد مصطفیٰ ﷺ کا طریقہ اختیار کرو۔ اگر یہ نہ کیا تو بولہبی یعنی شیطانی جالوں میں پھنسا رہے گا۔)

انبیاء علیہم السلام کی دعوت

حقیقت ہے ذاتِ محمد ﷺ، سچائی ہے، اور دوستو! ایک ہی نبی کا طریقہ پہنچانے والا ہوتا ہے کیونکہ نبی آنکھوں والا ہوتا ہے، اس کو جو رب چاہے وہ چیزیں دکھاتا ہے جن کو تمام دنیا نہ دیکھ سکے، نگاہ ملتی ہے، کان ملتے ہیں، دل ملتا ہے، ہمارا اندھا دل، نابینا دل وہ حقیقت نہیں دیکھ سکتا جو نبی کا حقیقت شناس دل دیکھتا ہے، جو حقیقت کو جانتے ہیں، اور جو نہیں جانتے، وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ اب ان انبیاء علیہم السلام کا مدعا کیا ہوتا ہے؟ ان کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ وہ کامل ہوتے ہیں،۔ ان کی نگاہ روح و جسم دونوں پر ہوتی ہے، ان کی نگاہ اس دنیا پر بھی ہوتی ہے، قبر پر بھی ہوتی ہے، حشر پر بھی ہوتی ہے، صراط پر بھی ہوتی ہے اور ابد الآباد والی زندگی پر بھی ہوتی ہے، وہ اندھوں کی طرح سکیمیں نہیں بنایا کرتے، وہ تمام ضروریات کو سامنے رکھ کر بات کہتے ہیں، نبی کا دین، نبی کا طریقہ جس طرح تمہاری دنیا کو بناتا ہے، اسی طرح آخرت کو بھی بناتا ہے، ہم جن طریقوں پر زندگی بسر کرتے ہیں، جن طریقوں پر زندگی گزارتے ہیں، اور اسی طرح وہ تمام طریقے جو حضور ﷺ کے طریقوں سے ہٹے ہوئے ہیں، ایسے ہیں جو دنیا اور آخرت دونوں میں ناکامی کا سبب ہیں۔ نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دکان پر بیٹھو، تو اپنی چاہت والی زندگی گزار دو اور جب مسجد میں آؤ تو رب والے ہو جاؤ، بلکہ وہ تو کہتا ہے کہ ''اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ'' وہ تمہاری زندگی کے ہر رخ پر نگاہ رکھتا ہے، اور جب نبی کے رخ والے خاکے اختیار کئے جاتے ہیں، تو انسان، انسان بن جاتا ہے، اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کا دل بن جائے، انسان کی روح زندہ ہو جائے، تو جیسے میں نے عرض کیا تھا کہ حشر میں بعض لوگ اندھے اُٹھائے جائیں گے، تو وہ کہیں گے۔ کہ ہم تو بڑی بڑی آنکھوں والے تھے، تو

آج اندھے کیوں اُٹھائے گئے۔ ''لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی ''۔جواب میں فرمایاجائے گا ''کَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَ كَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾''۔(طٰہٰ۲۰: ۱۲۶)اسی طرح تم کو ہماری آیتیں آئیں تو تم نے اُنہیں بھلایا،اسی طرح آج ہم نے تم کو بھلادیا۔

اُمت کی تعلیم کے لیے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ایک قصہ

یہ عالم،عالمِ حقیقت ہے،یہاں تم اب حقیقت کو نہیں پاسکتے،تم ناکارہ ہوگئے،یہاں وہ جسم کام نہیں آئیں گے،جو گوشت پوست سے بنے ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ جسم کام آئیں گے جو کہ احکام اِلٰہی سے بنے ہوتے ہیں،گندے جسم جنت میں نہیں جائنگے،جو گوشت حرام سے بنا ہوگا،اس کی جب تک جہنم میں صفائی نہ ہوگی،جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا،اب نبی کہتاہے کہ آنکھ کو بنالو،کان کو بنالو، قلب کو بنالو،تاکہ وہ رب سے لینے والا بن جائے،نبی نہایت کریم ہوتا ہے،وہ دیتاہے اور وہ کچھ دیتاہے کہ جنت کا ایک ایک خاکہ ہمارے سامنے ہو،نبی ہم کو احکام پر ڈالنے والا ہوتاہے۔ وہ ایسا نہیں ہوتا کہ دین تو دے،دین کے پھیلاؤ کا طریقہ نہ دے،وہ تو حیٰوۃِ اخروی کے ساتھ ساتھ حیٰوۃ دنیوی کے طریقے بتاتاہے،اس کا طریقہ یہ ہوتاہے کہ انسان کو بنائے،اب جس خاکے کو نبی اٹھاتے ہیں،اس خاکے کو ان کی اصطلاح میں دعوت کہتے ہیں،انسان کی روحانیت کیسے زندہ ہوتی ہے،انسان اللہ کے نبی سے کیسے استفادہ کر سکتاہے،نبی کی نگاہ سے دعوت پھوٹتی ہے،زبان سے نورانیت پھوٹتی ہے،وہ سراپا دعوت ہوتاہے،جس نے نبی کو دیکھا اس نے قرآن مشکل کو دیکھا اگر کوئی چلتے پھرتے قرآن کو دیکھنا چاہتاہے،تو وہ ہمارے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ذات اقدس ہے،نبی اپنے دیکھنے والوں کو ایسا نقشہ بتاتاہے کہ جو بھی کوئی دیکھے پکار اُٹھے کہ یہ ہیں دعوت والے،دیکھو!بلا تشبیہ عرض کرتاہوں کہ شرابی کی نگاہ بتادے کہ یہ شرابی ہے،اس کا انداز خرام بتادے کہ یہ شرابی ہے اور جو رب سے پی گئے وہ نہ بتائیں کہ یہ رب والے ہیں،اب نبی جو آتاہے تو دعوت کے مجسم طریقوں کو

لیکر آتا ہے، نبی کی دعوت اصول کے ساتھ ہوتی ہے بے ہنگم نہیں ہوتی اور جو بھی داعی اُن طریقوں سے ہٹتا ہے جو ہمارے حضور ﷺ نے بتائے تو وہ دعوت کھوکھلی ہو جاتی ہے، فرمایا ''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ'' مقید کر دیا دعوت کو حکمت کے ساتھ، یعنی یہ دعوت بے ہنگم دعوت نہ ہوگی یہ اصولوں والی بات ہوگی، اس دعوت کے لیے ان تمام طریقوں کو اختیار کروگے جو نبی ﷺ نے بتائے، نبی کی پوری زندگی ایک مرکز کے گرد ایک محور پر گھومتی ہے، اس کو دعوت کہتے ہیں، اس کی پوری زندگی دعوت ہوتی ہے، نبی کا ہر فعل دعوت ہوتا ہے، نبی کی ہر سانس دعوت ہوتی ہے، وہ دعوت دیتا ہے مخلوق کو لیکن نگاہ مخلوق پر نہیں ہوتی بلکہ خالق پر ہوتی ہے، وہ لوگوں کے تقاضوں کو دیکھتا ہے، سمجھتا ہے، جانتا ہے، بھالتا ہے، لیکن نظر اِن میں الجھی نہیں بلکہ اس کی نظر اللہ پر ہوتی ہے، وہ اپنی زندگی کو کچھ ایسے رخ سے گزارتا ہے کہ دعوت کے طریقے کو معمولی سے معمولی بات میں اپناتا ہے، بات کو واضح کرنے کے لیے حضور ﷺ کا ایک قصہ سناتا ہوں، نبی ﷺ مسجد میں دعوت کے لیے کھڑے ہیں اور صحابہ خاموش بیٹھے سن رہے ہیں، ہائے ان صحابہؓ کا کیا عشق تھا، حضور ﷺ سے بڑے کون ہوسکتے ہیں اور صحابہؓ سے زیادہ آپ ﷺ کو پہچاننے والے کون ہیں۔ دعوت ختم ہوئی اور حضور ﷺ مسجد سے نکل کر ایک عورت کے ساتھ کھڑے ہیں۔ اندھیرا ہے، کچھ دکھائی نہیں دیتا، اسی اثناء میں حسین ابن حضیرؓ اور بشر کا وہاں سے گزر ہوتا ہے، پہچان لیتے ہیں، اور آپ کی نورانیت ہی ایسی تھی کہ پہچان جاتے تھے، چلتے ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ جہاں کہ تم ہو اور فرمایا کہ یہ میں ہوں اور یہ میری بیوی صفیہ ہے، فوراً دونوں نے عرض کیا ''کیا ہم آپ پر بدگمانی کریں'' کہنے کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے عمل سے بتادیا کہ داعی اپنے عمل کو چھپ کر نہیں کرتا، اس کی زندگی نمایاں ہوتی ہے، اور جو اپنی زندگی کو چھپائے وہ جھوٹا ہوتا ہے، تو عرض کیا ''کیا ہم آپ پر بدگمانی کریں'' تو فرمایا ''ان الشیطان

یجری من الانسان مجری الدم او کما قال‘‘(بخاری، حدیث نمبر: ۲۰۳۸،۲۰۳۵) شیطان انسان میں اس طرح پھرتا ہے جیسا کہ جسم میں خون۔ تم تو نہیں کروگے لیکن وہ اوروں کے دلوں میں وسوسہ ڈالے گا، نبی ﷺ کے متعلق زبانوں کو سنبھالو، نظروں کو سنبھالو محل ادب ہے، مقام ادب ہے۔

ادب گاہے است زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آیند جنید و بایزید اینجا

(حضور پاک ﷺ کا روضہ مبارک عرشِ معلیٰ سے بھی ادب کے زیادہ لائق ہے، جنیدؒ اور بایزیدؒ جیسے برگزیدہ ہستیاں بھی یہاں آکر بے خود ہوکر ہوش وہواس کھو جاتے ہیں۔)

دعوت کی نزاکتیں

جنیدؒ اور بایزیدؒ جیسے آدمی بھی آئیں۔تو سنبھل کر جائیں گے، تم کیا جانو کہ نبی کا کیا مقام ہوتا ہے، وہ تو بنا بنایا آتا ہے، اللہ ان سے روحانیت کے خاکوں کو وجود میں لاتا ہے، دعوت کو زندہ کرتا ہے اس کے اصولوں کو وضع کرتا ہے، سوچو اور فکر کرو کہ کیا ہماری زندگی دعوت کو زک تو نہیں پہنچاتی، کیا ہم اس بنے بنائے کھیل کو بگاڑ تو نہیں رہے، اب جب تم دعوت کے میدان میں آگئے، ایسے میدان میں آئے جو کہ سراپا ادب ہے جہاں کہ ہر کام اصولوں کے مطابق ہوتا ہے، یہاں ان لبادوں کو اوڑھو ان طریقوں کو اپناؤ، ان اصولوں پر چلو جو کہ آگے بڑھانے والی ہوں، جو کہ کام کو چلانے والی ہوں، نبی تو اتنا اہتمام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنے کا اور تم اس کو معمولی سمجھتے ہو، اس کو ادنیٰ جانتے ہو، سیدنا حضرت ہارون علیہ اسلام کے متعلق آتا ہے۔کہ کیا کوئی نبی یہ گوارہ کرتا ہے کہ کوئی آدمی سوائے خدا کے کسی کو سجدہ کرے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جاتے ہیں، وہاں مصلحت ربّانی سے تیس دن کے بجائے چالیس روز ٹھہرتے ہیں، ادھر سامری دین کا پردہ لگا کر لوگوں کی

نظریں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہٹا کر اپنی طرف کر لیتے ہیں اور آج بھی لوگوں کا یہی شیوہ ہے کہ اہل حق سے نظر ہٹا کر اپنی طرف کھینچ لے، اسی وجہ سے سامری کو عذاب جو دیا گیا، الٹا عذاب دیا گیا، ایسی بیماری لگی کہ لوگوں کی نزدیکت وبال جان بن گئی، ویرانیوں میں پھرتا تھا، کوئی اس کے پاس آ نہیں سکتا تھا اور جو کبھی چھوتا تو بیماری اور بڑھ جاتی، تو اس کا شیوہ یہی بن گیا کہ تنہائی میں دیوانا پھرتا تھا اور یہی کہتا تھا ''لا مساس لا مساس'' مجھے نہ چھوؤ مجھے نہ چھوؤ کیا ہوا سامری نے مقبوضہ زیوروں کا ایک بچھڑا بنایا جس میں آواز بھی ہوا کرتی تھی، اب جو بنی اسرائیل مصر سے نئے نئے آئے تھے۔ راستے میں بت پرست قوم کو دیکھا تھا، ذہنیت غلامانہ تھی اس لیے ان کی پیروی اچھی معلوم ہوئی، اِدھر سامری نے بھی موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیری کا حیلہ تراشا اور ایسی باتیں کیں کہ بعض ناسمجھوں نے بچھڑے کے آگے سجدہ کیا۔ اب موسیٰ علیہ السلام جو واپس ہوئے اور ان کو بت پرستی میں مبتلا دیکھا، جلالی شان تھی، فوراً حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی پکڑی اور اپنی طرف کھینچنے لگے اور کہا ''تیری موجودگی میں لوگ شرک والا عمل کریں''۔ بعض پگلے جو یہ کہتے ہیں کہ داڑھی کا مسئلہ مولویوں نے خود تراشا ہے قرآن سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ دیکھو! بھائی یہ ایک جزئی مسئلہ ہے ایک فروعی مسئلہ ہے، اور قرآن اصولوں سے بحث کرتا ہے، یہاں دین کے اصول بتائے جاتے ہیں تمام جزئیات سے بحث نہیں ہوتی بلکہ حضور ﷺ کی احادیث اِن اصولوں کی تشریح کرتی ہے، اس لیے کوئی مسئلہ اگر قرآن میں موجود نہ ہو، یا ہم اس کو اس سے نکال نہ سکیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حکم غلط ہے بلکہ ہمارے فہم کا قصور ہے کہ اسوۂ رسول کو اپناتے نہیں علمائے حق کی بات کو مانتے نہیں اور لو داڑھی کے مسئلے کا تو قرآن سے ہی ثبوت ملا کہ اتنی لمبی تھی کہ مٹھی میں آسکتی تھی تب تو کھینچی جا سکتی تھی۔ تو اب حضرت ہارون علیہ السلام کیا جواب دیتے ہیں، کہ میں نے اس لیے اس کے خلاف نہیں کیا کہ پھر کہا جائے گا، کہ تو

نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈالدیا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

(تو بندوں کو اللہ سے جوڑنے کے لیے بھیجا گیا ہے نہ کہ اُس سے کاٹنے کے لیے۔)

تو اب دعوت ایسے مسائل کے چھیڑنے کے لیے نہیں آیا کرتی، جن سے دین میں تفرقہ پڑتا ہے، یہ نور اور استمداد کے مسائل میں نہیں پھنساتی، دین کی حکمت یہ ہے کہ ایسی چیزوں کو چھیڑنا مقصود نہیں ہوتا، اس کا چھڑانا مقصود ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین نے اس راستے میں انتہائی احتیاط بھرتی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق مولانا رومؒ نے مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک چرواہا جارہا ہے اور کہتا ہے کہ اے خدا! تُو کہاں ہے؟ کہ تیرے کپڑے دھوؤں، تیرے جوئیں نکالوں، تیرے بال دھولوں، حضرت موسیٰؑ نے جو سنا تو فرمایا ”اے خیرہ سر تو کیا باتیں کرتا ہے، کیا واہیات بکتا ہے، تم تو کافر ہوئے“۔ جلالی پیغمبر تھے آئے اور ایک تھپڑ لگایا، چرواہے نے ریوڑ کو چھوڑا اور چلا گیا۔ رب نے فرمایا کہ ”اے موسیٰ! کہ تُو نے میرے بندے کو کیوں مجھ سے جدا کیا“۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

”جا اس کو تلاش کرو، اب جاتے ہیں، تلاش کرتے ہیں اور اس کو پاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کچھ تُو کہتا تھا، کہتا رِہ“ تو اُس نے کہا کہ تیرا ایک تھپڑ نہ تھا بلکہ مجھ پر تو اس نے سب کچھ روشن کر دیا، اب کے اگر تو نصیحت کرتا ہے تو بھی وہ نہیں کہتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دوسرے پیغمبر کا پیروکار تھا اور پھر وہ تو عاشق تھا اور عاشق اگر عشق کے جوش میں کچھ کہے تو اس کی حالت عام لوگوں جیسی نہیں ہوتی، اُس پر حال ایسا چھایا ہوتا ہے کہ قال کی طرف توجہ

نہیں جاتی۔ تو دوستو! کبھی اجتماع کو ہاتھ سے نہ جانے دو، یہ دعوت کا کام بہت نازک کام ہے، مشکل کام ہے سہل نہیں، یہاں سنبھل کر چلنے کی ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ۔

خود تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

والا معاملہ ہو جائے، یہ وہ راستہ ہے کہ جس سے انسانوں کے دل بنتے ہیں، جس سے روحانیت والے تقاضوں میں جان پیدا ہوتی ہے، اور اس کے آجانے سے پورے عالم کے لیے اور تمام دنیا کے لیے رب العزت ہدایت کے فیصلے کر دیتے ہیں، تم تو ایسی کشتی میں سوار ہو جو تمام دنیا کو ہدایت کی طرف لے جانے والی ہے۔ یہ تمام باتیں آخر کس لیے کہی جا رہی ہیں، اس دین کے لیے جس کی خاطر حضور ﷺ نے راتوں کی نیند کو حرام کیا تھا، راتوں کے چین کو ختم کیا تھا، دانت مبارک شہید ہوئے، خون بہایا اور خدا کی قسم اور پھر خدا کی قسم! حضور ﷺ کے خون کا ایک قطرہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور خون تو کیا میں تو کہوں کہ حضور ﷺ کا ایک کٹا ہوا ناخن ایک طرف اور تمام دنیا دوسری طرف ہو تو حضور ﷺ کا ناخن قیمتی ہے، آخر ایسا کیوں کیا؟ اس لیے تو کیا کہ ہم میں دین آجائے، اللہ کی مخلوق اس کی ذات سے جڑ جائے، تو جس دین کے لیے ان پاک ہستیوں نے اپنا خون بہایا تم پسینہ تو بہاؤ۔ اس لیے کوشش کرو کہ دین کے ان تقاضوں کو اپناؤ تاکہ دوسروں میں ترویج کی صورت پیدا ہو (سو رہے ہو یا جاگ رہے ہو)۔

ہائے! بہت سے جاگنے والے بھی سوئے ہوئے ہیں، لیکن جب موت کا جھٹکا لگ جائے، تب پتہ لگتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے، کہتا ہے کہ ہائے یہ تو میں اپنے پاؤں پر اپنے آپ کلہاڑی مار رہا تھا۔ ہائے! ہم مر جائیں گے اور کس کے پاس جائیں گے، اللہ کا بھی سامنا کرنا ہے، اور حضور ﷺ کا بھی، اللہ کو تو حضور ﷺ کے ساتھ محبت ہے، تو ایسا انتظام فرمایا کہ پہنچتے ہی پہلے اس کے سامنے کیا، قبر میں حضور ﷺ کے متعلق پوچھا جائے گا، کہ یہ کون ہیں؟ تو

جن کا تعلق ہو تو وہ کہے گا، کہ یہ ہے وہ جن کے طریقوں پر ہم نے اپنی جان کو فدا کیا جس کے دیکھنے کی ہمیں آرزو تھی جن کی ملاقات کے لیے ہم بیتاب تھے اور جن کا تعلق نہ ہو تو وہ کہے گا۔

کہ ”ہائے ہائے! ہم تو نہیں جانتے مگر لوگ کچھ کہتے رہے، تو ہم بھی کہتے رہے“۔ دوستو! اپناؤ حضور ﷺ کے طریقوں کو، جوڑو اپنے تعلق کو، اور حضور ﷺ نے پھلوں کا کوئی باغ نہیں لگایا تھا بلکہ اس باغ کو لگایا تھا جس کے لیے حضرت ابو بکر نے فرمایا، کہ دین پر معمولی بھی چوٹ آئے اور میں زندہ ہوں۔ دوستو! ہوش سے کہو، جوش سے نہ کہو، سوچو، سمجھ اور فکر کے ساتھ خوب سمجھ کر جواب دو۔ کیا ہمارے سامنے حضور ﷺ کے خاکے مٹیں، اس کے نقشے بدلیں، اور ہم اس کو دیکھ کر مزے لیتے رہیں اور رات کی نیند نہ اُڑ جائے۔ دوستو! یہ تبلیغ کیا ہے؟ یہی تو ہے کہ جس کے لیے حضور ﷺ پگھلے اس کے لیے اپنے کو پگھلانا ہے، حضور ﷺ کے خاکے بدر و حنین پر ختم نہیں ہوئے، بلکہ وہ تمام واقعات آج بھی پکارتے ہیں کہ آؤ، اور جب تک دنیا میں ایک بھی کافر ہے تبلیغ کا کام ختم نہیں ہو گا۔ لگالو اپنے کو دین کے کام میں، جب قیامت قائم ہو گی، تو نہ تو مال کام آئے گا، نہ بال بچے کام آئیں گے لیکن صرف وہ اعمال کام آئیں گے جو کہ اللہ کی رضا کے لیے حضور ﷺ کے طریقوں کے مطابق کئے جائیں، دین کے تقاضے ختم نہیں ہوئے اب بھی تقاضے ہیں، ڈھاکے والے تقاضے ہیں۔ اور ایسے بہت سے تقاضے ہیں۔ کوشش کرو ان تقاضوں کے پورا کرنے کی اور لگاؤ اپنے اوقات کو۔ اور اب تو یہی حال ہے کہ مسجدوں کے پاس بھی ایسے کام کئے جاتے ہیں کہ خدا کی پناہ، یہاں ایک مسجد ہے ”مسجد مہابت خان“ جس کے سامنے ظالموں نے سود خانہ بنایا جس کو یہ لوگ کہتے ہیں بینک ”اور میں تو سود خانہ“ کہوں اور ہے بھی سود خانہ "لیکن بڑے معیار پر۔ تو آرہا تھا کیا دیکھا کہ ظالموں نے اس کے سامنے لائٹ بھی روشن کی ہے اور وہاں مسجد میں اندھیرا ہے،

چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ روشنی مسجد کے میناروں میں ہو، کیا اس پر رحمتیں برس رہی ہوتی ہیں یا اللہ کی لعنتیں۔ اور صرف یہاں کی حالت نہیں بلکہ جہاں بھی دیکھو! یونیورسٹی میں دیکھو، بازاروں میں دیکھو، یہی ہو رہا ہے۔ اٹھو! اب بھی وقت باقی ہے اور جب تک سانس باقی ہے وقت باقی ہے اور جب یہ سانس جائے تو پھر کسی طرح بھی نہیں آئے گی، یہ وقت ایک بہت بڑی قیمتی چیز ہے، سو اس قیمتی چیز کو برباد نہ کرو، ضائع نہ ہونے دو بلکہ اس کو ایک نہایت ہی قیمتی کام سے قیمتی بناؤ، اور وہ کام ہے دین کا کام، اسلام کی ترویج۔ دیکھو! ہم نے اسلام کو تلاش نہیں کیا، اس کے لیے پھرے نہیں، کوششیں نہیں کیں بلکہ یہ رب کی عطا تھی کہ اس نے مسلمان کے گھر میں پیدا کر کے مسلمان بنایا۔ ہم اب پیدا نہیں ہوئے تھے، ماں کی پیٹ میں تھے کہ ہماری ماں نماز پڑھ رہی تھی۔ یہ کیوں تھا؟ یہ ہم سے پہلوں حضور ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمیعن اوران کے متبعین صالحین کی محنتوں کا نتیجہ تھا۔ اب تم بھی اگر محنت کروگے تو اللہ اس کے ثمرات مرتب کرینگے، تمہیں پتہ بھی نہ ہو گا، وہ مولانا الیاسؒ والی بات کہ "تم یہاں ہونگے، اور تمہارے قدموں کی آواز کے اثرات یورپ میں ظاہر ہوں گے۔" زمانہ پکار رہا ہے کہ اُٹھو اُٹھو اللہ کے دین کے لیے اُٹھو۔ کرے گی رب کی ذات لیکن بہانہ تم بن جاؤ گے۔ میں نے اپنے گھر پر طالب علموں کو سمجھانے کے لیے ایک مثال دی تھی۔ کہ ایک موٹر ہے، اس کا پیٹرول بند ہو گیا، جاتی نہیں، اب تم گئے اور موٹر کو کندھا لگایا، دھکا دیا، موٹر آہستہ چلنے لگی، پیٹرول کھل گیا اور موٹر سٹارٹ ہو کر فرّاٹے بھرنے لگی، اب تم یہ کہو کہ "اس موٹر کو ہم نے اس رفتار سے چلایا" تو لوگ کہیں گے کہ اس کا دماغ خراب ہوا" بس یہی مثال دین کے کام کی ہے، کرتا ہے رب لیکن محض اپنی عطا کے لیے وہ اپنے بندوں کو چنتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ کون ہے میرا وہ بندہ جو کہ اس دین کے کام میں کندھا دیتا ہے، اور جب دین کے کام میں کندھا دوگے، تو رب کی رحمت جوش میں آئے گی، وہ تم کو زیادہ تھکانے نہیں دیں گے بلکہ اپنے فضل

سے دین کو بھی عام فرمائیں گے اور تم کو بھی اپنی رحمت سے نوازیں گے۔ کہو بھئی ! کون ہے اللہ کا بندہ ! اور اللہ کے بندے تو سب ہیں۔ کون ہے اللہ کا وہ نیک بندہ جو کہ دین کے کام میں کندھا دینے کے لیے اپنا نام سب سے پہلے تین چلوں کے لیے پیش کر دے، بولو بھئی جلدی بولو، وقت نکلا جارہا ہے، دیر ہو رہی ہے، جتنی جلدی بولو گے، اتنی ہی جلدی کام ختم ہو گا، اور پھر دعا ہو گی۔ کون ہے جس کا جی چاہتا ہے کہ اللہ کے دین کی خاطر نکلے اور جی تو سب کا چاہتا ہے لیکن بیچ میں وہ شیطان آکر وسوسے ڈالتا ہے، کہ دوکان رہ جائے گی، مکان رہ جائے گا، پڑھائی رہ جائے گی سٹڈی قضا ہو گی، یہ ہو گا اور وہ گا، اور کچھ نہ ہو گا، لیکن جو میرا رب چاہے گا وہ ہو گا۔

الحمدللہ رب العالمین وسلام علیٰ سیدالمرسلین وتقبل منا هذا لجهد بحق رحمة للعالمين وبفضلك ورحمتك ياارحم الراحمين۔

اللہ تعالیٰ کی محبت اور شیطان سے عداوت

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (30 اکتوبر 1962ء، بعد از نمازِ مغرب)

اللہ تعالیٰ کے احسانات

میرے عزیز دوستو اور بزرگو! اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا فرمانے کے بعد یوں تو اس پر ہزاروں کرم اور فضل کیئے، کتنے انعامات سے نوازا، کہ انسان ان کو شمار بھی نہیں کر سکتا، ''وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا'' اب نعمتوں کی بھی قسمیں ہوتی ہیں ہمارے اوپر نعمتیں کی گئیں جبکہ ہم عدم میں تھے نہ ہم تھے نہ ہمارا وجود تھا ارادہ فرمایا کہ ہمیں وجود بخشے، تو ہماری روح کو پیدا فرمایا ہمارے کہنے سے نہیں بلکہ محض اپنے فضل سے اور پھر روح پر جو ہزاروں اور لاکھوں انعامات ہوئے ان کا پتہ نہیں لگتا، یاد نہیں اگر تم انکار صرف اس دلیل پر کرتے ہو کہ ہمیں یاد نہیں تو پھر تو ماں کے پیٹ کی زندگی بھی یاد نہیں سو اس کا بھی انکار کرو۔ اللہ رب العزت نے عالم ارواح میں ہم پر سینکڑوں انعامات کیئے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے دلوں میں اپنی محبت کو پیدا کرنے کے لیے جبکہ ہم آرام میں تھے پوچھا ''اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ'' کیا میں تمہارا پالنہار نہیں۔ تو سب پکار اُٹھے ''قَالُوۡا بَلٰی شَهِدۡنَا'' ہم سب کے سب یہی کہتے ہیں کہ تُو ہی ہمارا پالنہار ہے۔

ربوبیت کا اقرار

ہماری روح اس پر خود گواہ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو ہم کہاں سے آتے اور ایک کرم جو کہ سب سے بڑا اللہ نے کیا وہ یہ کہ اس وعدے کو یاد دلایا۔ اور یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم کو وہاں کا کچھ یاد نہیں، یہ ہاتھ، پاؤں، آنکھ کان جو کہ ہم اللہ کے حکم کے خلاف استعمال کرتے ہیں، ماں کے پیٹ میں ہی تو بنتے ہیں جو کہ تمہیں یاد نہیں۔ تو فرمایا ''اِنَّ الۡاِنۡسَانَ

لَظَلُوْمٌ کُفَّار ‘‘ بیشک وہ انسان جو کہ بے محل چیز کو استعمال کرتا ہے بڑا ظلم کرتا ہے۔ تو میں نے عرض یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اور احسانات کو نہیں جتایا بلکہ اس کو جتایا اور کہا کہ "ذرا وہ وقت تو یاد کرو جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہماری ہر ضرورت کو اچھے طریقے سے اور جیسے مناسب ہو پورا کرتے ہو۔ اور اس کو پالنہار کہتے ہیں تو سب سے بڑی چیز رب کی ربوبیت کا اقرار تھا تا کہ کل تم لوگ یہ نہیں کہو گے کہ فلاں چیز سے ملتا ہے اور فلاں سے ملتا ہے۔ پہلے لوگ بارش کا خدا اور، غذا کا خدا اور اسی طرح اپنی مختلف حاجات کے مختلف خدا مانتے تھے، اب زمانہ بدلتا ہے لیکن شیطان نہیں بدلتا۔ اس کے نظریات نہیں بدلتے۔ البتہ دوسرے بہروپ اختیار کرتے ہیں۔ ہم کہیں کہ ہماری فلاں مراد فلاں سے حل ہو گی اور فلاں مراد سے فلاں سے تو یہ بت نہیں تو اور کیا ہے۔

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نااُمیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

بُت کیا ہے؟

بُت کیا ہوتا ہے؟ ’’کُلّ شَیْءٍ یَشْغَلُكَ عَنْ رَبِّكَ‘‘ یعنی جو چیز رب سے غافل کرتی ہے، وہ بُت ہے تو یہ چاہتیں بت نہیں ہیں تو اور کیا ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ وعدہ یاد دلایا کہ ہم ایک شریف انسان کی طرح اپنے وعدے کو پورا کر دیں۔

عزت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں

ویسے زبان سے ہم تو کہتے ہیں کہ کرتا اللہ ہے، پالتا اللہ ہے، مارتا اللہ ہے، جلاتا اللہ ہے لیکن حقیقت دل میں اُتری نہیں، سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا طریقہ اختیار کیا تو ذلیل ہوں گے، سوسائٹی میں وقعت گر جائے گی۔ دوستو! عزتیں تو حضور ﷺ کے طریقے کے ساتھ ہیں، جہاں اسکا طریقہ اختیار کیا گیا، اللہ کی نگاہوں میں عزت مند ہو جاؤ گے، اور جو اللہ

کے سامنے عزت مند ہو جاؤ گے تو کبھی ذلیل نہ ہوں گے ۔''وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ''۔(المنفقون:۸:۶۳) (حالانکہ عزت اللہ ہی کو حاصل ہے اور اس کے رسول اور مومنوں کو۔)

لَآ اِلٰهَ گوئی بگو از گوئے جان

لَآ اِلٰهَ زبان سے تو کہہ لیا۔ دل سے بھی کہہ لو، یہ کیا معاملہ ہے، کہ زبان سے تو کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ، اور دل میں یہ تصورات بسے ہوئے ہوں کہ یہ کیا، تو یہ ہو جائے گا اور یہ کیا تو یہ ہو جائے گا۔ سید نا حضرت عمر فاروق ابن الخطابؓ کہتے ہیں کہ شیطان کے رخ بدلتے رہتے ہیں، کبھی ایک رخ سے آتا ہے کبھی دوسرے رخ سے، لیکن فطرت تو وہی رہتی ہے، بدلتی نہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:''اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾'' یعنی میں تو صرف رب کی طرف دیکھوں جو کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور اس بات میں کسی دوسرے کو اسکا شریک کرنے والا نہیں۔

شیطان کی کوشش

یہی میرا ٹارگٹ ہے۔ اور شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ انسان کی نظر ایک ذات سے ہٹا کر غیر اللہ میں پھنسائے، چاہے وہ تمہاری اپنی ذات ہو، بال بچے ہوں، جو بھی ہو یہی شرک باللہ نہیں تو کیا ہے کہ انسان رب کی ذات سے ہٹ کر غیروں میں پھنس جائے، چاہے شرک جلی ہو یا خفی۔

دیکھو! میں ان عینکوں میں سے دیکھتا ہوں، اور تم کو یہ محسوس بھی نہ ہو، حدیث میں تو آتا ہے ''اَلْمُؤْمِنُ يَنْظِرُ بِنُوْرِ اللهِ'' مومن اللہ کی عطا شدہ بصیرت سے دیکھتا ہے۔ تو شیطان کی سکیم یہ ہوتی ہے کہ انسان کی نظریں اللہ کی ذات سے ہٹا کر غیر اللہ کی طرف مائل

کر دیں، کبھی پہلوانوں کو کشتی لڑتے دیکھا ہے، اس کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ اپنے حریف کو چت گرا دے، اس مقصد کے لیے وہ کبھی ایک داؤ استعمال کرتا ہے اور کبھی دوسرا۔ اب شیطان کا واحد مقصد تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے راستے سے ہٹانا ہوتا ہے، چاہے اس پر خوب پالش کرے چاہے خوب چکنی چپڑی باتوں میں تبدیل کر دے، چاہے عربی میں پڑھا دے، ہمارے حضرتؒ نے ایک مرتبہ فرمایا "ابوجہل کی عربی پڑھتے ہو یا حضور ﷺ والی" تو عربی تو ابوجہل کی بھی زبان تھی لیکن مقصد تو حضور ﷺ کے اعمال کو اپنانا ہے، تو میں حضرت عمر کی بات عرض کر رہا تھا تو آئے بیت المقدس میں جانتے ہو یہ مانگے ہوئے تھے، اور دیکھیے مرادوں کا مانگا نہایت پیارا ہوتا ہے۔ اور مانگے بھی حضور ﷺ کے تھے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: "اَللّٰھُمَّ اَیِّدَ الْاِسْلَامَ بِاَحَدِی الْعُمَرَیْن"[6] (یا اللہ! دو عمروں میں سے ایک کے ذریعے اسلام کی تائید فرما۔) اے میرے اللہ! دیکھو نبی کی نگاہ ظاہر پر نہیں ہوتی وہ اندر کی استعداد کو دیکھتا ہے، تو یہ حضور ﷺ کا مانگا ہوا جو آتا ہے، تو اس نے دیکھا کہ لوگوں کے طور طریقے میں کچھ فرق نظر آیا، تو کنکریاں اُٹھا کر فرمایا "یَاَیُّھَا النَّاسُ اَعَزَّنَا اللّٰہُ بِالْاِسْلَام" اے لوگو! کہ اللہ نے ہمیں اسلام میں عزت دی ہے، دنیا تمام اس کے مخالف ہو جائے، دیوانا کتا ان کو کاٹ کر باؤلا بن جائے، اور ایک زبان ہو کر حضور ﷺ کی بات کی مخالفت کرے، تو نبی کی بات اپنی جگہ پر رہے گی۔

شیطان کو اپنا دشمن سمجھنا

دیکھو! جو بات بھی اللہ اور اس کے قانون کے خلاف ہو، تو وہ شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، قرآن میں آتا ہے "اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا" بیشک

---

[6]۔ اللھم اعز الاسلام بأحب ھذین الرجلین الیك۔ بابی جھل بن ھشام او بعمر بن الخطاب، قال و کان احبھما الیه عمر۔ (الترمذی بحواله جمع الفوائد، حدیث نمبر: ۸۶۲۳)

شیطان تمہارا دشمن ہے سو اس کو دشمن جانو اور دشمن سے کوئی غافل رہتا ہے؟ دیکھو! جب یہ خوانین حضرات چلتے ہیں تو ہوتے ہیں تو موٹر میں سوار اور اِدھر بھی بندوق نکالی ہوئی ہوتی ہے اور اُدھر بھی، کس وجہ سے کہ کوئی مار نہ ڈالے تو بھائیو! شیطان تو تمہارا سب سے بڑا دشمن ہے، آبائی دشمن ہے، اس نے تمہارے باپ کو جنّت سے نکال دیا اور اس کو ہرایا کیسے جاتا ہے؟ حضور ﷺ کے خاکے کو اپنانے سے، دیکھو! جو بھی خاکہ حضور ﷺ کے راستے سے ہٹا ہوا ہو وہ شیطان کا خاکہ ہے، اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بھی خوبی سے خالی پیدا نہیں کی۔

شیطان کی خوبیاں

تو دیکھو! شیطان میں کوئی خوبی ہے، ہاں! ایک خوبی ہے، وہ ہے اس کی استقامت، ایک دفعہ جو برائی کا وعدہ کیا تو اس پر جمارہا، اگرچہ برائی پر جمنا بھی بڑی برائی ہے، اور ایک بات اور عرض کروں کہ شیطان تو دوزخ میں جائے گا ہی لیکن اکیلا جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ دس، بارہ کو بھی لے جائے گا۔ اور اگر بس چلے تو سب کو، حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام اور صلحا کو بھی ورغلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ وہاں اس کا بس نہیں چلتا، لیکن کوشش کو تو نہیں چھوڑتا۔ دیکھو! ہمارے مکان پر شور آرہا تھا اگرچہ میں سنتا کم ہوں پوچھا تو معلوم ہوا کہ باسکٹ بال کا میچ ہو رہا ہے، اور یہ کیا ہوتا ہے، دو پارٹیاں ہوتی ہیں اور ایک گیند ہوتی ہے، جس کو ایک تو اِدھر پہنچانا چاہتا ہے اور ایک اُدھر لے جانا چاہتا ہے۔ اب اگر یہ اِدھر لے آیا تو یہاں تالیاں بجتی ہیں اور اگر اُدھر لے گیا تو اُدھر شور بلند ہو جاتا ہے۔

شیطان کا مقابلہ کرنا

اب دیکھو! شیطان سے بھی تمہارا ایک کھیل ہے، اور یہ کھیل بھی ایسے ویسے نہیں بلکہ جنت اور جہنم کو پہنچانے والا ہے، ایک تو سفید وردی والے ہوتے ہیں اور ایک کالی وردی والے ہوتے ہیں، اب اگر وہ کالی وردی والے (کفار) تو آگے بڑھ جائیں اور یہ ویسے دیکھنے

لگیں، تو کیا ان کی شکست ڈکلیئر نہیں ہو جائے گی، ایک آ گیا شیطان اور دوسرا ہے انسان، اب شیطان تو ایک گول کرے، دو گول کرے اور یہ کہے ہونے دو، ابھی وقت بہت ہے، جب گھٹا بیٹھ جائے تو پھر کیا ہو جائے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ کفر پھیل گیا، اندھیرا چھا گیا، کیوں نہ پھیلے، جب پاسبان خود سو گئے تو اور کیا ہو جائے ''وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ'' (اور یہ دوسروں کو بھی اس (قرآن) سے روکتے ہیں۔) تم تو دین کے سپاہی بن کر آئے تھے، تمہیں تو دین کی حفاظت کرنی ہے، اب جو دشمن نے حملہ کیا، اور تم آنکھیں بند کر جاؤ تو کیا دشمن تمہارے اوپر نہیں آئے گا، دنیا تو میدان جنگ ہے جس نے ذرہ بھر غفلت کی تو وہ تباہ ہو گیا۔ وہ کہتا ہے:

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ منزل دور شد

(پاؤں سے کانٹا نکالنے کے لیے تھوڑی دیر ٹھہرا کہ سواری نظر سے غائب ہو گئی۔ اسی ایک لحظہ کی لاپرواہی نے منزل سے سو سال دُور رکھا۔)

یہ وقت جو تمہیں دیا گیا، یہ مہلت تمہیں دی گئی، ایک آزمائش کے لیے اور وہ یہ کہ شیطان تمہیں جس روپ میں آجائے، جس رنگ میں آجائے، جس طرح بھی جامہ پہن لے، چاہے مال کے روپ میں ہو، دنیا کے روپ میں ہو چاہے انسان کے روپ میں ہو، وہ مولانا فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس نشاید داد باہر دست، دست

(بہت سارے ابلیس انسانوں کی شکل اختیار کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اس لیے ہر ایک کے ساتھ مرشد جیسا معاملہ نہ رکھا جائے۔)

تم ان کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دو گے، تم کو اپنے رب کا دھیان ہو گا، رب کا خیال ہو گا،

رب سے ملنے اور اپنے اعمال کی پوچھ کی فکر ہو گی۔ دیکھو! تم اپنی قبر میں جاؤ گے، جب نکیر آئیں گے تو تمہارا جواب مجھے اور میرا جواب تمہیں نہیں دینا ہو گا، ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہو گا۔ کیا اللہ رب العزت نے یہ دنیا جو بنائی تو ویسے عبث بنائی اور کچھ پوچھ نہیں ہو گی، یقین جانو، سن لو کہ ایک ایک بات کے متعلق پوچھا جائے گا، کہ میرے نقشے ٹوٹ رہے تھے "میرے خاکے مٹ رہے تھے، اور تم نے کوشش نہیں کی" تم ایمان والے ہو، تم یقین والے ہو، تمہارا معاملہ بے یقینوں جیسا نہیں، سوچو، سمجھو اور فکر کرو کہ کیا کہا ہے! مسلمان ہونا آسان کام نہیں، یہاں لوہے کے چنے چبانے ہوں گے۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لَآ اِلٰہَ را

(اپنے کو مسلمان کہہ کر لرزنے لگتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کے الفاظ کا تقاضا کیسے مشکلات والا ہے۔)

یہ کیا بات ہے! کہ عاشق تو ہوئے ایک کے، وعدہ کیا ایک سے اور تعلق جوڑا دوسرے سے، وہ کسی والی بات مال انکا اور کام دوسروں کا۔

اُمّتی کا فریضہ

میں بات کو لمبا کرنا نہیں چاہتا، لیکن مختصراً عرض کرتا ہوں کہ اللہ کا احسان ہے کہ ہم تو اس حالت میں پیدا ہوئے، کہ ایمان ہمارے گھروں میں تھا، ماں باپ مسلمان تھے، معاشرہ مسلمان تھا، ماحول مسلمان تھا، لیکن ذرا تو دیکھو، کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ کیا ہوا، نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دعوت دے رہے تھے اور سب لوگ مخالف تھے، یہ ان تمام مشکلات کو دیکھ رہے تھے لیکن جب ایک دفعہ "لَآ اِلٰہَ" کہا، تو کیا ہوا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا مشن ان کا مشن بنا، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا کام ان کا کام ہوا اور آپ کا مقصد ان کا مقصد اور امتی تو کہتے ہیں اس کو کہ نبی

کے مشن کو اپنالے، نبی کے مقصد کو اپنا مقصد جانیں، اور جو اس مشن کو اپنا تا نہیں، اور اس مقصد میں شریک نہیں ہوتا تو امتی کیسے ہو گا؟ اب جس طریقے کے لیے حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے خون بہا، گالیاں سُنیں، مار کھائی، یہ سب کچھ سہا لیکن ایک طریقے کو رائج کرنے کے لیے محنت کرتا رہا۔ دوستو! حضور ﷺ کے خاکے کے بنانے کے لیے اپنے کو مٹاؤ، آپ کے طریقے کو اپناؤ چاہے تمام دنیا تمہاری مخالف بن جائے، وہ کسی نے کہا ''کہ اے یثرب میں سونے والے! ذرا تو دیکھ کہ اب لوگوں کو کیا ہوا''۔ اب اگر نبی ﷺ اپنے جسد اطہر کے ساتھ بالفرض محال تشریف لائیں، تو کوئی بات نہیں کہیں گے، بلکہ جو پہلی دفعہ کہی تھی وہی بات فرمائیں گے۔

''یَآاَیُّهَاالنَّاسُ! قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ تُفْلِحُوْا''(الدار قطنی الصحیۃ اوالرقم:۲۹۷۶)

اے لوگو! لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے، تم مؤمنین ہو، یقین کرنے والے، حضور ﷺ کے نائب ہو، اور نائب کا کام اپنے آقا کی نیابت کرنی ہوتی ہے چاہے موجود ہو چاہے موجود نہ ہو اور شریف بیٹا تو وہی ہوتا ہے کہ باپ کی غیر حاضری میں بھی شریف رہے۔ قیامت کا جو خاکہ قرآن نے کھینچا ہے اور ہمارے آقا نے بیان فرمایا ہے نہ میں بیان کروں اور نہ کوئی دوسرا۔ دیکھو! جنت میں ایک گروہ ایسا ہو گا جو کہ جنت کے دروازے کے پاس جائے گا اور کہے گا ''کھول دروازہ'' تو دروانچی کہے گا کہ ابھی تو حساب کتاب بھی نہیں ہوا، تم کیسے آئے؟ تو وہ کہے گا ہمارا حساب کیا ہو گا جبکہ ہم نے کوئی کام اپنی رضا کے لیے نہیں کیا۔ پتہ نہیں کہ آپ کی سمجھ میں آتا ہے یا نہیں، یہ تبلیغ والی بات جو ہے ایسی ہے، جیسے حلوہ۔ ذرا تو حلق میں گزار دو۔ ایسے میٹھا ہو گا چھوڑنے کو جی نہ چاہے گا۔ اور یہ بس یہی کہتے ہیں کہ زندگی میں صرف چار مہینے اللہ کے دین کے واسطے نکالو اور مہینے میں تین دن اس مشق کو تازہ کرنے کے لیے دیا کرو اور ہفتے میں دو دفعہ گشت میں شریک ہونے کی کوشش کیا کرو اور اسی طرح جہاں بھی رہو،

اور جیسے بھی رہو، امور دین کی باتیں کرو، اب کسی کی ہوئی جو اماں، پتہ نہیں تم نے اماں کو دیکھا ہے، یا نہیں، میں نے دیکھا ہے، اماں اگر کہیں چلی جائے تو چاہے کونسی بھی بات ہو، وہ تو اپنے بیٹے کی بات چیڑتی رہے گی، اور اس کے لیے موضوع ڈھونڈے گی، اس کے پاس اور ہوتا کیا ہے؟ تو اسی طرح اپنے دل میں اللہ کی محبت بساؤ کہ کہیں بھی نہ بھولے۔ باہر جانے کی چھٹی نہیں ملتی، تو یہاں تو گھٹی پینے کے لیے آیا کرو۔ خود آیا کرو اور دوسروں کو لایا کرو، لگاؤ اپنے کو محمد ﷺ کا درد پیدا کرنے کے لیے اور جس کے دل میں محمد ﷺ کا درد نہیں تو وہ کل اس کو کیا منہ دکھائے گا۔ دوستو! اس درد کو پیدا کرنے کے لیے، اس طریقے کو اپنانے کے لیے یہاں گنج علی خان میں شب جمعہ کو کچھ بات ہوتی ہے، جی چاہے تو یہاں تشریف لایا کرو، اور اسی طریقے پر گشت ہوتا ہے، اور گشت کیا ہے؟ اپنے بھائیوں کے پاس نبی ﷺ کے طریقے پر جانا ہے۔ دیکھو! کوئی کام بغیر محنت کے نہیں ہوتا، اور محنت کے لیے وقت نکالنا پڑتا ہے تو یہ اوقات جو مانگتے ہیں، ڈنڈہ ماری کے لیے نہیں مانگتے، بلکہ ایمان کو پیدا کرنے کے لیے، دین کو سیکھنے کے لیے مانگے جاتے ہیں۔ دوستو! یہ دین کا کام تمہیں ہی کرنا ہے اگر نہیں کیا تو کل حضور ﷺ کو کیا منہ دکھاؤ گے، کچھ تو کرو کہ اور نہ سہی یہ تو کہو گے۔

گو نالہ نارسا تھا نہ تھی آہ میں اثر
ہم نے تو کچھ کمی نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

دوستو! ہم یہ مجلس صرف اللہ کے دین کے لیے قائم کرتے ہیں، کچھ دل لگی کے لیے نہیں کرتے۔ دوستو! فکر پیدا نہیں ہوتی تو پیدا کرو چوٹ لگتی نہیں تو لگاؤ۔

دُنیا اور آخرت کا تقابل

اسلامیہ کالج مسجد پشاور یونیورسٹی(6 نومبر 1962ء، بعد از نمازِ مغرب)

عزیزو، دوستو اور بزرگو! اللہ رب العزت نے ہمیں پیدا فرمایا، اور بیشمار احسانات کئے، ہائے! اس سے بڑھ کر کونسا بڑا ظلم ہو گا کہ جو پیدا ہوا اور وہ اپنے پیدا کرنے والے کو بھُلائے، اُس کے احسانات کو بھول جائے اور اُس کے احکام سے غافل ہو جائے، یہاں تو ہمیں پتہ نہیں چلتا، ذہنوں پر ایسا پردہ چھایا ہوا ہے کہ حقائق کھُلتے نہیں اور جہاں تک یہ پردے نہیں کھُلتے تو حقائق کیسے کھلیں۔ یہ تو تب کھلیں گے جبکہ آنکھیں بند ہو جائیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''لوگ نیند میں ہوتے ہیں، اور جب مردہ ہو جاتا ہے، تو جاگ اٹھتا ہے'' حالانکہ ہم اس کے برعکس کہتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک تو نہ وہ اٹھتا ہے، نہ چلتا ہے نہ پھرتا ہے، نہ کچھ کرتا ہے۔

دُنیا کی زندگی نیند کے مشابہہ:

دوستو! یہ بات ذہن میں بٹھالو، کہ جو بات نبی ﷺ کی بات سے ٹکرائے، وہ رد ہے، باطل ہے، اور ایمان کی پہلی بنیاد ہی یہی ہے، کہ اپنی فکر کو نبی ﷺ کی فکر پر اپنے علوم کو نبی ﷺ کے علوم پر قربان کیا جائے، اور حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے سنتے، جانتے، اور اپنے تجربوں سے معلوم کرتے ہیں، وہ محدود ہے، اور وہ بھی اتنا محدود کہ جن کانوں سے ہم سنتے ہیں، اگر ذرا سا فاصلہ حائل ہو جائے تو سننا ختم، آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں، لیکن جب کوئی چیز حائل ہو جائے تو دیکھنا ختم، یہ حواس نہایت ہی محدود ہیں اور وہ ایسے کہ ذرا مسجد سے دور تو دیکھو، اور دور کی آواز بغیر آلے کی سُنو، اور یہ بھی چھوڑ دو، اپنے پاس بیٹھے ہوئے آدمی کے ذہن کی بات کا ادراک تو کرو، نہیں ہوتا؟ تو گویا ہم پاس بیٹھے ہوئے بھی ایک دوسرے سے دور

ہوتے ہیں، یہ تو ہوئی ہماری حالت اور نبی ﷺ اپنے کان سے نہیں سنتا اللہ سے سنتا ہے۔ اپنی زبان سے نہیں کہتا ہے، اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتا، بلکہ اللہ سے دیکھتا ہے۔ اور اپنے دماغ سے نہیں سوچتا بلکہ اللہ اس کے دِل میں ڈال دیتا ہے۔

تو دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دل میں یہ بات یقین کے درجے تک پہنچالیں، کہ تمام عالم ہے اَندھا، تمام عالم ہے پگلا اور تمام عالم ہے دیوانا جو کہ نبی ﷺ کی بات کو غلط کہتا ہے اور کیوں؟ کہ ہم تو اپنی پُشت کو نہیں دیکھتے، اور جو آنکھ سب کو دیکھتی ہے وہ اپنے پچھلے حصے کو تو دیکھے، تو جب حالت یہ ہے تو پھر اُن کیفیتوں کو کیسے جانے، جو نگاہوں سے او جھل، خیالات سے دور، اور عقل کی رسائی سے پرے ہیں، وہ رب جانتا ہے، جو وہ خود کرنے والا ہے، اور یا اُس کے انبیاء علیہم السلام جن کو وہ خبر دیتا ہے۔

تو دوستو! اب انبیاء علیہم السلام جو کہ رب سے براہِ راست پاتے ہیں، وہ درست ہو گا، یا کہ جو ہم کہیں وہ درست ہو گا، یقیناً اُن کا فرمان سچا ہو گا، اُن کا کہنا ٹھیک ہو گا، اور ہمارا غلط تو اب ہم سب کے خلاف نبی ﷺ یوں کہتا ہے کہ ”جب تم مر جاؤ گے دیکھنے والے بن جاؤ گے“۔

اس کہنے کا کیا مطلب ہے؟ میں ایک مثال سے سمجھا رہا ہوں، عربی کا محاورہ ہے ”النوم اخت الموت“[7] نیند موت کی بہن ہے اور اردو میں ہم کہتے ہیں ”سویا اور مردہ برابر“۔ اسی طرح نبی ﷺ ہمیں یہ بتانا چاہتا ہے، کہ او پگلو! تم مردہ ہو، دیکھو نیند میں انسان کیا کیا خواب دیکھ رہا ہے، لیکن جب اُٹھ جاتا ہے، تو پتہ چل جاتا ہے، کہ سب وہم و خیال تھا، حقیقت کچھ نہ تھی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری زندگی خواب کے مماثل ہے، کہ تم چیزوں کو دیکھتے ہو، اور چیزوں کے پیدا کرنے والے کو نہیں دیکھتے، تم ایک کارخانے کو جاتے ہو، اس کو چلتا ہوا دیکھتے ہو، اور مختلف قسم کی چیزیں بنتی ہوئی نظر آتی ہیں، تو جھٹ سوچتے ہو،

---

[7]۔ النوم اخوالموتو اهل الجنة لا ينامون ولا يموتون۔ (طبرانی بحوالہ کنوز الحقائق)

کہ کیسے بڑے کاریگر کی کاریگری ہے، یہ نہیں کہتے کہ یہ تمام کارخانہ خود اپنی ذات سے قائم ہے اور چل رہا ہے، کسی بنانے والے نے نہ اس کو بنایا اور نہ چلایا ہے، اسی طرح پوری دنیا کو رب العزت نے بنایا ہے، اور اس کو وہ ہی چلاتے ہیں، کسی کو اختیار نہیں، کہ ایک حالت کو بدل کر دوسری حالت کو لے آئے، جو کچھ کرتا ہے وہ ہی کرتا ہے، اور اس میں جو کچھ تغیرات آتے ہیں وہ ہی لاتے ہیں اور اس کو کہتے ہیں ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کسی سے نہیں ہوتا، اللہ سے ہوتا ہے''۔ ہمارے حضرتؒ کا ایک شعر ہے:

کار فرما ایک آتا ہے نظر

منکشفِ اب رازِ اِلَّا اللّٰہ ہے

حضور پاک ﷺ کی فیّاضی:

تو ہر کام و عمل میں ذاتِ حقیقی کا نقشہ ایسا چھا جائے، کہ تمام دنیا مردہ اور ایک حی و قیوم ذات زندہ نظر آئے، تب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا راز منکشف ہو جائے اور یہ ایک حقیقت ہے جب تک یہ دل میں نہ جائے تب تک عزت ذلت کے آگے جھکتے ہیں، ان کو مخلوق سے ملتا ہوا خیال کرتے ہیں اور ہم نے چیزوں کو الٰہ بنا رکھا ہے اور معبود حقیقی کو چھوڑا ہے، اور جس نے حقیقت کو دیکھا ہو، وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ فلاں ذریعے سے آتا ہے، بلکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے آتا ہے اور کسی کی طرف سے نہیں آتا، حضور ﷺ کے پاس ایک سیدھا سادہ دیہاتی آتا ہے، اور کہتا ہے، کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور پورے زور سے سوال کرتا ہوں، کہ مجھے عطا کیجئے، تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اُن پہاڑوں کے درمیان وادی میں جتنی بھی بھیڑ بکریاں ہیں، یہ لے لو، یہ وہی کر سکتا ہے، جس کو لامتناہی خزانوں پر نظر ہو، تو اب اعرابی کو یقین نہیں آتا، کہ کوئی اتنا بھی دے سکتا ہے، لیکن حضور ﷺ کی زبان سے جو بات بھی نکلتی ہے، وہ سچی ہوتی ہے، چاہے غصے میں ہو، چاہے خوشی میں ہو، اعرابی جو اس کو لیتا ہے،

تو اپنے قبیلے کے پاس جا کر پکارتا ہے ”اے میری قوم! سب کے سب مسلمان ہو جاؤ، محمد ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ پھر افلاس کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا“ اور حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”انفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالًا“۔(کنوز الحقائق)

کہ میں تو عرش کے مالک سے لیتا ہوں، اُس ذات سے لیتا ہوں جس کے خزانے ختم ہونے میں نہیں آتے، تو میں عرض کر رہا تھا، کہ جس نے یہ دیکھا کہ عزت فرعون کے سامنے جُھکنے سے نہیں ہے، وہ کامیاب ہوا، اُس نے حقیقت کلمہ کو پایا، اور فرعون ہر زمانے کے مختلف ہوتے ہیں، یا فرعون وہی ایک ہوتا ہے لیکن شکلیں بدلتا رہتا ہے، کبھی تو مال کی صورت میں آتا ہے، کبھی جاہ کی صورت میں آتا ہے اور کبھی بیوی بچوں کی صورت میں آتا ہے، اور کبھی کس شکل میں اور کبھی کس شکل میں۔ تو دوستو! ہم جب یہ مانتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، وہی ہم کو پالے گا، وہی عزت دیگا، تو پھر غیروں کے سامنے کیوں جھکتے ہیں، اُن کی بے جا خوشامد کیوں کرتے ہیں اُن سے عزت اور ذلت کا آتا ہوا کیوں دیکھتے ہیں؟

بتوں کا ہے بندہ خدا کا نہیں ہے
خدا کا نہ ہو جو مسلمان ہو کر
بُتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نا اُمیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

صحابہؓ کی زندگی:

دیکھو! ہمارے رب کے اختیارات ختم نہیں ہوتے۔ وہ جیسے پہلے صاحب اختیار تھے، اب بھی ہیں اور رہینگے، اُس کے ہو جاؤ تو جو بھی تمہارے خلاف آئے، ختم ہو کے رہ جائے گا، مخلوق سے مقابلہ ہو سکتا ہے، لیکن خالق کے ساتھ مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ عرب میں ایک قوم ایسی تھی، جو چھپکلی تک کھایا کرتے تھے، اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کرتے تھے، کوئی

ایسی برائی نہ تھی جو اُن میں موجود نہ ہو، لیکن ایک آنے والا ایسا آیا، جن کے آنے سے اُن کے رنگ بدلے، ڈھنگ بدلے، چال بدلی، ڈھال بدلی، فکر بدلی، خیال بدلا، اُن کے بدن پر کمخواب نہیں آئے، لیکن کچھ خاصیت ایسی پیدا ہوئی کہ پہلے خود بھی راہ پر نہ تھے، اب اوروں کو چلانے والے بن گئے، آخرت پر یقین والے نہ تھے، تو اب اوروں کو یقین کے متعلق کہنے لگے، اور یہاں تک ہوا کہ جنت کی خوشبو اُحد کے پہاڑوں سے آنے لگی"

دوستو! یہ فرضی کہانیاں نہیں حقیقت ہیں۔ یقین پیدا کرو تاکہ تم بھی جنت کو یہاں دیکھنے لگو، اور آخرت پر ایمان کوئی معمولی چیز نہیں، جب ایمان کی سوچ دلوں میں آتی ہے، تو اُن کے سامنے ایک ایک چیز کھلتی ہے، حضور ﷺ نے ایک صحابیؓ سے فرمایا: "کہ تیرے ایمان کا کیا حال ہے؟" تو کہا کہ "میں جنت و دوزخ کو سامنے دیکھتا ہوں، اور لوح محفوظ پر قلم کے چلنے کی آواز کو سنتا ہوں"۔ یہ ہے ایمان و یقین کا حال، اور ہم نے دین کو محض ایک فرضی خیال بنایا ہے، نہ تو کچھ کوشش کریں نہ مجاہدہ، اور اپنی جگہ سے بھی نہ ہلیں اور سب کچھ پڑے پڑے مل جائے، کیا لڈو کا مزہ بغیر کھانے کے ملتا ہے، نہیں اور ہر گز نہیں، تو جب لڈو جیسی چیز کا مزہ تب آجائے جبکہ اس کو کھا جائے تو دین کی حقیقت بغیر محنت کے کیسے آجائے، بلکہ اس کے لیے بھی مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، کوشش کرنی ہوتی ہے، تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں، یہ نری کتابوں سے نہیں آتی، بلکہ مجاہدہ سے حقیقت دِل میں اُترتی ہے، کتابوں سے معلومات آتے ہیں، دین نہیں آتا، ایک بزرگ گزرے ہیں، ہرات میں رہتے تھے، کسی راہ پر گزر رہے تھے، بو علی سینا سے ملاقات ہوئی، اور بو علی سینا نے بہت سے دلائل بتائے، تو اُس نے کہا کہ "جیسے تو سوچتا ہے، میں اُس کو دیکھتا ہوں، اور جو کچھ تو دیکھتا ہے، وہ میرا حال ہے" جب حقیقت اُترتی ہے، تو پھر انسان ایسے بن جاتا ہے۔

دوستو! جیسے مولانا رومؒ نے فرمایا: "ایمان صرف الفاظ کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک ایسی

حقیقت ہے کہ جب دل میں آجائے، تو اُس کو جلا کر رکھ دے"۔ اب جو کہتے ہیں، کہ بھائی دین کا کام کرو، تو کہیں گے کہ ہم کام کیسے کریں، ہمارے باپ دادا نماز پڑھتے تھے اور ہم بھی پڑھتے ہیں، قرآن شریف پڑھتے تھے اور ہم بھی کبھی کبھار پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں۔

کلمہ کی حقیقت:

دس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک دفعہ شہر میں ایک چمار کے پاس گیا، اور اُس کو کہا کہ ثواب کے لیے کلمہ پڑھو، تو وہ بر افروختہ ہوا اور رَنبے کو نکال کر کہا:

"کیا میں ہندو ہوں"۔

تو بھائی نہ کلمے کی حقیقت کو ہم جانیں، نہ تم جانو، ایک دفعہ میں دہلی گیا، تو حضرت جی (مولانا محمد یوسف مدظلہ) بیان فرما رہے تھے، اور وہاں ایک بڑی نمائش بھی لگی تھی، تو فرمایا کہ اگر تم میں کلمے کی حقیقت آجائے تو تمام دنیا کے لوگ تم کو دیکھنے کے لیے ایسے آیا کریں، جیسے کہ نمائش کے لیے آئے ہیں" ہرقلؔ کے پاس جب اُس کے جاسوس آئے اور اُس سے مسلمانوں کے حالات سنائے تو کہا کہ "ان لوگوں سے ٹکر لینی در اصل رب سے ٹکر لینی ہے اور رب سے کون ٹکر لگائے اور انہوں نے کیا کہا" رھبان اللیل فرسان النھار "رات کو مصلے کے سوار اور دن کو غازی ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ اُن کے پاس اسلحہ زیادہ ہے، مشینری ہے، بلکہ یہ کہا کہ "رب کے ساتھ اُن کا تعلق ہے" اور جیسے مقناطیس لوہے کی سوئیوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے، اسی طرح رب کی ذات کی طرف ہر چیز کی کشش ہے، تم رب کے ہو جاؤ، ہر چیز تمہاری ہو جائے۔

اس کے لیے ایک آسان طریقہ ہے، مشکل نہیں، یہ تبلیغ والے جو کہتے ہیں، کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" ہم رب سے لینے والے بنیں گے، غیروں سے لینے والے نہیں ہیں۔ اور یہ کچھ مشکل نہیں بہت آسان ہے اور وہ کیسے؟

لَآ اِلٰہَ گوئی بگو از گوئے جان

(زبان سے تو لَآ اِلٰہَ کہتے ہو لیکن دِل کے اخلاص سے کہو تا کہ ہر چیز کا خاتمہ ہو جائے۔)

زبان سے لَآ اِلٰہَ، تو کہا ہے، اب اس کو دل کے اندر بساؤ، اور جو دل کے اندر بس جائے، تو پھر خوشبو نکل آئے گی، جیسے کے رومال کو عطر میں بسا کر خوشبو نکلتی ہے، اسی طرح "لَآ اِلٰہَ" دل کے اندر بس جائے گا، تو پھر جدھر بھی نکلو، تو وہاں پر خوشبو کی لپٹیں پھیلیں گی، تم کہو یا نہ کہو، لوگ خود بخود سمجھیں گے کہ یہ اللہ والے ہیں۔

تو دوستو! آج یہ فیصلہ کر لو، کہ ہم رب والی زندگی گزاریں، اور حضور ﷺ والے خاکے میں رہیں، اور جیسا کہ تم حضور ﷺ والے اعمال تو نہیں کر سکتے لیکن آپ کی نسبت والے اعمال آجائیں، تو یہ کیا معمولی بات ہے؟ اگر کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تو کیا کعبے کی طرف منہ بھی نہیں کر سکتے۔

دوستو! میں منبر رسول ﷺ پر بیٹھا ہوں، اور قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اگر تم نے سچے دل سے حضور ﷺ کی زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا، تو تمہیں فائدہ حاصل ہو، اور فائدہ بھی ایسا فائدہ جو لامتناہی ہو، نہ ختم ہونے والا ہو، اب خود سوچ کر فیصلہ کرو، جوش سے نہ کرو بلکہ ہوش سے کرو، ہم آپ کو پڑھنے سے نہیں روکتے بلکہ کہتے ہیں، خوب پڑھو لیکن رب کے دین کے لیے بھی کچھ تو کرو، تو آج سے فیصلہ کرو، کہ ہم سے جتنا ہو سکے، اے رب! تمہاری مرضی والی زندگی گزاریں گے اور غیروں کی مرضی پر نہیں چلیں گے اور یہ کچھ مشکل بات نہیں بلکہ بہت آسان ہے، صرف استقلال شرط ہے، آج سے توبہ کرو، گزشتہ گناہوں سے استغفار مانگو، اور مصمم ارادہ کر لو، تو اللہ خود بخود آسان فرمائیں گے، دیکھو! ہاتھ گندے ہو جائیں، تو کیا پھر ہمیشہ ان کو گندہ رکھو گے، بلکہ صاف کرو گے، اور جو دل گندے ہو جائیں تو ان کو صاف کرنے کے لیے کچھ نہیں کرو گے، ان کو بھی صاف کرنا ضروری ہے، اور انکی صفائی کیسے

ہو؟ اللہ کو یاد کرنے سے۔ تو اللہ کو یاد کرو، اور گناہوں سے بچتے رہو، شروع میں خطائیں بھی ہوتی رہیں گی، جس طرح کہ میری ٹانگوں میں طاقت نہیں، تو تھوڑی دور چلنے پر بھی گر جاتا ہوں، لیکن جن کی ٹانگیں مضبوط ہوں، معمولی مسافت پر پرواہ بھی نہیں ہوتی، اب ہم سے جو گناہ ہوتے ہیں، تو اس وجہ سے ہو جاتے ہیں کہ ایمان کمزور ہیں، اور جو مضبوط ہو جائیں، تو پھر گناہ نہیں ہونے پاتا، اور اگر تقاضائے بشری کی وجہ سے ہو بھی جائے، تو توبہ سے دُھل دھلا کر صاف کرتے ہیں۔ اس کے لیے اب جو تبلیغ والے کہتے ہیں کہ چار مہینے لگاؤ، تو کہتے ہیں کہ ''چار مہینے!'' اب بھائیو! خود بتاؤ تم بی۔ اے کے لیے چودہ سال لگاتے ہو یا نہیں، لگاتے ہو، اب بتاؤ کہ اس میں کتنے مہینے ہوتے ہیں، ایک سو اٹھاسٹھ (١٦٨) تو بس یہ محنت صرف اس لیے ہوتی ہے کہ اے۔بی سے نکل کر بی۔ اے تک پہنچ جاتے ہو۔ اور اب جو دین کے اے، بی سیکھنے کے لیے جو کہا جائے، کہ چار مہینے گزارو، تو کہتے ہیں کہ مشکل ہے، خیر اب مشکل ہے، تو چھٹیوں میں چلے جاؤ، جس طرح کہ تم مچھر مار بن جاتے ہو، تو دین کے بھی مچھر پیدا ہوتے ہیں، ان کو بھی ماردو۔ تاکہ بیماریاں نہ پھیلائیں۔

اور ہمارے ایک ساتھی ہیں، اُس نے آج تھوڑی دیر پہلے سوشل ورک میں "Presidential Award" ملنے کا ذکر کیا، تو اگر دین کے لیے محنت کروگے، تو اللہ اپنے ہاتھ سے ایوارڈ (Award) دیں گے، اور تمہارے سروں پر تاج رکھیں گے، اور ایسی ایسی نعمتوں سے نوازینگے، کہ خیال و گمان میں بھی نہ ہوں۔

اب بھائی شہر میں گھنٹہ گھر کے پاس ایک مسجد ہے، مسجد گنج علی خان اُس میں اللہ کے بندے دین کے لیے شب جمعہ کو اکھٹے ہوتے ہیں، کچھ دین کی بات ہوتی ہے، وہاں جانے کی کوشش کرو۔ تو یہ آسان مطالبہ ہے، اس کے لیے تیار ہو سکتے ہو؟ او بھائی! لگے رہو، لگے رہو آخر لگ جائے گا۔

دُنیا میں انہماک اور آخرت سے لاپرواہی

جامع مسجد اسلامیہ کالج پشاور(20نومبر1962ء،بعد از نمازِ مغرب)

میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! آج ہمیں یہ سوچنا ہے، کہ کیا اللہ رب العزت نے ہمیں اس دنیا میں صرف اس دنیا کے لیے بھیج دیا، یا کسی اور دنیا کے لیے۔ اور اگر ہمیں اس دنیا کے لیے بھیجا ہے تو کسی اور دنیا کو بھی جانا ہے ، یا نہیں ، اور کیا وہ زندگی زیادہ ہوگی یا یہ زندگی، اور پھر یہ بھی سوچنا ہے کہ اُس دنیا کے لیے یہاں محنت کرنی ہے یا وہاں۔

دوستو! ادیانِ باطلہ کے لیے یہ معاملہ اہم ہو یا نہ ہو، لیکن ہمارے لیے نہایت اہم ہے ، کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمیں بھیجا اس لیے گیا، کہ اس دنیا میں اُس دنیا کے لیے محنت کریں، یہ دنیا اُس دنیا کے لیے بنیاد کا درجہ رکھتی ہے یہاں جو بوؤ گے ، وہاں وہ کاٹو گے۔

دُنیا میں آخرت کے لیے تیاری:

اللہ نے روحوں کو پیدا کیا، اور اُن پر عالم ارواح میں جو جو نعمتیں کیں، وہ تو ہمیں یاد نہیں ، اس کے بعد ماں کے پیٹ میں صورت بنائی، اس میں روح پھونکی، اور پھر پرورش کی ، یہاں تک کہ پورا جسم مکمل ہوا، تو ماں کے پیٹ سے یہاں لایا، اب کس کو یاد ہے کہ وہاں کیا کھاتے تھے ؟ اور پھر تم میں سے کون ہے! جو کہ راضی ہو، کہ یہاں سے پھر واپس چلا جائے ، اور جو راضی بھی ہو تو کیسے جائے ؟ اب ہمارا جسم تو ماں کے پیٹ میں بنا ہے ، اور جیسا بنا ہے ویسا رہے گا، جو بغیر آنکھوں کے آیا وہ بغیر آنکھوں کے رہے گا ، جس کا ہاتھ نہیں تھا، وہ بغیر ہاتھ کے رہے گا، اور جو روح کے بغیر آیا، تو اُس کو تو فوراً گڑھے میں دبا دیا گیا، ہمارا جسم ماں کے پیٹ میں بنا اور روح کلی طور پر عالم بالا سے آئی، ماں کے پیٹ میں ہم بنے ، تو اس وجہ سے بنے کہ ہمارا جسم اس دنیا کی چیزوں سے استفادہ حاصل کرے ، یہاں جو عُضو بھی نہ بنا، یا بیکار بنا، اُس قدر

استفادے میں کمی ہوگی، یہ ہوا ماں کے پیٹ سے اس عالم میں آنے کا حال، اب یہاں سے دوسرے عالم میں جانے کے لیے اور وہاں کی چیزوں سے استفادہ کرنے کے لیے اور جسم کی ضرورت ہوگی، وہاں یہ جسم کام نہیں آئے گا، مثلاً اب اگر اس سردی کے موسم میں تم میں سے کوئی چترال کے برفانی پہاڑوں پر چڑھنا چاہے، تو اس کو اوور کوٹ(Overcoat) لینا ہوگا، گرم گرم دستانے پہننے پڑینگے، اور وہ سب سامان اکھٹا کرنا ہوگا کہ جو کہ وہاں ضروری ہو، بس یہی حال اُس دوسرے عالم کا سمجھو، یہ جسم جنت کی نعمتوں کو استعمال نہیں کرسکتا، ان آنکھوں میں وہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں، جنت والی روح جو بنتی ہے وہ بنتی ہے تمہارے ایمان کے نتیجے پر اس میں جو جان آتی ہے تو ایمان کے ذریعے سے، ایمان قوی ہو تو روح کی جان قوی ہوگی، نہیں تو ایسا جسم ہوگا، اور موت سے بھی بدتر حال میں، موت کو پکاریں گے لیکن موت نہیں آئے گی، جیسے کے کفار کے متعلق آتا ہے۔"ثم لا یموت فیھا ولا یحیٰی"نہ تو مریں گے اور نہ زندگی زندگی ہوگی، اور پکاریں گے"ربنا ارجع نعمل صالحًا"۔(اے ہمارے رب! ہمیں واپس بھیج دیں تاکہ نیک اعمال کریں۔)

قرآن پر عمل کرنے کی ضرورت:

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ ایمان اور اللہ کے ساتھ تعلق سے وہاں کی زندگی بنیگی، اللہ کے ساتھ تعلق نہ ہوا، تو پتہ لگ جائے گا ہم نے تو بس یہ پڑھ لیا کہ"فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا"اور ہمارے (خیال کے مطابق) قرآن پڑھنے کے لیے تو ہی ہے، دوستو! قرآن میں ڈوب جاؤ، سوچ سوچ کر پڑھو، تاکہ ایسا اثر کرجائے جیسے کہ حضور ﷺ کی ذات میں قرآن اثر کر چکا تھا۔"کان خلقه هو القرآن"۔(الدار المنثور سورۃ القلم، و انک لعلٰی خلق عظیم، ج۶، ص۴۲۲ صحیح مسلم، حدیث نمبر:۷۴۶) کہ قرآن تمہارے اخلاق بن جائیں، تمہارے ایک ایک عمل سے نُور ٹپکنے لگے، قرآن کے انوارات تمہارے رگ وپے میں گھس جائیں، تمہاری روح میں

سرایت کر جائیں تاکہ تم جنت کی نعمتوں سے استفادہ کرنے کے قابل بن جاؤ۔

اب ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم میں سے کتنے جنت میں جانا چاہتے ہیں، اور پھر حضور ﷺ کی معیت میں کون کون راضی ہیں، سب ہی راضی ہیں، اور سب یہی چاہتے ہیں، اس کے لیے پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے، اور کون ہے جو جہنم میں جانا چاہتا ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، یا یہ نہ ہو، تو وہ آپ کی انگریزی میں ملینز یا ٹریلینز ائیرز (سالوں) تک رہے اور پھر جنت میں چلا جائے۔ جہنم میں جانا تو در کنار، اس کی بُو بھی اگر لگ جائے تو برداشت نہیں ہو گی۔

کسی شخص کو اگر دن رات یہ بتایا جائے کہ تیرا ٹھکانہ یہی ہے تو کیا وہ خوش ہو گا یا ناخوش؟ قبر میں دن رات دونوں وقت جہنمیوں کو بتایا جاتا ہے کہ یہی تیرا ٹھکانہ ہے۔ تو کیا قبر میں اُس کی زندگی جہنم والی نہیں ہو گی۔

آخرت سے لاپرواہی:

تو دوستو! ہم اتنے بے فکر کیوں ہیں؟ ہماری آنکھوں میں حضور ﷺ کا چہرہ اقدس نہیں ہے، ہمارے نزدیک موت اور آخرت کے منازل نہیں۔ ہم نام کے تو مسلمان ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، کبھی کبھی نماز کے لیے بھی آجاتے ہیں، لیکن ابھی تک ایمان کی حلاوت ہمارے اندر اُتری نہیں، ہماری مثال ہو بہو اُس شخص جیسی ہے، جس کے ہاتھ پر آگ کا انگارہ رکھا جائے، پھر پھینکا جائے، اور اُس کا داغ باقی رہ جائے، ہم بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں، پرواہ نہیں ہوتی، دن رات غیر میں لگے رہتے ہیں، اللہ سے غفلت رہتی ہے اور یہ خیال بھی نہیں آتا کہ یہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ اور ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اور وہاں تو حالت یہی تھی کہ معمولی سی بات پر پکار اُٹھتے ہیں کہ ”نافق حنظلہ، ونافق ابو بکر رضی اللہ عنہما“ صرف اتنی بات تھی کہ حضور ﷺ کی مجلس میں جو حالت تھی، وہ حالت باقی نہیں رہتی، اور یہاں اور تو اور نماز میں بھی دوسری چیزوں کا شغل ہوتا ہے، غیر اللہ کا دھیان ہوتا ہے، اور سکون میسر نہیں ہوتا، ہائے! ایک تو ایسا

وقت تھا کہ کہتے تھے۔

چوں نماز میں گزارم، بخدا خبر ندارم
کہ تمام شد، رکوعے، یا امام شد فلانے

(جب میں نماز پڑھنے لگتا ہوں تو خدا کی قسم کہ ہوش ایسے اُڑ جاتے ہیں کہ یہ بھی پتہ نہیں لگتا کہ رکوع کب تمام ہوئی اور امام کون بنا؟)

اور ایک ایسا وقت آگیا کہ
این چنین تسبیح کے دارد اثر

(ذرا ان سے تو تسبیح کی ادائیگی ہوتی ہے اور دِل میں بیل اور گدھوں کا سودا ہوتا رہتا ہے۔ تو جب دِل میں یادِ حق نہ ہو تو ایسی ذکر کا فائدہ کیا رہے گا۔)

دوستو! کام وہی وقت آئے گا، جو اللہ تعالیٰ کے کاموں میں لگا یا ہو، اور جو وقت اللہ سے غفلت میں گزرا، وہ ضائع ہوا برباد ہوا، جس نے یہاں اللہ کے احکام سے منہ موڑا، عمل نہیں کیا، قیامت کے دن جب اُس کو اندھا اُٹھایا جائے، تو کہے گا، کہ مجھے اندھا کیوں اُٹھایا گیا۔ حالانکہ دنیا میں تو میری بڑی بڑی آنکھیں تھیں، جواب دیا جائے گا، کہ اسی طرح ہماری آیتیں تمہارے پاس آتی تھیں، لیکن تم اندھے بن بیٹھے تھے اُن پر عمل نہیں کرتے تھے، تو اُس کی پاداش میں آج ہم نے بھی تم کو اندھا کر لیا، بینائی سلب کر لی۔

دوستو! سوچو کہ ہم جو پچاس ساٹھ سال کی زندگی کے لیے اتنی محنت کرتے ہیں تو ابد الاباد والی زندگی کے لیے کیوں نہیں کرتے۔ یہ باتیں محض اپنا علم جتانے کے لیے نہیں عرض کیا کرتے بلکہ ان کا مقصد یہی ہے کہ ہم عمل کے لیے تیار ہو جائیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ پر دین کا قیام

بمقام یونیورسٹی کوارٹر مسجد (25 نومبر 1962ء، بعد از نماز مغرب)

انبیاء علیہم السلام کے طریقے میں کامیابی:

میرے دوستو، عزیزو، اور بزرگو! اللہ رب العزت نے سیدنا حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے ہمیں ایک طریقہ بتایا، جس پر چل کر انسان اس زندگی میں بھی کامیاب رہتا ہے اور موت کے بعد کی زندگی میں بھی کامیاب ہوتا ہے۔ تو گویا جس نے آپ کی زندگی کو اپنایا تو اس انسان کی اس دنیا کی زندگی بھی کامیاب رہے گی اور اُس دنیا کی زندگی بھی سدھر جائے گی، اور یہاں کی زندگی تو عارضی ہے اور وہاں کی زندگی جو شروع ہو جائے گی، وہ دائمی ہے اور نہ ختم ہونے والی ہے۔ تو گویا حضور ﷺ کا طریقہ اختیار کرنے سے انسان کا اپنا فائدہ ہے اللہ تو بے پرواہ ہیں، شاہ ہیں کسی کے نیکی اختیار کرنے سے اُس کی بادشاہی میں فرق نہیں آتا اور کسی کے بُرائی اختیار کرنے سے اُس کی بادشاہی میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا، اگر کوئی شخص زہر کھالے تو پھر زندگی نصیب نہیں ہوتی اسی طرح بُرے اعمال بھی ہیں لَآ اِلٰهَ کا اقرار کرنا ایک وعدہ اور ایسا وعدہ ہے جس میں ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی میں حضور ﷺ کے اعمال رائج کرنے والے بنیں گے۔ انبیاء علیہم السلام جو تمام کے تمام کامل ہیں اور پھر محمد ﷺ ان سب میں اکمل ہیں، اس لیے حضور ﷺ کی زندگی میں ہم کو جو تعلیم ملتی ہے وہ بھی اکمل اور ہماری تمام زندگی پر حاوی ہے، حضور ﷺ نے ہماری زندگی کے ہر شعبے میں نہایت عمدہ طریقہ بتایا، جیسے درخت کی شاخیں، پھول پتے، جڑوں پر قائم ہوتی ہیں، اسی طرح حضور ﷺ ہم میں جو پھل اور ثمرات پیدا کرنا چاہتے ہیں، اُن کی بنیاد اور جڑ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام نے یہی طریقہ بتایا اور تمام نے کہا کہ الوہیت کی جتنی بھی مظاہر ہیں انہیں

اللہ کی ذات میں دیکھو، تو گویا انسان کی جتنی بھی ضروریات ہیں وہ اللہ کی ذات سے ملیں گی مجھے صحت کی ضرورت ہو، رزق کی ضرورت ہو، اور اسی طرح جس چیز کو بھی لے لو، تمام کی تمام اس اقرار کے بموجب اللہ سے آتی ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کو دیکھو تو ہر ایک میں یہی نظر آئے گا کہ فاعل مطلق اللہ کی ذات ہے، جو بھی کام ہوتا ہے وہ رب کے اختیار میں ہوتا ہے، اور توحید کا مطلب یہی ہے کہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے اور انبیاء علیہم السلام کی توحید مردہ نہیں ہوتی وہ زندہ ہوتی ہے، وہ قولی اور نظریاتی نہیں ہوتی بلکہ عملی اور فاعلی ہوتی ہے، دیکھو! قرآن کی ابتدائی سورتوں میں سورۃ المزمل ہے اور اس میں کھلے لفظوں میں یہ ذکر ہے ''وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا'' سب سے توڑ کر رب سے جوڑو۔ اللہ تعالیٰ ہماری جملہ ضروریات کو جانتا ہے اور بغیر کسی کے ارادے اور مشورے کے جو چاہتا ہے کرتا ہے، کسی دوسرے سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

عقل کا دھوکا کھانا:

اس عالم کے نقوش پر نگاہ ڈالو، تو معلوم ہو جائے گا کہ انسان نے جو ٹھوکر کھائی ہے، اس پر کھائی ہے کہ وہ دنیاوی نظاموں سے اپنی ترقی کو دیکھتے ہیں، اسباب پر اپنی ترقی کا دارومدار جانتے ہیں۔ اور آج اگر ہم دیکھ لیں، تو اب بھی اسباب کا یہی حال ہے، کہ کامیابی اُن سے دکھائی معلوم دیتی ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ اسباب سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتا ہے۔

عقل بر اسباب می دارد نظر
عشق می گوید مسبب رانگر

(عقل تو ہمیشہ اسباب پر بھروسہ کرتا ہے لیکن جسے خدا سے تعلق ہو وہ کہے کہ

اسباب والے کو دیکھ کہ وہ کیا فیصلہ فرماتے ہیں یعنی فیصلہ رب کا لاگو ہوگا، نہ ظاہری اسباب کا۔)

وہی بات ہے کہ ایک بچے نے دیکھا کہ سگنل کے ڈاؤن کرنے سے گاڑی روانہ ہوتی ہے یا گارڈ کے سبز جھنڈی ہلانے اور سیٹی بجانے سے چلتی ہے۔تو سمجھا کہ گاڑی کے روانہ ہونے کا دارومدار ان چیزوں پر موقوف ہے حالانکہ گاڑی کا چلنا کچھ اس پر موقوف نہیں بلکہ وہ ڈرائیور کے چلانے سے چلتی ہے۔ اسی طرح ہم جو دیکھتے ہیں کہ ''لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض'' اور ''لَهٗ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض'' تو بغیر سمجھے گزر جاتے ہیں، اور یہ نہیں سوچتے کہ اس کا مطلب کیا ہے، یہی تو ہے کہ زمین اور آسمان کے خزانوں کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں، جو وہ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے اسباب سے جو ہوتا ہوا نظر آتا ہے وہ دراصل رب کے حکم سے ہوتا ہے، دوا میں شفا رب کی طرف سے آتی ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اسباب بیکار ہیں، اسباب بیکار نہیں لیکن اسباب پر مدار نہیں۔مکہ کے کفار جو تین سو ساٹھ بتوں (360) کو پوجتے تھے، اُن سے اگر کہا جاتا کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ بھی کہتے تھے کہ اللہ نے لیکن حقیقی توحید نصیب نہ تھی کیونکہ ہر چیز کو رب سے دیکھتے ہوئے محسوس نہیں کرتے تھے، اسی طرح اگر تجھے بھی کسی چیز میں یہ شک ہو کہ رب کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا، تو کفر اور کیا ہوگا۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا اُمیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

صحابہؓ کی زندگی:

میں فتوے کے طور پر نہیں کہتا، مگر دیکھئے کہ آخر زندگی کے رخوں میں جو کہ کافروں کی ہے، اور مؤمنوں کی ہے، میں کیا فرق ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کا تو یہ حال تھا، کہ جب بھی کوئی آیت پڑھی جاتی تھی، تو اُن کا ایمان زیادہ ہو جاتا تھا'' و اذا تلیت علیھم اٰیتہ

زادتھم ایمانا'' اور ہم تمام قرآن کو ختم کرتے ہیں اور پھر تبدیلی نہیں آتی ، تو دیکھیں کیا بات ہے ؟ کون چور ہے جو کہ ہم میں تبدیلی کے آنے کو نہیں چھوڑتا، ہائے! ایک پگلا گزرا ہے، حسین ابن منصورؒ حلاج کہتے ہیں کہ نہیں جانتا کہ یہ مولوی لوگ کیسے تمام قرآن کو ختم کر کے قابو میں رہتے ہیں، میں نے تو صرف ایک لا الہ کو پڑھ کر آپ سے باہر ہو گیا۔ یہ تو اُن کی حالت اور ہم کہتے ہیں کہ ہماری چیزوں میں کچھ بھی تبدیلی نہ آنے پائے اور ہم کو صحابہؓ والے ثواب مل جائیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ ''تعلمنا الایمان ثم تعلمنا القرآن''۔ (سنن ابن ماجہ) پہلے ہم نے ایمان کو سیکھا، یقین کو سیکھا، اور پھر قرآن کو سیکھا، مثلاً تم کو ایک خط آتا ہے، اس کے لکھنے والے سے تمہیں کچھ تعارف نہیں، اُس کے طریقۂ تحریر یا تقریر کے متعلق کچھ نہیں جانتے اور پھر وہ گھریلو معاملات کے متعلق کچھ لکھ دے تو کیا کچھ سمجھ میں آجائے گا؟ یہی حال قرآن کے پڑھنے کا سمجھ لو۔

دیکھو! ایک بار قُلْ هُوَ اللهُ (سورۃ اخلاص) کہنے سے ایک تہائی حکمی قرآن کا ثواب مل جاتا ہے۔ اس میں کیا ہے؟ قرآن کو پڑھو تو ایک تہائی سے زیادہ حصہ مضامین توحید پر مشتمل ہے اور باقی حصہ میں یہ ہے کہ اللہ اپنے والوں سے کیا سلوک کرتا ہے اور دوسروں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ اور یہی مضمون قل ھو اللہ میں ہے۔

لَآ اِلٰہَ گوئی بگو از گوئے جان

(زبان سے لَآ اِلٰہَ کہا تو اِس سے کچھ نہ بنے گا جبکہ دِل میں اخلاص موجود نہ ہو بلکہ منافقت کا خطرہ ہے۔)

عبادت کا طریقہ:

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی پوری زندگی لَا اِلٰہ پر قائم ہے، میرے

ہاتھ، میرے کان، میری آنکھیں مجھے دھوکا دے سکتے ہیں، لیکن نبی ﷺ دھوکا نہیں دے سکتے، اور مخلوقات کے جتنے بھی ذرائع ہیں، اور جن سے بھی علم حاصل ہو سکتا ہے وہ ایک طرف ہو جائیں اور دوسری طرف نبی ہو تو نبی سچا اور تمام جھوٹے اور اٰمنت باللہ میں ہم جو کہتے ہیں کہ میں رب پر ایمان لے آیا، اس کے ملائیکوں پر ایمان لایا، اور اس کی کتابوں پر ایمان لایا، اور اُس کے رسولوں پر ایمان لایا، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو دل کے ساتھ سچا جانا جائے خواہ تمام دنیا مخالف کیوں نہ ہو، اس کو کہتے ہیں "ایمان باللہ" اب ایمان کے خاکے کو درست کرنے کے لیے اس کو اٹھانے کے لیے اور اس میں قوت پیدا کرنے کے لیے عبادات کی ضرورت ہے، لیکن یہاں خیال رکھا جائے کہ یہ عبادات وہ ہوں اور اس طریقے پر ہوں جو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتائے، ورنہ اگر حضور ﷺ کے طریقے سے ہٹے ہوئے ہوں تو مثال ایسی ہو گی، جیسے ریل پوری رفتار سے جارہی ہو، اور پھر پٹڑی سے اُتر جائے تو چکنا چور ہو جائے گی، اسی طرح عبادات کی گاڑی جب بھی ایمان کی پٹڑی سے اُتر جائے تو تباہ ہو جائے گی۔

ڈپلومیسی نفاق کی ایک شکل:

دیکھو! اس دنیا میں جو بڑا ملک ہے، مہذب گنا جاتا ہے، اُس نے کیسے تمہارے ملک کے ساتھ دھوکا کیا؟ (امریکہ کی غداری کی طرف اشارہ ہے جس نے پاکستان سے پہلے ہندوستان کو اپنا حلیف بنا رکھا تھا لیکن اس راز کو پردہ میں رکھا تھا اور ان دنوں اعلان کیا) اور میں تو یوں کہوں کہ جہاں ایمان نہیں وہاں کوئی اخلاق نہیں ہوتا، نفاق ہوتا ہے، یہ بھی تو دیکھو کہ صدر ایوب نہرو سے ملتا ہے تو مسکراہٹ سے ملتا ہے، کیا اُن کے دل بھی ملے ہوئے ہوتے ہیں، نہیں اس کو کہتے ہیں اخبارات میں Diplomatic ڈپلومیٹک ہنسی ایک دوکاندار ہے وہ جب دیکھتا ہے کہ خریدار کی نظر دوسری طرف ہے، تو جھٹ ڈنڈی مار دیتا ہے، ان لوگوں کا

کوئی کام بھی ہو تو بیچ میں اپنا مطلب چھپا ہوا ہو گا، جیسے کہ یہاں جو بنیا ہوا کرتے تھے، تو کہتے تھے، کہ روپے میں آنے کے بجائے تین پیسے لے تا کہ تجارت خوب چمکے۔ اسی طرح یہ مغربی لوگ بڑے چاپلوس ہیں، طرح طرح کے حیلوں سے منافع حاصل کرنے کی تاک میں لگے رہتے ہیں، اب جب یہ مغربی لوگ اکٹھے ہو کر عالمی مارکیٹ بنانا چاہتے ہیں، اس میں یہی چوری مقصود نہیں تو اور کیا ہے کہ غیر صنعتی ممالک کو خوب لُوٹا جائے پہلے اور طریقوں سے لوٹتے تھے اور اب ایک نیا طریقہ سوچ لیا، اب جو ہم کہتے ہیں کہ ایمان لے آ، تو یہ ایمان لے آنا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک بات تھی کہہ لی بلکہ اس میں یہ اقرار ہے کہ حضور ﷺ نے ہماری زندگی کے تمام طریقے بتائے، انفرادی طریقے بتائے اور اجتماعی طریقے بنائے، اور اجتماعی فائدوں کو انفرادی فائدوں پر اوپر کیا، اور پھر فرمایا ''والذین جاھدوا فینا لنھدینم سُبلنا'' کہ جن لوگوں نے ہمارے بتائے ہوئے طریقوں پر محنت کی ہم اُنکو ضرور بالضرور اپنے راستوں کی طرف ہدایت دیں گے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ مجاہدہ مکاشفہ کا ذریعہ ہے یعنی کوشش کے بقدر معرفت الٰہی کے دروازے کھلیں گے، آپ نے دیکھا ہو گا کہ ایک کاشتکار کھیتی کرتا ہے، تو زمین میں ہل چلاتا ہے، بیج کو بوتا ہے، اُس پر مٹی ڈالتا ہے، اب دانوں کو نکالتا تو اللہ ہے لیکن ظاہر کے لحاظ سے وہ دانوں کو ہاتھ میں لیتا ہے اور کھیت میں بکھیرتا ہے، اور وہ تمام طریقے اختیار کر لیتا ہے جو کہ تخم کے صحیح طور پر نکل آنے میں ضروری ہوں۔ اور پھر کھیت کے پیداوار میں حصہ دار گنا جاتا ہے گو زمین کسی دوسرے شخص کی ہوتی ہے اسی طرح ہدایت کے بیج کو اللہ تعالیٰ جس کے ہاتھ میں استعمال کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کو بھی اجر دیتا ہے جو ہدایت پر چلے اور اُس کو بھی جس نے ہدایت پر چلنے کی ترغیب دی ہو۔ بلکہ پچھلے کا ثواب بقدر نیت کے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ایک اور مثال دوں۔ کہ ایک شخص نے ایک روپیہ کو سو فقیروں میں خیرات کر لیا تو ہر فقیر کو تو صرف ایک پیسہ (نئے سکوں کے حساب سے) ملا اور

اس کو ادنیٰ سے ادنیٰ ثواب بھی دس روپوں کا ملا، اور پھر اللہ جتنا بڑھائے، اس طرح آپ نے کوشش کی، اور ہم جیسے آدمیوں میں پیسے پیسے کے بقدر ایمان آیا تو تم کو اُسی قدر ملے گا جیسے کہ تقسیم کرنے والے کو یہی بات ہے کہ یہ تبلیغ والے محنت کرتے ہیں، کہ یہ دنیا والے ایمان کے ساتھ جائیں، یقین کے ساتھ جائیں، لیکن دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ پہلے پڑھائی کرو، نوکر ہو جاؤ، شادی کرو، بچے پیدا کرو، اور پھر اُن کی تعلیم کا بندوبست کرو اور اسی طرح شیطان کا چکر لگا رہتا ہے، اب میڈیکل میں ایم بی بی ایس کے لیے 17 سال، ایگریکلچر میں بی ایس سی کے لیے 15 سال اور پھر اے۔بی سے بی۔اے تک پہنچنے کے لیے چودہ سال لگتے ہیں، اور جو اپنے میں ایمان اور ایقان کو مضبوط کرنے کے لیے تین چلوں کا مطالبہ کیا جائے تو کہتے ہیں کہ ابھی ہمیں فرصت کہاں، تعلیم سے فارغ ہو جائیں تو دیں گے، اجی اس کا پتہ کس کو ہے کہ اتنی عمر ہو گی یا نہیں، اب جو اخبارات میں سُرخی آئی، کہ پہلوان مر گئے، گئے شادی کی بارات میں، اور جو واپس آئے تو دل میں کچھ تکلیف سی ہونے لگی اور پھر میاں سے مل گئے، بھائی مرنا تو ضرور ہے تو ایسے حال میں مرو کہ فرشتۂ موت تمہارے گلے میں ہاتھ ڈالے، اور تم یہ کہو:

بلا سے تکلیفِ نزع میں ہے سکوں خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں امیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

تھوڑی تھوڑی کوشش کیجیے، کیونکہ تھوڑا تھوڑا بہت ہے، وہ مولانا فرماتے ہیں:

قطرہ قطرہ آب بر آتش بزن
تا شود نارِ تو نُور اے بوالحزن

(گناہوں کی آگ پر نیکیوں کا قطرہ قطرہ ٹپکاتے رہو تو گناہوں کی آگ بجھ کر نیکیوں کے نُور کی صورت اختیار کرے گی۔)

اب جو کوہاٹ میں ایک جماعت جا رہی ہے اس میں تین دن لگا لو، دوگنے تین دن اور ملے گا تیس دن کا ثواب اور تمہارا نیک سے نیک ایگزامینر (Examiner) بھی ایک کے بجائے

دس نمبر اور دس کے بجائے سو نمبرات نہیں دے گا، یہ تو اللہ میاں کا ہی قاعدہ ہے کہ ادنیٰ درجے میں ایک کے بجائے دس اور دس کے بجائے سو دیتا ہے اب تم میں سے جو بھی نام لکھانا چاہتا ہے، وہ جلدی جلدی لکھالے، دیکھو! صرف چالیس میل کا فاصلہ ہے، جس میں تم مسافر بھی نہیں بن سکتے، اڑتالیس 48 میل پر مسافر ہوتا ہے نماز بھی پوری پڑھوگے، ہاں بھائی بولو۔

[نوٹ: بندہ بھی اس سہ روزہ میں شامل ہوا تھا، گو میں تبلیغی کام میں شمولیت کے لحاظ سے بہت سست واقع ہوا ہوں اور بہت مزہ آیا تھا۔]

بیعت کی حقیقت

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (29 نومبر 1962ء)

شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ رب کی طرف متوجہ ہونے میں تعاون اور رہنمائی کرے، اور بیعت کی حقیقت صرف اتنی ہوتی ہے کہ وہ مرید کے لیے راہنما کا کام کرتا ہے کیونکہ وہ خود ان راہوں سے گزرا ہوتا ہے۔

طریقت میں شیخ کی اہمیت:

اب ایک ہے مقصد اور ایک ہے راستہ۔ مقصد تو انسان متعین کر ہی لیتا ہے۔ لیکن راستے میں بھٹک جانے کا اندیشہ ہوتا ہے تو اس غرض کے لیے شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا جاتا ہے کہ انسان گمراہ ہونے سے بچ جائے، ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ قبلہ نما ہے قبلہ نہیں تو حقیقت بیعت صرف اتنی ہوئی کہ رب کو حاصل کرے بطریق نبوی ﷺ شیخ کی رہنمائی میں، اب اس کے متعلق ہمارے حضرت کا ایک شعر ہے:

جو موسیٰؑ بھی ہوں تو اتباع خضرؑ لازم ہے
ہدایت منحصر ہے اتباعِ شیخِ کامل میں

مطلب یہ ہوا کہ آپ کو آ جائے کعبۃ اللہ کا سفر اور آپ کے ساتھ ہو گائڈ، تو ممکن ہے کہ آپ تلاش کر کے مقصد پر پہنچ جائیں لیکن اگر آپ کو چلتا پھرتا گائڈ مل جائے تو راہ بہت ہی آسان ہو جاتی ہے، تو اسی طرح شیخ کی رہنمائی میں راہ سہل ہو جاتی ہے، کتابی راہ شیخ کے بغیر بھی ہو سکتی ہے، لیکن اندر کی راہ سہل نہیں ہوتی اور اگر وہ کتاب سے آتی تو حضور ﷺ کے بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

گر مصور صورت آن دلربا خواهد کشید
در حیرتم که ناز را چرا خواهد کشید

(اگر تصویر بنانے والا اس کی (معشوق) کی صورت بنانا چاہے تو مجھے یہ بات حیرت میں ڈالتی ہے کہ اس کے نازو ادا کو کیسے تصویر کی شکل میں کھینچے گا۔)

کہتے ہیں کہ مصور جو ہے اُس محبوب کی تصویر تو بنالے گا، تصویر تو اُتار لے گا، لیکن وہ اُس کے ناز کو کیسے بنالے گا، اُس کا ناز نہ تو بیان میں آجائے اور نہ نقش میں۔

اندر والی بات اور ہوتی ہے دلی رہنمائی اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فیض باطن کتابوں کی راہ سے نہیں آتا۔ وہ ایک نُور ہے جو دلوں سے دلوں کو منتقل ہوتا ہے۔ اور اس کے اشتعال سے دل زندہ ہوتا ہے۔ کتابوں سے دینی زندگی کا جسم ہوتا ہے جیسے ماں کے پیٹ میں جسم بنتا ہے اور روح اوپر سے آتی ہے، اسی طرح حقیقت دین سینہ بہ سینہ آتی ہے اور اس کو محبت اور عشق اور نسبت کہتے ہیں۔

جو آگ کی تاثیر وہی عشق کی تاثیر
اک سینہ بہ سینہ ہے ایک خانہ بہ خانہ

اور پھر سینہ نُور کا گنجینہ بن جائے، تو یہ حقیقت میں نسبتِ محمدیہ کا القاہوتا ہے، دیکھو! میں بیمار تھا[8]، تو یہ اللہ کا بندہ کبھی یہ سوئی لے آئے اور کبھی وہ، تو سوئی میں کبھی دوائی ہوتی ہے، دوائی تو شیشی سے آتی تھی، اسی طرح دلوں کی دوائی کسی کارخانے میں نہیں بنتی بلکہ یہ اوپر کے کارخانے سے آتی ہے۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے[9]۔ دیکھو! یہاں ہمارے پاس کیا ہے، اب اس ہیٹر پر جو بیت رہی ہو گی وہ اس سے معلوم کرنا چاہیئے جو دوسروں کو گرم کر دے، خود اُس کے اندر کیا ہو گا، اب اُس سینہ پاک کا اندازہ کرو جو کہ تمام دنیا کو گرم کرتا ہے۔

---

[8] یہ ظفر علی ایم بی بی ایس فائنل سٹوڈنٹ کی طرف اشارہ تھا۔

[9] یہ بعد میں ذکر کیا جائے گا کہ شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دینا باہمی معاہدہ ہے۔

حقیقت بیعت:

تو میں یہ ذکر کر رہا تھا، کہ بیعت کو لوگوں نے ایک رسم بنا رکھا ہے، تو آج کی پیری مریدی اس نہج پر آگئی ہے کہ مُرغا لے لو اور بیٹا دے دو، حقیقت بیعت کیا تھی، اپنی والی زندگی دی جاتی تھی اور حضرت محمد ﷺ والی زندگی لی جاتی تھی، ہائے ہم نے کس چیز کو چھوڑا اور کس چیز کے لینے پر آئے۔

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے، کہ مٹھائی تو سب کو دی جاتی ہے لیکن میراث اس کو ملتی ہے جو کہ بیٹا ہو، اسی طرح میراثِ نبوی سے حصہ اس کو ملتا ہے جسکا تعلق مع اللہ پکا ہو جائے، اور یہ تعلق کی پختگی اللہ والوں کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے اور وہاں القا ہوتا ہے، ایک مثال ذہن میں آگئی ہے (فرمایا ہے تو گندی سی لیکن) دیکھو کسی کی شادی ہو جائے، بیوی کے ساتھ اور بیوی حسین و جمیل ہو، ٹھیک ٹھاک ہو، میڈیکلی فٹ ہو، اور میاں بھی میڈیکلی فٹ ہو، دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جلتے ہوں، لیکن ویسے نہیں ملتے تو اولاد ہو گی؟ نہیں ہو گی، وہ تو تب ہو گی جب کچھ آئے گا کچھ جائے گا، تو روحانیت کا القا تو تب ہو جبکہ دلوں سے دلوں کو کچھ جائے، تمہیں محسوس ہو یا نہ ہو، آنکھوں میں تاثیر دیکھی ہو گی، وہ جو کہتے ہیں کہ آنکھوں آنکھوں سے اشارے ہو گئے تو اسی طرح دلوں سے دلوں میں کچھ آتا ہے اور دلوں سے دلوں پر فیضان ہوتا ہے شیخ کے تعلق سے، تو بیعت سے مقصود رسمی بیعت نہیں بلکہ حقیقت بیعت ہے۔ لوگوں نے اس کو رسمی بیعت اس لیے بنایا ہے کہ مجھ جیسے سادے بغیر رسم کے آتے نہیں۔ اب جب ہاتھ کو ہاتھ میں نہ دے، مرید اپنے کو پابند نہیں جانتا، جیسے کہ Casual Student اتنا پابند نہیں ہوتا جتنا کہ Regular Student (باقاعدہ) ہوتا ہے، اور کالج والے بھی اُس کو اپنا سمجھتے ہیں اور اس کا فیل ہونا اپنی بدنامی جانتے ہیں، تو حضرتؒ نے فرمایا: "کہ شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دینا باہمی معاہدہ ہے کہ وہ کسی بات میں کوتاہی نہ کرے"

ہمارے حضرت تھانویؒ کے سلسلے میں مرید کو بہت چکر دے دیا کرتے تھے، جب ذوق بڑھ جاتا تھا تب بیعت ہو جاتی، خود میرا تعلق حضرتؒ سے تقریباً پانچ سال تک بغیر بیعت کے رہا اور پھر بھی بیعت غائبانہ ہوئی، لیکن ہمارے حضرت شاہ صاحب مد ظلہ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل تو نوعیت ایسی ہو گئی ہے کہ اگر جلدی بیعت نہ لی جائے تو کسی جعلی پیر کے ہاتھ لگ کر گمراہ ہونے کا شائبہ رہتا ہے اس لیے بیعت میں تاخیر نہ کی جائے بلکہ طالب کی طلب صحیح کے فوراً بعد بیعت کی جائے، جیسے کہ جوان لڑکی کو گھر پر نہیں رکھا کرتے، تو لڑکے ہوں یا لڑکیاں ہوں اُنکو جلد میاں سے ملایا جائے، اور شیخ اس ملاپ میں ایک لِنک (Link) سا ہوتا ہے، کہ طالب کو مقید اور یک ذہن ہو کر راستہ طے کرنے میں آسانی ہوتی ہے، لیکن در حقیقت اس قید میں بھی آزادی ہوتی ہے، جیسے ہمارے حضرتؒ کا ایک شعر ہے:

تھی جو آزادی تو ہر سو دوڑ تھی
قید میں آرام ہی آرام ہے

وحدت شیخ:

صوفیا حضرات اس لیے وحدتِ شیخ کا حکم فرماتے ہیں، کہ وحدتِ شیخ میں یہ ہوتا ہے کہ انسان ایک ہی طرف ہو جائے، جیسے کہ میڈیکل وغیرہ میں داخلہ دیئے جانے سے پہلے یہ لڑکے ہر طرف درخواستیں دیا کرتے ہیں، لیکن جب کسی کالج میں داخلہ مل جاتا ہے تو قرار پکڑتے ہیں، پھر جب تعلق ہو جائے، تو بیج ڈال دیا جاتا ہے، اب اس بیج کو اعمال صالحہ کا پانی دیا کرو، تو ایک دن خود لہلہا اٹھے گا۔

اب در پیر مغان چھوٹے نہیں
اس کی مٹی میں بھی کیف جام ہے

اصل میں ہم ایک کے ہوتے نہیں۔ایک کے ہو جائیں اور یکے گیر و محکم گیر پر

عمل کریں تو معاملہ سہل ہو جاتا ہے، اور اب تو ایک ہی ہیں، اس ایک کو اپنا مقصد گردانو اور شیخ کو واسطہ سمجھو، اس ایک مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے بڑھنے کی کوشش کرو، جب وصل ہو جائے تو سارے خلجان خود بخود رفع ہو جائیں گے۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال

(بعض نیک لوگوں کی صحبت ہی ہر سوال اور اعتراض کا جواب بن جاتی ہے یعنی ان کے فیض کے اثر سے سارے وسوسے کافور ہو جاتے ہیں۔)

ہم جب پہلی بار حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے، تو فرمایا ''کچھ پوچھنا ہو تو پوچھئے''تو میں نے کہا:

''اے لقائے تو جواب ہر سوال، جب نُورانیت سینے میں آجاتی ہے، تو تمام اشکال خود بخود حل ہو جاتے ہیں''۔

اندھیرے میں چوھوں کو مارنے لگو، تو لگے گا ایک بھی نہیں، اور تمام سامان گڑ بڑ ہو جائے گا، لیکن جب بتی لگادو، تو تمام چوہے خود بخود بھاگ جائیں گے۔ ہمارے حضرتؒ نے فرمایا:

اندھیرا ہے عالم میں چھایا ہوا
چراغِ جہاں قلبِ آگاہ ہے

بیعت کی ضرورت:

یعنی میاں کا واقف دل تمام دنیا کا چراغ ہے، تو بیعت اس معنی میں ضروری ہے کہ بغیر اس کے آج کل کی عام طبیعتیں اپنے کو پابند نہیں پاتیں، نہ الاالذی نہ اُلاالذی وہ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر والا معاملہ ہوتا ہے، ڈائریکٹر کا نام تو سنا ہو گا، ڈائریکٹر کسے کہتے ہیں، آج کل [1] تو ڈائریکٹر دوسرے ہو گئے لیکن اصل میں یہ رہنمائی کرنے والے کو کہتے ہیں، اور فارسی میں اس

[1] فلمی ڈائریکٹروں کی طرف اشارہ ہے

کو "گرگِ باران دیدہ" کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ (شیخ) ان راہوں سے گزر چکا ہوتا ہے، اور تجربے سے بتاتا ہے کہ یوں کرنا چاہیئے اور یوں نہیں کرنا چاہیئے، اور پھر جو کہیں کوئی بات ایسی آجاتی ہے کہ پہلے تجربہ میں نہ آئی ہو، تو وہ بھی اپنی بصیرت اور بینائی سے حل ہو جاتی ہے، جیسے کہ یہ ڈاکٹر ہوتے ہیں، کہ اُنکو ہر قسم کے مریض آتے ہیں، اور وہ تمام چیزیں اُن پر بیتی تو نہیں ہوتیں، لیکن تجربے سے جو بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اس کی روشنی میں پھر تمام علاج معالجے کو جاری کرتا ہے، تو اگر اس دنیاوی ڈاکٹری کا یہ حال ہے تو دینوی ڈاکٹری کے لیے اللہ بصیرت نہیں دے گا؟

اب تم اس ڈاکٹری کے لیے سترہ سال لگاتے ہو تو اگر اتنی محنت دین کے لیے کرلو، تو اندر سے لعل بن جاؤ گے، نگاہ کی حفاظت کرو، سفینہ دل کو تھامے رہو، اس کو چھاننی مت بناؤ کہ اوپر پانی ڈالتے رہو اور نیچے سے بہتا جائے، دل کی زمین کو اللہ کی یاد سے بساؤ، اور اس کے لیے میاں کا ذکر کرتے رہو، زبان نہیں چلتی تو دل نہیں چلتا، دَم رُکا تو دِل رُکا، دل اپنا کام (Function) چھوڑ دیتا ہے جبکہ میاں سے اس کا تعلق کٹ جاتا ہے، دل بھی کام کرتے ہیں لیکن ظاہر بینوں کو دل کی طاقت کا پتہ نہیں لگتا، دیکھو[1] "یہ جو آرہے تھے دل کو ملتے رہتے ہیں۔ ہم "[2]"ٹانگوں کا مساج کریں اور یہ دل کا کریں۔ تو اصل مساج جو ہے وہ اللہ کی یاد ہے۔ تو اللہ کو اپنے ناموں سے یاد کرنا چاہیئے، جب نام آجاتا ہے تو حقیقت بھی آجاتی ہے، مثلاً میں انور[3] کہوں تو صرف انور کا نام نہیں آئے گا بلکہ نام کے ساتھ نام والا بھی چلا آئے گا۔ اب یادِ رب کے ساتھ دھیان رب بھی ضروری ہے مثلاً خط بھیجنا چاہو تو صرف نام لکھنے سے خط نہیں پہنچتا

---

[1] محمد اجمل سیکنڈ ائیر ایم بی بی ایس کی طرف اشارہ ہے جس کو دل کی بیماری ہے، اور اکثر اوقات اس کو ملتے رہتے ہیں۔

[2] اپنی بیماری کی طرف اشارہ ہے۔

[3] محمد انور نہایت خاموش اور شریف انسان ہیں، اس سال ایم بی بی ایس فائنل کے امتحان میں سیکنڈ رہے، میرے خیال میں مولانا صاحب کے محبوبین میں انکا دوسرا نمبر ہے۔

بلکہ پورا پتہ لکھنا ہوتا ہے، اسی طرح اللہ کے نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دھیان بھی ضروری ہے۔ اُس کی صفات کا استحضار ہو تو تب پورا فائدہ حاصل ہوگا، پوری زندگی ایسے گزاروگے، تو رب کے لاڈلے بن جاؤ گے، دنیا کے لاڈ سے انسان بگڑ جاتا ہے، لیکن میاں کے لاڈ سے انسان بنتا ہے، کیونکہ میاں کا لاڈ اُس کی ذات سے آتا ہے اور بندوں کا لاڈ انکے غیر سے۔

ہماری دینی کمزوری کی داستان

اسلامیہ کالج مسجد (27 نومبر 1962ء، بعد از نمازِ مغرب)

حضور ﷺ کے طریقۂ حیات پر عمل:

میرے دوستو، عزیزو اور بزرگو! اللہ رب العزت نے ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے جو طریقہ حیات اس امت کو عطا فرمایا، اور اس طریقے کو عام کرنے کے لیے جو جو صورتیں اور تجویزیں عطا فرمائیں، اتنا کامل طریقہ کسی امت کو نہیں دیا گیا، جیسے اللہ تعالیٰ اپنی خدائی میں وحدہ لاشریک ہیں اسی طرح نبوت میں حضور ﷺ کی شخصیت لاشریک ہے۔ اب اگر ایسی شخصیت کے ذریعے ہم کو ایک طریقہ حیات دیا جائے، اور پھر اس کو اکمل بتایا جائے، تو کیا اس میں کوئی نقص باقی رہے گا، اب اگر ہم اس کی کسی شاخ کو چھوڑ کر دوسری کو لے لیں، تو وہ اگر بُری نہیں تو کم اچھی ہوگی، تو یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ اچھے کو چھوڑ کر کم اچھے کو اختیار کرلیں، اور اگر بالکل ہی چھوڑ دیں تو پھر تو ناقص رہے گا، اب یہ ہاتھ ہے اس کی پانچ انگلیاں ہیں، اس میں اگر ایک انگلی کٹ کر چار باقی رہ جائیں تو یہ ہاتھ مکمل ہوگا یا ناقص۔

اسی طرح اگر ہم حضور ﷺ کے طریقہ حیات کے کسی بھی رُخ کو چھوڑ دیں، تو اس سے حضور ﷺ کا طریقہ حیات ناقص نہیں ہوجائے گا، بلکہ ہمارا نقصان ہوجائے گا، ہم میں نقص آجائے گا، ہمارے اجر و ثواب میں کمی ہوگی، اور اگر حضور ﷺ کے کسی بھی طریقے کو چھوڑ کر آپ پورے اجر کا مدعی بن بیٹھیں تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کہ آپ امتحان کے سو (۱۰۰) نمبر کے پیپر میں صرف اسّی (۸۰) نمبر کا حصہ حل کرلیں، اور پھر اسّی (۸۰) سے زیادہ نمبر چاہنے لگیں، تو لوگ کہیں گے کہ پگلا ہے، اتنی بھی سمجھ نہیں کہ تمام (۸۰) نمبر کے سوالات کئے اور چاہتا ہے کہ نمبر اسّی (۸۰) سے بھی زیادہ ملیں۔

اب جیسے درخت کی شاخیں تنے پر قائم ہوتی ہیں اور تنا جڑوں سے قائم ہوتا ہے، اسی طرح اسلام کی بنیادیں جو اُٹھائی جاتی ہیں، وہ عقیدہ پر اٹھائی جاتی ہیں، اب عقیدہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ جب یہ پیدا ہو جائے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کسی بھی طریقے سے حضور ﷺ کے لائے ہوئے ضابطۂ حیات، سے ٹلنے والا نہ ہو، آنکھ دھوکا دے سکتی ہے، کان دھوکا دے سکتے ہیں، زبان دھوکا دے سکتی ہے کبھی میٹھی چیز بھی کڑوی معلوم ہوتی ہے لیکن حضور ﷺ کے بتائے ہوئے میں ذرّہ بھر شبہ نہ ہو۔

پاکستان میں بعض علاقوں کی دینی حالت:

حضور ﷺ کا یارِ غار جانتے ہو؟ اور یہ میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ ہم اپنے اسلاف سے ایسے ناواقف ہوگئے، کہ اب نام بھی یاد نہیں رہے، ایک دفعہ ہم ملتان میں تقریباً بارہ سال پہلے گشت کر رہے تھے، تو میں تو ہوں ایسا باتونی ایک صاحب سے سوال کیا، جس کی داڑھی آچکی تھی، لیکن پھر بھی جاچکی تھی پوچھا کہ "آپ کو اپنے پیغمبر (ﷺ) کا نام یاد ہے؟ تو کہا: ہاں! حضرت صاحب" تو میں نے کہا کہ حضرت صاحب تو ہیں لیکن پورا نام کیا ہے؟ تو اُس پر ایسا پسینہ آگیا، رنگ زرد ہوا، گویا ایک نہایت ناآشنا بات پوچھی جارہی ہے، اور یہ ہمارے اپنے پاکستان کی حالت ہے، اور پاکستان میں بھی یہ وہی جگہ ہے، جہاں کہ محمد بن قاسم سب سے پہلے آئے تھے، ایک دوسرا واقعہ ہے، کہ ایک دفعہ ہم ایک علاقے میں جارہے تھے، جس میں کہ ہم درختوں کے نیچے ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے کیونکہ یہاں مسجدیں نہیں تھیں، یہاں ہم تقریباً ڈیڑھ مہینے رہے، یہ لوگ اللہ کو کہتے ہیں سائیں اور حضور ﷺ کو کہتے ہیں وڈا سائیں۔ اس سے کچھ آگے سندھ کا علاقہ آتا ہے، یہ لوگ نماز وغیرہ سے تو واقف نہیں مسجد کو مائیں کے نام سے پکارتے ہیں، اور جمعرات کو ہندوؤں کی طرح ڈنڈوت کر لیتے ہیں اور مسجد کی دھونی دیتے ہیں، اور بس چھٹی، اب اس سے آگے گئے تو کیا ہوتا ہے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ کارخانے بن

رہے ہیں، کالج بن رہے ہیں، کلب بنائے جارہے ہیں، یہ ہو رہا ہے اور وہ ہو رہا ہے، لیکن یہ سوچتے نہیں کہ اسلام کا کیا بن رہا ہے وہ کسی والی بات کہ مور جب اپنے پروں کو دیکھتا ہے، تو خوش ہوتا ہے اور جب پاؤں کو دیکھتا ہے تو رو پڑتا ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا، کہ جب ہم آگے گئے تو ایک درخت نظر آیا، جس کے پاس سوکھی لکڑیاں بہت پڑی تھیں، بہت خوش ہوئے کہ ایندھن ملے گا، لیکن جب اُس کے نزدیک پہنچ گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ دوڑے دوڑے آتے ہیں، اور ہم کو بات کہنے سے پہلے سجدے میں گر گئے، اور پھر یوں کہا اس کو کچھ نہ کہو ورنہ مصیبت پڑ جائے گی تو ہم نے جواب دیا ''یہ ہمیں کچھ نہیں کہے گا، ہم وڈے میاں کے کام پر آئے ہیں'' اور پھر امیر صاحب کے حکم سے تمام درخت کو ختم کیا۔ اب جو لوگ صبح دیکھنے آئے، اس خیال سے کہ کیا حال ہوا ہو گا، لیکن جو ہمیں دیکھا تو حیران ہو گئے، کہ یہ کیسے لوگ ہیں، پوچھا کہ بچ کیسے گئے؟ تو ہم نے کہا ''ہم وڈے میاں کے کلمہ پڑھنے والے ہیں کیونکہ ان لوگوں کو حضور ﷺ سے بڑی محبت ہے اور جو بھی آپ کے کلمہ پڑھنے والے ہوں، اُنکو کوئی چیز نقصان پہنچا نہیں سکتی'' پھر ہم نے اُنکو سکھایا، اُن میں سے ایک سردار تھا، جو کہ بڑا ڈاکو تھا، اور بھینس وغیرہ چرانا پیشہ تھا، وہ بھی آیا، کلمہ پڑھا، ہم نے اُنکو نماز، روزہ وغیرہ کے متعلق بتایا، تو جب دوبارہ دیکھا، تو حالت بالکل بدلی ہوئی معلوم ہوئی، لمبی داڑھی ہے تسبیح ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں، تو کلمہ ایسی ویسی چیز نہیں، اس سے زندگی بدلتی ہے، اور میں اکثر کہا کرتا ہوں، کہ قرآن قصوں کی کتاب نہیں ہے؟ اس میں جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں، دل بہلانے کے لیے نہیں بیان کئے جاتے بلکہ عبرت لینے کے لیے، نصیحت لینے کے لیے، اس میں بتایا جاتا ہے کہ انسان کی زندگی کیسے گزرے، کونسے کام کرنے کے ہیں اور کن کاموں سے بچنا ہے، کس سے تعلقات رکھنے ہیں اور کیسے رکھنے ہیں اور کس سے بچنا ہے، اس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ اللہ کا معاملہ اپنوں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے، اور

غیروں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے، یہ بتایا ہے کہ آگ کیسے گلزار ہو سکتی ہے؟

آج گر بھی ہو جو ابراہیمؑ کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا

اپنے اسلاف سے ناواقفی

اس امت کے ایک مسلم تابعی ابو مسلم خولانیؒ کو مرتدین نے آگ میں پھینکا لیکن آگ اس کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکی، ابو بکرؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی، تو فرمایا کہ "اُس اللہ کا بہت بہت شکر ہے جس نے ہماری امت میں حضرت ابراہیمؑ کی سنت کو زندہ کیا" اور حضرت عمرؓ نے اُس کو پیار کیا اور ماتھے کو چوما، یہ افسانے نہیں حقیقتیں ہیں لیکن اپنی تاریخ سے کچھ خبر بھی تو ہو، اپنے اسلاف کا کچھ پتہ بھی تو ہو، اُن کے کارناموں سے واقفیت بھی تو ہو، تو تب بات ہے، آج سے کوئی چار سال پہلے میں نے فارسی کلاس لی تھی، بنیادی کلاسیں تو میری عربی کی ہیں، اور باقی جو فارسی میں ضرورت ہوئی تو کلاس میرے حوالے کی، اردو میں ضرورت ہوئی تو مجھے بُلا لیا، دینیات میں کمی ہوئی تو مجھے دی، تو ایک طالبِ علم سے پوچھا "شاہ معین الدین کو جانتے ہو؟"۔ کہا "نہیں"۔ دوسرے سے پوچھا، تیسرے سے پوچھا، چوتھے سے پوچھا، لیکن کسی نے جواب نہ دیا، اب میں بہت جل گیا، پوچھا "نپولین کو جانتے ہو؟"۔ کہا "ہاں"۔ ہٹلر کو جانتے ہو۔ کہا "ہاں"۔ پوچھا "ڈانٹے کو جانتے ہو؟" تو کہا کہ "ہاں"۔ میں نے کہا "ہاں! غیروں کو تو جانتے ہو لیکن اپنوں کو نہیں جانتے"۔

حضور ﷺ کی بات کا یقین

چونکہ آج ہم اپنے اسلاف سے ایسے بیگانہ ہو چکے ہیں کہ بڑوں بڑوں کے نام تک یاد نہیں، تو اس وجہ سے میں نے آپ سے سوال کیا، "صدیق اکبر کو جانتے ہو؟" اسی صدیق اکبرؓ کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ کے معراج کے جانے کے بعد جب آپ نے وہاں کے

واقعات سنائے تو کفار آپ کے پاس آکر کہنے لگے ”کہ اب بھی محمد (ﷺ) کو سچا جانو گے، ابھی تک تو کہتے تھے، کہ فرشتہ آتا ہے، اور مجھے یہ بتاتا ہے، اور آج تو یہ دعوہ کیا کہ میں خود اوپر گیا، جنت و دوزخ کو دیکھا، فلانا کو دیکھا، فلانا کو دیکھا، اور جو واپس آیا تو بستر ویسے کا ویسے گرم تھا“ تو پوچھا کیا تم نے سچ آپ کی زبان سے سنا ہے؟ کہا ”ہاں!“ تو فرمایا کہ ”وہ دہان مبارک ایسا ہے، جس سے کوئی جھوٹ بات نہیں نکلا کرتی“۔ اس کو کہتے ہیں ایمان کہ اپنی عقل سے نبی ﷺ کی بات پر زیادہ یقین ہو، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کا انتقال ہو گیا، تو وہ رو گئی تو فرشتہ آیا اور حضور ﷺ کو کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتے ہیں، اور پھر کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہئے کہ اگر اس سے آپکا غم دور ہو سکتا ہے، تو ہم تم کو تمہارا بیٹا جنت میں اپنی آنکھوں سے دکھا سکتے ہیں، تو جب آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات کہی تو فرمانے لگی ”کہ کیا میں تمہاری زبان سے اپنی آنکھوں پر زیادہ یقین کرلوں“۔

اور کلمہ ہے اور کیا؟ یہی تو ہے کہ ہم اس کو پڑھ کر ہر غیر کی بات کا انکار کر کے حضور ﷺ کی باتوں کا اقرار کرتے ہیں، دیکھو! پہلے ”لا“ ہے، اسی سے نفی ہے تمام طریقوں کی، تمام نظاموں کی، تمام باتوں کی پھر مثبت پہلو ”إلا“ ہے جس میں تمام طریقوں کو چھوڑ کر اللہ والے طریقوں کا اقرار ہے، اس میں عقائد بھی آتے ہیں، عبادات بھی آتی ہیں، اخلاق بھی آتے ہیں، معاملات بھی آتے ہیں۔

اب عبادت کیا ہے، اس کے معنی ہیں بندگی کے اور بندگی کس کو کہتے ہیں۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن
دل بدستِ دیگرے دادن و حیران بودن

(عاشقی اور کیا ہے اپنے محبوب کا غلام بننا ہے، اپنا دِل دوسرے کو دیکر اس کے اشاروں پر چلنا ہے۔)

عبادات کی حقیقت

اپنے نفس کو جھکا کر اللہ والے طریقوں کو اختیار کرنا، حضور ﷺ والے خاکوں پر چلنا، نفس کی نہ ماننا اور اللہ کی ماننا، ہر وقت اور ہر آن اللہ کو یاد کرنا، تو اس سے کیا ہوگا، اطمینان قلب نصیب ہوگا، وہ آپ کے انگریزی میں "Peace of Mind" حاصل ہو جائے گا، دیکھتے ہو آپ کہ دن رات جو ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ پیس (Peace) پیس چاہتے ہیں، ہائے اس پیس (Peace) ہی نے تو پیس ڈالا۔

لیکن ایسی عبادت نہیں کہ آئے، اور مسجد کو پہنچے نہ تھے کہ امام صاحب کو مجبور کیا، کہ جلدی جلدی نماز پڑھائے، جلدی سے جوتیاں لیں اور قصہ ختم۔ نہ امام صاحب کو حضور حاصل نہ مقتدیوں کو سکون۔

تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گزر ، ایسے امام سے گزر

ہائے! وہ نمازیں کہاں گئیں، جبکہ سجدہ کرنے سے عرش بھی کانپ اٹھتا تھا، جس میں یکسوئی حاصل ہوتی تھی، جہاں غیر اللہ کا گزر نہ ہوتا تھا، وہ مولانا والی بات۔

چوں نماز می گزارم بخدا خبر ندارم
کہ تمام شد، رکوعے یا امام شد فلانے

(جب نماز پڑھتا ہوں تو اللہ کی قسم کوئی پتہ نہیں چلتا کہ رکوع تمام ہوئی یا نہیں اور امامت کس نے کروائی۔)

دیکھو! تم کو ایک پیپر تین گھنٹے کا ملتا ہے، آپ گئے ہال میں سوالات کا پرچہ لیا، اور خوب پڑھا، پھر جوابات کا پرچہ "Answer Paper" لیا، اور پہلے سرے پر بسم اللہ لکھا، اور پھر دیکھتے دیکھتے رہے، ورقوں کو اُلٹایا، اور آخر میں لکھا، کہ "تمت بالخیر" خیر سے تمام کیا، بڑی

خیر سے تمام کیا، بڑا زیرو (صفر Zero) ملے گا۔ بس یہی حال ہماری نماز کا ہے، کہ اللہ اکبر کہا اور پھر سلام پھیرا، تو معلوم ہوا کہ ختم ہوئی، درمیان میں کچھ خبر نہیں ہوئی، بس گھڑی کی کوک تھی کہ چابی دی اور چلنے لگی، چابی ختم ہوئی تو رُک گئی، یا آجکل کی آٹومیٹک مشین (خود بخود چلنے والی مشین Automatic Machine) کی طرح خود بخود چلتے رہے، نہ رکوع کی خبر، نہ سجدہ کا پتہ، نہ قیام میں دھیان، اب جو نماز میں ہم کو اللہ کا دھیان نصیب نہ ہو، غیروں سے نظر ہٹ نہ جائے، تو باقی افعال میں کیسے ہمیں توجہ حاصل ہو۔

ہائے! ہم نے اپنے سے دین کا جنازہ نکالا، مردے کی بھی تولاش ہوتی ہے لیکن روح باقی نہیں ہوتی، اسی طرح ہمارے ہاں دین کی تولاش ہے، ظاہر ہے لیکن حقیقت باقی نہیں رہی، اب عبادات کے بعد اخلاق کا نمبر آتا ہے، اس کے بھی کچھ طریقے ہوتے ہیں، کچھ اُصول ہیں، اور یہ طریقے خود بخود نہیں آیا کرتے، بلکہ اُن کے لیے بھی کچھ وقت لگانا پڑتا ہے، میری طرح کمرے میں بیٹھ کر سیکھے نہیں جاسکتے، بلکہ کچھ محنت کرنی پڑتی ہے، ایک حدیث کا مضمون یاد آگیا، کہ ”سلامتی ہے اُن لوگوں کے لیے جو کہ اَندھیرے میں چل چل کر مسجدوں کی طرف آتے ہیں“ مسجدوں کو آباد کرتے ہیں، اب مسجدوں کی آبادی کیا ہے؟

کیا عمارت سے مسجد آباد ہوتی ہے؟ عمارت سے آباد ہوتی، تو مسجد نبوی ﷺ پھر ویران سمجھی جاتی جس کی چھت کھجور کے پتوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور جب بارش ہو جاتی تو حضور ﷺ کو سجدہ کے وقت کیچڑ لگ جاتا تھا، لیکن وہ مسجد تمام مساجد سے زیادہ آباد تھی، کیونکہ وہ رات کے اندھیرے میں مسجد کی طرف چلنے والے تھے۔

تو دوستو! ان اندھیروں میں اگر کوئی شخص کچھ وقت لگا دے تو کیا اللہ اس کو سلامت نہیں رکھیں گے، اللہ اپنے خزانوں سے نہیں دیں گے، جبکہ نمازی کو سلامت رکھتے ہیں، جو کہ دین کا جُزو ہے، کل نہیں، اور ظاہر ہے کہ جُزو کل کے برابر نہیں ہو سکتا، ایک چنبیلی

کا پودا ہے خوب تر و تازہ ہے، آپ اُس کو اکھاڑ کر دوسری جگہ لگاتے ہیں، اس کو پانی نہیں دیتے ، کھاد نہیں دیتے، حفاظت نہیں کرتے، تو وہ خشک ہو جائے گا یا نہیں؟ اسی طرح جو دین کی کھیتی ہے جب اس کو پانی نہیں دوگے تو یہ خشک ہو جائے گا، حضور ﷺ نے فرمایا ''نضّر الله امرأً سمع مقالتي فوعاها فبلّغها مَن لم يسمعها فرب حامل فقه الى من هو افقه منه''۔ (الترمذی، حدیث نمبر: ۲۸۴۷)

''خدا اُس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے، جس نے ہم سے کوئی بات سُنی اور اس کو دوسرے تک پہنچایا۔ جس نے اسے نہیں سنا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ جس کو بات بتائی گئی وہ اُس سے زیادہ سمجھدار ہو جس نے بات پہنچائی''۔

حضور ﷺ والی بات پر عمل کرتے رہو، تو سرسبز و شاداب ہو جاؤ گے ، حضور ﷺ کا طریقہ دنیا کو برباد کرنے والا نہیں بلکہ اس سے دین بھی بن جائے گا، اور دنیا بھی سُدھر جائے گی۔

دوستو! یہ تبلیغ والے جو کہا کرتے ہیں، کہ تین چلّے لگالو، ایک چلّہ لگالو، اور تین دِن لگالو، کس لیے اپنے اندر دین کو زندہ کرنے کے لیے اور کوہاٹ میں جو دین کے نونہال رہتے ہیں ، اس کے پاس جانے کے لیے ، اس کے لیے ارادہ فرماؤ، یونیورسٹی کوارٹرز میں بھی کچھ لوگوں نے ارادہ کیا تھا آپ بھی شریک ہو جایئے ، جمعے کے دن تو چھٹی ہوتی ہے ، ہفتے کی چھٹی لے لو، اور اتوار کا دن تو ایسا ہی ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم آج پڑھائی کے مُوڈ (Mood) میں نہیں ہیں، پتہ نہیں کہ یہ موڈ بھی کیا بلا ہوتی ہے۔ ہاں ارادے کر لو، کچھ بھی مشکل نہیں، اللہ پر توکل رکھو۔

دین کو اپنانے اور دوسروں تک پہنچانے کا عمل

مسجد حاجی بہادر صاحب کوہاٹ (30 نومبر 1962ء، قبل از خطبہ جمعہ)

اللہ رب العزت نے اس عالم کو کسی اور مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ اس کو اپنی معرفت کے لیے پیدا کیا۔ اس کو بنایا اور اس طرح بنایا کہ یہاں کی ہر ہر چیز رب کے ساتھ تعلق قائم کرنے والی ہو۔ انبیاء علیہم السلام آتے رہے اور کہا کہ ”اے اللہ کے بندو! دیکھو اور اس نکتہ کو سمجھو کہ اللہ کو پہچاننے کی ضرورت کیا ہے“۔

انہوں نے بتایا کہ انسان کی بے شمار ضروریات کے حل ہونے کے لیے صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات سے تعلق رکھو ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله“ میری زندگی کا تعلق صرف ایک ذات سے ہے میری کل کائنات، میرا ظاہر اور باطن صرف ایک اللہ کے لیے ہے۔قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔(الانعام۶: ۱۶۲) بالتحقیق میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا صرف اُس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ انسان وہ دروازہ جو عبدیت کے راستوں سے کھولتا ہے اور کسی چیز سے نہیں کھولتا، اور اس عبادت میں صرف نماز نہیں بلکہ دوسری چیزیں بھی آتی ہیں، روزہ آتا ہے، زکوۃ آتی ہے، اور پھر حج آتا ہے۔ جس پر عبادات کی تکمیل ہو جاتی ہے سو ان تمام کے لیے کہا نہیں جاتا، اعلان کرایا جاتا ہے، اکیلے نہیں کہا جاتا بلکہ اعلان والی بات ہے۔ اور اعلان عام ہوتا ہے ”لفظ قل“ آیا ہے تو کہتا ہے کہ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔(سورۃ الانعام:۶، ۱۶۲) (اعلان کیجئے اے پیغمبر ﷺ کہ میری عبادت، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت صرف اُس اللہ کے لیے ہے جو تمام عالموں کا مربّی ہے۔)

فرمایا حضور ﷺ نے: ”سب سے بدترین چور وہ ہے جو کہ نماز میں چوری کرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ نماز کی چوری کیا ہے؟ فرمایا جب سجدے میں جاتا ہے

ایسے جاتا ہے جیسے کوّا ٹونگے مارتا ہے"۔ انسان کی روحانیت کی جان نماز ہے اس کے بعد ترقیات کے میدان میں روزہ، زکوۃ اور آخر میں حج آتا ہے۔ اگر انسان اپنے حج کو صحیح طریقے پر ادا کرے، تو رب کے ساتھ ایسا تعلق ہو جائیگا جو کبھی ختم نہیں ہو گا، یہ اللہ تعالیٰ کی عبادات کی راہ میں آخری منزل ہے۔ اگر ہماری نماز، نماز بن جائے تو اس کے بعد زکوۃ میں جان آئے، روزے میں جان آئے اور تمام عبادات میں جان آئے پھر ہماری زندگی صرف اللہ کے لیے ہو گی۔ صرف ہماری عبادات میں جان نہیں آئے گی بلکہ معاملات میں بھی جان آئے گی یہ نہ ہو گا کہ ہم اپنی دوکان پر ڈنڈی مارنے والے ہوں گے، کم تولنے والے ہوں گے، ہمارے اخلاق بنے، ہمارا معاشرہ بنے، ہماری زندگی بنے، نماز ایک ایسا عمل ہے جو کہ ہماری زندگی میں زندگی پیدا کرنے والا ہے، سجدے میں ماتھے کا لگ جانا بہت بڑی بات ہے لیکن ایک مردہ نماز ہے اور ایک زندہ نماز، اور مُردہ نماز میں یہ طاقت نہیں کہ تم کو بُرائیوں سے بچائے تم کو نیکیوں پر لگائے، جب ہماری نمازوں میں جان آئے تو ہم ہر ایک سے کٹ کٹا کر ایک ذات واحد پر آجائیں۔ زندگی کھچ جائے گی ہر رُخ سے کھچ جائے گی ہمارا دِل جو کہ کونے کونے میں جاتا ہے وہ ایک اللہ کی ذات تک آئے گا، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرنے والا بنے گا۔ اور پھر یہ نہیں ہو گا کہ اپنے لیے تو نماز چاہیں اور اوروں کے لیے نہیں، اپنے لیے تو روزہ چاہیں اور اوروں کے لیے نہیں، اپنے لیے تو زکوۃ دینا چاہیں اور اوروں کے لیے نہیں اور اپنے لیے تو حج پر جانا چاہیں اوروں کے لیے نہیں۔ غرض یہ کہ اپنے لیے تو حضور ﷺ کا طریقہ چاہیں اوروں کے لیے نہیں دوستو! ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ تمہاری زندگی کا جز و کل رب کے لیے ہو، تم اللہ اور نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر کام کرنے والے ہو، تم کو اللہ نے حضور ﷺ کے بعد تمام دنیا کا نائب بنایا ہے، تم کو نائب رسول کی حیثیت سے قیامت تک دعوت دینی ہے، کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، کوئی نیا رسول نہیں آئے گا، جو دعوت ہو گی وہ حضور ﷺ کے طریقے

کے مطابق ہوگی، جو دعوت حضور ﷺ کے طریقے کے مطابق ہے وہ دعوت اور جو حضور ﷺ والی دعوت نہ ہو، وہ دعوت نہیں۔

دوستو! آج اگر ہم سوچ لیں، فکر کریں کہ ہماری زندگی میں دنیا کے لیے کتنا حصہ اور آخرت کے لیے کتنا حصہ ہے۔ ہم دنیا کے نظاموں کے لیے کتنی محنت کرتے ہیں اور آخرت کیلیے کتنی محنت کرتے ہیں، ہمارے خاکے ٹوٹ چکے، ہمارے نقشے بگڑ چکے اور ہم جگہ سے ہلتے نہیں، ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

دوستو! سب کے سب ختم ہو جاؤ گے، سب کے سب مر جاؤ گے، سب کے سب یہاں سے جاؤ گے اور سب سے بہتر جانے والا وہ ہے جس نے جانے سے پہلے جانے کی تیاری کی ہے۔ نیک اعمال کئے ہوں، رب کی رضا والے کام کئے ہوں۔

دین کی فکر اور اس کے لیے محنت:

دوستو! اب ہماری آنکھوں کے سامنے ایک مُردہ قبر میں جانے والا ہو۔ اب اُس جانے والے سے پوچھو، کہ کیا حال ہے جس کے سامنے نہ بیوی ہے، نہ بچّے ہیں، نہ عزیز ہے اور نہ رشتہ دار، صرف فرشتے اس کے سامنے ہیں اور پوچھ رہے ہیں، کہ اللہ کے لیے کیا کیا؟ حضور ﷺ کے لیے کیا کیا؟ اگر تیاری کی ہے تو اچھا اور اگر نہیں کی ہے تو کہے گا: ”ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا“۔

دوستو! ایک پوچھ ہوگی، اور اُس پوچھ کے بغیر کام نہیں چلے گا، اور وہ یہ ہوگی کہ ”تم حضور ﷺ کو مانتے تھے، تم نے اس کے دین کے لیے کیا کیا؟“۔ ہائے وہ دین جس کے لیے حضور ﷺ نے اپنا خون بہایا، خونِ جگر سے سینچا، وہ کہتے ہیں کہ بعض پودوں کو خون کی ضرورت ہوتی ہے، جب خون نہ دیا جائے تو وہ بڑھتے نہیں، پھلتے نہیں پھولتے نہیں، اور یہ دین جو خون سے قائم ہے ایسے سرسبز ہو جائے بغیر کسی محنت کے لہلہا اٹھے، بغیر جان کھپائے

شاداب ہو جائے۔

ہم دین کو ٹوٹتا ہوا دیکھتے ہیں، لیکن ہمارے دل میں تلملاہٹ پیدا نہیں ہوتی، ہم دین کے حلیے کو بگڑتا ہوا دیکھتے ہیں لیکن ہمارا خون گرم نہیں ہوتا۔ اور سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ ہمارے سامنے دین کے خاکے مٹتے ہیں اور پھر بھی ہم میں جنبش پیدا نہیں ہوتی، اور اُلٹا کہتے ہیں کہ اب خیر ہے، اس خیر کا پتہ چلے گا، جب آنکھیں چھت سے لگ جائیں اور ملک الموت آجائے۔

دعوت کی اہمیت

دعوت رہتی ہے تو ہدایت رہتی ہے، اور دعوت نہیں رہتی تو ہدایت نہیں رہتی، دیکھو! ایک دوکاندار ہے صبح اُٹھتا ہے، اب اس کو کوئی نہیں کہے گا کہ دیر ہوگئی دوکان پر جاؤ، بلکہ وہ خود بخود جاتا ہے اور دوکان کھولتا ہے اور شام تک خریداروں کی تاک میں رہتا ہے۔ یہی حال دفتری حضرات کا ہے اور سکول اور کالج والوں کا تو ایک منٹ معین ہوتا ہے۔ کوئی اُنکو نہیں کہتا بلکہ دل کے اندر سے وہ چلا جاتا ہے۔ تو پھر کیا بات ہے کہ حضور ﷺ والے خاکوں کے لیے ہم نہیں اُٹھتے، ہم میں جنبش پیدا نہیں ہوتی، ایک پوچھ ہوگی اور ضرور ہوگی، اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ قرآن کہتا ہے: اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا۔ (الاسراء ۱۷: ۳۶)

حضور ﷺ کے تعلق کو اپنانا ہے تو اپنالو، آج موقع ہے یہ موقع بار بار نہیں دیا جاتا، حضور ﷺ کی محبت کو اپنے دل میں بسالو، اور یہ محبت ایسی محبت نہیں ہوتی ہے کہ نام لیا اور آنکھوں سے آنسو نکلے اور جو حضور ﷺ کا خاکہ ٹوٹے تو کچھ نہ ہو۔ اس کے لیے دل سے آہیں نہ اُٹھیں۔

دوستو! آج آپ کی مسجد میں ایک جماعت آئی ہے، جس میں زیادہ سے زیادہ تعداد

یونیورسٹی کے طلباء کی ہے، انکے ساتھ ملو، بیٹھو، اور دیکھو کہ کیا کرتے ہیں اور کیا نہیں کرتے۔

آپ میں سے جو حضرات بھی چاہیں تو وہ نماز کے بعد جن کو بات کہنی ہو، کہہ دیں، اللہ تعالیٰ دین کا درد ہمارا درد بنائے، اور حضور ﷺ کے خاکے کو بنانے کے لیے ہم کو اپنی جان ومال اور پوری زندگی کو قربان کرنے والا بنائے۔ آمین

معجزات اور خدا کی قدرت

چشمہ مسجد کوہاٹ (30 نومبر 1962ء، بعد از نمازِ عشاء)

میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! رب العزت نے اپنے بے نہایت اور لا محدود عطا کے دینے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو واسطہ بنایا۔ نبی رب سے بے واسطہ لیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ جتنے واسطے جو تم کو نظر آرہے ہیں کچھ بھی نہیں رب جب چاہتے ہیں ان سے کام لیتے ہیں، نہیں چاہتے تو ان سے کچھ نہیں ہوتا، انکا مطلب صرف یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو آزمائے کہ کون ہے جو میری طرف آتا ہے اور کون ہے جو ان اسباب میں اٹکتا ہے؟ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کوئی کرشمہ سازیاں نہیں تھیں بلکہ ان کو معجزے اس غرض سے دئے گئے تھے، اس عقیدے کو توڑنے کے لیے دئے گئے تھے کہ "چیزوں سے چیزیں وجود میں آتی ہیں" حضرت صالحؑ کے معجزے نے بتایا کہ اونٹنی صرف اونٹنی سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ پتھر سے بھی وجود میں آسکتی ہے، اور خالق کہتے ہیں بھی اس کو، کہ وہ بغیر کسی وسیلے کے، بغیر کسی ذریعے کے جس کو چاہے وجود میں لے آئے۔ وہ کائنات کے تابع نہیں بلکہ تمام وہ موجودات جو ہمارے علم میں ہیں اور جو ہمارے علم میں نہیں اس کے اشاروں پر چلتے ہیں، اگر اُس کی حکمت چاہے تو ان سب کو کالعدم کر دے اور پھر وجود میں لائے، اس کے سامنے عدم اور وجود کچھ حقیقت نہیں رکھتے، بلکہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، انبیاء علیہم السلام رب کی صفات بتانے آتے ہیں، وہ اُن چیزوں کی حقیقت کھولتے ہیں، جو کہ تم تجربے سے نہیں جانتے، جہاں مخلوقات کی فکر کی پرواز ختم ہو جاتی ہے وہاں پر جا کر انبیاء علیہم السلام کا پہلا قدم ہوتا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ان پر حقیقتوں کو کھولتے ہیں تا کہ وہ مخلوق کو بتائے، وہ مخلوق کی تمام باتوں کو صرف ایک بات میں ختم کرتے ہیں "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" مخلوق سے کچھ نہیں ہوتا ہے سب کچھ اللہ کی ذات سے ہوتا ہے۔ ظواہر انسان کو تاریکی میں ڈالتے ہیں، اس

کو اسباب میں پھنساتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام اُنکو اسباب سے علیحدہ کر کے خالق کی طرف لے جاتے ہیں، جب خدا بیٹا نہ دے تو ڈاکٹروں کی تمام ڈاکٹری ختم ہو جائے تو کچھ بھی نہیں ہوتا، ہمارا ایک دوست ہے، دس حج کئے ایک بیٹا نہ ہوا، پھر دوسری شادی کی لیکن پھر بھی بچہ نہ ہوا، حضرت سلیمان علیہ السلام کی ۹۹ بیویاں تھیں، اور پھر نبی والی قوت تھی ایک رات میں تمام کے ساتھ خلوت کی اس ارادے سے تاکہ اللہ اُس کو ایسی اولاد دے جن کو وہ اللہ کے راستے میں جہاد پر لے جائے، لیکن رب کو جو منظور نہ تھا تو سوائے ایک لاشے کی ایک بھی پیدا نہ ہوا، تو معلوم ہوا کہ جب رب نہ چاہے تو نبی بھی نہیں کر سکتے، آج تو قوم ایسی ہو گئی کہ اور کچھ بن نہ پڑا، تو اپنی اولاد کو مار ڈالنے کی فکر میں لگ گئے، ''ویهلك الحرث والنسل''۔ (البقرۃ: ۲، ۲۰۵) (اور کسی کے کھیت یا مویشی کو تلف کر دے۔) اور ایک دوسرا واقعہ حضرت زکریا علیہ السلام کا ہے، ایک دفعہ آئے دیکھا کہ حضرت مریمؑ کے سامنے بے موسم کے پھل پڑے ہوئے ہیں، پوچھا ''انا لك هذا'' یہ تجھے کہاں سے آئے ''قالت هو من عندالله'' (یہ اللہ کی طرف سے ہیں) وہ تو پیغمبر تھے ہی، یقین کامل تھا فرمایا کہ جب اس کو بے موسم پھل دیتا ہے تو مجھے پھل (بیٹا) کیوں نہ دے۔ دعا کی، اللہ نے قبول فرمایا اور ایسا بیٹا یحیی علیہ السلام دیا، جسکا ہم نام بھی نہ تھا، ایسے رونے والے تھے، کہ زیادہ رونے کی وجہ سے چہرے پر زخم پڑ گئے تھے، چہرے میں آنسوؤں سے لکیریں پیدا ہوئی تھیں۔ ہمارے اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھئے، جو کہ بڑے مہمان نواز تھے، ایسے مہمان نواز کہ جب مہمان نہ ہوتے تھے تو کھانا نہیں کھاتے تھے، ایک دفعہ چند مہمان آئے، آپ نے دیکھ کر بغیر پوچھے ایک بچھڑے کو بُھنا اور اُن کے سامنے رکھا، لیکن اُنہوں نے کھایا نہیں تو حضرت ابراہیمؑ کے دل میں کھٹکا پیدا ہوا، مہمان تاڑ گئے، کہا ''فکر مت کرو ہم اللہ تعالیٰ کے ایلچی ہیں اور آپ کو بشارت دینے آئے ہیں''، لیکن حضرت ابراہیمؑ نے اپنی فراست سے جان لیا کہ ان کا

مطلب کچھ اور ہے گو ضمنی طور پر بشارت دینی بھی مقصود ہو تو آپ نے دوبارہ پوچھا تو جواب ملا، ''کہ ہم حضرت لوط علیہ السلام کے قوم کو ہلاک کرنے جارہے ہیں''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت ہی رحم دل تھے، تو اس لیے انہوں نے دعا کی کہ اُن پر عذاب نہ آئے، ہائے تو رب نے بڑے پیار سے جواب دیا ''یآ ابراھیم ! اعرض عن ھذا'' اے ابراہیمؑ! اس معاملے کو تُو جانے ہی دیجئے، اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب رب جس پر ہلاکت لانا چاہے تو ابراہیم علیہ السلام جیسے اس کو رد نہیں کر سکتے جس کے متعلق ابن کثیرؒ نے لکھا: ''کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے بڑے مرتبے والے ہیں ایک طرف تو ہلاکت کی خبر دیتے ہیں اور دوسری جانب آپ کو بیٹے کی بشارت دی جبکہ آپ کی بیوی ویسی تھی بانجھ پھر اور بڑھیا بھی تھی اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر بھی زیادہ تھی اور پھر بشارت صرف بیٹے کی نہیں دی بلکہ یہ بھی کہا کہ وہ بھی عمر پائے گا نام اسحاق علیہ السلام ہو گا ، اور پھر اُس کا بیٹا حضرت یعقوب علیہ السلام ہو گا ،بیوی پاس کھڑی تھی ،جب اُس نے یہ بشارت سنی ، حیران ہوئی اور ماتھے کو پیٹ کر کہا کہ ''یہ کیسا معاملہ ہے میں تو ہوں بانجھ اور بوڑھی ،اور خاوند بھی عمر رسیدہ شیخ ہیں''جواب ملتا ہے ، کہ رب جیسے چاہیں، کریں ،اُس کو اسباب کی کوئی ضرورت نہیں ،وہ اسباب کے پابند نہیں ،وہ اسباب کے تابع نہیں اسباب اُس کے تابع ہیں ، وہ جس چیز کا ارادہ کریں اسباب خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں ،میں یہ نہیں کہتا کہ اسباب بیکار ہیں، لیکن اسباب پر مدار نہیں ۔دیکھو !ایک ایسی جگہ جو کہ خشک ریگستان ہے ،زراعت کا کوئی نقشہ قائم نہیں ہو سکتا، وہاں پر ایک چھوٹے بچے حضرت اسمعیل علیہ السلام کو پالتے ہیں، اُس کی اولاد کو پھیلاتے ہیں اور پھر اس خاندان سے حضرت محمد ﷺ کو پیدا کرتے ہیں۔

دیکھو ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' صرف بول نہیں ہے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ رب پر

یقین آجائے اور رب کے سوا سب چیزوں سے یقین ہٹ جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ ''ھوا الحی القیوم''، یعنی اُس کے مقابلے میں جتنی چیزیں ہیں وہ مردہ ہیں۔ وہ کچھ نہیں کرسکتیں اگر رب نہ چاہے، اب اگر ہم اسباب سے نکل کر یقین والے دائرے پر آجائیں تو رب ہمارے ساتھ خواص والا معاملہ کرے، کہتے ہیں: ''من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاًو یرزقہ من حیث لا یحتسب'' جو اللہ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ایسی راہیں نکال دیں گے جو کہ اُس کے گمان میں بھی نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہر تکلیف اور مضرتوں سے نکال لینگے اور اس کو اپنی طرف سے رزق دیں گے، دیکھو! حضرت یوسف علیہ السلام کو صرف تقویٰ اور صبر کے دو دروازوں نے مصر کے خزانوں کو کھولا، کنویں سے نکالا، قید سے باہر نکالا، تدبیریں انہوں نے بنائیں لیکن اللہ نے آپ کو کامیاب کر کے بتایا کہ جب وہ نہ چاہیں تو مخلوق کی تدبیریں کسی بھی کام کی نہیں ہوتیں۔ احکام کیا ہوتے ہیں؟

اللہ کے احکام آتے ہیں اور نبی کی ذات میں مجسّم ہو جاتے ہیں۔ بلا تشبیہ عرض کرتا ہوں۔ کہ جیسے پگھلا ہوا سونا سانچوں میں ڈھل جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام نبی کی ذات پر اُتر کر مجسّم صورت پاجاتے ہیں اسی لیے آپ ﷺ فرمایا: ''صلوا کما رائتمونی'' (بخاری) نماز وہ ہے جو کہ میں پڑھتا ہوں۔ نماز وہ ہے جو کہ نبی پڑھتا ہے اگر نبی کے طریقے سے ہٹ کر ہزاروں بھی سجدے کرے تو کوئی ایک بھی قبول نہ ہو گا۔

تو میں عرض کر رہا تھا نبی ﷺ ہم کو چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے ہٹا کر بڑے بڑے دروازوں سے دیتے ہیں ۔یہود نے کفریہ بات کہی تو جواب دیا گیا''بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء'' اللہ کے ہاتھ کھلے ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ اب حضور ﷺ کو خاتم الانبیاء بنایا۔ اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ اُس پر ختم کیا گیا۔ اور خاتم الامت اس امت کو بنایا۔ نبی کوئی نہیں آئے گا، رسول کوئی

نہیں آئے گا، اور جو ایسا دعویٰ کرے وہ کافر ہو گا، دجال ہو گا، نبی خاتم کا ایک معنٰی یہ بھی ہے کہ نبی والا فیض ختم نہیں ہوا۔ بلکہ برابر چلتا رہے گا، لیکن ہم اس کو لینے والے نہیں، یہ امت نکالی گئی، اس کو ایک مقام پر فائز کیا گیا ہے۔ یہ اگر نبی ﷺ کے طریقوں پر چلنے والی بن جائے تو اس کو بھی نوازا جائے گا حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کو دعوت کا کام کرتے ہوئے دیکھا۔ تو بہت خوش ہوئے اور زیادہ ابھارنے کے لیے کہا" یہ خیر والے لوگ ہیں"

تو دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ ہم لوگوں کے قلوب سے کفر کے، غفلت کے زنگاروں کو دور کر کے اُس کو روشنی دے دیں۔ ہم کو اللہ نے اپنا آلہ بنایا ہے۔ تم تو نائب ہو تم تو خلیفہ ہو، تمہارے کام کیوں دوسرے لوگوں نے لے لیے جب تمہاری مساجد میں آکر غیر قوم والے بیٹھ گئے اور کفر کی ترویج کرنے لگے اور پھر بھی تم اپنی دوکانوں کے خاکوں کو قائم کرنا چاہتے ہو،

گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا

(یعنی زمانہ اِتنا بدلہ کہ چینی جو اسلام کے مخالف تھے انہوں نے توحید کا احرام باندھا اور مکہ والے بطحا میں میٹھی نیند سوتے رہے۔)

یہ بات خوب ذہن نشین کر لو، کہ رب کا دین نہیں مِٹے گا اگر تم نہیں کرو گے تو رب دوسرے لوگوں کو لے آئے گا۔"و یستبدل قوما غیرکم ثم لایکونوا امثالکم"۔(سورۃ محمد: ۴۷، ۳۸)

رب پر یہ کچھ بھی گران نہیں، اس کے دین کے متعلق کوئی فکر کی بات نہیں، سوال یہ ہے کہ ہمارا کیا بنے گا؟ دین ہمارا محتاج نہیں ہم خود اس کے محتاج ہیں، دین کے اللہ نگہبان ہے، وہ اللہ جس نے مکڑی کے جالے سے حضور ﷺ کی حفاظت کا انتظام کیا، جبکہ دشمن بالکل سر پر تھا، "اذھما فی الغار اذ قال لصاحبه لا تحزن ان الله معنا"

جبکہ وہ دونوں غار میں تھے (یعنی حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت ابو بکرؓ غمگین ہوئے ڈرے نہیں، تو حضور ﷺ نے جواب دیا) ''غمگین نہ ہونا، اللہ ہمارے ساتھ ہے''تو اُس نے کیا انتظام کیا، مکڑی نے جالہ بنادیا اور اُس کے ذریعے اُنکو بچالیا، حالانکہ مکڑی کے جالے کے متعلق خود آتا ہے۔''وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت''اور تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا ہے"تو وہ تو ایسے اللہ ہیں کہ ایسی کمزور چیز سے اتنا بڑا کام لے اور پھر ہم یہ کہیں کہ ہم نے نہ کیا تو دین کا کیا بنے گا۔ دین کا کچھ نہیں بگڑے گا، ہم بگڑینگے، ہماری دائمی زندگی خطرے میں پڑ جائیگی۔

یہ تبلیغ کے نام سے جو اُبھارا جاتا ہے یہ ویسے نہیں اُبھارا جاتا، بلکہ اُس ہمیشہ اور دائمی زندگی کی فکر پیدا کرنے کے لیے کوشش کی جاتی ہے، یہ تو پتہ نہیں کہ موت کے بعد کتنے سال قبر میں گزاریں گے، اور پھر قیامت آئے گی اور قیامت کا دن صرف پچاس ہزار سال کا ہے، اس کے بعد صرف صراط پر پندرہ سو سال کی منزل ہوگی، اور پھر ابد الآباد کی زندگی شروع ہوگی جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ اب اس تمام زندگی کو سنوارنے کے لیے اگر چار مہینے مانگے جائیں تو کہیں گے کہ بھئی کیا بات ہے۔ صرف اتنی تھوڑی مدت کے لیے چار مہینے مانگتے ہیں بھئی دوسال تو صرف ماں کا دودھ پیا نو مہینے ماں کے پیٹ میں گزارے۔ میں نے تو گزارے اور آپ کا پتہ نہیں کہ گزارے یا نہیں گزارے۔ اور اب کسی کو یاد بھی ہے کہ ماں کا دودھ کیسے تھا۔

دیکھو! یہ ساتھ والے جو سوتے ہیں، اُن کی بھی اُمنگیں تھیں، اُن کی بہاریں تھیں، اُن کی بھی تمنائیں تھیں، لیکن کیا ہوئیں، وہ تمنائیں وہ اُمنگیں کیا اُن کی تمام تمنائیں پوری ہوئیں۔ کیا کوئی خواہش تو رہی نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا''اس امت میں دو خرابیاں پیدا ہوں گی۔(۱) دین کے لیے مال کا خرچ کرنا گران گزرے گا (۲) اور دوسری لمبی اُمیدیں''۔

لمبی اُمیدیں انسان کو غلط فہمی میں مبتلا کرتی ہیں، نیکی کے کام سے غفلت میں ڈال دیتی ہیں، کہتا ہے ابھی وقت کافی ہے، ابھی جوان ہوں، ابھی یہ ہوں اور ابھی وہ ہوں، دیکھو موت کا ایک وقت مقرر ہے لیکن پتہ ہم کو نہیں کہ کب آئے گی، یہ آتی ہے تو ناگہان آتی ہے، دفعتًا آتی ہے۔ اللہ نے اس کو پوشیدہ اس مصلحت سے رکھا، کہ انسان ہر وقت چوکنا رہے، کہ ابھی جانے والا ہوں ابھی جانے والا ہوں۔

آج جس موت کے بعد کی زندگی کے لیے ہم چار مہینے بھی صرف نہیں کر سکتے کچھ پتہ نہیں کہ کل کو چار آدمی ہم کو اُٹھاتے بھی ہیں یا نہیں اٹھاتے، اور یہ بھی پتہ نہیں کہ آگ میں مرتے ہیں یا پانی میں مرتے ہیں، لگالو چار مہینے، لکھالو ارادے کر لو، اور دیکھو کہ آج کا دن تو نقد ہے اور کل کی کچھ بھی خبر نہیں، سوزِ نبوی سے حصہ لو، کڑھن نبوی سے حصہ لو، اس کو ایسے نہ سمجھو، دیکھو! کیا ہوتا ہے، کیا ملتا ہے، کیا عطا ہوتا ہے، لگالو اپنے کو، جب تک لگی نہ ہو پتہ نہیں لگتا وہ کہتے ہیں۔

لگی ہو نہ جب تک کسی دل میں آگ
پرائی لگی دل لگی سوجھتی ہے

انسانی تخلیق کا مقصد

کالج ہال کوہاٹ (یکم دسمبر 1962ء، بروزِ ہفتہ)

انسان مقصد کائنات:

اساتذہ کرام، میرے عزیزو اور دوستو! اللہ رب العزت نے انسان کو بہت بلند مقصد کے لیے پیدا کیا، انسان کا مقصد کائنات میں اُلجھ کر اپنی ہستی کو گم کرنا نہیں، انسان کائنات کے لیے پیدا نہیں ہوا بلکہ انسان مقصد کائنات ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان عام جانوروں کی طرح نہیں ہے۔ کہ صرف اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے میں اپنی زندگی گزارے۔ بلکہ اس کے ذمے کچھ اور کام بھی کرنے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے انسانو! سوچو، تم اور حیوانوں کی طرح بڑھیا جانور نہیں۔ جن کی زندگی کا مدار صرف عام نفسانی خواہشات کا پورا کرنا ہوتا ہے۔ اور پوری زندگی کا محورِ اس نکتے پر گھومتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سورج تمہارے لیے ہے، چاند تمہارے لیے ہے۔ ستارے تمہارے لیے بنے ہیں، اور تم اللہ کی ذات کے لیے بنے ہو ''الدنیا خلقت لکم وانتم خلقتم للاٰخرۃ''۔ (رواہ البیہقی فی الشعب و احیاء العلوم) دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے پیدا کئے گئے ہو" دنیا کے فائدے تمہارے لیے ہیں، ایسا نہ ہو کہ تم خدا کو چھوڑ کر مخلوق میں اُلجھ ہو جاؤ۔ انبیاء علیہم السلام عام لوگوں کو اللہ کا محبوب بناتے ہیں۔ وہ محبوب گر ہوتے ہیں۔ وہ ان چیزوں کے متعلق علم نہیں دیتے جو کہ تجربوں کی لائن سے کھلتی ہوں، وہ اُن چیزوں کی دعوت دیتے ہیں، جو تجربوں سے نہیں کھلتیں جہاں کہ عقل کی رسائی نہیں ہوتی، انسان کی نگاہ زمین اور آسمان کے اندر کی چیزوں سے زیادہ نہیں بڑھتی۔ لیکن انبیاء علیہم السلام اس نگاہ کو وسیع کرنا چاہتے ہیں، نظر میں وسعت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کسی نے کہا ہے:

تو ہما کا ہے شکاری ابھی ابتدا ہے تیری
نہیں مصلحت سے خالی یہ جہاں مُرغ و ماہی

انسان کو پرندوں اور چرندوں جیسی زندگی کے لیے نہیں پیدا کیا انسان تو بنایا گیا رب کو حاصل کرنے کے لیے۔ وہ مولانا رومؒ نے فرمایا ہے:

بزیر کنگرہ کبریائش مردانند
فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزدان گیر

(اس کے یعنی اللہ کے کبریائی کے گنبد کے نیچے ایسے مرد موجود ہیں کہ فرشتے اور پیغمبر کے منانے پر ان کی تسلی نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اللہ کو راضی کرنے میں لگے رہتے ہیں۔)
اور اللہ کے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں، جیسے کہ ہمارے قومی شاعر علامہ اقبال نے کہا ہے:

در دشتِ جنونِ من جبریلؑ زبون صیدے
یزدان بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

(میں وہ بلند حوصلہ مرد ہوں کہ شکار میں مجھے اگر جبرئیل علیہ السلام بھی حاصل ہو جائے تو میں کافی نہ سمجھوں بلکہ اللہ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑنے کی کوشش کرتا رہوں کیونکہ مومن کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے مخلوق راضی ہو اور اللہ ناراض تو کیا حاصل۔)

صفاتِ الٰہی اور انسانی سوچ

سورج کو لے لیا، تو کیا کمال ہو جائے گا! چاند کو لے لیا تو کیا کمال ہو جائے گا! مخلوق ہی کو تو لے لیا نہ کہ خالق کو تو انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رب کو لے لو تو تمام مخلوق تمہاری ہو جائے گی، مثل مشہور ہے کہ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں۔ وہ موجودہ انجیل والی بات نہیں کہ اللہ نے آسمان اور زمینوں کو چھ دن میں بنایا اور ساتویں روز تھک کر آرام کیا۔ ہمارا خدا تھکتا نہیں، اُسے نیند نہیں آتی، وہ قادرِ مطلق ہے، وہ اگر چاہیں تو محض

ارادے سے لاکھوں زمینوں اور آسمانوں کو آن کی آن میں پیدا کرے اور پھر فنا کرے اور پھر بھی تھکاوٹ محسوس نہ ہو، اور خدا تو کہتے ہی اُس کو ہیں، جو قادر ہو، ذی اختیار ہو، کوئی اُس کو اپنے ارادے سے منع کرنے والا نہ ہو، کسی بھی کام کرنے سے اُسے تکلیف نہ ہو، لوگوں کو چیزوں میں سے ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اسباب میں سے ہوتا ہوا دیکھتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں، کہ تم کو جو یہاں سے دکھائی دیتا ہے وہ کسی زبردست طاقت کے ارادے اور حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ تم اپنی دانست میں جن چیزوں کو مخلوق سے کرتا ہوا دیکھتے ہو وہ در اصل خالق کے حکم سے ہوتا ہے۔ ایک بچہ آتا ہے بجلی کے پنکھے کو گھومتے ہوئے دیکھتا ہے، اور کہتا ہے کہ کیسا اچھا پنکھا ہے، کہ خود بخود گھومتا ہے، اور ساتھ ساتھ ہوا بھی پیدا کرتا ہے۔ لیکن ایک دوسرا کہتا ہے کہ او پگلے! پنکھا خود بخود نہیں چلتا، اس کو چلانے والی چیز اور ہے، بجلی کا کرنٹ اس میں دوڑتا ہے، جس کی طاقت سے یہ چلتا ہے، اور یہ ہوا بھی پیدا نہیں کرتا، بلکہ ہوا تو پہلے ہی سے موجود ہے۔ اور یہ تو صرف اس کو حرکت میں لاتا ہے، متحرک کرتا ہے۔ کافر کہتے ہیں، کہ دنیا اتفاقی طور پیدا ہوئی، اور پھر اس کے تمام کاروبار خاص جچتے تُلے قوانین کے موافق ہوتے رہتے ہیں، جس کو آجکل کی اصطلاح میں "Natural Laws، قوانین فطرت" کے نام سے پکارتے ہیں، حتیٰ کہ یہاں تک کہا "وما یھلکنا الاالدھر" کہ ہماری ہلاکت بھی اتفاقیات زمانہ سے ہوتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "انا الدھر اصرف کیف اشاء"[10] میرے ہاتھ میں زمانے کا اختیار ہے اور میں جس رُخ سے چاہوں اس کو پھیروں، کسی کو کوئی طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کرے اُس کے احکام سے منہ موڑلے، جاہل انسان چیزوں

---

[10] ۔ عن ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ: قال اللہ عزوجل یوذینی ابن آدم یسب الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنھار۔ (بخاری و مسلم)

میں اُلجھ کر اُن سے ہوتا ہوا دیکھتے ہیں اپنی حیثیت کو گُم کرتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم تو بہت اونچی نگاہ والے ہو، بنی ہوئی چیزوں کو نہ دیکھو، بنانے والے کو دیکھو۔

دوستو! جس طور پر رب العزت نے مخلوق کو پیدا کیا، اُس نے اس کو آزاد نہیں چھوڑ دیا، بلکہ اس میں جو کچھ ہوتا ہے، سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، اُس کی مرضی اور منشاء سے ہوتا ہے، کائنات کا ہر ذرّہ اللہ کے حکم سے بنا ہوا ہے، اور اس میں جو تغیر آتا ہے اللہ کے حکم سے آتا ہے کسی دوسرے کو دم مارنے کی طاقت نہیں، اس تمام مضمون کو صرف ایک مختصر جملہ میں ادا کیا ہے، ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ'' کسی سے نہیں ہوتا صرف اللہ سے ہوتا ہے۔ یہ ہو گئی بنیاد۔ اس غیر متنزل بنیاد پر انبیاء علیہم السلام عمارت دین کو کھڑا کرتے ہیں، اب جب مخلوق پر تمام تغیرات کا پیدا کرنے والا اللہ ہے تو اے نوجوانو! فَفِرُّوْٓا اِلَى اللهِ، اللہ کی طرف دوڑو، اللہ کی ذات سے تعلق پیدا کرو۔ ہم قرآن کو پڑھتے ہیں، یا یوں کہوں کہ کبھی پڑھا کرتے تھے کیونکہ اب تو پڑھنے کا بھی رواج نہیں رہا۔

تو جب دیکھتے ہیں، یا سنتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریائے نیل کو بغیر کشتی کے پار کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادرزاد اَندھوں کو ٹھیک کرتے تھے، مردوں کو زندہ کرتے تھے، حضرت محمد ﷺ مع جسم کے آسمانوں سے اوپر خلاؤں میں سے گزر کر معراج تشریف لے گئے۔ تو طرح طرح کے شکوک پیدا ہوتے ہیں، اور اعتراض کرنے لگتے ہیں کہ کیا ایسے بھی ہو سکتا ہے؟ ہاں ہو سکتا ہے۔ دیکھو! اللہ رب العزت نے جہاں بھی معجزے کا ذکر کیا، وہاں اپنی قدرت کا ذکر بھی کیا، تاکہ معلوم ہو کہ فاعل حقیقی اللہ کی ذات ہے جب معراج کا ذکر کیا تو کہا: ''سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ''۔ پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد

اقصیٰ تک۔ تو معجزہ کو بیان کرتے وقت اللہ تعالیٰ مخلوق کی توجہ اپنی قدرت کی طرف پھیر لیتا ہے۔ کہ وہ بااختیار ہے، صاحبِ قدرت ہے، طاقت والا ہے، جو کچھ چاہے کر لے۔

انسان کا مخلوق میں اُلجھنا اور مقصد سے بے پرواہی:

سائنس دان مخلوق میں اُلجھ جاتا ہے، خالق سے غافل ہو جاتا ہے، اپنے مالک کو پہچانتا نہیں اور پھر بھی جب وہ اس کی دی ہوئی چیزوں کو توڑ جوڑ کر رب کی دی ہوئی عقل کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کسی چیز کو وجود میں لے آتے ہیں، تو تم کہتے ہو کہ کمال کیا، بڑا کمال کیا، خالق کو تو پہچانا نہیں، اپنی حیثیت کو جانا نہیں ، اور پھر چیزوں کی حقیقت کو بھی نہیں پہچانا بلکہ ''یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'' ظاہری خواص کو جانا اور وہ بھی پوری تفصیل اور یقین سے نہیں اور اصلیت سے کورے کا کورا رہا۔ یہ تو تب ہوتا ہے جب تم اللہ تعالیٰ کو اُس کی صفات کے ساتھ پہچانو گے، اُس سے تعلق جوڑو گے، تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ تمہارے ساتھ اور ہوگا اور غیروں کے ساتھ اور، جیسے کہ ہمارے ملک میں اور تمام دنیا کے ممالک میں اپنے قومی لوگوں کے ساتھ اور غیر قومی لوگوں کے ساتھ اور معاملات ہوتے ہیں ، اپنے شہریوں "Citizens" کو تو خوب آزادیاں دی ہوئی ہوتی ہیں اور غیر ملکی لوگوں پر طرح طرح کی پابندیاں ہوتی ہیں، پولیس لگی رہتی ہے، جاسوس پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔ یہ فرق کیوں ہوتا ہے، اس لیے کہ اپنے شہریوں نے کچھ قوانین قبول کئے ہوتے ہیں ، جن کے صِلے میں اُنکو شہری حقوق دیئے جاتے ہیں۔

اس سے تم یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ لوگ جو رب کے ماننے والے نہیں، وہ تو خوب مزے سے رہتے ہیں، اور جو ماننے والے ہیں وہ مصیبتوں میں مبتلا ہیں، رب نے اُنکو جو تھوڑی زندگی دے دی، سامانِ عیش فراہم کیا اس لیے کیا کہ اُن پر حجت تمام ہو جائے اور پھر جب وہ چاہیں تو ایسے پکڑ لیں گے کہ چھوٹنا مشکل ہو جائے گا، (بلا تشبیہ عرض کرتا ہوں) کہ جیسے کبڈی ہوتی

ہے، اس میں ایک تو بالکل کچھ نہیں کرتا، اور دوسرا بڑے داؤ پیچ کرتا ہے۔ حتیٰ کہ تھک جاتا ہے، اب یہ اگلا جان لیتا ہے، تو ایسا سخت حملہ کرتا ہے کہ فوراً زمین پر گراتا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ سائنس ناجائز ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ذرائع ہیں، اصل نہیں۔ مثلاً کوئی شخص ہے اُس نے آپ کو پشاور میں صبح دس بجے کا ٹائم دیا ہے۔ تم روانہ ہوگئے، اب راستے میں درہ آدم خیل بھی آتا ہے، بس سے اُترے وہاں کھڑے ہوگئے اور لگے بندوق کی دوکانوں کو دیکھنے، اِدھر گئے اُدھر گئے یہ دیکھا اور وہ دیکھا، جب خیال آیا اور گھڑی کو دیکھا تو بارہ بج گئے تھے اب تم بس پر بڑی تیزی سے روانہ ہوئے تو کیا تم اُس شخص کو پاسکو گے جس سے تم نے وعدہ کیا ہوا ہے، اور اگر نہ اُتریں اور ویسے چلتی ہوئی بس سے نظر دوڑائیں تو تماشہ بھی ہو جائے گا اور وقت پر بھی پہنچ جاؤ گے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں، کہ چیزوں کو حاصل کرنا منع نہیں، چیزوں کو لینا منع نہیں، لیکن ان میں الجھنا منع ہے، ہم تو کہتے ہیں کہ اسباب اگر رب کی محبت میں حائل نہ ہو جائیں، تو پھر تو آئینہ مراتِ جمال حق ہے۔ جیسے حافظ شیرازی نے کہا ہے:

ما در پیالہ عکس رُخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شربِ مدامِ ما

(میں شراب کا حریص نہیں یعنی مخلوق سے مجھے غرض نہیں میں تو پیالے میں اپنا معشوق (اللہ) کا نظارہ دیکھنے کا عادی ہوں یعنی مخلوق کو آئینہ جمال حق سمجھ کر لذت محسوس کرتا ہوں۔)

جن کا تعلق اللہ سے جُڑا ہوا ہوتا ہے، اُنکو ہر چیز میں تجلیات الٰہیہ دکھائی دیتی ہیں، اُن پر چیزوں کی حقیقت کھلتی ہے، وہ چیزوں میں الجھتے نہیں، وہ چیزوں کو ہاتھ میں اگر لیں بھی تو دل میں جگہ نہیں دیتے۔

سوچو، فکر کرو، کہ ہم مجرموں میں سے تو نہیں ہیں۔ قبل اس کے کہ موت آجائے

اور پھر قیامت میں فرمایا جائے، ''وامتازوا الیوم ایھاالمجرمون'' اے مجرمو! جدا ہو جاؤ۔ حد بندی لگ جائے اور پھر کفِ افسوس ملنے لگیں، اور دیکھو! دنیا میں بھی حد بندیاں ہوتی ہیں، تاثیرات ظاہر ہوتی ہیں، کبھی تو ایسا زمانہ تھا کہ اللہ اکبر سے دل لرز اُٹھتے تھے، فضا گونج اُٹھتی تھی، وجد طاری ہو جاتا تھا لیکن اب جبکہ یہ صرف ایک نعرہ بن گیا تو کسی کا رونگھٹا بھی کھڑا نہیں ہوتا۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' صرف بول نہیں، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ رب سے ہوتا ہے اور غیر سے کچھ نہیں ہوتا۔ جِلاتا رب ہے، مارتا رب ہے، کھلاتا رب ہے، چلاتا رب ہے، پھراتا رب ہے، ناکامی رب کے حکم سے آتی ہے اور کامیابی رب کے حکم سے آتی ہے۔ رب چاہیں تو اسباب کے ہوتے ہوئے بھی ناکام کر لیں، اور رب چاہیں تو بغیر اسباب کے کامیابی دیں۔ کامیابی اور ناکامی کا مدار چیزوں پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ وہ جو کسی نے کہا ہے:

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کامیابی کا راز:

صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کی کامیابی کا راز کیا تھا؟ اُن کی نظر ایک پر تھی، اُن کی نگاہیں ایک پر جمی تھیں، وہ جانتے تھے، اُن کا یقین تھا کہ اگر ہم رب کے لیے کام کرنے والے بن جائیں تو وہ ہمیں اکیلا نہیں چھوڑینگے، ان کو بھروسہ ہوتا تھا رب کی امداد پر پختہ عقیدہ تھا رب کی قدرت پر ہم بھی زبانوں سے اقرار کرتے ہیں، ظاہر کے نقشے قائم ہیں، لیکن وہ پہاڑوں کو جڑ سے اکھاڑنے والا یقین کہاں گیا، وہ عزم کہاں گیا، وہ مٹھی بھر صحابہ (رضوان اللہ عنہم اجمعین) تمام لوگوں سے ٹکراتے تھے اور ہم کروڑوں اور اربوں کی تعداد میں ہیں اور پھر بھی ڈرتے ہیں، اُن کے نام سُن کر قیصر و کسریٰ جیسی سلطنتیں ڈر جاتی تھیں اور آج ہم امریکہ اور

روس سے دبے چلے جاتے ہیں۔ صرف یہ نہیں کہ ہمارے اخلاق خراب ہو گئے، معاملات خراب ہو گئے بلکہ ہمارا یقین قائم نہیں رہا۔ وہ خدا کے یقین والے نہیں رہے۔ حدیث میں آتا ہے، جو رب کا ہو جاتا ہے، رب اس کا ہو جاتا ہے، اور جو رب کا تعلق باقی نہیں رکھتا تو رب بھی پرواہ نہیں کرتا کہ جس وادی میں ہلاک ہو جائے۔ ایمان صرف الفاظ کو نہیں کہتے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے، ایک ایسا یقین ہے کہ جب یہ آجاتا ہے تو مخلوق کا ڈر رخصت ہو جاتا ہے اور بھلا خدا کا یقین پیدا ہونے سے بھی مخلوق کی طرف التفات باقی رہ سکتا ہے؟ سورج نکل آئے تو چراغ کو کون جلائے۔ بس یہ ایک یقین تھا جو کہ اللہ کے انبیاء علیہم السلام انسانوں کو دیا کرتے تھے اور اس سے اُن کی تمام زندگی قائم تھی۔ عبادات درست، معاملات درست، اخلاق درست، ہر چیز درست تھی۔ یوں سمجھو کہ جیسے بجلی کے ایک ہی کرنٹ سے تم پنکھے چلاتے ہو، حرارت پیدا کرتے ہو، کارخانے چلاتے ہو، روشنی پیدا کرتے ہو اور دوسرے قسم قسم کے کام کرتے ہو، اسی طرح اس ایمان اور یقین سے اُن کے تمام کام درست تھے۔ کہیں جمال کا نزول تھا اور کہیں جلال کا۔

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر حسین و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب

یقین اور احکام کا جوڑ

دیکھو! یقین پہلے آتا ہے، اس کے بعد احکام آتے ہیں، یقین نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام پہلے مؤمنین کہہ کر احکام دیتے ہیں، اب اس کے بعد جبکہ ایمان آتا ہے تو پھر عبادات کا نمبر ہوتا ہے، اور عبادات کسے کہتے ہیں؟ اس کو تو کہتے ہیں کہ ایک اللہ کے لیے جئے اور مخلوق کے لے نہ جئے۔ اللہ رب العزت نے قرآن میں حضور ﷺ کو ایک موقع پر فرمایا: ''قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن'' اس

بات کا اعلان کیجئے، یہ چھپانے کی بات نہیں، اسے کھول کر مجامع میں کہئے اور خوب واضح کیجئے کہ میری عبادات، نماز سے لیکر حج تک صرف اللہ کے لیے ہیں۔ اگر نماز صحیح ہو گی تو آپ کو برائیوں سے روک دے گی، اگر ایسا نہیں تو یقین کیجئے کہ آپ کی نماز حضور ﷺ والی نماز نہیں، اب ابتداء ہو گی نماز سے اور خاتمہ ہو گا حج پر۔ اور ان عبادات سے جو نُورانیت آئے گی، جو یقین پیدا ہو گا، اُس کو لیکر انسان پکار اُٹھے گا کہ میری زندگی کا ہر معاملہ اللہ سے ہوتا ہے۔

لَآ اِلٰہَ کا مطلب:

دیکھو! لَآ اِلٰہَ تو کہہ دیا، سوچو کہ کیا کہا! حضرت عباسؓ کا واقعہ ہے کہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ یثرب (مدینہ) سے وفد آتا ہے۔ حضور ﷺ اُنکو کہتا ہے کہ میں تجھے ایک کلمہ بتاتا ہوں اگر تم اس پر بیعت کرتے ہو۔ تو حضرت عباسؓ کفر کی حالت میں کہتے ہیں، کہ دیکھو! تمہیں کچھ پتہ بھی ہے، کچھ جانتے بھی ہو، کہ کس چیز کا اقرار کرتے ہو، یہ محض بول نہیں پوری دنیا سے ٹکر لینا ہے، سوچو! کہ جان کر یہ کہتے ہو۔ یا بے سمجھے اقرار کرتے ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم خوب سوچ سمجھ کر اور تمام حالات پر نظر رکھ کر بیعت کرتے ہیں، تو میں یہ کہوں کہ اُس زمانے کے کافر بھی کلمہ کی حقیقت کو جانتے تھے، اس کی ذمہ داریوں سے واقف تھے اور آج کل کے مسلمان، مسلمان ہوتے ہوئے اس کی ذمہ داریوں سے غافل ہیں، تبلیغ کے سلسلے میں سندھ کو جانا ہوا۔

تو وہ ہندوؤں کی طرح مسجد مائیں کی دھونی دیا کرتے ہیں۔ اور غیر قوموں کا یہ حال ہے کہ اپنے باطل مذہب کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے پرسوں ہی کی بات ہے کہ ایک جرمنی کریسچین ہماری تبلیغی مسجد گنج علی خان میں آکر پرچار کرنے لگا۔ غیروں کا تو یہ حال ہو کہ اپنے باطل دین کی ترویج کے لیے ہماری مسجدوں میں آگھسیں اور ہم اپنی جگہ سے نہ ہلیں اور زمین سے لگے رہیں۔

درز بانت گفتگو ہامستعار

در دلت آن آرزوہا مستعار

من ندانم تو توی یا دیگرے

(آج کے مسلمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی سب چیزوں میں غیروں کی نقالی ہے۔ زبان پر گفتگو ہو یا دِلوں کی آرزوئیں ہوں، سب کچھ سے غیر کی جھلک نظر آتی ہے۔)

تو میں کہوں کہ جیسے وہ اپنے باطل دین کے لیے وقت لگاتے ہیں، ہم حق مذہب کے لیے کیوں نہ لگائیں، لیکن کس کو کہیں۔

صد حیف در قبیلہ مجنون کسے نماند

(بہت افسوس کی بات ہے کہ مجنون کے قبیلے کا کوئی فرد باقی نہیں رہا یعنی جس میں اصلیت نظر آئے بناوٹ نہ ہو۔)

جرمنی میں ایک جگہ ہے۔ وہاں سے ہم جارہے تھے، ہم نے ملیشہ کے کپڑے پہنے تھے، اُنکو عجیب وضع قطع کے معلوم ہوئے، آئے اور ہم سے چند سوال کئے، ہم نے اُن کے جوابات جو اُس وقت ذہن میں آئے دئے، اور پھر کہا ”کہ ہمارے پاس ایک ایسا پیغام ہے کہ اگر کسی نے اس کو مانا تو کامیاب ہو جائے گا اور نہیں مانا، تو تباہ ہو جائے گا“۔ وہ حیران ہوئے اور کہا کہ ”تم کس ملک کے لوگ ہو؟“ ہم نے جواب دیا، پاکستان کے اس پر وہ کہنے لگے کہ ہمارے پاس تو میڈیسن (Medicine) کے فلان فلان آدمی ہیں، انہوں نے تو کچھ نہیں کہا ہے، ہم نے جواب دیا۔ کہ اس وجہ سے تو مارے مارے پھرتے ہیں۔

اس دنیا میں ہم آئے، اس مقصد کے لیے آئے، کہ رب کے ساتھ تعلق جوڑلیں، اس تعلق کو جوڑنے کے لیے محنت کرنی ہوتی ہے اور کچھ وقت نکالنا پڑتا ہے۔ طلباء اگر کالج کو نہ

آئیں تو ڈگری نہ لیں، سائنس والے تجربات کو نہ کریں، تو سائنس کی ڈگری نہ ملے، زمیندار بیج کو بوئے نہیں اور محنت اور کوشش سے اس کی پرورش نہ کرے تو کھیتی کاٹے نہیں، غرض یہ کہ ہمارے دنیوی کام بھی بغیر محنت و مشقت اور وقت لگائے سرانجام نہیں ہو سکتے تو دین کا کام کیسے ہو؟ تو اس وجہ سے میں یہ کہوں کہ ہم ایک "Floating Society" چلتا پھرتا معاشرہ بنائیں۔ جو کہ خود دین کو سیکھے اور اوروں کو سکھانے کی کوشش کرے، خود دین پر جمنے اور اوروں کو جمانے والا بن جائے اس کے لیے جو بھی ساتھی صرف چار مہینے لگانا چاہیں، وہ نام لکھا کر اپنے ارادوں کا اظہار کرے۔ اگر یہ زیادہ ہو تو دیکھ لیں، کہ دو سال تو ماں کا دودھ پیا ہے اور پھر یاد بھی نہیں کہ پیا ہے یا نہیں؟ ذائقہ میٹھا تھا یا کڑوا؟ اب تم جو یہ کہو کہ ہم نے پیا ہی نہیں تو میں نے تو پیا ہے، میں تو مُنکر نہیں۔

ہاں! جی لکھالو اپنے نام، ارادے کر لو، چار چار مہینے کے لیے، چالیس دن کے لیے، تین دن کے لیے، آپ کہیں گے کہ ہم کو پڑھائی سے نکالنا چاہتے ہیں، پڑھائی سے نہیں نکالتے بلکہ جب گرمیوں کی چھٹیاں مل جائیں، اُن میں اوقات دے دو، اور جن کو توفیق ہو وہ اب دے دیں مجبوری نہیں خوشی کا سودا ہے، مٹھائی کھانا چاہو تو کھاؤ نہیں چاہتے تو نہ کھاؤ، اسی طرح ہفتے میں دو گشت کر لیا کرو، اپنے بھائیوں کے ساتھ دینی رشتہ سے ملو، روزانہ تعلیم میں جس وقت کہ آسانی ہو، گھنٹہ دو گھنٹے پاؤ جتنا کہ ہو سکے جُڑو، اور اسی طرح اللہ کو یاد کیا کرو۔ تو انشاء اللہ دنیا بھی بن جائے گی اور دین بھی آجائے گا۔

تبلیغ دین کی نزاکت اور اہمیت

چشمہ مسجد کوہاٹ (یکم دسمبر 1962ء، بروزِ ہفتہ بعد از نمازِ مغرب)

میرے بزرگو اور دوستو! اللہ رب العزت نے اِس دُنیا میں انسان کو بھیجا اور اِس میں دو قسم کے نظام قائم کئے۔ ایک کو تکوینی نظام کہتے ہیں یہ ظاہر کا نظام ہے، اِس میں انسان الجھتا ہے۔ دوسرا نظام باطنی نظام ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ہماری ظاہری ضروریات فراہم فرماتے ہیں اسی طرح باطنی ضروریات کو انبیا علیہم السلام کے ذریعے فراہم کرتے ہیں۔ جس طرح انسان کے جسم کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے اِسی طرح روح کو بھی غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو کہ انبیا علیہم السلام کے بتائے ہوئے طریقوں سے پیدا ہوتی ہے۔ انبیا علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے والے ختم ہو جائیں۔ تو دنیا بھی فنا ہو جائے۔

فرمایا حضور ﷺ نے ''لا تقوم الساعۃ حتیٰ لا یقال فی الارض اللہ اللہ و فی روایۃ لاتقوم الساعۃ علی أحد یقول: اللہ اللہ''۔ (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ، حدیث نمبر:۵۵۱۶)

کہ قیامت اُس وقت تک قائم نہ ہو گی۔ جبکہ ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا زندہ ہو گا" جس طرح انسان غذا کے بغیر زندہ نہیں رِہ سکتا، اسی طرح اس دُنیا کو سلامت نہ چھوڑے گا۔ جب تک کہ ایک بھی شخص انبیاء علیہم السلام کے نقشے پر قائم نہ رہے۔ دُنیا کی زندگی، قبر کی زندگی، حشر کی زندگی اور ابد الاباد کی زندگی انبیا علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام سے ہے، اور انبیاء علیہم السلام اپنی ذات سے احکام نہیں لاتے، بلکہ اُس اللہ کی طرف سے لاتے ہیں، جس کی صفات میں ایک صفت بقا کی بھی ہے، اس نسبت سے اعمال میں بھی بقا کا ظہور ہو جاتا ہے۔ وہ قرآن میں آتا ہے، ''والباقیات الصالحات''۔ (اور نیک اعمال ہی باقی رہنے کی چیز ہے۔) تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ ادامر، احکام جو نبیوں کے واسطے سے آتے ہیں، وہ حقیقت اور باقی جو دُنیا کی چیزیں ہیں، وہ دھوکا ہیں، غیر مقصود ہیں مقصد نہیں، جس طرح کیلے یا انار کا چھلکا اُتار کر

پھینکا جاتا ہے، مقصود نہیں ہوتا بلکہ مقصود اندر کا مغز ہوتا ہے، اِسی طرح اِس ظاہری دنیا کی حقیقت کچھ نہیں، اس عالم کو وجود بخشتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ نہیں کیا تھا کہ یہ باقی رہے، اللہ تعالیٰ نے اِس عالم کو فنا کے لیے قائم کیا ہے اور جو بھی اِس فانی دُنیا سے تعلق قائم کرے گا، وہ فانی ہو جائے گا، جس طرح کہتے کہ ہیں کہ:

ہر کہ درکانِ نمک رفت، نمک شد

(جو کہ نمک کے کان میں گیا وہ نمک بن جاتا ہے، صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔)

تو دُنیا کا قیام ہی صالح افراد سے ہے، صالح لوگ نہ ہوں تو اللہ اِس دُنیا کو باقی نہیں رکھے گا، اِس دُنیا کو جو کچھ قیام ہے نیک لوگوں کی وجہ سے ہے یہ نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُنیا کی عزت زیادہ تو کیا ایک مچھّر کے پَر کے برابر بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اِس دُنیا کو ایک چھلکا بنایا، تاکہ آزمائے کہ کون ہے! کہ میری ذات کی طرف آئے اور کون ہے؟ جو اِس دُنیا میں پھنستا ہے، کعبۃ اللہ تمام دُنیا کی جگہوں میں زیادہ متبرّک ہے، جس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں کہ:

کعبہ را ھر دم تجلّی می فزود
زانکہ زا خلاصات ابراہیم بود

(اللہ کعبہ کے تجلیات کو ہر آن بڑھاتا رہتا ہے اور یہ ابراہیم علیہ السلام کی اخلاص کا اثر ہے یعنی اخلاص میں اثر ضرور ہوتا ہے۔)

کعبہ اور مسلمان کا دِل

کعبہ ہے محل تجلیات رب، اللہ کے انوارات کے اُترنے کی جگہ ہم اُس کی طرف منہ کر کے نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اِس پر ہر دم تجلیات اُترتی ہیں، اور جس طرح ہوائیں آتی ہیں اور خوشبوؤں کو لے آتی ہیں، اِس طرح اِس سے انوارات الٰہیہ تقسیم ہوتے ہیں، ہم اُس چوکور گھر کو سجدہ نہیں کرتے، بلکہ رب کعبہ کو سجدہ کرتے ہیں، جیسے کہ آتا

ہے، کہ ''و اذ جعلنا البیت مثابة للنّاس و امنًاط''۔(البقرة۲: ۱۲۶)

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ایسی جگہ بنایا جس کی طرف وہ لوٹ لوٹ کر جائیں اور جو سراپا امن ہو۔

اس کے اور معانی پنگھٹ کے بھی ہیں تو معنیٰ یہ ہوا کہ "ہم نے اس کو لوگوں کے لیے پنگھٹ بنایا ہے" جہاں سے لوگ معرفت رب کے گھڑے بھر بھر کر لے جاتے ہیں، حقیقت کعبہ کے ساتھ تعلق جوڑو۔

آتا ہے حضرت ابن عمرؓ کے متعلق کہ گئے کعبہ کو اور اس کو مخاطب کر کے یوں فرمایا ''اے کعبہ! تو کتنی پاکیزہ ہے، متبرک ہے، لیکن تجھ سے ایک مسلمان کا دل زیادہ متبرک ہے''[11] بات سمجھنے کی ہے، کہ کعبہ تمہارے لیے ہے اور تم کعبہ کے لیے نہیں ہو۔ جیسے کہ نلکا پانی پینے والوں کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ پانی پینے والے نلکے کے لیے ہوتے ہیں، کعبہ کو گرایا جائے گا جبکہ کعبے والے نہ رہیں گے، تم نہ ہو تو کعبہ کیسے رہے۔ تم ہو رب والے، تم ہو مقصود، تم نہ ہو تو کعبہ کیسے رہے؟ تو میں عرض کر رہا تھا کہ جب ابن عمرؓ نے فرمایا تو لوگوں نے کہا، کہ ''اے ابن عمر! سوچو تو سہی! یہ تو کیا کہہ رہا ہے'' تو فرمایا'' کہ یہ میرے اپنے بول نہیں ہیں۔ بلکہ یہ اُس سچے مخبر ابوالقاسم کا فرمان ہے جس جیسا اللہ تعالیٰ نے کبھی پیدا نہیں کیا، ہائے تمہیں دل دیئے گئے ہیں پتھر نہیں دئے گئے۔ اور جن کے دِل پتھر ہیں وہ جہنم کے ایندھن بن جاتے ہیں۔ کلام الٰہی میں ایک جگہ شقی دل کو پتھر سے تشبیہ دی ہے۔ اور دوسری جگہ آتا ہے، کہ دوزخ کی آگ کی سُلگائی پتھروں اور انسانوں سے ہوگی، یعنی جن انسانوں کے دل قساوت میں پتھر بن گئے ہوں، اور دیکھو! رب کے کلام میں آگے پیچھا نہیں ہوتا، وہ قافیہ بندیوں کے تابع

---

[11]۔ و نظر ابن عمر رضی اللہ عنہ یومًا الی البیت اوالکعبة فقال ما اعظمك و اعظم حرمتك والمؤمن أعظم حرمة عندالله منك۔ (رواه الترمذی)

نہیں، حکمت کے تابع نہیں، مڑے گی حکمت وہاں جہاں کہ رب کا فرماں ہو۔

تو اب یہ جہنم کیا ہے ؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس جہنمی کو صرف آگ کے کھڑاوے پہنائے جائیں، وہ جس کے صرف پلڑے پاؤں کے اوپر آتے ہیں، تمام پاؤں چُھپا بھی نہیں رہتا، تو اس سے اتنی گرمی ہوگی، کہ کھوپڑی میں دماغ اُبلتا رہے گا، یہ کوئی ایسی ویسی بھٹی نہیں، ''نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ﴿٦﴾ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿٧﴾'' رب کی سُلگائی ہوئی بھٹی ہے جو دلوں کو جھانک لے گی، ستر سال کی مسافت تک اُس کی تپش پہنچے گی، جہاں کا ایک سانپ ایک پھونک مارے تو تمام دُنیا اُس کے زہریلے اثر سے تباہ ہو جائے۔

دِل کی حفاظت کی ضرورت

اپنے دل کی حفاظت کرو اور ڈرو اُس آگ سے ''وقودھا الناس والحجارۃ'' جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہوں، یعنی وہ دل ہوں گے جو کہ پتھر جیسے ہوتے ہیں، اور پتھر جیسے نہ ہوں تو رب جلائے کیوں؟ بلکہ بعض دِل تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ جیسے کہ دوسرے مقام پر آتا ہے کہ ''ان کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ'' بعض پتھر تو ایسے ہیں جن سے بڑی بڑی نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں، اور انہی پتھروں میں سے بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں، کہ جو شق ہو جاتے ہیں، پھر اُن سے پانی نکل آتا ہے، اور انہی پتھروں میں بعض ایسے ہیں جو خدا تعالٰی کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں۔(سورۃ البقرہ ۲: ۷۴)

اور کیوں نہ ہو کہ رب کی محبت کے بجائے ہم نے اپنے دلوں میں اُن چیزوں کو جگہ دی ہے کہ انتہائی غلیظ ہیں، جن کی غلاظت اور تعفن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور یہ بھی کوئی عقلمندی ہے کہ خالق کے بجائے مخلوق کو اندر بٹھایا جائے، جو رب کے لینے کا محل ہے وہاں

کوڑا کرکٹ رکھ دیا جائے، اندھے ہیں وہ لوگ، بہرے ہیں وہ لوگ، نابینا ہیں وہ لوگ جو خالق کے بجائے مخلوق کو لے لیں، وہ بھی کوئی دل ہے جس میں رب کی محبت نہ ہو۔

کس کام کا ہے وہ دل جس دل میں تو نہیں
کس کام کا ہے وہ گل جس گل میں بو نہیں

صحابہؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر یقین:

بٹھاؤ اللہ کی محبت اپنے دلوں میں، یقین پیدا کرو اللہ تعالیٰ کی باتوں پر اور اُس کے پیارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر۔ کسریٰ کا نام تو سُنا ہوگا، یہ ایران کا بادشاہ تھا، اور اتنا مالدار کہ اس کے غالیچے میں سے چار انگل ٹکڑا جو حضرت علیؓ کے حصے میں آیا، وہ چار ہزار درہم پر بِکا، اس سے اندازہ کرو کہ تمام قالین کی قیمت کیا ہوگی۔ تو اُس نے چھت پر موتی اور جواہرات ایسے لگائے تھے کہ تمام چھت جگمگا اُٹھتی تھی، آنکھیں چکاچوند ہو جاتیں، اور پھر اِس چھت سے ایک باریک تار چلتی تھی جس سے ڈیڑھ من سونے کا بنایا ہوا تاج کچھ اِس طریقے پر لٹکتا تھا کہ قائم تو تھا تار کے زور سے اور دکھائی دیتا تھا بادشاہ کے سر پر تاکہ لوگوں پر رعب پڑے اور اُس کے خزانے میں ایک لعل ایسا بھی تھا، جس کی قیمت ایران جیسی سلطنت کے برابر تھی جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کیا، اور سامان مال غنیمت کے طور پر مدینہ پہنچ گیا، حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت تھی، آپ نے ملاحظہ کیا تو فرمایا "کسریٰ کے کنگن کہاں ہیں؟" یقین تھا، ایمان تھا کسریٰ کو دیکھا نہیں تھا، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا تھا، اَن دیکھے پر دیکھے سے بھی زیادہ یقین تھا۔ کہا "کہاں ہے کسریٰ کے کنگن" لوگوں نے کہا "کنگن، کہاں کے کنگن؟" تو فرمایا "کہ میں نے صادق المصدوق ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھوں میں آجائیں گے اور تم کہتے ہو کہاں کے کنگن؟" دیکھا تو تھوڑی دیر میں چند سپاہی جو کہ ابھی تک پہنچے ہوئے نہ تھے، وہ کنگن ہاتھ میں لیے ہوئے آپہنچے۔ حضرت

عمرؓ نے فرمایا ''مجھے کنگن سے کام نہیں، لیکن یہ ہو نہیں سکتا کہ میرے محبوب کی بات ہو اور وہ ٹھیک ثابت نہ ہو''۔ یہ تھا یقین اور ایمان، تو رب العزت نے اُن کے ساتھ معاملہ کیا کیا؟ کہ دُنیا کی بڑی سلطنتوں کے خزائن کو اِس دنیا میں قدموں کے نیچے گرا دیا اور آخرت میں جو ملے گا اُس کا تو کیا کہنا۔

دیکھو! رب العزت کا معاملہ اپنوں سے کچھ اور ہوتا ہے اور غیروں کے ساتھ اور، ایک بادشاہ ہوتا ہے، اُس کے درباری اور نوکر چاکر ہوتے ہیں، مہتر بھی ہوتا ہے، جہاں تک بادشاہ کے دربار کا تعلق ہے، تو مہتر اور درباریوں میں کچھ فرق نہیں ہوتا، اور پھر سخت کام مہتر کرتا ہے، لیکن پھر بھی درباری اونچے اور مہتر سب کی نگاہوں میں گرا ہوتا ہے، ہائے بھائی! یہی مثال اُن لوگوں کی ہے، جو کہ دنیا کی گندی ٹوکری کو اپنے سر پر اُٹھائے ہوئے ہوتے ہیں، باوجود زیادہ کام اور سخت کام کے اللہ کے ہاں ذلیل ہوتے ہیں۔ ''یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتیٰ اللہ بقلب سلیم''۔(الشعراء۲۶: ۸۹) نہ تو مالوں سے ملے، نہ بیٹوں سے ملے، ملے تو دل سے ملے، اور رب ملے تو سب ملے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا اسلام لانا:

ہائے! ایک کے خلاف رؤسائے مکہ جمع ہوتے ہیں، دارالندوۃ میں مشورہ کرتے ہیں، کس واسطے کہ حضور ﷺ کے خاکے کو ختم کریں، کئی تدبیریں کیں لیکن طے یہ پایا کہ ہر قبیلے کے ایک ایک جوان کو لے لیں، اور رات کے اندھیرے میں آپ پر حملہ کریں، تاکہ قاتل معلوم نہ ہو، تاکہ بنی ہاشم اگر نبٹنا چاہیں تو کس کس سے نبٹیں، آخر دیت پر فیصلہ کریں گے۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ انہوں نے تدبیریں کیں، اور اللہ نے تدبیر کی اور اللہ بہتر تدبیر فرمانے والا ہے، یہ جو عقلمند ہوتے ہیں، ان عقلمندوں کی تجویزیں بچوں کے گھروندے ہوتے ہیں، انکی حقیقت کیا ہوتی ہے؟ ان کو تو اپنے ارادے کے نتیجے کا پتہ

بھی نہیں ہوتا، ان ناواقفوں کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے! تو اوروں کی کیا تدبیر کرے۔ سنا ہوگا کہ حضرت عمرؓ کس کے ارادے سے گئے اور پھر کیسے لوٹے، ہائے! انسان جو تجویز کرتا ہے اور پھر اُن کی تدبیروں کی چالیں کیسے چلتی ہیں، تو یہ جاتے ہیں (حضرت عمرؓ) حضور ﷺ کے سر لانے کے لیے تلوار نکالی ہوئی ہے، چہرہ پر غصے کے آثار نمایاں ہیں، کہ راستے میں ایک صحابی حضرت نعیمؓ سے ملے، پوچھا ''خیر تو ہے؟''۔ کہا کہ حضرت محمد ﷺ کا سر لینے جارہا ہوں۔ جواب دیا کہ پہلے اپنے بہنوئی اور بہن کو تو سمجھالو، جو کہ دونوں مسلمان ہوگئے ہیں یہ اور بھی غصے ہوا، راستہ بدل لیا اور روانہ ہوا اپنی بہن کے گھر، طیش سے بھرا ہوا عمر اپنی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا جس کا رب کے ساتھ تعلق تھا اور مسلمان ہوچکی تھی، جاتا ہے اور زور سے دروازہ کھٹکٹاتا ہے۔

عمر کا دبدبہ کچھ کم نہ تھا ایک فوج قاہر سے

بہن اس وقت قرآن مجید کی تلاوت کررہی تھی سمجھ گئی کہ عمر ہے، قرآن مجید کے اوراق کہیں چھپالیے اور خاموش ہوئی، اب یہ جاکر پوچھتا ہے کہ ابھی تم کیا پڑھ رہے تھے وہ خاموش ہیں۔ تو اس سخت دل نے بہنوئی کو مارنا شروع کیا، بہن چھڑانے آئی تو اُسے بھی لہولہان کیا۔ لیکن نشہ توحید کے یہ مست اور اسلام کے شیدائی ایسے نہ تھے کہ مارنے سے اُن پر اثر ہوجائے۔ بہن بولی ''تو ہمیں مار سکتا ہے لیکن اسلام کا جو نشہ جو ہمارے اندر اُتر چکا ہے ہم اُس کو چھوڑنے والے نہیں''۔ حضرت عمرؓ یہ دلیرانہ جواب سُن کر حیران ہوجاتے ہیں۔ ''کیا نشہ ہے؟ کہ مارنے سے اُترتا نہیں''، تو کہا ''کہ ذرا تو بتا تو کیا پڑھ رہی تھی اُس نے کہا کہ تُو ناپاک ہے، جاؤ پہلے غسل کرلو، اس کے بعد تُو اس قابل ہوجائے گا کہ قرآن کو ہاتھ لگائے'' اس پر بھی اب اثر ہوچکا تھا ہر شرط ماننے کو تیار تھا، گیا اور غسل کیا، تو پھر بہن نے ''طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾'' (۲۰: ۱۔۲) کی چند آیتیں سنائیں تو دل پلٹ گیا، ہوش اُڑ گئے، اور کہا کہ

مجھے جلدی کلمہ پڑھاؤ اور اُسی وقت مع ننگی تلوار کے ارقمؓ کے گھر چلتے ہیں، جہاں کے مسلمان اکٹھے ہوتے تھے۔

ظاہر والے تو ظاہر دیکھیں، لیکن فیصلہ کسی اور نے کسی اور سے کیا تھا، کس نے کہا تھا، حضور ﷺ نے دعا فرمائی تھی ''اللھم اید الاسلام باحدی العمرین''[12] اے اللہ !تُو دو عمروں میں سے ایک کے ذریعے اسلام کو تقویت فرمایا عمر ابن الخطاب کے ذریعے اور یا عمر ابن الھشام (ابوجہل) کے ذریعے۔ تو اللہ نے حضرت عمر ابن خطاب کو چن لیا۔ یہ آئے تھے قتل کی نیت سے اور وہ بھی نبی ﷺ کا اور سب سے بدترین قاتل وہ ہے جو نبی کو قتل کرے اور پھر یہ تو سید الانبیاء تھے۔ تو اللہ میاں نے بتایا کہ دیکھو! تو سہی تو کیسے ہمارے پیارے سے نبرد آزما ہوتا ہے، اور کیسے ہم تم کو گھیرتے ہیں، اس ضمن میں ایک بات اور عرض کروں کہ حق کبھی بھی چھپ نہیں سکتا، باطل چاہے کیسے زور و شور سے آئے لیکن حق دب نہیں سکتا تو یہ ننگی تلوار لیکر چلتے ہیں ارقمؓ کے گھر۔ صحابہ نے دیکھ لیا، کہ عمرؓ آرہے ہیں، اور کچھ خائف سے ہوئے، تو حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ آنے دو، اگر اچھی نیت سے آیا ہے، تو خیر ورنہ ابھی کام تمام کردوں، یہ گئے اور حضور ﷺ کے ہاتھوں اسلام لے آئے، اور اسی وقت مسلمانوں کو ساتھ لیکر کعبہ شریف تشریف لائے اور کہا'' کہ جب ہمارا دین حق ہے، تو ہم اوروں سے دبیں کیوں؟''۔

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ وہاں تو یہ عقلمند تجویز کررہے تھے، اللہ کے پیارے نبی ﷺ کے قتل کرنے کے، جب انسان دیوانا ہوجاتا ہے تو اسی طرح اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارتا ہے نبی ﷺ جس کی ذات سراپا رحمت تھی، وہ چراغ جس سے تمام عالم کی روشنی کو دوام ہے یہ اس کو بجھانے کے درپے تھے، اور یہاں اللہ رب العزت کا اپنے محبوب کو ہجرت

---

[12]- اللھم اعز الاسلام بأحب هذين الرجلين اليك۔ بابی جهل بن هشام او بعمر بن الخطاب، قال و كان احبهما اليه عمر۔ (الترمذی بحواله جمع الفوائد، حديث نمبر: ۸۶۲۳)

والا بنانا تھا، اُس وقت ہجرت فرض تھی، شرائط ایمان میں سے تھی، فرمایا" کہ جب ہجرت کا موقع آئے، تو اللہ کے راستے میں جاؤ اور زمین پر جم کر نہ بیٹھو، سورۃ انفال کو پڑھو، سورۃ توبہ کو پڑھو کہ کیا کہتے ہیں، ترغیب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ "اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ" کیا تم اس گندی دنیا پر راضی ہوئے؟

نبی ﷺ کا امین ہونا

تو میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے، اور نبی کا اسوہ اُمت کے لیے نمونہ ہوتا ہے، کہ اگر ایسی حالت آجائے تو کیا کرنا چاہیئے، تو ایک طرف تو یہ حالت ہے کہ آپ ہجرت فرمارہے ہیں اور دوسری طرف دیانتداری کا یہ حال ہے کہ ابھی تک مکہ والوں کی امانتیں آپ کے پاس پڑی ہوئی ہیں۔ آپ نے حضرت علیؓ کو اپنی جگہ پر سُلا دیا کہ لوگوں کو اپنی امانتیں واپس کردیں، اور خود مٹی بھر ریت لے لی، اور دم کی اور سورۃ یسین کی تلاوت کرتے ہوئے ابوبکرؓ کے گھر تشریف لائے۔

تلاوت سورۃ یسین کی کرتے ہوئے نکلے

یہ تو نکل گئے اور کفار کو پتہ بھی نہ لگا، کہ کیا ہوا کیا نہ ہوا؟ صبح جو اندر داخل ہوئے، تو دیکھا کہ مکان خالی ہے اور حضرت علیؓ مزے سے پلنگ پر سو رہے ہیں۔ پرواہ بھی نہیں کہ کیا ہوگا اور کیا نہ ہوگا؟ یہ مسلمان بننا ایسا آسان کام نہیں، کہ بس زبان سے کلمہ پڑھ لیا اور پھر پاؤں پر پاؤں دھر کر بیٹھ رہے، یہاں جان کی قربانی دینی پڑے گی، وہ ہمارے بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ شفقت یہ نہیں کہ یتیم کے سر پر ہاتھ تو پھیرا کرو اور پھر مزے سے اُس کا مال بھی کھایا کرو۔ اسی طرح مسلمان ہونا بھی صرف یہ نہیں، کہ کلمہ پڑھ لیا اور کبھی نماز بھی پڑھ لی اور پھر چھٹی ہوئی، قربانی دینی پڑے گی، مال کی قربانی، اولاد کی قربانی اور اگر ضرورت ہوئی تو جان کی قربانی۔

تبلیغ کی اہمیت

جب حضور ﷺ پر پہلی وحی آئی، تو گھر آئے اور اپنی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا ''زملونی زملونی" مجھے کمبل اوڑھادو، مجھے کمبل اوڑھادو۔ اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے، اور پھر لطیفے کے طور پر ایک قصہ بھی عرض کرلوں، کہ اس دفعہ اسلامیات کے جو پرچے ہمارے پاس کوہاٹ کے آئے تھے۔ تو اس میں زملونی کے بجائے ایک صاحب نے لکھا تھا ''کمبلونی کمبلونی'' یہ ہے ہمارا دین سے واقفیت کا حال، تو میں عرض کر رہا تھا کہ جب نبی کریم ﷺ بھی کمبل اوڑھ کر لیٹ جایا کرتے ہیں، تو کہا جاتا ہے:''یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾'' (اے کمبل اوڑھنے والے اُٹھ اور لوگوں کو ڈرا۔) تبلیغ کا کام کر، یہ نبوت لیٹنے کے لیے نہیں آیا کرتی، اُٹھ جاؤ، وہ کیسے سوئے؟ وہ آرام کیسے کرے! اُسے چین کیسے آئے؟ جس کے سر تمام دنیا کو رب تک پہنچانا ہوتا ہے، قرآن کو دیکھو تو بار بار فرماتا ہے، کہ ''فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ'' اور فرمایا ''وَ قِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ○'' (الزخرف ۴۳: ۸۸) گو رب تاثر سے پاک ہیں، رب پر تاثر نہیں آیا کرتا، لیکن لفظ یہ بیان فرمارہے ہیں، کہ کیسی کڑھن پیدا کرنے کے لیے الفاظ بیان فرمائے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ ''وَ قِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ○'' اور اس محبوب کا یہ کہنا کہ یہ قوم ایمان نہیں لاتی۔ اللہ رب العزت اس کو اپنے الفاظ میں اپنی طرف سے بھی ذکر کرسکتے تھے، لیکن ایسا نہیں کیا اور قول کو حضور ﷺ کی طرف سے بیان فرمایا کہ ''اس محبوب کا یہ کہنا''۔

تو اب جس دین کے لیے حضور ﷺ تو ایسے گھلیں، ایسا غم کھائیں کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے کلام میں آپ کی خبر دے، اور ہم یہ کہیں کہ یہ ہمیں مفت آجائے کچھ کرنا نہ پڑے، کچھ اوقات نہ لگے۔ ایک دفعہ ایک تاجر نے کہا ''کہ کام بہت ہیں کیسے نکلوں؟'' تو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے فرمایا ''تم تو تاجر ہو، تم تو کہو کہ کیسے نہ جاؤں؟'' تجارت کے لیے کیسی کیسی

ترکیب لڑایا کرتے ہو، اور اب دین کی بات ہے تو مشکل پیش آتی ہے۔ جس کے دل میں دین کا درد تھا، دین کا سوز تھا، جو کہ رحمۃ اللعالمین بن کر آئے تھے۔ وہ دعوت کے لیے کیسی کیسی ترکیبیں سوچا کرتے تھے، کیسے کیسے طریقے اختیار کرتے تھے، کہ یہ اللہ کے بندے اللہ کے ساتھ جُڑ کر عذابِ آخرت سے نجات پاجائیں۔ تو کیا کیا؟ کہ اپنے عزیز و اقارب کو ضیافت پر بُلایا اور اس طرح ہوا کرتا ہے کہ جب کام ہو تو پیچھے ہٹا کرتے ہیں اور جب دعوت ہو تو پھر قسم قسم کے بہانے سوجھا کرتے ہیں۔ تو جب آئے دعوت پر۔ تو حضور ﷺ نے بات شروع کرنے کا ارادہ فرمالیا۔ تو جس طرح نبی آتا ہے اُس کے ساتھ فرعون بھی مقابلہ کے لیے پیدا ہوتا ہے، اور پھر جس طرح نبی بڑا ہوتا ہے اسی طرح اس کا فرعون بڑا ہوتا ہے۔ تو حضرت محمد ﷺ کے فراعنہ بتدریج ابو لہب، ابو جہل اور پھر ولید بن مغیرہ تھے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰؑ کے فراعنہ فرعون، ہامان اور پھر قارون تھے۔ تو جب حضور ﷺ نے بات شروع کرنے کا ارادہ فرمایا تو ابو لہب کی فرعونیت پر قرآن کی پوری سورت اُتری ہے نے جان لیا، کہ اِسکا مطلب کچھ اور ہے۔ اور پھر بات شروع کی، اور جس کی زبان پر شیطان بولے، وہ بھی کبھی چپ ہوتا ہے، مشہور مثل ہے کہ بات کیا ہوئی کہ شیطان کی آنت ہوئی، غرض یہ کہ یہ بولتا رہا بولتا رہا، یہاں تک کہ دعوت ختم ہوئی۔ اور حضور ﷺ کو بات فرمانے کا موقع نہیں ملا، اُس زمانے میں دستور تھا، کہ کسی کو کسی کی بات کاٹنے کی اجازت نہ ہوتی تھی، اور اس کو بڑا معیوب سمجھا جاتا تھا، تو اس وجہ سے حضور ﷺ بات کاٹتے بھی نہیں تھے۔ دوسرے دن بلایا، پھر یہ لگا رہا اور حضور ﷺ کو فرمانے کا موقع نہیں دیا، تیسرے دن بُلایا، اس بار حضور ﷺ کو موقع ملا، اور آپ نے نہایت حکیمانہ انداز سے بات شروع کی، نشتر مارنا شروع کیا، ایسے نشتر جس سے کفر کی جڑیں کٹ جاتی تھیں۔ لیکن ڈاکٹر اگر چہ کتنا ہی تجربہ کار ہو لیکن جو مریض ڈاکٹر کو کام کرنے نہ دیں اور نیچے سے ہلا کریں، تو وہ زخمی نہ ہو جائے تو کیا ہو جائے، تو

جو ازلی کافر تھے، جس نے کان نہ لگائے نبی ﷺ کی باتوں کو نہیں سنا، ملاحظہ نہیں فرمایا، وہ تو عمر کے لیے بہرے اور اندھے ہوگئے، اور ایک نو عمر بچے نے جو توجہ سے سُنا، عزت کے ساتھ سُنا، حاجت مند بن کر سُنا، تو وہ کھڑا ہوا، اور یوں فرمانے لگا۔ کہ: ''گو میں چھوٹا ہوں، اور میری پنڈلیاں پتلی سی ہیں۔ لیکن میں اپنے کو اس کام کے لیے پیش کرتا ہوں'' جانتے ہو یہ نو عمر پتلی پنڈلیوں والے کون تھے، یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے جو کہ اسد اللہ دین کے شیر کے نام سے مشہور ہوئے۔

دین کا کام ایسا نہیں، کہ جو پرانے ہوں، اُن سے چھوٹ جاتا ہے، نبیوں نے یہ کام کیا، صحابہ نے یہ کیا، تو تم کیسے چھوٹ جاسکتے ہو۔

عشق کی تیغ جوہر دار اُڑالی کس نے

سوچ لو، فکر کرو، تم تو محمد ﷺ والے ہو تم تو صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین والے ہو، اُن کی نسبت سے کچھ کام کرلو۔

تو بات یہاں تک پہنچ گئی کہ اُس چھوٹے یعنی حضرت علیؓ کو تلواروں کے سائے میں لٹایا۔ اور اس کو بھی دیکھو، کہ ذرا بھی نہیں گھبرائے۔ وہاں یہ نہیں کہا جاتا تھا، کہ تین چلّے کے لیے نکلو، مزہ آئے گا، اور ہم تجھے روٹی بھی دیں گے، بلکہ وہاں تو کہا جاتا تھا، کہ نکلو اور جان دے دو، اور پھر یہ کہو۔

جان دی ، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہائے! ایک نعمت تھی، چھین لی گئی اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یوں آتا ہے، کہ جس سے قرآن بھول جائے، وہ نہ یہ کہے کہ قرآن بھول گیا، بلکہ یوں کہے کہ بھلایا گیا۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور ﷺ نکلے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اور کفار کے درمیان ایسی دیوار کھڑی کر دی کہ وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔ وہ آتا ہے قرآن میں۔ ''وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴿۹﴾'' تو یہاں سے نکلے، اور یہ اندھے اپنی تمام تدبیروں کے ساتھ ناکام رہ گئے، حضرت ابو بکرؓ ساتھ تھے چلتے چلتے غار ثور میں گئے، گو غار ثور کی قسمت جاگ اُٹھی، کہ ایسے لوگوں نے اس میں پناہ لی۔ تو ہم بڑے اتراتے ہیں کہ ہم یہ کام کرتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ہم سے دین کا کچھ تھوڑا سا کام لیتا ہے، ورنہ اُسے کیا حاجت، اُس نے جو چاہا تو مکڑی کے کمزور گھر سے وہ کام لیا، جو کہ بڑے لشکر نہ کر سکے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ ایسی حقیر چیزوں سے بھی کتنا بڑا کام لے سکتا ہے، تو ہم جو یہ محنت تھوڑی سی کر لیتے ہے، تو اس پر نازاں نہ ہونا چاہیئے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اُس نے ہم پر اتنا احسان کیا کہ اپنے دینی کام کے لیے قبول فرمایا، وہ تو غنی ہے، لاپرواہ ہے، وہ ہم کو دینے کے لیے کام لیتا ہے۔ ''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ'' جس نے اچھا کام کیا تو اپنے لیے کیا اور جو کوئی بُرائی کرتا ہے وہ اپنے ہی نقصان کے لیے کرتا ہے۔ (سورۃ فصلت ۴۱: ۴۶)

دیکھو! ہمارے بچے سترہ سال محنت کرتے ہیں اور جو کہیں نوکری مل جاتی ہے تو خوش ہوتے ہیں، کہ کام مل گیا، اور یہی جب تھوڑی محنت سے اللہ کے ہاں روزگار مل جائے، اُس کی خوشنودی مل جائے تو پھر کیا کہنا۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ کوئی اگر یہ کام کر رہا ہو، تو اترائے نہیں، بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے، اور اگر خدانخواستہ یہ نعمت چھین گئی، تو پھر کوشش کرے، پھر پیش کرے، پھر پیش کرے، انشاء اللہ مل ہی جائے گا، رب تو تمہارے طالب ہیں، وہ تو چاہتے ہیں کہ کب میرے بندے میری طرف رجوع کر لیں، اُس کے دربار سے پُر امید رہنا چاہیئے۔ کبھی گھبرانا نہیں چاہیئے۔

وہ چشم محبت تو جویائے محبت ہے
دیکھو تو ذرا کر کے اُن سے کوئی یارانہ

اُس نے اپنے ہاتھ پہلے ہی ایسا کیا ہوا ہے کہ کون ہے جو آئے، وہ آتا ہے حدیث میں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی ہے، جس کے پاس ایک اونٹ ہے چلتا ہے صحرا میں ، اونٹ پر پانی بھی ہے اور خوراک بھی ہے ، اچانک یہ اونٹ کہیں گم ہو جاتا ہے ، مالک بہت تلاش کرتا ہے لیکن نہیں ملتا، پیاس اور بھوک کی وجہ سے بُرا حال ہوتا ہے ، آخر کار نڈھال ہو کر لیٹ جاتا ہے ، کہ مرنا تو ایسے بھی ہے، ذرا آرام سے تو دم نکلے ، اس سوچ میں اُس کی آنکھ لگ جاتی ہے، سو جاتا ہے، جب آنکھ کھولتے ہیں، تو کیا دیکھتے ہیں؟ کہ اونٹ سامنے کھڑا ہے، تُو بتاؤ کہ اُس کو کتنی خوشی ہوگی ، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تو فرمایا کہ جب اللہ کا کوئی گنہگار بندہ اس کی طرف رجوع کر لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی خوشی اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے، جیسے کے اس اونٹ والے مسافر کو اونٹ کے ملنے سے ہوئی، لیکن کوئی رجوع تو کرے ،مانگے تو سہی، پھر دیکھے کہ اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے یا نہیں؟ وہ علامہ اقبال والی بات:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

دیکھو! یہ دین بہت قیمتی ہے، بہت اونچا عمل ہے، تب ہی تو اللہ پاک اس کے لیے اپنے چہیتوں کو پھرایا کرتا ہے، اُن پر آرے چلایا کرتا ہے، مصیبتیں جھیلی جاتی ہیں، تکالیف برداشت کی جاتی ہیں۔

عشقِ خانہ خراب کے مارے
دربدر شہریار پھرتے ہیں

ہائے! اُس روشن چہرے پر جو کہ چومنے کے قابل تھا، تھوکا گیا، ایک صحابی ذکر کرتا ہے کہ ایک دفعہ ایک بدبخت نے آپ پر پتھر کا ایسا وار کیا، کہ پتھر کے درد کے مارے حضور

ﷺ کا سر چکرایا تو وہ دین جس کے لیے حضور ﷺ پر وار کیا جاتا ہے، گڑھا پڑ جاتا ہے اور آپ کی بیٹی آتی ہے، چھیتڑے کو جلاتی ہے، اس میں بھرتی ہے، جب ہوش آتا ہے، تو فرماتے ہیں "اے بیٹی! غم نہ کرو، اللہ اس عمل کو مشرق و مغرب تک پہنچائے گا" تو ہم نے اس عمل کے بدلے اُس دنیا کو لیا جس کے کپڑے اگر پرانے ہو جائیں۔ تو جسم دکھائی دے اور اُس بدن کو اپنایا، جبکہ بوسیدہ ہو جائے، تو کیڑوں کی خوراک بن جائے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جب اللہ چاہے تو مکڑی سے دین کا کام لے، اور حضور ﷺ کی دشمنوں سے حفاظت کر کے بتایا، وہ جب چاہے تو کعبۃ اللہ کی حفاظت ابرہہ جیسے ہاتھیوں والے کی ابابیلوں سے کرتے ہیں، حضور ﷺ صاف فرماتے ہیں: "لا تزال طائفة من أمتي قائمين على الحق ظاهرين لا يضرهم من خذلهم حتى يأتي امر الله" (ترمذی، حدیث نمبر:۲۲۳۰۷) ہم تو نازاں ہوتے ہیں کہ ہم نصرت نہیں کریں، تو یہ ہو جائے اور وہ ہو جائے، اور اللہ کے پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں: "کہ تمام تعریف صرف اُس واحد اللہ کے لیے ہے جس نے اکیلے اپنے دین کی مدد کی"۔

سوچ لو اور خوب سوچ لو کہ تمہارے نام قیامت کے دن اُن لوگوں میں آتے ہیں جن کے متعلق کہا جائے گا "کہ یہ میرے والے ہیں"۔ یہ محمد ﷺ کے دین کے محافظ ہیں۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ وہ کنگن والے اس ارادے سے چلے کہ محمد ﷺ کے سر مبارک کو سو اونٹ کے بدلے لائے، جب انسان اندھا ہو جاتا ہے تو اس کے دماغ ایسا سوچا کرتے ہیں، وہ نبی ﷺ جس کے کٹے ہوئے ناخن کی قیمت تمام دنیا سے زیادہ ہے۔ یہ اُس کو قتل کرنے جاتے ہیں۔

وہ آتا ہے، کہ سراقہ نے یومِ ہجرت میں انعام کی خاطر آپکا پیچھا کیا، اور یہ دنیا بھی لوگوں کو کس طرح اندھا کر دیتی ہے، تو جب قریب پہنچ گیا، تو زمین میں دھنس گیا، گو قارون

کی طرح نہیں دھنسا، کیونکہ ان سے آگے کام لینے تھے۔ لیکن اس کفر کی حالت میں بھی اس کو حضور ﷺ کی دعا پر کیسا یقین تھا، عرض کیا ”کہ میرے لیے دعا فرمایئے“ کافر کو تو حضور ﷺ کی دعا پر ایسا یقین تھا اور ہم حضور ﷺ والے ہوتے ہوئے بھی آپ کی باتوں پر یقین نہ کریں۔

حضور ﷺ کی بات کا یقین

چوتھے فرعون، ابی ابن خلف کے متعلق جس نے حضور ﷺ پر سجدے کی حالت میں جو انتہائی قرب کی حالت ہے، اوجھڑی مع بچہ دان کے ساتھ ڈالی اور اس کے بوجھ سے حضور ﷺ سجدے سے سر نہیں اُٹھا سکتے تھے، تو حضور ﷺ نے اس موقع پر بد دعا فرمائی، اور نو آدمیوں کے نام گنائے، آتا ہے کہ یہ سن کر ابی بن خلف کا رنگ فق ہو گیا، ابو جھل نے پوچھا کہ کیوں؟ تو اُس نے کہا" کہ یہ محمد ﷺ کی زبان ہے" اس واقعہ کے راوی بخاری میں ابو مسعودؓ ہیں، وہ کہتے ہیں، کہ یہ نو کے نو جنگ بدر میں ایک گڑھے میں ڈال دئے گئے، تو گویا یہ لوگ اللہ سے لڑتے ہیں ۔ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ (سورۃ الانعام: ۶،۳۳)

تو ابی بن خلف کو جو حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ تم میرے ہاتھ سے قتل کئے جاؤ گے ، تو اس کو اس بات پر یقین تھا، اور بڑا خائف رہتا تھا، اور اپنے آپ کو بہت بچاتا تھا، لیکن کفار کے طعنے دینے سے آخر اللہ تعالیٰ نے سامنے کیا، اتراتا ہوا آیا، تلوار لی اور کہا کہ حضور ﷺ کہاں ہے؟

صحابہ نے کام تمام کرنا چاہا، لیکن حضور ﷺ نے فرمایا ”آنے دو“۔ حضور ﷺ نے تلوار کا وار کیا، ایک معمولی سی خراش پڑی، چلاتا ہوا بھاگ گیا اور بیل جیسی آوازیں نکالنے لگا، لوگوں نے کہا ”اتنے بڑے آدمی ہو، اور پھر اتنی معمولی خراش سے اس قدر حواس باختہ

ہوئے جاتے ہو"۔ تو کہا" کہ زخم تو معمولی ہے، لیکن تم کیا جانو، کہ کس نے مارا ہے؟ یہ محمد (ﷺ) کی مار ہے"۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سراقہ نے معافی مانگی، معافی دی گئی، تو دوبارہ شیطان نے اُکسایا، اور آگے بڑھا، لیکن پھر دھنس گیا، پھر معافی مانگی، پھر حضور ﷺ نے معاف فرمایا، تو پھر ارادہ کیا لیکن پھر جو دھنس گیا، تو آخر کار پتہ چلا کہ کامیابی ناممکن ہے۔ تو عرض کیا" اے محمد ﷺ! مجھے امان نامہ لکھو، کہ جب یہ مکہ تمہارے ہاتھوں فتح ہو جائے، تو مجھے امن ہو" ہائے! تو ایک ایسے آدمی کو تو نبی ﷺ کی بات پر ایسا یقین ہو، اور مسلمان، آپ کے ہوتے ہوئے آپ کی باتوں میں شش و پنج میں مبتلا ہو جائیں۔

تو میں بیان کر رہا تھا کہ عمرؓ نے کہا کہ "وہ کنگن کہاں گئے"۔ تو تھوڑی دیر کے بعد چند آدمی آئے اور وہ کنگن دیئے اور سراقہؓ کو تھوڑی دیر پہنائے تو فرمایا کہ "سونا مردوں کے لیے حرام ہے۔ میں اس سے کچھ کروانا نہیں چاہتا، لیکن میں جانتا ہوں، کہ میرے نبی ﷺ کی بات جھوٹ نہیں ہو سکتی"۔[13]

فیّاضی اور عطاء

تو ہاں! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ایک فرد کا عمل ہوتا ہے، اور ایک جماعت کا عمل ہوتا ہے، اور پھر جماعتوں کے بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں، کوئی چھوٹی کوئی بڑی، ایک ہوتی ہے دو تین آدمیوں کی جماعت جیسے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کی تھی، اور ایک ہوتی ہے قوم کی جماعت جیسے بنی اسرائیل اور پھر حضور ﷺ کی امت جس میں تمام افراد آپ کے زمانے

13۔ یہاں پر پہنچ کر بیان کا کافی وقت ہوا، لوگ تھکے ہوئے معلوم ہوتے تھے، اور آپ خود بھی بڑے زور اور جوش سے فرماتے تھے ، اس لیے آرام کرنے کے لیے اور لوگوں کو تازہ دم کرنے کے لیے، ارشاد ہوا کہ درود شریف پڑھا جائے، چنانچہ ایک دومنٹ کے لیے حکم کی تعمیل میں درود شریف پڑھا گیا اور پھر آپ کے بیان کا سلسلہ شروع ہوا۔

سے لیکر تا قیامت شامل ہیں۔ فرد کا عمل بھی ضائع نہیں جاتا، لیکن اجتماعی عمل کی شان کچھ اور ہوتی ہے، جیسے ہمارے نبی حضور ﷺ نے فرمایا" کہ جو شخص گھونسلے جیسی مسجد بنادے، تو وہ قیامت میں اس کا محل ہوگا" تو محدثین نے کہا کہ گھونسلے جیسی مسجد کیا ہوتی ہے، اِس بات کو بیان فرماتے ہیں، کہ اگر کوئی غریب کوئی کم قیمت بھی خیرات کردے، جس سے گھونسلے کے برابر جتنا حصہ تعمیر کیا جاسکے، تو اللہ تعالیٰ اُس کو جنت میں محل دے گا، اب اگر کوئی ایک بڑی مسجد بنانا چاہے، جیسے دہلی کی جامع مسجد، فلسطین کی مسجد، اب مجھ جیسا غریب بھی اِس میں شریک ہو جائے، اور پھر اخلاص ہو، تو اللہ تعالیٰ تمام مسجد کے بنانے کا ثواب دے گا، اور اس کے اس چھوٹے سے عمل کو اخلاص نیت کے بقدر بڑھائے گا۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں، کہ جماعت کے ساتھ اگر نماز پڑھے، تو اگر اُس کی نماز قبول ہوگئی، تو اُس کی برکت سے تمہاری نماز بھی قبول ہو جائے گی، مثلاً میں ہوں ایک کنجوس، اب تم جیسے سخیوں کے پاس بیٹھا ہوں، اور لڈو تقسیم کرتا ہوں، تو کیا میں یہ کر سکتا ہوں، کہ ایک کو تو دو دوں اور دوسرے کو ایک اور تیسرے کو آدھا دے دوں، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تو کچھ کمی نہیں، جب ایک کی نماز کو قبول کریں، تو باقیوں کی نماز بھی اپنے فضل سے قبول کر لیتے ہیں۔

اب جب مسجد کو بنانے میں اتنا ثواب ملتا ہے، کہ جنت میں محل دیا جاتا ہے حالانکہ مسجد ذریعہ عبادت ہے، خود عبادت نہیں، تو جو شخص عبادت کو زندہ کرنے کی کوشش کرے گا تو اُس کو کیا ملے گا۔

یہ تبلیغ والے جب کہتے ہیں کہ سات لاکھ کا ثواب ملے گا، تو حیران ہوتے ہیں، کہ اتنی چھوٹی نیکی اور اتنا بڑا ثواب، تو ایک صاحب نے مجھ سے یہ کہا، کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، تو میں نے کہا" خود کنجوس ہو، تو اللہ کو بھی اپنے جیسا سمجھتے ہو" جو سخی ہوتے ہیں، اُن سے اگر معمولی چیز کا سوال کیا جائے تو اپنی ہتک سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حاتم کے بیٹے سے ایک آدمی نے

سوال کیا تو اُس کے منصب سے کم تھا تو اُس نے اُسے اپنی ہتک سمجھا۔

ایک اعرابی آئے، اور حضور ﷺ سے عرض کیا، جو آخرت کے لحاظ سے تو تقسیم کرنے والے تھے، اور جو کنیت کے لحاظ سے تو ابو القاسم تھے ہی، اور یوں بھی فرمایا ''انا قاسم واللہ معطی'' کہ اللہ دینے والے ہیں اور میں تقسیم کرنے والا ہوں، کہ میں سوال کرونگا، اور سختی سے کرونگا، حضور ﷺ نے اجازت دے دی، تو کہا کہ مجھے کچھ دیدیجئے۔

اب حضور ﷺ نے فرمایا ''کہ جو ریوڑ ان دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں ہے، وہ تمام کا تمام لے جاؤ'' اب اُس کو اس بات کا یقین نہ آئے، کہ اتنا بھی کوئی دے سکتا ہے، لیکن یہ حضور ﷺ کی زبان مبارک تھی جس سے کسی وقت بھی جھوٹی بات نکلنے کا شائبہ تک نہیں، تو ریوڑ کو لے گیا، اور پہنچتے ہی اپنے قبیلہ کو پکار کر کہا۔ کہ ''اے میری قوم! سب کے سب محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ، وہ تو اتنا دیتے ہیں، اتنا دیتے ہیں، کہ پھر افلاس کا کوئی شائبہ بھی نہیں رہتا'' تو یہ تو دنیا کے لحاظ سے تقسیم کی حالت تھی اور جو آخرت کے لحاظ سے تقسیم کریں گے، اُن کا کیا ہی پوچھنا، اور اللہ کی وہشت کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں، تو اگر وہ اللہ کی راہ میں ایک نیکی کا اجر سات لاکھ دیں، تو کونسی مشکل بات ہے، اور دیکھو! جیسے شراب کو ''اُمّ الخبائث'' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح تبلیغ نیکیوں کی ماں ہے، حضرت ابو بکرؓ، کا ایمان حضور ﷺ کی دعوت کا نتیجہ ہے، تمہارا ایمان صحابہ کی دعوت کا نتیجہ ہے، اگر وہ دعوت کا کام نہ کرتے، تو خدا جانے آج ہماری کیا حالت ہوتی؟ داعی کی مثال انجن جیسی ہے، جب (Shunting) کرتے ہیں، تو انجن تو اپنی جگہ پر ہوتا ہے، لیکن ڈبوں کو ایسا دھکا دیتا ہے، کہ کہیں کا کہیں پہنچا تا ہے۔ ویسے ہی داعی تو مر بھی جاتا ہے، لیکن نامہ اعمال بند نہیں ہوتا، نیکیاں برابر لکھی جاتی ہیں، اس وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا ''نَضَّرَ اللہُ اِمْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَ فَرُبَّ مُبَلِّغٍ اَوْعٰى مَنْ سَامِعٍ''۔ (ترمذی، حدیث نمبر:۲۸۴۸)

''کہ اللہ اُس آدمی کو سرسبز وشاداب رکھے، جس نے مجھ سے دین کی بات سُنی، اور پھر اُس بات کو دوسرے تک پہنچادیا''، یہ کیوں فرمایا، اس لیے کہ دین کی بہار قائم ہے دعوت پر، دعوت والا عمل نہ رہے تو دین کی بہار پر خزاں آجائے، طریقے ختم ہو جائیں، اور دین کی ہریالی خشکی میں تبدیل ہو جائے۔

دیکھو! یہاں کی کون سی شے مشہور ہے؟ (عرض کیا گیا ''امرود'') ''ہاں جی! تو تم امرود کے پودے لگالو۔ اور پھر اس کو پانی نہ دو، اس کی دیکھ بھال نہ کرو، کھاد نہ دو پھر دیکھو! کہ کیا حالت ہو جاتی ہے، کیا پھر یہ سرسبز وشاداب رہتے ہیں؟''۔ یہی حالت دین کی ہے، دین کی بہار دعوت والے عمل سے قائم ہے، دیکھو! حضور ﷺ کوئی پھلوں کا باغ لگانے نہیں آئے تھے بلکہ وہ دین کے باغ لگانے کے لیے مبعوث کئے گئے تھے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيۡرًا ﴿۴۶﴾ (احزاب ۳۳: ۴۵،۴۶) پانچ نام گنائے، لیکن اس میں یوں نہیں کہا، انا ارسلناك زارعًا کہ ہم نے تم کو کھیتی والا بھیجا، ''تاجراً'' تجارت والا بھیجا وغیرہ وغیرہ بلکہ فرمایا ''اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا'' کہ ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا، اور پھر اس میں امت کو بھی شریک کیا، فرمایا: ''وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ'' اور پھر یوں کہا وَ مُبَشِّرًا ''بشارت دینے والا'' اور اس میں بھی امت کو شریک کیا، جیسا کہ حضور ﷺ جب صحابہؓ کو یمن میں تبلیغ کے لیے بھیجتے تھے تو فرمایا ''یسرا ولا تعسرا و بشرا ولاتنفرا و تطاوعا''۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۶۱۲۴)

اور پھر انذار اور طریق دعوت میں بھی حصہ دیا، اور پھر آخر میں کہا ''سِرَاجًا مُّنِيۡرًا'' روشن چراغ ''شَمۡسًا مُّنِيۡرًا'' نہیں کہا، کہہ سکتا تھا، وجہ ہے کہ جیسے ایک دیے سے دوسرا دیا روشن ہوتا ہے، اسی طرح آپکا فیض سینہ بسینہ چلتا رہے گا۔ فرمایا ''اصحابی

کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم "۔(اگر میں سورج ہوں، تو میرے اصحاب رضوان اللہ عنہم اجمعین مانند ستاروں کے ہیں۔ جس کی بھی اقتداء کرلوگے، ہدایت کو پالوگے۔)

اے مسلمانو! اُس نام کی لاج رکھ لو اُس نسبت کی لاج رکھ لو، اُس طریقے کی لاج رکھلو، سامنے کئے جاؤگے، حاضری ہوگی، پوچھ ہوگی، اور میں تو کہوں کہہ ابھی آنکھ بند ہوجائے، تو سب سے پہلے اس کے متعلق پوچھا جائے گا، یہ دعوت والا عمل ایسا نہیں، یہ دودھاری تلوار ہے، دونوں طرف سے کاٹتی ہے، اس کا فیض دونوں اطراف کو جائے گا، آپ نے نماز پڑھی، تو اس کا ثواب تم کو بھی دیا جائے گا اور ہوتے ہوتے صحابہؓ اور پھر حضور ﷺ تک پہنچے گا، کیوں؟ انہوں نے محنتیں کیں، تکالیفیں برداشت کیں، جان کو قربان کیا، مال کو صرف کیا، اولاد کو قربان کیا، لیکن اللہ کے دین کو پہنچانے کی سعی نہ چھوڑی، اور ہم نے جو بڑا تیر مارا، تو جمعرات کا وہ دیا (شب جمعہ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے)۔

ہم منع نہیں کرتے، لیکن ضرورت کچھ اور ہے، تقاضے دوسرے ہیں، ہمارے حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ایک قصہ نقل کیا، کہ ایک بچے کو "میاں جی" قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے، اُس کے اور طالب علم بھی تھے، جو کہ کبھی کبھی کچھ لایا کرتے تھے، لیکن اس بچے کے گھر سے اُس نے کوئی چیز آتی ہوئی نہیں دیکھی تھی، ایک دن جو دیکھا، تو بچے نے ایک مٹی کے برتن میں کھیر کو پیش کیا، میاں جی! نے غنیمت سمجھ کر کھانے کا ارادہ کیا، کھیر کے ایک طرف کا حصہ کوئی کھایا ہوا تھا، تو اُس نے یہ سمجھ کر اُس طرف سے کھانا شروع کیا کہ "سور المؤمنين شفاء" مسلمان کے جھوٹے میں شفا ہوتا ہے۔ اب یہ بچہ تو سیدھا سادا تھا، جلدی سے آواز دی "یہاں سے نہ کھاؤ اس طرف کُتا منہ ڈال گیا ہے" میاں جی نے غصے میں آکر برتن کو زمین پر دے مارا، تو لڑکا رونے لگا اور کہا کہ ماں تو مجھے مارے بغیر نہ چھوڑے گی۔ یہ تو میرے چھوٹے بھائی کی ٹٹی کا برتن ہے۔

دیکھو! بھئی مرنے سے تو انسان مر جاتا ہے، نامۂ اعمال اُس وقت کیوں نہیں دیئے جاتے، اس لیے نہیں دیئے جاتے کہ ابھی کھاتہ بند نہیں ہوتا ہے، ابھی وہ لوگ زندہ ہوتے ہیں ، جن کو ہم نے نیکی پر ڈال دیا ہو، اور وہ لوگ بھی زندہ ہوتے ہیں جن کو بُرے اعمال پر ڈال دیا ہو ، ابھی وقت ہے ، اُس کھاتہ پر غور کرو ، کہ جسکا ایک سرا صحابہ رضی اللہ عنہم اور نبی کریم ﷺ سے ملتا ہے اور دوسرا تمہارے ساتھ۔

ایک دوسری بات سمجھ لو، کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، اس کے ہر ہر حکم پر عمل کرنے سے ثواب ملے گا یا نہیں (عرض کیا گیا، ہاں ملے گا) اب تمام قرآن مجید پر عمل کون کر سکتا ہے ؟ اور پھر عورتوں کے ایاّم والے احکام پر کون عمل کرے ، لیکن اگر ایک آدمی عورتوں کو صحیح رُخ پر ڈال دے تو اُس کو وہ ثواب بھی مل جائے، اس طرح اگر ایک آدمی پر زکوٰۃ فرض نہیں اور وہ دوسرے کو زکوٰۃ کے احکام بتائے ، اور اُس کو زکوٰۃ دینے پر آمادہ کر دے، تو اِسکا بھی اُس عمل میں حصہ ہو جائے گا، یہی حال دوسرے احکام کا ہے، تو یہ سب داعی کے برکات ہیں ، اور ''داعی'' پر ''دائی'' کی بات آئی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اُن عورتوں سے شادی کرو، جو کہ زیادہ بچے دینے والی ہوں، کیونکہ میں قیامت کے دن زیادہ امت پر فخر کروں، وہاں پر خاندانی منصوبہ بندی(Family Planning) نہیں ہوا کرتی، تو ایک تو ڈاکٹری کا دائی ہوتا ہے اور ایک داعی ہوتا ہے، دائی صرف یہاں پر جسم کی خدمت کرتی ہے اور داعی اس کام کو لیتا ہے، جو ہماری یہاں کی زندگی کو بنائے گا، قبر کی زندگی کو بنائے گا، حشر کی زندگی کو بنائے گا، اور ابد الاباد کی زندگی کو بنائے گا۔

دوستو! سوچ لو، گریباں میں منہ ڈالو، فکر کرو، کہ رب تم سے کسی فائدہ کا خواہاں نہیں، بلکہ وہ تمہارا بھلا چاہتا ہے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

(اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کا سلسلہ اس لیے پیدا نہیں فرمائے کہ ان سے نفع اُٹھائے بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے بندوں پر جود و سخا کے دریا بہائے۔)

تم جب گاڑی میں جا رہے ہو، تو تم کو درخت چلتے ہوئے نظر آتے ہیں، پتھر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں، پٹری چلتی ہوئی نظر آتی ہے، حالانکہ چلتی گاڑی ہے، یہ اُلٹی گنگا چل رہی ہوتی ہے، اسی طرح تمہارے اوقات چلتے جا رہے ہیں۔ اور تم سمجھتے ہو کہ ہم کو ابھی بہت زمانہ ہے، ابھی تو ہم جوان ہیں، فلانے کام کرنے ہیں، فلانے کام کرنے ہیں۔ پہلے یہ کام کریں گے پھر دین کے کام۔

دیکھو! موت کا وقت معلوم نہیں یہ کب آئے گی اس لیے قبل اس کے کہ موت آجائے، اس وقت کو غنیمت جانو، دین کے خریدار بن جاؤ، جتنا بھی ہو سکے کام کر لو۔ تاکہ کل کچھ تو کہہ سکو۔ کچھ نسبت تو پیدا ہو جائے۔

وہ واقعہ تو سنا ہو گا، مصر میں کہ ایک بڑھیا تھی، اُس کے پاس کچھ سوت تھا، اور جب یوسف علیہ السلام مصر کی منڈی میں بِک رہے تھے تو یہ بھی چلی، تو کسی نے کہا کہ ”او بے وقوف! بڑے بڑے مالدار تو اس کو خریدنے سے رہے، اور تم لٹھا لیے جا رہی ہو!“ تو جواب دیا کہ:

همینم بس که داند ماه رویم
که من نیز از خریدارانِ اویم

(میرے لیے یہی کافی ہے کہ میرے معشوق کو پتہ لگے کہ میں بھی ان کے خریداروں میں سے ہوں۔)

کہ یہ تو مجھے بھی پتہ ہے، لیکن خریداروں میں تو نام لکھا جائے گا، اس وجہ سے کہتے ہیں، کہ عمر نہیں دیتے، تو تین چلے دے دو، چار مہینے دو، جواب دیتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ ”و لنفسك عليك حقٌ ، و لزوجك عليك حقٌ“ کہ نفس پر تم کا حق ہے، بال بچوں کا تم پر حق ہے، صاحب ہمارا یدوکان نہیں، ہماری اولاد نہیں ہے اس کا کیا کریں۔ اس کو تو دیکھا اور

قرآن کی اُن آیتوں کو نہیں دیکھا۔ ''ارضیتم باالحیوۃ الدنیا'' کیا بات کہ تم تمام کے تمام پتھر کی طرح لیٹ گئے، کیا دنیا کی اس معمولی زندگی پر راضی ہوگئے۔ ہماری مسجد گنج علی خان میں ایک دن دیکھا، تو تمام کے تمام فجر کی سنتوں کے بعد لیٹے ہوئے تھے، کہا ''کیا بات ہے؟'' تو جواب دیا ''کہ حضور ﷺ سنت کے بعد لیٹا کرتے تھے''۔ اس کو تو دیکھا لیکن اس کو نہ دیکھا، کہ ''عبادت کرتے کرتے پاؤں سوجھا کرتے تھے''۔

قسم کھاکے کہتا ہوں کہ تم کو بھی مرنا ہے اور ہم کو بھی مرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو جو فرمایا: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○ (سورۃ الزمر ۳۹: ۳۰)[14]

ہائے وہ شبلی مرحوم نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ ''دشمن تو بندوق لیے چلا آرہا ہے، اور اِس نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں، کہ دکھائی نہ دیں، موت تو تمام تلخیوں کے ساتھ آرہی ہے اور ہم اس سے ایسے غافل ہیں کہ گویا ہمیں مرنا ہی نہیں''۔

اور انبیاء علیہم السلام مرنا بتاتے ہیں، جینا نہیں بتاتے، لیکن وہ مرنا درحقیقت ایسا جینا ہوتا ہے، کہ اس موت مروگے تو ہمیشہ زندہ رہوگے، جاتے وقت پریشانی نہیں ہوگی، بلکہ خوشی محسوس کروگے۔

خرمآن روز کہ ازین منزل ویران بروم
راحت جان طلبم و سوئے جانان بروم
بلا سے تکلیف نزع میں ہے سکون خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں امیدیں، کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

کیا چار مہینے زیادہ ہیں؟ مجھے تو یاد نہیں لیکن سنتے ہیں کہ نو مہینے ماں کے پیٹ میں رہے، اور پھر دو سال ماں کا دودھ پیا، اور دودھ کا مزہ تک یاد نہیں کہ کیسا تھا، اب پھر کہوگے،

---

[14] ۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: قال قال رسول اللہ ﷺ۔۔۔ فانّ لجسدك عليك حقًّا و انّ عينك حقًّا و انّ لزوجك عليك حقًّا۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۵۱۹۹)

کہ ایسی باتیں تو ہم سنا کرتے ہیں، ہائے سُن سُن کر سُن ہو گئے، اِس سننے نے تو ہم کو ختم کر ڈالا، ہائے بات اندر اُترتی نہیں۔

بات کو لمبا کیوں کروں؟ اپنی جانوں کو لگالو، مالوں کو لگالو، چار مہینے لگالو، تین دن لگالو، گشتوں میں شریک ہو جایا کرو، لیکن غافل نہ رہو، اپنی جانوں کو کھپالو، جان کھپانے ہی سے دین آتا ہے، آرام سے بیٹھے دین کی حقیقت نہیں اُترتی، یہ مجاہدہ سے ہوتا ہے، وہ مولانا الیاسؒ والی بات: ''وہ دیکھو! جبل جُہد کے اُس پار جنت کی خوشبو ہے جس کا جی چاہے جاکر سونگ لے''۔

حضور ﷺ کے طریقے کو اپنانے کے لیے اُن کی اداؤں کو لینے کے لیے، قلیل سے قلیل مدت یعنی چار مہینے دین کے پرائمری کو پاس کرنے کے لیے نکلو، تاکہ کچھ تعلق تو ہو جائے، نسبت تو پیدا ہو، وہ جو دس سال لگاکر میٹرک پاس کرتے ہیں، تو ایسے ایسے لطیفے لکھتے ہیں، کہ اگر سنائے جائیں تو کشمیر کی لالہ زار بن جائے۔

کہو! دین کی بات کچھ سمجھ میں آئی، اگر آئی ہے تو دین کا تقاضا یہ ہے کہ چار مہینے کے لیے اپنا نام لکھالو، اور اگر نہیں آئی ہے، تو چار مہینے لکھالو، کہ سمجھ آئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

حضور پاک ﷺ قرآنِ مجسد

مرکزی مسجد قاضی مسجد یا چشمہ مسجد کوہاٹ (2 دسمبر 1962ء، بعد از نمازِ ظہر)

بھائیو، عزیزو، دوستو اور بزرگو! ہمارے آقا اس دنیا میں آئے، اور ایک دائمی دین کو لے آئے، ایک ہمیشہ والے طریقہ حیات کو لے آئے، اور جس طرح کہ یہ طریقہ دائمی طریقہ ہے، اسی طرح دائمی طور پر دلانے والا ہے، ایسا نہیں کہ یہ طریقہ آج ہے اور کل نہیں ہوگا، بلکہ یہ طریقہ حیات، قیامت تک قائم رہے گا، آپ دائمی دین لیکر آئے، دائمی طریقہ حیات لیکر آئے، یہ دوام رکھتا ہے، اور جس طرح یہ زندگی میں ہر آن رب سے لینے والا ہوتا ہے، زندگی کے بعد بھی یہ رب سے دلانے والا طریقہ ہے، یہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور جس شخص میں محمد ﷺ والی زندگی اُٹھے گی، اُس کو ہر آن ملتا رہے گا، اُس میں بڑھوتری رہے گی، جس طرح ایک درخت ہر آن بڑھتا ہے، اس طرح حضور ﷺ کے طریقے سے رب کا تعلق بڑھتا جائے گا، ملتا رہے گا، یہ بات نہیں ہوگی، کہ ایک دن مل گیا، دوسرے دن نہیں ملا، بلکہ دن بدن انوارات اور عطیات بڑھتے چلے جائیں گے، اور جب اندرونی انوارات کے دروازے کشادہ ہوجائیں، تو جاگتے ہوئے بھی لے گا، سوتے ہوئے بھی لے گا، بیٹھتے ہوئے بھی لے گا، چلتے ہوئے بھی لے گا، یہ رب سے لینے والا طریقہ ہے، محمد ﷺ والا طریقہ ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ رب نے محمد ﷺ کو اپنی شان کے مطابق دیا، اتنا دیا، اور اتنا عطا کیا، کہ جس عطا تک ہمارے ذہن بھی نہیں پہنچ سکتے، اب جو نسبت حضور ﷺ کی طرف رب نے منتقل کی تھی، جو نُور اُنکو دیا تھا، جو کیفیت دی تھی، جس کی وجہ سے محمد ﷺ سے اعمال صادر ہوتے تھے، وہ نری حرکتیں نہیں، کیفیتیں نہیں، بلکہ اُس میں رب کے انوارات ہیں، حضور ﷺ کے اعمال میں رب کے انوارات کی مشکل صورتیں ہیں، اور میں تو یوں عرض کروں پیشاب اور پاخانے سے لیکر نماز اور دعوت ہر ہر عمل میں رب کے انوارات مشکّل

ہو گئے ہیں، حضور ﷺ کے اعمال انوارات ربانی کے لینے کے پیمانے ہیں، آپ نے رب سے حقیقت کو لیا، اور رب کے ساتھ ایسا تعلق قائم کیا، جو کہ ایک لمحے کے لیے نہیں ٹوٹا، سوتے میں بھی نہیں ٹوٹا، فرمایا حضور ﷺ نے "انبیاء علیہم السلام سونے میں بھی جاگتے ہیں اور انکا وضو سونے سے نہیں ٹوٹتا۔ وہ ہر حال میں رب سے لینے والے ہوتے ہیں، اگر پوری مخلوق کی دماغی طاقت، قلبی قوت جمع کر کے سوچ لیں، اور حضور ﷺ کی کیفیت کو جاننا شروع کریں، تو آپ والی کیفیات کو نہیں جان سکتے، جیسے ایک نابالغ بالغ کی حالت کو نہیں جان سکتا، اس طرح غیر نبی، نبیؑ کی حقیقت کو کیا جانے، یہ بجلی والے جانتے ہیں، کہ ایک پاور ہاؤس ہوتا ہے، جو کہ دس لاکھ قوت کو سمائے ہوئے ہوتا ہے اور دوسرا اگر پانچ ہزار والا ہو، اس پر اگر وہ بجلی تمام کی تمام ایک ہی وقت میں آجائے تو ختم کر دے، یہی حال انبیاء علیہم السلام کے سینوں کا ہے، وہ رب سے لینے والے ہوتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کا قصہ تو بہت ہی اعلیٰ ہے اگر عام اولیاء اللہ کے سینوں پر جو گزرتا ہے، مجھ جیسے پر آجائے تو راکھ کر دے۔ اور محمد ﷺ کا سینہ مبارک، محمد ﷺ کا قلبِ اقدس سب سے بڑا پاور ہاؤس ہے، جس سے کہ ہدایت تمام لوگوں کے سینوں میں اپنی اپنی استعداد کے بقدر تقسیم ہوتی ہے۔ محمد ﷺ جس دین کو لائے، اس کے دعوت کے طریقے بتائے اور اس کی تشکیل کے بھی طریقے بتائے، ایسا نہیں کہ وہ آئے اور پھر بغیر تشکیل کے گئے، کہ پرویز ایک منکر حدیث جیسے اس کی تشکیل کرے۔

قرآن مجید

ہائے! قرآن گویا ایک بہتا ہوا سونے کا نُورانی دریا ہے اور یہ بہتا ہوا دریا حضور ﷺ کے سینے میں اُترا، اور جیسے کہ سونے کو سانچوں میں ڈھال کر مختلف قسم کے زیورات بناتے ہیں، اس طرح قرآن کا یہ بہتا ہوا نُورانی دریا حضور ﷺ کے مختلف اعمال میں متشکل ہوا، قرآن کی حقیقت محمد ﷺ کے ساتھ سمودی گئی، تم قرآن کی حقیقت کو محمد ﷺ کے

اعمال سے جدا نہیں کر سکتے، بلکہ جس طرح قرآن قرآن ہے، اسی طرح قرآن کی مشکّل صورت حضور ﷺ کے اعمال میں ہوئی، اب حکم ہوا، نماز قائم کرو، نماز کو قائم کیسے کریں، جو نماز محمد ﷺ نے پڑھی، وہ نماز ہے اور جو نماز اُس سے مختلف ہے، وہ نماز نہیں۔

جس طرح کارخانے میں مختلف چیزیں بنتی ہیں، اسی طرح حضور ﷺ قدرت کا کارخانہ ہے اور اس کے اعمال مختلف برتن ہیں، نماز کا برتن، روزے کا برتن، اور اس طرح ہر عمل کا جدا جدا برتن ہوتا ہے، کوئی چھوٹا کوئی بڑا، یہ اُس سونے کے برتن نہیں، جو کہ یہاں کی مٹی سے نکلتا ہے، بلکہ رب کے سونے کے برتن ہیں، محمد ﷺ کے اندرون سے حصہ پانا چاہو، تو ان اعمال کو لے لو، آپ ایسے نہیں تھے کہ آئے اور چلے گئے بلکہ تا قیامت آپ کی روحانیت کا فیض قائم ہے، جہاں فنا ہو جائے گا، جبکہ محمد ﷺ والے اعمال نہ رہیں، فرمایا:

''لا تقوم الساعة ، حتیٰ لا یقال فی الارض الله الله''۔

(مشکوٰۃ، حدیث نمبر:۵۶۱۶)

(قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ زمین پر اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے۔)

محمد ﷺ والے اعمال مقصود ہیں، دنیا مقصود نہیں، یہ خاکہ مٹنے کے لیے نہیں آیا، تو میں عرض کر رہا تھا، کہ حضور ﷺ کی روحانیت ختم نہیں ہو جائے گی، بلکہ جب دنیا اس کا محل نہیں رہے گی تو دوسرے عالم کو منتقل کی جائے گی، حشر میں ساتھ ہو گی، صراط میں بھی ساتھ ہو گی، اور ابد الاباد والی زندگی میں بھی ساتھ ہو گی، مطلب یہ ہے کہ انتفا نہیں ہو گا، بلکہ انتقالِ مکانی ہو گا، یہ بڑھتی رہے گی، پھیلتی رہے گی، دوسری دنیا میں چلے گی، تیسری میں چلے گی، نہ زمان کا اُس پر اثر ہو گا، نہ مکان کا اثر ہو گا، جیسے رب کی ذات لازوال ہے، اس طرح اُس کی عطایا بھی لازوال ہیں، اور محمد ﷺ اِن عطایا کو دینے والے ہیں۔ محمد ﷺ کی ذات اتنی استعداد رکھتی تھی، کہ رب سے لے سکے، وہ مظہر کمال رب ہیں۔

اب میں یہ عرض کر رہا تھا، کہ وہ طریقہ جو محمد ﷺ نے دیا، وہ سب سے اعلیٰ

طریقہ ہے، وہ تم کو یہ طریقہ دے کر گیا، ہائے کیسی ادائیں تھیں، مجھ جیسے کروڑوں مر جائیں اور پھر پیدا ہو جائیں، اور پھر مر جائیں، تو محمد ﷺ کی ایک ادا کو زندہ کرنے کی قیمت نہیں ہو سکتی، یا یہ کہو کہ رب چاہتے ہیں، کہ اُس کے محبوب والی ادائیں آجائیں۔

در دو عالم از دو عالم ایں بس خوش آید مرا
روئے تو یا بوئے تو یا خوئے تو کوئے تو

(دونوں جہانوں میں مجھے اگر کوئی چیز پسند ہے تو یہ کہ آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھ لوں، آپ کی خوشبو کو سونگھوں، آپ کے پیارے اخلاق کا نظارہ ہو جائے یا آپ کے گلی سے گزروں۔)

رب یہ نہیں چاہتے کہ تم سے کچھ لے لے، وہ چاہتے ہیں، کہ اُس کے محبوب والی ادائیں آجائیں، وہ تم کو دینا چاہتے ہیں، تم سے لینا نہیں چاہتے، اب یہ رب کا فضل ہے، اس کا احسان ہے، کہ حضور ﷺ والا فیض اور دعوت والا کام تم کو دیا، جیسے کہ آئینے میں سورج کا عکس پڑ جاتا ہے، اس طرح تمہارے اندر حضور ﷺ کے انوارات کی شعاع پڑ جائے۔ اور میں تو کہوں کہ ان گندے آئینوں میں حضور ﷺ کے نُور کی ایک جھلک پڑ جائے، تو کیا حال ہو جائے گا۔

حضور ﷺ کی نُورانیت طاری، جاری اور ساری ہے، باقی ہے، ختم نہیں کی جائے گی، منتقل کی جائے گی، قیامت واقع ہو جائے گی، جب حضور ﷺ کی روحانیت کا انتقال اس عالم سے دوسرے عالم کو ہو جائے گا۔

یہ لکڑی ہے، خشک لکڑی ہے، اس کے پکڑنے سے کچھ نہیں ہوتا، لیکن ایک ہوتی ہے بجلی، اس کو ذرا ہاتھ لگاؤ تو پتہ لگ جائے، اور بجلی تو وہ تھی جو حضرت موسیٰؑ پر طاری ہوئی، جو لاکھوں کو راکھ کرے، کروڑوں کو راکھ کرے۔

ایک بجلی سی پہلے کوندی پھر اس کے آگے خبر نہیں ہے
اور اب جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دِل نہیں ہے جگر نہیں ہے

جسد خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

(عشق کی برکت سے خاکی جسم افلاک کی سیر کر گئی "واقعۂ معراج" پہاڑ رقص میں آکر چالاک بن گیا "واقعہ طور"۔)

تو محمد ﷺ والی بجلی ایسی نہیں، کہ ہر کوئی اس کو لے لے، جبکہ اس مادی بجلی کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا تو اُس روحانی بجلی کو کیسے لے لے،

مگر جیسے کہ اس بجلی کو تم ایک خاص طریقے سے ربڑ کے دستانوں سے پکڑ سکتے ہو اور خاص اور مناسب طریقوں سے اس کو استعمال میں لاسکتے ہو، اس سے پانی گرم کرتے ہو، پنکھے چلاتے ہو، روشنی لیتے ہو، اب اگر ایک شخص بجلی کی تار سے کھیلے تو کیا ہو گا، ختم ہو جائے گا، تار کو ہاتھ لگانا ہو، تو طریقہ بھی سیکھ لو، وہ قرآن میں آتا ہے: "یضل بہ کثیراً و یھدی بہ کثیرًا"۔

تو انبیاء علیہم السلام اس روحانی بجلی کے استعمال کا طریقہ بتاتے ہیں، یہ نہیں ہوتا، کہ دین تو نبی دے دے لیکن تشکیل اور کرے۔

بد بخت ہے وہ کہ پیغمبری کا دعویٰ تو نہ کر سکے، بزدلی کے بنا سے، تاکہ لوگ پتھر نہ مارے۔

وہ ایک بد بخت تھے، ایک بادشاہ کے دربار میں لائے گئے، تو پوچھا کہ "ءانت نبی اَمْ مرسل" کیا تُو نبی ہے یا مرسل۔ تو اُس نے کہا: "اَنا مُقَیّدٌ" میں قیدی ہوں۔ کہا "خدا تجھے ہلاک کرے، تجھے کس نے نبی بنا کر بھیجا ہے" تو اُس نے کہا "اگر میں قید نہ ہوتا، تو تمہارے

لیے بد دعا کرتا" تو فرمایا "کہ کیا نبی قید میں دعا نہیں کر سکتا" تو کہا۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دعوت کے لیے بھی اِن شعاعوں کو لینا ہو گا، آج کل جب یہ کہتے ہیں کہ قرآن پڑھا ہے، تو کہتے ہیں "ہاں! بِل (Bell) کا قرآن پڑھا ہے"، تو ہم کہتے ہیں "ہاں بِل کی طرح بجتا ہو گا، قرآن لینا ہے۔ تو پہلے ایمان کو لینا ہو گا۔

احکامِ الٰہی اور انسانی شرافت

دوستو! انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی اصلیت کو اپنے اندر منتقل کرنے کے لیے چند صفات کا پیدا کرنا ہوتا ہے، وہ صفات جن سے دعوت دوسرے کی طرف منتقل ہوتی ہے کو ایک کلمہ میں اکٹھا کیا گیا ہے، اور وہ ہے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله" یہ الفاظ نہیں بلکہ ایک حقیت ہے جو بتاتی ہے کہ سب کچھ رب سے ہوتا ہوا نظر آئے، اور باقی کو سمجھ لیں مردہ، اور "حی" تو ہے ہی اُس کی ذات، دیکھو! یہ درخت جو نظر آرہے ہیں، اگر خشک ہو جائیں، اور پھر کہیں، کہ ہم چمکتے ہیں، تو تم کہو کہ پگلو، تم کہاں ہو جو چمکتے ہو، یہ تو سورج ہے جو تمہیں چمکاتا ہے، تم تو خود سوکھے ہوئے ہو، اور سورج بھی اپنی ذات سے قائم نہیں، اس کا نور اللہ کا دیا ہوا ہے، اور جس طرح کہ تم یہاں نظر آتے ہو، تم نے کب کا کہا تھا، کہ ہماری ایسی ناک بنائے، ایسے کان بنائے، بلکہ رب نے چاہا تو بنا دیا۔ تو "لا" کا مطلب یہی ہے، کہ ہر غیر سے نظر ہٹ جائے، ہر غیر نظام باطل نظر آئے، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتا ہوا نظر آئے۔ "امنت بااللہ" تو پڑھ لی ہو گی، اگر نہیں پڑھی تو نکاح کے وقت مولوی صاحب پڑھاتے ہیں، اُس سے تو سنی ہو گی تو اس میں پہلے کہتے ہیں، ایمان لایا اللہ پر اور پھر اُس باطنی فرشتوں کے نظام پر جو کہ ہماری نظروں سے مخفی ہے، اور جو کہ دنیا کے مختلف کام اللہ کے حکم سے انجام دیتے ہیں، تم اُن سے گھٹیا نہیں، اعلیٰ ہو، بشرطیکہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم والے اعمال کو لے لو، اگر تمہاری روحانیت زندہ ہو گئی تو یہ تمام مخلوق تمہاری خدمت گزار ہو گی، رب کے تعلق کی بنا پر پوری مخلوق تمہاری تابع

ہو جائیگی، تم کسی سے ڈرنے والے نہ رہو گے، مخلوق تم سے ڈرے گی، دنیا کے خزانے تمہارے ہاتھ ہو جائیں جب خزانوں والے سے تعلق جُڑ جائے، اُس ذات کے ساتھ تعلق ہو جائے جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں۔"له مقاليد السمٰوٰت والارض" آدمؑ کا تعلق رب سے جُڑا، تو فرشتوں نے سجدہ کیا، اسی طرح تمام مخلوق تمہاری تابع ہو جائے گی، جبکہ رب کے ساتھ تعلق کو جوڑو گے، دوسروں کا تو یہ حال ہے کہ ایک ایک چیز پر مر رہے ہیں، اور ہمارا راستہ ہے آسان، ہم ایک کے ہو جائیں تو سب ہمارے ہو جائیں۔

رضائے رب

وہ بہلول کے متعلق آتا ہے، کہ ایک دن بیٹھے تھے، ہارون الرشید کا گزر ہوا، کہا کیا کر رہے ہو؟ تو کہا اس کا کیا حال پوچھتے ہو، جس کے اشاروں پر دنیا ناچتی ہے کہا اے پگلے! یہ تُو کیا کہتا ہے؟ کہا کیونکہ میری رضا رب کی رضا میں گم ہو گئی ہے، جو وہ چاہتے ہیں، وہ میں چاہتا ہوں، اور جو رب چاہتے ہیں، وہی ہوتا ہے، وہ حدیث میں آتا ہے کہ "اتقوا فراست المؤمن فانه ينظر بنور الله"۔(ترمذی بحوالہ الجامع الصغیر) (مومن کی ہوشیاری سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نُور سے دیکھتا ہے۔) کیونکہ وہ رب کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور قرآن میں ارشاد ہے: "وما ينطق عن الهوىٰ" وہ اپنی خواہشات سے نہیں کہتا جو کچھ کہتا ہے رب سے کہتا ہے، اُس کے ہو جاؤ گے تو پورے ہو جاؤ گے، کہا "ادخلوا فی السلم كافة" اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اسلام پر عمل کرنے ولے بن جاؤ، گردن نہاد ہو جاؤ۔

حقیقی تبدیلی کا اثر

یہ نہیں کہ دوکانوں پر بورڈ لگالیا، جیسے کہ ہندوؤں کے وقت لوگوں نے دوکان پر لکھ لیا "مسلمان دوکان" اور یا ہندوؤں کے زمانے میں لوگ "مسلمان پانی اور ہندو پانی" کہا کرتے تھے، یا جس طرح ہمارے زمانے میں نام تو ہیں "زید، عمر، بکر" اور کام ہیں اوروں کے، ایمان

ایک حقیقت ہے، بول نہیں، اِس حقیقت کو اپناؤ، لفظوں سے کچھ کام نہیں بنے گا، جیسے کہ مولانا روم فرماتے ہیں۔

میم و واؤ و میم نون تشریف نیست
لفظِ مؤمن جُز پیئے تعریف نیست

(مومن کے الفاظ ''میم، واؤ، میم، ن شرافت کی نشانی نہیں بلکہ مومن کے اخلاق میں شرافت ہونی چاہیئے۔)

م، و، م اور نون کے الفاظ سے کام نہیں چلے گا، بلکہ ایمان کی حقیقت کو اپناؤ، تب مؤمن بن جاؤ گے، وہ ایک شخص تھا، تہجد کے متعلق سُنا تھا کہ چہرہ نُورانی ہو جاتا ہے، رات جو اُٹھا، خیال کیا کہ ذرا اس چہرے کو تو نُورانی بنائیں، لیکن رات سردی تھی، اور اندھیرا بھی تھا، اس لیے کہا کہ چلو تیمم پر ہی نماز پڑھ لیں، کوئی اور چیز تو پاس نہ تھی، صرف ایک توا تھا، تو مارا توے پر ہاتھ، اور منہ پر پھیر دیا، اب صبح جو مسجد گیا، تو لوگوں نے دیکھا، تو بہت حیران ہوئے کہ یہ کیا کیا ہے؟ اور اُس کی طرف دیکھنے لگے، اِس نے یہ خیال کیا کہ سچ مچ چہرے میں نُور آگیا ہے جو یہ لوگ ایسے دیکھتے ہیں۔

رضائے رب اور عطائے رب

تو ''لَآ اِلٰهَ'' ایک حقیقت ہے اور اس کی تکمیل تب ہو گی، جبکہ تمام غیر تمہارے دِل سے نکل جائے اور ایک ذات آجائے، گویا ''لَآ اِلٰهَ'' صابن ہے اور ''اِلَّا اللّٰه'' پاوڈر ہے۔ جس سے دل کی ایسی صفائی ہو جاتی ہے، کہ چمکنے لگتا ہے،

تو میں عرض کر رہا تھا، کہ ہر وہ عمل ردی میں پھینکنے کے قابل ہے، جس پر رب کی رضا کی مہر نہیں لگی، اور رب کی رضا کی مہر کا لگانا حضور ﷺ کا بتانا ہے، وہ زندگی تم میں جتنی آئے، اتنا ہی نُور آئے گا، ۱۹۵۵ء کی بات ہے، کہ ہم دہلی گئے تھے، بڑی نمائش تھی، تو حضرت جی مدظلہ نے فرمایا، کہ اگر تمہیں کلمہ کی حقیقت آجائے، تو تمہاری بھی ایسی نمائش ہو گی، وہ

رب والے کو بھی چھوڑا جاتا ہے، وہ تو مرتے بھی نہیں چھوٹ جاتے، دھندلا گا رہتا ہے، اور ”حی“ سے نسبت ہو جائے، تو وہ بھی مرتے ہیں، وہ تو باقی ہوتے ہیں، تو رب کی محبت اوروں جیسی نہیں ہوا کرتی، وہ منادی کرا لیتا ہے، کہ یہ میرا محبوب ہے، تب دنیا کی ہر ایک چیز اُس سے محبت کرنے لگتی ہے، آسمان، سورج، اور چاند اُس سے محبت کرتے ہیں، وہ ہمارے آقا نے فرمایا کہ اعلان نبوت سے قبل پتھر بھی مجھے سلام کرتے تھے، حدیث میں آتا ہے کہ ایک درخت کو کاٹ کر ستون بنایا تھا، جس پر حضور ﷺ خطبہ دیتے وقت تکیہ لگایا کرتے تھے، بعد میں جب منبر بنا اور حضور ﷺ منبر پر تشریف لائے تو ستون رونے لگا اور ایسی ہچکیاں بندھیں جیسے بچوں کی بندھتی ہیں، جو کہ وہاں کے موجودین نے سنا، حضور ﷺ نے جو دیکھا، آئے اور اُس پر ہاتھ رکھا، اور فرمایا ”کہ تم یہاں ایک درخت ہونا چاہتے ہو یا جنت میں“۔ کہا ”جنت میں“، دیکھو جس سے لکڑی کا رونا دیکھا نہ جائے، کیا یہ ہو سکتا ہے، کہ تم سچے دل سے روؤ، اور حضور ﷺ تمہیں روتے ہوئے دیکھیں،

دو چیزوں سے دین پھیلا ہے۔ صورت اور کشش سے، اور یہ ایسی نہیں کہ فیشن کے لیے سُرمہ لگالیں، ہونٹ سرخ کریں، بلکہ اللہ اُن کو آلۂ ہدایت بناتے ہیں جو اللہ کے لیے اللہ کے بندوں سے تعلق پیدا کرتے ہیں، جو جانتے ہیں کہ مجھ سے تعلق جُڑ جائے تو رب سے تعلق جُڑ جائے گا، حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ ”آؤ میری طرف، میں ہوں وہ نبی جس کو جھٹلایا نہیں گیا“ نبی اپنی ذات میں بھی مقصد ہوتا ہے لیکن رب مقصد المقاصد ہے، ایک بچے کو حضور ﷺ کے سامنے لایا گیا، حضور ﷺ نے گود میں لیا اور کیسا پیارا بچہ تھا جس کو حضور ﷺ نے گود میں لیا، تو فرمایا ”اللّٰھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً“۔ (الترمذی بحوالہ الجامع الصغیر) کہ اس کو مسیحا بنا دے، خود ہادی ہو اور پھر مہدی ہو۔ کہ خود ہدایت اُتر جائے اور اندر نہ رہے بلکہ اُس کی زبان سے ہدایت پھوٹے اس کے اعمال سے ہدایت پھوٹے جیسے کہ خوشبو جہاں ہو، وہاں پھیل جاتی ہے اِسی طرح

اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جس جگہ پر جاتے ہیں، اُن سے خوشبو کی لپٹیں آتی ہیں، ہدایت والے اعمال وجود میں آتے ہیں۔ اُن کی طرف کشش ہوتی ہے، اور اگر کسی مصلحت کی بنا پر نہ بھی ہو جائے۔ تو پھر بھی وہ رب کی ہدایت کو قریہ بہ قریہ، کوچہ بہ کوچہ، گاؤں گاؤں لیے پھرتے ہیں۔

عشق خانہ خراب کے مارے
دربدر شہریار پھرتے ہیں

تبلیغ کا اثر

وہ لوگوں کے لیے آلۂ ہدایت بنے ہوئے ہوتے ہیں جیسے وہ ہوتا ہے قیف، جس میں خوشبو کو بوتل میں داخل کرتے ہیں، اب خوشبو بوتل میں جائے بھی، پھر بھی کچھ قیف کے ساتھ چمٹ بھی جاتی ہے، جس کی وجہ سے اِس سے بھی خوشبو آنے لگتی ہے، اسی طرح یہ تبلیغ کا کام ہے، اوروں کو کہو گے اور تمہارے کہنے سے اوروں میں جو کچھ عمل آجائے تو تمہارے لیے بھی ثواب لکھا جائے گا۔ اور اثر تم میں پہلے ہی آجائے گا۔ یہ تبلیغ میں جو کلمہ پڑھتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم اس لیے کلمہ پڑھتے ہیں کہ کلمہ کی حقیقت اندر اُتر جائے، لیکن بعض جگہ یہ بھی نہیں ہوتا کہ لفظ یاد ہو، وہ 1920ء کی بات ہے کہ حضرت تھانویؒ ایک علاقے پر سے گزرے، تو پوچھا۔ ''تم کون ہو؟'' کہا کہ ''مسلمان'' کہا ''نشانی کیا ہے'' تو انہوں نے کہا ''ہم تعزیہ نکالتے ہیں'' تو فرمایا ''تعزیہ باقاعدگی سے نکالتے رہو'' ذرا آگے چلے، تو ساتھ تھے علماء انہوں نے کہا ''حضرت یہ آپ نے کس چیز کی دوام کے لیے کہا، بدعت کی دعوت دی'' تو کہا ''کہ اب تو اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں، اگر یہ بھی چھوڑ دیں، تو پھر کیسے پکڑیں!'' وہ حضرت الیاسؒ والی بات کلمہ کی حقیقت نہیں، لیکن الفاظ کی رسّی تو باقی ہے اِس سے پکڑنے کی کوشش کرو۔

دُنیا کی گندگیوں، دُنیا کی محبت، مال کی محبت کو نکال لینے کے لیے تُو اپنے اوقات میں

تھوڑا سا وقت اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے محنت کرو، اپنے اوقات کو زندہ کرنے کے لیے، قیمتی بنانے کے لیے کہ رب کے ساتھ مجمع میں شاغل ہو، تنہائی میں شاغل ہو، اس کے سیکھنے کے لیے چار مہینے دو، ایک قبر کے لیئے، ایک صراط کے لیے اور ایک ابدلاباد کے لیے۔

دیکھو! یہ بھی ایک وقت میں زندہ تھے، اِنکی بھی جوانیاں تھیں، بال بچے تھے، ہائے! قبر میں کوئی بھی ساتھ نہیں جاتا، مال بھی ساتھ نہیں جائے گا، کوئی بھی مونس نہیں ہو گا، اپنے لیے مونس بنانے کے لیے رب کو مونس بنالو، تاکہ عیش میں رہو، اور کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، وہ ایک پگلے نے کہا۔

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ھُنوز

(آپ نے اپنی قیمت دو جہانوں کے برابر ٹھہرائی ہے اے میرے محبوب نرخ کو بڑھا کہ یہ بڑا سستا سودا ہے۔)

بعثت انبیاء علیہم السلام اور رحمتِ الٰہی

یونیورسٹی کوارٹرز مسجد (9دسمبر 1962ء، بروزِ اتوار بعد از نماز مغرب)

میرے بزرگو، عزیزو اور دوستو! اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا فرمایا اور رب وہ ہوتا ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو، سب اُس کے محتاج ہوں وہ اِسکا محتاج نہیں کہ اسباب موجود ہوں تو چیزوں کو وجود میں لے آئے اور اگر اسباب نہ ہوں تو اُنکو وجود نہ دے سکے۔ اگر ہم ایسا تصور کریں تو گویا ہم خدا کو محدود مانینگے اور جو محدود ہو وہ خدا نہیں، اب اللہ رب العزت نے انسان کو وجود بخشا اور اس کو مختلف مراحل سے گزارا تو جس طرح مختلف مراحل سے گزار کر انسان بنانا اس کو آسان ہے اسی طرح بغیر مراحل کے بھی انسان بنانا ذرا مشکل نہیں[15]۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تصوّر

مخلوق سوچتی ہے، چیزوں کا آگا سوچتی ہے، پیچھا سوچتی ہے، سوچ سوچ میں عمریں تمام ہو جاتی ہیں، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کے جملہ صفات کو نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ پر تمام چیزوں کی جملہ صفات بغیر سوچے روشن ہیں مخلوق ایک چیز کے اُصول و قوانین کو جان کر دوسری چیزوں کی ایجاد کرتے ہیں اور اِسی طرح اِسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہیں، لیکن خدا تعالیٰ کسی سلسلے کا پابند نہیں، وہ خدا نہیں جو کسی سلسلے کا پابند ہوتا ہے، وہ مجبور ہے اور مجبور خدا نہیں ہو سکتا۔ تو اللہ رب العزت نے جب دُنیا کو وجود بخشا، جو چیزیں ہمیں معلوم ہیں اور جو ہمیں معلوم نہیں، تمام کی تمام اللہ رب العزت کے دستِ قدرت میں ہیں۔ کہ وہ جیسے بھی چاہیں اور جس وقت بھی چاہیں اِن میں تغیرات لاسکتے ہیں، اب اگر ہم یہ سوچیں کہ اسباب سے ہوتا ہے، تو بھائی جس کو ہم اتفاق

15۔ یہاں پر ڈارون کی تھیوری کارد ہے جو کہ انسان کو خواہ مخواہ مختلف شکلوں سے گزرا ہوا تصور کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتا ہے۔ اللہ کے قادر ہونے کو مانا جائے تو تمام مشکل حل ہو جاتی ہے۔ محمد سراج بقلم خود

حادثہ کہتے ہیں ،یہ کیوں آتا ہے۔چناچہ حضرت علی رضی تعالیٰ عنہ فرماتے ''عرفتُ ربی بفسخ العزائم ''میں نے اپنے رب کو اپنے پختہ ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے۔کہ جسے تم اتفاق سمجھتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کی سوچی سمجھی تدبیر ہوتی ہے ،تاکہ تم کو یہ معلوم ہو کہ انسان مختار نہیں،بلکہ کسی قدرت والی ذات کا ماتحت ہے۔

قوانین میں حکمت

اب اللہ رب العزت نے اِس کائنات کو بنایا،تو اس کو ایسا چھوڑ نہیں دیا،تاکہ اِس پر مختلف تغیرات (مادہ پرستوں کے عقیدے کے مطابق) آتے رہیں،بلکہ اس کو ایک خاص ترکیب اور انتظام کے ماتحت رکھا،جس کو آپ کی انگریزی میں پلاننگ(Planning- منصوبہ بندی) کہتے ہیں،سمندر کا قطرہ،آسمان کے بادل،دریاؤں کی مچھلیاں،ہوا کے پرندے غرض مچھر تک معمولی جانور اُس کے مسخر ہیں،غرض یہ کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے،تمام کائنات اللہ کے ارادے سے قائم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آرہے ہیں۔اگر اللہ نہ چاہے تو ایک پتّہ بھی اپنے مقام سے ہِل نہ سکے،اگر آپ یوں کہیں کہ نیچر (Nature) کے قوانین اٹل ہیں،اِن میں تغیرّات نہیں آیا کرتے ہیں،بلکہ مچھر سے مچھر،گائے سے گائے وجود میں آتی ہے،سورج اپنے مدار پر چل رہا ہے،چاند اپنے محور پر سورج کے گِرد گھومتا ہے،یوں نہیں ہوتا کہ ایک کی جگہ دوسری چیز لے لے۔آخر ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ اگر چیزوں میں دن بدن تغیرات آجایا کریں تو دُنیا کا انتظام درہم برہم ہو جائے گا،مثلاً اِنجن پٹری پر چلتی ہے،وہ اگر پٹری سے ہٹ کر کھیتوں میں چلنے لگے تو تمام مسافر خطرہ میں پڑیں،اور اِنجن چکنا چور ہو جائے،تو دوستو!یہ تمام کائنات اسی وجہ سے قائم ہے تاکہ روزانہ اسباب کے تغیرّات کی وجہ سے انسان کی زندگی خراب نہ ہو،لیکن اِسکا یہ مطلب نہیں کہ رب مجبور ہیں،اسباب کے بغیر کر نہیں سکتے،یہ جب ہوتا ہے جب

انسان زیادہ عقلمند ہو جائے ،مثلاً منہ سے کھانا کھایا جاتا ہے اب یہ چاہیں کہ ناک کے زریعے کھائے ،اسی طرح انسان ماوریٰ کی چیزوں کو سوچنے لگے تو بھٹک جاتا ہے ،تو اُنکو سیدھا راستہ دکھانے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا جاتا ہے ،یہ عقلمند چیزوں کے ظواہر کو جان لیتے ہیں ،خواص کو پہچان لیتے ہے ،لیکن اللہ میاں سے تعلق نہیں جوڑ سکتے ،تو میاں کے تعارف کے لیے ،میاں کے انٹروڈکشن(Introduction)کے لیے اِن حضرات کو بھیجا جاتا ہے ،وہ کہتے ہیں ،کہ تم کہتے ہو ،کہ رب اسباب کے تابع ہیں حالانکہ ایسا نہیں ،رب چاہیں تو اونٹ سے اونٹ کو وجود میں لائے اور رب کا حکم ہو تو پتھر سے اونٹنی کو پیدا کر دکھائیں ،وہ قادر ہیں ،جو چاہیں کریں ،کسی کو کیا مجال کہ اُس کی قدرت کے آگے سر تابی کر لیں ،دیکھو معجزات کا انکار انبیاء علیہم السلام کا انکار نہیں ،بلکہ قدرت کا انکار ہے ،دراصل یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر نہیں کہ پتھر سے اونٹی کو نکالے ، عصا سے اژدھا بنائے اور اگر باپ دادا کے مسلمان ہونے کی وجہ سے صاف انکار نہ کر سکیں ،تو تاویلات کرنے لگتے ہیں ،تو اُن کوردماغوں نے اپنے نبی (حضرت صالحؑ) سے کہا ،کہ اس پتھر سے ایک اونٹنی نکلے ،کہ جو گابھن ہو ،کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ اس پتھر سے اونٹنی نکلنے کی نہیں اور اگر نکلے گی بھی تو گابھن ہونا محال ہے کیونکہ وہاں اونٹ تو مل نہیں سکتا ،وہ کہتا ہے کہ جو رب اونٹنی کو پتھر سے وجود میں لائے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اس کو بغیر جفتی کے گابھن کر دے۔ او بھئی! تم کو کیسے پیدا کیا؟ ذرا بتا کر تو ثابت کرو ،کسی کو پیدا ہونے کے بعد ماں کے پیٹ میں تو بھیج دو ،آپ کہتے ہیں کہ اسباب سے ہوتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ رب سے ہوتا ہے گو ہم یہ نہیں کہتے کہ اسباب بیکار ہیں لیکن اسباب پر مدار نہیں۔ ہمارے حضرتؒ کا ایک شعر ہے:

یہ اسباب ہیں دست قدرت میں یوں
قلم دست کاتب میں جیسے رہے

ہم نہیں کہتے کہ اسباب کو اختیار نہ کرو بلکہ ہم یہ کہیں کہ اسباب کو ارباب نہ بناؤ، تمہاری سائنس جب تک کافر رہے گی جب تک کہ یہ مراتِ جمال حق نہ بن جائے۔

دیکھو! یہ ڈاکٹر حضرات بیٹھے ہوئے ہیں، کیا کوئی بھی مریض مرنا چاہتا ہے ؟ اسی طرح ڈاکٹر بھی نہیں چاہتے ؟ لیکن مریض تو ڈاکٹر کے سامنے جان دے دیتا ہے، کیوں مر گیا؟ اس لیے کہ ہمارے رب نے نہیں چاہا کہ اور زندہ رہے، تو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ دیکھو! تمہارے اسباب تم کو کہیں رب سے غافل کر کے الحاد کی طرف نہ لے جائے، اور الحاد کسے کہتے ہیں، ٹیڑھے پن کو اور ملحد وہ جسے ہر بات الٹی سوجھنے لگے۔

عقل اور بعثت انبیاء علیہم السلام

وہ کسی قوم کا عقیدہ کہ رب نے چھ دن میں زمین و آسمان کو بنایا اور ساتویں دن تھک کر بیٹھ گیا۔ یہ یہود کا عقیدہ ہے۔ اور ہم یہ کہیں کہ رب نہیں تھکتے اب ہم اگر رب کو نہ دیکھیں تو اِسکا یہ مطلب نہیں کہ رب العزت کی ذات نہیں ہے رب العزت کی صفات نہیں ہیں لیکن ہماری بصیرت ختم ہو گئی۔ آنکھ کا اپنا دائرہ ہے، کان کا اپنا دائرہ ہے پھر ہر چیز کا اپنا دائرہ ہے اور اِس سے آگے کام نہیں کر سکتی تو مغیبات میں انسان کی عقل کام نہیں کرتی، تو دوستو! رب العزت نے اپنی معرفت کا آلہ دیا اگر رب یہ نہ کرتے تو معاذاللہ رب ظلم کرنے والے ہوتے۔ اور یہ آلہ دل ہے اور تم تو یہ کہو کہ یہ دھک دھک کرتا ہے۔ اور ہم کہیں کہ تم نے اس کو طریقے پر استعمال نہیں کیا جس طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے لیکن ہر کام طریقے سے ہوتا ہے۔ زبان پر بولنا آسان کام ہے لیکن بغیر زبان دانوں کے آتا نہیں۔ ایم اے کا ایک اچھا طالب علم ایک ادنیٰ زبان دان کے ساتھ بات چیت نہیں کر سکتا تو جس طرح زبان دان کا ایک چھوٹا بچہ آسانی سے زبان بول سکتا ہے تو زبان پڑھنی ہو تو اُس سے پڑھو جو اِسکا ماہر زبان دان ہو۔ تو ہم یہ کہیں کہ رب کی معرفت کے دعویٰ کرنے والو اور رب کی معرفت پر

کوشش کرنے والو! ذرا طلب پیدا کرو۔ رب بغیر طلب کے بھی دے سکتا ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ یہ بندہ میری طرف آتا ہے یا نہیں وہ مولانا روم نے فرمایا:

تانہ گرید طفل کے جو شد لبن
تانہ گرید ابر کے خندد چمن

(جب بچہ نہ روئے تو ماں دودھ نہ دے اور جب بادل نہ گرجے (روئے) تو بارش نہیں ہوتی اور ہریالی نہیں آتی یعنی طلب اور کوشش حصول کا ذریعہ ہے۔)

ماں تو ممتا کی ماری ہوتی ہے وہ تو چاہتی ہے کہ بچہ کو دودھ پلائیں اور اُس کا ہر طرح خیال رکھیں لیکن بچے کا رونا بھوک کو ظاہر کر جاتی ہے اسی طرح رب چاہتے ہیں کہ ذرا یہ تو دودھ کی طرف طلب پیدا کرے تا کہ ہدایت کا دودھ اُس کے منہ میں آجائے۔

اپنے اور غیروں میں فرق

مطلب یہ کہ طلب کے پیدا کرنے سے دین آجاتا ہے تو انبیاء علیہم السلام اس کو زندہ کرتے ہیں لیکن جب اُن کے گزرتے ہوئے زیادہ زمانہ گزر جاتا ہے تو طلب مردہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ طلب ایسے نہیں آتی اس کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے وقت لگانا ہوتا ہے ۔دیکھو! پرائمری کوئی ڈگری ہے اس کے لیے محنت اور وقت درکار ہے، مڈل، میٹرک، بی ۔اے کرنا چاہتے ہو تو لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں اور ہوتا کیا ہے صرف اے۔بی سے بی ۔اے ہوئے اور پھر کیا ہوتا ہے دل کا معاملہ ختم کر دیا اور پیٹ میں غرق ہو گئے اور وہ بھرتے نہیں بھرتا۔ آپ کہیں کہ غیروں نے تو حل کر دیا تو ہم یہ کہیں کہ رب کا معاملہ غیروں سے اور ہوتا ہے اور اپنوں سے اور، اور اُس کو کہتے ہیں امہال۔ دیکھو! جھولا ہوتا ہے۔ اس کی رسی کو جتنا بھی لمبا کر دیں اتنا ہی وہ دور تک جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ غیروں کی رسی کو دراز کئے ہوئے ہے تا کہ اُن کو پوری مہلت مل جائے اور پھر جو پکڑ ہوتی ہے تو پتہ لگ جاتا ہے۔

اور حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ جوتے کو جتنی بھی گندگی لگے۔ تو کچھ نہیں لیکن ٹوپی کو لگے تو فوراً دھو لیتے ہیں۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ کہتے ہیں کہ پیداوار کم ہے اور آبادی بڑھتی ہے ایک اچھا نام رکھ دیا (Family Planning) اسی طرح فحاشی کے لیے (Boy Friend) اور (Girl Friend) کے نام ایجاد کئے۔ تو اے اللہ کے بندو! نام جو بھی رکھ دو۔ حقیقت بدلا نہیں کرتی۔ پھول کو جس نام سے پکارو پھول پھول ہی ہوتا ہے۔ دیکھو! جو قومیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتیں اور اللہ سے غافل ہو جاتی ہیں تو انکا حال یہ ہوتا ہے کہ اللہ پاک انکی مثال بیان فرماتے ہیں: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ترجمہ: ”اور خدا ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ ہر طرح امن چین سے بستی تھی، ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا، مگر اُن لوگوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی تو خدا نے انکے اعمال کے سبب اُنکو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری) کا مزہ چکھا دیا“۔ (سورۃ النحل ۱۶:۱۱۲)

تو رزق کا تو یہ حال کہ آبادی کو کنٹرول کرو کہ بھوک سے مرنا نہ پڑے اور خوف کا یہ حال کہ اب جنگ اور کل جنگ ہے۔

دین میں اعتدال اور مجاہدہ

تو انبیاء علیہم السلام تم کو جنگل میں لے جانا نہیں چاہتے، بلکہ وہ تم میں عدل و انصاف لانا چاہتے ہیں، تمہیں اعتدال پر لانا چاہتے ہیں، دُنیا بھی تمہیں نصیب ہو اور اللہ والا نظام بھی تم سے چھوٹنے نہ پائے۔ ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه“ یہ بول میں ہلکے ہیں، لیکن تول میں بھاری ہیں، کہ تمام بول ایک طرف اور یہ دوسری طرف تو یہ بھاری ہوگا، تو اب اللہ نے آخر میں ایک نبی محمد ﷺ کو بھیجا محمد رَّسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے رسول ہیں ہمارے بنائے

ہوئے ہیں ہم نے اس کو بھیجا، اس کا نمونہ اپناؤ تاکہ اللہ تمہارے ساتھ ہو جائے اور صرف ساتھ نہیں بلکہ ''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُؤْمِنِيْن'' اللہ تمہارا محب بن جائے۔ تمہارے ساتھ محبت ہو جائے۔ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خاکے کو اپناؤ اور محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا خاکہ کیا تھا وہ لوگوں کے لیے کڑھتے تھے وہ لوگوں کے غم میں تھے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ دنیا دوزخ میں چلی جائے۔ وہ تو ''رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْن'' تھے۔ یہ ڈاکٹر مجھے پانچ جُز بتائیں اور میں تو چار جُز کی دوائی بناؤں اور پانچویں کے لیے کہوں کہ ڈاکٹر صاحب نے یوں ہی کیا ہے تو دوائی فائدہ دے گی۔ اور یہ انجینئر صاحب ہیں، اب اگر یہ بیم ایسے ہی کھڑا کر دیں، تو دوسرے دن دھڑام سے گر جائے۔ اور یہ ہندوستان والے جو اخبارات میں آیا تھا کہ کروڑوں روپے کا منصوبہ کیا ہوا۔ ریت کو سیمنٹ بنا کر بنایا گیا تو نتیجہ کیا ہوا اور دور کیوں جاؤں ہماری یونیورسٹی کی عمارات کو دیکھ لو کہ سال تک نہیں پہنچیں۔

مولانا رومؒ نے ایک قزوینی کا قصہ نقل کیا ہے۔ تو جیسے کہ لوگ ہاتھوں وغیرہ پر تصویریں اور پھول بناتے ہیں، وہ ایک حجام کی دوکان پر گزرا شیر کی تصویر کو دیکھا پسند آئی اور حجام سے کہا کہ میرے لیے پیٹھ پر یہ تصویر بناؤ۔ اُس نے پیٹھ کو ننگا کر کے تصویر بنانی چاہی، جو سوئی کو چبھو دیا، تو قزوینی نے چیخ کر پوچھا، کہ کیا بنا رہے اُس نے کہا کہ دُم، کہا کہ چھوڑو دُم کو۔ پھر اُس نے دوسری جگہ پر چرکا لگایا، یہ پھر چیخ کر بول پڑا، اب کیا بنا رہے ہو کہ ''کان''۔ اس نے کہا چھوڑو کان کہ اُس نے پھر چرکا لگایا، تو یہ درد سے چیخ اُٹھا اور پوچھا اب کیا بنا رہے ہو اُس نے کہا کہ ''ٹانگ''۔ اس نے جواب دیا کہ چھوڑو ٹانگ کو، اُس نے پھر دوسری جگہ سوئی چبھو دی تو یہ درد کو ناقابل برداشت جان کر کراہنے لگا اور سوال کیا کہ اب کیا بنا رہے ہو تو حجام نے جواب دیا کہ ''پیٹ''۔ اِس نے کہا ''چھوڑو پیٹ کو'' تب حجام نے سوئی پھینک کر اُس کو دھکا دیکر دوکان سے باہر نکالا اور بولا:

ایں چناں شیرے خدا ہم نافرید

(اس قسم کا شیر تو خدا نے بھی نہیں پیدا کیا جو سب کچھ کر سکتا ہے۔)

کہ ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں پیدا کیا جس کی نہ ٹانگ ہو نہ دُم نہ کان اور نہ پیٹ۔

غرض اگر آج بھی تم چاہو تو اسلام کو اپنا سکتے ہو، بشرطیکہ عمل کرنے کی نیت ہو، اور اگر عمل نہیں کرتے اور کہہ رہے ہو کہ یہ ناقابل عمل (Impracticable) ہو گیا، تو وہ بات ہو گئی کہ واجد علی شاہ کے زمانے میں بعض فوجی سُست ہو گئے تھے اُنکو "اُحدی" کہا کرتے تھے، تو ایک تھا درخت کے نیچے، پیٹ پر بیر کا ایک دانہ گرا، تو دوسرے سے کہتا ہے کہ دانہ اُٹھا کر اُس کے منہ میں ڈالو۔ اُس نے جواب دیا، "کیوں ڈالوں؟" کل جو کُتا آکر میرے مُنہ موت رہا تھا تو کیا تُو نے اس کو ہٹایا۔

مشغولیت

تو انبیاء علیہم السلام اس لیے آتے ہیں، کہ اے لوگو! تم مخلوق پر محنت کرنے والے ہو۔ رب پر محنت کرنے والے بن جاؤ۔ دنیا پر مشغولیت کا عذاب مسلط ہے کہ صبح سے لیکر شام تک کام کرتے ہیں، اور پھر بھی طمانیت قلب نصیب نہیں ہوتی۔ تو اس تبلیغ کے نام سے جو آواز لگائی جا رہی ہے کہ اللہ کے دین کے لیے وقت دے دو۔ کچھ اللہ کے دین کے لیے نکلو اور بقول مولانا ارشد صاحب کے ایک فلوٹنگ (Floating) سا معاشرہ بناؤ۔ دوستو! جس طرح کہ دنیا کے کام بغیر وقت کے لگائے ہوئے نہیں ہوتے۔ اسی طرح رب کے اپنانے کا فن، حضور ﷺ کی زندگی کے اپنانے کا فن بغیر وقت لگائے حاصل نہیں ہوتا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ زندگی میں سے چار مہینے لگالو۔ جس طرح کہ تم انجینئر کو بغیر داخلہ لیے اور ایک مخصوص نصاب مقرر وقت تک پڑھنے سے پہلے انجینئر تسلیم نہیں کرتے اسی طرح دین کی محنت سیکھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

عملی تجربہ کی اہمیت

جیسے دیئے سے دیا روشن ہوتا ہے چراغ سے چراغ جلتا ہے اسی طرح انسان سے انسان بنتا ہے تمہاری یہ زندگی بے مقصد نہیں، جس طرح کہ دنیا بے مقصد ہوگئی ہے۔ کہ جس طرف سینگ سمائے چل دیئے۔ تو تمہاری زندگی کا مقصد رب کو لینا ہے۔ اب ہم کوہاٹ کو پچھلے ہفتے گئے کوئی ترپن (53) کے قریب لڑکے تھے۔ اب اُن سے پوچھو کچھ مزہ آیا، تو بھائی لڈو کھائے بغیر مزہ آتا ہے؟ ایک ہے بخار اور ایک ہے بخار کا آجانا، ایک ہے دین اور ایک ہے دین کا چھاجانا۔ یہ ہمارے ڈاکٹر صاحب ہیں۔ یہ اگر تمام ڈاکٹری کی کتابیں پڑھیں لیکن بخار نہ آئے تو بخار کی حقیقت کو نہ سمجھ لیں۔ تو جو نئے لوگ ہیں وہ تو چار چار مہینے لگالیں اور اگر یوں ہی کتاب کو جاننے کے لیے چند ورق الٹنے ہیں، اس طرح ایک چلہ بھی دے سکیں تین دن دے سکیں۔ تو دوستوں ہمتیں کرلو اور دین کے سمجھنے کے لیے ارادہ کرلو، بعض لوگ کہیں کہ بغیر مطالبہ کے چھوڑتے نہیں تو ہم کہیں کہ یہ اس زمانہ کی اور بھی ایک چال ہے کہ بات کو صرف سنانے کے لیے کہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ بات کو عمل پر لانے کے لیے کہا کرتے ہیں۔ ارے! جب لوہا ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو بھی اُس کو کوٹتا ہے، بھائی ہمت کرلو، یہ دس دن کی بیس دن کی چھٹیاں آرہی ہیں، کچھ دوست وانا کو جارہے ہیں، اُن کے ساتھ چلے چلو۔ کچھ چکھ ہی لیا کرو۔

فقط

مراقبہ: اللہ تعالیٰ سے لو لگانے کی ترکیب

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (10 دسمبر 1962ء)

یوں تصور کرے کہ خداوند قدوس سے انوارات اور اُن کی صفات کی تجلیات کا ورود ہوتا ہے اور میں اس کو لیتا ہوں، دل کا آئینہ صاف ہو جائے تو میرے دل پر تجلی رب ہو گی۔ اسی دھیان کو مراقبہ کہتے ہیں۔ مراقبہ رقیب سے نکلا ہے یعنی نگاہ بانی کرنے والا۔ دھیان سو فیصد خداوند قدوس کی طرف رہے کہ میرے قلب پر خداوند قدوس کی طرف سے بارش ہو رہی ہے اور گناہ دھل رہے ہیں، جب پتھر پر بھی بارش ہو تو دُھل جاتا ہے اُسی طرح ہمارے دل اگر پتھر بھی ہوں تو گناہوں سے دُھل جائیں گے، دل سر سبز ہو جائے گا حیات پیدا ہو گی۔ معرفت کی کھڑکی ہے مراقبہ نفس۔

تمھیں ان باتوں کی قدر نہیں کہ مفت میں بتائیں جاتی ہیں۔

ہر کہ او ارزان خرد ارزان دھد
گوہرے طفلے بہ قرص ناں دھد

(جو ارزان خرید تا ہے، سستا دیتا ہے بچہ گوہر کو بھی روٹی کے ٹکڑے پر دے جائے کیونکہ اس کو اس کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔)

یعنی یہ باتیں عام طور پر نہیں بتائی جاتیں، کہ اُن کی قدر نہیں کی جاتی، میں اس لیے نہیں کہتا، بلکہ یہ عرض ہے کہ ان کی قدر کرو، مراقبے سے احسان کی کیفیت پیدا ہو گی، پھر دھیان رب ہو گا، اس کی تائید دو شعروں میں پائی جاتی ہے ایک فارسی میں اور ایک اردو میں:

قرب بے غیبت نماز عاشقاں
فی صلوٰۃ دائمونم آرزو ست

(عاشقانِ حق کی نماز میں قرب کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے بھی ان لوگوں کی

طرح نماز ادا کرنے کی آرزو ہے۔)

عاشقوں کی نماز کیا ہے، ہر وقت خدا کی قربت۔

می برد بے تابیٔ دل کو بکو

بر درت صبر و سکونم آرزوست

(میرا بے تاب دِل مجھے ٹھہرنے نہیں دیتا بلکہ ہر کوچے پر لیے پھرتا ہے کہ شاید یہاں سکون حاصل ہو لیکن مجھے آپ کے چوکھٹ پر صبر و سکون کی آرزو ہے کیونکہ اصل سکون کی جگہ یہی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔)

دل کی بے تابی کبھی کہاں لے جاتی ہے اور کبھی کہاں اب تو تیرے در پر صبر و سکوں کی آرزو ہے (رب کے دھیان سے وصل بالحق ہو جائے)

حاصل رہے ہر وقت میں کیفیت حضوری کی

آ دل میں میرے بس جا اے صورت جانانہ

دید اس کی مائہ عیش و نشاط

آبروئے ساقی ہلالِ عید ہے

تو میں عرض یہ کر رہا تھا، کہ قرب حق کیسے حاصل ہو۔ دیکھو! اپنے نفس کی پہچان معرفت حق کی کھڑکی ہے، اس لیے اپنے دل کو تلاش کرو، کہ کہیں کوئی بلا تو نہیں لے گیا یا چوھے تو نہیں کھا گئے۔ ہمارے دلوں کا یہ حال ہے کہ

برما ہر کہ بگزرد ببرد تیشہ ہائے دل

من قاش فروشِ دلِ صد پارہ خویشم

(مجھ پر جو بھی گزرے تو دِل کے ٹکڑے ساتھ لے لیتا ہے۔ محبت مجھ میں ایسی بھری ہے کہ میرا کام ہی دِل کے ٹکڑے بیچنا ہے۔ انتہائی اخلاص اور محبت کی طرف اشارہ ہے۔)

میں نے کہا تھا معرفتِ رب کی کھڑکی مراقبہ رب ہے ۔یعنی خدا کی معرفت کو

حاصل کرنا چاہو تو اپنے دل کی کھڑکی سے رب کی تھاک جھانک رکھو، یہ نہ ہو کہ تمہارے دل کی کھڑکی بند ہو جائے۔ اللہ میاں اسی راستے سے آئینگے اور رب کے آشنا ہو جاؤ گے، پہلے شناسائی ہوتی ہے اور پھر آشنائی ہو جاتی ہے اس کا دھیاں کرتے رہو، تو یہ چنگاری جو ہے وہ آگ کا انگارہ ہو جائے گا، جب غیر جل جائے تو معرفت کا دروازہ کھلے گا۔ وہ علوم چھا جائیں گے جو تم کتاب اور مدرسے میں نہیں پاؤ گے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

(تو انبیاء علیہم السلام کے علوم اپنے اندر پائے گا، بغیر کتاب، رہبر اور استاد یعنی صالحین کی صحبت میں حق کے ساتھ مگن ہو تو خدا چاہے تو یہ دولت نصیب ہو۔)

وجہ کیا ہے کہ جب دل پر معرفت الٰہی کا دروازہ کھل جاتا ہے اگر رب چاہیں تو عارف کے قلب کو متوازی کرتے ہیں لوح محفوظ کے۔ جہاں ظاہری علوم کی انتہا ہوتی ہے وہاں عارف کے علوم کی ابتداء ہوتی ہے۔ اب تو کرم کتابی کا نام عالم رکھا گیا، لیکن قرآن میں عالم عارف کی طرف اشارہ ہے۔ میں نے اپنے استاد مرحوم سے عرض کیا: "کہ کیا کریں پڑھنے سے فائدہ تو ہوتا نہیں" تو فرمایا: کہ جو وقت پڑھنے پڑھانے میں صرف ہوتا ہے یہ بھی ایک عمل ہے، گو جتنا عارف بنو گے خدا کے احکام کو جاننے والے بنو گے اور جتنا عارف بنو گے تو احکام کے ماننے والے بنو گے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے قول کو حضرت شیخ شہاب الدینؒ نے نقل کیا ہے: ''لیس العلم بکثرۃ الروایا۔۔۔'' کہ کثرت روایات کا نام علم نہیں لیکن وہ ایک نُور ہے جو کہ اللہ اپنے بندوں کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔

بس موٹی بات یہ ہے کہ دل کو رب سے ملالو اوروں کو چھوڑ کر یہاں پر پنجہ ڈالو، تو کیا ہو گا صراط مستقیم پاؤ گے، اور یہ میں نہیں کہتا قرآن کہتا ہے۔

وَمَن يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٠١﴾

(آل عمران ۳: ۱۰۱)

ترجمہ: اور جس نے اللہ (کی ہدایت کی رَسّی) کو مضبوط پکڑ لیا وہ سیدھے راستے لگ گیا۔

اتباع رسول ﷺ اور مقامِ محبوبیت

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (10 دسمبر 1962ء)

چس جانتے ہو، مزہ کی (Superlative) تفضیل کل کا صیغہ، ڈگری ہے، چس کہتے ہیں حلاوت کو۔ ہمارے استاد صاحب نے فرمایا کہ 1895ء میں مہمندوں اور انگریزوں کی لڑائی تھی کہ ایک شخص تھا، جس نے اپنے ہونٹوں کو خود چبا کر کاٹا تھا، واقعہ یوں ہے کہ جب لڑائی ہوئی اور یہ شخص گر گیا، تو چند خوش رو ایک جام لے آئے، اُس وقت جو پیا، تو اتنا لذیذ تھا کہ لذت میں اپنے ہونٹوں تک کو چبایا، اور پھر بھی آخر تک مزہ نہیں گیا۔

محبت حقیقی

تو حلاوت ایمان اندر آجائے، تو تب ایمان کا مزہ محسوس ہو، انسان کی جان جان ہے ایمان اور پھر جانِ جان کی جان کیا ہے؟

رفتہ رفتہ وہ میری ہستی کا سامان ہو گئے
پہلے جان، پھر جانِ جان، پھر جانِ جانان ہو گئے

پہلے جانِ جان یعنی ایمان آیا کرتا ہے اور پھر جانِ جان کی جان کا ورود ہوتا ہے، پہلے مُحب ہوتا ہے اور پھر محبوب بن جاتا ہے، اور جب اِس مقام پر پہنچتا ہے تو اپنے آپ سے کہتا ہے۔

نازم بچشم خویش کہ روئے تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بہ کوئے رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دستِ خویش را
کودا منم گرفتہ بہ سوئے کشیدہ است

مجھے اپنے آنکھوں پر ناز ہے کہ تجھے دیکھا اور اپنے پاؤں پر گر پڑتا ہوں جنہوں نے مجھے آپ کے گلی کی سیر کرائی اور اپنے ہاتھوں کو ہر وقت چومتا رہتا ہوں جنہوں نے مجھے دامن سے پکڑ کر آپ سے ملایا۔)

اور یہ حلاوت تب نصیب ہوتی ہے، جبکہ رب کی محبت دل میں ایسے اُتر جائے کہ سوائے رب کے کوئی محبوب نہ رہے ''لَآ اِلٰہَ'' یہی تو ہے کہ پیار آئے تو رب سے، دلوں سے، نگاہوں سے، جسم سے غیر رخصت ہو جائے، اور رب ہی رب چھا جائے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

اور غیروں کے رخصت کرنے کے لیے تنہائی میں جانا نہیں پڑتا، غاروں میں چھپنا نہیں پڑتا، یہ عالم تو خود ویرانہ ہے، مردہ ہے، بھلا مردوں سے بھی کوئی پردہ کرتا ہے، یہاں تو بس بے ہمہ باہمہ کی زندگی گزارو۔ وہ اقبال کہتا ہے۔

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کی رفیق

ایسا ہو بزم میں کہ شمعِ بزم ہو کے رہو، تاکہ سب سمجھیں کہ ہمارے ساتھ ہیں اور تم کہو کہ ہم رب کے لیے ہیں، ایک قصہ سناؤں، میر درد کے چھوٹے بھائی نے مثنوی کے طرز پر ایک حکایت لکھی ہے، اور حقیقت کو مجاز کے پیرائے میں پیش کیا ہے، کیونکہ حقیقت سے تو سب ہی عموماً نا آشنا ہوتے ہیں، اور مجاز سے آشنا ہوتے ہیں، تو اب صوفیا حضرات حقیقت کو سمجھانے کے لیے اس کو مجاز میں تمثیلاً پیش کر دیتے ہیں، لیکن اصل میں حقیقت اور مجاز میں بڑا فرق ہوتا ہے، مثلاً شہد ہے جس کو کسی نے نہیں کھایا ہو، تو اُس سے کہا جائے، کہ گُڑ کی طرح میٹھا ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں گُڑ کی مٹھاس اور شہد کی مٹھاس اور ہوتی ہے، تو

کہتے ہیں، کہ ایک لڑکی تھی، نہایت شوخ و شنگ، وہ ہنڈیاں بناتی تھیں، ہمجولیوں کے ساتھ کھیلتی تھیں، تو کیا ہوا، پہلے تو منگنی ہوئی، اب ہو گئی رخصتی، اور رخصتی کے بعد جب اپنے میکے سے آئی، تو لڑکیاں سب اکھٹی ہو گئیں، اب یہ نہ تو اُن سے بولتی ہے، نہ اُن سے کچھ کہتی ہے، تو وہ کہتی ہیں، کہ تجھے ہو کیا گیا، تجھے ملا کیا، کہ عمر کی دوستی چھوڑ دی، آخر شادی میں مزہ کیا ہے؟ تو کہا کہ "جب تمہاری شادی ہو جائے تو معلوم ہو جائے کہ کیا مزہ ہے" جب تعلق ہو جائے تو تعلق کا مزہ اُس سے پوچھو شادی کے بعد کوئی دوستوں سے ملنا تو چھوڑ تا نہیں، لیکن دل تو کہیں اور ہو تا ہے، اسی طرح رب کے تعلق کے بعد ہو تا ہے، کہ دل ہر وقت میاں کے ساتھ اٹکا ہوا ہو تا ہے، ہر وقت میاں ہی میاں سوچتا ہے اور ہر بات میں میاں ہی میاں دکھائی دیتا ہے۔

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران
گفتہ آید در حدیثِ دیگران

(یہ بات بہتر معلوم ہوتی ہے کہ اپنے معشوق کا حال براہِ راست بیان کرنے سے گریز ہو اور مثالوں میں بیان ہو۔)

فاش اگر گویم جہاں برہم زنم
(اگر میں اس راز کو کھلے طور پر کہہ ڈالوں تو دُنیا کی تباہی آجائے گی۔)

فاش اگر کہوں، تو دنیا میں اتنی سمجھ نہیں جل جائیگی، اہل مجاز پر اگر حقیقت کو کلی طور پر روشن کیا جائے تو جل جائیں، ہمارے سچ مچ کے بادہ خوار شاعر نے کہا ہے (غالب کا شعر ہے)

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

مثلاً یوں عرض کروں کہ آپکا امتحان آگیا ہے، کل آپ کا پیپر ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ امتحان میں کامیاب بھی ہو جائیں، تو آپ جو بھی کام کریں، دل پرچے میں ہو گا، کھاتے

ہیں تو دل پرچے میں ہو گا، نماز میں پرچہ یاد آئے گا، تو یہی حالت محبت الٰہی کی ہو جائے کہ بھلانے سے پھر بھولے نہیں،

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن وہ اکثر یاد آتے ہیں
الٰہی ترکِ اُلفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں

ذکرِ الٰہی

تو یہ کہتے ہیں کہ رب کی یاد آئے، اور یاد ایسی آجائے کہ نام میں مزہ آئے، کام میں مزہ آئے، اور یہ کیسے ہو گا، طالب رب بن جاؤ، ایک محبت بنا دیتی ہے، اور ایک بگاڑ دیتی ہے، غیر اللہ کی محبت بگاڑ دیتی ہے اور رب کی محبت بناتی ہے، اور یہ محبت پھر انسان سے ایسی چمٹ جاتی ہے کہ پھر کسی حال میں جدا نہیں ہوتی، اور انسان کی صفت بن جاتی ہے، مثلاً صفتِ صدق (سچائی کی صفت) کہ یہ جدا نہیں ہوتی، خاموش ہو تو جدا نہیں ہوتی، بولنے سے جدا نہیں ہوتی، بیٹھنے سے جدا نہیں ہوتی، چلنے سے جدا نہیں ہوتی، غرض کسی حال میں بھی ہو جب انسان میں صفتِ صدق اندر اُتر گئی ہو اُس سے جدا ہونے کی نہیں، اسی طرح محبت رب جب رچ جاتی ہے، تو رب ہر وقت یاد آتے ہیں، پھر بھولنے پر قابو نہیں رکھتا۔

اور[16] یہ میں گائے بھینس کی محبت کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ رب کی محبت کا ذکر کر رہا ہوں، اور رب کی محبت تک ایک تو سیدھا راستہ ہے، یا عامیانہ راستہ، یہ ہے مولویانہ راستہ، یہ ہے خشک راستہ، خشک راستے میں یہ ہے کہ گاڑی کو دھکا دے دے کر پہنچانا ہوتا ہے، اور اس میں انسان تھک کر بیٹھ جاتا ہے، اور منزل سے رہ جاتا ہے، اور اگر ہمت نہیں چھوڑتا تو پھر بھی طویل میعاد کے بعد اگر قسمت نے یاوری کی مقصد حاصل ہو جاتا ہے، اور ایک یہ ہوتا ہے کہ سٹیم (Steam ''بھاپ'') بھری اور گاڑی چل پڑی، تو محبت میں انجذاب کی کیفیت ہوتی

16 میڈیکل طلباء کے سامنے ایک دفعہ بھینس کا کہا تو لڑکے ہنس پڑے۔ انہوں نے کسی لڑکی کا نام بھینس رکھا ہو گا۔

ہے اور انجذاب کسے کہتے ہیں؟ کہ میاں تمہیں کھینچے۔ اور میاں جو کھینچے تو تم کب رُک سکو گے، کیا کہیں؟ بات سے بات نکلتی ہے، ان ہندوؤں نے ایک بُت رکھا تھا، تھا معلق، اس میں کیا تھا۔ لوہا بھر دیا تھا، اور رکھا تھا دیواروں میں مقناطیس، وہ نہ ایک طرف کو جاسکے نہ دوسری طرف، اور مقناطیس جو کھینچے تو لوہا کیسے نہ جائے، تو یہ ہے جذب والا راستہ، یہ ہے آسان راستہ، سلوک تو دونوں طریقوں سے طے ہو سکتا ہے، لیکن یہ ہے آسان طریقہ، تو حدیث میں آتا ہے ''انا عند ظنِ عبدی بی'' میں اپنے بندے سے اُس کے گمان والا معاملہ کرتا ہوں، تو رب سے اچھا گمان ہو، تو وہ بھی اچھا معاملہ کرے۔

صنمارہ قلندر سزوار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

(میرے محبوب شیخ! یہ بات مجھے اچھی لگتی ہے کہ عشق و محبت کی راہ سے میری سلوک طے ہو جائے کیونکہ پارسائی والی راہ مجھے لمبی چوڑی نظر آتی ہے۔)

محبتِ رب اور اعمالِ صالحہ

شیخ بو علی قلندر کا نام سنا ہے، ایک ہوتا ہے وہ قلندر کہ آبرو چیٹ ہو اور تو اور شریعت کے بھی پابند نہ ہو، قلندری اس کو کہتے ہیں، صوفیا کی اصطلاح میں کہ اسلام کے ظاہری اور باطنی اعمال کے پابند ہو، اس سے اس کی ترقی جلد ہو جاتی ہے، حضور ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا: ''اللھم اجعل سریرتی خیرًا من علانیتی واجعل علانیتی صالحۃً''۔ (مناجاتِ مقبول) اے اللہ تعالیٰ! میرے باطن کو ظاہر سے بہتر بنادے اور میرے ظاہر کو بھی اچھا کر دے۔ تو کھلنڈری کو قلندری نہیں کہتے بلکہ قلندری وہ ہے کہ جو اللہ کی محبت کو اس قدر غالب کئے ہوئے ہے، جس کی نگاہ ظاہر کی طرف نہیں جاتی، بلکہ اُس کی نگاہ باطن پر ہوتی ہے مغز کو دیکھتے ہیں، جن دنوں ہم شملہ میں ہوتے تھے، وہاں تھا ایک داڑھی مونڈا ہوا، سر بھی مونڈا ہوا تھا، اور ایسی شکل بنائی تھی کہ حلیہ بگاڑ چکا تھا، اور یہ رسم ہندوؤں سے آئی ہے۔ بہر حال انجذاب اِس کیفیت کو

کہتے ہیں کہ بندہ کو رب کی طرف سے جذب ہو، اور جب رب کی طرف سے جذب ہو، تو اُس سے اعمال شر صادر نہیں ہوتے، تو دلوں میں محبت الٰہیکا بوٹا لگالو، جیسے کہ انگور کی شاخ لگاتے ہیں، جو کہ کاٹنے سے بھی بڑھتی ہے، اور یہ ایسے ہو سکتا ہے کہ رب کے طالب بنو، پھر مطلوب کی محبت میں خود بخود مزہ آئے گا

محبت ،محبت محبت محبت
بڑا لطف دیتا ہے نامِ محبت
میرے سامنے لو نہ نامِ محبت
چھلک جائے گا ہائے جامِ محبت

اللہ تعالیٰ نے جو مؤمنوں کی منقبت بیان فرمائی ہے، تو ایک صفت محبت بھی بیان کی ہے، تو میں نے جو شروع میں کہا تھا، کہ چس پیدا کرو، اور جب یہ پیدا ہو جائے، تو پھر کہو گے:

عفاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا با جانِ جان ھمراز کردی

(اللہ تعالیٰ آپ کو معافی دِلائے کہ تونے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے اپنی جان کی جان (معشوق) سے ہمراز ہونے کا موقع فراہم کیا۔)

یہ اُس محبت کا قصّہ ہے کہ اگر ایک قطرہ بھی آجائے تو خدا کی قسم تمام دُنیا سے بہتر ہے، وہ شیخ فرید الدین عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

کفر کافر را و دین دیندار را
یک ذرّۂ دردِ دِل عطار را

(کافر کو کفر اور دیندار کو دین مبارک، مجھے تو عشق حقیقی میں دردِ دِل کا ایک ذرہ بھی مل جائے تو لاکھوں شکر کروں۔)

عطارؒ ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دین کے ظاہر والے اپنی ظاہری رسموں میں پڑے رہیں، اور کافر اپنے کفر میں پڑے رہیں، اور عطار کے لیے دردِ دِل کا قطرہ ہی کافی ہے۔ ہمارے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے۔ فرماتے ہیں:

روشن از عکس جمالت عالم امکانِ ما
یک نگاہِ نازِ جانان قیمتِ ایمانِ ما

(اس کے جمال سے ہمارے عالم امکان یعنی پوری زندگی روشن ہے اور میرے محبوب حقیقی اگر ایک ناز کی نگاہ مجھ پر ڈالے تو اسے میرے ایمان کی قیمت سمجھیں کیونکہ اس سے قبولیت ایمان کا پتہ ہو جائے گا۔)

اور میاں کی نگاہ پڑ جائے، تو کیا ہو گا، وہ کہتے ہیں:

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ
نرخ بالا کُن کہ ارزانی ہنوز

(تو نے اپنی قیمت دو جہانوں کے برابر لگائی ہے، سوچ لو اور دیکھ لو کہ یہ قیمت بہت کم ہے اس لیے اسے بڑھانا چاہیئے۔ ایک مومن کی قیمت ہر دو جہاں سے بہت بڑھ کر ہے۔)

دیکھو! حضور ﷺ سید المحبوبین تھے، تو اُس نے جیسے ایمان کو بانٹا ہے، ایسے محبت کو بھی بانٹا ہے، خدا تعالیٰ نے فرمایا ''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ'' کہ اگر تم میرے محبوب (ﷺ) کا اتباع کرو، تو میں تم کو اپنا چہیتا بنالوں گا۔

تو بھائی! رب کی توجہات ہوتی ہیں، رب کی عطایا ہوتی ہیں وہ جب قلب کی طرف متوجہ ہوتی ہیں، تو وہ خود طالب بن جاتا ہے، آپ کے بچے تو نہیں ہیں، لیکن بہن بھائی تو ہوتے ہیں، تو ان کو لینے اور اُن سے پیار کرنے سے انسان کو کتنی لذت محسوس ہوتی ہے، تو میاں کی محبت کی چاشنی کا ایک قطرہ اگر ایک طرف ہو اور تمام دنیا کی دولت دوسری طرف ہو، تو پھر بھی

میاں کی محبت کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتی، لوگوں نے تولڈو مٹھائیوں کے نام رکھے ہیں، اور میاں کی محبت کا کوئی نام ہی نہیں، تم خود اُس کے مشتاق بن جاؤگے، ہائے! میاں کی محبت کا پیڑا کھالو، دلارے بن جاؤگے، یوسف صاحب اصل یوسوفیت یہی ہے کہ میاں کے یوسف بن جاو، دل کا چین اور قرار جو ہے، اور اس دنیا میں سکون جو ہے وہ صرف میاں کے تعلق سے ہے اور بغیر محبت کے اس کا دوام نہیں ہوتا، غالباً اسی بنا پر حضرت سلطان جی نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا ہے کہ "محبت سے استقامت نصیب ہوتی ہے" او بھائی محبت آئے تو جائے کیسے؟ وہ جو دل کے ریشوں میں سما جائے، اُسے نکالوگے تو دل نکل جائے گا، یوں کہتے ہیں کہ عشاق کے دل نہیں، یہ کیسے ہوتا ہے۔[17]

مطلب کہنے کا یہ ہے کہ اُن کا دل اپنی ذات سے گم ہوتا ہے، کوئی دوسرا اُس کے اندر ایسے چھپایا ہوا ہوتا ہے، کہ تلاش سے بھی نہیں ملتا۔

دل من بے دلان بردند و رفتند
مثال شعلہ افروزند و رفتند

(میرا دِل اپنا محبوب لے گیا اور چلا گیا وہ ایک شعلے کی طرح ایک جھلک دِکھا کر غائب ہوئے۔ اب جب اپنا دِل نہیں رہا تو اختیار کیا ہوگا یعنی میرا اختیار اب دوسرے کے پاس چلا گیا۔)

محبت سے انجذاب ہوتا ہے، اور انجذاب اور کشش سے محبوب کی صفات آنی شروع ہوتی ہیں، اگر محب صادق ہے تو محبوب کی صفات کو اپنے اندر ایسا جذب کریگا، جیسے خشکہ سیاہی کو چوس لیتا ہے اور یہ تو قلب مؤمن ہے، اس کے برابر میں تو عرش و کرسی کی بھی کوئی حقیقت نہیں، اللہ کی صفات کو اپنالیتا ہے، تو محبتِ صادق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

---

[17]۔ فرمایا: کوئی سنے، تو کہیں کہ کیسی عشق کی باتیں ہوتی ہیں، میکدہ بنا رکھا ہے۔

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

اور جو دونوں طرف سے برابر گاڑیاں بڑھے، تو کتنے زور سے ملیں گے، وصال رب کا سب سے آسان طریقہ محبت بہ اتباعِ نبوت ہے، محبت کی بنا پر صفاتِ محبوب، محب میں منتقل ہوتی ہیں، اگر محمد ﷺ کے صحیح چاہنے والے ہو، تو حضور ﷺ کی صفات تم میں آئینگی، وہی اعمال آجائیگے، وہی عادات آئینگے، وہی حلیہ آئے گا، شیخ سے محبت ہے تو شیخ کی باتیں اندر آئینگی، ہم نے یہاں تک سُنا اور اپنے حضرتؒ کا لکھا ہوا پڑھا، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے محمد عیسیٰ، بی۔ اے کرنے کے بعد باقاعدہ عالم بن گئے، شیخ کو اپنے اندر اس طرح جذب کئے ہوئے تھے، کہ بات کریں تو شیخ کی طرح اور خط کا جواب لکھ دیں تو شیخ کی طرح، اور آخر میں ظاہری شکل بھی شیخ کی طرح ہوگئی تھی، اور ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے، کہ فنافی الشیخ اس کو کہتے ہیں کہ ''شیخ کے صحیح احوال منتقل ہوجائیں''۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگرے

(میں آپ اور تو میں، میں جسم اور تو جان، تاکہ کوئی اب یہ نہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں اور تو اور۔ عاشق نے اپنی مرضی اپنے محبوب کے حوالہ کرکے خود بے اختیار بن گیا۔)

اس طور پر اللہ تبارک و تعالیٰ سے حقیقی محبت ہوجائے، تو صفاتِ خداوند تعالیٰ کا انعکاس بندہ پر ہونے لگتا ہے، یہاں تک کہ بندہ آلہ الٰہی بن جاتا ہے، تفویض تام یعنی سپرد کر دینا رب کو اُس کا حال، اللہ کے تصرفات پر رضا اُس کا مقام اور احکام الٰہی کی ہر حال میں پابندی اُس کا معمول بن جاتا ہے۔

من زجانان زندہ ایم و زجان نیم
من زجان بگزشتم و جانانہ ایم

(میں اگر زندہ ہوں تو اپنی جان سے نہیں بلکہ جانان سے میری زندگی وابستہ ہوگئی

اب میں اپنی جان سے رہا اور محبوب کے ہاتھوں کا تماشا بنا۔)

کہتے ہیں کہ میں اپنے جانان سے زندہ ہوں، اپنی جان سے زندہ نہیں، میں اپنی جان سے نکل گیا۔ اور اپنے جانان کا ہو گیا، آگے تشریح کی اور فرمایا۔

این سماع و ایں بصر آلاتِ اوست
بلکہ ذراتِ تنم مراتِ اوست
چو مرا دیدی خدارا دیدۂ
گرد کعبہ حق صدق گر دیدۂ
گفتنِ من گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
دست و پائم گوش و چشم اوگرفت
من بدر رفتم سرایم اوگرفت

(میرے یہ کان اور آنکھ ان کے قبضہ قدرت میں ہیں بلکہ میرے جسم کے تمام ذرے اس کی قدرت کے آئینہ دار ہیں۔ اب جو تو مجھے دیکھے تو گویا ایک مظہر خداوندی کو دیکھے اور یوں سمجھو کہ کعبۃ اللہ کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ میرا کہنا اپنا بول نہیں رہا بلکہ یہ اللہ کا بول ہے۔ میرے ہاتھ پاؤں کان اور آنکھ اس کے قبضہ میں ہیں، میں تلاشِ حق کے لیے وہاں دروازہ پر گیا تو اُس نے میرے ہوش و حواس سب کچھ اپنے قبضے میں لیے۔)

ان تمام کا حاصل کیا ہے، کہ تم میاں کے محب اور طالب بن کر اُس والے اعمال کو اپنالو، تو رب تم کو اپنا محب بنا دیں گے، اِس دنیا میں اُس کا خلیفہ بن جاؤ گے، اس کو کہتے ہیں۔

صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ میں رنگ جانا) لوگ تو سُرخی پوڈر لگاتے ہیں، اور ہمارے کالج کے بعض طلباء بھی ایسا کرتے ہیں، تو ایک طالب علم آئے، کہا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ اُس نے

کہا'' کہ منہ وغیرہ پھٹ جاتا ہے''۔ میں نے کہا'' کہ منہ پھٹتا نہیں بلکہ چہرہ چمکانا مقصود ہے''۔

محبت اور اللہ تعالیٰ کی عطایا

رب العزت کی عطایا تمہاری طرف متوجہ ہو جائیں گی، جتنا تم رب کی طرف بڑھو گے ،رب اس سے زیادہ تمہاری جانب بڑھیں گے، جیسے کہ حدیث قدسی میں آتا ہے، کہ جب بندہ فرائض اور نوافل کے ذریعے سے میری طرف آتا ہے، تو یہاں تک نزدیک ہو جاتا ہے، کہ میں اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ پکڑتا ہے، پاؤں بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ چلتا ہے، آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے کہ وہ دیکھتا ہے، غرض یہ کہ ہر عضو پر سے رب والے اعمال نکلتے ہیں، وہ اعمال نکلتے ہیں، جن سے رب راضی ہو، تو میاں والے اعمال جس ذات سے آئینگے، میاں اُس میں اپنی ذاتی محبوبیت پیدا کر لینگے، جدھر سے گزرینگے، لوگ کہیں گے کہ میاں والے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے، ولی کی نشانی کیسی ہے ''جب دیکھے تو میاں یاد آجائے''۔

ہائے! میاں والے بن جاؤ، اور کیا کہیں، ایک بات کہیں، تو محبت وہ چیز ٹھہری، جو کہ رب کو نہ صرف تمہارا محبوب ٹھہرائے گی، بلکہ تم اوروں کے محبوب بن جاؤ گے، جدھر سے بھی گزرو گے، تو تمہارے دل سے محبت کی لہریں اُٹھینگی جیسے کہتے ہیں، کہ تاشقند سے سرد لہر اُٹھی ہے جس کی وجہ سے آس پاس کے علاقوں پر سخت ٹھنڈ چھائی ہوئی ہے، تو محبت بھی ایک پورا فن ہے، ایم۔بی۔بی۔ایس کے لیے سترہ سال لگتے ہیں، اور تبلیغی حضرات صرف تین چلوں کا کہتے ہیں، ہائے! تین چلے تو صرف رُخ کے بدل دینے کیلے لگتے ہیں، بس کیا ہے! دل کو میاں کے حوالے کر کے چوھوں، بلیوں کو نکال دو، اور سچ کہتا ہوں کہ اگر ہم رب کے محبوب بن جائیں تو پوری دنیا کو رب نواز دے، کسی کا ہو محبوب اور اس کے گھر میں کچھ اور لوگ بھی محبوب کے ساتھ آجائیں، اب اِسکا دل تو اوروں کو کھلانے کا نہیں لیکن محبوب کے واسطے اُنکو بھی دیں گے کہ یہ اُن کے ہیں ہم جلیس، تو تم ہو جاؤ گے رب کی عطا کے اُترنے کی جگہ اور رب

محبوبوں کو نہ دیں گے تو کیا مغضوبوں کو دیں گے، اب محبوبوں کے مختلف مدارج ہیں، کوئی چھوٹا ہے اور کوئی بڑا، اور جس دن یہ فرمایا جائے گا۔وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ تو رب پر مرنے والے ایک طرف ہوں اور دنیا پر مرنے والے دوسری طرف، محبت کو پیڑا کہتے ہیں، دوائی نہیں کہتے، کہ ڈر لگے، احمد گل صاحب "[1]" آجائے، تو کہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے، لیکن

آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا
ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

یک قصہ بیش نیست غم عشق و ایں عجب
از ہر کہ بشنوم ہنوز نامکرر است

(یہ بھی عجیب بات ہے کہ عشق سوائے ایک قصہ کے اور کچھ نہیں لیکن جس سے سنتے ہیں تکرار نہیں لگتا بلکہ ایک نیا مزہ دے جاتا ہے۔)

کہتے ہیں، کہ ایک بات ہے عشق کا زیادہ قصہ نہیں، لیکن جو بھی سناتا ہے تو نئی طرح سے سناتا ہے، تو رب کی محبت تو ہوتی ہے اور تمہاری محبت بھی ہو تو دونوں جب مل جائیں گی تو روشنی پیدا نہیں ہو گی؟ چقماق سے چقماق ٹکراتی ہے تو روشنی ہو اور یہاں روشنی نہ ہو، عطائے رب ہے عطائے رب، مخلوق کی محبت تو فانی ہو سکتی ہے، لیکن اللہ کی محبت باقی ہے، وہ گھٹتی نہیں بڑھتی رہتی ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں ''سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴿۹۶﴾'' یہاں لفظ ''س'' کو مضارع پر داخل کیا ہے، کہ عنقریب اللہ اُن کی محبت کو بڑھائینگے، شاہی خطاب ہے کہ ''ما بدولت یوں چاہتے ہیں'' تو بھائی! بات یہ ہے کہ انسان یوں چاہے کہ رب کی محبت پیدا ہو جائے، اور ہر وقت اُس کا استحضار ہو، دیکھو پرنسپل آجاتا ہے، تو کھڑے ہو جاتے ہو، لیکن کیا تم دل کی اٹھان سے

---

[1] احمد گل صاحب فائنل ایگریکلچر کے طالب علم ہیں، رائے ونڈ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں، اس لیے تبلیغی مجاہدات سے قدرتاً طبیعت لگتی ہے، اور تبلیغ کی اُصولی باتوں کو پسند کرتے ہیں، اس لیے جو باتیں اور رنگ میں بیان کی جائیں اُن کو پسند نہیں کرتے، چاہے زبان سے کچھ نہ کہیں۔ محمد سراج

کھڑے ہوتے ہو، یا رُعب کی وجہ سے، یہ بھی عزت ہے لیکن کیسی عزت، جاہ والی عزت لیکن جب محبوب آجائے، تو تم نہ بھی اُٹھو، دل تو اُٹھے گا، اسی کو کہتے ہیں محبت

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

آتے ہیں خیالوں میں، نگاہوں میں دلوں میں
پر ہم سے یہ کہتے ہیں کہ ہم پردہ نشین ہیں

محبت کی وجہ سے رب تمہارا محبوب بن جائے ''هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾'' کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ اور ہے؟ اور اگر تم میاں کے دل میں آجاؤ (تو وہ دل سے پاک ہے) تو یہاں ویسے تمہارے دل میں نہیں آئینگے، اپنی پوری صفات کے ساتھ آئینگے، اُس کے عطایا تمہارے ساتھ ہوں گے، اور بعض اوقات جو ظاہر میں تکلیف آئے، تو وہ دراصل تکلیف نہیں ہوگی، بلکہ رب کی عطا ہوتی ہے، حضرت تھانویؒ فرماتے تھے، کہ تم جو کہتے ہو، کہ بعض اہل اللہ پر جو ظاہری حالات آتے ہیں، کیا انکا اثر اُن کے دل پر بھی ہوتا ہے، تو فرماتے ہیں کہ کسی کا ہو محبوب، وہ پیچھے سے آکر اُس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھیں، زور دیں اور اُس کو خبر ہو جائے، کہ یہ محبوب کے ہاتھ ہیں، تو کیا اُس کو کوئی اس کی تکلیف محسوس ہوگی، اُس کو تو اتنا مزہ آئے گا کہ کہے گا کہ دباتا رہے، آنکھیں نکل جائیں لیکن یہ اپنا کام نہ چھوڑ دے، دہلی کی جامع مسجد کے پاس کباب ہوتے تھے، اس کو چٹ پٹے کہتے تھے، اِس میں مرچ اتنی ہوتی تھی، کہ کھاؤ تو آنکھوں سے آنسوں بہنے لگیں، لیکن ساتھ مزہ بھی اتنا آتا تھا کہ انسان کہے کہ بس کھاتا جائے، تو اہل حق کو مصائب پر ایسا مزہ آتا ہے، جیسا کہ ان کباب والوں کو آتا ہے، ظاہراً آہ واہ بھی کریں لیکن دل میں پورا اطمینان ہوتا ہے، کیونکہ وہ ہر مصیبت کو اپنے رب کے حکم کا تابع سمجھتے ہیں، اس کو اپنے محبوب کی طرف سے خیال کرتے ہیں، اور محبوب کی باتوں میں تو لذت ہوتی ہی ہے۔

دنیا میں آخرت کے لیے محنت کی اہمیت

اسلامیہ کالج مسجد (11 دسمبر 1962ء، بعد از نماز مغرب)

میرے عزیزو، بزرگو اور دوستو! زندگی کا چلن اس عالم میں کچھ اِس رُخ پر ہوتا ہے کہ انسان اپنی سوچ اور عقل کے مطابق یوں خیال کرتا ہے، اور کوشش کرتا ہے، کہ میری زندگی زیادہ سے زیادہ سکون اور آرام والی ہو جائے اور نہ صرف میری زندگی بلکہ تعلق رکھنے والوں کی زندگی بھی اچھے رُخ سے گزر جائے، مشکلات ہم پر نہ آئیں، تکالیف ہم کو نہ گھیریں، اب جب انسان اس قدر عقلمند اور ہوشیار ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ میری زندگی میں کسی قسم کی خرابی نہ آئے، بلکہ پھولوں والی زندگی ہو جائے، تو سوچو کہ انسان کتنا عقل مند ہے کہ اس زندگی کے بنانے کی فکر میں ہے جو کہ فانی ہے، پچاس سال رہے، ستر سال رہے، اور ساٹھ ستر تک اوّل تو زندگی پہنچتی نہیں، اور اگر پہنچ بھی جائے، تو خود اپنی زندگی سے بھی تنگ آجائے، تو انسان اتنا بھی نہیں سوچتا کہ اُس زندگی کے متعلق فکر کرلے جو کہ موت کے بعد پیدا ہو جانے والی ہے، اب ہم اماں کے پیٹ سے آئے، یہ تو ڈاکٹر لوگ جانیں کہ وہاں کیا باغ و بہار ہوتی ہے، ہمارے کتنے عزیز و اقارب ہوتے ہیں، لیکن اب وہاں سے جو آئے تو ایسے آئے کہ وہ کہیں کہ عجیب انسان تھا کہ اب رُخ بھی نہیں کرتا، اسی طرح موت کے بعد انسان ختم نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے عالم میں پہنچ جاتا ہے، اب یہ تو ڈاکٹر لوگ جانیں کہ مردہ کس کام کا ہوتا ہے، ہم تو کہتے ہیں[1] کہ جو مردہ (ماں سے) پیدا ہو جائے اس کو کفن بھی نہیں پہنادو، بلکہ ویسے ہی دفن کردو، کیونکہ اُس میں صلاحیت ہی نہیں، تو اس طرح جس کے ساتھ ایمان چلا گیا وہ تو زندگی کے ساتھ چلا گیا، اور جو ایمان کے ساتھ نہیں وہ مردہ ہو گا،

[1] شرعی مسئلے کی طرف اشارہ ہے کہ مردہ بچے کو کفن نہیں پہناتے، بلکہ بغیر کفن اور جنازہ کے دفن کرلیتے ہیں۔

وہاں زندگی ہوگی لیکن زندگی کہلانے کے مستحق نہیں ہوگی۔ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۱۳﴾ نہ تو مرے گا اور نہ ہی زندہ ہوگا۔(کافر) زندگی سے تنگ آجائیں گے۔ کہیں گے "فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا "(سورۃ السجدہ ۳۲: ۱۲) ہمیں اب واپس بھیج دیجئے کہ عمل صالح کرلیں، ہائے! ہمیں تو یہ معلوم ہی نہ تھا، یقین ہی نہ تھا اور اگر یقین تھا تو ذہنی تھا عملی طور پر ہم یوں نہیں مانتے تھے کہ یہاں بھی اِس قسم کی باتیں ہوں گی، دیکھو! ایک شخص ہے کہ کل اس کو پھانسی دی جانے والی ہے، اور آج تم اُس کے لیے خوب مرغ پلاؤ لے جاؤ، تو وہ پلاؤ تو اُس کے لیے زہر ہوگا، حلق سے نہیں اُترے گا، کیوں؟ اس لیے کہ اُسے یقین ہے کہ کل پھانسی پر چڑھنا ہے، آج پلاؤ کھا کے کیا کروں۔

ہائے دوستو! ہم میں وہ یقین نہیں پیدا ہوا، ایمان رب کے ہاں وہ درست ہے فائدہ دینے والا ہے، جو کہ وہاں عذاب الٰہی سے بچائے، اور دیکھو قرآن مجید میں بار بار آتا ہے کہ "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" اعمال صالحہ کو لازم کر دیا ہے۔ ایمان کے ساتھ، یہ ہو نہیں سکتا کہ ایمان ہو قوی اور پھر اعمال صالحہ میں کمی ہو، خدا کو قادر جانتے ہو، جزا و سزا کا دینے والا جانتے ہو اور پھر گناہ کا کام کرتے ہو، یا یوں کہو کہ اتنا یقین ہے جو کہ فائدہ دینے والا نہیں۔

دیکھو دوستو! ہم نے اپنی زندگی کی قدر نہیں کی، اس کا ایک ایک پل اور ایک ایک ساعت اتنی قیمتی ہے، کہ جب موت کا وقت آجاتا ہے نہ بی۔اے کی ڈگری مانگتے ہیں، نہ بال بچوں کی فکر ہوتی ہے اور نہ کسی اور چیز کی بلکہ یوں کہتے ہیں کہ "لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ" کاش! تھوڑا سا وقت دے دیا جائے، زیادہ بھی نہیں، کیا فٹ بال کا کھیل کھیلنے کے لیے مانگتے ہیں، نہیں بلکہ اِس لیے کہ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ میں یقین کرنے والوں میں سے ہو جاؤں، اور پھر اس کے نتیجے کے طور پر عمل صالحہ کرنے والا بن

جاؤں۔ دیکھو! ہماری ہر سانس کا لاشہ آخرت میں جاتا ہے، کوئی Credit اور کوئی Debt لاتا ہے، اور آپ یوں کہیں گے، کہ ہم تو اِس دنیا میں رہتے ہیں، تو ہم یوں کہیں کہ رہو، لیکن جب قیامت آجائے، اور دنیا ہی نہ رہے تو پھر کیا کرو گے، انسان ہے بہت بیوقوف، فانی پر محنت کرتا ہے اور باقی کو نہیں جانتا، تو انبیاء علیہم السلام آتے ہیں، اور یہ نہیں کہتے کہ یوں کرو، اور یوں کرو کہ سونے کے محلات بن جائیں، بلکہ یوں دعوت دیتے ہیں، کہ اللہ پر ایمان لے آؤ، پورے قرآن کو الحمد سے والناس تک پڑھو، کسی جگہ بھی بالذات دعوت الی الدنیا کی تلقین نہیں ملیگی، بلکہ یوں کہا کہ اللہ پر یقین لے آؤ، تم مجھے دیکھتے ہو اور میں یوں کہوں کہ میں موجود نہیں ہوں، تو آپ یوں کہیں گے کہ تو پگلا ہے ہم تجھے دیکھتے ہیں، تو پھر تو کیسے نظر نہ آئے، تو انبیاء علیہم السلام اُن حقائق کو کھولتے ہیں، جو کہ اہل دنیا کو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتے، اللہ کا یقین، فرشتوں کا یقین، یومِ آخرت کا یقین پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ اِن کے نتیجے کے طور پر اعمال صالحہ ظاہر ہونے لگیں، دیکھو! تم اِس سردی کے موسم میں آگ کو پسند کرتے ہو، لیکن اپنے ہاتھوں کو اس کے اوپر رکھتے ہو، آگ کو ہاتھ کے اوپر نہیں رکھتے، جب یہ نہیں کرسکتے تو پھر گناہوں کو اللہ پر یقین آجانے کے بعد کیسے کرسکتے ہو؟ جہنم کی آگ کو کیسے برداشت کرسکتے ہو، اپنی نگاہ کو غلط جگہوں پر استعمال کرکے جہنم کی آگ کے طالب کیوں بنتے ہو، اور اپنے قویٰ کو باطل میں لگا کر محاورہ قرآنی کے مطابق ''فَمَآ اَصۡبَرَهُمۡ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾'' دوزخ کی آگ پر صبر کرنے کی جرات کیوں کرتے ہو؟ اور اِسی طرح جہنم کے ٹھیکیدار کیوں بنتے ہو؟

دیکھو! میری قبر میں آپ میں کوئی نہیں چلا جائے گا، حشر بھی میرا ہو گا، اور صراط پر چلنا ہو تو مجھے ہی چلنا ہو گا، کوئی دوسرا تو مجھے حلول نہیں کرے گا، تو پھر اپنی آخرت کو سنوارنے کے لیے فکر آخرت کیوں نہیں؟

اچھا یہ تو بتاؤ کہ آپ میں سے کمانے والے کتنے ہیں؟ ایک بھی نہیں۔ تو محنت آپ

اس لیے کرتے ہیں، کہ بعد میں ملازم ہو کر کمانے کے قابل بن جاؤ۔ ابھی تم کو ازار باندھنا نہیں آتا تھا، کہ سکول میں داخل ہوگئے، اور یہ اس لیے کہ دنیا کی قلیل زندگی آرام سے گزرے، تو ہم یوں کہیں کہ جب تم اپنی زندگی کا کثیر حصہ اِس دنیا کی معمولی زندگی کے آرام کے حاصل کرنے کے لیے گزارتے ہو، کہ اگر اس کی نسبت آخرت کے صرف ایک دن کے ساتھ لگالو اور قبر کی زندگی کو چھوڑو، اور ابد الاباد کی زندگی کو بھی چھوڑو، تو پھر بھی کوئی نسبت نہیں بن سکتی، اور اگر آپ کہیں، کہ معاف کرو، ہم سب نابالغ ہیں، حساب کتاب جاری نہیں ہوتا، تو مجھے تو سب اِس وقت جوان نظر آتے ہیں، تو دیکھو! جوانی کے ڈبل پرچے ہوں گے، اس کے متعلق علیحدہ پوچھ ہوگی، کہ تم نے جوانی کہاں گزاری، اور اگر یہ کہو کہ جب بوڑھے ہوجائیں تو پھر نیک ہوجائیں گے۔ جیسے [1] میری طرح سات سو چوہے کھائے پھر حج کو چلے گئے، تو یہ لا الٰہ کا مطلب نہیں، لا الٰہ ایسا نہیں کہ ہم اپنی چاہت پر چلیں، اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے؟ کہ اپنی چاہت والی زندگی چھوڑ کر رب کی چاہت والی زندگی گزاریں گے دیکھو! جس طرح آگ اور پانی اکھٹا نہیں ہوسکتے، اسی طرح خیر اور شر اکھٹا نہیں ہوسکتے۔ ''لَآ اِلٰہَ'' کا کہنا کیا ہے بلکہ اپنی خواہشات پر چُھری پھیرنی ہے، اپنی خواہشات والی زندگی گزارنا نہیں بلکہ رب والی زندگی گزارنے کا وعدہ ہے۔

دیکھو! تم جب رات کو سوتے ہو، تو سوچو، میں نے ایک گھڑی باندھی ہے، جو میری نہیں بلکہ کسی اور کی ہے [2]، تو اُس میں تاریخ بھی ہے، تو جب میں صبح اُٹھ کر دیکھتا ہوں، تو تاریخ خود بخود بدلی ہوئی ہوتی ہے، تو میں یوں کہتا ہوں، کہ میری زندگی کا ایک دن اور بھی گھٹا، جیسے برف پگھلتی ہے، اِسی طرح ہماری زندگی ہے، تو رات کو سوتے ہوئے یہ سوچ کر لیا کرو، کہ

---

[1] ان دنوں مولانا صاحب کا حج کا ارادہ تھا، یہ غالباً اُس کی طرف اشارہ ہے۔

[2] یہ گھڑی مولانا صاحب کے پیارے غضنفر صاحب کی تھی جو کہ اُس نے عاریتاً مولانا صاحب کو دی تھی، اور مولانا صاحب کی گھڑی اپنے پاس رکھی تھی، بعد میں مجھے پتہ نہیں چلا، کہ بدل دی گئی یا نہیں۔

رات کے بارہ گھنٹے گزر گئے اِس میں ہم نے رب کا کتنا کام کیا، اور خواہش نفس کا کتنا، محاسبہ کرو، وہ حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے ''حاسبوا قبل ان تحاسبوا'' دیکھو! تم یہاں کالج میں آئے ہو، عیش میں رہ رہے ہو، عالیشان عمارتیں ہیں، اور مجھ جیسوں کو یہاں جیسی خوشیاں اپنے گھر میں بھی میسر نہیں، لیکن کیا تم یہاں کو اپنا گھر سمجھتے ہو، کیا تم اِس میں ایسے خوش ہو، جیسے کہ اپنے گھر میں وہ کسی کا قول ہے:

یاد داری بوقت زادن تو
ہمہ خندان بوند و تُو گریان
آن چنان زہ کہ بوقت مردن تو
ہمہ گریاں بوند تُو خندان

(شاید تجھے یاد ہو کہ پیدائش کے وقت سب لوگ خوش اور تو روتا تھا، اب اس طرح زندگی بسر کر کہ جاتے وقت تمام لوگ تو روتے رہیں اور تو ہنسی خوشی دنیا کو چھوڑ رہا ہو۔)

وہ اقبال کہتا ہے:

نشانِ مردِ مؤمن باتو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب ادست

(مؤمن کی نشانی اگر تجھے بتاؤں تو یہ ہے کہ موت کے وقت اسے پریشانی کے بجائے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔)

وہ ایک فرعون تھا، ایک پگلا انسان، جب پانی میں ڈبکیاں لیں، تو کہا ''اٰمنتُ کما اٰمنتُ بہٖ بنو اسرائیل'' اب تک اُس کی نگاہ ظاہر پر تھی، جب دیکھا کہ بنی اسرائیل کے خدا نے اُنکو بچایا، تو اُس نے بھی یوں کہا، کہ میں اُس خدا پر ایمان لے آیا جس پر کہ بنی اسرائیل ایمان لا چکے ہیں، تو رب نے پہلے تو یوں کہا ''آلٰئن'' کہ ''اب'' لیکن پھر بھی اُس کے ظاہری عقیدے کی بناء پر اُس کی ظاہری صورت بچالی۔

دیکھو! یہ بات ہے ذرا کڑوی اور سچ بات ہمیشہ کڑوی ہوتی ہے، کہ تم سب کے سب ایک نہ ایک دن مر جاؤگے، تو قبل اس کے کہ موت کی آغوش میں چلے جاؤ، کچھ وقت اللہ کے دین کے لیے فارغ کرلو، دیکھو! یہ تبلیغ جو ہوتی ہے، وہ اپنے اندر بات کے اُتارنے کی کوشش کرتے ہیں، آئینہ کبھی دیکھا ہے، اس کو آپ جب اُٹھاتے ہیں، تو کیا آئینے کو دیکھنا چاہتے ہیں، بلکہ اِس میں تو آپ اپنا چہرۂ اقدس دیکھنا چاہتے ہیں، گو آئینے کو ظاہری طور پر اُٹھا بھی لیتے ہو، اِسی طرح چابڑی والا ہوتا ہے، کہ گھر گھر پھرتا ہے، تو آپ تو کہیں کہ بہت اچھا آدمی ہے کہ یہاں بھی ہمارے لیے تشریف لے آئے، لیکن وہ تمہارے لیے نہیں پھرتے، بلکہ یوں خیال ہوتا ہے کہ دوکان پر تو نہیں آتے، اب گھر میں کچھ لینگے، تو یہ تبلیغ والے جو مارے مارے پھرتے ہیں، قریہ بقریہ اور کوچہ بکوچہ

عشق خانہ خراب کے مارے
دربدر شہریار پھرتے ہیں

ایسے نہیں پھرتے، بلکہ اُن کی اپنی کمیشن لگی ہوتی ہے، اگر تمہارے ذریعے ایک خان نماز پر قائم ہوگئے، تو اُس نے پڑھی ایک نماز اور تم کو ملے ثواب دس نمازوں کا یہ زندگی ہے کمانے کا موقع ہے، اب بانسری بجالو گے، تو پھر آخرت میں یاد کرتے رہوگے، کہ دیکھو ایک پگلا آیا تھا، لیکن ہم نے اُن کی بات کو نہیں مانا۔

دیکھو! لائف انشورنس والوں کو تو جانتے ہو، تو ان بیمہ والوں کا ایک ایجنٹ تھا، اور ان کو کمیشن ملتی ہے، تو اب ایک ایجنٹ صاحب تھے، وہ ایک وکیل صاحب کے پاس آتے تھے جو اوپر بالاخانے میں رہتے تھے، تو یہ وکیل ہوتے ہیں بہت ہوشیار، روز ٹالتے تھے، تو ایک دن وہ غصے میں تھے، کہیں مقدمہ ہار گئے تھے، وہ آپ کی زبان میں مُوڈ (Mood) میں نہیں تھے کہ یہ صاحب پھر چڑھ آئے، تو ماری ایک لات اور دے دیا ایک دھکا، تو یہ سیڑھیوں سے

نیچے لڑھک کر آگئے، لیکن وہ بھی تھے احمد گل کی طرح پھر چڑھ گئے اور کہا کہ اب تو لے لو، تو اے اللہ کے بندو! تم اِس اخروی کمیشن کو کیوں نہیں چاہتے۔ دیکھو! ایک فرض نماز کی فضیلت تمہیں اپنے نفل سے نہیں مل سکتی ہے، کیونکہ نفل تو فرض کے برابر نہیں ہو سکتا، اور فرض کا وقت جو آئے تو وہ تو تم پر خود فرض ہوتا ہے، اِسی طرح رمضان کا ثواب لے لو، کہ جب رمضان کا مہینہ آئے تو وہ تو پھر فرض ہوتا ہے، تو اب اگر ایک آدمی کو نماز کی دعوت دی، یا رمضان کے روزہ رکھنے کا کہا، اور اُس نے آپ کے کہنے سے نماز شروع کی یا رمضان کے روزے رکھنے شروع کیے، تو اپنا ثواب بھی لے لیا، اور اُن کا بھی شامل کیا۔

دیکھو! انبیاء علیہم السلام نے یہ کام کیا، اگر اِس سے کوئی بڑھیا کام ہوتا تو وہ اُس کو کیوں نہ کرتے، دین کے کام کو کروگے تو دنیا اور آخرت میں اطمینان سے رہوگے، آرام کی زندگی گزاروگے، دیکھو جس طرح ایک غیرت مند شخص یہ گوارا نہیں کرتے، کہ اُس کے دوست مشکل میں ہوں تو اللہ تعالیٰ تو تمام سے زیادہ غیرتمند ہیں، اس کے دین کے کام کروگے، تو یہاں بھی پھول کی طرح رکھے گا اور وہاں بھی مزے میں رہوگے، اپنی عمر میں اللہ کے دین کی ترویج اور تبلیغ کے لیے صرف چار مہینے دو، اور اس کو بڑا خیال نہ کرو، دیکھو! ماں کا دودھ دو سال پیا تھا، ہم نے تو پیا لیکن آپکا نہیں جانتے، آپ تو شرماتے ہوں گے، اور ہم کو سچ بات میں شرم نہ آئے، عصر کے وقت ہی ایک کہتے تھے، کہ تم بعض مثالیں دیتے ہو، اور یہ ہیں سرحد کے غیرتمند، یہ خفا ہوتے ہیں، ہمیں تو سمجھانا ہوتا ہے تو شرمائیں کیوں؟ ہم نے دو سال تو دودھ پیا لیکن پھر کہتے ہیں کہ اماں بیمار تھی اس لیے دائی کا دودھ پیا۔ لیکن پھر بھی یاد نہیں کہ اپنی ماں کا پیا یا دوسرے کا تو جب عمر ایسی تیزی سے گزرتی ہے، کہ پھر دو سال کا عرصہ یاد بھی نہیں رہتا، تو پھر اللہ کے راستے میں تین چلوں کا گزارنا کونسی بڑی بات ہے۔

اور اگر یہ کہتے ہو، کہ اب تو ٹیسٹوں (Tests) کے نمبر کاٹتے ہیں، تو چھٹیوں میں دے دو،

باسی روٹی دو اگر تازی نہیں دیتے ہو۔

دیکھو! نکلو اللہ کی راہ میں نکلو اور سچ کہوں میں جو پہلے نکلا، تو سچے دل سے نہیں نکلا تھا لیکن اِس خیال سے کہ یہ پگلے جو ہر وقت کہتے ہیں کہ نکل جاؤ، تو اِس میں ہوتا ہے کیا؟ اب اگر تم کو سائیکل چلانے کا خیال ہے، اور کوئی یوں کہے کہ ایسے ایسے پاؤں کرو، اور ایسے بیلنس (توازن۔Balance) قائم کرو، تو کیا یہ سننے سے تم سائیکل سیکھ جاؤ گے، او بھائی! جب ایک دو چوٹ نہ کھاؤ، تو سائیکل چلانی کب آئے، تو جب سائیکل چلانی صرف سننے سے نہیں آتی، تو کیا دین کا کام ایسے ہی آجائے، اور اس کے لیے رنج، محنت اٹھانی نہ پڑے، مجاہدہ کرنا نہ پڑے۔

[نوٹ: یہاں پر مولانا صاحبؒ نے بیان فرمایا: کہ ایران میں شیعوں نے صحیح راستہ بتانے کی بجائے قبرستان پہنچادیا۔ اور پھر وہاں پر ہمیں معروف کرخیؒ ایک مشہور بزرگ کا قبرستان نظر آیا۔]

دُنیا میں مصروفیت کا عذاب

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (12 ستمبر 1962ء، بعد از نماز عصر)

مصروفیت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک ہے ہماری مصروفیت جو گائے، بھینس، تجارت اور دوکان میں ہوتی ہے، اور اگر بہت ترقی کر جائے تو چاند و سورج تک پہنچ جاتی ہے، اور ایک مصروفیت ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام کی، اُن کی مصروفیت ہماری مصروفیت کی طرح نہیں ہوتی بلکہ اُن کی مصروفیت میاں والی مصروفیت ہوتی ہے۔

بہت پُر کیف ہوتی ہے میری خلوت کی خاموشی
بہت مصروف رکھتا ہے دلِ باماجرا میرا

تو مصروفیت کیا ہوئی، تھوڑی سی بات ہے، یہ نہیں کہ ہم تم کو بیکار بناتے ہیں، مصروف رکھنا نہیں چاہتے مصروف تو وہ بھی رکھنا چاہیں اور یہ بھی لیکن ہم چاہیں کہ میاں میں مصروف ہو جائیں، اور وہ کہیں کہ خس و خاشاک میں۔

مُشتِ خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

(مٹھی بھر خاک یعنی عشق کی وجہ اور برکت سے آسمانوں تک پہنچا، پہاڑ تک اس کی وجہ سے رقص کر کے چالاکی دکھانے لگے۔)

تو وہی گھڑی جو تم مخلوق کے ساتھ مصروفیت میں گزارنا چاہو، اگر اللہ میاں کے ساتھ مصروفیت میں صرف ہو جائے، تو سونا تو کچھ بھی نہیں کندن بن جاؤ گے، تو آجکل مصروفیتیں بہت بڑھ گئیں، اور کوئی شخص بیک وقت دو چیزوں میں مشغول رہ نہیں سکتا، اور ہم رہتے ہیں اکثر اوقات چیزوں میں مشغول، تو یہی وجہ ہے کہ ہمیں خدا سے غفلت پیدا

ہو گئی، تو حالت یہ ہو گئی ہے کہ اب اللہ کی یاد کے لیے وقت نکالتے ہیں، اور پہلے لوگ اللہ کی یاد سے دنیا کی ضروریات کے لیے وقت نکالتے تھے، جیسے کہ رفع حاجت کے لیے ہمیں کچھ وقت نکالنا پڑتا ہے، تو ہم میں اور اُن میں صرف اتنا فرق ہے کہ ہم دنیا میں سے نکل کر کوشش کرتے ہیں کہ رب کے لیے فارغ ہو جائیں، ہم جب نماز کے لیے اُٹھتے ہیں، تو اُس وقت بھی فارغ نہیں ہوتے، بلکہ کبھی فٹ بال کا سوچتے ہیں کبھی والی بال کا، کبھی ہاکی کا اور کبھی کرکٹ کا اور کبھی کیا اور کبھی کیا، اور وہ اگر کھانے میں بھی ہوں تو میاں کا سوچیں۔ تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یہ بتاتے ہیں کہ ہم مصروف رہیں لیکن میاں کے ساتھ مخلوق کے ساتھ ضمنی تعلق ہو، ہم رب کے چاہنے والے ہوں، اور اِس چاہت کے نتیجے کے طور پر رب جس کو چاہنے کا کہیں، اُس کو چاہیں اور جس کو نہ کہیں اُس کو نہ چاہیں، تو فرمایا: ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾“ میں نے جن اور انس کو نہیں پیدا کیا مگر اپنی عبادت کے لیے، اور عبادت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی باتوں کا دھیان رکھنا، تو انبیاء علیہم السلام کی دعوت دل کے بدل جانے کے لیے ہوتی ہے، وہ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ میاں کی محبت دل میں آجائے، بس ایک میاں ہو اور اُس کی محبت ہمارے دل میں اُتر چکی ہو، اور اُس کی خشیت جاگزین ہو چکی ہو، اور خشیت کسے کہتے ہیں؟ ڈر کو اور ڈر کیسا؟ وہ ہوّے والا ڈر نہیں بلکہ محبوب والا ڈر کہ کہیں ناراض نہ ہو جائے، اب کسی کا محبوب ہو تو وہ اس کو ناراض کرتا ہے؟ تو بس یہی کیفیت ہو جائے کہ ہر وقت ایک دغدغہ کی کیفیت پیدا ہو، کہ میرا یہ ہر لمحہ اللہ سے ملانے والا ہو، جدا کرنے والا نہ ہو، دیکھو! اس بجلی کا کنکشن اگر ذرا بھی ٹوٹ جائے، تو روشنی نہیں رہتی، اِسی طرح ”اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ اللہ جو کہ آسمانوں اور زمینوں کے نُور ہیں، تو اس کو چھوڑ کر روشنی کیسے باقی رہ سکتی ہے؟ پھر تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے، تو بس یوں وعدہ کرو، کہ اللہ ہی کے ہو جائیں، اور اپنی طاقت کی بہ نسبت اُس کی مرضی والے اعمال کرو،

حضرت یوسفؑ مصر کے بازار میں بِک رہے تھے، اب یوسفؑ کے خریدنے کے لیے کون نہ جائے، سب کہیں کہ میں لے لوں، تو ایک تھی بڑھیا وہ بھی اپنا سوت ٹوکری میں ڈال کر چلدی، کسی نے پوچھا ”کہاں جارہی ہو“۔ کہنے لگی کہ حضرت یوسفؑ کو خریدنے جارہی ہوں۔ اُس نے کہا ”او پگلی! جس کی خریدار ملکہ وقت ہو، تو تُو بڑھیا تجھ جیسی غریب کی کیسے چلے؟“ بڑھیا نے جواب دیا کہ ”ملے یا نہ ملے، یہ تو ہو گا کہ خریداری میں تو ہو جاؤں“۔

ہمیں بس است کہ داند ماہ روئے
کہ من نیز از خریدارانِ اویم

دیکھو! میاں کے در سے کوئی محروم رہتا ہے، بہت ساری لگنیں لگائی ہوں گی، لیکن ہر ایک وقت کے گزرنے پر زائل ہو جاتی ہے، ایک اللہ کی لگن ہے جو کہ اِس دنیا میں بھی رہے، قبر میں بھی رہے، حشر میں بھی رہے اور ابد الاباد تک کی زندگی میں رہے، اُس شکور کو لے لو۔ شکور[1] کے معنی ہے قدردان، حدیث میں آتا ہے کہ کوئی ایک قدم آجائے تو وہ دو قدم آتے ہیں، وہاں تو بات یہ ہے کہ

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دِکھلا دیں کسے رہ رو منزل ہی نہیں

کس لیے ہم چاہیں، اس لیے کہ رب چاہتے ہیں کہ مجھے چاہو تو ہم اُس کو چاہیں۔

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کے لیے میں خدا چاہتا ہوں

اِس دنیا کے بازار میں رہو لیکن بازار میں نہ پھنسو، وہ حدیث میں آتا ہے: ”کُن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل“۔ (البخاری)

---

[1] عبد الشکور کے نام پر، مولانا صاحب کی یہ عادت ہے کہ اکثر نئے ساتھیوں کے لحاظ کے لیے اُن کے نام کا نیک تفادل کر لیتے ہیں، تاکہ اُن کو اجنبیت محسوس نہ ہو۔

دنیا میں ایسے رہو گویا کہ تو غریب الوطن ہے یا راہ چلتا مسافر، ہمارے حضرتؒ کہتے تھے کہ دنیا سے علیحدہ ہونا مطلوب نہیں، بلکہ دنیا کو دل سے نکالنا مطلوب ہے، مولانا رومؒ نے ایک مثال دی ہے، کہ دیکھو کشتی کو چلانا چاہتے ہو، تو خشکی پر کشتی نہیں چلتی، پانی میں چلانی ہوتی ہے، تو اب اگر تم کہو کہ ہزاروں من پانی اس کے نیچے چلتا ہے، تو چلو سو من اس کے اندر بھی لے آئیں، تو کشتی ڈوبے گی، یا چلے گی، تو مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

آب زیر کشتی بہر پشتی است
آب در کشتی ہلاک کشتی است

(پانی اگر کشتی کے نیچے ہو تو اس کی طاقت اور سلامتی کا باعث بن جاتی ہے لیکن اگر اندر آجائے تو کشتی کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو جاتا ہے۔)

اسی طرح دنیا کو اللہ کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا منع ہے، احکام الہیہ کی پابندی کے ساتھ زندگی کو گزارو تو منع نہیں لیکن دل میں دنیا نہ ہو، ہاتھ میں ہو۔

نبی کے الفاظ بڑے گہرے ہوتے ہیں، اور نبی کا کمال یہ ہوتا ہے کہ اس کے الفاظ سے ادنیٰ سے ادنیٰ اور جاہل سے جاہل اپنی صلاحیت کے مطابق فائدہ اُٹھاتا ہے، اوروں کے کلام میں یہ بات نہیں، اب تم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی سے محبت کرتا ہے، کوئی چوہے سے کرے، کوئی بلی سے کوئی کُتے سے، لیکن پھر جس سے پوچھو، تو وہ تشریح الگ کرے۔

دیکھو! انسان کو سردی لگے، تو کیا کرے؟ آگ کے پاس جائے اور گرمی ہو تو پنکھے کے پاس پہنچے۔ مطلب یہ کہ مختلف حالات میں انسان پر مختلف احوال طاری ہوتے ہیں، ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں، اور ہر ضرورت کے پورا کرنے کا طریقہ جدا ہوتا ہے، ہم اپنی تمام دنیاوی ضروریات کو دنیاوی طریقوں سے پورا کرتے ہیں، لیکن ہماری ایک ضرورت اور بھی ہے، وہ ہے ''طمانیت قلب'' جس کو پورا کرنے کی ہمیں سمجھ ہی نہیں۔ دل تو یوں کٹ کٹ

کرے، لیکن ہمیں پتہ نہیں کہ یہ کیا چاہتا ہے؟ اس کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس ضرورت کے پورا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ ہر ایک طمانیت کو چاہتا ہے، سکون چاہتا ہے، تو گویا یہ طمانیت کی طلب ایک سوالیہ فقرہ ہے، اور دیکھو تمہارے دل بھی؟ (سوالیہ نشان) کی طرح ہوتے ہیں، تو تمہارا دل بھی ایک راحت چاہتا ہے، اور تم کبھی اس کو لڈو پیڑا کھلاؤ، کبھی بیوی بچوں میں پھنساؤ اور کبھی کیا کرو اور کبھی کیا؟ لیکن چین نصیب نہیں ہوتا، کیونکہ جو چیزیں تم ان کو دینا چاہتے ہو، یا دیتے ہو، وہ چیزیں وہ طلب کرتا ہی نہیں، تو پھر اِنکے ملنے سے سکون کیسے آجائے، راحت کیسے ملے؟ خبردار! دلوں کی راحت صرف ایک اللہ کی یاد سے ہوتی ہے، اماں کی گود میں آرام ہوتا ہے، جانتے ہو اماں، یہ بھی خدا کا بڑا احسان ہے، کہ ہم کو بغیر اماں کے پیدا نہیں کیا، حضرت آدمؑ کو ماں اور باپ کے بغیر پیدا کیا اور حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا، اور خدا کا شکر ہے کہ ہم کو اماں اور باپ دونوں کے ساتھ پیدا کیا۔

تو دل کو اطمینان دینے کے لیے، طمانیت قلب حاصل کرنے کے لیے ارادہ کرو کہ اللہ کے ساتھ تعلق پیدا ہو جائے۔

طلب صادق اور اہل اللہ کی صحبت کا اثر

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش(11دسمبر1962ء)

آخرت میں تعلق مع اللہ پر جو ملے گا، وہ تو یقینی ہے، اور ملکر رہے گا، لیکن اِس دنیا میں جو ملتا ہے، اور عطایا کو چھوڑ دینا، صرف دل کی کیفیت اور دل کی حالت جو کہ رب کے تعلق سے سکون اور چین پاتی ہے، دنیا و مافیہا کی تمام دولتیں خرچ کر دی جائیں، اور غیر اللہ والی تمام نعمتیں اکھٹی کر دی جائیں، تو ایک لمحہ جو کہ دھیانِ حق میں گزر تا جائے اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔

اطمینانِ قلبی اور ذکر

اللہ کے نام میں جو لذت ہے، اور اللہ کے تعلق میں جو کیفیت ہے، الفاظ اور غیر الٰہی چیزیں اُس کیف کو بیان نہیں کر سکتیں۔

بعد از سی سال ایں نکتہ محقق شد باخاقانی
کہ یک لحظہ با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

(تیس سال کی محنت اور مشقت کے بعد خاقانی پر یہ نکتہ کھل گیا کہ اللہ کی معیت کا ایک لحظہ سلیمان علیہ السلام کی ملک سے بہتر ہے۔)

ہمارے حضرت تھانویؒ کا ملفوظ ہے، اگر اہل دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان فقراء کے دلوں میں کیا ہے، تو اُن پر لشکر لیکر چڑھائی کر لیں، لیکن میں عرض کر دوں چڑھائی سے تو یہ نعمت ہاتھ آتی نہیں یہ تو بس غیر کو مٹا دینے، رب کو مقصد بنا کر، ہر ایک سے منقطع ہو کر اُس پر اپنے ظاہر و باطن کو جما لینے سے یہ کیفیت و حال نصیب ہوتی ہے، اگر حضور و تعلق مع اللہ کی ایک لمحہ کے لیے بھی صحیح رُخ سے یہ کیفیت نصیب ہو جائے، تو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اِس کیفیت کو اپنانے کے لیے کہنے والوں نے کہا:

حاصل رہے ہر وقت میں کیفیت حضوری کی
آ دل میں مرے بس جا اے صورت جانانہ

دِلوں کا چین، باطن کا سرور محض ذاتِ حق سے قائم ہے، ارے، رب کو چھوڑ کر بھی کہیں چین میسر آسکتا ہے، وہ جس کے نام سے قرار ہے، جس کے ذکر میں طمانیت اُس کی صفات کے دھیان میں اور اُس کی ذات کے تعلق میں کیا کچھ نہیں ہو گا، دلوں کا سرمایہ اور سینوں کا نُور اسی کی یاد و دھیان سے قائم اور باقی ہے، اور یہ اُس کے ذکر کے متعلق کہا گیا: ''الا بذکر الله تطمئن القلوب'' جب اسم میں طمانیت ہے، مسمی میں کیا کچھ نہیں ہو گا، ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ اسم میں جاذبیت مسمی ہی کے اثر سے آتی ہے۔

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ذکر میں تاثیر دور جام ہے

شراب میں وہ مستی نہیں، پھول میں وہ بُو نہیں، اور کسی چیز میں وہ کیفیت نہیں، جو ہمارے میاں کے نام سے ہے۔

یاد کر بس یاد کر ، بس یاد کر

ذکر سے مذکور کی طرف توجہ ہو جاتی ہے، اور اسم سے مسمی کا دھیان جم جاتا ہے، موسمبی کبھی کھائی ہے؟ موسمبی کے نام میں مزہ نہیں اُس کے کھانے میں مزہ ہے۔

لیکن رب کے نام میں بھی لذت اور اُس کے دھیان میں بھی کیفیت، لیکن عشاق کے لیے نہ لذت مقصود، نہ کیفیت مطلوب، بس انہیں تو وہی چاہیئے، جو کہ اُن کے دل کا قرار ہو۔ اُس کی رضا حاصل زندگی ہے، اور اُس کا دھیان سرمائیہ حیات ہے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازد غیر او تمنائے

(فراق اور وصال کی کوئی حقیقت نہیں اصل میں دوست کی رضا چاہیئے اور وہ شخص انتہائی افسوس کے قابل ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر کا خواہاں ہو۔)

اور

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کے لیے میں خدا چاہتا ہوں

ہائے! وہ ملا تو سب ملا اور اُس سے نگاہ ہٹ گئی تو زندگی ختم ہوگئی۔ سید عبد القادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے:

روشن از عکس جمالت عالم امکانِ ماست
یک نگاہِ نازِ جانان قیمتِ ایمانِ ماست

(میری دنیا اس کے جمال سے روشن ہے اور اللہ کی خوشنودی والا ایک نظر میرے پورے ایمان کی قیمت ہے۔)

لوگ سرور و چین اسباب میں تلاش کرتے ہیں، حالانکہ غیر اللہ کی آلائش دل کی بے چینی کا اصل سبب ہے، اسباب حقیقت میں سببِ کلفت ہیں، نہ سبب راحت، اسباب جو رب الاسباب سے غافل کر دے، ایسا حجاب ہیں، جس کے ہٹائے بغیر رضائے رب تعالیٰ نصیب نہیں ہوتی، اس لیے بعض صوفیا کا ذوق یہ رہا ہے کہ اسباب سے مشوش ہو جایا کرتے تھے، اور چیزوں کو اکھٹا نہیں کیا کرتے تھے، ہمارے حضرت (سید سلیمان ندویؒ) حضرت تھانویؒ کے متعلق فرماتے تھے کہ ہر سال سردی اور گرمی کے موسم میں ایک ایک، یا دو دو جوڑے (مجھے بھول گیا ہے) رکھتے تھے۔ باقی سب سامان اللہ کے راستے میں دے دیتے تھے۔ لیکن اِس بارے میں اختلافِ مذاق ہو سکتا ہے بشرطیکہ دل چیزوں میں نہ اٹکے اور نہ الجھے، اصل چیزوں کے الجھادے میں سے نکل کر رب کی ذات میں شاغل ہو جانا ہے۔ ارے! اصل حقیقت اور چین تو بس ایک رب کے دھیان میں آتا ہے، جہاں غیر کا گزر تک نہ ہو جائے۔

قربِ بے غیبت نماز عاشقاں
فی صلوٰۃٍ دائمونم آرزوست
می برد بے تابئ دل کو بکو
بردرت صبر و سکونم آرزوست

(عاشقوں کی نماز جو سراسر قربت پر مبنی ہوتی ہے اور غیبت سے خالی۔ یہی میری آرزو ہے کہ مجھے یہی حالت دوام کے ساتھ نماز میں حاصل رہے۔ دِل کی بے قراری مجھے اِدھر اُدھر لیے پھرتی ہے حالانکہ مجھے آپ کے دروازے پر صبر و سکون کی تمنا رہتی ہے۔)

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جانان کئے ہوئے

اللہ کے بندوں کا حال بے ہمہ باہمہ ہوا کرتا ہے، وہ غیر میں رہ کر غیر میں نہیں مشغول ہوا کرتے، وہ چیزوں کو استعمال کر کے چیزوں کے طالب نہیں ہوا کرتے، انکا سرور و سکون بس ایک ذاتِ حق سے ہوا کرتا ہے۔

مصطفی راضی نہ شد، الا بذات

(مصطفیٰ ﷺ کو سوائے ذات حق کے اور کسی چیز سے رضامندی حاصل نہیں ہوتی۔)

اہل اللہ کی صحبت

آؤ رب کا تعلق حاصل کریں، اور اِس تعلق کے لیے بنیاد کے درجے میں اپنی نیتوں کو خالص کر کے رب کے حصول کے لیے ذات کو مقصد گردان کر حضرت محمد ﷺ کے ظاہری و باطنی اتباع کو اختیار کیا جائے، حضور ﷺ کی ذات صرف قول و دعوت سے دین کو منتقل کرنے والی نہ تھی، بلکہ حضور اکرم ﷺ نگاہوں سے دیتے تھے، سینے سے دیتے تھے،

حرکت و سکون سے دیتے تھے، حضور ﷺ کی قاسمیت صرف زبانی دعوت سے منحصر نہیں تھی، بلکہ حضور ﷺ کا ہر قول و عمل ہر حرکت و سکون، ظاہر و باطن کی ہر جنبش و فکر دین کے منتقل کرنے والی تھی، حضور ﷺ کا سینہ پاک اور قلب اقدس ہدایت کا سب سے بڑا گنجینہ تھا۔ جس سے دلوں کی دنیا بدل جایا کرتی تھی، اس لیے اتباع نبوت کے حاصل کرنے کے لیے صرف تقریر و کتاب کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ اہل دل کی صحبت، اُن کی تربیت و نظر اور اُن کے کہنے کے مطابق اپنی زندگی کے رُخ کے بدلنے کی کوشش، اصلاح نفس اپنی اصلاح کے لیے ضروری ہے، بڑوں بڑوں کے تجربے یہی ہیں، کہ نری کتابوں سے اور نرے علوم سے کوئی نہیں بنا، امام غزالیؒ جیسے اور مولانا رومؒ جیسے ہمارے حضرت والاؒ جیسی فقید المثال ہستیاں نرے قلم و کتاب والے دائرے سے نکل کر اہل دل حضرات کی صحبت میں کندن بن گئیں۔

قال را بگزار و مردِ حال شو
پیش مردِ کاملے پامال شو

(ظاہر داری کو چھوڑ کر صاحبِ حال بنو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی مردِ کامل سے اپنا تعلق جوڑو۔)

اور

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازین دیوانہ ساختم خویش را

(عقل کی دُور اندیشی کو خوب جانچ کر یہ فیصلہ کیا کہ شریعت مطہرہ کو اختیار کر کے اس کا دیوانہ بنوں۔)

بزرگوں کی صحبت و نظر، اُن کے دل کی توجہ، دلوں کی زندگی کو پلٹ دیا کرتی ہے۔ دل سے دل، روح سے روح اور نگاہوں سے نگاہیں متاثر ہوتی ہیں اور ہدایت کے سرمائے کو پاتی

ہیں، اس لیے تعلق مع اللہ کے سیدھا راستہ کا یہی حال ہے۔ کہ کسی صاحب دل، متبع شریعت، صاحبِ کمال کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر جو وہ راہ بتائے، شریعت کی پابندی کے ساتھ اُس پر چلتا رہے، انشاء اللہ تعلق مع اللہ کی اِس دنیا میں بھی وہ کیفیت نصیب ہو جائے گی، ''ما لا عین رات، ولا اذن سمعت ولا خطر علٰی قلب بشر''۔(رواہ مسلم والترمذی)جو نہ کسی آنکھوں نے دیکھا، نہ کسی کانوں سے سنا اور نہ کسی کے دل میں اُس کا خیال گزرا ہو۔ اور بقول شیخ جیلیؒ اِس دنیا میں جنت کا مزہ آجائے۔ کسی اہل حال کا شعر ہے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

حقیقت کا حصول

اللہ کے بندوں کے نزدیک خلوت دل کی اُس کیفیت کو کہتے ہیں، جب قلب میں غیر اللہ کا دھیان قطعاً نہ آنے پائے، اور دل کلی طور پر متوجہ بحق ہو جائے، جس کی طرف حضرت ابراہیمؑ کے اس قول میں اشارہ ہوتا ہے: اِنِّیۡ وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۷۹﴾ حنیفیت غیر کو نہ چاہتی ہے، نہ پاتی ہے، اور نہ برداشت کرتی ہے، ایک کی طالب، ایک سے جینے اور مرنے والی اور ایک ہی میں پانے والی ہوتی ہے، جو حنیف ہو گیا، اُس کا دل رب کے لیے فارغ ہو گیا، اور بغیر فراغت قلبی کے رب کا دھیان کامل نصیب نہیں ہوا کرتا، اس لیے کہتے ہیں، دلوں کو محض ایک ذات الٰہیٰ کے لیے فارغ کرو اور اِسی کی طرف اشارہ مسلم کے اِس حدیث میں ہے، جس میں نمازی کی کیفیت کو بتاتے ہوئے کہا گیا ''فرغ قلبہ للّٰہ'' فراغت قلب کیا ہے؟ ایک کا ہو جانا، اور اُسی کے دھیان کا دل میں جم جانا، اور غیر اللہ سے منقطع ہو کر و تبتل الیہ تبتیلا کی حقیقت کا نصیب ہو جانا ہے، ارے! قلب سلیم تو وہی ہے، جس میں نہ غیر بار پائے، نہ جھانکے، نہ دیکھے،

اور جس کا قرار خلیل اللہ کی طرح محض ایک اللہ کی ذات ہو جائے، یہ کیفیت محض اللہ کی عطا اور روحانی اسباب میں ذکرِ الٰہی کے دوام، احکام الٰہی کی پابندی، معاصی کے اجتناب، اتباع شریعت، اور اہلِ دل حضرات کی صحبت و نظر اور فیض سے نصیب ہوتی ہے، اگر کسی کو مل گئی، تو شکر کرے، اور اگر حاصل نہیں تو اس کے حاصل کرنے کے لیے پوری جان کا لگانا سستا سودا ہے۔

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتہ
نرخ بالا کُن کہ ارزانی ہنوز

(اپنی قیمت آپ نے دونوں جہانوں کے برابر رکھی ہے، نرخ کو بڑھائیے کہ یہ آپ کی شان سے بہت ہی کم ہے۔)

جان کی قیمت دیار عشق میں ہے کوئے دوست
اِس نوید جان فزا سے سر وبال دوش ہے
اب تو مے نوشی ہے عین شرع بر فتوائے شیخ
اب فقیہہ شہر وہ ہوگا کہ جو مینوش ہے

طلب صادق

ارے! بس میاں کا دھیان دل میں اُتر جائے، دیکھو! ایک ہوتا ہے سنگترہ اور ایک ہوتا ہے، اس کا رس، جیسے اور چیزوں کا رس ہوتا ہے، تو ذکر کا رس ہے محبت رب، اگر ایک قطرہ بھی محبت رب کا نصیب ہو جائے، تو تمام محبتوں کو تین طلاق دے، بس کیا کرنا چاہئے دلوں کے آبگینے، دلوں کے پیالے خالی کرلو رب کی محبت کے لیے، اُس کی رضا کے لیے۔ ارے! دل دل سے بنتے ہیں، آدمی آدمیوں سے بنتے ہیں، یہ لوہا پتھر نہیں، کہ کوٹنے سے بن جائے، کچھ دلوں کو کھولو، کتاب بند نہیں پڑھی جاتی، کھل کر پڑھی جاتی ہے۔ دل بند ہیں، اس کو کھولو، اس

کے کھُلنے کی چابی اللہ کا ذکر ہے، اللہ کا ذکر اور قرآن میں تدبر ہے، جتنا میاں کو یاد کروگے، میاں خود بخود دل میں آجائے گا، بُلانے کی ضرورت نہیں رہے گی، جیسے اندھیرے کے دور کرنے کے لیے اور روشنی کو لانے کے لیے آوازیں دینے کی ضرورت نہیں رہتی، سوئچ (Switch) دبادو، بتی جلادو، اِسی طرح رب کے دھیان، اُس کی یاد اور اُس کے بتائے پر عمل کرنے سے میاں خود بخود آجائے گا، بس اصل الاصول ایک بات ہے، اصولوں کا اُصول، جڑوں کی جڑ، کہ دل میں طلب صادق اِس طرح بڑھ جائے، گویا اضطراب کی کیفیت پیدا کرے، زبان پکارے یا نہ پُکارے، دل پکارے کہ ہم رب کے لیے ہیں، جب رب کے لیے مضطر ہو جاؤ گے، تو رب خود آجائے، مولانا رومؒ نے ایک مقام پر کہا ہے:

آب کم جو تشنگی آور بدست

تابجوشد آب از بالا و پست

(پانی پانی کم پکارو، تشنگی کو پیدا کرو، تاکہ تیری تشنگی کو دیکھ کر اللہ اوپر نیچے سے پانی کو پیدا کر دے، سب کچھ تشنگی پر ہے۔)

سب طلبِ صادق پر ہے، طالب صادق بن جاؤ، مقصد پر غالب ہو جاؤ گے، طلب صادق نہیں تو کچھ نہیں، مولانا رومؒ ایک دلیل دیتے ہیں:

تانہ گرید طِفل کے جو شد لبن

تانہ گرید ابر کے خندد چمن

اگر بچہ روئے نہیں تو ماں کا دودھ جوش میں نہیں آتا، بچہ جیسے بھی روئے تو ماں اُس کے منہ میں چھاتی دیتی ہے، طلب پیدا کرلیں، تو رب اپنی عطا کی چھاتیاں تمہارے منہ میں دے، تو مولانا آگے فرماتے ہیں کہ عطائے رب کے نتیجے پر ہمارا دل باغ و بہار ہو جائے، دونوں رونا ہوا، لیکن بچے کا رونا ہماری طلب کا رونا ہے اور بادل کا رونا عطا والا رونا ہے، رونا نہیں آئے تو

رونے والوں کی صورت بناؤ، یعنی رب کے عشق کی حقیقت نصیب نہیں، تو وہ صورت بناؤ، کبھی رب صورت پر بھی عطا کرتے ہیں، مجذوب نے ایک شعر لکھا ہے۔

تیرے محبوب کی یا رب شباہت لے کے آیا ہوں
میں صورت لے کے آیا ہوں حقیقت اس کو تو کر لے

تو میں یہ کہہ لوں، کہ حقیقت نہیں تو صورت کو تو بناؤ، ہمارے مکان کے نزدیک ایک چھوٹی بچی رہتی ہے، اس کے بھائی سکول جاتے ہیں، تو کل اُس نے بھائی کا تختہ لے لیا اور بن بیٹھی طالب علم، وہ آتا ہے حضرت موسیٰؑ کے قصے میں، کہ جب فرعون نے جادوگروں کو آپ کے مقابلے کے لیے بُلایا، تو اُنہوں نے جب حضرت موسیٰؑ کو دیکھا، کہ پٹکا باندھا ہوا ہے، تو کہنے لگے، کہ یہ تو مہا جادوگر ہے، اِسکی نقل اُتار لیں، تو امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ رب کو اُن کی یہ ادا پسند آئی، اور اس ادا کے صلے میں ہدایت نصیب کر دی۔

قہر ہو یا مہر ہو جو کچھ بھی ہو
ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

مقابلہ ہوا، اُن کی رسیاں سانپ بن گئیں تھیں اور آپکا عصا اژدھا بن گیا تھا، اژدھا نے جادوگروں کے سانپوں کو نگل لیا، جادوگر چونکہ حقیقت جادو کو جانتے تھے۔ اس لیے اُن پر یہ واضح ہوا کہ موسیٰؑ کا عصا جادو نہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے بہانہ بنایا اور ہدایت کا القا انکے دلوں پر کر لیا، تو اصل بہانہ ادائے محبوب کو اپنانا تھا۔

(گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ کر وہ بجنے لگی تو فرمایا) دیکھو! گھنٹی وہاں بجتی ہے اور بٹن کو یہاں دبایا جاتا ہے، اب ہم کہیں کہ ہوتی ہے وہاں سے لیکن اصل میں ہوتا ہے یہاں سے۔

تکبر سے گریز اور فقر کا اختیار کرنا

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (13 دسمبر 1962ء، بعد از نماز مغرب)

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ”امراء و وزراء کے ملنے دل پر جو سیاہی آتی ہے اُس کے دھونے کے لیے تالاب چاہئیں (اور وہ غریبوں کے دل ہیں)“۔ دیکھو! مال کا جمع کرنا بُرا نہیں۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے پاس کتنا مال تھا، لیکن یہ وہ مال ہے جو کہ رب کے حقوق کے ادائیگی میں حائل نہ بنے، اسی طرح جاہ و منصب ہے، کرسی پر بیٹھ کر کیا ہوتا ہے، ذہن بدل جاتا ہے، ہمارے حضرتؒ نے ایک دفعہ یہ فرمایا ”جس کے دل میں بھی آئے، کہ میں کچھ ہوں تو وہ اللہ کی محبوبیت کے دائرے سے نکل گئے“ اور دلیل میں یہ آیت پڑھی: ”اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ﴿۳۶﴾“ اللہ پسند نہیں کرتے، ہر شیخی خور کو، کیونکہ اس کی وجہ سے ظلمت آتی ہے، اور مال تو ہے ہی ظلمت، اسی طرح ادعائے علم کہ میں ہوں مولوی صاحب میں ہوں علم والا، اس لیے بزرگوں سے نہیں ملتا، لیکن پتہ نہیں کہ علم کی وجہ سے جو ظلمت آتی ہے، وہ باقی ظلمات سے زیادہ ہے، کیونکہ وہ تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور اس نے تو روشنی کو اندھیرے میں تبدیل کیا، اور اس کا علاج یہ ہے۔

خود کو اتنا مٹا کہ تُو نہ رہے
تیری ہستی کی رنگ و بُو نہ رہے
ھُو میں اتنا کمال پیدا کر
کہ بجز ہو کے غیر ھُو نہ رہے

جب اللہ کی عظمت کھلتی ہے، تو اپنے ہیچ ہونے کا یقین مستحضر ہو جاتا ہے، یعنی اپنا کچھ بھی نہ ہونا ایسے نگاہوں میں آجاتا ہے جیسے کہ آنکھوں کے سامنے ہو، ارے اب تو کیا ہے؟

کل تو کیا ہے؟ اور کیا تو نے کیا ہے! سوچا کریں، ہمارے حضرتؒ نے ایک دفعہ فرمایا ''بتاؤں لا اللہ کیا ہے؟ میں کیا اور وہ کیا'' اُس کی اتنی عظیم اور جلیل ذات اور میں ناپاک آدمی، وہ کیا فخر کرے گا، جو کل ایک گندہ قطرہ تھا، اور آج بھی ناپاکی کو لیے ہوئے ہوتا ہے، اور پھر کل ایک بدبودار لاش ہو جائے گا دیکھو! انسان سے جو نکلتا ہے وہ گندہ ہوتا ہے ناپاک ہوتا ہے (جیسے خون اور بول و براز) اور جو ناپاک نہ ہو مثلاً لعاب وغیرہ تو وہ کراہیت والا ہوتا ہے، خون نکلے تو وضو ٹوٹ جائے، یہ بھی اللہ کی پردہ پوشی ہے کہ خوب ناک بنائے اور پردہ ڈھک لیا اگر ہمارے اندر جو ہے وہ ظاہر ہو جائے، ہماری انتڑیاں ظاہر ہو جائیں، اور لٹکی پھریں، ہڈیاں باہر آجائیں تو ہمیں خود اس سے کراہت آئے، کسی کا کوئی عزیز ہو، اور وہ میڈیکل والوں کے ہاتھ لگ جائے تو اس کا کیا حال ہو، یہ تو ایک حال ہے اور پھر دوسری کہ ہم کس میں خیر و خوبی کو دیکھیں، علم ہے، جاہ ہے، مال ہے، فن ہے، ہنر ہے، تو اِن میں سے کوئی بھی چیز کسی کی ذاتی نہیں، اگر میں اس کے کوٹ پر فخر کرلوں، اور یہ اپنے نہ ہوتے اور غیر ہوتے اور میں کہوں کہ کتنا خوبصورت کوٹ ہے تو اِس پر فخر کیا ہے، یہ تو دوسرے کا ہے، تو یہ سب جو ہے غیر کا مال ہے، تو اللہ پاک نے یہ بات واضح فرمائی: ''وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ'' اللہ ہیں غنی اور تم ہو فقیر، اس لیے یہ فقراء کہتے ہیں، کہ انسان کا یہ حال بن جائے کہ ہر آن اُس پر اپنا محتاج پنا اور ہر آن اپنا کچھ بھی نہ ہونا کھل جائے، اور ہر آن اپنے کو اس کی عطا سے لینے والا بنائے، کیونکہ فقیر کا کام ہی یہی ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہر چیز کو خدا سے سمجھو، اپنا نہ سمجھو اور دیکھو قرآن کی پہلی آیت ہے، ''الحمد للہ'' سب میاں کا ہے، اور جب سب میاں کا ہے، تو پھر فخر کس بات پر ہمارے حضرتؒ نے فرمایا ''کہ یہ دیوار جو فخر کرنا شروع کرے، کہ میں کچھ ہوں'' ارے پگلی! تم تو دکھائی بھی نہ دو گی، ابھی روشنی بجھادو، تو اس کا وجود دکھائی نہیں دے گا تو اپنے کسی

کمال کو ذاتی نہ جانو، عطائے رب سمجھو، جب یہ بات آئے گی، تو اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھو گے، دعویٰ تو رہا کجا، اپنے آپ کو چھپاتے پھرو گے، جب کہ اللہ کی بڑائی کھل جائے، ارے خدا کے علم کے ساتھ بھی کسی کے علم کی نسبت ہوتی ہے وہ کسی نے کہا ہے کہ ''معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد'' بزرگوں نے کہا ہے کہ ''اعلم'' کہنا آسان ہے بلکہ ''لا اعلم'' کہنا مشکل ہے، لا اعلم (میں نہیں جانتا) کہہ دیا، تو شیخی کھر کھری ہو جائے گی لوگ کہیں گے کہ اتنا بڑا مولوی ہے اور نہ جانے، ارے بھائی، شیخی کر کری نہ ہو جائے گی، عزت کو بٹا نہیں لگے گا، پھر تو خوب چمکے گا، اور دوسری بات ہے کہ اللہ کی بڑائی کا استحضار رکھو، اللہ کی بڑائی کھل جائے تو اپنا چھوٹا پن خود معلوم ہو جائے گا، دیکھو! سعدی شیرازی نے ایک مقام پر لکھا ہے، کہتا ہے کہ ایک بارش کا قطرہ بادل سے گرا، اور جب اُترنے لگا، تو شور مچانے لگا، ''انا الماء انا الماء'' میں پانی ہوں میں پانی ہوں، اب جو نیچے آیا، اور سمندر کو اپنے مقابلے میں دیکھا، تو کہا کہ میں پانی ہوں یا کچھ اور ہوں، میری تو ہستی ہی نہیں، اب جب حقیقت کھُل گئی، تو اُس کی بڑائی ختم ہوئی، اور جب اللہ کی بڑائی کھل جائے، اُس کی عظمت کھل جائے، تو پھر کیا رہ جائے، ارے پگلے! تمہارے دماغ کا اگر ایک پیچ ڈھیلا پڑ جائے، تو بڑائی ختم ہو گی۔ اور دیکھو! ایک بہت جلیل القدر پیغمبر جو کہ پانچ اولو العزم پیغمبروں میں سے ایک ہے، حضرت موسیٰؑ تو اُس سے کسی نے سوال کیا ''کہ حضرت آپ سے بھی بڑا عالم اس وقت دنیا میں ہے؟'' کہا کہ ''نہیں'' تو بڑوں سے گناہ تو نہیں ہوتے، لیکن وہ کہتے ہیں کہ

نزدیکان را بیش بود حیرانی

وہ آتا ہے حسنات الابرار سیات المقربین۔ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لیے بمنزلہ بدیوں کے ہیں، حسین بن منصور حلاج کو پتھر مارے جا رہے تھے، تو اُدھر ہوا شبلیؒ کا گزر، تو اُس اللہ کے بندے نے گلاب کا ایک پھول لیا، اور اُس کو دے مارا، تو اُس اللہ کے

بندے نے یوں کہا "ہائے دے مارا" تو اُس نے کہا کہ "اللہ کے بندے اوروں نے پتھر مارے اور تُو اُف تک نہیں کرتا، اور میں نے جو پھول مارا، تو اِس پر اتنا ہائے" تو کہا کہ "وہ تو میرے حال کو نہیں جانتے، اور تُو تو جانتا ہے" تو پوچھا "کہ آپ سے بھی بڑا عالم اِس دنیا میں اب ہے؟" کہا کہ "نہیں" حالانکہ وہ صاحب کتاب تھے، اُس وقت میں اُس سے بڑے اور کون ہو سکتے تھے، لیکن اللہ کو اُن کی یہ بات پسند نہیں آئی، اور کہا کہ "جا! ہمارا ایک بندہ خضر ہے"، حالانکہ اُس کا علم دوسرے رُخ کا تھا (علم لدُنی تھا تکوینیات کے رُخ سے علم شریعت نہیں تھا) حضرت موسیٰؑ چلے گئے، اُس کے پاس رہے، لیکن صبر نہ کرسکے اور آخر کار "هذا فراقُ بيني و بينك" جدا ہو گئے۔ تو رب یہ بتانا چاہتے تھے کہ جیسے ہم نے تم کو یہ علم دیا ہے اوروں کو بھی دیا ہے، صحیح بخاری کا واقعہ ہے کہ ایک چڑیا آئی، اُس نے سمندر میں دو چونچیں ماریں، تو اب خضرؑ نے یوں کہا کہ "اے موسیٰ! تیری اور میری علم کی نسبت اللہ کے علم کے سامنے اتنی ہے، جیسے کہ اِس چڑیا نے سمندر میں سے جو پانی پیا، اُس کی نسبت سمندر سے" اور کوئی نسبت ہی نہیں قرآن نے خود فرمایا: "وما اوتيتم من العلم الا قليل"۔

جو نہیں معلوم کوئی اُسے جانے گا کیا
جبکہ جو معلوم ہے وہ بھی سراسر راز ہے

تو فرشتوں والی آواز نکالو، کہ اے رب ہمارے! ہم نہیں جانتے، جاننے والا تُو ہی ہے، "لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ" بچوں کے پاس وہ گیند کی تار کو دیکھا ہوگا جس میں ربڑ کی ایک تار ہوتی ہے کہ اس کو دیوار پر پھینکتا ہے اور پھر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اب اگر وہ گیند یہ سمجھے کہ میں تو اُس کے ہاتھ سے نکل گیا، ارے پگلے! کب نکلا، وہ جب کھینچے، فوراً اُس کے ہاتھ میں آجائے، اسی طرح سب کچھ رب کے ہاتھ میں ہے، ذرا کھینچ لیا، تو پھر کھینچ جاؤ گے، مولانا رومؒ کا ایک شعر ہے: کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل جائے،

(اُس پر پچھتانا نہیں چاہئے) کیونکہ وہ تیری تھی ہی نہیں، تو نکل گئی کہاں سے دیکھو! ایک آئینہ ہے ، اِس میں مولوی صاحب کا کہیں عکس پڑ جائے، اور وہ کہے کہ "میں مولوی صاحب ہوں"۔ ارے پگلی! تُو تو آئینہ ہے، مولوی کہاں اور تو کہاں۔ وہ کہتا ہے:

جب صبح مطلع تابان سے خورشید کا نُور ظہور ہوا
سب چاند ستارے ماند ہوئے عالم بقعۂ نُور ہوا

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کھل جائے گا تو اپنے آپ کو پھر ہیچ سمجھنے لگو گے۔

مکائد نفس

در دولت خانہ خویش (13 دسمبر 1962ء، بعد از نماز عصر)

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مکائد نفس نہایت ہی سخت ہوتے ہیں، اگر برائی کے رُخ پھنستا نہیں، تو نیکی کے رُخ سے ورغلاتے ہیں، اب اگر کوئی شخص کہے کہ ہم میں ایسی بات کونسی ہے، گنہگار آدمی ہیں، مسجد کیسے جائیں، تواضع اچھی چیز ہے، گھر پر ہی نماز پڑھ لیں، یا ہیں مالدار حج فرض ہے لیکن کہیں کہ حج کیسے جائیں، پہلے اور اعمال کو توٹھیک کرلیں، تو ایسی ندامت اللہ کے ہاں مقبول نہیں، جو تعطل میں ڈال دے، ندامت وہ پسندیدہ ہے جو کہ انسان کو خیر کی راہ پر لگادے، تو ہمارے حضرتؒ نے فرمایا توبہ کے دو جزو ہیں گزشتہ پر ندامت اور آئندہ کے لیے عزم، یعنی گزشتہ بد اعمالیوں پر دل سے نادم ہو، اور آئندہ کے لیے نیکی کرنے کا مصمم ارادہ ہو، ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ گریہ آنکھوں کا رونا نہیں، بلکہ اصل جو ہے وہ دل کا رونا ہے "دل پر ایسی چوٹ لگے کہ ہائے اللہ! میں نے اپنی زندگی کو ایسے برباد کیا، اب آئندہ کے لیے پختہ ارادہ کرے، تو ہمارے حضرتؒ نے فرمایا (کہ قرآن میں صرف رونے کا نام نہیں) بلکہ "اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا" (تمام کو جمع کرکے توبہ قرار دیا ہے) اور اگر آنسو تو نکلے اور دل میں ندامت نہ ہو، تو وہ توبہ نہیں، اور اگر دل میں ندامت ہو، تو اگر توبہ کے بعد بھی گناہ ہو جائے، جیسے کہ انسان پھسل جاتا ہے تو یہ توبہ ہے، پھر توبہ کرے اور پھر پختہ ارادہ کرے، تو ہوتے ہوتے ایک دن استقامت نصیب ہو جائے گی، اور اصل چیز استقامت ہے، یہ جو آتا ہے قرآن کریم میں کہ "ثم استقاموا" ہمارے شاہ صاحب مدظلہ نے فرمایا۔ "یہ "ثُمَّ" جو فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ استقامت بتدریج حاصل ہوتی ہے"۔ ایک دفعہ میں نے حضرتؒ کو اپنا کچھ حال لکھا تو آپ نے فرمایا "توبہ کرنی

چاہئے اُس کی ذات سراپا رحمت ہے، لیکن رحمت کے لیے ہم جرات کی راہ اختیار نہ کریں" جیسے کہ کسی نے کہا ہے:

رات کو خوب سی پی صبح کو توبہ کرلی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

تو ہمارے حضرتؒ نے اس کے جواب میں فرمایا:

ایسی بد مستئ توبہ سے الٰہی توبہ

ایک دفعہ ہمارے حضرتؒ نے 13 دسمبر 1950ء کو فرمایا" کہ محبت و خشیت تو دین کی دو بنیادی چیزیں ہیں"۔ خشیت جو ہے اس لیے نہیں کہ اللہ سانپ، بچھو ہیں کہ اُن سے ڈرنا چاہئے، اللہ کا ڈر سانپ اور بچھو کا ڈر نہیں بلکہ ایک ڈر تو یہ ہے کہ میاں کہیں ناراض نہ ہو جائیں اور دوسرا یہ کہ اپنے اعمال کا محاسبہ کریں، وہ تو سراپا رحمت ہیں وہ تو سراپا عطا ہیں۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

(اللہ تعالیٰ نے تخلیق اس لیے نہیں کی کہ کوئی فائدہ اُٹھائے بلکہ اس لیے کہ لوگوں کو اس کے جود وسخا سے فائدہ پہنچے۔)

لیکن وہ چاہتے ہیں کہ ہم طالبِ عطا ہوں، اور طلب کی صورتیں ہوتی ہیں، ایک ہے ارادۂ طلب، اور ایک تمناء طلب اور ایک ہے عمل۔ تمنا پر نہیں ملتا بلکہ ارادے پر ملتا ہے اور عمل سے تکمیل ہوتی ہے تو فرمایا "لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ" نہ تو تمہاری نری تمناؤں سے کچھ ہوتا ہے اور نہ اہل کتاب کی۔ تو ایک ہوتی ہے تمنا اور ایک ہوتا ہے کچا ارادہ اور ایک ہوتا ہے پختہ ارادہ۔ پختہ ارادے پر اللہ کی مدد متعین ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت نے ایک مقام پر فرمایا: "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى

اللہِ ؁ لوگوں سے مشورہ کرلیا کرو، اور جب اے محمد (ﷺ) تو نے پختہ ارادہ کرلیا، تو اللہ پر توکل رکھو، اور توکل کی حقیقت یہ ہے کہ مؤثر حقیقی اللہ کی ذات ہے، اللہ چاہے تو ہو جائے اور نہ چاہے تو کچھ نہیں ہوتا ہے، تو مطلب یہ کہ نظریں اسباب سے ہٹ کر اللہ کی ذات پر آجائیں، تو ایمان کا نتیجہ ہے توکل۔ قرآن میں آتا ہے ''الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۹۹﴾'' اور توکل صرف ''ت، و، ک، ل'' کا نام نہیں (بلکہ یہ تو الفاظ توکل ہیں حقیقت توکل اور ہوتی ہے) ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''آج کل اربابِ توکل ارباب تاکل ہوتے ہیں کہ مساجد کے لوگ اِس انتظار میں ہوتے ہیں کہ کُنڈی ھلی اور روٹی آئی'' توکل اِسے نہیں کہتے بلکہ توکل کی بنیاد یہی ہے کہ اللہ پر یقین ہو، اسباب کے ہوتے ہوئے بھی توکل ہو سکتا ہے اور اسباب کے نہ ہوتے ہوئے بھی توکل ہو سکتا ہے تکیہ پتوں، شاخوں اور جڑوں پر نہ ہو بلکہ اللہ کی ذات پر ہو کہ وہی کرے۔ اگر دنیا پر ہو تو وہی بات ہوگی (کہ عین وقت پر یہ مدد اور معاون چیزیں مخالف بن جائیگی) جیسے کہ کسی نے کہا ہے۔

باغبان نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

تو انبیاء علیہم السلام نہ تو اسباب پر توکل سکھائیں، اور نہ کسی اور پر، بلکہ وہ رب پر توکل سکھانے کے لیے آتے ہیں، اور جب رب پر توکل پیدا ہو جائے، تو پہاڑ جیسے ارادہ کریں، اور پھر ''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَوَکِّلِیۡنَ'' اللہ توکل والوں کو دوست رکھتا ہے۔ تو اب میں عرض کروں کہ ''فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ'' اور ''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَوَکِّلِیۡنَ'' کو ملاؤ۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا، کہ پختہ ارادے پر توفیق ملتی ہے، اور اس کے بعد عمل کی صورت پیدا ہوتی ہے، یہ تو نہیں کہ صرف یہ کہو، کہ "چمن والا انگور، چمن والا انگور، اور انگور کا مزہ آجائے، اب ایک انگور کا دانہ تمہیں نظر آیا، اور تم نے اُس کو توڑا نہیں، بلکہ ارادہ کیا تو وہ

تمہارے منہ کے پاس آجائے، اور ایک خوب موٹا بٹیر اُڑتا ہے، اور تمہارے صرف جی میں آیا، کہ اُس کو کھانا چاہیئے تو بھنا بھُنا یا تمہارے سامنے حاضر ہو جائے، یہ تو جنت والی باتیں ہیں، اب دنیاوالی باتیں ہیں، یہاں تو اندر کو تاکتا ہے، اندر کو دیکھتا ہے اگر ہمارا ارادہ ہو درست تو نیکی کے ارادے سے ثواب ملتا ہے، اور برائی کا ارادہ کیا، لیکن نہیں کیا، تو گناہ نہیں لکھا جائے گا، بلکہ ثواب ہو گا، کہ میرے بندے نے میرے خوف سے اِس بُرے ارادے کو چھوڑ دیا تو حاصلِ کلام یہ ہے کہ جب ارادہ کر لیا جو پختہ نیکی کا تو ارادے پر نیکی لکھی گئی اور جو عمل کر لیا تو کم از کم دس گنا ثواب دیں گے، اور زیادہ کر لیا تو اُس کا اختیار ہے۔

تو بات اس پر چلی تھی کہ شیطان جو ہے نیکی کے راستے سے بھی آتا ہے، ایک تو کہے کہ میں گنہگار آدمی ہوں، مسجد کیسے جاؤں، عذر شرعی دوسری بات ہے، (یعنی عذر شرعی ہو تو معاف ہے) اور ایک کہے کہ تبلیغ میں کیسے جاؤں؟ بزرگوں کے پاس جاؤں تو گنہگار ہوں، پتہ نہیں اُنکو کس چیز کی صورت میں نظر آؤں، تو ندامت وہ مقبول نہیں، جو انسان کو صحیح راستے پر نہ ڈالدے، ہمارے حضرتؒ کا ملفوظ ہے، ''نرے ماتم سے کیا ہوتا ہے'' اور فرمایا کہ ''جو زندگی گناہ میں گزر گئی وہ تو گزر گئی باقی کو اُس کی ندامت میں کیوں ضائع کرتے ہو؟'' اور بعض بزرگوں نے توبہ کے متعلق یوں فرمایا کہ ''ایک دفعہ صدقِ دل سے توبہ کر لو، اور رو دھو لو، اور پھر اس کو یاد بھی نہ کرو، اور گنو بھی نہیں'' اور شیخ اکبر ابن عربی نے تو لکھا ہے کہ ''جو گناہ یاد سے اُتر گیا تو سمجھو کہ وہ معاف ہو گیا'' اور حقوق العباد کی تو دوسری بات ہے وہ تو دیکر ہی معاف ہوں گے۔

دھیانِ رب کی اہمیت

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (15 دسمبر 1962ء، بعد از نمازِ عصر)

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ کا مطلب

ابا کہتا ہے کہ بچہ میری بات کو نہیں سنتا۔ کیا اُسکے کان کٹے ہیں لیکن عمل نہیں کرتا۔ ''يَسْمَعُوْنَ وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْن'' سنتے ہیں لیکن سننے والوں جیسا عمل نہیں کرتے۔ اور ددوسری جگہ فرمایا: صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْن۔ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے سو یہ پلٹنے والے نہیں۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے اور اس کی زبان سے جو کہ سچا ہے اور خود بھی سچا ''وَ مَنْ اَصْدُقُ مِنَ اللهِ قِيْلًا'' اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا قول کس کا۔ لیکن جو دیکھا جائے تو ابو لہب کی بھی بڑی بڑی آنکھیں ہیں، ابو جہل کی بھی اور ابو لہب کی بیوی کی زبان بھی خوب چلتی تھی، آنکھیں تھیں لیکن دیکھنے کا حق ادا نہیں کرتی تھیں، کان تھے لیکن سننے کا حق ادا نہیں کرتے تھے۔ دیکھو! میرے کان کٹے ہیں[18]، خوب بڑے بڑے ہیں لیکن اُونچا سنتا ہوں اور اِتنی بڑی مشین لگائی ہے تو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ ''تم اندھے ہو، بہرے ہو، گونگے ہو''۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری زبان سے سب کچھ نکلتا ہے لیکن اللہ والی بات نہیں نکلتی اور میں تو یہ کہوں کہ کبھی نکلتی بھی ہے لیکن نیچے جان نہیں ہوتی، گراموفون والی بات ہوتی ہے۔ دل کی قوت نہیں ہوتی ہے۔ وقتی فائدہ تو ہو جاتا ہے لیکن اثر نہیں رکھتی۔ واہ! واہ! ہو جاتی ہے لیکن آہ آہ نہیں نکلتی۔ ہمارے حضرت سید سلیمان ندویؒ فرمایا کرتے تھے ''زبان کی روانی، قلم کی جولانی دل کی تابانی کے بغیر سراب جیسی حقیقت رکھتی ہے جو کہ بظاہر تو

---

[18]۔ اس وقت مولانا صاحب اُونچا سنتے تھے لیکن اب جو حج سے واپس تشریف لائے ہیں، اللہ کا احسان ہے قوت سماعت بڑھ گئی ہے اور مشین کو الگ کر چکے ہیں اور وہ بھی حکمِ خداوندی سے آتے ہی خراب ہو گئی۔

چمکدار نظر آتا ہے لیکن مستقل اور مستقبل کے وجود سے عاری ہوتا ہے"۔ طوطا زبان سے تو کیا کیا کہتا ہے لیکن کیا اُس کا دِل میں بھی وہی ہوتا ہے۔ تو ہم کہیں کہ طوطے نہ بنو۔ اگر پرندہ بھی بننا ہے، طیور کی نقل کرنی ہے تو بلبل کی نقل کرو کہ کسی کو اُس کی خبر نہیں لیکن اُس کو تو ایک کالے سانپ نے کاٹا ہے، کون سے سانپ نے، محبت کے سانپ نے۔ مُردہ ہے وہ شخص جس کا دل زندہ نہ ہو، اللہ کا تعلق نہ ہو۔ ایک ہے جسم کی جان اور ایک ہے جان کی جان اور جان کی جان اللہ کی محبت ہے۔

خاموشی کی اہمیت

تو بات اس پر چلی تھی کہ اللہ میاں نے سترہ رکعات میں سے صرف چھ رکعت سنانے کا حکم دیا ہے اور باقی کا خفیہ کرنا بتایا ہے اور حال یہ ہے کہ خاصانِ خدا کو تو بعض اوقات الفاظ بھی دھیانِ رب میں حائل ہو جاتے ہیں۔ جب اللہ میاں سامنے آجائے تو کون کہے کہ اللہ میاں! اللہ میاں۔

جب وہ شاہِ دِل رُبا سامنے آ جائے ہے
تھامتا ہوں دِل کو لیکن پہلو سے نکلا جائے ہے

تہجد کی اہمیت

تو رب کو تم اس عالم میں دیکھ نہیں سکتے لیکن دھیانِ رب ایسا جم جائے جیسے کہ تم بھوک کو محسوس کرتے ہو لیکن بھلا کسی نے بھوک کو دیکھا ہے تو بھئی اگر تم اس طرح نمازوں کو سنانا چاہتے ہو تو پھر دل کے اندر بھی کچھ لاوڈ سپیکر لگا لیا کرو۔ لاوڈ سپیکر لگانے سے نماز نہیں بنتی، نمازوں کو بنانا چاہو تو تہجد کو لازم پکڑو اور اُن رکعتوں کو لازم پکڑو جو کہ خاموش پڑھی جاتی ہیں۔ یہاں بیان سے کام نہیں بنتا، دھیانِ رب سے بات بنتی ہے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ ایک منٹ سائیلنٹ (خاموش Silent) ہو جاؤ، فاتحہ کے لیے ان کی عقلوں کا فاتحہ پڑھو۔ ان پگلوں کو

دیکھو کہ فاتحہ کو کیا بنایا۔ حضور ﷺ کا طریقہ جو اللہ نے بتایا، اُس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں[19]۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سننے سنانے کا بھی مرض ہے اور ہم جیسے باتونیوں نے اس مرض کو زیادہ کیا اور ہمارے حضرت مولانا الیاسؒ نے فرمایا کہ تبلیغ کا مطلب قوتِ دُعا کو بڑھانا ہے۔ دیکھو! میں اس ہیٹر (Heater) کو پکڑوں اور ہر ایک کے سامنے کرتا رہوں تو گرمی آجائے گی یا نہیں۔ اِسی طرح جو دِل رب کے تعلق کے ہیٹر سے بن جاتے ہیں، اُن سے دِل جل اُٹھتے ہیں۔ ہمارے حضرتؒ کا ایک شعر ہے، اپنے شیخ کے متعلق فرماتے ہیں:

بزم میں دیکھا کیے اس ناز سے
جس طرف دیکھا نشانہ دِل ہوا

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ "صرف کہنے سے بات نہیں ہوا کرتی، خاموشی سے بھی دین آجاتا ہے"۔

[19]۔ انگریزوں میں یہ رسم چلی ہے کہ مُردہ کی فاتحہ میں خصوصی وقفے کے لیے خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ اب یہ رسم یونیورسٹی میں بھی یورپ کی اداؤں کو اندھا دُھند اپنانے والوں نے اختیار کر رکھی ہے تو یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

تبلیغ کی اہمیت

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (15 دسمبر 1962ء، بعد از نمازِ مغرب)

حق کو بھلانے کا انجام

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا"۔(التحریم:۶:۶۶)(اے مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ)۔ تو دو کام ہو گئے ایک کام تو یہ کہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ اور یہ کہ پورے عالم کو بچاؤ۔ اگر ہم پہلے نبیوں کی اُمت میں سے ہوتے تو ہمارے لیے صرف یہ کافی تھا کہ اپنے آپ کو بچا لیتے لیکن حضور ﷺ سب سے آخری نبی ہیں۔ اِس کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تو حضور ﷺ نے جس دین کو چھوڑا اور جس کی ترویج اور اشاعت ہمارے ذمے سپرد کی، ہم نے اُس کو یکسر بھلا دیا اور اگر حق پوچھو تو ہم نے حق کو نہیں بھلایا بلکہ اپنے آپ کو بھلا دیا اور تمام تباہی اُس وقت پڑتی ہے جبکہ انسان اللہ کی ذات کو بھلا دے۔ "نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ"(الحشر:۵۹:۱۹) انہوں نے اللہ کو کیا بھلایا بلکہ اپنے آپ کو بھلا دیا اور جو اللہ کو بھلائے گا اُس نے اپنے آپ کو بھلا دیا۔ اُس نے دنیا اور آخرت کے حقیقی نفع و نقصان کو بھلا دیا اور کسی چیز کے بھلانے میں وہ نقصان نہیں جو اللہ کے بھلانے میں ہے اور چیزوں کو بھلاؤ گے تو گزارا ہو جائے گا لیکن اللہ کو بھلانے کے بعد گزارا نہیں ہوتا اس لیے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا لبِ لباب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، اللہ والے ہو جاؤ، اس کے طریقے والے ہو جاؤ، تمہارے ظاہر و باطن میں دین اس طرح آجائے کہ جہاں بھی تم ہو وہاں اللہ کا دین ہو۔

ذرائع اور مقاصد میں فرق

دیکھو! مسجد بہت عزت والی چیز ہے لیکن ایک جگہ بہت مساجد بنا دو اور وہاں

مسلمان نہ ہو۔ ایک نہ ہو مسجد کے بنانے والا تو دین پھیلے گا۔ دین کس سے پھیلتا ہے ؟ مسلمانی سے۔ تو اس لیے مسلمان بننا اور بنانا تو مقصد کے درجے میں ہے۔ مسجد کا بنانا بڑے درجے کی چیز ہے۔ جو مسجد بنائے گا وہ جنت میں گھر بنائے گا لیکن مسلمان کا بنانا اس سے بڑھ کر ہے۔ وہ مقصد کے درجے میں ہے۔ مسجد میں جھاڑو دینا بھی بہت فضیلت رکھتا ہے۔ ایک عورت تھی کالی کلوٹی اور بوڑھی جو کسی کام کی نہ تھی، وہ مسجد میں جھاڑو دیتی تھی۔ انتقال ہو گیا، حضور ﷺ کو اطلاع نہ ہوئی تو ایک دن جو آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ بڑھیا کیا ہوئی؟'' صحابہؓ نے عرض کیا ''انتقال کر گئی ہے''۔ فرمایا: ''اچھا! کہاں دفنایا ہے؟ مجھے وہاں لے چلو''۔ قبر پر گئے اور صرف دُعا نہیں کی بلکہ جنازہ کی نماز پڑھی اور حضور ﷺ کا جنازہ پڑھانا نجات کی نشانی ہے تو مسجد میں جھاڑو دینے کا جب اِتنا ثواب ہے اور اِس سے کوڑا کرکٹ دُور کرنے میں اِتنی فضیلت ہے تو انسان کا کوڑا کرکٹ دُور کرنا کتنے ثواب کا حامل ہو گا اور انسان کا کوڑا کرکٹ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ انسان گناہ میں مبتلا ہو تو اگر کوئی مسلمانوں کے عیبوں کو نکالنے میں کوشش کرے۔ اُس کے بُرے اعمال کو جھاڑو دینے کی کوشش کرے تو نبی ﷺ متوجہ ہوں گے یا نہیں؟ انسان کی صفائی ہاتھ منہ دھو لینے سے نہیں ہوتی بلکہ یہ پاکیزگی تب ہوتی ہے جبکہ گندگیاں نکل جائیں اور اچھائیاں آجائیں۔ ایک شخص ہو کہ خوب عطر وغیرہ لگائے لیکن اچھے عمل والا نہ ہو تو اس کی اِتنی بدبو ہوتی ہے کہ اس کی بدبو سے اللہ والوں کے دل پھٹ جاتے ہیں تو جو دُور سے دیکھے گا اور جس کا ناک بند ہو گا، اُس کو پتہ نہیں لگے گا لیکن جو ناک والے ہوتے ہیں اُن کو پتہ لگ جاتا ہے۔ جیسے غسل صحت ہوتا ہے، اسی طرح انسان کی غسل صحت یہ ہے کہ ماسوا سے کٹ جائے۔ اللہ کے سوا کسی کا دل میں ہونا دل کے لیے ناسور کا حکم رکھتا ہے۔ دلوں کا مرہم ایک اللہ کی ذات ہے۔ ہماری سب چیزیں اللہ کی ہیں۔ ہاتھ اللہ کے پاؤں اللہ کے لیکن سب سے مخصوص چیز انسان کا دِل ہے تو جس نے اپنے دل کو ماسوا سے لگا لیا، اُس

نے اِس کو برباد کیا اور اِسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور یہ نعرہ لگاتے ہیں ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''، کوئی بھی لمحہ تو ایسا آجائے کہ جس میں ہمارے دل کا غیر سے کوئی تعلق نہ ہو، غیر کے خطرے سے پاک ہو تو وہ غیر اللہ کی مشغولیت کی تمام عمر سے زیادہ بہتر ہے۔

ایک بھی کافی ہے گر پہنچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں ہزاروں نالہ و فریاد ہم

ذکر اللہ کی اہمیت

ایک لمحہ بھی اللہ کی یاد میں گزر جائے وہ اُن سے زیادہ قیمتی ہے کہ تمام عمر غیروں کے تعلق میں لگ جائے۔ کوشش کرو کہ یہ حالت نصیب ہو جائے اور یہ ہو سکتا ہے ایک طریقے سے اور وہ طریقہ سیدنا محمد ﷺ کا طریقہ عالیہ ہے۔ دیکھو! جیسے دنیا میں قوانین ہوتے ہیں، ضابطے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی کسی چیز کے دینے کے لیے شرائط مقرر کرے کہ وہ ہوں گی تو چیز ملے گی، نہ ہوں تو نہ ملے گی تو اسی طرح اللہ میاں نے شرطیں مقرر کرلی ہیں اپنے ملنے کی کہ جس میں وہ اعمال اور وہ کڑھن آجائے اور طلب پیدا ہو جائے۔ طلب پر بھی بہت کچھ ملتا ہے اور اس کے بعد جتنا بھی تعلق ہو گا انبیاءؑ والے اعمال سے اُس قدر تعلق رب بڑھے گا اور انبیاءؑ والا تعلق نہ ہو اور وہ رابطہ ٹوٹ گیا تو تعلق رب نصیب نہ ہو گا۔ اب یہ تعلق کیسے نصیب ہو؟ جیسے کہ تم کو فیلڈ اسسٹنٹ کا سرٹیفکیٹ لینے کے لیے ایک سال لگانا پڑتا ہے۔ اسی طرح رب کے ساتھ تعلق میں بھی کچھ وقت لگتا ہے۔ اس کے لیے بھی صورتیں ہوتیں ہیں لیکن وہ تمام صورتیں حضور ﷺ کے بتائے ہوئے دائرے کے اندر ہوں گی۔ اس دائرہ میں ہوں گی تو اللہ بھی ملے گا اور مقصد بھی حاصل ہو گا اور خود فرمایا ''اِنَّ اَوْلَی النَّاسَ بِی الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا وَ حَیْثَ کَانُوْا'' (مسند احمد بن حنبل) (میرے قریب لوگ متقی ہیں، جو بھی ہوں اور جہاں کے بھی ہوں۔) ڈیرہ اسماعیل خان والے بھی ہوں، رب کا تعلق نصیب ہو گا بشرطیکہ جو

اِس دائرے میں کام کریں اور تبلیغ والے یہ کام کرتے ہیں۔ یہاں یونیورسٹی مسجد میں کچھ بات چیت ہوتی ہے، وہاں آیا کرو اور ساتھ ساتھ اللہ کو تھوڑا تھوڑا یاد کر لیا کرو۔

اللہ کی یاد سے دِل نورانی ہو جاتا ہے۔ اللہ نے اپنی یاد کو بڑی چیز کہا ہے۔ دو چیزوں کو بڑا کہا ہے۔ ایک ''وَ رِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ اَكْبَرْ'' اللہ کی رضامندی بڑی چیز ہے اور ''وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرْ'' اور اللہ کی یاد بڑی چیز ہے ہر چیز کو بھولو گے، گھر والوں کو بھولو گے، جب اللہ کی بڑائی کھلے گی اور یہ اُس کی یاد سے آتی ہے۔

یاد کر بس یاد کر بس یاد کر بس یاد کر
اس کی یاد سے غفلت کو بس برباد کر

دیکھو! سجدے میں جاتے ہیں تو کیا کہتے ہیں کہ ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى'' پاک ہے میرا پالنہار اعلیٰ ہے۔ اب زبان پر تو ہو سب سے اعلیٰ کا نام اور دِل کہیں اور جگہ مشغول ہو۔ دیکھو! یہ تسبیحات ایسی مقرر نہیں ہوتی ہیں۔ دیکھو آتا ہے ''فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ'' اور ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى''، تو اُسے اعلیٰ جانو گے۔ الاعلیٰ (سب سے اعلیٰ) تو اب اگر یہ تسبیح دل میں اُتر جائے تو سب کی بلندی ختم ہو گی۔

وہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ایک اعلیٰ کی حقیقت اندر آجائے تو سب چیزیں مٹھی میں آجائیں۔ اللہ کا تعلق نصیب ہو جائے، رب کی عظمت کھل جائے تو تمام چیزیں ہیچ نظر آئیں۔ ہم جو اب خس و خاشاک میں اُلجھے ہیں، مٹی کے گھروندے بنا رہے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ رب کا تعلق نہیں۔ رب سے جوڑو گے تو تمام معاملات سدھر جائیں اور رب سے توڑو گے تو تمام معاملات ٹوٹ جائیں گے۔ ایک اللہ کی ذات ہے جو کہ بنانے والی ہے اور ایک طریقے سے بناتی ہے اور وہ ہے انبیاء

علیہم السلام کا طریقہ۔ باقی تمام طریقے بگاڑ دیتی ہیں، بناتی نہیں۔

ظاہر کے ساتھ اپنے باطن کو بنانا

گو ظاہر میں انسان بنتا ہوا نظر آئے لیکن جو حقیقت میں ان کے نزدیک بگڑا ہوا ہوتا ہے مثلاً ایک آدمی ہے، کسی بنا پر پھول جائے، لوگ کہیں کہ موٹا ہو گیا اور ڈاکٹر دیکھ لے تو کہیں کہ یہ بیماری ہے، یہ ہنر نہیں یہ عیب ہے یہ سوجھن ہے۔ اس طرح اللہ کے طریقے سے ہٹ کر کوئی صحت نہیں۔ سوجھن کو ہم موٹاپا سمجھتے ہیں حالانکہ وہ موٹاپا ہے صحت نہیں۔ ہم دنیا کو بڑی چیز سمجھ بیٹھے ہیں اور جب کافروں کے پاس اس کا ہونا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ تو بڑے مزے میں ہیں۔ ذرا ان کے دل کو کھول کر دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ اندر کیا بھرا ہے۔ یہاں گوروں کا قبرستان ہے، جا کر دیکھو۔ ظاہر کے لحاظ سے انہوں نے خوب پھول چڑھائے ہوئے ہوتے ہیں لیکن اندر دیکھو تو پتہ لگے کہ مُردہ پر کیا بیت رہا ہے اور ایک کمبخت نے جو یورپ میں اس ظاہری نقشے کو دیکھا تو کہا کہ ''کم از کم مرنے کے لیے تو عیسائی ہو جاتا'' تو مولاناؒ فرماتے ہیں:

ظاہرش چوں گور کافر پُر حلل
و اندرون قہر خدائے عز و جل
ظاہرش طعنہ زند بر بایزید
و ز درونش ننگ می دارد یزید

(اسکا ظاہر تو کافر کی قبر کی طرح خوبصورت نظر آئے اور مُردہ اندر عذابِ الٰہی میں مبتلا ہو، ظاہر تو بایزید بسطامیؒ پر بھی طعنہ زن ہو اور باطن ایسا کہ یزید کو بھی شرم آنے لگے۔)

ظاہر تو بڑا اعالی شان دکھائی دیتا ہے اور اندر دیکھو تو جہنم ہی جہنم ہے۔ ظاہر تو بسطامیؒ کی طرح ہو اور اندر کو دیکھو تو یزید بھی شرما جائے۔ بلبلا پانی کا دیکھا ہو گا، کیسے پانی کے اُوپر اُتراتا

پھر تا ہے اور اپنے آپ کو کشتی بتاتا ہے لیکن ذرا پھونک مارو تو ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب موت آجائے تو یہ تمام بلبلے ختم ہو جائیں گے۔ ظاہر کے لحاظ سے بلبلا تو خوب چمکدار ہوتا ہے لیکن اندر کو دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ ہائے ہم نے بلبلوں کو سنگ مرمر کا خوبصورت گنبد سمجھ رکھا ہے[20]۔

[20]۔ ایک دفعہ مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ جب حضرت سید سلیمان ندویؒ کا مندرجہ ذیل فقرہ حضرت مولانا الیاسؒ کی خدمت میں عرض کیا گیا تو وہ وجد میں آگئے۔ فقرہ یہ ہے "ایک بات کہتے ہیں اور سو باتیں سننی پڑتی ہیں اور ہم کو اپنی مروت نے مار ڈالا"۔

اپنی استعدادوں کا صحیح استعمال

یونیورسٹی کوارٹرز مسجد (16 دسمبر 1962ء، بروزِ اتوار شام)

توحید کی اہمیت

بھائیو، عزیزو، بزرگو اور دوستو! اللہ رب العزت کا فضل و کرم اور احسان ہے کہ ایسے وقت میں کہ دنیا کے لیے محنت کرنے کا رواج عام ہو گیا اور عام لوگ پوری طاقتوں کو صرف مٹنے والی دنیا کے لیے صَرف کر رہے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، چاہے قلیل ہی ہوں کہ اُن کے دِلوں میں، اُن کی آرزوؤں میں، اُن کی اُمنگوں میں ایک چیز آئی اور وہ یہ ہے کہ دنیا والی چیزوں سے ہٹ کر اللہ والے طریقوں پر آجاؤ اور ایسی مٹ جانے والی زندگی سے نظروں کو ہٹا کر ابد الاباد والی زندگی کے لیے اُمنگیں ہو کر آتی ہیں، تمنائیں اُبھرتی رہتی ہیں اور اللہ رب العزت عطا کرتے ہیں فکر پر، اللہ تعالیٰ عطا کرتے ہیں اُمنگوں پر۔ اب انبیاء علیہم السلام تشریف لے آئے اور انہوں نے ایک نعرہ لگایا۔ کیا نعرہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب کے سب اللہ کے ہو چکے۔ نہ ہمارا ظاہر کسی دوسرے کا ہے نہ ہمارا باطن کسی دوسرے کا ہے سوائے رب کے۔

''لَآ اِلٰهَ'' صرف لفظوں کا نام نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اے ہمارے رب! کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس کو ہم آپ کے ساتھ شریک کریں۔ ہماری پوری کی پوری زندگی آپ کی ہے فرمایا ''اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً'' پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ رب العزت کی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اُس کے ساتھ غیر بھی ہو۔ اسلام میں داخلہ بھی توحید سے ہے اور انتہا بھی توحید پر ہے۔ یہ ایک کھلی شاہراہ ہے، اِتنی کھلی شاہراہ کہ اگر ابوجہل اور فرعون جیسے بھی کلمہ پڑھتے تو وہ جنت میں داخل ہو جاتے۔

دیکھو! حضرت عمرؓ حضور ﷺ کے قتل کے ارادے سے نکلے تھے اور سب سے بدترین شخص وہ ہوتا ہے جو نبی کا قاتل ہو اور پھر سید الانبیاء ﷺ کا قاتل۔ تو دیکھو کتنا بُرا ارادہ ہے لیکن وہی عمر جب اسلام لاتے ہیں تو دین کے فاروق بنتے ہیں اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ''جس راستے پر عمرؓ چلتے ہیں اُس پر شیطان نہیں چل سکتے''۔

استعداد کا صحیح استعمال

دیکھو! استعدادوں کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ وہ اگر خیر کے لیے استعمال کی جائیں تو بہت اعلیٰ مسلمان بن جاتا ہے اور اگر شر کے لیے استعمال کی جائیں تو بہت بڑا کافر بنتا ہے اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا ہوں بلکہ حدیث کے الفاظ سے استفادہ کیا ہے اور وہ یہ ہیں کہ حضور ﷺ نے دُعا فرمائی ''اَللّٰھُمَّ اَیِّدِ الْاِسْلَامَ بِاَحَدِ الْعُمَرَیْن''[21] اے اللہ! اسلام کی تقویت فرما دونوں عمروں میں سے کسی ایک کے ذریعے۔ ایک تھے حضرت عمر بن الخطاب اور ایک تھے عمر بن ہشام جس کا اسلامی نام ابوجہل پڑ گیا۔ الفاظ بتاتے ہیں کہ استعدادوں کے لحاظ سے دونوں برابر تھے لیکن ہوا یہ کہ ایک اپنی استعداد کو غلط رُخ پر استعمال کر کے جہنمی بن گیا اور دوسرے نے اپنی استعداد کو صحیح رُخ پر استعمال کر کے فاروق کے لقب سے ملقب ہوئے، جنتی بن گئے۔ عمر تو بن گئے حضور ﷺ کے ساتھ، یارِ دوم اور ابوجہل بن گئے حضور ﷺ کے فرعون اور ہر نبی کے مقابل میں اُس کا فرعون اِتنا ہی سخت ہوتا ہے جتنا کہ اس کا مشن اعلیٰ ہوتا ہے۔ گو عام طور پر فرعونِ موسیٰ علیہ السلام زیادہ مشہور ہے لیکن حضور ﷺ کا فرعون اس سے بھی زیادہ تھا۔ فرعونِ موسیٰ علیہ السلام جب پانی میں ڈبکیاں کھاتا ہے تو ظاہر کے لحاظ سے تو یہ کہتا ہے ''اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا

---

[21] ۔ اللھم اعز الاسلام باحب ھذا الرجلین الیک بابی جھل بن ھشام او یعمر بن الخطاب قال و کان اجھما الیہ عمر۔ (الترمذی بحوالہ جمع الفوائد حدیث نمبر: ۸۶۲۳)

اِسۡرَآءِیۡلَ وَ اَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۹۰﴾" کہ میں بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا تو جواب دیا جاتا ہے کہ " آٰلۡـٰٔنَ وَ قَدۡ عَصَیۡتَ قَبۡلُ وَ کُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۹۱﴾" کہ اب ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کر چکا ہے اور تو فساد کرنے والوں میں تھا اور اس کے برعکس جبکہ ابو جہل بدر کی لڑائی میں مارا جاتا ہے تو پوچھتا ہے کہ "کون؟"۔ فرمایا "عبد الرحمٰن" تو کہا کہ "اچھا ہوا کہ یثرب کے چرواہوں کے ہاتھ سے میں مارا نہیں گیا" اور پھر کہتا ہے کہ "میری گردن کو نیچے سے کاٹ دو تاکہ معلوم ہو جائے کہ سردار کی گردن ہے"۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ استعدادوں کو اگر ٹھیک رُخ پر استعمال کیا جائے تو جنت دِلانے والی ہوتی ہے اور اگر غلط رُخ پر استعمال ہو تو جہنم دِلانے والی ہوتی ہے۔ دیکھو! جس طرح تمہارے یہ میزائل ہزاروں میل کی رفتار سے چلتے ہیں اور لمبی لمبی مسافتوں کو سیکنڈوں میں طے کرتے ہیں اسی طرح انسان کی یہ سانس کو سمجھو، کوشش کرو تو ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ

طے شود منزلِ صد سالہ باہے گاہے

سو سال کی منزل ایک ہی آہ سے قطع ہو جاتی ہے اور غفلت اختیار کرو گے تو یہی حال ہو جائے گا جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہان شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راھم دور شد

(میں اپنے پاؤں سے کانٹا نکالنے کے لیے کچھ دیر ٹھہرا کہ قافلہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ ایک لحظہ کی غفلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے مقصد سے سو سال کی دُوری پر جا پڑا۔)

وقت اور محل کا صحیح استعمال

تو کہتے ہیں کہ لیلیٰ کی محمل جا رہی تھی اور یہ محمل کے پیچھے پیچھے بھاگا جا رہا تھا کہ

ویرانے میں چلا گیا۔ کانٹا چبھ گیا، اپنی مصلحت کو دیکھا، کانٹے کو نکالنا چاہا تو محمل نگاہ سے غائب ہوئی تو راہ محبت میں ایسی ایسی گھاٹیاں بھی آیا کرتی ہیں کہ معمولی سی غفلت سے سینکڑوں سال کی محنت اکارت جاتی ہے اور ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آرام سے بیٹھے رہیں لیکن اللہ رب العزت چاہتا ہے کہ اِس دین کے لیے محمد ﷺ کا خون بہہ جائے تو بہہ جائے، دانت شہید ہو جائے تو ہو جائے اور اس دین کے باغ کو سینچنے کے لیے اُن کو جتنا بھی کچھ کرنا پڑے کرنا پڑے لیکن رب کی مصلحت یہ ہے کہ اس کے لیے محنت کرتے ہیں تو دین زندہ ہوتا ہے اور یہ محنت خاص طریقے کے مطابق ہو اور وہ خاص طریقہ حضور ﷺ والا طریقہ ہے۔ یہ نہیں ہوتا ہے کہ دین تو ایک دے دے اور طریقہ دوسرا بتا دے۔ جس طرح کہ آج کل کے پگلے کہتے ہیں۔ دیکھو! یہ ڈاکٹر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، کھانا منہ سے کھایا جاتا ہے حالانکہ معدہ کو راستہ ناک سے بھی جاتا ہے۔ اب یہ صاحب کہیں کہ ہم تو ناک سے کھائیں تو ڈاکٹر صاحب کہیں گے کہ تُو پگلا ہے۔ ناک تو اس کے لیے بنا ہی نہیں تو اسی طرح ہدایت جب بھی آئے گی، اُس رُخ سے آئے گی جس رُخ پر حضور ﷺ چل چکے۔ ہم دوسروں کے طریقوں کو دیکھ کر اُن کے طریقوں پر چل کر دین کو زندہ نہیں کر سکتے۔ اشتہار بازی سے دین نہیں آتا، پروپیگنڈے سے دین نہیں پھیلتا بلکہ حضور ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے سے دین زندہ ہوتا ہے اور دیکھو! آج جن چیزوں کو ہم عقیدہ کہتے ہیں وہ پہلوں کے نزدیک ایک عمل گنا جاتا تھا۔ خشوع اُن کے نزدیک عمل ہے، خضوع اُن کے نزندیک عمل ہے، اخلاص اُن کے نزدیک عمل ہے، زُہد اُن کے نزدیک عمل ہے اور بعض کے نزدیک ایمان بھی گھٹتا بڑھتا ہے اور یہ دل کا عمل ہے اور دل سید الاعضاء ہے تو اس کا عمل بھی عملوں کا سردار ہے تو اس سید الاعضاء کے اعمال کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے حضرت مولانا الیاسؒ فرمایا کرتے تھے ”جب درخت سوکھ جائے، پتے زرد ہو جائیں تو کوئی شخص پتوں کے دھونے کی فکر میں نہیں ہوگا بلکہ

پہلے جڑ کی فکر ہو گی کہ اس کو کیڑا تو نہیں لگا، پانی تو دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایمان عملوں کا سردار ہے تو یہ کوئی عقلمندی نہیں کہ ہم ایک ایک پتے کو گرتے گرتے گنا کریں اور ایمان کی فکر نہ کریں"۔ کتنے لوگ ہیں جن کے جنازے مسلمانوں کے گھر سے نکلتے ہیں اور کفر کی موت مر رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے میرا جنازہ پڑھ لیا اور میں خدانخواستہ اگر ایمان والا نہیں تو کیا ہوا۔

تو دوستو! اُس گھڑی کی فکر کرو جو کہ آنے والی ہے۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ چلو خیر ہے، خیر ہے اور اس خیر کا پتہ لگ جائے گا جبکہ آنکھ لگ جائے گی اور باز پُرس شروع ہو جائے گی۔ ایک ایک عمل کے متعلق پوچھنا شروع ہو گا۔ اب تو ہم سمجھتے ہیں کہ ایمان کو تالا لگا دیا اور رہے امن میں لیکن حال یہ ہے کہ جو بھی اپنے ایمان سے غافل رہا، اُس نے اِس کی چابی نفس و شیطان کے حوالے کر دی۔ جب بھی موقع پائیں گے اس کو اُچک کر لے جائیں گے اور بزرگوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں سمجھا کہ ہمارا ایمان تو مکمل ہے۔ ہم تو بن گئے ہیں خان۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ "میں تیس صحابہ سے ملا لیکن اُن میں سے کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا تھا کہ میرا ایمان بالکل مکمل ہے بلکہ ہر ایک کو یہ خطرہ لگا ہوا ہوتا کہ وہ کہیں منافق تو نہیں ہوا"۔

ایمان کی محنت

دوستو! فکر کرو اپنے ایمان کی۔ نورانیت بڑھے گی تو دین بڑھے گا، نورانیت گھٹے گی تو اعمال گھٹتے چلے جاتے ہیں، رخصت ہوتے جاتے ہیں۔ اِس کی مثال ایسی ہے کہ جیسا دیا ہوتا ہے اُس کو تیل سے بھر دیا جاتا ہے، اُس کا تیل خرچ ہوتا جاتا ہے اور آخر کار ٹمٹمانے لگتا ہے اور بجھ جاتا ہے۔ اسی طرح بُرے اعمال انسان کی نورانیت کو بجھا ڈالتا ہے، رب سے بے پرواہ بناتا ہے۔ قرآن میں آتا ہے: "نسوا الله فانسٰهم انفسهم" اُنہوں نے اللہ کو کیا بھلایا بلکہ خود اپنے آپ کو بھول بیٹھے۔ وہ اپنے خیال میں اپنے کام کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اُن سے اللہ کے قرب

کے طالب ہوتے ہیں لیکن در حقیقت وہ ان سے دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جیسے انجن آگے بھی بڑھتا ہے اور پیچھے بھی ہٹتا ہے تو وہ لوگ جو ایمان کے لیے محنت نہیں کرتے، کوشش نہیں کرتے بلکہ ظاہر پر تلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اپنے رب سے دُور ہو جاتے ہیں، دِلوں میں قساوت آجاتی ہے اور حدیث میں آتا ہے کہ سب سے زیادہ اللہ سے دُور ''قلب قاسی'' ہے۔ اس قساوت کو دُور کرنے کے لیے ہر زمانے میں ہر نبی نے یہ نعرہ لگایا ''یَآاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا'' اے لوگو! کہہ دو ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' فلاح پاؤ گے اور فلاح عربی کے الفاظ کے لحاظ سے انتہائی کامیابی کو کہتے ہیں تو گویا مطلب یہ ہے کہ ''لَآ اِلٰہَ'' انتہائی کامیابی تک پہنچانے کا ایک درخت ہے اور اعمال صالحہ اس کی شاخیں ہیں۔ قرآن میں اِس کو شجر طیبہ سے یاد کیا ہے۔ یہ ایک سدا بہار درخت ہے۔ زمانے کی تیز و تند ہواؤں سے، وقت کے اُلٹ پھیر سے محمد ﷺ کے طریقے بدلا نہیں کرتے ہیں اور دنیا والوں کا دنیا میں غرق ہو جانا نبیوں والے اعمال کو ماند نہیں کرتے بلکہ اور چمکاتے ہیں۔ کیا نبی جب آتا ہے، اُس وقت ضلالت نہیں ہوتی، بے غیرتی نہیں ہوتی، اُس وقت دُنیا والے دنیا میں غرق نہیں ہوتے لیکن نبی دین کے لیے محنت کرتے ہیں اور اُن کو یقین کی راہ پر ڈالتے ہیں۔ جنگ اُحد میں خالد لڑائی کے لیے آیا اور کفار کی طرف سے ایسی بہادری دکھائی کہ بھاگے ہوئے قریش کے پاؤں جم گئے اور مسلمانوں پر سخت تکلیف چھا گئی۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کا دانت مبارک شہید ہوا لیکن وہی خالدؓ جب اسلام لاتا ہے تو سیف اللہ بن جاتا ہے۔

تو دوستو! کچھ دیا جاتا ہے اور کچھ لیا جاتا ہے۔ اپنی ناکارہ اور گندی زندگی دی جاتی ہے اور محمد ﷺ والی پاک اور مقدس زندگی لی جاتی ہے۔ ایک مثال عرض کروں۔ ہم ایک دفعہ کچھ کپڑا خریدنا چاہتے تھے تو ایک گائیڈ ہمیں اندر لے گیا ایک بڑے کارخانے میں۔ بڑے قیمتی کپڑے دکھائے اور ایک صوفہ بھی دکھایا اور کہا کہ یہ فلاں بادشاہ نے لیا ہے اور قیمت چھبیس

ہزار روپیہ ہے۔ اِسی طرح مختلف چیزیں دکھائیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تو اِس کو خریدنا چاہتا ہوں، بڑی خواہش ہے لیکن پیسے نہیں تو وہ کہے گا کہ پاگل جب پیسے نہ تھے تو اندر آئے کیوں؟ ہمیں تکلیف کیوں دی؟

تو دوستو! حضور ﷺ کا لینا کچھ مفت ہے۔ یہ سودا ایسی ہی ملے گا۔ ہمارے حضرتؒ نے فرمایا:

جان دے دے کے خریدار بنے ہیں انصار
عشق زار نبوی مصر کا بازار نہیں

انصار نے تو جان پر کھیل کر حضور ﷺ والی زندگی لے لی۔ اللہ کی مرضی کو حاصل کر لیا اور یہاں جو فقیر آئے تو اللہ کے لیے آئے۔ تو دے دیتے ہیں باسی روٹی اور ہمارے حضرت تھانویؒ نے ایک لطیفہ لکھا ہے کہ ایک تھے میاں جی۔ اُس کو اُس کے طالب کچھ نہ کچھ لایا کرتے تھے اور ایک تھے کہ کچھ نہیں لاتے تھے تو میاں جی کو اُن سے کافی سوء ظن رہتا تھا۔ اب جو ایک دن آئے تو کھیر لائے۔ اب میاں جی نے جو شروع کیا تو جھٹ بول اُٹھے ''اجی یہاں سے نہ کھائیو! اس میں کتّا منہ ڈال چکا ہے''۔ اب جو میاں جی کو غصہ آیا تو مار دیا زمین پر اور کر دے رکابی کے ٹکڑے تو لڑکا چلاتا ہوا گھر چلا اور کہتا تھا کہ ''ہائے! مجھے ماں اب کب چھوڑے گی۔ تُو نے تو میرے چھوٹے بھائی کے پاخانہ ڈالنے کی رُکابی توڑ دی''۔ تو یہی ہوتا ہے ہمارا حال کہ کالج میں تمام دن رہیں تو گھڑی کو نہ دیکھیں اور اب جو اللہ کی بات سننے کے لیے آئے تو گھڑیاں دیکھنی شروع ہو گئیں۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''پہلے جب امام نماز پڑھتے تھے تو آگے دیکھتے تھے اور اب جو پڑھتے ہیں تو پیچھے دیکھتے ہیں کہ مقتدی خفا نہ ہو جائیں''۔ اور پھر ہم کہیں کہ خوب ترقی ہو رہی ہے، عمارات بن رہی ہیں اور اب تو سینما[22] کو

---

[22]۔ اِن دِنوں میں انجینئرنگ کالج کے ہال میں ہندوستانی فلموں کے دِکھانے کا انتظام کیا گیا تھا، یہ اُن کی طرف اشارہ ہے۔

بھی ہالوں میں دکھایا جاتا ہے۔ ترقی کا دور دورہ ہے۔ اب دین کی طرف رُخ کون کرے اور مسجد کی طرف کون جائے سوائے چند غریبوں کے۔ وہ اکبر والی بات:

کونسل میں تمام سید اور مسجد میں فقط جمن

محاسبہ کا عمل

تو دوستو! رات کے وقت کچھ پانچ منٹ کے لیے سوچ لیا کرو کہ کیا کیا اور کیا کرنا ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ ''حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسِبُوْا'' اپنے اعمال کا محاسبہ کرلو قبل اس کے کہ تم سے محاسبہ کیا جائے اور ساتھ ساتھ ایمان کے مزے کو بھی چکھو جیسے کہ اوروں کی بڑی بڑی کتابیں صرف اس لیے پڑھتے ہو کہ فلاں چیز کا مزہ کیسا ہے اور فلاں چیز کا مزہ کیا ہے؟ ایک دفعہ میں نے ایک بڑی کتاب دیکھی۔ دیکھا تو تمام کے تمام صفحے اس پر سیاہ کیے ہیں کہ فلاں کھانے کا مزہ ایسے ہوتا ہے اور فلاں کھانے کا مزہ ایسے۔ اب تمام کتاب کو پڑھو لیکن وہ مزہ نہیں آئے گا جو کہ اُس چیز میں ہوتا ہے وہ تو تب آئے جب اس کو منہ میں ڈالو۔ دانتوں سے چباؤ اور پھر جو حلق سے اُتر جائے تو کچھ نہیں۔ وہی فضلہ بن جاتا ہے اور جو ایمان کا مزہ چکھ لیا تو منہ تو کیا حلق تمام عمر میٹھا رہے گا، دل کی ٹھنڈک حاصل ہو جائے گی اور اس مزے کو چکھنے کے لیے کچھ وقت لگانا پڑتا ہے، کچھ محنت کرنی ہوتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ کالج نہ جاؤ، سبق نہ پڑھو، اپنی کلاسیں بھی اٹینڈ کرو اور حاضریاں بھی پوری کرو لیکن ساتھ ساتھ دین کا کام بھی کچھ کرو لیکن اب تو ہمارے نوجوان جاتے ہیں تو پٹیاں سیدھی کرتے ہیں، اُن مٹی کی گندگیوں کو دکھانے کے لیے جو کہ گندگی سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ ہمارے ہاں تنقید نہیں ہوا کرتی لیکن کیا کروں کہ

دِل کے پھپھولے جل اُٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

دیکھو! قتل گاہ ہے یہ قتل گاہ، تو جیسے کہ لڑائی کے میدان میں فوری امداد کے لیے Ambulance Car لے جاتے ہیں اور ایک اُنگلی بھی کٹجاتی ہے تو پٹی لگاتے ہیں لیکن جب پورے کا پورا دِل کٹ جائے تو کچھ پرواہ نہیں اور یہی کہتے ہیں کہ تعلیم تو ہماری ریگولیشن (Regulation) میں نہیں ہے اور میں ایسے بہت لڑکوں کو جانتا ہوں جن کی آخرت کی زندگی نہیں بلکہ دنیاوی زندگی بھی بگاڑ دی۔

دوستو! فکر کرو کہ کسی کو Ambulance Car کی ضرورت تو نہیں، کسی کی نماز جو کہ دین کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، تو نہیں ٹوٹی۔ تم تو حضور ﷺ کے نسبت والے ہو۔ تم تو حضور ﷺ کے طریقے والے ہو۔ تم سے ایسے حالات کیونکر دیکھے جاسکتے ہیں۔

دیکھو! میڈیکل میں فرسٹ ایڈ کے لیے کتنے مہینے لگتے ہیں، کتنے دن صَرف ہوتے ہیں، کتنا مال خرچ ہوتا ہے اور یہ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ کسی کو اچانک کوئی جسمانی تکلیف آجائے تو اُس کی فوری امداد کی جائے اور جس کے دِل کٹ کٹ کر گر رہے ہوں تو اُس کے لیے کتنا وقت لگے، کتنا مال صَرف ہو اور اب تو مینول ورک[23](Manual Work) اور سوشل ورک(Social Work) ہے اور کیا ہے اور کیا نہیں اور اگر کچھ وقت بھی ہے تو اُس کی یہ حالت ہے:

دِل کے ہنگامۂ مغرب نے کر ڈالے خموش

اقدار کی رخصتی

دیکھو! تمہارے گاؤں میں جو اسلامی معاشرہ ہے، اُس کی یہی حالت ہے کہ چھوٹا بچہ بھی ملے تو کہتا ہے "پخیر راغلے" اور یہاں تو ایک طالب علم تم سے دو سال سبق پڑھ جائے اور

[23]۔یونیورسٹی کے نئے قانون کے مطابق فرسٹ ایئر کے طلباء سے خاص گھنٹوں تک کام کا مطالبہ ہوتا ہے جس میں زمین کھودنا، لکڑی چیرنا، رنگ لگانا وغیرہ شامل ہیں اس کو Manual Work کہتے ہیں اور تھرڈ ائیر طلباء کے لیے گرمیوں کی چھٹیوں میں مختلف کاموں کے لیے گاؤں میں کام کرنے کے لیے اوقات وصول کیے جاتے ہیں جن کو سوشل ورک کہا جاتا ہے۔

پھر بھی اگر تم پہلے سلام نہیں کرو گے تو وہ نہیں کرتے۔ کیوں؟

پہلا سبق یہی ہے کہ کالج میں مار ڈینگ

ہمارے چند دوستوں کو میں نے کہا کہ چھٹیوں میں کچھ اوقات رائیونڈ کے جانے کے لیے دے دو تو کہا" کہ ہم نہیں دے سکتے کیونکہ ہم مچھروں کے مارنے کے لیے جاتے ہیں، جراثیم کو ختم کرنے کے لیے جاتے ہیں" تو میں نے کہا کہ ان جراثیم کو مارتے ہو لیکن کفر والے جراثیم کو بھی مارو اور اگر نہیں مارو گے تو یہ جراثیم ان مادی جراثیم سے کئی گنا زیادہ خطرناک ہیں۔

اے حضور ﷺ کے باغ کے جوانو! تم کس رُخ پر جا رہے ہو۔ تم تو حضور ﷺ کے باغ کے پھول ہو، تم کس ڈگر پر چلے جا رہے ہو۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے کچھ وقت دو۔ اب اگر کسی کو اِن دسمبر کی چھٹیوں میں فرصت ہو اور 24,23 اور 25 کو توفیق ہو سکتی ہے تو وہ ارادے کر لیں اور سہ روزہ کے لیے اپنا نام لکھوا لیں۔

اوقات کی قدر شناسی

مسجد اسلامیہ کالج پشاور (18 دسمبر 1962ء، بعد از نمازِ مغرب)

دُنیا کی زندگی کا انسان کی پوری زندگی سے تناسب

بھائی، عزیزو، دوستو اور بزرگو! اللہ رب العزت نے ہمیں دنیا میں زندگی کے ایک بہت تھوڑے وقفے کے لیے بھیج دیا۔ ہماری زندگی جو اس دنیا میں گزرتی ہے، یہ ہماری کل کی زندگی کا اِتنا حقیر جُزہے کہ ایک ذرّے کو اگر صحرا سے اُٹھالیا جائے تو ذرّے کی بھی کچھ نسبت ہو سکتی ہے لیکن ہماری دنیا کی زندگی کی کُل زندگی کے ساتھ یہ نسبت بھی نہیں ہے۔ امام غزالیؒ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ اگر پوری کی پوری فضا کو تِل کے دانوں سے بھر دیا جائے اور ایک پرندہ ہو جس کی عمر بہت لمبی ہو اور اُس کو کہا جائے تو ہزار سال کے بعد ایک تِل اُٹھالو تو پوری فضا میں جو تِل ہیں وہ کتنے سال کے لیے ہو جائیں۔ تو وہ لکھتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ یہ تِل ختم ہو جائیں لیکن آخرت کی زندگی کی کوئی حد ہی نہیں۔ دنیا کی زندگی کے حدود تو ہیں اور جس چیز کی حدود ہوں وہ کبھی ختم ہو جائیں گی لیکن آخرت کی زندگی کی کوئی حد نہیں۔

اب امام صاحب نماز میں پڑھ رہے تھے: كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾ (النازعات ۷۹: ۴۶) (ایسا لگے گا جس دن دیکھیں گے اُس کو کہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگر ایک شام یا صبح اُس کی۔) جب تک کہ آپ کی یاد چلتی ہے، ماں کے پیٹ سے لے کر آخر تک یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ایک پَل گزرا یا ایک گھڑی۔ ہندوستان کے ایک عارف شاعر نے لکھا ہے کہ مرتے دَم یہ ثابت ہوا:

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا اور جو سنا افسانہ تھا

اس کو کہیں خیالی زندگی، جیسے کہ خواب میں ایک شخص بادشاہ بھی بن جائے لیکن

جب آنکھ کھلے تو کچھ بھی نہیں ہو گا اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”لوگ سو رہے ہیں، جب موت آجائے تو تب آگاہی ہو گی“۔ اور مجھ پر خود بھی ایسے واقعات گزرے ہیں کہ خواب سے اُٹھنا نہیں چاہتا لیکن جب پردہ کھل جائے تو معلوم ہو جائے۔

اپنے زیان کا احساس نہ رہنا

اور دُور کی بات کیوں بتائیں، ہماری آنکھ اپنے آپ کو نہیں دیکھتی تو اوروں کا کیا ذکر کریں، تو ہم نے حقیقت والی زندگی کو بھلا دیا۔ وہ اُردو کا ایک شعر ہے کہ ”سوتے کو آدمی تو جگا سکتا ہے لیکن جاگے کو کیسے جگائیں“۔ ایک بیمار ہے ٹی بی کا اور ڈاکٹر صاحب اسے کہیں کہ اپنی فکر کر لیکن وہ کہیں کہ میں تو چنگا بھلا ہوں تو مطلب یہ ہے کہ احساس زیان اور احساس مرض اصلاح کی طرف پہلا قدم ہے۔

دن کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ آٹھ، دس گھنٹے تو نیند میں گزر جاتے ہیں اور باقی میں ہم نے کبھی سوچا بھی ہے کہ کہاں سے آئے تھے اور کیا کر چلے۔ تم کو امتحان میں تین گھنٹے کا ایک پیپر دیا گیا۔ لکھا بھی ہے اوار ایکزامینر (Examiner) نے کہا کہ ایک منٹ کی مہلت نہیں دی جائے گی بلکہ فوراً Standup۔ اب ایک طالب علم ہے کہ کبھی سگریٹ سلگاتے ہیں، گنگناتے ہوں گے، ڈھائی گھنٹے تو ایسے گزار دے اور پھر جو سوچا تو لگگیا پرچہ حل کرنے۔ تو کیا وہ کچھ کرے گا اور پھر ہماری زندگی کے تین گھنٹے بھی ہیں اور وہاں تو کہتا ہے "Five minute more" اور یہاں تو یہ بھی نہیں۔ تو مطلب یہ ہے کہ غفلت سب سے بُری بلا ہے۔ تو ایک کے متعلق آتا ہے کہ لائف جیکٹ (Life jacket) باندھے ہوئے ہیں اور دریا میں چھلانگ لگائی، دوسرے نے دیکھا کہ اگر وہ چلا گیا تو میں کیوں نہ جاؤں۔ تو وہ بغیر لائف جیکٹ اور تیراکی جانے بغیر دریا میں کود پڑا تو حشر کیا ہو گا؟ اور میرے ساتھ خود ایک واقعہ ہوا کہ کشمیر میں گیا۔ ابھی چھوٹی عمر تھی اور لوگوں کو دیکھا تو خود بھی چھلانگ لگائی اور اگر لوگوں نے

پکڑ لیا نہ ہوتا تو اب میں آپ کے سامنے بیٹھا نہ ہوتا بلکہ کہیں اور ہوتا اور ہمارے ایک شراب خوار شاعر نے یہی کہا ہے:

رو میں ہے رخش عمر دیکھئے کہاں تھمے
نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رُکاب میں

ہماری زندگی کا گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ:

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

وہ کسی نے کہا:

حیات دو روزہ کا کیا عیش و غم
سفر کا بھی کیا جیسے تیسے رہے

یہ مغربی ممالک کو آپ جانتے ہو جو کہ آج کعبہ بن گئے، دِلوں کے کعبے بن چکے، یہاں ہوتی ہیں خودکُشیاں زیادہ اور خودکُشی وہ نہیں کرتے جو فقیر اور نادار ہوتے ہیں بلکہ وہ کرتے ہیں جن کی مالداری آپکے ذہن میں بھی نہ آسکے۔ انہوں نے کارخانہ بنایا، سکیم بنائی اور تھوڑا سا ایسا ویسا ہوا اور سٹے کو وٹا لگا۔ اِدھر اُن کی سکیم فیل ہوگئی اور اُدھر اُن کا ہرٹ فیل ہوا اور جو بچے تو خودکُشی پر تُل جاتے ہیں کہ زندگی تو بس یہی تھی، اب کیا کریں۔

تو انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور ہمیں آگاہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ وہ ہمارے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''کُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ وَّ عَابِرُ سَبِيْلٍ''۔ (دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ ایک ناآشنا شخص اور یا راہِ چلتا مسافر)۔ ریل میں عموماً چار کلاسیں ہوتی ہیں۔ ایک تھرڈ ہوتی ہے، ایک اِنٹر، ایک سیکنڈ اور ایک فرسٹ۔ اب تھرڈ میں تو یہی حالت ہوتی ہے کہ دروازے تک ڈبہ لوگوں سے بھرا رہتا ہے۔ اب مسافر اس سختی کو کیوں جھیلتا ہے کیونکہ وہ

سمجھتا ہے کہ اب پہنچ جائے گا اور ایک ہے فرسٹ کا مسافر، اُس کو خوب آرام حاصل ہے کہ گھر میں بھی وہ راحت نہیں ہو گی۔ گدّے ہوتے ہیں کہ گھر میں بھی ایسے گدّے نہیں ہوں گے لیکن کیا وہ اس کو اپنا گھر سمجھتا ہے۔ اس سے جی لگا تا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس دنیا سے دل نہ لگاؤ۔ اگر دل لگایا تو پھر نکالنے کے ساتھ دل بھی نکلے گا۔ یہ دنیا کی لذات کیوں ہمارے دل سے نہیں نکلتیں۔

کیا بتاؤں وہ نگاہیں کیوں کر رگِ جان ہو گئیں
دِل میں نشتر بن کے ڈوبیں اور پنہاں ہو گئیں

دُنیا کی مثال ہزار پایہ کے قصّے سے

جیسے کہ ہوتے ہیں فنا فی اللہ اور ایسے ہوتے ہیں فنا فی الدنیا۔ یونان کے شہر میں بقراط نامی ایک شخص گزرا ہے۔ وہاں شہزادے کے دماغ میں ایک ہزار پایہ رات کے وقت گھس گیا۔ اب اُس نے کھوپڑی کو علیحدہ کر کے رکھ دیا۔ اب دیکھتے ہیں کہ اُس نے پنجے ایسے جکڑے ہیں کہ کھینچتے ہیں تو دماغ بھی ساتھ آتا ہے۔ اب یہ نکالنا چاہے تو کیسے نکالیں۔ آخر انہوں نے سوچا کہ ایک شیشے کو تپاؤ کہ اس کی تپش اُس کی کمر پر لگے اور جب تپش لگے تو یہ قدموں کو چھوڑے گا۔ خیر ایسے کیا اور شہزادہ صحت یاب ہوا۔ یہ قصّہ میں نے آپ کو قصہ کے واسطے نہیں سنایا بلکہ اس لیے کہا ہے کہ اس دنیا کے ہزار پایہ نے ہمارے دل میں اپنے پنجے ایسے پیوست کیے ہیں کہ دنیا نکلے تو دل نکلتا ہے اور جب نکال دے گی دنیا تو وہاں دھکا دے گی کہ پتہ بھی نہیں چلے گا۔

ہارون الرشید کے زمانہ میں بظاہر پگلا اور حقیقت میں دانا بہلول دانا تھا۔ اُس نے اپنے سامنے دو کھوپڑیاں رکھی ہوئی تھیں اور کچھ عجیب انداز میں ان کو دیکھ رہا تھا۔ ہارون الرشید کا وہاں سے گزر ہوا تو پوچھا کہ ”کیا کر رہے ہو پگلے“۔ اُس نے کہا کہ حیرت میں ہوں کہ ”یہ ہیں

دو کھوپڑیاں اور اِس میں ہے ایک میرے باپ کی اور ایک ہے تمہارے باپ کی۔ اب پتہ نہیں چلتا کہ کون سی تمہارے باپ کی ہے اور کون سی میرے باپ کی"۔ تو یہ دنیا جب لات مارے گی تو تب پتہ چلے گا۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا اور جو سنا افسانہ تھا

تو انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور ہمیں بتاتے ہیں کہ دیکھو! اگر اس دنیا کے کیڑے کو دل سے نکالا نہیں تو یہ ایسے پنجے دل میں جکڑے گا کہ نکالنا مشکل ہو جائے گا۔ آپ کہیں گے کہ جنگل میں بٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

آب زیر کشتی بہر پُشتی است
آب در کشتی ہلاک کشتی است

(پانی کشتی کے نیچے ہو تو سہارا دیتی ہے لیکن جب اندر آنے لگے تو ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔)

کہ کشتی پانی پر چلتی ہے اور کیا کوئی کشتی ریت پر چلتی ہوئی دکھائی دی ہے۔ اب تم بن جاؤ عقلمند اور ڈالو پانی اُس کے اندر تو کشتی ڈوب جائے گی۔ اس لحاظ سے دنیا کو دل کے اندر لینا منع ہے۔ دنیا کو حاصل کرنا منع نہیں تو اس بھوت اور جن کو اُتارنے کے لیے کچھ نسخے بتاتے ہیں جیسے کہ بقراط نے اُس ہزار پائے کو نکالا اور وہ نسخہ کیا ہے؟ کچھ مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ محنت پر ڈالتے ہیں اور جیسے کہ تمہاری پڑھائی میں محنتی طالب علم کی عزت ہوتی ہے اسی طرح محنت کرنا کوئی بُری بات نہیں اور جیسے کہ ہمارے ایم۔ اے پریویس (Previous) کے امتحان میں یہ اجازت ہوتی ہے کہ کوئی پرچے دیں ایک سال میں اور کوئی چاہے تو دو سالوں میں دیں، کچھ دیں ایک سال میں اور باقی دوسرے سال میں۔ اب جو دو سال کا کورس ایک سال میں پاس کرانا چاہتا ہے تو اُس کو دُگنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ پہلے تو ہم باسی روٹی دیا کرتے تھے اور اب تو

فقیر کو وہ بھی نہیں ملتا بلکہ اپنے بُخل کو چھپانے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ ہٹا کھٹا ہے، مزدوری کر کے کماتا کیوں نہیں؟

تو ہم یہ کہیں کہ اگر کالج کے اوقات میں نہیں دے سکتے تو چھٹیوں میں بچی کچھی ہی دیں یعنی بارہ دن میں سے صرف تین دِن دے دیں تو اِن چھٹیوں میں کون ہے جو اپنے اوقات کو دیتا ہے؟ اور ایک بات عرض کروں کہ جس نے مرنا نہیں اور جس نے آخرت میں جانا نہیں تو اُس سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ جب داخلہ لینا ہی نہیں تو ہم کیوں تنگ کریں۔ تو بھئی اگر کسی کو داخلہ لینا ہے تیاری کرنی ہے تو جیسے کہ میڈیکل اور دوسرے کاموں کے لیے وقت نکالتے ہو، اسی طرح اس کے لیے بھی وقت نکالو۔

ہدایت کی راہ اور انبیاء علیہم السلام والے اعمال

شب جمعہ گنج علی خان مسجد (20دسمبر 1962ء)

انبیاء علیہم السلام کے طریقے راحت کا سبب

بزرگو اور دوستو! اللہ رب العزت نے انبیاءؑ کے ذریعے انسانوں کو جو طریقہ عطا فرمایا ہے وہ زندگی کے جملہ منازل اور انسان کی جملہ ضرورتیں اور جتنی بھی حاجتیں ہوتی ہیں وہ اس طریقے سے پوری ہوتی ہیں۔ یہ زندگی کا ایک معمولی وقفہ ہے جو کہ ماں کے پیٹ سے ہونے سے قبر تک ہے۔ یہ عام لوگوں کی غلطی ہے کہ ہم اِسے اصل زندگی سمجھتے ہیں اور نبی علیہ السلام نے تو صاف لفظوں میں کہا کہ ''لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ''(بخاری و مسلم) یہ زندگی ہماری زندگی کا مرحلہ نہیں بلکہ اس کا ایک معمولی وقفہ ہے جیسے کہ صحرا میں ایک ذرّہ ہوتا ہے۔ یہ زندگی حقیقت کے لحاظ سے میں یوں کہوں کہ دنیا میں جتنے بھی انسان ہوئے اور جو ہونے والے ہیں اور جتنے بھی حیوان جن کے جسم پر بال ہیں اور میں صرف اس زمانے کے جانور نہیں جملہ حیوانات جو کہ مر چکے ہیں اور جو کہ ابھی پیدا ہونے والے ہیں، ان سب کے بال لیے جائیں اور پھر ان میں ایک بال کو جو جملہ بالوں سے نسبت ہے وہ اس زندگی کی ابد الاباد والی زندگی سے جو نسبت ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ انبیاءؑ کے طریقے انسان کی زندگی کے جملہ مرحلوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ وہ مرحلے جس کو عالم ارواح کہتے ہیں اور جس کو ماں کے پیٹ اور جس کو ہی دنیا اور پھر یہاں سے قبر کی منزل ہے اور حشر، صراط اور ابد الاباد کی زندگی ہوتی ہے اور یہ وہ زندگی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ تو انبیاء علیہم السلام کے طریقے ان تمام منازل میں رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے کہ طریقۂ نبویہ اس دنیا میں غلطی کرتی ہے بلکہ طریقہ نبویہ جملہ منازل میں رہنمائی کرتی ہے۔ اُن پر زندگی کے اس معمولی وقفے کی حقیقت بھی کھلی ہوئی ہے اور دوسری

زندگیوں کی بھی کھلی ہوئی ہے۔ اس قطرے کو سمندر پر قربان کرتے ہیں۔ سمندر کو قطرے پر قربان نہیں کرتے اور ذرے کو صحرا پر قربان کرتے ہیں، صحرا کو ذرے پر قربان نہیں کرتے۔ وہ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم ارواح کا وقفہ تو ہمیں معلوم نہیں، ماں کے پیٹ کے وقفے کا کچھ علم دیا گیا لیکن اس کی حقیقت سے بھی واقف نہیں۔ اس کے بعد جب اِس دنیا میں آئے اور بعض کو جانتے ہیں اور بعض کو نہیں جانتے اور اس کا معمولی سا حصہ جانتے ہیں، ظاہر کو جانتے ہیں ''يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'' حقیقت کا پتہ نہیں، چھلکے کو جانتے ہو، قشر کو جانتے اور مغز کو نہیں جانتے اور جو صرف قشر کو جانتے ہیں، ان کو جاننے والا نہیں کہا جاتا۔ قرآن نے صاف صاف کہا اور کھل کر کہا اُن لوگوں کو جو کہ بڑی بڑی آنکھوں والے تھے اور عقل کے بڑے دعویدار تھے، ان کو اندھا کہا، بے عقل کہا۔ کیوں کہا؟ کہ ان کو اس دنیا کا کوئی پتہ نہیں کہ کیا ہو رہا ہے، کیا ہو گا اور کیوں ہو گا؟ اندھے ہیں اور جیسے کہ اندھے تیر چلاتے ہیں اور کبھی وہ تیر کام کر جاتا ہے اور کبھی میاں اُس کو نشانے پر پہنچا تا ہے۔ تو اندھے لوگ، رب سے ناواقف لوگ اس کو جو کامیابی کہتے ہیں یہ حقیقت میں کامیابی نہیں، رب کی ڈھیل ہے۔ اُن کو اِتنا بھی پتہ نہیں کہ میں نے جو بات شروع کی، کیا مجھے اِتنی فرصت بھی دی جائے گی کہ بات کو ختم کروں۔ اُن کی مثال کنویں کے مینڈک کی ہے۔

ہمارے علم کی کوتاہی کی ایک مثال

ایک مینڈک کنویں میں پلا بڑھا تھا۔ اتفاقاً کہیں سمندر والا مینڈک اس کنویں میں گر پڑا۔ اب یہ اُن کو سمندر کی وسعت اور بڑائی بیان کرتا ہے تو کنویں والے مینڈک نے کنویں میں چھوٹا سا چکر لگایا کہ کیا سمندر اِتنا بڑا ہو گا۔ اُس نے کہا کہ اِس سے بہت بڑا ہے۔ آخر چکر لگاتے لگاتے اُس نے سارے کنویں کا چکر لگایا تو سمندری مینڈک نے کہا کہ سمندر بہت بڑا ہے تو اس پر کنویں والا مینڈک کہتا ہے کہ ہم اس کے ماننے کے لیے بالکل تیار نہیں کہ سمندر اس

سے بھی بڑا ہو سکتا ہے۔ تو یہ اندھے عقل والے، جن کو کچھ خبر نہیں۔ اُن کی مثال کنویں کے مینڈک سے بھی بدتر ہے۔

تو دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ جس عمارت کو ریت کی بنیاد پر اُٹھایا گیا تو وہ عمارت کامیاب نہیں ہوتی جو کہ عمارت بناتے ہیں اور مستقبل کا پتہ نہیں۔ اُن کو یہ پتہ نہیں کہ ہم کامیاب ہو جائیں گے یا نہیں۔ دیکھو! یہ اندھوں کے سکیم جو یہ بناتے ہیں، اگر رب چاہیں تو کامیاب ہو جاتے ہیں اور نہ چاہیں تو کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ''وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝'' یہ تدبیریں کریں اور اللہ تدبیر کرے اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والے ہیں۔ اُن کی سکیموں پر کوئی فیصلہ غالب نہیں ہوتا۔ اللہ کا فیصلہ غالب ہوتا ہے۔ چٹان سے جو بھی ٹکرائے وہ چکنا چور ہوگا۔

رومی جاسوس کا مسلمانوں کا حال بیان کرنا

میں عرض کر رہا تھا کہ بعض لوگوں کی آنکھوں پر پردہ سا آجاتا ہے تو ان کو کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ حضرت عمرؓ کے دَور خلافت میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی، رب بڑھا رہے تھے۔ وہ لوگوں کے مال وجاہ کے طالب نہ تھے بلکہ اس کو بڑھانے والے تھے۔ اللہ ان کو بڑھا رہا تھا اور وہ اللہ کے دین کے حامی تھے۔ تو یہ فرقہ شام میں جا رہا تھا تو ہرقل نے کچھ لوگوں کو بھیجا کہ معلوم کرو کہ یہ کیسے لوگ ہیں؟ کہ اُن کے نیزے ٹھیک نہیں، ان کے ساتھ سواری نہیں تو اُن کے ساٹھ کیسے ساٹھ ہزار کو شکست دیتے ہیں تو جاسوسوں نے معلوم کر کے کہا کہ ''رُهْبَانُ اللَّيْلِ وَ فُرْسَانُ النَّهَارِ'' کہ یہ رات کے راہب عبادت گزار ہیں اور دن کے وقت گھڑ سوار ہیں۔ اور جیسے کہ ہم کو بیویوں سے محبت ہے۔ ان کو موت سے محبت ہے تو یہ سن کر ہرقل نے کہا: ''اے عمر! تم نے میرے کلیجے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا، ایسے لوگوں سے مقابلہ نہیں ہو سکتا''۔

اللہ تعالیٰ کے علم کا پوری زندگی پر احاطہ

تو دوستو! لوگوں کے منصوبے اندھیرے کے تیر ہیں۔ حکم چلتا ہے تو اللہ کا چلتا ہے۔ یہاں بھی اللہ کا حکم چل رہا ہے، قبر میں بھی چلے گا اور حشر میں بھی چلے گا۔ پنکھا جو چل رہا ہے اس کو چلانے والی چیز اور ہے اور جو بجلی چلتی ہے اس کو چلانے والی چیز اور ہے۔ جیسے اللہ نے بغیر شرکت کے پورے عالم کو پیدا کیا، جیسے خلقت میں وہ واحد و یکتا ہے ایسے اس کے چلانے میں واحد و یکتا ہے۔ اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۴﴾ (الملک ۶۷: ۱۴)

(بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جاننے والا خبر دار۔)

رب چلاتے ہیں اپنا حکم اور یہ چلاتے ہیں اپنا حکم۔ اب رب ان کو جو ڈھیل دیتے ہیں تو ان کی مثال سائیکل سوار کا لاری کے ساتھ لگ کر چلنا ہے۔ رب جب نہ چاہیں تو گاڑی کھڑی کر دیں تو تمہاری سائیکل آگے نہ جائے۔

انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور ایک طریقہ بتاتے ہیں اور وہ اس عالم کو نہیں بناتا بلکہ ابد الاباد کو بھی بناتا ہے۔ نبی پر جو حال کھلتا ہے وہ عام لوگوں پر نہیں کھلتا۔ وہ قبر کو دیکھتا ہے اور جس کو ہم مٹی کے ڈھیر سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ نبی ﷺ ایک قبر پر گزر رہا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر عذاب ہو رہا ہے اور بڑی چیزوں کی بنا پر نہیں بلکہ جس کو تم ہلکا سمجھتے ہو اُس کی بنا پر کہ ایک پیشاب کی چھینٹوں سے اپنے کو نہیں بچاتا اور دوسرا غیبت کرتا پھرتا ہے۔ اب تم خواب میں کسی کو گلے لگائے ہوئے ہو اور ایک آدمی کچھ اور دیکھتا ہے۔ لاش پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ ہم نہیں جانتے لیکن اُس پر وہ گزرتا ہے۔ آنکھیں چھت سے لگی ہوئی ہوتی ہیں، حقیقت کھل جاتی ہے، بیوی بُلائے، بچے بُلائے تو وہ حقیقت سے دھوکے میں نہیں آسکتا۔ انبیاء علیہم السلام نے ان چیزوں کو کھولا اور خوب کھولا۔ وہ آتے ہیں اور اس لیے مقرر ہو کر آتے ہیں کہ لوگوں کو

صاف راستہ بتائیں۔ وہ مامتا سے انسانوں پر زیادہ شفیق ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ مامتا کا دِل کسی بات سے خفا ہو کر بچے کو تکلیف دے لیکن نبی کا دل انتہائی شفقت والا ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے۔ اگر گردن کٹواتا ہے تو وہ اس لیے کہ آپ کی جاودانی زندگی بن جائے۔

یک جان بستاند و صد جان دھد
آنکہ در وہمت نہ آید آن دھد

(اللہ تعالیٰ اگر تم سے ایک جان لے، تو اس کے بدلے سو جان عطا فرمائے اور وہ کچھ دے دے جو تمہارے خواب وخیال میں بھی نہ گزرے۔)

تو کسی نے حج کا ارادہ کیا اور وہ یہاں سے تقریباً مغرب کی طرف ہے اور وہ چلتا ہے جاپان کی طرف، تو کیا وہ حج کرے گا۔ اگر تُو نے رب کو اپنا مقصود بنایا تو دنیا مقصود نہیں رِہ سکتی۔ دو تلواریں ممکن ہے کہ ایک نیام میں سما جائیں لیکن خدا اور چیزوں کی محبت ایک جگہ نہیں سما سکتی۔ شیطان اور رحمان ایک جگہ نہیں ہو سکتے۔ آگ اور پانی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات کہی تھی: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ (الانعام ٦: ٧٩)

(میں نے متوجہ کر لیا اپنے منہ کو اُس کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا۔)

میں نے اپنے چہرے کو پھیرا اور زمین سے پھیرا، آسمان سے پھیرا اور ایک ہی ذات کی طرف پھیرا اور قرآن نے کئی بار کہا کہ کیا اللہ اچھا یا بسیار خدا اچھے۔

کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ

تو انبیاء علیہم السلام جو طریقہ لاتے ہیں، وہ ایسا جامع ہوتا ہے کہ جس سے یہ زندگی

بھی بنے اور آخرت کی زندگی بھی بنے۔ وہ موٹے اُصول ہوتے ہیں، اُن کا معاملہ عامۃ الناس سے ہوتا ہے۔ ہمارے آقا محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمام لوگوں کے لیے آئے۔ "كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا"۔ آپ کا طریقہ جنات اور انسانوں دونوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ نبی تمام دنیا کے لیے رحمت ہے اور جو تمام دنیا کے لیے رحمت ہے اُس طریقے کو چھوڑ کر کتنی زحمت ہوگی۔ وہی طریقۂ حیات پیارا ہے، چینوں میں لپٹا ہوا ہے، سکونوں میں لپٹا ہوا۔ جو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا طریقہ ہے۔ اب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جو زبان سے فرمایا اور جو اعمال کیے وہ دین، جو معاملات اپنی بیوی سے رات کے اندھیرے میں کیے وہ بھی دین۔ اگر لوگ ان معاملات کو اختیار کر لیں تو وہ دین اور اختیار نہ کریں تو بے دینی۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اعمال سے نکل کر کوئی دین نہیں۔ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ" کیا ہیں، دو بول ہیں۔ اب ان دو بولوں کو بھی ہم نہ جانیں ان کو بھی نہ سنبھالیں۔ تو کتنی کمبختی ہے۔ اللہ رب العزت نے دین کو مجسم کر کے مشکّل کر کے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شکل میں پیش کیا۔ جو احکام اللہ کی ذات سے آتے تھے وہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات میں اُتر کر دین کی مشکل صورتیں بن جاتی تھیں۔ بلا تشبیہ عرض کروں کہ جس طرح سونا پگھلتا ہے اور سانچوں میں ڈھالا جاتا ہے

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زندگی اور اُن کی عملی شکل

اسی طرح قرآن حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر اُتری اور پھر اعمال کے مجسد شکلوں میں ظاہر ہوا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا وجود قرآن کا مشکّل ہے اور خود فرمایا "صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ" نماز وہ ہے جو کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پڑھی۔ (متفق علیہ مرقاۃ، حدیث نمبر: ۶۸۳، مشکوٰۃ: ۶۸۳)

اب جس نے کوشش کی اور اس کوشش کو ہم یہ نہیں کہتے کہ کیفیت کے لحاظ سے کمیت کے لحاظ سے آپ کے اعمال کے برابر ہو جائیں لیکن کچھ نسبت تو ہو جائے گی۔

توبہ کی فضیلت

بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا، اُس کو قتل میں مزا آتا تھا تو ننانوے قتل کیے۔ پھر توبہ کی طرف رغبت ہوئی تو گئے عابد کے پاس کہ میری توبہ کی کوئی شکل بن سکتی ہے۔ اُس نے نفی میں جواب دیا۔ اُس کو قتل کر کے سو پورے کیے۔ پھر دل میں خلش پیدا ہوئی اور کسی عالم کے پاس گئے۔ اُس نے توبہ کا یقین دِلایا اور جگہ بدلنے کی ہدایت کی۔ اُس نے سچی توبہ کی اور اپنے گاؤں سے جدا ہو کے نیک لوگوں کی طرف رُخ کیا۔ راستے میں موت آئی۔ اب رحمت اور عذاب کے فرشتے آئے۔ ایک کہتا ہے کہ اُس نے ساری عمر گناہوں میں گزاری اور دوسرا کہتا ہے کہ اُس نے سچی توبہ کی۔ غرض اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا اور یہ صالحین کے گاؤں کے قریب ہو کے رحمت کے فرشتوں کے حوالہ کر دیئے گئے۔

تو وہی محنت جس سے ہم خدا کو لے سکتے تھے، اُس کو ہم نے گندگیوں میں صرف کیا۔ خدا کی قدر تو خدا کی قدر، ہم نے اپنی قدر کو بھی نہیں پہچانا۔ اللہ نے جو جواہرات انسان کے اندر رکھے ہیں، اس کو پہچانیں تو کہاں سے کہاں پہنچ جائیں۔ وہ صوفیاء نے کہا ہے ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ'' جس نے اپنی ذات کو پہچانا اللہ اُسے توفیق دے کر اپنی معرفت نصیب کریں گے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ قولی دین نہیں، کتابی دین نہیں ہے بلکہ عملی دین ہے اور حضور ﷺ نے خود فرمایا ''اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ، لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسَبُ الشَّهْرَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا'' و عقد الابهام فى الثالثة، ثم قال: ''الشهر هٰكذا وَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا'' يعنى تمام الثلاثين يعنى مرة تسعا و عشرين و مرة ثلاثين متفق عليه''۔

(مشکوٰۃ حدیث نمبر: ۱۹۷۱)

یعنی ہم نہ تو حساب کتاب جانیں یعنی ہمارا مدار ان پر نہیں ہے۔ یوں کہہ سکتے تھے

کہ تیس دن ہیں بلکہ مہینہ کبھی تیس دن کا ہوتا اور کبھی اُنتیس کا اور بعض لوگ ہوتے ہیں جو کہ حساب نہ جانے تو اُنگلیوں سے شمار کرتے ہیں۔لوگ کتابوں پر مریں اور ہم کہیں کہ کتاب ہے ہی نہیں مگر کتاب اللہ اور اُس کے حواشی یعنی احادیث اور فقہ اور جو کتابیں اُن سے نہ ٹکرائیں۔

علم بنو و غیر علم عاشقی
مابقی تلبیس ابلیس شقی

(اللہ کی محبوبیت حقیقی علم ہے اور باقی علوم جن میں اخلاص نہ ہو ابلیس کے جال ہیں۔)

تو میں کہہ رہا تھا کہ اتباع عمل کی وجہ سے انسان کو اللہ کی عطا سے حصہ ملتا ہے۔ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه'' یہ دو بول ہیں۔ یہ انسان کو عمل کرنے والے ہیں۔ اب ہر انسان یہ جانتا ہے کہ حضور ﷺ صرف عربوں کے لیے نہیں آئے بلکہ پوری انسانیت کو دین دینے آئے تو جو بھی اعمال آپ سے نکلے تھے وہ اُن لوگوں کے لیے کافی تھے۔ دیکھو! بچپن میں تم کیا پیتے تھے، اماں کا دودھ پیتے تھے اور اماں کا نہیں تو ڈبے کا دودھ اور اگر بچپن میں تمہیں زبان دی جائے اور تم یہ کہو کہ میں مرغا کھاؤں تو کیا تم کو اس سے صحت ہو گی۔ یہ راست آئے گی۔ تو اسی طرح اور انبیاء علیہم السلام انسانیت کے ابتدائی دَور میں آئے اور جب زمانہ شباب کو پہنچا تو حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ کا خاکہ اجتماعی بھی ہے اور انفرادی بھی۔ اگر اجتماع کے ساتھ چلتے ہیں تو فرد بنتا ہے اور اگر اجتماع ٹوٹتا ہے تو فرد کی صلاحیت پر زد پڑتی ہے۔

خیر الاُمم کی بعثت

اور یہ اُمت پیدا کی گئی اجتماعی کوشش کے لیے۔ تم تو نکالے گئے لوگوں کے لیے ''اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' پانی دینا، کپڑے دینا، یہ بھی ضمن میں آسکتی ہیں لیکن اس کی بھی تشریح کر دی تاکہ کل کوئی اس کے دوسرے معنی نہ نکالیں تو فرمایا: ''تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ'' کہ تمہارا کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اللہ پر ایمان لانا ہے۔ یہ تین صفات جب موجود ہوں تو اُمت مضبوط ہوتی چلی جائے گی۔ یہ اُمت ایسی نہیں کہ اوروں کے گھر جلیں اور یہ ان کو جلنے دیں اور خود اپنے گھر کی فکر کریں۔ یہ اُمت وہ ہے کہ دوسروں کے گھر کو بچائے اور یہ یقین رکھے کہ اس کا گھر خدا بچائے گا۔ ایسا نہیں کہ روم تو جلے اور نیرو سیٹی بجار ہا ہو۔ حضرت مولانا الیاسؒ نے فرمایا: ''کہ یہ کام اگر اپنے گھر پر ہو تو نصرت اور اگر باہر ہو تو ہجرت ہو گی''۔ اس اُمت کے جملہ افراد کی مثال ایسی ہے کہ ایک چٹان ہو اور اُس پر بہت سے مکانات قائم ہوں۔ اگر ایک میں جنبش آئے تو دوسرے پر گر کر تمام ٹوٹیں۔

اُمت کے قیام میں اجتماعیت کی اہمیت

یہ اُمت اجتماع سے قائم ہے اور اس اجتماع میں قرآن میں یہاں تک آیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام یہاں تک بات کو قبول کر گئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور گئے تو ایک پگلا تھا سامری، اُس نے زیورات سے ایک بچھڑا بنایا اور روح القدس کے پاؤں سے ہریالی پیدا ہوتی تھی تو اُس نے وہ مٹی لے لی اور بچھڑے میں ڈالی اُس سے ایک آواز سی نکلتی تو کہا کہ یہ ہے تمہارا خدا۔

اسی طرح یہ پگلے ہندو بھی گائے کو خدا مانتے ہیں۔ جب ہم شملہ میں ہوتے تھے تو وہاں ہندو عورتیں جب پاک ہوتی ہیں تو چالیس دن کے بعد گائے کا پیشاب پیتی ہیں اور یہاں سے چالیس دن کا مسئلہ غلط مشہور ہوا کہ اُس دن کے بعد صاف ہو جائے۔ اگرچہ صفائی پہلے حاصل ہو جاتی ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس آئے اور قوم کی حالت دیکھی تو وہ تھے جلالی پیغمبر اور جلال اب بھی معلوم ہوتا ہے۔ وہاں کے چٹان جلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں تو آئے اور پکڑی ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور اب پگلے تو یہ کہیں کہ قرآن میں داڑھی کا

تذکرہ نہیں تو ہارون علیہ السلام نے جواب دیا کہ "مجھے داڑھی سے پکڑو مت۔ اگر میں ان سے لڑتا تو آپ فرماتے کہ قوم کے درمیان تفرقہ قائم کیا"۔

خدمت کا صلہ اور عبد اللہ بن عباسؓ

حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ! فتنوں کے درمیان دیوار ہیں تو خود پوچھا کہ دیوار گرے گی یا توڑی جائے گی تو فرمایا کہ توڑی جائے گی تو اجماع حضرت عمرؓ کے زمانے سے ٹوٹا ہے۔ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا زمانہ ایسا تھا اور تمہارا ایسا۔ تو کہا "ان کے مشیر ہم جیسے اور ہمارے مشیر تم جیسے"۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اپنی خالہ میمونہؓ کے ہاں بچپن میں تشریف لے گئے اور اپنی خالہ سے کہتا ہے کہ آج رات کی خدمت میں کروں۔ اب حضور ﷺ آدھی رات میں اُٹھے اور ہمیں جو وجود بخشا گیا تو حضور ﷺ کی برکت سے دیا گیا۔ تو اب حضور ﷺ کے صدقے میں آنے والے حضور ﷺ کے خاکوں کو مٹاتے ہیں تو اس کا حشر کیا ہو؟ حضور ﷺ جب دیکھتے ہیں تو کیا کہتے ہیں "یہ پانی کس نے رکھا ہے"؟ اب کہا جاتا ہے کہ "عبد اللہ بن عباسؓ نے"۔ اللہ کی ایک صفت شکور ہے اور اللہ کے بندوں میں شکوریت آتی ہے اس صفت کی نسبت سے۔ اب ایسے وقت جبکہ اللہ رات کے اندھیروں میں پکارتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے مانگے کہ اس کی حاجت پورا کروں۔ اب حضور ﷺ دُعا کریں اور اللہ اس کو پورا نہ کرے اور حضور ﷺ قاسم تھے اور قاسم لفظاً نہیں تھے حقیقتاً تھے۔ تو بے اختیار زبان سے نکلا[24]۔

تو کتاب کا علم ملا، تھے چھوٹے سے لیکن رأس المفسرین تھے۔ لوگ کہتے ہیں

---

[24]۔ عن ابن عباس: ان النبی دخل الخلاء، فوضعتُ له وضوءًا، قال من وضع هذا؟ فأُخبر فقال "اللهم فقه فی الدین" و فی روایة: "علمه الکتاب، و فی روایة اٗخر علمه الحکمة"۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر:۱۴۳، ۳۷۵۶)

(ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ بیت الخلاء گئے، تو میں نے آپ ﷺ کے لیے پانی رکھا۔ وضو فرمانے کے لیے آپ ﷺ نے پوچھا کہ پانی کس نے رکھا ہے۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا۔ تو آپ ﷺ نے دُعا فرمائی "اے اللہ! اسے دین کی سمجھ دے اوایک روایت میں ہے، اسے کتابکا علم دے۔ اور ایک روایت میں ہے، اسے دین کی سمجھ دے۔)

خدمت سے نہیں ملتا تو سوچو کیا ملا لیکن یہی شرط ہے کہ حضور ﷺ کے طریقے کے دائرے کے اندر رہو۔

مسلمانوں کا باہمی محبت

تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ سید المفسرین اپنے شاگرد مجاہد سے کہتے ہیں کہ ''کوئی مسلمان جب دوسرے مسلمان سے مصافحہ کرتا ہے تو اُس کے گناہ ایسے گرتے ہیں جیسے خزان کے پتے''۔ تو کہا کہ ''اِتنا چھوٹا سا عمل اور اِتنا بڑا ثواب''۔ جو بخیل ہوتا ہے وہ رب کو بھی بخیل سمجھتا ہے۔ وہ اپنی شان کے مطابق عطا کرتا ہے۔ وہ ہماری شان کے مطابق عطا نہیں کرتے۔ تو کہتا ہے عبد اللہ بن عباسؓ ''اے اللہ کے بندے! تم اس کو چھوٹا عمل سمجھتے ہو'' حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط''۔ (الانفال۸: ٦٣)

(اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ زمین میں ہے سارا نہ اُلفت ڈال سکتا اُن کے دِلوں میں لیکن اللہ نے اُلفت ڈالی اُن میں۔)

تو حضور ﷺ نے خود فرمایا: ''اُس آدمی میں کوئی خوبی بھی نہیں جو لوگوں کے ساتھ اللہ کے لیے محبت کرنے والے نہیں ہو''۔ تو اس اُمت کو اُٹھایا گیا دلوں کی محبت کے ساتھ۔ اوروں کا تو یہ حال ہوتا ہے ''تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ط'' اس اُمت کو اجتماعی طور پر زندگی کے اوامر دیئے گئے جن کے نتیجے کے طور پر نکھار آتا ہے، سرسبزی آتی ہے۔ جن جن لوگوں نے ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کے دست حق پر بیعت کی ان کو اللہ تعالیٰ نے خوب چمکایا۔

تو ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے پڑھنے سے جیسے ہی وہ نمازی بن جایا کرتے تھے تو دوسرا کام دعوت دینا ہوتا تھا۔ اب مرغی کے انڈے ہوتے ہیں اُن پر جب مرغی بیٹھ جاتی ہے، اُن کو

چھاتی سے رگڑتی ہے، کچھ ڈالتی نہیں، نہ انجکشن لگاتی ہے اور نہ کچھ اور ہوتا ہے۔ تو جب نکلے تو فوراً چگنا شروع کیا تو یہ اندھیروں سے نکل کر فوراً چگنا شروع کر دے تو جس طرح جن پر حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے سینے کے انوارات پڑے تو فوراً دعوت شروع کی۔ تو جو بھی آیا اور یہاں ملا تو جب واپس جاتا ہے تو پوری قوم کو دعوت دیتا ہے۔ سیدنا حضرت ابو بکرؓ معمولی آدمی نہ تھے۔ اسلام سے پیشتر بھی تمام مشورے اُس سے ہوا کرتے تھے اور یہاں جاہلیت میں سب سے بڑی بے حرمتی یہ تھی کہ کسیکو جوتا دکھادیں اور پھر اس سے بڑی بے حرمتی جوتے سے مارنا ہوتا تھا تو انہوں نے فریضہ دعوت کی ادائیگی میں جوتوں سے مار کھائی اور اِتنی مار کھائی کہ بے ہوش ہوگئے۔ تو اسی طرح ہمارے حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنی پوری اُمت کی اس نہج پر تربیت کی کہ انفرادی زندگی نہ گزارو بلکہ اجتماعی زندگی گزارو۔ ”قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ“۔ (سبا۳۴: ۴۶)

(تو کہہ میں ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو، کہ اُٹھ کھڑے ہو اللہ کے نام پر دو دو اور ایک ایک پھر دھیان کرو کہ اس تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں۔)

جب تک مکے میں تھے تو افراد کے لحاظ سے اور جب مدینے آئے تو اجتماعی لحاظ سے دعوت شروع ہوئی تو اگر ہم میں بھی وہ صفات پیدا ہو جائیں کہ ہم اجتماع قائم کرنے کے لیے پوری اُمت کی نیت کریں گے تو پوری اُمت کی نیت سے حصہ ملے گا۔ یہ اُمت اللہ سے لینی والی اور دِلوانے والی ہے۔ یہ ایسی اُمت نہیں کہ اپنی ذاتی زندگی بنائے بلکہ یہ اگر بنے گی تو تمام دنیا کی زندگی بن جائے۔ تو اگر ہم ایسے بن جائیں۔ اگر ہم یہ چاہیں کہ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے اعمال ہم میں جھلکنے لگیں تو ہم کو دعوت کا کام کرنا پڑے گا۔ اس اُمت کا سب سے ابتدائی کام بھی مسجد سے شروع ہوتا ہے اور انتہا بھی مسجد پر۔ نماز شروع ہوتی ہے اپنی مسجد سے اور حج کے لیے بیت الحرام جانا پڑتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ اُن سات لوگوں میں جو عرش کے سائے کے نیچے ہوں گے ایک وہ بھی ہو گا جس کا دل مسجد سے اَٹکا ہوا ہو۔ اُمت کا اجتماعی اثر جب قائم ہو گا۔ ''وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا'' کا ظہور تب ہو گا جبکہ قوم اجتماعی طور پر کام کرے تو بتوں کے پجاری دین کے داعی بن جاتے ہیں۔ تو دین کے تقاضوں کے لیے اجتماعی طور پر ہمیں محنت کرنی پڑے گی۔ اس کے لیے کچھ وقت لگانا پڑے گا، محنت کرنی پڑے گی۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ مساجد کو زندہ کرنے کے لیے، اللہ والے علوم کو زندہ کرنے کے لیے اور ذکر کو زندہ کرنے کے لیے اور عبادات کو زندہ کرنے کے لیے ہمیں محنت کرنی پڑے گی۔ جیسے زمیندار کھیت میں پسینہ بہاتا ہے اور فائدہ اس کا ذاتی ہوتا ہے۔ اسی طرح قوموں میں زندگی کھپاؤ، جماعتوں میں زندگی کھپاؤ اور اللہ چاہے تو قوم راہِ راست پر آئے گی اور نہ چاہے تو تم کو تو اپنا حصہ ملے گا۔ قوم ہدایت پر آئے یا نہ آئے۔

تو اب ان اجتماعی تقاضوں کو زندہ کرنے کے لیے اپنی تمام زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے چار مہینے دو، اپنی جانوں کو کھپاؤ، بولو بھائی بولو، کوئی ہے جو اپنا نام لکھائے۔

انسانی فضیلت

اسلامیہ کالج مسجد (یکم جنوری 1963ء بعد از نمازِ مغرب)

عزیزو، دوستو اور بزرگو! اللہ رب العزت نے انسان کو انتہائی اُونچی استعدادیں اور صلاحیتیں عطا فرما کر پیدا فرمایا۔ اللہ رب العزت نے جتنی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں۔ ان میں سب سے اُونچا، اعلیٰ اور ارفع انسان ہے۔ انسان کی ترقیات ہوتی رہتی ہیں اور بڑھتا رہتا ہے۔ انسانی پیدائش سے پہلے روحانی ترقی میں فرشتے تھے لیکن فرشتوں کو اللہ نے جو مقام دیا، وہ وہاں رہتے ہیں، ترقیات ان کے لیے نہیں، اُس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کی حیثیت اللہ رب العزت کے ہاں ایک ایسے خادموں جیسی ہے کہ ان میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی طاقت نہیں "لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ"۔(التحریم ٦:٦٦)(جو اللہ کے کسی حکم میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔)

ترقئ درجات

جو کام اللہ میاں کی طرف سے ان کے سپرد ہو، طوعاً یا کرھاً وہ کریں گے۔ وہ Automatic مشینیں ہیں جو خود بخود چالو ہوتی ہیں۔ تو ایسا میدان نہیں جس میں وہ کام کر گزریں اور کہیں کہ اے پروردگار! یہ کام ہم نے کیا اور انسان کے لیے دونوں راستے ہیں "فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا"۔(الشمس:٩١، ٨) (پھر اس کے دل میں وہ بات بھی ڈال دی جو اس کے لیے بدکاری کی ہے اور وہ بھی جو اس کے لیے نیکوکاری کی ہے۔) اور کہا کہ دیکھو تمہارا نفس جتنا بھی چاہے کہ برائی کو اختیار کرے لیکن اگر تو نیکی میں لگا رہے لیکن جو کھلبلاہٹ تیرے دِل میں آئے کہ کاش میں یہ بُرائی کر لیتا تو اس سے تمہاری ترقی ہو گی تو گویا اپنے خواہشِ نفس کو روک کر اللہ کے حکموں پر چلنا انسانی ترقی کا راستہ ہے اور جتنا بھی وہ اِس راستے پر چلے تو

ترقیات میں بڑھتا رہتا ہے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ "دیوار کہے کہ میں کوئی بُرائی نہیں کرتی، جھوٹ نہیں بولتی۔ ارے تیرے اختیار میں ہے ہی کیا۔ یہ کیا کمال ہے"۔ تو قرآن کے الفاظ میں وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ۴۰ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰىؕ۴۱ (النازعات۷۹: ۴۰،۴۱)

جو شخص اللہ کی ملاقات سے ڈرتا ہے، منہ کو سیاہ نہیں کرتا، گناہ کے دھوئیں سے، گناہ سے چہرے سیاہ ہوتے ہیں۔ چاہے ہم گورے چٹے دکھائی دیں۔ دِل پر سیاہی آتی ہے اور جتنا بھی گناہ کرتا چلا جاتا ہے، دل میں سیاہی آتی ہے۔ تو کل اس طریقے پر حشر ہوگا، اگر اچھے اعمال کیے تو کل چہرہ چمکتا ہوا دکھائی دے گا۔ "یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌۚ"۔(آل عمران۳: ۱۰۶)(اس دن جب کچھ چہرے چمکتے ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔)

جس وقت اندر کے بھید ظاہر ہو جائیں گے، اُس وقت نہ کوئی بچاؤ ہوگا نہ چڑھاؤ۔

یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآىِٕرُۙ۹ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّ لَا نَاصِرٍؕ۱۰ (سورۃ الطارق۸۶: ۹،۱۰)

(جس وقت تمام پوشیدہ باتوں کی جانچ ہو گی تو انسان کے پاس نہ اپنا کوئی زور ہو گا اور نہ کوئی مددگار۔)

کل مجرم اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے۔

یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ ۔(الرحمٰن ۵۵: ۴۱)

(مجرم لوگوں کو اُن کی علامتوں سے پہچان لیا جائے گا۔)

آج تو ہم بتاتے ہیں کہ فلاں مجرم نے فلاں گناہ کیا ہے اور فلاں نے فلاں اور کل ہمارے چہرے بتائیں گے۔ تو اگر ہم نے آج کل کی فکر کی تو اچھا اور اگر کہا:

اب تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

کبھی ٹائپ والے کو دیکھا ہو گا کہ یہاں ہاتھ مارتا ہے اور لگتی ہے اُدھر، اسی طرح

عمل یہاں کرتے ہیں لیکن وہاں لکھا جاتا ہے اور جیسے کہ بعض کاربن لگاتے ہیں تو اسی طرح کا بیان نکالنے کے لیے کاربن رکھتا ہے تو یہاں بھی دِل پر سیاہی لگ جاتی ہے۔ ہمارے آقا حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو گناہ کرتا ہے اس کے دِل پر سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ اگر توبہ کرتا ہے تو دُھل جاتا ہے ورنہ کرتے کرتے دِل سیاہ ہو جاتا ہے۔ قرآن میں آتا ہے "اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ؕ﴿۱۵﴾"۔(المطففین ۸۳:۱۵)

(بیشک وہ اپنے رب سے اُس دن حجاب میں ہوں گے۔)

اور یہ کون لوگ ہوں گے۔ وہ لوگ ہوں گے "كَلَّا بَلۡ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ" جن کے قلوب پر زنگ آچکے ہوں گے، جن کی دِلوں کی بینائی دھوئیں میں ختم ہو گئی ہو، تو کل رب ان کو اپنا دیدار نہیں دکھائیں گے تو جو ڈر گیا کہ رب کو منہ دکھانا ہے، کبھی انٹرویو کیا ہے، اُس میں لوگ جاتے وقت منہ پر کالک نہیں ملتے، کپڑے بھی صاف اور اچھے پہنتے ہیں۔ تو کبھی یہ سوچا ہے کہ میاں کو منہ دکھانا ہے تو جس کو اپنے پالنہار کے سامنے ہونے سے اندیشہ تھا اور اپنے چہرے کو سیاہی سے بچا لیا اور اپنے نفس کو بد اعمال سے بچا لیا تو بس دو باتیں ہیں۔ ایک تو رب کی ملاقات کا دھیان اور دوسری بات نفس کو خواہشات سے بچانا۔ تو کیا ہو گا، بس اُس کا ٹھکانہ جنت ہو گا۔

دو قدم کا راستہ

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بہت لمبا، چوڑا نہیں۔ بس دو قدم کا راستہ ہے۔ ایک قدم نفس پر رکھو تو دوسرا قدم منزل پر ہو گا"۔ ایک بزرگ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو فرمایا کہ تجھ کو سب سے چھوٹا راستہ کون سا ہے؟ تو فرمایا "دَعۡ نَفۡسَكَ فَتَعَالَ" کہ نفس کو دبا دے تو چلا آئے گا۔ "وَ كَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ ؕ" (الکہف:۱۸،۱۸)(اور ان کا کتّا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے "بیٹھا تھا"۔) نفس کے کتّے

کو دباؤ تو معرفتِ الٰہی نصیب ہو گی۔ حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو فرمایا کہ تمہارے باپ کو جنت کے آٹھوں دروازوں سے آواز آئے گی کہ یہاں آؤ۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ بس تھوڑی سی بات ہے، اپنے نفس کو دباؤ اور جس نے اپنے نفس کو یہاں تک پابند کیا کہ زندگی کے جملہ رُخوں میں اللہ کے حکموں کا پابند رِہ گیا تو کیا ہو گا، وہ ہو گا اللہ کا بندہ۔

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر ماسراپا انتظار او منتظر

(ایک عام بندے اور اللہ کے خاص بندے میں بڑا فرق ہوتا ہے تو عام بندہ کو مکمل انتظار کرنا پڑتا ہے اور اس کو بلا کر آنے کا انتظار کیا جاتا ہے۔)

رب کی رضا

تو پھر کیا ہو گا "وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى"۔ (الضحیٰ ۹۳:۵)

تو کہتے ہیں کہ عنقریب ہم تم کو اِتنا دیں گے کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ یہ شاہانہ کلام ہے کہ کہتے ہیں مابدولت یہ کرنا چاہتے ہیں، پہلے مرید بن جاؤ گے، پھر مراد ہو جاؤ گے۔

تو میں کہہ رہا تھا کہ انسان کی ترقیات کیوں ہیں؟ جیسے کہ تم چھوٹے بچے پیدا ہوئے تھے اور آج جوان بن گئے تو اسی طرح انسان کی روح کو اگر مناسب غذا دی جائے تو اُس پر اللہ رب العزت کی صفات کا انعکاس پڑتا ہے۔ اللہ ان کو اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے اور یہ اِتنا چڑھتا ہے، اتنا چڑھتا ہے کہ حضور ﷺ کے متعلق آتا ہے کہ اِتنا گئے اور جسم کے ساتھ گئے وہاں جبریل امین کی روحانیت بھی نہیں پہنچ سکی۔ تم یہاں کس لیے آئے ہو، کوئی پہاڑوں کو چھوڑ کر آیا ہے اور کوئی میدانوں کو، کوئی کس جگہ سے اور کوئی کس جگہ سے۔ یہ کوئی کعبۃ اللہ تو نہیں ہے۔ "فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ"۔ (ابراہیم ۱۴:۳۷) (لہٰذا لوگوں کے دِلوں پر ان کے لیے کشش پیدا کر دیجیے۔)

بس اس لیے آئے ہیں کہ عزت مل جائے گی، ڈگری لیں گے اور پھر نوکری ملے

گی۔ دنیا میں بس یہی ہوتا ہے کہ کچھ دیا جاتا ہے تب کچھ لیا جاتا ہے۔ کچھ دو گے تو پھر لو گے۔ دین ویسے نہیں آئے گا۔ اپنی زندگی دو اور حضور ﷺ والی زندگی لو۔ جب ہمارے نخرے ختم ہو جائیں، ہمارے شتر غمزے اور بھینس غمزے ختم ہو جائیں۔ اگر کوئی ادا ہے پیاری اگر کوئی غمزہ ہے پیارا تو وہ حضور ﷺ والا ہے۔

نیکی کی اہمیت

آپ کہیں کہ ہم ہیں جوان، اپنی محبتوں کو کیسے ختم کریں تو ہم محبوبیت سے نہیں روکتے لیکن کہتے ہیں کہ اللہ کے محبوب بن جاؤ اور اس کے لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنی زندگی میں سے کچھ چار مہینے دے دو اور اپنے ہاسٹلوں وغیرہ میں گشت کیا کرو۔ دیکھو! حضور ﷺ مکہ میں اور مدینہ میں پھرتے تھے۔ تو کیا ہم اُس کام سے شرما جائیں جس کے لیے حضور ﷺ پھرا کرتے تھے اور اسی طرح شہر میں ایک مسجد ہے گنج علی خان وہاں جایا کرو۔ میں تو کبھی چلا جاتا ہوں اور کبھی نہیں چلا جاتا۔ دیکھو! قیامت میں ترازو قائم ہو جائے گی جس میں اعمال تولے جائیں گے۔ فرض کرو کہ ایک شخص کی ایک نیکی کم ہو گئی۔ اب وہ اماں کے پاس جائے، بھائی کے پاس جائے تو کیا اس کو نیکی ملے گی۔ تو اس وجہ سے نیکی کو حقیر نہ جانو۔ ممکن ہے کہ وہ ہماری نجات کا سبب بن جائے اور اسی طرح چھوٹے گناہ کو بھی حقیر نہ جانو۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا نے بلی کو پکڑ لیا تھا اور نہ تو کھانے کے لیے اس کو کچھ دیتی تھی اور نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ مر گئی تو جہنم میں ڈالی گئی۔ وہ تو شاہ ہیں جیسے چاہیں کر دیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو حقیر نہ سمجھو۔ دیکھو اگر تمہارے ریشمی کپڑوں میں چھوٹی سی چنگاری چھوڑی گئی تو کپڑوں کا کیا حال ہو گا؟

عظمتِ الٰہی اور توحید

یونیورسٹی کوارٹرز مسجد (6 جنوری 1963ء بعد از نمازِ مغرب پیر کی رات)

مخلوق کی حقیقت

بھائی، عزیزو، دوستو اور بزرگو! یہ پوری کی پوری کائنات، چھوٹے سے چھوٹے ذرے سے لیکر سورج اور چاند تک اور ملاءِ اعلیٰ میں جنت و دوزخ تک، ملائکہ سے لیکر انسانوں تک، جتنی بھی مخلوق ہے اللہ رب العزت کے سامنے ایک معمولی ذرے کے بھی برابر نہیں۔ اللہ رب العزت کی ہر ہر صفت کمال کے لحاظ سے جملہ مخلوق سے اُونچی اور اعلیٰ ہے اور مخلوق کا کوئی تقابل بھی اس سے نہیں ہو سکتا۔ ایک طرف پوری مخلوق ہو جبریل امین سے لیکر مچھر تک جتنی بھی چیزیں ہیں، اگر نیست نہیں تو نیست کی طرح ہیں، معدوم نہیں تو کالمعدوم ہیں ''لا الہ'' میں ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ تیری ذات کی طرف سے آتا ہے۔ کسی دوسری چیز کی طرف سے نہیں آتا۔ تو گویا ہر چیز کی ذات سے نفی کر کے اللہ کی ذات میں دیکھنا توحید ہے اور اللہ کے سامنے مخلوق کی حیثیت مکھی کے پَر کے برابر نہیں رِہ جائے۔ ایک سے لینے والے ہو جائیں اور ہمارا خانۂ دِل آپ کے الفاظ میں ایک کے لیے ''Reserve'' ہو جائے۔ جیسے کہ کہتے ہیں کہ فلاں سیٹ فلاں کے لیے ''ریزرو'' ہو گئی تو دوسرا نہیں بیٹھ سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارا خانۂ دِل اپنے لیے ''ریزرو'' کیا ہے اور اگر آپ کسی جگہ کو ''ریزرو'' کریں اور پھر دوسرا وہاں بیٹھ جائے تو آپ جل نہیں جائیں گے تو فرمایا ''اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ''۔ (بیشک شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔) اسی طرح ہم اگر دوسروں کو اللہ کا شریک مانیں، شرک صرف یہ نہیں کہ گنگا کے سامنے سجدہ کیا، گائے کو سجدہ کیا۔ یہ شرک جلی ہے اور اس کے علاوہ جو دوسری چیزیں ہیں اگر شرک جلی نہیں تو خفی تو ہیں اور اگر خفی نہیں تو اخفیٰ تو ہیں۔ تو ہمارے باپ توحید کے امام نے فرمایا: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ (الانعام ۶:۷۹)(میں نے تو پوری طرح یکسو ہو کر اپنا رُخ اس ذات کیطرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔)

یہاں کہہ سکتے تھے کہ رب کی طرف متوجہ کیا۔ اللہ کی طرف متوجہ کیا، کسی خاص صفت کا نام نہیں لیا بلکہ فرمایا کہ اُس ذات کی طرف جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا کیونکہ ہر جنس اپنی جنس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ ”کل شیءٍ یرجع الی اصلہ“ تو فرمایا کہ میں مخلوق کی طرف توجہ والا نہیں۔ بنی ہوئی چیزوں کی طرف توجہ نہیں کرتا بلکہ جو بنانے والا ہے اس کی طرف توجہ کرتا ہوں اور پھر آگے فرمایا ”حَنِيْفًا“ بالکل یکسو ہو کر کسی دوسری طرف توجہ نہیں کرتا۔ جیسے کہ ”Compass“ کی سوئی جبکہ شمال کی طرف نہیں ہوتی۔ تو کبھی ادھر ہو جاتی ہے اور کبھی اُدھر ہو جاتی ہے اور اسی طرح دِل بھی جس کو قلب کہتے ہیں اور عربی کے لحاظ سے قلّب، یقلّب جو آتا ہے۔ تو دل بھی کبھی اِدھر کو ہوتا ہے اور کبھی اُدھر ہوتا ہے۔ چین نہیں آتا۔ اگر ہم کہیں کہ آگیا تو وہ فطرت کا مسخ ہونا ہے تو جیسے ”Compass“ کی سوئی جب تک کہ پوری طرح شمال کی طرف نہ ہو جائے قرار نہیں آتا تو اسی طرح دِل کو قرار نہیں آتا اور پھر آگے فرماتے ہیں“ اور میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا”۔ کسی دوسرے کو ساجھا نہیں مانتا، وہ بات نہیں کہ ایک دِل اور ہزار بستگی ہا، تو قرآن مجید نے فرمایا: ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ (یوسف ۱۲:۳۹)(کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہو۔)

کیا بہت سارے خدا اچھے ہیں یا ایک۔ تو قرآن مجید نے مثال دی ہے کہ ایک ہے غلام جس کا صرف ایک مالک ہے اور ایک ہے جس کے کئی مالک ہیں تو کون سا اچھا ہے؟ تو اسی طرح ہم نے بہت ساری چیزوں کو اپنا محبوب بنا رکھا ہے اس لیے پریشان ہیں۔ اب ہمارا ایک

کام ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایسا کریں ''اور رب'' چاہیں کہ ایسا نہ ہو تو اب کس کی چلے گی۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے رب کی چلے گی تو کیوں نہ اپنے معاملہ کو رب کے سپرد کریں۔ آپ کہیں گے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو یہ بڑی مشکل بات نہیں۔ ''لَا اِلٰہ'' میں ہم نے یہی کہا ہے اور قرآن مجید میں آتا ہے: اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ط (الفرقان ۲۵:۴۳)

کیا تُو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے نفس کو الٰہ بنا رکھا ہے۔ تو ہم نے تو کسی کو اپنے نفس کو ڈنڈوت کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے لیکن مطلب یہ ہے کہ اپنی چاہت کو اللہ کی بات سے بڑا مانتے ہیں۔ جیسے کہ آج کل بعض اپنی باتوں کو تو کرتے ہیں اور ''رب'' کی نہیں مانتے تو گویا کہتے ہیں کہ میری بات بڑی ہے اللہ کی بات سے۔

بات پہنچی تیری جوانی تک

سنت کی اہمیت

اور بعض لوگ کہتے ہیں مجھے کہ ایسی بات نہ کرو نئے طبقہ کے سامنے، دین سے متنفر ہو جائیں گے تو انہوں نے بات اچھی کہی ہے لیکن حدیث میں آتا ہے۔ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ وغیرہ کو نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ اُس زمانے میں یہ تکبر کی علامت ہے تو ایک آئے اور مجھ سے کہا کہ میں تکبر کی وجہ سے نہیں کرتا تو میں نے کہا کہ جب حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کرو اور پھر بھی ہم کرتے ہیں تو گویا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی بات کو حضور ﷺ کی بات سے اُونچا کرتے ہیں۔ تو گویا چاہت نفس جس کو ''ھویٰ'' کہتے ہیں، کیا ہے؟ یہ کہ میری چلے، یہ بھی ایک فرعونیت ہے جیسا کہ مولانا رومؒ نے فرمایا:

نفس ما کم تر از فرعون نیست   لیکن اورا عون مارا عون نیست

(میرا نفس فرعون سے کم نہیں لیکن اس کو وہ مرتبہ حاصل نہیں جو فرعون کو حاصل تھا۔)

گناہ کی جڑ

تو گویا گناہ کی جڑ چاہتِ نفس ہے۔ اگر ہم چاہتِ نفس کو دبا دیں اور غالب کر لیں چاہتِ رب کو تو پھر ”لَا اِلٰہ“ کی حقیقت کھل جائے گی تو ہمارے حضرتؒ نے فرمایا کہ نفس کو قتل کرنا نہیں بلکہ دبانا ہے۔ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ (النازعات ۷۹: ۴۰، ۴۱) (لیکن وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو بُری خواہشات سے بچایا تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔)

جہاں رب کا حکم آیا، بریک لگا لیا۔ انسان باپ تک کی نافرمانی کر سکتا ہے لیکن اپنے نفس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ جیسے کہ سعدیؒ نے فرمایا:

سعد یا گر بت شکستی خوش مباش
خود پرستی ھیچ گاہے کم تر از اصنام نیست

(سعدیؔ بت کو توڑنے سے نازاں نہ ہو، کیونکہ خود پرستی بھی بت پرستی سے کچھ کم نہیں۔)

اے سعدی! اگر بت کو توڑ دیا تو خوش نہ ہو۔ تمہارا اپنا نفس بھی بت سے کم نہیں۔ وہ اپنے بچوں سے کہتا ہوں کہ ایک ہوتا ہے ”Three legs race“ اس میں اگر تمام ایک طرف چلیں گے تو سیدھا جائیں اور اگر ایک ایک طرف دوڑنا شروع کریں اور دوسرا دوسری طرف تو گریں گے۔ ایک دوسری مثال یوں کہ ایک سائیکل سوار ہوتا ہے جو کہ لاری کی زنجیر کو پکڑ کر اس کے ساتھ چلتا ہے۔ اب یہ کہیں کہ میں تیز دوڑتا ہوں۔ او بھئی! تو کہاں تیز دوڑتا ہے لیکن ذرا لاری تو رُک جائے تو پتہ چلے گا۔ تو بس سیدھا سادا مسلمان والا راستہ یہ ہے کہ ہم اپنے معاملات کو رب کے حوالے کریں جو کہ بہت ہی غیور ہیں۔ ویسے نہیں چھوڑیں گے۔ رب کا ایک نام ہے شکور اور ایک معنی میں ہے نہایت ہی قدر دان تو معمولی اور چھوٹی چھوٹی چیزوں

کے قدر دان ہیں تو ہم کیا کریں۔ اپنی مرضی کو رب کی رضامندی پر قربان کر لیں۔ اور ہے تو بہت گندی مثال، کہاں انسان اور کہاں رب کی ذات۔ تو ہوتے ہیں ایک بادشاہ اور ایک ہوتے ہیں اُس کے وزیر۔ تو رب نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو بھیج دیا اور پھر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور کہا کہ مجھے تو تم اپنی آنکھوں کی کمزوری کی وجہ سے یہاں نہیں دیکھ سکتے تو اس لیے میرے محبوب حضرت محمد ﷺ کی اتباع کو اختیار کرو، اُن کی ہر ایک ادا ہر ایک چاہت، ہر ایک خواہش جو دِل سے اُٹھتی ہے، اللہ رب العزت کی چاہت سے ہوتا ہے۔

اُمت محمدیہ کی پہچان

اب اگر ہم حضور ﷺ کے طریقے کو اپنائیں، اُن طریقوں سے نسبت پیدا ہو جائے تو حضور ﷺ والی جماعت میں تو ہو جائیں۔ وہی خو آئے وہی طریقے آئیں تو پہچانے جاؤ گے کہ یہ حضور ﷺ والے ہیں۔ وہ آتا ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت میں بہت بھیڑ ہوگی تو آپ کے اُمت والے کیسے پہچانے جائیں گے تو فرمایا کہ جیسے کہ ایک اصطبل میں کالے گھوڑے ہوں اور اُن میں پنج کلیاں بھی ہوں جن کے چہرے اور ٹانگیں بھی سفید ہوں تو کیا تم کو ان کے پہچاننے میں دِقت ہوگی تو اسی طرح میری اُمت کے وہ اعضاء جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں، چمکتے ہوں گے تو جو بھی شخص حضور ﷺ کے اعمال کو اپنائے گا تو اللہ رب العزت کا محبوب بن جائے گا اور وہ تم کو کانٹا نہیں چبھائے گا۔

تو ہمارے حضور ﷺ کے طریقوں کو اپنانے کے لیے ایک طریقہ دیا اور حضور ﷺ کنجوس نہیں تھے اور کنجوس کون ہوتا ہے وہ نہ تو خود فائدہ اُٹھاتا ہے اور نہ دوسروں کو فائدہ اُٹھانے دیتا ہے اور یا ایسا ہوتا ہے کہ خود تو کھاتا ہے اور اوروں کو دیتا نہیں اور اللہ کے بندوں کو خود کھانے سے دوسروں کو کھلانے میں زیادہ مزہ آتا ہے۔ اوروں کو کپڑا پہنانے میں زیادہ مزہ آتا ہے تو اب اگر تم نے کسی کو کپڑا پہنا دیا اور مرتے دم تک خدمت کی تو جب وہ مر

جائے تو ختم نہیں ہو جائے گا۔ تو اسی طرح ایک دوسرے قسم کے بھی نادار ہوتے ہیں۔

مفلس کون

حضور ﷺ نے فرمایا کہ مفلس کس کو کہتے ہیں اور حضور ﷺ کی بھی خاص اصطلاحات ہیں جیسے کہ تمہاری اصطلاحات ہوتی ہیں اور میں نے جو ایک دن دیکھا ایک لڑکے کو کہ اِتنی بڑی بڑی دو کتابیں لی تھیں اور میرے بھائی کی میڈیکل کی ایک بڑی کتاب تھی جو میں نے دیکھا تو اُسے اول سے آخر تک تمام سُرخ کی ہوئی تھی تو جیسے کہ پہلے زمانے میں قیدیوں کو ریشم کے دھاگوں سے پکڑا کرتے تھے کیونکہ ریشم بہت مضبوط ہوتا ہے تو اسی طرح شیطان نے لوگوں کو پکڑنے کے لیے اچھی اچھی اصطلاحیں نکالی ہیں ،اور ایک عورت تھی، اور عورتوں کو سونے سے محبت ہوتی ہے تو اس کے عاشق نے اُسے دھوکا دینے کے لیے اینٹ پر سونے کی تہہ چڑھا دی۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نادار کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا جس کے پاس مال نہ ہو۔ تو فرمایا: ”نہیں بلکہ نادار وہ ہے جس نے بہت ساری نیکیاں کی ہوں لیکن جب کہا جائے تو ایک کو تو گالی دے دی ، دوسرے کو لات ماری ہو۔ ایک نے نیکیاں لے لیں اور دوسرے نے لیں۔ یہاں تک کہ اُس کے پاس کچھ نہیں رہا اور قرض خواہ باقی رہے تو اب ان کے گناہ اُس پر ڈالے گئے“۔

اور سخاوت یہ ہے کہ ایک کو نماز والا بنالو، حج والا بنالو، دین کے کام کرنے والا بنالو، نیکیاں تقسیم کرلو، نمازوں کو تقسیم کرلو، دیانتداری کے رُخوں کو قائم کرو، اوروں کو بناؤ اور جو بن جائیں گے تو خود تم بھی بن جاؤ گے۔ اصل سخاوت یہ ہے کہ لوگوں کے تعلق کو اللہ کے ساتھ اس طرح جوڑ دو کہ کاٹنے والا کاٹنا چاہیں تو نہ کاٹ سکیں۔ تم تو ان کے بندے ہو، بندگی کا وعدہ کیا، اللہ کے بندو! کدھر جاتے ہو۔

اصل رُخ اس کام کے لیے یہ ہے جو کہ نبی نے بتایا تو اس سے پیشتر کہ اللہ کا فرشتہ تمہارے پاس آجائے اور تم یہاں سے چلو۔ یہ تبلیغ کے نام سے جو کام چلتا ہے اس میں چلّہ لگالو، چالیس دن دے دو اور اگر پہلے نہیں گئے تو عمر میں ایک بار چار مہینے دو۔ اسی طرح مہینے میں تین دن اور ہفتے میں دو گشت کر لیا کرو اور مسجدوں کو آباد کرو۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک چیز کے لیے ثقال (یعنی زنگ دُور کرنے والی چیز) ہوتی ہے اور ایمان کا ثقال یہ ہے کہ اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کر لیں تو دُنیا کو لو لیکن اُن طریقوں سے جیسے کہ رب چاہیں تو اس کے لیے کچھ وقت لگالو، کوشش کرو۔ اگر اب آپ کی تعلیم ہے چالیس دن نہیں دے سکتے تو تین دن دے دو اور اسی طرح شہر میں گھنٹہ گھر کے قریب گنج علی خان مسجد میں دین کی بات ہوتی ہے، وہاں جایا کرو۔

ایمان و استقامت

اسلامیہ کالج مسجد (8 جنوری 1963ء شبِ چار شنبہ)

ایمان کا سرمایہ

میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! اس دُنیا کا سب سے قیمتی سرمایہ اور سب سے اعلیٰ دولت اگر دنیا میں نصیب ہوئی ایسی دولت جو کھوئی نہیں جا سکتی، چھینی نہیں جا سکتی، وہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ وہ ایمان والا عمل اور اس پر استقامت ہے۔ دیکھو! ایک چیز تو وہ ہے جو کہ مٹ جانے والی ہے، ختم ہونے والی ہے، جس کی حقیقت ہماری نگاہوں میں آتی ہے اور اگر اللہ نہ چاہیں تو اس چیز کی چاہت ہمارے اندر نہ آئے۔ وہ چیز ہی کیا ہے جس کی حقیقت فنا ہے۔ اُس چیز کی حقیقت کیا ہوگی جس کے ساتھ حقارت کو لگایا گیا۔ ہائے ان حقیر چیزوں پر ہم نے وہ سرمایہ لگایا جس کے ذریعے ہم اللہ کو لے سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت

ہم نے اللہ کو پہچانا نہیں۔ آپ کا نہیں کہتا، اپنا کہتا ہوں۔ اللہ کو جانا نہیں۔ مثلاً ایک شخص کہے کہ میں وانا کا ہوں۔ کہا احمد گل کو جانتے ہو۔ کہا: کہ ''ہاں''۔ اور جو کہا کہ اس کے والد کو بھی جانتے ہو۔ کہا: ''نہیں''۔ تو یہ جاننا کیا جاننا ہوا۔

ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن جانتے نہیں کہ اس کا معاملہ اپنے بندوں سے کیا ہوتا ہے۔ کتابوں کی کتابیں پڑھتے جاتے ہیں جیسے کہ وہ کیڑے کھاتے ہیں اور تم تو صرف پڑھتے ہو اور وہ تو کھاتے بھی جاتے ہیں۔ مسلمان ہیں لیکن اللہ کو نہیں جانتے، رسول کو نہیں جانتے، آخرت کی فکر نہیں۔ میں اگر لمبی بات کروں تو آپ سب گھڑیوں کو دیکھنے لگیں کیونکہ امتحان ہے، فکر ہے ڈٹنشن (Detention) کی اور وہاں کی ڈٹنشن کی خبر نہیں اور یہاں کا ڈٹنشن کیا ہوتا ہے۔

اپریل میں امتحان نہ دے سکو، ستمبر میں دو گے اور وہاں کا ڈٹنشن کیا ہے۔ صرف پچاس، ساٹھ کروڑ سال جہنم میں رہنا پڑے گا جس کا اگر ایک جھونکا بھی لگ جائے تو اماں یاد آ جائے۔

حقیقت ایمان

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انسان کا سب سے بڑا سرمایہ ایمان ہے۔ یہ صرف پانچ حرف نہیں۔ پانچ روپے کا نوٹ نہیں تو حقیقت سامنے ہو اور یہ حقیقت ویسے ہی آ جائے۔ یہ صرف حروف نہیں بلکہ یہ اُس حقیقت کا نام ہے جس کی وجہ سے انسان رب کا پہچاننے والا بن جائے۔ یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ وہ کن باتوں سے راضی ہوتے ہیں اور کن باتوں سے ناراض ہوتے ہیں اور جو راضی ہو جاتے ہیں تو کیا دیتے ہیں۔

دیکھو! ایمان مجمل میں ہم یہ کہتے ہیں کہ ایمان لایا میں اللہ پر جیسے کہ ہیں اس کے نام اور اللہ کیسے ہیں۔ وہ اُن باتوں کو جان لیں جو تمہارے ذہنوں میں آ جائے تو اب دُور کیوں جاؤں۔ یہاں ہی کی بات کیوں نہ کروں؟ اب تم کہو کہ جیسے تم اور ہم ایک دوسرے کے حاضر ہونے کا احساس کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ میاں کا بھی احساس کرتے ہیں کہ وہ حاضر و ناظر ہیں۔ سانپ آ جائے تو کیسے بھاگ اُٹھیں تو ایمان ایسی چیز ہے کہ جیسے حاضر چیزوں پر یقین ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اُن چیزوں پر یقین آ جائے جو کہ حضور ﷺ نے بتائیں۔ جیسے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابیؓ سے کہا کہ ایمان تو ہے۔ کیا تجھے اور چیزیں بھی دکھائی دیتی ہیں تو کہا ”کہ ہاں، جنت و دوزخ تو بالکل موجود پاتا ہوں اور قلم کے چلنے کی آواز یہاں سنتا ہوں“۔

دوستو! ہر ایک چیز کے لیے محنت کرتے ہو لیکن اُس کے حصول کے لیے محنت کا طریقہ بھی متعین ہوتا ہے۔ اب اگر تم منہ سے روٹی کھاتے ہو۔ اب میں ناک سے روٹی ڈال دوں کیونکہ دونوں کے سوراخ ملے ہوئے ہیں تو کیا یہ عقلمندی کی بات ہو گی۔ جو بھی عمل کرو، طریقے سے کرو۔ پڑھو تو اللہ کا دھیان رکھو، تجارت کرو تو طریقے سے کرو اور دیکھو تم کو اپنے

Future کا پتہ نہیں۔ ایمان کی لائٹ لے لو اور پھر چلو۔ یہاں بھی روشنی ہو جائے، قبر میں بھی روشنی ہو جائے، حشر میں بھی روشنی ہو جائے۔ ایمان کا ٹارچ اپنے ساتھ لے لو۔

ایمان و تقویٰ

اب ہم کہتے ہیں کہ ایمان تو صرف پانچ لفظ ہیں۔ اس سے بھلا اللہ کیسے مل جائے تو میں یوں عرض کروں کہ پانچ لفظوں سے چار لفظ مل جائیں یعنی ''تقویٰ''۔

اللہ کے ہاں اگر قدر ہوتی ہے تو ایمان اور تقویٰ کی ہوتی ہے۔ تو اگر ان گندی چیزوں، مٹ جانے والی دولت اور حکومت سے کسی کا تعلق ہو جائے تو اتراتے ہیں۔ اپنے کو مختار سمجھتے ہیں۔ اُن سے تعلق ہو تو فخر محسوس ہوتا ہے اور اگر اللہ سے تعلق ہو جائے تو وہ کافی نہیں ہوگا۔ ''الیس اللہ بکاف عبدہ'' کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں۔ ساتھ جانے والی چیز اللہ اور اس کا تعلق ہے۔ مال تو جب آنکھ بند ہوئی تو لوگ جھگڑے کریں۔

اور ہمارے ہاں تو بس پر جا رہے ہیں۔ بات چلاتے ہیں۔ اس غرض کے لیے (to kill the time یا to pass the time) اور پھر جو سٹیشن آئے تو دوستی ختم اور رب کے ساتھ جوڑو تو اگر تم چھوڑو، پھر کمبل نہیں چھوڑے گا۔ اس کو لے لو۔ وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ رہے اور اس کے ساتھ ساتھ وفادار بھی ہیں۔ اُس کے خزانے لامتناہی ہیں۔ اُس کے ساتھ جوڑو اور پھر جس کے لیے وہ کہے اُس سے تعلق قائم کرو۔

ایمان کے لیے محنت

دیکھو! یہ ایمان والے کام ویسے نہیں آئیں گے۔ اس کے لیے کچھ وقت لگانا پڑے گا۔ ''و تبتل الیہ تبتیلاً''۔ سب سے توڑو اللہ سے جوڑو اور دیکھو! حضور ﷺ کوئی یونیورسٹی قائم کر گئے تھے۔ تم تاریخ دان ہو اگر قائم کی تھی تو بتاؤ۔ اُس نے کیا کیا تھا۔ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانے کی یونیورسٹی قائم کی تھی۔ وہ سونا یا چاندی کے لیے نہیں آیا

کرتے۔ وہ انسان کو بنانے کے لیے آتے ہیں۔ وہ انسانوں کا تعلق اللہ سے جوڑنے کے لیے آتے ہیں۔ وہ آپ کے پروفیسر ہوتے ہیں۔ باہر جاتے ہیں تو وہ کاغذ کا پُرزہ لے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں۔ ہم کیلی فورنیا کو دیکھ کر آئے، واشنگٹن کو دیکھ کر آئے۔ میں کسی کی تنقیص نہیں کر رہا لیکن حالت یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اب انبیاء علیہم السلام کیا کرتے ہیں؟ وہ اللہ سے لینے والے ہوتے ہیں۔ وہ ان گندگیوں اور غلاظتوں کو دِلانے کے لیے نہیں آتے جن سے وہ اپنی ظلمتوں کو بھی دُور نہیں کر سکتے۔

دیکھو! ماچس تو دیکھی ہے، اب اگر کوئی بچہ دیکھ لے کہ یہ یوں یوں کیا کرتے ہیں۔ ایک طرف بھی سیاہ پُرزہ ہے اور دوسری طرف بھی اور پھر ایسے لکڑی ہوتی ہے لیکن جو جانتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اس سے تو وہ جل اُٹھے گا تو بس اُس اللہ کے دین کے لیے کچھ اوقات لگالو تو اللہ کے نُور سے جل اُٹھو گے۔

دیکھو! آپ کی زندگی جتنی بھی گزر گئی، کسی کو یہ بھی یاد ہے کہ کیسی گزر گئی، کچھ معلوم ہوتا ہے اور میں تو تم سے عمر میں بڑا ہوں۔ مجھے تو کچھ پتہ ہی نہیں لگتا اور اسی طرح جب موت کا وقت آجائے تو کچھ پتہ نہیں لگتا اور اُس وقت تو کچھ پتہ بھی نہ لگے کہ اگلا عالم کھل جاتا ہے۔

اخلاق

مجلسی گفتگو در خانہ خویش (12 جنوری 1963ء شبِ اتوار بعد از نمازِ مغرب)

اخلاق کا منبع

اللہ کے بندوں کے نزدیک اصل اخلاق کا منبع جو ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔ اللہ میں تمام خوبیاں اور بھلائیاں ہیں۔ اللہ میں خوبیاں ایسی ہیں جن میں ہر ایک چیز کی اصل ہے تو جب اللہ کی ذات میں تمام اچھائیاں ہیں اور کسی میں اچھائی آتی ہے تو اُن ہی کے ذات سے آتی ہے تو اپنے میں اچھائیوں کے پیدا کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ منبع سے تعلق قائم کر لیں۔ کوئی چھوٹی چھوٹی نہریں کھود لیں تو ضرورت یہ ہے کہ اس کا کسی دریا سے تعلق قائم ہو جائے۔ اسی طرح انسان میں خوبیوں کو لانے کے لیے، اخلاق کے پیدا کرنے کے لیے سب سے آسان موٹی اور اصل چیز یہ ہے کہ رب سے تعلق قائم کیا جائے جیسے نہروں میں دریا سے پانی آتا ہے، اسی طرح جس جس کا رب العزت سے تعلق جڑتا چلا جائے گا، اللہ والی خوبیاں آئیں گی۔ اس لیے صوفیاء کے نزدیک ایک مشہور بات ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ، اپنے اندر اللہ کے اخلاق پیدا کرو اور مثال کے طور پر اخلاق آتا ہے اچھائی سے۔ اگر اپنے اندر سچ پیدا کرنا چاہیں، غیرت پیدا کرنا چاہیں تو اللہ سے تعلق جوڑ لیں، عدل پیدا کرنا چاہیں تو اُس سے تعلق جوڑ لیں، حیا پیدا کرنا چاہیں تو اس سے تعلق جوڑ لیں، سخاوت ہے تو اللہ سے بڑھ کر سخی کون ہے؟ اِتنا سخی کہ اُس سے بڑھ کر سخی کوئی ہے نہیں؟ اسی طرح جو بھی اچھائی ہے وہ اٰمَنْتُ باللہ میں آتی ہے۔ "اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَائِہٖ وَ صِفَاتِہٖ وَ قَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْب"۔ (ایمان لایا میں اللہ پر جیسے کہ ہیں اس کے نام اور صفات اور میں نے قبول کیے اس کے تمام حکم زبانسے اس کا اقرار کرتا ہوں اور دِل میں اس کا

یقین رکھتا ہوں۔) تو تمام خوبیاں اللہ کی ذات میں ہیں۔ اب اگر کسی شخص کے پاس جائیں، اُس سے تعلق پیدا کر لیں، رابطہ پیدا کر لیں، تو کیا کام ہو گا؟ یہی بات اللہ کے تعلق کی ہے۔ اب ایک تعلق ہوتا ہے ضابطے کا، جیسے تمہارا پرنسپل سے ہے اس کو کہتے ہیں Formal اور ایک ہوتا ہے دوستی کا۔ وہ آئیں تو آپ کھڑے ہو جائیں، سلام بھی کریں لیکن جو بات دوستی کے تعلق سے کھلتی ہے، ضابطے والے تعلق سے نہیں کھلتی۔ اللہ تعالیٰ سے دوستی والا تعلق قائم کر لیں۔ بے تکلفی جب تک نہ ہو، دوستی جب تک نہ ہو، ایک دوسرے پر کھلتے ہیں نہ کھلتے ہیں۔ دوستی جب ہو جائے تو آپ اس کو اپنے دل کا حال کہیں اور وہ آپ کو کہیں تو اہل اللہ کہتے ہیں کہ میاں سے دوستی کا تعلق پیدا کر لو اور اس کو کہتے ہیں ولایت۔

اب ولی کون ہوتا ہے؟ ایک بات ذہن میں رکھ لو۔ نبوت ختم ہو گئی، دوسرا نبی نہیں آسکتا لیکن ولایت ختم نہیں ہوئی۔ اس کا دروازہ کھلا ہے۔ تو دوستی پیدا کرو، میاں کے دوست بن جاؤ۔ وہ تو پہلے اعلان کر چکا ہے "اللہ ولی المؤمنین" وہ ان کو دوست رکھتا ہے جو کہ ان کے یقین والے ہو جائیں۔ یہ نہیں ہو گا کہ تم خدا بن جاؤ گے لیکن جیسے ندی میں دریا سے کچھ پانی آتا ہے اسی طرح تم اس کی صفات کے مظہر بن جاؤ گے اور خلیفہ کہتے ہیں اس کو کہ اصل سے کچھ نسبت ہو اور اب تو خلیفہ حجام کو کہتے ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ انسان خدا بن جاتا ہے لیکن جیسے "Vicegerent" اور نائب ہو تو وہی کہ اصل سے تعلق ہو۔

حقوق کی ادائیگی

جب تم میں اخلاق آجائیں تو لوگ تم سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ تم لوگوں سے فائدہ اُٹھانے والے بن جاؤ گے کہ اُن میں اخلاق ہوں گے اللہ کے، اپنے مطلب کے نہیں ہوں گے۔ وہ یہ نہیں کہیں گے کہ مجھے آرام پہنچے، اور آپ کی اس دنیا میں مثلاً Political Science ۔ جو صرف اپنے حقوق کا مطالبہ کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ طالب علم کہیں کہ

یونیورسٹی والے ہمارے حقوق کو پورا کریں، یونیورسٹی والے کہیں کہ ہمارے احکام کو مانیں، تاجر کہیں کہ مزدور ہمارے ہو جائیں۔ ان سے ہم کو فائدہ پہنچے اور مزدور کہیں کہ تاجروں سے ہمیں فائدہ ہو اور اگر ہر ایک اس بات کو اپنائے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچے تو دیکھو کہ کیا بنتا ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نبوت ختم ہو گئی، ولایت ختم نہیں ہوئی اور ولایت دوستی کے رُخ سے آتی ہے اور دوستی ایسی چیز نہیں کہ ایک منٹ میں آئے یا ایک وقت سلام کیا اور دوستی ہو گئی اور ہمارا تعلق تو میاں سے ایسا ہے کہ اپنے کام سے فارغ ہو جائیں تو کام کریں، پڑھائی سے فارغ ہو جائیں، دوستوں کے کام سے فارغ ہو جائیں تو اللہ میاں کو یاد کریں۔ دوستی ایسی نہیں ہوتی۔ اسے کہتے ہیں وقت گزاری۔ میاں کو ٹالتے ہیں اور میاں سے بھی کوئی دھوکا چل سکتا ہے۔ وہ تو جانتا ہے۔ تو میاں سے جو دوستی کرو، سچے دل سے کرو۔

محبت کا اثر

اب دوستی کا طریقہ کیا ہے؟ میاں سے محبت کر لو اور محبت میں ایک کمال ہے کہ جس سے محبت ہو جاتی ہے۔ انسان اس کا ہو جاتا ہے اور جب اللہ سے محبت ہو جائے تو تم رب کو بھلا نہیں سکو گے اور جب ہر آن دھیان ہو تو کیا تم اس کے حکم کے خلاف کرو گے اور محبوب کی تو ہر بات پیاری ہوتی ہے، تو اُس والے صفات تم میں آنے شروع ہو جائیں گے تو تمام صوفیاء کے نزدیک اخلاق کی بڑائی محبت سے ہوتی ہے اور مولاناؒ کی مثنوی تو اس بات سے شروع ہوتی ہے۔

شاد باش اے عشق اے خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائے ما

(اے عشق تو ہمیشہ کے لیے شاداں وکامراں رہے کیونکہ تجھے پا لینے سے میرے سارے جملہ امراض دُور ہو گئے کیونکہ عشق بہت سارے باطنی امراض کا مداوا ہے۔)

اور غالب کے الفاظ میں:

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

تو یہ خلل ہے لیکن ایسا خلل کہ تمام گناہوں سے چھٹکارا پا جائے۔ یہ تمام فسق و فجور دنیا میں کیوں آتی ہیں، بس اُن سے تعلق نہیں، اور یہ بات نہیں کہ کبھی فرصت مل گئی تو گئے سلام کرنے کے لیے، کبھی ہسپتال سے چھٹی ہو گئی تو ہو آئے اور اگر یہ نہیں تو اللہ میاں سے تعلق کیسے ہو جائے۔ رب سے اگر آپ کا دائمی تعلق ہو گا تو اللہ میاں کی عطائیں بھی دائمی ہوں گی جیسے کہ موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ میاں کی عطائیں بھی ہوں گی۔ ہر وقت خوش رہو گے، مزہ آئے گا اور مزے کو تو چھوڑو۔

دیکھو! ایک بادشاہ ہے آپ کو یہ کہے یہ لڈو کھاؤ، اب لڈو میں تو مزہ ہے لیکن جو مزہ اُس لڈو کے کھانے میں ہے وہ اور لڈو میں کہاں۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے اللہ سے تعلق جوڑو اور یہ تعلق Formal نہ ہو، ضابطے کا نہ ہو بلکہ دوستی کا ہو۔ اللہ ہم سب کو نصیب کرے۔ تو یہ محبت کی چنگاری اللہ کے بندوں کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے۔ مارکیٹ میں نہیں ملتی ہے تو اُن اللہ کے بندوں کی صحبت میں آجایا کرو۔ آج نہیں تو کل نصیب ہو جائے۔

گر نشیند بر سر کوئے کسے
عاقبت بیند ھمیں روئے کسے

(اگر کوئی ہمت کر کے دواماً کسی کے کوچے پر بیٹھا رہے تو ایک دِن اُسے اپنے معشوق کے دیکھنے میں ضرور کامیابی ہو گی یعنی دوام عمل کامیابی کی کنجی ہے۔)

اور اگر جلدی نظر نہ آئے تو یہ خیال کرو کہ میری زمین ذرا سخت ہے، مجھے زیادہ محنت کرنی پڑے گی، نااُمیدی نہیں ہونی چاہیے۔

ناأمید از رحمتت شیطان بود۔(اور اللہ کی رحمت سے صرف شیطان ہی ناأمید رہتا ہے۔)

اور شیطان کے ساتھ تو ہماری آبائی دشمنی ہے۔

تو انسان اگر رب کے ساتھ تعلق بننے والا ہو جائے تو اگر پہلے دِن لڈو پیڑا نہ ملے تو یہ نہ کہے کہ آج کیوں نہیں؟ تو جیسے کہ ہمارے غضنفر صاحب ہیں، یہ اگر پیدا ہوتے ہوئے پہلے ہی دن کہہ دے کہ اماں میں تو مرغا کھاؤں تو کیا آج یہ ہمارے پاس ہوتے، تو ایمان تو یہ ہے کہ رب کی تمام باتوں پر یقین رکھے، وہ حاکم ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے لیکن حاکم ہونے کے ساتھ حکیم بھی ہے، غفور بھی ہے، رحیم بھی ہے۔ بعض کو ہم نے جانا اور بعض کو نہ جانا اور بہت کو نہ جانا اور کم کو جانا۔ تو حاکم ہونے کی حیثیت سے اُسے حق پہنچتا ہے کہ جو چاہے کرے۔

اوست سلطان ھر کہ خواھد آن کند
عالمے را در دمے ویران کند

(حقیقی بادشاہ وہ ہیں جو چاہے وہ کر سکے، اگر پوری دنیا کو ایک لحظہ میں ویران کرنا چاہے تو کوئی حائل نہیں بن سکتا۔)

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾ (الانبیاء۲۱:۲۳)

(وہ جو کچھ کرتا ہے اس کا کسی کو جواب دِہ نہیں اور اُن سبکو جواب دہی کرنی ہوگی۔)

رضا بالقضاء

تو حاکم کی حیثیت سے ہمارے دِلوں، ہماری روحوں میں، ہمارے جسموں میں جو کچھ بھی تصرف کرے، ہمیں نہیں چاہیے کہ اُس کے حکم کے خلاف کریں لیکن وہ حکیم بھی ہے جو کرے اُس میں حکمت ہوگی۔ حکمت اُس کی ذات میں بھری ہوئی ہے۔ جو چیز وہاں سے آئے گی، اُس میں حکمت ہوگی لیکن یہ ضروری نہیں کہ اُس کی حکمت کو مجھ جیسا جاہل بھی جانے۔ تو دیکھو!

دنیامیں جنت کا مزہ آجائے۔ اگر جو وہ چاہیں، اُس پر راضی ہو جائیں اور اس کے ساتھ یہ بھی نیت کرو کہ جو وہ فیصلہ کرے، وہ میرے لیے خیر کا ہے۔ یہ نہیں کہ اِس میں خیر ہو گی، وہ تو سمجھ کر کرتا ہے، جان بوجھ کر کرتا ہے، وہ بچے کو بھُنا ہوا مرغا نہیں کھلاتا تو اپنی حکمت کی بنا پر۔ وہ تو مربی حقیقی ہے جو کچھ وہ کرے گا تو اُس میں سو فیصد خیر ہو گی۔ ہمارے دِلوں میں انقباض کیوں ہوتا ہے؟ ہم کیوں کہتے ہیں کہ اگر یوں ہو جاتا تو یوں ہو جاتا، او بھئی! کیوں ہو جاتا۔ وہ حدیث میں آتا ہے جس کا مفہوم اس کے قریب قریب ہے کہ ''لَوْ'' جو ہے اس سے شیطان کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ''لَوْ'' کا ترجمہ ہے اگر۔ بات تو چھوٹی دکھائی دیتی ہے لیکن چلی جاتی ہے بہت دُور۔

بات پہنچی تیری جوانی تک

تو اس لحاظ سے تفویض تام اختیار کرو اور جو تصرف تم میں کرے، اُس پر راضی رہو کہ میرے مولا نے جو تصرف مجھ میں کی اُس میں میری بھلائی ہو گی اور تفویض کہتے ہیں سپرد کرنے کو۔ تو بعض صوفیاء کے نزدیک تسلیم ورضا کا مقام اُونچا ہے اور بعض کے نزدیک اخلاص کا۔ اور ہم کہیں کہ دونوں میں کوئی مغائرت نہیں۔ ہمارے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اسلام کا پہلا قدم بھی فنا ہے اور آخری قدم بھی فنا ہے۔

بہ صاف دُرد ترا حکم نیست دم در کش

کہ ھر کہ ساقئ ما ریخت عینِ الطاف است

(یہ صاف ہے اور یہ ناصاف اِس میں مجھے کوئی اختیار حاصل نہیں کہ تو اللہ کا بندہ ہے اور وہ جو کچھ دے تیرا حق نہیں بنتا ہے بلکہ اُس کی مہربانی ہے۔)

پھونک ڈال ان تجویزوں کو، جلا ڈال اپنے ان خاکوں کو، تو دیکھو وہ کیسے سامان کرتے ہیں۔ کیا وہ تم کو ضائع کرے گا، جب ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی کو صحرا میں چھوڑ گئے، تو بیوی نے کیا فرمایا، ایک بات کہی ''اے ابراہیم! کیا تمہارے رب نے تجھے ایسا کہا ہے''۔ کہا ''ہاں''۔ تو کہا ''اذًا لا یضیعنا'' (تب وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔) تو کیا ہوا، اُن کی دوڑیں بھی شعائر اللہ

بن گئیں۔

شیخ چلّی کی طرح نہ ہو۔ جو کہ ایک شاخ پر بیٹھا ہوا اُس کو کاٹ رہا تھا۔ ایک شخص کا وہاں گزر ہوا۔ کہا کہ پگلے کیا کر رہے ہو گر جاؤ گے ؟ اُس نے کہا کیسے گروں۔ آخر جب کٹ گئی تو گر گیا۔ کہا کہ یہ ہے خدا۔ گیا اور اس سے یوں پوچھا کہ میں کب مروں گا تو جب بہت تنگ کیا تو اُس نے ایک دھاگا لیا اور کہا کہ جب یہ ٹوٹے گا تو تب مر جائے گا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ شیطان ہے بڑا دھوکہ دینے والا، ایک راہ سے نہیں تو دوسری راہ سے آتا ہے اور رب کی صفات ہیں لامتناہی۔ جیسے سورج کی شعاعیں آتی ہیں۔ سورج نہیں آتا لیکن روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح بلا تشبیہہ عرض کرتا ہوں کہ جب رب کے انوارات آجاتے ہیں تو تب روشنی ہو جاتی ہے۔ ہم پیدا کیسے ہوئے ؟ بس رب کی صفت خلقیت کا ظہور رہے۔ ہمارے حضرت عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

روشن از عکس جمالت صورت امکان ماست

یک نگاہ نازِ جانان قیمت ایمان ماست

(آپ کے جمال کے عکس سے ہمارا وجود قائم ہے، اور تیری ایک نگاہ کرم ہمارے ایمان کی قیمت ہے نگاہ کرم نہ ہو تو ہمارا ایمان کسی کام کا یعنی ایمان کو بھی قبولیت کی شرط لازم ہے۔)

کہتے ہیں کہ کائنات جو ہے یہ تو صرف تبدل صفات کا مظہر ہے۔ اللہ رب نہ ہوتے تو یہ کائنات پلتی کیسے ؟ رحیم نہ ہوتے تو رحم کیسے ہوتا؟ اور انسان تو جسم کے لحاظ سے ہے چھوٹا لیکن اپنی ذات میں ایک عالم اکبر ہے اور اللہ کی صفات کا مظہر اتم ہے۔ جلال والی ہوں، کمال والی ہوں، تو مطلب یہ کہ اللہ والی صفات کا ظہور جیسے کہ انسان میں ہوتا ہے کسی اور میں نہیں ہوتا۔

تو حضرت والی بات کا مطلب یہ ہے، ارے میاں تیرے ہی وجود سے اس جہاں کی

تمام چیزیں روشن ہوتی ہیں اور میں بھی اس عکس سے روشن ہوں۔ تیری ذات ہے تو ہم ہیں۔ اگر میرے ایمان کی کچھ حقیقت ہے تو رب کی ہدایت والی تجلّی ہے۔ ہدایت جو آتی ہے، رب سے آتی ہے، جیسے کہ بعض اوقات سورج کی روشنی سوراخ میں سے آتی ہے۔ اسی طرح آتی ہے جس کے سینے میں ہدایت کا عکس پڑا تو ایمان آگیا۔

بھلا سکوں گا کیونکر نگاہ نازان کو
کہ نغمہ ہائے دِل بے قرار چھیڑ دیا

تو کہتے ہیں کہ آپ کی نگاہ لطف کا طالب ہوں، توجہ چاہتا ہوں، اکمل الکاملین کا ایمان نصیب ہو جائے اور میاں کی رضا نہ ملے تو کس کام کا ہے وہ ایمان۔ تو کہتے ہیں کہ میرے تمام ایمان کی قیمت ایک نگاہ ناز جانان ہے۔ وہاں مقبول نہ ہو جائے تو کیا ہو جائے۔ کاملین ایمان پر نازان نہیں ہوتے بلکہ ان کو یہ فکر ہوتی ہے کہ قبول بھی ہوئے ہیں یا نہیں لیکن یہ خوف نااُمیدی کی طرف نہیں لے جاتا ہے بلکہ ایک دغدغہ پیدا ہوتا ہے کہ کہتے ہیں کہ قبول ہو جائیں۔ اللہ کے عفو کی طرف دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ قبول ہو جائیں گے اور اپنے عمل کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ قبول نہیں ہوں گے لیکن قبولیت والا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

فکر قبولیت

بن رہا ہے کعبۃ اللہ اور اُٹھانے والے کون ہیں ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام تو کیا کہا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ اے میاں! تُو قبول ہی کر دے تُو جانتا ہے جو کچھ ہمارے دِلوں میں ہے، تیرے لیے ہی کرتے ہیں۔ ہم تو بندے ہیں تیرے ہی لیے تعمیر کرتے ہیں، ''وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم ''۔ اے اللہ! توجہ فرمادے اور تیری ہی صفت ہے توجہ کرنا اور تیری صفت ہے بار بار رحمت کرنا۔ اب انہوں نے جو یہ عمل کیا تو رب کو بھی پیار آیا اور ایسا نوازا کہ دنیا کے لیے چُنا، دنیا کے لیے مرکز بنایا، اپنے انوارات

کے لیے خاص کیا اور کعبے کی تجلیات جو ہیں وہ اپنے اندر مرکزیت عالم کو لیے ہوئے ہیں اور اس پر جو تجلیات اُترتی ہیں اُن کا اثر اگر انسانیت کے ایک فرد پر پڑ جائے تو سب کے سب ہدایت والے بن جائیں اور کعبہ پر جو تجلیات پورے عالم کی نسبت کے لحاظ سے اُترتی ہیں۔ وہ محمد ﷺ کی نسبت سے اُترتی ہیں۔ اپنے اندر محمد ﷺ والی نسبت کو لیے ہوتی ہیں۔ حقیقت محمدیہ اور حقیقت کعبہ ایک ہے یعنی کعبہ کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ حضور ﷺ کی نسبت سے دیا جاتا ہے۔ اگر انوارات ربانی کو لینا ہو تو محمد ﷺ سے تعلق کو جوڑ دو اور یہی وجہ ہے کہ محمد ﷺ کی اُمت کو نماز میں کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم کیا تاکہ جو کچھ اِس پر اُتر آئے یہاں دِل میں آجائے۔ اب کعبے پر جو کچھ اللہ نے اُتارا۔ ایک رُخ سے تو وہ محمد ﷺ کی نسبت کو لیے ہوئے ہیں اور محمد ﷺ کہتے ہیں کہ میں دُعائے خلیل کا مظہر ہوں اور اُمت محمدیہ بھی دُعائے خلیل کا مظہر۔ اب جس اخلاص سے ابراہیم علیہ السلام نے دُعا مانگی تھی، اُس سے حضور ﷺ کا ظہور ہوا۔ فیصلہ تو اول میں لکھا تھا اور حضور ﷺ کے ظہور کی نسبت سے اُن تجلیات کا ظہور شروع ہوا۔ جو کہ تمام دنیا کو کافی ہو سکتی تھیں جیسے کہ کالج کے ہاسٹل میں پہلے کم طلباء تھے تو راشن ان کے لحاظ سے آتا تھا۔ اب جب بڑھ گئے تو زیادہ ہوا ہے جیسے مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

کعبہ را هر دم تجلّی می فزود
زانکه زا خلاصات ابراہیم (علیہ السلام) بود

(کعبہ کے تجلیات ہر لحظہ بڑھتی رہتی ہیں اس لیے کہ اس کے معمار کی اخلاص یعنی ابراہیم علیہ السلام کا اخلاص اس میں برابر کام کر رہی ہے۔)

تو حاصل کلام یہ ہوا کہ رب کی صفات کے لینے کے لیے رب سے تعلق جوڑو اور اُس تعلق کے آنے کے بعد تم میں رب کی صفات کا ظہور ہوگا اور جب رب کی صفات تم میں آجائیں تو تمہاری زندگی بنے گی، تسلیم و رضا بھی آئے گی، اخلاص بھی آئے گا اور کوئی چیز

کڑوی نظر نہیں آئے گی۔

اگر حنظل خوری ازدست خوش رو
بہہ از شیرینی ازدست ترش رو
از محبت تلخہا شیرین شوند
از محبت مسّہا زرین شوند

(خوش رو آدمی کے ہاتھ سے حنظل بھی شیرین لگتا ہے اور ترش رو اگر مٹھائی بھی دے تو مزہ نہیں آتا۔ محبت ایک ایسی چیز ہے جس سے کڑوی چیزیں میٹھی بن جاتی ہے اور تانبا بھی سونے جیسے لگتا ہے۔)

اعمالِ صالحہ اور عطائے رب

مجلسی گفتگو در خانۂ خویش (13 جنوری 1963ء بعد از نمازِ مغرب)

قبلہ

اب دیکھو! ہم نماز پڑھتے ہیں تو اللہ ہمارا رُخ کسی بھی طرف کر سکتے تھے لیکن کعبے کی طرف تخصیص کیوں ہو گئی کیونکہ یہ محل تجلیات رب ہے۔ اصل میں ہم نماز تجلیات رب کی طرف پڑھتے ہیں، کعبہ سے انوارات کی بارش چلتی ہے اور اُن سے لینے کے لیے زندہ دِل کی ضرورت ہوتی ہے تو کعبہ تو اللہ کے انوارات کا مرکز ہے اور جتنی بھی تم رب کو توجہ کر سکتے ہو، اُتنے ہی انوارات تمہارے دِل پر اُتریں گے کیونکہ ہر چیز اللہ کے حکم سے بندھی ہوئی ہے اور جب رب چاہیں گے تو وہاں کے انوارات دِل پر اُتر آئیں گے۔

تو بات یہاں پر لوٹتی ہے کہ ہم رب سے لینے والے بن جائیں اور رب نے ہمیں اپنے لیے بنایا اس لیے نہیں بنایا کہ ہم سے لے۔ ہم کو اپنے عطایا کا محل بنایا، اللہ تعالیٰ کی حکمت نے نہیں چاہا کہ اور کوئی اس میں شریک ہو۔

عطائے الٰہی کے برتن

مثال کے طور پر کوئی کہے کہ کپڑا لا میں تجھے مٹھائی دوں گا اور جتنا بھی کپڑا ہو اُس قدر دوں گا، اب میں کہوں کہ مجھے تو ہاتھ میں دو اور یا میں دودھ کو چھانی میں لینا چاہوں تو ملے گا۔ تو اسی طرح اعمال جو ہیں رب کے عطایا کے لیے برتن ہیں۔ نماز کو قائم کرو گے تو نماز والے عطایا آجائیں گی۔ اب اِن عطایا کو لینے کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہے۔

اخلاص

پہلی بات ہے اخلاص۔ اور یہ اخلاص عمل کی جان ہے۔ اخلاص پیدا ہو تو عمل میں

روح آجائے۔

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کے لیے میں خدا چاہتا ہوں

رب کو بھی چاہے تو اپنے لیے نہ چاہے بلکہ ہمارے رب یوں چاہتے ہیں کہ مجھے چاہو تو اس لیے اُسے چاہتے ہیں۔

دوسری بات شریعت مطہرہ ہے کہ اخلاص بغیر حضور ﷺ کے اعمال کے نہیں ہو سکتا، جتنا بھی ہم حضور ﷺ کے اعمال کو اخلاص کے ساتھ اپنائیں گے، ہماری روحانیت بنتی جائے گی۔ روح تو ظاہر میں ہے لیکن اس میں وہ زندگی آجائے جو آخرت کی زندگی کو بنا جائے، وہ صرف اللہ کے تعلق سے اور اللہ کے لیے اپنی چاہتوں کو روک کر شریعت مطہرہ پر عمل کرنے سے بنتی ہے۔

دیکھو بھئی! آپ نے تو بلّا ہاتھ میں لیا نہیں، تو کیسے میدان میں آجاؤ گے تو اسی طرح رب کے دین کے لیے بھی محنت کریں گے۔ جتنے لوگوں پر محنت کریں گے تو اس قدر عطایا حاصل ہوں۔ خود بنو اور اپنے کو بنانے کے لیے دوسروں کو بنانے کی کوشش کرو، اپنی اصلاح کی نیت سے دوسروں سے بات بھی کرو اس لیے کہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائیں اور میری اصلاح کی صورت بنائیں۔

قرآن و سنت اور رمضان

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (25 جنوری 1963ء بروزِ جمعہ)

قرآن اور سنت کا باہمی ربط

قرآن کہیں چلا گیا نہیں بلکہ قرآن کے انوارات دائمی ہیں۔ اسی طرح قرآن کے سب کے سب انوارات حضور ﷺ کے انوارات سے ملکر چسپاں ہو گئے ہیں تو یہ بھی دائمی ہوئے۔ تو اب حضور ﷺ کے انوارات اور فیوض یہ نہیں ہوا کہ حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے ساتھ ختم ہوں بلکہ جب تک قرآن ہے اور اُس کی حقیقت موجود ہے تو حضور ﷺ کے انوارات بھی اُن لوگوں کو ملتے رہیں گے جو قرآن کی حقیقت کو اپنالیں۔

اب اس سے کیا مراد ہے؟ یعنی قرآن نے جن حکموں کو کہا، ان کو پورے طریقے سے اپنالینا حقیقت قرآن ہے۔ اب اعمال محمدیہ برابر ہیں حقیقت قرآن کے، یہ اپنالو تو وہ اپنا لیا، وہ اپنایا تو یہ لے لیا۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضور ﷺ کے انوارات ساری، جاری وطاری ہیں اور ابد الاباد تک قائم رہیں گے۔ دیکھو بھائی! جیسے سورج آسمان پر ہوتا ہے لیکن زمین پر جو پھل پکتا ہے، اُس میں سورج کی شعاعوں کا کچھ اثر ہوتا ہے یا نہیں تو اسی طرح ہدایت کا بدر منیر، سراج منیر میرے آقا ﷺ کی ذات کو آلہ بنا کر اللہ رب العزت ہدایت کے فیضان کو لوگوں کے دِلوں پر ڈالتا ہے تو قرآن کے انوارات اور محمد ﷺ کی ذات کے انوارات مل کر روحانیت محمدیہ بنتی ہے تو اب رمضان شریف کے مہینے میں وہ پورے کے پورے انوارات بکھیرے گئے ہیں۔ رمضان میں انوارات قرآنیہ اور انواراتِ محمدیہ بس گئے ہیں، اب یہ رومال ہو، اس کو عطر میں ڈبو دو اور نکالو تو اس میں خوشبو بَس جائے، وہ خوشبو فروخت کرنے والے کیا کرتے ہیں، عطر کی شیشی سے رومال کو بھگوتے ہیں، اللہ رب العزت نے کچھ خاص اعمال

دیئے۔ اگر رمضان کے یہ اُنتیس تیس دِن اُس رُخ پر گزر گئے جن پر حضور ﷺ ہم کو ڈالنا چاہتے تھے تو ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْن'' تو تم سب کے سب متقی بن سکتے ہو۔ اور متقی کون ہوتا ہے؟ وہ جو قرآن کے ظاہر و باطن کو اپنالے، تو فرمایا:

''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ''۔ (البقرہ۲:۱۸۳)

روزہ اس لیے فرض کیا گیا تاکہ گنتی کے چند دِنوں میں تم سب کے سب متقی کامل بن جاؤ۔

ولایت کی دو قسمیں:

قرآن میں دو چیزیں آتی ہیں ''اَللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْن'' اللہ مومنوں کے ساتھی ہیں۔ اور ایک خاص ہوتا ہے ''اَللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْن'' اللہ کے ولی وہ ہیں جو کہ متقی ہیں اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ (یونس ۱۰: ۶۲،۶۳)

تو ولی کامل کون ہے جو کہ اللہ اور رسول کی بات کو اپنالے، اب رمضان میں کیا ہوتا ہے، ہاسٹل نمبر ۲ والے پورا قرآن سنتے ہیں، نمبر 1 والے بھی حفاظ کو کھڑا کرتے ہیں۔ کیا ہوتا ہے، قرآن کو الحمد سے لیکر والناس تک سنتے ہیں۔ اب قرآن میں کیا ہے، سب کچھ۔ ایک بات یہ ہوگئی کہ پورے کے پورے احکام سنائے اور اس کے ساتھ کیا کیا، انسانوں کے نفسوں کو کچلنے کے لیے دو چیزیں بتائیں، رات کا قیام لازم کیا، سنت مؤکدہ ہے تراویح ''اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَ اَقْوَمُ قِيْلًا''۔ (المزّمّل:۷۳،۶) (بیشک رات کے وقت اُٹھنا ہی ایسا عمل ہے جس سے نفس اچھی طرح کچلا جاتا ہے اور بات بھی بہتر طور پر کہی جاتی ہے۔) اور آج کل دو قسم کی تراویح ہوتی ہیں۔ ایک ہوتی ہیں (مختصر) لنڈے تراویح جیسے کوئی نوجوان سیڑھیوں سے تیزی

کے ساتھ اُترتا ہے۔ نماز کی شکل بگاڑ دی، ہائے خدا کیا دینا چاہتا ہے اور ہم کیا کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ تسبیحات بھی مقرر کیں یعنی اللہ کی ہیبت و جلال کا تذکرہ کہ قرآن جو تم سن رہے ہو، ایسی ویسی بات نہیں۔ سبحان ذی الملك والملكوت، سبحان ذی العزة والعظمة والهيبة والكبرياء والجبروت سبحان الملك الحی الذی لاینام ولا یموت، سبّوح قدوس ربّنا و ربُّ الملائكة والروح۔

تاکہ عظمت حق پیدا ہو، بڑائی اندر آئے، اور جب کبریائی اور بڑائی اندر آجائے تو بات کو ہلکا نہیں سمجھو گے، یہ صرف مٹھائی کا بانٹنا نہیں کہ حافظ جی کو گھنٹہ پہنا دیا اور مٹھائی تقسیم کی اور بس ختم۔

روزہ کے ثمرات

ہائے روزہ کس لیے بنا دیا، کیا اس لیے کہ حرام کام مت کرو، مومن کا تو بلوغ سے لیکر مرتے دم تک روزہ ہوتا ہے، کس چیز سے حرام سے، اور اہل اللہ کا غیروں کی طرف دھیان سے اور چوہے بلیوں میں پھنس جانے سے تو روزہ تو تمام عمر ہے تو رمضان میں کیونکر روزہ آگیا۔

دیکھو بھئی! شہد اچھی چیز ہے اور دودھ بھی اچھی چیز ہے۔ اب رمضان کا مہینہ ہو اور خوب زمزم کا پانی ہو اور پھر اُس میں دودھ اور شہد ڈالی ہو اور حلال کی کمائی سے ہو تو پھر بھی منع کرتے ہیں۔ اور بات تو بے ادبی کی ہے لیکن حضرت عائشہؓ جیسی پاک بیوی ہو اور حضور ﷺ جیسے خاوند ہو تو رمضان کے مہینے میں ہاتھ مل سکتے ہیں؟ ہاتھ میں چیز تھی کھا رہا تھا اور اُدھر ہو گئی اذان تو کیا بس نہیں کرے گا۔ دیکھو! تاخیر سحری اور جلدی افطار میں کیوں ہے، یہ نہیں کہ سورج نکلنے تک کھاتے رہو، مصلحتیں تو اور بھی ہو سکتی ہیں لیکن یہ کیا دیکھتے ہیں۔ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ میرے حکم کو کیسے مانتے ہیں؟ اللہ کے حکم کے انتظار میں ہوتے ہیں، کہتے ہیں: للصائم فرحتان، فرحة عند فطره، و فرحة عند لقآء ربه۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصوم، حدیث نمبر 1959)

(روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک افطاری کے وقت اور دوسری خوشی رب سے ملنے کے وقت۔)

تو اب یہ شربت دیدار رب سے افطار ہو گا، تو کیسا مزہ ہو گا، تو میاں سے ملنا افطاری ہے بڑے روزے کی اور وہ بڑا روزہ بلوغ سے مرتے دم تک ہو گا تو جیسے طلوع فجر سے لیکر طلوع مغرب تک مشق کرائی صرف حرام سے بچنے کی، ناجائز سے بچنے کی، ناجائز خرچ کے بچنے سے اور ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنے کی، تو میں یہ کہوں کہ جس کو صبح سے لیکر افطار تک حلال چیزوں کے چھوڑنے کی مشق کرائی تو کیا یہ بندہ جس نے حلال کو چھوڑا، حرام کو نہیں چھوڑ سکتا، گویا یہ مشق کرائی جاتی ہے کہ اے میرے بندے! تُو نے یہ دنیا کو بتایا کہ میں نے اللہ کے حکم سے حلال کو چھوڑ دیا تو حرام کو کیسے نہ چھوڑوں اور پھر یہ کہا جاتا ہے کہ تم نے ان تیس دِنوں میں پورے کے پورے قرآن کو سن لیا تو اگر اس پر عمل کرے گا تو یہ تمہاری زندگی کو بدل دے گا۔ جب تیرا روزہ روزہ ہو گیا، تیرا عمل عمل ہو گیا تو قرآن کے انوارات اور انوارات محمدیہ تم سے چپک جائیں گے، مقناطیس بن جاؤ گے، تمہاری روح زندہ ہو جائے گی، روحانی ہو جائے گی، پاکیزہ ہو جائے گی۔ اب اس کو ضائع نہ کرنا بلکہ سال تک اس کی حفاظت کرو۔ اگر ضائع نہیں کیا تو یہ اُنتیس تیس دِن کی مشق تمہارے سال بھر کے لیے کافی ہو گی۔

عظمتِ الٰہی

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (21 فروری 1963ء بروزِ جمعہ بعد از نماز عصر)

اللہ کی عظمت کیسے دِل میں آجائے؟ اللہ کی بڑائی کے استحضار سے خداوند قدوس کی پہچان اللہ کی صفات پر غور کرنے سے ہوتی ہے۔ اب یہ تین طرح پر تقسیم کی جاتی ہیں:

(۱) جمالی صفات (۲) جلالی صفات (۳) کمالی صفات

تو جلالی صفات کا سوچ لینا اللہ تعالیٰ کی عظمت دِل میں پیدا کر دیتی ہے۔ نماز میں تین طریقوں سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو لایا جاتا ہے۔ ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' یعنی ایک ہے بڑا کہنا۔ اور ایک ہے اُس کو پوری بڑائی کے ساتھ یاد کرنا۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے ''کہ اگر اللہ کی بڑائی آجائے تو سب کی بڑائی نکل جائے''۔ رکوع میں جاتے ہیں تو ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم'' اور عظیم کیا ہے؟ عظمت والا، اللہ کی عظمت کو جتنا سوچو گے اللہ کی بڑائی دِلوں میں آجائے گی۔ ایک ہے شیر لفظوں کا اور ایک ہے شیر کی حقیقت کہ اگر سامنے آجائے تو آپ فوراً بھاگ جائیں تو ایسی عظمت و جلال والا کہ انبیاء تک اس کے سامنے کانپتے رہیں۔ ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى'' کہ میرا پالنہار جو ہے وہ سب سے اعلیٰ ہے اور سب سے اعلیٰ کے سامنے تمام لوگ جھکتے ہیں تو اللہ کی عظمت کو سوچتے سوچتے اللہ کی عظمت پیدا ہو جائے گی۔

اسم اعظم

اسم اعظم بھی اللہ کی عظمت کے کھل جانے کے بعد کھلتا ہے اور جب تک بڑائی نہیں ہو گی تو اسم اعظم کا بھی انسان کو فائدہ نہیں۔ اسم اعظم اگر ہاتھ میں ہو اور عظمت نہ ہو تو ایسے اُڑ جائے جیسے چڑیا اُڑتی ہے تو اب اللہ کی عظمت کو کیسے سوچیں۔ دیکھو! اللہ کی عظمت کو عام طور پر یوں سمجھا جائے کہ اللہ کی عظمت و جلال اور ہیبت و کبریائی جو ہے اگر کماحقہ کھل

جائے تو ہم لوگوں کا کلیجہ پھٹ جائے۔ اللہ کی ہیبت اور جلال اور ہم لوگ برداشت کریں تو بدرقہ کے طور پر جیسے کہ حکیم لوگ سخت کے ساتھ کوئی نرم چیز دیتے ہیں۔ اللہ نے جلالی صفات کے ساتھ جمالی صفات عطا فرمائیں تا کہ اللہ کی عظمت کے ساتھ اللہ کی محبت آجائے۔ اگر نرا جلال آگیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم لوگ اُسے برداشت نہیں کر پائیں گے تو یا تو ایسی ہیبت طاری ہو جائے گی کہ تعطل کی کیفیت پیدا ہو جائے گی یا خشیت مفرط پیدا ہو جائے گی اور خشیت ہے پسندیدہ لیکن وہ کہ اطاعت والی ہو اور جب انسان ذہنی طور پر کام کا نہ رہے تو وہ مطلوب نہیں۔ تو حضور ﷺ کی دُعا ہے: ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَشْیَتِكَ مَا تَحُوْلُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ مَعَصَاصِیْكَ'' (ترمذی، مناجات مقبول) (اے اللہ! مجھے آپ کی وہ خشیت نصیب فرما جو میرے نفس کو گناہوں سے روک دے۔) تو خشیت مطلوبہ وہ ہے کہ اللہ کی عظمت اس طور پر آئے جیسے کسی محبوب اور پیارے کے خفا ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ اب حضور ﷺ خدا کے بھی محبوب اور مخلوق کے بھی محبوب اور سید المحبوبین لیکن باوجود محبوب ہونے کے صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم دور سے دیکھتے تو ڈر جاتے لیکن پہچانتے تو محبت ہو جاتی۔ اسی طرح اللہ کی محبت ہے کہ وہ عظمت و جلال کے پردوں کے اندر رہے تو اللہ کا ڈر سانپ بچھو کا ڈر نہیں لیکن وہ محبوب کے خفا ہونے کا ڈر ہے تو ڈر اِتنا ہونا چاہیئے کہ بُرائیوں سے انسان کو روک دے۔ بڑائی اور کبریائی کا تصور ہے اور اس محبت کے ساتھ انسان احکام پر چلنے والا بن جائے۔ محبت و رغبت بڑھائے اعمال صالحہ پر چلنے کی اور خشیت جو ہے وہ انسانوں کے اندر بُرائیوں سے بچانے کی قوت پیدا کرتی ہے اور میں محبت کا دعویٰ کرتا رہوں اور فرمانبردار نہ ہوں تو یہ محبت مطلوبہ نہیں تو اللہ کی عظمت بھی پیدا ہوتی ہے۔ ایمان اور اعمال صالحہ کے نتیجے کے طور پر اور ذکر کو اس میں بڑا دخل ہے۔ جتنے دھیان اور فکر کے ساتھ ذکر ہوگا اُتنی ہی معرفت پیدا ہوگی اور معین کے طور پر اہل اللہ کی صحبت ہے یہ دونوں ہو جائیں تو اللہ کی عظمت اور محبت دونوں دِل

میں آجائیں۔

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ”جیسے کسی پھول کا نام لینے سے اُس پھول کی جملہ صفات آجاتی ہیں تو اللہ کا نام لینے سے اس کی پوری صفات کیوں سامنے نہیں آتیں۔ اللہ کا نام لیں لیکن نہ تو اس کی کبریائی ذہن میں آئے نہ عطا ذہن میں آئے۔ اللہ کے ننانوے نام ہیں اس کو پڑھتے رہا کرو یَا رَحْمٰنُ جَلَّ جَلَالُہٗ یَا رَحِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ۔ باقی کسی خاص اسم کا ذکر کرنا وہ بغیر کسی محقق شیخ کی اجازت کے بغیر نہیں ہونا چاہیئے۔ اسماء میں اثرات ہوتے ہیں جیسے کہ میں اس مجلس میں اسرار کہوں تو اسرار متوجہ ہو جائے۔ زید کہوں تو زید متوجہ ہو جائے تو بعض اسماء ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی برداشت نہیں ہوتی۔ یہ جو بعض لوگ پگلے ہو جاتے ہیں تو کیوں ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے نام میں خرابی نہیں بلکہ ان میں خود کمزوری ہے تو اللہ کی ہر صفت ایک بے انتہا خزانہ ہے۔

مقصدِ کائنات

مجلسی گفتگو در خانۂ خویش (اگست 1963ء)

[نوٹ: فروری کے بعد یہ بیان اگست کا ہے اس لیے کہ حضرت مولاناؒ حج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ سفر بحری جہاز کا تھا اور قیام تین ماہ سے زائد کا تھا۔ اس سفر میں حضرت کا قیام مدینہ منورہ میں ۴۲ دِن کا تھا۔]

علمِ غیب

دیکھو! پہلے بیج ہوتا ہے، پھر سوئی نکلتی ہے، ڈنٹھل بن جاتا ہے، پھر درخت بن جاتا ہے، پھر کونپل نکل آتی ہے۔ حالانکہ ایک وجود سے جو دوسرا وجود ظاہر میں نکلا ہوا دکھائی دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے بالذات اپنا وجود پاتا ہے۔ دیکھو! عدم کی دو صورتیں ہیں۔ معلوماتِ الٰہیہ کے لحاظ سے کوئی چیز معدوم نہیں۔ مثال کے طور پر غضنفر نہیں تھے آج سے پچیس سال پہلے تو ان کے دادا کو بھی معلوم نہیں تھا۔ والدین کو بھی معلوم نہیں تھا۔ اس کا وجود کسی کو معلوم نہیں تھا لیکن اللہ کے علم میں ان کا وجود تھا۔ اسی طرح اس عالم میں جتنی بھی موجودات ہیں، علمِ الٰہی کے لحاظ سے ان کا وجود موجود ہے گو مستقبل میں ہو، اس کو علم غیب کہتے ہیں اور یہ اللہ کے لیے خاص ہے۔

ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد ﷺ اللہ کے علم میں تھے کہ ہوں گے اور ان کے ہونے پر یہ سب کچھ ہوگا۔ موجودات کے سلاسل اُن کی برکت سے وجود میں آئیں گے لیکن حضور پاک ﷺ کی ذات گرامی کے وجود میں آنے سے پیشتر بھی جو علم تھا وہ اللہ کے لیے خاص تھا۔ موجود تو تھے لیکن ایک وقت وہ بھی تھا جو کہ ''لَمْ تَكُ شَيْئًا''۔(سورۃ مریم ۱۹:۹)

اور دوسری جگہ ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ (سورۃ الانسان ٧٦:١)

ترجمہ: ”بیشک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھا“۔

اس میں اشارہ کیا گیا ہے کہ انسانوں پر ایسا وقت آیا ہے کہ وہ کچھ نہیں تھے۔ تو اسی طرح حضور ﷺ پر بھی ایک وقت ایسا آیا ہے کہ اللہ کے علم میں تو تھے لیکن ظہور کے لحاظ سے عدم میں تھے۔ ایک ہی ذات ہے جو کہ عدم میں نہیں تھی۔ یہ اللہ کے لیے خاص ہے۔ خود حضور ﷺ نے فرمایا ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ وَ لَمْ اَكُ شَيْـًٔا“۔ (محمد ابن اسحاق، عند ھجرۃ المدینۃ) تمام تعریف اُس ذات کی ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور میں موجود نہیں تھا۔

حضور ﷺ کا مقام

اور بالتحقیق حمد خدا کے لیے اتنا ہی کافی ہے جس نے حضور ﷺ کو پیدا کیا اور کچھ نہ ہوتا اور یہ ہوتا تو پھر ثبوت و ظہور کے لیے یہی حضور ﷺ کا ظہور ہی کافی ہے۔ گو وہ خود اپنی ذات میں ثابت ہے اور اس کے ثبوت کے لیے کسی مخلوق کی ضرورت نہیں اور گو اللہ کی ہر چیز کامل ہے لیکن وہ (یعنی نبی ﷺ) کاملوں کے کامل ہیں۔ کسی نے کہا کہ تیری ثنا جو ہے تیری ثنا کی حد ہے۔ میں یوں کہوں کہ اللہ نے اپنی حمد کی چادر ہمارے آقا سیدنا محمد ﷺ پر اوڑھادی۔ گویا الحمد، حمد الٰہی کا ظہور تامہ جو ہے وہ محمد ﷺ کی ذات ہے۔ اللہ کی حمد کا پرتو کاملہ محمد ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔ خدا نہیں لیکن خدا سے جدا نہیں یعنی اللہ سے معیت تامہ حاصل ہے۔

(ہر ایک بات سے ڈر لگتا ہے) محمد ﷺ نے مدینے کو کعبہ نہیں بنا دیا، تو اگر ابراہیم علیہ السلام کا اخلاص کعبے کو قبلہ بنادے تو کیوں نہیں بنایا مدینے کو قبلہ، حالانکہ پتہ تھا، جب وصال ہوا تو لوگوں نے پوچھا کہ حضور ﷺ کا مرقد پاک کہاں ہو؟ تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ نبی کی جہاں روح قبض ہوتی ہے وہاں اُن کو دفن کیا جاتا ہے، اب یہ تو معلوم تھا لیکن کیوں؟ اس لیے کہ شرک فی العبادۃ کے اشتباہ کا شبہ نہ بن جائے۔ خدا کی مرضی نے نہیں چاہا اور حضور ﷺ نے اسے پسند نہیں کیا۔ بہر حال کہ

جب ہمارے آقا محمد ﷺ نے شرک کی اشتباہ کی وجہ سے اسے قبلہ نہیں ہونے دیا تو ہم کیوں آپ کی تعریف کی وجہ سے توحید میں شرک کا شائبہ ہونے دیں۔ بقول صاحب بردہ:

دع ما ادّعته النصاریٰ فی نبیھم

واحکم فیما شئت مدحًا فیه و احتکم

(نبی ﷺ کی نعت میں نصاریٰ والی بات تو چھوڑو کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں، اس کے علاوہ وہ ہر ایک ستائش کے قابل ہے جو خدائی صفات سے نہ ٹکرائے۔)

فرمایا: کہ جو نصاریٰ نے دعویٰ کیا ہے اس کو چھوڑ دو باقی جتنی بھی تعریفیں ہیں وہ کہو۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حمد الٰہیہ کی سب سے بڑی دلیل حضور ﷺ کا وجود اور ظہور ہے اور معلوماتِ الٰہیہ کے لحاظ سے حضور ﷺ کا وجود ازل سے اللہ کے علم میں تھا اور یہ طے ہو چکا تھا کہ اس کی وجہ سے میں نے کائنات کو وجود بخشا اور اس لحاظ سے خلق اول حضور ﷺ کا ہے، لوح کو کیوں اور قلم کو کیوں وجود بخشا، یہ جو آئے کسی کے وجود کے لیے اس لیے کہ اللہ کی صفات کا کمال اظہار اور اللہ کی صفات کاملہ نے کمال اظہار فرمایا، تو اس لحاظ سے مقصد تخلیق حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے، گو وجود پاک کے ظہور سے پہلے اللہ نے موجودات کو وجود بخشا۔

ظہور بعد میں کیوں؟

دیکھو! کوئی آنے والا ہوتا ہے بادشاہ تو اس کے آنے سے پہلے موجودات کو درست کیا جاتا ہے لیکن جتنی بھی تیاریاں ہوتی ہیں وہ بادشاہ کے لیے ہوتی ہیں تو لوح و قلم کی تخلیق، عرش و کرسی کی تخلیق حضور ﷺ کی تخلیق سے قبل ہے میلاد نامہ جو پڑھتے ہیں تو حضور ﷺ کی ذات کے لیے توطیہ کے طور پر اسی عالم کو وجود بخشا ہے۔ اب آیئے اللہ کے

علم کے لحاظ سے تو وجود تھا جس کی بناپر وجود بنے اور نبیوں میں پہلے نبوت سیدنا آدم علیہ السلام کی ہے لیکن حضور ﷺ فرماتے ہیں:

”انا خاتم النبیین و اٰدم لمنجدل فی الماء والطین“۔(طبرانی اور بغوی)

یعنی ابھی ان کا خمیر بھی نہیں تھا، پانی اور مٹی میں تھے کہ حضور ﷺ کے خاتم النبیین کا فیصلہ طے ہوا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام میں خلقت محمدیہ ﷺ جو ہے سب سے پہلے ہے۔ اب دیکھو! خاتم النبیین کی اگر خلقت ہوگئی تھی جیسے کہ ہوگئی تھی، ظہور اگر آدم علیہ السلام کے وقت میں ہوتا تو حضور پاک ﷺ کی شریعت اور علوم اور جو کچھ حضور پاک ﷺ نے لیکر آنا تھا وہ اُسی وقت وجود میں آتا ہے کہ حضور ﷺ جو تھے آپ کی شریعت کامل الشرائع، آپ کے علوم خداوند قدوس کے عطا کردہ عطا کا انتہائی درجۂ کمال، آپ کی ذات تمام علوم کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے، اسی طرح جملہ فضائل اور کمالات نبویہؐ ہر رُخ سے جملہ انبیاء سے کامل اور افضل تھے، تو اس وقت اگر محمد ﷺ کے وجود کا ظہور ہو جاتا تو کیا سورج کے بعد ستارے چمکتے، چاند نکلتا؟ شریعت موسوی کا کمال اور شریعت عیسوی کا جمال اور ملت ابراہیمی کی خوبی کا اظہار نہ ہوتا، یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ اس سے کامل شریعت اُس وقت نہیں تھی لیکن حضور پاک ﷺ کی شریعت اپنے اندر تمام شریعتوں کو سمائے ہوئے تھی، اسی لحاظ سے اِتنی کامل اور محیط شریعت کے سامنے دوسری شریعتوں کا کمال بھی نظر نہ آتا۔ اس لیے باقی شریعتوں کے کمال و جمال بتانے کے لیے حضور ﷺ کی شریعت سے پہلے رکھا گیا اور پھر حضور ﷺ کو بھیجا گیا کہ اُن تمام شمعوں کو دیکھو اور پھر اس سورج کو دیکھو، اس لیے اُن کی بھی حکمت باقی رِہ گئی اور حضور ﷺ کا کمال و جمال بھی ظاہر ہوا۔ اگر حضور ﷺ پہلے اور پھر دوسرے انبیاء (علیہم السلام) بعد میں آتے تو کمال و جمال پوری طرح ظاہر نہ ہوتا۔ اس کے علاوہ دیکھو! کہ جب درباری سب اکٹھے ہو جاتے ہیں تو پھر بادشاہ صاحب

آتے ہیں، اسی طرح سب آئے اور پھر حضور ﷺ سب سے آخر میں آئے اور صدر نشین ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ خلقت میں سب سے اول لیکن ظہور میں نبیوں کے آخر میں ہیں۔

حضور ﷺ کا فیضان

دیکھو! عالم ارواح ایک بڑا خزانہ ہے۔ فرمایا: الارواح جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارف مِنْهَا اِئتلف وَمَا تنا کر مِنهَا اختلف۔ (بخاری، کتاب احادیث الانبیاء:۳۳۳۶)

(ارواح سب کے سب اکٹھے تھے یعنی عالم ارواح میں تو جن کی وہاں شناسائی ہوئی تو یہاں دُنیا میں بھی محبت قائم رہی اور جن کی وہاں پر ناشناسی رہی ان کا یہاں بھی اختلاف رہا۔)

وہاں بھی میل ملاپ ہوتا تھا، یہاں بھی میل ملاپ ہوا، خلقت وہاں ہوئی یہاں تو صرف ظہور ہوتا ہے۔ درخت تو وہاں لگا، یہاں جو یہ مزیدار مزیدار میوے لگتے ہیں یہ تو ظہور ہے۔ جیسے کہ درخت کی جڑیں زمین میں ہوتی ہیں لیکن شاخیں اور پھل پھول وغیرہ اُوپر ہوتے ہیں۔ عالم ارواح میں جب ایک دوسرے سے ہم آپ ملے تو کیا انبیاء علیہم السلام ایک دوسرے سے نہیں ملے؟ اور جب وہاں نبی آپس میں ایک دوسرے سے ملے تو جو سب سے چمکدار نبی ہوگا تو اس سے دوسروں نے چمک تھوڑی بہت لی نہ ہوگی اس لیے حضور ﷺ صرف خاتم الانبیاء ہی نہیں بلکہ نبی الانبیاء بھی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے وہاں آپ سے استفادہ کیا ہے۔ ہر نبی کی شریعت کی تفصیل محمد ﷺ کی شریعت میں اجمالی طور پر موجود ہے جو موسیٰ علیہ السلام میں ہے وہ حضور پاک ﷺ میں ہے یا یوں کہو کہ حضور ﷺ کی شعاع نبوت کا ایک پرتو موسیٰؑ، عیسیٰؑ کی ذات میں اور ابراہیمؑ کی ذات میں ظاہر ہوا اور جملہ انبیاء میں ظاہر ہوا تو نبی اکرم ﷺ جو ہیں نبیوں کے سورج ہیں اور تمام انبیاء کی نبوتیں حضور ﷺ کی نبوت کبریٰ کا ظہور ہے۔ جہاں بھی نُور کا چھینٹا ہے یا ہدایت کا چمکارا ہے وہ اس نور محمدی کا ظہور ہے اور حضور ﷺ کا نور اس حقیقت کے لحاظ سے مستقل بالذات ہے جب سے خلقت پیدا

ہوئی اُس وقت سے حضور ﷺ کی خلقت قائم ہے۔ اس میں آکر یہ نکتہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ آپ کا ظہور بعد میں کیوں ہوا جبکہ خلقت سب سے پہلے ہوئی[25]۔

---

[25]۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ (الاحزاب۳۳:۴۰)عن العرباض بن سارية رضی اللہ عنہ قال: قال لی النبی ﷺ ''اِنِّیْ عند الله لخاتم النبيين و اِنَّ اٰدم لمنجدل فی طينته''۔ (تفسیر ابن کثیر:ج۳،ص۴۹۴)عن العرباض بن سارية رضی اللہ عنہ قال: قال النبی ﷺ ''اِنِّیْ عند الله لخاتم النبيين و اِنَّ اٰدم لمنجدل فی طينته، و سأنبئكم باول ذلك، دعوة أبی ابراهيم و بشارة عيسى بی ورؤيا أمی التی رأت وكذلك أمهات النبيين ترين''۔(مسند امام احمد بن حنبل:ج۵،ص۱۶۷۰۰)

علم و خشیت

مجلسی گفتگو در مکان خویش (31 اگست 1963ء بعد از نمازِ عصر)

فضیلت علم

بعض لوگ نبوت کی فضیلت اصلاً علم ہی کو سمجھتے ہیں مگر بعض محققین یوں کہتے ہیں کہ عمل میں کیفیت کے لحاظ سے نہ سہی کمیت کے لحاظ سے اُمتی بڑھ سکتا ہے۔ ایک اُمتی ہزار رکعت نفل پڑھتا ہے روزانہ اور نبی ﷺ نے ہزار رکعتیں نہیں پڑھیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ نبی کا ایک سجدہ تمام اُمت کی جملہ نمازوں، جملہ رکعتوں سے بھاری ہے، اور بھاری چیز تول میں بھاری ہوتی ہے اور مول میں بھی بھاری۔ ایک طرف سونا ڈال دو اور ایک طرف روئی ڈال دو، دیکھنے میں روئی کتنی زیادہ ہو گی لیکن سونے کی قیمت زیادہ ہوتی ہے تو نبی کا عمل قیمت، محبوبیت، باطن اور کمال کے لحاظ سے افضل ہو گا۔ گو کمیت میں کم ہی کیوں نہ ہو اور اُمتیوں کے اعمال کمیت میں، حجم میں، ظاہر میں بڑھ سکتے ہیں، علم کے بارے میں اُمتی کا علم کسی صورت نہ کمیت میں، نہ کیفیت میں، نہ حقیقت میں، نہ ظاہر میں، نہ باطن میں نبی کے علم سے بڑھ سکتا ہے اور نہ اِس کے برابر ہو سکتا ہے اور علم ہی کا نتیجہ معرفت ہوتا ہے۔ اللہ کی پہچان علم ہی کے نیتجے پر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر علماء کو وارثِ انبیاء علیہم السلام کہا ہے۔ زاہد اور بڑے عابد کو نہیں کہا بلکہ عالم کو وارثِ نبی کہا گیا۔ علم کی اِسی فضیلت کی بنا پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں حصر کے صیغے سے کہا ہے۔ انّما یخشی اللہ من عبادِہ العلماء۔ یعنی خشیت مطلوبہ جو کہ اللہ کو مطلوب ہے علم کے ساتھ آتی ہے اور کیونکہ علم حقیقی کا نتیجہ معرفتِ الٰہی ہو گی اور جو اللہ کا عارف ہو گا وہ میاں کا لحاظ کر ہی لے گا۔ اُس کا ثمرہ جو ہو گا وہ اعمالِ صالحہ ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَشِيَّتِكَ مَا تَحُوْلُ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ مَعَاصِيك۔ (ترمذی)

(اے اللہ! میں آپ سے ایسی خشیت (خوف) چاہتا ہوں جو ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور ان کے لیے رکاوٹ بنے۔) گویا مختصراً یوں سمجھئے کہ علم صحیح کا نتیجہ معرفت کاملہ، اعمالِ صالحہ اور خدا کا تعلق ہے اور جس معرفت کا مبنیٰ یعنی بنیاد جہل ہو گا وہ حقیقت میں معرفت نہیں کہلائے گی۔ اللہ کی صحیح معرفت نصیب نہیں ہو گی۔ مثلاً یہودی قوم کا عقیدہ ہے کہ رب نے چھ دِن میں زمین و آسمان کو بنایا اور ساتویں دن تھک کر بیٹھ گیا اور ہم یہ کہیں کہ رب کبھی تھکتے نہیں۔ اب اگر ہم رب کو نہ دیکھیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ رب العزت کی ذات نہیں ہے۔ رب العزت کی صفات نہیں ہیں لیکن دراصل ہماری بصیرت ختم ہو گئی۔ آنکھ کا اپنا دائرہ ہے، کان کا اپنا دائرہ ہے اور اِسی طرح ہر ایک چیز کے کام کرنے کا ایک مخصوص دائرہ ہے جس سے آگے وہ کام نہیں کر سکتی تو مغیبات میں انسانی عقل کام نہیں کرتی (کیونکہ اِس کا دائرہ ظواہر پر ختم ہو جاتا ہے)۔

قلب کی اہمیت

دوستو! رب العزت نے اپنی معرفت کا آلہ دیا۔ اگر رب یہ نہ کرتے تو معاذ اللہ رب ظلم کرنے والے ہوتے، پھر انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور اِس آلے کا استعمال بتایا۔ اِس آلہ کو دِل کہتے ہیں جس کو اگر صحیح طریقے پر استعمال کیا جائے تو صفاتِ ربانی کھل جائیں اور تم تو یہ کہو کہ ہم کو اِس کے دھک دھک کے سوا اور کچھ محسوس نہیں ہوتا تو ہم یہ کہیں کہ تم نے اِس کو طریقے پر استعمال نہیں کیا۔ دیکھو زبان کا بولنا آسان کام ہے لیکن بغیر زبان والوں کے آتا نہیں اور پھر بھی غیر زباندان زباندان کا مقابل نہیں ہو سکتا۔ ایم۔اے کا ایک اچھا طالب علم ایک ادنیٰ زباندان کے ساتھ بات چیت نہیں کر سکتا۔ اس کے ''لِمَ'' کو نہیں سمجھتا، تو ہم یہ کہیں کہ اے رب کی معرفت کے دعویٰ کرنے والو! رب کی معرفت پر کوشش کرنے والو! ذرا طلب والوں کے پاس بیٹھ کر اپنے اندر طلبِ صحیح پیدا کر لو اور رب بغیر طلب کے بھی دے

سکتا ہے لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے کہ آیا یہ بندہ میری طرف آتا ہے یا نہیں آتا۔ ماں تو ممتا کی ماری ہوئی ہوتی ہے، وہ تو چاہتی ہے کہ کسی طرح بچے کا پیٹ دودھ سے بھر لے، اِسی طرح رب چاہتے ہیں کہ ذرا یہ تو طلب پیدا کرے تاکہ ہدایت کا دودھ اس کے دِل میں آجائے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:

تانہ گرید طفل کے جوشد لبن

تانہ گرید ابر کے خندد چمن

(اگر بچہ روئے نہیں تو ماں کا دودھ جوش میں نہ آئے اور اگر بادل روئے نہیں تو چمن کی ہریالی نہ رہے۔)

دین کی طلب

مطلب یہ ہے کہ طلب کے پیدا کرنے سے دین آجاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام اِس طلب کو زندہ کرتے ہیں لیکن جب اُن کو گزرے ہوئے زیادہ زمانہ گزر جاتا ہے تو یہ طلب مُردہ ہو جاتی ہے اور یہ طلب ایسے نہیں آتی بلکہ اس کے لیے کوشش کرنی پڑتی ہے، وقت لگانا ہوتا ہے۔ دیکھو پرائمری بھی کوئی ڈگری ہے کہ اس کے لیے چار سال لگانے پڑتے ہیں، اسی طرح مڈل کے لیے آٹھ سال اور میٹرک کے لیے دس سال گزارنے ہوتے ہیں۔ بی۔ اے کرنا چاہو تو لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں اور پھر صرف اے، بی سے بی۔ اے ہو جاتے ہیں۔ پھر کیا ہوتا ہے، معاملہ ختم کر دیا اور پیٹ میں غرق ہو گئے اور ایسے غرق ہوئے کہ معاملہ حل ہی نہ ہو سکا۔ آپ کہیں گے کہ غیروں نے تو حل کیا تو ہم کہیں (کہ پہلے تو انہوں نے حل نہیں کیا اور اگر یہ مانیں بھی تو پھر) کہ رب کا معاملہ غیروں سے اور ہوتا ہے اور اپنوں کے ساتھ اور، غیروں کو ڈھیل دیتا ہے جس کو امہال کہتے ہیں، جھولے کو جتنا بھی لمبا چکر دے دیں، کاٹنے سے اُتنا ہی دُور گرائے گا اور ہمارے حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ جوتے کو جتنی بھی گندگی

لگے تو کچھ فکر نہیں اور ٹوپی کو لگے تو فوراً دھو لیتے ہیں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دل کا معاملہ ختم کر دیا اور پیٹ میں غرق ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ پیداوار کم ہے اور آبادی بڑھتی ہے لہٰذا فیملی پلاننگ (Family Planning) کرنی چاہیے۔ اچھا نام رکھا نسل کشی کا اور کہتے ہیں کہ بوائے فرینڈ (Boy friend) اور گرل فرینڈ (Girl friend)۔ اللہ کے بندو! نام جو کچھ بھی رکھ دو، حقیقتیں بدلا نہیں کرتیں۔ پھول کو جس نام سے پکارو، پھول پھول ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ قومیں جو اللہ سے غافل ہو جاتی ہیں تو ''فاذاقها الله لباس الخوف والجوع''۔ (تو اللہ نے ان کے کرتوت کی وجہ سے ان کو یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف ان کا پہننا اور اوڑھنا بن گیا۔) بھوک کا تو یہ حال ہے کہ نسل تک کو ختم کیا جا رہا ہے اور خوف کا یہ حال ہے کہ ہر وقت تھراتے رہتے ہیں کہ اب جنگ چھڑتی ہے اور کل چھڑتی ہے۔

بعثت انبیاء علیہم السلام کا مقصد

تو انبیاء علیہم السلام تم کو جنگل میں لے جانا نہیں چاہتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ تمہیں کھیتی باڑی کرنا بھی آ جائے، دوکان چلانا بھی آ جائے، صنعت و حرفت بھی آ جائے لیکن اللہ والا نظام تم سے چھوٹنے نہ پائے۔ وہ ایک نعرہ لگاتے ہیں ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله'' اور یہ الفاظ بول میں تو ہلکے ہیں لیکن تول میں بہت بھاری ہیں۔ اب اللہ نے سب سے آخر میں ایک نبی حضرت محمد ﷺ کو بھیجا اور فرمایا کہ یہ ہمارے بنائے ہوئے ہیں، ہم نے ان کو بھیجا ہے، اگر تم نے اُن کے خاکے کو اپنایا تو اللہ تمہارے ساتھ ہو جائے اور ساتھ نہیں بلکہ واللہ بھائیو! اللہ تمہارا محب بن جائے، تمہارے ساتھ محبت ہو جائے اور جس میں محمد ﷺ کا خاکہ نہیں آئے وہ آئینے کی طرح چکنا چور ہو جائے، وہ تو لوگوں کو دیکھ کر کڑھتے تھے، وہ تو لوگوں کے غم میں تھے، وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ دُنیا والے دوزخ میں جل جائیں، وہ تو رحمۃ اللعالمین تھے لیکن کچھ تو یہ لوگ بھی کرتے تو معاملہ تب بنتا۔ دیکھو یہ ہیں ڈاکٹر صاحب۔ یہ پانچ اجزا پر مرکب ایک دوائی

بناتے ہیں، اب میں چار جزو کی دوائی تو بناؤں اور پانچویں کے لیے کہوں کہ جب ڈاکٹر صاحب نے پانچ اجزا کا کہا ہے تو پانچ نہ سہی چار جزو تو اپنا فائدہ دیں گے۔ تو یہ میری کم علمی نہ ہوگی تو اور کیا ہوگی۔ اِسی طرح یہ انجینئر صاحب ہیں، اگر یہ بیم کو ایسا (غلط انداز) کھڑا کر دیں تو دوسرے دن دھڑام سے گر جائے اور یہ ہندوستان والے اخبارات میں جو آیا تھا کہ کروڑوں کا منصوبہ، ریت کو سیمنٹ بتا کر بنایا گیا اور دُور کیوں جاؤں ہماری یونیورسٹی کی عمارات کو دیکھ لو کہ سال تک نہیں پہنچتیں کہ ان میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔

دینی کوتاہی

تو ہم نے دین کو ایسا آسان سمجھ لیا ہے کہ اِس کے لیے کسی قسم کی محنت اور تکلیف اُٹھانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ مولانا نے ایک قزوینی کا قصہ نقل کر دیا ہے کہ وہ ایک حجام کی دوکان پر گزرا۔ شیر کی تصویر کو دیکھا، پسند آئی اور جیسے کہ لوگ ہاتھوں وغیرہ پر تصویریں اور پھول بناتے ہیں، اِسی طرح اس کو بھی خیال ہوا۔ گیا اور حجام کو کہا کہ میری پشت پر شیر کی تصویر بنائی جائے۔ اُس نے جو پیٹھ کو ننگا کیا اور لگا سوئی چلانے تو یہ پکار اُٹھا کہ ”کیا بناتے ہو؟“۔ کہا ”دُم“۔ جواب دیا ”کہ بغیر دُم کے بھی تو شیر ہوتا ہے“۔ اُس نے وہ حصہ چھوڑ دیا۔ اب جو دوسری جگہ پر سوئی لگائی تو یہ پھر بول اُٹھے کہ ”اب کی بار کیا بناتے ہو؟“۔ کہا کہ ”کان“۔ قزوینی نے جواب دیا ”چھوڑو کان کو، یہ شیر بغیر کان کے ہی اچھا“۔ حجام نے اُس جگہ سے سوئی اُٹھائی اور لگا دوسری جگہ مارنے تو یہ پھر درد کو ضبط نہ کر سکے اور چیخ اُٹھے ”ارے جی! اب کی بار کیا بنانے کا قصد ہے؟“۔ حجام نے کہا ”حضور! پیٹ بنانا چاہتا ہوں“ تو اِس نے پکارا ”چھوڑو پیٹ کو“۔ حجام نے سوئی کو زمین پر دے مارا اور کہا کہ

این چنان شیرے خدا ہم نافرید

(کہ اس قسم کا شیر تو اللہ میاں نے بھی نہیں بنایا ہے۔) جس کی نہ دُم ہو، نہ کان ہو،

نہ پیٹ ہو۔ شیر کو بنانا ہو تو سوئی چبھ جانے کی تکلیف گوارا کرنی ہو گی۔ نہیں تو جاؤ اپنا راستہ لو۔ اِسی طرح اگر تم آج بھی اسلام کو اپنانا چاہتے ہو تو اپنا سکتے ہو۔ بہت معمولی محنت سے اور اگر عمل کرتے نہیں اور کہتے ہو کہ یہ Impracticable (ناقابل عمل) ہے تو وہ بات ہو گئی کہ واجد علی شاہ کے زمانے میں بعض فوجی سُست ہو گئے۔ اُن کو اُحدی کہا کرتے تھے تو ایک درخت کے نیچے لیٹا ہوا تھا اور ساتھ ایک دوسرا بھی پڑا تھا۔ ایک سوار کا اُس طرف سے گزر ہوا تو ایک نے اشارے سے کہا ''او جوان ذرا اس بیر کو اُٹھا کر میرے منہ میں ڈال دو''۔ سوار کو رحم آیا لیکن اُترنے سے پہلے کہا ''کہ اپنے اِس ساتھی کو کیوں نہیں کہتے''۔ یہ سنتے ہی وہ جھٹ بول پڑا ''کل جو کتّا میرے منہ میں موتنے لگا تو اس نے وہ بھگایا کیوں نہیں کہ اب میں اس کے منہ میں بیر ڈالوں''۔ یہ سن کر شہسوار سمجھ گیا اور دونوں کو دو تین ہنٹر لگائے تو اگر تم دین کے متعلق اِتنا تساہل اور تن آسانی اختیار کرو تو پھر اور بات ہے ورنہ دین تو بذاتِ خود بہت ہی سہل ہے تو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ ''اے لوگو! تم جو مخلوق پر محنت کرنے والے ہو، رب پر محنت کرنے والے بن جاؤ تو مخلوق خود تمہاری مسخر ہو جائے گی۔ دُنیا ناک رگڑتی ہوئی تمہارے پاس آئے گی۔ نہیں تو دُنیا آگے اور تم اُس کے پیچھے پیچھے بھاگو گے، اطمینانِ قلب نصیب نہیں ہوگا''۔ اب دنیا میں جو مشغولیت کا عذاب ہے کہ صبح سے لیکر شام تک کام کرتے ہیں اور پھر بھی طمانیت قلب نصیب نہیں ہوتی کیونکہ وہ تو میاں کا طالب ہے اور میاں کے بغیر اُسے قرار نا ممکن ہے تو اس تبلیغ کے نام سے جو آواز لگائی جا رہی ہے کہ اللہ کے دین کے لیے نکلو، کچھ اللہ کے لیے وقت نکالو اور بقول مولانا ارشد صاحب کے ایک فلوٹنگ سا معاشرہ بناؤ۔

دین کے لیے وقت نکالنا

دوستو! جس طرح کہ دُنیا کے کام بغیر وقت کے نکالے نہیں ہوتے، اِسی طرح رب کے اپنانے کا فن، حضور ﷺ کی زندگی اپنانے کا فن وقت نکالے بغیر کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ہم

کہتے ہیں کہ زندگی میں چار مہینے اِس فن سے تعارف کے پیدا کرنے کے لیے لگالو۔ جس طرح کہ تم انجینئرنگ میں بغیر داخلہ لیے اور بغیر مقررہ نصاب پڑھے انجینئر نہیں بن سکتے تو یہی حال دین کا ہے کہ یہ بھی بغیر محنت اور وقت لگائے ہاتھ نہیں آتا۔ جس طرح دیے سے دیا روشن ہوتا ہے، چراغ سے چراغ جلتا ہے، اِسی طرح انسان سے انسان بنتا ہے۔ تمہاری زندگی بے مقصد نہیں ہوگی۔ جس طرح کہ دنیا بے مقصد ہوگئی ہے کہ جس طرف سینگ سمائے چل دیئے، تو تمہاری زندگی کا مقصد رب کو لینا ہوگا۔ اب ہم کوہاٹ کو ''پہلے ہفتے گئے، کوئی ترپن کے قریب لڑکے تھے، اُن سے پوچھو کچھ مزہ آیا یا نہیں۔ بھائی! لڈو کھائے بغیر اس کا مزہ کیسے آجائے، ایک ہے بخار کا نام اور ایک ہے حقیقت بخار۔ ایک ہے دین اور ایک ہے دین کا چھا جانا۔ اب یہ ہمارے ڈاکٹر صاحب ہیں کہ اگر تمام ڈاکٹری کی کتابیں پڑھ لے لیکن بخار نہ آئے تو بخار کی حقیقت کو نہ سمجھ سکیں تو جو نئے لوگ ہیں وہ تو چار چار مہینے لگالیں اور جو پرانے ہیں وہ اپنا سالانہ چلہ لکھادیں، اگر کوئی چلہ نہیں لگا سکتا تو پھر ایک ہفتہ، تین دن غرض جتنا بھی ہو سکے ارادہ کرلیں۔ بعض لوگ کہیں گے کہ بغیر مطالبہ کیے چھوڑتے نہیں تو میں یوں کہوں کہ یہ زمانے کا ایک اور جال ہے کہ بات کو صرف سنانے کے لیے کہتے ہیں حالانکہ انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ وہ کبھی بات کو محض سنانے کے لیے نہیں کہتے۔

دوستو! ہمت کرلو، یہ دس دن کی چھٹیاں آرہی ہیں، اِس میں کچھ وقت لگاؤ۔ کچھ دوست وانا کو جارہے ہیں، اُن کے ساتھ چلے چلو۔ کھاتے نہیں تو مزہ تو چکھ ہی لیا کرو تاکہ پتہ تو لگے کہ کیا ہے اور کیا نہیں۔ تمت بالخیر

ذکرِ الٰہی

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (یکم ستمبر 1963ء بعد از نمازِ عصر)

ذکر اور اُس کے آثار

ذکر کہتے ہیں اُس کیفیت کو کہ اللہ یاد آتے رہیں۔ آپ چاہیں تب یاد آجائیں اور نہ چاہیں تب یاد آجائے اور یہ دھیان چھاتے چھاتے اِس طرح ہو جائے کہ جیسے بارش سے سکون معلوم ہوتا ہے، دل پر اُس دھیان کے انوارات ایسے چھا جائیں کہ نُور کا سائبان بن جائے، قلب کی نورانیت کا احساس تمہاری آنکھوں کو خود متوجہ کرے۔ کیفیت احسانی یعنی اللہ کے دیکھنے کی کیفیت چھا جائے۔ جیسے کہ کوئی ٹک ٹک ہوتی ہے کہ کوئی آرہا ہے۔ گو تم اُس کو دیکھتے نہیں لیکن صرف آہٹ محسوس ہوتی ہے۔ اس طرح ایک کھلبلی پیدا ہو جائے، پریشانی والی کھلبلی نہیں بلکہ اللہ والی پریشانی دِل پر غالب ہو جائے جس سے سکون ہوتا ہے۔ انسان کے دل میں ہر وقت خیال ہوتا ہے۔ ایک چلا جائے دوسرا آجائے۔ اب ہمارے لیے جس طرح کہ وساوس کا ہٹانا مشکل ہوتا ہے، اہل حق کے لیے یادِ حق کا وسوسہ اِسی طرح آتا ہے۔ اب اللہ کا دھیان کوئی معمولی چیز کا دھیان تو نہیں جیسے مٹھائی کھلانے کا وعدہ ہو تو منہ میں پانی آجاتا ہے اور گندی چیز کے دھیان سے متلی آنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ والا دھیان اللہ کے عطایا کو لیکر آئے گا اور دِل نُورانی ہو جائے گا، نُور والے اعمال آپ خود نکلیں گے اور وہ حضور ﷺ والے اعمال ہیں۔ تو زندگی بنتی ہے ذکر کے جم جانے سے۔ دیکھو! مقیم حضرات چار اور مسافر دو رکعت پڑھتے ہیں تو مسافر ہو کر تو یہ ہوا کہ دو رکعتیں پڑھیں یعنی اوقاتِ مخصوصہ میں اللہ کو یاد کیا اور مقیم ذکر کرتا ہے تو دِل میں پورا جم جاتا ہے۔ اب ہم عینکوں سے دیکھتے ہیں لیکن ہر وقت عینکوں کا دھیان نہیں ہوتا ہے اور اِس واسطے کو ہر وقت محسوس نہیں کرتے۔ اِسی طرح اللہ کو دیکھنے والا مخلوق کو دیکھ کر اِس کو محسوس نہیں کرتا بلکہ مخلوق کو مظہر صفاتِ رب سمجھتا ہے۔ عارف و غیر عارف میں بس یہی فرق ہے کہ عارف تو اللہ کے ہاتھ سے کھاتا ہے اور غیر عارف

اپنے ہاتھ سے کھاتا ہے یعنی عارف یہ سمجھتا ہے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اللہ کی قدرت سے کرتا ہوں۔ اب یہ نہیں ہو گا کہ دنیا چھوڑنی پڑے گی۔ او بھئی! دنیا لینی پڑے گی، پوری دُنیا۔ بس ہو جاؤ ایک کے تو سب تمہارے ہو جائیں گے لیکن اِس کے یہ معنی نہیں کہ بیوی کو کہو جاؤ، تین طلاق، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دھیان حق کے ساتھ ملو، اپنی خواہش نفس سے نہ ملو، ملنا ہو تو اللہ کی مرضی سمجھ کر جاؤ۔ اب دو مزے ہوں گے، ایک اپنے رُخ سے اور دوسرا اللہ کی مرضی سے۔ پہلے وحشی بن کر پھرتے تھے اب انسان بن کر پھرو۔ اللہ تعالیٰ خوبی کو پسند کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ کے بقول اللہ کا نام ہوش لینے کے لیے لیا جاتا ہے ہوش کھونے کے لیے نہیں لیا جاتا۔ وہ اقبال مرحوم کا کہنا:

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

ہمارے حضرتؒ کا ایک شعر ہے۔ فرماتے ہیں:

تیرے میخواروں کے ساقی کچھ عجب انداز ہیں
دِل سراپا جوش ہے لیکن زبان خاموش ہے

اب انبیاء علیہم السلام کے مقام کو غیر انبیاء جان ہی نہیں سکتے لیکن ظاہری حالت یہ ہوتی ہے کہ کہہ پڑتے ہیں کہ وہ بھی بشر اور میں بھی بشر، وہ بھی کھاتا پیتا ہے اور میں بھی۔

لیکن مولانا فرماتے ہیں:

کار پاکان را قیاس از خود مگیر
گر چہ ہستند در نوشتن شیر و شیر
شیر آن باشد کہ مردم می خورد
شیر آن باشد کہ مردم را درد

(نیک لوگوں کو اپنے اُوپر قیاس مت کرنا اگرچہ بظاہر دونوں ایک جیسے لگتے ہوں جیسے شِیر اور شَیر۔ لیکن ''شِیر'' دودھ ہوتا ہے جسے لوگ کھاتے پیتے ہیں اور شَیر ایک درندہ جو

کہ لوگ کو پھاڑ کھاتا ہے۔)

قرآن میں آتا ہے کہ کافر یہ کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے کہ ہماری طرح بازاروں میں پھرتا ہے اور روٹی کھاتا ہے تو مولانا نے فرمایا کہ وہ جب کھانا کھائے تو نور بن جاتا ہے اور یہ لوگ کھانا کھائے تو نار بن جاتا ہے۔ اللہ کے ہونے اور غیر خدا کے ہونے میں بڑا فرق ہے یعنی انگیحنت (Stimulus) ہماری خواہش نفس نہ رہے بلکہ ہمارا داعیہ، داعیہ ربانی بن جائے اور یہ کب ہوگا جب اللہ میاں آجائیں، لڑکی ہوتی ہے، ماں باپ بڑی محبت سے پرورش کرتے ہیں لیکن جب میاں کی ہو جاتی ہے تو رُخ ہی بدل جاتا ہے۔ اِسی طرح جب اللہ میاں آجاتے ہیں تو پھر حالت یہ ہو جاتی ہے کہ:

خلاصۂ تصوف

جب وہ شاہ دلربا سامنے آجائے ہے
تھامتا ہوں دِل کو لیکن پہلو سے نکلا جائے ہے

اور دیکھو! قرآن کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے، آخر میں نہیں کیونکہ یہ بات نہ ہو کہ زلیخا مرد تھا یا عورت۔ یاایھا المزّمل جس کا ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ نے سورۃ الفقراء لکھا ہے تو اِس ابتدائی سورت میں یہ بتایا اور تصوف کا خلاصہ پیش کیا۔ فرمایا رات کا اُٹھنا اور ذکر کرنا اور پھر کیا ہر ایک سے کٹ کر رب کے ہو جاؤ۔ و تبتّل الیہ تبتیلا، وہی رب جو کہ مشرق کا بھی رب ہے اور مغرب کا بھی رب ہے۔ بس اس کو اپنا کارساز بناؤ پس خلاصہ یہ ہوا کہ رات کو تہجد کے لیے اُٹھنا اور پھر اُس کو یاد کرنا، دن کی نمازوں کو قابو میں لانا چاہو، تو رات کی نماز پڑھو اب تہجد اور ذکرِ الٰہی ہو گیا تو غیر انقطاع ہو جائے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا، کہ سب کو چھوڑنا پڑے گا بلکہ یہ تو عیسائیت ہو گی اسلام نہیں ہوگا۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ اللہ کے ہو جاؤ اور اللہ کا ہو کر لوگوں کے حقوق کو ادا کرو۔ دیکھو ایک طرف کہتے ہیں ہماری اولاد اور ازواج کو

ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادو اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ ہمیں متقیوں کا امام بناؤ۔ اسلام کے نظریہ تقویٰ میں اور باقی مذاہب کے تقویٰ میں یہی فرق ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سب کو چھوڑ کر اللہ کو لو اور ہم کہتے ہیں کہ اللہ کو لے کر سب کو لو۔ ایک طرف تو یہ کہ قلب غیر سے فارغ ہو اور دوسری طرف حقوق العباد تو چھوڑو جانوروں تک کی فکر کرو۔ بعض اوقات ایسے ہوتا ہے کہ ذکر کا غلبہ ہوتا ہے۔ عورت ہوتی ہے لیکن پوچھتا نہیں تو مطلب یہ ہے کہ دھیانِ حق کے ہوتے ہوئے حقوق العباد کو ادا کرتے رہو تو اس لحاظ سے دھیان رب کو لو اور اس کے ساتھ احکامِ حق کو لو۔ اب یہ احکام کیا ہیں؟ وہی لا الٰہ کی تشریح ہے کہ محمد ﷺ کے اعمال کو لے لو۔

مسلمان کا مقام

مجلسی گفتگو در خانۂ خویش (ستمبر 1963ء بعد از نمازِ عصر)

اُمت محمدیہ کی فضیلت

کلامِ رب ان کی زبانوں پر ہوتا ہے یعنی خداوند قدوس اپنی بات کو ان کی زبان سے کہلواتے ہیں اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہے اور ایمان بالغیب رکھے اور ضروریات دین کا اقرار کرے اور ان میں کسی سے انکار نہ کرے۔ گو اعمال کے لحاظ سے کمزور ہو بشرطیکہ اُن شرائط کو پورا کر دے اور ایمان باللہ رکھے اور یہ ایک اصطلاح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو مانتا ہے، اللہ کو مع اُس کے تمام احکام کے لحاظ سے مع ان کی صفات کے مانتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ہے وہ خدا پر ایمان تو لایا ہے۔ یہ کہے کہ فلاں نبی کو نہیں مانتا تو در حقیقت یہ اللہ کی صفات میں ایک صفت سچائی کی صفت کا انکار کرنا ہے تو یہ اُمت بڑی پیاری اُمت ہے۔ حضور ﷺ اللہ کے سب سے پیارے ہیں۔ یہ اُمت اپنی عظمت، بڑائی اور حقیقت کو نہیں جانتی۔ فیصلے کروائے اللہ سے اگر اُمت ٹھان لے کہ اللہ یوں کر دے۔ جب افرادِ خاصہ یعنی اولیاء اللہ کے ایک گروہ سے فیصلے ہوتے ہیں تو ایک گروہ اُمت ایک بات کے متعلق کہہ دے کہ میرے رب یہ کریں تو رب نہیں کریں گے۔ یہ اُمت عطائے رب کے لیے خداوند قدوس کی عطا پانے کا دروازہ ہے۔ اگر اس سے خیر نکلنی بند ہو جائے تو دوسرے انسانوں کے لیے خیر کے آنے کے دروازے بند ہو جائیں۔ خداوند قدوس اُن لوگوں کو خیر عطا فرمائیں گے۔ جتنی کہ اس اُمت سے خیر والے اعمال نکلیں گے، لوگ ''ز'' والے حُسن پر جائیں اور ہم ''ظ'' والے۔ کہیں ''ز'' والا حُسن زن برباد کرتا ہے اور ''ظ'' والا آباد کرتا ہے یعنی حُسن ظن۔

خوبیوں کی تلاش

تبلیغ میں کہتے ہیں کہ ایک فعل بھی کرنے والا ہو تو اُس کی قدر کرو اور اگر کوئی نہیں تو کلمہ پڑھنے والا تو ہے۔ ایک آگ راکھ ہو گئی، بجھ گئی لیکن اندر سے ایک معمولی چنگاری ہے۔ اب ایک نوعیت تو یہ ہے کہ راکھ وغیرہ رِہ جائے، چنگاری کو مسل دیا جائے اور ایک نوعیت یہ ہے کہ روئی وغیرہ لیکر چنگاری کو پھونکیں دیں۔ اُس سے آگ سلگا دیں لیکن چنگاری ہو جگنو نہ ہو۔ کچھ لوگ پہاڑی علاقے میں بستے تھے۔ وہ خس و خاشاک کو چنگاری پر رکھ کر اور پھونکیں دے کر آگ سلگا رہے تھے۔ آگ بھڑک اُٹھی۔ دُور سے بندر نے دیکھا اور یہ ہوتے ہیں نقال اور جو قوم نقال ہو گی تو بندر جیسی حالت ہو گی۔ جب بندر نے آگ تلاش کرنی شروع کی۔ آگ تو ملی نہیں لیکن ملا ایک جگنو۔ جگنو کو رکھا اور تنکے اُوپر سے ڈال کر لگا تمام رات پھونکیں مارنے لیکن چنگاری ہو تو جلے۔ جگنو میں چنگاری کا اثر کہاں تو اسی طرح مؤمنین کے دِلوں میں اگر چنگاری ہو تو اس کو اعمال صالحہ کی برکت سے، محنت کی برکت سے اور اہل اللہ کی صحبتوں کی برکت سے پوری کی پوری برائی کو جلا سکتی ہے اور اللہ کے فضل سے نیک بن سکتا ہے۔ غرضیکہ محنت اور مجاہدہ کرے اور منافقین جیسے آج کل کے قادیانی ہیں تو وہ جگنو والے ہیں۔ اُن کے پاس آگ والا نُور نہیں۔ ہمارے حضرتؒ کا ایک شعر ہے:

شعلے اُٹھیں ہزار تجلّی مگر کہاں
ہے آگ یہ ضرور مگر طور کی نہیں

بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ مسلمان کے اندر ایک بھی نیکی کا ذرہ ہے تو اُس پر نگاہ رکھو اور یہ معمولی ذرہ اِتنا قیمتی ہے کہ جہنم کی آگ کی بھی یہ طاقت نہیں کہ ایمان کو ضائع کر دے۔ یہ تو سب کا عقیدہ ہے کہ جہنم کو اگر ایک مسلمان چلا جائے اور جہنم میں جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہاں پچاس ساٹھ سال زندگی معصیت میں گزاری اور پھر کروڑ سال کی سزا ہوئی۔

اخبار میں پڑھا تھا تو اُس نے قتل کیا بیس سال میں اور جیل میں پڑا رہا یہاں تک کہ 80 سال سے زیادہ عمر ہو گئی۔

عیب کی تلاش سے پرہیز

تو ایک مسلمان اگر جہنم میں جائے تو حیرانی کی بات یہ ہے کہ جہنم اس کو کیوں نہیں کھا سکتی، وہ ایمان کی ڈبیہ کے اندر ہے تو ایک مسلمان ہے ہماری نگاہوں نے اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا نہیں۔ اُن کے گناہوں کو دیکھتے تو پتہ نہیں کہ اس کو کیا کچھ کہتے۔ اگر ماں کا بچہ ہے گندگی میں اَٹا ہوا تو کیا ماں اس کو باہر پھینکے گی یا اُس کو صاف کر کے کہیں گی کہ میرا چاند۔ حضرت تھانویؒ نے ایک لطیفہ لکھا کہ ایک عورت نے چاند کو دیکھا اور لگی ہوئی تھی اُنگلی پر گندگی۔ اُنگلی کو ناک کے اُوپر رکھ کر کہنے لگی کہ کیسے سڑا ہوا چاند ہے تو ہماری یہی حالت ہوتی ہے کہ عیب تو ہوتے ہیں اپنے اور لگاتے ہیں دوسروں کے سر۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”لَا تَجَسَّسُوْا“۔ دوسروں کے عیب تلاش مت کرو اور دیکھو جو دوسروں کے عیب تلاش کرے اس کو بتاؤ کہ کیا دوسرے کے عیبوں کے درپے ہونا عیب نہیں۔ ایک سپاہی تھے اُس کی چار بیویاں تھیں۔

تو ایک دوست تھا شرارتی سا، انہوں نے پُڑیاں بنائیں اور اُن کے آگے رکھ دیں۔ اب اس کو شرارت سوجھی تو کہا کہ پُڑیاں تو بڑی مزے دار ہیں۔ اب ایک بیوی نے کہا کہ پُڑیاں تو میں نے بنائیں اور دوسری نے کہا کہ مسالہ تو میں نے پیسا۔ تیسری نے کہا کہ پکائیں تو میں نے اور اب چارویں نے کہا بھلا کہ ہم تو نہ چھوئیں۔

کہ انسان جو کسی کے عیب تلاش کرتا ہے تو وہ عیب جو ہوتا ہے تو یہ تلاش جب کوئی گناہ نہیں لیکن پھر کہنا کس کی بھلا ہو ہم تو نہ چھوئیں۔ تو فرمایا ”كَفٰى بِالْمَرْءِ شَرًّا أَنْ يُّحَقِّرَ اَخَاهُ الْمُسْلِم“۔ (مسلم) (ایک آدمی کے لیے یہ عیب کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔) تو تلاش عیب اپنی ذات میں عیب ہے کہ کسی کے عیب تلاش کرنا بذاتِ خود

عیب ہے۔ اگر عیب تلاش کرو گے تو اس کے عیب تم میں آجائیں گے اور اگر خوبی تلاش کرو گے تو لوگ تم میں خوبی تلاش کریں گے۔ ہمارے شاہ صاحب نے فرمایا: "اعتراض حرام ہے اور اصلاح فرض ہے"۔ اب میرے چہرے پر چڑیا نے بیٹ کی۔ تو کیا میں اپنے چہرے کو ہاتھ سے پانی ڈال کر نہ دھوؤں تاکہ میرے چہرے کو وہ نقص نہ پہنچ جائے تو اسی طرح حدیث میں آتا ہے: **المؤمن مرآۃ المؤمن**۔ (ابو داؤد) (ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے۔)

مریض پر شفقت

اگر کسی میں عیب دیکھو تو کہو کہ یہ اُس کا عیب نہیں بلکہ اپنا عیب ہے۔ مرض کو بُرا جانو لیکن مریض سے محبت کرو۔ گنہگار کو حقارت سے دیکھو گے تو تم میں کبر آئے گا اور یہ اِتنا بڑا گناہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ جس کے دل میں کبر ہو تو اس کو جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا جب تک یہ نکل نہ جائے۔ گنہگار کو حقیر نہ جانو، اس پر رحم کرو اور سمجھو کہ ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں۔ ڈاکٹر مریض کا شفقت سے علاج کرتا ہے۔

تبلیغ میں حکمت

شفقت علی الناس کا نسخہ استعمال کرو۔ گنہگار پر رحم کھا کر یہی ترکیب استعمال کرو کہ گناہ بھی چھوٹ جائے اور تمہارے دِل میں حقارت بھی نہ آئے یا یوں سمجھو کہ ایک لعل ہے وہ گندگی میں گر گیا تو اُس کا ہیرا پن تو نہیں گیا یا یوں کہو کہ ایک شہزادہ ہے کہ وہ آرٹسٹوں کی صحبت میں بیٹھ کر چہرے پر کالک مل دی تو اب اگر منہ پر صابن مل دے گا تو اب وہی صاف چہرہ نظر آئے گا تو اسی طرح جانو کہ اگر یہ کل توبہ کرے تو اِتنا پاک ہو جائے۔ اس کے گناہ کو تو بُرا سمجھو لیکن گنہگار کو بُرا نہ سمجھو۔ صحابہؓ کا عمل یہ نہیں تھا کہ یہ ابو جہل ہے مارو ڈنڈا، اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے۔ اب کیا صورت ہو گی، کسی میں عیب دیکھا، ایک طریقہ تو یہ

ہے کہ لٹھ مار دیا کہ تم میں یہ خرابی ہے۔ ہمارے ایک رشتہ دار ہیں، کسی نے امر بالمعروف کیا، وہ غریب پتلون پہنے ہوئے تھے، تو کہا کہ اس بانسری پر تم کیا غلاف چڑھا چکے ہو، تو اب سے چھ سال ہوئے کہ جمعہ کے لیے بھی نہیں گیا تو یہ کیا امر بالمعروف تھا۔ شاہ عبد القادرؒ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ ایک دن دہلی کی جامع مسجد میں وضو کر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک آدمی کا پائنچہ کچھ نیچے تھا تو کہا کہ میں بوڑھا آدمی ہوں دیکھو! کہ کہیں میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے تو نہیں ہوا۔ اُس نے کہا کہ حضرت آپ کا نہیں بلکہ میرا پاجامہ نیچے ہے۔ ہمارے حضرت (سید سلیمان ندویؒ) نے فرمایا کہ جس کو تم نصیحت کرتے ہو، پہلے تو اُس کے دِل میں جگہ تو پیدا کرو کہ تم اس کے ہمدرد ہو۔ تم خود سوچو کہ کون ہے جس کی ذات گناہوں سے پاک ہے سوائے انبیاء علیہم السلام کے۔ تم جو اوروں میں عیب تلاش کرتے ہو کیا تجھ میں کوئی عیب نہیں اور جس میں تمہیں عیب نظر آتا ہے، کیا اُس میں کوئی خوبی نہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

جب سے اے دِل اپنے عیبوں پر نظر اپنی پڑی
تو اپنی آنکھوں میں کوئی بُرا نہ رہا

اپنے عیوب ٹٹولنا

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ”اپنے عیب عینی اور یقینی ہوتے ہیں اور دوسروں کے گناہ سمعی اور ظنی ہوتے ہیں“۔ اکثر غیبت سنی سنائی باتوں سے ہوتی ہے۔ سُن لیا اور ڈھنڈورا پیٹ لیا۔ اب ایک یقینی بات ہے اور ایک ظنی جس کو تم ”Guess“ کہتے ہو۔ یہ در حقیقت اپنے عیب ہونے کا اظہار ہے۔ وہ کسی نے کہا کہ حسن تلاش کرنے والوں کو گدھے میں بھی حُسن نظر آتا ہے اور مومن کا اگر کوئی بھی حُسن نہ ہو تو ایک ذرہ ایمان کی چنگاری اِتنی قیمتی ہے کہ تمام دنیا کے کافروں کو ایک طرف رکھ دو تو یہ اُس سے بھاری ہو گا تو اُن کی خوبیوں کو تلاش کرو اور اعتقاد نفس پیدا کرو، وہ بڑھے گا اور یہ نہ کہو کہ تم میں یہ عیب ہے، یہ عیب

ہے، اُس کو تو کہو شابہ شابہ (جلدی کے لیے) تو وہ نیکی کے رُخ پر آجائے گا۔ بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ تلاش عیب یا کسی کو بُرائی کا طعنہ دینا نہ تو اُس کا علاج ہے اور نہ اپنا علاج ہے بلکہ علاج تو یہ ہے کہ تو اُس کی اچھائیوں کو ذکر کرے اور ایک طریقہ یہ ہے کہ اچھی صحبت کو لے آؤ۔ اچھی کتابیں دیدو، تو ایک بات یہ ہے کہ کسی کے بارے میں اس کی اپنی محبت کو نفی کر دینا اس کی گردن پر چھری پھیر دینا ہے۔

حضرت رابعہؒ کا قصہ ہے۔ کہا کہ ”اے رب! میں تجھے اُس محبت کا وسیلہ دیتی ہوں جو تجھے مجھ سے ہے“۔ تو پاس کوئی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایسا کیوں نہیں کہتی ”جو مجھے تجھ سے ہے“ تو اس نے چند اشعار پڑھ لیے جن کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو اگر مجھ سے محبت نہ ہوتی تو رات میں مجھے جگاتا کیوں؟ جبکہ تمام لوگ نیند کے مزے لے رہے ہیں اور پھر اُس کو میری آنکھوں میں ذلیل کیوں کیا؟ تو اگر اللہ کو مؤمنین سے محبت نہیں تو کیوں مؤمن پیدا کیا؟ اور کفار کے زمرے میں نہ ڈالا، یہ بہت بڑی بات ہے۔ کسی نے خوب کہا:

کیوں گرفتار طلسمِ ہیچ مقداری ہے تُو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکت طوفان بھی ہے

(اے مسلمان! تُو اپنے کو کمزور کیونکر سمجھتے ہو، اگر تُو خوب غور کرے گا تو تُو پچھلے زمانے جیسا طوفانی قوت بن سکتا ہے۔)

جس کو آپ کی بولی میں Inferiority Complex کہیں، تو گو اپنے کو خدا کی نسبت سے ہیچ سمجھنا چاہیے لیکن شکر کے طور پر کہہ دے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ ”و من احسنُ قولاً مِمّن دَعٰی الی اللہ وعمل صالحًا وقال انّنی من المسلمین“۔ (فصلت ۴۱:۳۳) (اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے اور نیک عمل کرے اور یہ کہے کہ میں فرمان برداروں میں شامل ہوں۔) تو شکر سے نعمت بڑھتی ہے۔

بس خلاصہ یہ تھا کہ اوروں کی عیب جوئی نہ کرو اور اگر عیبوں کے تلاش کرنے کا

شوق ہو تو اپنے عیبوں کو تلاش کرو اور اگر ہم خود عیبوں سے بھرے ہوئے ہیں تو دوسروں کو پاک کرنے کی کوشش کریں تو اس ناپاک کو اللہ تعالیٰ ویسے صاف کر دے گا تو جیسے ڈاکٹر مریض کا علاج شفقت سے کرتے ہیں۔ اِسی طرح آپ بھی کریں۔ اللہ پاک آپ کو بھی شفا نصیب فرمادیں اور ہماری بھی شفا ہو جائے۔

نبی ﷺ کا مقام اور کام

مسجد گنج علی خان (5 ستمبر 1963ء، شب جمعہ کا بیان)

بعثت نبی ﷺ

عزیزو، دوستو اور بزرگو! ہمارے آقا سیدنا محمد ﷺ اِس عالم میں تشریف لائے اور حضور پاک ﷺ اس پورے عالم کے لیے ایک نئی زندگی کا پیام دینے اور انسانیت پر راہیں کشادہ کرنے کے لیے آئے تھے۔ آپ ﷺ کی ذات سبب وجودِ کائنات ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں صرف اس لیے نہیں بھیجا کہ انسان دنیا کمانے والا بن جائے بلکہ آپ ﷺ کے آنے کا منشا یہی تھا کہ نبوت کی حقیقت تمام عالم پر کھول دے اور نبوت والی تمام چیزوں کو اس کمال کے ساتھ پوری انسانیت کو پہنچا دے۔ نبوت کیا ہوتی ہے؟ اس سے انسانیت کس طرح مستفید ہوتی ہے؟ اس میں جو کچھ تھا اسے انبیاء علیہم السلام لوگوں پر کھولتے رہے، لوگوں کو بتاتے رہے۔ کوئی بھی نبی یہاں آ کر بیکار نہیں بیٹھا بلکہ ہر ایک نبی نے اپنے انوارات کو اپنی قوم کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی۔ نبی اللہ تعالیٰ کی ذات سے لیتا ہے اور جو نبی اللہ تعالیٰ کی ذات سے لیتا ہے وہ غیر نبی حاصل نہیں کر سکتا۔ میری عرض کرنے کا مدعا یہ ہے کہ نبی جو لیتا ہے اگر تمام غیر نبی اکٹھے ہو جائیں تو وہ اُسے نہیں لے سکتے۔ اس وجہ سے کہہ دیا گیا کہ جو شخص اس منصب پر فائز نہیں ہوا اور وہ دعویٰ کرے کہ میں بتدریج کوشش کر کے منصبِ نبوت کو پہنچ گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بیل دعویٰ کرے کہ میں انسانیت کو پہنچ گیا۔

نبوت اللہ کا انتخاب

یہ فیضِ الٰہی ہے جو کہ نبی کے ساتھ خاص ہے۔ جیسے جامن کے ساتھ آم کا پیوند

نہیں لگ سکتا اِسی طرح غیر نبی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ نبوت کا مقام اکتساب سے حاصل کر سکے۔ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ رات دن بن جائے، گدھا انسان بن جائے، اِسی طرح یہ ممکن نہیں کہ جس کو اللہ نے نبوت کے لیے نہیں چنا وہ نبی بن جائے۔ نبوت کوئی کھیل نہیں۔ یہ ایک ایسی نورانیت ہے کہ اگر تمام انسانیت پر بکھیر دی جائے تو انسانی کلیجوں میں یہ طاقت نہیں کہ اس کو سنبھالیں۔ تمام انسانوں کے کلیجے پھٹ جائیں۔

علوم کے لیے مشقت

اللہ کا کلام نبیوں پر کھولا جاتا ہے اور ربانی علوم کی حقیقت نبی کے رَگ و پے میں پیوستہ ہو جاتی ہے۔ ایک ہے علم اور ایک ہے علم کی حقیقت اور نورایت جو انبیاء علیہم السلام کی رَگوں میں خون کی طرح دوڑتی ہے اور وہ صرف ایک نورانیت نہیں رہتی بلکہ اعمال کی صورت اختیار کرتی ہے۔ جیسے بجلی کے آثار مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اِسی طرح وہ نُور کبھی اعمال کی صورت، کبھی دعوت، کبھی کیا کبھی کیا صورت اختیار کر لیتی ہے۔ نبی کا کہنا نُور اور نبی کے جسم سے نکلنے والے جتنے بھی اعمال ہیں وہ انواراتِ الٰہیہ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتے ہیں۔ نبی والے علوم الفاظ نہیں ہوتے وہ حقیقت ہوتے ہیں اور ایک عمل اور ایک مجاہدہ کو چاہتے ہیں۔ اللہ نے انسانوں کو ایک چیز عطا فرمائی جس کو جہد و مشقت کہتے ہیں۔ وہ ایک خاص قسم کی مشقت کو چاہے گا جس سے اُس کا نفس امارہ کچل جائے گا۔ جب انوارات آتے ہیں، معرفت کا دروازہ کھل جاتا ہے تو اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے اور پھر وہ اللہ کا نائب بن جاتا ہے۔ اس کے اعمال پر آسمانوں میں فیصلے ہوتے ہیں۔ گویا اللہ کے علوم کو لینے کے لیے مجاہدات کی بھٹی سے نکل جانا پڑتا ہے۔

حضرت مولانا الیاسؒ کا مشہور قول ہے کہ ”جبل جہد کے پرلی طرف جو چاہے وہاں اللہ سے مل لے“ یعنی خداوند قدوس کی معیت وہاں سے ملے گی۔ صرف اپنے نفس کے تقاضے

کو دباؤ اور محنت کے میدان میں کو دو۔

ہدایت کی محنت

انبیاء علیہم السلام اللہ کی ذات سے پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہر نبی کو اپنی قوم کے مزاج اور استعداد کے مطابق حصہ ملتا ہے۔ اگر نوح علیہ السلام کی شریعت قومِ موسیٰ پر لاگو ہو جائے تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتی۔ جیسے کہ اس ملک میں آپ دیکھتے ہیں کہ مختلف علاقے ہوتے ہیں اور ہر ملک اور قوم کا مزاج علیٰحدہ علیٰحدہ ہے۔ اب ان کے مزاج کے مطابق، رسم و رواج کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مختلف نبیوں کو بھیجا اور جس دعوت کو اللہ تعالیٰ نے اُن پر لازم کیا ہے، اُن علوم کو لیکر میدان میں کودتے ہیں۔ نبی اللہ تعالیٰ کی ذات سے لیتا ہے۔ ان کے قلوب منبع ہوتے ہیں برتن ہوتے ہیں علوم الٰہی کے۔ نبی اپنی قوم پر محنت کرتا ہے اور ان حقائق کو جو کہ ان پر اللہ نے کھولے ہوئے ہوتے ہیں ان کو اپنی قوم کو پہنچاتا رہتا ہے۔ نبی کی محنت کا زیادہ حصہ انتقال ہدایت ہوتا ہے۔ وہ ہدایت کو بکھیرنے کے لیے اپنی جان کو ہر مشکل میں پھینک دیتا ہے۔ آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ نبی کی ظاہری محنت کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نو سو پچاس سال تک دعوت دی۔ دن کو دعوت دی، رات کے وقت دعوت دی، اکیلے دعوت دی، مجمع میں دی۔ جتنا بھی ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اُس قدر اُن کو بعد ہوا اور یوں نہیں کہا کہ جاؤ ہم آپ کو نہیں سنتے بلکہ قرآن میں یوں آیا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس پر استہزا نہیں کیا گیا۔ ساڑھے نو سو سال کے لمبے عرصے میں دشمن پتھر مارتے ہیں، گرتے ہیں۔ اب یہ نوعیت نہیں ہوتی کہ ظالم چھوڑ دیں بلکہ ایسی نوعیت بن جاتی ہے کہ وہ پتھروں کے درمیان اُٹھ نہیں سکتے۔ جبریلؑ آتا ہے اور ان کو اُٹھاتے ہیں اور وہ انسان پھر اسی محنت سے پکار اُٹھتا ہے کہ اے میری قوم! تم کہاں جا رہے ہو؟ ایک دن کی بات نہیں، دو سال کی بات نہیں، دس سال کی بات نہیں۔ اگر

پتھر کی چٹان ہو تو پگھل جاتی تو پھر نو سو پچاس سال کے نتیجے کے طور پر صرف چند لوگ ایمان لائے، اب یہ چند آدمی کتنے تھے؟ اکثر نے اَسّی تعداد لکھی ہے۔ اب پوری کی پوری قوم ہے اور اس نحوست زدہ قوم کا بیج اس حد تک جل جاتا ہے، ختم ہو جاتا ہے اور یہاں تک ہو جاتا ہے کہ فراست نبوت دیکھتی ہے کہ خود نہیں بلکہ جو اولاد بھی جنتی تو فاجر اور کافر ہی جنتی ہے خیر اُن سے پیدا نہیں ہو گی۔ نبی کسی کے لیے بد دُعا نہیں کرتا۔ وہ سب انسانیت کے لیے رحمت ہوتا ہے۔

طائف کا واقعہ

طائف کا واقعہ آپ نے بار بار سُنا ہو گا اور ذہن میں خاکے آئے ہوں گے۔ طائف میں وہاں کے تین سردار تھے۔ انہوں نے آپ کو غلط جواب دیئے اور پھر لونڈوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگایا۔ اُنہوں نے اِتنا پتھر اؤ کیا کہ خون جما اِتنا کہ پاؤں جوتوں سے نہیں نکل سکے۔ جب عائشہؓ نے پوچھا کہ آپ ﷺ پر سخت ترین وقت کون سا آیا تو فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت وقت طائف کا دِن تھا اس لیے نہیں کہا کہ پتھر کھائے بلکہ اس سے ظاہری لحاظ سے اُحد کا دِن سخت تھا۔ وہ جس کی ذات مرکز کائنات تھی اس کا حال یہ ہے کہ چاروں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ آپ پر جاری ہے۔ طلحہؓ کا ہاتھ ڈھال بنا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بالکل شل ہو گیا اور ان کے جسم پر سترّ سے زیادہ زخم دیکھے گئے اور بات یہاں تک پہنچ گئی کہ قرآن نے شہادت دی۔

صحابہؓ کی شان

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ (سورۃ الاحزاب ۳۳: ۲۳)

ترجمہ: ''مؤمنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار اُنہوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کر

دکھایا تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے اپنے قول کو ذرا بھی نہیں بدلا"۔

انہوں نے اپنے عہد وفا کو پورا کر دیا کہ ہم اپنی جان اللہ کی نذر کریں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو جہاد کیا اور نہ دل میں یہ طلب پیدا ہوئی کہ جہاد کرے تو نفاق کے ایک شعبہ میں مرا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ من مات و لم یغز، و لم یُحَدِثْ به نفسه مات علی شُعْبَةٍ مِنْ نفاقٍ۔

(صحیح مسلم:۴۹۳۱، مسند احمد بن حنبل:۸۸۶۵، النسائی:۳۰۹۷، جمع الفوائد:۶۱۵۲)

(ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اس حال میں مرا کہ نہ جہاد میں شریک ہوا اور نہ اس کے نفس میں یہ خواہش اُٹھی تو وہ نفاق کے ایک شعبے میں مرا۔)

غزوۂ اُحد

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ان کے متعلق یہ آیت اُتری۔ نبی ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ یہ آیت کس کے بارے میں اُتری ہے تو فرمایا کہ شہدائے اُحد کے بارے میں اور پھر طلحہؓ[26] اُن میں سے ہیں۔ دندان مبارک شہید ہوتا ہے، خون بہہ جاتا ہے تو حضور ﷺ اپنے خون کو سنبھالتے ہیں کہ اگر یہ خون کے قطرے زمین پر گر گئے تو قوم ہلاک ہو جائے، زبان مبارک سے یہ لفظ نکلا۔ وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کیا اور وہ ان کو ان کے پروردگار کی طرف بلاتا ہے۔

ابن قمیّہ جو قریش کا مشہور پہلوان تھا، نے وار کر کے خود کی دو کڑیاں آپ کے رخسار میں

---

[26]۔ عن موسی بن طلحة قال: قام معاویة بن أبی سفیان رضی اللہ عنہ فقال انی سمعت رسول الله ﷺ یقول: ''طلحة ممن قضی نحبه''۔ (ابن کثیر: ج۳، ص۴۷۶) اَنَّ رسول الله ﷺ قال: الانصارُ شعار والناسُ دثارٌ۔ (سنن ابن ماجه فضل الانصار، حدیث نمبر ۱۶۴)

گھس گئیں۔ چنانچہ ابو عبیدہؓ ان کڑیوں کو اپنے دانتوں سے نکالتے ہیں جس میں اُن کے دو دانت شہید ہوئے لیکن وہ اپنے دانتوں کی پروا کیے بغیر اپنا کام پورا کرتے ہیں۔ اس اثنا میں حضور ﷺ ایک گڑھے میں گر جاتے ہیں تو حضرت طلحہؓ نے سہارا دیکر آپ ﷺ کو گڑھے سے نکالا۔

اور ایک پروانہ جو اُس زمانے میں مکہ کا شہزادہ تھا اور جس کی بنا پر انصار کا وہ طبقہ جس کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا کہ باہر کے لوگ میرے جسم کے باہر کپڑے ہیں اور انصار میرے جسم سے لگے ہوئے کپڑے ہیں اور قومیں [27] بڑھتی چلی جائیں گی لیکن تم گھٹتے چلے جاؤ گے یہاں تک کہ تم صبر کر کے چلے جاؤ۔ حتیٰ کہ حوض کوثر پر میرے ساتھ ملو، فتح مکہ کے بعد جب طائف کے مال غنیمت میں سے مکہ کے نو مسلموں کے ساتھ تالیف قلب کے لیے فیاضانہ سلوک کیا گیا تو بعض انصار کو اس پر رنج ہوا تو حضور ﷺ نے انصار کو اکٹھا کیا اور فرمایا: ”اے انصار! تم پہلے گمراہ تھے اللہ نے میرے ذریعے سے تمہیں ہدایت دی، تم منتشر تھے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں شیر و شکر کیا اور پھر چند احسانات کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اے انصار! تم کیوں نہیں کہتے کہ جب تم کو تیری قوم نے نکال پھینکا، ہم نے تمہیں جگہ دی اور پھر فرمایا: اے انصار! کہ تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ لوگ اُونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد ﷺ کو لے کر اپنے گھر آؤ“۔

مصعب بن عمیرؓ کی قربانی

تو میں کہہ رہا تھا کہ مکہ کا شہزادہ جو محبت اور تعیش میں پلا تھا کہ اس کا لوگ تصور

---

[27] ۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ خطب فی مرضه الذی مات فیه: أما بعد ایها الناس فانَّ الناس یکثرون و تقل الأنصار حتی یکونوا کالملح فی الطعام فمن ولی منکم أمرًا یضر فیه أحدًا أو ینفعه، فلیقبل من محسنهم و یتجاوز من مسیئهم اللبخاری۔ (جمع الفوائد: ج۲ مناقب المهاجرین والانصار، حدیث نمبر ۹۰۲۹) عن أنس رضی اللہ عنہ : دعا النبی ﷺ لیکتب لهم بالبحرین فقالوا لا والله حتی تکتب لاخواننا من قریش بمثلها، فقال: ذلك لهم ماشآء الله، کل ذلك یقولون له قال: فانکم سترون بعدی أثرة فاصبروا حتی تلقونی و فی روایة علی الحوض۔ (جمع الفوائد: ج۲، مناقب الانصار والمهاجرین، حدیث نمبر ۹۰۳۳، ۹۰۳۴)

نہیں کر سکتے، عرب کے ملکوں میں جو سب سے عمدہ کپڑا ہوتا تھا ان کے لیے چُنا جاتا تھا۔ دو دو سو اور پانچ پانچ سو کا حُلہ زیبِ تن ہوتا لیکن اب ایک ایسا وقت آتا ہے کہ ایک منادی پکارتا ہے کہ لے لو ایک کو اگر حقیقی چین لینا چاہتے ہو۔

تو اُس ذات کو لے لو، اب آتا ہے یہ جوان زندگی کے تعیش کے خاکوں میں پلتا تھا وہ لاڈلا جس کی طرف اُنگلیاں اُٹھتی تھیں، اب اُس شہر میں اُس کو گالیاں پڑتی ہیں۔ گھر سے نکالا جاتا ہے اور تعیش کا پورا خاکہ پارہ پارہ ہو جاتا ہے لیکن ایک چیز ملتی ہے رسولؐ کی محبت۔ اس کا تعلق ملتا ہے، علومِ الٰہیہ ملتے ہیں۔ اب ایک وقت آتا ہے کہ جب مدینہ کے انصار نے طلب کیا اور کہا کہ ہم کو ایک داعی کی ضرورت ہے تو حضور ﷺ نے پورے مکے میں ایک کو چُنا اور وہاں وہ دعوت کے کام پر لگ جاتے ہیں۔ مدینہ جاتے ہیں، مدینے کے میدان میں گشت کرتے ہیں، متکلم حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بناتے ہیں اور دوسرے ساتھی بھی ساتھ ہیں، محنت کرتے ہیں، یہاں تک کہ مدینہ جو یثرب تھا، وہ ''مدینۃ النبی ﷺ'' بن گیا اور وہ اس کی جھولی میں آگیا کہ جس نے ظاہر کا خاکہ دیا تھا۔ اب یہاں پر بھی بس نہیں ہوتا، مقامات کی بلندی دیکھیے، بدر کا مقام آتا ہے اور اُحد کے مقام پر مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں جھنڈا آتا ہے اور یہ جھنڈا لینا معمولی چیز نہیں ہے۔ پہلے لوگوں نے اس کی بڑی عزت کی ہے اور ایک دوسرا واقعہ بھی آتا ہے جس کو کل میں نے بیان نہیں کیا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگرے

(اگر میں تم جیسا ہو جاؤں اور تم مجھ جیسا میں جسم اور تو روح بن جائے تا کہ کسی کو یہ جرأت کہنے کی نہ پڑے کہ میں اور تم دونوں علیٰحدہ شخصیات ہیں۔)

کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی زندگی کو چاہتا ہے تو اس کے چہرے کا رنگ بھی اپنے محبوب کی خلقت اختیار کرتا ہے۔ کیا ہوا جب میدان میں جھنڈا لیے ہوئے لڑے اور بہادری سے شہید ہو کر گرے تو مشہور کر دیا گیا کہ حضور ﷺ شہید ہوئے۔ ان کی

موت کو حضور ﷺ کی شہادت قرار دیا۔ اُحد کے موقع پر جو یہ اعلان ہوتا ہے کہ حضور ﷺ انتقال کر گئے اور یہ قیامت سے کیا کم ہے۔ علماء نے کہا کہ سب سے پہلی قیامت کی نشانی حضور ﷺ کا وصال فرمانا ہے۔ ایک صحابیؓ غم سے نڈھال ہو کر بیٹھتا ہے، دوسرا گزرتا ہے کہ کیوں بیٹھ گئے اور کہا کہ جب حضور ﷺ نے جان دے دی تو تم یہاں کیا کرتے ہو تو وہ پکارتا ہے کہ:

فماذا تصنعون بالحياة بعده؟
فموتوا على ما مات عليه رسول ﷺ

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: ج۳، ص۳۸)

(اگر حضور ﷺ وفات پا جائیں تو اس کے بعد زندگی میں کیا مزہ رہتا ہے۔ پس اُس مقصد پر جان دے دیں جس کے لیے آپ ﷺ نے قربانی دی۔)

تو تمام صحابہؓ میں بجلی کی لہر دوڑتی ہے اور اس کے بعد پھر مسلمانوں کی نصرت ہوتی ہے۔

خیر جب حضور ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل گئی تو ابو سفیان نے ایک پہاڑی پر چڑھ کر پکارا کہ "کیا یہاں محمد (ﷺ) ہیں"۔ اسی طرح پھر حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے نام لیے جب جواب نہ ملا تو پکار کر بولے سب مارے گئے تو حضرت عمرؓ کب برداشت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: او اللہ کے دشمن! یہ سب زندہ ہیں تو یہ اِتنا اندوہناک واقعہ ہے کہ حضور ﷺ کی پوری زندگی میں ظاہری لحاظ سے رونما نہیں ہوا۔ ہاں اس شہزادے کا ایک اور واقعہ بھی ذکر ہو کہ انہوں نے ایک ببول کا کانٹا ٹاٹ کے پہنے ہوئے کپڑوں پر لگا رکھا ہے۔ اس حالت کو دیکھ کر حضور ﷺ کے آنسو نکلے تو اس اللہ کے بندے کی قربانیاں اِس رُخ کی تھیں۔

اِسی طرح حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں جب آپ نے حضرت خبابؓ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا تو گڑھے گڑھے نظر آئے تو فرمایا: جہالت کے زمانے میں مجھے آگ کے انگاروں پر لٹایا جاتا تھا اور ہلنے نہیں دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ انگارے خود سرد ہو جاتے۔ یہ گڑھے ایسے تھے کہ بچے اُن سے کھیلتے تھے۔

ہاں! اب جب مصعب بن عمیرؓ کی وفات کا وقت آیا تو کفن والی چادر اِتنی چھوٹی تھی کہ پورا بدن ڈھانک نہ سکی تو سر کی طرف چادر آگئی اور پاؤں پر گھاس ڈالی گئی۔

حضرات صحابہؓ کی قربانی

اس طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور اُن آدمیوں میں سے تھے جن کو حضرت عمرؓ نے خلافت کے لیے چُنا تھا۔ اب جب اُن کے ساتھ ایک انصاری کی مواخاۃ (بھائی چارہ) ہوتی ہے یعنی حضرت سعد بن ربیعہؓ سے۔ تو انصاری بھائی کہتے ہیں کہ میری دو بیویاں ہیں، اُن میں سے جو تمہیں پسند ہے وہ لے لو۔ میں اس کو طلاق دے دوں گا اور میری جو زمین ہے وہ آدھی میری اور آدھی تیری لیکن عبدالرحمٰن بن عوفؓ جواب دیتے ہیں کہ آپ کی بیویاں اور زمین آپ کو مبارک۔ مجھے تو بازار کا راستہ دکھادو۔ پہلے پنیر کی تجارت شروع کی۔ کہتے ہیں کہ جب میں مٹی میں ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتا ہے۔ اس کے بعد آتے ہیں۔ حضور ﷺ پوچھتے ہیں کہ کیا شادی کی؟ فرمایا: جی ہاں! ولیمہ کیا؟ اور اللہ نے اِتنا دیا کہ دیتے تھے اور ختم نہیں ہوتا ہے۔ بیس ہزار غلاموں کو رہا کیا، قحط کا زمانہ ہے سات سو اُونٹوں کا قافلہ گندم سے لدا ہوا مدینہ میں پہنچ جاتا ہے۔ بات پہنچتے پہنچتے حضرت عائشہؓ تک جاتی ہے۔ فرماتی ہیں: جنت میں دیر سے جاؤ گے۔ وہ حدیث میں آتا ہے کہ بعض لوگوں سے فرشتے کہیں گے کہ ابھی تو حساب کتاب شروع ہی نہیں ہوا، تم یہاں کیسے آئے۔ وہ کہیں گے کہ ہماری تلواریں ہماری کمروں سے لٹکتی تھیں تو ہمارا کونسا حساب و کتاب ہے تو فرمایا: کہ اماں جان میرے یہ تمام اُونٹ اور تمام سامان جو کہ اِن اُونٹوں پر ہے وہ اللہ کے راستے میں خیرات ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی عطایا کے سمندر کا بند ٹوٹے تو اس کو منع کون کرے، وہ جو آتا ہے۔

انفق یا بلال ولا تخش من صاحب العرش اقلالًا۔ (البزار والطبرانی ذی العرش) (اے بلال خرچ کرتا رہ اور عرش والے سے کمی کا ڈر نہ رکھ۔)

تاکہ عرش والا تم پر اپنے خزانے بند نہ کرے تو آتا ہے حضرت عبدالرحمٰن بن

عوفؓ اور اس کے غلام نے ایک دن ایک بٹیر بھنا ہوا پایا تو فرمایا کہ ہم سب ایک ہی راہ کے آدمی تھے یعنی مصعب بن عمیرؓ کا ذکر فرمایا اور پھر فرمانے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے وہ وعدے جو اعمال کے لحاظ سے کیے تھے، کہیں ہم کو تو دُنیا میں نہیں ملے۔ اب میرا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اُحد کے میدان میں پیش آیا وہ دوسری جگہ نہیں ہوا۔ حضور ﷺ اکیلے تھے اور زید ساتھ تھے اور اسی طرح کئی واقعات حضور ﷺ کے ساتھ پیش آئے۔ کنز العمال میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ”ھل ادلکم علیٰ کلمۃ الخیر“۔ (کیا میں تمہیں نفع کی بات نہ بتاؤں۔) تو اب حضور ﷺ تو یہ بیان فرماتے ہیں؟ اور دوسرا شخص ہے جو کہتا ہے کہ یہ جادوگر ہے اور ایک عورت ہے وہ آپ کے راستوں میں کانٹے بچھاتی رہتی ہیں؟ اور پھر ایک پتھر آتا ہے اور وہ آپؐ کی پیشانی پر لگتا ہے۔ پتھر لگا، حضور ﷺ گرے اور کوئی اُٹھانے والا نہیں اُٹھا سکتا۔ آخر ایک بارہ تیرہ سال کی لڑکی آتی ہے، منہ پر پانی کے چھینٹے ملتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: اے فاطمہؓ! غم نہ کر، اللہ تعالیٰ اِس آواز کو مغرب اور مشرق کے کونوں تک پہنچائیں گے۔

بہر حال ان سب کے باوجود حضور ﷺ نے طائف کے واقعہ کو زندگی کا سب سے سخت موقع گردانا ہے یہاں تک کہ ملک الجبال آتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپ ﷺ چاہتے ہیں تو میں ان پر پہاڑ رکھوں گا۔ تو میں نے پہلے یہ عرض کیا تھا کہ نوح علیہ السلام نے جو دُعا کی۔ اس وجہ سے فرمائی تھی کہ اگر یہ جنیں گے بھی تو فاسق و فاجر ہوں گے تو جب حضور ﷺ کی فراست نے تاکا تو فرمایا: کہ بہت ممکن ہے کہ اگر یہ ایمان نہیں لائے تو ان کی پشتوں میں جو اولاد ہے وہ ایمان لائے گی۔ ایک طرف قہاریت کا ظہور تھا اور دوسری رحمۃ للعالمینی شان تھی۔ گو ”رحمتی سبقت علی غضبی“ اور پھر یہ بات ہوئی کہ اُن میں سے ایک مرتد نہیں ہوا تو غالباً کہ صفت قہاریت پر صفتِ رحمت غالب آئی۔

اب پھر نبی آیا اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام آتے رہے اور ہر ایک نبی نے محنت کی۔ اب آخر میں وہ آئے جن کا دین تمام انسانیت کے لیے جن کا وجود تمام دنیا کے لیے ”رحمۃ للعالمین“ بن کر آیا تھا۔ اُن کی شفقت ظاہر ہوگئی۔

میں نے پہلے کہا تھا کہ دعوت کا ایک ظاہر پہلو ہوتا ہے اور ایک اندر کا پہلو ہوتا ہے۔ وہ اپنے باطن میں گھلتا ہے جیسے کہ کسی مامتا کی ماری ماں کا ایک اکلوتا بچہ ہو اور وہ اس کے مرض میں گھلتی ہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”لعلك باخعٌ نفسك علی اٰثارھم ان لم یؤمنوا بھٰذاالحدیث اسفاً“۔(سورۃ الکہف)

مشابہت کا اثر

”کہ اے محمد (ﷺ)! کیا تم گھل گھل کر جان دے دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے“۔ کبھی کسی طرح تسلی دیتے ہیں اور کبھی کسی طرح۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رات کے وقت حضور ﷺ کا سینہ ایسا کھلتا تھا جیسے کہ ہنڈیاں کھلتی ہیں اور جس کی آواز کو ہم سنتے تھے۔ دعوت کی جان اندر کی کڑھن سے ہوتی ہے جس قدر تمہارے اندر کڑھن بڑھے گی لوگوں پر تمہاری بات کا اثر ہوگا۔ جب تمہارے اندر حقیقت آئے گی تو دوسروں پر اثر کرے گی۔ ویسے طوطا بھی ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ“ کو یاد کر سکتا ہے لیکن طوطے کے پاس لفظ ہیں، حقیقت نہیں ہوتی اور جب حقیقت آتی ہے تو انسانوں پر حقیقت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اب جن لوگوں پر ظاہر کے لحاظ سے باطن کے لحاظ سے حضور ﷺ کا پرتو پڑے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو دعوت سے نوازیں گے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ لوگ تعداد میں زیادہ ہوں۔ اب جو تبلیغ کی آواز لگائی جارہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپناؤ حضور ﷺ کے ظاہر و باطن کو اور اگر تم میں ان کی مشابہت بھی پیدا ہوگئی تو ”من تشبه بقوم فهو منهم“ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ وہ تمہاری اس مشابہت کو اپنے فضل سے قبول کرے تو نبی ﷺ کی اس دعوت کو ہم اپنالیں اور اس کے کسی جزو کو اختیار کرلیں تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ہدایت کے فیصلے فرمائیں گے۔ حضرت امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جب جادوگروں اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ ہونے لگا تو جادوگروں نے کہا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اِتنا بڑا

جادوگر ہے تو اس کی نقل کرنی چاہیے۔ چنانچہ وہ ایک پٹکا کمر کے گرد باندھا کرتے تھے تو جس دن مقابلہ کا دن ہوا تو تمام نے پٹکے باندھے۔ اللہ کو یہ بات پسند آئی کہ جب انہوں نے میرے محبوب کی شباہت اختیار کی ہے۔ اب جب جادوگر رسیاں اور لاٹھیاں پھینک لیتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی عصا کو پھینکا تو وہ ان تمام کو نگل جاتا ہے۔ اب فرعون نے بھی دیکھا لیکن ہدایت کا فیضان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو فرعون ایمان نہیں لایا۔ ان جادوگروں نے دیکھا تو کہا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ۔

”فرعون نے کہا کہ تم تمام ایک قوم ہو اور یہ سب کچھ تم نے ایک سازش کے تحت کیا۔ تم تمام کو سولی پر چڑھا کر سخت سزا دی جائے گی۔ ساحروں نے جواب دیا کہ قتل کردے تو قتل کردے ہم اپنے رب کی طرف چلے جائیں گے۔“

خرما روز کہ زین منزل ویران بروم

راحت جان طلبم وسوئے جانان بردم

(وہ روز میرے لیے خوشی کا دِن ہوگا جب میں اس دنیا کی ویرانی کو چھوڑ کر آباد دنیا میں چلا جاؤں جہاں اپنے محبوب سے مل کر جان کو راحت نصیب ہو۔)

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جب مشابہت پر خداوند ہدایت کے فیصلے کرتا ہے تو آؤ کیوں نہ ہم نبیوں کی مشابہت اختیار کریں۔ جس وقت حضور ﷺ نکلتے ہیں، فرماتے ہیں: ”اے کعبہ! تُو کتنا پاکیزہ ہے اور کتنی پاکیزہ تیری ہَوا ہے، تُو چھوڑنے کی چیز نہیں لیکن اللہ کا حکم ہے تو کیا کریں“۔

وہ حضرت جامیؒ نے ایک قصہ نقل کیا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کی فروخت ہو رہی تھی تو ایک بڑھیا کچھ سوت لیکر خریدار بنی۔ لوگوں نے کہا کہ وہاں تو اِتنی بڑی بولی ہے کہ تو اِس سوت کو لیکر کیا کرو گی تو اُس نے جواب دیا۔

همینم بس کہ داند ماہ ردیم
کہ من نیز از خریداران اویم

(مجھے تو یہی کافی ہے کہ میرا محبوب یہ جان جائے کہ میں بھی اُن کے خریداروں میں سے ایک ہوں۔)

یہ چار کیا مہینے اللہ کے لینے کے لیے ایمان کے لیے بھی کوئی قیمت رکھتے ہیں۔ ایک دودھ کا مجنون بیٹھا ایک بات کو رَٹ رہا تھا:

ترے عشق میں ہم نے جوانی لٹا دی زندگانی لٹا دی

ساتھ ایک دِل جلا بیٹھا تھا تو فوراً بول اُٹھا:

محبت میں لٹتے ہیں دین اور دنیا
بڑا تیر مارا جوانی لٹا دی

دونوں عالم بھی دین کی قیمت نہیں ہوسکتے۔ اب ہم اس درجے کے مریض ہیں کہ ہمارا رُخ پلٹ چکا اور دنیا کی طرف آگئے تو اس رُخ کو پلٹ جانے کے لیے اللہ کے راستے میں نکل جاؤ تو جیسے کہ کوئی ڈاکٹر کہہ جائے کہ اپنے رُخ کو پلٹ ڈالنے کے لیے ڈاڈر چلے جاؤ، ڈاڈر سینی ٹوریم چلے جاؤ تو اس لیے کہتے ہیں کہ موت سے پہلے کچھ کرلو اور اس کے بعد کچھ نہیں ہو سکتا اور موت کا فرشتہ تم سے اجازت نہیں لے گا اور ایک پلک کی جھپک تک تم کو مہلت نہیں دی جائے گی اس لیے ہمتیں کرکے اللہ کے راستے میں نکلو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرو۔ ایسی صورت پیدا کرو کہ کل موت کے بعد پچھتانا نہ پڑے اور اس کام کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنا سب کچھ قربان کیا۔

یہ تقریر سنانا مقصود نہیں، بات کا بتانا مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُس درد کا کوئی ذرہ ہم میں بھی آجائے اور اسی طرح ہماری کامیابی کی صورت بن جائے۔ قرآن میں آتا

ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ (سورۃ سبا ۳۴:۴۶)

ترجمہ: ’’کہہ دو کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ، پھر غور کرو کہ تمہارے رفیق کو مطلق سودا نہیں‘‘۔

تبلیغِ دین

گنج علی خان مسجد پشاور شہر (12 ستمبر 1963ء، شب جمعہ)

کائنات اور احکام

جب انسان خود زندہ نہیں ہوتا تو اس کو ہر چیز مُردہ نظر آتی ہے اور جب خود زندہ ہو جاتا ہے تو ہر چیز میں زندگی دکھائی دیتی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

آب و خاک و باد آتش بندہ اند
با من دتو مُردہ باحق زندہ اند

(پانی، مٹی، ہَوا اور آگ بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ ہمارے سامنے اگر وہ مُردہ نظر آئیں لیکن حق تعالیٰ کے لیے وہ بھی زندہ اور فرمانبردار ہیں۔)

قرآن میں آتا ہے کہ زمین کا ذرہ ذرہ قیامت کے دن تمہارے ایک ایک عمل کی گواہی دے گا، یہ بتائے گا کہ فلان شخص نے فلان وقت میں فلان فلان عمل کیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ یہ زمین اور اس میں جتنی بستیاں ہیں، یہ تمہارے اعمال کو دیکھتی ہیں۔ حضور ﷺ نے ابھی اعلان نبوت نہیں کیا تھا کہ ایک پتھر آپ کو سلام کرتا تھا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے وجود کے لحاظ سے ایک روحانیت رکھتا ہے اور یہ کائنات بے فائدہ نہیں۔ اس کائنات کو اللہ نے انسان کے استفادے کے لیے پیدا کیا تاکہ وہ اس کے لیے خیر کی گواہ بنے یا شر کی گواہ بنے۔

بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کے ذرے ذرے میں روحانیت کو بکھیرا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے لیکن جب حکم نہیں ہوتا، آگ نہیں جلاتی۔ مشہور واقعہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھولے پر رکھا گیا کہ آگ کے درمیان ہی پڑے لیکن آگ بغیر امرِ الٰہی کے جلاتی نہیں۔ جب امر ہوا کہ ابراہیم علیہ

السلام کے لیے سلامتی اور ٹھنڈک کا سامان بن جا۔ معلوم ہوا کہ آگ امرِ الٰہی کو پہچانتی ہے۔ اگر یہ نہیں ہوتا تو کبھی اس کو یوں نہ کہا جاتا۔ اس امر کے بموجب اس کی جلانے کی قوت عمل میں نہیں آئی اور سلامتی کا سامان بن گیا۔ قرآن مجید کے آخری پارے سورۃ البروج میں ایک دوسرا واقعہ ہے جو قرآن مجید میں اختصار کے ساتھ ہے اور حدیث میں اس کی تفصیل ہے۔ حضرت خبابؓ ابتدائی مسلمانوں میں سے ہیں اور اُن مصیبت زدہ لوگوں میں سے ہیں جن کو اسلام کی راہ میں بہت زیادہ تکلیف دی گئی۔ یہاں تک کہ آگ کے جلتے ہوئے انگاروں پر لٹائے جاتے اور یہاں تک رہنے دیا جاتا کہ چنگاریاں بجھ جاتیں تو حضرت خبابؓ آتے ہیں اور ایک دِن شکایت پیش کرتے ہیں۔ اس کے سامنے جس کا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ وہ اُس کا ہو جاتا ہے اور شکایت نہیں کرتے بلکہ شکایت پیش کرتے ہیں اور شکایت اپنوں سے کی جاتی ہے غیروں سے نہیں کی جاتی۔ دُعا کے طالب ہیں، پیٹھ چھلنی ہے، خون اور پیپ بہہ رہا ہے لیکن قربانی کا وہ مقام ابھی نہیں آیا تھا جو اِس اُمت کے لیے پیش کرنا تھا تو رحمت عالم فرماتے ہیں: ”کہ تم سے اگلی اُمتوں پر ایسی سختیاں آئیں کہ ان کے گوشت کو لوہے کی کنگھیوں سے کاٹا جاتا اور آروں سے چھیلا جاتا لیکن وہ اپنے دین سے پھرتے نہ تھے“۔ پھر خبابؓ نے اپنی تکالیف پیش نہیں کیں، ستم میں لطف آتا ہے۔ صحابہؓ نے ہر سختی کو دین کے لیے برداشت کیا۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کو تیرے تیغ سے ہلاک ہونا کبھی نصیب نہ ہو، خدا تیرے دوستوں کے سروں کو سلامت رکھے تا کہ تمہاری خنجر آزمائی اُن پر جاری ہو)۔

ایک حیرت انگیز قصّہ

تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانہ بعثت سے کچھ عرصہ پہلے چند لوگ عیسائی ہوئے تو ایک

نوجوان ایک راہب کے پاس جاتے تھے جو کہ اللہ کا تعلق رکھنے والے تھے اور اللہ کے تعلق رکھنے والوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ اُن کی آنکھوں سے، ہاتھوں سے ہدایت پھوٹتی ہے اور یہ نوجوان اُس کے پاس آتا ہے اور اُس کی ہدایت کی وجہ سے اور لوگوں پر تاثیر کرتی ہے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کا باعث یہ نوجوان ہے، اب اُس سے پوچھ گچھ کی جاتی ہے کہ وہ کہاں سے متاثر ہوئے لیکن وہ بتاتا نہیں۔ تیروں سے چیرا جاتا ہے، پانی میں ڈبویا جاتا ہے، آگ میں ڈالا جاتا ہے لیکن وہ مرتا نہیں۔ آخر جب لوگ بہت تنگ آئے اور مسلمان ہونے کے قریب آئے تو بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ آخر اُس کی موت کیسے ہوگی؟ اُس نے کہا کہ میری موت کی ترکیب یہ ہے کہ لوگوں کو اکٹھا کیا جائے اور یہ کہہ کر اُس کو تیر مارا جائے "بِاسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ "(اُس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے)۔ اب جو ایسا کیا گیا تو نوجوان تو مر گیا لیکن مجمع یہ دیکھ کر چلّا اُٹھا "اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ" (ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے)۔ اب بادشاہ پر اور مصیبت آئی۔

(رواہ احمد، مسلم، والنسائی من صہیب الرومیؓ۔ حدیث نمبر:۵۱۱۷، الترمذی:۳۶۳۴)

مرتبۂ شہادت

سورۃ یٰسٓ میں واقعہ آتا ہے کہ "اصحابِ قریہ" کو اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے لیکن لوگوں نے ان کا انکار کیا اور ان کو جھوٹا کہا کہ اِتنے میں ایک شخص آتا ہے اور لوگوں کو کہتا ہے کہ ان لوگوں کی بات کو مان لو جو تم سے کچھ مانگتے نہیں اور خود راہِ راست پر ہیں۔ لوگ اس کو شہید کرتے ہیں لیکن آخری وقت میں خود کہتے ہیں کہ کاش! میری قوم جانتی کہ اللہ نے میری مغفرت کی اور میری عزت افزائی فرمائی۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ جو کثیر رواۃ میں سے ہیں۔ اب ان کے والد عبد اللہ شہید ہوتے ہیں اور فوراً عرش پر بلائے جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ آیا کوئی تمنا ہے؟ کہا کہ ہاں اور کوئی

تمنا نہیں سوائے اس کے کہ میں دوبارہ زندہ ہو جاؤں اور پھر اللہ کے راستے میں دوبارہ شہید کیا جاؤں[28]۔ ہمارے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں۔ صحاح کی روایتوں میں چار دفعہ اور غیر صحاح کی روایتوں میں سات تک شمار پہنچائی گئی ہے۔

پتہ نہیں کہ اللہ کے راستے میں جان دینا کتنی بڑی بات ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جن کی گردنیں تمہارے سامنے کٹتی ہیں، ان کو مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں تو کیا کہتے ہیں عبد اللہ کو؟ کہ ہمارا یہ قاعدہ نہیں کہ جو لوگ ایک دفعہ شہادت پائیں، اُن کو دوبارہ زندہ کر کے دنیا میں بھیجا جائے تو تب عرض کیا کہ جو لوگ ابھی شہید نہیں ہوئے ان کو یہ بشارت دی جائے کہ وہ اسی طرح شہید ہو جائیں تو قرآن میں بشارت دی جاتی ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

(آل عمران ۳: ۱۶۹)

تو وہ عیسائی لڑکے کا قصہ تو یاد ہے کہ بادشاہ کو انتہائی طیش آیا، خندقیں کھدوائیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ﴿۴﴾ (سورۃ البروج ۸۵: ۴)

اب خندقیں کھدوائی گئیں، اب کیا ہوا کہ بادشاہ نے جو لوگ عیسائی ہو گئے تھے، ان کو خندقوں میں ڈلوانا شروع کیا۔ اب ہوا یہ کہ ان خندقوں میں جو لوگ مسلمان تھے (یعنی اُس وقت کے عیسائی) ظاہری طور پر جل رہے تھے اور بادشاہ خوش ہو رہا تھا۔ ایک عورت جس کی گود میں بچہ تھا، وہ بھی لائی گئی۔ اب ماں بچے کو آگ میں جلانے سے ہچکچاتی ہے لیکن بچہ پکار

---

[28]۔عن جابر قال: قال لی رسول اللہ ﷺ: ''اعلمت أن اللہ أحی اباك فقال له تمن فقال لهأردّالی الدنیا فأقتل فیك مرة أخری قال: إنی قضیت أنهم الیها لا یرجعون۔(احمد فی مسندہ بحوالہ ابن کثیر: ج۱، ص۴۲۶)

اُٹھتا ہے کہ اماں یہ آگ نہیں بلکہ یہ اندر سے گلزار ہے تو مولانا رومؒ اپنے کشف سے کہتا ہے کہ اگر میں آگ ہوں تو اللہ کے حکم سے ہوں۔ اگر وہ جنت بنائے گا تو جنت ہوں اور اگر وہ جہنم بنائے تو جہنم ہوں۔

ماں کی بد دُعا

جریجؒ ایک اسرائیلی بزرگ تھا۔ نماز پڑھ رہا تھا کہ ماں نے بلایا۔ اُس نے نماز کی وجہ سے جواب نہیں دیا تو ماں نے بد دُعا کی۔ ایک عورت کا ایک گڈریا سے حمل ہوا اور دعویٰ جریج پر ہوا۔ چنانچہ اس کا عبادت خانہ گرایا گیا اور تکلیف پہنچائی گئی لیکن اللہ کے حکم سے بچہ بول پڑا کہ میں گڈریا کا بیٹا ہوں اور جریج کا بچاؤ ہوا۔

(صحیح البخاری، حدیث نمبر:۳۴۳۶، و مسلم، حدیث نمبر:۶۵۰۸/ ۲۵۵۰، عن ابی ہریرۃؓ)

روحِ کائنات

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہر چیز اپنی حیثیت کے لحاظ سے ایک حیات کو رکھتی ہے اور پھر جملہ اشیاء کی ایک روح ہے اور وہ ہے شریعت کے اوامر۔ اب اللہ نے مخلوق کو بنایا اپنی معرفت کے لیے کہ یہ جملہ اور طریقوں سے ہٹ کر میرے طریقوں پر آجائیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس جملہ عالم کو وجود بخشا گیا۔ یہ اس کا ذاتی وجود نہیں، مستقل نہیں۔ اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ یہ ایک بات کے لیے بنائی گئی کہ اللہ اس کی آزمائش کرے کہ کون شخص ہے جو کہ اعمال کے لحاظ سے اچھا ہے۔ اب اگر کوئی اپنے اعمال کے لحاظ سے اچھا ہو تو تمام مخلوق کو اس کی فرمانبردار بنادے اور اگر یہ نافرمان بن جائے تو اللہ تعالیٰ پوری کی پوری مخلوق کو اس کے مخالف کرلیتا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔ (سورۃ الروم ۳۰:۴۱)

ترجمہ: ”خشکی اور تری (ہر جگہ) میں لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے فساد پھیل گیا ہے“۔

اس عالم میں جو بُرائی آتی ہے، وہ ہمارے اعمال کی وجہ سے آتی ہے۔ ہم مستقل ہیں اور وہ ہیں ہمارے اعمال کی نسبت سے۔ اب انسان کا بننا اور اس کا بگڑنا اس خاکے سے وابستہ

رکھا گیا جو کہ حضور ﷺ سے آیا ہے۔

ذکر کی اہمیت

اب دوستو! دیکھ لو کہ ہر ایک چیز کو وجود بخشنے کے لیے ایک مقصود ہوتا ہے۔ اب میں عینک لگاتا ہوں تو اس لیے کہ مجھے دکھائی دے۔ اگر یہ اپنا مقصد چھوڑ دے گی تو میں اس کو لگانا چھوڑوں۔ اب جب انسان اپنا تعلق حضور ﷺ کی ذات سے جوڑے تو اس میں حیات آئے گی اور نہیں تو موت طاری ہو جائے اور فرمایا کہ تب تک قیامت نہیں آئے گی جب تک ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود رہے۔ گویا عالم کو توڑا پھوڑا جائے گا جبکہ حضور ﷺ کی نسبت والے نہیں رہیں گے۔ حدیث میں آیا ہے:

"اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ"۔ [29]

(دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی اور تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے)۔ پوری کی پوری دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی اور تم کو اللہ کے لیے پیدا کیا گیا۔ اب جب انسان انسان رہے گا تو پوری مخلوق اس کی تابع رہے گی اور جب انسان نہ رہے اور "اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ"۔

(سورۃ الانعام۶:۱۷۹)

حدود اللہ کا قیام

کا مصداق بن جائے تو پھر امن نہیں ہو گا۔ اب انسان کا مقصد اپنے نفسانی تقاضوں

---

[29]۔ (اخرجه البيهقى فى الشعب منحديث الحسن عن رجل من أصحاب النبى ﷺ و فيه انقطاع: تخريج احاديث الاحياء للحافظ العراقى)المجلد الثالث۔ كتاب ذم الدنيا (احياء علوم الدين، ج:۳) عن جابر بن عبدالله عن النبى ﷺ. أنه قال فى بعض خطبه "أيها الناس ان لكم نهاية فانتهوا الى نهايتكم، وإنّ لكم معالم، فانتهوا الى معالمكم، وإنّ المؤمن بين مخافتين: أجل قد مضى لايدرى ماالله صانع فيه۔ و أجل قد بقى لا يدرى ما الله قاض فيه فليتزود العبد من نفسه لنفسه و من ديناه لأخرته، و من الحياة قبل الموت فان الدنيا خلقت لكم و أنتم خلقتم للأخرة. فوالذى نفس محمّد بيده ما بعد الموتِ من مستعتب ولا بعد الدنيا دار الا الجنةُ او النارُ"۔

کو قربان کرنا اور اللہ کی ذات کو لینا ہے ایسے اعمال کو لینا ہے جن کی وجہ سے ہدایت آتی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ ایک حد کا قائم کرنا مخلوق میں اِتنی ہریالی لاتی ہے کہ چالیس دِن تک بارش سے اِتنی ہریالی نہیں آتی اور جب حدوں کو توڑا جاتا ہے تو اُس کے نتیجے کے طور پر خوف کو پیدا کیا جاتا ہے، چین کو لیا جاتا ہے، بے آرامی پیدا ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور ایک آواز لگاتے ہیں کہ ”فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ“۔(سورۃ الذاریات۵۱:۵۰) اللہ کی طرف دوڑو۔ ”سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ“۔(سورۃ الحدید۵۷:۲۱)

(اللہ کی مغفرت کی طرف دوڑو اور اس جنت کی طرف جس کا عرض سات زمینوں اور آسمانوں کے برابر ہے۔)

انبیاء علیہم السلام کی محنت

تو اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم کو پیدا کیا اور اس سے متعلق چیزوں کو وجود بخشا اور پھر اپنے تعلق کا راستہ جہد و مشقت میں رکھا۔ ہر نبی آیا اور محنت کی اور محنت کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک اُس کی روح ہوتی ہے۔ نبی کی محنت کا یہ حال ہوتا ہے کہ دن میں محنت کرتا ہے اور رات میں محنت کرتا ہے۔ اسی طرح باطن میں وہ دل ہی دل میں کڑھتا ہے، دل جلتا ہے کہ کسی طرح یہ لوگ اللہ کے راستے پر آجائیں۔

روایات میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک ہی وقت میں ساٹھ ساٹھ نبیوں کو شہید کیا گیا۔ انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور ایک سہارا بتاتے ہیں کہ اے لوگو! ایک سے لگ جاؤ اور پھر دیکھو کہ کیسے یہ تمام مخلوق تمہاری ہو جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور ایسے وقت میں آتے ہیں کہ جب تمام لوگ راہ سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا وجود نہایت ملائم ہوتا ہے، رب کے پیارے ہوتے ہیں۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ہاتھ

مبارک اِتنے ملائم ہوتے کہ ہم ان کا تصور نہیں کر سکتے لیکن دین کی خاطر وہ اِتنی سختیاں جھیلتے تھے کہ اُن کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ نبی جب محنت کرتا، دعوت دیتا ہے تو ایک مقام ایسا آجاتا ہے کہ جتنی بھی سعید روحیں ہوتی ہیں تو نبی کی طرف کھینچ آتی ہیں جیسے کہ لوہا مقناطیس کی طرف کھینچ آتا ہے اور جو فضلہ رِہ جاتا ہے وہ اللہ چاہے تو اُس کو ہلاک کر دے یا چھوڑ دے۔ اب نوح علیہ السلام جب نُورِ نبوت سے دیکھ لیتے ہیں کہ ان میں اب صلاحیت نہیں رہی تو فرمایا: رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ (سورۃ نوح ۷۱:۲۶)

ترجمہ: ”میرے پروردگار کسی کافر کو زمین پر بستا نہ رہنے دے“۔

اب جب عذاب کے ظاہری علامات پیدا نہیں ہوئی تھیں تو نوح علیہ السلام نے کشتی بنانی شروع کی۔ اب لوگ بجائے اس کے کہ یوں کہہ لیں کہ یہ اللہ کا بندہ جو یہ کہہ رہا ہے کہ عذاب آنے والا ہے تو واقعی آئے گا، اُلٹا آپ کا تمسخر اُڑاتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں آتا ہے کہ اللہ اُس دِن کسی کو بچاتے تو اُس بچے کی ماں کو بچاتے جو درخت پر چڑھ گئی اور بچے کو اپنے ہاتھوں سے اُوپر اُٹھالیا اور پھر بھی بچ نہ سکی۔

حضور ﷺ جو کہ ”رحمۃ للعالمین“ تھے، ”شق القمر“ کا معجزہ دکھایا لیکن آپ ﷺ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بچایا۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ (سورۃ الانفال ۸:۳۳)

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ انہیں عذاب دے جب تک کہ آپ ان میں موجود ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دیتا ہے جبکہ وہ استغفار کرتے ہیں“۔

جب تک ہجرت نہیں کی تو عذاب نہیں ہوا اور پھر جو آیا تو صرف ستر سردارانِ قریش کو۔ اب جو حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے آثار نمودار ہوئے اور انہوں نے (یعنی قوم نے) آہ وزاری کی تو بچائے گئے۔ اُدھر حضرت یونس علیہ السلام نے جب دیکھا تو

گئے اور کشتی میں سوار ہوئے۔ اب کشتی اِدھر اُدھر ڈولنے لگی تو ملاح نے یوں کہا کہ اس کشتی میں کوئی مالک سے بھاگا ہوا غلام ہے۔ خیر حضرت یونس علیہ السلام دریا میں ڈال دیئے گئے اور مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا معراج عرش پر ہوا تھا اور حضرت یونس علیہ السلام کا معراج مچھلی کے پیٹ میں ہوا تھا اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر[30] فضیلت نہ دو۔ کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ کہیں پگلے یہ سمجھ لیں کہ اللہ کے حکم کو نہ سمجھنے والے نبی کی تنقیص کر لیں۔ وہاں یہ کہا جاتا ہے کہ نبی کے پاس اُونچی آواز سے نہ بولو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایمان جاتا رہے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

حضور ﷺ کی شجاعت

غزوہ حنین کا واقعہ ہے۔ جب تمام لوگ دُور ہو جاتے ہیں اور حضور ﷺ گھوڑے سے اُترتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ''اَنَا النَّبِیُّ (ﷺ) لَا کَذِبَ اَنَا اِبْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب''۔ (صحیح البخاری، الجہاد والسیر) میں اللہ کا نبی ہوں اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبد المطلب کی اولاد میں سے ہوں۔ اگر تمام لوگ مجھ کو چھوڑ جائیں تو اللہ تو اپنی معیت نہیں چھوڑے گا اور نبی تو بہت بڑی ذات ہے۔ اللہ کے ولی کے متعلق آتا ہے، اللہ تعالیٰ اعلانِ جنگ کرتا ہے دو قسم کے شخصوں سے۔ ایک وہ جو سود لیتا ہے اور ایک وہ جو اللہ والوں کو تکلیف دیتا ہے۔

محبوبیت کا راستہ

نبی کی ذات ایک نمونہ ہوتی ہے، وہ اللہ کا محبوب ہوتا ہے اور جو نبی کے خاکے کو اپنالے گا وہ اللہ کے نزدیک محبوب ہوگا اور جو اس سے ہٹے گا مردُود ہو جائے گا۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ ۙ (سورۃ الکہف ۲۹:۱۸)

---

[30] ۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: عن النبی ﷺ: قال ''لا ینبغی لعبد أن یقول: انا خیر من یونس بن متی و نسبه الی ابیه۔ (البخاری حدیث نمبر: ۳۳۹۵)

ترجمہ: ”تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے سو کفر کرے (نہ مانے)“۔

اب اگر محبوبیت کے راستے کو اپناؤ گے تو قیامت تک لوگوں کو فوائد پہنچاؤ گے۔ صحابہؓ کے متعلق فرماتے ہیں جنہوں نے اپنی اُمنگوں کو مٹایا، اپنے اندر کو مٹایا اور صرف ایک اللہ اور اُس کے رسول کو رکھا۔ حضرت ابو بکرؓ کا مشہور واقعہ ہے۔ جب غزوۂ تبوک میں اپنے مال کو حاضر کیا تو پوچھا گیا کہ گھر میں کیا چھوڑ آئے تو عرض کیا کہ ”اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا“۔ حضرت ابن عمرؓ کا یہ حال ہے کہ ظاہر کے جتنے اعمال کو لے سکتے تھے اُن کو لیا لیکن اتباع کو دیکھو، رفع حاجت ایک طبعی تقاضا ہے۔ اللہ کے حکم سے آتا ہے کسی کو اس کا اختیار نہیں اور انسان اس کا مکلف بھی نہیں لیکن عشق کی حالت یہ ہے کہ جن مقاموں پر حضور ﷺ حج کے موقع پر رفع حاجت کے لیے اُترتے تھے تو حضرت ابن عمرؓ جب حج کے لیے جاتے تو اُن مقامات پر اُترتے تھے اور اُونٹ کا بٹھانا کوئی معمولی بات نہیں۔ اب غلام نے جو دیکھا کہ نہ تو پیشاب کا نشان ہے نہ پاخانے کا اثر تو پوچھا کہ حضرت آپ کیسے یہاں اُترے؟ کہا کہ او پگلے میں حضور ﷺ کی سنت کو کیسے چھوڑوں۔ (دیکھئے سیرۃ الصحابہ: ج ۲، مہاجرین: حصہ دوم، ص ۳۳) ایک دوسرا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ بہن کے پاس گئے اور کوٹھی پر چڑھنے کی اجازت چاہی اور اسی طرح بیٹھ گئے اور پھر فرمایا کہ مجھ سے یہ سنت رہی جاتی ہے۔ میں نے چاہا کہ موت سے پہلے اس سنت کو پورا کروں۔ سلمان فارسی جب مدائن کے گورنر تھے۔ ایک دفعہ اسی امارت کے زمانے میں اس شان سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا ہے۔ جاتے ہیں، گدھے پر سوار ہیں جس کی بھاگ کھجور سے بنائی گئی ہے۔ لوگ عرض کرتے ہیں کہ یہاں گدھے کی سواری معیوب سمجھی جاتی ہے تو فرمایا کہ **”أأترك سنة حبيبى لهذه الجهال“**[31]۔ (سیرۃ الصحابہ: ج ۲، مہاجرین: حصہ دوم، ص ۹۹) (کیا میں ان جاہلوں کے لیے

---

[31]- عن ابن مسعود أنه كان فى بلادالشام فسقطت لقمة فاراد أن يميط الأذى عنها و ياكلها فلامه اصحابه فى بلاد الشام فقال أترك سنة حبيبى علشان هؤلاء الحمقى؟ فأخذ اللقمة و أكلها۔

حضور ﷺ کا طریقہ چھوڑوں۔)

تو میں عرض کر رہا تھا کہ نبی کا راستہ محبوبیت کا راستہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط (آل عمران ۳:۳۱)

”(اے پیغمبر!) آپ ان سے کہئے کہ اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا“۔

اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں محبوبیت کا راستہ بتایا تھا تاکہ تم اس کو حاصل کرو اور فرمایا:

”اللہ نے خرید لیا مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو اس عوض پر کہ اُن کو جنت دے“۔

اب نقشہ جو آتا ہے، اندرون سے آتا ہے۔ اپنے اندر تبدیلی لانے کے لیے اپنے دِل کے خاکے کو بدلنے کے لیے تمہیں اندر میں تبدیلی لانی ہو گی اور یہ ہے ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه“ کا مطلب، تاکہ یہ دِل میں اُترے، صرف ہونٹوں پر نہ رہے۔ اب ہدایت کا بیج پھٹے گا نہیں ”لَآ اِلٰهَ “ کی ضربوں کے بغیر اور یہ میں آپ سے نہیں کہتا بلکہ میرے حبیب ﷺ نے فرمایا کہ ”ألا و اِنَّ فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد كله و اذا فسدت فسد الجسد كله ألا و هى القلب“۔ (رواہ البخاری و مسلم)

”خبر دار! جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب یہ ٹھیک ہو جائے تو سارا بدن ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب یہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ خبر دار رہو! یہی ٹکڑا قلب کا ہے“۔

اگر تمہارا دِل پلٹے گا تو پورا عالم پلٹے گا اور اگر تمہارا دِل نہیں پلٹے گا تو پورا عالم کوشش کرے تو کچھ بھی نہیں بنے گا اور دِل کے پلٹنے کا طریقہ ہے مجاہدہ اور سب سے افضل مجاہدہ حضور ﷺ کا طریقہ ہے اور جس کو صرف حضور ﷺ نے نہیں اپنایا بلکہ صحابہؓ کو بھی اس پر ڈال دیا گیا جس کے لیے صحابہؓ کو تپتی ریت میں رکھا گیا، انگاروں پر لٹایا گیا، پانی میں

ڈبکیاں دی گئیں اور یہ مجاہدہ کیا تھا، یہ تھی تبلیغ۔

دُنیا کی ناپائیداری

اب یہ کہتے ہیں کہ اے لوگو! دنیا تمہاری منزل نہیں بلکہ منزل کے لیے راستہ ہے۔ اب آسٹریا میں جب ہم گئے تو انہوں نے ایک زمین سی بنا رکھی ہے۔ اس پر اگر ہم قدم رکھیں تو وہ اس طرح چلتی رہتی ہے کہ آپ چلیں یا نہ چلیں تو وہ آپ کو آگے بڑھاتی رہے گی۔ اس طرح زندگی ہے۔ فرمایا حضور ﷺ نے ”من مات فقد قامت قیامته“[32]۔ جو مر گیا، اُس کی قیامت قائم ہو گئی۔ موت آرہی ہے، میرے پاس سامان نہیں، سمندر رہے بہت عمیق اور راہ ہے تاریک اور میری کشتی میں اِتنی سکت نہیں کہ نزدیک راستے کو طے کر جائے تو وہ اِتنی لمبی راہ کو کیسے طے کرے گی۔ رب کے ہاں جانا ہے تو اپنی سیٹ ریزرو کرو۔ اگر اُس والے ہو گئے تو تب تو کام آجائے گا ورنہ نہ تو پھر تمہارا مال کام آئے گا نہ اولاد کام آئے گی۔ قرآن میں آتا ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾ (سورۃ الزخرف ۴۳:۶۷)

ترجمہ: ”سب دوست اس دِن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے“۔

کہ سوائے حب فی اللہ والوں کے باقی تمام ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے جیسے کہ خدا کو بقا ہے، اسی طرح اللہ والی محبت کو بقا ہے اور اسی طرح بغض فی اللہ کو بھی۔ ہوشیار ہے وہ شخص جو کہ جانے والے کی فکر نہ کرے بلکہ آنے والے کی فکر کرے۔

حیات دو روزہ کا کیا عیش و غم
سفر کا بھی کیا جیسے تیسے رہے

---

[32]۔ عن انس مرفوعًا بلفظ: اذا مات أحدکم فقد قامت قیامته (رواہ الدیلمی، المرقاۃ کتاب الفتن باب قرب الساعة و أن من مات فقد، قامت قیامته، ج۹، ص ۴۴۳) تفسیر کبیر للرازی ج۶،ص۳۷۹، سورۃ الاسراء: ۱۴، کفی بنفسك الیوم حسیبًا۔

بھائیو! موت آئے گی اور جان کو اُچک کر ایسے لے جائے گی کہ کوئی اُچک لے جانے والا ایسا نہیں کہ اُس جیسے کسی کو اُچک لے۔ آئے گی اور ایسے آئے گی کہ اللہ کی قسم کسی ایک کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔ اگر کوئی شخص ہوا میں محل بنانا چاہے تو تمام لوگ کہیں گے کہ یہ پگلا ہے اور یہ عالم اس سے بھی زیادہ ہے۔ ایسے خاکوں پر زندگی گزارو کہ نہ تو اس عالم میں تم پر رسوائی آئے، نہ قبر میں نہ حشر میں نہ صراط میں۔ ایسے راستے پر اپنے کو لگاؤ کہ ساری زندگی بن جائے اور دنیا میں ہماری زندگی ہی کیا ہے، حشر کی نسبت چند منٹ ہی تو ہیں۔ وہاں تو ایک دن پچاس ہزار سال کا ہے تو جب ایسا وقت آنے والا ہے جس میں ایک دوسرے کے کام نہیں آئے گا تو ایسے وقت کے لیے موت سے پہلے چار چار مہینے لکھوایئے کہ اللہ کو تمہارے اُوپر رحم آئے اور نجات کا سبب بن جائے۔ آنسو کا قطرہ نکلے اور جس کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک دفعہ خون نکل کر اُنگلی زخمی ہوگئی تو اس کو مخاطب کر کے فرمایا:[33] ”اے اُنگلی اگرچہ تُو اپنی نسبت سے بہت معمولی ہے لیکن تُو اللہ کے راستے کی نسبت سے بہت قیمتی ہے“۔

جہاد کی برکتیں

صحابہؓ جارہے تھے اور حدیث میں آتا ہے کہ صحابہؓ جب جارہے تھے، اس طرح جا رہے تھے کہ اگر اُن پر ایک چادر ڈال دی جائے تو تمام کو لپیٹ دے گی تو ایک نوجوان تھا جو جماعت سے ذرا ہٹ کر چلے جارہے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تُو کیوں اکیلے جارہا ہے؟ اُس نے کہا کہ گرد کی وجہ سے۔ تو فرمایا کہ تم اپنے کو اس گرد سے بچاتے ہو جو قیامت کے دِن آگ سے بچاؤ ہوگی۔[34]

---

[33] ۔ عن جندب بن سُفیان: أنَّ رسول الله ﷺ کان فی بعض المشاھد، و قد دَمیت اصبعه، فقال: ھل انت اِلّا اِصبع دَمیتِ۔ و فی سبیل الله مالا قیت۔ (الصحیح البخاری: حدیث نمبر ۲۸۰۲)

[34] ۔ عن ابی الدرداء قال: قال رسول الله ﷺ: لا یجمع الله عزوجل فی جوف رجل غبارًا فی سبیل الله و دُخان جھنم، و من اغبرت قدماہ فی سبیل الله حرم الله سائر جسدہ علی النار۔ (رواہ احمد) عن ربیع

فرمایا: اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، خواہ آدھی کھجور ہی سے کیوں نہ ہو۔ اب کہا جائے گا کہ آدھی کھجور سے کیا ہوگا تو فرمایا کہ جیسے تم اپنے گھوڑے کے بچے کو پالتے ہو، اسی طرح اللہ تمہارے صدقات کو پالتا ہے۔ ابن ماجہ نے اس حدیث کو سات راویوں سے بیان فرمایا ہے کہ اللہ کے راستے میں چلنے والے کا ایک ''سبحان اللہ'' کو اللہ سات لاکھ تک بڑھاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا راستہ ہے کہ خاک کو سونا نہیں بلکہ کیمیا بناتی ہے۔ اس کو حکایت نہ سمجھو، تقریر نہ سمجھو بلکہ ایک درد ہے، ایک سوز ہے۔ اس کو اندر لے لو۔ وہ بھائی عبد الوہاب صاحب والی بات کہ میں آیا ہوں اس لیے کہ تم میں نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا درد اور سوز پیدا ہو جائے تو اپنے نام لکھواؤ، اِس اُمید کے ساتھ کہ آخرت میں کیا ملے گا۔

بن زید قال: بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسیر معتدلا عن الطریق إذ أبصر شابًا من قریش یسیر معتزلًا فقال: أیس ذلك فلان؟ قالوا نعم۔ قال: فادعوہ فجآء فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مالك اعتزلت عن الطریق، قال کرھت الغبار۔ قال: فلا تعتزلہ فوالذی نفسی بیدہ، اِنّہ کذریرۃ الجنۃ۔

(رواہ الطبرانی و رواتہ ثقات)

حضور پاک ﷺ کے اخلاق

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (15 ستمبر 1963ء، بعد از نمازِ عصر)

نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا یَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝۴ (سورۃ القلم ۶۸: ۱ تا ۴)

(اے پیغمبر! قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جو وہ لکھ رہے ہیں۔ اپنے پروردگار کے فضل سے تم دیوانے نہیں ہو اور یقین جانو تمہارے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گا اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہو۔)

آپ ﷺ کی جامعیت

یعنی جو کچھ بھی حقیقی علوم ہیں، اُن سب کو دیکھ کر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضور ﷺ پگلے نہیں ہیں بلکہ وہ ضرور بالضرور اخلاق کے نہایت ہی اعلیٰ مقام پر ہیں۔ اب اوروں کے اخلاق جو دیکھے جائیں گے تو اس قد آدم آئینے میں دیکھے جائیں گے میں تو یوں کہوں کہ اخلاق موسوی اور جملہ انبیاءؑ کے اخلاق جو ہیں پر تو اخلاقِ محمد ﷺ ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ سورج یہاں نہ نکلے تو کہیں نکلا ہوا نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ اگر عالم امکان میں نہیں آئے تھے تو عالم ارواح میں تو تھے۔ وہ کسی نے جو کہا ہے کہ:

حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنکہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

(اے میرے محبوب! تم میں سارے پیغمبروں کی خوبیاں موجود ہیں خواہ وہ یوسف علیہ السلام کی خوبصورتی ہو، عیسیٰ علیہ السلام کا دَم اور موسیٰ علیہ السلام کا چمکتا ہوا ہاتھ کیوں نہ ہو۔)

انبیاء علیہم السلام کا استفادہ

ہم اسے یوں کہیں، بات اُس نے ٹھیک کہی لیکن اس کو یوں کہیں کہ جو کچھ آپؐ میں ہے، اُس کی شعاعیں باقی سب میں ہیں۔ پرانے علم ہیئت والے کہتے تھے کہ ''نُورالقمر مستفاد من نُور الشمس'' اور ہم اسے یوں کہیں کہ ''نُور الانبیاء مستفاد من نُور محمد ﷺ''۔ حضور ﷺ کو اللہ پاک نے اپنی صفات کا سب سے بڑا مظہر بنایا ہے۔ آسانی سے اس کو یوں سمجھو کہ اللہ سخی ہیں۔ اب اللہ کی سخاوت کا پرتو (عکس) اگر پڑا ہے تو وہ حضور ﷺ پر۔ اس لیے فرمایا ''انا [35] اجود الناس''، فخراً نہیں کہا، اظہارِ حقیقت کے طور پر کہا اور فرمایا ''انا [36] سید ولد اٰدم ولا فخر''۔ اللہ نے کر دیا تو میں کیا کروں، میاں نے تمہیں لڑکا پیدا کر دیا۔ اگر لڑکی بناتے تو میاں کے ہانڈی چولہے کے ساتھ ہوتے۔ اب دیکھو بغیر بجلی کچھ نظر نہیں آتا تھا، جب بجلی آئی تو یہ چیزیں کہیں کہ ہم نظر آتی ہیں۔ پگلیو! تم میں کیا کمال ہے؟ اب آئینہ آیا اور اُس میں کسی حسین کا چہرہ پڑا تو آئینے کا کیا کمال ہے۔ کمال تو حسین کا ہے۔

اسی طرح جس جگہ بھی جس چیز میں کوئی خوبی نظر آئے تو اُس چیز کا کمال نہیں بلکہ اُس معطی کا کمال ہے جس نے وہ خوبی دی ہے تو اب حضور ﷺ جو کہ اعرف الناس ہیں، وہ کمالِ معرفت سے کہتے ہیں تو نبی کی بات جیسی میٹھی روٹی ہوتی ہے، جہاں سے بھی توڑو، اُس میں کمالِ معرفت اور کمالِ علم ہوتا ہے۔ نبی کی بات میں تو سب کچھ ہے لیکن تمہاری نظر بھی تو ہو کہ اُس کو دیکھ سکو۔

---

[35]۔ عن ابن عباس: کان رسولُ اللہ ﷺ اجود الناس و کان اجود ما یکون فی رمضان۔

(البخاری، حدیث نمبر: ٦)

[36]۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ أنا سیدُ وَلد اٰدم و لا فخر و اوّل من تنشق الارض عنہ یوم القیامۃ ولا فخر و أنا اوّل شافع و اوّل مشفع۔ ولا فخر و لواءُ الحمد بیدی یوم القیامۃ ولا فخر۔

(ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۴۳۰۸)

آنکھ والا تیری جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو نظر آئے کیا اور کیا دیکھے

جب تک نُور دیدۂ قلبی نہیں ہوگا، انبیاء علیہم السلام کے انوارات، خداوند قدوس کی باتوں کے انوارات اور حقیقت سمجھ نہیں آتی، ظاہری آنکھوں سے مادی چیزیں اور دیدۂ باطن سے باطنی چیزیں سمجھ میں آتی ہیں۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ کی صفات اور اللہ کے اخلاق کا سب سے بڑا مظہر ہمارے حضور ﷺ ہیں۔ اب جو کہ سب سے بڑا مظہر ہے جیسے کہ پھولوں کی نرسری ہوتی ہے اور جیسے کہ پنیریاں لے لے کر آگے پیچھے لگائی جاتی ہیں، اسی طرح اخلاقِ الٰہی کا سب سے بڑا خزانہ حضور ﷺ کی ذات مبارک ہے۔ اخلاق موسویؑ اس پنیری کے پَرتو ہیں تو وہ بھی اپنی ذات میں کامل ہیں لیکن حضور ﷺ سب میں اکمل ہیں، کاملین میں کامل ہیں، یہ بات نہیں کہ اندھوں میں کانا راجا بلکہ وہاں تو سب ہی بینا ہیں لیکن یہ بیناؤں میں کامل ہیں۔ وہ آسمانِ نبوت کے ستارے ہیں، تو یہ سورج ہے۔ حضور ﷺ اجود الناس ہیں۔

مخلوق کا علم

اللہ تعالیٰ علم والے ہیں۔ اس کا علم ذاتی ہے۔ وہ کسی سے سیکھے ہوئے نہیں اور اگر اُس نے کسی سے سیکھا ہو تو وہ خدا کیسے ہوئے؟ اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾ (سورۃ النازعات ۷۹:۴۴) (اس کا علم تو تمہارے پروردگار پر ختم ہے۔)

اور اسی طرح ہر ایک کمال کی ابتدا اور انتہا خدا کی ذات تک پہنچتی ہے۔ اب جسے ملے گا، جب بھی ملے گا اور جسے ملا، خداوند قدوس سے ملتا ہے۔ تو خداوند قدوس اپنی ذات میں کامل ہیں۔ اب اس کے علم کا سب سے زیادہ جس پر عکس پڑا تو وہ حضور ﷺ ہیں۔ اب جتنا علم آئے گا، انسان جھک جاتا ہے، علمِ الٰہی انسان کی عظمت کو مٹا دیتی ہے۔ فرمایا ''اَنَا اَعْلَمُكُمْ

بِاللّٰهِ وَاَخْشٰكُمْ لَهٗ"[37] کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کے علم کا جاننے والا ہوں اور تم سب میں زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ معرفت کا نتیجہ محبتِ الٰہی مع خشیت ہے اس لیے فرمایا: "اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط"۔ (سورۃ فاطر ۳۵: ۲۸)

احادیث اور قرآن

جتنی بھی حدیثیں ہیں۔ سب کی سب قرآن میں ہیں لیکن قرآن میں جو علم ہے وہ اللہ تعالیٰ جن کو چاہتے ہیں، اُن پر کھولتا ہے۔ آپ لوگ کہتے ہیں کہ پانی کا قطرہ ہے۔ اس میں مجھے کوئی جرم (Germ) وغیرہ دکھائی نہیں دیتے لیکن ذرا خوردبین کو لگا کر دیکھ لو تو ہزاروں کیڑے مکوڑے ناچ رہے ہیں۔ اب جب تیرے پاس نبی کی آنکھ نہیں اور نہ نبی کی آنکھ مل سکتی ہے تو بے چوں وچرا نبی کی بات مان لو اور اُس پر عمل کرتے جاؤ تو اللہ تعالیٰ تجھے فراست مومن سے سرفراز فرمائے گا اور مومن کی فراست نبی کے نُور کا عکس ہوتی ہے۔ اب آتا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نُور سے دیکھتا ہے اور رب کی توفیق سے بولتا ہے۔ اُس کا بول اپنا بول نہیں۔ جو کہتا ہے رب کی سناتا ہے اور جو سناتا ہے حضور ﷺ کے قول کی ترجمانی کرتا ہے۔ اولیاء اللہ کے جملہ اقوال حضور ﷺ کے علوم کی تشریح اور ترجمانی ہے۔ بعض کتابیں بہت باریک ہوتی ہیں۔ آنکھ سے دکھائی نہیں دیتیں تو ان کو پڑھنے کے لیے "Magnifying Glasses" استعمال کرنی پڑتی ہیں۔ اب یہ نہیں کہ وہاں وہ چیز نہیں بلکہ تمہاری نظر اُس کو دیکھ نہیں سکتی تو اولیاء حضور ﷺ کی باتوں کے لیے "Magnifying Glasses" کی حیثیت رکھتے ہیں تو عوام الناس حضور ﷺ کی باتوں کو نہیں پاسکے تو علماء اور اولیائے اُمت ترجمانِ نبوت ہیں، نبی نہیں ہوئے ترجمانی کرتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ انگریز آئے، میں انگریزی نہیں سمجھتا تو آپ میری بات کو انگریزی میں اس کو بتا کر میری ترجمانی کریں گے اور نبی کے علوم سے مناسبت پیدا نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اس کا اتباع اختیار نہیں کیا جائے۔ نبی

---

[37] ۔ مسلم، حدیث: ۲۵۸۸، بخاری، حدیث نمبر: ۲۰۔

کی نسبت نصیب ہوتی ہے اعمالِ صالحہ کے بعد اور نبی کے ظاہری اور باطنی اعمال لینے کے بعد۔ نبی کی ذات صرف ظاہر کا نمود نہیں بلکہ اس کا ظاہر اُس کے باطن کا آئینہ ہوتا ہے۔ جیسے پیالے میں وہی آتا ہے جو بوتل میں ہو۔ تو نبی کی ذات سے جو چھلکتا ہے۔ وہ نبی کے اندر اور ذات والی بات ہوتی ہے۔ کسی نے حبیب پاک ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! اپنے باطن سے کوئی چیز عطا فرمائیں تو فرمایا کہ یہاں سب سے پہلے قرآن اُترا ہے، تو اب قرآن کی حقیقت حضور ﷺ کے سینے میں اُتری۔ علمائے حق نے لکھا کہ قرآن اللہ کی صفت ہے تو جیسے آئینے میں عکس آتا ہے تو کلام اللہ، اللہ کا کلام ہے اور اللہ کی ذات سے قائم ہے اور جیسے آئینے میں کوئی چیز اُتر آتی ہے، اسی طرح حضور ﷺ کے سینے میں اُتری۔ وہاں بھی کامل اور یہاں بھی کامل۔

اب قرآن جو اُترا، اُس میں اللہ نے اس اُمت کی تکمیل کر دی۔ اکمال نعمت ہے اتمام نعمت ہے، اتمام دین ہے۔ ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ''۔

(سورۃ المائدۃ۵:۳)

ترجمہ: ''آج کے دِن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کی''۔

قرآن مجسد

اب سب ملا اور سب نورانیت حضور ﷺ کے سینۂ اقدس میں آگئی۔ اب یہ سب نورانیت صرف حضور ﷺ کی روح اور قلب کے ساتھ متعلق نہیں رہی بلکہ ایک ایک عضو میں سرایت کر گئی اور اعمال کے ذریعے سے اس کا ظہور ہوا۔ دراصل حضور ﷺ سے جو کچھ وجود میں آیا وہ قرآن مجید کی صورت ہے۔ آپ کے اخلاق کیا ہوئے قرآن کی مجسد اور مجسم صورت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان اخلاق کو کہا ہے ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' تو اب جس میں حضور ﷺ والے اخلاق ہوں گے وہ قرآن والا ہوگا اور جس میں وہ اخلاق نہیں ہوں گے وہ قرآن والا نہیں ہوگا۔

کافر اور مسلمان کے اخلاق

اس بنا پر شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ ''ارے !کافر کے بھی اخلاق ہوتے ہیں''۔ وہ تو قرآن کو لے لو تو پھر اخلاق بنتے ہیں اور جو قرآن کو لیتا نہیں تو اسے ہم کہیں کہ یہ اخلاق والا نہیں بلکہ ان کا ایک طریقہ کار ہے، ایک معاملہ ہے۔ یہ اُن کی حقیقت میں وہ اخلاق نہیں جسے اسلامی نکتہ نظر سے اخلاق کہتے ہیں۔ جیسے صوفیاء کے محاورہ میں کہتے ہیں ''تخلقوا باا خلاق اللہ'' تو اللہ کی نسبت سے جو اخلاق ہوتے ہیں تو اُسے اخلاق کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر میں کہوں کہ خروشیف اور کینیڈی ملے تو ہنستے ہوئے ملے جسے Diplomatic smile کہتے ہیں۔ اس کو اخلاق نہیں کہتے۔ اخلاق وہ ہے جو اندر سے پھوٹے اور یہ دُنیاداری ہے۔ جیسے تاجر مل کر ایک کوڈ قائم کریں کہ یہ کرو۔ تو یہ نفع تمہارا اور یہ ہمارا۔ اگر اللہ کے طور پر کرتے تو ہر قوم سے برابر کا سلوک ہونا چاہیئے۔

تو میں نے یہ کہا تھا کہ جب اخلاق قدم محمدی ﷺ کے نیچے آجائین تو تب اخلاق ہوں گے اور نہ ہوں تو دُنیاداری ہو گی۔ جب تک بنیاد تمہارے اخلاق کی للہیت نہیں بنتی تو وہ اخلاق اخلاق نہیں ہوتے۔ جیسے کہتے ہیں ''من تراحاجی بگویم تو مرا قاضی بگو''۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اخلاق کا بہترین نمونہ حضور ﷺ ہیں۔ اس لیے فرمایا:

''اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ''۔ (صححہ الالبانی فی الصحیحۃ وروی الامام احمد عن أبی ہریرۃ)

بیشک میری بعثت اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے ہوئی۔

اخلاق کے متعلق یہ بات اکثر سمجھ میں نہیں آتی کہ کافر کے اخلاق کیوں نہیں ہوتے۔ حالانکہ قول محقق کا ہے لیکن جب یہ ثابت ہوگئی کہ منبع خلق خداوند تعالیٰ کی ذات عالی ہے اور اس کا مظہر کامل حبیب پاک ﷺ کی ذات گرامی ہے اور حضور ﷺ کا خلق قرآن مجید ہے۔ نورانیتِ قرآنیہ کے مختلف مظاہر اخلاق محمدیہؐ اور اعمال محمدیہؐ کی صورت میں ظاہر

ہوئے تو جب خداوند قدوس کی ذات منبع ٹھہری۔ نبی پاک ﷺ کی ذات گرامی اور قرآن کریم اخلاق کی اصل قرار دیئے گئے تو اخلاق کی ہر وہ شاخ یا اخلاق کا ہر وہ جُز اور کُل جو حبیب پاک ﷺ سے متعلق نہیں ہو گا اور جس کا منشا (نشو و نما جس سے پائی جاتی ہے اور جس پر بنیاد رکھی جاتی ہے) للٰہیت نہیں ہو گی۔ وہ کبھی اخلاق نہیں کہلائے جائیں گے اس لیے کافر کے کوئی اخلاق نہیں۔ "لَيْسَ لِلْكٰفِرِيْنَ اَخْلَاق" But it is only a code of conduct۔

تعلق الٰہیہ کو پیدا کرو تو جڑ لگ جائے گی۔ اخلاقِ الٰہیہ کی جیسے کہ بعض درختوں کا قلم لگتا ہے اور اس کے بعد اس درخت کا تنا، اس کی شاخیں، اس کے پتے، اس کا پھل اور پھول مختلف صورتوں میں نظر آتے ہیں۔ کہیں آم کا مزیدار رَس اور کہیں لکڑی۔ ایک ہی چیز سے مختلف چیزیں نکلتی ہیں تو یہی نوعیت اس شجرِ طیبہ کے درخت کی ہو گی جو للٰہیت کے نتیجہ کے طور پر تمہارے اندر آئے گی۔ میٹھا میٹھا رَس "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" اور کہیں سخت لکڑی "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ"۔[38]

اب جو اللہ کے لیے تعلق ہو گا، ان اخلاق کے نتائج کے طور پر جو معاملات اور اعمال ہوتے ہیں، اُن اخلاق کا ہر مظہر ابتداء سے لیکر انتہا تک اللہ کے لیے ہو گا۔ ظاہر میں مخلوق میں شاغل ہو گا اور حقیقت میں اللہ میں مشغول ہو گا اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے لیے متحرک ہونے میں، داعیہ بننے میں کوئی تھوڑی سی بھی گڑبڑ ہو گی تو وہ عمل توڑ دیا جائے گا۔ پیار کرو تو اللہ کے لیے، بات کرو تو اللہ کے لیے، کھانا کھلاؤ تو اللہ کے لیے اور چھینو تو اللہ کے لیے۔ وہ آپ نے حضرت علیؓ کا مشہور واقعہ سنا ہو گا۔ جنگ میں ایک کافر کے سینے پر چڑھتے ہیں، قتل کے لیے تلوار نکالتے ہیں۔ وہ فوراً تھوکتے ہیں۔ یہ فوراً اُترتے ہیں۔ کہا کہ کیوں؟ کہا کہ "پہلے میں تمہیں اللہ کے لیے قتل کرتا تھا، اب اس میں نفس کا حصہ بھی شامل ہوا اس لیے چھوڑ دیا"۔

---

[38]۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۡ (سورۃ الفتح ۲۹:۴۸) ترجمہ: "محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے لیے سخت اور آپس میں بڑے رحمدل ہیں۔ تم انہیں رکوع سجدہ میں جاتے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندگی کی جستجو میں لگے ہوئے دیکھتے ہو"۔

حضور پاک ﷺ کی جامعیت

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (16 ستمبر 1963ء بعد از نمازِ عصر)

اُمّ القریٰ

مکہ ہے ہی تمام قریوں کی ماں اور سورۃ بنی اسرائیل (سورۃ الاسراء) میں آتا ہے: وَ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۱۵، ۱۶)

ترجمہ: ”اور نہیں ہیں ہم عذاب دینے والے جب تک ہم (نہ) بھیجیں کوئی رسول اور جب ہم نے چاہا کہ ہم ہلاک کریں کسی بستی کو تو ہم نے حکم بھیجا اس کے خوشحال لوگوں کو تو انہوں نے نافرمانی کی اس میں، پھر ثابت ہوئی ہے ان پر بات (عذاب کی) پس ہلاک کیا ہم نے اس کو پوری طرح ہلاک“۔

اگر ہم کسی قوم پر حجت پورا کرنا چاہتے ہیں تو ہم اُس قوم کے دارالخلافہ میں (ماں بستی میں) رسول کو بھیجتے ہیں۔

تو قرآن کریم نے ایک طرف تو یہ بات کہی اور دوسری طرف اس مکہ کو ”اُمّ القریٰ“[39] قرار دیا تو اُس میں حضور ﷺ کو بھیجا۔ تو یوں سمجھئے کہ اگر عالم کا دارالخلافہ ہوتا تو مکہ ہوتا۔ تو گویا عالمی رسول جو آیا وہ اُم القریٰ میں بھیج دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر قوم کی بستی میں رسول بھیجے۔

حضور ﷺ کا زمانہ

ہم جیسے لوگ کہیں کہ ہم حضور ﷺ کے زمانے میں ہوتے تو حضور ﷺ کو دیکھ لیتے لیکن اگر ہوتے اور پھر دوسری طرح ہوتے تو پھر کیا ہوتا اس لیے اگر یہ زمانہ چُنا گیا

---

[39]- لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَهَا۔ (سورۃ الانعام ۶: ۹۲) ”تاکہ آپ مرکزی مقام (مکہ) اور اس کے اِردگرد رہنے والوں کو خبردار کریں“۔

ہمارے لیے تو ہمارے لیے خیر اسی میں تھی تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضور ﷺ کے لیے زمانہ چُنا گیا، ان کے لیے خیر اِسی میں تھی۔ یہ ایسی ویسی بات نہیں کہ جو بھی آئے حضور ﷺ کا صحابی بنے۔ یہ انجن کہے کہ بجلی کے Consume (خرچ) کرنے کے لیے اِتنی پاور کی Capacity (طاقت) ہونی چاہیے۔ زیادہ ہو تو پھر جل جاتا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر لوگ اگر خون دینے لگیں، اُس کے گروپس ہوتے ہیں، وہ اگر نہ ملیں تو پھر خرابی پیدا ہوتی ہے تو جس طرح مادی دنیا میں ہوتا ہے، اسی طرح روحانی دنیا کا حال ہے۔ اگر صحابہؓ نہ ہوتے اور دوسرے لوگ ہوتے تو آپ ﷺ کے نُور کو لینے میں ان کے کلیجے پھٹ جاتے اور حضور ﷺ کی شان یہ ہے کہ جو بھی آیا اپنے اپنے رُخ سے حضور ﷺ کے عطایا میں سے اپنا حصہ حاصل کر لیا۔ ابو بکرؓ آئے اور اسلام سے پہلے ابو بکرؓ میں اور اسلام کے بعد ابو بکرؓ میں اِتنا فرق تھا کہ جو خود اسلام اور کفر میں فرق ہے۔ عمرؓ تو وہی تھے لیکن خود اسلام کے زمانہ میں کہتے تھے کہ "اے عمرؓ! تُو تو وہی ہے کہ پہلے اُونٹ چرانے بھی نہیں آتے تھے"۔

شخصیات کا بنانا

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اسلام کے زمانے میں حضور ﷺ کی صحبت کی عجیب کیفیت تھی۔ جو بھی آتا ہے اس باغ سے اپنا رنگ لیتا ہے اور چمکتا ہے۔ ایک ایک صحابی نے اپنا پورا رنگ لیا۔ اب خالدؓ آئے، ولید بن مغیرہ کے بیٹے تھے جو کہ جنگجو خاندان تھا، اب تلوار اپنے کو بھی کاٹ سکتی ہے اور غیر کو بھی۔ خالدؓ کی تلوار اسلام سے پہلے کافروں کی مدد بن گئی اور جنگ اُحد میں کفار کے قدم جمائے۔ ایک شخص نے بھی خالدؓ کو تلوار سے گھائل نہیں کیا لیکن اسلام کے نُور نے اور محمد ﷺ کے اخلاق نے آپ کو قائل بھی کیا اور گھائل بھی کیا۔

وہ کہتے ہیں کہ "کسی کہ کشتہ نہ شُد از قبیلۂ مانیست" (جو شخص مرا نہیں یعنی متواضع نہ بنا وہ ہمارے قبیلہ میں سے نہیں ہے)۔ ۶ھ میں بات یہ ہوئی کہ جب حضور پاک ﷺ عمر

ے کے لیے مکہ تشریف لے جاتے ہیں اور جنگ کا ارادہ قطعاً نہیں، تلواریں عربی دستور کے مطابق نیام میں ہیں۔ اب لوگ (کفار مکہ) اجازت نہیں دیتے۔ کمال یہ ہے کہ کفار کو ننگے طواف کرنے کی اجازت ہے۔ دستور یہ تھا کہ کپڑوں میں گناہ کی وجہ سے ننگے طواف کرتے تھے سوائے ان کے کہ قریش ان کو کپڑے دیں اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اجازت نہیں کہ طواف کر لیں۔

صلح حُدیبیہ

اصل میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک خواب دیکھا کہ میں کعبۃ اللہ کا طواف کر رہا ہوں۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مع چودہ سو صحابہؓ کے عمرہ کے لیے چلے گئے لیکن اُنہوں نے اجازت نہیں دی اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارادہ جنگ کا نہیں تھا اس لیے حضرت عثمانؓ کو قریش سے بات چیت کے لیے بھیجا لیکن آپؓ کے آنے میں دیر ہو گئی اور اِدھر یہ مشہور ہوا کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر لیا گیا۔ چنانچہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابہؓ سے بیعت لے لی ایک درخت کے نیچے جس کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ چودہ سو آدمی تھے جنہوں نے بیعت کی اور زبانی بیعت نہیں بلکہ اللہ کہتا ہے کہ میں اُن کے دِلوں کا حال جانتا ہوں جو اُنہوں نے بیعت کی[40]۔ آخر معاملہ صلح پر طے ہوا لیکن شرائط اِتنی سخت رکھیں جو بظاہر ایسی تھیں کہ مسلمانوں کے لیے ذلت والی تھیں۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہیں ہو سکا۔ ایک شرط یہ تھی کہ کافروں میں جو مسلمان ہو جائے اُس کو واپس کیا جائے لیکن جو مسلمان اسلام کو چھوڑ دے اس کو واپس نہیں کیا جائے گا تو حضرت عمرؓ نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دامن کو پکڑ لیا اور کہا کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ بیشک ہم حق پر ہیں تو کہا کہ جب ہم حق پر ہیں تو پھر ان ذلت آمیز شرائط کو کس طور منظور کر لیں تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں، اُس کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ اب

---

[40]۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ (سورۃ الفتح ۴۸:۱۸)

جو یہاں سے چلے گئے تو حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور وہی کہا جو حضور ﷺ سے کہا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ جو کچھ حضور ﷺ نے فرمایا وہ حق ہے۔ صدیق کا کمال یہ ہے کہ جو کچھ نبی کے سینے پر آتا ہے ہو بہو صدیق کے سینے پر اُس کا عکس پڑتا ہے۔

اب جو لوٹے تو ایک آیت نازل ہوئی اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ﴿۱﴾ (سورۃ الفتح ۴۸:۱)

کہ اے حضور ﷺ! ہم نے آپ کو کھلی فتح دی۔ صحابہؓ حیران ہوئے کہ یہ کیسی فتح ہے؟ ہمارے حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر فتح سے مراد فتح مکہ ہے تو اُس سے مراد لوگوں کے دِل اسلام کے لیے کھولنے کے ہیں کیونکہ پوری عمر میں اِتنے لوگ مسلمان نہیں ہوئے جتنے کہ اس عرصے میں ہوئے (جتنے کہ ہجرتِ مدینہ سے لیکر ۸ھ تک)۔

اب جو دِل کھلے تو جو لوگ اسلام کے قریب بھی نہیں آتے تھے، وہ آنے شروع ہوئے۔ پہلے جو ٹکراؤ ہوتا تھا تو دشمن دشمن کی خوبی کو بھی خرابی قرار دیتا ہے تو ضد اور دشمنی سے حق واضح نہیں ہوتا تھا اور اب جب اختلاط ہوا تو جو لوگ تلوار سے قائل نہیں ہوتے تھے، اخلاق سے گھائل ہوئے۔ ان میں ایک حضرت خالدؓ بھی تھے۔ اب عمرو بن العاصؓ ملے اور پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ کہا مدینہ اسلام لانے۔ حضور ﷺ کی ذات کاملہ میں ہر قسم کے لوگوں کے لیے انوارات تھے۔ اب خالدؓ کی شجاعت کو حضور ﷺ نے اور چمکا دیا اور صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم میں سب سے زیادہ شجاع حضور ﷺ تھے۔ اب شجاع شجاع کو اپنی طرف کھینچے تو ان کی شجاعت نے خالدؓ کی شجاعت کو چمکایا۔

جنگِ موتہ

جنگِ موتہ ہوتی ہے اور حضور ﷺ خود تشریف نہیں لے جاتے ہیں۔ کافروں کے ساتھ ایک لاکھ کا لشکر ہے اور مسلمان تین ہزار۔ اب حضور ﷺ تین آدمیوں کو مقرر کرتے ہیں۔ لشکر کی سرداری حضرت زید بن حارثہؓ کو عطا فرمائی اور فرمایا اگر وہ شہید ہو جائیں تو

پھر جعفرؓ سردار ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہؓ امیرِ لشکر ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر لشکری جس کو چاہیں اپنا سردار بنائیں۔ اب نبی کی زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ تو ہو چکی ہوتی ہے۔

جب عبد اللہ بن رواحہؓ شہید ہوئے تو خالدؓ امیر قرار دیئے گئے۔ حضرت خالدؓ نے جھنڈا سنبھال لیا اور کافروں کو قتل کرتے ہوئے آٹھ تلواریں اُن کی ٹوٹ گئیں۔ آخر باقی مسلمانوں کو نکال کر نرغے سے لے گئے۔ جس وقت غازیانِ اسلام مدینہ سے سینکڑوں میل دُور مصروفِ جنگ تھے، حضور ﷺ کو اللہ نے اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کرکے فرمایا: زید بن حارثہؓ شہید ہوئے۔ اللہ نے ان کو بخش دیا، پھر جعفر طیارؓ نے جھنڈا لیا اور اُن کے دو بازو جو شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے بدلے دو پَر دیئے اور پھر حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ بھی شہید ہوئے اور پھر اس کے بعد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے جھنڈے کو سنبھالا۔ اس کے بعد آپ کا (یعنی خالد بن ولیدؓ کا) نام سیف اللہ قرار دیا گیا۔ انہوں نے باقی تمام جنگوں میں حصہ لیا لیکن وفات اُن کی بیماری سے ہوئی۔ آخری لفظ اُن کے بڑے عجیب ہیں۔ فرمایا: ”میرے جسم میں ایک بالشت بھی جگہ ایسی نہیں جس میں تلوار یا نیزے کے زخم نہیں ہیں لیکن میں بستر پر جان دے رہا ہوں تو اب بھی یہ بزدل لوگ جنگ میں جانے سے ڈرتے ہیں“۔ اب ایسا کیوں ہوا؟ میں تو کہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی زبان سے اس کے متعلق اللہ کی تلوار (سیف اللہ) کا نام دِلوا دیا تھا اور اگر یہ تلوار کسی جنگ میں ٹوٹ جاتی تو کافریوں کہتے کہ ہم نے خدا کی تلوار کو توڑ دیا۔

مقصد یہ تھا اس بیان سے کہ اللہ نے انسان کو کچھ خاص صلاحیتیں دی ہوئی ہوتی ہیں۔ اگر وہ صحیح طور پر استعمال ہو جائیں تو انسان چمک جائے۔ اب اگر یہی خالد ”نعوذ باللہ“ کفر پر رہتے تو وہ خالد نہ ہوتے اس لیے اللہ کے بندوں نے انسانوں کو یہ دعوت دی کہ اے اللہ کے

بندو! اپنے کو ضائع نہ کرو اور انسان کا ضائع ہونا یہ نہیں کہ اُس سے مال جاتا رہے وہ ضائع ہو جائے بلکہ انسان کا ضیاع اس کی صلاحیتوں کا کھویا جانا ہے۔ انسان کھانے پینے اور دنیا میں زندگی گزار کر چلنے کے لیے نہیں آئے۔ اسی طرح تو گدھا بھی کھاتا ہے اور انسان سے زیادہ کھاتا ہے۔ انسان کا کمال یہ ہے کہ اللہ کا پہچاننے والا اور حضور ﷺ کی سنتوں کو اپنانے والا بنے۔

پہلی چیز جو حضور ﷺ نے فرمائی وہ ہے توحید۔ صحابہؓ ایک اللہ کے ماننے اور ایک اللہ کے جاننے والے تھے۔ ان کو اللہ کے لیے جینا آ گیا اور اللہ کے لیے مرنا آ گیا اور یہی "لَآ اِلٰہَ" کا تقاضا ہے اور یہ چیز سوائے انبیاء کے اور جگہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے معاملات کے پہچاننے والے ہوتے ہیں، اللہ اُن پر کھولتے ہیں۔ نبی کی راہ پر چل کر انسان کو ہدایت نصیب ہوتی ہے اور حق و باطل کی تمیز ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ حق کو بھی پہچان لیتے ہیں اور باطل کو بھی پہچانتے ہیں۔ ان پر انوارات کھلتے ہیں اور دِل کی نورانیت دین والے اعمال سے بڑھتی ہے۔ جتنی بھی ان کی قربت نصیب ہوگی۔ اِتنی ہی بصیرت حاصل ہوگی۔ دِلوں میں جو بینائی آتی ہے، رب کے تعلق سے آتی ہے۔ دِلوں کے پردے ہٹانے کے لیے ایمان کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر جتنا بھی نیک عمل کرو گے، بینائی بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کھلیں گی اور پھر بینائی بڑھے گی۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ دین کی بنیادی چیزوں میں سے ایک کلمہ شہادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اِتنی نصیب ہوگی جتنی کہ حضور ﷺ کے طریقے سے مناسبت ہوگی اور معرفتِ الٰہی بغیر مجاہدے کے نصیب نہیں ہوتی۔ کچھ علم حاصل کرنا پڑے گا، کچھ ذکر کرنا پڑے گا اور پھر "انشاء اللہ" اللہ تعالیٰ راہ کو کھولیں گے۔

اسلام: دینِ کامل

اسلامیہ کالج مسجد پشاور (24 ستمبر 1963ء بعد از نمازِ مغرب)

تکمیلِ دین

عزیزو، دوستو اور بزرگو! ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہدایت کی آخری اور تکمیل کامل اور مکمل صورت ہمارے واسطے قرآن کی شکل میں لیکر آئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے وعدوں کو پورا کرنا تھا، ان کی تکمیل سیدنا حضور پاک ﷺ کی ذاتِ گرامی کی صورت میں ہوئی۔ قرآن میں آتا ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (سورۃ المائدہ ۵:۳)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کیا۔)

دین اور شریعت

یہ ہے انسان کا حال کہ انسان اور نسیان دونوں برابر ہیں تو یہ ہم قافیہ بھی ہیں اور ہم وزن بھی اور انسان کہے کہ مجھے نسیان نہیں ہوتا تو یہ انسان کی جہالت ہے۔ انسان جو کچھ بھی ہے نہ اپنے علم سے ہے نہ اپنی طاقت سے ہے تو خود خداوند قدوس کی ذات کی طرف سے اس پر احسان کیا گیا اور یہ اعلان کرایا گیا "آج کے دِن میں نے تم پر دین کو مکمل کیا اور تمہارے اُوپر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور اسلام کو بحیثیتِ دین کے تمہارے لیے پسند کیا"۔ تو گویا اسلام کا اپنانا اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا ہے۔ انبیاء علیہم السلام آتے رہے اور انسانوں کو دین کا راستہ اپنے اپنے حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق بتاتے رہے۔ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد ﷺ تک دین ایک ہی تھا لیکن شرائع کی شکلیں مختلف رہیں۔ اس

کی مکمل صورت حضور ﷺ پر قرآن کی صورت میں اور آپؐ کے اعمال کی صورت میں ظاہر ہوئی اور سب سے بڑی چیز جو ہے وہ دین ہے۔ نبی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات کو کھولتا ہے۔ وہی اللہ سے بالواسطہ استفادہ کرتا ہے۔ اس کا یقین خداوند قدوس کی ذات پر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تابعداری

وہ اللہ کا جاننے والا ہوتا ہے، اللہ کا خلیفہ اللہ کا نائب بننا ہو تو جس کو دیندار بننا ہو، خدا والا بننا ہو تو کیا وہ جنگل میں بیٹھے گا۔ نہیں بلکہ جو اللہ والا بن جائے وہ تا قیامت حق کے مقام پر فائز ہو گا۔ دین والا وہ ہے جو اللہ کا خلیفہ ہے، اللہ کا نائب ہے۔ دین والا وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کی معیت ہوتی ہے۔ اس کی تمام قوتیں اللہ کے تمام احکام کی بجا آوری میں لگتی ہیں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب شدہ جملہ اُمور کو اپنائے اور اللہ کا تابع بن کر رہے تو اللہ کی مخلوق خود بخود اس کی تابع ہو گی۔ ”وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ“۔(سورۃ الجاثیہ ۴۵: ۱۳)

تو اللہ والا ہو گا تو تمام مخلوق مسخر ہو گی اور اللہ سے کٹے تو تمام مخلوق اُس کی مخالف ہو گی۔ اِسی بنا پر فرمایا کہ اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کر دیا اور یہ تمام نعمتیں جو ہیں اس کو کہتے ہیں اسلام۔ کامل دین کون سا ہے؟ وہ اسلام ہے۔ وہ دین کی انتہائی کمال کی صورت ہے۔ تو جو اسلام والا ہو گا وہ اللہ والا ہو گا اور قرآن والا ہو گا۔

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو ، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

(بانگِ درا، ص ۲۰۳)

اسلام کیا ہے؟

تو اسلام کیا ہوتا ہے؟ کہ اپنی خواہشاتِ نفس کو چھوڑ کر اللہ کے ہر چھوٹے بڑے

حکم کا تابع ہونا ہے۔ اپنی چاہت کو پیچھے پھینکنا ہے۔

اسلام کسے کہتے ہیں، مسلمان کیا ہے؟

عاشقی توحید را بر دِل زدن
و انگھی خود را بہر مشکل زدن

(عاشقی کیا ہے؟ توحید کو دِل کی صداقت سے قبول کر کے ہر مشکل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے۔)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾ (سورۃ البقرۃ ۲:۲۰۸)

اسلام میں پورا پورا داخل ہو جاؤ اور آدھا تیتر اور آدھا بٹیر نہ بنو اور اسلام کا پورا پورا داخل ہونا کیا ہے؟ شیطان کا اتباع نہ کرنا اور شیطان کا قدم کیا ہے کہ اپنے اللہ کے حکم کو چھوڑے اور اپنے نفس کے بھلاوے پر چل پڑے۔ تو اسلام یہ ہوا کہ ہر ایک سے ہٹا کر خداوند قدوس کے احکام کو کلیتاً قبول کرنا ہو گا۔ اب مسلم وہ ہو گا جس کی ذات سے اسلام والے احکام وجود میں آئیں۔ تو سب سے پہلے مسلمان کون ہیں۔ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ذات قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾ (الزمر ۳۹:۱۲)

(کہہ دو کہ مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ میری بندگی خالص اسی کے لیے ہو اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلا فرمانبردار میں بنوں۔)

حضور پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا نقشہ اپنانا

تو اسلام کو جاننا چاہو تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے فعل کو دیکھو، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے حال کو دیکھو، اسلام ان کی ذات سے پھوٹ کر نکلا ہے۔ اسلام کیا ہے حبیب پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ذات اسلام ہے، جس پر چلے وہ اسلام، جس کا حکم دیا وہ اسلام اور جس سے منع کیا وہ اسلام۔ جیسے توحید میں اللہ کا

شریک نہیں اسی طور پر جس شخص کی تابعداری کی جائے وہ حضور ﷺ کی ذات ہے اور جو حضور ﷺ کے نمونے سے منہ موڑ کر کسی اور نمونے کو اختیار کرے گا وہ ہدایت کو چھوڑے گا تو ہدایت حضور ﷺ کے قول و فعل کا نام ہے اور بس۔ تو مسلمان ہونے کے لیے ہم کو جیسے اللہ کا اقرار کرنا پڑے گا، اسی طرح حضور ﷺ کا اقرار کر کے آپ ﷺ کے طریقے کو اپنانا ہو گا تو محمد ﷺ کا کلمہ پڑھنے کے بعد تو اُن کی ہیئت کامل طور پر وجود میں نہیں آئے گی۔ بہت کیا کہ حضور ﷺ کے اعمال تم میں آجائیں۔ بلاتشبیہہ عرض کرتا ہوں کہ ایک ڈرائنگ والا جیسے اپنے ماڈل کو سامنے رکھتا ہے اور اس کا نقشہ بناتا ہے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ اس کا نقشہ لے لو۔ حضور ﷺ کی ذات پوری انسانیت کی رہنمائی کے لیے ایک مکمل نمونہ ہے تو جو بھی آکے کسی رُخ کو اپنائے گا تو اس کے اندر حضور ﷺ والی نسبت آئے گی۔ حضور ﷺ والی ذات انواراتِ الٰہیہ اور انواراتِ قرآنیہ کا پورا پورا مجموعہ ہے جس نے آپ کو اپنایا، اس کے دل کے اندر اللہ پاک کے انوارات آئیں گے اور خداوند قدوس کی اُن باتوں کو سمجھ لے گا جو کہ ایک عام شخص نہیں جان سکتا۔ کبھی سرچ لائٹ دیکھی ہو گی جو کہ عام لوگوں کی آنکھوں پر پڑ جائے تو آنکھیں چندھیانے لگیں تو حضور ﷺ ایک شعاعِ نُور ہی ہیں۔ تو وہ چمک رکھے، اب ہم اسلام کو جتنا بھی لیں گے، ہم چمکیں گے اور صرف چمکنے والے نہیں بنیں گے بلکہ اوروں کو چمکانے والے بن جائیں گے۔ کہا گیا ''سِرَاجًا مُّنِيْرًا'' صرف ''روشن'' نہیں بلکہ ''روشن گر'' ہیں تو جو آپ کے انوارات کو پائے گا وہ خود روشن ہو گا اور اوروں کو بھی چمکائے گا تو حضور ﷺ کے انوارات کو پانے کے لیے حضور ﷺ کے خاکے کو اپناؤ اور پھر اس نمونے کو عام اور تام کرنے کے لیے اوروں میں محنت کرو تو حضور ﷺ کی ذات، اپنی ذات سے تو وہ کامل اور اکمل تھے ہی لیکن انہوں نے کوشش کی کہ ''پاکی'' کے خاکے کو عام کرو۔ میں ہوں اسلام والا لیکن اسلام صرف میری

ذات تک نہ رہے بلکہ عام ہو جائے تو اس دعوت، اس پیغام کو تبلیغ کہتے ہیں۔ تو تبلیغ کیا ہے؟ اپنے کو نیکی پر لانا اور دوسروں کو نیکی کی دعوت دینا ہے۔ صرف خود اللہ والے نہ بنو بلکہ اس نورانیت محمدیہ کو لیکر بڑھو اور دوسروں کو چمکاؤ۔ یہ اُمت تو اللہ والی اُمت ہے، محمد ﷺ والی اُمت ہے۔ وہ کسی والی بات:

بڑے شوق سے سُن رہا تھا زمانہ
ہم ہی سو گئے داستان کہتے کہتے

غیروں کے خاکے

غیروں کے خاکے ہماری نگاہوں میں ایسے چمکے کہ ہمارا مقصد واپس لیا گیا حالانکہ مومن کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دین کو لے لے، دُنیا آئے یا نہ آئے۔ اگر دین کے راستے کو چھوڑ کر دُنیا کو مقصد بنالیا تو دنیا آئے گی نہیں اور دین بھی چھوٹ جائے گا اور اگر دین کو مقصد بنا کر حضور ﷺ کے طریقے کو اختیار کیا تو دُنیا ناک رگڑتی ہوئی پاس آئے گی۔

تو تم تو اللہ پاک کے نائب ہو، حضور ﷺ کے نائب ہو، تمہارے ظاہر و باطن کے خاکے حضور ﷺ والے خاکوں کے مطابق ہو، تمہارے رہنے سے مدینے کے خاکے عام ہوں، ہماری ذاتوں سے اسلام والے خاکے نہ آئیں اور ہم اسلام والے ہوں اور غیروں کے خاکے ہم سے چمکیں اور ہم اسلام والے ہوں اور محمد ﷺ کا دین ہماری وجہ سے غریب، وہی دین جو کہ چند لوگوں سے تمام دُنیا میں چمکا، وہی دین اب ساٹھ کروڑ کی تعداد میں اب ناآشنا ہو گیا۔ ہم جو کہ اسلام کے علمبر دار تھے، اس علم کو چھوڑ دیا اور کفر کے جھنڈے کو تھام لیا۔ اس کی تہذیب کو، خیالات کو اپنالیا۔

ہم تم کو تمہاری پڑھائیوں سے نہیں نکالتے لیکن کہتے ہیں کہ تمہاری ڈاکٹری انجینئری وغیرہ تمہارے اسلام کو ختم نہ کرے۔ کفر کے سانپ تمہارے اندر نہ گھسیں اور جنت

سے نکال نہ لیں، شیطان کے طریقے تو بدلے نہیں بس وہ ہمارے باپ کو تو جنت سے نکال سکتے اور تم کو نہیں بہکا سکتے۔ تم کو تو اللہ نے حضور ﷺ کا طریقہ دیا اور یہ وہ جنت ہے کہ جس کے برابر کوئی جنت نہیں۔

ہم تو کہتے ہیں کہ اپنے دِل میں یہ عہد کرو کہ ہم جہاں رہیں گے اسلام والے رہیں گے، ہم یہ نہیں کہتے کہ تم مسلمان نہیں ہو بلکہ کہتے ہیں کہ تم مسلمان ہو اور یہ ایک حقیقت ہے لیکن بحیثیت مسلمان اسلام کے علم کو بلند کرو، اسلام کو اپنے اخلاق اور کردار سے ظاہر کرنے کی کوشش کرو۔ تم جہاں بھی رہو، اسلامی تشخص کے ساتھ رہو۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے رُخ پر آجاؤ لیکن ہم ضرور کہتے ہیں کہ اسلام کے شیر بنو۔ جیسے شیر کو دیکھ کر سینکڑوں آدمی بھاگ جاتے ہیں، اس کا راستہ نہیں روک سکتے۔ تم ایسے بنو کہ تمہاری زندگیوں سے دین پھیلے، تمہاری زندگیوں سے دین پھوٹے تو اس کے لیے عہد کرتے ہوئے دین کو سیکھ لیں۔

دین اور دُنیا میں مہارت

تو میں آپ کو یہ کہوں کہ جب یہاں آئے ہو تو اپنے اندر ایسا درد اور فکر پیدا کرو کہ جہاں دُنیا کی ڈگری حاصل کرو وہاں دین کی پیاس اور تڑپ بھی پیدا کرو تو اسی طرح یہاں کا یہ رہنا بھی دین کی ترقی کا باعث بنے گا اور میرا یہاں اسلامیہ کالج میں چودہ نمبر مکان ہے تو یہاں خود آؤ اور دوسروں کو لایا کرو اس لیے نہیں کہ میری باتوں کو سُنو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب دو آدمی متفکر ہو جائیں تو اثر زیادہ ہوتا ہے اور آج کل تو کیا بارہ آدمی ہوتے ہیں اور ایک ریفری شریف موجود ہوتے ہیں۔ کل بارہ آدمی ہوتے ہیں تو تماش بین کتنے ہوتے ہیں، اس کے علاوہ گشت بھی ہوتے ہیں کہ دس بارہ آدمی مل گئے اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے حضور ﷺ کی تابعداری میں اللہ کی رضا کے لیے اللہ کے بندوں کے پاس گئے۔ اس کو گشت کہتے ہیں۔ یہ کالج کے جتنے ہاسٹل ہیں، اس میں چاہا تو اپنے بھائیوں کو دین کی بات کہنے کے لیے ملیں اور دیکھو

لوگ تو دُنیا کے لیے منت کریں اور اس پر نہ شرمائیں اور ہم دین پر شرمائیں، دین تو فخر کی چیز ہے جس میں بھی آجائے وہ تو فخر کرے۔ دین کی بات کرو گے تو اللہ کے نزدیک چمک جاؤ گے۔ آسمانوں والوں کو تم زمین کے ستارے نظر آؤ گے اور اگر دُنیا والے بُرا کہیں تو کیا ہو گا۔ تم اللہ کے محبوب بن جاؤ اور تمام دُنیا تجھے بُرا کہے تو کیا ہو گا۔ یہ سارے وسوسے ہی ہیں۔ دیکھو دین شرمانے والی چیز نہیں بلکہ فخر کرنے والی چیز ہے۔

حضور پاک ﷺ کا مقام اور آپؐ کے چار حقوق

گنج علی خان مسجد میں شبِ جمعہ کا بیان (26 ستمبر 1963ء، 6 بجکر 50 منٹ بعد از نمازِ مغرب)

انسانی کمزوریاں

عزیزو، بزرگو اور دوستو! انسان کی کائنات اپنی ذات کی حیثیت سے سوائے محتاجی اور بے بسی کے کچھ نہیں۔ انسان اپنی ذات کے لحاظ سے کچھ نہیں کر سکتا جب تک کہ توفیق الٰہیہ ساتھ نہ ہو۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے اس کو نیستی سے ہستی میں لاکر اس کو اپنی نعمتوں سے نوازا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنی پیدائش کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے تو اسی طرح اس کی استعدادوں کو اگر موقع پر استعمال نہ کیا جائے تو اس کی روحانیت کی ترقی نہیں ہوتی۔ روحانیت کیا ہے؟ اور اس کے واسطے سے انسان کیا حاصل کر سکتا ہے؟ تو انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور اس کو کھولتے ہیں اور جو انسانوں کے ذہنوں سے اُونچی چیز ہوتی ہے، اس کے متعلق کہتے ہیں کہ تم اس کو سمجھ نہیں سکتے بلکہ جو ہم کہیں اس کو کرتے جاؤ۔ تو یہودی آئے اور حضور ﷺ سے روح کے متعلق پوچھا تو فرمایا: قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ وَ مَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۸۵﴾ (سورۃ الاسراء ۸۵:۱۷) (روح میرے پروردگار کے حکم سے (بنی) ہے اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بس تھوڑا سا علم ہے۔)

روح کی حقیقت

”تو کہہ دیجئے کہ روح اللہ کا امر ہے“۔ حکم جو ہے وہ فائز ہو گیا اور اس کے فائز ہو جانے کے نتیجے کے طور پر چیزوں میں جان پڑ گئی ہے جیسے کہ بجلی کی فٹنگ کرتے ہیں لیکن جب رو اور کرنٹ کو نہیں چھوڑیں گے تو تمام بیکار ہو جائے گا۔ اسی طرح روح کا حال ہے۔ جب اللہ اس کو فائز کر دیتے ہیں تو حیات پیدا ہو جاتی ہے تو انسان پورے طور پر روح کے ”علم“ کو کہ کیسے اس کا وجود آیا، سمجھ نہیں سکتا تو فرمایا: کہ تم بس یہ سمجھو کہ یہ امرِ الٰہی ہے۔ اگر اس کی

مزید تحقیق کرنا چاہو تو سمجھ نہیں آئے گی کیونکہ یہ عالم خلق ہے عالم امر نہیں۔ تم قبروں کے ظاہر کو جان سکو گے۔ ان کی حقیقت کو نہیں جان سکتے۔ تم جاننے کی کوشش کرتے ہو تو حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے جاننے کے تم دعوے کرتے ہو لیکن اس کی حقیقت تک تمہاری رسائی نہیں ہوئی۔ تم اس کے مادے کو جانتے ہو، اس میں خاصیت کو جانتے ہو، اس میں یہ خاصیت کیوں ہوگئی تو اس کو نہیں جانتے۔ آگ کیوں جلاتی ہے؟ پانی کیوں ڈبوتی ہے؟ ہم اس کو نہیں جانتے تو روحانیت کو کیسے جانو؟ تم یہ تلاش نہیں کر سکتے کہ پانی کیوں ڈبوتا ہے۔ حالانکہ تم ایسی چیزوں کو پیدا کرتے ہو کہ اس سے استفادے کی صورت ہو جائے۔ اسی طرح آگ سے بچاؤ کی صورت پیدا کرتے ہو تو اس طرح مان لو کہ روحانیت ایک امرِ الٰہی ہے اور یہ روحانیت ہر چیز کے وجود میں دوڑ رہی ہے جیسے کہ تمہارے وجود میں۔ یہاں سے سورج کروڑوں میل دُور ہے لیکن یہاں اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی تپش سے کوئی بیج نکالتی ہے تو سوئی اُٹھتی ہے تو اسی طرح کائنات کا آپس میں کامل جوڑ ہے۔ روحانیت کا پورا پورا نظام ہر چیز میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ مٹی میں بھی روحانیت ہے، پتھر میں بھی روحانیت ہے اور ہر چیز میں روحانیت ہے اور یہاں کہ کُتّے اور سُور میں بھی روحانیت ہے اور یہ روحانیت اللہ کے امر کے ساتھ قائم ہے۔ جس طور پر سورج کی شعاع سے کوئی چیز گرمائش حاصل کرتی ہے، اسی طرح ہر ایک چیز اللہ کی ذات سے ایک تعلق رکھتی ہے۔ اب ان تمام چیزوں کی سردار روحانیت انسان کو عطا کی گئی ہے۔ اگر یہ کامل ہو جائے تو نہ صرف چاند اور ستارے بلکہ ملائک تک سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط (سورۃ الجاثیہ ۴۵:۱۳) (اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اُس سب کو اُس نے اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔)

روحانی تربیت اور انبیاء علیہم السلام

یہ جسم کو نہیں جھکتے بلکہ روح کو جھکتے ہیں۔ یہ روحانیت کیسے پیدا ہوتی ہے؟ وجود میں

تو آتی ہے لیکن جیسے وجود کو ٹھنڈک اور گرمائش اذیت پہنچاتی ہے یا خوراک اور پانی وغیرہ سے کمی واقع ہوتی ہے تو اسی طرح روحانیت بھی کچھ چیزوں کا تقاضا کرتی ہے اور کچھ سے بچاؤ چاہتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے روحانیت کو اس دنیا میں پھیلا دیا ہے۔ تم اپنی جسم کی ضروریات کو زمین سے حاصل کرتے ہو، اسی طرح جسم کی تربیت کے لیے اللہ نے زمین اور آسمان والی چیزوں کو بنایا تو روحانیت کی ضروریات کے پورا ہونے کے نظام کا زمین و آسمان سے تعلق نہیں۔ وہ انبیاء علیہم السلام کا نظام ہے، انبیاء علیہم السلام کے نظام میں تمام انسانوں کی جملہ ضروریات کے پورا ہونے کی جگہ ہے۔

آسمانہا ست در ولایت جان
کار فرمائی آسماں جہاں

(ولایت جان میں بہت سارے آسمان موجود ہیں جو اِس دنیا کے کاروبار کو چلائیں تکوینیات کے رُخ سے۔)

روحانیت کے عالم میں بھی وہ چیزیں ہیں کہ اگر تمہارا قلب زندہ ہو جائے تو وہ حقائق منکشف ہوں گے اور تمہیں یقین آجائے کہ روحانیت کی جملہ ضرورتیں انبیاء علیہم السلام والے اعمال سے پوری ہوتی ہیں۔

روحانیت کا دروازہ

جس طرح کہ بچہ دنیا میں ماں کے پیٹ کے ذریعے داخل ہوتا ہے۔ اِسی طرح عالم روحانیت میں داخل ہونے کا دروازہ کیا ہے؟ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ یعنی روحانیت کا دروازہ اُس شخص پر کھلے گا جو کہ اللہ اور اس کے رسولوں کو اپنانے والا ہو اور حضور ﷺ کی لائی ہوئی چیزوں کے قبول کرنے کا ارادہ کرے جیسے کہ کسی گھر کے دو پھاٹک ہوتے ہیں اور ان سے دروازہ کھل جاتا ہے تو یہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ" روحانیت کے عالم کے دو پھاٹک ہیں، داخلہ ہو جائے گا

لیکن یہ معنی نہیں کہ تمام چیزوں کا مالک ہو جائے گا۔ جس نے یہ کہا "مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ"۔(البزار عن ابی سعید بحوالہ الجامع الصغیر) جنت میں داخل ہو جائے گا، چاہے پہلے ہو اور چاہے بعد میں۔ تو یوں کہا جائے گا کہ تُو نے دُنیا کو چھوڑا اور دین کو لیا اور محمد رسول اللہ کی رسولیت کا یقین کر لیا۔ یہ دونوں حقیقتیں اگر نکل جائیں تو انسان انتہائی پستی پر پہنچ جائے۔ جہاں ہم پر اللہ کی الٰہیت نہیں کھلتی، محمد ﷺ کے علوم ہم پر نہیں کھلتے، طریقہ کار نہیں کھلتا۔ آپ جو دین لیکر آئے، ہم میں اگر ان علوم کا اور حقائق کا انکشاف ہو جائے کہ حضور ﷺ کیا لائے اور کیا کھولا تو وہ روحانیت کے انتہائی مقام پر پہنچ جائے۔

فرضیتِ نماز

موٹی سی بات ہے، نماز کے متعلق کہا جاتا ہے اور حق کہا گیا کہ سب سے پہلا فریضہ نماز ہے اور سب سے پہلی آیت جو مکہ میں اُتری "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ"۔ (العلق:۹۶،۱) (پڑھو اپنے پروردگار کا نام لیکر جس نے سب کچھ پیدا کیا۔) اور پھر "یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ"۔ (المدثر: ۷۴، ۱۔۳) (اے کپڑے میں لپٹنے والے، اُٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو۔) کے متعلق حضرت امام اعظمؒ کہتے ہیں کہ اس سے نماز فرض ہوئی اور یہ جو کہتے ہیں کہ نماز دس سال کے بعد فرض ہوئی، وہ موجودہ ہیئت کے لحاظ سے کہتے ہیں ورنہ اِس سے پہلے بھی کلمہ کے بعد نماز فرض ہوئی۔ سورۃ مزمل سے حضور پاک ﷺ اور صحابہؓ کو نماز کا حکم واضح ہے اور ابو بکرؓ کے بارے میں قرآن کا پڑھنا ثابت ہے لیکن نماز کی موجودہ ہیئت اور صورت بعد میں ہوئی اور نماز ابتدا سے فرض ہوئی۔ عرض کرنے کا مدعا یہ ہے "اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ"۔

(یہ حدیث نہیں کسی بزرگ کا قول جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی)

"نماز عروج ہے مسلمان کا"، انسان اس سے انتہائی ترقیات پر پہنچ جاتا ہے اور سورۃ

"العلق" میں بھی اس امر کا انکشاف ہے کہ انسان سجدے کی حالت میں انتہائی قرب کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ انتہائے عمل نماز اور ابتدا بھی نماز۔ سب سے پہلے ڈیوڑھی اسلام کی نماز ہے۔ اس کے اندر اللہ نے اِتنی روشنی رکھی ہے کہ ابتدائے عمل اگر نماز نماز بن جائے تو انسان انسان بن جائے۔ انسان وہ نہیں جو ہاتھ پاؤں اور سر رکھتا ہے بلکہ انسان وہ ہے جس کی روح انسان بنی ہو اور اگر اس کی روح خچر اور گدھا بنی ہو تو وہ چوپائیوں سے بھی بدتر ہے۔ وہ انسان جنہوں نے اپنی روحانیت کو چوپائیوں کے رُخ پر ڈالا، جنہوں نے خدا پر کوشش نہیں کی، انبیاء علیہم السلام کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ جو انبیاءؑ والے اعمال سے کٹ گئے ہمارے نزدیک وہ انسان کہلائیں لیکن اللہ کی فہرست میں وہ چوپائیوں سے بھی بدتر ہیں، جانوروں میں چیزوں کو پرکھنے والی قوت نہ تھی، انسان کو اس لیے نہیں پیدا کیا کہ غرض میں تو خوب بولتے رہو اور حق کی بات میں گونگے شیطان بن جاؤ۔ حق کی بات ہو تو گونگا بن جاؤ اور باطل کی بات ہو تو خوب چلّاؤ۔ پاؤں اس لیے نہیں کہ دنیا کی بات کے لیے خوب چلتے رہو اور حق کی بات ہو تو زمین سے لپٹ جاؤ، دِل اس لیے نہیں دیا گیا کہ دنیا کی تمام کثافتوں کو اس میں سماؤ اور اللہ کے انوارات کا ایک ذرہ بھی اس میں نہ آئے۔ اللہ نے پہلے ہی یہ کہا کہ "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً"۔(البقرة: ۲،۳۰) (اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جبکہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔) تم اس لیے نہیں ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر تمہارا رُخ کبھی چاند کی طرف ہو، کبھی ستاروں کی طرف ہو اور زمین کے اندر سے اللہ کے دیئے ہوئے خزانے نکالو اور کہو کہ تمہارا مقصد پورا ہو گیا۔ تم اللہ کے خلیفہ ہو اور اللہ کا خلیفہ وہ ہو گا جس کو معرفتِ الٰہیہ نصیب ہو۔ جب تک تم عارفِ ربانی نہیں بنو گے تو خلافت الٰہیہ کا حق ادا نہیں ہو گا۔ معرفتِ الٰہیہ کا سب سے پہلا قدم طاعت الٰہیہ ہے۔ تمہارے اعضاء اور چلنا پھرنا اللہ کے ہاتھ میں ایسے ہو جیسے کہ پتلی ہوتی ہے تمہارا ظاہر و باطن اللہ کے اوامر کے ساتھ ہو۔

پھرتا ہوں پھیرتا ہے وہ دلربا جدھر
پتلی کی طرح میں نہیں ہوں اختیار میں

حضور پاک ﷺ کی روحانیت

تو عرض کر رہا تھا کہ خلافت کی راہ کا پہلا قدم معرفتِ الٰہیہ ہے اور اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے ان طریقوں سے جو انبیاء علیہم السلام آ کر کھولتے ہیں۔ حضور ﷺ تشریف لائے اور آپ کی روحانیت انسانیت کے لیے انتہائی کمال ہے۔ آپ نے جو روحانیت دی وہ جملہ انبیاءؑ کی مجموعی روحانیت پر بھی مستزاد ہے۔ اُمت کا جو فرد بھی حضور ﷺ کی نورانیت سے مستفید ہو گا اُس میں جملہ انبیاءؑ کی روحانیت کا پَرتو ہو گا، کسی کی روحانیت کسی کا ظل اور سایہ ہوتی ہے اور کسی کی روحانیت عین ہوتی ہے یعنی محمد ﷺ کی روحانیت اپنی ذات کے لحاظ سے اِتنی کامل ہے کہ وہ اللہ کے سوا اپنی ذات میں کسی اور کی محتاج نہیں۔ جب روحانیت محمدیہ کسی کے قلب پر فیضان کرتی ہے تو اس کا دِل بھی متجلیٰ ہو جاتا ہے، وہ چمک اُٹھتا ہے۔ سورج کی شعاع ایک نہیں ہوتی بلکہ ہزاروں ہوتی ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کی روحانیت تمام انبیاءؑ کو لیے ہوئے ہے، ان کا ظہور بعد میں ہے، پیدائش پہلے ہے بعض روایات میں قلم اور بعض میں قلم سے پہلے آپ کو پیدا کیا گیا "اوّل ما خلق الله نوری" (سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا۔) اور فرمایا: "اِنی عبد الله فی اُم الکتاب لخاتم النبیین، وأن اٰدم لمنجدل فی طینته"۔ (مسند امام احمد بن حنبل: ج۵، ص۱۲۷) (اور میں اُم الکتاب میں خاتم النبیین اور اللہ کا بندہ مقرر کیا گیا تھا اور آدم علیہ السلام کی ابھی پیدائش نہیں ہوئی تھی۔)

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ آپ خاتم النبیین قرآن کے لحاظ سے ہیں جو درست ہے، حق ہے اور بالکل ٹھیک ہے اور حضور ﷺ نے خود فرمایا: "اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا رَسُوْلًا" تو "اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ" کافی ہے جیسے کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کافی ہے لیکن مزید تاکید کے لیے "وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ" بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح یہ فرمایا

''وَلَا نَبِيًّا بَعْدِیْ وَلَا رَسُوْلًا'' تاکہ بروزی، ظلی وغیرہ کی گنجائش نہ رہے اور ایک حدیث میں فرمایا گیا ''سَيَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ كَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ''۔(الدار المنثور: ج۵، ص۳۹۸)

جھوٹے نبیوں کے آنے کی پیش گوئی

''تیس آدمی ایسے پیدا ہوں گے جو کہ اپنے کو نبی سمجھیں گے لیکن وہ جھوٹے ہوں گے حالانکہ میں اللہ کا آخری نبی ہوں تو جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ دجال ہو گا، جھوٹا ہو گا، ان کی نبوت اللہ کے نزدیک جھوٹی ہو گی اور زیادہ دیر تک چلے گی بھی نہیں۔ حضور ﷺ کے سامنے جو کہ شمس الرسالۃ ہے اُس سے زیادہ ناآشنا اور بے عقل کوئی نہیں ہو سکتا جو کہ ایسے اشخاص کی پرستش کرے جن کا دین تعفن اور گندگی کے لحاظ سے اہل عالم پر کھل جائے تو اہل دنیا اس کے تعفن سے مر جائیں لیکن اللہ ایمان بالغیب کی حکمت کی بنا پر ایسی باتوں کو ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ نُورِ نبوت محمدیہ کو کھول دیں تو تمام دُنیا ایمان لے آئے جیسا کہ سورج کے آنے سے اندھیرا رخصت ہو جاتا ہے۔ طوعًا و کرھًا ختم ہو جاتا ہے تو میں کہہ رہا تھا کہ ایک معنی میں یہ درست ہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں۔ زمانے کے لحاظ سے اور اس کے بعد کوئی نبی زمانے کے لحاظ سے آنے والے نہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کی نبوت پورے عالم پر پھیلی ہوئی ہے کسی شخص کو نئی نبوت نہیں دی جائے گی۔ اگر کسی کو پہلے ملی ہے تو وہ بحال رکھی جائے گی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار ہم نہیں کرتے۔ وہ حضور ﷺ کے زمانے میں آئیں گے لیکن ان کی نبوت حضور ﷺ کے بعد کام نہیں کرے گی جبکہ آپ کے تابع نہ ہو اس لیے فرمایا ''لَوْ كَانَ مُوْسٰی حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اَتِّبَاعِیْ''۔(رواہ احمد والبیہقی) اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو حضور ﷺ کی اتباع کے بغیر اور گنجائش نہ ہوتی جیسے کہ حضور ﷺ معراج تشریف لے گئے اور خواب میں نہیں بلکہ بحالتِ بیداری جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے تو فیصلہ وہاں کیا گیا۔ احادیث میں آتا ہے کہ

حضور ﷺ جب مسجد اقصیٰ پہنچے تو آپ کو انبیاء علیہم السلام کا امام بنایا گیا۔ حضور ﷺ امام تھے اور باقی سب کے سب مقتدی تھے۔ گویا یہ اس کا اعلان تھا کہ ہر ایک کی مستقل نبوت ختم ہوئی، اُن کے طریقے منسوخ ہوئے تو جیسے تمام نبیوں نے حضور ﷺ کا اقتدا کیا اس لیے ان کے اُمتی اگر حضور ﷺ کا اقتدا کریں تو ٹھیک ہے ورنہ غلط۔ اب جو حضور ﷺ کے طریقہ ہدایت کو اپنائے گا وہ راہِ راست پر ہو گا، باقی طریقوں سے نجات کی صورتیں منقطع ہو گئیں۔ اب اگر کوئی دوسرے نبیوں کا متبع اگر اُس پرانی شریعت کا بھی اتباع کرے تو ان کی نجات اُن شریعتوں سے نہیں ہو گی۔ جیسے مقتدی کہ امام کے پیچھے نیت باندھنے کے بعد کوئی نیا عمل کرے تو نماز مقبول نہیں ہو گی۔ اسی طرح اُن اُمتوں کو اب جو کچھ ملے گا حضور ﷺ کے طریقے سے ملے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جب تشریف آوری ہو گی، آپ کے اُوپر دو چادریں ہوں گی اور آپ کے پٹھوں پر ایسا پانی ہو گا جیسا کہ کوئی نیا نیا غسل کر چکا ہے تو امام مہدیؒ پیچھے ہٹنا چاہیں گے لیکن آپ فرمائیں گے "وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ"[41]۔ (اور امام تم میں سے ہو گا۔) تو گویا اللہ نے پہلے سے ایک راستہ مقرر کیا ہے، اُسی پر چلنا ہے، اسی سے پہلے جتنی بھی کھڑکیاں تھیں وہ بند کر دی گئیں۔ بلا تشبیہ عرض کرتا ہوں کہ حبیب پاک ﷺ کا جب وصال ہونے لگا تو فرمایا کہ سوائے ابو بکرؓ کے دروازے کے تمام کھڑکیاں جو مسجد نبوی کی طرف کھلی تھیں بند کر دی جائیں۔

رحمت عالمین

حضور ﷺ کے زمانے سے لیکر قیامت تک جس کو بھی ملا اور جس کو بھی ملے گا وہ حضور ﷺ کے ذریعے سے ملے گا تو جس طرح حضور ﷺ کی رسالت زمانے کے لحاظ سے قائم ہے اسی طرح مکان کے لحاظ سے بھی قائم ہے۔ قرآن میں آتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا

[41]۔ ان ابا هريرة قال قال رسول الله ﷺ كيف انتم اذا نزل ابن مريم فيكم و امامكم منكم۔ (بخاری، حدیث: ۳۱۹۳)

رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (سورۃ الانبیاء: ۲۱، ۱۰۷) (اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لیے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔) آپ کی ذات کو تمام عالموں کے لیے رحمت بھیجا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک عالم کے لیے بلکہ جتنے بھی عالم ہیں، حضور ﷺ کا فیضان تمام عالموں میں ہو گا، آپ کی رحمت کے پَر تو وہاں پڑیں گے۔ اگر کوئی مخلوق چاند میں بھی بستی ہے، وہ رحمتِ محمدیہ ﷺ سے مستفید ہو گی، سورج والے، چاند والے اور جنت والے بھی آپ کی رحمت سے لیں گے۔ اس کا کیا کہنا اُس پر تو خاتمہ ہو گیا۔ وہ بقول سیٹھی صاحب گاجر مولی پڑھ جاؤ گے تو پریذیڈنٹ بن جاؤ گے تو یہ حال ہو گا کہ جیسے ہوا بند ہو جائے تو سانس ختم ہو جائے تو بس زندگی بھی ختم ہو گی۔ تمام کینیڈیت اور خروشوفیت ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح انسانی مقام کا بھی آپ پر خاتمہ ہے، اُوپر خالق اور اور نیچے سید الانبیاء۔ تو مرتبے کے لحاظ سے ختم المرتبت ہیں اور ہمارے حضرت (سید سلیمان ندویؒ) کے قول کے مطابق کہ ہمارے حبیب پاک ﷺ کا درجہ اِتنا اُونچا ہے کہ ایک بال کے برابر اُوپر کرو گے تو اولوہیت میں داخل ہو گئے اور اگر ایک بال کے برابر نیچا کرو گے تو اپنا ٹھکانہ کہیں اور بناؤ گے اور اب تو نعت کہنا سب سے مشکل بات ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ہزار بار بشویم دھن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمالِ بے ادبی است

(اگر میں اپنا منہ ہزار بار مشک و گلام سے دھوؤں تو تیرا پاک نام لینا اب بھی بے ادبی نظر آئے۔)

ہماری زندگیاں کیوں نہیں بن رہی ہیں، استخفاف کی بنا پر۔ سورۃ الحجرات اور دوسری سورتوں کو دیکھو خاص احکام آئے ہیں حضور ﷺ کے متعلق۔ حضور ﷺ کے سامنے اپنی آواز اُونچی نہ کرو ورنہ تمہیں پتہ نہیں ہو گا اور تمام اعمال ضائع ہوں گے، انبیاء میں خاص الخاص ہیں۔

تو بات اِس پر چلی تھی کہ مرتبے کے لحاظ سے سب سے اُونچا اور انبیاء علیہم السلام میں رسالت کے لحاظ سے سب سے اُونچے اور روحانیت کے لحاظ سے بھی اُونچے۔ تو حبیب پاک ﷺ کی نسبت سورج کی طرح ہے اور سورج کی ایک شعاع نہیں ہوتی تو جب حضور ﷺ کی نورانیت کی شعاع جو نکلتی ہے اس میں تمام نبیوں کی نسبت ہوتی ہے تو جب نسبت محمدیہ کا قرب ہو گا تو تمام انبیاء علیہم السلام سے قربت ہو گی۔

نسبت محمدیہؐ کیا ہے؟ خداوند قدوس کی صفات کا سب سے بڑا مظہر حضور ﷺ کی ذات ہے۔ جس طرح کوچے میں سورج آ نہیں جایا کرتا بلکہ اس کا پَرتو آیا کرتا ہے، اِسی طرح صفاتِ ربانی کا پَرتو حضور ﷺ کے قلب اقدس پر ٹھہرتا ہے تو خلافتِ الٰہی کا پہلا قدم معرفتِ الٰہی ہے اور یہ معرفت کھلتی ہے حضور ﷺ کے طریقے پر چلنے سے۔ اب جب آپ ﷺ کے اعمال کو لے لو گے تو اللہ کی معرفت کھلے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنا بناتا ہے اور دونوں عالم دیتا ہے لیکن تیرا دیوانہ دونوں عالم کو لے کر کیا کرے گا۔

دیوانہ کنی وھر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

(تو اُسے اپنی محبت میں دیوانا بن لیتا ہے اور پھر دونوں جہاں بخشی دیتا ہے تو جب آپ کا دیوانا ہو جائے اب وہ دونوں جہاں لیکر کیا کرے گا۔)

خدا کی رزاقیت کی قوت تمہارے پاس ہو گی اور اللہ تبارک و تعالیٰ جتنا بھی چاہیں اور جیسے بھی چاہیں، تمہیں دیں گے۔ تو بات یہ تھی کہ خلافتِ الٰہیہ کے لیے حضور پاک ﷺ کو اپنانا پڑے گا۔ اب حضور ﷺ کی معرفت کو کیسے لیا جائے؟ آپ ﷺ کی نسبت کو لینے کی کیا صورت ہے؟ دیکھو! ہر چیز کا کچھ نہاں ہوتا ہے، کچھ عیاں ہوتا ہے اور کچھ بیاں ہوتا ہے۔ دیکھنے والے تو عیاں کو دیکھ کر قائل ہو جائیں، یہود کے عالم تھے عبد اللہ بن سلام۔ جب حضور ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تو چہرے کو دیکھتے ہی کہنے لگے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ ہو ہی

نہیں سکتا تو اس کا چہرہ جس کے اندر نبوت متوصل ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے ''محمد'' کا ترجمہ سراپائے خوبی کیا ہے۔ وہ ہمارے حضرت کا شعر ہے:

تُو ہے مجموعۂ خوبی و سراپائے جمال
کون سی تیری ادا دِل کی طلبگار نہیں

اگر آج ہماری آنکھیں ہوتیں اور ہمیں روحانیت سے معمولی حصہ بھی نصیب ہوتا تو حضور ﷺ کی معمولی سنت پر بھی جان دیتے۔ دوسرے آئینوں کو سامنے نہ رکھتے بلکہ محمد ﷺ کی سنتوں کو اپنا مشعل راہ بناتے۔ دیکھو نبی کا ذوق سب سے زیادہ اعلیٰ ہوتا ہے۔ وہ جس چیز کو محسوس کرتا ہے وہاں دوسروں کی نظر نہیں جاتی۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ایک ہے عیاں ایک ہے نہاں اور ایک ہے بیاں تو حبیب پاک ﷺ اپنے فیضان اور دینے کے لحاظ سے سب سے زیادہ جواد ہیں، بے طلب دیتے ہیں۔

بے طلب جو ملا، ملا مجھ کو
بے غرض جو دیا، دیا تُو نے

اللہ تعالیٰ ہمیں اگر اس راہ پر لگائیں تو یہ ان کا انعام نہیں تو کیا ہے؟ تو حضور ﷺ نے کچھ عیاں بتایا اور کچھ بیان کیا اور بیان اُسے کہتے ہیں کہ زبان سے کچھ بتایا۔ یہ بیان رب تھا کہ ہونٹ آپ کے ہلتے تھے لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ ہمارے لیے تو قرآن کا قرآن ہونا بھی حضور ﷺ کی زبان ہلنے کا محتاج ہے۔ یہ تو زبان کے ہلنے سے کلام کی صورت آئی۔ خداوند قدوس کا کلام اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے لیکن سورج وہاں بھی ہوتا ہے یہاں بھی ہوتا ہے۔ وہ وہاں ہوتا ہے اور شعاعیں یہاں آتی ہیں۔ اسی طرح کی حالت قرآن کی ہے۔ شجر موسوی سے تو آوازِ الٰہی نکل آئے اور حضور ﷺ کے جسدِ پاک سے کلامِ الٰہی نہ آئے۔ جیسے کہ قرآن میں آتا ہے: ''وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ''۔(الزمر:٣٩،٦٧)(اور ان

لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کے قدر پہچاننے کا حق ہے۔) اِسی طرح ہم نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قدر نہیں جانی۔

یوں عرض کرتا ہوں کہ دیکھو! ایک کافر جو اللہ کو نہیں مانتا، وہ سب سے پہلے اپنی چیزوں کو کس طرح دوسرے کے نام کر دیتا ہے۔ جب وحی کا نزول ہوتا ہے تو یوں کہہ دیتے کہ میں بڑا شاعر ہوں اور یہ میرا کلام ہے۔ اگر محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حاکم بد ھن دنیا والے ہوتے تو کلام اللہ کو کلامِ الٰہی نہ کہتے بلکہ کلامِ محمدیہ کہتے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بیٹھے ہوئے ہیں، ہیرے لٹائے جارہے ہیں، اِتنے میں صحابہؓ دیکھتے ہیں کہ پیشانی مبارک عرق آگئیں ہوگئ اور زبان مبارک سے بول جاری ہوگئے تو کہا کہ یہ کلام اللہ ہے۔ اگر رسالت کا انکار کرتے ہو تو دیکھو سب سے افضل کلام کو خدا کا کلام کہتے ہیں۔ اپنا کلام نہیں کہتے۔ چاہتے تو کہہ سکتے۔ اب جتنی بھی آیتیں ہیں، اللہ کا کلام ہے، اس کا ہر جز اور کل اللہ پاک سے آیا ہے اس کو اپنا لوگے تو اللہ کے انوارات تمہارے اندر آئیں گے۔ اب اُس زبان سے الفاظ نکلتے ہیں، ایک وحی ہے جو قرآن کے الفاظ ہیں اور ایک وحی ہے جو بیان قرآن ہے، قرآن کی تفصیل ہے، وہاں جو اغماض ہے یہاں اس کی تشریح ہے وہاں جو احکام ہیں، یہاں اس کی تشکیل ہے۔ قرآن و حدیث کو لے لو۔ یہ دو پھاٹک ہیں خداوند قدوس کے لینے کے۔ تو کچھ اعمال تھے جو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ظاہراً وجود میں آچکے تھے۔ اب اعمال محمدیہ کیا ہیں۔ بیان کی عملی تشکیل قرآن نے کہا "اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" لیکن اب اس کا وجود کیسے قائم ہو تو فرمایا "صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ"۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جیسے نماز پڑھی ویسے پڑھو گے تو نماز کا ڈھانچہ قائم ہو جائے گا تو ایک عیان نماز کا اور ایک بیان نماز کا۔ تو عیان اُس عمل کا نام ہے جو "صلوٰۃ" کے نام سے پکارا گیا۔ اس طرح حج اور زکوٰۃ اور ایک ایک عمل جو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے صادر ہوا ہے وہ تشکیل قرآنی ہے۔ عیان بھی واضح اور بیان بھی واضح۔ اب رِہ گیا اندرون اور اندرون قال قرآن نہیں ہوتا بلکہ اللہ سے جو ملتا ہے اس کا خزانہ

ہے۔ روح خدا اسے لیتی ہے، بنتی ہے اور اس کا ظہور جو ہوتا ہے وہ بیان اور عیان کی صورت میں ہوتا ہے۔ قرآن میں آتا ہے کہ ہم نے قرآن کو آپ کے قلب پر اُتارا کہ تم دنیا کے لوگوں کو بتاؤ۔ اب صرف الفاظ قرآن نہیں اُترے بلکہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے اس کے ساتھ اس کی روحانیت بھی آئی۔ جیسے کہ ایک مقناطیس کے ساتھ سوئیاں فوراً چمٹ جاتی ہیں، اِسی طرح جس کی روحانیت زندہ ہو، اُس پر روحانیت شہد کی مکھیوں کی طرح فوراً اُڑ کر چمٹ جاتی ہے تو حضور ﷺ کی روحانیت انتہائی اُونچی ہے۔ حضرت بنوری (مولانا محمد یوسف بنوریؒ) کی یہ بات بڑی پسند آئی اور بار بار جی چاہتا ہے کہ دُہرالوں۔ فرمایا: کہ ولی راولی می شناسد نبی رانبی می شناسد اور سید الانبیاء را خدا می شناسد۔ وہ حدیث میں آتا ہے: ''اَللّٰھُمَّ لَا اُحصَی عَلَیْكَ ثَنَآء! اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ'' ۔(شرح النووی علی مسلم: عائشہؓ) (اے اللہ! میں آپ کی ایسی تعریف بیان نہیں کر سکتا جس طرح کہ آپ خود اپنی تعریف بیان فرماتے ہیں۔) تو جب اللہ جس کی تعریف کر رہے ہیں کبھی ''اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ'' اور کبھی کس سے اور کبھی کس سے اور مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ انتہائی غصہ کے مقام پر کہا جائے ''عَبَسَ وَ تَوَلّٰی'' اور کہتے ہیں ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی'' ۔(الضحیٰ:۵،۹۳) (اور یقین جانو کہ عنقریب پروردگار تمہیں اِتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔) تو مرید نہیں مراد ہے۔ حضور ﷺ کے مقام کو کھولے کون؟ اور مجھ جیسے اندھا کیا جانے۔ تو انواراتِ الٰہیہ کا سب سے بڑا خزانہ حضور ﷺ کے قلب مبارک پر اُترا اور اُسے تزکیہ کی صفت یعنی دِلوں کے دھونے کی مشینیں عطا فرمائی گئیں۔ جیسے انسان کو سردی لگ رہی ہو تو سورج کے سامنے اطمینان ہو جائے، اسی طرح حضور پاک ﷺ کے اعمال نے قلب کی گرمائش عطا فرمادی جس سے صحابہ بن گئے۔

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
وہ کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

مُردوں کو زندہ کرنا آسان لیکن مُردوں کو مسیحا بنانا وہ مشکل۔ خاک کو سونا نہیں بنا

دیا بلکہ خاک کو فارس بنا دیا جو حضور ﷺ سے لگ گیا وہ بن گیا اور اوروں کو بناتا چلا گیا اور یہ عمل قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ لینے کے لیے ایک صورت ہوئی۔ بیان کا اتباع اس کو سیکھو، جانو اور عمل کرو اور صرف تذکرہ نہ کرو گو صرف تذکرہ بھی قیمتی ہے۔ تذکرہ کرتے کرتے عمل پر پڑ جاؤ گے۔

حضور ﷺ کے چار حق

حضور ﷺ کے چار حق ہیں اور ایمان کے آنے کے لیے چار پائے ہیں۔ سب سے پہلے عظمت محمدیہ ﷺ کو پہچانو، حضور ﷺ کا مرتبہ اِتنا اُونچا ہے کہ جس کے اُمتی ہونے کے لیے پہلوں نے تمنائیں کیں، جس کے لیے پوری کائنات کی تخلیق کی گئی۔ ہم سب فخر سے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے لیے کائنات کو پیدا کیا گیا لیکن کائنات کی قیمت اللہ کے بندوں کے نزدیک کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ آپ ﷺ کو صفاتِ ربانی کا مظہر بنا دیا، محبوبِ خداوندی ہیں۔ خلافتِ الٰہیہ کا ظہور حضور ﷺ کی ذات سے ہوا۔ آپ ﷺ مظہرِ اتم الٰہیہ ہیں اور خدا نے بڑے بڑے نام حضور ﷺ کو دیئے۔ یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ، اولوہیت کا شائبہ ہو جائے، حلول کا اندیشہ ہو بلکہ صوفیاء کے قول کے مطابق "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ" کو لینا ہے تو حضور ﷺ کے اخلاق، معاملات اور عادات کو لے لو تو عظمت ہو اور ساتھ ساتھ محبت ہو، نری چاچھ ہی چاچھ نہ ہو۔ مکھن نکلا ہوا نہ ہو، اب محبت بھی ہم نے پیدا کر دی، خوب جھنڈے لگائے کہ ہم حضور ﷺ کے بڑے عاشق ہیں اور تمہارا دِل خوش ہے کہ ہم عاشقِ رسول ہیں جیسے کہ ایک صاحب عاشق ہو گئے شہزادی پر تو ایک دن بڑا خوش خوش آیا کہ آدھا معاملہ تو طے ہو گیا۔ کسی نے پوچھا کیسے؟ کہنے لگا یہ کہ میں تو بالکل شادی کے لیے تیار ہوں۔ اب بات اس کی طرف سے ہونا باقی ہے۔ توبہ توبہ، وہ حالت ہو گئی تو فرمایا: "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ"۔ (آل عمران: ۳، ۳۱) (اے پیغمبر!

لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔) محبت کے آثار تم پر ثابت ہوں، اتباع محمد ﷺ ہو، بغیر اتباع کے محبت کا دعویٰ محبت ہے دلیلِ محبت نہیں۔ محبت وہی ہوتی ہے جو حضور ﷺ کے راستوں پر چلا دے۔

در دو عالم از دو عالم این بس خوش آید مرا
روئے تُو یا بوئے تُو یا کوئے تُو یا خوئے تُو

(دونوں جہانوں میں اگر مجھے کچھ پسند ہے تو وہ تو یا آپ کا رُخسار مبارک ہے یا خوشبو، یا تیرا کوچہ اور یا اخلاق۔)

یہ ہو نہیں سکتا کہ محبوب سے تو پیار ہو لیکن اس کی راہ پر چلنے کے لیے تیار نہیں بلکہ اس کے جملہ افعال اور اعمال پیارے ہوتے ہیں۔ وہ پگلے (مجنون) کا قصہ نقل کیا ہے کہ وہ خارشی کُتّے کو گود میں لیے پیار کر رہا تھا۔ کسی نے کہا کہ او پگلے! تجھے کیا ہوا ہے کہ اس کو پیار کرتے ہو۔ اس خارشی کُتّے میں کیا ہے؟ جواب دیا کہ پگلا تو تُو ہے جو اس کی قدر نہیں جانتا اور سمجھاتے ہوئے کہا کہ میں نے خود اس کُتّے کو لیلیٰ کے کوچے سے آتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب جو حضور ﷺ کے کوچہ سے ہو کر آئے اُس پر اللہ کو پیار نہ آئے تو کیا ہو لیکن میں تو یہ کہوں کہ وہ ادا نبیؐ کی ادا تھی بھی نہیں جبکہ اُن کے جملہ اعمال کو اللہ نے خود وجود بخشا ہے۔ ان کا ہر عمل اللہ کی عطا ہے اور جو اللہ کی عطا اور اس کی رضا ہو تو اب تیرا حق ہو گیا اتباع۔ اب نبی نے جو کیا حق کیا تو رب نے حضور ﷺ والے اعمال کو ظہور بخشا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ انسانیت کو دینا چاہتا تھا وہ دیا اور چلے گئے اللہ کے پاس۔ اب کیا ہوا؟ ہم نے اگر ان تینوں کو لے لیا لیکن نصرتِ محمدیہ کو نہیں لیا تو دین کا حق ادا نہیں ہو گا۔ ہمارے حضرت شاہ صاحب (شاہ عبد العزیز دعاجو دہلویؒ) نے فرمایا کہ ہجرت تو نبیوں کا فعل ہے۔ سب نبیوں نے ہجرت کی لیکن اللہ نے

کبھی ہجرت کی؟ اس کا کام تو نصرت ہے تو اب اگر اللہ کا خلیفہ بننا چاہتے ہو تو نصرت کو اختیار کرو۔ تو چوتھا حق نصرت دین ہے اور یہی کیا تو تمہارے قدم جم جائیں گے ''اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ''۔ (محمد:۷،۴۷) (اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔)

اب تم جب ان چار حقوق کو اپناؤ گے، عظمت کو، محبت کو، نری محبت آئے گی تو جو کچھ منہ میں آئے گا، اناب شناب بکو گے اور اس کو محبت سمجھو گے۔ کہا گیا:

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

(اللہ تعالیٰ کے بارے میں کچھ کوتاہی ہوگی تو وہ شاید بخش دے گا لیکن محمد ﷺ کے متعلق بہت سوچ سمجھ کر بات کرنی ہوگی۔ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون۔ کہ اعمال اکارت ہوں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔)

ہمارے حضرت (سید صاحبؒ) نے فرمایا: اللہ کے بارے میں لیکن اناباً حضور ﷺ پر چسپاں کیا جا سکتا ہے:

ادب سے دیکھ لیں مشتاق دُور سے اُن کو
مجال ہے جو کوئی اُن کو ہمکنار کرے

محبت ہے کہ اُسے چمٹا لے، دل کے اندر لے لو لیکن ادب کا مقام ہے۔ بہر حال عرض یہ کر رہا تھا کہ عظمت کی بنا پر ادب آئے گا اور بے ادب ہو جاؤ گے تو بقول مولانا رومؒ کے:

بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

(بے ادب اللہ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔)

حضور پاک ﷺ کی محبت

تو دوسری بات محبت ہوئی اور محبت ایک اُونچا مقام ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اے عمر! جب تُو مجھے ہر چیز سے حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہیں

رکھے گا تو کامل نہیں بنے گا۔" فقال یا رسول الله ، والله أنت احب اِلَیَّ من کل شیء حتیٰ من نفسی ، فقال ﷺ : الاٰن یا عمر "[42]۔ تو عمرؓ نے فرمایا کہ اب آپ ﷺ مجھے ہر چیز حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ابھی ٹھیک ہے۔

تو اس کے بعد اطاعت اور پھر چوتھے نمبر پر نصرتِ دین آتی ہے۔ یہ تمام صورتیں ہیں۔ تو مسجد نور تھی مدینہ میں، تو کہا کہ مجھے تو کچھ اور نظر نہیں آتا بلکہ اگر اس گنبد پاک سے اگر کوئی آواز نکلتی ہے تو یہ کہ "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللهِ" اب اگر حضور ﷺ کی روح پاک یہ نہیں پکارے گی جبکہ دین غریب ہونے لگے تو کیا پکارے گی۔ جب تم قرآن کے احکام پر عمل کروگے اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ "پورے قرآن پر عمل کر سکتے ہو تو عورتوں کے مخصوص مسائل پر عمل کیسے کروگے، اس پر عمل تو تب ہو گا جبکہ اوروں کو بتاؤ، تم حج نہیں جا سکتے لیکن اوروں کو دعوت دی تو تمہیں بھی حصہ ملے گا۔

دعوت وظیفہ نبوت ہے اور دعوت کے ذریعے وہ اُس نُور کو پھیلاتے ہیں جو اُن کے اندر ہوتا ہے۔ دیکھو! قرآن کی پہلی سورت کے پہلے رکوع میں آتا ہے "وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ"۔ تو اللہ تعالیٰ نے تم کو جو غلہ دیا، جو نورانیت دی، تمام کو تقسیم کرو، ہدایت کا فیضان قلوب پر اس لیے وارد نہیں ہوتا کہ اس کو خود دِل کے اندر رکھے بلکہ اس کے لیے حکم ہوتا ہے کہ اوروں پر تقسیم کرو۔ تم تو محمد ﷺ والے ہو، حضور ﷺ کا فیض ایک قریے، ایک گاؤں

---

[42]۔ اَو کما قال رسول الله ﷺ: "والذی نفسی بیده لا یؤمن أحد کم حتیٰ أکون احب الیه من نفسه و ماله و ولده والناس اجمعین"۔ (البخاری) و فی الصحیح ایضا: قال: کُنّا مع النبّی صلی الله علیه وسلم وهو اٰخذٌ بید عمر بن الخطاب فقال له عمر: یا رسول الله ﷺ لأنتَ احبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلّ شیءٍ اِلّا مِنْ نفسی فقال النبیُّ ﷺ: لا والذی نفسی بیده حتّٰی أکونَ اَحبَّ الیك مِن نفسِكَ" فقال له عمر: فاِنّه الاٰن، واللهِ، لأنتَ اَحبُّ اِلَیَّ مِنْ نفسی، فقال النبی ﷺ "الاٰن یا عُمَرُ"۔ (صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۶۶۳۲) (۸۳. کتاب الایمان والنذور: باب کیف کانت یمین النبی ﷺ)۔

اور ایک علاقے کے لیے نہیں اس لیے تم اپنی نسبت عالمگیری کو ملکوں میں پہنچاؤ۔ اللہ والے بن جاؤ، حضور والے بن جاؤ، تمہاری روحانیت چمکے گی، تم روحانی بن جاؤ گے، باقی ملکوں کی روحانیت تمہارے تابع ہو جائے گی اور اگر ان کا ظاہر کسی حکم خداوندی کی بنا پر تمہارے خلاف بھی ہو گا لیکن ان کا اندرون تمہارے لیے دعائیں کرے گا تو حضور ﷺ کے درد کو لینے کے لیے اعمال کو لینے کے لیے ان چار چیزوں کو لے لو اور ان چار چیزوں کے لینے کے لیے چار چلّے دے دو۔ اب جب بجلی کے چمکنے سے آنکھ کھل جایا کرتی ہے تو جب چار چلّے دے دو گے تو پتہ لگ جائے گا کہ یہ چار چیزیں ہیں بھی یا نہیں اور ان کو اپنانا چاہیئے یا نہیں۔

تو اس کے لیے کون اللہ کا بندہ ہے جو کہے کہ اس کو اپنانے کے لیے میں چار چلّے دیتا ہوں۔ کچھ بات سمجھ میں آئی ہے، کیا بات تھی، اِتنا کہا ہے وہی ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ“۔

دیکھو! بات نہ سنیں جو مرنے والے نہیں ان کا تو خیر لیکن جو مرنے والے ہیں، مرنے کے بعد سب سے پہلے جو جاؤ گے قبر میں خواہ آپ چاہیں یا نہ چاہیں اور وہاں ان حقائق کی پوچھ ہو گی۔ ”مَن ربك ما دينك ما هذا الرجل الّذى بُعث فيكم“۔ (عن البراءِ بن عازبٍ: مسند احمد بن حنبل و ابو داؤد بحوالہ معارف الحدیث منظور نعمانی، ص ۱۲۳، جلد اول، مسند احمد بن حنبل، ج۵، ص ۳۶۵، حدیث نمبر: ۱۸۰۶۳)

تمہارا رب کون اور تمہارا دین کیا اور پھر حضور ﷺ کی شبیہہ مبارک آجائے گی اور پوچھیں گے کہ کون ہیں یہ؟ اب جس نے کچھ عظمت کی ہو، محبت کی ہو، اطاعت کی ہو، نصرتِ دین میں کچھ کیا ہو، وہ تو کہیں گے کہ حضور ﷺ ہیں لیکن جب یہ نہ ہو تو وہ کہے ”لَا اَدْرِیْ“ میں نہیں جانتا بلکہ لوگ کچھ کہتے تھے اور میں بھی کہہ لیتا تو اللہ کی طرف شاہراہِ دین چار راستوں سے جاتی ہے۔ اگر کل قیامت میں ایمان کامل رہا اور ایمان کے ساتھ گئے تو پھر گھبرانے کی صورت نہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر اسی حالت میں رہے تو پھر خطرے کی کوئی بات نہیں جیسے کہ ہمارے طالب علم ہوتے ہیں۔ جب کتاب دیکھی ہوئی ہوتی

ہے تو وہ اُڑتا ہوا امتحان کے پاس جائے اور جنہوں نے کچھ کیا ہو وہ بالکل آسان سمجھیں اور جنہوں نے پڑھا نہیں تو اُن کی حالت کچھ اور ہوتی ہے۔

وہ میرے ساتھیوں نے کہا کہ اس لیے نہیں نکلتے کہ پتہ نہیں ہوتا، کیا ملتا ہے؟ تو میں یہ کہوں کہ اللہ کی رضا ملتی ہے اور ”رضوان من اللّٰہ اکبر“۔(التوبۃ:۹،۷۲) (اور اللہ کی طرف سے خوشنودی تو سب سے بڑی چیز ہے (جو جنت والوں کو نصیب ہوگی)۔)وہ حضرت زین العابدینؒ نے فرمایا کہ ”جیسے ایک چاہنے والی بیوی اپنے خاوند کے سفر سے آنے کی منتظر ہوتی ہے، اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہدایت پر آنے کے خواہاں ہوتے ہیں“۔

وہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے:

رنگ لاگت لاگے ہے
ساٹھ برس کا روٹھا مانت مانے ہے

اللہ کے گھر میں آجانا اور بات کا سننا بڑی اچھی بات ہے لیکن صرف بات ہی تو ہے، روٹی روٹی ہے اچھی ہے، لیکن جب تک کھاؤ گے نہیں تو کچھ نہیں، کہو روٹی اچھی اور بوٹی اچھی لیکن اس کے کھائے بغیر پیٹ نہیں بھرے گا۔ کچھ کرو گے تو پاؤ گے۔بقول حضرت علیؓ کے ”آج کا دِن عمل کا دِن ہے، کل حساب کا میدان ہے“۔

مسئلہ تقدیر

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (9 اکتوبر 1963ء، قبل از نمازِ مغرب)

اسلام میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفات کا تصور اِتنا کامل ہے کہ کسی ناقص خدا کی کوئی بھی گنجائش نہیں۔ پہلے جو کہ غیر خدائی مذاہب تھے مثلاً مجوسی، آتش پرست، ایران والوں کے ہاں دو خدا تھے یزدان اور اہرمن۔ یزدان نیکی کا پیدا کرنے والا اور نیکی پر ڈالنے والا اور اہرمن بُرائی کا پیدا کرنے والا اور بُرائی پر ڈالنے والا۔ وہ یوں سمجھتے تھے کہ خدا بُرائی پیدا کرے اور بُرائی پر ڈالے تو یہ اچھا نہیں لیکن اگر دیکھا جائے تو بندوں پر آکر اچھائی بنتی ہے اور بندوں پر آکر بُرائی بنتی ہے۔ وہ تو مالک الملک ہے جو کچھ چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ بادشاہ کے لحاظ سے اُس پر کوئی پابندی نہیں لیکن اُس نے اپنے اُوپر عدل کو لازم کر لیا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ایک آسمان ہے۔ اس کے نیچے پہاڑ اور پھر اس کے نیچے زمین۔ پہاڑ آسمان کے لحاظ سے تو نیچا ہے لیکن زمین کے لحاظ سے اُونچا ہے۔ تو ہمارے لحاظ سے ایک کام گناہ ہوگا لیکن اس کے لحاظ سے نیکی ہوگی مثلاً ہمارے مقصد صاحب ہسپتال جائیں، چھری لیں، کسی کی ٹانگ کاٹ لیں تو اس کے لحاظ سے ڈاکٹری ہوگی اور ہمارے لحاظ سے وہ حرام ہے۔ ہم کریں تو قید ہو جائیں اور وہ کریں تو خدمت ہے تو اس لحاظ سے مولانا نے تو ان لوگوں کے لیے کہا ہے جو نائب حق ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

آن کسے راکین چنین شاہے کُشد
سوئے تخت و بہترین جائے کَشد

(ایسے آدمی کو اگر اس قسم کے شاہ قتل کریں تو اس کو ضائع نہیں کریں گے بلکہ تخت اور بہترین مقام پر لیکر جائیں گے)۔

تو اللہ کی یہ صفات مل کر مجموعے کے طور پر ایک چیز پیدا ہو گئی ہے جس کو تقدیر

کہتے ہیں اور یہ اللہ کی صفات میں سے ہے۔ اللہ میں جملہ صفات ہیں اور جملہ صفات سمجھ میں آنے والی نہیں۔ اس بناپر تقدیر ہر ایک پر کھلتی نہیں اور پوری اِس دُنیا میں نہیں کھلے گی۔ یہاں پر تقدیر عارفوں پر اُن کی معرفت کے لحاظ سے جو کھل جاتی ہے تو وہ جان جاتے ہیں کہ ہر ایک بات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ درست ہے۔

یہاں یہ سمجھ لو کہ خداوند قدوس ظالم نہیں، عادل ہیں اور بااختیار ہیں۔ یہ بات نہیں کہ ہماراخدا بھی ملکہ برطانیہ ہے کہ سب کچھ پارلیمنٹ کو دے دیااور ساتھ کچھ نہیں رکھاتو اس بات کو سمجھ میں رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور ضلالت دو چیزیں پیدا فرمائیں۔ اب انسانوں کو پیدا کیااور ان کو دونوں راستے وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ○(البلد ۹۰:۱۰)(اور ان کو خیر و شر کے راستے بھی دکھا دیئے)۔ بھلائی اور بُرائی دونوں کے راستے سمجھا دیئے۔ اب ازل سے انسانوں کے دِل میں ہدایت کا بیج ڈال دیا جس کو یومِ الست کہتے ہیں تو ہر ایک کے اندر کیا بیج ڈال دیا۔ اب اگر بیج اس چیز کا ہے کہ اُس سے ہدایت کا درخت نکل سکتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک عورت ہے کہ غالباً تمہاری اصطلاح میں Ovarier ٹھیک ہوتی ہیں اور یہ جو ہوتی ہیں، یہ حقیقت میں عاقمہ نہیں ہوتیں بلکہ بچہ جننے کی صلاحیت رکھتی ہے تو بلا تشبیہہ یوں سمجھو کہ ہر ایک کے دِل میں تخم ہدایت ہوتی ہے کہو جیسے کہ ایک جوان لڑکی ہوتی ہے، جی ہے خواہش ہے، طلب ہے لیکن سوسائٹی کے حالات کی بناپر کسی عقلمند کے پلے پڑ جاتی ہے اور وہ ہے انچارج فیملی پلاننگ کی۔ وہ بجائے دوا دینے کے ایسے کوئی آپریشن کرتی ہے جس سے کہ وہ مادہ ہی ختم ہو جائے۔ تو صلاحیت ہمیشہ ہی کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔ اب اس کے بالمقابل اگر وہی عورت صلاحیت کے ساتھ صحیح رُخ سے ایسے موقع پر جبکہ ملنا درست ہو، خاوند سے ملے تو بچہ پیدا ہو جائے گا۔ اسی طور پر انسان میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے صلاحیت رکھ لی اور آگے دو راستے ہدایت کے اور ضلالت کے رکھ دیئے۔ جیسے کہ اُس عورت میں جذبہ فطرت Natural

Urge ہوتی ہے تو اسی طور پر انسان کے اندر طلب تو ہدایت کی ہوتی ہے جس طور پر وہ مادہ ہے، اسی طور پر طلب ہدایت ہے نفس کے اندر۔ لیکن جیسے کہ Family planning والوں نے اس کی استعداد کو ختم کر کے ہمیشہ کے لیے بانجھ کر دیا۔ اسی طور پر اللہ تعالیٰ نے تو بیج ہدایت کا رکھا لیکن اُس نے غلط استعمال کی وجہ سے اس ہدایت کو ختم کر دیا۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ بچہ ابتدا میں یعنی فطرتاً توحید پر پیدا ہوتا ہے لیکن وہ بجائے ہدایت پر آنے کے خراب سوسائٹی کی طرف بڑھ جائے۔ اللہ نے جو دِل میں طلب پیدا کی، اس کو استعمال کر کے اور دوسری تلاش کے علاوہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبین کا نظام قائم کیا۔ اب اُس ہدایت کے آجانے کے بعد اور پوری محنت کرنے کے بعد وہ لڑکی نہ مانے اور عدالت میں بیان دے کہ میں بالغ ہوں جو کچھ چاہوں گی کروں گی تو کہا جائے کہ جا اپنا سر کھا، ہم کیا کریں۔

اسی طور پر اگر کوئی اس ہدایت اور ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبین کے آنے کے بعد بھی نہ سمجھے۔ جیسے کہ ایک شخص کے سامنے شہد اور زہر رکھا جائے اور کہا جائے کہ اگر شہد کھالے تو صحت نصیب ہو جائے اور اگر زہر کھالے تو مر جائے گا تو اب اگر وہ زہر کھالے تو اُس میں اُس شخص کا کیا قصور ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تو اس کو جتایا۔ اگر کوئی جان بوجھ کر ہدایت کی طرف نہیں آئے گا، کفر کی طرف جائے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کیسے ہو؟

گناہ کرنے والا اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے گمراہ ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فاعل حقیقی ہونے کی وجہ سے اس کو اپنی نسبت کرتے ہیں۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾ (البقرۃ: ۲،۲۶) ((اس طرح) اللہ اس مثال سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دے دیتا ہے۔ (مگر) وہ گمراہ انہی کو کرتا ہے جو نافرمان ہیں۔) تو فرمایا کہ گمراہ نہیں ہوتے مگر سوائے ان کو جو ہٹ دھرم ہوں۔ ہمارے استاد نے فرمایا

کہ خدا کفر سے راضی نہیں ہوتا، اپنے فاعل حقیقی ہونے کی وجہ سے اس کی طرف خیر اور شر کی نسبت ہوتی رہے گی۔ زہر کھاؤ گے تو مر جاؤ گے، نافرمانی کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔

دیکھو! ایک شخص ہے وہ کافر ہونا چاہے اور اللہ کہے کہ نہیں تو کیا یہ ایک قسم کی سختی ہے یا نہیں تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حکمتِ تشریعی بھی نہیں چاہتی لیکن جان بوجھ کر گمراہی کے اختیار کرنے کی وجہ سے اللہ کفر کے اثر کو اُس پر مرتب کرتے ہیں اور اپنی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اگر کوئی یوں کہے کہ گمراہ تو خدا نہیں کر سکتا اور شیطان گمراہ کرتا ہے تو گویا ہم نے شیطان کو نعوذ باللہ خدا کے درجہ میں پہنچا دیا۔ جیسے کہ انجینئر ہو جو کہ مکان کو بنا تو سکے لیکن ڈھا نہ سکے تو یہ کیا انجینئر ہوا۔ یا ڈاکٹر مرہم تو لگا سکے لیکن چیر پھاڑ نہ کر سکے تو اس کو تو ایم۔بی۔بی۔ایس کی ڈگری نہیں ملنی چاہیے بلکہ صرف ایم۔بی کی ڈگری ملنی چاہیے[43]۔ حضور ﷺ کی حدیث کا مفہوم ہے کہ تقدیر کے منکر اِس اُمت کے مجوسی ہیں۔

---

[43] ۔ القدرية مجوس هذه الامة ان مرضوا فلا تعودو هم و ان ماتوا فلا تشهدو هم۔ رواه احمد و ابو داؤد (المشكوٰة حديث نمبر:۱۰۷)۔ (ابو داؤد، المدارك) عن ابن عمر (صحيح) (الجامع الصغير ، ص ۸۸) عن على رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: لا يؤمن عبدٌ حتّٰى يؤمن بأربع، يشهد ان لا اله الا الله و انّى رسول الله بعثنى بالحق ، و يؤمن بالموت، والبعث بعد الموت، و يؤمن بالقدر، رواه الترمذى و ابن ماجه (مشكوٰة حديث نمبر: ۱۰۴)۔ و عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: قال قال رسول الله ﷺ: صنفان من اُمتى ليس لهما فى الاسلام نصيبٌ، المرجئة والقدرية۔ الترمذى۔ المشكوٰة حديث نمبر: ۱۰۵)۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ: يكون فى اُمتى خسف و مسخ و ذٰلك فى المكذبين بالقدر۔ (ابو داؤد، الترمذى، مشكوٰة، حديث نمبر:۱۰۶) لا تجالسوا اهل القدر ولا تفاتحوهم۔ ابو داؤد (المشكوٰة، حديث نمبر:۱۰۸)

تخلیقِ انسانی اور معرفتِ خداوندی

مسجد گنج علی خان (10 اکتوبر 1963ء پورے 7 بجے بعد از نماز مغرب)

انسان کی پیدائش کا مقصد

عزیز دوستو اور بزرگو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اس عالم میں اپنی قرب ورضا کی تیاری کرنے کیلئے بھیجا ہے۔ اسکو اس عالم میں بھیجا کہ اپنے رب کو پہچانے اس کی صفات کو پہچانے اور اسکے ساتھ ساتھ ہر آن محنت اور کوشش میں لگا رہے تا کہ ہر لحظہ قوی سے قوی تر ہوتا چلا جائے، کسی ایک درجے پر رُک نہ جائے، بلکہ ہر گھڑی بڑھتا رہے، جیسے کہ بچہ ہوتا ہے، لڑکپن، عنفوان، شباب، ادھیڑ عمر، بڑھاپا اور پھر شیخ فانی کی عمر تک پہنچ جاتا ہے۔ تو رب القدوس یہ چاہتے ہیں، کہ اس عالم میں آنے کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت نے انسان کے دل میں ایک نُور رکھا تھا، ایک حقیقت ڈالی تھی، جسے کہ اللہ نے دین ہدایت اور دین فطرت کہا اور جسے کہ قرآن نے عہد سے یاد کیا ہے اور کہا ہے کہ ''**الست بربکم**''۔ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں۔) اسی دن انسانوں کی روحوں کے اندر ایک بجلی چمکی اور اس کا اثر ہر ایک انسان کے دل پر پڑا اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: **مامِن مولود الایولد علی الفطرۃ فأبواہ یھودانہ اوینصرانہ اویمجسانہ۔**

(ابو ہریرۃؓ متفق علیہ بحوالہ تفسیر مظہری: ج ۷، ص ۲۳۲)

معرفتِ الٰہی کا بیج

یعنی پیدا ہونے والا بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے اب اگر اس کا ماحول، والدین اس نُور کو ختم نہ کریں تو وہ ذرہ باقی رہتا ہے، اس کے والدین اُسے یہودی بنالیتے ہیں، نصاریٰ میں کرلیتے ہیں، مجوسی بنالیتے ہیں۔ اللہ نے تو اس کو ہدایت کے ساتھ بھیج دیا۔ اگر بچہ کو زبان دی جائے اور پوچھا جائے کہ تیرا دین کیا ہے تو پکارے گا کہ میں اسلام والا ہوں، دین والا ہوں۔

انسان کفر والا پیدا نہیں ہوتا۔ کفر اندر سے نہیں پھوٹتا باہر سے اندر آجاتا ہے یا ظاہر کی آلائشیں اُسے خراب کر دیتی ہیں جیسے کہ دیا ہو وہ جل رہا ہو، اس کو بجھا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہدایت کا ذرہ ختم نہیں ہوتا۔ اللہ بچے کو مہلت دیتے ہیں۔ جس وقت بالغ ہوتا ہے اللہ کا حکم اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ ضمیر پکارتا ہے کہ اب ایمان لے آیا کافر ہو جا۔ ”فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ“۔ بلوغ سے پہلے اگر کفر والا عمل بھی کرے تو بھی اس ذرۂ ایمان کو بجھا نہیں سکتا۔ نیکی کرے تو معاون بن جاتا ہے۔ دَس سال کا ہو تو مار مار کر نماز پڑھاؤ۔ ہدایت کی وجہ سے اندر کی کلیاں پھوٹتی ہیں۔ دیکھو! کہ ہے تو یہ بچہ اس پر واجب نہیں لیکن زمانے کی فضا میں کہیں یہودیت، کہیں نصرانیت وغیرہ ہوں تو اس کو ایمان والے اعمال پر ڈالو کہ اس کی طرف چل جائے۔ اب جب بلوغ تک پہنچ جائے تو اگر عصر کے وقت میں بالغ ہو جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تعزیر اور باقی ائمہ کے نزدیک اگر قصداً نماز قضا کی تو قتل کیا جائے گا۔ اسلام کے نظام میں یہ کہنا کہ مجھے علم نہیں کوئی عذر نہیں۔ زکوٰۃ لازم ہوئی اور وہ ادا نہیں کرتا تو پکڑ ہو گی اور اسی طرح حج کے متعلق فرمایا کہ جس پر فرض ہو گیا اور وہ نہیں کرتا ”کہ مجھے یہ پرواہ نہیں وہ یہودی مرے یا نصرانی“۔

اب یہ ایمان کا ذرہ کیسے پھلے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے لیے انبیاء علیہم السلام آتے ہیں۔ جملہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی قدر مشترک ”اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ“۔(النحل:۱۶،۳۶) کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ کوئی محبت کے قابل نہیں۔ ایک ہی ذات ہے جس کے لیے طوعًا و کرھًا جھکنا ہے، جان لو کہ نہیں کوئی موت دینے والا، زندگی دینے والا، نہ رزق کو دینے والا، نہ عزت کو دینے والا۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ (سورۃ محمد ۴۷:۱۹) (لہٰذا (اے پیغمبر) یقین جانو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور اپنے قصور پر بھی بخشش کی دُعا مانگتے رہو اور مسلمان مردوں اور

عورتوں کی بخشش کی بھی اور اللہ تم سب کی نقل و حرکت اور تمہاری قیام گاہ کو خوب جانتا ہے۔)

لَا اِلٰہ کا مطلب

اب جاننا کیا ہے؟ اس کے مدارج ہوتے ہیں، رُتبے ہوتے ہیں۔ جانتے ہو تو یہاں تک جانو کہ اُس کے ماسوا کو بھول جاؤ، غیر کو جلا کر ختم کرو، توحید یہ نہیں کہ اللہ کے آگے بھی جھکو اور غیر خدا کے آگے بھی جھکو۔ لا معبود الا اللہ، لا نافع الا اللہ، لا رازق الا اللہ لا معطی الا اللہ۔ وجود کے جملہ خاکے، جملہ پرورشیں، جملہ عطائیں ایک ہی اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ تم اس عالم میں زمین کے ذرات کے جاننے کے لیے نہیں بھیجے گئے اس لیے نہیں بھیجے گئے کہ پانی کیا ہے؟ سورج کو گرفتار کرو۔ چاند کی روشنی کی کیا حقیقت ہے؟ بس ایک ذات کے لیے بھیجے گئے ہو۔ وہ کیا ہے، اس کے ساتھ تعلق قائم کرو۔ اب جب تمہاری معرفت بڑھتی چلی جائے گی، ہدایت کے دروازے کھلیں گے۔ جتنا انسان عارف ہو گا۔ جو خدا میں شاغل ہو گا، وہ خداوند قدوس کے حکموں کو توڑنے والا نہیں ہوتا۔ یوں کہیئے کہ ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه“ ایک دائرہ ہے اِتنا بڑا کہ ساتوں زمین و آسمان اکٹھے ہو کر اُس پر رائی کا دانہ رکھو تو اس کی بھی کوئی حیثیت ہو گی۔ کلمے کی حقیقت کے مقامات لا متناہی ہیں لیکن یہ متناہی۔ یہ معرفت اللہ سے متعلق ہے۔ یہ لا محدود ہے وہ محدود تو ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه“ کے منازل طے کرنے کے لیے انسان کو بھیج دیا گیا۔ اب جو محنت کر کے صحیح خاکوں کو لے گا تو اس کی ہر سانس اس کو خداوند قدوس تک پہنچائے گی۔

چې په یو قدم تر عَرشه پورې رَسي
ما لیدلے دے رفتار دَ درویشانو

تو ہم نے درویشوں کی رفتار دیکھی یعنی ہر سانس خداوند قدوس کو دِلانے والی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ آپ نے خداوند قدوس تک پہنچنا ہے تو بلا تشبیہہ عرض

کرتا ہوں کہ آپ نے آسمان تک پہنچنا ہے تو مشرکین اور اس کی نسبت والے کہیں گے کہ راکٹ بنالو اور ان کے بڑے فرعون کے سامنے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوں کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زمینوں اور آسمانوں کا بھی خدا ہے تو کہا کہ میں نے خدا کو تو دیکھا نہیں تو اپنے سپیشل سیکرٹری (Special Secretary) کو کہتا ہے:

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ (سورۃ المؤمن ۴۰: ۳۶، ۳۷)

(اور فرعون نے اپنے وزیر سے کہا کہ اے ہامان! میرے لیے ایک اُونچی عمارت بنا دو تاکہ میں ان راستوں تک پہنچوں جو آسمانوں کے راستے ہیں پھر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں اور یقین رکھو میں تو اُسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔ اسی طرح فرعون کی بدکداری اس کی نظر میں خوشنما بنادی گئی تھی اور اُسے راستے سے روک دیا گیا تھا اور فرعون کی کوئی چال ایسی نہیں جو بربادی میں نہ گئی ہو۔)

مادیت والے خدا کو بھی مادہ سمجھیں او پگلے! مادیت کے راستے سے بھی کبھی خدا ملتا ہے تو اپنے اندر جو حجابات ہیں ان کو ہٹاؤ تو دیکھو کہ خدا ملتا ہے یا نہیں۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ جب انسان مادہ میں ڈوب جاتا ہے تو اللہ کو بھی مادہ کے رُخوں سے تلاش کرتا ہے۔ مٹی مادہ جو کہ فانی اور مٹنے والا ہے پر مرتا ہے اور باقی رہنے والوں پر نہیں مرتا۔ خداوند قدوس نے اس کو بنایا کہ میرا ہو گا اور میں اس کا ہوں گا۔ اُس نے خدا کو چھوڑا اور مادے میں مبتلا ہو گیا۔

نبی کا مقام

انبیاء علیہم السلام نے آکر اللہ تک پہنچنے کے طریقے اور ذریعے بتائے ہیں تو یہ ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه“ اِتنا وسیع ہے کہ اللہ نے اپنے آپ کو جتنا کھولا ہے وہ اس دائرے کے اندر ہے۔

نبی کی معرفت وہبی ہوتی ہے، قطب، ابدال اور غوث تمام کی معرفت اکٹھی ہو جائے تو نبیوں میں سے جو سب کم درجے کا نبی ہے اس کی معرفت سے بھی کوئی نسبت نہیں۔ یہ ذرے ہیں اور ذروں میں خود اپنی نورانیت نہیں ہوتی اور وہ سورج ہیں۔ اگر نبی کی معرفت غیر نبی پر کھل جائے تو سینہ پھٹ جائے۔ یہ انہیں کی استعداد ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کو قرب و رضا کے مقام پر پہنچایا جاتا ہے یعنی اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا، خدا کو دیکھا لیکن آنکھ جھپکی نہیں، ہم نہ وہاں تھے نہ اس مقام کو جانتے ہیں اور جب نہیں جانتے تو اس کے متعلق زبان کھولنا حرام ہے۔ یہ کھیل نہیں کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے جو کچھ چاہا کہہ دیا۔ یہاں چھوٹی سی غلطی بھی ایمان کو سلب کر دیتی ہے تو یوں کہا: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (سورۃ البقرہ ۲:۲۵۳)

بعض کو بعض پر فضیلت دی، بعض کے ساتھ باتیں کیں اور بعض کے درجات کو بلند فرمایا۔

ان کو اپنی ترقیات کے راستے بتائے۔ ہر ایک پر اللہ کے قرب کے راستے کھلتے رہے اور اللہ بتاتا رہا کہ بندگی کے راستے کیا ہیں؟ نبی کامل ہوتا ہے اور کوئی نبی ناقص نہیں ہوتا۔ پہلے ہی کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ میرا نبی ہوگا۔ ”اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ“۔ (الانعام:۶، ۱۲۴) (اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے۔) ہر ایک نبی کامل اور ہر ایک کو اپنی مناسبت کے لحاظ سے اللہ تک پہنچنے کے راستے بتائے گئے۔ اب وہ راستے اور طریقے اُن کی اُمت کو عطا کیے گئے اور اُمت کے لیے اللہ تک پہنچنے کی سیڑھیاں ان کے نبی کے اعمال، افعال، کیفیات، عقائد اور اُس کی ذات سے جو کچھ بھی نکلتا ہے۔

نبی کی ذات میں کچھ عیاں، کچھ بیاں اور کچھ نہاں ہوتا ہے اور یہ جملہ ہدایت کی سیڑھیاں ہیں۔ جنت کے درجات نبی کے قدموں کی خاک ہیں، اس کے راستے کی دھول ہیں۔ اللہ تک پہنچنے کا راستہ نبی والے اعمال، احوال، اندرون کی کیفیت، نبی والی دعوت ہے۔ یوں

کہیں کہ خداوند قدوس کی مرضی کے قرب و مدارج نبی والے اعمال ہیں۔ خداوند قدوس نے اپنے تک پہنچنے کی راہ کو چھپا نہیں رکھا جیسے کہ دوپہر کا وقت ہو، کھلا میدان ہو، سورج ہو اور ہاتھی کھڑا ہو تو جیسے یہ ظاہر ہے اِسی طرح آنکھوں والوں کے لیے ہدایت کا راستہ ظاہر ہے۔ جب آنکھ ہی نہ ہو تو پھر کیا دیکھے:

دیکھنے والے تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو نظر آئے کیا اور کیا دیکھے

دِل کا اندھا پن

اور صرف یہ آنکھیں بند نہیں ہوتیں بلکہ ”انھا لا تعمی الابصارُ و لکن تعمی القلوبُ التی فی الصدور“۔ بلکہ دِل بھی اندھے ہو جایا کرتے ہیں تو کچھ محسوس نہیں ہوتا ہے، نظر نہیں آتا، حواس سے باہر جو چیزیں ہیں اُن پر یقین نہیں کرتا، ہم نبی کے طریقوں کو جتنا اپنائیں گے تو ہدایت کا نُور، نُور سے سورج بن جائے گا اور بڑھتا چلا جائے گا۔ حضور ﷺ نے جو کلمہ دیا، اس کے دو اجزا ہیں اور حقیقت کے لحاظ سے پورا دین ان دو اجزاء کی شرح ہے بلکہ دو اجزا میں ایک جُز کی شرح ہے۔ یہ دو پَر ہیں جیسے کہ پرندہ دو پَروں سے اُڑتا ہے اسی طرح انسان کو ہدایت کے طریقے پر اُڑنے کے لیے دو پَر دیئے گئے۔ یہ حقیقت کامل ہو گی تو دھوکے میں نہ رہو گے، تمہارے نزدیک دنیا کی حقارت کھلے گی۔ خداوند قدوس کی ذات جتنی اعلیٰ ہے اس کی حقیقت آجائے گی، خداوند قدوس کی ذات حقیقت ہے۔ حقیقت کی حقیقت، اندرون کا اندرون۔

دیکھو بھائیو! ”لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ“ الفاظ ہیں۔ اس کی حقیقت اللہ کو اپنانا ہے۔ اللہ کو لینا ہے یہ بول ہے اور اس میں تول تب آجائے گا جبکہ اللہ کے کاموں کو کرو۔ انہوں نے جو حکم دیا ان کو کرنا ہے اور جن سے منع کیا اُن سے بچنا ہے تو یہ کلمہ معرفت ہے اور اس کے ساتھ کلمہ عبدیت ہے۔ یہ کلمہ بتاتا ہے کہ اللہ کیا ہے اور تو کیا ہے۔ اگر اِتنا معلوم ہو جائے کہ اللہ کی ذات

کتنی عالی ہے اور میں کیا ہوں تو کوئی بات نہیں رہے گی۔ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن جانتے نہیں۔ ہمارے حضرت نے یوں فرمایا کہ ''ہم سب یہ کہتے ہیں کہ اللہ حاضر وناظر ہیں لیکن سچ سچ کہو کہ جتنی دیر یہاں میری بات ہوئی اور آپ کو میرے موجود ہونے کا استحضار تھا اِتنا اللہ تعالیٰ کا بھی استحضار تھا''؟ تو مسلمان کا یہ عقیدہ ہے اور عقیدہ تو ہے لیکن یہ عقیدہ عقدہ بن گیا۔ مانتے تو ہیں لیکن جانتے نہیں کہ میری زبان اس کے حکم سے چلتی ہے اور میرا ذرہ ذرہ اس کے اشاروں پر چلتا ہے۔ اب جب یہ حال بن جائے۔ کسی کو خدانخواستہ بخار ہو جائے تو اب ڈاکٹر کہیں کہ اسے بخار نہیں حالانکہ 105 تک تھرمامیٹر پہنچ جائے، نبض دھڑکنے لگے، ماتھا گرم ہو جائے تو اسی سے بخار کی حقیقت نہیں کھلتی یہ تو اس سے پوچھو جو کہ اس میں جلتا ہے۔

جو جل اُٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

ایک آگ ہے، ایک جلن ہے۔ اب ڈاکٹر صاحب کہیں یہ دوائی کھالو، وہ کھا گئے۔ اب جاننے والا، سننے والا یوں کہے کہ اُسے بخار ہے لیکن جانے وہ کہ جس پر بیتتی ہے۔ وہ پشتو میں کہتے ہیں:

''زمکه هغه ځائے توده وي چې چرته اور بلېږي''.

لگی ہو نہ جب تک کسی دِل میں آگ
پرائی لگی دِل لگی سوجھتی ہے

وہ جو (پشتو میں) کہتے ہیں: ''پردے غم د واؤرو سوړ وي''. پرایا غم برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ سماع سنتے تھے۔ آج کل کی سماع نہیں، اُنہوں نے اشعار عشقیہ سُن لیے۔ ایک مفتی صاحب نے کہا کہ ہمارے حنفیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں تو اُنہوں نے کہا کہ ایک تو جلتا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ جائز نہیں۔ ایک پر تو حال ہو گیا، چیخیں لگی تھیں اور دوسرا کہے کہ یہ نہ کہو۔ وہ آگ پر جلتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ''احد احد'' نہ کہو جس میں آگ سی لگ جائے وہ غیروں کو کیسے لے؟ جس پر خداوند قدوس کی توجہ ہو جائے تو کیا وہ

دوسری طرف بھی جاتا ہے؟ دیوانہ کرتا ہے اور قدموں میں ڈال دیتا ہے تو کلمہ کی حقیقت منکشف نہیں ہوئی، ہماری روحیں گھائل نہیں ہوئیں۔ جبھی تو سمجھ نہیں آتی، وہ منصور ابن حلاج نے یوں کہا کہ یہ مولوی لوگ پورے قرآن کو کیسے لے لیتے ہیں۔ میں نے تو دو حرف "لَآ اِلٰہَ" کے پڑھے اور قابو میں نہیں رہا۔

قلندر جُز دو حرف لَا اِلٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا

فقیہ شہر قارون ہے لغت ہائے حجازی کا

(قلندر "لَا اِلٰہ" کے دو حرف پڑھ کر اُس پر عمل پیرا ہو تو مراد تک پہنچ جاتا ہے اور بے عمل فقیہ بہت کچھ حاصل کر کے ناکام رہتا ہے یعنی علم کے ساتھ اخلاص کی ضرورت ہے۔)

مومن کون؟

بس زبان نے پڑھا لیکن حلق کے اندر اُترتا نہیں۔ طوطے کی زبان سے وہ "لَآ اِلٰہَ" کا پڑھنا ہے گو طوطا اپنی ذات کے لحاظ سے مومن ہے۔ یہ صرف انسان اور جن ہیں جو کہ اختیاری طور پر مسلمان ہوتے ہیں تو وہاں نہ تمہارے نفس، نہ بھائی، نہ بیٹے کی خدائی چلے۔ خدا والے بنو اور اس کا مطلب کیا کہ خود سے نکل جاؤ اور خدا کی نشانیوں کو دیکھو "سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ"۔ (حٰمٓ السجدۃ:۴۱،۵۳) (ہم انہیں اپنی نشانیاں کائنات میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے وجود میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ یہی حق ہے۔) تو تم اپنے نفس کے اندر اللہ کی تجلیات کو دیکھ لو تو اپنے نفس سے نکل جاؤ۔ تمہارے دل کی اٹھان خدا والی ہو، تمہارے نفس کا کوئی تقاضا باقی نہ ہو، اللہ کا تقاضا باقی رہے، مومن ایمان والا اس کو کہتے ہیں کہ ایک سے ہوتا ہو اد کھائی دے، اس کے حکم کو حکم سمجھتا ہو اور کسی غیر کے حکم کو جانتا تک نہ ہو۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم

کہ دانم مشکلات لَا اِلٰہ را

(جب میں اپنے کو مسلمان کہتا ہوں تو لرز جاتا ہوں کہ لَا اِلٰہَ جو تقاضا کرتا ہے اُس کا پورا کرنا مشکل ہے۔)

خدا کی معرفت اپنی عبدیت، اپنی پہچان خدا کی معرفت ہے تو کتنا خراب کتنا گندہ اور پھر بھی اس کے ساتھ اللہ نے تم کو اپنی ذات کی معرفت کے لیے پیدا کیا، یہ تھوڑا انعام ہے کہ اللہ نے تمہیں اپنا خلیفہ بنایا، اپنے مقام کو پہچانو۔

تو یہ معرفت والا کلمہ ہے اور یہ معرفت کیا ہے کہ نہ اپنی چلانی نہ غیر کی۔ تمام راہوں کو مسدود کرو جیسا کہ کفار کے متعلق آتا ہے ''صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ''تو وہ حق کے مقابل ہیں اور تم باطل کے مقابل میں ہو جاؤ، کانوں کو غیر سے بند کرلے، آنکھوں کو غیر سے بند کرلے اور زبان کو غیر سے بند کرلے اور جو اللہ کہتا ہے اس کو کرو، پھر اگر معرفت نصیب نہ ہو جائے تو مجھے یہ کہو کہ کیا کہا۔

گر نہ بینی نُور حق بر من بخند

زبان کو اللہ کا کلمہ پڑھاؤ اور جب مرتے وقت تم کو لوگ تلقین کریں گے اور وہ بھی بڑا خوش نصیب ہے جس کو لوگ تلقین کے لیے مل جائیں تو اُس وقت سے پہلے کلمہ کی حقیقت کو اپناؤ۔ منصور بن حلّاج کے متعلق آتا ہے کہ جب قتل کیا گیا اور حق تھا کہ قتل کیا جاتا تو اب ذرے ذرے سے ''انا الحق'' کی آواز آتی ہے۔ اب ایک بزرگ تھے۔ جب وصال کا وقت آیا اور بزرگوں کی موت کو وصال کہتے ہیں تو جب موت کا وقت ہوتا ہے تو خداوند قدوس کے ساتھ ملاقات ہوتی ہے۔

خرّم آں روز کہ زیں منزل ویران بردم

راحت جان طلبم وسوئے جانان بروم

(وہ دِن بڑی خوشی کا دِن ہو گا کہ میں دنیا کے اس ویرانے سے نکل کر اپنے محبوب کے پاس جاؤں اور جان کی راحت پاؤں۔)

یہ دروازہ یہ حجاب ٹوٹے تاکہ میں اللہ کو دیکھوں تو ان کا وصال ہوتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ تمام عمر اس کے لیے صرف کی تھی اور اگر اللہ کی مصلحت یہ نہ چاہتی تو یہ اللہ والے خودکشی کر لیتے تو اب جب وصال کا وقت آیا تو یہ تلقین کرتے ہیں اور وہ گم صُم ، لوگ یہ سمجھیں اور اعتراض آئے، اچھا بزرگ بنا پھرتا ہے کہ اب تو کلمہ پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی تو فرمایا کہ تمام عمر جس دروازے کو کھٹکھٹا رہا تھا وہ کھل گیا تو اب میں تم میں شامل ہو جاؤں۔ بزرگوں کا بیان صرف بیان نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے کہ ''لَآ اِلٰہَ'' بھی تم ہو، ہر غیر کو تم دھکیلنے والے ہو جاؤ اور ہر اللہ والی بات تم کو محبوب ہو جائے، مطلوب ہو جائے۔

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
جیسے برگِ گل میں ہوبادِ سحر گاہی کا نم

(عشق ایک ایسی بیماری ہے جو آدمی کے رَگ رَگ میں چلا جاتا ہے جیسے کہ پھول کے پتوں میں صبح کی ہَوا کا نم سرایت کر جاتا ہے۔)

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ کی معرفت کی چابیاں ہوتی ہیں۔ جب ان کو دیکھو تو اللہ یاد آجائے تو اللہ کے حصول کے لیے اپنی معرفت اپنانے کے لیے خداوند قدوس نے ہر انسان کے لیے طریقے مقرر کر دیے اور ان میں سب سے اعلیٰ، اجمل اور افضل جو طریقہ مقرر کیا وہ حضورؐ والا طریقہ ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کا مطلب

کلمہ تو ہم کہتے ہیں لیکن اس کی حقیقت کیا ہے ؟ سنتے ہو بھئی ! کبھی انسان سنتا بھی ہے لیکن سنتا نہیں تو ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کا کیا مطلب کہ ہمارے آقا محمد ﷺ اللہ کے خاص الخاص رسول ہیں۔ وہ اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ ایک اللہ کی طرف سے یہ پیغام رسان اور خود پیغام کیونکہ رسول صرف پیغام رسان نہیں بلکہ رسول خود پیغام ہوتا ہے، اُس کا ہر عمل، اس کی نگاہ اپنا خاص اثر رکھتی ہے۔ اللہ کے لیے اکثر لفظ طاعت استعمال ہوتا ہے اور نبی کے لیے اتباع آتا ہے اور اتباع اُسے کہتے ہیں کہ جیسے نبی چلے، اُس کے ساتھ چلیں، اس میں یہ نہ کہے کہ کیسے ؟ اور کیوں ؟ اور بھئی دیکھو! کہ یہاں رسول پر ایسی ویسی بات سے ایمان کا پرندہ نکل جاتا ہے۔ فرمایا کہ ''لَا یَزنی الزانی وھو مومن'' یہ صرف عمل کے لیے فرمایا تو اب عقیدہ کے متعلق کیا ہو، اب ہم یہ کہیں کہ یہ حکم اس زمانے کے لیے تھا، اِس زمانے کے لیے نہیں تو اس کا نتیجہ بہت دُور تک جا پہنچے گا۔ جو بھی چیز حضور ﷺ کے طریقے کے مخالف ہو تو وہ ہدایت والی نہیں بلکہ گمراہی والی ہے۔ ہدایت منحصر ہے حضور ﷺ کے طریقہ عالیہ میں تو کوئی طریقہ نہیں صرف حضور ﷺ کا طریقہ ہے۔ طریقۂ رسالت خداوند کے قرب کا سب سے بہتر، سب سے اعلیٰ، سب سے افضل، سب سے پاکیزہ اور دِلوں کو تازہ کرنے والا ہے۔ ایک سو سال تک اپنے رُخ سے عبادت کرو اور ایک دفعہ حضور ﷺ کے طریقے کے مطابق تو جو یہ دلائے وہ سو سال والی عبادت نہیں دلائے گی حضور ﷺ کے طریقے کے آگے تمام راستے مسدود اور مسدود نہیں بلکہ منقطع ہیں اور جو اس کے مخالف ہو تو بقول نقشبندؒ کے مخالف اگر ہَوا میں اُڑے تو پرندہ بھی اُڑتا ہے۔

تو کمال حضور ﷺ کے قدموں کی خاک کو اپنے سر پر ڈالنا ہے۔ یعنی جن راستوں پر حضور ﷺ چلے ہیں ان کو معلوم کرو اور جتنا بھی ان کو اپناؤ گے تو اللہ کے مطیع بن جاؤ

گے۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ یہ ہے قرآن کی میٹھی باتیں اور قرآن کی کون سی بات میٹھی نہیں اور بقول حضرت شاہ صاحبؒ ”قرآن ایک میٹھی دوائی ہے“۔ یہ تو نور کا ایک گولہ ہے تو فرمایا ”نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ“ کہ ہم تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ یہ ڈاکٹر کہیں کہ ہم نے تو اس کو چیرا لیکن کوئی خدا نظر نہیں آیا تو اندھی آنکھوں نے کیا دیکھا۔ فرمایا کہ ایسی معیت کے لیے ہر جگہ تمہارے ساتھ ہوں میری معیت کا استحضار کرو، تمہارے ظاہر کو بھی جھانکے باطن کو بھی جھانکے۔ وہ مولانا فرماتے ہیں:

یار را بر من نظر شُد دوختہ
ہائے من با این و آن دِل دوختہ

(محبوب کی نظر میں تو مجھ میں گڑھی ہوئی ہیں اور مجھے نہایت افسوس ہے کہ میرا دِل اِدھر اُدھر بھاگا پھرتا ہے۔)

یعنی

من بہ تو مشغول و تو غائب زمیانہ

(میں آپ کے شغل میں ہوں اور تیرا ذہن درمیان میں بالکل غائب ہے۔)

تو پہلا جُز ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ اور دوسری بات یوں فرمائی: ”اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ“ کہ مومن کے لیے ان کی ذات زیادہ اقرب اور قریب ہے۔ کوئی دوسرا کہے کہ یوں کرو تو وہ یوں کہے کہ میں نے تو حضور ﷺ کے طریقے کو اختیار کیا ہے۔ اپنے ظاہر و باطن کو حضور کے سپرد کیا ہے۔ نبی کا طریقہ اختیار کرنے سے تمہاری نگاہوں سے تمہاری باتوں سے حضور ﷺ کا نُور آتا ہے۔ تم چلو تو معلوم ہو کہ یہ کسی اور کی نسبت کو لیے ہوئے ہیں، کسی اور کو لے چکے ہیں، تمہارے احوال کا جزو کل جب تک حضور ﷺ کے طریقے پر نہیں آتا تو تمہارا ایمان کامل نہیں ہوتا اور دیکھو! یہ صحابہؓ، صحابہؓ کیسے ہوئے؟ اور ابو بکرؓ ابو بکرؓ ہوئے وہی ابو بکر تھے کہ اڑتیس سال تک کافروں کے سردار رہے۔ اب جو نبی ﷺ سے

تعلق ہوا، مسلمان ہوئے تو کیا ہوئے "خیر البشر بعد الانبیاء بالتحقیق" تو یہ کس کی نگاہوں نے بنایا، کیا کعبے سے اس راہ راست پر چلنے والے بن گئے۔ تو یہ فرشتوں کے اُوپر کیسے پہنچ گئے۔ حضور ﷺ کے قدموں کے نیچے مٹے۔ اپنا سب کچھ لٹا کے حضور ﷺ کو لیا۔ حضور ﷺ کو نہ لیتے تو اللہ کے نہ بنتے، بیت اللہ میں رہتے تھے اور کعبے کے سایے میں اُن کی مجلس ہوتی تھی لیکن اللہ سے دُور تھے، چوکھٹ کو پکڑتے لیکن اللہ نظر نہیں فرماتے تھے اور زمزم کو پیتے اور پلاتے تھے لیکن نظر نہیں تھی تو جب تک حضور ﷺ کے قدموں کے نیچے نہیں آئے اُس وقت تک انسان نہیں ہوئے۔ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کا اقرار اس بات کا اقرار ہے کہ ہم حضورؐ والے ہیں، ہمارا چلنا وہ حضورؐ والا ہو، یہ زمین شق ہو جائے، چاند پھٹ جائے، ستارے ملیامیٹ ہو جائیں لیکن حضور ﷺ کا طریقہ باقی ہو۔

انبیاء علیہم السلام والی راہ

کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا، کیا زمانہ بدلتا ہے جس طرح کہ ہَوا میں تنکے اُڑتے ہیں لیکن کیا اس میں چٹانیں بھی اُڑا کرتی ہیں تو اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے تو جس طرح پہاڑوں کی وجہ سے زمین نے ہِلنا چھوڑ دیا، تم تو حضور ﷺ کے فیض لینے والے ہو، پلانے والے ہو، تمہیں کیا ہو گیا؟ کہاں جا رہے ہو؟ کہاں تھے اور کہاں آ گئے؟ ایک طرف حضور پاک ﷺ کی معیت جنت میں اور ایک طرف دوزخ کا گڑھا۔ حضور ﷺ کے طریقے کو لے لو تو جنت میں حضور کی معیت ہو گی اور اگر غیروں کے طریقے لے لو گے تو سیدھے جہنم تک چلو گے۔ جیسے کوئی پوچھے کہ یونیورسٹی کو کون سا راستہ جاتا ہے تو کہیں کہ سیدھا راستہ لے لو، یونیورسٹی پہنچ جاؤ گے تو اسی طرح حضور ﷺ کا طریقہ سیدھا جنت کو جاتا ہے اور اسی طرح غیروں کے راستے سیدھے جہنم کو جاتے ہیں تو یہ کیسے ہوتا ہے، پہلے نمبر کے آنے سے (یعنی کلمہ کے آنے سے) اور میں کل عرض کر رہا تھا کہ دیکھو! دَس نمبر یہ بن جانا آسان ہے لیکن چھ نمبر یہ والا بننا مشکل ہے تو پہلے نمبر میں کیا کہتے ہیں کہ اللہ والے بن جاؤ اور

حضورؐ والے ہو جاؤ تو ذرا سوچو کہ اس معیار پر کہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' پر اس وقت کون ہیں؟ آپ پڑھتے تو ہیں لیکن حقیقت کیا ہے تو اللہ کی توحید، اللہ کی محبت کس کو نصیب ہے، ہم میں سے حضورؐ پر مٹنے والے، اپنے کو مٹانے والے کتنے ہیں؟ اور اگر نہیں تو کیا اس کو اپنانے کی ضرورت نہیں۔ تو اب کوئی اس کو تلقین کرنے والا ہے؟ تو اس کلمے کو سیکھو قبل اس کے کہ موت آجائے تو رائے ونڈ چلے جاؤ اور یہ کلمہ صرف لفظ نہ رِہ جائے بلکہ نورانیت کلمہ اور حقیقت کلمہ آجائے تو یہ چار مہینے اس کے لیے کم ہیں کہ زیادہ۔ اب کسی پگلے نے تو کہا ہے کہ:

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

کہاں تُو اور کہاں پر دو عالم اپنے نرخ اور بڑھاؤ۔ وہ عبد القادر جیلانیؒ نے فرمایا:

روشن از عکس جمالش عالم امکان ماست
یک نگاہِ نازِ جانان قیمتِ ایمان ماست

(اس کے حُسن کے عکس سے ہماری دِل کی دنیا و روشن ہے اور ہمارے ایمان کی قیمت اپنے محبوب کی ایک نظرِ کرم ہے۔)

وہ تو کیا کہ ایک عکس جمال آجائے تو یہ میرے ایمان سے بھی زیادہ ہے اور ہم یہ کہیں کہ چار مہینے تو بہت ہی زیادہ ہیں تو حضور ﷺ کے طریقے کو اپنانے کے لیے اس حقیقت کو اندر لانے کے لیے چار مہینے لگ جائیں تو کیا یہ زیادہ ہے یا کم؟ حضرت صابر کلیریؒ بارہ سال لنگر پر رہے اور ہم کہیں کہ عاشق تو میں اللہ کے بھی عاشق، اللہ کے رسولوں کے بھی عاشق، اس کے اولیاء اللہ کے بھی عاشق لیکن ان کی راہوں پر چلنے والے نہیں تو اب بولیں بھائی کون کون تیار ہیں؟ کون ہے اللہ کا بندہ جس کو کلمے کی ضرورت ہے اور سبھی کو ضرورت ہے تو وہ ہمت کر کے ارادہ کر کے اپنا نام لکھ لیں۔ دیکھو! ہمیں سمجھانا تو آتا نہیں۔ بس یوں کہتے ہیں کہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' کو اپنالو اور اس کو اپنانے کے لیے چار چار مہینے کے لیے اپنا نام لکھوالو۔

دینی دعوت کا تقاضا

مسجد فارسٹ کالج پشاور (14 اکتوبر 1963ء)

انبیاء علیہم السلام کی دعوت

عزیز دوستو اور بزرگو! ہمارے آقا سیدنا محمد ﷺ اس دنیا میں اللہ کے آخری نبی اور رسول بن کر آئے۔ آپ ﷺ کی رسالت اور نبوت صرف آپ ﷺ کے زمانے کے لیے نہیں بلکہ ابد الاباد کے زمانے تک جتنے بھی لوگ ہیں وہ سب کے سب حضور ﷺ کے دائرۂ نبوت میں ہیں۔ ایک کافر اور ایک ایمان والا دونوں حضور ﷺ کے نبوت کے دائرے کے اندر ہیں۔ اب کسی نبی نے آ کر یہ دعوت نہیں دی کہ تم بڑے بڑے کارخانوں، تجارت اور زراعت کو قائم کرو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دین کے خلاف ہیں لیکن وہ یہ نہیں کہتا کہ دنیا کے کاموں میں لگ جاؤ۔ جتنے بھی انبیاء آئے، ہر ایک نے یہ دعوت دی کہ "فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ" اللہ کی طرف دوڑو۔ نبی کی دعوت کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے احکام کو اس کے بندوں تک پہنچاؤ۔ نبی تم کو مٹی میں دبانا نہیں چاہتا۔ اس زمانے میں بھی ایک طبقہ ہے جو "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتا ہے" اور ایک طبقہ ہے جو اللہ کو بھی مانتا نہیں۔ اب اگر وہ طبقہ جنہوں نے دنیاوی ترقی کی ہے اور یہ سب کچھ نبی کے خاکے کے بغیر حاصل کیا ہے تو سوچنے کی بات ہے، جذباتی بات نہیں کہ دنیا کا بنانا نبی کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔ اب اگر نبی بھی یہی کہے تو اس کے اور اُن دوسروں کی دعوت میں فرق کیا ہوا۔ وہ تو اس لیے آتا ہے کہ اللہ والے ہو جاؤ۔ وہ تم کو مخلوق کا تابع نہیں بناتا بلکہ وہ تو یہ دعوت دیتا ہے کہ ایمان والے اور اللہ والے ہو جاؤ۔ تم میں سچائی، ایمان، دیانت آجائے تو اللہ تم کو دنیا بھی دے گا اور آخرت بھی۔

ایک راستہ ہے کفر والوں کا، وہ کفر کے لیے، دنیا کے لیے اپنی تمام طاقت لگاتے

ہیں۔ اور ایک ہیں اللہ والے، وہ اپنی پوری طاقت کو اللہ کے لیے لگاتے ہیں اور پھر اللہ پوری کی پوری کائنات اس کے لیے لگاتا ہے۔ ایک ہے کان کو اسی طرح پکڑنا اور ایک ہے اس طرح۔ پوری کی پوری مخلوق اللہ کے حکم کی پابند ہے۔ اگر ہم اللہ والے ہو جائیں تو یہ ہماری پابند ہو گی۔

مومن کا مقصد آخرت کو بنانا ہے، ہمارے آقا جو تمام نبیوں کے سردار ہیں، سب سے بڑے ہیں اور سب سے پیارے ہیں۔ آپ ﷺ جو طریقہ کار دے گئے وہ ایسا نہیں کہ آپ کو گھاٹے کی طرف لے جائے جو کفر والے غلط راستوں پر جا رہے ہیں اور اُن میں اپنی کامیابیاں سمجھتے ہیں۔ اگر ہم بھی اُن میں کامیابی سمجھیں تو فرق کیا ہو گا؟ کافر تو یہ سوچتا ہے کہ سونے اور زمین کے ساتھ کامیابی ہے۔ اگر ہم بھی یہی سمجھیں تو کافر اور مومن کے ذہن میں کیا فرق ہوا؟ مومن تو یہ سوچتا ہے کہ میری کامیابی اللہ اور حبیب پاک ﷺ کے لینے میں ہے۔ اگر میں نے ان کو لے لیا اور فاقہ بھی آیا تو میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ یہ بزرگانِ دین جو فقر و فاقہ کی زندگی گزارتے تھے تو اُن کے پاس کیا تھا؟ اول کام یہ ہے کہ انسان اللہ کے نزدیک ہو جائے اور حضور پاک ﷺ کے نزدیک ہو جائے اس لیے عرض کیا جاتا ہے کہ اے اللہ کے بندو! زندگی فانی ہے جاودانی نہیں اور ہم ہیں کہ دُور جا چکے اور روزانہ جا رہے ہیں۔ ہم کو یہ بھی پتہ نہیں کہ کہاں جا رہے ہیں؟ شیطان نے اس چکر میں لگایا تو ہم جاتے ہیں۔ جنازہ کندھے پر ہوتا ہے لیکن یہ فکر نہیں کہ میں بھی کبھی دوسرے کے کندھے پر جا کر حاضر ہوں گا۔

کون ہے جسے دین کی اور ایمان کی ضرورت نہیں پڑے گی لیکن شیطان نے ایسے چکر میں لگایا ہے کہ جو مٹنے والی زندگی ہے اس کو تو بڑا اور جو باقی زندگی ہے اس کے لیے کچھ کرنے نہیں دیتا۔ دیکھو! آخرت کی زندگی بہت بڑی زندگی ہے۔ اُس کے لیے اگر کسی نے دنیا کو آگے پیچھے کر کے اُس زندگی کو بنا لیا تو کامیاب ہوا لیکن میں یوں عرض کروں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دین کے لیے محنت کرو تو دنیا ناک رگڑتی ہوئی آئے گی لیکن مقصد

دین ہو۔ یہ دنیا اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اگر تم چھوڑ جاؤ تو یہ خود آجائے گی۔ کافر کی اتباع کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آگے چلے اور ہم پیچھے۔ ہم نے تو اپنے ایمان کی قدر نہیں کی۔ حبیب پاک ﷺ کی قدر نہیں کی۔ اس حدیث کو تو سنا ہو گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آجائیں تو حضور ﷺ کی پیروی کئے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں لیکن تم نے اب ان کے پیروکاروں کو جنہوں نے اپنے دین کو بدل دیا، عیسائیت بدلی ہوئی ہے، یہودیت بدلی ہوئی ہے، تم اس کے پیرو ہوئے تو خرابی کیا ہو گئی؟

وقت لگانا

تو تبلیغ کے نام سے جو اکٹھا کیا جاتا ہے کہ آج ہم منتشر ہو گئے۔ نماز میں ہم تو کعبے کی طرف منہ کرتے ہیں لیکن مسجد سے نکل کر کوئی کس طرف جاتا ہے، کوئی کس طرف جاتا ہے۔ اب ہم میں ایمان اور یقین نہیں رہا تو جیسے کہ کسی فن کو سیکھتے ہیں، اسی طرح ان کو سیکھنا پڑے گا اور اس کے لیے وقت نکالنا ہو گا، فارسٹری، ایگریکلچر کے لیے وقت لگانا پڑتا ہے بغیر وقت لگانے کے گھر بیٹھے ڈگری نہیں ملتی۔ اگر میں مسلمان کے ہاں پیدا ہوا تو جیسے تمغہ لگا کہ میں مسلمان اور ایمان والا ہو جاؤں۔

تو دوستو! ہم بس یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو مسلمانوں کے گھر میں پیدا کر دیا اور گرجوں میں پیدا نہیں کیا لیکن ہم نے اُن کا طریقہ اختیار کیا جو گرجے والے تھے اور اُن کا طریقہ نہیں لیا کہ جو مسجد والے ہیں۔ ہم میں کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہمارا ایمان ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ جیسے ہے۔ وہ تو کام کر کے چلے گئے جبکہ جنت کی بشارت مل چکی تھی۔ اب میں قبر میں کیسے جاؤں۔ یہاں تو کوئی دوسرا بھی مدد کے لیے آسکتا ہے، کوئی دوسرا بھی تسلی دے سکتا ہے لیکن قبر میں تو باپ بھی ساتھ نہیں ہو گا۔ میری ماں بھی ساتھ نہیں ہو گی تو اس دین والی فکر کو زندہ کرو جیسے کہ کوئی زلزلہ آجائے۔ عمارت گر جائے تو پہلے اس کی بنیادوں کو اُٹھاؤ گے۔ اسی طرح دین کی عمارت کی بنیادوں کو اُٹھانا ہو گا۔ کوئی درخت سوکھ گیا تو اس کے پتوں،

شاخوں کو نہیں بلکہ جڑوں کو پانی دو گے۔[44]

اب چھوٹی چھوٹی باتوں کو نہیں سوچنا ہے بلکہ ایمان ویقین کو تازہ کرو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان پرانا ہو جاتا ہے جیسے کپڑا پرانا ہو جاتا ہے تو ایسے ایمان کو بھی کثرت "لَآ اِلٰہَ" کے ذکر سے تازہ کرو، ایمان کی محنت کر کے اس پر جان کھپا کر ایمان کو تازہ کر دے۔ اب مثلاً ہمارے مولوی صاحب ہیں، دس بچوں کو کلمہ شریف پڑھایا تو انہوں نے ایک دفعہ پڑھا اور یہ دس دفعہ پڑھیں گے تو ایمان کو پیدا کرنے کے لیے دوسروں میں کوشش کرکے نیکی کا بدلہ دس گنا ملتا ہے۔ اب آپ کے پاس روپیہ ہو اور سو فقیر آگئے اور آپ نے ہر فقیر کو ایک ایک روپیہ دیا تو فقیر نے تو لیا ایک اور آپ کے پَرس سے سو روپیہ نکلا۔ اسی طرح آکر آپ نے لوگوں میں ایمان کی محنت کی سو آدمیوں پر اور اُن میں رَتی بھر ایمان پیدا ہو گیا لیکن آپ کے پاس سیر بھر ایمان آئے گا تو کوشش کرو اور جنت میں اکیلے نہ جاؤ۔ شیطان بدبخت کو تو سب جانتے ہو اور اُس سے واسطہ بھی ہوا ہو گا۔ اُس کی یہ کوشش ہے کہ خود اکیلے جہنم میں نہ جائے بلکہ اپنے ساتھ بہت ساروں کو جہنم میں کھینچ کر لے چلے تو اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اس کے برخلاف سب کو جنت میں لے جانے کی کوشش کریں۔

اب اعمال میں اسلام کے اندر داخلے کا دروازہ جو ہے وہ نماز ہے تو ہم میں سے ہر

---

[44]۔عن حذیفة بن الیمان رضی اللہ عنه: یدرس الاسلام کما یدرس وشیّ الثوبَ۔(مصباح اللغات) حتی لا یدری ما صیام ولا صلوٰة ولا نسك ولا صدقة، و لیسری علی کتاب اللہ فی لیلة فلا یبقی و شیء فی الارض منه آیة۔ و تبقی طوائف من الناس ، الشیخ الکبیر والعجوز یقولون: ادرکنا اٰباۤءنا علی ھذه الکلمة: لا الٰه الا اللہ، فنحن نقولُها فقال له صلةُ: ما تغنی عنھم لا الٰه الا اللہ و ھم لایدرون ما صلاة و لا صیام ولا نسك ولا صدقة، فاعرض عنه حذیفة، فردھا ثلاثا: کل ذلك یعرض عنه حذیفة۔ ثم اقبل علیه فی الثالثة: یا صلة تنجیھم من النار۔ ثلاثا۔ (اخرجہ ابن ماجہ: ۴۰۴۹، والحاکم: ۴/ ۴۷۳)عن أبي ھریرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ جدُدوا ایمانکم قیل یا رسول اللہ ﷺ و کیف نجدد ایماننا قال اکثروا من قول لا الٰه الا اللہ۔(فضائل اعمال: ص۶۹۷)

ایک ایسی نماز پڑھنے والا ہو جو کہ گناہوں کو جھڑنے والی ہو، یقین بڑھتا ہو، ایمان بڑھتا ہو، دِلوں کا زنگ اُترتا ہو اور اللہ کی محبت پیدا ہو گی اور ہر ہر حکم پر عمل کرنے کی کوشش ہو گی اور ساتھ مل کر حقوق اللہ کے ادا کرنے والے بن جائیں اور دوسروں پر شفقت کرنے والے بن جائیں جیسے کہ حضور پاک ﷺ غیروں کے غم میں گھلتے تھے، اُن کے غم میں پوری پوری رات دُعائیں گزارتے تھے، محبت پرور تو تھے ہی لیکن دشمنوں کو بھی نوازتے تھے۔ جب تک ہم میں یہ اخلاق موجود تھے تو اپنے تو اپنے تھے ہی غیر بھی اپنے بنتے تھے لیکن جب یہ طریقہ نکلا تو غیر تو غیر تھے ہی لیکن اپنے بھی گئے ہاتھ سے۔ تو اب دین کے لیے سب سے بڑی خدمت ایمان کی شکلیں گھر گھر پھر کر لوگوں کے ذہنوں میں ڈال دو اور ان کے کام بھی کرو۔ یہ سب کچھ اللہ کے تعلق کے لیے کرو غیر کے لیے نہ کرو۔ مومن اور کافر میں یہی فرق ہوتا ہے کہ مومن اللہ کے لیے اور کافر غیر کے لیے کرتا ہے۔ مومن کے دِل میں اللہ ہوتا ہے، غیر خدا نہیں ہوتا اور کافر کے دِل میں غیر ہوتا ہے، اللہ نہیں ہوتا۔ مخلوق کو نہ دیکھو اور مخلوق ہے بھی کیا کہ اُن کی طرف دیکھا جائے۔ اس پر عمل کرو تو آخرت میں ایسے درجات مل جائیں گے کہ حیرانی ہو گی اس لیے عرض کرتا ہوں کہ جیسے ہم اپنے سکولوں میں، کالجوں میں چیزوں کے سیکھنے کے لیے عمر کے کئی سال لگاتے ہیں تو دین کے سیکھنے کے لیے، ایمان کو سیکھنے کے لیے چار مہینے لگا دو اور ایمان صرف حروف کا نام نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے اور ایسی آگ ہے جو ہر غیر کو جلا دیتی ہے۔ اِسی طرح آپ میں سے بعض لوگ جو ریفرشر کورس کے لیے نہیں جاتے تو وہ بانجھ رہ جاتے ہیں اور ریفرشر کورس سے رنگ تازہ ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح عمر میں چار مہینے گزار کر اگر سال کے گزرنے پر ہمارے دِلوں میں زنگ آجائے تو پھر سال میں چالیس دِن لگا دیں تاکہ وہ زنگ اُتر جائے۔ وہ کوئی شاعر تھا تو اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

تیرے عشق میں ہم نے جوانی لٹا دی
جوانی لٹا دی زندگانی لٹا دی

تو ساتھ کوئی دِل جلا بیٹھا ہوا تھا، فوراً جھاڑ دیتے ہوئے کہا:

محبت میں لٹتے ہیں دین اور دُنیا
بڑا تیر مارا جوانی لٹا دی

آپ نے اگر ایمان سیکھنے کے لیے چار مہینے دیئے تو کیا بڑی بات ہوئی اس لیے کہتے ہیں کہ جیسے یہ طالب علم آپ کے پاس آئے، اِسی طرح ہفتے میں ایک دِن بھی نہیں بلکہ ایک گھنٹہ اور اس سے بھی کم وقت کے لیے چند ساتھی اکٹھے ہوئے اور ساتھ ہی لوگوں کے پاس دین کی دعوت دے کر نماز کے لیے مسجد میں بلائے۔ اِسی طرح اگر ایک دو نمازی بنتے جائیں تو سال میں سو کے قریب بن جائیں۔ اسی طرح ہفتے میں قریب آبادیوں میں ایگر یکلچر کالج میں، پلوسی میں، مغرب یا کوئی وقت مقرر کر کے گشت لگا لیا کریں اور ساتھ ساتھ کچھ ذکر بھی کیا کریں۔

ایک لطیفہ ہے کہ کوئی شخص ایک شیخ کے ہاں مرید ہوگئے تو پوچھا: کتنی دفعہ یاد کروں۔ تو کہا کہ اگر بازاری عورت پر عاشق ہوئے تو کیا یہ کہوگے کہ کتنی بار یاد کروں تو جو عاشق ہوتے ہیں وہ پوچھتے نہیں تو اسی طرح دِن میں ایک سو مرتبہ استغفار اور سو مرتبہ درود شریف اور سو مرتبہ کلمہ سوم پڑھو تو پانچ چھ باتیں ہیں جن کی ہم دعوت دیتے ہیں۔ کوئی سیاسی بات نہیں، کوئی ایسی ویسی بات نہیں لیکن دَور ایسے آیا کہ آج ہم میں دین کی چیزیں کم ہوتی ہیں اور دنیا کی زیادہ۔ آج تو وہ بات ہے کہ جس گھر میں باپ تہجد پڑھتا تھا، بیٹا نماز نہیں پڑھتا۔ اِسی طرح کوشش کریں کہ آپ ہمارے ہاں آئیں اور ہم تمہارے ہاں آئیں۔ آپ ہمارے پڑوسی ہیں اور پڑوسی کا ایک دوسرے پر حق ہوتا ہے اور سب سے بڑا حق دین کا بنتا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو فتح خیبر کے موقع پر جھنڈا دیا تو فرمایا: اگر تیری وجہ سے ایک بھی آدمی دین کی بات پر آجائے تو وہ تمہارے لیے سُرخ اُونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ آپ کوشش کریں اور ایک امیر بنالیں اور میری مراد کوئی ایسا آدمی نہیں کہ وہ حاکم بن جائے بلکہ وہ خادم ہو تو آپ کوشش کرلیں کہ یہ دین کی حرکت چلتی رہے۔

انبیاء علیہم السلام کا راستہ دُنیا اور آخرت کا ضامن

بیان اسلامیہ کالج پشاور (15 اکتوبر 1963ء)

انبیاء علیہم السلام کی دعوت

بھائیو، عزیزو اور دوستو! اس زمانہ میں، ترقی کے دَور میں ایک ترقی کا لفظ ہے اور ایک حقیقت۔ ایک راہ پر انسان اپنی زندگی کی بنائی ہوئی تجویزوں پر چلتے ہیں اور ایک راہ پر انبیاء علیہم السلام انسانوں کو چلاتے ہیں۔ ایک انبیائی راستہ ہے اور ایک عام انسانوں کا راستہ ہے۔ ایک کو تو خداوند قدوس کی ذات میں ہر ایک چیز دکھائی دیتی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کا تعلق اللہ کی ذات سے قوی ہو جائے اور ان کے بتائے ہوئے احکام پر چل کر اللہ کے امروں اور حکموں کے ساتھ پوری مخلوق کے ساتھ اپنا تعلق اس طرح قائم کرے کہ مخلوق ان کے قدموں پر آئے۔

وہ غیر خدا کی طرف دعوت نہیں دیتے بلکہ اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ وہ اس طرف دعوت دیتے ہیں کہ کامیابی اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ ان راستوں کو نہیں اپناتے جو خدا کی ذات سے غافل کرتے ہیں، جو خدا کے تعلق کو کمزور کرتے ہیں۔ تو ان راستوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ دیکھو خداوند قدوس کو اس معنی میں عیوب سے پاک جانو کہ اللہ کے احکام اگر تمہارے جسم میں رائج ہوں، وہ اللہ سے جوڑتے ہیں، توڑتے نہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مقصد انسانوں کا تعلق خداوند کریم کی ذات سے جوڑنا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور پاک ﷺ تک سب نے یہی آواز لگائی کہ اللہ کے احکام کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی گزارو۔ اس کے نتیجے کے طور پر دنیا کی زندگی ذیلی طور پر آتی ہے جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارا مقصد آخرت ہو تو دنیا ناک رگڑتی ہوئی تمہارے پاس آئے گی تو انبیاء علیہم السلام والا راستہ اللہ سے لینے والا ہے۔ چیزوں سے لینے کا

راستہ انبیاء علیہم السلام کا راستہ نہیں۔ یہ بگڑی ہوئی عیسائیت کا راستہ ہے، یہودیت کا راستہ ہے کہ خدا سے کٹ کر چیزوں پر دن رات محنت کی جائے۔

دوستو! ہماری اور اوروں کی زندگی میں نمایاں فرق ہے۔ ہماری نگاہوں میں حضور ﷺ کی زندگی اصلی ہے۔ ہماری نگاہوں میں ایک سنت بھی ٹوٹے تو وہ پورے عالم کے ٹوٹنے سے قیمتی ہے۔ اللہ کا ہر ایک حکم اِتنا اعلیٰ اور اِتنا قیمتی ہے کہ اگر پوری دنیا ٹوٹ جائے تو کچھ پرواہ نہیں تو انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور اللہ کے حکم کی وقعت دِلوں میں پیدا کرتے ہیں، وہ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان اللہ والا بن جائے، آج لوگ اللہ کو نہیں جانتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا صرف خ،د،ا کا نام ہے جو خدا کا ہو گا پوری خدائی اس کی ہو گی۔ انبیاء علیہم السلام نے یہ طریقہ بتایا کہ اللہ کو حاصل کرو، اللہ والے ہو جاؤ۔ جب تم اللہ والے بن جاؤ گے تو پوری مخلوق تمہاری ہو گی، وہ مخلوق میں اپنے کام کو چالو کرے گا کہ یہ خود بخود تمہاری مسخر ہو جائے گی۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کا راستہ دوسرے راستوں سے متمیز ہے، جدا ہے۔ اس لیے اگر ہم نے یہ نہ مانا تو اللہ ہم کو ذلیل کرے گا۔

اسلام کی جامعیت

جو حضور ﷺ کو مانتے ہوئے آپ ﷺ کے طریقے کو نہیں مانتے تو ان کو اس دنیا میں کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی کیونکہ حضور ﷺ کا طریقہ دونوں کا جامع ہے اس لیے جس نے اس کو چھوڑ دیا اس کو نہ یہ دنیا ملے گی نہ وہ دُنیا۔ جب ہم ”لَآ اِلٰہَ“ کا اقرار کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اے رب! تُو ہمارا محبوب ہو گا، ہمارا مقصود ہو گا، ہمارا مطلوب ہو گا، ہماری زندگی کا جزو کل حضور ﷺ کے طریقے سے بن سکتا ہے۔ اگر حبیب پاک ﷺ کے طریقے کو چھوڑ دیں گے تو ہماری اپنی زندگی ختم ہو جائے گی۔ حضور ﷺ نے جو کہا وہ حق ہے۔ اب اللہ کے احکام کو دِل میں لانا ہو گا، جسموں پر بھی ڈالنا ہو گا۔ اسی طرح حضور پاک ﷺ کی محبت قلب

میں پیدا کرنی ہو گی اور ہمارے جسموں میں بھی لینی ہو گی۔

''لَآ اِلٰہَ'' ایک سنت ہے اور وہ تم کو تمام طریقوں سے نکال کر ایک طریقے پر ڈالتی ہے۔ اگر آپ خداوند قدوس کے طریقے سے ہٹ گئے تو کلمہ کی صورت ہو گی، حقیقت نہیں ہو گی۔ خداوند قدوس کی مدد اُن لوگوں کے ساتھ نہیں ہوتی جو حضور ﷺ کے طریقے کو چھوڑ کر غیروں کے طریقے پر چلیں۔ وہ قومیں بڑھتی ہیں، پھلتی ہیں، پھولتی ہیں۔ جب اُن کے نزدیک خداوند قدوس کے احکام کی عظمت ہو۔ صحابہ کرامؓ کے پاس کیا تھا، دنیاوی اور ظاہر کے لحاظ سے ان کے ملکوں سے فارس اور روم کی طاقتیں اِتنی اُونچی تھیں جس طرح ہمارے لحاظ سے روس اور امریکہ ہیں لیکن حضور ﷺ کے طریقے جب اُن میں قائم ہو گئے تو فارس اور روم اُن کے قدموں میں آپڑے اور اُس زمانے کا فارس آج کا ایران نہیں تھا بلکہ اس کی سرحدیں روم اور تاشقند تک پھیلی ہوئی تھیں۔

صحابہؓ اور سنّت

ایک صحابیؓ سے کھانے[45] کے وقت بوٹی زمین پر گری۔ آپ نے اُسے صاف کیا اور کھالیا۔ ساتھی نے کہا کہ یہ لوگ اس کو اچھا نہیں جانتے تو فرمایا ''أَأَتْرُكُ سُنَّةَ حَبِيْبِيْ لِهٰذِهِ الجُهلاء'' (کیا میں اپنے حبیب پاک ﷺ کے طریقے کو ان جاہلوں کی وجہ سے چھوڑوں)۔ تو جن کی نگاہوں میں حبیب پاک ﷺ کی سنت نہیں تو ان کی نگاہوں میں نہ یہ نظر آئے اور نہ وہ۔ وہ کسی کے الفاظ میں جس کے سر پر حبیب پاک ﷺ کی خاک نہیں اُس کے سر پر خاک ہو۔

---

[45]۔ عن ابن مسعود رضی الله عنه: أنه كان يأكل فی بلاد الشام فسقطت لقمة فأراد ابن مسعود رضی الله عنه أن يميط الأذی و يأكلها فلامه اصحابه لانه فی بلاد الشام۔ فقال: أأترك سنة حبيبی علمشان هٰؤلآء الحمقی؟ فأخذ اللقمة و أكلها۔

محمد عربی کہ خواجہ ہر دو سر است
کسیکہ کہ خاک درش نیست خاک بر سر اوست

(محمد عربی ﷺ کہ دونوں جہانوں کے سردار ہیں جو اس کے در کا خاک نہ بنے اس کے سر پر خاک ہو یعنی وہ انتہائی ناکام ہو گا۔)

دوستو! تمہاری ترقی کی راہ وہی ہے اور رہے گی یعنی قرآن پاک اور سنت۔ جب یہ دونوں ہیں اس کو لیکر آسمانوں پر اُڑ سکتے ہو۔ اگر اس سے ٹوٹ گئے تو تمہاری یہ ترقی کی راہیں ترقی کی مد نہیں رہیں گی بلکہ ان ترقی کی راہوں میں تم دوسرے رُخ پر پہنچ جاؤ گے تو ایمان کا ذرہ جو تمہارے دِل میں ہے، اسی بھٹی کو سُلگانے کے لیے عبادات کو کرنا ہو گا اور اس میں پہلے نمبر پر آتی ہے نماز اور وہ ایسی نماز ہو جو ہمیں ایک اللہ کا بنا دے اور حبیب پاک ﷺ کا بنا دے۔ زندگی والی نماز، ایسی نماز کہ محبت والی نماز ہو، وہ حبیب پاک ﷺ کے لفظوں میں روشن چمکدار شکل والی نماز ہو، دُعا دینی والی ہو، منہ پر مارنے والی نہ ہو۔[46]

یہ نماز آجائے گی تو پتہ لگے گا کہ خدا کن باتوں سے خوش ہوتا ہے۔ پھر ہم اُن مسائل اور فضائل کو سیکھنے کی کوشش کریں گے جن سے اللہ خوش ہو اور یہ نہ ہو تو ہم انسان نہیں ہوں گے بلکہ کچھ اور مخلوق ہوں گے۔ ''اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ''(الاسراء۱۷:۴۴)(اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم لوگ اُن کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔)

---

[46]۔ رُوِی عن أنس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلّی الصلٰوتِ لوقتِها واسبخ لها وضوئها و اَتمَّ لها ركوعَها و سجودَها خرجَتْ وهی بیضاءُ مسفرة تقولُ حَفِظك اللّٰهُ كما حَفِظْتَنی و من صلّاها لغیرِ وقتِها ولم یُسبغْ لها وُضوئها ولم یُتمّ لها خشوعها ولا رُكوعها ولا سجودَها خرجَتْ وهی سوداءُ مُظلِمةً تقولُ ضیَّعَكَ اللّٰه كما ضیَّعْتَنِی حتی اذا كانت حیثُ شآءَ اللّٰه لُفَّتْ كما یُلَفُّ الثوبُ الخلقُ ثمَّ ضُربَ بها وَجْهَهٗ۔ (فضائل اعمال مولانا زکریاؒ: ص ۴۸۴)

توجب تک تم اللہ کو یاد نہیں کروگے، اللہ کی تجلیات تم پر نہیں آئیں گی۔ اگر تم اللہ کو چاہنے والے ہو تو جو محب ہوتا ہے وہ کبھی اللہ کو بھولتا ہے؟ تم تو دنیا کے لیے معیار بن کر آئے، نمونہ بن کر آئے، ایسی زندگی گزارو کہ تم دنیا کے لیے نمونے بن جاؤ۔ لوگوں کا اکرام اور احترام کرنے والے، رب العالمین کی شان تمہاری نگاہوں سے پھوٹے، تمہاری پوری کی پوری زندگی عالم کے لیے رحمت کا نمونہ ہو، تم جیتے ہو تو اللہ کے لیے ہو، تمہارے دِلوں میں غیر کی چاہتیں نہ ہوں، غیر میں ہے کیا، جو تمہیں دے گا۔ ایک اللہ کو اپنالو، غیر کے خاکوں کو نکالو۔ اُس اللہ کو اپنالو، اُن چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے وقت کو فارغ کرو، یہ دین والے اعمال اور چلانے والے اعمال ایسے نہیں آئیں گے کہ ایک پودے کو آپ لگانا چاہتے ہیں، ایک ڈگری حاصل کرنا چاہیں تو وقت لگانا پڑتا ہے تو محمد ﷺ کے طریقوں کو سیکھنے کے لیے بھی وقت دینا پڑتا ہے اور یہ چار مہینے کوئی بڑی چیز نہیں لیکن آج اسلام اپنوں میں ناآشنا ہوگیا، اپنے نہیں جانتے کہ کیا ہوگیا۔ وہ بات کہ اسلام پہلے بھی ناآشنائی کی حالت میں تھا۔[47] اور پھر ناآشنائی کی حالت آجائے گی۔ دلوں میں سے حقیقت ایمانیہ نکل گئی جس کی وجہ سے لوگ خود نیکیوں کی طرف بھیجے گئے تھے، مومن کا دِل مومن کا دِل نہیں رہا۔ آج دِلوں کی کشتیاں اُجاڑ ہوگئیں۔

دوستو! اس کے لیے ہم کو اپنی زندگی میں اوقات لگانے ہوں گے۔ اگر ہم چاہیں کہ دین کے کام کرنے والے بنیں تو اس کے لیے اپنی زندگیوں میں چار مہینے کا کورس کر لیا کرو۔ سال میں چالیس دن دیا کرو، مہینے میں تین دن اور ہفتے میں دو گشت کیا کرو اور اسی طرح روزانہ کی تعلیم میں جوڑ کر بیٹھا کرو۔ اگر تم میں حضور ﷺ کا تعلق نہیں تو تم آسمان پر بھی اُڑو تو تم

---

[47]- عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ بدأ الاسلام غریبًا۔ و سیعود کما بدأ۔ فطوبیٰ للغرباء۔

ناکامی والے ہو، تمہیں کیا ہو گیا کہ جن کے پاس کچھ نہیں ان کے پیچھے ہو لیتے ہو اور جن کے پاس سب کچھ ہے اُن کو چھوڑتے ہو، ایمان اور یقین کے موتیوں کو لٹا کر دوسروں کے سنگریزوں کو لیتے ہو۔ دوستو! یہاں بھی کچھ کام ہوتا ہے۔ گنج علی خان مسجد میں بھی کچھ ہوتا ہے۔ اگر تم دین کا کام کروگے تو دین آجائے گا۔ اگر یہ نہیں تو اللہ اِتنے غیور ہیں کہ بغیر طلب کے کسی کے ساتھ اسکو چپکایا نہیں کرتے۔

اَنُلۡزِمُکُمُوۡهَا وَ اَنۡتُمۡ لَهَا کٰرِهُوۡنَ ﴿۲۸﴾ (هود ۱۱:۲۸)

(تو کیا ہم اس کو تم پر زبردستی مسلط کردیں جبکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو۔)

اس کے لیے کچھ ہمت کرو اور ارادے کرو اور دین ایسے نہیں آتا بلکہ عمل سے آتا ہے۔ اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔

اہل دِل کی نگاہ کا اثر

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (16 اکتوبر 1963ء)

عربی میں ایک ''لفظ'' ہوتا ہے اور ایک کو ''لحظ''[48] یعنی ل، حلوے والی ح اور ظ۔ لفظ قول کو کہتے ہیں اور لحظ نگاہ کو کہتے ہیں۔ عام لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ انسان صرف لفظ سے بنتا ہے، بات سے بنتا ہے۔ اہل اللہ کے نزدیک بات میں بھی جب جان آتی ہے، جب بات دِل سے نکلی ہو، اب جو دِل ہوا۔ اگر دِل والی بات ہے۔ زبان سے ادا ہوگئی تو زبان آلۂ دِل ہے۔ اصل عمل دِل کر رہا ہے، زبان صرف اس کے آلے کی طرح استعمال ہوتی ہے۔ اب جتنی دِل میں قوت ہوگی اُتنی زبان میں ہوتی ہوگی۔ پہلے زمانے میں تیر چلاتے تھے، اُسے آگ پر تاپتے تھے، جتنی زور آور اور مضبوط قوس ہوتی تھی اور جتنا مضبوط ہاتھ اُسے کھینچتا تھا، اُتنا دُور تیر جاتا تھا۔ غلیل کو جتنے زور سے کھینچ کر پتھر کو چھوڑو گے اُتنا دُور جائے گا۔ اب غلیل پتھر کو اِتنا دُور چھوڑے گی جتنی ہاتھ میں قوت ہوتی ہے۔ اب زبان کو غلیل اور ہاتھ کو دِل کی قوت سمجھو۔ بات کی مار اِتنی ہی دُور تک پہنچے گی جتنی کہ تمہارے دِل میں طاقت ہو یعنی بات اصل نہ ٹھہری بلکہ اصل چیز دِل کی قوت ہے۔

اب دِل کی قوت کیا ہے؟ دِل کی قوت دِل کی ذاتی قوت نہیں ہوتی بلکہ دِل کا تعلق جتنا خداوند تعالیٰ سے قوی ہوگا، تعلقِ الٰہی کی قوت کے بقدر دِل کی قوت ہوگی۔

تعلق مع اللہ جتنا قوی ہوگا، دِل اُتنا ہی قوی ہوگا۔ ہمارے حضرتؒ نے مرض الوفات میں فرمایا ''ایک فقیر آئے، کہا کہ پانی پکا لینا تو فرمایا کہ اصل قوت تو اللہ کا تعلق ہے۔ دل میں جتنی قوت ہوگی، اُتنے تمہارے بول میں ہوگی اور بول میں اُتنا تول ہوگا جتنا دِل کا ہوگا۔ دِل کا بھاؤ دل کی قیمت اُسی تعلق کی بنا پر ہے جو دل کو زمین سے اُٹھا کر عرش تک پہنچا دیتا ہے''۔

---

[48]۔ لَحَظَ اِلیہ: ای نظر الیہ بمؤخر عینیہ۔ (الصحاح)

دِل فراز عرش باشد نے بہ پست

(دِل عرش سے اُوپر ہوتا ہے نہ کہ نیچے۔)

دیکھو! عرش اللہ کا اتنا عارف نہیں، جتنا کہ مومن کا دل اللہ کا عارف ہے تو عرش سے اُونچا ہوا یا نہیں؟

قلبِ عاشق بھی ہے پھر ہم پایۂ عرش بریں

جلوہ فرما مسندِ دِل پر اگر ہویارِ دِل

عرض یہ کر رہا تھا کہ قوت قلبی اللہ کی قوتوں کے لینے کا نام ہے۔ دھیانِ الٰہی کے لینے کا نام ہے، اللہ کے تعلق کا دل میں پیوست ہونے کا نام ہے، اللہ کی ذات سے اُس کے انعامات کا جو ورود ہوتا ہے، ترشح ہوتا ہے اُس سے دل کی سرسبزی وشادابی ہوتی ہے تو حاصل یہ ہوا اگر اپنی زبان میں قوت پیدا کرنا چاہو تو دل میں قوت پیدا کرو اور یہ پیدا ہوتی ہے خداوند قدوس کی اطاعت سے اور یہ کمال تقویٰ سے اور وہ اپنی چاہت مٹانے اور حبیبِ خدا کے طریقے پر آنے سے۔

تو دل کا قوی وہی ہوگا اور اسی قدر ہوگا جو اپنی چاہت پر غالب اور حبیب پاک ﷺ کے طریقوں پر چلنے والا، اس کا مطیع و فرمانبردار حقیقتاً ہوگا اور حقیقت کا لفظ عمداً بڑھایا ہے کیونکہ اتباع صرف ظاہری نہیں ہوتی۔ حضرت نے فرمایا: کہ اتباع صرف ظاہری نہیں ہوتی، باطنی بھی ہوتی ہے۔ ظاہر میں اتباع ہو باطن میں اتباع ہو۔ باطن کو ظاہر سے قوت پہنچے گی اور ظاہر کو باطن سے۔ جسم سے جان بنے اور جان سے جسم بنے، ٹانگیں میری خراب ہیں، اُوپر سے مالش اور اندر سے انجکشن ہو تو ہو جائے گا۔ قوی قلب وہ ہے جو حبیب پاک ﷺ کے ظاہر و باطن کو اپنالے۔

اب بات پھر پیچھے کو لوٹتی ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ لوگ صرف بول کو تولتے

ہیں، قول کو دیکھیں لیکن دل کو نہ دیکھیں۔ دیکھو اہل ظواہر جو ہوتے ہیں، وہ ان باتوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، جو لچھے دار طریقے پر ہوتی ہیں اور بزرگوں کے چھوٹے چھوٹے ملفوظات کو نہیں دیکھتے حالانکہ یہ چھوٹا بول پوری کی پوری زندگی بدلتا ہے۔ چھلنی ہو جاتا ہے دل۔ کیوں؟

ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد

(جو بات دِل سے اُٹھتی ہے یعنی خلوصِ دِل سے وہ دِل پر جا لگتی ہے۔)

زبان دِل کی ترجمان

اب اصل کیا ہوا۔ نہ قول ہوا نہ بول بلکہ اصل ہوا دل۔ تو اکثر اوقات زبان جو ہے آلۂ دِل بن جاتی ہے۔ زبان دل کے تابع ہے۔ اب جیسے کہ ہم لوگوں کی زبان سے چیزیں ظاہر ہوتی ہیں، اسی طرح اہل اللہ کا ہر ذرہ دل ہوتا ہے، میں استعارے میں کہتا ہوں، تشبیہ میں کہتا ہوں، ہمارا دل اللہ سے غافل ہوتا ہے اور ان کی جلد بھی اللہ سے غافل نہیں ہوتی۔ تیئیسویں پارے میں سورۃ الزمر میں فرماتے ہیں: تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ (سورۃ الزمر ۳۹:۲۳)

(وہ لوگ جن کے دِلوں میں اللہ کا رُعب ہے ان کی کھالیں اس سے کانپ اُٹھتی ہیں، پھر ان کے جسم اور ان کے دِل نرم ہو کر اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔)

کہ کھڑی ہوتی ہیں اُن کی کھالیں تو ہمارا تو دل بھی متوجہ نہ ہو اور اُن کی کھالیں متوجہ ہوتی ہیں تو اسی طرح ان کے دل کے انوارات ان کے ذرے ذرے سے عیاں ہوتے ہیں۔ اب جس طور پر زبان دل کی ترجمان بن جاتی ہے اسی طور پر ان کی نگاہ ان کے دل کا بیان بن جاتی ہے۔

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمش بما کنند

(وہ لوگ کہ مٹی کو اپنی نظر کرم سے کیمیا بناتے ہیں، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اپنی آنکھ کا ایک گوشہ ہماری رف بھی متوجہ فرمادیں۔)

اہل اللہ کی نگاہ

اس نگاہ کا پڑنا اہل اللہ کے نزدیک ایک مستقل ہدایت کی عطا کا ذریعہ ہوتا ہے تو لفظ سے صرف انسان نہیں بنتا، نگاہ سے بھی انسان بن جایا کرتا ہے۔

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دِل کا

نگاہ بنتی ہے دل سے، بلکہ دل کا تاثر انسان کی نگاہوں میں آتا ہے اور دل کا اثر نگاہ سے نکل کر دوسرے کے دل پر پڑتا ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں کی نگاہ میں آگیا۔ اقبال نے کہا اور سچ کہا:

نہیں فقر و سلطنت میں کوی امتیاز ایسا
وہ نگاہ کی تیغ بازی یہ سپاہ کی تیغ بازی

وہ تلواروں سے قتل کریں اور یہ نگاہوں سے، اللہ کے تعلق کا تیر اُن کی نگاہوں سے نکلتا ہے، روشنی نکلتی ہے اور وہی روشنائی انسانوں کو خدائی نُور تک پہنچاتی ہے۔ حضرت سہر وردیؒ نے ایک مقامپر لکھا، بعض اژدھا ہوتے ہیں عربی میں افعٰی کہتے ہیں اور اُردو میں افعی۔

سبزۂ خط سے تیرا کاکل سرکش نہ دبا
یہ زمرّد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا

تو فرمایا کہ بعض سانپوں کی نگاہوں میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ اُن سے سمیت نکلتی ہے وہ مسحور کر لیتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ جیسے سانپ میں زہریلے پن کا اثر ہے اور وہ اس کی بنا پر لوگوں کو ختم کر دیتا ہے، اسی طور بعض نگاہوں میں حیٰوۃ کا وہ نُور ہوتا ہے، زندگی کی وہ لہر ہوتی ہے جو اللہ سے واصل کر دیتی ہے۔ اب جیسے وہ سانپ مسحور کرتے ہیں، ایسے یہ مسحور کرتے ہیں۔ اب نگاہ سے زندگی کے خاکوں میں تغیر آتا ہے، تبدّل آتا ہے۔ مومن کی نگاہ اِتنی اللہ

والی ہوتی ہے ”اِتَّقُوْا فِرَاسَةُ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ وَ يَنْطِقُ بِتَوْفِيْقِ اللّٰه“۔ (ترمذی عن ابی سعید الخدریؓ، بحوالہ التفسیر القرطبی، ج ۱۰، ص ۴۲) مومن کی نگاہ سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نُور سے دیکھتے ہیں اور اس کے توفیق سے بولتے ہیں۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ جیسے زبان سے بعض دفعہ بات نکل کر دِلوں تک پہنچ جاتی ہے، اسی طرح ہدایت کا نُور نگاہوں سے منتقل کیا جاتا ہے اور یہ ایک مستقل ذریعہ ہے لیکن یہ جبھی ہوتا ہے جبکہ تمہاری نگاہیں اُن گندگیوں سے پاک ہوں، دل میں تقویٰ کی کیفیت ہو تو نگاہ میں قوت آجائے گی اور مستقل ذریعہ بنے گی توجہ باطن کی، ظہور بعض اوقات نگاہوں سے ہوتا ہے اور بعض اوقات اقوال سے۔

نگاہوں نگاہوں میں اشارے ہو گئے

ارے کم بخت تم نے پی ہی نہیں۔

نگاہ مومن ایصال ہدایت کا مستقل ذریعہ ہے لیکن ہو مومن کی اور اللہ کے لیے استعمال ہونے والی ہو تو جیسے لفظ سے دل بدلتے ہیں نگاہ سے بھی دل بدل جایا کرتے ہیں اور ہمارے اکابر نے اسے ایک مستقل ذریعہ قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اہل اللہ کو تلاش کرو۔ ممکن ہے کسی کی نگاہ پڑ جائے کسی کی نگاہ کے گھائل ہو جاؤ تو دل خود بخود مائل ہو جائیں گے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں پہنچ گیا، کیسے پہنچ گیا۔ ہر ایک کشتۂ نگاہ کسے است۔

مفہوم: یہ ہوتے ہیں جو اد کہ کوئی گزرتا ہے تو ہم اپنے نفس کے لیے نگاہ ڈالتے ہیں، وہ استعدادِ باطنی کو دیکھتے ہیں، جیسے کہ دولت تقسیم کرنے کے لیے مالدار شخص جس پر زکوٰۃ لازم ہوتی ہے تو اس کے لیے زکوٰۃ کا محل تلاش کرے، اس کے غیر محل استعمال سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، تو اسی طرح یہ اپنی باطنی زکوٰۃ کے دینے کے لیے محل تلاش کرتے ہیں۔

فیض ساقی ہے بہ اندازۂ ظرف میخوار

دل حریف مے بسیار کہاں سے لاؤں

جام پر جام مجھے دے کے بنا دے بدمست

صبر سر جوشیٔ اذکار کہاں سے لاؤں

با خبر شو از مقام آدمی
خود خدا اندر تلاش آدمی

(آدمی کے مقام سے آگاہ رہو اللہ تعالیٰ کو خود آدمی سے پیار ہے۔)

اور مولانا نے فرمایا:

عشق اول در دِل معشوق پیدا می شود
گر نہ سوز د شمع کے پروانہ شیدا می شود

(عشق پہلے معشوق کے دِل میں پیدا ہوتا ہے، شمع پہلے خود اپنے کو جلاتی ہے تو تب پروانے اس کے روشنی کے پاس جمع ہو کر اس کے عاشق بن جاتے ہیں۔)

اور پھر ان کا دل اپنی ذات کے لحاظ سے فانی ہوتا ہے اور خداوند قدوس کے ارادے پر چلتا ہے۔ خداوند قدوس کا ارادہ ہو جائے تو ان کے دلوں کو متوجہ کر دیتا ہے چاہے نگاہ سے عطا کرے چاہے بات سے اور اس سے مراد آنکھ بازی نہیں بلکہ اس سے مراد توجہ قلبی کا ظہور ہے۔ چاہے آنکھ بند ہو اور اس میں قرب اور بعد بھی حائل نہیں ہوتی۔

بُعد منزل نہ بود در سفر روحانی

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت کی اور آپ کی کچھ علمی گفتگو بھی ہوئی۔ آپ نے سوالات کے معقول جوابات دیئے۔ حضرت خراجہؒ نے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا اور کہا کہ "تھا تو شہباز لیکن میرے ہاں اس کا کچھ حصہ نہ تھا۔ دہلی سے پانی پت آئے اور شیخ بو علی قلندر کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں بھی اپنا مقصد نہ پایا۔ واپس دہلی آئے۔ بڑے بھائی نے نجیب الدین فردوسی کا تذکرہ کیا۔ ان کی ملاقات کا ارادہ کیا۔ جب حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی کے دولت خانہ پر پہنچے تو ایک دہشت طاری ہوئی اور پسینہ پسینہ ہو گئے۔ جب شیخ کی اُن پر نظر پڑی تو فرمایا کہ منہ میں

بھی پان اور رومال میں بھی پان اور دعویٰ یہ کہ ہم بھی شیخ ہیں۔ بیعت کی درخواست کی۔ خواجہؒ نے قبول فرمائی۔ اجازت دے کر رخصت کیا اور ایک خط دیا کہ فلاں جگہ پہنچ کر کھول دینا۔ اس میں خلافت کا لکھا ہوا تھا۔ یہ بھی خط میں لکھا تھا کہ واپس دہلی نہ آنا۔ اسی جگہ معلوم ہوا کہ نجیب الدین فردوسیؒ کا اس وقت انتقال ہو گیا تھا۔

مرید اور مراد

بہرحال میں یوں عرض کر رہا تھا کہ جو بعد میں مرید بن جاتے ہیں، یہ پہلے مراد ہوتے ہیں، پہلے کسی کی نگاہ پڑتی ہے اور یہ کیوں پڑتی ہے۔ خداوند قدوس کا ارادہ ہوتا ہے، دل کی اُٹھان ہوتی ہے اور پھر یہ طالب بن جاتے ہیں اور وہ مطلوب بن جاتے ہیں اور استفادے کی نوعیت ہوتی ہے۔ بہرحال زبان میں کچھ نہیں بلکہ ہوتا ہے دل سے۔ اب دل کی ادا ہوتی ہے چاہے وہ زبان سے بنا دے چاہے نگاہ سے بنا دے، خواہ ادا سے بنا دے۔

کہتے ہیں خواجہ عزیز الحسن تھے مجذوب۔ مسجد میں تھے یہ تو تھے جوان اور (حضرت تھانویؒ) وہ تھے بوڑھے۔ حضرت قیلولہ فرما رہے تھے، نماز ظہر کے لیے باہر نکلے، گریبان کھلا ہوا تھا، پٹھے رکھے ہوئے تھے، لیکن دل بدل دیا۔

قبا داکردہ و کاکل پریشان کردہ می آید
بہ بین ایں بے سروسامان چہ سامان کردہ می آید

(قبا کھلی ہے اور زلفیں پریشان ہیں بظاہر اس بے سروسامانی میں کتنا سروسامان نظر آتا ہے یعنی فطری سادگی اور تصنع کا نہ ہونا بھی تاثیر کا سبب بن جاتی ہے۔)

بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ کبھی زبان سے، کبھی نگاہوں سے اور کبھی ادا سے دل بدل جایا کرتے ہیں۔

صحابہؓ کی قربانیاں اور موجودہ مسلمانوں کی بے حسی

مسجد گنج علی خان پشاور(17 اکتوبر 1963ء، شب جمعہ 8 بجکر 25 منٹ)

عزیزو، دوستو اور بزرگو! ہر چیز کی کوئی بنیاد ہوتی ہے اور اُس بنیاد کے نیچے کی ساخت پر اس کی اُوپر کی عمارت کو قائم کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ فتح کے آخر میں اسلام کے پھلنے پھولنے اور جڑ پکڑنے کا عجیب طریقے سے بیان فرمایا اور قرآن مجید ایک پیغام بھی ہے اور ساتھ ساتھ طریقہ بھی بتاتی ہے۔ کتاب اللہ جامع ہے اور ہر چیز اس میں موجود ہے۔ فرمایا: حضور ﷺ نبوت کے قصرِ حسین کے آخری پتھر ہیں۔ هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۸ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۖ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹ (سورۃ الفتح ۴۸:۲۸)

ترجمہ:”وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت کی کتاب اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور حق ظاہر کرنے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دِل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ اللہ کے آگے جھکے ہوئے سر بسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں، (کثرت) سجود کے اثر سے اُن کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں، ان کے یہی اوصاف توراۃ میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں (وہ) گویا ایک کھیتی ہیں، جس نے پہلے (زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی

جلائے جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اُن سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے"۔

اسلام کا تدریجی خاکہ

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بتدریج ترقی کا خاکہ بتایا اور اس میں یہ چیز سکھائی کہ جب اسلام کو عام کرنا ہو گا تو چند چیزوں کی ضرورت پڑے گی۔ حضور ﷺ کی ذات گرامی کا یقین کرو، آپ کو رسول مان لو اور رسالت کے ماننے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمہاری زندگی کا ہر خاکہ ختم ہو جائے اور اس پر حضور ﷺ والی زندگی اس قدر چھا جائے کہ تمہارے ظاہر میں اور باطن میں دوسرا نقشہ نظر نہ آئے۔ جب یہ نقشہ تمہارے اندر اُترے گا اور نبیؐ کی صحبت کا فیضان، نبیؐ کے طریقۂ حیات کا فیضان تمہارے اندر پہنچے گا اور یہ اس طریقے سے ہو گا، جب تم حضور ﷺ والے طریقہ کو اپناؤ گے۔ حضور ﷺ صرف ہدایت کو لے کر نہیں آئے بلکہ آپؐ نے ہدایت کو پھیلایا۔ لوگوں کو ایک رُخ پر ڈالا اور پھر دوسروں کی طرف منتقل کیا۔ فرمایا کہ جو حضور ﷺ کی صفات ہوں گی، وہ کوئی ڈھکی چھپی صفات نہیں یعنی وہی صفات ہیں کہ جن کو پہلی کتابوں نے بھی بتایا اور اُن صفات کی بنا پر یہ اُمت پھلے گی پھولے گی اور عالم میں چھا جائے گی، جس قدر یہ صفات زیادہ ہوں گی اُس قدر یہ اُمت بڑھے گی اور کفر کا حلقہ کم ہوتا جائے گا اور آخر یہ حلقہ ٹوٹے گا، اب صفات سے اُمت بڑھے گی، نام سے نہیں بڑھتی۔

اِن آیتوں میں چند صفات کو بتایا اور اس میں سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ کفر والوں پر اشد ہے کفر کے نقشوں کو لینے والے نہیں، کفر سے ٹکرانے والے ہیں، کفر والے اعمال ان کی ذات سے نہیں آئیں گے، یہ کفر کو لیں گے نہیں بلکہ کفر کو دھکا دیں گے، کفر کے اعمال اُن میں نہیں ہوں گے اور دوسری صفت یہ ہو گی کہ یہ اللہ والے ہوں گے، رسول والے ہوں گے اور جب اللہ اور رسول والے ہوں گے تو ہر منکرِ خدا کے خلاف ہوں گے تو ان کی

زندگی کے مقابل ہوں گے۔ کفریہ اعمال کو آنے نہیں دیں گے اور اس کے ساتھ کیا ہوگا۔ ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ''اُن کا نبیؐ رحیم ہے اور اُن کا اللہ رحیم۔ اُن کا نبیؐ رحیمی شان کو اندر لیے ہوئے ہے تو اُس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ جیسے نبی ''بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا'' کا حامل ہے۔ مؤمنین کی فکر میں آپ اپنی جان کو کھپا دینے والے، اُمت کی فکر میں اپنی جان کو کھپا دینے والے، اُمتیوں کو اپنے حالات پر اِتنا رنج نہیں ہوگا جتنا کہ حضور ﷺ کو اُن کی تکالیف پر رنج ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کے سینے کے رحم سے حصہ ملتا ہے جو لوگ نبیؐ کی معیت کو حاصل کرتے ہیں اور یہ نہیں کہ نبیؐ اُن کے ساتھ ہر آن ہوتا ہے بلکہ اُن کے انوارات ان کے ساتھ ہوتے ہیں، اُن سے رحیمی پھوٹے گی اور جب تک یہ رحیمی کا مظہر نہیں ہوگا تو ان میں رحیمی شان نہیں ہو سکتی اور ہمارے ہاں اس کو چوتھا نمبر کہتے ہیں۔ ان کا دل بیتاب ہو کر اُمت پر رحم کرنے والا ہو۔ ''اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ ''۔(ترمذی، عبد اللہ بن عمرؓ)(تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔)(له شواهد من الترمذی و مسند حنبل) رحیمی کسے کہتے ہیں؟ دل دُکھتا ہے اگر کوئی بیمار ہوتا ہے لیکن جب دل پانی نہیں ہوتا، جب مسلمان دین سے نکلے چلے جا رہے ہیں، ہدایت نکلتی ہے لیکن ہمارے دل کا ایک ذرّہ بھی بیتاب نہیں ہوتا، رحیمی کا وہ درجہ اس طور پر ختم ہو گیا اور ہم اس قدر دُور ہو گئے کہ حضور ﷺ کے طریقے کے مٹنے پر غم نہیں ہوتا، خاک مٹی پر غم ہوتا ہے۔ رحیمی کی شان یہ تھی، رحیمی کا اثر یہ تھا کہ عالم میں دین کا، کوئی ذرہ بھی ٹوٹ جائے تو ہم اُس کی بقا کے لیے کوشش کرنے والے ہوں گے۔ ایمان کا ہے ذرہ دل میں لیکن اس ذرہ کے ساتھ جہنم کی طرف بھی چلا جاتا ہے۔ اعمال کفریہ کا اختیار کرنا، حضور پاک ﷺ کے طریقہ سے ہٹ جانا جہنم کی زنجیریں قوم کو کھینچ رہی ہیں، افراد کھینچ رہے ہیں اور دنیا کھینچ رہی ہے۔ گویا ایک سیلاب ہے۔ وہ جو فرمایا حضور ﷺ نے: کہ ایک آگ آئے گی، جو اُمت کو مغرب کی طرف لے چلے گی۔ آگ کو

آگ سمجھتے ہوئے اُس میں چھلانگ لگاتے چلے جارہے ہیں اور سمجھنے والے ہاتھ ہلاتے نہیں کہ ان کو آگ سے بچالیں۔ نبی کی شان تو یہ تھی کہ فرمایا:[49] کہ میں تم کو کمر سے پکڑتا ہوں اور تم پتنگوں کی طرح بھاگتے جاتے ہو۔ پہلی قومیں نبی کا رنج کیا کرتی تھیں لیکن "رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ" (باہم محبت والے ہوتے ہیں) والی حقیقت نہیں تھی۔ درد ساتھ، غم شریک لیکن ان کی کیفیت یہ نہیں کہ اس درد میں کڑھیں اور غیر کی پرواہ نہ کریں۔ ان کو دوسروں کو جہنم میں جاکر اِتنی کڑھن ہو کہ دنیا کے خاکوں کے مٹنے پر بھی اِتنی کڑھن نہ ہو۔

اللہ کی رحمت اور رحیمی شان نے حضور ﷺ میں ظہور فرمایا۔ فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ نماز کھڑی ہو اور میں جوانوں کو اکٹھا کروں کہ وہ لکڑیاں لائیں اور اُن لوگوں کے گھروں کو جلاؤں جو بلا عذر گھروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ رحمت للعالمینی شان یہ چاہتی ہے کہ دنیا کے گھر جل جائیں لیکن آخرت کے گھر بچ جائیں۔ اُس نے تو خود فرمایا کہ آگ میں عذاب دینا تو اللہ کا کام ہے تم تو کیڑے اور سانپ بچھو کو بھی آگ سے قتل نہ کرو لیکن پھر یہ کیوں فرمایا۔ بُرے اعمال سے جو آگ بھڑکتی ہے، وہ جہنم کی آگ کا حصہ ہوتی ہے اور جہنم کی آگ کے متعلق فرمایا: "تَطَّلِعُ عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ" دلوں پر جاکر ٹھہرتی ہے۔ اگر تم بُرے اعمال کے روکنے والوں کا ساتھ نہ دو اور جو بُرے اعمال کے کرنے والے ہیں، ان کے متعلق یہ رویہ اختیار کرو گے کہ وہ جانیں اور اُن کا کام۔ جب اُن پر جہنم کی آگ سلگتی پھرتی ہے تو اس آگ کے اثرات تمہارے اُوپر سرایت کریں گے۔ اگر اپنے کو بچانا چاہتے ہو تو اوروں کو بچاؤ، فکر پیدا کرو اور درد پیدا کرو اور دین کے لیے بیتابی اور بے کلی پیدا کرو۔ یہ غلط ہے کہ عیسیٰؑ بدین خود اور موسیٰؑ بدین خود۔ ہمارے ہاں مسلمان جسد واحد کے درجہ میں ہے۔ اگر اس کا سر دُکھے تو تمام اعضاء بے قرار ہوں اور اس کو کانٹا چبھے تب بھی سارا بدن درد محسوس کرے۔ فرمایا کہ اگر گناہ

---

[49]۔ فاَنا اخذُکم بحجزکم۔ (الحدیث)

دنیا کے کسی حصے میں ہو رہا ہے اور ایک مسلمان اُس پر راضی ہو تو وہ ایسا شخص ہے کہ جیسے اُس نے خود وہ گناہ کیا۔(کنزالعمال)

اگر دل دُکھتا ہو تو کیا ہو گیا کہ میرے حبیب پاک ﷺ کی سنتوں کے مٹنے کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور احساس تک نہیں۔ تمہارے شیشے کے دو آنے کا گلاس ٹوٹے تو شیشے تمہارے دل میں چبھتے ہیں۔ آسمان پھٹ جائے سورج کا نُور چھن جائے، زمین شق ہو جائے تو یہ اِتنی بڑی بات نہیں جبکہ حبیب پاک ﷺ کی ایک سنت بھی ٹوٹے، کیا ہوا، حضور پاک ﷺ کے ساتھ نسبت کمزور پڑ گئی۔ فرمایا کہ جو شخص بُرائی کو دل سے بھی مٹانے کی کوشش نہ کرے، اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان نہیں۔ تو دوستو! ایسی دلداریاں، ایک دوسرے کے سامنے بچھ جانا، دین کے تقاضوں کے لیے مر مٹنا، یہ کہاں سے پیدا ہوتا تھا۔ ”سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ“ وہ نُور پیدا ہوتا ہے اُن مساجد میں کہ جن کے متعلق حکم ہو گیا کہ اُن کی بلندیوں کو بڑھاؤ۔ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۙ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ۙ﴿۳۷﴾ (سورۃ النور ۲۴: ۳۶،۳۷)

ترجمہ: ”(وہ قندیل) اُن گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں اللہ نے (ارشاد) فرمایا ہے کہ بلند کیے جائیں اور وہاں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے (اور) اُن میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہیں یعنی (ایسے) لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت)۔ تو ایمان کا نُور ان کے چہروں سے ظاہر ہوتا ہے، چہرہ بتادے کہ یہ نماز والا ہے نماز والا جھوٹ نہیں بکتا۔ وہ بُرے اعمال کی طرف نہیں بڑھتا، شہوات میں گرفتار نہیں ہوتا، ناجائز کاموں میں شریک نہیں ہوتا، نماز جب حقیقت کے ساتھ آجاتی ہے تو پوری کی پوری زندگی کو بدل ڈالتی ہے۔ ان کے پورے چہرے بدلے ہوتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ

ہوتے ہیں کہ جن کے خصائل، انوارات کو تشکیل دی جاتی ہے۔ جیسے کہ ایک پودا ہوتا ہے، اس کا بیج ڈالتے ہیں، تو اُس کی سوئی نکلتی ہے اور قدرت کی طاقت سے ایسے زور سے زمین کو پھاڑتی ہے کہ سوئی باہر نکل کر قائم ہو جاتی ہے اور زراعت کرنے والا جب اُسے دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے تو مراد یہ ہے کہ مشکلات کے پتھر میں زمین کو تم اپنی کوشش سے زراعت کے قابل بناتے ہو اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ چٹان ہٹیں گے اور وہ بیج پکا درخت بنے گا۔

تو اگر ہم دین کے فروغ کو چاہتے ہیں تو آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے آقا محمد ﷺ نے جب مکے میں دین کے فروغ کی آواز اُٹھائی تو اُس وقت یہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ کے پاس آدمیوں کا جمگھٹا ہو، آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے حقیقت کو اُتارا اور آپ ﷺ اکیلے تھے، دین کے لیے اُٹھے اور سب سے پہلے اپنے عزیز جاننے والوں کو دعوت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھ پر ایک غیب کا فرشتہ آیا اور ایسا کہہ دیا، وہ ایمان لاتے ہیں اور ایک کے بجائے دو ہو جاتے ہیں۔ حضور ﷺ بیوی کو دعوت دیتے ہیں، وہ ایمان لاتی ہیں، زید اپنے غلام کو دعوت دیتے ہیں اور وہ ایمان لاتے ہیں۔ پھر حضرت علیؓ جو ابھی چھوٹے تھے وہ بھی ساتھ ہوتے ہیں، دو تھے اور اِس رُخ پر پانچ ہوئے اور ایسے دو تھے جن کو اللہ پاک نے بھی جدا نہیں کیا۔ ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۚ (سورۃ التوبہ ۹:۴۰)

(جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔)

صحابہؓ اور دین کے لیے محنت

ابو بکرؓ میں جو بجلی کوندی، جو ایمان آیا، وہ کس طرح دوسروں تک پہنچا۔ سعد بن وقاصؓ ایمان لایا، عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور طلحہؓ کے پاس جاتے ہیں اور وہ ایمان لاتے ہیں۔ یہ ان کی ایک رات کی کمائی ہے اور اسی طرح دوسرے دن بھی چند آدمی مسلمان ہو جاتے ہیں اور

ان آدمیوں میں سے نو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نے ہر آدمی کا حق ادا کیا لیکن ابو بکرؓ کا حق ادا نہیں کیا یعنی نبوت کے کام میں پہلے ہی سے شریک تھے، اب مکان ہے نہیں تو ارقمؓ کا مکان لے لیتے ہیں اور بڑھتے جاتے ہیں، عمارؓ کے پاس جاتے ہیں اور وہ ایمان لے آتے ہیں اور جب وہ ایمان لے آتے ہیں اور فوراً ابو جہل کی طرف سے پٹائی شروع ہوتی ہے۔ یہ اماں کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اماں! تجھے ایسی بات نہ بتاؤں جس میں دُنیا کی بھی خیر ہو اور آخرت کی بھی خیر ہو تو کہا کہ یہ دنیا کی خیر تو ہوتی ہے لیکن یہ آخرت کی خیر کیا ہوتی ہے تو کہا کہ آخرت ہوتی ہے اور محمد ﷺ کہتے ہیں اور جو وہ کہیں تو وہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ تو وہ کہتی ہے اگر یہی بات ہے تو مجھے بھی لے چلو تو وہ ارقم کے گھر چلتی ہے۔ ارقم کے ہاں جاتے ہیں اور وہ حضور ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لاتی ہے۔ ایک ہے بیٹا اور وہ چالیس سال کا ہے اور یہ کوئی ساٹھ سال کے قریب ہوں گی۔

کافر خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ ادھر سے آتے ہیں عمارؓ کے بوڑھے باپ سے عمر بن ہشام کہتے ہیں کہ تو ہمارے ساتھ ہو گا یا بیٹے کے ساتھ ہو گا تو کہا کیا ہوا؟ تو کہا کہ ''بیٹا تو بد دین ہوا''۔ باپ کو پتہ نہیں، جب گھر آتے ہیں تو بیوی بتاتی ہے کہ کیا تجھے ایسی بات نہ بتاؤں کہ آخرت سنور جائے تو وہ کہتے ہیں کہ آخرت کیا ہوتی ہے؟

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ (سورۃ الانعام ۲۹:۶)

(یہ تو یوں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے بس یہی دُنیوی زندگی ہے اور ہم مر کر دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔)

وہ کہتی ہے کہ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جب آتی ہے تو نورانیت مل جاتی ہے، ارقم کے گھر تو وہ بھی جاتے ہیں اور عمر بن ہشام آتے ہیں اور مکان کو آگ لگاتے ہیں لیکن یاسرؓ کے کان میں جو آواز پڑتی ہے اس کو لیکر چلتے ہیں ارقم کے گھر، دین کی نسبت کو لیتے ہیں، عمر بن

ہشام ابھی گھر سے نکلے بھی نہیں کہ بڑھیا کی چوٹی اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور پہلے ہی دن میں آگ پر لٹایا جاتا ہے اور پھر ان کے اُوپر پانی ڈال دیا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ واپس آجاؤ لیکن ان کے اندر ایک تڑپ ہے اور ایمانی دعوت کا تقاضا ہے اور سب سے پہلے اسلام میں عمارؓ کی اماں یاسرؓ کی بیوی شہید ہوتی ہے جن کے خاص بدن میں ظالم نے برچھا مارا اور شہید کر دیا۔ اب یہ لوگ دعوت دیتے چلے جاتے ہیں اور کافروں کی طرف سے اُن پر ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں اور طرح طرح کی تکالیف پہنچائی جاتی ہیں لیکن یہ تکالیف اندر کی سوزش کو بڑھاتی ہیں اور کم نہیں کرتی اور غلاموں کا طبقہ جیسے بلالؓ ہوئے، ابوفکیہؓ ہوئے، یاسرؓ ہوئے دین میں لگ جاتا ہے۔

یہ بات میں نے اس لیے عرض کی کہ اسلام ایک بے کلی کو چاہتا ہے کہ میں کیوں اکیلا جنت میں جاؤں تو وہ دو تین تھے اور پھر بڑھتے گئے یہاں تک کہ ”حجۃ الوداع“ کے موقع پر ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئے تو اگر ہم اپنے اندر دین کے جذبے کو پیدا کریں تو جیسے حضرت ابوبکرؓ کے اندر دین کی فکر پیدا ہوئی اور مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے زمانے میں کئی مساجد تھے، علامہ عینیؒ نے ان کا تذکرہ کیا تھا کہ یہ سنگ مرمر کے مساجد تھیں بلکہ نہیں وہ خاک کے مساجد تھیں لیکن موتیوں سے بھی زیادہ قیمتی تھیں۔ وہ مساجد آباد تھیں اور کیسے ہیں؟ کہ کفر ہے گرداگرد لیکن دعوت سے مسجد کے اندر لاتے ہیں اور وہاں ان کے خاکے بدل دیتے ہیں۔ ذکر کا حلقہ قائم ہے، فکر کا حلقہ قائم ہے، اکرام والے موجود ہیں، ہمارے حضرتؒ نے فرمایا کہ جس کے دل میں بھی یہ خیال آیا کہ میں کچھ ہوں تو وہ محبوبیت کے دائرے سے خارج ہو گیا۔ اے پگلے تو اپنے کو تواضع کے ساتھ لوگوں کے قدموں پر ڈال تو اللہ کے نزدیک اُونچا ہو گا۔ تو میں یوں کہوں کہ مساجد میں ذکر کے حلقے ہوتے، تعلیم کے حلقے ہوتے، مساجد میں ماحول ہوتا تھا اور میں تو یوں کہوں کہ مساجد میں اللہ ملتا تھا، کیوں؟ کہ مساجد میں محنت ہوتی تھی اور مساجد کو آباد کیا

جاتا تھا اور اس کو آج کل کی اصطلاح میں محلوں کا آباد کرنا کہتے ہیں اور آج کل تو کہتے ہیں کہ اذان ہوتی ہے تو مسجد میں جاتا ہوں اور بھئی تم نے تو نماز پڑھی لیکن تمہارے پڑوسی نے نہیں پڑھی۔

او بھئی! سنتے ہو، یا سو گئے ہو۔ ہائے! دل بھی سو جاتے ہیں اور اگر دل سوئے ہوئے نہ ہوتے تو آج ہمیں اِتنا کہنا نہ پڑتا اور آج کل تو دل نہیں گھڑی والے پنڈولم ہیں تو قرآن مُردہ دلوں پر اثر نہیں کرتا۔ یہ زندہ قلبوں پر اثر کرتا ہے۔

حضور ﷺ کے برابر کس کی بلندی ہوگی؟ آپ ﷺ کی نزاکت کیسی تھی تو وہ جاتے ہیں دنیا کے ارزل الناس لوگوں میں، جو کفر میں سب سے زیادہ بھرے ہوئے تھے، اُن کے گھروں میں کون جاتا ہے سید الانبیاء ﷺ، گھروں پر جاتے ہیں، دعوت میں بلاتے ہیں اور کہتے ہیں ''هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى كَلِمَةِ الْخَيْرِ'' کہ کیا میں تمہیں بھلائی والی بات نہ بتاؤں اور وہ ظالم گالیاں دیتے ہیں۔ پتھروں سے مارتے ہیں اور ایک موقع تو ایسا آیا کہ آپ ﷺ کعبۃ اللہ میں سجدہ کی حالت میں ہیں اور اُونٹ کی بچہ دانی آپ کی پیٹھ کے اوپر رکھتے ہیں اور پھر ہنسی کا یہ حال ہے کہ ایک دوسرے پر گرے جاتے ہیں۔ کیوں ایسا ہوتا ہے؟ اللہ کی طرف سے اس پر مامور تھے اور جیسے وہ مامور تھے اُن کی اُمت کو بھی اللہ نے مامور کر دیا۔ تم تو اللہ کے بندے ہو، حضور ﷺ کے اُمتی ہو۔ حضور ﷺ تو نہ شرمائیں اور تم انجینئر ہو، ڈاکٹر ہو اور فلاں بلا ہو، کسی سے کیوں ملو اور بھئی! دو دفعہ تو ملا لیکن وہ ایسے مغرور ہیں کہ ملتے نہیں۔ وہ تو کتنی بار ابو لہب کے ساتھ ملے، دعوت پر بلایا گیا اور وہاں یہ دستور تھا کہ کسی کی بات کو کاٹنا معیوب تھا، پہلے دن ایسے ہوا کہ ابو لہب بولتا گیا اور حضور پاک ﷺ کو بات کرنے کا موقع نہ دیا۔ دوسرے دن بھی یہی حال رہا۔ پھر تیسرے دن حضور ﷺ کو دعوت کا موقع ملا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے ابن عم اگرچہ میری ٹانگیں چھوٹی چھوٹی ہیں لیکن میں تمہارے ساتھ دعوت کے کام کے لیے تیار ہوں۔

کیا کہوں، جی نہیں چاہتا لیکن سمجھانے کے لیے کہنا پڑتا ہے کہ حضور ﷺ کو ابولہب اور ابوجہل کے سامنے ظاہری طور پر جھکنا پڑتا تھا تو دیکھو! اپنے محلوں کی مساجد کو آباد کرنے کی کوشش کرو، تم چودھری نہیں ہو، داروغہ نہیں ہو کہ کسی کو زور سے پکڑو، اگر تم نے اپنی طرف سے کوشش کی تو بچ جاؤ گے۔ وہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ والی بات:

گو نالہ نارسا تھا نہ تھی آہ میں اثر
میں نے تو کچھ کمی نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

تو اپنی طرف سے تو محنت کرو، بہانے نہ بناؤ۔

کیسے گلی رقیب کی کیا طعن اقرباء
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مقام پر فرمایا جبکہ ابو بکرؓ کے وصال کا وقت تھا کہ ''اے ابو بکرؓ! تُو نے آنے والوں کے لیے معاملہ انتہائی نازک کر دیا''۔ تو پہلے یہ (یعنی ابو بکرؓ) تھوڑا بہت کام کرتے تھے لیکن جب خلافت ملی تو مسلمانوں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین کے روزگار سے ان کی خلافت کے کام میں حرج واقع ہوتا ہے تو فرمایا کہ ''میرے لیے کم سے کم وظیفہ مقرر کرو''۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور آپ کے لیے وظیفہ مقرر کیا گیا۔ گھر والوں کا میٹھا کھانے کو جی چاہا لیکن کچھ تھا نہیں تو بیوی نے روزانہ کے وظیفہ سے کچھ بچایا تو چند دِنوں کے بعد اِتنا ہوا کہ میٹھا کھا سکیں تو کہا کہ اچھا ''جب اِس سے گزارہ ہو سکتا ہے تو اب وظیفہ میں کمی کی'' لیکن پھر بھی جب مرض الوفات آتا ہے تو کہتے ہیں کہ فلاں زمین اور فلاں مکان کو بیچ کر کے بیت المال میں داخل کرو۔ میں مسلمانوں کا مال سر پر بوجھ ڈال کر نہیں لے جا سکتا۔ اسی حالت کو دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ نے مندرجہ بالا قول فرمایا کہ '' تُو نے آنے والوں کے لیے معاملہ انتہائی نازک کر دیا''۔

ایک صحابیؓ کے متعلق آتا ہے کہ جہاد کے لیے چلے اور چوبیس سال بعد گھر آئے۔ بیٹے نے پہچانا نہیں اور گھر اندر جانے سے روکا۔ بیوی نے پہچانا اور بیٹے کو سمجھایا کہ آنے دو یہ تمہارے والد صاحب ہیں تو بزرگوں نے اِتنی قربانیاں کیں تو بھائی اپنی زندگی کو بنانے کے لیے آخرت کے لیے اگر ہم ان روزانہ کی مشغولیتوں سے کچھ وقت نکالیں، کچھ تعلیم کے لیے، کچھ ذکر کے لیے اور کچھ گشت کے لیے۔ محلے کا کام صرف عمومی گشت سے نہیں ہوگا لیکن اس میں جان پڑے گی خصوصی گشت سے۔ عمومی گشت اگر جگر ہے تو خصوصی گشت دِل ہے۔ اپنے پڑوسیوں کے یہاں جاؤ، محلے والوں کے پاس جاؤ اور دل میں یہ طے کرو کہ کوئی یہ کام کرے یا نہ کرے میں تو کروں گا۔ یہ خاک مٹی کے انسانوں پر کیا نگاہ ڈالتے ہو، اللہ پر کیوں نگاہ نہیں ڈالتے اور جب چلتے ہو تو یقین رکھو کہ میں اللہ کی نظروں میں ہوں۔ وہ دیکھتا ہے، اجر وثواب دیتا ہے، تم تو کسی صورت میں نامراد اور ناکام ہو نہیں سکتے۔ اگر ہفتے میں ہم ایک ہی آدمی سے بات کریں تو کچھ ذخیرہ بنتا جائے گا۔ دیکھو! آپ دن میں بچوں سے بات کرتے ہیں، بیوی سے بات کرتے ہو تو اپنے دلوں میں فیصلہ کرو کہ کل یہ بھی تُلے گا اور یہ بھی تُلے گا اور ان سب بوجھوں کو اپنے کندھوں پر اُٹھانا ہوگا تو فکر کرو کہ میں دن میں جو سو باتیں کرتا ہوں تو اس میں اللہ کے لیے بھی کچھ ہوتا ہے۔ میری باتیں مجلس آرائی کے لیے، ذہنی تعیش کے لیے تو نہیں۔ فرمایا ''بنی آدم کی ہر بات پکڑوانے والی ہے، سوائے اس کے کہ جس نے بھلائی کا حکم دیا اور بُرائی سے روک دیا اور اللہ کا ذکر کیا۔ میں خود تین منٹ میں فل سکیپ کا انیس لائن کا صفحہ پڑھ سکتا ہوں تو ایک گھنٹے میں کتنا ہوا تو اب ہم چوبیس گھنٹوں میں کتنا بولیں گے تو اللہ کے لیے بھی تو کچھ بولو۔ اگر اللہ کے لیے بول بولو گے تو وہ بول سونے کے بھاؤ تولا جائے گا تو ارادہ کرو کہ ہم اس چیز کو پہنتے ہیں، اوڑھتے ہیں۔ ہم اس کام کو لیں گے اور یہ ارادہ کرو کہ ہم جب تک ہیں اس کے لیے محنت کریں گے اور اس کے لیے محلوں میں گشت لگایا کرو اور اس کے لیے جماعتوں

کے نکالنے کی کوشش کرو تو کیا ہو گا؟

قطرہ قطرہ آب بر آتش بزن
تا شود نارے تو نور اے بوالحزن

(پانی کے قطرات اگر پے در پے آگ پر گریں تو وہ بھی اس کے بجھانے میں ممد ہوتے ہیں اور یہاں بُرائیوں کا خاتمہ ہو کر نیکی کی شکل اختیار کرنا ہے۔)

فضل ساعت کار صد سالہ کند
نار ابراہیم را لالہ کند

(اللہ کا فضل اگر ایک لمحہ کے لیے بھی میسر ہو جائے تو سو سال کے مجاہدہ کے برابر ہو۔ اور ابراہیم علیہ السلام والی آگ کو گلزار بنائے۔)

اس کے لیے میں پہلے اُن ساتھیوں سے کہوں کہ جن پر اللہ کا احسان ہے، تبلیغ سے جُڑے ہوئے ہیں کہ وہ یہ ارادہ کر لیں کہ کوئی بھی کام نہ کرے لیکن میں تو کروں۔ تو سوچ لو کہ ہم کو کتنا فائدہ ملے گا اور کتنا نقصان ہو گا اور پھر بتاؤ کہ انشاء اللہ میں اس کام میں نقصان نہیں کروں گا۔ تو بھائی بولو، ذمہ داری کے ساتھ کوئی کرتا ہے یا نہیں۔ نیا ہے پرانا ہے جو ٹھن جائے۔ ہمت کرے وہ نیا بھی ہے پرانا بھی ہے۔ یہاں نیا پرانا نہیں۔

صحابیؓ اور ولی کے درجات میں فرق

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (19 اکتوبر 1963ء)

تمہارا کیانام! ولی اللہ۔

ایران میں جب ہم گئے تو شیعہ ''اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ'' کے بعد کہتے ہیں کہ ''اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَ لِیُّ اللہ'' تو پگلوں کو یہ پتہ نہیں کہ صحابیت ولایت سے بدرجہا افضل ہے اور پھر سیدنا حضرت علیؓ کا صحابہؓ میں چوتھا درجہ ہے۔ اب صحابیت جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اعلان کردہ، منظور کردہ اور شہادت کردہ ولایت ہے۔ کیونکہ رضی اللہ عنہم ورضواعنہ تو ان کی ولایت پر نص قطعی ہے قرآن کی ایسی دلیل ہے جسے کوئی توڑ نہ سکے اور بعد کے آنے والوں کے لیے کتاب اللہ کی کوئی دلیل نہیں بلکہ ان کی ولایت اُمت کے ظن غالب پر ہے۔ حضرت شاہ معین الدین اور عبدالقادر جیلانیؒ بڑے ولی ہیں لیکن اُن کی ولایت پر نہ تو کوئی آیت اُتری ہے اور نہ حدیث آئی ہے بلکہ ان کی ولایت اُمت کی شہادت پر ظنی ہے۔

دوسری ولایت جو ہوتی ہے نبوت کا ظل سایہ اور اس کی برکت سے ہوتی ہے۔ اب جتنا کوئی شخص نبی کی ذات سے بے واسطہ پائے گا اور خصوصاً سید الانبیاء سے ان کی ولایت اِتنی ہی زیادہ قوی اور اِتنی ہی زیادہ ولایتوں کی سردار ہوگی اس لیے یوں کہیں کہ پچپن کروڑ ولی اور قطب مل جائیں تو ایک صحابیؓ کے درجہ کو نہ پہنچ سکیں تو یہ پگلے جو ہیں اُس کو ولی بنائیں۔ حضور ﷺ کے پاک منہ سے جو ہدایات، انوارات اور احکام ظاہر ہوئے، سب کے سب صحابہؓ پر منتقل ہوئے اور جیسے کہ انبیاء علیہم السلام میں بعضوں کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے، اِسی طرح صحابہؓ میں بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ ان میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا درجہ سب سے اُونچا ہے اور حضرت وحشیؓ کو ایک دفعہ دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو! اگر ہو سکے تو میرے پاس دوبارہ نہ آؤ کیونکہ مجھے اپنے چچا یاد آتے ہیں تو جس کی آنکھیں حضور ﷺ

سے مقابل ہوئیں اور ہاتھ میں ہاتھ آیا اس کا مقام کچھ اور ہے۔ سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کہتے ہیں کہ سر خیل تابعین اُویس قرنی، حضرت وحشیؓ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ انہوں نے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو بے واسطہ دیکھا۔ کیوں کہا؟ کہ ”خیر القرون قرنی“ اور ”انما اصحابی کالنجوم“ اور کسی نے پوچھا کہ حضرت معاویہؓ کا درجہ بلند ہے یا عمر بن عبد العزیزؒ کا تو کہا کہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ساتھ جہاد میں جو خاک اُڑ کر آپ کے گھوڑے کے نتھنوں میں گئی ہے میں اس کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے اُونچا جانتا ہوں۔ بعض لوگوں کو یہ خبط ہو گیا ہے کہ ولایت کو نبوت سے افضل جانتے ہیں۔ یوں کہوں کہ چاند کو سورج سے بڑا جانتے ہیں حالانکہ طبیعیین کے نزدیک سورج کی روشنی اصل اور چاند کی روشنی ودیعی ہے۔ جتنی بھی سورج کی روشنی اس پر پڑتی ہے اُتنا ہی یہ روشن ہوتا ہے۔ اسی طور پر کہ ”نور القمر مستفاد من نور الشمس“ انہوں نے اس طور پر ولایت کو نبوت سے مستفاد قرار دیا ہے۔ نبوت نہ ہوتی تو ولایت تو کیا صدیقیت بھی نہ ہوتی۔ یہ شجر طیبہ تو نبوت کا صدقہ ہے۔ تو نبوت سب سے اُونچی، اس کے بعد صحابیت اور اس کے بعد ولایت ہے۔

بعض پگلے یوں کہہ دیں کہ ولایت نبوت سے اعلیٰ ہے اور دلیل یہ لائیں کہ ولی اللہ کا دوست ہوتا ہے اور ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نبی کا کام تبلیغ ہوتا ہے حالانکہ نبی کا منشاء، داعیہ، ثبات و قرار، بقا اور وجود سب کا سب اللہ سے ہوتا ہے۔ نبی کا ظاہر دعوت کے طور پر لوگوں میں مشغول ہے تو حقیقتاً یہ غیروں کی نسبت سے صدہا، ہزارہا اور کروڑہا حصہ زیادہ مشغول باللہ ہوتا ہے اور میں تو یہ کہوں کہ کوئی نسبت نہیں ہوتی اور اس ہی کی برکت ہوتی ہے کہ غیر انبیاء پر اس کا اثر پڑتا ہے اور بلا تشبیہ عرض کروں کہ نبی کی قوت اِتنی ہوتی ہے کہ پانچ ارب کلوواٹ کے پاور سٹیشن کو اگر پانچ واٹ والی تار پر چھوڑ دیا تو کیا ہو گا؟ تو یہ صحابہؓ ہی کا کلیجہ تھا جو کہ اپنے آپ کو سنبھال سکے۔ ایک پگلا ہے آیا اور کہیں پیشاب کو دیکھا تو اب پیشاب کی گندگی، غلاظت کو نہیں

دیکھتا اور کہتا ہے کہ یہ بھی پانی ہے۔ آ جی! اس میں حرج کیا ہے تو اسی طرح بعض مسخ شدہ اور Abnormal ایسے ہوتے ہیں کہ پیشاب کو پانی کے برابر اور پھر پانی نہیں آب زمزم قرار دیتے ہیں اور ایک پگلے نے یوں کہا کہ کُتّے کا پیشاب آب زمزم سے بھی اچھا ہے۔ شیطان اس کے کان میں ایسے بولتا رہا جیسے کہ کُتّا موتتا ہے۔ وہ یوں سمجھتا رہا کہ اللہ کی طرف سے آرہا ہے اور وہ بڑھتے بڑھتے نائب تحصیلداری میں تو فیل ہو گئے لیکن پہلے تبلیغی بنے، پھر بڑھتے ظلی بنی بنے، بروزی بنے اور پھر اس کے بعد سید الانبیاء سے بھی زیادہ بڑھ گئے (نعوذ باللہ)۔

کسی کو Hypnotize کرتے ہوئے دیکھا ہو گا۔ ان کا بچہ جمورا دیکھا ہو گا، مسحور کرنا، اثر ڈالنا کہ اسکی ذاتی نفسیاتی کیفیت ختم ہو جائے اور آدمی کے ہاتھ میں آ جائے۔ اسی طرح شیطان کا طریقہ ہوتا ہے جیسے کہ بچہ جمورا کو بلاتے ہیں تو اسی طرح شیطان کا پہلا عمل القائے وسوسہ ہوتا ہے۔ اب اگر انسان اس وسوسہ کی طرف پرواہ نہ کرے، ٹالتا رہے، وسوسے کا علاج عدم التفات ہے، کُتّا بھونکتا رہے، پرواہ ہی نہ کرے۔ الحمد للّٰہ ردّ امرہ الی الوسوسۃ۔ (مسند امام احمد بن حنبل: ج۱، ص ۲۴۰)

اللہ کی حمد جس نے صرف اس کو وسوسہ کی طاقت دی لیکن جن کو خصوصی طور پر مسخر کرتا ہے اب اس کے بعد کیا ہوتا ہے دماغ پر چھا جاتا ہے اور اس کو جیسے انسان ہپناٹائز (Hyponotize) کرتا ہے تو اسی طرح شیطان بھی دماغ پر مسلط ہو جاتا ہے، کسی آسیب زدہ کو دیکھا ہو گا، ابھی تو ساری عورتیں بھی ہوتی ہیں، جن کو کوئی اور بیماری اور یا ہسٹیریا (Hysteria) کی بیماری ہوتی ہے لیکن یہاں شیطان چھا جاتا ہے، وسوسہ پر متوجہ ہوتے ہوتے انسان اپنے آپ کو گم کر کے اس کی طرف چلا جاتا ہے جیسے کہ ایک مرغ بولتا ہے تو تمام مرغ بولنے لگ جاتے ہیں تو اسی طرح یہ مسحور شیطان کے قبضے میں آ جاتا ہے جیسے کہ فنا فی اللہ ہوتا ہے۔ یہ فنا فی الشیطان ہو جاتا ہے "یلقی الشیطان" ہو جاتا ہے۔ شیطان اس کو القا کرتا ہے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہ ہر دستے نشا ید داد دست

(بہت سارے ابلیس آدمیوں کی شکل اختیار کیے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو بزرگی کی شکل میں پیش کرتے ہیں اس لیے سوچ سمجھ کر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دینا ہے۔)

پہلے کاہن ہوتے تھے۔ شیطان پہلے حضور ﷺ کے زمانے سے آسمانوں کے اُوپر جاتے تھے اور حضور ﷺ کے آنے کے بعد اُن کا جانا بند ہو گیا تو شیطان ان کے دلوں میں کوئی بات ڈالتا، براڈ لائینز (Broad lines) بتاتے اور پھر آگے یہ بڑھاتے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک بات شیطان ڈالتے ہیں اور ننانوے یہ ملاتے جیسے کہ ہم کہتے ہیں کہ خیال انگیز ہے تو جن پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے تو ان کو شیطان عنوان دے اور وہ پوری کتاب لکھ دیتے ہیں کیونکہ اُلٹا ذہن ڈیولپ (Develop) ہو جاتا ہے شیطان کے طریقے سے۔ کبھی کوئی بُرا سا خیال آگیا اور پھر اس کے بعد پوری کی پوری کتاب لکھ ڈالی اور پھر خیالی لذت ہوئی۔ اسی طور پر یوں کہتے ہیں کہ غلط لٹریچر اور غلط خیال ہوتے ہیں اور گولڈن جوبلی ہوتی ہے وغیرہ۔ اسی طور پر کہانت جب انتہا کو پہنچتی ہے اور انسان کی حق اور باطل کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور انسان اللہ کی طرف سے لینے کی صلاحیتوں کو کھو دیتا ہے اور آکر شیطان بن جاتا ہے اس کے انتہائی منازل پر دجالیت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب دجال مختلف ہوتے ہیں، سب سے بڑا دجال، دجالِ اکبر آخری زمانے میں آئے گا۔ ''سَيَكُوْنَ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اِنَّهٗ نَبِیٌّ وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ[50]''۔ کہ میرے بعد تیس جھوٹے دجال ہوں گے حق و باطل کو ملا کر پیش کریں گے۔ ہر ایک جھوٹا دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں لیکن

[50]۔ سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلھم یزعم أنه بنی، و أنا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔
(ابو داؤد و الترمذی عن ثوبان رضی اللہ عنہ)

میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ وہ آسمانی شیطانیت کے نبی ہوتے ہیں۔

میں کھٹکتا ہوں دِل یزدان میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ھو اللہ ھو

تو جو لوگ دجالیت کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ شیطان کے نائب ہوتے ہیں۔ شیطان کے پیغام کو چکنی چپڑی باتوں سے ملا کر ایسا پیش کرتے ہیں کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ پانی ہے لیکن حقیقتاً ریت ہی ریت ہوتی ہے سراب ہم نے صحرائے لوط میں دیکھا ہے۔

خواہ قادیانی پر اُترے اور یا پرویزی پر اُترے، ان ہزلیات کو معرفت کا نام دے اور ناسمجھوں کو بہکا کر لے جاتے ہیں تو جب تک اولیاء الشیطان اور اولیاء الرحمٰن میں فرق نہیں کریں گے تو پیغام رسانی میں فرق نہیں کر سکیں گے، غلام احمد شیطانی باتوں کو اس زور سے پیش کر رہا ہے جیسے کہ رحمان کی طرف سے اُترتی ہیں لیکن وہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں لیکن جو جاننے والے ہوتے ہیں وہ جان جاتے ہیں اور انسان کو اس لیے بنایا کہ شیطان کے وساوس کو سمجھے، جانے، شیطانی وساوس میں بے چینی، بے تابی اور خلش ہوتی ہے اور رحمان کی باتوں میں اطمینان کی کیفیت ہوتی ہے۔

من کی دنیا ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دنیا چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

تو ولی الرحمان (ولی اللہ) سے بات شروع کر کے ولی الشیطان پر بات ختم ہو گئی۔ وہ سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل، وہ احسن تقویم والے اور یہ اسفل السافلین والے ہوتے ہیں۔ (نوٹ: قادیانیوں کی کتاب فتح اسلام کے دیکھنے پر بات ہوئی جیسے کہ آج کل کا طلوع اسلام پرویزی رسالہ ہے اور پھر ولی اللہ کے نام سے بات شروع ہوئی)۔

مومن اور کافر کی کامیابی کا تصور

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (21 اکتوبر 1963ء، بعد از نمازِ عصر)

دیکھو! بھائی ایسا مقصد بتاؤ جس میں کافر اور مومن دونوں شریک ہوں، میرے نزدیک وہ کامیابی ہے۔ اب کافر تو یہ چاہیں کہ دنیاوالی زندگی اچھی گزر جائے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾

(سورۃ المؤمنین ۲۳:۳۷)

(یہ تو یوں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے بس یہی دُنیوی زندگی ہے اور ہم مر کر دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔)

اور مومن چاہتا ہے کہ دونوں عالم اچھے گزر جائیں۔ اب جب مقاصد جدا ہو گئے تو کامیابی میں بھی فرق ہو گا، کافر تو دنیا کی کامیابی چاہے اور مومن یوں کہے کہ انسان کی حیثیت سے یہ کیا کمال ہوا کہ جو زندگی آنی جانی ہے اور جس کی کامیابی ایسی ہے کہ نہ یہ اپنے ہاتھ میں ہے اور پھر حصول کے بعد بقا نہیں تو اِتنی چھوٹی سی کامیابی دراصل کامیابی نہیں بلکہ ایک دھوکہ ہے، فریب ہے اور مومن کے دل پر اللہ تعالیٰ اصل کامیابی کو کھولتے ہیں اور ہمارے ایک مشہور شراب خوار شاعر کہتے ہیں:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دَم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

تو جو اپنے کو بامراد بھی سمجھتا نہیں وہ کثرتِ خواہش کی بنا پر دنیا کی محدود زندگی میں بامراد نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر چاہتیں لامحدود رکھیں اور زمانے اور اسباب کو محدود رکھا۔ اگر ایک شخص کو تمام دنیا دی جائے اور پوری سہولتیں میسر کی جائیں تو دو حال سے خالی نہیں ہو گا۔ ایک تو یہ کہ اس کے ساتھ بھی اُس کی چاہتیں ختم نہیں ہوں گی بلکہ اور اور مانگے گا اور اگر یہ نہ سہی تو پھر وہ اپنی محدود قوت اور طاقت کی وجہ سے ان تمام کو استعمال نہیں

کر سکے گا، اُس کی قوت جواب دے گی، انسان کی موٹی موٹی خواہشات میں روٹی اور پانی ہے۔ تو ایک دن خاک مٹی کھائے گا اور دوسرے دن پانی پیئے گا۔ ایک ٹاٹ کو اپنے جسم سے لپیٹے گا اور ایک نیلان اور پہلے زمانے میں کمخواب اور اطلس اور پھر کتنے لپیٹ لے گا۔ تمام دنیا کو لپیٹ نہیں سکتا اور پھر بقول ہمارے ایک پروفیسر کے جیسے کھانا خواہش نفس ہے اس طرح بیوی بھی (Natural Urge) ہے تو تمام دنیا کی جتنی قومیں ہیں اور پھر اس کی نمائندہ عورت دے دو تو ایک مہینہ میں ختم نہیں ہو گا تو مطلب یہ ہوا کہ ایک تو زمانہ محدود اور پھر قوتیں محدود۔ اس کے مقابلے میں اہل ایمان کہتے ہیں کہ کافر کی زندگی قوتیں اور رقبہ محدود اور وجہ یہ ہے کہ وہ زندگی کو جسم اور مادہ سمجھتا ہے اور یہ دونوں محدود ہیں۔

مسلمان کا مقصد

اور مومن کہتے ہیں کہ نہ مادہ میرا مطلوب اور نہ جسم میرا مقصود۔ تو اب وہ کس کو مقصد بناتا ہے۔ اس کا مقصد ظاہر کی نسبت باطن کی طرف زیادہ ہوتا ہے، غوطہ لگاتا ہے اور ایک موتی پاتا ہے اور اس کا نام روح کہہ لو یا دل کہہ لو۔ اب روح کی حقیقت کیا ہے، یہ نہ اِس محدود عالم میں آتی ہے نہ سماتی ہے اور نہ محدود دنیا اس کی تسلی کر سکتی ہے۔ اب روح کھینچتی ہے اپنے مطلوب کی طرف، اللہ پاک کی طرف۔ اب روح عالم قدس پاک عالم سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا: ''وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُوْحِيْ''۔ (الحجر: ۲۹،۱۵) (اور اُس میں اپنی روح پھونک دوں۔) تو اس کا رُخ اللہ کی طرف ہوتا ہے۔ وہ کیا چاہتی ہے اللہ کو چاہتی ہے تو اس کا مطلوب بھی اللہ مقصود بھی اللہ اور اندر کا اٹھان اور بڑھنا بھی اللہ کی طرف ہوتا ہے اور کافروں کی زندگی سے جسم ہی عبارت ہوتا ہے اور ان کا جسم تو مٹی ہی سے بنا ہے۔ ہم جو بنے تو ابا اور اماں کے اجزاء سے بنے اور وہ گوشت وغیرہ سے بنا اور پھر وہ سبزی وغیرہ سے بڑھا اور اسی طرح تمام مادہ اکٹھا ہو کر سبزی وغیرہ وجود میں آئے تو ہم یوں کہیں کہ آدم بھی مٹی سے بنے اور پھر ہر انسان

مٹی سے بنا، سونا بھی مٹی سے بنتا ہے، یہ جیالوجی والے اس چیز کو زیادہ سمجھتے ہوں گے۔ علم طبقات الارض ، جیوزمین (Geo) اور لوگس (Logus) کہتے ہیں علم کو، تومطلب یہ ہوا کہ (Knowledge of the Earth) اب مثال کے طور پر کوئلہ ہے اور ڈائمنڈ دونوں ایک ہی چیز سے بنتی ہیں۔ اب یہ دونوں کاربن سے بنے ہوئے ہیں۔ اب سونا ہے، سونا بھی کسی زمانے میں مٹی تھا، علم تحقیقات الارض کی تحقیق کے بموجب جو بھی مادی چیزیں ہیں۔ سب کی سب مٹی سے بنی ہوئی ہیں۔

گل مخور گل را مخر گل راجو
زانکہ گل خوارست دائم زرد رو

(خاک مت کھانا، اُسے خریدنا نہیں، اور اُسے تلاش بھی نہ کر کیونکہ مٹی کھانے والا اکثر زرد رنگ کو لیے ہوئے بیمار نظر آتا ہے۔ دُنیا کی محبت میں ڈوب کر آخرت کو بھول جانے کی طرف اشارہ ہے۔)

اب ڈاکٹر کہتے ہیں کہ انسان کے جسم میں Calcium کی کمی ہوتی ہے اور اس کی کمی کے لیے یہ مٹی وغیرہ کھاتے ہیں۔ بہرحال کافر مٹی کی طرف بڑھتا ہے، مادے کی طرف بڑھتا ہے اور مومن اللہ کی طرف بڑھتا ہے۔ اب جیسے اللہ کی ذات لامحدود ہے، اسی طرح مومن کی تمنائیں بھی لامحدود تو وہ بھی کامیابی چاہے اور یہ بھی کامیابی۔ تو معلوم ہوا کہ مومن کا دماغ کافر کے مقابلے میں نہایت وسیع ہے اور جو اِتنا وسیع ہو تو اس کے لیے اس دنیا میں کوئی جگہ ہو نہیں سکتی اس لیے کہا گیا کہ تمہاری کامیابی کی جگہ خواہشوں کے پورا ہونے کی جگہ آخرت ہے۔ اب جب اللہ کو اُس نے مقصود بنایا تو اللہ کے مقصود بنانے کی بنا پر اس کو پیار ملتا ہے اور جتنا اللہ بڑا ہے اُتنا مومن کا پیار بھی بڑا ہوتا ہے اور یہ پگلے کیا جانیں پیار کو، ناگنوں کو پیار کرتے ہیں اور ایسے ٹینٹ پر بٹھاتا ہے جیسے کہ باپ کا بیٹا ہوتا ہے، چومتا ہے، اس پیار سے

ہوتا ہے کیا؟ پیار تو وہ ہوتا ہے جس کی بنا پر پوری انسانیت کے لیے دل میں شفقت آتی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: اُس شخص میں کوئی خیر نہیں جو نہ کسی کے ساتھ محبت کرے اور نہ اُس سے کوئی محبت کرے۔

اب جب مقصود مومن کا اللہ کی ذات ہے اور آخرت کی زندگی ہے تو اس کی کامیابی کا اصل میدان اللہ کی ذات ہی کے ساتھ قائم ہے اور آخرت میں اس کا ظہور ہوگا۔ آخرت تو اگلے آنے والے عالم کو کہتے ہیں اور اللہ تو "هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ج"۔ (الحدید:۵۷،۳) (وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی۔) ہے تو اللہ کی ذات والی کامیابی صرف آخرت میں نہیں ہوگی بلکہ دنیا ہی میں بھی نصیب ہوگی۔ ایک شخص اللہ والا بنتا ہے۔ اللہ کے احکام کو لیتا ہے تو سب سے پہلے جو چیز اس کو اس عالم میں ملے گی وہ اللہ کی رضا ہوگی اور جب اس کا اثر دل پر پڑے گا تو وہ راضی برضائے حق ہو جائے گا۔ اب دیکھو! انسان اس عالم میں پریشان کیوں ہے؟ وہ چاہتا ہے کہ میری مرضی پوری ہو جائے اور یوں نہ ہو تو وہ انگاروں پر لوٹے۔

اگر گویم زبان سوزد نگویم مغز استخوان سوزد

(کہتا ہوں تو زبان جلتی ہے اور نہیں کہتا کہ تو ہڈیوں کا گودا جل اُٹھتا ہے۔)

ناکامی جب آتی ہے انسان کا دل انتہائی گھٹتا ہے، تنگ ہوتا ہے اور اس بنا پر جن ملکوں میں اللہ کا تعلق کم ہوتا ہے تو وہاں خودکشیاں زیادہ ہوتی ہیں اور دل پر تو قابو نہیں ہوتا اور جب دل پر قابو نہیں ہوتا تو خواب آور گولیاں کھاتا ہے تاکہ چھوٹ جائے تو ظاہری طور پر تو چھٹے گا لیکن اندر کیا گزرتی ہوگی۔ وہ ڈاکٹر جو انجکشن لگائیں اور پھر چیریں پھاڑیں تو اس کو پتہ نہیں چلتا لیکن یہاں ہڈی پسلی کاٹی جاتی ہے تو جب انسان رضائے حق پر راضی ہو جائے تو یہ کشاکش اور گھٹن بھی ختم ہو جاتی ہے اور نامرادی میں بھی خوشی ہوتی ہے۔ کیوں؟ کہ محبت

ہوتی ہے، اب ہمارے حافظ صاحب کسی کو محبوب رکھیں تو ظاہراً تو نہ چاہیں کہ میری حاجت پوری نہ ہو لیکن اگر اس کی پوری نہ ہوئی اور محبوب کی پوری ہوئی تو ظاہراً اگر اسکو کوئی تکلیف بھی ہو لیکن دل تو خوش ہو گا تو مولانا فرماتے ہیں:

نامرادی ہم مراد دلبر است

(ہمیشہ مراد تک پہنچنا یعنی اپنی مرضی کو پا لینا کامیابی نہیں۔ کبھی کبھی ناکامی کی صورت میں اللہ تعالیٰ بندہ کو دینا چاہتا ہے۔)

تو نامرادی میں ان کو اپنی چاہت کے پورا نہ ہونے سے زیادہ مزا آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سَر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دُشمن کو یہ موقع میسر نہ آئے کہ آپ کی تیغ سے اس کی ہلاکت ہو۔ آپ کی تلورا آزمائی کے لیے دوستوں کے سر ہمیشہ کے لیے موجود رہیں۔)

کہتے ہیں کہ تیری تلوار کے لائق تو دوست ہی ہیں، وہ تلوار ہی ایسی ہے کہ دشمن اُس کے لائق نہیں۔ اس بنا پر کسی عارف نے کہا ہے:

أرید وصاله و یرید هجری
فترکت ما أرید لما یرید

(میں اُس کا وصال چاہتا ہوں اور اس کی مرضی ہجران میں ہے تو میں اپنی چاہت کو اپنے محبوب کی چاہت پر قربان کر کے ہجر کا طلبگار بنتا ہوں۔)

وہ میرا فراق چاہتا ہے اور میں وصال، اب میں اپنی خواہش کو اس کی خواہش پر قربان کرتا ہوں۔

مجنون نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دے
نظارۂ ہوس ہو تو لیلیٰ بھی چھوڑ دے

اور فارسی میں کہتے ہیں:

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق
ترک کارِ خود گرفتم تا برآید کام دوست

(میرا آرزو دوست کا وصال اور اس کی خواہش مجھ سے جدائی کا ہے تو میں نے اپنی آرزو ترک کر کے دوست کی مرضی اختیار کر رکھی تا کہ وہ خوش ہو جائے گو میرا کام نہ بنے۔)

تو اس لحاظ سے مومن نہ اس دنیا میں ناکام ہے نہ اُس دنیا میں۔ تو مومن کی توجہ اللہ اور روح کی طرف ہوتی ہے تو اب یہ دنیا میں نہ اُن عطایا کو لے سکتا ہے اور نہ یہ اس کی جگہ ہے۔ یہ انجینئر ایک ڈبہ بنا لیتے ہیں جس میں ہزار گیلن پانی آئے اور ہم کہیں کہ اس میں لاکھ گیلن ڈالا جائے تو اس میں کیسے آجائے جیسے کہ بیلون (Balloon) ہوتا ہے کہ اُس میں ذرا زیادہ پھونک ماردی اور پھٹ گیا۔

اب دنیا میں حدود کے اندر نہ تو کھانا منع نہ پینا۔ ''كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ''۔ (البقرۃ: ۲،۱۷۲) (جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں رزق کے طور پر عطا کی ہیں ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ۔) تو معلوم ہوا کہ اللہ ناپاک چیزوں سے روکتا ہے نہ کہ پاک چیزوں سے اور پھر اِتنا نہ کھاؤ کہ پھر چورن کھانا پڑے۔ نہ اِتنا کھاؤ کہ طاقت ہی نہ رہے۔ اسی طور پر فرمایا:

مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ (سورۃ الاعراف ۷:۳۲)

(کہو کہ ''آخر کون ہے جس نے زینت کے سامان کو حرام قرار دیا ہو جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور (اسی طرح) پاکیزہ رزق کی چیزوں کو''۔)

تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے زینت کی جائز چیزوں کو بھی منع نہیں فرمایا۔ جنگل میں بیٹھنا نہیں اور پھر باوجود یکہ تم نے چیزوں کو استعمال کیا ہے لیکن حدود کے اندر تو اللہ میاں کہتے ہیں کہ چاہے کچھ بھی ہے دنیا کو تو محدود کر کے رکھا ہے تو اللہ رب العزت ایک ادنیٰ جنتی کو رقبے کے لحاظ سے دنیا سے دس گُنّا جنت میں دے دیں۔ اب ہمارے مولوی صاحب کہیں کہ اِتنے بڑے رقبے سے کیا کرے گا تو اللہ میاں کا یہ قانون ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دس گُنّا دیتا ہے تو گویا وہ یوں کہتا ہے کہ تم نے تو دنیالی ہی نہیں اور جنت کی زمین کی قیمت اِتنی ہے کہ ایک بالشت کی قیمت پوری دُنیا سے زیادہ ہے اور وہاں اور کیا ہو گا؟

وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ (سورۃ فصّلت ۴۱:۳۱)

جو تم چاہو اور جو تم پکارو وہ ملے گا۔ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ (سورۃ فصّلت ۴۱:۳۲)

(بخاری و مسلم، عن ابی ہریرہؓ) (اور اس جنت میں ہر وہ چیز تمہارے لیے ہے جس کو تمہارا دِل چاہے اور اس میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لیے ہے جو تم منگوانا چاہو۔ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے پہلی پہلی میزبانی ہے جس کی بخشش بھی بہت ہے، جس کی رحمت بھی کامل۔)

اللہ کی طرف سے مہمانی ہو گی اور جو اللہ کی مہمانی ہو گی تو اس کی شان کے مطابق ہو گی۔ یہ نہیں ہو گا کہ کڑوے کریلوں پر ٹال دیں گے، وہ دیں گے کہ ''مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ'' جو کسی کی آنکھ نے دیکھا نہ ہو، نہ کسی کے کان نے سنا ہو اور نہ کسی کے دِل پر اُس کا خیال گزرا ہو تو ''ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ'' تو یہ ہے حقیقی کامیابی۔

گناہوں کے لیے توبہ کا صابن

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (21 اکتوبر 1963ء، بعد از نمازِ مغرب)

گولڈن جوبلی کی نحوست کے اثرات بھی پڑیں گے، تو بنی اسرائیل نے جب بچھڑے کو پوجا تو انہیں کہا گیا کہ ''تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا'' سب کے سب اللہ کے سامنے توبہ کرو اور توبہ کے بعد بھی جو اثرات اُن پر پڑے تھے ان کے متعلق کہا گیا کہ ''فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ''۔ (اپنے آپ کو قتل کرو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے)۔

معافی تو ہو گئی تھی لیکن بعض جرموں کے اثرات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ختم نہیں ہوتے مثلاً ایک شخص نے زہر کھالیا، اب ایک گھنٹہ کے بعد وہ نادم ہوا اور توبہ کر لی۔ اب اللہ نے اس کی توبہ قبول بھی کر لی تو موت تو وارد ہو گی تو اسی طرح گناہ کا اثر روح پر وارد ہوتا ہے۔ قرآن شریف نے ایک بات کہی ہے: ''اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ'' (بیشک نماز بے حیائی اور منکرات سے روکتی ہے)۔ تو اس کا اُلٹ کیا ہو گا۔ یقیناً خواہشات اور بُرائیاں رکاوٹ بن جاتی ہیں نماز کی ادائیگی میں، دلوں میں فحش گری اور بے حیائی کے داعئے کے اثرات سے دل میں قساوت پیدا ہوتی ہے، کثافت بھی ہوتی ہے، اللہ سے دوری بھی ہوتی ہے، سختی بھی ہوتی ہے اور خداوند قدوس سے غفلت بھی ہوتی ہے۔ گانے بجانے کو اس لیے ''مزا میر الشیطان'' شیطان کی عبادت کہا گیا اور شیطان کا کام ہے غافل کرنا اور جب دل غافل ہو گیا تو خداوند قدوس کی توجہات سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ بھولے خدا کو، خدا نے انہیں بھلا دیا۔ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ (الحشر ۵۹: ۱۹) (تو جو اللہ کو بھول بیٹھے تھے تو اللہ نے انہیں خود اپنے آپ سے غافل کر دیا۔) تو وہ اعمال جو فسق و فجور کو دعوت دیتے ہیں تو ان کے اثرات جتنے کہ کرنے والوں پر مرتب ہوتے ہیں، اسی طور پر ان لوگوں پر بھی مرتب ہوتے ہیں جو گو شریک نہ ہوں لیکن عملاً راضی ہوں، آتا ہے قرآن میں بنی اسرائیل کے ان

لوگوں پر ''تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ''اُن کے دل متشابہ ہوگئے۔ حبیب پاک ﷺ نے ارشاد فرمایاجو شخص کسی برائی میں شریک نہ ہو یا موجود نہ ہو اُس مقام پر لیکن اُس پر راضی اور خوش ہو تو وہ ایسا ہی ہے گویا اُس نے اُس کا ارتکاب کیا اور جو شخص کسی بُرائی کے ہوتے ہوئے موجود ہو لیکن اس کو ناپسند کرے تو وہ ایسا ہے کہ وہ وہاں ہے ہی نہیں۔ تو گناہ اور بُرائی کے اثرات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ غیروں پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اس وقت عالم میں غلبہ، استیلا اور اکثریت جن قوموں کو حاصل ہے خواہشات اُن کی گھُٹی میں پڑی ہیں، بے حیائی ان کا خون اور عریانی اُن کا لباس ہے۔ اب اس کی بنا پر اُن کے دلوں پر جو ظلمت آتی ہے گھٹائیں اُٹھتی ہیں اور جو دل اللہ کی طرف راغب ہوتے ہیں اُن پر پڑتی ہیں اور اُن کو بھی عریانی، فواحش اور بدکاری کی طرف راغب کرتی ہیں۔ مون سون ہوائیں کہاں سے چلتی ہیں لیکن بارش کہاں برساتی ہیں۔ گلف یا ناروے سے چلتی ہیں اور پھر کہاں تک پہنچ جاتی ہیں۔ مختصر یوں سمجھو کہ جیسے طبعی حالات میں موسمیات والے پیش گوئی کرتے ہیں کہ اب بارش ہو گی۔ اب یہ ہو گا وہ کیسے کرتے ہیں، وہ حالات کو دیکھتے ہیں تو جیسے موسمیات کے طبعی ماہرین ہوتے ہیں، اسی طرح روحانی موسمیات کے ماہرین انبیاء اور ان کے تابعین اولیاء اللہ ہیں تو جو گندگی کے اڈے ہیں تو ان کے نتیجے کے طور پر دلوں سے جو گندی ہوائیں اُڑتی ہیں نہ جانے کہاں کہاں کے لوگوں کو خراب کرتی ہیں، اچار ہے اُس پر کچھ پانی وغیرہ پڑ گیا تو سڑ جاتا ہے، میرے مسواک میں نمی تھی، اس کو میں نے غلاف میں رکھا تو پھپھوندی چھا جاتی ہے۔ یہ کیوں ہوتا ہے اِس ہوا میں جو ''Fungus'' (پھپھوندی) کے ذرات ہوتے ہیں وہ جب موافق حالات ہوتے ہیں، تو وہ اُگ آتے ہیں۔ اسی طرح جن دلوں میں رد کرنے کی قوت نہیں ہوتی اور ان جراثیم کے زندہ کرنے کی قوت ہو تو وہ پہلے اُلّی اور پھر زنگ بن جاتے ہیں تو اب اس مسواک شریف کا کیا تھا یہ تو مدینہ شریف سے آئی تھی لیکن وجہ یہ تھی کہ اس کو ایسی فضاؤں میں رکھا گیا جن کی وجہ سے

وہ آدھا کٹ گیا۔

ماحول کا اثر اور استغفار

اسی طور پر گندے ماحول کا اثر ہوتا ہے اس کی بنا پر تہجد والوں کی تہجد قضا ہو جاتی ہے۔ فجر کے اُٹھنے والے لیٹ اُٹھیں، جماعتوں میں سُستی ہو، اس کا علاج اور مداوا کیا ہے، استغفار کی اجتماعی کثرت ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۷'' اور اس کے علاوہ بُرائی کے سد باب اور گندے اثرات کو مٹانے کے لیے خیر کی محنت، نیکی کے پھیلانے کی محنت، لوگوں کو اللہ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اور آخرت کی تیاری کے لیے چوکنا کرنا۔ غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو چونکا دینا، تو حبیب پاک ﷺ نے فرمایا: اللہ نہ کرے جس قوم میں طاعون پھیلے گا، تو فواحش کی بنا پر۔[51]

اعمال کے طور پر چیزیں مرتب ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی چیز بتائی اور قوم نوح علیہ السلام کو بتائی اور یہ وہ سرکش قوم تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی صدیوں کی دعوت سے راہِ راست پر نہ آئی تو فرمایا: استغفار کرو گے تو اللہ کی توجہات ہوں گی اور توجہات سے خوشی ہوتی ہے۔ جب کوئی بچہ غلطی کرتا ہے اور وہ معافی مانگ لیتا ہے تو والدین خوش ہو کر کچھ دیتے ہیں۔ اسی طرح جو گناہ سے توبہ کرتا ہے تو پھر توجہات ربانی متوجہ ہوتی ہیں جیسے فوّارے سے (بلا تشبیہ عرض کروں) پانی کی دھاریں نکلتی ہیں۔ اسی طرح اللہ کی طرف سے صفات کی تراوت ہوتی ہے۔ رزاقیت سے رزق ملے گا، وہابیت سے عطا ہو گی، خیریں آئیں گی، تو ظاہر میں آدمی تو یہ دیکھ لے گا کہ اس سے ایسے کیوں ہوا تو مطلب یہ ہوا کہ توبہ نے اللہ تعالیٰ

---

[51] - عن عبداللہ بن عُمَرَ قال: اَقْبَلَ علینا رسول اللہ ﷺ فقال: یا معشر المهاجرین خمس اذا بتلیتُم بهِنّ، و اعوذ باللہ اَنْ تُدْرِکوهُنَّ: لَمْ تَظْهرِ الفاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰی یُعْلِنُوْبِهَا. اِلَّا فشافیهم الطَّاعونُ والأوجاعُ الَّتِيْ لم تکُنْ مَضَتْ فی اَسْلافِهم الذِیْنَ مَضَوْا۔ ولَمْ یَنْقُصوا الْمکیالَ والمیزانَ. اِلَّا اُخِذوا بالسِّنِیْنَ وَ شِدَّةِ المؤنَةِ، وجَوْرِ السلطانِ عَلَیْهِم۔۔۔ (ابن ماجہ، کتاب الفتن باب العقوبات، حدیث نمبر:۴۰۱۹)

کی توجہات کو مبذول کر لیا اور پھر صفات کی توجہ ہوئی تو گویا بادل کو اوندھا کر دیا تو خداوند قدوس کی ذات سے جب عطایا بے نہایت متوجہ ہو جاتی ہیں تو رنگا جاتا ہے، ظاہر بھی رنگا جاتا ہے اور باطن بھی رنگا جاتا ہے اور نسلیں تک رنگی جاتی ہیں تو توبہ جو ہے خداوند قدوس سے بے نہایت دِلانے والی ہے۔ صرف ماضی کا ازالہ نہیں ہے بلکہ آئندہ کے لیے رب کی مستقل عطایا کا دروازہ کھلوانے والی ہے مگر توبہ توبہ ہو، اب انفرادی توبہ انفرادی اثرات کو پیدا کرے گی اور اجتماعی توبہ اجتماعی اثرات کو پیدا کرے گی۔ بہرحال اگر مجمع ٹوٹ گیا ہو تو وہ افراد جن کو اللہ نے فکر دی ہو تو وہ اپنے لیے بھی توبہ کرے اور اُمت کے لیے بھی توبہ کریں تو حبیب پاک ﷺ پر جب آج ہمارے اعمال پیش ہوں گے تو آج پیر کا دن ہے اور پیر کے دن تو متفق علیہ بات ہے اور جمعرات کے دن بھی پیش ہوتے ہیں اور بعض روایات میں تو روزانہ پیش ہوتے ہیں تو جن کے اعمال اچھے ہوتے ہیں تو حضور ﷺ خوش ہوتے ہیں اور حضور ﷺ کی فرحت تم اپنے دل میں محسوس کروگے، نیکی سے فرحت ہوتی ہے۔ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸

(سورۃ یونس ۱۰:۵۸)

(لہٰذا اسی پر تو انہیں خوش ہونا چاہیئے یہ اس تمام دولت سے کہیں بہتر ہے جسے یہ جمع کر کر کے رکھتے ہیں۔)

اور جب بُرے اعمال پیش ہو جائیں، اس کے مداوے کے لیے استغفار کرتے ہیں تو اُمت کو بھی زیبا ہے کہ جب اُمت کے اعمال سیئہ کی جب خبر پہنچ جائے تو کہے ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ'' تو جب اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہو تو اُمت کے بھی استغفار کرو۔ ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اَلْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَات'' تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنا بھی فائدہ ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ کی ذاتِ عالی اور اعمال کی برکت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۳۳ (الانفال ۸:۳۳) (اور (اے پیغمبر!) اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کو

اس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور اللہ اس حالت میں بھی ان کو عذاب دینے والا نہیں ہے جب وہ استغفار کرتے ہوں۔)

یعنی حضور ﷺ مستقل ذریعہ ہیں عذاب کی رکاوٹ کا اور ہمارے شہر کے مولوی نے تو یوں کہا کہ جو درود تاج کہے اُن پر ان کی بیویاں طلاق اور وجہ یہ بتائی ہے کہ اس میں کہا ہے کہ حضور ﷺ کی ذات ''دافع البلاء'' ہے اور ہم تو یہ کہیں کہ ذات تو بڑی چیز ہے جس اُمت میں حضور ﷺ کے اعمال ہوں اُن کو عذاب نہیں دیا جائے گا تو فرمایا''وَ اَنْتَ فِیْهِمْ'' اور یہ ''اَنْتَ'' میں بھی عجیب لذت ہے تو وہی بات اس اَنْتَ کی اَنْتَ ہے۔

آپ سے تم ، تم سے تُو ہونے لگی

از دو عالم در دوعالم این خوش آید مرا

روئے تُو یا بوئے تُو یا کوئے تُو یا خوئے تُو

جہاں کہ حضور ﷺ کی ذاتِ عالی اور آپ ﷺ کی ذاتِ عالیہ کی لائی ہوئی چیزوں کی کل کا کوئی جز نہ ہو تو اُس جز کی غیر موجودگی پر گناہ ہوگا اور عذاب جو آتا ہے تو گناہ کی وجہ سے، تو حضور ﷺ کا ہونا اور حضور ﷺ کے اعمال کا ہونا عذاب کے دفعیے کا سبب ہے اور اگر ان چیزوں میں کوئی کمی ہو جائے تو فرمایا:''وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ'' کہ اول تو تجھے لے کیونکہ حق تو یہ ہے کہ تیری ایک ادا سے ہٹ جانے پر عذاب دوں تو عذاب رُکتا ہے حضور ﷺ والے اعمال کے اختیار کرنے سے، لیکن اگر اس میں رخنے پڑ جائیں تو فرمایا ہم ان کو عذاب نہیں دیں گے جبکہ وہ ہم سے توبہ کرنے والے ہوں تو توبہ میں ماضی کا ازالہ اور حال کا بھی فائدہ ہے۔

گناہوں کے اثرات

توبہ سے گناہ دُھل جاتا ہے، کبھی ٹائپ کو بھی دیکھا ہے، اس میں کاربن پیپر ہوتا

ہے اور پھر اس کی چار پانچ کاپیاں ہوتی ہیں، تو گناہ کی پہلی کاپی کے اثرات دِلوں پر، دوسری کا جسموں پر اور پھر تیسری کا ملاءِ اعلیٰ پر اور چوتھی کا اثر اعمال ناموں پر اور پانچویں کا جس ماحول میں تم کرتے ہو اس پر اثرات مرتب ہوتے ہیں اور قیامت کے دن یہ ظاہر ہو جائیں گے۔ وہ آتا ہے ''یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا'' تو ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ان کے اثرات کو زائل فرما'' تو توبہ حقیقی گناہوں کے اثرات کو ایسے دھو دیتی ہے کہ لکھنے والے فرشتے بھی بھول جاتے ہیں اور پھر ایک اور چیز ہوتی ہے ہمارے اجمل کو ایک دفعہ چاقو لگا تھا، سیدھا سادہ لڑکا ہے۔ کسی کے ساتھ تو تو میں میں ہو گئی، اُن کے پاس چاقو چھریاں ہوتی ہیں، جھٹ چھری مار دی لیکن اُس نے معاف کیا اور پھر اُس کی وجہ سے دونوں کی دوستی ہو گئی تو جب ظاہری چاقو لگ جائے خون نکلتا ہے، اسی طرح گناہ کے مراتب کے لحاظ سے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ کوئی چھری ہوتی ہے، کوئی زہر میں ڈوبا ہوا خنجر ہوتا ہے تو گناہ کے چاقو سے روحانیت کا خون نکلتا ہے تو اس کا علاج اور مداوا کیا ہے؟

روح کو بھی تو غذائیت کی ضرورت ہوتی ہے (یہ تیسرے نمبر کا جز ہے استغفار)، جب روح مضمحل ہو گئی اور روح کی جان جو آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ہمیں بتایا گیا ''اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' یہاں ''غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ'' کا لفظ نہیں کہا بلکہ ''حَیُّ الْقَیُّوْمُ'' کہا تو زندگی کی حیاتین کی بوتلیں جو آتی ہیں وہ اللہ کی طرف سے تمہارے قلب پر وارد ہوتی ہیں اور پھر ''قَیُّوْمُ'' ہے سنبھالنے والا، تو استغفار میں بڑی قوت ہے۔ فرمایا: اگر کوئی شخص صبح و شام کی نماز کے بعد ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' کہے تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف کریں گے خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں لیکن توبہ حقیقی توبہ ہو، یہ نہ ہو کہ:

رات کو خوب سے پی صبح کو توبہ کر لی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

تو توبہ اللہ کی عطایا میں سے ایک بڑا انعام ہے، اگر توبہ و استغفار نہ ہوتے تو آدم علیہ السلام ابھی تک روتے ہوتے، یونس علیہ السلام ابھی تک مچھلی کے پیٹ میں ہوتے اور ہم جیسوں کا کیا حال ہوتا، حالانکہ گناہ تو نہیں ہوا۔ صرف افضل کو چھوڑ دیا۔ افضل کو بھی قربان نہیں کرنا چاہیے۔

توبہ کی قبولیت

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ میاں تمہارا پیچھا چھوڑنا نہیں چاہتا، تم گناہ کر کے بھاگو تو وہ کہتے ہیں کہ اے میرے کے بندے توبہ کر کے آجاؤ۔ سید علی ابو الخیرؒ ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ اس کی ایک رباعی ہے۔ فرماتے ہیں:

باز آ ہر آنکہ ہستی باز آ
گر کافر و گر بت پرستی باز آ
این در گہ مادر گہ نامیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(گناہوں سے واپسی اختیار کرنا اور اللہ کی طرف متوجہ ہونا خواہ تو کافر اور بُت پرست ہی کیوں نہ ہو۔ میرا یہ دریا نااُمیدی والا ہے نہیں اگر سینکڑوں بار توبہ کو توڑا ہے پھر بھی واپس آنے کی گنجائش ہے نااُمیدی نہیں۔)

جو کچھ کیا بھی ہے تو باز آ، ہماری درگاہ جو ہے یہ نااُمیدی والی درگاہ نہیں، تو اگر انسان اخلاص سے توبہ کرے اور پھر لغزش ہو جائے تو پھر یوں نہ کہے کہ توبہ کرلی اور ثابت قدم نہیں رہے تو ایک غوطہ اور سہی۔ کبھی نااُمید نہ ہو، ایک دفعہ توبہ کرلی، ٹوٹ گئی، پھر توبہ کرلو، تُو تو بندہ ہے اسی طرح ٹوٹتے پھوٹتے آخر منزل پر پہنچ جائے گا۔ اُس نے توبہ کا دروازہ تو یہاں تک کھول دیا جب تک تیری موت نہ آئے اور یا پوری انسانیت کی موت واقع نہ ہو جائے یعنی سورج مغرب

سے نکلے، اس کا تو کام ہی عطا کرنا ہے لیکن یہ کہ ہم ضد اضدی نہ کریں، بس اللہ کی رحمت کی اُمید کو ہمیشہ اللہ کے غضب پر حاوی اور غالب رکھا کرو، اللہ کا غصہ ہے لیکن اللہ کے غصہ پر اُس نے اپنی رحمت کو غالب رکھا ہے اور پھر تم کو کچھ کہے گا، تم تو اس کے لاڈلے کی اُمت میں ہو تو اعمال محمدیہ ﷺ اگر کم نکلیں بھی تو اُس رخنے کے بند کرنے کے لیے توبہ کرو، اگر حضور ﷺ کی ذات جو عذابِ الٰہیہ کے لیے بند ہے، اس رحمت کے پردے کو اگر تم نے اپنے گناہوں سے توڑا تو اس کے لیے استغفار کی سیمنٹ لگایا کرو، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو حقیقی توبہ نصیب فرمائے تو اپنی نیت کو خالص کر کے اللہ سے توبہ مانگو اور پھر یقین رکھ لو کہ اللہ نے معاف کر لیا اور پھر اُس کا وظیفہ نہ کرو کہ میں نے فلان اُلّو کو مارا تھا، ابن العربیؒ نے لکھا ہے کہ توبہ کی نشانی یہ ہے۔ (غفلت کی بنا پر نہیں، طاعت میں لگ جانے کی بنا پر بھول ہی جائے) وہ بات نہ ہو کہ منافق کی طرح گناہ کو مکھی کی حیثیت میں سمجھے کہ ناک پر بیٹھ گئی اور اُڑ گئی بلکہ یوں ہو کہ عرفات کے مقام پر جس نے اپنے گناہوں کی معافی کا یقین نہیں کیا تو اُس سے زیادہ گنہگار کوئی نہیں۔ ہاتھ پر گندگی تھی تو کیا اس کا تذکرہ کرتے رہو گے، پانی سے دھو لیا، صابن سے دھو لیا اور سینٹ اور عطر لگا لیا تو طبیعت میں انشراح آئے گی، کوئی حسین اور جمیل ہو، چاند سا چہرہ ہو، وہ اپنے چہرے پر مل لے کالک تو کہیں سے لائے گا صابن، تو اب منہ سے صابن ملے گا تو پہلے سے زیادہ چمکے گا یا نہیں تو اسی طرح اگر گناہوں کی کالک اگر تم نے چہروں پر مل لی اور پھر توبہ کے صابن سے دھو لیا تو گناہ کا اثر مٹ جائے گا اور توبہ کے قبول ہونے کی نشانیوں میں سے ایک انشراح کی کیفیت کا پیدا ہونا بھی ہے۔

کامیاب کون؟

اسلامیہ کالج مسجد پشاور(22اکتوبر1963ء)

عزیزو، دوستو اور بزر گو! زندگی کی راہیں مختلف ہوتی ہیں، انسان اس دنیا میں آتا ہے اور وہ ایک راہ کو اختیار کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس راہ سے مجھے زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل ہو جائے۔ وہ اپنا سفر جاری رکھتا ہے اس اُمید پر کہ زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کروں۔ اب راہیں مختلف ہو جاتی ہیں، کوئی نفع ڈاکٹر بننے میں سمجھتا ہے اور کوئی انجینئر اور کوئی کیا اور کوئی کیا لیکن سب کا آخری نتیجہ مال و دولت کا حاصل کرنا اور اس سے کامیاب زندگی کا یقین ہوتا ہے۔ اب کامیابی کا ایک خاکہ وہ ہے جو کہ ہم نے اپنے ذہنوں میں بنا رکھا ہے۔ اگر زندگی ہے وہ خاکہ نہیں میسر آجائے گا۔ وہ کسی کا کہنا ہے:

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دُور اپنے ہاتھ سے جو بام رِہ گیا

کامیابی کا نقشہ

اور دنیا میں یہ چیز ایسی انوکھی نہیں کہ کسی کو پیش نہیں آتی، افراد کو بھی پیش آتی رہتی ہے، ملکوں اور قوموں کو بھی پیش آتی رہتی ہے اور یہ چکر قائم رہتا ہے کہ اللہ کا فیصلہ مکمل اَن مٹ ہوتا ہے۔ اب کامیابی کے حصول کے لیے ایک اور راہ ہے۔ وہ راہ بتاتے ہیں وہ طبقہ جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہو، اللہ کو پہچاننے والے اور اللہ کی ذات سے لینے والے ہوتے ہیں، اُن سے میری مراد انبیاء علیہم السلام ہیں۔ وہ اپنی ذات سے نہیں کہتے بلکہ جو کچھ وہ فرماتے ہیں، جو طریقہ دیتے ہیں وہ اُس ذات سے لیتے ہیں جس کے سامنے پہلا زمانہ بھی ہے۔ جب مخلوق وجود میں آرہی تھی اور وہ زمانہ بھی ہے جبکہ یہ مٹے گی اور جب کہ ان کو پھر زندہ کر لیا جائے گا اور

جب کہ یہ اپنی برائی اور نیکی کا بدلہ پائیں گے تو اب نبی کی ذات جو خاکہ دیتی ہے وہ اِتنی سی چیز کو دیکھ کر نہیں دیتی۔ وہ تیس چالیس اور پانچ سال اور دس سال کا پلان نہیں بناتے۔ نبی کو جس ذات سے ملتا ہے وہ جس ذات سے لیتا ہے اُس کے سامنے ایسا ہوتا ہے جیسے دوپہر کے وقت بارہ بجے ہوں، سورج کی روشنی میں تم کو صاف دکھائی دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام دھوکہ نہیں دیتے، فریب نہیں دیتے۔ وہ تمہارے محسن ہوتے ہیں۔ شفیق اور مہربان ہوتے ہیں۔ وہ ہم تک زمینی جال نہیں بچھاتے کہ تمہاری یہ زندگی بھی بگڑ جائے اور آخرت بھی بگڑ جائے۔ وہ تو تم پر اپنے ماں باپ اور اپنے نفس سے بھی زیادہ مہربان ہوتے ہیں۔ مجھے کوئی رنج پہنچے، میرا ہاتھ جل جائے تو جتنا مجھے دُکھ ہو گا، اُس سے زیادہ حبیب ﷺ کو دُکھ ہو گا، وہ خداوند قدوس کے رؤف الرحیمی شان کے مظہر ہوتے ہیں، وہ ایسی راہوں پر نہیں لانا چاہتے جس میں تمہاری کوئی خرابی ہو، وہ چاہتے ہیں کہ تمہاری یہ زندگی بھی کامیاب ہو جائے اور وہ زندگی بھی کامیاب ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ تمہیں حشر کے میدان میں بھی چین ہو جیسے کہ اماں کی گود میں ہو اور کوئی خوف نہیں ہو گا۔ حالانکہ یہ انتہائی سخت دن ہو گا، انتہائی تپش ہو گی، کوئی ٹخنوں تک تو کوئی کانوں تک پسینہ میں ڈوبا ہو گا لیکن پھر بھی بعضوں پر یہ وقفہ اِتنا جلد گزر جائے گا[52] جیسے کہ عصر کی چار رکعتیں ہوتی ہیں۔ وہ کہیں گے کہ ہم انتظار کر رہے تھے کہ سورج نکلے گا لیکن اللہ کی محبت اور روحانی کیفیت میں ایسے ڈوبے ہوں گے کہ سورج کی تمازت ان کو محسوس نہیں ہو گی۔

حبیب پاک ﷺ کے خاکے کی اہمیت

دوستو! نبی یوں چاہتا ہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ، حقیقت کی زندگی میں آؤ، تمہارے سامنے یورپ اور امریکہ کے خاکے نہ ہوں جس کے سامنے اللہ کا خاکہ ہو، جس کے پاس

---

[52]۔ عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قيل لرسول الله ﷺ في يوم كان مقداره خمسين الف سنة: فما اطول هذا اليوم؟ فقال رسول الله ﷺ: والذي نفسي بيده إنه ليخفف على المؤمن حتى يكون أخف من صلوٰة مكتوبة يصليها في الدنيا۔ (تفسير البغوي، ابن كثير، التفسير البنم)

قرآن موجود ہو اور حبیب پاک ﷺ کا خاکہ موجود ہو اور وہ اس کو چھوڑ کر غیروں کے خاکوں کو اپنائے، وہ قوم ناکام نہ ہوگی، تو اور کیا ہوگی جس ذات کے آنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریقے کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا تو کیا آج ان کے طریقوں سے کٹے یہود و نصاریٰ کے خاکوں میں بھی کوئی مزہ ہوگا، آج ہم کو اگر مزہ نہیں آتا تو مدینہ والے خاکے میں نہیں آتا جن کی نگاہوں میں مدینے کی خاک پڑ گئی وہ یورپ کی اُڑتی ہوئی خاکوں اور نقشوں کو کس شمار میں لائیں۔

دوستو! تم مفلس و قلاش نہیں ہو، تم قرآن والے ہو، تم حبیب پاک ﷺ والے ہو، اپنے کو پہچانو کہ تم کیا ہو؟ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے پاس اللہ کا پیام اور اللہ کا پیغام اور ایسا کوئی طریقۂ حیات ہے کہ جس کے سنبھالنے سے ہم سنبھل جائیں، ہم اللہ کے پہچاننے والے بن جائیں۔ اگر تم اپنے مقام پر آجاؤ اور اللہ سے جو عہد باندھا "اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ" تم نے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا ہے۔ حضور ﷺ کے اُمتی ہونے کا اقرار کیا ہے، تم یوں کہو کہ ہم ڈاکٹر ہیں، ہم انجینئر ہیں اور ہم ایگریکلچر کے پڑھنے والے ہیں تو اگر تم کو ڈاکٹری، انجینئری اور ایگریکلچر کی کتاب کے "الف، ب" نہ آتے ہوں تو لوگ کہیں گے، نرا دعویٰ ہے، جس کی دلیل نہیں۔ اسی طرح "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے دعوے کی دلیل یہ ہے کہ تمہارے اخلاق، چلت پھرت، اُٹھنا بیٹھنا یہ بتائے اور جس طرف بھی تم نکل جاؤ تو لوگ کہیں گے کہ یہ مسلمان ہیں۔ ایک معمولی حکومت جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، اس کے سپاہی کی کوئی وردی ہوتی ہے جس کو دیکھ کر سامنے گزرے کہ یہ سپاہی ہے اور پھر تم اُن کی عزت کرتے ہو اور سپاہی نے جب وردی پہنی ہو تو اُس پر ہاتھ ڈالنا بڑا جرم ہوگا اور جب وردی نہ ہو تو اِتنا بڑا جرم تصور نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر ہم ایمان کی وردی پہنے ہوں گے۔ حضور ﷺ کے اعمال والی وردی پہنے ہوں گے تو اگر تم کو کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے تو اللہ میاں اس کی آنکھ کو نوچ لے گا۔ فرمایا: عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ اِنّ الله تعالیٰ قال من عادیٰ لی ولیًّا فقد اٰذنته بالحرب۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق، ۸۱، باب التواضع ۳۸، حدیث نمبر: ۶۵۰۲، ص ۱۵۹۷)

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس نے بھی میرے دوست کے ساتھ دشمنی رکھی میں اس کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔)

کالج کے قانون کی پرواہ نہیں کروگے تو Rusticate ہو جاؤ گے اور اللہ کے دین کی پرواہ نہ کرو تو کیا ہوگا؟ تھوڑی سی فکر پیدا کرو کہ کیا اللہ کو ہم کبھی دھوکا دے سکتے ہیں؟ حضور ﷺ کو دھوکا دے سکتے ہیں؟ اگر آج ہم نے اپنی جانوں کو دھوکا دیا تو کل جب آنکھیں کھل جائیں گی اور ہم تو کہتے ہیں کہ آنکھیں بند ہو گئیں لیکن ظاہر کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور باطن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، وہاں نہ انجینئری نہ ڈاکٹری کی ڈگری کام آئے گی بلکہ ''لَآ اِلٰہَ'' کی ڈگری کام آئے گی اور وہ بھی صرف نام والی نہیں بلکہ حقیقت والی۔ پروفیسر کے متعلق کہیں کہ یہ ایم۔اے ہیں، اب اگر وہ ایم۔اے کے الفاظ بھی نہ جانیں صرف اویں۔اے ہو تو لوگ کہیں گے کہ یہ تو نرا جاہل ہے تو ''لَآ اِلٰہَ'' اسی طرح تو بول ہیں لیکن یہ وزنی جب ہوں گے جبکہ ہم میں اعمال کلمہ ہوں، پڑھا ہے کہ بعض کی تولیں بھاری ہوں گی اور بعض کی ہلکی ہوں گی۔ ''ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ'' اور ''خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ'' ہلکی وہی ہوں گی جن کے اندر اللہ کا تعلق نہیں ہوگا، اللہ کا تعلق اِتنا بوجھل ہے کہ جس کو ذرہ بھر بھی اللہ کا تعلق ہو تو وہ جھک ترازو زمین پر جائے گا اور یہ نہ ہو تو ترازو اُوپر چلی جائے گی جیسے کہ آج ہم بے فکری کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر ہم کسی یہودی، عیسائی کے گھر میں پیدا ہوتے تو ہم یہودی، عیسائی ہوتے یا نہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرنا اور یہ تین طور پر ہوتا ہے، پہلے زبان سے شکر ادا کرنا اور پھر دل سے شکر کرنا کہ اے رب! تُو نے ہم کو ایمان سے نوازا، مسلمان کے گھروں میں پیدا کیا اور تیسرا شکر عمل کا ہے۔ ایمان کی بے قدری نہ کرنا اور اس کی قدر کرنا اور ایمان کی قدر یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ کو کرتے رہیں، اُس کو ٹکراتے نہیں۔ کوئی شخص زکوٰۃ کو نہیں نکالتا اور ایک شخص کے گھر میں غلّے کا انبار ہے اور ہمسایہ

بھوکا ہے اور یہ پوچھتا نہیں تو وہ مجرم ہو گا یا نہیں۔ اللہ کے نزدیک بھی مجرم ہو گا، اخلاق کے لحاظ سے بھی مجرم ہو گا اور پھر قانون میں بھی مجرم ہو گا۔

دوستو! جن کو اللہ نے ایمان کی دولت دی ہے تو وہ اُن لوگوں کو بھی ہدایت پر ڈال دیں جن میں یہ دولت نہیں۔ دیکھو! ایک عابد تھا اور اس کی بستی کے لوگ جو تھے وہ ناکارہ تھے۔ اللہ میاں کو غصہ آیا، ارادہ کیا کہ بستی کو اُلٹ دیں اور فرشتوں کو حکم دیا۔ انہوں نے کہا کہ اس میں تو فلاں عابد بھی رہتا ہے۔ کہا، میں جانتا ہوں لیکن کبھی اس کا دِل بھی کڑھتا تھا، کبھی اُس کی پیشانی پر شکن بھی پڑے تھے۔ اگر نہیں پڑے تھے۔ ایسا مفاد پرست اور خود پرست تھا کہ جو چاہتا تھا کہ میں خود تو جاؤں جنت میں اور باقی جائیں دوزخ میں تو خداوند قدوس کی عمومی شان یہ حکم صادر کرتی ہے کہ ”جو لوگ میری مخلوق پر رحم نہیں کرتے تو اُن پر بھی رحم نہیں کیا جاتا“۔

دوستو! بچنا ہے تو اوروں کو بچاؤ، دین پر چلنا ہے تو اوروں کو بھی چلاؤ۔ آپ طالب علم ہیں تو میں عرض کروں کہ تم طالب علم بن کر یہاں نہیں آئے بلکہ تم طالب زر بن کر آئے۔ یہ دھوکا اور فریب ہے کہ ہم طلب علم کے لیے آئے۔ تم یہاں آئے کہ انجینئر ہو جاؤں، نوکر بن جاؤں، ڈاکٹر بن جاؤں، ملازم بن جاؤں، کیا ملازم ہونا، دوسرے کا نوکر ہونا وہی طالب زر اور طالب مال کا ہونا نہیں اس لیے تم آئے ہو کہ کامیاب زندگی گزارو تو میں عرض کروں کہ آپ کی قبر میں، میں جاؤں، یا زید عمر بکر، اماں بھی ساتھ نہ جائے۔ بیوی، بیٹا، بچہ بھی نہ جائے۔ اب اگیزامینیشن (Examination) ہال میں کیا ہوتا ہے کہ کتاب کو بھی نہیں چھوڑتے اور اگر پکڑے جاتے ہیں تو کان پکڑ کر نکالتے ہیں اور یہاں تو ممکن ہے کہ کوئی آ بھی جائے لیکن وہاں اُس اندھیری قبر میں تمہارے ساتھ کون جائے گا۔

قبر میں سوال وجواب

وہاں پر جا کر تین سوال ہوں گے۔ من ربك ۔۔۔و ما دينك۔۔۔ ما هذا

الرجل الذی بُعث فیکم۔ (براء بن عازبؓ: مسند احمد بن حنبل، ج۵، ص ۳۶۵، حدیث نمبر: ۱۸۰۶۳) تیرا رب کون؟ تیرا دین کیا؟ اور اس آدمی (حضور پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے متعلق تمہارا کیا عقیدہ ہے؟

سوال پہلے سے آؤٹ ہیں اور یہاں تو اگر پرچہ آؤٹ ہو جائے تو یونیورسٹی والے اُس کو قید کر لیں گے اور یہاں تو ایسی نرمی ہے کہ پہلے ہی پیپر کو آؤٹ کر لیا اور کہا کہ اس کے جوابات سوچ لو اور یہ تیاری نہیں کر لو گے تو کیا ہو گا وہی ہو گا جس کا ہم آج تصور بھی نہیں کر سکتے تو اپنی فکر کرو۔ خداوند قدوس کو کوئی پرواہ نہیں کہ کوئی شخص اس کے دین کی طرف آتا ہے یا نہیں۔ دیکھو تم کالج میں رہ رہے ہو، سوچو کہ یہاں دین کی موٹی موٹی باتیں سیکھنی ہیں، دیکھو اسلام میں وہ عیسائیوں والی بات نہیں کہ ''ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور دوست ہیں''۔ ہم کو آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف چند دِنوں کے لیے (''نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ط''، ''لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ط'') عذابِ الٰہی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اُس سے تعلق جُڑ جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ موت سے پہلے موت کی فکر کر، خداوند قدوس کے سامنے چھوٹی سی چھوٹی بات کا مطالبہ ہو گا، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو منہ دکھانا ہو گا، ایسا نہ ہو کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تم سے اپنا منہ موڑ لیں تو اُس کے لیے کچھ کوشش کرو اور گرمیوں کی چھٹیوں میں جو یہ سوشل ورک وغیرہ کرتے ہو تو اسی طرح دین کے مکھی، مچھر جراثیم بھی مارو، شب جمعہ کو گنج علی خان مسجد میں دین کی کچھ بات ہوتی ہے وہاں بھی جایا کرو اور اسی طرح اپنے ہاسٹلوں میں ایک جماعت بناؤ اور ہفتے میں صرف دو گھنٹے اپنے بھائیوں کے ساتھ کچھ وقت گزارا کرو، دین کی کچھ بات کرو اور وقت کو قربان کر کے دین کے لیے قربانی کرو تو کون کون ہے جو اس کام کے لیے تیار ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیاں اور قبولیت دُعا

پشاور یونیورسٹی ہاسٹل نمبر 2(23 اکتوبر 1963ء، بروزِ بدھ بعد از نمازِ مغرب، تقریباً دو سو طلباء)

عزیزو اور دوستو ! ابھی آپ نے نماز پڑھی اور نماز کی پہلی رکعت میں ہمارے امام صاحب نے کچھ آیتیں تلاوت کیں، اُس کی نماز بھی نہیں ہوتی جس میں تلاوت نہیں ہو گی۔ ترجمہ بھی تلاوت قرآن کا بدل نہیں ہو سکتا، قرآن کو سن کر بھی ہماری توجہ دین کی طرف اور نماز کی طرف نہیں ہوتی اور یہ خیال نہیں آتا کہ کیا کہا جا رہا ہے، غفلت ہے اور غفلت کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، یہ نہیں کہ مسلمان نہیں بلکہ مسلمان ہونے کے باوجود دین سے اغماض برتتا ہے، شیطان دین کی طرف آنے ہی نہیں دیتے، اس میں کل کل کرتے ہیں اور اس کل میں زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم
باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

(ہر رات ہی ارادہ کر لیتا ہوں کہ کل ان (گناہوں) کو چھوڑوں گا جب کل آ جاتا ہے تو پھر وہی چکر چلتا ہے اور اس چکر میں عمر تمام ہو جاتا ہے۔)

دُنیا میں انہماک

ہر روز فردا کی بات ہوتی ہے ، بعض ہوشیار دوکاندار لکھ دیتے ہیں کہ آج نقد کل اُدھار۔ تو شیطان نے ہمیں یہ سکھالیا کہ آج دنیا اور کل دین، اس کل میں قیامت آجائے گی، آج کل تو موٹروں کا رواج ہے اور بعض موٹروں کے آگے اور پیچھے دونوں طرف مشینیں ہوتی ہیں اور حالت یہ ہوئی ہے کہ آگے تانگہ اور پیچھے گھوڑا۔ اگر دنیا کو آگے کر لو اور دین کو پیچھے تو ٹکر نہیں ہو گی۔ وہ تقاضے جو بارہ سال کے بعد ہونے چاہئیں کہ اس سال کے بعد آنے والی چیز کے لیے ہم

ابھی سے فکر مند ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ابھی تو چھوٹے ہیں، ڈاکٹر بن جائیں، فارغ ہوئے تو ملازمت کی فکر، پھر شادی کی فکر، پھر بال بچوں کی فکر اور اس کے بعد جس طرح کہ آپ کو والدین پالتے ہیں اس طرح بچوں کو پالیں گے، یہاں تک کہ ملک الموت آجائیں گے اور جس طرح پتنگ کی ڈور کٹ جاتی ہے اس طرح ڈور کاٹ لیں گے اور وہ ایسا ہے کہ جس وقت آتا ہے تو کسی سے پوچھتا نہیں۔ میں مذاقاً بات نہیں کرتا بلکہ سنجیدگی سے کہتا ہوں کہ غفلت نے ہم کو دنیا کے لیے ہوشیار اور آخرت سے غفلت میں ڈال دیا۔

تو بہر حال وہ آیتیں یہ تھیں: وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ (البقرۃ ۲:۱۲۷)

اور وہ وقت یاد کرو جبکہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کعبہ کی بنیادوں کو اُٹھا رہے تھے اور اُٹھا رہے تھے بنیادیں اور جس چیز کو بنا رہے تھے، اس کے لیے آوازیں کیا تھیں کہ اے رب! ہم نے اس گھر کو اپنے لیے نہیں بنا دیا کہ ہمارا نام ہو جائے بلکہ یہ کہ تیرا دین زندہ رہے۔

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

کعبہ کی تعمیر اور قبولیت کی دُعا

ہم تو نہ دنیا چاہتے ہیں، نہ دولت چاہتے ہیں، نہ جاہ چاہتے ہیں بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اس کو ہم سے قبول فرما اور وہ یہ مرکز ہے کہ جو دنیا کے لیے مرکز ہے، پورے عالم کا قبلہ و کعبہ صرف وہی جگہ ہے جہاں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنیاد رکھی اور جو کہ اُمت اسلامیہ کا مرکزی نقطہ ہے تو بنیادیں اُٹھا رہے ہیں اور تمام اخلاص ہی اخلاص ہے تو اللہ کے لیے کرنے والے بنو، غیر خدا کے لیے کرنے والے نہ بنو۔ خداوند قدوس کسی کی

شرکت کو نہیں چاہتے اوروں سے دھوکا ہو سکتا ہے، اُن سے تو نفاق چل جائے گا لیکن خداوند کریم کی نگاہیں جب اندرون میں گڑھی ہوئی ہیں، اُس سے نفاق کیسے چھپے۔ حضور ﷺ نے معاذؓ کو وصیت فرمائی: ''یا معاذ أخلص دِینك یكفیك القلیل من العمل''۔

(کفوز الحقائق علی معاش الجامع الصغیر للسیوطی بحوالہ الدیلمی، ص ۱۹۳)

(اے معاذؓ! اپنے دین میں اخلاص پیدا کر تو تمہارے لیے توڑا عمل بھی کافی ہو گا۔)

تھوڑا عمل اخلاص کے ساتھ ہو تو تمہارے لیے بے اخلاص کے پہاڑوں سے بڑھ کر ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

کعبہ را ھر دم تجلّی می فزود
زانکہ ز اخلاصات ابراہیم بود

(کعبہ کے تجلیات میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے کیونکہ تعمیر ابراہیم علیہ السلام نے بڑے اخلاص سے کی۔)

وہ جو کسی نے کہا:

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کے لیے میں خدا چاہتا ہوں

گھر والوں کو بے آب و گیاہ میں ڈالنا

بہرحال ابراہیم علیہ السلام ایک بنیاد اُٹھا رہے تھے اور نبی کا عمل اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ ان کا واسطہ ہر وقت اللہ سے ہوتا ہے، آخر وہ خداوند کریم کی دُعاؤں کی قبولیت کو جانتا بھی ہے، عمل کو تو اخلاص کے ساتھ خالص کیا تو اب کیا کہا کہ میرے بیٹے کو حکومت دے دے، وائس چانسلری دے دے، وہ مانگا جو خدا کے لیے ہو اور خدا کی قسم وہ مانگا جو کسی نبی نے نہیں مانگا۔ ڈرتے ہیں بات کو مختصر کرتے ہیں کہ کبھی خفا نہ ہو جائیں۔ اپنے وطن کو، سب سے

پہلے گھر بار کو چھوڑا اور آگ میں کو دے، وطن سے بے وطن ہوئے، شام پہنچے، مصر گئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں اولاد دی، نوے سال کی عمر میں اولاد ہوئی۔ ایسی عمر میں اولاد دی اور پھر کہا کہ جاؤ اور ڈال دے اس کو "بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ" ایسی جگہ جہاں کچھ اُگتا نہیں۔ یہ ایک نشیبی علاقہ ہے اور چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ آتے ہیں، بیٹے اور بیوی کو چھوڑ جاتے ہیں۔ بیوی بھی آخر بیوی تھی۔ کہنے لگی کہ اے ابراہیمؑ! کیا کرتے ہو؟ کہاں چھوڑے جا رہے ہو؟ پھر ذہن میں آیا کہ ابراہیمؑ ایسا کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کہ "کیا اللہ نے ایسا حکم دیا ہے"۔ تو اُس نے کہا "ہاں"۔ تو وہ یقین والی تھی اور یقین ایک بہت عجیب چیز ہے اور یقین والا دنیا میں ہو کر بھی دنیا میں نہیں ہوتا، اُن کا دل لامکان میں چکر لگاتا ہے۔ وہ یقین والی پکارنے لگی "اِذًا لَّا یُضِیْعُنَا" پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ اللہ کوئی جابر و ظالم تو نہیں اور پھر وہ اس خلیل کے بیٹے کو ختم کرے گا جس نے اس کے لیے سب کچھ قربان کر دیا۔

وہ مکے کی گرمی بھی عجیب گرمی ہوتی ہے، تھوڑی سی چکھ لے تو اماں یاد آجاتی ہے۔ اب صفا و مروہ دو پہاڑیاں ہیں، اِدھر دوڑتی ہیں اور اُدھر دوڑتی ہیں اور دیوانہ سی ہو جاتی ہے۔ بچے کے پاس آتی ہے، کہتی ہے کہ چھوٹے ہیں، کوئی جانور کھا نہ جائے، جبریلؑ آئے اور پَر مارا۔ ایسا چشمہ جاری ہوا کہ اُبلنے لگا۔ آپ کے ہاں تو اُسے "Gush" کہتے ہیں۔ اب ہاجرہ نے یوں کیا کہ پانی کو روکا کہ ریت میں آگے جذب نہ ہو جائے اور کہا کہ "زمزم" ٹھہر جا ٹھہر جا اور حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اللہ ہاجرہ پر رحمت کرے۔ اگر اُس نے اس کو بند نہ کیا ہوا ہوتا تو اللہ کی رحمت اِتنی جوش میں آئی ہوئی تھی کہ تمام دنیا تک جاری ہوتا اور اب بھی اللہ کا احسان ہے کہ تمام دنیا میں پہنچ جاتا ہے اور تم نے بھی اس کا قطرہ پی لیا ہو گا اور اگر آپ نے نہیں تو آپ کے خاندان والوں میں سے کسی نے پی لیا ہو گا۔

بیٹے کی قربانی

اللہ کا ایک ہے قانونِ قدرت اور ایک ہے قانونِ حکمت، قادر اس کو کہتے ہیں کہ جو چاہے، جو بھی چاہے، جس جس وقت چاہے، جو عالم آپ کو نظر آرہا ہے اس جیسے کروڑوں عالموں کو ایک لمحے میں ویران کر دے اور تم کو کچھ بھی دم مارنے کی قوت نہ ہو تو اب جب بڑے ہو جاتے ہیں تو پاس آتے ہیں۔ ایک تو ایسے کنویں میں ڈال دیا تھا اور جب اللہ نے نکال لیا تو یہ تشریف لائے، مہربان باپ خلیل الرحمان اللہ کے حکم سے آئے تو کہتے ہیں: يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ (الصّٰفّٰت ۳۷:۱۰۲)

کہ ”اے میرے بیٹے! میں خواب میں تمہیں ذبح کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے“۔ تو بیٹے نے کہا کہ ”ابا آپ کو جو حکم ہوا ہے وہی کیجئے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائے گا“۔

جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا اور اُس پر چھری چلانے لگے۔ دوستو! تو جب اُس کی تیغ سے گردن اُڑ جائے تو یہ کوئی معمولی بات ہے؟

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(خدا دشمن کو یہ موقع نہ دے کہ تیرے تیغ سے ہلاک ہو، اللہ آپ کے دوستوں کو سلامت رکھے تاکہ خنجر آزمائی کا مشق برقرار رہے۔)

قبولیتِ دُعا

لیکن وہ چھری ہے کیسے کہ اللہ کے حکم کے بغیر کاٹ نہیں سکتی، خیر جب امتحان پورا ہوا تو آتے ہیں اور بیت اللہ کی بنیاد رکھتے ہیں، اپنی قربانی کا صلہ نہیں مانگتے بلکہ کہتے ہیں: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾ (سورۃ البقرۃ ۲:۱۲۸،۱۲۹)

ہمیں اپنا فرمانبردار بنا، تو وہ کیا کہتے ہیں:

عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن

دل بدستِ دیگرے دادن و حیران بودن

(عاشقی کیا ہے، محبوب کا غلام بننا، دِل اس کو دیکر کمر ہمت باندھ کر تعمیلِ احکام کو بجا لانا ہے۔)

اِتنی قربانی کے باوجود کیا مانگتے ہیں، مسلمانی مانگتے ہیں۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم

کہ دانم مشکلات لَا اِلٰہ را

(جب میں اپنے کو مسلمان کہتا ہوں تو لرز جاتا ہوں کہ مجھے ''لَا اِلٰہ'' کے تقاضے معلوم ہیں۔)

تو ایک یہ مانگا اور دوسری بات یہ کہی کہ ہم کو اپنی بندگی اور حج کے مراسم سکھادے اور ایک اور بات کی کہ ہم کو تو مسلمان بناہی دے اور ہماری ذرّیّت میں سے ایک ایسی اُمت پیدا فرماجو تیری فرمانبردار ہو اور اُن میں سے ایک ایسے نبی کو پیدا فرما۔ وہ کون نبی اور کون سی اُمت وہ حضور ﷺ اُمت کے سردار اور تم اور قرآن نے اس کی باربار تعریف کی ہے جیسے کہ میں نے اپنے خطبے میں کہا: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢﴾ (الجمعۃ ۶۲:۲)

وہ اللہ جس نے ایک ایسے نبی کو بھیجا جو کہ اُن پر اپنی آیتوں کو پڑھتا ہے، ان کے سینوں کو گندگیوں اور غلاظتوں سے صاف کرتا ہے اور صرف ان کو نہیں بلکہ جو بعد میں آنے والے ہیں تو مانگا تو کیا مانگا۔ حضرت محمد ﷺ اور تم کو مانگا اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں

اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اور اپنے بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ تو بنایا کعبے کو اور اس لیے کہ آج مسلمانوں کے سجدوں سے آراستہ ہو اور کافر کی آبادی کیا ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ سامان سے آراستہ کرو۔ سٹینڈرڈ آف لِونگ (Standard of living) کو آگے بڑھا اور ان پرندوں کو لوہے اور سونے کے پنجروں میں بند کرو اور دنیا تو پنجرہ ہے۔ چاہے یہ پنجرہ مٹی کا ہو یا لوہے اور سونے کا ہو تو کافر اندھا ہوتا ہے اور مومن دوربین ہوتا ہے۔ حشر کو بھی دیکھتا ہے، صراط کو دیکھتا ہے اور جنت کو بھی دیکھتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ اپنے پاؤں کے نزدیک گڑھے کو بھی نہیں دیکھتا۔ تو کافر کی جب نظر نہیں ہوتی تو اس کا خاکہ کیا ہوگا۔ کیا خط منحنی خط مستقیم پر ٹھیک آسکتی ہے۔

مسلمان کا مقام

مسلمان خدا کا چاہنے والا، آخرت کا چاہنے والا، بے حیائی کو مٹانے والا، خدا کے تعلق کو جوڑنے والا، خدا کی صفات کو جاننے والا، حضور ﷺ کی عظمت کو جاننے والا اور جو طریقہ آپ ﷺ لائے اس کے مقابلے میں غیروں کے طریقے کو ٹکرانے اور بُرا ماننے والا۔ مومن اور کافر کا مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کسی نے کہا کہ ''گاندھی جی ہمارے اچھے اچھے لوگوں سے اچھے ہیں تو کسی نے جواب دیا کہ پانچ کروڑ گاندھی، پانچ کروڑ چرچل، پانچ کروڑ ہٹلر اور مسولینی اکٹھے ہو جائیں تو ایک ادنیٰ مسلمان کے قدموں کی خاک کے برابر نہیں ہو سکتے۔ چاہے آسمانوں پر اُڑے۔ تو اپنی عظمت کو پہچان لو، اپنی جگہ کو پہچانو، تم تو وہ ہو جن کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے دُعائیں ہوتی رہیں۔ تم نہ ہو تو دنیا ایک لمحہ کے لیے نہیں رہے گی۔

ہماری ہی وجہ سے ہے رنگِ محفل
اگر ہم نہ ہوتے تو ویرانہ ہوتا

امریکہ اور روس چمکیں تو کیا ہوگا:

شعلے اُٹھیں ہزار تجلّی مگر کہاں

ہے آگ یہ ضرور مگر طور کی نہیں

تو دوستو! تم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے اور وہ کیسے کہ حضرت محمد ﷺ کو مانگا، تم ایک خاص طریقے کے ماننے اور ایک خاص اُمت کے ماننے والے ہو اور اس کے ساتھ ایک خاص طریقے کے پھیلانے والے ہو اور اگر تم نے وہ طریقہ اختیار نہیں کیا تو پھر تم میں اور دوسروں میں فرق کیا ہوا۔ وہ نہ ہو کہ ہو جائیں پیدا تو مسلمان کے گھر میں اور آخر میں یہ ہو جائے تو نعوذ باللہ قبر میں ایمان کے بغیر چلے جائیں۔ ایک سخت اور تیز و تند آندھی ہو اور پھر آپ ایک چراغ روشن کر لیں اور سرِ راہ رکھ لو تو کیا وہ بجھ نہیں جائے گا اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ ہم پڑھتے ہیں، تو جب تم یہاں گاؤں سے آتے ہو اور پھر یہاں چار پانچ سال رہتے ہو تو بتاؤ کہ کیا تمہاری وہی کیفیت ہوتی ہے اور پھر یہ تو مسلمانوں کی یونیورسٹی ہے۔ تو جب یہاں یہ حال ہے تو اور جگہ کیا ہو۔ ہم تو نہ دِلوں کو جانیں اور نہ ایمان کو جانیں۔ اندھے کو کہو کہ اندھیرا ہو گیا تو وہ کہے گا کہ کبھی روشنی بھی تھی۔ ہمیں تو یہ پتہ ہی نہیں کہ ایمان کیا ہوتا ہے؟ اسلام کیا ہوتا ہے؟ اور غیر پر نگاہ پڑنے سے کیا ہوتا ہے؟ اور دنیا کے نقشوں میں پڑنے کی وجہ سے جیسے کہ بجلی کی لائٹ ڈِم ہو جاتی ہے، اسی طرح تمہارے ایمان کی لائٹ ڈِم ہو جاتی ہے۔ یہ تو نہیں کہتا کہ بالکل بجھ جاتی ہے تو ایمان کو چمکانے کے لیے ایک محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوکاندار کا کیا ہوتا ہے، کچھ سرمایہ ہوتا ہے اور کچھ محنت ہوتی ہے۔ تمہارے کالج میں کیا ہوتا ہے کہ تم کچھ فیس وغیرہ دیتے ہو اور پھر کچھ جان لگاتے ہو اور پھر اگر زارع ہو تو وہ بیج بوتا ہے اور کچھ محنت کر لیتا ہے جو سرمایہ چلتا رہے گا۔ ایک جگہ پر نہیں ہو گا، اُس میں بڑھوتری ہو گی اور جو ایک جگہ پر رہے گا، وہ کم ہوتا رہے گا۔

اسی طرح ہم یوں کہیں کہ آپ کے دِلوں کا سرمایہ ایمان کا سرمایہ بڑھتا ہے، غیروں سے نکل کر اللہ سے جڑنے کے ساتھ اور دیکھو! سب سے زیادہ اللہ سے تعلق کس کا جڑا ہے، حضور ﷺ کا، تو وہ کیا آکر نگاہیں بند کر کے مراقبے میں بیٹھتا ہے اور نبی کو تو مراقبے کی بھی

ضرورت نہیں، اُن کا تو حال یہ ہوتا ہے "تمثل لی لیلا بکُلّ سبیل انا اللیلیٰ ولا لیلا سوائی" تو انہوں نے لوگوں کو کیسے دین پر ڈالا۔ پتھر کھائے، گالیاں سُنیں۔ فرعون جیسے ظالم اور بدبخت شخص کے پاس اللہ کا لاڈلا جاتا ہے جس کو اللہ نے فرمایا "وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ" کہ تجھ کو میں نے اپنی ذات کے لیے چُنا اور خود ہمارے آقا محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو دیکھو کہ ابوجہل، ابولہب، عتبہ اور شیبہ کے پاس جاتے ہیں، کس لیے جاتے ہیں، کہ کسی طریقے یہ بدبخت دوزخ سے بچ جائیں تو کس لیے ہوا، کیا یہ صرف ایک تاریخی داستان تھی؟ بلکہ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (الاحزاب ۳۳:۲۱) "بیشک تمہارے لیے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ایک بہترین نمونہ ہے"۔

فرمایا گیا: تو جیسے کہ ایک چراغ ہو، تو وہ جلتا رہے گا حتیٰ کہ تیل ختم ہو جائے گا۔ تو یہ دین کا چراغ تو بجھے گا نہیں لیکن اگر ہم اس میں تیل نہیں ڈالیں گے تو اللہ تعالیٰ کسی دوسری قوم کو کھڑا کر دے گا۔ تو تم خود اللہ والے بنو، اوروں کو چمکاؤ تو خود چمک جاؤ گے، اوروں کو دین کے راستے پر ڈالو گے تو خود دین کے راستے پر پڑتے جاؤ گے، پورے دین کو لو اور پورے دین کو پورے عالم کو دو۔

آپ کہیں گے کہ ہم طالب علم ہیں، ہم کیا کر سکتے ہیں، کھانا بھی کھا سکتے ہو، پانی بھی پی سکتے ہو، کپڑے ذرا میلے ہو جائیں تو بدل سکتے ہو تو ایسے ہی دین کو ضرورت سمجھتے ہوئے اس کا بھی کام کرو۔ یہ ایم بی بی ایس، ایف آر سی ایس اور صرف یہ نہیں کہ x, y, z تک ڈگریاں لے لو لیکن کام صرف ایک دین کی ڈگری آئے گی تو جیسے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ "فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" تو ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے کام نہ کرو بلکہ خود اپنے اُوپر دین کے لیے کام کرو۔ ایک چھوٹا سا بچہ ہو اور اس کے پاس ابا جان کانچ کے گلاس سامنے رکھ کر کہہ دیں کہ اے بیٹا! یہ گلاس بڑے قیمتی ہیں، باریک ہیں، ایک گھنٹہ تک لیکچر دے اور پھر تمام کو ایک ایک کر کے ان کو اپنے بیٹے کے سامنے توڑے تو کیا اس بیٹے کے دِل میں ان گلاسوں کی قدر پیدا ہو جائے گی۔ تو جہاں اسلام کو اور دین کی ایک ایک چیز کو سٹیجوں پر علی الاعلان توڑا

جاتا ہو تو کیا وہاں ایسے ماحول میں دین کی وقعت پیدا ہو جائے گی تو اسی طرح آپ یہ ارادہ کر لیں کہ اگر اب نہیں تو چھٹیوں میں چار چار مہینے لگائیں گے اور اللہ شاہد ہے کہ اپنے لیے نہیں مانگتا اور ایک رُخ سے تو اپنے لیے بھی مانگتا ہوں اور وہ ایسے کہ جب کسی کو دوسرے کو دین کی بات بتائی جائے اور وہ اس پر لگ جائے تو اس کو بھی ویسا ثواب ملتا ہے تو ہم میں تو خود کچھ ہے نہیں لیکن اگر آپ کی وجہ سے کچھ ہو تو بسا غنیمت ہے۔ تو بس ہم آپ کو آپ ہی کے لیے کہتے ہیں۔ تو بس یہ کرو کہ ایک ہفتے میں دو دن کے لیے دو گھنٹے فارغ کرو۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اپنے وقت کو فارغ نہیں کرتے بلکہ ہم جانتے ہیں کہ کامن روم (Common Room) میں بھی وقت لگ جاتا ہے اور کھیلوں میں بھی لگ جاتا ہے اور اس کے علاوہ امریکہ اور یورپ شریف کی موٹی موٹی کتابوں کو پڑھتے ہو۔ جیسے کہ کلام میں کلام والے کی نورانیت ہوتی ہے اسی طرح کتاب میں کتاب والے کا اثر ہوتا ہے۔

شیخ مرحوم کا یہ قول مجھے یاد آیا:

دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

شیخ مرحوم سے مراد پرانے مسلمان ہیں۔ تو جب تیرہ چودہ گھنٹے کام کرتے ہو تو صرف پندرہ منٹ آدھ گھنٹے کے لیے اسلام کے لیے دین کے لیے کچھ وقت لگاؤ اور اگر اِتنا بھی وقت لگاؤ گے تو پھر اللہ سے اُمید کی جاتی ہے کہ یہ بد دینی کے تمام اثرات کو بہا لے جائے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ لوہار کی ایک اور سنار کی ہزار۔ تو میں یہاں آیا تھا۔

فقیر کی صدا کا مطلب

اس لیے کہ میں آپ کو آپ کے لیے کھڑا کر دوں اور فقیر جو کچھ بھی کہے سخی داتا کہے اور گانا بھی گائے اور نعت بھی پڑھے تو ہر چیز سے خیر کا مانگنا ہوتا ہے اور یہاں تو سڑکیں بھی کافر کے دل کی طرح سخت ہیں لیکن جہاں گرد اُڑتی ہے تو وہ گرد جو اللہ کے لیے ہو جس پر

پڑے تو اُس پر دوزخ کا دُھواں حرام ہو گا اور اب شرماؤ نہیں اور اب تو لوگ ڈانس سے بھی نہیں شرماتے، ناچنے سے نہیں شرماتے اور تم اللہ کے دین اور حضور ﷺ کے طریقوں سے شرماؤ گے۔ وہ نہیں شرماتے جو اپنی تہذیب اور اپنی روایات کو ختم کرتے ہیں اور تم شرماؤ۔ یہ شرمانے کی بات نہیں، شرماؤ نہیں۔

نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا طریقہ اور دائمی نعمتیں

گنج علی خان مسجد تبلیغی مرکز (24 اکتوبر 1963ء، چھ بجکر پانچ منٹ، بعد از نمازِ مغرب)

زندگی کے مختلف مراحل

عزیزو، بزرگو اور دوستو! زندگی انسان کی اس عالم میں شروع ہوتی ہے پیدائش سے لیکن زندگی عبارت ہے جسے حیات کہتے ہیں، انسان کی اُس روحانیت سے اُن روحوں سے جو کہ خداوند کریم نے ازل میں پیدا کیں۔ باقی روحوں کو اس عالم میں رکھنے کی حیثیت سے اللہ کی حکمت نے یوں چاہا کہ ان کا اظہار ہو، جیسے سردی ہو، تو آپ ضرور گرم کپڑے پہنیں گے یعنی لباس جسم کے لحاظ سے ہوتا ہے اور وقت کی مناسبت سے لباس پہنتے ہیں تاکہ ہماری جان بچ جائے۔ گرمی میں ہم کمبل نہیں اوڑھتے، انسان کی اصل روح ہے۔ دنیا میں ہمیں جو بھیجا گیا کہ یہاں جو انسان رہے گا وہ بغیر جسم کے نہیں رہ سکتا۔ گویا اس عالَم کا لباس جسم ہے اور جیسے کہ سردی ختم ہوتی ہے تو آپ گرم کپڑے اُتارتے ہیں۔ اسی طرح قبر میں جاتے وقت لباس کو اُتار دیتے ہیں، لباس اُتار کر روح ہلکی ہو جائے گی لیکن حقیقت انسانیہ ختم نہیں ہو گی، اس کے بعد قیامت آئے گی اور وہاں کا لباس ہو گا، جسم ہو گا لیکن وہ جسم ایسا نہیں ہو گا جیسا کہ اب ہے بلکہ وہاں کا جسم اعمال کے مطابق ہو گا۔ میرے ہونٹ اس لحاظ سے نہیں ہوں گے۔ اگر میں لوگوں کی غیبت میں مبتلا رہا تو ان کو چیرا جائے گا، اُن کو بڑا کر دیا جائے گا، زبانیں بڑھا دی جائیں گی، میلوں لمبی کر دی جائیں گی اور اُن پر سانپ اور بچھو چڑھیں گے۔ ایسے جیسے کہ سڑکوں پر لاری موٹر دوڑتے ہیں۔ اسی طرح پر حسینوں کا جو جمال ہو گا، جو کمال ہو گا اور جو صورت ہو گی، اگر آج ہم اُن کا تصور بھی کر دیں تو شادی مرگ ہو جائیں۔ کہتے ہیں کہ اگر حور اپنی چنگلی کو نکال دے تو سورج سیاہ توے جیسے نظر آئے۔ وجہ یہ ہے کہ سورج کا نُور جو ہے وہ مادیت کا نُور ہے اور وہ حقیقت کا نُور ہے اور یہاں کی جو حوریں جائیں گی جو مسلمانوں کی بیویاں ہیں وہ اِتنی خوبصورت ہوں گی کہ ان کو

وہ حوریں کنیزوں کے برابر ہوں گی، کیونکہ ان کا نُور اعمال والا نور ہے۔ یہ خلق ہے وہ امر ہے۔ " اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط "وہاں جو جسم ملے گا وہ اوامر کے ساتھ ہوگا، اسی واسطے جنتی کے حسن و کمال کا آج ہم تصور نہیں کرسکتے اور جنتی تو بادشاہ ہوگا اور ان کو جو چیزیں ملیں گی قرآن میں اشارہ ہے اور حدیث میں تشریح ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٧﴾ (الم السجدة ٣٢: ١٧)

ترجمہ: "کوئی متنفس نہیں جانتا ہے کہ ان کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے یہ ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے"۔

یعنی اعمال کی جزا کے طور پر جو کچھ دیا جائے گا، اُن کا آج ہم تصور بھی نہیں کرسکتے اور حدیث میں تشریح ہے کہ "مَالَا عَيْنٌ رَأَت وَلَا اذن سمعت ولا خطر علٰی قلب بشر "۔ (بخاری و مسلم عن ابی ہریرةؓ)

جنت کی نعمتیں

یعنی آج ہم خیال بھی نہیں کرسکتے۔ اگر جنت کی نعمتوں کا پتہ لگ جائے تو دنیا پر آپ تھوکیں بھی نہیں کیونکہ غلاظت پر انسان گزر جائے تو اس پر تھوکتا بھی نہیں اور یہ تو جنت کی چیزوں کا حال ہے۔ تو جنت والے کا کیا حال ہوگا۔ تو یہاں اس عالم میں زمان و مکان کا تعین سورج سے ہوتا ہے اور وہاں کا زمان و مکان اللہ کی نورانیت سے ہوگا۔ وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾ (سورة الزمر ٣٩: ٦٩) (اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اُٹھے گی اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا اور انبیاء اور سب گواہوں کو حاضر کر دیا جائے گا اور لوگوں کے درمیان یہاں بالکل برحق فیصلہ کر دیا جائے گا اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔)

جمعہ کی فضیلت

جنت میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو جگہ دی، یہ عالم محل ہے اللہ کے خلق کا اور اُس

نورانیت کا ظہور پورے طور اس عالم میں ہو ہی نہیں سکتا۔ جب حضور ﷺ کو اپنی نورانیت دکھائی تو سدرۃ المنتہیٰ یعنی زمان و مکان کی حدود سے آگے لے گئے اور پھر نورانیت مطلقہ سے دیدار کرایا تو یہاں جیسے جمعہ آتا ہے تو اُس دِن یہاں بازار لگایا جاتا ہے اور یہ جمعہ والا دن وہ ہے کہ جس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور جنت سے نکالے گئے اور جب توبہ قبول ہوئی اور جب اس دنیا سے چلے گئے اور جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پر ٹھہری اور جب کہ قیامت واقع ہوگی اور آدم علیہ السلام کا جنت سے نکلنا زوال نعمت نہ تھا بلکہ اکمال نعمت تھا۔ وہ عطائے رب کی وجہ سے تھا اور یہ اعمال کے رُخ سے دیا جائے گا اور جنت کے بے شمار مقامات ہیں۔ مولانا نے فرمایا:

اے برادر بے نہایت درگھے است
ہر کہ بردے می رسی بردے می ایست

(او بھائی! وہ بڑی فراخ درگاہ ہے تو جس مقام پر پہنچے اس سے آگے جانے کی فکر کرے۔)

ہمارے حضرتؒ نے فرمایا کہ ”علم و عمل کے جس مقام پر بھی پہنچ جاؤ تو یوں سمجھو کہ جیسے اب ابتدا ہے“ تو حضور ﷺ کے مقامات کے سامنے تمام کے مقامات کی اِتنی بھی حقیقت نہیں جیسے سورج کے سامنے ذرے کا مقام ہو تو عرض یہ کر رہا تھا کہ جمعہ کا دن جب جنت میں آئے گا تو حضور ﷺ نے فرمایا، جنتیوں کے لیے بازار لگایا جائے گا اور اللہ کا دیدار بھی ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا ہم اللہ کا بھی اپنی آنکھوں سے دیدار کریں گے تو فرمایا ”کہ جیسے کہ تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھ سکتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا“۔ یہاں پر سورج نہیں کہا گیا کہ جس پر ہم آنکھ نہیں جما سکتے بلکہ چاند کا کہا کہ جس کو دیکھنے سے آنکھ کو تراوت اور دل کو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور یہ دیدار اعمال کے بقدر ہوگا اور پھر عطائے رب ہوگی جمعہ کے دن۔ اس جمعے والے دن دربار عام ہوگا اور پھر اُس دن ہزاروں اور لاکھوں کی

تعداد میں حسین و جمیل صورتیں لگادی جائیں گی تو جب انسان کے دل میں آجائے کہ کاش! میں ایسا ہوتا تو وہاں تو پھر محنت کی جگہ نہیں جیسے کہ یہاں کے متعلق فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ؕ﴿۴﴾ (سورۃ البلد ۹۰:۴) (کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔) وہاں تو عطا کی نوعیت ہوگی۔ وَ لَکُمْ فِیْہَا مَا تَشْتَہِیْۤ اَنْفُسُکُمْ وَ لَکُمْ فِیْہَا مَا تَدَّعُوْنَ ؕ﴿۳۱﴾ (حٰمٓ السجدۃ ۴۱:۳۱) (اور اس جنت میں ہر وہ چیز تمہارے لیے ہے جس کو تمہارا دِل چاہے اور اس میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لیے ہے جو تم منگوانا چاہو۔) ہمارے خان داؤد کے جی میں آیا کہ کتنا مزیدار پرندہ ہے تو پھر اس کے لیے محنت اٹھانی نہیں پڑے گی بلکہ بنا بنایا آئے گا اور پھر وہاں کے پھل کیسے ہوں گے؟ اُن میں وہاں تخم نہیں ہوگا بلکہ پورا کا پورا مغز ہوگا اور بیت المقدس کی انجیریں جو ہیں وہ بھی تمام کی تمام ایسی ہیں کہ منہ میں ڈال دو اور پانی بن جائے اور پھر جب ہم وہاں گئے تو وہاں ایک لڑکی انجیر بیچ رہی تھی تو میں تو ہوں بے اُصولا ایک پیاسٹر (تقریباً ایک روپیہ کے برابر) کی خریدیں اور کیوں نہ خرید تا کہ ایسا پھل ہے جس کی اللہ پاک نے قَسم کھائی ہے۔

ایک انصاریؓ تھے تو کہا کہ کیا جنت میں کھیتی بھی ہوگی، زمیندار تھے تو کہا ہو سکے گی اگر چاہو، تو ایک قریشی اُٹھے کہ اگر کھیتی کرنا ہو تو مکے والا تو کوئی نہ ہوگا بلکہ مدینے والا ہوگا۔ تو اگر چالیس سال تک کھاتے جاؤ گے تو وہ ختم نہیں ہوگا اور پھر یہ کہ ہر لقمے کا علیٰحدہ مزہ ہوگا۔ ایک روایت میں آتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے انور ہیں اُس نے انار کو توڑا اور اس سے حُور نکل آئی۔ جنت خداوند حقیقی کی عطا کا محل ہے اور اگر وہاں بھی نہ دے تو خداوند قدوس کی عطائے خصوصی کا محل کہاں ہو۔ یہ ہمارے امراء جو ہیں جس کو سیٹھی عبدالغفور صاحب گاجر مولی کہا کرتے تھے، جہاں چلتے ہیں تو اپنی تمام قوت اور طاقت کا اظہار کرتے ہیں اور خداوند حقیقی جبکہ وہ حقیقی طور پر مالک کل ہیں تو وہ جنت میں نہ دیں تو کہاں دیں اور وہاں کس چیز کی کمی ہے؟ وہاں تو سپلائی کرنے والا خود خداوند تعالیٰ ہے اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تو یہاں تک فرمایا: ''یا

بلال انفق ولا تخش من ذی العرش اقلالًا"۔(طبرانی، امام احمد، بیہقی)(اے بلالؓ! خرچ کر تارہ اور عرش والے سے کمی اور تنگی کا خوف نہ کھا۔)

وہ اپنی شان کے مطابق دیتا ہے، بادشاہ اگر دے تو اپنی شان کے مطابق۔ تو جنت مقام ہے عطائے رب کا۔ اللہ کی بے نہایت عطایا کا محل جنت ہے اور اِتنا دیں گے کہ اگر ہم جنتی نہ ہوں تو ہم سنبھال بھی نہیں سکیں گے۔ میں نے کہا تھا کہ جسم اعمال کے لحاظ سے بدل جائیں گے اور اگر ایسا نہ ہو تو ہم میں جنت کی چیزوں کی استعمال کی قوت بھی نہ ہو گی۔ میری زبان میں اگر قوت آئے گی تو اِس لحاظ سے نہیں آئے گی کہ یہ گوشت کا ٹکڑا ہے بلکہ اس میں قوت جو آئے گی تو وہ اوامر الٰہی پر کاربند ہونے کی وجہ سے ہو گی۔ اگر میں یہاں محصن رہا تو وہ حوروں کے استعمال کے لیے جو طاقت دی جائے گی تو وہ اسی کے بقدر ملے گی تو جنت محل ہے خداوند قدوس کی عطایا بے نہایت کا۔

دیدارِ الٰہی کی نعمت

اور اِس عالم میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تھوڑی نہیں۔ جیسے کہ فرمایا "وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ"۔ (اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو گن نہ سکو۔) لیکن پھر بھی آخرت کے انعامات کی یہاں کے انعامات سے کوئی نسبت نہیں اور پھر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت جو ہے وہ کیا ہے، اس عالم میں انسان پر اللہ کی سب سے بڑی نعمت نماز میں سجدے کی حالت ہے حالتِ ایمان میں اور اُس عالم میں انسان کا اُونچا مقام وہ ہو گا جبکہ خداوند قدوس کو محبت اور پیار کے ساتھ بغیر کسی حجاب کے دیکھیں گے۔ دیدارِ الٰہی ہو گا اور یہاں جو ہیں وہ تو اللہ کی عطایا ہیں۔

مادی دنیا کا اثر

ایک شاعر کہتا ہے کہ یہ تو میرا ایک کلیجہ ہے کہ تیرے کوچے میں آتا ہے تیرے

کوچے میں سورج بھی آئے تو لرزتا ہوا گزرے۔ یہ تو مومنوں کے کلیجے ہوں گے جو کہ اس کو سما سکیں گے آپ کو تھوڑی سی خوشبو چھڑک دی جائے تو معطر ہو جائیں اور جب خداوند قدوس کی صفات اور ذات کی تجلیات ہو جائیں گی تو اِتنا چمکے گا کہ بیوی خاوند کو اور خاوند بیوی کو پہچان نہیں سکے گا۔ بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ انسان کی حقیقت جو ہے وہ روح ہے اور ان کو جسم دیئے جاتے ہیں۔ وہ ہر زمانے اور موقع کے مطابق دیئے جاتے ہیں اور جو لوگ کہ انبیاء علیہم السلام کے طریقے سے محروم ہیں، ان کے لیے اس دنیا میں پیدائش سے لیکر موت کا وقت ہوتا ہے۔ مومنین زندگی کو اِتنا نہیں سمجھتے کہ ماں کے پیٹ سے نکل کر قبر کے پیٹ میں چلے گئے بلکہ ان کے نزدیک یہ زمانہ اُس وقت سے شروع ہو کر جبکہ اللہ نے روحوں کو پیدا کیا اور پھر ان کو اپنے خرائن میں جمع رکھا اور پھر وقت بوقت ماں کے پیٹ میں بھیجا اور پھر ان کا ظہور جسم کے ذریعے ہوا۔ یہ مادے کی دنیا ہے اور انسان جب اس مادے والی زندگی میں آیا تو مادے کے ساتھ انسان کو متعلق کر لیا، انسان مادے کی طرف متوجہ ہوا اور اصل روحانیت کو چھوڑا۔ مولانا فرماتے ہیں:

گلِ مخر گلِ رامخور گلِ رامجو
زانکہ گل خوارست دائم زرد رو

(ہمیشہ دنیا کے چکر میں مت پھنسنا کیونکہ اس کا آخری انجام نقصان کے سوا کچھ نہیں۔)

روح کی پرورش

کیونکہ جیسے کہ خاک ادنیٰ ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں تو یہ تجھے اپنی طرح کر دے گی۔ اگر تُو نے اپنی ضرورتوں کو کہ تیرے جسم کو اُن کی ضرورت ہے، اس سے پورا کیا اور بس۔ ورنہ یہ تیری حقیقت کو بھی خاک مٹی کر دے گی جیسے کہ جسم مٹی میں مل کر خاک ہو جائے گا، اس جسم کی حقیقت لباس کی طرح ہے۔ اصل روح ہے اور روح کے تقاضوں کو پورا کر، روح خدا سے بڑھتی ہے اور خدا سے پھلتی ہے، انبیاء علیہم السلام روح کے پھلنے کے طریقے

بتاتے ہیں۔ کہتے ہیں اگر تم خدا سے لینا چاہو اور اپنی جان کو باقی رکھنا چاہو، ایسا بنانا چاہو کہ اس فانی عالم کی طرح بربادی نہ آئے تو اس ذات سے تعلق جوڑو جو ہمیشہ باقی رہے گا۔ آتے ہیں اور یہی آواز لگاتے ہیں "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"۔ کوئی ایسی ذات نہیں جس سے تعلق جوڑا جائے۔ کوئی ایسی ذات نہیں جس سے انسان ضرر کا اندیشہ کرے، خدا کو لینے والے بن جاؤ، اس کو اپنا مرکز بناؤ، اُس سے تعلق پیدا کرو کہ تمہاری روحانیت زندہ ہو جائے اور جو روح زندہ ہو جائے تو تمہارے جسم کو خاک مٹی نہیں کھائے گی۔ جسم احکام سے زندہ ہو جاتے ہیں، احکام الٰہیہ کی نورانیت آجاتی ہے، تو اُن جسموں میں خداوند کریم کی عطایا سے وہ قوت آتی ہے کہ وہ پختہ ہو جائے۔

حضور ﷺ والے طریقے

حضور ﷺ کو قرآن کے احکام کو اپنے اندر سمو لینے کے لیے آپ کے جسد کو اللہ تعالیٰ نے وہ قوت عطا فرمائی کہ فرشتہ جبریلؑ نے جس مقام کو اپنی نورانیت سے طے نہیں کیا وہاں آپ ﷺ اپنے جسد کے ساتھ گزر گئے۔ وجہ کیا تھی؟ حضور ﷺ کا جسد اللہ کے تعلق سے اِتنا نورانی بن گیا کہ جہاں کسی دوسرے کی تاب نہیں ہو سکتی۔

ہمیں جو جان دی گئی ہے اس لیے دی گئی کہ ہماری روحانیت چمکے، ہمارا دل بنے، ہم اللہ والے بنیں، ہم حضورؐ والے احکام کو لیں، ان کو اپنا لیں، ہماری زندگی غیروں کی طرح نہ ہو جو اللہ سے ٹوٹے ہوئے ہیں، اللہ والوں کی زندگی یقین والوں کی زندگی جو کہ ہر قوت اللہ کی قوت سے متعلق کرتے ہیں، اُن کا رابطہ خداوند قدوس سے ایسا ہوتا ہے کہ وہ چیزوں میں نہیں اَٹکتے، ان کی زندگی کا جزو کل ایک ہی ذات کے لیے ہوتا ہے، ہر ایک کو خارج کر کے ایک کو لے، تیرا جسم جسم نہیں بنے گا جب تک خداوند کریم کا تعلق نہ آجائے۔ انسانیت اللہ تعالیٰ کے تعلق سے ہوتی ہے، حضورؐ والے طریقے سے حاصل ہوتی ہے۔ جو انسان جینا چاہے وہ اپنے لیے نہ جیئے، اپنے خاکے نہ تراشے، اپنے نقشوں کو جلائے، آپؐ کی باتوں اور آپؐ کے طریقے کو اپنا

طریقہ سمجھے، اس میں اپنی کامیابی سمجھے۔ وہ یہ سمجھے کہ حضور ﷺ کے طریقوں کے بغیر میرا جسم زندہ رہ بھی گیا تو وہ ملیامیٹ ہو جائے گا اور اگر یہاں رہا بھی تو عالم برزخ میں اس کو گرزوں سے ملیامیٹ کیا جائے گا، توڑا جائے گا، قیامت میں روح مع جسم کو ملیامیٹ کیا جائے گا۔ جہنم میں پھر ایسے گزرے گی کہ "ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۱۳"۔ (پھر اُس میں نہ مرے گا اور نہ جئے گا یعنی تکلیف تو ہو گی لیکن مرنا بس میں نہ ہو گا۔)

دعوت کے ثمرات

اگر تم ہدایت والے نظام پر آؤ گے، شریعت کے نظام پر آؤ گے تو تکوینیات کا جملہ نظام تمہارے قدموں میں آئے گا، تم اوامر الٰہیہ کے پابند ہوئے تو پوری کی پوری مخلوق اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے تمہاری مسخر کر دیں گے، وہ ظاہر کے نقشے کے بغیر تمہیں پال کر دکھائیں گے جیسے کہ مریم علیہا السلام کو بغیر موسم کے پھل دیئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ "اگر تم میں پرندوں جیسا توکل پیدا ہو جائے جیسے کہ وہ صبح کو بھوکے اُڑتے ہیں اور رات کو بھرے پیٹ والے ہوتے ہیں"۔ اسی طرح تم کو بھی رزق دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات کا پابند نہیں بنایا ہے بلکہ اس کو اپنی ہدایات کا پابند بنایا ہے۔ انسان کی زندگی اللہ کے احکام کو پورا کرنے سے بنتی ہے۔ اگر تم دعوت کے رُخ سے اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں کو پہنچاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری کوشش سے پورے دین کو زندہ کرے گا۔ ایمان بھی بغیر دعوت کے پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ایمان کو اپنی ذات سے القا کیا اور اس کے علاوہ جب صدیقؓ کا ایمان بھی ہے وہ گھر بیٹھے بیٹھے ذاتی طور سے نہیں ملا بلکہ دعوت کی رو سے ملا۔ اسی طور پر حضرت عثمانؓ کا ایمان، علیؓ کا ایمان اور جتنے بھی بڑے بڑے آدمی ہیں، ان کا ایمان دعوت کا نتیجہ ہے۔ اللہ چاہتا تو بغیر کسی وجہ سے انسان کو درخت سے پیدا کرتا بلکہ جیسے انسان توالد و تناسل کے طریقے سے یہاں ماں کے پیٹ سے آتے ہیں، اسی طرح تمام نیکیاں دعوت کے

پیٹ سے نکلتی ہیں جیسے فرمایا: نَضَّرُ اللهُ عَبَدًا سَمِعَ منّا شیئًا فبلغه کما سمعه فرب مبلغاوعی من سامع۔ (الجامع الصغیر)

(اللہ تعالیٰ اُس شخص کو سرسبز اور شاداب رکھے جس نے ہم سے کچھ سنا اور اُس کو اُسی طرح پہنچایا جیسا کہ سنا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی جس نے اُس سے سنا، سنانے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔)

جیسے پانی سے کھیتی سرسبز ہوتی ہے اسی طرح دعوت سے احکام کی کھیتی سرسبز ہوتی ہے۔ دعوت کا کام سب سے اول حکم ہے اور یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اُٹھئے یہ دعوت جو ہے لیٹنے کے لیے نہیں دی جاتی۔

دوستو! اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو دعوت کے خاکے پر پیدا کیا، اس وقت اللہ کی حکمت نے چاہا کہ اس اُمت کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو پہلے داعیوں سے کیا۔ اگر زندگی کو بنانا ہے تو اس کے لیے لازم ہے کہ ہمارا طریقہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے رُخ والا طریقہ ہو۔ ہدایت کے رُخ پر آنے اور لانے والے ہوں، ہماری دعوت کا رُخ صرف یہ نہ ہو کہ ہم صرف نمازوں کے کرنے والے ہوں گو وہ بھی بڑی بات ہے لیکن اس اُمت کے ذمے وہ اعمال ہیں جن کی وجہ سے لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف متوجہ ہوں۔ ہمیں اندھے بن کر اپنی زندگی کی گاڑی کو نہیں چلانا ہے، ہماری گاڑی خداوند قدوس کے احکام سے چلتی ہے، ہماری ترقی اُس وقت تک نہیں ہوگی جب تک کہ ہم اللہ کے احکام والے نہ ہو جائیں۔ ہم کو جو اللہ نے بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ ہم اللہ کو لینے والے بن جائیں اس لیے اس رُخ پر آنے کے لیے چار مہینے دے دو۔

انسانی فضیلت کا راز

ایگریکلچر ہال (25 اکتوبر 1963ء بروزِ جمعہ)

''فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ''۔

(اور تم مت مرو مگر اس حال میں کہ مسلمان ہو۔)

فضیلت انسانی

میرے عزیز اساتذہ کرام اور طالب علمو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور انسان کی پیدائش اس نہج سے ہوئی کہ انسان سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے کسی اور مخلوق کو پیدا نہیں کیا۔ چنانچہ فرشتے سب سے بڑی مخلوق ہے لیکن انسان اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ تو وہ کمال کیا ہے جس کی بنا پر انسان فرشتوں سے بھی بڑھ کر ہوا؟

آج کا موضوع یہ ہے کہ انسان کو فضیلت کیوں دی گئی؟ جو کچھ ہم مخلوقات میں دیکھ رہے ہیں اور جو کچھ ہمیں نظر آرہا ہے اور جو کچھ اس دنیا میں ہو رہا ہے اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ چیونٹی سے لیکر بڑے سے بڑے جانور تک اور ذرّے سے لیکر سورج تک جو کچھ ہوتا ہے، اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ فرشتے بڑی مخلوق ہیں لیکن ان کا اپنا ارادہ نہیں ہوتا بلکہ ''یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ'' وہی کرتے ہیں جو اللہ کی طرف سے ان کو حکم آتا ہے گویا آج کل کی اصطلاح میں آٹومیٹک (Automatic) مشین ہیں۔ صرف ایک انسان ہے جس میں ارادے کی چاہت رکھ دی گئی۔ قرآن میں یوں کہا گیا ''وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْن'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اُس میں بھلائی اور بُرائی کی صلاحیت رکھ دی اور بھلائی کے اختیار کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا گیا تو جو لوگ اپنے فریضے کو انجام نہیں دیتے اور اپنی صلاحیت کو بھلائی کے لیے استعمال نہیں کرتے وہ اللہ کے پسندیدہ لوگوں کے زمرے میں نہیں آتے۔ دنیا کی جتنی اشیاء

نظر آتی ہیں۔ اشیاء اور چیزوں میں اُس وقت تک یہ صلاحیت باقی رہتی ہے جب تک اللہ چاہے ورنہ اُن کی وہ خاصیت بدل دی جاتی ہے۔

معیارِ حق

انسان کو پیدا کیا گیا اور اس کے سامنے دو راستے رکھ دیئے گئے۔ بھلائی کا راستہ اور بُرائی کا راستہ۔ جتنے بھی انسان اس دنیا میں رہتے ہیں، اُن کے نظریات مختلف ہوتے ہیں۔ بڑے مفکرین کے نظریات ایک خاص صورت کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جو انسان کسی بڑے کے نظریے کے پیچھے چلے گا تو کیسے؟ کیونکہ دنیا میں ہزاروں نظریات ہیں اور ہر ایک اپنے کو خیر پر سمجھتا ہے تو حق کا معیار کیا ہوگا؟

اب انبیاءؑ آئے اور انہوں نے کہا کہ یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام نہیں کہ کیا اچھا ہے اور کیا بُرا۔ تمہارا علم ناقص ہے، تم کل کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتے، جو زمانہ گزر چکا، تمہیں پورا علم نہیں کہ ماضی میں کیا ہوا؟ تم نے کچھ نظریات قائم کیے اور کچھ تجربات کیے تو وہ ایک محدود وقفے سے متعلق ہیں اور وہ پیدائش سے موت تک کا وقفہ ہے، تم پر نہ ماضی پوری طرح کھلا ہے اور نہ مستقبل کے متعلق خبر ہے اب جیسے درخت کی جڑیں ہوتی ہیں۔ اس پر وہ پھلتا ہے، اسی طرح یوں سمجھیے کہ انسان کی زندگی کا اصل اس دنیا کی زندگی ہے۔ اگر یہاں اس کو کیڑا نہ لگ جائے تو باقی آنے والی زندگی اس کی خوشگوار ہوگی اور جیسے کہ عام طور پر ہم کو جڑیں دکھائی نہیں دیتیں۔ اسی طرح بہت سے حقائق ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ حیات بعد الموت شروع ہوگی، مرنا تو سب کو ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کافر بھی انکار نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد دوسرا عالم آئے گا اور وہاں یا تو جنت کی زندگی ہوگی اور یا دوزخ کی۔ وہاں جو کچھ ملتا ہے وہ اِس دنیا کی زندگی کی وجہ سے ہوگا اور آج کل کے انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ ”درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے“ تو اسی طرح انسان اپنے اعمال سے

پہچانا جاتا ہے۔

تو میں نے عرض کیا کہ نظریات مختلف ہیں تو حضور ﷺ کہ انبیاء علیہم السلام میں اُونچے پائے کے اور سب سے اُونچے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کہ حلال و حرام کو میری نسبت نہ کرو، یہ اللہ کا کام ہے، وہ ان حکمتوں کو جانتے ہیں جیسے کہ ایک گاؤں میں ہاتھی آیا اور تھے وہ سب اندھے۔ کسی نے اس کے پاؤں پکڑے، کسی نے کان پر ہاتھ رکھا، کسی نے سونڈ کو ہاتھ لگایا تو کسی نے دُم پکڑی۔ غرض یہ کہ ہر ایک نے کسی خاص عضو کے متعلق تجربہ کیا۔ اب کوئی اُن سے پوچھے کہ ہاتھی کیسا ہے تو ہر ایک اپنی معلومات کے بقدر جواب دیتا ہے جس نے پاؤں پکڑا ہے وہ کہتا ہے ستون جیسا، کانوں والا کہتا ہے وہ تو پنکھے اور چھاج جیسا جانور ہے اور دُم والا کہتا ہے کہ وہ کوڑے کے مشابہ ہے۔ غرض ہر ایک اپنی معلومات کے بقدر ہاتھی کی شناخت بتاتا ہے۔ یہی حال انسانی تجربے کا ہے۔ انسان اپنی طرف سے جو دین دے گا وہ کسی خاص معاشرے کے مطابق ہو گا۔ کسی خاص نسل کے مطابق ہو گا۔ اس کے دین میں Impartiality نہیں ہو گی بلکہ ہر ایک اپنے منافع کو دیکھ کر قانون بنائے گا۔

تو عقلی لحاظ سے بھی بہتر قانون اللہ کا ہو سکتا ہے اور وہ اس وجہ سے کہ حدیث میں آتا ہے کہ "الخلق عیال الله" تمام مخلوق اللہ پاک کے لیے کُنبے جیسی ہے جیسے کہ ڈاکٹر کو مریض پر غصہ نہیں آتا۔ اسی طرح اللہ کو کسی کافر سے کوئی دشمنی نہیں۔ وہ کسی دھڑے کے بھی مخالف نہیں۔ وہ تو سب کا بھلا چاہتا ہے۔ وہ جو قانون دے گا اُس میں پوری مخلوق کی بھلائی ہو گی۔

امامت و تقویٰ

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اگر نظریہ قبول کرنا ہے تو وہ نظریہ صرف اللہ کا ہو سکتا ہے۔ ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد ﷺ کے پاس جب مدینہ کے لوگ آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو! میں تمہارے سامنے ایک کلمہ پیش کرتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو قبول کیا تو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی ہو گی۔ ہمارا دین عیسائیت کی طرح دین نہیں۔ وہ عیسائیت

نہیں کہتا میں اس کا نہیں کہتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے بلکہ اُس دین کا کہتا ہوں جو سینٹ پال نے بگاڑ کر رکھ دیا" کہ سیزر کا حصہ سیزر کو اور خدا کا حصہ خود کو دے"۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کے نظریے کا ایک انتہائی اچھوتا اور عجیب طریقہ ہے۔ اِس میں دنیا اور آخرت کی دوئی نہیں بلکہ دونوں کو ساتھ لیکر چلتا ہے۔ چنانچہ دُعا ہے "رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝" ۔(الفرقان ۲۵:۷۴)

اے اللہ! ہم کو پاکیزہ بیویاں اور اولاد دے جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور ساتھ ساتھ ہم کو متقیوں کا امام بنا۔

تو امامت اور تقویٰ نصیب ہو سکتا ہے عین دنیاداری والے اعمال سے۔ بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ نظریات ہوتے ہیں اور نظریات میں فرق ہوتا ہے اور وہ نظریہ جو کہ ہر قسم کی آلائش سے پاک ہے وہ اللہ پاک کا دیا ہوا ہے اور اس کا سب سے آخری ایڈیشن حضور ﷺ لے کر آئے۔ اس دین میں کوئی بگاڑ نہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" یعنی اگر تم نے اپنے نظریات کو درست کیا تو تمہارے اعمال وہ نہیں ہوں گے جو انسانی زندگی میں توڑ پیدا کرے بلکہ ان سے انسانی زندگی میں جوڑ آئے گا۔ کفر آتا ہے تو بے حیائی آتی ہے اور ظلم آتا ہے۔ جب انسان اعمالِ صالحہ کو اختیار نہیں کرتا ہے۔ جیسے قرآن نے فرمایا: "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ" (پھر رفتہ رفتہ) اس کی حالت کو بدل کر پست سے پست کر دیا) اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا: "اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ" (الاعراف ۷:۱۷۹) ان کی مثال جانوروں جیسی بلکہ اُن سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ کہ یہ عقل کے باوجود جانوروں جیسا یا اُن سے بھی گیا گزرا کام کر جاتے ہیں۔

دینِ اسلام کی قدر

تو جو آیت میں نے شروع میں تلاوت کی "فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" تو

یہ ایک وصیت تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اپنے خاندان کو کہ نہ مرو بلکہ ایسے حال میں جبکہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان اسلام کی ایک حقیقت ہے اور حقیقت اسلام کا معیار عام معیاروں سے اُونچا ہے اور حضرت امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے لفظوں میں جبکہ بیت المقدس کے مقام پر جب آپ کو چند صحابہؓ کے نقشوں میں کچھ تغیر نظر آیا تو ریت اُٹھائی اور اُن کے چہروں پر ماری اور فرمایا ''کہ اگر تم میں حضرت عبیدہ بن جراحؓ جیسے لوگ نہ ہوتے تو میں تم کو کوڑوں سے مارتا''۔

دوستو! ان چیزوں کی قدر کرو جو حضور ﷺ نے اللہ سے لیکر تم کو دیں۔ مولانا رومؒ ایک قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص سر پر ٹوکرا لیے در بدر پھر رہا تھا اور روٹی مانگ رہا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ اس ٹوکرے میں کیا ہے تو کہا ''روٹی''۔ تو کہا کم بخت روٹیوں کا بھرا ہوا ٹوکرا لیے اوروں سے سوال کرتا ہے۔ کچھ شرم نہیں آتی۔ تو یہی حال ہمارا ہے کہ اسلام میں سب کچھ موجود ہونے کے باوجود ہم غیروں کے در پر سوالی بنتے پھرتے ہیں تو انسان کا کمال صرف یہ نہیں کہ چاند پر پہنچ جائے۔ انسان کا کمال یہ نہیں کہ چیزوں کو قابو کرے بلکہ انسان کا کمال اعمالِ خداوندی کو لینا ہے تو دُعا ہے کہ اللہ ہمیں اپنی رضا کے ساتھ اپنے احکام پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

تبلیغ کی اہمیت

یونیورسٹی کوارٹرز مسجد (27اکتوبر1963ء بروزِ اتوار)

اِس اُمت کی فضیلت

عزیزو، دوستو اور بزرگو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس اُمت کو اپنی انتہائی عطایا اور انعامات سے نوازا ہے۔ یہ اُمت خاص الخاص اُمت ہے۔ حضور ﷺ کی اُمت ہونے کا شرف رکھتی ہے۔ یا یوں کہیے اللہ رب العزت نے اپنے عطایا اور نوازشات کا محل بنانا چاہا تو اس اُمت کو حضور ﷺ کے واسطے سے بنایا۔ اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے اور سب قسم کی خوبیاں اُس کی ذات میں موجود ہیں۔ کوئی تعریف کرے تو وہ ثنا والا ہو گا نہ کرے تو نہیں ہو گا۔ کوئی تعریف کرے یا نہ کرے وہ قابل تعریف ہے۔ اب جو خداوند کریم کی ذات پاک ہے اس کو کسی چیز کی حاجت نہیں۔ اُس نے مخلوق کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ مخلوق سے کوئی چیز لے۔ اگر پوری مخلوق اس کی بندگی سے منحرف ہو جائے اُس کی ذات کی منکر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور شان میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اگر کوئی سمندر میں سوئی ڈال کر نکالے اور اس کے ساتھ جو پانی چمٹے، اُس پانی اور سمندر میں جو نسبت ہے اُس سے تو سمندر میں کچھ فرق پڑے گا لیکن اللہ کی عظمت میں اِتنا بھی فرق نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی نے یوں چاہا کہ مخلوق کو وجود بخشے اور پھر اس مخلوق کو اپنے عطایا کا محل بنایا اور مخلوق میں جو معراج کمال ہے اس کو حضور ﷺ کا نام دیا یعنی اللہ نے نوازشات اور عطایا کا محل حضور ﷺ کو بنایا یا یوں کہو کہ اللہ نے جو سب سے زیادہ دینا چاہا تو حضور ﷺ کو اس کا محل بنایا۔ اگر کسی کو کچھ ملا تو وہ حضور ﷺ کی ذات کی برکت ہے۔

حضور پاک ﷺ والی شریعت

یہ میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ تم کس کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہو، تم کو

سید الانبیاء اور میں تو یوں کہوں نبی الانبیاء کے اُمتی ہونے کا شرف بخشا اور اس کے ساتھ قرآن مجید جیسی کتاب عطا کی اور اس کے علاوہ نہ معلوم کتنی کتابیں آئیں۔ نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو بھی کتابیں دی گئیں جن کو صحیفے کہتے ہیں اور ایسے تورات، انجیل، زبور اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور عطایا تھیں لیکن ان کا دَور گزر گیا جیسے جوانی تھی۔ جوانی نعمت ہے لیکن بڑھاپا آیا اور اس کے احکام منسوخ ہوئے۔ اب زبور بھی کتاب تھی، تورات بھی کتاب تھی لیکن کوئی اُس پر ایمان لائے اور آخری کتاب پر ایمان نہ لائے تو اس کا ایمان قابلِ قبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے چاہا کہ انسانیت کو سب سے زیادہ دے تو قرآن کی صورت میں دے۔ اللہ کی حکمت نے خود یوں نہ چاہا کہ جب قرآن کا نزول ہو چکے، مکمل ہو چکے کہ قرآن کو منسوخ کر دے۔ اللہ قادر ہے کہ اپنے احکام کو منسوخ کر ڈالے لیکن اُس نے نہ چاہا کہ قرآن کو مکمل کرنے کے بعد اس کو منسوخ کر ڈالے۔ اس کا ایک ایک شوشہ قیامت تک اور قیامت کیا ابد الاباد تک بدلنے کا نہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو اللہ کے ساتھ قائم ہے۔ بڑا وہ ہے جو اللہ کو مانے۔ جو اللہ کو پہچاننے والا ہو، جو اللہ کے احکام کو چالو کرنے والا ہو۔ اگر کوئی اپنے کو ایسے ہی بڑا سمجھے اور بڑے سے تعلق نہ ہو تو اس کی مثال وہ ہے جو کہ لاہور میں ایک پگلے نے اپنی ٹوپی میں پَر لگائے تھے اور کہا کہ میں بادشاہ ہوں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن جیسی کتاب دی اور حضور ﷺ جیسا پیغمبر دیا۔ اب آپ کو انعام ملا، فرسٹ آئے، یونیورسٹی میں کسی مضمون میں کامیاب ہوئے۔ مثلاً آپ کو یہ ٹوپی ملی، اس کو اپنے سر پر پہن سکتے ہیں لیکن یہ تمہارے جسم و جان کا حصہ نہیں بن سکتی۔ اگر آپریشن کر کے رکھ بھی لو تو یا تو نکلے گی اور یا بدن کو Septic وغیرہ کر دے گی لیکن قرآن تمہارے اندر آ سکتا ہے اور محمد ﷺ کے کمالات، فضائل اور انوارات میں سے آپ کی خوبیوں میں سے آپ کے فیض میں سے ہر ایک اپنی توفیق کے بقدر حصہ پا سکتا ہے۔ تو انعام دیا

اور ایسا نہیں دیا کہ تمہارے جسم سے خارج ہو بلکہ تمہارے اندر آ سکتا ہے اور یہ میں اپنے ذہن سے نہیں گڑھتا۔ اگر کوئی ایسی بات گڑھ بھی دے تو خود اس کے منہ پر مار دی جاتی ہے اور لوگوں کو بھی اس کا حق ہے کہ اس کو ردّ کر دے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''اے اللہ! قرآن کو میرے گوشت میں اُتار دے، پوست میں اُتار دے''۔

نُورانی اعمال

دیکھو! اللہ نے حکم دیا کہ نماز کو قائم کرو، صلوٰۃ کو قائم کرو۔ ایک ہیں قرآن کے الفاظ اور یہ الفاظ اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ ایک ہے اس کی حقیقت جس کو حضور ﷺ نے عمل کر کے بتایا۔ گلاب سے عطر نکالو تو کیا اُس میں خوشبو نہیں آئے گی اور یہ تو اُس ذات عالی سے آئے ہیں۔ کیا اس میں اُن کی تاثیر نہیں ہو گی۔ پگلے ہیں وہ لوگ جو کہ یہ کہتے ہیں کہ لوگ قرآن کو کیوں رَٹتے ہیں جیسے زیب النساء نے یوں کہا جس کا تخلص مخفی تھا کہ میں اپنے اشعار میں چھپی ہوئی ہوں جو مجھے جاننا چاہے تو مجھے میرے اشعار میں ڈھونڈے۔

در کلام مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دار و در سخن بیند مرا

(میں اپنے کلام میں ایسی چھپی ہوئی ہوں جیسے پھول کی خوشبو اُس کے پتوں میں۔ جو مجھے دیکھنا چاہے میرے کلام کو پڑھے۔)

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ کا خلق کیا تھا؟ تو فرمایا: ''خلقه هو القراٰن''۔ حضور ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ اگر قرآن مجید کو دیکھنا چاہو تو میرے آقا کو دیکھو۔ یا یوں کہیے کہ ایک ہے قال: تو وہ تو ہے قرآن اور ایک ہے اس کی عملی شکل تو وہ ہمارے آقا محمد ﷺ ہیں۔ محمد ﷺ کا جزو کُل قرآن ہے۔ آپ ﷺ کی ذات میں ایک نبوت کا نُور، ختم نبوت کا نُور، افضل الانبیائی کا نُور اور اس کے ساتھ قرآن کا نُور تو اب اندازہ کر لو کہ وہ نُور ہی نُور ہو گا تو فرمایا کہ:

ہر کہ کاہ و جو خورد قربان شود

ہر کہ نُور حق خورد فرقان شود

(جو کہ گھاس اور جو کھاتا ہے تو اس کو ذبح کیا جاتا ہے اور جو کہ نور حق (نیک عمل) میں مشغول ہو وہ باطل و حق میں فارق بن جاتا ہے یعنی بُرے اعمال اور نیک اعمال کا نتیجہ ایک جیسا نہیں ہوتا۔)

اور نُور حق کیا ہے؟ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے طریقہ کو اپنا لینا، قرآن کا نُور اپنا لینا، عرض کروں کہ جیسے انجکشن انسان کے رَگ وپے میں جاتا ہے تو اسی طرح یہاں ایک نُورانیت پیدا ہو گی۔ تمہاری آنکھ نے ناجائز چیز کو نہیں دیکھا تو تمہاری آنکھ کی نورانیت تمام جسم میں پہنچے گی۔ اسی طرح جسم کے ایک ایک حصے کو لے لو۔ اگر تم ان کے متعلق حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اعمال کو اپناؤ گے تو تمہارے اندر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فیض جاری ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن جو دیا صرف اس لیے نہیں دیا کہ محض ان کی عزت کرو۔ وہ بھی کرو لیکن وہ چیز تم میں پیدا نہیں ہو جائے گی جب تک تم اُن والے اعمال کو اپنا نہ لو۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات عالی کو اکیلا نہ سمجھو۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات میں جملہ انبیاء کے انوارات سموئے گئے اور اس کے علاوہ مزید بھی ہے۔ سب کو اپنانا چاہو تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو لے لو۔ صبح کے وقت آئینے میں دیکھ لیتے ہیں تو آئینہ میں انسان کا پورے کا پورا جسم اُترتا نہیں لیکن صورت کا عکس تو پڑ جاتا ہے تو اسی طرح حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے انوارات کا عکس تم پر پڑے گا۔

کیوں گرفتار طلسم ھیچ مقداری ہے تو

دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکت طوفان بھی ہے

غیروں کے پاس کچھ نہیں۔ دیوالئے ہیں۔ خدا کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کے پیچھے کیوں جاتے ہو؟ اور میرے اللہ اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف کیوں نہیں آتے۔ کچھ بھی

نہیں ان کے پاس۔ کہاں لپکے جاتے ہو وہ قرآن والی بات ''انّی اتؤفکون''، ''انّی تصرفون''۔ تمہارے پاس لعل وجواہر کے وہ خزانے ہیں کہ اگر تم اس کو لے لو اور تقسیم کرو تو نہ صرف تم غنی ہو جاؤ گے بلکہ پوری دنیا غنی ہو جائے گی لیکن کیا کریں کہ علم کو لیتے ہی نہیں۔ اللہ کی نعمتوں کو کون گنے؟ تو ایک اور انعام کو بیان کروں۔ ایک اور انعام دیا وہ انعام کیا۔

در فشانی نے تیرے قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نگاہیں تھیں کہ مُردوں کو مسیحا کر دیا

ہدایت کا راستہ

ایک چھوٹے سے صاحبزادے تھے۔ حضور ﷺ کے پاس دُعا اور برکت کے لیے لائے گئے۔ حضور ﷺ نے دُعا فرمائی۔ ''اللّٰھم اجعله هادِيًا مهديًّا'' اور ایک دوسری جگہ پوری اُمت کے لیے دُعا فرمائی۔ ''اللّٰھم اجعلنا هادين مهتدين غير ضالين ولا مضلين سِلْمًا لاَوْلِيَآءِكَ وَ حَرْبًا لِاَعْدآئِكَ نُحِبّ بِحُبِّكَ من اَحَبَّكَ و نعادى بعد اوتك من خالفك مِن خلقك''۔ (مناجات مقبول ص ۳۹ منزل الرابع)

ترجمہ: ''یا اللہ کر دے ہمیں رہنما راہ بین نہ بے راہ اور بھٹکانے والے دوست تیرے دوستوں اور دشمن تیرے دشمنوں کے دوست رکھیں۔ تیری محبت کی وجہ سے تیری مخلوق میں سے اُس سے جو تجھ سے محبت رکھے اور دشمن رکھیں تیری دشمنی کی وجہ سے تیری مخلوق میں اُس کو جو تجھ سے مخالفت کرے''۔

تو دو چیزیں مانگیں اور دو چیزیں نہ مانگیں اور آپ بھی ایک دُعا پڑھتے ہیں نماز میں ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' ہدایت والا بنا اور ہدایت کو عام کرنے والا بنا۔ تو یہ اُمت

ھادی بن گئی مھدی بن گئی، اُس معنی میں نہیں کہتے جو قیامت کے قرب میں ظاہر ہو گا بلکہ ہدایت کے معنوں میں، تم تو خود چمکنے والے ہو، اوروں کو چمکانے والے ہو اور جیسے کہ بجلی ہوتی ہے خود تو چمکتی ہے لیکن دوسرے کو نہیں روشن کر سکتی ہے اور پھر سورج دوسرے کو روشن کر سکتا ہے لیکن اپنا مثل نہیں بنا سکتا لیکن حضور ﷺ کے متعلق فرمایا: ''سِرَاجًا مُّنِيْرًا'' روشن چراغ۔ اب چراغ میں یہ ہوتا ہے کہ خود روشن ہوتا ہے اور دوسرے کو اپنا جیسا بناتا ہے تو حضور ﷺ صرف روشن نہیں روشن گر بھی ہیں تو جس طرح توالد و تناسل کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی بقا کی صورت کے نظام کو قائم کیا ہے اسی طرح ہدایت کے نظام کو قائم کیا ہے۔ اگر تم اس کو نہیں کرو گے تو اُمت بانجھ ہو جائے گی اور اگر افراد من حیث الافراد اس کام کو نہیں کریں گے تو اُمت کا شجر سوکھ جائے گا، پھل دینا چھوڑ دے گا تو چوتھی چیز جو ہے وہ اللہ کے نام کا بول بالا کرنا ہے۔

ہم تو جیتے ہیں کہ دُنیا میں تیرا نام رہے
کہاں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

میں ایسا ہو جاؤں، میرا نام زندہ رہے یہ تو قارون، ھامان اور فرعون کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے۔ مومن کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ میرا سب کچھ اس کی راہ میں قربان ہو، میری جان اس راہ میں قربان ہو، جان بچنے والی نہیں۔ یہ اگر خدا پر نہیں کھپے گی تو خاک اور مٹی پر کھپے گی۔ قرآن نے کہا: ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ'' انسان کو نہایت اعلیٰ مقام پر پیدا کیا۔ لیکن کیا ہوا ''ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ'' یہ نہایت ہی حقیر جگہ اسفل السافلین کے مقام پر پہنچا۔ اللہ کو چھوڑا۔ دنیا پر محنت شروع کی، گائے، بیل اور مکھی، مچھر پر محنت شروع کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا کہ اللہ کے محبوبین وہ ہیں۔

اللہ کے محبوبین

اور ربوہ ایک بڑا اُونچا مقام ہے جن پر اللہ کا فضل ہوتا ہے ان کو اس مقام پر سرفراز

فرماتا ہے۔تو فرمایا کہ اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے جو لوگوں کے دِلوں میں اللہ کی محبت کو پیدا کر دے اور اللہ کے ہاں مخلوق کی محبت پیدا کر دے۔ اب یہ کیسے ہو کہ اللہ کے بندوں میں اللہ کے احکام کو رائج کر دے اور میں تو یہ کہوں کہ حضور ﷺ کے احکام کو عام کر دے۔ حضور ﷺ کی اداؤں کو خود اپنائے اور دوسروں میں عام کر دے۔ اس کام کو کیا کہتے ہیں؟ دعوت و تبلیغ۔لوگوں کی اصلاح اور اپنی اصلاح یعنی تم پوری نورانیت لے لو، اس کو خود اپنے لیے نہ رکھو بلکہ اوروں کو بھی دِلاؤ تو اللہ نے کیا دیا، قرآن دیا اور حضور ﷺ کی ذات دی۔ حبیب ﷺ فرماتے ہیں کہ ”میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں تم کبھی گمراہ نہیں ہوں گے جب تک اس پر عمل کرو گے اور یہ دونوں اکٹھے ہوتے ہیں حضور ﷺ کی ذات میں۔ اب جب تم اِن دونوں کو لے لو تو خود بن جاؤ گے لیکن یہاں نہیں چھوڑ تا کہ خود بن جاؤ بلکہ اللہ یوں چاہتے ہیں کہ تم نبی کے خادم کی حیثیت سے، ملازم کی حیثیت سے دین کے عام کرنے والے بن جاؤ۔ چار پاؤں والی کرسی ہو لیکن ایک پاؤں خراب ہو اور میری طرح موٹا تازہ آدمی اُس پر بیٹھے تو دھڑام سے نیچے گرے گا۔ بس اسی طرح تبلیغ کا کام ہے۔ یہ نہ رہے تو اُمت دھڑام سے گرے گی۔ یہ تبلیغ والے جو تم کو اکٹھا کرتے ہیں کہ تم کو بتائیں کہ تم میں کیا کیا خوبیاں ہیں تا کہ تم اس کے لیے محنت کرو اور اُمت کو بچاؤ۔ جیسے سانس ہوتا ہے، سانس کو روک لو، پانچ منٹ اور اگر نہیں رُکتا گردن کو دبا دو تو زندگی ختم ہو جائے گی تو انعاماتِ الٰہیہ کو استعمال نہیں کرو گے تو ختم ہو جاؤ گے۔ اگر ہدایت کو استعمال نہیں کرو گے اللہ اور رسول کے انعامات کو عام نہیں کرو گے تو خود ختم ہو جاؤ گے۔ انجینئرنگ کا داخلہ ہو اور دو سو سیٹس ہوں تو کتنے آتے ہیں اور یوں بھی نہیں کہتے کہ صرف چار مہینے کا کورس ہے بلکہ پورے چار سال کا کورس ہے تو وہاں تو چار سو درخواستیں اور آجاتی ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کون ہے جس کی درخواست آتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسے وقت میں جبکہ عام بغاوت کا زمانہ ہو اور لوگ دین پر نہ چلتے ہوں تو اُس وقت جو

دین پر چلے گا تو اُس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا اور ایک دفعہ فرمایا کہ جبکہ عمومی بگاڑ ہو تو اس وقت جو کوئی دین کے ایک عمل کو زندہ کر دے تو اس کو صحابہؓ میں پچاس پچاس کے برابر کا ثواب ملے گا۔

مفہوم

ایسے وقت میں جبکہ دین سے فرار کی کیفیتیں ہیں، جماؤ کی کیفیت پیدا کرنا اور جیسے کہ انجینئرنگ میں چودہ سال اور ڈاکٹری میں پندرہ سال لگاتے ہو اور کس لیے کہ مٹی چاٹتے رہیں، نوکری مل جائے تو بھائیو! کوشش کر کے چار چار مہینوں کا ارادہ کر لو اور پھر اس چیز کو اپنے اندر زندہ رکھنے کے لیے سال میں چالیس دن اور مہینے میں تین دن دین کے لیے لگایا کرو اور میں تو یوں کہوں کہ دین کی ایسی لگن لگے کہ دل چھلنی ہو جائے اور وہ بھی کوئی دِل ہے جس میں اللہ کی لگن نہ ہو۔ کبھی بلی کھائے اور کبھی کُتّا کھائے۔

دین کے لیے محنت

ارے کیوں نہیں کہتے؟ یہ تو قبر سے پہلے کی چیزیں ہیں۔ قبر کے لیے اور بعد کے زمانے کے لیے بھی کچھ نہ کچھ کرو۔ دِل دنیا کے لیے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تو پرواہ نہ ہو لیکن اللہ کے دین کے لیے کچھ بھی حرکت نہ ہو۔

دوستو! اس دین کے کام کو کرنا چاہتے ہو؟ (جواب: ہاں چاہتے ہیں) ہاں اب کھانا کھانا چاہتے ہو؟ (جواب: ہاں) اب تم یہ کرو کہ جاؤ بستر پر لیٹو اور پانچ سو مرتبہ کہو کہ انشاء اللہ کھائیں گے۔ وہاں تو یہ بات ہوتی ہے کہ ٹھنڈا نہ ہو جائے۔ تو اب جن کا بھی ارادہ ہے وہ نام لکھانا نہیں بلکہ خود ارادہ کرے تو اِس طرح کرک کا اجتماع ہے۔ سولہ سترہ پر ہوتا ہے جیسے تم منگلا ڈیم وغیرہ جاتے ہو تو لادینیت کا جو سیلاب آرہا ہے اس کو بھی ڈیم اور بند لگانے کے لیے کوشش کرو۔

کرک کا اجتماع

اور جیسے تم ڈی ڈی ٹی چھڑک کر سرٹیفکیٹ حاصل کرتے ہو اسی طرح دین کا سرٹیفکیٹ حاصل کرو تاکہ قیامت میں پکارے جاؤ۔ یہاں کاغذ کا ٹکڑا ملتا ہے تو تم چاٹتے ہو یا دیمک چاٹتی ہے۔

اور ایک بات اور عرض کروں کہ دین کا تھوڑا کام کرو کہ آپ میں سب کے سب یہ طے کرلیں کہ ہفتے میں دو گشت کریں گے، خود نیکی پر آنے اور دوسروں کو نیکی پر لانے کی کوشش کریں۔ ایک گشت خود اپنے محلے اور ہاسٹل میں کرلو اور ایک بیرونی محلوں میں کرو۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو گھنٹہ گھر کے قریب گنج علی خان مسجد ہے وہاں جمعہ کی رات آٹھ ساڑھے آٹھ نو بجے تک بات ہوتی ہے وہاں جانے کی کوشش کرو۔ اسی طرح منگل کے دن اسلامیہ کالج میں بات ہوتی رہتی ہے وہاں آیا کریں۔ آپ کہیں گے کہ تمام وقت تو تم نے لے لیا۔ اب ہم کھیلیں گے کب اور کودیں گے کب۔ تو دین کے کام کو کرنا پڑتا ہے تو جیسے کھانے کے لیے میز پر نہیں بیٹھتے بلکہ کھانے کے ساتھ اور بھی شغل ہوتے ہیں اسی طرح دین کا مشغلہ اپنانے کے لیے وقت نکالا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

نورانیت اور دین کا فروغ

اسلامیہ کالج مسجد (29 اکتوبر 1963ء بعد از نماز مغرب بروزِ منگل)

دِل کی نورانیت

عزیزو، دوستو اور بزرگو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے جیسے ہمیں پیدا فرمایا اس طور پر ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مختلف صلاحیتوں، استعدادوں اور خوبیوں سے نوازا۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جنہیں ہم آسانی سے اور بعض ایسی ہوتی ہیں جنہیں ہم سوچ اور فکر سے جان لیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایسا دِل دیا کہ اگر وہ صحیح استعمال پر آجائے تو وہ ان چیزوں کو دیکھ سکتا ہے جن کو ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ ہم تو اس گوشت کے لوتھڑے کو دِل سمجھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جیسے آنکھوں کو بینائی دی، اسی طرح دِل کو بھی بینائی کی قوت بخشی۔ اب جیسے آنکھیں ہوں لیکن بینائی کی قوت نہ ہو تو دیکھ نہیں سکتی، یا بند ہوں، یا بالکل گھٹاٹوپ اندھیرا ہو تو کیا کوئی چیز دِکھائی دے گی تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ آنکھوں کے دیکھنے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ (۱) آنکھ ہو اور بینا ہو۔ (۲) آنکھ ہو اور بند نہ ہو۔ (۳) اور اندھیرا نہ ہو۔ اسی طرح دِل کی بھی آنکھیں ہوتی ہیں۔ فرمایا: ”انہا لا تعمی الابصار و لٰکن تعمی القلوب التی فی الصدور“ کفار کے چہرے والی آنکھیں بند نہیں ہوتیں بلکہ سینے کے اندر دل جو ہے وہ اندھا ہو جاتا ہے اور پھر دل کے اندھے ہو جانے سے آخرت والی، انبیاء علیہم السلام کی بتائی ہوئی چیزیں دکھائی نہیں دیں گی۔ بہت سارے لوگ آخرت میں اندھے اُٹھائے جائیں گے تو کہیں گے: ”قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ کَذٰلِکَ اَتَتْکَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَکَذٰلِکَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ﴿۱۲۶﴾“۔ (سورۃ طٰہٰ ۲۰: ۱۲۵، ۱۲۶)

ترجمہ: ”میرے پروردگار تُو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا۔ میں تو دیکھتا بھالتا تھا۔ اللہ

فرمائے گا کہ ایسا ہی (چاہیے تھا) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تُو نے ان کو بھلا دیا، اسی طرح آج ہم تجھ کو بھلا دیں گے"۔

اللہ میاں اُن سے یوں کہیں گے کہ دیکھو تم پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں، اللہ کا کلام تم پر آیا تھا، تم نے اُس کو نہ لیا، اُس نُور کو نہ لیا جو کہ قرآن کی صورت میں تم کو دیا گیا تھا، اسی طرح قرآن کو جو یاد کرتا ہے پھر اُس سے بھلایا جاتا ہے تو اُس کو اندھا کر کے اُٹھایا جائے گا۔ تو دیکھنے کے لیے تین چیزیں شرط ہیں۔ یہی حال ہے آخرت والی باتوں کا۔ اللہ والی باتوں کو جو کافر نہیں مانتے یوں سمجھو کہ آنکھ ہے اور انہوں نے اس میں سلائی بھر دی۔ سلاخ کو سرخ کر کے کھینچ دیا۔

تو اللہ نے ہر مخلوق کے دل میں ایمان کا ذرہ رکھا ہے، نُور بصیرت کا وجود ہر دل میں موجود ہوتا ہے لیکن اللہ کے انکار کی سلائی اس بینائی کو ختم کر کے دل کو اندھا کر دیتی ہے تو جن کا تعلق اللہ سے ٹوٹا ہے، وہ نابینا ہیں، وہ اندھے ہیں، کافر جو ہدایت کی طرف نہیں آتا اُن کو اگر ہم کہیں کہ جنت ہے، نیک اعمال پر یہ ملتا ہے اور بُرے اعمال پر یہ ملتا ہے تو اُن کی سمجھ میں یہ نہیں آئے گی، اُن کے سامنے یہ اندھے کی کھیر ہے جیسے کہ ایک اندھے کے سامنے کھیر رکھ دی گئی تو اُس نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ کھیر ہے۔ اُس نے کہا کہ کھیر کیا ہوتا ہے۔ کہا گیا، سفید جیسے بگلا۔ اُس نے کہا کہ بگلا کیسے ہوتا ہے تو اُس نے ہاتھ کو ایسا کیا تو حافظ جی نے ہاتھ پھیر کر کہا کہ یہ تو ٹیڑھی کھیر ہے۔ ہم سے کھائی نہیں جا سکتی۔ تو کافروں کے سامنے جب دین کی بات بیان کی جائے تو کہتے ہیں کہ یہ ٹیڑھی کھیر ہے ہم سے نہیں کھائی جا سکتی۔

غفلت کا اثر

اب مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے بینائی تو دی لیکن غفلت نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ کچھ توجہ نہیں رہی۔ اگر شیر یہاں آئے اور ایک دھاڑ مارے تو سبھی بھاگ جاؤ گے، کوئی

تمہیں منع کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح ہم کو خداوند کریم کی عظمت نظر نہیں آتی، بڑائی نظر نہیں آتی، گناہ کو کر کے مزہ آتا ہے، دوزخ کو دیکھا نہیں جب وہ دوزخ کا نقشہ آجائے۔ ''وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ''۔(سورۃ الملک ۶۷:۸)

ترجمہ: ''وہ جوش مار رہی ہوگی گویا مارے جوش کے پھٹ پڑے گی''۔

شیر تو زیادہ سے زیادہ پھاڑ کھائے گا۔ مر جاؤ گے لیکن جو دوزخ میں چلا گیا تو پھر کیا ہوگا لیکن یہ کیوں ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ کی عظمت نظر نہیں آتی، آنکھیں کھلی رکھیں لیکن اندھیرا ہے تو چیز نظر نہیں آتی۔ اب یہ اندھیرا کیا ہے؟ غفلت کا نام سنا ہے بھول جانا۔ جب اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھتے ہو تو کتنی آیتوں، کتنے رکوع میں دھیان ہوتا ہے کہ اللہ حاضر و ناظر ہے یعنی اللہ کے سامنے ہوتے ہوئے اللہ کو بھولے ہوئے ہیں اور یہ تو نماز کا حال ہے جو اللہ کی حاضری کا خاص وقت ہے۔ اُس میں یہ کیفیت ہوتی ہے تو اور وقتوں میں کیا ہو۔ جب اس میں موجود ہوتے ہوئے غیر موجود ہوتے ہیں جیسے آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ اس طرح جب دل پر غفلت کا پردہ پڑ جاتا ہے تو پھر کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ شیر کے سامنے کوئی منہ بڑھائے گا، نقل اُتارے گا تو خداوند قدوس کے سامنے ہم گناہ کیوں کرتے ہیں اس لیے کہ اللہ سے غافل ہیں۔ آپ بعض اوقات سوئے بھی تو ہوں گے۔ اب کوئی شریر سا لڑکا آگیا اور تیز بیٹری آنکھوں کے سامنے کر دی یا بجلی کا تیز بلب آنکھوں کے سامنے جلا دیا تو آنکھیں کھل جائیں گی۔ اسی طرح اگر خداوند کریم کا نُور جب ہم پر تجلی کر جائے تو یہ غفلت کا پردہ خود بخود ہٹ جائے گا اور یہ روشنی کیسے میسر ہو، یہ تجلی کیسے میسر ہو۔ اس نُور کو کہتے ہیں ''نُورِ ایمان'' اور اس کے حصول کے طریقے بتائے ہیں۔ ہمارے آقا سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے، جس کی دعوت سے یہ نُور پھیلا اور جو کہ اس نُور کا سب سے بڑا خزانہ تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اللّهم افتح اقفال قلوبنا بذكرك و اتمم علينا نعمتك

واسبغ علینا من فضلك و اجعلنا من عبادك الصالحین۔ (مناجات مقبول، تھانویؒ)

ذکر اللہ کی اہمیت

اے اللہ! کھول دے ہمارے دل کے تالوں کو اپنی یاد سے اور پوری کر دے ہم پر اپنی نعمتوں کو اور کامل کر ہم پر اپنا فضل اور بنادے ہم کو اپنے نیکوکار بندوں میں سے۔ اس میں یہ علاج ہے کہ یادِ حق غفلت کو مٹا دیتی ہے اور ایمان کا نُور لے آتی ہے۔ اب انبیاء علیہم السلام جو دین لیکر آتے ہیں وہ دراصل روشنی کا مینار ہوتا ہے۔ فرمایا "لَقَدْ جَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْن"۔ تو حضور کو نُور کہا گیا اور کبھی قرآن مجید کو نُور کہا گیا تو جب تم حضور ﷺ کے اعمال اور قرآن مجید والے اعمال کو اپناتے رہو گے، اس سے تمہارے اندر نُور آئے گا، تاریکی مٹتی چلی جائے گی، دیا کبھی دیکھا ہے اس میں تیل ڈالا جاتا ہے۔ اُس میں اگر تیل کم ہو تو روشنی کم ہو اور اگر تیل ڈالتے جاؤ تو روشنی بڑھتی ہے۔ تمہارے دل کیوں نُور نہیں دیتے۔ اعمالِ صالحہ کا تیل کم ہو گیا، باہر تیز آندھیاں چلتی ہیں، وہ چاہتی ہیں کہ ایمان کا دیا روشن نہ ہو، کفر کے دیئے روشن ہوں لیکن ایمان کا چراغ روشن نہ ہو، تو اس وقت ہمیں دو چیزوں کی ضرورت ہو گی۔ ایمان کا تیل اور یہ تیل کیا ہے؟ اعمالِ صالحہ کا اختیار کرنا اور عمل صالح کیا ہے ۔جو عمل حضور ﷺ نے اختیار کیا، ایسا ہو گا تو تمہارے اندر نورانیت آجائے گی، اب زمانہ تو کہے کہ ہم اس نُور کو بجھاتے رہیں گے۔ "يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝"۔ (سورۃ التوبۃ۹:۳۲)

ترجمہ: "یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نُور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھادیں اور اللہ اپنے نُور کو پورا کیے بغیر رہنے کا نہیں۔ اگرچہ کافروں کو بُرا لگے"۔

کفر چاہے کہ اپنے پھونکوں سے ایمان کے چراغوں کو بجھادیں لیکن اللہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس نُور کو مکمل کر کے رکھ دیں۔ سائیکل کو جب انسان چلا کر ہَوا کے رُخ میں کرتے ہیں تو تیزی سے اُڑتا ہوا نظر آئے گا لیکن ہَوا کے مخالف ہو تو کافی زور لگانا پڑے گا تو حضور

پاک ﷺ نے کفر کی آندھیوں میں ایمان کا دیا روشن کیا اور صحابہؓ نے اس روشنی کو آگے بڑھایا۔ اسی طرح تم اپنے چراغوں کو اعمالِ صالحہ سے روشن کرو اور پھر اس کے اِرد گرد دیوار سی کھینچ لو اور وہ دیوار کیا ہے؟ دین کی دعوت اور دعوت سے مراد کھانے والی دعوت نہیں بلکہ دعوت سے مراد اللہ کی طرف بلانا ہے۔

دینی دعوت

جو خود نیکی کر رہا ہو اور دوسرے کو نیکی کی طرف بلا رہا ہو تو پھر کوئی اس کو بُرائی کی طرف بلائے گا اور اگر بلائے گا بھی تو کیا وہ اس پر اثر کرے گی۔ جیسا کہ ایک پرکار ہوتا ہے۔ وہ ایک نکتے پر قائم ہوتا ہے اور اس کے اِرد گرد دائرے کھینچے جاسکتے ہیں حتیٰ کہ تمام دنیا میں اس کے دائرے کھینچے جاسکتے ہیں۔ ٹیلی ویژن کو دیکھا ہو گا (نہیں)۔ اللہ نہ کرے کہ وہ یہاں آئے تو اس میں یہ ہوتا ہے کہ امریکہ میں جو گناہ ہوتا ہے اُس کو آپ یہاں دیکھ سکیں گے تو اِس طرح ایک دائرہ لگا دیا اپنے ہاسٹل میں، تو جیسے کہ یہ لوگ فرسٹ ائیر والوں کے ساتھ مذاق کرتے ہیں تو اس طرح یہاں پر فرسٹ ائیر والوں کو بُرائیوں کے لیے بھی اُکساتے ہیں اور پھر کیا ہوتا ہے۔ واہ واہ ہوتی ہے۔ ایک کی جان گئی اور اُن کی واہ واہ ہو گئی تو جس طرح لوگ بُرائیوں کے لیے اُکساتے ہیں تو تم دین کی دعوت دو، کوئی مولوی کہے اور کیا کہے لیکن اپنی کوشش نہ چھوڑو اور اپنے ہاسٹل میں اس ایک دائرے کے اندر دعوت کا کام کرتے رہو اور ایک دائرہ کھینچو یونیورسٹی کے ہاسٹلوں میں اور آگے پیچھے قریب کے گاؤں میں گشت کرو اور اسی طرح ایک تیسرا دائرہ یہ ہے کہ تین دن فارغ کر کے ایک قریب کے گاؤں میں چکر لگاؤ تاکہ کوئی ہَوا نہ آئے اور اسی طرح پورے پاکستان میں دین کے لیے چکر لگالو اور جیسے کہ ڈی۔ ڈی۔ ٹی کے سپرے یہاں کرتے ہو چھٹیوں میں اور پھر اسی طرح جیسے کہ امریکہ جاتے ہو پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے تو دین کی پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے جاؤ۔ کیا بھکاری کو لوگ اچھا جانتے ہیں۔

تو ہم کیا کہتے ہیں کہ اے امریکہ والو! اے روس والو! اپنے علوم میں سے کچھ دے دو تو ہم غیروں کے پاس علم لینے جاتے ہیں تو جیسے کہ اُن سے لیتے ہو۔ اسی طرح اپنے علم کے زکوٰۃ میں سے ان کو کچھ تو دے دو اور وہ ہمارے علوم کے زیادہ محتاج ہیں کیونکہ اگر ہم ان کے علوم کو نہ لیں تو کچھ نہیں ہوگا لیکن اگر وہ ہمارے علوم کو نہ لیں تو بے ایمان ہو کر جہنم چلے جائیں گے تو یہ ہوا دین کا بڑا وسیع دائرہ۔ اسی طرح گنج علی خان مسجد میں بھی کچھ دین کی بات ہوتی ہے اور اسی طرح ہمارے گھر نمبر ۱۴ میں بھی عصر کے بعد عشاء تک کچھ بات ہوتی رہتی ہے۔ ٹیوشن فیس وغیرہ کچھ نہیں، فیس نہیں لی جاتی تو اس کے لیے آپ سب کے سب تیار ہیں۔

دُنیوی علوم کا نچوڑ

یونیورسٹی ہاسٹل نمبر 1 (30 اکتوبر 1963ء، بعد از نمازِ مغرب)

بھائیو، عزیزو، دوستو اور بزرگو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور جب انسان اس دنیا میں آیا تو کچھ بھی نہیں جانتا تھا جیسے بچہ ہو۔ یہاں تک کہ اس وقت دودھ کو بھی نہیں جانتا جس کو وہ پیتا ہے۔ اب جب انسان اس دنیا میں آتا ہے اور بڑھتے بڑھتے جوانی تک پہنچ جاتا ہے تو یہ بتدریج بڑھنا جاری رہتا ہے۔ اب لوگوں کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ کوئی کتنا جانتا ہے کوئی کتنا۔ جیسا کہ آپ بھی تعداد میں میٹرک میں زیادہ پھر ایف۔ اے میں کچھ کم اور آگے بڑھ کر مختلف حصے ہو جاتے ہیں، یہ اُن علوم کا حال ہے جو دنیا کے متعلق ہیں۔ باپ دادا سے ایک دوسرے کو دیا جائے اور اِتنا بڑھ گیا مثلاً سائیکالوجی کو لے لو کہ پہلے کوئی شمار میں نہیں آتا تھا اور اب پوری کی پوری الماریاں بھر گئیں۔ اسی طرح وہ تمہاری باٹنی کا علم ایک علیٰحدہ ڈیپارٹمنٹ ہوا اور بقول شخصے علم سائنس بھی ایک دریا ہے جو کہ گھوڑوں کی مالش کرتے ہیں، بڑھا دیا اور بڑھتے بڑھتے بہت بڑھ گئے اور سب کا حاصل کیا ہے کہ روٹی مل جائے اور گرمی سردی سے بچنے کے لیے اچھی جگہ مل جائے، اچھے کپڑے مل جائیں۔ جوانوں کو اچھی اچھی دُلہنیں مل جائیں اور ضروریاتِ زندگی پوری ہو جائیں اور ان تمام کا دائرہ اور مطلب خواہشاتِ نفس کا پورا کرنا ہے۔ اب ایک شخص کرے گا تو انفرادی ہو گا اور پھر خاندان والوں کا تقاضا ہو گا اور پھر اس سے آگے بڑھو تو ملکوں تک بات جا پہنچتی ہے۔ روس جیسے بڑے ملک کو لے لو اور ان کو سمیٹتے سمیٹتے آئیڈیالوجی کا پتہ لگا لو تو پیٹ بھرنے کو کھانا، پہننے کو کپڑے اور رہنے کے لیے محل اور اچھی سی اچھی عورت اور پھر انسان کو زیادہ سے زیادہ وہ جگہ درکار ہے بیٹھنے کو اِتنی جگہ ہوتی ہے، لیٹ بھی جائیں یعنی گزارہ کریں تو بڑی آسانی ہو سکتی ہے۔ وہ کسی کا کہنا کہ "تنور ھم گزشت، سمور ھم گزشت" تو خواہشات کو بڑھاتے بڑھاتے معیارِ زندگی کو اِتنا بڑھا دیا کہ انسانیت نیچے دَب گئی۔ اس طرح امریکہ کا نظام لے

لو تو کیا ہے۔ ایک شخص نے مجھے کہا کہ تین "بیز" (Three B's) چاہیئے۔ میرا خیال تھا کہ شائد مکھیاں چاہتے ہیں تو کہنے لگے کہ ایک بے پردہ عورت، دوسرا بنگلہ اور تیسری بیوک کار۔ تو اگر آپ تھوڑا سا پوسٹ مارٹم یا Analysis (تجزیہ) کریں تو وہی بات کہ کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔ ماں کے پیٹ سے نکل آئے اور تھوڑی سی زیادہ جگہ ملی تو اس کو سب کچھ سمجھنے لگے۔ اب یہ تو ہوا خاندانوں کا حال۔

اور قوموں کا حال، تو کیا ہو، برطانیہ نے اجتماعی طور پر چوری کی، یہ ہیں شریف۔ چوری تو چوری ہے چاہے تمام فلاسفر جمع ہو جائیں تو یہ لال بجھکڑ جمع ہو کر کیا کریں۔ معیارِ زندگی بلند کریں، پانچ سالہ سکیم بنائیں، فلاں سنہ میں یہ ہو گا اور فلاں سنہ میں یہ ہو گا اور پھر 1983ء ہم فورلیگل ہو جائیں گے۔ وہ مولانا رومؒ کے خدادر جات بڑھائیں کہا:

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند

ہر زمان در جک جک و در بک بک اند

(کافران مطلق ہی اہل دُنیا ہیں کہ ہر وقت فضول بحث وتکرار میں لگے رہتے ہیں۔)

مرغوبات دنیا کے لیے محدود قوت

تو دنیا میں دو بلائیں بن گئیں اور ہر ایک کیا چاہتا ہے ایک کہتا ہے میرا پیٹ بھر جائے اور دوسرا کہتا ہے میرا پیٹ بھر جائے۔ تو یہی ہے اُن کا نظریہ۔ ایک باریک نکتہ ہے جن پر انہوں نے نظریات کے انبار لگا دیئے اور وہ ہے خواہش نفس اور خواہش نفس ایسی چیز ہے کہ اِس دنیا میں پوری بھی نہیں ہو سکتی۔ اب ہمارے یہ مہر دل خان ہیں جو کہ مرغا چاہتا ہے اور رکھیں پچاس مرغے تو ایک کھائے، دو کھائے اور تیسرا کھائے لیکن کہاں تک کھائے۔ اب دوسرے کو پلاؤ اچھا لگتا ہے اور تیسرے کو فیرنی وغیرہ اور پھر کھائے تو وہاں کیا کرے۔ کب ہیضہ لگے، اب آگے ہے پینا اور پینے میں بڑی چیزیں ہیں۔ ایک وہ بھی ہے جو کہ ہم نے یورپ میں دیکھا یعنی

شراب کو اور ان شرابیوں کو رات کے آخر میں دیکھو، ان کے چہروں کی نحوست اور ان کی گندگی کو دیکھ کر طبیعت متلاتی ہے اور ان کو تو چھوڑ ہی دو، اب دوسرے شربتوں کو لیجئے تو معلوم ہوا کہ نہ تمہارا کھانا لامحدود اور نہ پینا لامحدود اور پھر جو لیجئے کپڑوں کو تو اگر گرمی کے موسم میں تم کو لندن سے ایک گرم کوٹ بھیج دوں اور کہوں کہ یہ ہمارا تحفہ ہے، اس کو پہن لو تو کیا پہن سکو گے؟ سردیوں میں ہو تو ہر ایک کپڑے کے ایک ایک نمونہ سے اور یہاں فیشن ہی کیا ہے، کبھی نیچے اور کبھی اُوپر کرتے ہیں اور کبھی کیا اور کبھی کیا کرتے ہیں اور آخر میں ننگا ہو کر اور کیا کرے گا، اسی طرح عورت والی بات ہے تو اگر بہت ساری عورتیں اکٹھی کر کے کسی سے کہہ دیں کہ اِن سے روزانہ اپنی خواہش کو پورا کرو تو چند ہی دِنوں میں قبر میں پہنچا دے گا تو جب یہ خواہش بھی یہاں پوری نہیں ہو سکتی تو اب معلوم ہوا کہ دنیا خواہشات کے پوری کرنے کی جگہ نہیں ہے۔

انسان پر ماحول کا اثر

جیسے ہمارے اندر خواہشاتِ نفس لگی ہوئی ہیں اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ بچے کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے طور پر القاء کرتا ہے تو اسی طرح روح کو بھی اللہ تعالیٰ نے جو نُورِ ربانی قلوب میں رکھا ہے اور جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ کفر میں پیدا نہیں ہوتا۔ وہ دنیا کے لیے نہیں آتا اور نہ وہ یہ کہیں کہ میری خواہشیں پوری ہوں اور اگر بچے کو زبان دی جائے تو اس کی پہلی پکار یہ ہوگی "رَبِّیَ اللّٰہ" اور کیوں نہ ہوگی جب کہ پیدا ہوتے ہیں اور پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی پرورش کا ایسا انتظام کیا ہے۔ اب جب بڑھتا ہے تو ماحول اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر اچھا ماحول ہوتا ہے تو بچہ اللہ والا بنتا رہتا ہے۔ بچپن میں اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دنیا میں تجھے پہاڑ نظر آئیں گے، دریا نظر آئیں گے، محلات نظر آئیں گے اور کیا کیا نظر آئیں گے لیکن دیکھ "اللہ بہت ہی بڑے ہیں، اللہ بہت ہی بڑے ہیں"۔ ایک دفعہ نہیں کہا بلکہ چار مرتبہ کہا جاتا ہے کہ یہاں تم پر چاروں طرف سے یلغار ہوگی۔ دنیا کا ہر ذرہ تجھے کھینچے گا۔ تیرے جسم کا ذرہ ذرہ اُس ذرے کی طرف

کھچے گا، یہ نہیں ہو گا کہ تمہارے پرخچے اُڑ جائیں گے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تمہارے جسم جن جن ایلیمنٹس (Elements، عناصر) سے بنا ہوا ہے تو وہ ہر ایک Element کوشش کرے گا کہ تجھے اپنی طرف متوجہ کرے۔ تو کہا جاتا ہے کہ بچے کوشش کرنا کہ یہاں تجھے آنا ہے خیال رکھنا ان ذروں کے پیچھے نہ جانا۔ وہ کسی نے کہا:

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب جویم

(نہ میں رات ہوں اور نہ اس کی پرستش کرنے والا۔ میں جب آفتاب (اللہ) کا غلام ہوں تو سب کچھ وہاں تلاش کرتا رہوں گا۔)

میں تو اس آفتاب کا پرستش کرنے والا ہوں اور اس سے مطلب یہ آفتاب نہیں ہے بلکہ اُس آفتابِ حقیقی کا پرستار ہوں جس نے ہمارے باپ دادا کو بنایا اور روحیں تو اکٹھی پیدا ہوتی ہیں لیکن جیسے نرسری سے ایک ایک پودے کو لیتا ہے اور بوتا ہے تو اسی طرح ارواح تمام اکٹھی تھیں اور وہاں اللہ میاں نے اپنی آنکھیں لڑی تھیں تو جب "اللہ اکبر" کہتے ہیں تو بچے کی روح خوش ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ "الحمد للہ الحمد للہ" کہ اللہ نے مسلمان کے گھر میں پیدا کیا۔ تو بچے کو سمجھاتے ہیں کہ وہ یہ جانے کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی ذات سے ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ بڑے ہو کر تم کو پانی سے ڈبوتا ہوا اور آگ سے جلتا ہوا دکھائی دے۔

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ

تو کہا جاتا ہے "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" بنانے والی بھی اللہ کی ذات اور بگاڑنے والی بھی اللہ کی ذات، نہ روس کے خزائن میں ہے، نہ امریکہ کے خزائن میں، تیرا بننا وہ صرف ایک اللہ کی ذات میں ہے اور پھر کہا جاتا ہے "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہ اس دنیا میں اگر کوئی عبد کامل آیا، وہ حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے، بہت آئیں گے تمہارے سامنے، ابلیس کا لشکر

آئے گا انسان کی صورت میں، لینن صاحب آئیں گے اور کبھی کانٹ چھانٹ آئیں گے اور بہت سارے مداری اپنے پٹاریوں سے تجھے مختلف چیزیں دکھائیں گے لیکن دیکھ اُن کے طریقے پر نہ چلنا۔ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بندہ تو ہے لیکن ان کو یہ بندگی کا طریقہ ملا کہاں؟ اللہ سے ملا۔ خداوند قدوس کی ذات سے ملا، وہ رسول ہے، وہ اپنی زندگی اپنی ذات سے نہیں گزار رہا ہے بلکہ اللہ کے حکم سے گزارتا ہے تو جس نے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی اطاعت کی تو کیا ہوگا اللہ اُس کو اپنا چہیتا بنائے گا، اُس خاک کے کولے تو صرف حیوانوں کی زندگی نہیں ہوگی بلکہ انسانوں کی زندگی ہوگی۔ صرف پیٹ کی زندگی نہیں ہوگی بلکہ قلبی زندگی ہوگی اور دیکھو! آپ کا پیٹ اُوپر ہے یا دِل اُوپر اور دِل تو دیکھا ہوا ہے جیسے کہ یہ ڈاکٹر لوگ ہوتے ہیں کہ دلوں کو چیرتے پھاڑتے ہیں اور اگر کسی نے نہیں دیکھا تو پھر قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ دل موجود ہے تو دل اُوپر ہے اور پیٹ نیچے لیکن ہم نے دل کو پیٹ کے نیچے اُتارا اور پیٹ کو اُوپر لے آئے یعنی کیا کیا۔ تانگے کو گھوڑے سے آگے باندھ دیا اور کیا ہوا، مشینوں ہی کی دنیا ہے، جہاں بھی انجن رکھیں تو گاڑی چل پڑے گی تو ایسی مشینی دنیا میں کیا ہوا کہ دل بھی مشینوں کی طرح اُلٹ کر پیٹ کے نیچے اُتر آیا تو آج کیا ہوا ہمارے دل بھی ان سڑکوں کی طرح جو کہ کنکریٹ کی ہیں کہ گرد بھی نہیں اُڑتی ہے لیکن اُس زمانے کو لے لو جبکہ دین کی گاڑی چلتی تھی۔ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا نورانی زمانہ تھا تو جیسے کہ گرد کچی سڑک پر بوٹوں پر آکر غیر ارادی طور پر پڑتی ہے تو اس وقت میں کیا تھا، دنیا خود بخود غیر ارادی طور پر ناک رگڑتی ہوئی آتی تھی۔ اب ہمارا کیا حال ہوا کہ صبح بھی اُٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہائے دنیا اور شام ہوتی ہے تو بھی ہائے دنیا۔

غالباً سعدیؒ نے کہا ہے کہ کسی نے دنیا کو باکرہ عورت کی صورت میں دیکھا تو کہا کہ اِتنے زمانے سے تُو اپنے خاوندوں کی بیوی چلی آرہی ہے تو اب تک تیری یہ بکارت نہیں ٹوٹی تو کہا کہ جو مرد ہے وہ ہاتھ نہیں لگاتا اور جو نامرد ہیں اُن سے بکارت زائل نہیں ہوتی۔ جو مرد ہے

، خدا اوالا ہے، حقیقت والا ہے تو اس کے سامنے اس دنیا کی حقیقت مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں اور اس کو کتنا اُوپر ڈالو گے اور کتنا نیچے ڈالو گے اور اِس دنیا کی شان اُس بلی کی ہے جو کہ جب پنجہ سمیٹی ہوئی ہو تو بہت نرم اور بہت ملائم ہے لیکن ذرا چھیڑو تو ایسا پنجہ مارے کہ فوراً Septic ہو جائے۔ بزرگوں نے یوں کہا کہ دنیا کو خوب آزمایا اور پھر چھوڑا اور جو چھوڑا تو سلام کرتے ہوئے نیچے آپڑی۔

تو کہا کہ جس کی آنکھوں میں حضور ﷺ کے قدموں کا سُرمہ لگ جائے تو وہ یورپ کی اُن سیاہیوں کو کیا کرے۔ آپ یورپ میں جاکر ان کی ہواؤں کو دیکھ لیں تو صبح کو جو کالر سفید ہوں شام تک بالکل سیاہ ہو جائیں تو یہ تو ہے ظاہری ہوا تو باطنی ہوا کا کیا حال ہو گا؟ یورپ کے ان ویرانوں میں کیا ہے اندھیرا ہی اندھیرا تو فرمایا: کہ دیکھو! میں ایک ماڈل تمہارے سامنے بھیجتا ہوں اور پھر ماڈل جو استاد بنائیں گے اور جو ہم جیسے بنائیں تو اس میں کچھ فرق نہیں ہو گا۔ ضرور اور جو اُس اُستاد کا بنایا ہوا ہو جس نے تمام دنیا کو، تمام مخلوقات کو بنایا تو اس کا بنایا ہوا ماڈل کیسا ہو گا۔

روحانی انجکشن

تو تشہد کے بعد کہتے ہیں "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوۃ" (نماز کے لیے آؤ) تو کیا وہ چھوٹا بچہ نماز پڑھ سکتا ہے بلکہ یہ کیا کرتے ہیں بس انجکشن لگاتے ہیں جیسے کہ آپ کے ہاں انجکشن ہوا کرتے ہیں، کوئی چوبیس گھنٹوں کا کوئی زیادہ کوئی کم۔ تو کیا ہوتا ہے، یہ ہوتا ہے کہ جب بڑھ جائیں تو معاشرہ اگر زیادہ خراب نہیں ہوا تو نمازی بن جائے، اسلام والا بن جائے تو اس سے انتہائی کامیابی حاصل ہو گی۔ "حی علی الفلاح" اب اس دنیا کی بادشاہت ملے گی تو کیا ہو گا، یا یہ ختم یا وہ ختم، اور جو کامیابی اسلام والی زندگی میں ہے، وہ یہاں بھی رہے گی اور وہاں بھی رہے گی، اور پھر دوبار "اللہ اکبر" کہا، کیوں؟ کہ چھ طرفوں سے تمہارے پاس مختلف چیزیں آئیں گی اور کہیں گی، "أَنَا

ربکم الاعلی " اور اسکے بعد یقین کو پھر تازہ کرتے ہیں کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ"۔ تو جیسے کہ بعض لڑکے ہوتے ہیں کہ کسی کو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس میں وٹامنز کی کمی ہے اور کبھی کسی کو Calcium کی کمی ہوتی ہے اور کیلشیم کیا ہے چونا تو ہے، تو جو پتھر اور مٹی کا انسان ہو، تو کیا کھلاتے ہیں، چونا مٹی ہی کھلاتے ہیں، انبیاء علیہم السلام آکر کہتے ہیں کہ دیکھ! یہ وٹامنز تو کھلاتے ہو، لیکن جو روح لائے اسکو بھی کچھ وٹامنز کھلا دو، کہ وہ بھی کچھ زندہ تو رہے، اور روح کے وٹامنز کیا ہیں اللہ کے احکام۔

غداری کا ارتکاب

ہم آئے تھے کس لئے اللہ کے احکام پر اپنی زندگی گزارنے کیلئے، حضور ﷺ کے طریقے کو چالو کرنے کیلئے۔ لیکن ہم نے کیا کیا، غیروں کے طریقے اپنائے اور ان میں اپنی کامیابی سمجھنے لگے، دیکھو! ایک فوج ہے، وہ بھیجی جاتی ہے کہ وہ آنے والے دستے کو ہٹا دیں، اب یہاں آکر ان کو چمکتا دمکتا نظر آتا ہے تو کہتے ہیں کہ ان سے لڑیں کیا، بلکہ جاکر اُن سے مل لیں، کمانڈر ان کو خط لکھتا ہے اور پھر جاکر اُن سے مل لیتے ہیں، تو ایسے لوگوں کو آپ کیا کہیں گے؟ غدار اور باغی۔ تو اللہ نے ہمیں پیدا کیا، اور اپنا سپاہی بنایا، اور ہم نے کیا کیا، کہ لے لو اپنی وردی، لے لو اپنی بندوق، ہم ترقی یافتہ قوموں میں داخل ہو گئے، ہم تو ہو گئے تیس مار خان، وہ لوگ جن کے متعلق قرآن نے فرمایا۔

وَ لَنۡ تَرۡضٰی عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ۔ (اور یہود اور نصاریٰ تجھ سے تبتک راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کے دین کو اختیار نہ کریں۔) تو ہمارے پروفیسر تھے، تو جو ملکہ آئی تو کہا کہ جب ایسی ملکہ آئی، جسکے ملک میں کسی زمانے میں سورج بھی نہیں ڈوبتا تھا اور ان کی بولی میں تو اب نہ ڈوبے۔ تو کیا کہا کہ یہاں بھی خدا ہے اور وہاں بھی خدا، تو چلو انکے ساتھ، یہاں گرجا میں بھی داخل ہو جائیں، اور پھر بڑے فخر سے ہم کو سنایا، کہ میں نے ملکہ کے ساتھ بندگی کی تو یہ ناسور جو آتا ہے تو پہلے تھوڑا تھوڑا آتا ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے بڑھ کے

داڑھیوں کی طرح پھیلتا ہے، تو یہ کفر جو آتا ہے، کیسے آتا ہے؟ پہلے نہایت چاپلوسی کے ساتھ ملتا ہے، ہاتھ ملاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہیں اخلاق والے، ارے! کفر والوں میں بھی اخلاق ہوتے ہیں؟

ایک ڈاکٹر صاحب تھے، تمام لوگوں کو اکٹھا کیا اور پھر کہا کہ بڑا خوش ہوا کہ ملا سے تقریر نہیں سنی، بلکہ اپنے طبقے ہی کے آدمی سے بات سنی، کہا کہ میں کراچی میں پی۔ڈی۔ آئی ہوں، تو کیا ہوتا ہے اور جب آپس میں مل جاتے ہیں تو کیا کہتے ہیں۔"Very glad to see you"

نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن تو کیا حاجت گلگونہ فروش

اور پھر کیا کہا؟ فوراً نشتر مارا، کہا، چاہتا ہوں کہ میں عیسائی ہو جاؤں، تو میں نے کہا کیوں؟ کہا کہ میں جب یورپ گیا تو وہاں بیمار پڑ گیا، تو اگر یہاں ہوتا تو لوگ ایسی خدمت نہ کرتے جیسے کہ ان لوگوں نے خدمت کی، پھل لائے اور پھر لٹریچر بھی دیا جسکو میں اپنے فارغ اوقات میں پڑھتا تھا تو میں نے کہا کہ یہ خدمت ہوئی کہ رشوت ہوئی، یہ سن کر وہ بہت سٹ پٹایا، تو کیا ہو گا، پہلے انکے اخلاق کی تعریف کرو گے، اور پھر بڑھتے بڑھتے انکے پورے نقشوں پر جا پڑو گے اور پھر کیا ہو گا کہ وہی وقت کلب کا ہو گا اور وہی وقت نماز کا، وہی وقت ڈنر اور لنچ کا اور وہی وقت نماز کا، جیسے کہ ہمارے ایک پروفیسر کا گھر مسجد کے قریب پڑتا ہے تو وہاں کیا ہے؟ جس وقت وہ لیٹتے ہیں تو اوپر سے صبح کی اذان ہوتی ہے تو کیا کہتے ہیں، نیند خراب کرتے ہیں تو بھائی تکون میں مربع نہیں سماسکے اور منحنی خط پر خط مستقیم کیسے آئے؟ تو دین مستقیم لادینی پر کیسے ٹھیک بیٹھے۔

معاش میں انہماک

دیکھو! کسی کے پاس حضور ﷺ سے بہتر آیا، کسی کو قرآن جیسی کتاب دی گئی؟ نہیں۔ اب کیا ہوا کہ ہماری زبانوں پر باتیں بھی غیروں کی ہیں۔ اور ہمارے اعمال بھی غیروں

کے طرز پر۔ اپنے دین کو تازہ کرو، اپنے ایمان کو تازہ کرو، ہم تم کو دنیا سے نہیں روکتے دنیا کا جوتا بھی پہنو، لیکن کپڑے اور ٹوپی نہ اُتارو۔ ایسا نہ ہو کہ نئی تعلیم کی وجہ سے وہ اقبال کے بقول:

رفتم کہ خار از پا کشم منزل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور گشت

(پاؤں سے کانٹا نکالنے کے لیے ٹھہرا تو قافلہ نظر سے غائب ہوا۔ ایک لحظہ کے غفلت سے سو سال کا راستہ طویل ہوا۔)

میرے پاؤں میں کانٹا چبھا کسی چیز کا، معاش کا، پیٹ کے بھرنے کا، تو اُس نے ایسے مشغول رکھا کہ سب کچھ بھول گیا، دوستو! کہیں یہ تعلیم تم کو خدا سے غافل نہ کردے انجینئر بنتے ہو تو خدا والے انجینئر بنو، ڈاکٹر بنتے ہو تو خدا والے بنو، اور اگر لیکچر والے بنتے ہو تو خدا والے بنو۔ اگر آپ نے عمرانی علوم (Humanities) پڑھنی ہیں، تو اُس نظریے سے پڑھو کہ خدا والے ہو جاؤ، دوستو! اگر ایک بات کہوں تو شاید آپ سب میری تردید نہیں کرینگے کہ سب کو مرنا ہے۔ ہے کوئی جو اسکی تردید کرے اور یہ موت کیا ہے؟ کہ جب آجائے تو اتنی بھی طاقت نہ ہوگی کہ خود جا کر اپنے قبر میں لیٹ جائیں۔ تم تو نمبر 1 ہاسٹل والے بنو، تو نمبر ون آنا چاہیے اور دیکھو ایک ہوتا ہے فرسٹ ڈویژن اور ایک ہوتا ہے سیکنڈ اور ایم۔ اے میں فرسٹ ڈویژن 420 (چار سو بیس) نمبرات سے شروع ہوتا ہے تو اگر میں کہوں کہ چار سو بیس نمبرات دے دوں تو کہو کہ یہ تو اچھے نہیں، لیکن جو کہوں کہ 419 (چار سو انیس) دوں تو کہو کہ نہیں، بلکہ چار سو بیس منظور ہیں، لیکن سیکنڈ ڈویژن منظور نہیں، تو اب سب لوگوں کا تقاضا کیا ہے کہ وہاں ڈائیننگ لگ رہا ہے اور یہاں آپ کا دل پلیٹ میں پڑ رہا ہے اور اگر تم مسجد میں بیٹھ کر ”قل ھو اللہ“ پڑھو تو آنتیں خوب ”قل ھو اللہ“ پڑھینگی، تو جب یہ دنیا کا کھانا بھی بغیر محنت کے نہیں آتا، تو یہ دین کا کام کیسے آجائے، دوستو! اس دین کے سیکھنے کیلئے کچھ وقت لگالو، تو ارادہ کرو

کہ جیسے ہم نے اس پیٹ کے علم کے سیکھنے کیلئے سولہ، سترہ سال لگا لیے تو اسی طرح ہفتے کے ایک سو اڑسٹھ گھنٹوں میں چر اسی واں حصہ یعنی دو گھنٹے لگالو، اور تم نوجوان ہو اور جوان وہ ہوتا ہے کہ زمین میں پاؤں مارے تو چشمے نکل آئیں:

ہزار چشمہ تیرے سنگ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضرب کلیم پیدا کر

دین اور ایثار

ایگریکلچر کالج پشاور یونیورسٹی(1 نومبر 1963ء بروز جمعہ)

عزیزو اور دوستو! انسان کی فضیلت جیسے کہ میں نے پچھلی دفعہ عرض کیا، صرف اس بنا پر نہیں، کہ وہ اس دنیا میں آیا ہے اور ایک رُخ پر آکر اپنی زندگی گزارتا ہے بلکہ اسکی فضیلت اُن اعمال، اخلاق اور نظریات پر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ چرندے پرندے یہاں آتے ہیں، اور زندگی کے لمحات گزار کر چلے جاتے ہیں۔ صرف انسان ایسا ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ خیر کی راہ کو اختیار کرے یا شر کی۔ اب انسان عبارت ہے اُن اعمال اور عقائد کا جو کہ اُسکے دل و دماغ میں ہوتے ہیں، اگر ایک شخص مالدار ہے اور ایک خاص طریقہ اختیار کرتا ہے اور اگر مال اُس سے چُھوٹ جائے تو اسکا حوصلہ ٹوٹ جاتا ہے، تو یوں کہیے کہ انسان کی وہ زندگی اسکے خاص جواہرات اور خصائل پر نہیں بلکہ اسکی بنیاد مال پر اُٹھائی گئی، اسی طرح جتنی بھی خارجی چیزیں ہیں، ایک شخص ہے جس کے ہاتھ میں حکومت ہے تو وہ اچھی طرح زندگی گزارتا ہے اور اگر حکومت ہاتھ سے نکل جائے، تو زندگی کے خاکے سے نکل جاتا ہے، اسی طرح ایک فقیر ہے وہ یوں سمجھتا ہے کہ مال آئے تاکہ معیار زندگی بلند ہو، بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ مال آجائے چاہے چوری سے آجائے رشوت سے آجائے میری زندگی بنے گی مال کے آنے سے۔ انسان یوں سمجھتا ہے کہ باہر والی چیزیں ہونگی تو میری زندگی ٹھیک گزرے گی، یہ اُن تمام لوگوں کا نظریہ ہے جنکا تعلق خدا سے نہ ہو۔

انبیاء علیہم السلام آتے ہیں، اور ایک خاص نظریے کو پیش کرتے ہیں، وہ انسان کو یوں کہتے ہیں، کہ تمہاری زندگی چیزوں سے نہیں بنتی، اگر تم اتنے غریب ہو کہ پیٹ پر کھانے کی وجہ سے پتھر باندھے ہوئے ہو، لیکن تم یوں سمجھو کہ خدا سے میری ترقی ہوگی، انسان اپنے اخلاق کو اس معیار پر لے آئے کہ خود فاقہ کرے اوروں کو کھلائے فقیری کی حالت میں

انسان کا بن جانا، مکی زندگی میں جب قریش نے بائیکاٹ کیا تو مسلمان شعب ابو طالب میں تین سال تک محصور رہے اور اس زمانے میں انکو انتہائی سختیاں برداشت کرنی پڑیں، لیکن اپنی بات سے پیچھے ہٹے نہیں، ہمارے اخلاق کی بنیاد ہمارے مال پر آجائے، بھئی ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں فلاں سے کہینگے، انبیاء علیہم السلام یہ نہیں کہتے کہ باہر والی چیزوں سے ہماری زندگی بنتی ہے، ہمارا بنانا ہمارا بگاڑنا ہماری ہر چیز اللہ کے اختیار میں ہے اگر میں اپنی زندگی کو صحیح رُخ پر لے آؤنگا، مجھ میں خدمت گزاری کے جذبات ہوں، میرے دل میں ایثار کا جذبہ ہو، آپ نے دیکھا ہوگا کہ مال کے ہوتے ہوئے انسان نوکروں کی طرح پھرے، اور یوں کم دیکھا ہوگا کہ خود تو بھوکا رہے اور دوسروں کو کھلائے، مدینہ کے ابتدائی دور میں ایک موقع ایسا بھی آیا ہے کہ جب نماز لمبی پڑھادی جاتی تھی، تو فاقہ کی وجہ سے لوگ گر پڑتے تھے، لیکن انکی زبانوں پر شکایت نہیں تھی، بلکہ کوشش یہی تھی کہ ہمارے اخلاق درست ہو جائیں۔ ایک دفعہ مہمان آگئے تو سیدنا حضرت محمد ﷺ نے ابو طلحہؓ کو کہا کہ ایک تم لے جاؤ، تو آتے ہیں گھر میں، بیوی سے پوچھتے ہیں، کہ کچھ کھانا ہے، وہ کہتی ہے کہ اتنا ہے کہ بچے کھا جائیں، اور میرا اور تمہارا گزارہ نہیں ہو سکتا، اب بچوں کو کسی بہانے سے سلاتے ہیں اور بتی بجھا کر مہمان کو کھلاتے ہیں، اور خود دونوں کا فاقہ ہے تو قرآن کی آیت اُترتی ہے۔

”وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ“۔(اور وہ اوروں کو اپنے اُوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود تنگی کی حالت میں ہوں۔) اسی طرح یرموک کا واقعہ ہے، کہ ایک آدمی جانکنی کی حالت میں اور پیاسا ہے اسکا چچازاد اُسے پانی پلانے آتا ہے، اب پاس ایک دوسرا آدمی بھی پیاس سے بیتاب ہے، تو وہ پہلا آدمی خود کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اتنے میں ایک تیسرے صاحب نے آہ کی تو دوسرے آدمی ھشام نے خود کو چھوڑ کر اُسکی طرف پانی لے جانے کا اشارہ کیا۔ جب اسکی طرف آتے ہیں تو وہ دم توڑ دیتا ہے، یہی

حالت دوسرے کی اور پہلے والے شخص کی ہوتی ہے تو ایثار کا یہی جذبہ ہے کہ مرتے دم بھی خود پر اپنے مسلمان بھائی کو ترجیح دیتا ہے۔ تو جو اخلاق اس معیار پر آتے ہیں، کہ اپنے تقاضوں کو دوسروں پر قربان کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم اچھے ہیں تو پورا عالم اچھا ہو جائے، اخلاق والا اکیلا اگر اخلاق کے اعلیٰ معیار پر قائم ہو اس کا ضمیر بنا ہوا ہوتا ہے، ظاہر میں کوئی کیسا بھی رویہ رکھے لیکن وہ مطمئن ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور کہتے ہیں، دو چیزیں اختیار کرو، تم خدا کے بندے ہو اور خدا کے ساتھ تعلق جوڑو۔ وہ غنی ہے وہ تم سے کچھ نہیں مانگتا، بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ تمہاری اپنی زندگی بن جائے، مولانا روم نے فرمایا ہے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تابر بندگان جودے کنم

(اللہ نے دنیا اپنے فائدے کے لیے پیدا نہیں بلکہ اپنے بندوں کو اپنے جود وسخا سے فائدہ اُٹھانے کے لیے پیدا کی ہے۔)

میں نے مخلوق کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ بندگی کرینگے تو میری خدائی میں زیادتی ہو جائے گی، بلکہ تمہارے جو جوہرات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ودیعت کیے ہوئے ہیں، انکو استعمال کر کے اللہ کی کرم نوازی کا حقدار بنیں، اور اگر انکو استعمال نہ کریں بلکہ یوں ہی ضائع کریں تو بات یہ ہو جائے گی۔

ے یہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

دیکھو! ایک درخت کا بیج ہے اُس میں تمام صلاحیتیں موجود ہیں، لیکن تم اسکو زمین میں بوتے نہیں، زمین میں ڈال دیتے، تو اُسکے پھلوں سے مخلوق فائدہ اٹھاسکتی تھی، لیکن اگر تم بوتے نہیں، تو اسکی صلاحیت ضائع ہو جائے گی، اسی طرح انسان نے اپنے اندر کی صلاحیتوں کو

استعمال نہیں کیا، اور بندگی کی راہ پر نہ چلا تو ناکامی کا سامنا ہو گا۔ اگر تم خدا کی راہ پر چلے تو تم میں ایثار کا جذبہ پیدا ہو گا، کسی کے اوپر بوجھ نہ بنو، تم خدا کی صفت والے بنو، وہ لیتا نہیں دیتا ہے، لوگوں کے ساتھ تمہارا معاملہ حسن اخلاق کا ہو، حسن معاشرت کا ہو، انبیاء علیہم السلام دو چیزیں لے کر آتے ہیں، ایک خدا کے حقوق کی ادائیگی اور ایک بندوں کے حقوق کی ادائیگی، تمہارے اخلاق میں یہ جھلک آجائے، اللہ ہم سب مسلمانوں کو اُس اُسوہ حسنہ پر لے آئے کہ خدا کے ساتھ ایسے شاغل کہ گویا کسی کو پہچانتا نہیں اور مخلوق میں ایسے ملے کہ وہ سمجھیں کہ یہ ہم میں سے ایک ہے۔

نسبت اور کرامت

نجی مجلس در دولت خانۂ خویش (2 نومبر 1963ء بروزِ ہفتہ بعد از نمازِ مغرب)

نسبت اور مناسبت

وہ مشائخ جن کی نسبتیں جامع ہوتی ہیں اور میں صرف چار نسبتوں کا نہیں کہتا بلکہ اِن نسبتوں کے علاوہ کئی اور نسبتیں بھی القا ہوتی ہیں تو جیسے شیخ مختلف رنگوں کا حامل ہے تو یہ ضروری نہیں کہ تمام مریدوں کو ایک ہی رنگ ملے بلکہ ہر ایک کو اپنے رنگ کی چیز ملتی ہے۔ کوئی چشتی نسبت کو لیتا ہے، کوئی قادری پر آجاتا ہے اور کوئی سہروردیہ طریق پر ہوتا ہے۔ ان نسبتوں کا فیضان جو ہے طالبین کے استعدادوں کے بقدر ہر ہر طالب پر القا کریں گے اور اُس کو اس رُخ کی نسبت نصیب ہوگی جیسے کہ اللہ نے اُس میں استعداد رکھی ہے جیسے بطخ وغیرہ کے انڈے اگر مرغی کے نیچے رکھو تو ہر ایک اپنی اصل پر جاتا ہے تو اسی طرح جس میں جو نسبت ہو تو شیخ کے واسطہ سے ملتا ہے لیکن ملتی ہے وہ نسبت جس سے مناسبت ہو لیکن جب بے واسطہ القا ہو جاتا ہے اور مستقیم ہو جاتا ہے۔ نیکی ہونا فطرت بن جاتا ہے تو اسے کہیں کہ کامل ہو گیا جیسے کہ بچہ ہوتا ہے اور پھر باپ بن جاتا ہے۔

نسبت خاصہ

تو نسبت خاصہ جو خداوند کریم کی ذات سے اُترتی ہے وہ دِلوں کو جوڑ لیتی ہے اور ہر وقت خداوند کریم سے خاص نسبت نصیب ہو جاتی ہے۔ اندر میں دھیان اللہ میاں کی طرف لگا رہے اور ظاہر میں سنت کی طرف رُغبت بڑھتی چلی جائے۔ زندگی اللہ والا اور طریقہ حضرت محمد ﷺ والا ہو۔ اب یہ خداوند قدوس کا کام ہے کہ تمہاری تربیت فرمائے۔ اگر چاہے تو تم پر وہ علوم جاری فرمائے جو کہ عام کتابوں میں نہیں ہیں۔ دین کے اسرار تم پر ظاہر ہونے لگیں۔

تم ذریعہ ٔہدایت بن جاؤ۔ ایسا ذریعہ بن جاؤ جو اللہ کے لیے ہو اور خیر والے کاموں کو کرتے چلے جاؤ۔ اب اس مقام پر فائز ہونے کے بعد ایک طبقے کو تکوینی اُمور پر فائز کر لیتا ہے اور ایک کو ہدایت والی چیزوں پر ڈال لیتا ہے اور اُن سے ہدایت کو فروغ بخشتا ہے۔ اب جو طبقہ ہدایت پر آ گیا تو جو علوم اُن پر القا ہو جائیں گے۔ وہ ہدایت کلی سے متعلق ہوں گی، جزوی ہدایات اُن کے اندر ہی ہوں گی، کلی سے مراد یہ کہ انبیاء علیہم السلام جو ہدایت لیکر آتے ہیں وہ جسم سے روح سے ہی متعلق ہوتے ہیں۔ زندگی کے جزو کل کے متعلق ان کو القا کیا جائے وہ اس کو حضور ﷺ کے نائب کی حیثیت سے آپ والے علوم کی توضیح اور وضاحت کریں گے۔ تاثر خود پیدا کریں گے، اثر خود ڈالیں گے جیسے دریا ہوتا ہے، کوئی اس کے لیے راستہ نہیں بناتا خود چلتا ہے۔ اس طرح اللہ کی ذات جس کو ہدایت کا دریا بنانا چاہتی ہے، اُن کے لیے خود راستہ بناتی ہے، اُن پر اُن علوم کا ورود ہوتا ہے جو نبی والی نسبت کے ہوتے ہیں۔

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

(اپنے اندر انبیاء علیہم السلام والے علوم کو پاؤ گے بغیر کتاب، مددگار اور استاد کے۔)

کرامت کیا ہے؟

انبیاء والے علوم کے انوارات کو بغیر استاد، مددگار کے اپنے اندر پانا شروع کرو گے، اللہ کے فیض سے علوم آنا شروع ہوں گے جیسے کسی کو آئینہ سامنے ہو تو اسی طرح نبوت کے سینے سے علوم آئیں گے۔ حضور ﷺ کو جو علوم دیے گئے، پوری کی پوری مخلوق جمع ہو جائے تو بھی ان کو نہیں لے سکتی۔ اب ہر ایک کی طاقت اور ظرف کے بقدر اللہ تعالیٰ اُن علوم کا انعکاس کرتے ہیں۔ اب یہ علوم نرے علوم نہیں ہوتے بلکہ یہ علوم انوارات کے حامل ہوتے ہیں۔

نری معلومات نہیں ہوتیں بلکہ تمہارے رُخوں کو اللہ کی طرف پھیر دیں گے اور اُن والے اعمال کو نکالیں گے جو اللہ والے اعمال ہوتے ہیں۔ اگر تم علوم کو تو بیان کرتے ہو اور تمہارا اندر نہیں بنتا تو اس کو استدراج کہیں گے، کرامت نہیں کہیں گے۔ اب عام لوگ عرف میں جن چیزوں کو کرامت کہتے ہیں مثلاً غیر موجود چیز موجود ہو جائے، مُردہ زندہ ہو جائے اور دِلوں کے زندہ ہونے اور علوم کی آمد کو کرامت نہ سمجھیں لیکن محققین کے نزدیک یہ علوم جو کتاب و سنت کے خلاف نہ ہوں اور کتابوں میں نہ پائے جائیں تو یہ خود اپنے مقام پر کرامت ہے۔ کوئی حضرت جنیدؒ کی خدمت میں رہا، کافی عرصے تک اور کہا کہ ہم نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی تو فرمایا کہ کوئی بات خلافِ سنت بھی دیکھ لی۔ کہا: "نہیں"۔ فرمایا: کہ "ہمارے لیے بس یہی کرامت ہے"۔ وہ کہتے ہیں: الاستقامة فوق الکرامة۔

خیر الاُمم ہونے کی وجہ

ایگریکلچر کالج ہاسٹل نمبر 6(6 نومبر 1963ء بروز بدھ از نماز مغرب)

عزیزو اور دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد ﷺ کی برکت سے ہمیں وہ چیزیں عطا فرمائی ہیں جو کسی اور امت کو نہیں دی گئی ہیں، ہمارے آقا انبیاء علیہم السلام کے سردار ہیں، مخلوقات میں سب سے اشرف، اعلیٰ اور افضل ہیں، اب جو سب سے اشرف اور اعلیٰ ہو گا اور خدا کی محبوبیت کا تاج سر پر رکھے ہوئے ہو گا، اُسے جو امت دی جائے گی، جو لوگ دیئے جائینگے، کھلی بات ہے جو بڑا ہوتا ہے اُسکو جو لوگ دیئے جاتے ہیں، وہ بھی بڑے ہوتے ہیں، ہم جو نماز میں کہتے ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے، اب ہم یوں کہیں کہ خدا کے بعد سب سے بڑی ذات جو ہے وہ حضور ﷺ والی ہے کہنے والوں نے کہا۔

لا یمکن الثنا کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

(حضور ﷺ کی ایسی تعریف جو کہ اسکے شان کے مناسب تو ہو نہیں سکتی البتہ مختصراً یہ کہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق کے سبسے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔)

مختصر بات یہ ہے کہ خدا کے بعد آپ سب سے زیادہ بزرگ ہیں، اب انہیں جو امت دی گئی وہ بھی سب سے بزرگ اور برتر ہے۔ قرآن میں بھی آیا:[53]

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (آل عمران ۱۱۰:۳)

اسی طرح اس امت کی صفات بتائی ہیں، اب کسی کو بڑا ایسے تو نہیں بنایا جاتا، اُس

[53]۔ علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ یقول: قال رسول اللہ ﷺ: اعطیتُ مالم یعط أحداً من الانبیاء۔۔۔وجعلت أُمتی خیر الامم۔ (تفسیر ابن کثیر ج اول ص۳۹۱ تفرد به أحمد من الوجه و اسناده حسن)

میں کچھ خوبیاں ہوتی ہیں وہ اندھیر نگری اور چوپٹ راج تو نہیں ہوتا ہے۔ خداوند قدوس حاکم ہیں لیکن حکیم بھی ہیں، جو کچھ فرماتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں، حکمت اسکی طرف پھرتی ہے اس لحاظ سے ہمارے آقا کو اللہ تعالیٰ نے افضل الرسل بنایا تو کچھ تو باتیں ہونگی، جس کی بنا پر خداوند قدوس نے سب میں آپ کو چنا اور پھر عام لوگوں میں نہیں چُنا، بلکہ خاص الخاص لوگوں میں یعنی انبیاء علیہم السلام کے گروہ میں چُنا، اب گدھا بھی حیوان ہے اور انسان بھی حیوان ہے، اب گدھا کہے میں بھی حیوان اور انسان بھی حیوان تو دونوں برابر ہیں، تو ہم کہیں کہ گدھے تو حقیقی گدھا ہے اس لیے یہ بات بھی خداوند قدوس کیلئے کوئی مشکل نہ تھی، کہ خروشیف بناتے یا کینیڈی بناتے اور اُن سے زیادہ گدھا کون ہوتا ہے جو خدا کو نہیں پہچانے، اس لیے قرآن نے کہا کہ چوپائے ہیں اور چوپایوں سے بھی زیادہ گرے ہوئے ہیں۔

نبی کا مقام

تو میں عرض کر رہا تھا کہ انبیاء علیہم السلام انسان تو ہوتے ہیں لیکن انکے مقابلے میں یہ زیب نہیں دیتا کہ کوئی کہے کہ وہ بھی انسان ہم بھی انسان۔ انبیاء علیہم السلام اُس مقام پر فائز ہوتے ہیں، جہاں ہماری عقل کام نہیں دیتی، بلکہ انکے مدارج وہاں سے شروع ہوتے ہیں، جہاں انسانی عقل کی انتہا ہو، وہاں ابتدا ہوتی ہے نبوت کی، تو نبوت جو ہے وہ انتہائی اونچا مقام ہے، اور نبی جو ہوتا ہے وہ خصوصی خاکوں کے بنانے پر ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: ''واصطنعتك لنفسی'' اُنکو نہ اپنے خاکوں پر تولا کرو، نہ ناپا کرو، آجکل ہمارے پگلے کہتے ہیں، کہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے اور فلاں مفکر بھی یوں کہتا ہے اچھا ہے لیکن فلان گدھا کون ہے جس کی بات سے حضور ﷺ کی تائید ہو۔ نبوت اتنا اونچا مقام ہے کہ غیر نبی اسکا تصور نہیں کر سکتے، ایک آدمی ہو اُس نے شادی کی ہو، اب ایک بچہ آکر اُسے شادی کا مزہ بتا سکتے ہیں، اب ایک چھوٹا دودھ پیتا بچہ ہو تو اُسے آپ مرغ کا مزہ بتا سکتے ہیں، اور اگر کھلاؤ تو پھر

قبرستان میں جا پڑے گا۔

تو مدعا یہ تھا کہ ایک انسان دوسرے سے دَس بارہ سال بڑھ جائے، تو ان میں بھی فرق ہوتا ہے، تو نبی اور غیر نبی میں کتنا فرق ہو گا وہ تو جبرئیل سے بھی بڑے ہیں، اب جبرئیل فرشتہ ہے اسکے چھ سو پر اور ایک پر اس دنیا میں سما سکتا ہے اب جو سب سے بڑا فرشتہ ہے، نبی کے سامنے اسکی روحانیت کھل جاتی ہے، ہمارے ہاں تو چیونٹی کی بھی روحانیت نہیں۔ لیکن ہائے دوستو! جب انسان عقل سے بے بہرہ ہو جاتا ہے، تو اُسے کچھ نظر نہ آئے، اور جو حقیقت کو جانتے ہیں، چیونٹیاں اُن سے باتیں بھی کرتی ہیں، اور میں اپنی طرف سے نہیں کہتا، بلکہ قرآن یوں کہتا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آرہا تھا تو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ اپنے بلوں میں جلدی جلدی گھس جاؤ، کہ کہیں تم کو حضرت سلیمان علیہ السلام اور اُسکا لشکر روند نہ ڈالیں، اب حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو سنا، تو تبسم فرمایا، تو کیوں یوں فرمایا، میرے ذہن میں ایک بات ہے کہ ہر قوم اپنی قوم کے بچاؤ کی صورت کر لیتی ہے، تو جب اس چیونٹی نے اپنی قوم کے بچاؤ کی صورت کی، تو اللہ تعالیٰ نے اُسکو ایسا نوازا کہ تلاست کے وقت اسکا نام لیں تو چالیس نیکیاں ملیں، تو جب چیونٹی اپنی قوم سے بھلائی کی بات کرے تو اللہ کو اتنا پیار آئے اور اگر تم اپنے ساتھیوں کو یوں کہو، کہ دیکھو! کہیں شیطان اور اسکا لشکر تمہیں روند نہ ڈالے تو اس کی کوئی قدر نہ ہو۔

دیکھو! دین والی زندگی کو اختیار کرو، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو لو، اور اللہ اور اللہ کے رسول کے گھر میں داخل ہو جاؤ، تو حقیقتاً تو اللہ کا گھر مسجد حرام ہے، لیکن معنی میں یہ بھی ہے اور نوح علیہ السلام نے فرمایا: ''رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مؤمناً وللمؤمنین والمؤمنات''۔(نوح ۷۱:۲۸) تو اگر تم اپنے ساتھیوں کو کہو، کہ شیطان کے حملے سے بچ کر نبی والے گھر میں داخل ہو جاؤ تو کیا خدا کو تم پر پیار نہیں آئے گا۔ قیامت کے دن تم کو عرش سے

نہیں پکارے گا، اگر تم یوں کہو کہ کفر اور شیطان کا لشکر بڑھ رہا ہے اور اُنکا مدعا یہ ہے کہ تم تمام کو اپنے لشکر کے ساتھ جہنم لے جائے تم تو شیطان کے داؤں کو جانتے ہو اور اگر نہیں جانتے، تو ہم بتاتے ہیں۔

شیطان کا مکر و فریب

شیطان کا ٹولہ جیسے فرد فرد کو گھیر لیتا ہے، اسی طرح پوری کی پوری قوم کا بھی محاصرہ کر کے سمیٹ لیتا ہے ''بئس الورد والمورود''۔(ھود۱۱:۹۸) جنگل کا ہاتھی بڑا ہوشیار ہوتا ہے، اب اسکو جو پکڑے گا، وہ بھی تو کافی ہوشیار ہو گا، تو اب اسکے لیے کیا کرتے ہیں، ایک بہت بڑا سا گڑھا کھودتے ہیں اور اس پر تختے رکھ کر گھاس سے ڈھانپ لیتے ہیں، اور پھر چند روز کیلئے رکھا، اب اس کے قریب فائرنگ کی اور جب ہاتھی اُس جگہ پر آجائے تو تختے ٹوٹ کر وہ اندر گر جاتا ہے، تو پھر رسیوں میں لپیٹ کر باندھ لیتے ہیں، اب شیطان بھی جانتا ہے کہ یہ ہاتھیوں سے کچھ کم نہیں تو وہ بھی تم کو اپنے محاصرہ میں لیکر اسکے اوپر گھاس پھوس رکھ لیتے ہیں، اور خوب مزیدار مزیدار کیاریاں ہوتی ہیں، کہ تم سمجھو کہ یہی ہی ہمارے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور جو بیٹھے تو جہنم میں دھڑام سے نیچے گر جائے۔ اب فرمایا ''حفت الجنة بالمكاره وحفت النار بالشهوات''(المشکوۃ حدیث نمبر:5160 متفق علیہ:الا عند مسلم:''حفت''بدل حجبت)(جنت کو مکارہ اور دوزخ کو شہوات سے ڈھانپا گیا) اب نماز کیلئے چلو تو جی میں کراہت ہو گی اور سینما چلو تو آسانی سے چلیں گے، اسی طرح جہنم نفس اور خواہش کی دو لاٹھیوں پر چلتا ہے۔ اور جس طرح کہ ہاتھی کو ڈرا دھمکا کر گڑھے پر پہنچایا جاتا ہے اسی طرح شیطان ہم کو خواہشات کے ذریعے جہنم کے گڑھے میں پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

شیطانی نسل کی دو قسمیں

شیطان اور اس کی ذریت: اور شیطان کی دو قسم کی نسل ہے، ایک اُسکی اصل اولاد

ہے تو الد کے ذریعے اور ایک اسکی معنوی اولاد ہے جو کہ اسکے حکم پر چل چل کر اُسکی معنوی اولاد بن گئی، شیٰطین الجن والانس اور آخری صورت میں جو سوفیصد شیطانی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو یہ کون لوگ ہوتے ہیں، وہ ہوتے ہیں جو شیطان کے خاکے کو اپنائے، اُسکا لبادہ اوڑھیں، وہ بھی شیطان بن جاتے ہیں، چاہے وہ یورپ والے ہوں چاہے امریکہ والے ہوں، اور جو کچھ بھی ہوں اُن کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ پوری کی پوری قومیں قابو میں آئیں، تو بہت اچھا اور قومیں نہ آئیں تو فرد فرد کو کھینچ کر جہنم کے گھڑے میں پہنچانا چاہتے ہیں اور یہ ایک ایسی جگہ ہے، جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے، یوں آتا ہے کہ جہنم کی آتش جو جھلسا دینے والی ہے، ستر سال کی مسافت پر پہنچے تو اتنی سخت جگہ جس کا آج ہم تصور نہیں کر سکتے لیکن یہ تمام شیطان اور اس کے حواری ہم کو اس میں لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دِلوں کی فتح

تو اب وہ لوگ جو کہ لوگوں کو اس جہنم کی آگ سے بچائے، تو کیا یہ اُس چیونٹی سے کم ہوں گے، قوم تو بڑی بات ہے لیکن اگر ایک شخص کو بھی بچالے، اس چیونٹی سے بڑی بات ہے، حضور ﷺ نے فتح خیبر کے وقت علیؓ کو جھنڈا دیا، فرمایا: پہلے انکو دعوت دینا اور اگر وہ راہ پر آجائیں تو تمہارے لیے یہ فتح سے زیادہ بہتر ہے، فتح دل فتح ملک سے اچھی ہے، دلوں کو مسخر کریں گے ایمان کی راہوں سے، اس کو ایمان پر ڈال دوگے تو یہ فتح خیبر سے زیادہ ہے، شہاب الدین غوری کو تو جانتے ہو، اس کی قبر معلوم ہے، نہیں۔ اسی طرح بہت سارے بادشاہ آگے پیچھے گزرے، اچھا اب اُسکی بادشاہی کا فائدہ کسی دوسرے کو پہنچتا ہے، اور اُسکے ساتھ ایک دوسرے آئے۔ نام جانتے ہو، معین الدین اجمیریؒ انہوں نے دہلی میں تخت بچھایا، اور اجمیر میں جھنڈا گاڑ دیا، اور دلوں کو اللہ کی طرف لوٹانا شروع کیا، اور آج بھی لوگ کہتے ہیں کہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اُنکی فتح اب بھی جاری ہے۔ لیکن کوئی نہیں پوچھتا کہ غوری

کون تھے، میں یہ نہیں کہتا کہ انکی فتح غیر معمولی ہے، بلکہ وہ بھی بہت بڑی ہے، لیکن دلوں کی فتح اور چیز ہے، یہ وہ فتح ہے، جسکے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا: ”یہ وہ فتح ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ قیمتی ہے“۔

دیکھو! میں بات کر رہا تھا، فضیلت نبوت پر اور اس امت کی فضیلت پر، نبی بہت اونچا ہوتا ہے اور اسکا کام بھی بہت اونچا ہوتا ہے، اور پھر ان میں ہمارے نبی ﷺ بہت بڑا نبی جو کچھ تمام نبیوں علیہم السلام کو دیا سب کو اکٹھا کر کے حضور ﷺ کو دیا، اور اسکے سوا بھی دیا، اب اس وقت کوئی نبی آئے تو حضور ﷺ کے طریقہ کار کی پیروی کے بغیر چارہ نہیں، اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ بادشاہ تو اونچا ہو، اور درباری اور حواری ایسے ویسے ہوں، تو اس امت کے لوگ تو حضور ﷺ کے حواری ہیں، اگر اُڑنا کمال ہے تو چمگادڑ بھی اڑتی ہے۔

دعوت کی فضیلت

اب دوستو! تم جس کام کیلئے پیدا کیے گئے ہو، وہ کام یہ ہے کہ ” کنتم خیر امة أُخرجت للناس“ اب فتح تو یہ بھی ہے کہ امریکہ سے دودھ کے بند ڈبے اور پرانے کوٹ منگالو، اور تقسیم کر و یہ بھی ثواب کا کام ہے لیکن دیکھو! ایک وہ عمل ہوتا ہے جو چند منٹ کیلئے باقی رہتا ہے اور ایک وہ عمل ہوتا ہے جو ہمیشہ کیلئے باقی رہتا ہے، اب وہ اچھا جو چند منٹ کیلئے باقی ہو یا وہ اچھا جو کہ ہمیشہ کیلئے باقی ہو، کونسی چیز اچھی ہوگی۔ صدقہ جاریہ کا نام سنا ہوگا۔ وہ کسی نے کہا۔

نام مطلوب ہے تو فیض کے اسباب بنا
پُل بنا چاہ بنا مسجد و تالاب بنا

اب مسجدیں کتنی عمر تک باقی ہونگی اور میں یہ نہیں کہتا کہ مسجد باقی نہ رہے، خدا کے نزدیک اسکی حقیقت تو نہیں جاتی لیکن اسکے برعکس ایک دوسرا عمل ہے کہ تم داعی بنو،

مثال کے طور پر فضل کریم نے مجھ کو دین کا پیغام پہنچایا اور میں مسلمان ہو گیا، اب اسلام کے اندر میں جتنا عمل کرونگا، تو میرا تمام عمل اور اس طرح اگر میں نے اللہ کے فضل سے پچاس آدمیوں کو کلمہ پڑھوایا، اور انہوں نے ہزاروں کو اور اس طرح سلسلہ چلتا رہا تو سب کے عمل کا ثواب فضل کریم کو بھی پہنچے گا، اب تم نے نماز پڑھی تو تمہیں ثواب پہنچا، اور پھر تمہارے بزرگوں اور والدین کو بھی ثواب پہنچا۔ تو فاتحہ تو دیتے ہو، تو اسکا ایک طریقہ یہ ہے کہ روٹی پکائی اور خود کھائی اور ایک یہ ہے کہ اوروں کو کھلائے اور میں یہ نہیں کہتا کہ پڑھو مت، لیکن پہلا ضرور زیادہ اونچا ہے۔

اسی طرح اگر تم دین کے کام کرو تو قیامت تک کا ثواب تمہیں ملے گا اب یہ ثواب کس جگہ سے شروع ہو گا، اس عالم میں تو ہو گا ہی، اور پھر موت کے بعد حشر اور پل صراط جو کہ پندرہ سو سال کی مسافت ہے۔ پانچ سو اُوپر اور پانچ سو ہر دونوں اطراف کو بال سے باریک اور تلوار سے تیز وہاں قدم کون سے چلیں گے، اعمال کے قدم ہوں گے، قدم درست ہوئے تو سیدھے چلیں گے اور قدم کمزور ہوئے تو نیچے گرو گے اب جو سیدھے گزر گئے تو جنت میں چلے گئے، اور وہاں کیا ہو گا کیا یہ ہو گا ایک دن تو خوب نعمتیں کھلائیں، اور پھر کیا فاقہ اور دوسرے دن لائی دال اور وہ بھی نیم پختہ، تو نعمت زحمت ہو گی، تو جنت ایسی جگہ ہے جس میں نعمتوں کی عطا ہے اور بقا بھی ہے اور رضا بھی ہے۔ اب عطا ہو گی کہ ہمیشہ اس میں بڑھوتری چلتی جائے گی، ایک وقت کا کھلانا اچھی بات ہے، لیکن ہمیشہ کھلانا بہت اعلیٰ ہے۔

تو جب ایسی بات ہے کہ ہمارے حضرت محمد ﷺ سب سے اونچے تھے، تو انکو اعمال بھی ایسے دیئے گئے جو سب سے اونچے تھے، اُنکو دِکھایا گیا کہ آخرت میں کیا ہونے والا ہے۔ تم تو زراعت پیشہ ہو، تو بتایا گیا کہ ایک جگہ ہے، اور اس میں کھیتی ہے اور میں مثال کے طور پر آپکو عرض کرتا ہوں کہ گندم بوئی جاتی ہے اور پلک جھپک میں ساری کی ساری علاقہ

کٹ جاتی ہے اور پھر جتنے بھی دانے ہیں سب کے سب بکھیر دیئے جاتے ہیں اور پھر اُگ آتے ہیں، تو وہ کھیتی پہلی کھیتی سے کتنی بڑی ہو گی، اب تم نے ایک من بیج ڈالا، اندازاًاس سے چالیس من گندم نکلے گی، اب چالیس من گندم کو سولہ سو اور اسی طرح ضرب دیتے رہو، تو جو نکلتا ہے پھر ضرب دی جاتی ہے تو حضور ﷺ نے جب یہ دیکھا تو جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو فرمایا: یہ ان لوگوں کا عمل ہے جنہوں نے اور لوگوں پر محنت کی، مثال کے طور پر میں نے کسی سے یہ کہا کہ بھائی سچ بولا کرو، اب وہ سچا ہو گیا، تو ہزاروں برائیوں سے بچ گیا۔ جیسے کہ ایک بزرگ کے ہاں ایک آدمی مرید ہو گئے، اور اُس میں بہت ساری عیب کی باتیں تھیں، اُس نے کہا کہ مجھ میں اتنی ساری برائیاں ہیں، میرا علاج کیسے ہو گا، پہلے تو اس نے کہا کہ توبہ کرو اور پھر ایک وعدہ کرو، کہ سچ کہا کرو اور جو عمل کرو وہ مجھے بتایا کرو، اب جو وہ سچ بولنے لگے، تو پھر بدکاری، خیانت اور زنا وغیرہ تمام سے بچے، اب تم جو ایمان کے عمل کو زندہ کرو گے تو اس سے زیادہ ثواب ملے گا یا نہیں، اب وسعت میں بھی کام پھیلتا جائے گا اور زمانے کے لحاظ سے بھی پھیلتا جائے گا۔

اب اس لحاظ سے دیکھو! کہ اتنا بڑا اجر ہے وہ ہمارے حضور ﷺ نے ایک مقام پر فرمایا کہ اگر تم میں سے ایک دین کی بات دوسروں تک پہنچانے کے لئے نکلے اور اپنے اوپر ایک روپیہ خرچ کرے تو سات لاکھ کا ثواب ملے گا تو اس نے کہا کہ ایسا کیوں ہو سکتا ہے کہ خود چائے کی پیالی پی گئے اور سات لاکھ کا ثواب اور کافی شاپ میں ہو تو کچھ بھی نہیں ہو گا، تو جب قیامت میں اعمال نامہ دیا جائے تو کسی جگہ حج کے ثواب ہونگے اور کسی جگہ کیا اور کسی جگہ کیا۔ اب جو کہے گا، کہ یہ اعمال تو میں نے کئے ہی نہیں، تو کہا جائے گا کہ تم نے فلاں کو نیک عمل کا حکم دیا یہ اسکا اجر ہے، یہاں اندھیر نہیں یہ تمہارے ایگریکلچر کالج کا دفتر نہیں کہ اندھیر ہو گی، اب تمام اعمال کو لینا ہے، عورتوں والے احکام کو بھی لینا ہو گا، ایک کو لے لو، تو تمام آجائینگے۔

جیسے کہ مرغی کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوتے ہیں، مزید ار مزید ار اب تم اُن چوزوں کو پکڑنا چاہو تو نہ پکڑ سکو، اور مرغی کو پکڑو، تو تمام بچے خود بخود آجائینگے۔ اسی طرح تم نیکی کے اعمال میں دعوت کو پکڑو۔ تو تمام نیکیاں تمہارے اندر آتی چلی جائینگی، تو تمہارا بڑا کام دین کا کام ہے، تاکہ تمہارا اجر بے انتہا ہو جائے، تم قبروں میں بھی سوئے، تو تمہارے اعمال ختم نہیں ہونگے، حشر میں بھی یہ ثواب ملے۔ تم ملکوں اور قوموں میں بھی جاؤ، تو وہاں سے بھی شیطان بھاگے، آج اگر تم ہمت کر کے کفر کے نرغے کو پیچھے کرلو، آپ اگر آگے بڑھ جاتے ہیں، تو کفر خود پیٹھ پھیر کر چلا جائے گا۔

تو دوستو! یہ کام کرنا چاہیے تم سب ہی کہہ لو، اب اگر میں آپ سے پوچھ لوں کہ شادی کرنی چاہیے تو اگر میرے لحاظ سے کچھ نہ کہو، لیکن جوانی کی وجہ سے ایک بیگم کو لاکر بچوں کو ساتھ لیکر پھروگے۔ تو پھر نیکیوں کی اماں کو کیوں نہیں پکڑتے، ہائے! پتھروں سے بھی پانی نکلتا ہے لیکن کیا ہو گیا کہ مسلمانوں کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔

تو دوستو! ہمت کرو، اگر زیادہ نہیں تو مرتے دم تک دین کا کام کریں، دیکھو! مرنے کا پتہ ہے، کتنے مہینے، کتنے دن اور کتنے سیکنڈز کے بعد ہو گا، تو ہم یوں کہیں کہ جب مرنا اتنا غیر یقینی ہے تو وہ کام کرو کہ وہ اس دنیا میں بھی کام آئے اور آخرت میں بھی کام آئے۔

تو جب یہ معاملہ ہے تو ارادہ تو سب ہی کرلو، دیکھو! تم سب ایمان کی حالت میں جانا چاہتے ہو، تو اس ایمان کا ایک کام تعلیم و دعوت ہے، تو اسلیے جتنے بھی تم میں سے ارادہ کرسکیں، وہ چار مہینے کے لیے چلے جائیں، میں یہ نہیں کہتا کہ پڑھائی چھوڑ کر ایسے ہی چلے جائیں، بلکہ جس طرح کہ ڈی ڈی ٹی کا سپرے کرتے ہو، سال میں ایک چلہ دین کے لیے بھی چلو، اور ایک جو ہے وہ بہت تھوڑی سی بات ہے، لیکن مول کے لحاظ سے بھاری ہے، جیسے کہ ایک طرف تو موتی رکھو، اور ایک طرف ایک بڑا پتھر، آپ کے تو فروٹ ایگزبیشن، ویجیٹیبل ایگزبیشن اور کبھی

بیلوں اور گائیوں کی بھی نمائش ہوتی ہے تاکہ تم اچھی سے اچھی چیز پہچان کر خرید سکو۔ اسی طرح ہمارے ہاں جو اجتماع ہوتا ہے اُس میں دین کے کچھ فکر مند حضرات آتے ہیں، تو یہاں کرک میں ایک اجتماع ہو رہا ہے، اسکے لئے بعض ساتھیوں نے نام لکھائے ہیں، اور اگر کچھ اور ساتھی تیار ہوں تو وہ بھی اپنا نام لکھالیں، جیسے کہ حلوائی کی دکان لگتی ہے، اب جو پسند کرے تو مٹھائی لے لے اور نہ چاہے تو نہ لے لے۔ تو اسی طرح ہمارے ہاں ایک حلوائی کی دکان ہے، تو اس طرح چکھ لو، اور جتنے بھی دن لکھا سکتے ہو تو اپنا نام لکھالو انشاء اللہ میرا ابھی ارادہ ہے میں بھی جاؤنگا، اور اگر آپ لکھنا چاہیں تو بھی لکھائیں، اسی طرح اگر میں آپکے کمرے میں جاؤں تو چائے پلاؤ گے، اور دیکھو ٹھنڈ میں آیا ہوں اس لیے اگر مٹھائی نہیں تو تین دن ہی لکھالو۔

توکل اور حضرات صحابہؓ

گنج علی خان مسجد (7 نومبر 1963ء، 8 بجے بعد از نمازِ مغرب)

عزیزو، دوستو اور بزرگو! انسان اِس دنیا میں آکر جن چیزوں کو دیکھتا ہے تو ہر چیز دو حال سے خالی نہیں یا تو انسان اس کی اچھائی اور خوبی کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھنے کی اور یا خرابی کو دیکھ کر بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب انسان کے سامنے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ایسا خاکہ ڈال رکھا ہے کہ وہ چیز جو انسان کو دلفریب اور دِلربا نظر آتی ہے اس کا دِل اس کی طرف بڑھ کر اور اس میں جاکر اَٹکتا ہے، تجارت والوں کو تجارت میں دل لبھانے والی چیزیں ہیں کہ اس میں ان کو کچھ نفع نظر آتا ہے اور جب ان کی نظروں میں خرابی آجائے، تو انسان اپنی کمائی کو اپنے علم اور اپنی محنت کی پیداوار سمجھتا ہے اللہ سے ہٹ جاتا ہے۔ وہ یوں سمجھتا ہے کہ دولت میں نفع ہے، دولت میں فائدہ ہے تو یہ کوئی بات نہیں۔ اگر یہ شخص یوں جانتا کہ اس مال سے جو کچھ مل رہا ہے، اس کے علم اور کوشش کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی تقدیر کی بنا پر مل رہا ہے تو اس کا ردّ عمل کچھ اور ہوگا۔

رزق کی کھڑکیاں

انسان کا وجود نہیں تھا کہ اللہ نے طے کیا کہ تمہیں رزق کا اِتنا حصہ ملے گا، اب یہ اللہ کا کام ہے کہ بجائے اور کھڑکیوں کے دوکان کی کھڑکی کھول دی۔ جیسے کوئی شیر کو پنجرے میں بند کر کے پانی وغیرہ پہنچاتا ہے، اب جس وقت تک انسان اس عالم ناسوتی کے پنجرے کے اندر محبوس ہے۔ انسان کو اس کا رزق پہنچتا رہے گا، چاہے وہ محنت کرے چاہے محنت نہ کرے۔ انبیاء علیہم السلام اپنی محنت کی بنیاد ایک یقین پر رکھتے ہیں اور یہ صرف الفاظ نہیں کہ آپ نے تسبیح پر پڑھ لیا لیکن کپڑا ناپتے وقت رکھ لیا، ترازو کا معاملہ آیا تو تسبیح رکھ دی، اُس وقت سوچنا یہ ہے کہ اس ترازو کی وجہ سے نہیں آئے گا، اگر اللہ نہیں چاہیں گے تو یہ اگر آ بھی گیا تو میرے لیے باعث خیر نہیں ہو گا۔

کسی نے کہا ہے:

حکمت یونانیاں را خوانده
حکمت ایمانیاں را نیز خوان

(یونان والی حکمت کو تو پڑھا ہے ذرا ایمان والی حکمت کو پڑھکر دیکھ کہ کیا اثر ہوتا ہے۔)

تو قارون کے بارے میں قرآن نے ایک بات کی اور قرآن کے مقابلے میں قرآن کی ایک بات نہیں۔ ایک حرف دنیا کے تمام کتب خانوں سے بھاری ہے، یہ اللہ کی بات ہے تو جب اُس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ اس مال میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرو تو وہ کہتا ہے ”کہ یہ مال جو مجھے دیا گیا ہے، یہ میرے علم کی بنا پر دیا گیا“۔ کافریوں سمجھتا ہے کہ مال علم اور کوشش کی بنا پر آتا ہے اور مومن کا یہ نظریہ ہوتا ہے کہ رزق آتا ہے تو اللہ کے ارادے اور مرضی سے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہیں کہ ان تمام سراخوں کو بند کر کے اپنی قدرت سے جاری کریں اور یہ رُخ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے لیے اور خصوصی لوگوں پر کھولا۔ جو شخص تقویٰ کی اللہ والی زندگی اختیار کرتا ہے، اس کو اللہ ہر سختی اور پریشانی سے نکال کر وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اُس کا وہم وگمان بھی نہ ہو۔

قرآن کی ایک آیت یاد آگئی۔ کہتا ہے: وَاِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۚ﴿۲﴾ (الانفال ۸:۲)

جب اللہ کا کلام اُن پر پڑھا جاتا ہے تو یقین کی صفت بڑھتی ہے، ایمان بڑھتا ہے اور جب یہ صفتیں بڑھتی ہیں تو توکل بڑھتا ہے اور توکل کیا ہے۔ یوں سمجھنا کہ اشیاء سے کچھ نہیں ہوتا ہے بلکہ مسبب الاسباب سے ہوتا ہے۔

عقل بر اسباب می دارد نظر
عشق میں گوید مسبب رانگر

(عقل کی نظر تو اسباب پر ہوتی ہے اور عشق کہتا ہے کہ ذرا رب الاسباب کو بھی آزما کر دیکھ۔)

عقل تو کہے کہ اسباب کو تلاش کرو، اس کا کوئی ڈورا ہاتھ سے چھوٹ گیا تو ناکامی ہو گی اور عشق یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہو کر رہے گا۔

یہ اسباب ہیں دستِ قدرت میں یوں
قلم دستِ کاتب میں جیسے رہے

تمام اسباب کو اکٹھا کرو، یہ دنیا کے فراعنہ، نمارده کو اکٹھا کر کے دیکھ لو تو ان کے پاس اسباب کی کمی نہیں، ہٹلر کامیاب ہوتا، نپولین کامیاب ہوتا تو ہر نمرود آگے بڑھتا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام بتاتے ہیں کہ اسباب سے کامیابی نہیں بلکہ اللہ کے ہاں سے کامیابی ملتی ہے۔ اگر وہ چاہیں تو ناکامی کے حالات میں کامیاب کر کے دکھائیں یا کامیابی کے اسباب سے ناکامی کا وجود ظاہر ہو جائے۔

اسباب اور پُتلیوں کا تماشا

ہم شہر میں ہوتے تھے تو مداری تماشہ دکھاتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں دو پتلیاں ہوتی تھیں تو ایک کو گلابو کہتے اور دوسرے کو شتابو اور مداری کے ہاتھ میں ان کی ڈوریاں ہوتی تھیں اور ان ڈوریوں کو ہلا کر مختلف تماشے دکھاتے تو اِسی طرح اسباب کی ڈوریاں کسی اور کے ہاتھ میں ہیں۔

پھرتا ہوں پھیرتا ہے وہ دلربا جدھر
پُتلی کی طرح میں نہیں ہوں اختیار میں

جب اسباب کی حقیقت کھل جائے تو اسباب والے جو کہ یوں سمجھتا ہیں کہ اسباب سے ہوتا ہے تو اُن سے زیادہ خسارے والا کوئی نہیں ہو گا۔ وَ تَقَطَّعَتۡ بِهِمُ الۡاَسۡبَابُ ﴿۱۶۶﴾ (البقرة ۲:۱۶۶)

اور یہ حقیقت بالکل سامنے آجائے گی کہ ملک صرف اللہ ہی کا ہے۔ لِمَنِ الۡمُلۡكُ

الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ (غافر ۴۰:۱۶)

تو دوستو! جو چیز کل عیاں ہونے والی ہے، انبیاء علیہم السلام اُس کو یہاں پہلے بیان کرتے ہیں، جو کام عقلمند کرتا ہے، اُس کو بعد از خرابیٔ بسیار بے وقوف بھی کرتا ہے تو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ غیروں سے نظریں ہٹالو اور ایک اللہ پر نظر جمالو۔ وہ کسی نے کہا ہے:

کار فرما ایک آتا ہے نظر
منکشف اب راز الا اللہ ہے

لَآ اِلٰهَ کی حقیقت

''لَآ اِلٰهَ'' کیا ہے؟ خدا سے دیکھنا اور غیر خدا سے نہ دیکھنا۔ خدا کو دیکھنا اور غیر خدا کو نہ دیکھنا۔ شیطان ہمارے دِلوں میں یوں ڈالتا ہے کہ تُو ہوگا تو دوکان چلے گی۔ اللہ نے اِس دنیا میں محنت تو پیدا کی ہے ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ'' لیکن رزق کو صرف محنت سے نہیں جوڑا ہے۔ رزق جو ہے وہ تقسیم ہے جو کچھ خدا نے لکھا ہے اُس سے نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے۔ تقدیر کا مسئلہ یہ کھیل کود نہیں۔ اس پر یقین ہو تو ہمارے تمام معاملات درست ہو جائیں۔

ایک صاحب نے کہا کہ بھئی دُعا کرو کہ کسی سبب سے کہ مال مل جائے، چاہے حلال سے ہو اور چاہے حرام سے ہو تو انسان جب اسباب میں جکڑ جاتا ہے تو وہ خدا کو بھی اپنے جیسا سمجھتا ہے۔ خدا کی قدرت محدود نہیں، وہ تو وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾ (ابراہیم ۱۴:۲۷) وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔

تو دوستو! دوکان کرتے ہو، تو ہم دوکان سے نہیں روکتے لیکن اپنی دوکان کو مسلمان تو بنالو، آج بھی تجارت کی بھاگیں یہودیوں اور غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہیں تو تجارت کرنا کوئی کمال کی بات نہیں بلکہ تجارت وہ کمال کی بات ہے جو کہ مسلمان کی تجارت ہو۔ وہ کون سی تجارت، وہ یہ کہ لاکھ روپے حرام کا آرہا ہے لیکن اس کو لات مارتا ہے تو دوکاندار بننا کمال

نہیں بلکہ مسلمان دوکاندار بننا کمال ہے۔

تو ہم جب مان لیتے ہیں کہ ہمارے اسباب سے سب کچھ ہوتا ہے تو بات کہاں جا پڑتی ہے۔ اللہ پاک پر پڑتی ہے، میں اپنی محنت پر مدار رکھتا ہوں اور اللہ پر نظر نہیں اور وہ مسلمان کیسا جس کی نظریں اللہ پر نہ ہوں۔ یہ کفر کوئی چڑیا نہیں کہ کسی پر اُڑ کر آجائے، ایمان ایک حقیقت ہے اس کا نور اعمال صالحہ کے ساتھ قائم رہتا ہے، یہ بات نہیں کہ جو ہم کرتے ہیں، ایمان کا یہ ڈنڈا لگا رہے۔ فرمایا ہمارے حضور ﷺ نے کہ ایمان بھی کپڑوں کی طرح نیا اور پرانا ہوتا ہے اس لیے ایمان کو تازہ کرو۔ یہ حدیث کا مفہوم عرض کیا۔

قرآن سے نصیحت حاصل کرنے کے لیے تین شرائط ہیں:

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَ ہُوَ شَہِیۡدٌ ﴿۳۷﴾

(سورۃ قٓ ۵۰:۳۷)

قرآن سے نصیحت

جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے اُس کے لیے اس میں نصیحت ہے۔

تین شرائط ہیں: دل بھی لگا ہو، کان بھی لگا ہو اور دماغ بھی حاضر ہو۔ سماع کا حکم نہیں ہے بلکہ استماع کا حکم ہے اور استماع وہ ہوتا ہے کہ خوب کان لگا کر سنو، وہ ڈبہ جو تمہارے پاس ہوتا ہے تو کیا وہ ڈبہ بولتا ہے۔ اگر ایک چپڑاسی اور ایک ڈھنڈورچی اعلان کرے کہ بادشاہ نے یوں کہا تو کیا تم اس کی بات کو نہیں مانو گے کہ یہ ڈھنڈورچی کی بات ہے اور وہ کہے کہ دفعہ 114 لگا یا گیا تو نہیں مانو گے، تو پتہ لگ جائے، وہاں تو یہ بات تھی کہ عبداللہ بن رواحہؓ نے یوں کہا "کَاَنَّ قَلۡبِیۡ یَطِیۡرُ" کہ گویا دل اُڑ رہا ہے، جہاں کان رکھے جانے پر زور وہاں تو حال یہ ہے کہ دل اُڑ رہے ہیں۔ تو دوستو! انسان فائدہ جب اُٹھاتا ہے جبکہ دل لگاتا ہے، دوکان، زراعت

کرتے ہو تو دل کے پورے ٹکڑے لگائے دیتے ہو، اپنے کو پناہ کرتے ہو کہ کوئی نہیں دیکھتا۔ آخر اللہ کے لیے بھی کوئی وقت ہونا چاہیے۔ تمام وقت مخلوق کے لیے تمام وقت چیزوں کے لیے۔

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نااُمیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

اہل دنیا کافران مطلق اند
ہر زمان در جک جک و در بک بک اند

(کافران مطلق اہل دنیا ہی ہیں کہ ہر وقت بے کار باتوں میں مشغول رہتے ہیں۔)

ہر وقت جک جک اور بک بک میں لگے ہوئے ہیں۔ خدا کے ذکر کو نکال دیا، خدا کی فکر کو نکال دیا اور حضور ﷺ کی زندگی سے ہم کو محروم کر دیا۔ کیا یہ عذاب نہیں کہ انسان کو بندروں کے رُخ پر لاکر غیروں کی ہر چیز میں اتباع کرنا۔ تو دوستو! اپنے آپ کو سنبھالنا ہے اور سنبھالنا ہوتا ہے اپنے آپ کو بدلنے سے، تو دوکان پر بیٹھو تو اس نیت کے ساتھ نہ بیٹھو کہ میرا نظریہ اس کو کامیاب کرنا ہے۔

رزق از وجو مجو از زید و عمرو
نشہ از وجو مجو از بھنگ و خمر

(رزق کی اگر تلاش ہو تو خدا کے پاس تلاش کرو مخلوق سے نہیں۔ اسی طرح اگر سچے نشہ کی تلاش ہے تو وہ بھی وہاں ملے گا بھنگ اور شراب میں نہیں۔)

قرآن کہتا ہے کہ: فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ

(العنکبوت ۲۹:۱۷)

کہ رزق خدا سے تلاش کرو جیسے کہ مسجد میں ہم نماز کے لیے آتے ہیں تو دل دوکان میں ہوتا ہے، دفتر میں ہوتا ہے، بیوی میں ہوتا ہے۔ مسلمان کی کیفیت تو یہ ہونی چاہیے کہ جسم

تو دفتر میں ہو، دوکان میں ہو، بیوی میں ہو لیکن دل مسجد کے اندر ہو۔ تو جب مسلمان اس رُخ سے سوچتا ہے کہ کامیابی اللہ کے ہاں سے ملتی ہے تو فوراً تحت الشعور یہ سمجھائے گا کہ او اللہ کے بندے! تُو کیا کرے گا، بچوں کو کیا کرو گے تو میں یہ نہیں کہتا کہ دوکان حرام ہے لیکن میں یوں کہتا ہوں کہ دوکان کرو لیکن طریقے سے، نفس سے ایسا تقاضا نہ اُٹھے جس کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے تجارت کی لیکن خدا کی قسم عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی تجارت ہمارے ہزار، لاکھوں اور کروڑوں سجدوں سے بڑی تھی۔ اُس زمانے میں جبکہ چیزیں کم ہو جائیں، کوئی چیز آ جائے تو قیمت بڑھ جاتی ہے۔ مدینہ میں قحط پڑا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا قافلہ مدینہ آ پہنچا۔ سات سو اُونٹ کا قافلہ آتا ہے۔ جب پہنچا تمام غلہ سے بھرا ہوا اور لدا ہوا تمام بھوکوں مر رہے تھے۔ اللہ نے سامان کیا۔ حضرت سیدنا عائشہؓ زندہ تھیں، بلا لیا گیا تو فرمایا کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم جنت میں دیر سے جاؤ گے"۔ ایسا تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ نہیں جاؤ گے کیونکہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں تو فرمایا "کہ اماں جان! یہ بات تو نہیں وہ سات سو کے سات سو اُونٹ مع اپنے کجاؤں اور جملہ سازوسامان کے اللہ کے لیے خیرات ہیں"۔

وہ مولانا رومؒ نے خوب کہا:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گر چہ یکساں در نوشتن شیر و شیر
شِیر آن باشد کہ مردم می خورد
شَیر آن باشد کہ مردم را درد

(نیک لوگوں کو اپنے اُوپر قیاس مت کر شِیر اور شَیر لکھنے میں ایک جیسے ہوتا ہے لیکن شِیر (دودھ) کو لوگ کھاتے ہیں اور شَیر (درندہ) انسانوں کو پھاڑ کھاتا ہے۔)

تو مولانا کہتے ہیں کہ شَیر اور شِیر لکھنے میں تو یکساں ہیں لیکن شِیر (دودھ) وہ ہوتا ہے

جسے انسان پیتا ہے اور شیر وہ ہے جو انسان کو پھاڑ کھا جاتا ہے تو اپنی تجارت کو اُن کی تجارت کے برابر مت سمجھو۔ گو ظاہر کی حالت دونوں کی یکساں ہو جیسے کہ کفار نے حضور ﷺ کے متعلق کہا: مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط (الفرقان ۲۵:۷)

یہ کیسے رسول ہیں کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے تو اعمال کے تشابہ سے دونوں جماعتیں برابر ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں دونوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ صحابہؓ کو یہ دعوت نہیں دی جارہی تھی کہ تین دن کے لیے چلے جاؤ اور ایک چلّے کے لیے چلے جاؤ۔ وہاں تو نوعیت یہ تھی کہ جب چلتے ہیں تو چالیس کی جماعت نکلی اور پوری کی پوری جماعت شہید ہو گئی۔ انطاکیہ کے مقام پر حضرت خالد بن ولیدؓ نے کہا کہ چلتے تو ہو لیکن میرے ہاتھ فیصلہ کر لو تو تین ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔ لَا اِلٰہ گوئی بگو از گوئے جان۔

این دو حرف لَا اِلٰہ گفتار نیست
لَا اِلٰہ جز تیغ بے زنہار نیست

(''لَا اِلٰہ'' کا مطلب صرف دو لفظوں کو رَٹنا نہیں ''لَا اِلٰہ'' تو ایک برہنہ تیغ ہے یعنی عمل کی دعوت دیتا ہے صرف رَٹنا نہیں۔)

حضرت صہیب رومیؓ کی ہجرت

ابھی جو تقاضا آیا کہ چالیس دن کے لیے چلے جاؤ تو فوراً ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ ابھی تک جو دین کی بات ہو رہی تھی تو خوب سن رہے تھے اور جو وہ شیطان نے لفٹ کی بٹن دبائی تو ساری توجہ ہٹ گئی اور صحابہؓ کا حال یہ تھا کہ ایک صحابیؓ نے فرمایا کہ کامیاب ہوا، تیر کھا کر اور جان دے کر۔ وہ تھے ایک صہیب رومیؓ، آئے مکہ میں، غلام تھے، آزاد ہوئے جیسا کہ محاورہ کے طور پر مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ناک میں ایسی خوشبو رکھی تھی کہ دور دور سے تجارت کے مال کے فوائد کو دیکھتا تھا تو جب مسلمان ہوئے، ایمان لائے تو ایسا بڑا تاجر چھپ کر

کیسے نکل سکتا ہے۔ قریش والوں نے یوں کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب تم مکہ سے نکلتے ہو اور ہماری تمام کرنسی کو نکال کر چلنا چاہتے ہو جیسے آج کہتے ہیں کہ حج پر نہ جاؤ، کرنسی ختم ہو جائے گی تو مال کو لا کر اُن کے سامنے رکھ دیا تو یہ ہے مال اور اگر پھر بھی آتے ہو تو دیکھو! میں بڑا تیر انداز ہوں، اگر قریب آتے ہو تو جب بھی میرے ترکش میں ایک تیر باقی ہے تم میں سے ایک بھی نہیں پہنچ سکے گا۔ جب مدینہ پہنچے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے صہیبؓ! بڑی کامیاب تجارت کر کے آیا۔

یک جان بستاند و صد جان دھد

آنکہ در وہمت نہ آید آن دھد

(اللہ تعالیٰ کی راہ میں اگر تیری ایک جان قربان ہو جائے تو اس کے بدلے سو جان ملیں گے اور ایسی نعمتیں عنایت ہوں گی جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ آئیں۔)

دیکھو! صدیق اکبرؓ کا نام لینا ہے۔ ہائے! صرف نام ہی رہ گئے جیسے کہ جب تک آنکھ سے تنکا نہیں نکلتا تو قرار نہیں آتا۔ اسی طرح ان کے دل کو بھی قرار نہیں آتا ہے۔ جب سب کچھ لا کر حضور ﷺ کے سامنے ڈال دیا تو فرمایا کہ گھر میں بھی کچھ چھوڑا۔ تو فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول۔

تو بھئی! سیدنا حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ کلمہ پڑھا تھا یا کوئی پانچ ہزار لفظوں والا کلمہ تھا بلکہ جو کلمہ انہوں نے پڑھا تھا ہم بھی وہی کلمہ پڑھتے ہیں تو اب سوچو کہ اس کلمے میں جان نہیں رہی یا ہم میں جان نہیں رہی کہ اگر ہم سے دین کا مطالبہ کیا جائے تو ہم کیوں زمین سے چمٹ جاتے ہیں۔

حضرت حنظلہؓ کی شہادت

حنظلہؓ ایک صحابی ہیں، خوب جوان، شکیل و جمیل، نئی نئی شادی ہوئی ہے، بیوی کے پاس پہنچتے ہیں تو آواز سنتے ہیں ''الرحیل الرحیل'' تو اس حالت میں بغیر غسل کیے شریک

ہو جاتے ہیں۔ شہید ہو جاتے ہیں، اب یہ شہید ہیں اور شہید کو غسل نہیں دیا جاتا تو صحابہؓ نے دیکھا کہ بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے۔ حضور ﷺ تک بات پہنچی تو فرمایا کہ میں دیکھتا تھا کہ فرشتے غسل دے رہے تھے تو بیوی سے پوچھتے ہیں۔ تو کہا کہ غسل کی ضرورت تھی لیکن نوبت غسل کی نہیں آئی تو جو اللہ کے لیے ہوتے ہیں، اللہ ان کو ذلیل نہیں کرتا۔ ذہن میں نہیں آسکتا کہ اللہ کے لیے مرنے والوں کے لیے کیا رکھا ہے۔ ہم نے تو اس خاک مٹی میں اپنے کو برباد کیا۔ اگر ہم اپنے کو سنبھالتے، اُس طریقے کو اپناتے جو سیدنا محمد ﷺ کو دیا گیا، وہ طریقہ جو حضور ﷺ کو دیا گیا، وہ نبیوں (علیہم السلام) سے اُونچا تھا، وہ طریقہ دیا گیا لیکن ہم نے اس طریقے پر جان نہ لٹائی اور جب ہم نے اِس پر جان نہ لٹائی تو ہمارے طریقے فرعون اور ہامان والے ہوگئے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ فرعون اور ہامان والے نقشوں سے اُٹھو، کیوں حضور ﷺ کے پاس نہیں آتے کہ ان کے آگے پتھر آجاتے تھے تو پتھر تک سلام کرتے تھے، کیوں آپ سے پھرتے ہو تاکہ کل حشر میں آکر یہ کہہ دے:

تم مرے ہو کے بھی مرے نہ رہے
تم کو اپنا بنا کے دیکھ لیا

کیا منہ دکھائیں گے، کیا بتائیں گے، کوئی مشورہ دینے والا نہیں آئے گا، اللہ کا منادی جو آئے گا بغیر پوچھے آئے گا تو قبل اس کے جبکہ وہ وقت آجائے اور تمام اُمیدیں قطع ہو جائیں جبکہ ندامت کام نہیں آتی، دین کا کام کرو اور یہ تین چلّے ایسے سمجھو کہ ان گناہوں کا کفارہ ہوگیا۔ تو یہ تین چلّے اس کے عوض کہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتا رہا، یہ انتہائی نامرادی ناکامی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس رسوائی سے بچائے اور اس کے لیے حضور ﷺ نے فرمایا: ”التائب من الذنب کمن لا ذنب له“ (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ اُس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو)۔ آج تو آنکھوں سے ندامت کے آنسو نہیں نکلے، دل سے ندامت کے قطرے نہیں

ٹپکے، پیشتر اس کے کہ وہ وقت آئے کہ حشر میں چلیں، خون کے آنسو روئیں گے۔

تو جیسے قرآن نے کہا: ”وَ لۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ“ تو دیکھو کہ آگے کیا بھیجا ہے۔ کیا ہے تبلیغ؟ اُن چیزوں پر نگاہ نہ رکھنا، خدا کی ذات پر یقین رکھنا، جس رُخ پر نبیوں نے زندگی گزاری اُس پر محنت کرنا تبلیغ ہے۔ کتنی بڑی بات ہو گی اگر اللہ والے کچھ اعمال ہم میں زندہ ہو جائیں یا ہماری وجہ سے زندہ ہو جائیں۔

صحابہ کرامؓ کی شجاعت

جس دن بدر کا مشورہ ہوا ہے تو حضرت مقدادؓ نے کہا کہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ ۝ (مائدہ ۵:۲۴) (تم اور تمہارا رب جا کر لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔) اور حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ نے کہا کہ ”ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی، آپ ﷺ اگر ہم کو حکم دیں گے کہ سمندر میں کود پڑو تو آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ اگر آپ برک غماد تک بھی جائیں گے تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں“۔

معمولی بات نہیں۔ تو اللہ کے لیے کٹ مر جانا، وہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن ہوتی ہے، وہ ایک مقام پر کہا کہ اللہ کے راستے میں مقبول ہو جانے سے، سچ کی وجہ سے کامیابی ہے، یہ کامیابی تو نصیب والوں کی ہوتی ہے تو آج چونکہ ہم کمزور ہیں، ناتواں ہیں تو ہمارے لیے پسینے کا بہا جانا خون کے بدلے اور ہمارے اس انتہائی کمزور کام کو اللہ تعالیٰ قبول کرے۔ واہ واہ مقصود نہیں ہے یہ تو ایک درد کی پکار ہے، کہنا مقصود نہیں، کروانا مقصود ہے۔ اگر تمام رات کہتے رہے اور آپ سنتے رہے تو اس سے تھوڑی سی بات کر کے چلنا اور حرکت کرنا زیادہ قیمتی ہے۔ حرکت کرو، سننے سے سُن ہو گئے تو ہمتیں کر کے دین کی گاڑی کو تیز کرتے رہو تو جیسے میں عرض کر رہا تھا۔ بات کو سنتے رہیں گے اور جب دین کا تقاضا آئے گا تو گو شیطان

لفٹ بھی لے آئے تو اب انشاء اللہ چلے جاؤ گے، تو بعض اوقات جب سوچتے ہو تو کودنا بھی پڑتا ہے۔ وہ کسی نے کہا:

بے خبر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوتے تو کہتے کہ اللہ تعالیٰ آگ کو گلزار بنائے گا اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے کہ لاٹھی سے دریا کو مارو اور وہ کہتے کہ کیا لاٹھی سے بھی دریا بند ہوتا ہے تو نری آرزوؤں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ (سورۃ النساء۱۲۳:۴) تو ہمتیں کر کے نقد نقد تیار ہوں، اسے پوری نہ سمجھو، کوئی بات سمجھ میں آئی، کوئی بات ہے جو سمجھ میں نہ آئی، کوئی آدمی ایسا نہ رہے کہ جو نام نہ لکھائے تو ہمت کر کے نقد نقد نکلو۔

نام اور حقیقت میں تفاوت

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (11 نومبر 1963ء، بعد از نمازِ عصر بروزِ پیر)

نام سے غلط فہمی

بعض لوگوں کو صرف نام سے غلط فہمی ہو جاتی ہے اور سنی سنائی باتوں پر قیاس کر کے کسی چیز کا مطلب کیا سے کیا سمجھ لیتے ہیں اور اس غلط بنیاد پر پھر پوری دیوار کھڑی کر لیتے ہیں مثلاً کسی نے نسیم اختر صاحب کا نام رجسٹر میں دیکھ لیا اور کہا کہ انجینئرنگ کالج میں لڑکیاں بھی داخل ہو گئیں لیکن جب دیکھ لے کہ نسیم اختر صاحب تو مرد ہے تو اپنی غلط فہمی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

تبلیغ اور تحریک ایمان

اسی طرح تبلیغ کے لفظ سے بعض آدمیوں کے ذہن میں شک پیدا ہو جاتا ہے کہ جب یہ وہ تبلیغ ہے تو پھر یہ عالم لوگ کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ بات یہ ہے کہ جو اس کے مجوز ہیں، اُس نے اِس کا نام تبلیغ رکھا ہی نہیں بلکہ انہوں نے اس کو ”تحریک ایمان“ کہا کہ اُمت میں ایسی جماعت پیدا ہو جائے جو دین پر محنت کرنے والی ہو یعنی ایسی جماعت پیدا ہو جو طریقہ محمدیہ ﷺ اور صحابہؓ کے طریقے کے مطابق ہو۔ صحابہ کرامؓ جب دین کی دعوت دیتے تھے تو ان کا مقصد صرف پیشہ ور مبلغین کی طرح نہیں ہوتا تھا کہ صرف بات دوسرے تک پہنچ جائے بلکہ اُن کا مطلب اصلاحِ نفس ہوتا تھا، ان کی اصلاحِ نفس ہوتی تھی اور جو دوسروں کو بات کرتے تھے، پہلے اس پر خود عمل کر رہے ہوتے اور یا اس سے عمل کا دروازہ کھلتا تھا یعنی اوروں کو بات کہنا دوسروں کے لیے عمل کا سبب بنتا تھا۔ صحابہؓ دین کے داعی تھے لیکن وہ دعوت کو صرف دعوت کے لیے نہیں کرتے تھے بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ دعوت میرے اندر سرایت کرتے ہوئے وہ اعمال اندر آجائیں گے جو دعوت کا مقصد و منشا ہیں۔ اب جو شخص اس

دعوت میں کھل کر اور نکل کر شریک نہیں ہوتا اور اس عمل کے ہر پہلو کو پوری طور پر دیکھ نہیں لیتا۔ وہ اس کو محض تقریر سمجھے گا، کہے گا کہ یہ تو صرف مولویوں کا کام ہے، ہمیں تو کچھ آتا نہیں پھر کیوں شریک ہوں حالانکہ جو آدمی اس کے چوبیس گھنٹے کے پروگرام میں شریک ہو تو وہ سمجھے گا کہ یہ صرف تقریر نہیں بلکہ تذکیر بھی ہے، ذکر ہے، فکر ہے تو اب جو اس کو سمجھے گا وہ جان جائے گا۔

مکتب عشق کا دیکھا یہ نرالہ دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اسلام اور تصوّف

اسی طور پر غیر مسلموں کو مجھ جیسے مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ میرے آئینے میں اسلام کو دیکھتے ہیں، کتاب و سنت کے آئینے میں نہیں دیکھتے۔ اگر اسلام اُس زندگی کا نام ہے جس کو اشرف اپنی زندگی میں پیش کرتا ہے تو وہ اسلام کی اشرفیت سے منکر ہو جائیں۔ کہیں گے کہ بھائی جب اسلام اس کا نام ہے جیسے اشرف کے افعال ہیں تو اس اسلام سے توبہ ہی بھلی تو آج مسلمان کو دیکھ کر اسلام پر حکم لگایا جاتا ہے حالانکہ اسلام صحیح معنوں میں آج مسلمان کی زندگی میں الا ماشاء اللہ نظر ہی نہیں آتا تو جس طرح غیر مسلم آج مسلمان کو دیکھ کر اسلام کے بارے میں دھوکے میں پڑ جاتا ہے اور اسلام سے بعید ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دین اور اصلاح کی حیثیت سے بھی بہت سارے نام کے صوفیوں کو دیکھ کر لوگ تصوف سے بھڑک اُٹھے۔ کہتے ہیں کہ جب ایسے رنگ رنگیلے صوفی ہیں، تصوف سے ہماری توبہ تو مقصد یہ ہوا کہ کسی چیز کا پورے طور پر یا صحیح رُخ سے نہ جاننا اُس چیز کے متعلق غلط فہمی پیدا کر دیتا ہے اور بسا اوقات اس چیز کے حاصل کرنے سے روک دیتا ہے اور یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان اس چیز کا پورے طور پر نہ جاننے کے باوجود مخالف بلکہ معاند ہو جاتا ہے۔ معاند کہتے ہیں غصہ رکھنے والا، دشمنی کرنے والا۔ اس لیے جب کسی چیز کے متعلق کوئی رائے دو

یا حکم لگاؤ تو پہلے بہتر یہ ہے کہ اس فن کے ماہرین سے اُس چیز کی حقیقت جانو۔ جب جان لو گے تو تمہارا فیصلہ درست ہو گا ورنہ اندھیرے کا تیر ہو گا نہ خود راہ پر آؤ گے اور نہ دوسروں کو راہ پر لاؤ گے بلکہ خود بھی بھٹک جاؤ گے اور دوسروں کے گمراہ کرنے کا ذریعہ بن جاؤ گے۔ اگر آج بھی ہماری زندگی میں اسلام کا صحیح نمونہ آجائے تو بہت سارے لوگ بغیر زبانی دعوت کے اسلام قبول کرلیں۔

عشق خوبی اور حُسن چاہتا ہے

تو دیکھو! عاشق جب کسی پر عاشق ہوتا ہے تو کیا پہلے کہتا ہے کہ مجھے دیکھ لو تو جیسے محبوب کا حُسن عاشق کو بغیر زبانی دعوت کے مبتلا کرتا ہے اسی طور پر اسلام کا حُسن ایسا ہے کہ اگر وہ کہیں نظر آجائے تو انسان اُس پر خود بخود فدا ہو جائے۔ عشق دعوت نہیں چاہتا، عشق خوبی اور حُسن چاہتا ہے۔ جہاں پائے گا متوالا ہو جائے گا اور دل جس معنوی اور حقیقی حُسن کو چاہتا ہے اور حسن معنوی اور حقیقی جیسا اسلام میں ہے، ویسا کہیں نہیں۔ اس بنا پر جو اسلام کی صورت کو دیکھے گا حبیب پاک ﷺ کی سیرت کو دیکھے گا، وہ اسلام کا متوالا اور شیدا ہو جائے گا۔

تو ہے مجموعۂ خوبی و سراپائے جمال
کون سی تیری ادا دل کی طلبگار نہیں

دل کا ایک ذرہ اُڑ کر اس کے ساتھ چمٹ جائے تو آج کے مسلمان اسلام کے دعویٰ کرنے کے باوجود اسلام کے چہرے کے نقاب بن گئے اور آج کل کے نقاب نہیں بلکہ میں اُس پرانے زمانے کے نقاب کا کہہ رہا ہوں۔ آج کل کے برقع ہوں، تو چڑیل کو بھی لوگ بی بی سمجھ لیں اس لیے امام غزالی صاحب نے ایسے برقعوں کو بھی منع کیا ہے جو کہ جاذب نگاہ ہوں۔

اسلام کا حُسن و جمال اور مجنونیت

ہم کیوں اسلام کے عاشق نہیں ہوتے؟ ہم پر بھی اسلام کا حُسن و جمال نہیں کھلا اور

جو اہل علم ہیں جن کو تھوڑی سمجھ ہے، جن سے بات پہنچی اولاً انہوں نے لفظاً سمجھائی، پوری پہنچائی نہیں اور اگر پہنچائی بھی تو ہمارا دل متوجہ نہیں تھا، ہم اُس کے حُسن کو دیکھ نہ سکے جیسے نابینا پوری زیبائش کو دیکھ نہیں سکتا اور اگر دیکھتے تو ہم بھی اسلام کے شیدائی ہو جاتے، اسلام خود محبوب اور معشوق ہے۔

ایمان کی کمزوری کا علاج

بیان اسلامیہ کالج مسجد پشاور یونیورسٹی (12 نومبر 1963ء، بروزِ منگل بعد از نمازِ مغرب)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے فضیلت اور شرف بخشا۔ انسان کا کمال حیوان ہونا نہیں بلکہ اس کا کمال انسان ہونا ہے۔ حیوان کیا ہوتا ہے؟ اس کے کیا تقاضے ہیں، وہ تقاضے انسان کی ترقی کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔ حیوانات کے دو موٹے تقاضے ہیں، کھانا اُن کا تقاضا ہے اور پینا اُن کا تقاضا ہے۔ گائے بھی کھاتی ہے اور بھینس بھی کھاتی ہے اور انسان سے زیادہ کھاتے ہیں۔ اسی طرح بیویوں کی خواہش ہے تو یہ گائے بھینس گو انسانوں کی طرح بیاہ وغیرہ تو نہیں کرتے لیکن اپنی حاجت کو پورا کرتی ہیں اور انسان سے زیادہ۔ اسی طرح رہنے کی جگہ بنا لینا انسان کی فضیلت کا ذریعہ نہیں۔ تو فضیلت انسان کا انسان ہونا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا کام

آپ کہیں کہ ہم تو پوری زندگی اس لیے گزارتے ہیں کہ کمانے کا فن سیکھ لیں، ہم جو یہاں آئے ہیں، ہمارے گرداگرد جو کھیتی باڑی کر رہے ہیں اور جو بڑی فیکٹریاں ہیں، ان تمام کا مقصد اُن خواہشات کا پورا کرنا ہے جن کو تم معیار زندگی کا بلند ہونا کہتے ہو تو پھر انسان کا کمال کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ جس کی بنا پر انسان اپنے جسم کے لحاظ سے حیوان ہے لیکن اپنی حقیقت کے لحاظ سے اللہ کا خلیفہ ہے، اس کے اندر ایسی روح رکھی گئی ہے کہ اگر وہ طریقے پر آجائے تو انسان انسان بن جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو برگزیدہ بناتا ہے، جن کو رسالت ملتی ہے وہ یہاں اُن فنون کو سکھانے نہیں آتے کہ کھانا زیادہ ملے۔ وہ اس لیے نہیں آتے کہ پہلے جب تم ہلوں کے ذریعے کھیتی باڑی کرتے تھے، اب ٹریکٹروں سے کرو۔ اسی طرح پہلے پاؤں، تانگوں وغیرہ سے جاتے تھے، اب ہوائی جہازوں سے جاتے ہیں۔ غرض وہ ان تقاضوں کے

پورا کرنے کے لیے نہیں آتے کہ جو حیوانوں کا خاصہ ہے بلکہ وہ جو آتے ہیں اُن کا اصل کام انسان سازی ہے۔ گو وہ ایسی باتیں بھی بتائیں جن سے انسان کے کھانے پینے وغیرہ کی چیزیں بھی آسانی سے مل جائیں تو انسان کا کمال اللہ سے تعلق کو جوڑنے کا ہے، کھانے پینے کا نہیں، انسان اس لیے نہیں آیا کہ وہ اس دنیا کی چند روزہ زندگی کو گزار کر چلا جائے۔ قرآن کریم میں آپ نے پڑھا ہوگا اور سنا بھی ہوگا۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝٥٦

''کہ میں نے جن وانس کو پیدا نہیں کیا مگر خاص اپنی عبادت کے لیے''۔

عبدیت کیا ہے؟

تو عبدیت کسے کہتے ہیں کہ بندہ خدا کے طریقوں پر رہنے والا بن جائے، خدا کو خالق جانے، مالک جانے، اس کا جز وکل خدا کے لیے ہو، بندہ اس کو نہیں کہتے کہ ایک جز خدا کے لیے ہو اور دوسرا غیر کے لیے ہو بلکہ بندہ اس کو کہتے ہیں کہ اس کے نفس کا تقاضا یہ بن جائے کہ جو کچھ خدا چاہتا ہے وہ میں چاہتا ہوں اور جو میں چاہتا ہوں خدا اُس کو پورا کرتا ہے۔

اب اس راہ کو ایسے حاصل کیا جاتا ہے جس طرح کے آپ دوسرے راستوں کو اختیار کر لیتے ہیں۔ آپ پشاور جانا چاہتے ہیں تو جمرود کے راستے کو نہیں پکڑتے۔ غلط راستے پر چلے تو انسان مدتوں کے بعد بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچتا۔ خدا کی ذات عیاں ہے لیکن جیسے چمگادڑ سورج کو نہیں دیکھ سکتا، اسی طرح ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے، وہ ہمیں دیکھ پاتا ہے، ہم اس کو نہیں دیکھ پاتے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝١٠٣

(الانعام ٦:١٠٣)

وہ ہم کو گھیرے ہوئے ہے لیکن ہماری آنکھوں میں یہ قوت نہیں کہ خدا کو دیکھ سکیں اور باطن کی آنکھیں جن سے خدا کے انوارات اور تجلیات کا ادراک ہو سکتا ہے اُن کو ہم نے اندھا کر دیا ہے۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝٤٦

(الحج ٢٢:٤٦)

تو اِسی طرح وہ خداوند کریم جو کہ ہماری ظاہری آنکھوں سے پنہاں ہے جن کو ہم ان ظاہری آنکھوں سے نہیں پا سکتے تو خداوند کریم نے اپنی خاص رحمت سے اپنے تک پہنچنے کے لیے ایک کھلی سڑک بتانے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اس سڑک کو آخر میں ہمارے حبیب پاک ﷺ نے سب سے زیادہ کشادہ کیا اور فرمایا: ''بعثت بالملة السهلة البيضاء ليلها كنهارها''۔(میری بعثت آسان اور روشن دین کے ساتھ ہوئی جس کی رات بھی ایسی روشن جیسا کہ دِن)۔

طمانیت نہ ہونے کی وجہ

تو فرمایا کہ جیسے کہ روشنی سے انسان کو راستہ پر چلنے میں آسانی ہوتی ہے اور پھر وہ ہر قدم خطرہ کے بغیر اُٹھاتا ہے اسی طرح اسلام کی سہولت اور روشنی میں دین پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے چند ایسی چیزیں بتائیں جس پر چل کر ہم کو دین پر چلنا آسان ہو گا۔ ایک تو وہ نُور ہو گا جس سے کہ ہم راستے کے اُونچان اور نیچان دیکھیں گے اور دوسری طرف وہ Stimulate کرے گی، آگے بڑھنے کی قوت پیدا کرے گی، وہ روشنی کیا ہے وہ ایمان ہے جو انسان کے تعلق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قوی کر لیتا ہے۔ جب انسان اللہ کو جان لیتا ہے تو اس کے نتیجے کے طور پر ایک روشنی آتی ہے اور اس کے لیے اللہ والے ایمان میں ایک مقناطیس کی طرح کشش ہو جاتی ہے، ایک کشش جو اس کو کھینچتی ہے اِسی طرح جو لوگ ایمان والے ہوتے ہیں، یقین والے ہوتے ہیں۔ وہ بھی اللہ کی طرف لوگوں کی کشش کا باعث بنتے ہیں۔

ہم اللہ کو مانتے ہیں، جانتے ہیں لیکن وہ جاننا بھی سطحی ہے۔ ایمان کا نُور ہمارے اندر اُترا نہیں اور ہمارے رَگ وپے میں سرایت نہیں کی ہے۔ کیا بات ہے کہ روٹی کھا کے تو پیٹ بھر جائے اور مسلمان ہونے کے باوجود اور اللہ سے تعلق ہونے کے باوجود ہمارے دل میں طمانیت نہ ہو۔ کچھ بات تو ہے جس کی وجہ سے ہم کو اطمینان حاصل نہیں ہے تو بزرگوں کا قول ہے: مَنْ

عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ جس نے اپنے نفس کو پہچانا تو وہ اپنے رب کو پہچان پائے گا۔

قرآن میں آتا ہے: سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ (فصّلت ۴۱:۵۳) (ہم انہیں اپنی نشانیاں کائنات میں بھی دِکھائیں گے اور خود ان کے اپنے وجود میں بھی یہاں تک کہ اُن پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ یہی حق ہے۔)

اب جب انسان اپنے نفس کو پہچاننے والا بنے گا تو وہ رب کو بھی جاننے والا ہو گا۔ ایک چھوٹا بچہ ہو جو کہ ہر رُخ سے پیارا ہو تو تمام کو پیار آئے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت ہم پر کھلے اور ہم اُس سے محبت کرنے والے نہ بنیں۔ اللہ اگر ہمارا پیارا ہو جائے، ہمارا چہیتا ہو جائے تو وہ اگر ہم کو مشقت والے اعمال پر بھی ڈالیں تو وہ مشقت والے اور محنت والے نہیں رہیں گے۔

مولانا نے ایک مقام پر فرمایا:

از محبت تلخہا شیرین شود

(محبت سے کڑوی چیزیں بھی میٹھی بن جاتی ہیں۔)

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ضیاء بمعنی روشنی جو اللہ نے مخلوق کو دی، وہ کیا ہے؟ مثلاً کوئی مجھ سے پوچھے کہ شوکت کو جانتے ہو؟ تو میں کہوں کہ ہاں۔ اب مجھ سے وہ یہ پوچھے کہ رنگ کیسا ہے، حلیہ کیسا ہے؟ شکل کیسی ہے؟ اور میں کہوں کہ میں تو نہ جانوں۔ اسی طرح ہمارا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے، کن باتوں سے ناخوش ہوتا ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ ہمارا اُن سے تعلق جُڑ جائے تو کیا ہو گا اور اگر ہم اُس سے ٹوٹ جائیں تو کیا ہو گا اور پھر کہیں کہ "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ" میں ایمان شرعی کی نفی نہیں کرتا بلکہ میں کہتا ہوں کہ ایمان تو ہے لیکن کمزور درجے کا ہے، ایمان تو وہ ہے جس کے متعلق حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا۔ مفہوم عرض کرتا ہوں کہ ایمان وہ ہے کہ جب دل میں گھر کر جائے تو تم آگ میں کود جانا پسند کرو لیکن کفر اختیار کرنا پسند نہ کرو تو ہم ثنا میں کہیں "سُبْحٰنَكَ

اَللّٰھُمَّ“ تو دیکھ یہاں ابتدا جو ہو رہی ہے سیکنڈ پرسن کے صیغے سے ہو رہی ہے، تخاطب سے ہو رہی ہے۔

وہ تیرے روبرو ہے تُو اُس کے روبرو

نماز میں توجہ کا نہ ہونا

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو نماز پڑھتے ہیں، وہ خدا سے سرگوشی کرتے ہیں۔ اب ہم جو نماز پڑھتے ہیں تو کبھی کرکٹ لان میں پڑھتے ہیں، گراؤنڈ میں ہوتے ہیں اور کبھی عجب کڑھی میں ہوتے ہیں، باتیں تو ان سے یعنی اللہ تعالیٰ سے کریں اور بھاگیں کسی اور طرف۔ تو نماز میں اللہ اپنے بندے کو انتہائی محبت سے دیکھتا ہے لیکن جب یہ اور طرف دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے بندے! کیا تجھ کو مجھ سے کوئی اور پیارا ہے، جس کے پیچھے تم پڑتے ہو، تم کسی کو پکارو کہ بھائی الیاس۔ اب بھائی الیاس آجائے اور تم منہ موڑ لو تو کیا وہ ناراض نہیں ہوں گے تو جب یقین والا دل ہو تو وہ ایک ایک بات کو سنیں اور جو یقین والا دل نہ ہو، یقین والی آنکھیں نہ ہوں تو وہ اس صدا کو کیسے سنے تو ”اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ“ پڑھی ہے کبھی، مراد نہ جانو، ہمارا حال ہی ایسا ہوگیا ہے کہ ہم کو اپنے دین سے دوری ہوگئی ہے، پہلے مسلمان دین کا آئینہ ہوتے تھے، اُن میں اسلام نظر آتا تھا۔ آج مسلمانوں میں دین نظر نہیں آتا بلکہ کتابوں میں نظر آتا ہے۔ مسئلہ دیکھنا ہے تو قدوری اُٹھاؤ۔ اسی طرح حضور ﷺ کے اخلاق کو دیکھنا ہے تو احیاء العلوم کو اُٹھاؤ۔ جب حضور ﷺ کے پاس کوئی عمل کیا جاتا تھا تو وہ بھی حدیث بن جاتا تھا اور اس کو کہتے تھے ”حدیث تقریری“۔ پہلے صاحب کتاب خود اس کی کتاب کی تشریح ہوا کرتا تھا۔ جو کچھ وہ لکھتا تھا وہ خود اس کی ذات میں ہوتا تھا۔ آج کتاب اور ہے اور صاحبِ کتاب اور ہے۔ منبر کی تقریر اور ہم اور ہیں۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ”اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ“ کہتے ہو تو

لَآ اِلٰہَ گوئی بگو از گوئے جان

(''لَا اِلٰہَ'' زبان سے تو کہہ ڈالا اُسے دِل کے اندروں میں داخل کر کے کہنا۔)

تو جیسے ہم نماز میں اللہ کو آواز دیکر اُس سے غافل ہوتے ہیں، اسی طرح اللہ پر یقین رکھتے، ایمان رکھتے ہوئے اُس سے غافل ہوتے ہیں۔ دیکھو! یہ رومال ہے۔ اگر اِس کو نچوڑوں تو اس میں سے پانی نکلتا ہے؟ نہیں، لیکن اگر میں اس کو تالاب میں ڈبو کر نچوڑوں تو اس سے پانی نکلے گا یا نہیں۔ اسی طرح اگر ہم میں ایمان کا عمل زیادہ ہو گا تو اِتنے ہی ایمان والے اعمال ہوں گے، آج ہم میں سچائی کیوں کم ہو گئی۔ بات یہ ہے کہ ہم اللہ کے تعلق والے نہیں رہے۔ جب اللہ سے رابطہ قوی ہو گا، خدا سے رشتہ قوی ہو گا، اتنا ہی تم اللہ سے لینے والے ہوں گے جیسے کہ درخت کی جڑیں کمزور ہوتی ہیں اور وہ پوری طرح خوراک کو نہیں لے سکتیں تو اس کے پھل پھول پر اس کا اثر پڑے گا تو حضور ﷺ والے اعمال اور آپ ﷺ کی زندگی کا ہر قدم، ہر بات اور گفت و شنید معرفتِ الٰہی کے زینے ہیں۔ اسی طور پر اگر تم حبیب پاک ﷺ کے اعمال کو حقیقت کے ساتھ اپنا لو، رسماً نہیں تو انتہائی بلندی پر پہنچ جاؤ گے۔ اس کے لیے قدم اُٹھانے پڑیں گے اور اگر تم زینہ تو لگاؤ اور چڑھو نہیں تو کیا اُوپر چڑھ جاؤ گے؟ نہیں۔ تو اگر ہم چاہیں کہ ہم میں عبادات کے رُخ پیدا ہوں، اخلاق پیدا ہوں، تو ہم کو کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ وہ کسی اُردو کے شاعر نے کہا ہے کہ:

یہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

تو اگر رات کے وقت، سوتے وقت تم نے ہاتھ کو سر کے نیچے رکھ دیا، ہلایا نہیں تو جب اُٹھو گے تو یہ سویا ہوا ہو گا اور پھر اس کو قوت میں لانے کے لیے اس کو حرکت دینی ہو گی تو اِسی طرح دین کے لیے اپنے میں حرکت کرنے کے لیے چار مہینے تمام عمر میں دو اور اب کرک کا اجتماع ہے، میرا بھی ارادہ ہے اور کئی اور لوگ آئیں گے تو اگر ہم آپ چاہیں تو بھی ساتھ چلیں۔ اِسی طرح اپنے کالج میں کوشش کریں۔ اگر ہم کوشش کریں تو ہماری زندگی بنتی جائے گی۔

حضور پاک ﷺ اور صحابہؓ کی دین کے لیے قربانی

یونیورسٹی ہاسٹل نمبر 3 (13 نومبر 1963ء بعد از نمازِ مغرب)

دین کے باغبان

میرے عزیزو اور دوستو! ایک باغ کا مالی ہو اور وہ کسی زمین کا انتخاب کرے اور اُس زمین کے انتخاب کے بعد اُس میں طرح طرح کے پھول اور بوٹے کاشت کرے۔ اِسی طرح دنیا میں شیرین قسم کے پھلدار درخت لگائے اور پھر اس میں اِتنی محنت کرے کہ نہ صبح دیکھے نہ شام، اپنا مال بھی اُس پر لگائے اور جان بھی لگائے۔ سردیوں کی سرد راتوں میں یہ اُٹھ اُٹھ کر کوشش کرے کہ اُن پر اوس نہ پڑے اور گرمیوں میں اُن کو مرجھانے سے بچائے۔ غرض یہ کہ جو بھی دیکھے وہ یہ کہے کہ اِس مالی کی ہمت کو شاباش دے جس نے ان پھولوں کو لگایا کہ جن کی خوبصورتی کی نظیر نہیں۔ اب اس مالی کا بڑھاپا آیا اور اللہ نے اُس کو دس بارہ بچے خوب جوان دیئے تھے۔ اب مالی جو حج پر چلا گیا۔ کچھ عرصہ مکہ میں رہا اور کچھ عرصہ مدینہ میں ٹھہرنے کا ارادہ کیا لیکن اس کو مدینہ شہر ایسا بھایا کہ وہاں رہنے لگا۔ اللہ نے عمر دی، بچے بھی مر گئے لیکن اس کو پتہ لگا کہ جو باغ اُس نے لگایا تھا تو تیرے نواسے نہ صرف یہ کہ اُن پودوں کی شاخوں کو کتر رہے ہیں، پھولوں کو کاٹ رہے ہیں اور اُن کو پانی بھی نہیں دے رہے، کسی کا ایندھن انہوں نے بنا دیا اور ختم کر دیا۔

پس ماندگان کی نااہلی

اب سنیئے کہ اُس بوڑھے مالی کے دِل پر بجلی گرے گی، ہنسے گا یا روئے گا، خوش ہو گا یا خفا ہو گا۔ ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ خبر سن کر اگر اُس کی طاقت ہو اور مدینہ کی بستی اس کو نہ بھائی ہو تو پرندوں کے پَر لگا کر یہاں آئے۔

ہائے دوستو! مالی سے میری مراد حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے اور یہاں اس اُمت کا باغ لگایا۔ آپ کے پودے، گُل بوٹے اُمت کے افراد تھے جن کے آباد کرنے میں روشن کرنے میں آپ ﷺ نے اس میں دِن رات محنت کی، خون پسینہ کو ایک کیا، نہ بال بچوں کو دیکھا نہ صحابہؓ کو دیکھا۔ تمام کو قربان کیا کہ ایک اُمت بن جائے۔ کیا ایسی اُمت جو یہودیوں کی طرح مال اکٹھا کرنے والی ہو یا نصاریٰ کی طرح ہو۔ اللہ کی قَسم! اس لیے حبیب پاک ﷺ نے محنت نہیں کی۔ آپ آئے اور اس بات کو جان لو اور خوب سمجھ لو کہ اس کے لیے حضور ﷺ نے محنت نہ کی؟ آپ ﷺ کی محنت پوری دنیا کی محنتوں سے زیادہ قیمتی ہے اور وہ محنت کس لیے ہوئی کہ ایک مسلمان اللہ کا پہچاننے والا بن جائے۔ اُمت کے ایک ایک فرد کا نقشہ اور خاکہ حضور ﷺ والا ہو۔

مومن کی مثال

جیسے آم کے درخت پر آم کے پھل آتے ہیں، سیب کے درخت پر سیب کے اور کھجور کے درخت پر کھجور کے پھل لگتے ہیں تو حضور ﷺ نے یہ چاہا کہ اس اُمت کے درختوں پر حضور ﷺ والے پھل آئیں۔ مومن کا درخت جو ہے اس کے اندر کا ایمان اللہ کی ذات سے بندھا ہوا اور غیروں سے کٹا ہوا ہوتا ہے اور جیسے کہ درخت اپنی جڑوں سے خوراک اور پانی کھینچتا ہے، اسی طرح مومن کی مثال ایک ایسے درخت کی ہے جس کے اندر ایمان کے چشمے کھولتے رہتے ہیں۔ وہ خدا سے لیتا رہتا ہے۔ حبیب پاک ﷺ کی محبت اس کی رَگ وپے میں سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے۔ اُس کی ذات سے جو آتا ہے وہ حبیب پاک ﷺ کے خاکے میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے یعنی حبیب پاک ﷺ ہمیں ایک خاص معاملات والی، خاص اخلاق والی اُمت بنانا چاہتے تھے۔ یہ نہیں کہ مسلمان کو دیکھ کر یہ خیال گزرے کہ یہ کوئی یہودی، نصرانی اور یا کوئی دوسرا آرہا ہے، صحابہ کرامؓ جس علاقے میں گئے تو اُن کے دیکھنے پر

لوگوں نے کہا کہ یہ تو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ جن کے اعمال، جن کے اندر کی بے قراری ایسا ظاہر کرتی ہے کہ یہ لوگ تو کسی دوسرے عالم کے معلوم ہوتے ہیں۔ تو جیسے نشے والے کی آنکھ اور ہر ایک اندام بتاتا ہے، اسی طرح ایک مومن کی ذات اور مومن کا جسم بتاتا ہے کہ یہ بہاؤ پر نہیں چل رہا ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ والے احکام کو اپنانے والے ہیں۔

اب جب اس باغ کا مالی پردہ فرماگئے اور مدینہ کے اُس سبز گنبد کے اندر آپ نے قیام کو ترجیح دی تو آپ نے متولی بنادیا، اپنی اُمت کو اور اُس کو ہدایت کی کہ اس باغ کی ایک ایک شاخ پر کملاہٹ نہ آئے، ایک ایک کلی کملانہ جائے اور جو شخص اس باغ کو اس حالت پر رکھے گا وہ قیامت میں میرے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اُس حال پر مرے جس پر کہ میں اُس کو چھوڑتا ہوں تو وہ قیامت کے دن میرے سب سے نزدیک ہوگا۔

حضور ﷺ نے اس اُمت کے باغ کو جس حالت پر چھوڑ دیا تو صحابہ کرامؓ بھی اس روش پر چلتے رہے۔ یہ باغ پھلتا رہا، پھولتا رہا اور جو بھی اس کو دیکھتا تھا وہ یہ کہتا تھا کہ یہ کس مالی کا باغ ہے، جس نے اِس کو اس محنت کے ساتھ قائم رکھا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا، تابعین کا زمانہ آیا، تبع تابعین کا زمانہ آیا، حتیٰ کہ نوبت ہم تک پہنچی۔ اب بجائے اس کے کہ ہم اُس کی وسعت میں ترقی دیتے تو ہم نے اِس کے پتّے پتّے کو توڑ دیا، درختوں کی شاخوں کو کاٹ دیا اور جڑوں سے اکھیڑنا شروع کیا۔ اخلاق پر حملہ کیا، معاملات چھوڑے اور پھر حبیب پاک ﷺ کی سنتوں پر چلنا تو علیٰحدہ رہا، اُلٹا حبیب پاک ﷺ کی سنتوں پر ہنستے رہے۔ ایک ایک چیز کو چھوڑا اور پھر یہاں تک بات پہنچی کہ عقائد جو کہ بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں، اُن کے لیے کلہاڑا لیا اور جڑوں سے کاٹنا شروع کیا۔ آج اسلام ہمارے سامنے مٹ رہا ہے لیکن ہم کو توجہ نہیں، غیر صرف نہیں اُجاڑ رہے ہیں، ہم خود اس کو تباہ و برباد کرتے ہیں۔

دین کیا ہے؟

دین کس چیز کا نام ہے؟ یہ ایک عمارت ہے۔ اس کی ایک ایک اینٹ اور سیمنٹ کو

اکھیڑ کر علیحدہ کرتے رہو تو کل یہ اینٹوں کا انبار ہو گا، عمارت نہیں ہو گی۔ اِسی طرح اگر ہم دین کے ایک ایک عمل کو چھوڑ رہے ہیں تو دین مٹے گا یا نہیں اور پھر دیکھ لو کہ جب اس کی اطلاع حبیب پاک ﷺ کو پہنچے تو وہ خفا ہوں گے یا نہیں۔ ہائے! تو حدیث میں آتا ہے کہ ایک روایت میں پیر کے دن اور ایک میں جمعرات کے دن اور ایک میں جمعرات اور پیر کے دن اور ایک میں ہر ہر دن حضور ﷺ پر ہمارے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ تو کیا ہم حضور ﷺ کے دُکھ کا مرہم بن رہے ہیں یا اُن کو اذیت دے رہے ہیں تو دوستو! کیا آپ کا گمان نہیں کہ جب کوئی شخص اُمت پر کوشش کرنے والا بنے اور اس کی خبر حضور ﷺ کو پہنچے تو کیا وہ خوش نہیں ہوں گے۔ حضور پاک ﷺ کا پیارا نہیں بن جائے گا۔ کیا قیامت کے دن حضور ﷺ اس کو اپنے گلے سے نہیں لگائیں گے، کیا اپنی شفاعت سے نہیں نوازیں گے۔

بھائیو! دین حضور پاک ﷺ کو نہایت ہی عزیز ہے۔ عزیز نہ ہوتا تو اس کے لیے آپ ﷺ نے پتھر نہیں کھائے ہوتے، پاؤں سے خون نہیں بہا ہوتا، سر پر کوڑا نہیں لیا ہوتا۔ یہ سب کچھ سہا لیکن دین کے لیے محنت کی۔

ہم اور ہمارے اسلاف

دیکھو! یہ ایک حقیقت ہے اور حقیقت چھپائی نہیں جاتی۔ ہمارے طریقے دین کے طریقوں سے ہٹتے چلے رہے ہیں۔ ہم حبیب پاک ﷺ کے طریقے کو چمکا نہیں رہے، غیروں کے طریقوں کو چمکا رہے ہیں۔ کچھ تو فکر کرو، تم محمد ﷺ کے جوان ہو، وہ جوان ہو جس کے ایک نوجوان نے اِس پورے ہند کو فتح کیا۔ محمد بن قاسم نے سترہ سال کی عمر میں پورے سندھ کا علاقہ فتح کیا۔ تمہارے نوجوانوں کے سامنے بڑے بڑے بہادر نہیں ٹھہرتے تھے۔ تمہیں دیکھ کر سُورماؤں کے پتّے پانی ہوا کرتے تھے، تم سے تو چٹانیں ڈھا جاتی تھیں۔

دوستو! سوچ اور فکر کرو اور اس بات کو ایک پگلے کی آواز نہ سمجھو، سوچو اور فکر کرو،

سوتے ہو تو فکر کرو کہ دین کو ہم سے فائدہ پہنچ رہا ہے یا نقصان۔ دین کے ہم نقاب بن گئے ہیں یا ظاہر کرنے والے ہیں۔ تھوڑی سی فکر بھی کرو تو تم میں سے چند پورے علاقے کو پلٹا سکتے ہیں۔ بارہ آدمی تھے جنہوں نے بیعت عقبہ میں حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان بارہ آدمیوں نے مدینے کو پلٹا دیا۔

کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تُو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفان بھی ہے

ذرا اللہ والے ہو جاؤ، بات کو میں لمبا نہیں کرتا۔ ایک درد کی آواز آپ کے کانوں تک پہنچانا چاہتا ہوں کہ دیکھو! ایمان کی دولت کو کفر والوں پر قربان نہ کرنے دو، چراغ ہو، اُس میں تیل بھی ہو اور وہ طوفان اور آندھی میں چل رہا ہو تو کیا چراغ بجھ جائے گا یا نہیں تو آج جس قدر الحاد، بے حیائی اور بے غیرتی کی ہَوائیں اُٹھ رہی ہیں، آج ہماری نگاہ اُٹھتی ہے تو مکے اور مدینے کو تلاش نہیں کرتیں بلکہ ماسکو اور واشنگٹن کی طرف اُٹھتی ہیں۔ ہماری غیرت کیوں نہیں جاگتی اور بقول اقبال ہم یہ کیوں نہیں کہہ سکتے:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

دین کا بچاؤ

اب چاروں طرف سے آندھی چل رہی ہے تو اس کے بچانے کے لیے یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اس کی چاروں طرف ایک روک لگالیں، گتا ہو، جو کچھ بھی ہو، اِسی طرح ایمان کے چراغ سے ایک روک کی ضرورت ہے کہ جب ہم اِس دنیا سے جائیں تو ابراہیم اور یعقوب علیہم السلام کی وصیت کے مطابق "فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ" تو مسلمان ہو کے جائیں۔ اب یہ روک کیا ہے کہ ہمت کر کے اس دین پر استقامت کی کوشش کرو اور بُرائیوں

سے بچنے کی کوشش کرو۔ ہٹلر نے کہا ہے:

جارحیت سب سے بڑا دفاع ہے .Offence is the best defence۔ اس آفنس (جارحیت) کو اختیار کرو۔ کیا مطلب ٹکّے لگاؤ، مسلمان کے وہ ٹکّے بھی دلربائی شان رکھتے ہیں۔ کیا مطلب کہ اوروں کو یہ بات پہنچاؤ اور کہو کہ یہ مان تو کامیاب ہو جاؤ گے اور نہیں مانو گے تو تو بھی ناکام اور میں بھی ناکام۔ تو اب جو غیر دیکھے گا کہ یہ تو خود ایک پروگرام رکھتا ہے تو وہ تم پر حملہ آور نہیں ہو سکتا۔ بلّی اُس پرندے کا شکار کرتی ہے جس کے پَر نہ ہوں یا کہ جو نیچے بیٹھا ہوا ہو تو تمہارے جب دعوت کے پَر لگ جائیں تو پھر غیر تم پر حملہ آور نہیں ہو سکے گا۔ کیا یہ غیر جو ایٹم بم اور کیا کیا بنا رہے ہیں۔ کیا وہ اپنی موت کو دعوت نہیں دے رہے۔ وہ اقبال کا کہنا:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ، ناپائیدار ہوگا

عزمِ نو کی ضرورت

دوستو! تم کو ایسا دین دیا گیا ہے کہ عیسیٰ اور موسیٰ (علیہم السلام) بھی آجائیں تو اُس کے مدعو ہوں گے۔ انگریز کا زمانہ تھا اور قوم میں نہایت ہی سُستی پیدا ہو گئی تھی۔ ۱۸۵۶ء میں انگریزوں کی فوجیں لکھنو تک آپہنچیں۔ اب واجد علی شاہ اپنے جرنیل مرزا جنگی کو کہتے تھے کہ جاؤ توپوں کو نکالو۔ تو وہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ جی صاحب! کہ توپ کے منہ پر تو جناب والا کے کبوتروں نے انڈے دے رکھے ہیں۔ کیا اجازت ہے کہ ان کو نکالوں تو جب جوانمردی ختم ہو جاتی ہے تو جنگی سامان کا یہ حال ہو جاتا ہے۔ اب جب انگریز آجاتے ہیں اور واجد علی شاہ کے گھر پہنچ جاتے ہیں تو گھر والوں نے یہ کہا کہ اللہ کرے اُن کے توپوں میں کیڑے پڑ جائیں تو جب ہمت ختم ہو جاتی ہے تو وہ بددُعائی پر آجاتے ہیں۔ اب ان کے سپاہی بھی اِتنے سُست ہو گئے تھے کہ اُن کو ''اُحدی'' کہتے تھے تو ایک تھا اُس نے ایک سوار کو پکارا کہ بھائی یہاں آؤ۔ وہ جو آیا تو کہا کہ یہ بیر جو میرے سینہ پر پڑا ہوا ہے اس کو میرے منہ میں ڈالنا۔ اُس نے ایک ہنٹر لگایا کہ

مجھے جو گھوڑے سے اُتارا تو اپنے اِس قریبی ساتھی سے کیوں نہیں کہا؟ ساتھی نے جواب دیا: کیا میں اس کے لیے بیر کو اُٹھاتا۔ کل جو کُتّا میرے منہ میں موت کرتا رہا، اِس نے تو اُس کو ہٹایا نہیں۔

دیکھو بھائی! آج ہمارا یہ حال ہو گیا کہ دین کے بارے میں سُست اور دنیا کے بارے میں چُست ہو گئے۔ دیکھو! تم یہاں مختلف قسم کی چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے آئے ہو اس لیے آئے ہو کہ یہاں کچھ سبق حاصل کر کے دنیا کمالو اور پھر حالت یہ ہوئی کہ جب تھوڑا جونئیر ہو جائے تو کہیں گے کہ خدا کرے جلدی ختم ہو جائے کہ اُس نے ہماری سینیارٹی کو ختم کر دیا ہے۔ ہماری تو روٹیوں پر بھی انگریزوں کے گرجے کے گھنٹے بج رہے ہوتے ہیں تو جس طور پر اس دنیا کے لیے محنت کرتے ہو، اُس زندگی کے لیے جو موت تک رہتی ہے تو اس زندگی کے لیے کتنی عمر لگانی ہو گی جو کہ ختم ہونے والی نہیں۔ تم نے اس زندگی کے لیے دس سال سے کم تو نہیں لگائے ہوں گے تو اب اُس لامحدود زندگی کے لیے اگر چار مہینے لگائیں تو یہ کچھ مشکل ہو گا؟

دیکھو! ہم نے اماں کا دودھ دو سال تک پیا اور اگر دین کے دودھ پر چار مہینے لگالیں تو کیا بڑی بات ہو گی؟ تو اسی طرح دین کے لیے کچھ وقت لگالو بلکہ کچھ تو کرو۔ یہاں کرک میں کوہاٹ کے علاقے میں ایک اجتماع ہونے والا ہے۔ اس کے لیے ہم کوشش کریں۔ انشاء اللہ میرا ابھی ارادہ ہے اور ہاسٹلوں کے بھی کچھ لڑکے جارہے ہیں۔ آپ جا کر دیکھیں کہ یہ میلا ٹیلا کیسا ہے؟ مثال کے طور پر آپ کا ہو کوئی رومیٹ کہے کہ میری ہے شادی، کہو گے کہ چلنا کہاں ہو گا۔ کہا کہ سکھر میں۔ سکھر کا سُن کر تم تو چکر میں پڑ جاؤ گے لیکن پھر جانا ہی پڑے گا۔ تو اب یہ دین کا کام جو ہے، اس کے لیے جی چاہتا ہے کہ شہر سے کئی لاریاں نکلتی ہیں، اسی طور پر اگر دین کے لیے بھی ایک لاری نکل جائے تو کیا بڑی بات ہے؟

ایمان اور غیبی حقائق

گنج علی خان مسجد پشاور شہر (14 نومبر 1963ء، شب جمعہ بعد از نماز مغرب، 8 بجے 5 منٹ)

انبیاء علیہم السلام اور غیب

عزیزو، دوستو اور بزرگو! انسان کی کامیابی کا وہ راستہ جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے انسانوں پر کھولا گیا اور جس راستے پر ڈالنے کے لیے انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے، وہ طریقہ ان تمام طریقوں سے جداگانہ ہوتا ہے جو انسان اپنے ذہن سے سوچ سے مقرر کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ اپنا طریقہ نہیں۔ یہ اللہ کا بتایا ہوا ہے جو انسان اپنی سوچ سے حاصل نہیں کر سکتا، جب تک اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں پر کھول نہ دیں۔ انبیاء علیہم السلام پر وہ حقائق منکشف کئے جاتے ہیں جو دوسروں پر ظاہر نہیں کیے جاتے۔ انبیاء علیہم السلام وہ سوچتے ہیں وہ بتاتے ہیں، جو کسی ذہن میں پرکاہ کے بقدر بھی نہیں آتا۔ نبوت اِتنی بڑی چیز ہے جو اور کسی کو دی نہیں گئی ۔ یہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہو کر حضور ﷺ کے زمانے تک یہ زمانہ مخصوص فرمایا۔ اس کی حکمت نے یہ فیصلہ فرمایا کہ پہلے نبی آدمؑ اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہوں گے، یہ ایک فیصلہ تھا جو کہ ہوا۔ یہ ایک منصب تھا، ایک چیز تھی جو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر ختم کی۔ نبوت اپنی ذات میں بذاتِ خود اِتنی بڑی چیز ہے جو انسان اپنے ذہن سے حاصل نہیں کر سکتا ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی رحمت ہے جس کے لیے وہ خود اپنے بندوں کو چُنتا ہے۔ وہ اپنے لیے راہیں بناتے ہیں، اللہ جو کچھ اُن سے کہتا ہے وہ کہتے ہیں، اُن پر حقیقت ایسی واضح ہوتی ہے جیسے کہ آج کل ہم کھلی آنکھوں سے دوپہر کے وقت سورج کی روشنی میں بڑی بڑی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ اسی طرح وہ ان حقائق کو جن کو ہم مغیبات کہتے ہیں۔ دیکھتے ہیں ان پر حقیقت کھلتی ہے، وہ دیکھ کر کہتے ہیں۔

ہمارے آقا پر اللہ تعالیٰ نے اُن حقائق کو کھولا، معراج پر لے جایا گیا اور میں تو یوں

کہوں کہ معراج سے بھی اُوپر لے جایا گیا۔ حضور ﷺ نماز پڑھتے ہیں، چند قدم آگے بڑھے اور پھر پیچھے ہٹ گئے۔ فرمایا کہ مجھ پر اس دیوار میں جنت کی حقیقت کھولی گئی۔ میں نے چاہا کہ اس سے انگور کا ایک خوشہ توڑ لوں اور اگر میں توڑتا تو تمام لوگوں کے لیے کافی ہوتا کیونکہ وہ عالم بقا کی چیز ہے اور فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ایک عورت ہے جو کہ جہنم میں ایک بلی کے سبب سے جارہی تھی تو ہمارے لیے قال ہے، ان کے لیے حال ہے، ہمارے لیے غیب ہے ان کے لیے شہود ہے۔

ایک صحابیؓ سے فرمایا کہ کیا حال ہے؟ تو عرض کیا کہ یہ حال ہے کہ جنت کھلی ہوئی ہے اور یہاں تک کہ لوح محفوظ پر قلم جو چل رہا ہے، اس کی آواز سنتا ہوں، نبی ہوتا ہے اللہ کا برگزیدہ۔ اُس کو نوازا ہی جایا جاتا ہے۔ اس کو مل چکا ہوتا ہے، وہ تقسیم کے لیے آتا ہے تو یقین نبی کے سینے پر کھلتا ہے، وہ اس یقین کو واپس لیکر نہیں جاتا، وہ اس کو تقسیم کرتا ہے۔

ایمان کیا ہے؟

ان حقائق کا یقین کر لینا، اُن باتوں کو یقینی سمجھنا جن کے لیے نبی کہتے ہیں کہ یہ ہیں زمین و آسمان ٹوٹ پھوٹ کر رِہ جائیں لیکن نبی جو بات کہے وہ غلط نہیں ہو گی۔ انبیاء علیہم السلام کی باتیں جیسے کہ اُس وقت تک حق تھیں، اب بھی حق ہیں جیسے کہ انہوں نے کہا تھا، اللہ کی ذات قائم ہے اور ابد الاباد تک قائم رہے گی، اسی طرح نبی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے وہ ابد الاباد تک ہو گی، نبی کی بتائی ہوئی بات ایسی حقیقت ہے کہ جس پر عمل کرنے سے اللہ کی رضا ملتی ہے۔

دوستو! نبی کہاں سے آتا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے وہ کہتا ہے کہ تمہارے طریقے تمہارے گڑھے ہوئے ہیں اور ان میں اور اللہ کی باتوں میں اِتنا فرق ہو گا جتنا کہ اللہ تعالیٰ اور تجھ میں فرق ہے۔ تُو بھی عدم اور تیرا وجود بھی عدم۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے نیستی سے ہست کیا، اب بھی اگر وہ چاہے کہ ہم سب کے سب نیست ہو جائیں تو سب کے سب ختم

ہو جائیں، وہ وجود بھی کوئی وجود ہے، کیا وہ باقی کہنے کے لائق ہے جس کو اپنا اختیار نہ ہو کہ اپنے کو باقی رکھے تو انبیاء آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے بے جان انسان، اے بے عقل انسان! اپنے محدود علم پر، محدود عقل پر اُن بنیادوں کو نہ اُٹھا جو نا محدود علم والی ہیں، تیری زندگی صرف یہاں تک نہیں، قبر تک نہیں، تیری زندگی قبر کے بعد بھی رہے گی، کیوں غلط طریقے کو اختیار کرتا ہے، وہ طریقہ اختیار کر جو کہ تمہارے ساتھ ہر جگہ ساتھ رہے گا، حکمت اللہ کی ذات سے پھوٹتی ہے، وہی بات درست ہوگی جسے خدا درست کہے اور وہی بات غلط ہوگی جس کو خدا باطل کہے۔ ”هُوَ الْحَقّ“ اور ”كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهُ بَاطِلُ“ سب نظام باطل سب طریقے باطل صرف انبیاء علیہم السلام کا طریقہ حق ہے۔ وہ باقی ہے جس کو انبیاء علیہم السلام لاتے ہیں اور لوگوں پر پیش کرتے ہیں۔ قبر والی زندگی، حشر والی زندگی، ابد الاباد والی زندگی، آج ہم جنت صرف لفظوں کو کہتے ہیں کیونکہ ہمارے سامنے اس کی حقیقت واضح نہیں کہ جنت میں کیا ملے گا، تو وہ نبی ﷺ جس پر ہر ایک چیز کی حقیقت کھلی ہوئی تھی۔ وہ فرماتے ہیں ”وَ قَوْلُكَ حَقّ، وَالْجَنَّةُ حَقّ، وَالنَّارُ حَقّ“ کہ اللہ کی بات بھی سچی اور جنت اور دوزخ کی حقیقت بھی سچی۔ یہ تمام حقیقتیں ہیں، سچائیاں ہیں اور ان کے سامنے جو بھی آئے وہ دھوکا ہے فریب ہے۔

تو انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے انسانو! تم سب کے سب فریب میں ہو، دھوکے میں ہو، اب میں بازار سے ایک انگوٹھی لے آیا اور سو روپے دیئے۔ میں اس کو سونے کی سمجھتا تھا اور ایک جاننے والے نے کہا کہ بھائی اس کو کیا کرتے ہو؟ یہ تو پیتل کی ہے۔ جاننے والے نے تو دیکھتے ہی کہا کہ اس کی قیمت ایک چونی کی بھی نہیں اور نہ جاننے والے نے سو روپے ضائع کیے تو انبیاء علیہم السلام نے آکر کہا کہ یہ دنیا دھوکا ہے، فریب ہے۔ یہ ایک سایہ ہے، اس کو چھوڑ دو اور اصل کو قابو کر لو تو سایہ خود قبضے میں آئے گا۔ دنیا کی حقیقت ہی ایسی ہے کہ صبح و شام فکر میں لگے رہتے ہیں، کون ہے؟ جس کی یہ کوشش نہ ہو اور پھر خواہشیں

پوری نہیں ہوتیں اور بقول مولانا:

اہل دنیا کافران مطلق اند
ہر زمان در جک جک و در بک بک اند

(کافران مطلق اہل دنیا ہی ہیں کہ وہ ہر وقت بے فائدہ چیزوں میں لگے رہتے ہیں۔)

جیسے کہ دریا کے اُوپر مکان نہیں بن سکتا، تعمیر نہیں ہو سکتی، اسی طرح اِس دنیا پر بنیاد نہیں چڑھ سکتی۔ تو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ دیکھو! مرنا ہے اور مرنے کے بعد ایسی زندگی نہیں ہوگی کہ میں تو زندگی یہاں گزار گیا اور مرنے کے بعد میری زندگی کے نتائج کوئی دوسرا بھگتے بلکہ جو بیج میں نے یہاں بویا، اس کا پھل میں ابد الاباد تک کھاؤں گا۔ اگر زہر کا پودا لگایا گیا تو زہر کا پھل کھاؤں گا۔

اس کے لیے انبیاء علیہم السلام پورا طریقہ بتاتے ہیں۔ ایک زندگی دیتے ہیں زندگی کا کل اور جز جو ہوتا ہے، وہ نبی کی بتائی ہوئی زندگی میں آجاتا ہے۔ وہ کامل ہوتا ہے اور کامل ناقص چیز نہیں بناتا۔ پوری کی پوری زندگی کا جزو کل اس دائرے میں آتا ہے اور جو بھی اس دائرے سے نکل جاتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ جیسے کہ کسی بادشاہ کا رکھ ہوتا ہے اور کوئی چوپایہ اس کے قریب چرنا شروع کرے تو اندیشہ یہ ہے کہ وہ چرتے چرتے بادشاہ کے رکھ میں منہ مارے تو فرمایا: کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں۔ تم اگر اس کی طرف بڑھتے چلے جاؤ تو اندیشہ یہ ہے کہ مشتبہات سے ناجائز اور حرام چیزوں میں پڑو جیسے کہ تم سمجھتے ہو کہ دنیاوی کامیابی بغیر محنت کے نصیب نہیں ہوتی۔ اسی طرح دین کا راستہ بھی بغیر محنت اور مشقت کے نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن انعامات کا سزاوار بنایا، وہ نبیوں کا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی محنت نہیں بتاتا، ایسا مجاہدہ نہیں بتاتا کہ دیوار سے سر مار کر کچل دو۔

یہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ نہیں۔ وہ یہ بتاتے ہیں کہ اپنے نفس کو نہ دیکھو، اپنے تقاضے کو نہ دیکھو۔ ایک طرف ماحول کھینچتا ہے، بیوی بچے کھینچتے ہیں۔ اب یہ اُس کو کر لیتا ہے جو اللہ کہتے ہیں، بچے اپنی طرف کھینچیں لیکن یہ اللہ کی طرف بڑھے، دنیا کا ذرہ ذرہ اُس کو اپنی مرغوبات کی طرف کھینچے لیکن یہ اس کی طرف بڑھنے والے نہ ہوں۔ جب یہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گا۔ فرمایا: ”لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ“ جب تک مجاہدات کی گھاٹیوں سے نہیں گزرو گے تب تک راہیں نہیں کھلتیں۔ ”وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ“ اُن پر وہی حقائق نہیں کھلتے، جب تک مجاہدہ نہ ہو۔ مجاہدہ کامیابی کی کنجی ہے۔ فرشتوں کی راہ مشاہدہ کی ہے اور انسان کی راہ مجاہدہ کی ہے۔ انسان کی ترقیات ہر آن بڑھتی رہتی ہیں، ہر آن چلتی رہتی ہیں، اُن لوگوں کے درجات جو کہ مجاہدہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی راہیں سمجھاتا ہے اور ان کو اللہ کی معیت حاصل ہو جاتی ہے۔

میں بات کو لمبی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ بات لمبی ہو چکی ہے۔ دوستو! اس بات کا تم کو بھی یقین ہے کہ دین حق ہے، رسول اللہ ﷺ کی بات حق ہے، موت آنے والی ہے، اشیاء کے لینے سے انسان نہیں بن جایا کرتا، اللہ کے لینے سے انسان بن جایا کرتے ہیں۔ تو دوستو! اللہ کے لینے کے لیے اور ان چیزوں سے نکلنے کے لیے اور ان کو اپنے دل سے نکالنے کے لیے ایک مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، معمولی سا کانٹا چبھ جائے تو کتنی محنت سے نکالتے ہو، سوئی لیتے ہیں تاکہ یہ کہیں پھنس کر خراب نہ کر دے۔ تو کانٹے کو تو ہم اِتنے طریقے سے نکالتے ہیں اور دنیا کے زہریلے کانٹے جو کہ ہمارے دِلوں میں گھر کر چکے ہیں، ان کے لیے جو کہا جائے کہ یہ زہریلے کانٹے ایسے ہیں جو کہ آخرت تک بھی نکل نہیں جائیں گے۔ یہ ایسے کانٹے ہیں کہ جو آخرت میں پھنسائیں، ہاتھ میں پھانس پڑ جائے تو انسان فوراً ڈاکٹر کے پاس چلا جاتا ہے تو کیا دل میں ان کانٹوں کے نکالنے کے لیے آخرت میں چلے جائیں گے، اُس وقت چلیں گے جبکہ کہا جائے

فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (المنافقون ۱۰:۶۳)

(تو وہ یہ کہے کہ ”اے میرے پروردگار! تُو نے مجھے تھوڑی دیر کے لیے اور مہلت کیوں نہ دے دی کہ میں خوب صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں شامل ہوتا۔)

تو اس وقت سے پہلے، اُس کے آنے سے پہلے اپنے اوقات کو فارغ کرو، موت تک محنت ہے اور اس محنت کے لیے ابتداءً یوں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے چار مہینے دے کر نکل جاؤ۔ یہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں میں وہ نُور بھر دے جو کہ انبیاء علیہم السلام کے سینوں سے نکلتا ہے، جس نُور کے آنے کے بعد انسان اس دنیا کی چیزوں سے نکل کر آخرت کی چیزوں پر محنت کرنے والا بن جاتا ہے۔ یہ وہی نُور ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الزمر ۲۲:۳۹) (بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے پروردگار کی عطا کیہوئی روشنی میں آچکا ہے (سنگدلوں کے برابر ہو سکتا ہے) ہاں بربادی ان کی ہے جن کے دِل اللہ کے ذکر سے سخت ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔)

وہ کفر کے لیے نہیں جنت کے لیے زندہ ہوتا ہے اور مرتا ہے اللہ کے لیے اور جیتا ہے اللہ کے لیے وہ اپنے لیے نہیں جیتا۔ وہ اللہ کے لیے زندگی گزارتا ہے۔

تو دوستو! اب وہ تقاضے جو ہمارے اندر پیدا ہوگئے کہ ہم دنیا کے لیے زندگی گزاریں گے، اس کے لیے مریں گے تو کہتے ہیں کہ اِن تقاضوں کو نکالو اپنے دل سے اور اس کے لیے چار مہینے گزارو، اس دنیا کی گندگیوں سے نکلنے کے لیے چار مہینے دو۔ تو جب یہ دل میں آجاتا ہے تو شیطان کہتا ہے۔ اگر یہ کہہ دیا تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ دوستو! تمہارا یہ بول اُس کے لیے ہلاکت ہے وہ اپنی ہلاکت کو آپ کی زبان سے ہلاکت پکارتا ہے۔

صدقہ اور خیرات

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تین باتوں پر قسم کھاؤں اور حبیب ﷺ ہمارے تمہارے جیسا نہیں کہ ہر بات پر قسم کھالیں تو فرمایا کہ ایک تو یہ کہ مال خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ تو فرمایا کہ دوزخ سے اپنے کو بچاؤ، چاہے ایک کھجور کی گٹھلی ہو، وہ بڑھانے والا ہے، بڑھو اس کی طرف، تیری ان چیزوں میں جو اللہ کے لیے لگ گئیں بڑھوتری ہے اور اُن اوقات میں جو اللہ کی راہ میں گزرے اور ہلاکت کا سبب ہیں وہ چیزیں جو کہ غیروں کے راستے میں لگ گئیں۔ ایک دفعہ حضور ﷺ گھر میں تشریف لائے، بکری ذبح کی ہوئی تھی تو فرمایا کہ کچھ باقی ہے تو عائشہؓ نے فرمایا کہ اور تو سب کچھ تقسیم کیا، ایک دست باقی ہے تو فرمایا کہ جو کچھ باقی رہ گیا وہ ختم ہو گیا اور جو کچھ دیا گیا وہ باقی ہے۔ قرآن کی تشریح کی۔ قرآن میں آیا ہے: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ ط (النحل ۹۶:۱۶) (جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب کچھ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔)

تو اس کے لیے ارادے کر کے کوشش کرو۔ ایک دوسرے کی طرف مت دیکھو، اپنے دل کو دیکھو اور اپنی آخرت کی ضرورت کو دیکھو، جتنے بھی چاہتے ہو تو اِتنے ہی اوقات لکھاؤ۔ بات سمجھ میں آگئی، مٹھائی ہو تو منہ میٹھا ہوتا ہے تو موت کے وقت منہ میٹھا کرنے کے لیے مٹھائی کھاؤ۔ تو بھائی جلدی جلدی لکھاؤ جتنا بھی ہو سکے۔ بولنا کہتے ہیں، کہنے کو اپنے ارادوں کا اظہار کرنے لگو۔ او بھائی بولو! ہمتیں کرو کوششیں کرو۔ کہتے ہیں کہ اجتماع ہو رہا ہے۔ کیا یہ ہو گا کہ چلے گئے اور پھر واپس آگئے۔ کوئی چار مہینوں کے لیے نکلیں گے، کوئی چھ مہینوں کے لیے نکلیں گے تو ان کو سنبھالنے والوں کی بھی تو ضرورت ہو گی اور میں تو یہ کہوں کہ اگر خود سنبھلے ہوئے ہوتے تو آج ہم پتھروں کی طرح ساکن و جامد نہ ہوتے۔ وہ قرآن میں آتا ہے کہ بعض پتھر ہوتے ہیں، جن سے پانی بہتا ہے اور بعض پتھروں کو چیر کر پانی نکلتا جاتا ہے اور بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ فرمایا: اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ۔ (الحدید ۱۶:۱۰۸) (جو لوگ

ایمان لے آئے ہیں کیا ان کے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دِل اللہ کے ذکر کے لیے اور جو حق اُترا ہے اس کے لیے پسیج جائیں۔)

دیکھو بھائی! رات میں اپنے طالب علموں سے عرض کر رہا تھا کہ بچپن میں ماں کا دودھ پیا، میں نے تو دو سال پیا، کیا تم نے بھی پیا تو اس کے لیے پہلے ماں نے سکول کھول دیا تھا کہ جاؤ بیٹا! پہلے دو سال وہاں تعلیم حاصل کر کے دودھ کو چوسنا سیکھ لو اور پھر یہاں آکر دودھ کو پی لو یا خود ہی اللہ نے طریقہ بتایا تو کہتے ہیں کہ ہم تبلیغ میں نکلیں گے لیکن ہمیں کچھ آتا نہیں تو جیسے بچپن میں بغیر تعلیم کیے طریقہ بتایا تو اسی طرح طلب کے بقدر ضرورت کے مطابق یہاں بھی اپنے فضل سے سکھائیں گے۔

بھائی ہمتیں کر کے نقد لکھاؤ، دنیا کے نقد کے لیے تو پھرتے ہیں لیکن آخرت کے نقد کے لیے حرکت نہیں۔ بھائی میں تو اُونچا سننے والا ہوں تو اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ تو کہہ رہے ہوں گے لیکن میں نہیں سنتا ہوں گا اور یا یہ بات ہو گی کہ جیسے میں نہیں سنتا۔ اسی طرح آپ بھی نہیں سنتے ہوں گے تو بھائی ارادے لکھاؤ، جتنا بھی ہو۔ کرک کے اجتماع کے لیے بھی جو لکھانا چاہے وہ بھی نام لکھالیں۔

تصوّف اور اُس کی نزاکتیں

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (18 نومبر 1963ء، بعد از نماز مغرب، بروزِ پیر)

جیسے اور کاموں کے لیے فن کے اپنے آدمی ہوتے ہیں، اسی طرح تصوف کے فن کے لیے بھی محقق صاحب نسبت صاحب برکت آدمی کی ضرورت ہے، یہ سب سے ادق فن ہے۔ ایک طرف اللہ سے معاملہ ہے وہ غامض سے غامض قصہ ہے اور گھاٹیاں شیطان جو پیدا کرتا ہے اور پھر نفس اور روح سے معاملہ پڑتا ہے۔ روح خود غائب اور نفس کے فریب اس سے اشد، اس بنا پر یہ فن مجھ جیسے ہر اناڑی کا نہیں، حافظ نے کہا ہے:

ہزار نکتہ باریک تر زمو اینجا است
نہ ہر کہ سر تبر اشد قلندری داند

(یہاں بالوں سے بھی زیادہ ہزاروں باریک نکات ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہکوئی بھی سر کے بال تراشے تو وہ قلندر بن جائے۔)

اور جیسے کہ عہد بہ عہد دینی علوم والے حضرات کم سے کم ہوتے جارہے ہیں، اس طور پر اس فن کے محقق اور صاحب نسبت اشخاص کی دن بدن کمی آرہی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اول تو یہ اشخاص کمیاب اور بعض جگہوں میں نایاب یا بحکم نایاب اور پھر طالب کمیاب، طالب بنے تو طلب صادق پیدا ہو بھی، تو شیطان اس کو آخر تک پہنچنے سے پہلے پہلے کاذب یا کمزور بنالیتے ہیں، یہ معاملہ عمر بھر کا روگ ہے اور یہاں دو چار قدم چل کر کئی رِہ جائیں، آج کل شیوخ سے استفادہ کرنے کے لیے جس طلب، جذب، محبت،، اعتقاد، اعتماد، ادب، اتباع، احوال کی نگرانی اور اُن کی اطلاع کا اہتمام ہونا چاہیے، وہ بھی نہیں، ہر چیز طریقہ سے آئے بے طریقہ کچھ نہ آئے، ہاتھ ملانا چاہو، تو کسی کا بازو پکڑ لو، تو اس کو مصافحہ نہیں کہتے، تو آج استفادے کی راہیں کم اور مستفیدین کی تکمیل بہت ہی کم اس وجہ سے ہوگئی۔

وہ میرے ہو کے بھی میرے نہ ہوئے
اُن کو اپنا بنا کے دیکھ لیا

پرانے مشائخ اور صوفیائے کرام کے ہاں جیسے سخت مجاہدات اور جیسا استغنا مریدین سے اور مستفیدین سے وہ برتتے تھے، باوجود اس کے اُن کے مریدین اور متعلقین کی طلب جیسے اُن سے چمٹائے رہتی تھی اور اُس طلب کی وجہ سے شیوخ باوجود استغنا کے اُن کے حال پر متوجہ ہو ہی جاتے تھے۔ نیز استفادہ اور اصلاح کی اصل اور بنیاد قلبی طلب اور دلی لگاؤ ہے، جہاں طلب ہوتی ہے اللہ رب العزت جو مربّی حقیقی ہیں، خود بخود قریب فرمادیتے ہیں، یہاں ایک اور چیز بھی قابل التفات ہے، شیخ کا اعراض اگر کسی بنا پر ہوگا، اگر مرید اخلاص کے ساتھ اپنی طلب میں کم نہیں ہوا اور اس کے دل کا لگاؤ پہلے جیسا یا پہلے سے بڑھ کر شیخ کے ساتھ ہے، تو یہ لازم نہیں آتا کہ شیخ سے افادہ کی راہ مسدود ہو جائے اور اس کا واقعہ حدیث میں آتا ہے۔ حبیب پاک سیدنا محمد ﷺ جو سید المرسلین اور سید المرشدین بھی ہیں، خفا ہو گئے، تین آدمیوں سے تبوک کے بارے میں۔

اب ان میں کعب ابن مالکؓ، بلالؓ ابن امیہ اور مرارہؓ بن ربیعہ یہ تینوں آدمی باوجود خفگیٔ حبیب پاک ﷺ کے اُسی طرح حضور پاک ﷺ کے دامن سے حقیقتاً چمٹے رہے تو کیا ہوا لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

(التوبۃ۹:۱۱۷،۱۱۸)

(حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر اور اُن مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے ایسی مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا جبکہ قریب تھا کہ اُن میں سے ایک گروہ کے دِل ڈگمگا جائیں پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی یقیناً وہ ان کے لیے بہت شفیق

بڑا مہربان ہے۔ اور ان تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ ان پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی۔ ان کی زندگیاں اُن پر دوبھر ہوگئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے خود اسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی۔ پھر اللہ نے اُن پر رحم فرمایا تاکہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رجوع کیا کریں۔ یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔)

اللہ نے توجہ کی، اس کے مقابل میں اگر مرید کے قلب میں شیخ کے متعلق انقباض ہو، اور اس سے بڑھ کر اعتراض اور اس سے بڑھ کر استخفاف، ہلکا پن پیدا ہو جائے تو کیونکہ یہ راستہ نرا ادب ہے، فیوض کی آمد بند ہو جاتی ہے اور تعلق منقطع ہو جاتا ہے، اب اس کے آگے تفصیلات ہیں اور استخفاف میں تو ہلاکت ہی ہے، وہ تو اگر اب ایسا بھی پیر ہو، جو کہ تابع شریعت نہ ہو، تو فسخ بیعت کے متعلق اگرچہ شریعت کا حکم ہے لیکن استخفاف نہیں ہونا چاہیے کیونکہ تمہارے لیے تو وہ اسم ھادی کا مظہر تھا۔

اب ایک اعتراض ہے جو کہ لفظاً ہے اور حقیقتاً نہیں، ایک سوال ہے اور اعتراض، ظاہر میں دونوں ایک جیسے لیکن ایک کا مطلب وضوح ہے اور بقول حضرت تھانویؒ ادب رافع انقباض ہے، ایک اعتراض کی نوع ایسی ہے کہ آپ کے شیخ میں کچھ برائیاں ہیں، اور وہ شریعت کے خلاف ہیں، تو ایک تو اس کے لیے موقع اور محل دیکھنا چاہیے تو پہلے تو دیکھو کہ اگر کسی مذہب کے مطابق تاویل اور جواز کا پہلو نکل سکے تو چھوڑ دو، اور اگر یہ نہیں تو اُس سے پوچھو اور اگر یہ بھی نہیں، اور وہ شریعت کے خلاف ہو تو پھر سلاماً سلاماً یعنی میرا معاملہ تم سے نہیں چل سکتا، لیکن پھر بھی ادب ہی ہو، بہت سارے ایسے ہوتے ہیں جو کہ بچوں کو مارتے ہیں، حقیقتاً شریعت کے خلاف نہیں ہوتے ہیں، لیکن ہمیں ایسا نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس گئے اور پاجامہ اُتار دیا اور انہوں نے ایسے دیکھا، کوئی خاص زخم تھا۔ اب وہ پاجامہ نہ اُتارے تو پاجامہ کے اُوپر سے دکھائی نہ دے، اب شیطان کو اسی راہ سے اشتباہ ہوتا ہے، کہ کہیں پہنچ نہ جائے، تو وہ رَسّی ہی کو کاٹ لیتے ہیں، جیسے سر منی ہوتی ہے، جس میں اسی کو کاٹ لیتے ہیں۔

دوسری بات میں نے استخفاف کی کہی، اس کا مطلب کسی کو ہلکا سمجھنا ہے، تو اس کے بعد شیخ اور مرید کا تعلق اور معاملہ باقی نہیں رہے گا۔ اگر کسی نوعیت سے اعتراض آگیا، اور ابھی استخفاف کی نوعیت نہیں آئی ہو، تو اگر شیخ کو پتہ نہ بھی ہو، تو اللہ کی طرف سے فیوض آنا بند ہو جائیں گے۔ نرا فقیہ، نرا عالم اُس سے بڑا ہو، لیکن یہ علیٰحدہ فن ہے، ایک طرف تو ہو گاما پہلوان اور دوسری طرف ہو خالد یا قربان۔ اب گاما پہلوان نے ہاکی نہ کھیلی ہو اور خالد و قربان نے کھیلی ہو، تو اب اس کھیل میں کون جیتے۔ قصاب جیسے گوشت کو کاٹے ہم نہیں کاٹ سکتے، اور بقول ہمارے حضرت کے: بغیر کسی ماہر فن کے بسولا پکڑنا بھی نہ آئے، تو جب اعتراض اس رُخ سے آجائے، جو شیخ کے استخفاف کا کوئی پہلو لیے ہوئے ہو، تو وہ نسبت جو شیخ کے ساتھ تھی وہ منقطع ہو جائے گی، اور وہ نسبت جو کہ شیخ کو آلہ بنا کر اُس کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم تھی، وہ قطع ہو جائے گی۔

آنکھ میں توبہ کے آنسو دِل میں اُس بُت کی ہوس
ہائے اس گنگا جل دِل کو کیسے زمزم و کوثر کروں

تو بات یہ ہے کہ جو کچھ بھی انسان اپنے دوسرے مشاغل کے لحاظ سے اختیار کرے، باطنی تربیت اپنے شیخ ہی سے متعلق رکھے۔ یکے گیر و محکم گیر۔

اب در پیر مغان چھوٹے نہیں
اس کی مٹی میں بھی کیف جام ہے

بات یہ ہے کہ یہ تعلق جو ہے کیونکہ حقیقت میں رشتۂ الٰہی کی کڑی ہے، اِس بنا پر اس کی بقا اور سنبھالنے کا خیال ہونا چاہیے، بعض اوقات کڑوے کڑوے حقائق میٹھے میٹھے بول میں بولنے پڑتے ہیں اور وہ بھی اس لیے کہ آگے تول ہے اور اگر وہ تول نہ ہوتا، تو یہ بول نہ بولنے پڑتے، دل کی دنیا حقیقت میں بالکل علیٰحدہ دنیا ہے، نہ تو مچھلی کے جال جیسے کہ جال ڈالا اور پکڑی گئی، اور نہ پرندے کی طرح کہ تیر چلایا اور شکار ہوا، ایک دن کی بات نہیں، عمر بھر کا سودا ہے، عارضی نہیں بلکہ حقیقی عمر بھر کا سودا ہے۔ عالم مستقر تک کا سودا ہے، تمام مراحل

زندگی بقول حضرتؒ اِس ہی کے ساتھ وابستہ ہیں، معاملہ ہے ایمان کا اور ایمان کا حصول اس دنیا میں ہے، اور موت کے بعد اس کے نتائج کا ظہور ہے، تو باطنی اصلاح، اور نفس کی اصلاح اور قلب کا سنوارنا خود ایک مستقل فن ہے، خیال ایسا ہوتا ہے کہ لفٹننٹ محمد اکرم خان کو انجینئرنگ کالج کا اور درانی صاحب کو میڈیکل کالج کا پرنسپل بنایا جائے اور پھر خاص موضوعات پر لیکچر دیں، تو کر جائیں گے۔

تو ہائے دوستو! دنیا کے بارے میں بات تو سمجھ میں آجاتی ہے لیکن دین کے بارے میں سمجھ نہیں آتی اور حقیقتاً حضور ﷺ جملہ علوم کی ایسی ہستی تھی جس کی نظیر لانا مشکل ہے۔ علم میں اعلم الناس، حکمت میں احکم الناس، معرفت میں اعرف الناس۔ اگر کمال کا کہیں ظہور ہے تو انتہائے کمال آپ ﷺ کی ذات ہے۔ حضور ﷺ کی ذات میں تمام علوم وفنون ایک جگہ پر تھے اور بعد کے زمانے میں جیسے کوئی فقیہ، کوئی مفتی، کوئی مفسر بن گیا تو اِس فن تصوف کے بھی محقق ہوگئے اور بعض ایسے جامع اشخاص بھی ہوتے ہیں جو ماہر حدیث بھی ہوں اور ماہرِ اصلاح باطن بھی ہوں اور نہ بھی ہوں تو شریعت کے جاننے والے ہوں۔ صاحبِ نسبت لوگوں کے ساتھ صحبت گزاری ہو اور ان کی صحبت سے فکر آخرت، اصلاح اعمال پیدا ہوتے ہوں اور اہل حق ان کی اچھائی کے گواہ ہوں تو یہی بات کافی ہے۔ اس کے لیے صاحب کرامت ہونا ضروری نہیں۔

تو بہر حال بات یہ ہے کہ اصلاح باطن کا فن ایک خاص فن ہے، ہر کس وناکس اور میرے طرح کا آدمی اس فن کا ماہر نہیں بن سکتا، اس میں آلہ حقیقی بننا پڑتا ہے تو اس وجہ سے اس راہ کے جو قواعد ہوں، ان کی پیروی کرنی چاہیے اور وہ نہ ہوں تو اللہ قادر ہے لیکن عادتاً فائدہ نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا تعلق اور اطمینان

گنج علی خان مسجد پشاور شہر (21 نومبر 1963ء، شبِ جمعہ، 8 بجے شام)

عزیزو، بزرگو اور دوستو! زندگی میں انسان کوشش یہ کرتا ہے کہ کچھ ایسی زندگی گزارے جس زندگی میں اسے راحت ہو، چین ہو اور آرام ہو اور اس کا نتیجہ بھی آرام ہو۔ جو قوم ہے، جو طبقہ ہے، جس علاقے کے لوگ ہیں، سب کا مقصد راحت طلبی، چین اور سکون ہوتا ہے۔ ہر طبقہ اس کے لیے محنت کرتا ہے اور اپنی قوتوں کو لگاتا ہے کہ کسی طرح یہ میسر ہو جائے۔ اب یہ کس چیز کا نام ہے اور کیسے میسر ہوتا ہے۔ اس کے صحیح سمجھنے کے لیے لوگوں کی مختلف راہیں ہیں، طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ وہ طبقہ جو اللہ کی راہوں سے کٹا ہوا ہے، وہ یوں سمجھتا ہے کہ راحت سامان میں ہے، چیزوں میں ہے۔ وہ قوتوں کو لگا کر سامان مہیا کرتا ہے اور اس کے لیے راحت اور چین کو بھی قربان کرتا ہے اور انسان کی سب سے بڑی جہالت اور کیا ہوگی کہ جس راحت کے لیے وہ محنت کرتا ہے، وہ اس کی طلب میں راحت کو قربان کرتا ہے۔ آج انسان جس چیز کے لیے محنت کرتا ہے، اس کے لیے دل میں جو ذرہ بھر طمانیت ہوتی ہے وہ بھی قربان کر لینا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آرام نصیب ہو جائے، چین نصیب ہو جائے لیکن ہمارے دن رات صرف اس میں گزر جاتے ہیں کہ اطمینان میسر ہو۔ مثلاً ایک ملازم چاہتا ہے کہ مجھے چین نصیب ہو جائے، آرام میسر ہو جائے تو اگر اس کا نظریہ صحیح نہیں ہو گا تو وہ یوں سمجھے گا کہ مجھے مال آئے گا اور مال سے آئے گا سامان اور سامان کے نتیجے کے طور پر راحت آئے گی۔ زارع محنت کرتا ہے تو اس لیے کہ اس سے مال آئے اور مال سے راحت میسر آئے گی، اسی طرح مزدور پسینہ بہاتا ہے کہ اس کی وجہ سے مال آئے گا اور مال سے سامان اور سامان سے راحت، پوری کی پوری دنیا زارع سے لیکر زمیندار تک اور بڑے بڑے ملوں والوں سے لیکر مزدور تک، سب اس کے لیے بھاگ رہے ہیں کہ کسی طرح راحت میسر ہو جائے تو یہی

زمانے میں ایک فتنہ چلا اور لوگوں کے ذہنوں میں یوں آیا کہ اگر انسان کا معیارِ زندگی بلند ہو جائے، اس کے پاس کپڑے زیادہ ہوں، غلّے کی فراوانی ہو اور وہ اپنی زندگی کو عیش و عشرت کے طریقے پر گزارے گا۔ اس کو راحت زیادہ ہوگی لیکن ان پگلوں نے یہ نہ سمجھا کہ چین کی راہ سامان کی راہ نہیں، چین کی راہ اللہ کی ذات کو اپنے اندر بسانے کی راہ ہے اور اس راہ کے سمجھانے کے لیے جو لوگ آتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ سامان آجائے تو امن وراحت مل جائے بلکہ وہ یوں کہتے ہیں کہ دلوں کا چین اور اطمینان چیزوں کے آنے سے نہیں بلکہ چین آتا ہے چیزوں کے خالق سے۔ چیزیں مادہ ہیں اور دل روحانیت کو لیے ہوئے ہے، روح کا محبوب اللہ کی ذات ہے۔ چیزیں آتی ہیں تو نفس کی قوت بڑھتی ہے۔ اب انسان کے اندر نفس ہے اور دل ہے۔ اب نفس جتنا موٹا ہوگا، وہ انسانی تقاضوں سے ٹکرائے گا اور دل کے اندر بے چینی، بے قراری اور بے اطمینانی پیدا کرے گا۔ فرمایا: ''اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب'' کہ دلوں کا قرار دلوں کا اطمینان اللہ کی یاد میں ملتا ہے، مخلوق میں نہیں ملتا۔ اب مثال کے طور پر ایک شخص ہے اس کو تو لوہے کے پنجرے کے بجائے سونے کے پنجرے میں رکھتے ہو تو دنیا کا یہ حال ہے کہ ایک تو ہے کہ پنجرے کے اندر ہے اور ایک سونے کے پنجرے کے اندر ہے تو دنیا کی محبت پنجرہ ہے اور پنجرہ میں اطمینان کبھی نہیں ہوتا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ تم یہ جانو کہ اطمینان کس چیز کا نام ہے؟ تم یہ سمجھو کہ تمہارے اندر کمخواب کے کپڑے ہو جائیں تو چین میسر ہوگا، اولاد میں اور بیوی میں چین سمجھتے ہو، چین باہر والی چیزوں سے نہیں ہوتا، وہ اندر والی چیزوں سے ہوتا ہے، تم اپنے اندر کو سنبھالو تو چین آئے گا۔ اندر اگر اللہ کی یاد نہیں تو ناسور ہے، اندر کا خیال نہیں اور باہر کی چیزوں کو بناتے چلے جا رہے ہیں۔ رات کو ہمیں قرار نہیں اور پہلو بدلتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اس پَس ''Puss'' کو نکال کر مرہم لگائیں، لیٹے رہتے ہیں کہ اطمینان آجائے حالانکہ جب تک دل

کے اندر کا یہ زہریلا مادہ خارج نہ کیا جائے تو صحت نہیں ہو گی۔

تو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ تمہارا علاج خارج میں نہیں، تمہارا علاج تمہارے اندر ہے۔ تمہارا علاج نہ غریبی میں ہے، نہ امیری میں، نہ تجارت میں نہ زراعت میں، یہ علاج تمہاری آہ سے ہو گا۔ وہ ایسے نہیں ہو گا، انسان کا زوال اُس وقت سے شروع ہوتا ہے جب کہ وہ خدائی محبوبیت کو نگاہ سے ہٹا کر غیروں کو اپنا مقصود بنا لیتا ہے اور جو ایسا کرے گا تو وہ انتہائی ذلت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ (التین: ۹۵، ۴-۵) (کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے۔ پھر ہم اُسے پستی والوں میں سب سے زیادہ نچلی حالت میں کر دیتے ہیں۔)

انسان کا کمال اللہ کے سامنے جھکنے میں ہے۔ غیروں کے سامنے جھکنے میں نہیں، انسان کا دل عرش سے زیادہ قیمتی ہے۔ کعبۃ اللہ سے اس کا مقام زیادہ اُونچا ہے۔ اگر دل دل بن جائے، غیر کی طرف میلان نہ ہو، توجہ نہ ہو۔ ”حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ“ کے مقام پر ہو جائے اور پھر غیر کی ہیبت اور ہر غیر کے خوف کو نکال کر جھکے تو اللہ میاں کی طرف۔ تو اُس وقت دل دل بن جائے، عرش پر بھی تجلیات اُس معنی میں نہیں ہوتیں جس معنی میں تجلیات مومن کے دل پر ہوتی ہیں، غیروں میں اطمینان نہیں ہوتا بلکہ اطمینان اللہ کی ذات میں ہوتا ہے۔ فرمایا: ”ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ“۔ (التین: ۱۲، ۳۹) (کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے۔) ایک شخص ہے اور ایک ہی وقت میں یوں چاہتا ہے کہ شمال کی طرف بھی جاؤں اور جنوب کی طرف بھی جاؤں۔ مشرق کی طرف بھی چلوں اور مغرب کی طرف بھی چلوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا مسجود نہ شمال کی طرف نہ جنوب کی طرف۔ بس ایک کو لے لے، ایک کا ہو جا، تو تمام پریشانیاں دُور لیکن ہم یوں چاہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں ہر ایک چیز کو حاصل کریں لیکن ہر ایک چیز ایک ہی وقت میں حاصل نہیں ہوتی۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دَم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

خواہشیں بہت آرزوئیں بہت اور یہ کوشش کہ ہر بات پوری ہو جائے لیکن ایسا کب ہوتا ہے، نفس کی مثال جہنم کی ہے تو فرمایا کہ جب جہنم میں خوب کافروں کو ڈال دیا جائے اور پھر پوچھا جائے "هَلِ امْتَلَئْتِ" کہ اب تیرا پیٹ بھر گیا تو کہے گی کہ "هَلْ مِنْ مَّزِيْدٌ" کچھ اور بھی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت محمد ﷺ تشریف فرما تھے، دھماکے کی آواز آئی۔ صحابہؓ حیران کہ کیا بات ہے تو بعض اوقات یہی ہوتا ہے کہ نبی آتا ہے حقائق کو ظاہر کرنے کے لیے، چھپی چیزوں کو بتانے کے لیے جو یقین میں نہیں آتا، گویا وہ دل کے اندر کی چیز بن جائے تو فرمایا: کہ یہ وہ پتھر ہے کہ جو جہنم کے اندر پانچ سو سال ہوئے کہ گرایا گیا تھا اور اب یہ جہنم کے کنویں میں پہنچا تو اللہ کی حکمت نے یوں چاہا کہ تمہیں اس کی آواز سنا دے۔ فرمایا کہ ایک کالی گائے ہو اور اس پر چند سفید بال ہوں تو فرمایا کہ جیسے کالی گائے میں کالے بال ہیں وہ تو جہنم جانے والوں کی تعداد ہو گی اور جو باقی ہیں، وہ جنت والے۔ جہنم والوں کی تعداد نہایت کثرت سے ہے تو فرمایا کہ "هَلِ امْتَلَئْتِ" (کیا تو بھر گئی) تو کہے گی کہ ابھی کہاں، سب کی سب اس میں ڈال دی جائے، تب بھی اس کا پیٹ نہیں بھرے گا اور یہ نہیں ہو گا کہ دوزخی چھوٹے ہوں گے جسامت اِتنی بڑھا دی جائے گی کہ دو دو میل تک ہو گی اور بچھو جو ہوں گے وہ اُونٹوں اور گائیوں کے برابر ہوں گے تو جب اِتنے بڑے لوگ جائیں گے، پھر بھی جہنم نہیں بھرے گی تو وہ تمام لوگ جو جہنم کے طالب بن کر زندگی گزارتے رہے، جہنم کی طرف بھاگتے ہوئے زندگی گزارنے والے جن کی پیٹھ جنت کی طرف اور منہ جہنم کی طرف ہو، خواہشات کا لینا اور احکام سے منہ موڑنا حقیقت میں جہنم کی راہ ہے۔ تو جب جہنم کو فرمایا جائے "کہ بھر گئی" تو وہ کہے گی کہ "اور بھی ہیں" تو فرمایا: کہ جب تجلّی ہو جائے، ساق کی تجلّی ہو گی تو فوراً پکارے گی کہ "قط قط" بس بس مجھ میں طاقت نہیں، پھٹی جاتی ہوں، تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نفس کی مثال

جہنم کی ہے۔ یہ پوری کی پوری دنیا ایک شخص کے نفس کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتی۔ نفس کا تقاضا اُس وقت مٹے گا، جب تم نفس کی خواہش کو تجلیاتِ الٰہی سے مٹا دو گے۔ نفس کا تقاضا اُس وقت ٹھنڈا ہو گا جب تم اس کو خداوند تعالیٰ کی تجلّیات کے پانی سے ٹھنڈا کر دو تب اس کی تسلی ہو جائے گی۔ مولانا فرماتے ہیں:

قطرہ قطرہ آب بر آتش بزن
تا شود نارے تو نور اے بوالحزن

(اگر نیکی کا ایک ایک قطرہ بھی بُرائی پر ڈالتے رہو گے تو گناہوں کی آگ سے ایمان کا نُور پیدا ہو گا۔)

فضل ساعت کار صد سالہ کند
نارِ ابراہیم را لالہ کند

(ایک گھڑی کا فضل سو سال کا کام دے جاتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام والی آگ کو لالہ زار بنا دیتی ہے۔)

یہ نفس راہ پر نہیں آتا، فرمانبردار نہیں ہوتا، زبان کے کلمہ پڑھنے سے نفس پورا کا پورا اسلام میں داخل نہیں ہوتا۔ فرمایا "ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً" اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، یہ نہیں کہ صرف انگشت تو مکان کے اندر داخل ہو اور کہو کہ ہم داخل ہو گئے۔ ایک عورت دَس خاوندوں کی بیوی نہیں ہوا کرتی۔ جب ایک شریف عورت اپنے خاوند کے علاوہ دوسرے شخص کو دیکھ بھی نہیں سکتی، تو دل جو اللہ کی محبت سے لبریز ہو، وہ دوسرے کا طالب نہیں ہوا کرتا۔ اللہ کو تو بے روگا دل چاہیے، وہ داغدار دِل کو نہیں لیتے۔[54]

---

[54]۔ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾ (سورۃ قٓ ۵۰:۳۰)

و اخرج البخاری و ابن مردویه عن أبي هريرة : يقال لجهنم هل امتلئت و تقول هل من مزيد فيضع الرب قدمه عليها فتقول قط قط ۔ (در منشور، ج۶، ص۱۳۹)

ہم بے چین کیوں ہوتے ہیں، بے قرار کیوں ہوتے ہیں؟ ہماری حالت یہ کیوں نہیں ہوتی کہ بیوی کے ساتھ بیٹھنے میں وہ لطف نہ آئے جو خداوند قدوس کے سامنے بیٹھنے میں ہو۔ اب خالق کی توجہ ہٹ گئی، مخلوق میں مزہ آنے لگا۔ اصل گم ہوگئی اور فروعات میں مزہ آنے لگا۔ وہ کسی پرانے آدمی نے کہا تھا کہ:

بعد از سی سال این نکتہ محقق شد با خاقانی
یک لحظہ با خدا بودن بہہ از سلطنت سلیمانی

کہ تیس سال کے مجاہدات کے بعد یہ بات خاقانی پر کھل گئی کہ اللہ کے ساتھ ایک لحظہ حاضر ہونا سلیمانی سلطنت سے زیادہ اچھا ہے۔ ناسور بنتا ہے، پھوڑا بنتا ہے تو وہ ایک دم نہیں بنتا بلکہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہے تو اگر اللہ کی حکمت کی بنا پر اوروں کو غیر کی محبت میں چین میسر بھی آگیا، جیسے کہ ایک جانور سمندر کو آگ میں میسر ہوتا ہے لیکن جس وقت حقیقت کھلے گی، زہریلا مواد خارج ہو جائے تو پتہ لگے گا کہ ہم نے کن ناسوروں کو جگہ دی تھی۔

تو دوستو! ابھی وقت ہے کہ ہم اپنے نظریات کو درست کر لیں لیکن موقع نکل جائے تو اس وقت اگر ہم یہ کہیں بھی کہ اے رب ہمارے! تھوڑا سا موقع دیں، مہلت دیں، تو کہا جائے گا کہ جو موقع دیا تھا، اُس میں کیا کیا۔ ہمارے ہاں تو قاعدہ یہ ہے کہ جب موت کا وقت آتا ہے تو ایک گھڑی کی تاخیر نہیں ہو سکتی۔ تم کروڑوں ڈاکٹروں کو بلالو لیکن جب آنے والا آتا ہے تو ایسے آتا ہے کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی اور جان والی چیز کو ایسے لے جاتا ہے کہ پتہ بھی نہیں لگتا۔

یہ ریکارڈ ہوتا ہے۔ اس کے اندر کیا بھرا ہوتا ہے، اب سوئی کو اُٹھا کر اس پر رکھ لیتے ہیں اور پھر باتیں شروع ہوتی ہیں۔ اسی طرح جب موت کا فرشتہ آتا ہے تو اس وقت سے لیکر جب ہم بالغ ہو جاتے ہیں، اُس کا حساب شروع ہوگا۔ یہ آنکھوں کا پھٹ جانا، چھت سے لگ جانا، ایسی ویسی بات نہیں ہوتی بلکہ اس سے وہ حقیقت کھل جاتی ہے جس سے آج ہم نے اپنی آنکھیں

بند کرلی ہیں۔ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ انسان سوئے ہوئے ہیں۔ جب مریں گے تو جاگ جائیں گے، یقین کھل جائے گا۔ اگر میرا یقین غیر کے لیے تھا، میرا دھیان غیر کے لیے تھا تو وہ راحت جس کو میں نسیم سمجھ کر راحت سمجھ کر اوڑھتا تھا تو یہی چیزیں کل خاربن جائیں گی۔

تو دوستو! جو وقت دیا گیا، محدود دیا گیا اور کہا گیا کہ اس راحت کو بچا کر پہلے سمجھو تو سہی۔ راحت کسے کہتے ہیں؟ یہ اُس کیفیت کا نام ہے کہ ہر ایک سے نکل کر اللہ کی ذات میں شاغل ہو جائے۔ دوسرے کی بات ہو، تو ہم ایسے بے قرار ہو جائیں جیسے مچھلی بغیر پانی کے ہو۔

دوستو! ہم نے تو پٹڑی ہی بدل دی، ہم نے اُس رُخ کو بدلا جس میں ہم سیدھے اللہ کی طرف چل رہے تھے۔ ہم نے اپنا رُخ جہنم کی طرف کیا۔ انبیاء کے طریقے کو چھوڑا اور غیر انبیاء کی طرف کیا، اُن راہوں کو اختیار کیا جو غیر انبیاء کا راستہ ہے۔ جو بات غیر اللہ سے آئے اُس میں بے چینی، بے قراری ہے اور جس بات کا تعلق اللہ سے ہو، اُس میں قرار ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اگر راحت کو لینا چاہتے ہو تو راحت سامان اکٹھا کرنے میں نہیں، چیزوں کے حاصل کرنے میں نہیں۔ مولانا نے ایک مثال دی ہے: ایک تیر انداز ہے اس کی طرف تیر ہر طرف برستے ہیں۔ اگر تم اُن سے بچنا چاہو تو کیا کرو گے۔ ایک صورت ہو سکتی ہے کہ اُس کے دامن میں چلے جاؤ۔ تو فرمایا:

ھیچ کنجے بے ددو و بے دام نیست
جُز بخلوت گاہ حق آرام نیست

کوئی جگہ بھی بغیر زحمت کے نہیں، سوائے خلوت گاہ حق کے، تو قرآن میں فرمایا گیا: ''فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِيْلًا'' اور ''فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا''۔ اب میں کراچی جانا چاہتا ہوں اور آرام سے پہنچنا چاہتا ہوں تو ریلوے والے ایک آسان طریقہ بتاتے ہیں کہ دیکھو! سیکنڈ میں ٹکٹ لے اور یا فرسٹ میں ریزرو کرالو اور ہم یہ کہیں کہ نہیں ہم تو تھرڈ میں جانا چاہتے ہیں اور آرام سے جانا چاہتے ہیں تو دونوں چیزیں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ یا تو تھرڈ کی

تکلیف ہو گی اور یا فرسٹ کا آرام ہو گا۔ تو چین سے جانا چاہتے ہو، آرام سے زندگی گزارنا چاہتے ہو تو اللہ والی راہ اختیار کرنی ہو گی، اللہ کے ہاں سیٹ ریزرو کرانا ہو گی۔ اب یہ ریزرویشن کیا ہے؟ ڈبہ کہیں باہر جا کر ریزرو کروانا نہیں ہوتا بلکہ تمہارے اندر کا جو ڈبہ ہے، اُسے اللہ کے لیے ریزرو کر لو، اُس پر لیبل لگاؤ کہ "Reserved for Allah" اگر غیر آ بھی جائے تو اندر جگہ نہ دو، تو اگر اس کو اللہ کے لیے ریزرو کیا، تو اللہ کی قسم! اللہ کی قسم! اگر خُبابؓ کی طرح آگ کے بستر پر لیٹے ہوں گے تو آرام ہو گا۔

ایک بڑا بادشاہ سلطان سنجر گزرا ہے۔ اس نے خط لکھا حضرت عبد القادر جیلانیؒ کو کہ اگر پسند فرمائیں تو میں آپ کی خدمت میں نیمروز کا علاقہ دے دوں تو حضرت نے رباعی فرمائی:

چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ باد
در دل اگر بود ہوسِ ملک سنجرم
زان روز کہ خبر شد مرا از ملک نیم شب
من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

تو فرمایا: سنجر کے چھت کی طرح میرے بخت کا منہ کالا ہو، اگر میرے دل میں سنجر کی بادشاہی کی ہوس بھی ہو، جب مجھے نیم شب کا جاگنا نصیب ہوا تو مجھے نیمروز کی قیمت ایک جو کے برابر بھی معلوم نہیں ہوتی۔ شاہ عالم ثانی نے کسی بزرگ کو کچھ دینا چاہا۔ کہا تو فرمایا "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ" کہ تمام دنیا کی متاع قلیل ہے۔ اب ہفت اقلیم کے ایک جزو کے جزو کو لے لوں تو کیا ہو گا تو ایک دفعہ شاہ عالم آئے دربار میں، کوئی تکلیف تھی پاؤں پھیلائے۔ تو فرمایا کہ بادشاہ بن گئے اور مجلس کے آداب نہیں سیکھے کیا پاؤں میں تکلیف ہے۔ کہا کہ ہاں۔ تو فرمایا کہ کہ جب تکلیف تھی تو تکلف کیوں فرمایا۔ تیمور کے پاؤں میں لنگ تھا تو بلایا ایک بزرگ کو، تو اس نے ٹانگ لمبی کی تو اس بزرگ نے بھی ٹانگیں لمبی کیں تو اب غصہ تو ہوا لیکن ادب کے لحاظ سے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا تو کہا: کہ "حضرت مارا لنگ است" تو اُس بزرگ نے کہا "مارا لنگ

است"۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے متعلق آتا ہے کہ ان کے چہیتے جو تھے امیر خسروؒ تھے۔ تو یہ وہ آدمی ہے جس کی وجہ سے ہندوستان میں اسلام پھیلا۔ دائم الصوم رہتے تھے اور دوسرے کام تھوڑے تھے تو فرمایا کہ اگر قیامت کے دن مجھ سے یہ پوچھا جائے کہ کیا لیکر لائے تو کہوں گا کہ اس ترک بچے کا سوز لیکر آیا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ کے متعلق ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ بعض اوقات جب سانس لیتے تھے تو اندر سے جلے ہوئے گوشت کی بُو آتی تھی اور میں نے خود بعض ایسے حضرات کو دیکھا ہے کہ باہم اِتنی محبت تھی کہ فرمایا کہ اگر شریعت میں منع نہ ہوتا تو ہماری دونوں کی قبریں اکٹھی بنائی جاتیں اور اب بھی قبریں قریب ہیں تو فرمایا کہ ہمارے اور ان بزرگوں کی مثال ایک چُھری جیسی ہے۔ چاہے چُھری خربوزے پر گرے اور چاہے خربوزہ چُھری پر گرے تو ہر حال میں خربوزہ کٹ جائے۔

ایک بزرگ کو بادشاہِ وقت جلال الدین خلجی نے لکھا کہ میں آنا چاہتا ہوں تو اُس نے کہا کہ ہم فقیر آدمی ہیں، بادشاہ وقت مسلمان ہیں، اُس کے لیے دُعا کرتے رہتے ہیں اور پھر فرمایا کہ میرے حجرے کے دو دروازے ہیں، ایک دروازے سے یہ داخل ہو جائیں تو دوسرے سے میں نکل جاؤں گا۔

حضرت بختیار کاکیؒ نے کہا کہ میری نماز جنازہ وہی پڑھائے کہ جس سے بلوغ کے بعد جماعت کی نماز فوت نہ ہوئی ہو اور جس سے تہجد کی نماز قضا نہ ہوئی ہو اور جس نے اپنی عصمت ناجائز پر کھولی نہ ہو تو جو شخص نکلا وہ بلبن تھا اور کہا کہ اگر حضرت کی وصیت نہ ہوتی تو میں اس راز کو فاش نہ کرتا۔

تو جب میاں کے لیے دل کو ریزرو کر لو گے تو پھر اس کو چھوڑنا بھی چاہو تو چھوڑ نہ سکو گے۔ دیکھو! جس سے بھی محبت کر لو تو وہ ساتھ چھوڑے گی، جس کو بھی محبوب بنالو گے تو تُو مٹے گا یا تیرا محبوب مٹے گا تو بس ایک کو محبوب بنالو، اس کو محبوب بنالو جو باقی ہے، اُس میں

مٹ جاؤ گے تو باقی ہو جاؤ گے۔ باقیوں میں، غیروں میں مٹ جاؤ گے تو فانی ہو جاؤ گے۔

تو یہ تبلیغ والے کہتے ہیں اپنے رُخ کے پھیرنے کے لیے چار مہینے نکالو۔ ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ گنگا جانا ہے یا جمنا جانا ہے، تو رُخ کو پھیرنے کے لیے، محبوب حقیقی کی طرف جانے کے لیے چار مہینے لگالو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ستّر سال کا گھسا ہوا رام ایک ہی دن میں نکلے گا لیکن کچھ تو اپنے رُخ کو بدل دو۔

بتاؤ! کتنی میری زندگی باقی ہے۔ آپ کا تو نہیں کہتا لیکن اپنے کو کہتا ہوں کہ یہاں سے اُٹھوں گا، یہ بھی پتہ نہیں لیکن مقصود کیا ہے؟ کہ یہ بھی لے لوں، یہ بھی لے لوں تو مجھے پگلا نہیں کہا جائے گا اور پھر جو وقت ہے، کیا پتہ ہے اس کی سینکشن آئی بھی ہے یا نہیں تو اس کے لیے کہتے ہیں کہ مرنے سے پہلے چار مہینے لگالو۔ کم از کم مرتے وقت اپنا رُخ تو قبلے کی طرف کرلو، عمر کی ڈور دوسرے کے ہاتھ میں ہے جس وقت بھی چاہے کاٹ لے گا۔

خلافت اور دعوت کے مختلف ذرائع

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (22 نومبر 1963ء، بروزِ جمعہ بعد از نمازِ عصر)

ایک خلافت ظاہرہ ہوتی ہے اور ایک خلافتِ باطنہ۔ تو ظاہری خلافت جیسے خلفائے راشدین کی تھی اور آج کل کی اصطلاح میں جس کو حکومت کہتے ہیں اور بعض لوگ اس کو حکومت الٰہیہ کہتے ہیں لیکن صحیح خلافتِ الٰہیہ ہے لیکن ہر ایک نبی کے پاس ظاہری خلافت یعنی حکومت نہیں تھی جیسے کہ حضرت عیسیٰؑ ہوئے اور دوسری چیز جو ہے وہ خلافت باطنی ہے اور یہ اُس کو کہتے ہیں کہ انسان خدا کے احکام کے نفاذ کے لیے جملہ صورتوں کو وجود میں لانے کی کوشش کرے، عام لوگ عام طور پر یوں سمجھیں کہ دعوت صرف بات کرنے کو کہتے ہیں۔ قولی دعوت کو دعوت سمجھیں، حالی دعوت کو کوئی دعوت نہ سمجھیں، حلوے والی "ح" ہے۔ باطنی دعوت کو، قلبی دعوت کو، دلی دعوت کو نہ سمجھیں۔ علمی دعوت کو، قدمی دعوت کو، دعوت نہ سمجھیں تو حقیقت کے لحاظ سے خلافت باطنی نبویہ وہ اِن تمام دعوتوں پر حاوی ہے۔ دین کے فروغ کے لیے اور خدا کے احکام کے احیاء اور نافذ کرنے کے لیے، چالو کرنے کے لیے ہر رُخ سے اللہ تعالیٰ کے احکام کو صحیح رُخ سے استعمال میں لے آنا۔

اب نبی کی دعوت میں تلاوت کتاب بھی آتی ہے، تعلیم کتاب بھی آتی ہے، علوم قرآن کا سمجھانا، مطالب قرآنی کا بیان کرنا، قرآن کی حکمتوں کو واضح کرنا، اپنے قول و فعل و حال سے ہر کیفیت سے قرآنی علوم کو واضح کرنا، اس کو حدیث، خصائل نبی کے حالات کہہ لیں۔ نبی کی نگاہ بھی دعوت ہوتی ہے، اس کا عمل اس کا حال سب کچھ دعوت ہوتا ہے جو بھی دیکھ لے آنکھ والا وہ ایمان لے آئے۔ اسی لحاظ سے اندروں والی دعوت جس کو قلبی دعوت کہتے ہیں۔ دل تمہارا کام کرے، کلاک کی سوئیاں انسان چلتا دیکھتا ہے لیکن پنڈولم نہیں دیکھتا لیکن پنڈولم رُک جائے تو سوئی چلے؟ اسی طرح اصل دعوت وہ ہوتی ہے جو دل کی قوت سے

چلے۔ یہ نہ ہو تو پھر ہاتھ سے سوئیاں چلانی ہوں گی، دھکم دھکا ہوگی اور جب دل زندہ ہوگا تو پھر یہ گرانی نہ ہوگی۔ اب دل کی دعوت کی مختلف صورتیں ہیں، وہ دل کی بے قراری کا اس حد تک پہنچنا کہ بے قرار ہو کر دُعا مانگے کہ اے اللہ! تُو یوں کر دے، تو اس لیے اندر کی بے قراری دُعا میں جان پیدا کر دیتی ہے۔ دُعا اور دعوت کا مادہ ایک ہے اور مولانا الیاسؒ نے بھی یہ فرمایا: ”کہ اس تبلیغی کام کا مقصد قوتِ دُعا کو بڑھانا ہے“۔ ہر نبی نے دُعا سے مختلف کام لیے اور ہمارے نبیؐ نے اس کو قیامت میں شفاعتِ کبریٰ کے لیے سنبھال رکھا ہے۔ دل دُعا گو بن جائے، اُمت کے حال پر کُڑھیں اور دُعا مانگیں یہ عرشِ الٰہی کو ہلا دے۔ یہ اولیاء اللہ کیا ہوتے ہیں؟ یہ قطب ارشاد ابدال اور اولیاء اللہ وغیرہ کیا کرتے ہیں تو قوت قلبی کام کرے، ایک تو یہ بات ہے اور ایک دوسری بات ہے۔ اُسے کہتے ہیں ہمت قلبی، اُسے توجہ باطنی بھی کہتے ہیں؟ کسی کو جھاڑو دیتے ہوئے دیکھا ہے جیسے جھاڑو کسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہ میل کچیل گرد و غبار اور یوں کہہ لیجئے کہ گند کو جھاڑو کے ذریعے سے جمع کر کے باہر پھینکتا ہے، اسی طرح یورپ میں بجلی کے جھاڑو چلتے ہیں تو اسی طور پر دل کا جھاڑو کرنا اور اس کی تیلیاں یہ توجہات ہوتی ہیں تو جیسے شعاعیں ہوتی ہیں جیسے ہمارے ڈاکٹروں کے ہاں الٹرا وایولیٹ ریز ہوتے ہیں، اسی طرح قلب کی توجہات کو متوجہ کرنا انسانوں کے قلوب کی طرف، اسی طرح قلب کی توجہ کو استعمال کرنا، دلوں سے گندگی کو اُتار دیتا ہے، اس کو توجہ باطنی کہتے ہیں۔ توجہ باطنی سے دلوں کے میل کچیل دُور کرنا، اب اس میں یہ بات ہوتی ہے۔ کبھی بجلی کی استری کی ہے، سرد ہو تو سلوٹیں دُور نہ ہوتی ہوں اور گرم کرو تو رکھو تو سلوٹیں ختم، اسی طرح جب دلوں کے اندر تعلق الٰہی کی گرمی آجائے، پھر توجہ کی استری رکھو تو تمام سلوٹیں دُور ہوں۔

تو دنیا میں جو ہدایت آتی ہے، یہ اہل اللہ کے تعلق سے آتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا على طاعتك۔ (مسلم، حدیث: ۲۶۵۴)

اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو پھیر دے اپنی طاعت کی طرف۔ اب دلوں کو دلوں سے جوڑ کر اللہ کی طرف پلٹا دینے کی جو قوت ہے اس کو کہتے ہیں توجہ۔ دلوں کی رگوں کو اس طور پر جوڑ کر ایسے پھیر دے غیر سے خدا کی طرف۔ تو یہ جب ہو گا کہ جب دلوں میں یہ قوت آجائے کہ غیروں سے پھر کر اللہ کی طرف آئے تو توجہات باطنی بذاتِ خود ایک دعوت ہے اور اسے کہتے ہیں قرآن کی اصطلاح میں تزکیہ۔ خیر کے قلوب جو ہوتے ہیں اُن سے جب مجھ جیسے شقی قلوب مل جائیں تو پاک ہو جائیں اور سب سے مزکی القلب کون ہیں؟ سیدنا محمد ﷺ۔ تو تزکیہ باطن بھی دعوت کی ایک شاخ ہے، دلوں کو صاف کرنا اور جب دل زندہ ہو جائے تو دل خود بخود راہ پر آجائے، ڈرائیور زندہ ہو تو گاڑی چلے اور جب ڈرائیور مر جائیں جیسے کہ کسی زمانے میں ایک گھڑی کے اندر مکھی چلی گئی تھی۔ گھڑی رُکی اور پھر جو دیکھا تو وہ بھی مری ہوئی تھی تو انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ اس مکھی کی وجہ سے چلتی تھی تو بعض انبیاء علیہم السلام کو خلافت ظاہری حکومت کے رُخ سے بھی دی گئی جیسے حضرت داود علیہ السلام کو دی گئی، حضرت سلیمان علیہ السلام کو دی گئی اور حضور ﷺ کو دی گئی تو ان کا مقصد اس سے دُنیا کی حکومت کرنا مراد نہیں بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ کی حکومت چلے۔ اللہ کے احکام کا نفاذ ہو، چاہے اس میں ان کی اپنی جان بھی چلی جائے تو اس میں قضا کے فیصلے ہوتے ہیں، مخلوق کی طرف بھی متوجہ ہونا پڑتا ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کے لیے وقت مقرر کیا ہوا تھا تو یہ بھی خدا میں مشغول ہوتا ہے لیکن بواسطہ مخلوق کے تو ذکر، تلاوت، تسبیح کرنا بلا واسطہ مشغول ہونا ہے تو انہوں نے اس کے لیے بھی وقت مقرر کیا تھا تو اللہ بڑے بڑوں کو آزماتے ہیں تو ایک دن آپ اندر بیٹھے ہوئے تھے تو دیوار سے کود کر دو ساتھی موجود ہوئے۔ انہوں نے دیکھا تو حیران ہوئے کہ کودنا کیسا؟ اب پوچھا کہ کیا بات ہے تو کہنے لگے کہ ایک کے پاس ننانوے دُنبے اور میرے پاس ایک دُنبی۔ اب یہ ننانوے والا کہے کہ مجھے یہ دُنبی بھی دے دو

تاکہ میری پوری سو ہو جائیں۔ حضرت نے کہا کہ بہت سارے شریک ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے شرکا پر زیادتی کرتے ہیں تو اب یہ بات کر رہے تھے کہ فوراً خیال آیا کہ یہ تو اللہ کا وقت ہے اس کو لوگوں کے دنیوی معاملات میں کیوں دیتا ہوں تو فوراً سجدے میں گر گئے۔

دینِ اسلام کا مقصد رضائے حق نہ کہ طلب حکومت

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (23 نومبر 1963ء، بروزِ ہفتہ بعد از نمازِ مغرب)

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کو ایک دن بخار تھا، بہت زیادہ تکلیف تھی، ایک سو چار بخار تھا، کہنے لگے کہ کوئی مسئلہ پوچھو تو جب مسئلہ بیان کرنے لگے تو بخار اُتر چکا تھا۔ اصل میں ہر ایک راہ کے اپنے اپنے طرق ہوتے ہیں۔ جیسے کہ مختلف ملکوں کی آب وہوا مختلف ہوتی ہے اسی طرح دل کی دُنیا بھی مختلف ہوتی ہے۔

کسی مذہب، کسی تحریک، کسی دین کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے اُس دین کے مقاصد اور ذرائع میں فرق کرنا اور تفریق کرنا ضروری ہوتا ہے، اس کے علاوہ جس زمانے میں وہ تحریک، مذہب یا دین وجود میں آتا ہے، بڑھتا ہے، پھلتا پھولتا ہے، کرتے کرتے یہ مضبوط ہو جاتا ہے اور اس کے بعد یہ ایک قرار اور مستقر پالیتا ہے، اُس ماحول کو جاننا سمجھنا اور اُس وقت اُن مقاصد کو سمجھنا ضروری ہے، اصل میں انبیاء علیہم السلام اور غیر انبیاء کی دعوتوں میں طریق کار میں، ذرائع میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے، نبی کی دعوت کی ابتدا اور انتہا اللہ کی ذات اور صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے۔ وہ اگر حکومت کے تخت پر ہوں، یا بوریائے فقر پر ہوں، اُن کا مقصد اللہ کی رضا کے تعلق کو اُن احکام کے ذریعے سے جوڑنا ہوتا ہے جو اللہ کی ذات کی طرف سے اُس نبی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جبکہ جملہ حکومتوں اور سلطنتوں کے قیام میں اور انبیاء علیہم السلام جو خلافت قائم کرتے ہیں، اُن میں مقصد کا بھی اور ذریعہ کا بھی دوسری تمام سلطنتوں کے مقابلے میں انتہائی فرق بلکہ تضاد ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ حکومت و سلطنت کو مقصود گردان کر اپنے اپنے نظریات کو چالو کرنے کے لیے یا نافذ کرنے کے لیے بھی درست سمجھتے ہیں، اُس طور پر وہ کوشش کرتے ہیں اور قائم کر لیتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کو اپنی حکومت اور سلطنت کا قائم کرنا مقصود نہیں ہوتا، ان کا مقصد سلطنت کا قیام نہیں

ہو تا بلکہ تمام جد وجہد کا مقصد خداوند قدوس کے احکام کے پیروی کرتے ہوئے نافذ کرنے کی کوشش ہوتی ہے یعنی انبیاء کے نزدیک مقصد قیام حکومت نہیں بلکہ قیام رضائے حق ہے۔ اب یہ رضائے حق ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم سب کا ایمان ہے کہ ہر نبی کو حاصل رہی ہے، چاہے وہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں، چاہے موسیٰ علیہ السلام ہوں، چاہے ابراہیم علیہ السلام ہوں اور چاہے نوح علیہ السلام ہوں۔ ہر نبی کو حاصل ہوتی ہے لیکن یہ بات بھی تاریخ اور احادیث سے ثابت ہے جس نے حکومت اور سلطنت کے منہ کو بھی نہیں دیکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سلطنت نہیں تھی، ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کے پاس حکومت نہیں تھی تو اگر دیکھا جائے تو حکومت کا قیام، منصب نبوت نہیں بلکہ حکومت اور سلطنت کے بغیر بھی نبوت نصیب ہوتی ہے۔ بعض انبیاء کو اللہ پاک نے سلطنت و حکومت بھی عطا کی مثلاً داوٗد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور حضور ﷺ لیکن اس کے لیے حکومت کا لفظ استعمال نہیں کروں گا بلکہ شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ میں خلافت ظاہرہ کہوں گا۔ اب سلطنت و حکومت جو ہے وہ مقصد نبوت نہیں، اب جو محنت بھی اس رُخ پر ہو گی کہ سلطنت کو مقصود بنایا جائے وہ نبوت کے رُخ سے نہیں ہو گی۔ اس کے مقابل میں اللہ کی رضا کے لیے ایمان اور ایمان کے بڑھانے والے اعمال اور اعمال صالحہ کے نتیجے کے طور پر اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی قوموں کو ظاہری حکومت کی بشارت دیتے ہیں یعنی اسلام میں حکومت مقصود نہیں، موعود ہے۔ فرمایا گیا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ (النور ۲۴:۵۵)

جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو اس دنیا میں بھی سلطنت و حکومت دے گا۔ دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ اگر ان کو حکومت دی جائے تو کیا کریں گے: اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ (الحج ۲۲:۴۱)

تو وہ نماز کو قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام قائم کریں گے۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام میں حکومت اور سلطنت مقصود نہیں بلکہ موعود ہیں۔ جب یہ مقصد متعین ہو گیا تو دعوت والی محنت میں بھی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ دعوت کی محنت ہو گی، حضور ﷺ والے رُخ کی، حضور ﷺ نے مکے میں اُٹھ کر یہ دعوت نہیں دی تھی کہ اے قریشیو! آؤ ہم ایک ایسا قبیلہ ہیں کہ جس کا مقابلہ عرب میں نہیں ہو سکتا تو آؤ کہ اکٹھے ہو جائیں اور اپنا تسلط جمائیں، کسی مستشرق نے بھی مکی زندگی میں یہ نہیں کہا بلکہ کہا کہ "يَاَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا" یعنی کلمے کی طرف دعوت دی، اللہ کے ساتھ تعلق جوڑنے کی دعوت دی۔ عام طور پر ہم ایک اصطلاح کہتے ہیں کہ حکومتِ الٰہیہ تو اللہ کی حکومت تو ویسے بھی چالو ہے تو اللہ کے احکام کو نافذ کرنے کے لیے جو حکومت ہو اس کو حکومتِ اسلامیہ کہتے ہیں۔

بہر حال اب دعوت جب نبی دیتا ہے، لوگوں کو اللہ سے جوڑتا ہے اور اللہ کی حکومت صرف اس زمانے میں محدود نہیں، اس عالم میں محدود نہیں اس لیے قرآن بار بار کہتا ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے تو اس کی بنیاد آخرت کا یقین ہو۔ یعنی دعوت کی بنیاد پر، وہ یہ نہیں کہتے کہ سلطنت قائم کرو۔ وہ کہتے ہیں کہ پھل عالم آخرت میں ملے گا، تم ایمان والے اعمال کو بڑھاؤ، احکامِ الٰہیہ کے پابند رہو تو اللہ کے نزدیک وہ قابل عزت ہے اور ایک شخص احکام کے نفاذ کی کوشش کرتا ہے لیکن مقصد حکومت اور سلطنت ہے تو اللہ کے ہاں اُس کا کوئی حصہ نہیں اور اللہ کے احکام کا نفاذ جسم پر نہیں ہوتا بلکہ دلوں پر ہوتا ہے۔ ایک علاقے میں آپ حکم جاری کریں لیکن باطن میں وہ نہ ہو تو اسلامی اصطلاح میں اس کو نفاق کہتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام دِلوں کو بدل کر دلوں پر حکومت کرتے ہیں، زنا کا قانون جو ہے کہ جب دونوں شادی شدہ ہوں تو دونوں کو سنگسار کیا جائے۔ اب اسلام نے اس کے لیے جو طریقے

بتائے تو اس کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہے تو اب کون دیکھے تو اسلام نے یہ معاملہ کیا کہ دلوں کو خود ندامت ہوگی کہ ہمیں پاک کرو، اپنے کو پتھروں سے سنگسار کرنا بڑے دل گردے کی بات ہے۔ ایک عورت آئی اور کہا کہ اے رسول ﷺ! مجھے پاک کیجئے۔ مجھ سے غلطی ہوئی تو ایک طرف سے دوسری طرف آئی اور ہر بار حضور ﷺ نے منہ پھیرا اور کہا کہ اس عورت کا دماغ تو خراب نہیں ہوا تو کہا کہ دماغ خراب نہیں بلکہ حمل واقع ہوا ہے۔ اب جبکہ سنگسار کیا جاتا ہے تو کسی کے منہ سے ایسی ویسی بات نکل گئی تو فرمایا کہ "ایسا نہ کہو، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ سب مدینہ والوں پر تقسیم کی جائے تو سب کے لیے کافی ہو"۔ تو اب کسی نے اس کے پیچھے سی آئی ڈی کو مقرر نہیں کیا تھا، خود دل کے اندر کی بات تھی تو اب اللہ کی حکمت ہے جب چاہتے ہیں حکومت دے دے لیکن دعوت سلطنت اور حکومت کی طرف نہیں ہے بلکہ حکومت انعام میں آتی ہے اور پھر بھی وہ اس کو مقصود نہیں گردانتے بلکہ ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ اللہ کا حکم ٹوٹنے نہ پائے۔ خلافتِ راشدہ اور دوسری خلافتوں میں یہی فرق ہے کہ وہ خلافت ایسے نہیں کرتے تھے بلکہ شاہی میں بھی فقیر رہتے تھے۔

آن مسلمانان کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

جس وقت سیدنا ربعی بن عامرؓ رستم کے دربار میں قادسیہ کی جنگ میں جاتے ہیں تو فرمایا کہ ہمیں تو اللہ نے اس لیے پیدا کیا ہے کہ لوگوں کو بتوں کی بندگی سے، غیر اللہ کی بندگی سے نکال کر اللہ کی عبادت پر لے آئیں اور پھر فرمایا کہ اگر تم اسلام کو قبول کرو تو ہمیں تمہاری سلطنت کی ضرورت نہیں۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ گو شریعت کا اجرا بغیر حکومت کے قیام کے نہیں بلکہ بہت سارے احکام ایسے ہیں جن کا اجراء بغیر حکومت کے نہیں ہو سکتا تو اب بات یہ ہے کہ

مقصد کو چھوڑ کر کسی ایسی چیز کے اجراء اور چلانے کی کوشش کرے گا جو مقصد کے درجہ میں نہ ہو تو مقصد کیا ہے؟ رضائے حق۔ رضائے حق کے لیے سلطنت پر لات مارنی ہے تو لات مارو جیسے کہ حضرت حسنؓ نے کیا اور اگر جان دینی پڑے تو جان دینی ہو گی جیسے حضرت امام حسینؓ نے کیا تو میں ایک موٹی بات عرض کروں کہ ایک آم کا درخت ہے، آم کی گٹھلی کو جب کہ اس کی گٹھلی خراب نہ ہو، اسے زمین میں ڈال دوں، جس کے حالات اس کے موافق ہوں تو جب ایسا موقع آجائے کہ وہ پھل دینے لگے، اگر کوئی مصیبت نہیں آئی تو وہ پھل دے گا اور اگر اس فطرتی قانون Law of Nature کی مخالفت کرو تو پھل کو کیا درخت بھی نہ رہے۔ وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ﴿۶۲﴾ (الاحزاب ۳۳:۶۲) اور وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا ﴿۴۳﴾ (فاطر ۳۵:۴۳) تو اب کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے جو احکام دیئے گئے، اس کی پیروی کرو، اس کے بعد خود بخود اگر سلطنت بھی آجائے تو اس کے بارے میں قرآن نے ایک تصویر کھینچی ہے اور بڑی اچھی۔ سورۃ فتح میں ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ تَرٰٮهُمۡ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضۡوَانًا سِيۡمَاهُمۡ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ ۛۚ وَ مَثَلُهُمۡ فِى الۡاِنۡجِيۡلِ ۛۚ كَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰى عَلٰى سُوۡقِهٖ يُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَـغِيۡظَ بِهِمُ الۡكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۲۹﴾ (الفتح ۴۸:۲۹)

اب دیکھو! یہاں اللہ میاں نے حبیب پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھیوں کی زندگی اور ان کی دعوت کو ایک درخت سے تشبیہ دی جیسے کہ ایک بیج ہوتا ہے۔ اس سے سوئی نکلتی ہے، پھر مضبوط ہو جاتی ہے، پھر موٹی ہو کر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ زراعت کا لگانے والا خوش ہوتا ہے اور جو کافر ہوتے ہیں وہ خفا ہوتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دعوت کے رُخ کو بتایا تو دعوت چلے گی خالص "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی دعوت پر، خالص

حضور ﷺ کے طریقہ پر اور حکومت کا آنا جانا اللہ کے حکم سے ہو گا۔ اب جو فرمایا: تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۔۔۔تو اب اللہ کی حکمت جب کسی کو حکومت دے گی تو وہ دیکھے گی کہ ایمان اور اعمال صالحہ کا درجہ اس میں کس حد تک آچکا کہ حکومت دی جائے تو انعام کے طور پر جو حکومت دی جاتی ہے تو وہ ایمان اور اعمال صالحہ کے بعد دی جاتی ہے اور جو امہال اور امتحان کے غرض سے دی جاتی ہے جیسے کہ انگریزی حکومت۔ تو حکومت کہیں تو دی جائے گی ایمان اور اعمالِ صالحہ کے نتیجے کے طور پر اور بعض اوقات امتحان کے لیے ہو گا اور بعض کو دیکر آزمایا جائے گا اور بعض اوقات لیکر آزمایا جائے گا۔ اسلام تو وہ ہے جو کہ فقیر کا بھی دین ہے اور امیر کا بھی دین ہے۔ عمر فاروقؓ کا بھی دین ہے اور عثمانؓ کا بھی دین ہے جو کہ تحت پر تھے اور ابو ذر غفاریؓ کا بھی دین ہے جو کہ فقیری میں رہتے تھے تو جو حکومت ایمان اور اعمالِ صالحہ کے نتیجے کے طور پر ہوتی ہے وہ ایسے قدموں میں ڈال دی جاتی ہے جیسے حضور ﷺ ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کو دے دی، جیسے عمر بن عبد العزیزؒ کو دی، اورنگزیب کو دی اور پھر بلبن کو دی۔

تو اب اگر حکومت کی بنا پر ہوتا تھا تو جب عرب کے امراء نے مکی زندگی میں حضور ﷺ کو وفد بھیج دیا کہ اگر عورت چاہتے ہو تو ہم دیتے ہیں اور اگر بادشاہی لینا چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بناتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے قبول نہیں کیا، دین اگر حکومت کے ذریعے پھیلا تو شاہ معین الدین اجمیریؒ کو کیا کہیں گے۔ تو دین بذریعہ حکومت نہیں پھیلا بلکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے طور پر پھیلتا ہے، اس وقت بھی آزمائش ہوتی ہے کہ خود پابند رہیں اور اوروں کو بھی پابند رکھیں۔ اس وقت ایک بات رہتی ہے کہ بعض احکام کے اجرا کے لیے قوت اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے تو اسلام کسی شخص کو اس کی قوت اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا بلکہ ہر مسلمان کی نیت ہو کہ اللہ کے احکام کو نافذ کرنے کی کوشش کرے، جتنی

بھی اس کی طاقت ہو۔ اگر اللہ نے غلبۂ حکومت بھی عطا کیا تو اس وقت بھی یہ کہیں گے، یہ بات پہلے ہی ذہن میں ہو گی، جس قوم کی ذہنی سطح اِتنی کچی ہو کہ معانی کو چھوڑ کے الفاظ کی سطح سے بھی نیچے جاچکی ہو، اُس وقت اگر عمارت کو قائم کرو گے، تو جو زمین نیچے نکل چکی ہے تو اگر حکومت اور سلطنت کے ذریعے احکام کا اجراء کیا جائے تو منافقت آئے گی تو اس کے لیے پہلے دعوت دینی ہو گی، پہلے ایمان اور اعمالِ صالحہ پیدا کرنے ہوں گے، اس کے لیے ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور حضرت علیؓ بننا ہو گا۔

تو بہر حال کہ وہ لوگ جو ایمان اور اعمالِ صالحہ کرتے رہیں تو اللہ حکومت کو ان کے قدموں میں ڈالے گا لیکن ان کا مقصد سلطنت نہیں ہو گا بلکہ رضائے الٰہی ہو گا اور مسلمانوں کی خرابی میں سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ انہوں نے حکومت و سلطنت اور باج و خراج کو مقصد بالذات گردان لیا۔ انہوں نے یہ گردان لیا کہ سلطنت مل گئی تو سب کچھ مل گیا۔ ہم یہاں پہنچے تو تختِ طاؤس ہمارا مقصد بن گیا، بوریا اور تخت ہمارے اندر سے نکل گیا۔

ایک قول ہے مشہور جو امام حسنؓ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ اب اس اُمت کا کام بطریقۂ سیاست نہیں چلے گا بلکہ بطریقۂ دعوت چلے گا اور پچھلے دَور میں حرف بہ حرف اس کی تائید ہوئی کہ جن لوگوں نے سلطنت و حکومت کو لیکر دین کو چلانا چاہا تو سلطنت اُن کو پسند ہوئی، جب کوئی اس کی مخالفت میں آگیا تو وہ اس کا رقیب بن گیا اور ایک دن کی بات ہے اور صحابہؓ میں جنگ جمل، واقعہ صفین، پھر کربلا اور دوسری جنگوں میں کیا ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے ڈھائی سال میں جو کام کیے، بہت زیادہ کام کیے لیکن جب آپ کی وفات ہوئی تو پھر وہی دور چلا گیا لیکن جو کام امام احمد غزالیؒ نے کیا وہ صدیوں تک رہا۔ اس کے ساتھ مجدد سرہندیؒ کے پاس اِتنے لوگ تھے کہ اگر وہ چاہتے تو جہانگیر کو تخت سے اُتارتے لیکن یہ بات آپ کو پسند نہیں آئی بلکہ دعوت کا کام جاری کیا کہ اکبر اور اس کے بیٹے اور پھر اس کے بعد اورنگزیب

عالمگیر اُس تخت پر بیٹھے۔ حافظ بھی اور پھر عالم بھی، رات کو مصلے کے سوار اور دن کو گھوڑے کے سوار۔ تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ اورنگزیب کے بعد حکومت تو چلی گئی لیکن دین تو رِہ گیا۔ یہی بات سیدنا حضرت مجدد سرہندی کی ہے کہ وہ حکومت والوں کو مسلمان کرنا چاہتا ہے۔

تو بہر حال مقصود یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصود حکومت و سلطنت کا لینا نہیں ہوتا بلکہ مقصود خدا کے دین کی دعوت تھی کہ لوگوں کا اللہ پر یقین آجائے، نماز کی دعوت دیں۔ اگر یہ صحیح رُخ پر چلے گی تو حکومت خود قدموں میں آجائے گی لیکن پھر بھی حکومت کے طالب نہ ہوں۔ صحابہ روتے تھے جبکہ حکومتیں آئیں کہ کہیں یہ ہمارے اعمال کا بدلہ نہ ہوں تو اسی طور پر جہاں تک ہو سکتا ہے کہ قوت حاکمہ جو ہے وہ رُخ پر آجائے لیکن اُس کے ساتھ یہ خیال ہمیشہ رہے کہ دعوت کا مقصد حکومت نہ ہو بلکہ اللہ کی رضا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر یہ چاہتے ہو کہ جو حکومت کے اہلکار ہیں ان کو بدلنا چاہتے ہو تو کرو لیکن مقصد ہر حال میں رضائے حق رہے، کوئی دوسری بات نہ ہو۔

دھیان سے ذکر اور رضائے رب کی طلب

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (25 نومبر 1963ء، بروزِ پیر بعد از نمازِ مغرب)

سانس جو آتا ہے، اس کے ساتھ ذکر بھی آتا ہے۔

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن وہ اکثر یاد آتے ہیں
الٰہی ترک اُلفت پر کیونکر یاد آتے ہیں

جیسے سانس آتا ہے ایسے ذکر آتا ہے تو جیسے کہ سانس کے آنے جانے میں انسان کو محنت نہیں کرنی پڑتی، ایسے ہی ذکر ہے وہ سانس کے ساتھ، تنفس کے ساتھ آتا ہے مثلاً آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور خوشبو ہو تو جب آپ سانس لیں گے تو خوشبو ہر سانس کے ساتھ اندر جائے گی، اسی طرح جب ذکر دائم نصیب ہو تو ہر وقت ذکر کی نورانیت ہو گی، ہفت اقلیم کی بادشاہی ایک طرف اور ذکر ایک طرف۔ ہفت اقلیم کی بادشاہت کیا دِلائے گی وہی دِلائے گی جو کینیڈی کو دِلا گئی تو کیا ہوا کہ اُس کے اور برزخ کے درمیان صرف ایک گولی کا فاصلہ تھا تو اللہ کا ذکر ہو اور ایمان کے ساتھ گیا تو جہنم سے نجات ملے گی، اللہ کے نام لینے کی قدر کرو گے تو اثرات دائمی ہوں گے اور اگر بے قدری کرو گے، ہلکا سمجھو گے تو ہلکی چیز اُوپر جاتی ہے تو اسی وجہ سے یہ اُڑ جائے گی اور اگر قدر کرو گے، دھیان کے ساتھ کرو گے کہ میرے رب سُن رہے ہیں، خوش ہو رہے ہیں اور عطا فرما رہے ہیں تو ذکر کی وجہ سے راستہ کھلے گا۔ یہ غیر کی دیوار ڈھانے کے لیے، ختم کرنے کے لیے اِتنی قوت رکھتا ہے کہ غیر اللہ اس کے سامنے نہیں ٹھہرتا۔ جہاں نُور آئے گا، ظلمت بھاگ جائے گی اس لیے میں نے کچھ شرائط بتائی تھیں کہ اللہ کی یاد ہو تو اللہ کی عظمت، محبت، بڑائی اور اللہ کے دھیان کے ساتھ اور ایسی ہو کہ جیسے کہ لڈو پیڑے کھائیں، ہر ایک کو اللہ کی یاد کی توفیق نہیں ملا کرتی، جس کو اللہ چاہتے ہیں، یہ دولت ان

کو دی جاتی ہے۔

حضرت رابعہ بصریہؒ ایک ولی اللہ عورت گزری ہیں، نبیہ عورتوں میں نہیں گزری ہیں اور ولی اللہ گزری ہیں تو ایک دن دُعا کرتی ہیں کہ اے اللہ! میں تجھ سے تیری اُس محبت کے واسطے سے سوال کرتی ہوں جو تیرے دل میں میری ہے یعنی اے اللہ تیری چاہت کے واسطے سے میں تجھ سے سوال کرتی ہوں، کوئی سُن رہا تھا، تو کہنے لگے کہ اری پگلی! اگر تُو یوں کہتی کہ اے اللہ میں تجھ سے اس محبت کے سبب سے یہ سوال کرتی ہوں جو میرے دل میں تیری ہے تو وہ جواب دیتی ہیں کہ اگر اس کے دل میں میری محبت نہ ہوتی تو مجھے اپنے فراق میں یوں بے قرار نہ کرتا، محبت ہے تبھی تو یاد کی توفیق ہوتی ہے، یہ گندی زبان اس قابل ہے کہ اس کا نام آجائے، گندگیوں سے بھرا ہوا تو حقیقت میں تو یہ مزبلے پر بارش ہے، یہاں کچھ بھی نہیں ایسے ٹوٹے پھوٹے اور پھر توفیق، اپنے یاد کی توفیق دے دی۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ یہ جو میں تیری نعمت کا شکر کرتا ہوں، تو یہ توفیق بھی تجھ سے ہے تو ذکر الٰہی کو مضبوطی سے پکڑو، تھوڑا ہو بہت ہو، یہ ذکر چھوڑے گا نہیں، تمہارے رب سے ناطہ جڑ جائے گا، برکت والی چیز ہو گی اور دیکھو! ذکر کرو، تو ذکر کے ساتھ فکر کرو اور جب اللہ توفیق دے تو شکر اور لڈو پیڑوں کے لیے بھی ذکر نہ کیا کرو کہ یہ ہو جائے اور وہ ہو جائے۔

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کے لیے میں خدا چاہتا ہوں

مثال جو ذہن میں آئی، آپ تو کہیں گے کہ خراب خراب مثالیں دیتے ہو، غضنفر کی ہوئی شادی۔ اب یہ اپنی دُلہن سے کہے کہ تُو مجھے پیاری نہیں لگتی لیکن اس لیے کہیں کہ تو اچھی ہے کہ تیرا دوپٹہ اچھا لگتا ہے تو جوتے اور دوپٹے کی وجہ سے کوئی کسی کے ساتھ محبت نہیں کرتا۔ اس کی ذات سے محبت کرو، خدا کے ساتھ محبت کرو تو اس لیے نہیں کہ وہ ایسا ہے اس

لیے نہیں کہ انوارات آجائیں گے۔

دینے نہ دینے کے مختار آپ ہیں
پر ہم کو چاہیے کہ تگ و دو لگی رہے

وہ تو مختار ہیں، اگر دے تو اچھا اور اگر نہ دے تو پھر بھی اچھا۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک طالب کے خطوط گیارہ سال سے آتے رہتے ہیں اور ہر خط میں شکایت لکھتے ہیں تو فرمایا کہ میں نے لکھ دیا کہ ''شکایت کا دروازہ بند کرو تو عطا کا دروازہ کھل جائے گا''۔ (اللہ کا ایک مرتبہ یاد کرنا ہفت اقلیم کی بادشاہی سے زیادہ ہے۔ ہفت اقلیم کی بادشاہی جو بغیر تعلق مع اللہ کے ہو، وہ اچھی ہے یا یہ ایک دفعہ ایمان کے ساتھ یاد کرنا) کس کام کی وہ سلطنت جس میں خدا نہ ہو اور کس کام کا ہے وہ شخص جس کے دل میں خدا نہ ہو۔

کس کام کا ہے وہ دل جس دل میں تُو نہیں
اور کس کام کا ہے وہ گُل جس گُل میں بُو نہیں

تو ذکر الٰہی کرو محض رضائے الٰہی کے لیے اور ذکر کرتے ہوئے اللہ رب العزت سے انعام کے طور پر یوں مانگا کرو کہ اے اللہ! جب تُو نے محض اپنے فضل سے اپنی یاد کی توفیق دے دی تو اس کو اپنی محبت کا ذریعہ بنا دے، اپنی عظمت پیدا کر دے اور اطاعت پر لے آؤ اور پھر ساتھ ساتھ اول اور آخر سے کم از کم ایک دفعہ درود پڑھ لیا کرو۔ درود ردّ نہیں ہوتی تو اس کے ساتھ جو چیز ہوگی وہ بھی ردّ نہیں ہوگی۔ اب ذکر کوئی ردّ نہیں ہوتا۔ اب ڈاکٹر صاحب ہیں، وہ انجکشن لگائے یا گولیاں دے، ایک انجکشن لگائے، دو لگائے حتیٰ کہ بارہ انجکشن لگائے اور سویں گولی میں صحت پا گیا تو کیا یہ بارہویں انجکشن اور سویں گولی میں صحت پا گیا تو کیا یہ بارہویں انجکشن یا سویں گولی میں فائدہ تھا، میں تو کہوں کہ اللہ کا نام لینے میں ہی فائدہ ہے۔ حضرتؒ کے سامنے کسی صاحب نے کہا کہ حضرت نماز پڑھتا ہوں لیکن فرق محسوس نہیں ہوتا تو کہا کہ ''کیا تم بچوں کی طرح گڑ کے لیے نماز پڑھتے ہو''۔ ہمارے والد صاحب کہتے تھے کہ نماز پڑھو تو دو

نی دے دوں تو نام لیا کرو، تو آخر کار یہ ذکر بھی کام کر جائے گا۔

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ذکر میں تاثیرِ دورِ جام ہے

وعدہ آنے کا شب آخر میں ہے
صبح ہی سے انتظار شام ہے

یہ ایک شغل ہے جب لگ جائے تو اللہ کو یاد کرتے رہو، یاد کرتے رہو، جتنا بھی یاد کر سکتے ہو، کرتے رہو اور پھر اپنے معالج اپنے آپ نہ بن جایا کرو جیسا کہ اپنا علاج اپنے آپ نہیں کر سکتا، اسی طرح انسان اپنی پوری کیفیت کو نہیں جان سکتا، ذکر کرتے رہو اور پھر شکر کرتے رہو تو تمام تالے کھلتے رہیں گے۔

دنیا کی محنت کے ساتھ آخرت سنوارنے کی محنت

اسلامیہ کالج بیان پشاور یونیورسٹی (26 نومبر 1963ء، بروزِ بدھ بعد از نمازِ مغرب، 5 بجکر 25 منٹ)

موہوم اور عارضی نفع کے لیے محنت

عزیزو اور دوستو! انسان جس چیز میں اپنا نفع دیکھتا ہے اس کے لیے محنت کرتا ہے۔ اگر وہ نفع موہوم ہی ہو یعنی یقینی نہ ہو بلکہ اس کا خیال ہو کہ مجھے نفع ملے گا تو جان بھی صرف کرتا ہے، مال بھی صرف کرتا ہے اور سب کچھ صرف کرتا ہے کہ مجھے نفع ملے، مجھے محنت کے نتائج نصیب ہو جائیں اور میں کامیاب ہو جاؤں۔ جس وقت سے ہوش سنبھالتا ہے تو نفع کے لیے محنت کرتا ہے اور ضرر سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔ اب ہمارے محدود علم میں جو راستے نفع کے لیے کھلے ہیں، اس کے لیے وہ محنت کرتا ہے۔

اب ایک دوسرا راستہ اس کے مقابلے میں انبیاء علیہم السلام نے بتایا۔ یہ محدود علم کے ذریعے معلوم نہیں ہوتا۔ یہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہے، یہ اُن راستوں کو کھولتا ہے جو دائمی، ابدی، عیش و آرام والے ہوتے ہیں۔ قرآن نے فرمایا: "بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ﴿۱۶﴾ وَ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ وَّ اَبۡقٰى ﴿۱۷﴾" یہ لوگ دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ آخرت اچھی بھی ہے اور پھر باقی بھی ہے اور دنیا ایسی ہے کہ گھٹیا اور ذلیل ہے اور اگر آخرت کی چیزوں میں ذرہ بھی آجائے تو ہم اس پر تھوک دیں اور اگر ایسا بھی نہ ہو اور بالفرض اس دنیا میں وہ تمام چیزیں ملیں جو آخرت میں ملتی ہیں تو اب یہ دنیا کی پچاس ساٹھ سالہ زندگی اچھی اور پھر وہاں تمام عمر ابد الاباد تک کی زندگی، تو آپ میں کسی کو کوئی کہے کہ ایک دن تو تمہیں صدر بناتا ہوں اور پھر باقی تمام عمر جیل میں جانا ہوگا تو کوئی اُس کو پسند کرے گا، ابھی دو تین دن کا واقعہ ہے کہ اس وقت کا سب سے بڑا فرعون کینیڈی اِتنا بڑا فرعون کہ دوسرے فرعون خروشوف کو یہ کہا کہ اگر کیوبا سے اپنے میزائل کو علیحدہ نہ کیا تو فتح کروں گا تو وہ بھگا کر اپنے میزائل کو لے گیا۔ تو اب کیا ہوا کہ گولی لگی اور سیدھا جہنم میں چلا گیا۔ تین سال کے لیے دنیا کا سب سے بڑا فرعون اور پھر ایک

گولی سے ختم۔ اب اُس کی زندگی چھیالیس سال اگر وہ سلطنت کرتا اور پھر جہنم کا ایک گھونٹ پلا دیتے تو وہ کہے کہ میں نے کچھ بھی آرام نہیں کیا تو وہ کہتے ہیں کہ جب صرف منظر کو دکھا کر کہا جائے گا تو کہے گا کہ میں نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

آخرت کے عذاب

اور جہنم تو اگلی بات ہے، جس وقت صور پھونکا جائے گا اور قبریں پھٹیں گی۔ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ﴿١٧﴾ (المزمّل ٧٣:١٧) اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے بال مارے ہیبت کے سفید ہو جائیں گے، وہاں کی ایک کڑی اگر پہاڑ پر رکھ دی جائے تو پہاڑ پگھل جائیں، وہ آتا ہے جہنمیوں کے متعلق کہ ہزار برس تک روتے رہیں گے، ہزار سال کے بعد ایک بادل آئے گا، سیاہ منڈلاتا ہوا تو یہ خوش ہو جائیں گے کہ شاید دُعا قبول ہوئی، پیاس سے مر رہے ہوں گے لیکن کچھ کہہ نہیں سکیں گے۔ ایک ہزار سال تک وہ دکھایا جائے گا اور پھر جو برسے گا تو اس سے سانپ اور بچھو برسیں گے اور پھر وہ ایسے بچھو سانپ نہیں ہوں گے، اُونٹوں کے برابر بڑے ہوں گے اور پھر زبانوں کو اِتنا لمبا کیا جائے گا کہ میلوں کی زبان ہو گی اور بچھو سانپ اس پر دوڑیں گے اور جو ڈَسیں گے تو برسہا برس تک ان کے زہر کی وہ تیزی نہیں جائے گی اور پھر جو پانی پلا دیا جائے گا، وہ اُبلتا ہوا ہو گا۔ جہنمیوں کے منہ تک جب قریب لایا جائے گا تو ہونٹ گرمی سے گریں گے لیکن پیاس اِتنی ہو گی کہ اس کو پئیں گے اور جو اندر جائے تو انتڑیاں باہر نکل جائیں گی۔

تو بہر حال بات یہ کر رہا تھا کہ جو ایسے مناظر کو نہ سوچے اور آخرت کو نہ دیکھے اور صرف دنیا کو اپنا مقصد بنائے، وہ چوپائیوں بلکہ اُن سے بدتر ہیں۔ اور یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ قرآن کہتا ہے: ”أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ط“ کیونکہ چوپائے تو دنیا کو مقصد سمجھتے ہیں اور یہاں یہ ہو رہا ہے کہ کینیڈی کو دو تین منٹ قبل گورنر نے کہا کہ دیکھو! یوں نہ سمجھنا کہ یہاں کے لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت نہیں۔

آخرت کے چار سوال

موت آئے گی اور ان گھڑیوں کے متعلق تم سے پوچھ ہو گی، آخرت میں چار بڑے سوال ہوں گے، پہلے یہ سوال ہو گا کہ اپنی عمر کیسے گزاری، جوانی کیسی گزاری، یہ جوانی تمہاری نہیں بلکہ اس کی پوچھ ہو گی اور پھر تیسرا سوال یہ ہو گا، علم حاصل کیا اور اگر حاصل کیا تو عمل کیا یا نہیں کیا اور پھر یوں کہا جائے گا کہ مال کیسے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔ جب تک ان سوالات کے جوابات نہ دیئے جائیں تو وہاں سے ہِل نہیں سکے گا۔

تو دوستو! اس لمبی عمر کے بنانے کے لیے اس دنیا کے تھوڑے سے وقفے میں کوشش اور محنت کرنی ہو گی تو یہاں تو ایک موہوم زندگی کے لیے رات دن محنت کرتے ہو، دن کو بھی محنت کرتے ہو اور رات کو بھی اور یہ اُس زندگی کے لیے جس کی نہ پَل کی خبر اور نہ کل کی خبر اور اگر اُس لمبی زندگی کے لیے کہا جائے کہ اس کے لیے محنت کرو تو کہو گے کہ پگلا ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے۔

دیکھو! تمہاری قبر میں میں نہیں جاؤں گا اور تم میری قبر میں نہیں جاؤ گے۔ دیکھو! سچ کہو خوب بالغ ہو کہ ہم نے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کتنے اللہ کے لیے لگائے اور کتنے دنیا کے لیے۔ چودہ گھنٹے لگائے، چھ گھنٹے لگائے اور جو دس بارہ منٹ میں نماز کے لیے آتے بھی ہیں تو سر سجدے میں ہوتا ہے اور دل کہیں اور ہوتا ہے۔ ہاتھ ناف پر بندھا ہوا ہوتا ہے اور دل کہیں کا من روم میں ہوتا ہے۔

سچ سچ بتاؤ کہ تم میں کوئی مرنے والا ہے (سب مرنے والے ہیں) قبر میں جاتا ہے (سب جانے والے ہیں) اور پھر آخرت میں ایک نہ ختم ہونے والی زندگی کا سامنا ہے تو پھر جب بات یہ ہے تو اس دائمی زندگی کے نفع کے لیے محنت کیوں نہیں کرتے جبکہ ہم اس عارضی زندگی کے لیے اِتنی محنت کرتے ہیں، اس کے لیے ہم آپ کو یہ نہیں کہتے کہ اپنی پڑھائی کو

چھوڑو بلکہ یوں کہوں کہ جیسے درختوں میں پیوند لگاتے ہو تو ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم دین کی محنت کریں اور دنیا جوتوں کے ساتھ لگ کر آتی اور آج جن گندگیوں کو ہم نے سر پر لار کھا ہے، وہ ہمارے پاؤں تلے ہو جائیں لیکن چونکہ ہم کمزور ہیں اس لیے اگر پوری زندگی کی محنت کرتے ہو، نو دس فیصد محنت تو کریں اور دیکھو صرف پُل صراط پر پندرہ سو سال تک چلنا ہے۔ اب اس کے لیے محنت کیا ہے؟ وہ محنت ہے جو نبیوں نے کی، وہ محنت جس محنت نے حضور پاک ﷺ کو غم و فکر میں رکھا اور پھر حضور ﷺ کے غلاموں نے بھی محنت کی متو اتر حضور ﷺ صرف اس کے لیے محنت کرتے اور جہاں کہ قرآن نے فرمایا: لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (الفتح ۴۸:۲) کہ اللہ نے تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کر لیے تو آپ نے محنت کیوں کی اس لیے کہ ہمارے لیے نمونہ بنے تو ہم یہ عہد کریں کہ وہ زندگی گزاریں جس سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اُس زندگی سے بچیں جس سے وہ ناراض ہو۔

شیطان کی دُشمنی

اور دوسری بات یہ ہے کہ حضور ﷺ صرف ایک دو کو جنت لے جانا نہیں چاہتے بلکہ وہ یوں چاہتے تھے کہ تمام لوگ جنت میں چلے جائیں تو ذکر رسولؐ تو کرتے ہو، تو فکر رسولؐ بھی پیدا کرو اور دیکھو! شیطان اکیلے دوزخ میں جانا چاہتا ہے؟ وہ تو یوں چاہے کہ سب کے سب کو اپنے ساتھ گھسیٹ گھسیٹ کر جہنم میں لے جائیں وہ ہمارا آبائی دشمن ہے تو اب آبائی دشمن تو اِتنا ڈھیٹ ہے کہ اکیلا جہنم میں جانا نہیں چاہتا ہے تو یہ کیا پشتو ہے؟ کہ آبائی دشمن تو اکیلا جہنم میں بھی نہ جائے اور ہم یہ چاہیں کہ اکیلے جنت میں چلے جائیں اور پھر تم کو تو عجب کڑی میں اکیلے کباب کھانا بھی پسند نہ آئے اور یہاں صرف تم اکیلے نماز کے لیے آ جاؤ اور پندرہ سولہ سو میں صرف یہی تعداد ہو۔ بھائی! کوئی کنویں میں چھلانگیں لگائیں تو روکو گے یا نہیں اور اگر جہنم میں چھلانگیں لگائیں تو کچھ پرواہ نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی کسی ایک

شخص کو اگر اسلام کے راستے پر لے آئے تو اس کو سُرخ اُونٹوں سے زیادہ ثواب ملے گا اور فرمایا کہ جو شخص غلام کو آزاد کرے، اللہ تعالیٰ اس کے ہر ہر عضو کو جہنم سے نجات دلائے گا اور یہ تو صرف غلام کے جسم کو دنیا میں آزادی دینا ہے اور جو جہنم سے کسی کو نجات دِلائے تو اس کا کتنا ثواب ہو گا۔

حضور پاک ﷺ کی ہر ایک پر محنت

حضور پاک ﷺ تو ابو جہل اور ابو لہب کے دروازے پر گئے اور ہماری حیثیت ہوتی ہے کہ کسی کے دروازے پر جا کر اُس کو دین کی بات کہیں۔ حضور ﷺ ایک یہودی کے بیٹے کی عیادت کے لیے گئے اور اُس کا آخری وقت تھا، بیٹا باپ کا نہایت ہی فرمانبردار تھا اور باپ ایمان لانے نہیں دیتا تھا لیکن حضور ﷺ نے فرمایا: بیٹا! کلمہ تو پڑھ لے۔ اُس نے باپ کی طرف دیکھا تو باپ نے کہا: بیٹا! ابو القاسم کی بات کو مان لے۔ اُس نے کلمہ پڑھا اور پھر وفات پا گیا تو حضور ﷺ باہر نکلے تو فرمایا: اُس خدا کی حمد جس نے میرے ذریعے ایک گردن کو دوزخ سے آزاد کر دیا۔ دیکھو! اگر ایمان نہ لاتے تو کیا ہوتا، وہیں چلتا جہاں کہ کفار کا ٹھکانا ہے۔ اگر تم نے ایک لڑکے کو نیکی کے راستے پر لگایا اور اس کی ساٹھ ستّر سال کی عمر ہے تو اب اگر وہ نیکی کرے گا تو اس کا ثواب تمہارے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ فرمایا ہمارے آقا ﷺ نے: ”الدَّال عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِه[55]“ نیکی کی راہ بتانے والا ایسا ہے جیسا کہ نیکی کرنے والا ہے۔ کہ جدھر بھی دیکھو، خدا ہی خدا ہو، ڈوبا تو وہ ہے جس کے دائیں بائیں، اُوپر نیچے ہر طرف پانی ہو۔

رسول کسے کہتے ہیں؟ رسالت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور ﷺ پر ختم ہوئی۔ نہ کوئی بروزی نبی ہو گا نہ کوئی ظلی وغیرہ۔ وہ بات نہیں کہ پنجاب کا پگلا نبوت کا دعویٰ کرے تو دیکھ ہر ایک تو بادشاہ نہیں ہوا کرتے لیکن اس کے اہلکار تو ہوتے ہیں،

---

[55]۔ اتی النبی ﷺ رجل (فسئله) فقال: ما عندی ما اعطیکه و لکن أنت فلانا فأتی الرجل فاعطاه فقال رسول اللہ ﷺ من دل علی خیر فله مثل اجر فاعله او عامله و فی روایة ان الدال علی الخیر کفاعله۔ (رواه الترمذی عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ)

چپڑ اسی بھی ایک معنی میں اہلکار ہوتا ہے تو حضور ﷺ نے ہم کو بے انتہا انعامات دیئے اور پھر ان نعمتوں کو بڑھانے کے لیے فرمایا کہ تم میرے اہلکار ہو۔ اگر تم مجھے "خاتم النبیین" مانتے ہو تو جو کام اور انبیاء علیہم السلام کرتے رہے، وہ تو نبی کی حیثیت سے اس کام کو کرتے رہے لیکن تم میرے نائب اور خلیفہ کی حیثیت سے کام کرو۔

جسم اور روح کی محنت ساتھ ساتھ

دیکھو! خود حلال روٹی کھانا ثواب ہے، اِتنا رزق کھانا جس سے تمہاری حیات قائم رہے کہ تم فرائض کو کر سکو، تو یہ فرض ہے۔ افضل اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دے تو وہ بھی اسلام، تو اب جسمانی لقمہ کھلانا ثواب ہے تو روحانی لقمہ کھلانا ثواب نہیں ہو گا، تھوڑی سی مٹھائی بچے کو کھلاؤ، تو چپک جائے لیکن وہ بس نہیں کرے گا تو اگر کسی کو یہ روحانی لقمہ کھلا دو کہ اُس میں محبت کی چاشنی آ جائے تو کیا وہ ثواب نہیں ہو گا، ایمان کا لقمہ تم نے کسی کے دل میں ڈال دیا اور اُسے کسک لگ گئی اور جنت تک پہنچ گیا۔ وہاں جنت کے لقمے اس کو ملیں گے جس کو یہاں روحانی لقمے کہتے ہیں۔ فرش کے نیچے بیج ڈال دو تو پھل اُوپر آ جاتا ہے، اسی طرح یہاں عمل کرو اور نتائج وہاں بر آمد ہوں گے۔ دیکھو! تم نے تو نماز پڑھی، پہلے تہجد کی نماز پڑھی، پھر فجر، پھر اشراق، چاشت، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء۔ تم تو یہ غذائیں کھاتے رہو اور ساتھ والے کمرے میں ایک آدمی ایسا ہی پڑا ہوا ہو اور مسافر ہو اور تم اس کو توجہ نہ کرو تو یہ اخلاق کے خلاف نہیں ہو گا۔ یہ ہاسٹل والے مسافر ہی تو ہوتے ہیں، سرائے ہی تو ہے کہ جلدی جلدی پاس ہو جائے تا کہ ایک سال زیادہ نہ لگے تو بس اپنے ساتھیوں اور دوسروں میں ایمان کا رزق تقسیم کرنے کے لیے جو کام ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں تبلیغ۔ دیکھو! یہ کام اچھا ہے یا نہیں؟ تو جب کرنے کا ہے تو خود بھی کھاؤ اور اوروں کو کھلاؤ، تعلیم حاصل کرنا حرام نہیں جب نیت رضائے الٰہی کی ہو اور جب تم اس لیے کرتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی نیابت حاصل ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا مقام

بہت اُونچا ہے جیسے خدا کا کوئی شریک خدائی میں نہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ جیسی خصوصیت عبدیت میں نہیں۔ اب اس چیز کو عقیدہ بنالیا گیا۔ اب یہ پختہ Faith ہمارے عملوں میں نمایاں ہو جائے۔ خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین، خدا کو حاکم و قادر مانتے ہیں تو اللہ کے احکام پر بھی چلیں اور حضور ﷺ کو عبدہ۔ اللہ کا خاص الخاص بندہ ہونے کا یقین کرتے ہیں جس کو اللہ نے معراج پر پہنچایا اور وہ حقیقتیں کھول دی گئیں جو کسی پر نہیں کھولی گئیں۔ اِتنا ظرف کس میں تھا کہ اُن سب کو سنبھال لیتا۔

فیض ساقی ہے باندازۂ ظرف میخوار

معراج اور عطاو بخشش

اب جس وقت حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ معراج پر لے جارہے ہیں تو یہ نہیں کہا کہ اپنے حبیب کو، اپنے رسول کو اور اس طرح کے دوسرے الفاظ نہیں کہے بلکہ یوں فرمایا: ''سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ'' جو لے گئی اپنے خاص الخاص بندے کو اور یہ تو اس وقت کی بات ہے جو کہ جانے کا وقت تھا اور پھر جو وہاں پہنچے جہاں کہ لے چلے تھے، معراج پر لے گئے تھے تو کیا کہا: ''فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ط'' اپنے خاص الخاص بندے کے دل پر وہ وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمانی تھی۔ اب یہ ''ما'' جو ہے اس کا بڑا اپیٹ ہے۔ ایک دفعہ کسوف ہو گیا تھا اور آپ ﷺ نے بہت لمبی نماز پڑھی تو کہا کہ جو واقعات قیامت تک ہونے والے تھے، سب مجھ پر کھولے گئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ ''دیکھو! ملا الاعلیٰ میں کس بات پر جھگڑا ہو رہا ہے'' تو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میری پیٹھ پر رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل میں محسوس کی اور پھر دنیا کی ہر چیز مجھ پر کھول دی گئی، گویا میں تمام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

بہرحال میں یوں عرض کر رہا تھا کہ اللہ کے لیے کمال للّٰہیت ہے اور بندے کے

لیے کمال عبدیت ہے، ہمیں اپنے آپ کا مٹا دینا اور اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ دینا عبدیت ہے کہ اپنی نہ چلائے، اپنے ظاہر و باطن کو اللہ کے احکام پر ڈال دے، اللہ کے احکام کو اپنے اندر بسائے، کبھی ٹینس کی گیند دیکھی ہو گی، جتنا بھی زور سے زمین پر مارو گے اُتنا ہی اُوپر اُچھلتی ہے تو یہاں بھی انسان اپنے آپ کو اللہ کے احکام کے سامنے ایسا مٹا دے کہ غیر بالکل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اِتنا اُونچا کر دیں جتنا کہ مٹا ہوا ہو گا۔ آتا ہے: ’’مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ‘‘ اللہ کے تعلق میں ایسا ڈوبا ہوا ہو۔

اب تبلیغ کے نام سے جو بار بار بات کہی جا رہی ہے اور ہر منگل کو دُہرائی جا رہی ہے (یعنی اسلامیہ کالج کی مسجد میں) اور نتیجہ یہ ہے کہ اگر پہلے منگل کو ڈبل ہوں تو اس دفعہ نصف آجائیں۔ یہ تو نظر آرہے ہیں، اس میں آدھے تو یونیورسٹی کے طلباء ہیں تو بات یہ ہے کہ ہم آپ کو باہر جانے کے لیے نہیں کہتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ یہاں اپنے ہاسٹلوں میں کچھ کام کرو، کام یہاں سے پھیلا تھا اور اب بات یہ ہے کہ یونیورسٹی میں تو کام ہو رہا ہے اور یہاں کچھ بھی نہیں، گپیں کتنی دیر مارتے ہو، ایک دوسرے کے ساتھ کتنی دیر بات کرتے ہو اور اللہ کے لیے کتنی دیر بات کرتے ہو۔ کیا یہ زبان اس لیے بنی تھی کہ ہر وقت کافروں کی بولی کو بولتی رہے اور اللہ کے دین کی بات نہ ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کا پڑھنا منع ہے لیکن جیسے کہ گندگیوں سے ہاتھ دھوتے ہو اس لیے ان کفریہ علوم سے اپنے ہاتھوں کو دھو تو لو۔ جیسے کہ یہ زرد زرد چیز جو پودوں پر پڑتی ہے جس کو انگریزی میں Parasite کہتے ہیں (مراد Cuscuta plant یعنی آکاش بیل ہے) تو یہ جب بڑھ جائے تو اس کو دُور کرنے کی کوشش کرو، فکر لگاؤ اور دیکھو پیشاب اور استنجاء کے لیے بھی دو گھنٹوں سے زیادہ ہفتے میں لگاؤ گے لیکن دین کے لیے دو گھنٹے کام کیا تو کیا ہوا تو اِس دین کے کام کرنے کے لیے اپنے نام لکھاؤ گے، بات تو میں نے سخت بھی کی اور پھر لمبی بھی کی لیکن اُمید ہے کہ تم معاف کرو گے اور معافی کا ثبوت یہ ہو گا کہ نام بھی لکھاؤ گے اور ساتھ کام بھی کرو گے۔

ولی اللہ بننے کا نسخہ

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (29 نومبر 1963ء، بروزِ ہفتہ بعد از نمازِ عصر)

ولایت عام لوگوں میں بڑے بزرگوں کے لیے استعمال ہوتی ہے لیکن قرآن میں آتا ہے: ''وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ'' اور دوسری جگہ آتا ہے: ''وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ'' تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہر مومن کا بھی دوست ہے اور ہر متقی کا بھی دوست۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مومن ولی اللہ ہے لیکن یہ ولایت ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص کے پاس ایک اکنی ہو اور دوسرے شخص کے پاس بہت سارا مال ہو۔ اب مال تو دونوں رکھتے ہیں لیکن ایک کو عام اصطلاح میں مالدار کہتے ہیں حالانکہ دوسرا بھی مالدار ہے تو اِس طرح جو بھی ایمان رکھتا ہے وہ ولی ہے اور اِس کو ولایت عامہ کہتے ہیں اور جو لوگ متقی و پرہیزگار ہوں، نیک آدمی ہوں، اللہ کا تعلق ہو، اُس کو ولایت خاصہ کہتے ہیں۔

اب انسان ولی کیسے بنے؟ تو قرآن نے نہایت اختصار سے یہ نسخہ بتایا ہے: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ یعنی اولیاء اللہ کو یہاں بھی اطمینان ہوتا ہے اور آخرت میں آرام ہی ہے۔ ظاہر میں اگر اُن پر کچھ مشکلات آتی بھی ہیں تو وہ ان کے لیے ایسے ہیں جیسے کہ کوئی کسی کی مٹھیاں دبائیں، تو ظاہر میں تو یہ ایسا معلوم ہو کہ اس کو دبا رہا ہے لیکن حقیقت میں آرام پہنچا رہا ہے تو فرمایا کہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور کمال تقویٰ حاصل کیا۔

اب ایمان کیا ہے؟ ایمان دل کی اُس کیفیت کو کہتے ہیں، اُس حقیقت کو کہتے ہیں کہ غیبی چیزیں جو دکھائی نہیں دیتیں اور جو کہ انبیاء علیہم السلام نے بتائی ہیں، اُن پر ہمارا یقین اِتنا پختہ ہو جائے کہ اپنے دیکھنے کا وہ یقین نہ ہو جتنا کہ نبی کے کہے کا ہو۔ اپنی آنکھ دھوکا دے سکتی ہے زبان بھی دھوکا دے سکتی ہے۔ کہنا چاہو ایک بات اور نکل جاتی ہو دوسری بات۔ اور یہ

یقین سطحی نہ رہے بلکہ اندر ہی اندر اُتر جائے۔ کسی ہاتھ سے کوئی چیز ملے تو سمجھو کہ اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور یہ ایمان پختہ ہوتا ہے تقویٰ سے۔ اب تقویٰ کہتے ہیں کہ اللہ کا تعلق اور اللہ کا لحاظ دِل میں ایسا اُتر جائے کہ جو میاں کہے، وہی کرنے والا بنے اور ہر اُس چیز سے بچے جس سے اللہ میاں ناراض ہوں۔ اللہ میاں کا استحضار ایسا ہو جائے کہ گویا وہ دیکھ رہے ہیں۔ اب اللہ کی صفات کھلیں گی اور معرفت نصیب ہو جائے گی تو اللہ میاں کے انٹروڈکشن Introduction (تعارف) کا نام معرفت ہے۔ خداوند قدوس کس چیز سے راضی ہوتے ہیں، کس چیز پر اللہ کی رضا ملتی ہے اور کس چیز پر ناراض ہوتے ہیں۔ اللہ کے ہونے کا یقین ایسے آجائے جیسے کہ سورج کے ہونے کا یقین ہے یا جیسے کہ ستاروں کا یقین ہو جیسے اب ستارے موجود ہیں لیکن سورج نے ان کی جگمگاہٹ کو چھپادیا ہے۔ اسی طرح اللہ کی صفات ہر چیز کو پیچھے کر دیں اور اللہ میاں کا ہر آن استحضار ہو، اب جن پر اللہ میاں کی صفات کھلیں گی، اُن کا معاملہ اُن لوگوں جیسے نہیں ہوگا جن پر یہ بات کھلی نہ ہو۔

یقین زندگی کو تبدیل کرتا ہے، زمین پر یقین ہے تو زمین کے رُخ سے زندگی بناؤ گے۔ اگر اللہ پر یقین ہے تو اللہ کے رُخ سے زندگی بناؤ گے۔ للّٰہیت آجائے گی، وہ کسی ولی اللہ نے کہا ہے کہ "اللہ کے بندے خدا نہیں ہوتے لیکن اللہ سے جدا نہیں ہوتے"۔ خدا نہیں ہوتے لیکن خدائی پنا اُن میں آجاتا ہے۔ جو خدا کہے وہی کریں، ان کی خودکاری خودکاری نہیں ہوتی، خداکاری ہوتی ہے۔ خدا اُن سے کہلواتا ہے تو بولتے ہیں، اُن کے ہر ایک جذبے کا تعلق خدا سے ہوتا ہے اور خدا کی آرزو میں اُن کی ہر ایک چیز چلتی ہے۔

تو ولی کیا ہوتا ہے؟ خدا کا جاننے والا، پہچاننے والا، خدا کے لیے زندگی گزارنے والا، طالب خدا ہو، طالب غیر اللہ نہ ہو، خدا کی طلب اس مقام پر پہنچائے کہ خدا اُس کے کاموں کو دیکھ کر اُس سے اِتنا خوش ہو جائیں کہ اللہ یوں کہے کہ تو میرا محبوب ہے اور تو میرا مطلوب ہے۔ مرید ہے تو

مراد بن جائے۔ وہ اقبال نے کہا ہے:

خودی کو کر بلند اِتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ولایت ہی حقیقت میں شاہی ہے جو اُس کا بنا وہ ہر ایک سے بے نیاز، اور جو ہر چیز سے ڈرنے والا ہو، ہر چیز سے طمع رکھنے والو، وہ بھی کوئی شاہ ہوا۔ صرف ایک خدا کا طالب باقی ہر چیز سے بے نیاز اور جو ایسا بن جائے وہ سب کا محبوب۔ پھر کیا ہو گا "محبوب الرحمان" بن جائے گا تو ولایت ہے اور شاہی بھی کیسی؟ دونوں جہانوں کی۔

حیف کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز
ورنہ تھا مالِ فقیر سلطنتِ روم و شام

پیٹ کے تقاضوں کو دبا دو اور دل کے تقاضوں کو بڑھاؤ تو ولی بن جاؤ گے، نفس کے تقاضوں کو دباؤ اور روح کے تقاضوں کو غالب کرو تو ولی بن جاؤ گے۔ بس نفس کو دل کی منزل میں پہنچا دو، نفس امارہ کو بدل دو، دل سے اور دل کا تقاضا کیا ہے؟ کہ جو میرا رب چاہے وہی کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی بتانے کے لیے ایک اُونچی ذات کو بھیجا بطورِ نمونہ کے، کبھی ماڈل کو بنانے کے لیے دیکھا ہے کہ پہلے Outlines بنائیں اور پھر اس کے اندر خاکہ بناتے ہیں۔ "اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ" والی چیزوں کو اپناؤ، ساتھ ان پانچ چیزوں کے جن کو ارکان کہتے ہیں، کو اپناؤ اور پھر معاملات و معاشرت اور ہر وقت خداوند قدوس کی مرضیات کا خاکہ جدا نہ ہونے پائے جیسے کہ جو خاکہ بناتا ہے، اُس سے وہ چیز ایک منٹ کے لیے بھی جدا نہیں ہوتی۔ اقبال نے ایک مصرع میں بڑی پکی بات کی ہے:

بحق دلبند و ده مصطفیٰ گیر

اللہ والا ہونا اور حبیب پاک ﷺ کے طریقے پر چلنا ولایت ہے اور اگر حبیب

پاک ﷺ کے طریقے سے ہٹ جائے اور پھر یوں سمجھے کہ میں ولی ہوں تو اس کی مثال اُس انجن کی ہوگی جو پٹڑی سے پھسل جاتا ہے۔ تو ولایت حبیب پاک ﷺ کے اُن طریقوں کے اندر محصور ہے جو آپ ﷺ بتا گئے۔ اُن پر عمل کرو گے تو ولی اللہ بن جاؤ گے۔ بس تھوڑی تھوڑی محنت کی ضرورت ہے، اس کے لیے دماغ پر اِتنا بوجھ مت ڈالو کہ ہم تو ایک دن میں بن جائیں گے۔ یہ تو شاہی سڑک ہے، بس آسانی کے ساتھ طریقے کے ساتھ چلتے جاؤ اور اس کے لیے سب سے بڑا ٹانک محبتِ الٰہی ہے اور ان محبتوں کے حاصل کرنے کے لیے محبت کی پڑیا کھا لو اور اس کے حاصل کرنے کے لیے محبت والوں کی صحبت میں بیٹھا کرو۔

حضور ﷺ اور جملہ خیریں

یونیورسٹی ہاسٹل نمبر5 (یکم دسمبر 1963ء، بروزِ پیر بعد از نمازِ مغرب، 5 بجکر تیس منٹ پر)

عزیزو، بزرگو اور دوستو! ہمارے آقا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں ہمیں جملہ خیریں دینے آئے۔ جتنی بھی خیر ممکن ہے کہ انسان کو دی جائے، بھلائی کو جو انسان تصور نہ کر سکتا ہو اور جو انسان اپنے ذہن سے نہیں کر سکتا، جتنی بھی بھلائیاں ہوں اس عالم میں اور جو اور عالم آنے والے ہیں، اُن کے ساتھ جتنی خیریں ممکن ہو سکتی ہیں، ہمارے آقا ﷺ اُن جملہ خیروں کو ہمیں دینے کے لیے آئے۔ آپ ﷺ کی ذات عالی کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے نہیں بھیجا کہ جو تکلیف لوگوں کے بس سے باہر ہو وہ بوجھ اُن پر ڈالیں اور نہ اس لیے بھیجا کہ انسانوں کو ترقی کے راستے سے ہٹا دیں بلکہ انتہائی کمالات اور انتہائی فضیلتیں جن کا وجود ممکن ہو سکتا ہے وہ حضور ﷺ کے واسطے سے اس اُمت کو عطا کی گئیں اور یہ اس اُمت کی خیر الاُمت ہونے کی ایک بڑی وجہ ہے۔

فرمایا: ”اَنَا خَیْرُ الْاَنْبِیَآءِ وَ اَنْتُمْ خَیْرُ الْاُمَمِ“ اور فرمایا: کہ تم ان سب اُمتوں میں سے بہتر اور شرف و فضیلت والی ہو جیسا کہ نبی اُونچا اُس نبی کے لحاظ سے یہ اُمت اُونچی، آپ اُمت کو کیا کچھ دے کر گئے اور اُس تھوڑے سے وقت میں جو کہ صحابہ کرامؓ کا زمانہ تھا، تو سیدنا ابو بکرؓ، عمرؓ اور جملہ صحابہؓ کو دیکھ کہ کیا کیا دکھانے کے لیے معیاری نقشہ دیا، تیس سال تک قائم رہا اور زیادہ اس لیے قائم نہیں رہا کہ زمانہ کا کلیجہ نہیں برداشت کر سکتا تھا۔

یہ نہیں تھا کہ وہ دَور کیوں منقطع ہو گیا۔ میرے نزدیک تو سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ زمانہ اپنی کمی کی وجہ سے اُن کو زیادہ عرصہ رکھ نہیں سکتا تھا۔ اب وہ کیا دے گئے۔ وہ اس دنیا میں، قبر میں، حشر میں اور صراط میں جو معاملہ ہو گا اور جنت میں جو ملے گا تو یہ وہ عطائیں ہیں جو اللہ نے حضور ﷺ کے واسطے سے دی ہیں۔ اب موت کو دیکھو! تم کہو گے کہ قیامت، حشر

وغیرہ نہیں دیکھا تو مرتے دم تو کسی کو دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سب ارمان ختم ہو گئے، خرخرہ جب شروع ہوتا ہے تو وہ گھر والے بھی روئیں اور عالم میں ایک اودھم مچ جاتا ہے کہ فلاں چلا گیا۔ دیکھو! وہ بڑا فرعون امریکہ کا صدر کینیڈی جو گیا تو کس طرح گیا، ایک گولی آئی اور ختم ہو گیا۔ موت آتی ہے تمام خاکے اُلٹ پلٹ کر رہ جاتے ہیں۔

یہ تو ایک عام موت کا قصہ تھا، اب مومن کی موت کیا ہوتی ہے؟

مزے مرنے کے جو عاشق بیان کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

بات یہ ہے کہ موت کو ہم نے موت سمجھا۔ اب کسی کا پیارا ہو اور وہ یہ کہے کہ اس دروازے سے اندر آؤ اور پُل کو پار کر کے میں ملوں گا تو کیا وہ انتظار کرے گا۔ کیا وہ لوگوں کی طرف مشورہ کے لیے چلا جائے گا تو مومن کا سب سے بڑا محبوب اللہ تعالیٰ کے ہجر (جدائی) سے مومن کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ گو خداوند قدوس یہاں بھی ہیں لیکن وہی بات ہے:

سامنے آتے بھی نہیں منہ کو چھپاتے بھی نہیں
کیا قیامت ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

تو جن لوگوں کا خداوند کریم سے تعلق ہوتا ہے کہ اگر اوروں کو پتہ لگ جائے تو بقول کسے اُن پر فوج کشی کر لیں تو جس کو دِلی طمانیت ہو اور جس کے سامنے حقیقت ہفت اقلیم سامنے آجائے تو وہ تو یہ کہیں:

بعد از سی سال ایں نکتہ محقق شد باخاقانی
یک لحظہ با خدا بودن بہہ از سلطنت سلیمانی

تیس سال کے بعد خاقانی پر یہ بات کھلی کہ جب زمین و آسمان کوئی چیز نہ ہو، صرف اللہ کا دھیان ہو تو وہ اس سے بہتر ہے۔ سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی کا کیوں ذکر کیا؟ اس لیے کہ وہ تو پیغمبر کی سلطنت تھی لیکن واسطہ تھا تو وہ کہتے ہیں کہ بالکل بے واسطہ تعلق ہو، وہ آپ کی

اصطلاح میں ڈائریکٹ (Direct) تعلق ہو۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دِن
بیٹھے رہیں تصور جانان کیے ہوئے

رات کے وقت جب چاند جوبن پر ہو اور تم بیٹھے ہو، تو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور میرے چاند میں ٹھنڈک محسوس نہ ہو۔

ماہ من چو بہ تماشا برلبِ جو آید
ماھیاں شور برآرند کہ ماھے ماھے

(میرا محبوب اگر تماشا کی غرض سے ندی کی طرف نکل آئے تو مچھلیاں پکار اُٹھیں وہ چاند آگیا وہ چاند آگیا۔)

تو خداوند قدوس کی تجلیات کا اگر قلب پر ورود ہو، تو سب کہیں کہ لیتے ہی رہیں حافظ کا نام تو سنا ہوگا۔ کہتے ہیں:

خرم آں روز کزیں منزل ویران بردم
راحت جان طلبم و سوئے جانان بردم

شادی کا دن ہوگا کہ جب اس ویرانے سے نکلوں گا اور اپنے جانان کی طرف چلوں گا جبکہ کوئی پردہ نہ ہو، اور پردوں سے چھن چھن کر نور نہ ہو، تو فقرا کو چھوڑو، جو ہمارے بادشاہ فقیر تھے۔

آن مسلمانان کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

(وہ مسلمان جنہوں نے حکومت کی تو عیش وعشرت کے لیے نہیں بلکہ شہنشاہی میں بھی فقیر جیسے رہتے۔)

جنہوں نے بادشاہی میں فقیری کی، سلطان صلاح الدین ایوبی کا نام تو سنا ہوگا، جس

کے نام سے یورپ کو وہ ''کد'' ہے۔ ہم نے ویانا میں سُنا کہ آج تک ان کے نام پر لعنت بھیجی جاتی ہے، تو یہ ایسا مجاہد تھا کہ دونوں ہاتھوں میں تلوار لیے ہوئے تھے، مجاہد دیکھنے ہیں، تو دیکھو! ہمارے ہاں تو یہاں بھی یورپ کی گھنٹی بجتی ہے، تو علّامہ شداد کہتے ہیں کہ جب جنگ میں تھک جاتے تھے، تو فرماتے تھے کہ شداد کوئی حدیث سناؤ کہ طاقت آجائے، اب میں اس کے موت کی ایک بات سناتا ہوں کہ مومن کی موت کیا ہوتی ہے؟

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

(مسلمان کیموت کی نشانی کا تجھے بتاؤں کہ وہ موت سے ڈرتے نہیں بلکہ جب موت آئے تو ان کی لبوں پر تبسم ہوتا ہے۔)

الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب۔ موت تو ایک پل ہے جو ایک دوست کو اپنے دوست سے ملاتا ہے، تو جن کا میاں محبوب ہے تو ان کی حالت کیا ہوگی؟ جب بخار ہوا، تو عالم بیٹھے ہیں اور قرآن پڑھ رہے ہیں، عشاء کی نماز پڑھی اور پھر بے خودی طاری ہوئی تو جب حافظ نے کہا: اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ (البقرة ۲:۱۴۷) فرمایا: ''الحق'' اور پھر آنکھیں بند کردیں اور جب حافظ اس جگہ پر پہنچے ''فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا'' (النحل ۲۷:۱۹) تو تبسم فرمایا اور وفات پاگئے۔ تو اللہ تعالیٰ کی وہ تجلیات جو کہ اللہ کے رحم وکرم سے ڈوبے ہوتے ہیں، فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ (الواقعہ ۵۶:۸۹)

اور پھر یہ شنوائی آتی ہے اور وہاں سے دِل پر خدا کی طرف سے آواز آتی ہے: يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ کہ اے اطمینان والے نفس اپنے رب کی طرف واپس ہو جا، جو مجھ سے راضی اور میں اُس سے راضی۔ تو جس کو اللہ کے یہاں سے سرٹیفیکیٹ مل جائے تو وہ کون ہے جو مرنے سے پہلے مر نہ جائے، قسم کھا کر کہتا

ہوں کہ اگر ہم پر مومن کی موت کا حال کھل جائے تو آرزو کرلیں کہ موت سے پہلے مر جائیں اور ہم پر ہر وقت موت کی کیفیت طاری رہے۔

توجب صحابہؓ جاتے ہیں اور آگے بڑھتے ہیں تو کہا کہ یہ کون ہیں جو کہ ایسے آگے بڑھتے ہیں تو جاسوس بھیجے گئے اور انہوں نے آکر کہا "رهبان اللیل و فرسان النهار"۔(ماہان کے جاسوس کا صحابہؓ کے بارے میں انکشاف) تو فرمایا: اللہ کے نزدیک بہترین عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت ہے اور اسی طرح بہترین عمل اللہ کے راستے میں جہاد ہے اور اللہ کے تعلق میں وہ لوگ بھی آتے ہیں جو کہ آپ کے تعلق والے ہوتے ہیں، شاہ کے ساتھ اس کالاؤ لشکر اور درباری بھی آجاتے ہیں، درباریوں کے ساتھ لاؤ لشکر کی حرمت درجہ بدرجہ اس لیے کی جائے گی کہ یہ اُس کے درباریہیں، چیف گسٹ(Chief Guest) کے ساتھ آئے ہوئے باقی مہمان بھی قابل قدر سمجھے جاتے ہیں۔

تو میں نے کہا کہ قیصر نے یہ تحقیق کی کہ یہ لوگ رات کو مصلے کے سوار اور دن میں گھوڑوں کے شہسوار ہیں اور دوسری بات یہ کی کہ جیسے ہم کو شراب سے محبت ہے، اس سے زیادہ ان کو موت سے محبت ہے۔

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

ایک صحابی کو تیر لگا اور عین سینے پر لگا تو فرمایا: "فزت برب الکعبة" کیوں؟ یہ تو وہ تیر تھا جو اللہ سے واصل کرنے والا تھا تو جیسے خدا پیارا ہے اُس کی ہر چیز پیاری ہے۔

تو میں یوں کہہ رہا تھا کہ میرے آقا حضرت محمد ﷺ جن انعامات کو دے کر گئے تو وہ دیئے گئے کہ موت جیسی وحشت ناک چیز محبوب ہوگئی۔ عالم ارواح، ماں کا پیٹ، دُنیا کی زندگی، قبر، حشر اور ابد الاباد کی زندگی ان مختلف ادوار میں سب سے زیادہ نازک اور قیمتی زمانہ

جو ہے وہ اس دنیا کی زندگی ہے تو یہاں کام کیا تو پھر دائمی مزے ہوں گے جیسے کہ یہاں تین مہینوں کی چھٹی ہوتی ہے (یعنی یونیورسٹی میں) تو وہاں دائمی چھٹی ہوتی ہے۔

قیامت کی گھڑی بڑی خطرناک گھڑی ہوگی اور یہ حال ہوگا کہ بعض لوگ پسینہ پسینہ ہوں گے اور ہر ایک کا پسینہ اُس کے اپنے اعمال کے بقدر ہوگا۔ تو یہ لوگ مشک اور نُور کے ٹیلوں پر بیٹھے ہوں گے اور کھانا کھا رہے ہوں گے تو پوچھیں گے کہ کیا ہوا؟ وہ جو سنتے تھے کہ حشر ہوتا ہے تو کہا جائے گا وہ تو گزر گیا۔ وہ کسی والی بات:

قصہ تمام گشت و من محو تماشا بودم

یعنی ساری کہانی ختم ہوئی اور مجھے خبر نہ ہوئی بلکہ میں تماشا میں مشغول رہا۔

اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا، حضور ﷺ کی معیت ہوگی تو یہ چیز ہو تو دل کس چیز کو دیکھے گا تو کلمہ شہادت تو پڑھ لیا ہوگا ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ'' ۔ اِس میں ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے خاص الخاص بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو اس کے لیے بزرگ یوں کہیں کہ اس چیز کو سیکھنے کے لیے چار مہینے لگا دو اور یہ ڈگری حاصل کر لی جیسے کہ ایم بی بی ایس اور بی ڈی ایس وغیرہ تو پھر ریفریشر (Refresher) کورس کے لیے چالیس دِن لگا دو تو جب چھٹیوں میں ڈی ڈی ٹی کے لیے وقت لگاتے ہو تو اللہ کے دین کے لیے اگر کچھ وقت لگا لو تو کیا ہوا اور یہ تو ایک ضابطہ ہے ورنہ جب حقیقت آ جائے گی تو پھر تو تم جہاں بھی رہو گے، ہر وقت یہی کام کرنا ہوگا۔ مریض جب زیادہ سخت ہوتا ہے تو ڈاکٹر اس کے پاس آتا ہے، مریض نہیں جا سکتا، تو تمہیں ڈاکٹر بننا ہوگا، سقہ بننا ہوگا، اور لوگوں میں ایمان کا پانی تقسیم کرنا ہوگا اور جب پانی پلانے میں اِتنا ثواب ہے کہ کتّے تک کو پانی دینے سے ایک فاحشہ عورت کو جنت ملتی ہے تو انسانوں کو ایمان کا پانی پلانے میں کیا کچھ ملے گا جو دسمبر کی چھٹیاں آ رہی ہیں، اس میں کچھ وقت دے دو

اور دوسری بات یہ ہے کہ ہفتے میں دو گشت کر لیا کرو، اس کے لیے ہمت کر کے اپنے ارادوں کا اظہار کر لو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو ہمت دے کہ ہم سب اس کے احکام پر چلنے والے بن جائیں اور اُن چیزوں اور نعمتوں کو لینے والے بن جائیں جو کہ حضور ﷺ ہم کو دینے کے لیے آئے۔[56]

[56]۔عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ، افضل الاعمال الحُبّ فی اللہ والبغض فی اللہ۔ (ابو داؤد والطبرانی) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ: ان رسول اللہ ﷺ سُئِلَ: ایُّ العمل افضل فقال ''ایمان باللہ و رسولہ'' قیل: ثم ماذا؟ قال: ''الجہاد فی سبیل اللہ'' قیل: ''ثم ماذا؟ قال: حجّ مبرور''(البخاری) احب الاعمال الی اللہ الصلوۃ لوقتہا ثم برالوالدین ثم الجہاد فی سبیل اللہ۔(احمد،ابو داؤد، نسائی) عن ابن مسعود، صحیح: بحوالہ الجامع الصغیر،ص۹)احب الاعمال الی اللہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔ احمد، عن أبی ذر رضی اللہ عنہ، حسن بحوالہ الجامع الصغیر، ص۱۰)

راہِ سلوک میں شیخ کی رہنمائی

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (2 دسمبر 1963ء، بروزِ منگل بعد از نمازِ مغرب)

بات اصل میں اس پر چلی کہ نفس و شیطان بعض اوقات انسان کو نیکی کی حرص دِلا کر اُسے کثرت سے نیک اعمال جس سے مراد نفل نیک اعمال یا مستحب نیک اعمال ہیں، پر ڈال دیتا ہے اور اس کی کثرت کی وجہ سے اس کی استعداد جواب دیتی ہے کہ وہ فرائض کے بھی قابل نہیں رہتا اور اصل بات اِس پر چلی تھی کہ جس شیخ کے ساتھ اس کا انفرادی تعلق ہو تو منتخب اعمال جیسے ذکر اور دوسری چیزوں کے کثرت سے پہلے مناسب یہ ہے کہ شیخ سے مشورہ لے لے۔ اگر وہ اپنی الٰہی فراست اور بینائی کے برابر سمجھے گا، تو وہ اُس پر لگادے گا اور اگر ایک طالب چاہے کہ ایک دن میں دس دن کی منزل طے کروں گا لیکن شیخ دیکھے کہ دس دن کی منزل تو ایک دن میں طے کرے گا لیکن جیسے تیز رفتار موٹر اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے کھڈ میں جا گرے گی، اسی طرح شیخ دیکھے گا کہ اگرچہ کام کر لیا تو وہ اِس کو آئندہ کے لیے بیکار کر دے گا۔

اِسی طرح انسان اپنے نفس کو مربی بنائے کہ میرا نفس یوں چاہتا ہے کہ اگر انسان کا ذاتی نفس انسان کا مربی بن سکتا تھا تو سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام اور پھر شیوخ کی ضرورت نہ رہتی۔ انسان اپنی اچھائی اور بُرائی کو جان لے گا لیکن اس کی صحیح تشخیص اور صحیح علاج اس کے بس کی بات نہیں جیسے کہ ڈاکٹر اور حکیم اپنا علاج آپ نہیں کرتے بلکہ دوسروں کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیتے ہیں تو اسی طرح نفس بعض دفعہ نیکی پر اُکسا کر اور نیکی پر لگا کر اور نیکی سے مراد یہاں نفل نیکی ہے تو اس پر لگا کر فرائض کو چھڑوانے والا بنتا ہے۔ اِتنے نفل روزے رکھے کہ فرض روزوں کی پھر سکت نہ رہی تو وہ نفل جو فرائض کو چھڑوانے والے ہوں تو وہ نفل شیطان کی تسویل ہے۔ اس میں اب جو حضرات کہ شیوخ سے متعلق ہیں، ان کے لیے دو موٹی موٹی لائنیں ہیں، بعض اعمال فرائض اور واجبات میں شیخ کی اجازت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،

شیخ اجازت دے یا نہ دے ان کو ادا کرنا ہو گا۔

اب رہے مستحبات اور نوافل جو کہ نیکی کہلاتے ہیں لیکن فرائض اور واجبات کے درجے میں نہیں۔ یہاں اس کی دو شقیں ہو جاتی ہیں۔ ایک وہ جو دل اور باطن سے متعلق ہیں اور ایک وہ جو ظاہر سے متعلق ہیں۔ ظاہر میں صدقات، نیک سلوک ہے تو گو ان کا بھی ایک باطنی پہلو ہوتا ہے لیکن ظاہراً یہ ظاہری اعمال کہلائے جاتے ہیں یا معاش ہے اور باطن سے متعلق جو ہیں وہ نفل اور دل کے امراض، مثلاً دل کے امراض میں بغض، حسد، حب جاہ، حب مال، خدا کا خوف پیدا نہیں ہوتا ہے۔ ذکر و اذکار کی کیفیات اور ان کے حضور والی بات جو ہے گو زبان سے ذکر ادا ہوتا ہے لیکن ذکر اصل میں دل کا کام ہے یاد دِل کا کام ہے زبان کا کام نہیں اور وہ تمام اعمال جن کے اختیار کرنے سے دل پر بوجھ اور فشار پڑتا ہے دل سے متعلق ہیں۔

اب اعمال ظاہریہ میں وہ اعمال جو نیت سے متعلق ہیں، اُن کا اعتدال کے رُخ سے اختیار کر لینا اور اعتدال کو تقریباً ہر شخص جان لیتا ہے جس میں زیادہ مجاہدے کی ضرورت نہ پڑے مثلاً ایک شخص سو روپے کا مالک ہے اور ایک ہزار روپے خیرات کرنا چاہتا ہے تو اُس کو شیخ سے پوچھنا چاہیئے۔ اگر ایسی حالت میں وہ سب کچھ دے دے گا تو باطن پر اثر پڑے گا۔ سوال کی کیفیت پیدا ہو جائے گی، اشراف ہو گا اور نیکی پر زد پڑے گی۔ اب ایک شخص ہے وہ یوں چاہے کہ متوکل ہو جاؤں، نوکری چھوڑ دوں اور رائے ونڈ میں بیٹھ جاؤں تو خوبصورتی تو ہے لیکن یہی خوبصورتی اس کی بدصورتی کا باعث بن جائے تو وہ اعمال جن میں انسان پر مجاہدہ اس حد تک آجائے کہ جس کی برداشت عموماً انسان نہیں کر سکتا۔ ایسی حالت میں ایسے عمل کو اختیار کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے تو اگر ایسے عمل کو اختیار کرنا چاہے گا تو ضرورت ہے کہ شیخ سے پوچھ لیں، ہم لوگ تو کسی مقام کے نہیں۔ مولانا قاسم نانوتویؒ جیسے آدمی ملازمت کو چھوڑنا چاہتے ہیں تو حاجی صاحب سے پوچھتے ہیں۔ وہ انکار کرتے ہیں۔ بعد میں جب توکل پختہ

ہوتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت اگر اجازت ہو تو چھوڑ رہا ہوں تو وہ اجازت دیتے ہیں۔

اس زمانے میں قویٰ کمزور ہو چکے ہیں، ذہنی قوتیں کمزور، قلبی کمزور، جوش میں آگئے، بڑھو گے ہوش کی راہ اگر نہیں لو گے تو شروع میں شوق، جوش اور جذبے کی بنا پر ان اعمال کو اختیار کرو گے جن کو تمہاری قویٰ برداشت نہ کر سکیں تو باقی اعمال چھٹ جائیں گے اور یا قوی معطل ہو جائیں گے تو یہ ظاہری اعمال کی بات تھی مثال کے طور پر ایک شخص ہے اس کی بیوی ہے، تبلیغ پر گئے، وہاں جوش میں آگئے، چار مہینے تھے، آٹھ مہینے کر دیئے اور پھر جوش میں آگئے کہ عمر دے دوں۔ بال بچوں کا حق الگ سر پر آگیا اور پھر جب سال ڈیڑھ سال گزر گیا تو پختہ ہوا نہیں تھا، بال بچوں کی محبت پھر عود کر آئی اور وہ نیک عمل ہی چھٹ گیا۔ اب اگر تم ایک نیک عمل کو اختیار کر سکتے ہو تو اختیار کر لو، نفلی روزوں کو جی چاہا تو رکھ لو لیکن اپنی سکت دیکھو۔ اب اگر یوں جی چاہا کہ ایک دن روزہ رکھوں اور ایک دن افطار کروں تو پہلے شیخ سے پوچھ لو۔

گو شروع میں ہوتی ہے پرواز، جسے صوفیاء کی اصطلاح میں عروج کہتے ہیں اور اس عروج میں جوش کی کیفیت کی بنا پر نیکیوں کی حرص زیادہ ہوتی ہے۔ بچے کو مٹھائی دے دو، تو اِتنا کھا جائے گا کہ گلا پک جائے تو عروج کی کیفیت میں جذبات میں کیفیت بڑھنے کی ہوتی ہے تو مشائخ پر تو یہ تمام گزری ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ تو گرگ باران دیدہ اور گرم و سرد چشیدہ ہوتے ہیں جیسے کہ پانی کہ اول میں جوش ہوتا ہے تو بلبلے آتے ہیں اور پھر جوش ختم ہو جاتا ہے تو بالکل ساکن ہو جاتا ہے تو جن کا نزول کامل ہوتا ہے، اُن کا پتہ نہیں لگتا۔ اب انبیاء علیہم السلام تک کا فرق محسوس نہیں ہو سکتا۔ کافروں نے کہا کہ یہ کیسے رسول ہیں جو کہ بازاروں میں پھرتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں لیکن مولاناؒ نے فرمایا:

گفت اینان این بشر ما ہم بشر
این بودن تا آن بودن فرقے است ژرف

(ان لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی طرح کا بشر سمجھا لیکن ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔)

مولانا تھانویؒ نے ایک مزیدار مثال دی کہ ایک توے کو بچے نے دیکھا، ہاتھ لگایا لیکن کچھ نہیں ہوا۔ اب اماں نے روٹی پکائی اور پھر اُسی جگہ پر رکھ دیا تو اب جو یہ آیا اور ہاتھ لگایا تو آبلے پڑے تو وہ وہی چیز سمجھ لیتا ہے لیکن درحقیقت کچھ اور ہوتا ہے تو بغیر سمجھنے کے اور پوچھنے کے اُن اعمال کو اختیار نہیں کرنا چاہیے جن کا تحمل نہ ہو سکے۔ یہ تو ہوا ظاہری اعمال میں شیخ سے مشورہ اور باطنی اعمال میں شیخ کے کہے بغیر اپنے آپ کو غلط پر تو کیا بلکہ ہلاکت پر ڈالنا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے لکھا کہ ایک سال زکام ہوا تو ایک حکیم سے پوچھا اُس نے ایک نسخہ لکھ دیا، استعمال کیا۔ صحت ہوئی۔ دوسرے سال بھی وہی، تیسرے سال بھی وہی۔ اب جو چوتھے سال جو خود وہی نسخہ استعمال کیا تو فائدہ نہیں ہوا۔ پوچھا تو کہا کہ بھائی اس سال صفرا زائد ہوا تھا، اس لیے یہ نسخہ دیا گیا تھا۔ اب معاملہ دوسرا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ جیسے ڈاکٹر سے پردے کا بدن نہیں چھپایا جاتا ہے اسی طرح شیخ سے اپنے باطنی حالات نہیں چھپائے جاتے۔

اور پھر بات یہ ہے کہ دو معالجوں کا مریض ہمیشہ مشکل میں ہوتا ہے۔ ہاتھ دینا تو ایک رسمی چیز ہے، اصل میں تعلق ہے اور باطنی اصلاح ہے اور اگر کہو کہ تعلق تو اس کے ساتھ ہے لیکن اُس دوسرے سے جلدی فائدہ ہو جاتا ہے لیکن جلدی جو روٹی پک جاتی ہے وہ اکثر اندر سے کچی ہوتی ہے۔ شیخ کی نظر باطن پر ہوتی ہے اور رباطن کا تزکیہ سب سے ادق کام ہے، ہاتھ میں کانٹا چبھ جائے تو کیسے احتیاط سے نکالتے ہو اور جو دل میں کانٹا چبھ جائے تو اس کو تم کیسے آسانی سے نکال سکتے ہو۔

تو ایک تو ہے عمومی اصلاح اور عمومی ذہن بنانا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارا جب ذہن بن گیا تو تمہاری باطنی اصلاح کی ضرورت نہیں رہی۔ ایک تو ہے عام ہوائی چیز اور

ایک ہے تمہارے باطن کی کیفیت کی اصلاح اور یہ ہوتی ہے ہر ایک آدمی کی مختلف طرح سے اس لیے مجدد سرہندیؒ نے فرمایا کہ اللہ تک پہنچنے کے طریقے بعدد انفاس الخلائق ہیں۔ آپ دس من یا پچاس من لکڑیاں خریدنا چاہتے ہیں، اُس کے لیے نوعیت یہ ہوگی کہ ایک بڑے ترازو میں ڈال دیں گے اور اگر دَس پندرہ سیر زیادہ ہوا تو کیا۔ اب گئے آپ سنار کے پاس تو وہاں وہی تول نہیں ہوگا، وہی ترازو نہیں ہوگی۔ وہاں ذرے ذرے کا حساب کیا جائے گا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ساتھی کے استعداد کی کمی کی بنا پر وہ اُن پر ہر چیز واضح نہ کرے۔

تو اصل بات یہ ہے کہ اصلاح کا رُخ یہی ہے کہ سالکین کو اُس راہ پر چلائے کہ اُن پر ذرہ بھی بوجھ نہ ہو۔ فرمایا حضرتؒ نے کہ ”مجموعۂ وظائف بنانا مقصد نہیں۔ کل ایک صاحب آئے کسی کے ہاں بیعت تھے تو کہا کہ سولہ گھنٹے وظیفہ کرتا تھا اور گرمیوں کے دِنوں میں نہانے کا وقت نہیں ملتا تھا کہ اگر نہایا تو وظیفہ قضا ہو جائے گا تو مجھے حضرت کا یہ قول یاد آیا کہ مجموعۂ وظائف بنانا مقصود نہیں۔ اب معاملہ دوسرا ہے تو کہتے ہیں کہ جیسے ڈاکٹر سے پردے کا بدن نہیں چھپایا جاتا ہے، اسی طرح شیخ سے اپنے باطنی حالات نہیں چھپائے جائیں۔ گاما پہلوان ایک دو گُر بتائے تو وہ کام آئے اور جو مجھ جیسا اَناڑی ہو وہ سینکڑوں باتیں بھی بتائے تو کچھ کام کی نہیں۔ تو فرمایا: ”لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا“ فرمایا کہ اِتنا بوجھ اُٹھاؤ کہ تم اُٹھا سکو، میاں نہیں تھکتے بلکہ تم تھک جاؤ گے تو ہر چیز کو اپنے محل پر دیکھنا اور اعتدال کی راہ پر چلنا دین کی تبلیغ ہے۔ تم کہو گے کہ اُلٹی تبلیغ ہے لیکن بعض اوقات ریل ڈبوں کو پیچھے پھینکتا ہے جبکہ شنٹنگ ہوتی ہے۔ تو اس کے لیے شیخ کی ضرورت ہے۔ اب قرابا دین، اور نئے زمانے میں ”Pharmacology“ کو پڑھنے سے کوئی معالج نہیں بن سکتا جبکہ وہ طبیہ کالج یا کسی میڈیکل کالج کا باقاعدہ فارغ التحصیل نہ ہو۔

اب ایک لڑکا جوان ہو گیا۔ بچہ پیدا کر سکتا ہے یا نہیں۔ لڑکا بھی جوان اور لڑکی بھی

جوان اور وہ کہیں کہ قاضی صاحب کی ضرورت نہیں، وہی عمل ہو گا لیکن وہ ناجائز اور یہ جائز۔ یہی بات ہے کہ بغیر اجازت جو کام کیا تو یہی بات ہو گی۔ دوستو! جو تربیت والی باتیں ہیں، اُن میں اپنی رائے پر عمل نہ کریں۔

خودبینی و خودرائی در عالمِ یَ رندی نیست

(جو اللہ کی محبت میں مست ہو اُس میں خود کو بڑا جاننا اور اپنی رائے کو اُونچا سمجھنا نہیں ہوتا۔)

یہاں تو اپنے کو مٹانا ہے "مُردے گردی چوں گرد پائے مردے گردی" تو جب تک کسی مرد کے پاؤں کی گرد نہ بنو گے اُس وقت تک فائدہ نہیں ہو گا جبکہ شیوخ کاملین کی باتوں کو صحیح رُخ سے اختیار نہیں کرو گے تو بات نہیں بنے گی۔ مولانا نے فرمایا ہے:

آزمودم عقل دُور اندیش را
بعد ازاں دیوانہ ساختم خویش را
قال را بگزار و مرد حال شو
پیش مردے کاملے پامال شو

(میں نے عقل کی دُور اندیشی کو آزما کر پھر اپنے آپ کو دین کا دیوانہ ہونے کا فیصلہ کیا۔ باتوں کو چھوڑو اور اپنی اندرونی حالت بدل ڈالو اور اس کے لیے کسی شیخ کامل کی خدمت کر۔)

تو اپنے نفس کے فیصلے جیسے کہ انسان کی ہلاکت کا باعث بن جاتے ہیں تو اس طرح اگر ایک بات شیخ نے فرمائی اور دوسرے نے بھی ایک بات کہی اور آپ نے دوسرے کی بات کو شیخ کی بات پر ترجیح دی تو حقیقت میں تو یہ اُس نے اپنی بات کو شیخ کی بات پر ترجیح دی۔ ایک صاحب نے مجھے کہا کہ پہلے زمانے میں لوگ پائنچوں کو تکبر کے بنا پر نیچا کرتے تھے لیکن اب ایسا نہیں تو میں نے جواب دیا کہ اگر حضور ﷺ ایک حکم دیں اور آپ ایسا نہیں کرتے تو وجہ کیا ہو سکتی ہے؟

تو بعض لوگ نیکیوں کو اپنی مرضی کی بنا پر اختیار تو کر لیتے ہیں لیکن بعد میں یا تو مرض کی بنا پر اور یا قویٰ کے معطل ہونے کی وجہ سے ترک ہو جاتی ہیں تو حاصل یہ ہوا کہ فرائض اور واجبات میں کمی تو نہ کرے اور باقی افعال میں اگر کسی چیز کو اختیار کرنا چاہے تو شیخ کو اطلاع دے دے اور جو چیزیں تحمل سے باہر ہوں، اُن کے اختیار کرنے میں بغیر اجازتِ شیخ کے قدم نہ اُٹھائے ورنہ ہلاکت میں قدم ڈالے گا اور جہاں تک باطن اور اندرون والے اعمال کا تعلق ہے اور ذکر و اذکار کی کثرت و کمی کا تعلق ہے، اُن میں سے کسی چیز کا اختیار و ترک بغیر شیخ کی اطلاع کے نہ کرے۔

باطنی چیزوں میں ایک تفصیل ہے۔ مثال کے طور پر ایک چیز ہے، ایک برائی ہے اس کا عمومی حکم تو یہی ہو گا کہ سب کو ترک کیا جائے۔ اپنے طور سے حسد نہیں کرنا چاہیے لیکن حسد کا علاج کہ وہ رفع ہو جائے، اس کے لیے کیا طریقہ اختیار کریں۔ یہ تدبیر شیخ سے پوچھنی ہو گی۔ اب غیبت ہے اس سے کیسے بچا جائے۔ یہ تدبیر شیخ سے پوچھنی ہو گی۔ اپنی کوشش سے بچنا چاہیے اِسی طرح ریا ہے۔ اپنی کوشش سے تو بچے لیکن یہ کہ کیسے ختم ہو۔ یہ بغیر شیخ کے پوچھے ختم نہیں ہو گا۔ اسی طرح کبر وغیرہ کے معالجات شیخ سے کیے جائیں اور بچاؤ خود ہو اور پھر بعضوں کا تو ایسا حال ہو جاتا ہے کہ جب شیخ سے انتہائی یگانگت ہو جاتی ہے تو گھر والے اعمال بھی چھپائے نہیں جاتے لیکن یہ طریقت کے شرائط میں سے نہیں لیکن اگر تم نے ہر بات کا اپنی طرف سے علاج شروع کیا جیسے کہ ایک صاحب تھے کہ ناک پر بار بار مکھی بیٹھتی تھی تو تنگ آ گیا تو کہا کہ یہ تو چھوڑتی نہیں اس لیے ناک ہی کو کاٹ ڈالنا چاہیے کہ نہ رہے ناک نہ آئے مکھی۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

عبادات میں لذت

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (2 دسمبر 1963ء، بروزِ منگل بعد از نمازِ عشاء)

انسان جب دین کی راہ اختیار کرتا ہے، اکثر اوقات دو چیزوں میں مبتلا ہو جاتا ہے یا تو شیطان وساوس میں ڈال دیتا ہے ، بیشمار وسوسے آنا شروع ہوتے ہیں ۔ اب انسان یوں سمجھتا ہے کہ وسوسے میرے دل میں آرہے ہیں تو وہ خفا ہو جاتا ہے۔ دل کے اندر وسوسوں کا نفوذ نہیں ہوتا ، باہر ہوتے ہیں لیکن یہ اندر سمجھتا ہے جیسے مکھی آئینے پر بیٹھی ہو تو وہ اندر دکھائی دیتی ہے لیکن ہوتی باہر ہے تو وسوسوں کا آنا بُرا نہیں لیکن وسوسوں کا لانا بُرا ہے، اُن پر کڑھنا اور افسوس کرنا کہ ہائے کیا ہوا، تو یہ بُرا ہے۔ مکھیاں جیسے پریشان کرتی ہیں، اسی طور وسوسوں کی مثال مکھیوں کی طرح ہے کہ تمہارے خیالات کو منتشر کرے تو اس کی طرف دھیان ہی نہ کرو۔ عدم التفات وسوسوں کا علاج ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”ذالك صریح الایمان“ کہ یہ صریح ایمان ہے۔ چور وہاں آئے جہاں کہ دولت ہو تو وسوسوں سے پریشان نہ ہونا چاہیئے۔

اسی طرح انسان بعض اوقات جب عبادات میں مشغول ہو جاتا ہے تو لذت آنے لگتی ہے اور پھر جو لذت نہیں آتی تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ محروم ہو گیا حالانکہ محروم نہیں مرحوم ہو گیا۔ اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ طالب لذت نہ بن طالب مولا بن۔ گڑ کے لیے نماز پڑھتے ہیں جیسے کہ ہم بچپن میں دونی کے لیے نماز پڑھتے، نماز نہ پڑھتے تو ابا جان اللہ اُن کی مغفرت کرے دونی بند کر دیتے تو دوائی کا مقصد ہے شفا، مزا آئے یا نہ آئے تو خدا کی رضا تو میسر آرہی ہے تو یہ اس راہ کا سب سے بڑا پتھر ہے کہ جب مزا نہیں آتا تو شیطان یوں دل میں ڈال دیتا ہے کہ ہم تو ہوئے محروم۔ او اللہ کے بندے! خدا کا بندہ بن رہا ہے۔ نیکی کی راہ پر قدم ڈال رہا ہے تو اور کیا چاہتے ہو۔ لذت آئی تو خوش ہو اور نہ آئی تو صبر کرو بلکہ شکر کرو کیونکہ

بعض اوقات شکر سے پریشانیاں دُور ہو جاتی ہیں۔ بہت دفعہ ایسا کہا کہ ''اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الْشکر'' اور یہ بھی کہا کہ اے اللہ تیرا بہت شکر ہے کہ تُو نے ہمیں نماز پڑھنے کی توفیق دی اور اگر یاس کی طرف جاؤ گے تو اعمال میں کمی پیدا ہو جائے گی۔ اُمید سے دل بڑھتا ہے، تعلق بڑھتا ہے، ایمان بڑھتا ہے۔ تو مقصد یہ ہے کہ جب انسان لذت کو مقصود بالذات سمجھ لیتا ہے تو بھٹک جاتا ہے۔ لذت نہیں آرہی ہے تو اس کو بھی دلبر کی مراد سمجھو۔

نامرادی ہم مراد دلبر است

ارید وصاله و یرید هجری فأترك ما ارید لما یرید

(کبھی نامرادی بھی محبوب کی مرضی ہوتی ہے۔ میں اس کا وصال چاہتا ہوں اور وہ مجھے ہجران میں رکھنا چاہے تو میں نے اپنا فیصلہ بدل کر اُس کی رائے اختیار کی۔)

تو یہ باتیں میں نے خصوصی وجہ سے کہیں کہ یہ دو باتیں بعض اوقات وساوس اور یاس کا سبب بن جاتی ہیں تو اللہ کے طالب بنو، عاشق بنو اور جو بھی میاں سے پہنچے وہ میٹھا ہی میٹھا ہے۔

ہر چہ ازاں خسرو رسد شیریں بود

(اُس شاہی دربار سے جو کچھ ملتا ہے وہ میٹھا ہی ہوتا ہے۔)

کرامت استدراج اور دینی اعمال

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (7 دسمبر 1963ء، بعد از نمازِ عصر)

عام طور پر لوگ خصوصاً عامۃ الناس عجائبات اور انوکھی باتوں کے شائق ہوتے ہیں جو کہ عام معمول سے ہٹ کر ہوں اور ظاہر خرق عادت کے طور پر واقع ہوں مثلاً ایک عامی کے نزدیک ہوا میں اُڑنا، دریا میں بغیر کشتی کے چل پڑنا، آگ کے اُوپر بیٹھ جانا۔ یہ زیادہ اہم ہے بہ نسبت اِس چیز کے کہ کوئی شخص اپنے باطن کی اصلاح کرے، اللہ کا تعلق پیدا کرے، رذائل سے پاک اور فضائل سے آراستہ ہو جائے۔ اس کی عام لوگوں کے نزدیک عموماً اِتنی اہمیت نہیں ہوتی جس طرح کہ ظاہراً نظر آنے والے کرامات کی۔

کرامات سے مراد وہ خرق عادت جو کسی پابند شریعت ولی سے ظاہر ہو مثلاً عصا سے سانپ اور سانپ سے عصا بن جائے۔ ویسے کرامت کہتے ہیں جو کہ ظاہری حواس سے محسوس ہوں لیکن محققین اور آئمہ فن کے نزدیک ان کی اہمیت اس قدر نہیں، جتنی کہ باطنی کمالات کی بلکہ شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک اہل اللہ اپنی کرامات کو ایسے چھپاتے ہیں جیسے خواتین اپنے ایّام کو۔ ہمارے حضرت کے ایک خادم نے ایک مرتبہ ایسی باتوں کا تذکرہ حیرت سے کیا۔ حضرت نے خوب ڈانٹ کر خط میں تحریر فرمایا کہ آپ کن شعبدہ بازیوں میں پھنس گئے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے اپنے تصرف کو استعمال فرما کر ان حالات کو سلب کروایا۔ بہر حال جن کرامات کا ظہور خداوند قدوس کی حکمت کی بنا پر جہاں ضروری ہوتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ بعض اوقات اپنے بندوں میں سے جس بندے کے ہاتھ پر اس کا ظہور کراتے ہیں، اس کے علم سے اُسے بتا کر، جتا کر اُس سے ظہور کراتے ہیں اور بعض اوقات یہ بھی ضروری نہیں کہ اُسے معلوم ہو، لوگ دیکھ لیں گے لیکن اُسے معلوم نہیں ہوگا لیکن بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں جنہیں کہ صاحب نسبت ، محقق حضرات سمجھتے ہیں کہ کرامت کا

اظہار دین کے فروغ اور احقاق حق کے لیے ضروری ہے تو اُس وقت وہ اللہ کی قدرت سے استمداد چاہتے ہیں یا ایسے احوال طاری کرتے ہیں کہ بغیر کرامت کے وہ احوال جاری کرتے ہیں کہ کرامت ہوتی تو یہی نتیجہ نکلتا۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا پادری فنڈر کے ساتھ مشہور مناظرہ میں جب پادری نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو مُردے زندہ کیے اور تمہارے نبی نے کون سے مُردے زندہ کیے تو اس پر حمیت دین کے جلال میں آکر آپ نے فرمایا کہ میں تو حضور ﷺ کے خادموں کا خادم ہوں لیکن لا جونسے مُردہ کو زندہ کرنا ہے تو میں زندہ کروں اور تواضع ہمارے بزرگوں کا خاصہ ہے۔ سب کچھ ہوتے ہیں اور پھر بھی کمال تواضع سے یہی کہیں گے۔ اب جبکہ حضرت نے جلال میں یہی کہا تو پادری صاحب کے چکے چھوٹ گئے، میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ خیر حضرت سے بعد میں لوگوں نے پوچھا کہ غیرت میں آکر آپ نے ایسا بڑا دعویٰ کیسے کیا؟ اگر یہ نہ ہوتا تو پھر؟ اُس نے کہا کیوں نہ ہوتا وہ تو ناموس پاک ﷺ کا سوال تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ ایک مُردہ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ تمام مُردوں کو زندہ کرتا تو کرامت بعض اوقات مستحسن ہو جاتی ہے۔

تو مختلف حالات میں کرامت کے اظہار کے مختلف حالات ہیں لیکن عام حالات میں کرامت کے پیچھے پڑنا ٹھیک نہیں لیکن بعض اوقات جائز، بعض اوقات مستحسن اور بعض اوقات ضروری ہو جاتی ہے اور یہاں یہ امدادِ الٰہی اور نصرتِ الٰہی کا سوال ہوتا ہے، یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کرامت فضل خداوندی ہوتا ہے اور جس کے ہاتھ پر ہوتی ہے اس کی بڑائی اور عزت افزائی کرنی ہوتی ہے۔ نبی کے لیے معجزہ اولیاء اللہ کے لیے کرامت ہوتی ہے لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ نبی کے لیے حِسّی معجزہ ضروری ہے، ولی کے لیے حسی کرامت ضروری نہیں۔ اس کے مقابل میں غیر متشرع لوگوں سے اللہ کے قانون امہال یا مہلت کے مطابق جو ایسی چیزیں ظہور میں آجاتی ہیں، اُسے استدراج کہتے ہیں کہ لمبا جھولا دے دو کہ خوب دُور جا گرے۔

استدراج اور کرامت میں تو محقق حضرات کو فوراً پتہ لگ جاتا ہے جیسے کہ سونے اور ملمع کی انگوٹھی میں ہوتا ہے لیکن عام حضرات کے لیے استدراج اور کرامت میں امتیاز صاحب کرامت اور صاحب استدراج کے اعمال ہیں۔ اگر خرق عادت یا خلاف عادت کا ظہور شریعت الٰہی سے نسبت رکھنے والے بندے سے ظہور ہوتا ہے تو وہ تو کرامت کہلائے گی اور اگر متبع شریعت نہیں، ایمان سے خالی ہے یا مسلمان ہونے کے باوجود شریعت کا پابند نہیں، تو اُسے کرامت نہیں، استدراج کہیں گے۔ ایک آئینہ ہے اُس پر اگر گرد لگی، مٹی چمٹ گئی، پانی سے دھو لو تب بھی صاف ہو جائے اور پیشاب سے دھو لو تب بھی صاف ہو جائے۔ اب صاف تو دونوں طریقوں سے ہو گیا لیکن ایک حالت میں پاک اور ایک حالت میں ناپاک۔ اب یہ ظاہر کرنا ہو تو اس پر چیونٹیوں کو لگا لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس کو شوگر کی بیماری ہو، اس کے پیشاب پر چیونٹی زیادہ جمع ہوتی ہیں۔ اب اگر حِس زندہ ہو تو پتہ لگ جائے گا کہ یہ پانی سے ہوا ہے یا پیشاب سے۔ اسی طور پر اگر حِس معنوی زندہ ہو گی تو محسوس ہو جائے گا کہ پاکی والی صفائی ہے یا ناپاکی والی۔

اس کے بعد کراماتِ معنوی اُن تصرفات کو کہتے ہیں جو کسی صاحب فیض شخص کی اپنی ذات کے اندر یا دوسروں کے اندر اعمالِ قلوب، باطنی احوال اور اصلاحِ نفس کے تغیرات کے بارے میں ہوتے ہیں۔ محققین کے نزدیک دل کا غیر اللہ سے خدا کی طرف پلٹ جانا اس سے زیادہ اہم ہے کہ کوئی شخص ہوا میں اُڑنے لگے یا دریا پر چلنے لگے۔ معنوی کرامات سے مراد تشریعی اعمال پر استقامت اور شریعت پر دوسروں کو بسہولت ڈالنے کی توفیق اور افادہ کو کہا جاتا ہے اس لیے کہا گیا ہے کہ مرید صادق شیخ کامل کی کرامات کو ہر آن محسوس کرتا ہے اور یہ کرامات اُن تصرفات سے عبارت ہوتی ہیں جو تصرفات بُرائی سے نیکی کی طرف، دنیا سے آخرت کی طرف اور نیک اعمال اس کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو ظاہر کی آنکھوں کو بینا

کرتا ہے اور ایک دل کی آنکھوں کو بینا کرتا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو حِسی کرامات اور معجزات جو ہیں ان کا ظہور بالعرض ہے نہ بالذات اور ان کی ضرورت انہی لوگوں کے لیے پڑتی ہے جو کہ معنوی اور حقیقی معجزات اور کرامات کے سمجھنے والے نہیں ہوتے ورنہ عبداللہ بن سلام کے لیے نبی پاک ﷺ کا چہرہ معجزہ اور ابوجہل اور ابولہب شق قمر کو دیکھ کر ایمان نہیں لائے۔ ہمارے حضرتؒ کے اس قول کا مدعا جو میں اکثر نقل کرتا ہوں ”کانّی انظر الی وجهه“ فرمایا کہ جو آتا ہے وہ کہتا ہے چودہ طبق روشن ہو جائیں۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ دل روشن ہو جائے۔ دل کی روشنی سے مراد معنوی ترقیات ہیں اور چودہ طبق سے تکوینی کائنات اور اشیائے کائنات کے علوم کا کشف اور تسخیر ہے۔ عام طور پر لوگ ظاہر کے قائل اور اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ انہی چیزوں کے جو کہ مادی اشیاء ہونے کے لحاظ سے انہیں کو بڑی معلوم ہوتی ہیں، کائنات کے تغیر و تبدل، اس کی تسخیر اور قبضے کو بڑی بات سمجھتے ہیں لیکن دلوں کی کشادگی، خدا کا تعلق معرفت الٰہی، صفاتِ الٰہیہ کا جاننا، معاد کا کھلنا، علوم الٰہیہ کی حقیقت کا جاننا، کسی حد تک انبیاء علیہم السلام اور ان کے طریقہ کار کو اپنانا، یہ تمام چیزیں کیونکہ معنوی حقیقتیں ہیں، باطنی نوعیت والی باتیں ہیں، اس لیے ظاہر پرست طبقہ اِدھر نہیں آتا حالانکہ:

بعد از سی سال این نکته محقق شد باخاقانی

کہ یک لحظہ با خدا بودن بہہ از سلطنت سلیمانی

(تیس سال کے مجاہدات کے بعد خاقانؔی پر یہ بات کھلی کہ خدا کے ساتھ ایک لمحہ گزارنا سلمان علیہ السلام کی سلطنت سے بہتر ہے۔)

خداوند قدوس کا تعلق اور تشریعی اعمال اور قرآن و سنت والے معارف اور حقائق کو جاننا، اُن سے واقف ہونا، یا اُن کے رُخ پر پڑنا، کونی تصرفات، تسخیر اور کشف و کرامت سے

ہزار درجہ بہتر ہے۔ انسان پوری کائنات کو مسخر کر لے تو کمال کی بات نہیں لیکن اگر وہ نفس پر احکامِ الٰہی کے مطابق قابو پالے تو یہ کمال کی بات ہے۔ چودہ طبق روشن ہو جائیں، تو یہ کمال نہیں کہ انسان کو مخلوق کی نہیں خالق کی پہچان نصیب ہو جائے۔ اس لحاظ سے معنوی اور باطنی اور تشریعی (شریعت والی) حقیقتیں ہر لحاظ سے کونی، طبعی اور ظاہری کیفیات، کشف و کرامات سے بڑھ کر ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ دل کا سنوارنا اور صفاتِ الٰہیہ سے مزین ہونا اور حبیب ﷺ کے اخلاق و عادات سے متعلق بنالینا ہزاروں کرامتوں اور خرق عادات سے بڑھ کر ہے۔ ہمارے حضرتؒ نے ایک دفعہ فرمایا۔ حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ حضرت تھانویؒ کے سب سے اُونچے اور قدیم خلفاء میں تھے کہ حضرت اب کچھ نظر نہیں آتا تو حضرت تھانویؒ نے جواباً لکھا کہ اچھا تمہارے چوہے بلّیاں نظر آنی بند ہوئیں۔ مبتدی طالبین کو اس لہجے میں جواب اس لیے دیا جاتا ہے کہ اُن کے دلوں میں اِن چیزوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور یہ چیزیں اکثر اوقات انسان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں مثلاً ہمارے مقصد صاحب میڈیکل کالج میں داخل ہوئے اور انہوں نے یہ کہا کہ ہمارے کالج میں ڈرامیٹک سوسائٹی ہے۔ چلو داڑھی تو تمہاری ویسے بھی نہیں، چلو! لڑکیوں کا بھی پارٹ ادا کریں، اسی طرح ڈرامہ ہو یا کوئی چیز ہو، جو طریقہ حصول میں حائل ہو جاتا ہے حالانکہ مقصد رضائے الٰہی بطریق محمد ﷺ ہے۔

کیا پوچھتا ہے میرا کدھر ہے کعبہ
آبرو جدھر وہ پھیرے میرا وہی ہے کعبہ

اکثر اوقات یہ راستے کے تماشے کشف و کرامت، خوابوں کا شوق اور اِس قسم کی چیزیں ترقیات میں حائل ہو جاتی ہیں اور انسان ان چیزوں کو مقصد سمجھ کر اصل مقصد کو گم کرتا ہے۔ مقاصد گم ہو جاتے ہیں، اکثر اوقات ان چیزوں میں اُلجھ کر۔ تو محققین کبھی کبھی اپنے

متعلقین کو اُلجھانا نہیں چاہتے بلکہ وہ کوشش کریں گے کہ ان کو ان سے نکالیں مثلاً آپ نے جانا ہے شہر اور ایک لمبا جلوس نکلا ہے۔ اب اگر تم جلوس کے راستے سے جاؤ تو وقت زیادہ لگے گا تو وہ اس جلوس سے ہٹا کر ایسے راستے سے چلاتے ہیں کہ وقت زیادہ نہ لگے۔

اللہ والا بن جانا بھئی یہ سب سے بڑا کمال ہے، حضور ﷺ کے طریقے پر آنا یہی سب سے بڑا کمال ہے، آپ ﷺ کے در کی خاک ہماری آنکھوں کا سرمہ اور ہمارے سر کی رونق بن جائے۔ کچھ بھی نہیں سلوک سوائے خدا کی رضا کو حاصل کرو حضور ﷺ کے طریقے پر چل کر۔ اللہ پاک کا حصول آتا ہے حضور ﷺ کے طریقے پر۔

حُبِّ الٰہی اور اِتباعِ رسول ﷺ

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (10 دسمبر 1963ء، بروزِ منگل)

ایک شخص اپنا بیٹا اپنے شیخ کے پاس لے آیا کہ حضرت اس کے لیے دُعا کیجئے تو فرمایا ''کہ بھئی عشق کرو عشق''۔ کہا حضرت ہم تو اس لیے لائے تھے کہ کوئی بھلائی کی دُعا فرمائیں اور آپ نے تو بیڑا غرق کر دیا۔

عشق خانہ خراب کے مارے
در بدر شہر یار پھرتے ہیں

تو کہا کہ بھئی ہم کو جس راہ سے ملا ہے اُس کی دُعا کی تو میں اس کی تشریح کروں کہ عشق حقیقی ہی عشق ہوتا ہے اور جو غیر اللہ سے ہو وہ عشق نہیں ہے فسق ہے۔ وہ شیخ چلی والا نہیں کہ ایک دن آیا اور ماں سے پوچھا کہ جسے لوگ عشق کہتے ہیں تو مجھے بھی عشق کا طریقہ سکھاؤ تو ماں بھی شیخ چلی کی تھی، تو کہا: کہ بیٹا! آنکھ مار اور کنکری لگاؤ۔ تو یہ آیا اور ایک بھاری پتھر لیکر کوٹھے پر چڑھا۔ پاس ہمسایہ کی لڑکی سو رہی تھی اُس کو جی چاہ رہا تھا۔ پہلے خوب اپنے منہ کو تھپڑوں سے مارا اور پھر آخر وہی پتھر اُٹھایا اور اُوپر سے پھینک کر غریب کو شہید کر دیا، تو عشق سیکھنا ہو تو امام العشاق سے سیکھو کیونکہ ہر ایک چیز جو سیکھی جاتی ہے تو اس کے فن کے ماہر سے سیکھی جاتی ہے تو آپ نے جس رُخ سے اللہ کی محبت کو لیا تو اگر ہمارا عشق اُس رُخ پر آئے تو تبھی تو عشق ہو تو جیسے کہ سراج نے کہا کہ عشق کرنا مشکل ہے تو یہ غالب کے مذہب پر ہیں۔

عشق پر جور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

تو اگر یہ اختیاری نہ ہوتا تو انسان اس کا مکلف کیوں ہوتا؟ ''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ'' تو اس سے معلوم ہوا کہ انسان اگر اللہ کی محبت لگانا چاہے تو لگ سکتی ہے اور میں یوں

کہوں کہ لگ چکی ہے۔

پیدا ہوئے تو ہاتھ تھے سینے دھرے ہوئے

اور کب؟ یوم "الست" میں، یہاں تجلی الٰہی ہوئی، یہاں جواب انسان کی اُس حقیقت نے دیا جس کو روح کہتے ہیں، زمین نہیں بولی، آسمان نہیں بولا اور تمام نہیں بولے، صرف اس جذبۂ محبت نے انسان کو بے اختیار کر کے یہ پکارا کہ تُو ہمارا رب ہے، تُو محبت تو ہر انسان کے دل میں ہے لیکن ہم نے اس کو بلی چوہوں کو دیا ہے، تو بیج تو موجود ہے لیکن اس کے بڑھانے کی کیا صورت ہے، تو ایمان نام ہے اول اس اقرار کا جو کہ خدا کے محبوب، معبود ہونے کا اقرار کرتے ہو۔ یعنی معبودیت میں محبوبیت سب سے پہلے آتی ہے اور مقصد کا تعین بھی محبت سے آتا ہے کیونکہ جس کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے، اس کو اپنا مقصد بناتا ہے۔ ہمارے حضرت تھانویؒ نے لکھا کہ جب ہم نے کہا کہ ایمان لائے تو گویا ہم نے یہ اقرار کیا کہ ہم تمہارے عاشق ہوئے۔ اب یہ تو ہوا لیکن یہ محبت کیسے بڑھے گی تو قرآن نے طریقہ بتا دیا۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ (مریم۱۹:۹۶) یعنی جتنے جتنے نیک اعمال پر چلتے جاؤ گے اور صحیح رُخ کو اختیار کرتے جاؤ گے، لیکن کب؟ جب کہ خدا کو محبوب بھی تو مانو، مقصود بناؤ اور نرے چھاچھ ہی چھاچھ ہو، چھاچھ میں اور دودھ میں کیا فرق ہوتا ہے، چھاچھ سے مکھن نکلا ہوا ہوتا ہے اور دودھ میں مکھن ہوتا ہے تو حُب الٰہی وہ حقیقت کے لحاظ سے اعمال میں اس کو پیدا کر لیتے ہیں اور حُب الٰہی نہ ہو تو دین نہیں ہوگا، استقامت دین پر چاہتے ہو تو حُب الٰہی پیدا کرو، محبوب[57] محب کو نہیں چھوڑے گا، چاہے بٹ خیلہ چلا جائے۔ اس کے لیے صلحاء اور محبین کی مجلس میں بیٹھنا پڑے گا اور اُن سے تعلق جوڑنا ہوگا اور ایک ہوتا ہے شیخ کے ساتھ تعلق کہ وہ پردہ فرما کر قبروں میں چلے جائیں لیکن وہ تعلق نہیں ٹوٹتا اور ضابطے کا تعلق ہمارے

57۔(محبوب الرحمٰن مولانا صاحبؒ کے مرید ملاکنڈ ایجنسی اللہ ڈھنڈ ڈھیریٔ کے رہنے والے تھے۔

سکولوں کے استادوں سے تھا کہ اب نام تک یاد نہیں، تو محبت میں استقامت ہوتی ہے۔ وہ کسی نے کہا ہے:

جان دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

اور کسی نے کہا:

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اُس عہد کو اب وفا کر چلے

ہم تو کہیں کہ دِلوں کی باغ و بہار ہی محبت سے ہے اور اہل اللہ میں اور کیا ہوتا ہے؟ اِس ہی نشے سے سر گردان ہوتے ہیں اور یہ نشہ نکل جائے تو پھر سوکھی لکڑی ہوتے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ اہل ظاہر اور اہل اللہ میں فرق کیا ہے؟ تو کہا" ایک نے ہے اور ایک نیشکر ہے"۔ اور بقولِ شخصے:

گر تو سنگ خاراد مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

(تو اگر پتھر ہے یا سنگ مرمر ہے ان جیسا سخت ہے لیکن جب صاحب دِل کے پاس پہنچ جائے تو اس کی صحبت کی برکت سے گوہر نایاب بنے گا۔)

صفیں کج دل پریشان سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندرون باقی نہیں ہے

کس کام کا وہ دِل جس دِل میں تُو نہیں
کس کام کا وہ گُل جس گُل میں بُو نہیں

انسانوں کے دِلوں کی رونق اللہ کی محبت سے ہے۔ اب مولانا رومؒ کی ابتدا سے انتہا تک جو مثنوی ہے وہ کیا ہے؟ عشقِ الٰہی کا ترانہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خانۂ خالی را دیوی گیرد، تو جہاں خدا کی محبت نہیں ہوتی، وہاں اُلٹی ٹوپیوں والوں کی محبت آجائے گی، کُتّوں کی محبت آجائے گی، بلیوں کی محبت آجائے گی، نکال لو ہر غیر کو۔ یہ ''لَآ اِلٰہَ'' کو بعض نے ذکر جاروبی کہا ہے، سب کو نکال دو۔

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کے لیے میں خدا چاہتا ہوں

تیرے سوا معبود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
اور تیرے سوا مطلوب حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں

اور دیکھو! جو محبت الٰہی کو پیدا کرنا چاہے تو اللہ اس کو اپنا محبوب نہیں بنائیں گے؟ اُس کو تو پیدا ہی اس لیے کیا ہے۔ تو مسلمان سے خطاب ہے: ''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ''۔اِنْ اگرچہ شرطیہ ہے لیکن فرماتے ہیں کہ جب تم مسلمان ہو تو اور کیا ہے، اللہ سے محبت چاہو گے تو کیا کرو؟ میرا طریقہ (یعنی حبیب پاک ﷺ کا) اختیار کرو تو اللہ کے محبوب بن جاؤ گے اور بعضوں نے یوں کہا ہے کہ قرآن کی سب سے سخت آیت یہ ہے کہ اللہ حجاب میں ہوں گے۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ (المطففین ۸۳:۱۵)

تو بات یہ ہے کہ مسلمان اللہ کا عاشق ہوتا ہے۔ اب اس کے مدارج ہیں تو جتنے بھی اعمال محمدیہ محبت کے رُخ سے اختیار کرے گا اُتنی ہی محبت آئے گی اور ایک بات عرض کروں کہ غیر اللہ کی محبت جو کہ گائے بھینس کی اور ریچھوں کی محبت ہے، یہ فسق ہوتا ہے، عشق نہیں ہوتا۔

ایک سائل کے سوال پر؟ کہ ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کے بارے میں جو کہتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ

الصّٰلِحِیْنَ ۚ (النساء ۴:۶۹) تو باہمی ربط کیسے ہو؟ تو فرمایا: نبی ﷺ کی ذات گرامی کے اتباع میں تمام نبیوں کا اتباع ہے۔ ایک تو آپ ہیں ہی سید المرسلین اور پھر تمام نبیوں کے جملہ علوم کا مجموعہ بلکہ اُس سے بڑھ کر حضور ﷺ کا علم ہے تو جس نے اس کو لیا، اُس نے تمام نبیوں کی اتباع کو لیا۔ تو یہاں یہ کہا ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ۝۵ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ۬'' اور وہاں سورۃ یٰسٓ میں کہا: یٰسٓ ۚ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۙ۝۲ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۙ۝۳ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ؕ۝۴ (یٰسٓ ۳۶:۱،۴) یعنی یٰسٓ اور پھر قرآن اس پر گواہ ہے کہ آپ صراط مستقیم پر ہیں اور دوسری جگہ فرمایا: وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۙ۝۵۲ (الشوریٰ ۴۲:۵۲) تو دین آتا ہے، یہ توفیقِ الٰہی سے ملتا ہے، عطیہ الٰہی ہے ''اَنْعَمْتَ'' ہے، نوازنے والی بات ہے، تو یہ توفیقِ الٰہی ہے، فضل ربانی ہے، تو نبی تو وہ ہو جو ''بالذات'' لینے والا ہو، اللہ اور اُس کے درمیان دوسرا واسطہ نہیں ہوتا۔ فرشتوں کا واسطہ اللہ تعالیٰ نے حکمت خاصہ سے مقرر کیا لیکن فرشتے جو آتے ہیں، نبی سے افضل نہیں ہوتے تو نبی کو اصالتاً ملتا ہے اور جو نبی کے سینے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بالذات اُترتا ہے، تو نبی کا سینہ شفاف آئینہ ہوتا ہے اور جو نبی کے سینے پر آتا ہے اس کا عکس صدیق کے سینے پر پڑتا ہے تو صدیق کے لیے عقلی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ برہان الٰہی ہوگا لیکن اُس کا سینہ نبی کے نُور سے روشن ہوتا ہے۔ اس بنا پر صدیق جو ہوتا ہے، وہ نبوت والی ہر حقیقت کو اپنا کر اللہ کا تعلق اس کو نصیب ہوتا ہے اور اُس کا ظاہر و باطن حقیقت میں رنگا ہوتا ہے۔ نبوت ختم، رسالت ختم، صدیقیت تا قیامت باقی۔ سب سے بڑے صدیق، صدیق اکبر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور اس کے بعد چھوٹے چھوٹے صدیق۔ اب شہید گو اس اُونچی منزل پر نہ ہو جس پر کہ صدیق ہو لیکن نبی کا اِتنا تابع ہوتا ہے کہ جان تک اس کی بات پر دے دیتا ہے اور اس کے بعد صالحین کا نمبر آتا ہے۔ صالح کسے کہتے ہیں جو نیکی کرنے والے ہوں، ہر وہ نیکی جو حضور ﷺ نے اختیار کی، اُس کے کرنے والوں کو صالحین کہتے ہیں تو یہ چار طبقے ہیں جن پر اللہ نے نعمت

فرمائی۔ نبی کا چراغ اللہ تعالیٰ جلاتے ہیں اور باقیوں کے بھی چراغ اللہ تعالیٰ جلاتے ہیں لیکن نبوت کا واسطہ ہوتا ہے، نبی اللہ کی طرف دیکھتا ہے اور اللہ سے لیتا ہے اور صدیقین، شہداء اور صالحین وہ ہیں جو نبی کو دیکھتے ہیں اور وہ راستہ اختیار کر لیتے ہیں، صدیق کا ظاہر و باطن اِس میں رنگا رہتا ہے۔ شہید اُس کے لیے جان تک دے دیتا ہے اور صلحاء اُس پر چلتے ہیں۔

حقیقی محبت اور اعمالِ صالحہ

اسلامیہ کالج مسجد پشاور یونیورسٹی (10 دسمبر 1963ء، بعد از نمازِ مغرب بروز منگل 5 بجکر 30 منٹ)

عزیزو اور دوستو! اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور انسان کے اندر ایک چیز رکھ دی جسے روح کے نام سے یاد کر لو، دل کے نام سے یاد کر لو۔ انسان کے اندر اللہ نے دل رکھا ہے اور یہ محض اُس گوشت کے لوتھڑے کو نہیں کہتے جس کو ہم یا ڈاکٹر لوگ دیکھتے ہیں بلکہ دل شریعت میں انسان کی اس روحانیت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان خداوند قدوس کو پا سکتا ہے۔ اللہ نے جو راستہ انسانوں کو عطا فرمایا، وہ دل کا راستہ ہے مثلاً آپ نے نوشہرہ جانا ہو تو لنڈی کوتل کی راہ سے نہیں جائیں گے۔ اسی طرح اگر آپ خدا کو اپنانا چاہیں تو اس کے لیے لازم ہو گا کہ ہم اپنے دلوں کو پہچانیں اور جو خاصیتیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر رکھی ہیں، اُن کے جاننے والے بن جائیں۔ دل کے اندر دوسری چیزوں کے علاوہ اللہ نے ایک چیز رکھ دی جس کو ہم محبت کے نام سے پکارتے ہیں۔ کبھی ماں باپ کی محبت ہوتی ہے، کبھی بھائی بہن کی محبت ہوتی ہے اور اسی طرح مختلف اشیاء کی محبت ہوتی ہے۔ یہ جذبہ کیوں اللہ نے رکھا ہے تاکہ اس کے ذریعے انسان اللہ سے محبت کرنے والا بن جائے، محبت میں اِتنا ڈوب جائے کہ انسان پوری کی پوری زندگی گزار دے لیکن غیر کی محبت اس کو اپنی طرف جھکنے والا نہ رکھے۔ یہاں تک کہ اگر موت آجائے اور اس پر طاری ہو جائے تو موت کی تلخی اُس موت کو میٹھا کر دے۔

بلا سے تکلیف نزع میں ہے، سکون خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی کے چھٹنے کا غم نہیں ہے

اب یہ دل کا جذبۂ محبت جو ہے اس کا استعمال اگر انسان غلط رُخ پر کرتا ہے، مطلوب انسان کا بنتا ہے محبت کے ذریعے، گائے، بھینس سے تمہاری محبت ہو گی۔ وہ تمہارا مطلوب ہو گا، جاہ و عزت سے محبت ہو گی، آسمان و زمین سے محبت ہو گی تو وہی تیرا مقصود اور مطلوب ہو گا اور

اسی وجہ سے فرمایا: ''لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ'' محققین لکھتے ہیں کہ کامل نیکی تمہیں میسر نہیں آتی، جب تک تم ان چیزوں کو قربان نہ کرو جو کہ تم کو محبوب ہیں۔ اب محبت انسان کے مطلوب مقصود اور زندگی کے طریقوں کو متعین کر دیتی ہے تو اس لیے فرمایا کہ اپنی تمام چیزوں کو چھوڑ کر اللہ کو مطلوب اور محبوب بناؤ۔ دین کا کمال یہ نہیں کہ وہ چیزوں سے محبت رکھے، زید، عمرو اور بکر سے محبت رکھے ''وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ'' اللہ نے جن کی محبتوں کو فرض کر دیا، انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت۔ اگر محبت نصیب نہ ہو تو کمال نہیں ہوتا اور فرمایا: کہ جب تک حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت تمہارے دل میں ہر فرد سے زیادہ نہ ہو تو تمہارا ایمان ہی نہیں رِہ سکتا۔

تو اب جب ہر چیز کو چھوڑ کر ایک ہی ذات سے تمہاری محبت ہو تو تمہارا مطلوب، مقصود، حاکم ایک ہو جائے گا اور ہر ایک سے چھوٹ کر ایک اللہ کے ہو جاؤ گے اس لیے کہتے ہیں ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہر غیر کی محبت سے چھوٹ کر اپنے دلوں کو صاف کرو۔ اگر یہ نہ ہو تو ایمان کامل نصیب نہیں ہو گا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ایمان قطعاً نصیب نہ ہو گا بلکہ کمال ایمان نصیب نہ ہو گا۔ وہ کیا مومن ہے جو اللہ کے حکم پر بھی چلتا ہو اور غیر خدا کے حکم پر بھی چلتا ہو۔ اُس نے اپنے دل کے خانے تقسیم کر لیے ہوں۔ ایک اللہ کے لیے ایک غیر کے لیے۔ یہ نہیں بلکہ اس کا حال یہ ہو ''ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً'' پورے اسلام والے بن جاؤ، تقسیم نہیں اور یہ کس وقت ہو گا جبکہ تمہارا پورے کا پورا دل اللہ والا ہو گا۔ اگر ہم میں کچھ نیکیاں بھی ہیں اور کچھ بُرائیاں آرہی ہیں تو سمجھ لو کہ ہمارے دل میں غیر خدا بھی ہے جس کے دل میں خدا آجاتا ہے تو اس سے بُرائی کا عمل بالکل سرزد نہیں ہوتا۔ انسان اپنے آپ کو بھی اپنا محبوب قرار نہیں کر سکتا کیونکہ اگر اپنے نفس کو محبوب قرار دے گا تو یہ بھی تو دوئی ہے لیکن ہم نے اس چھوٹے سے دل کو جس کو اللہ نے بنایا تھا، جس کو اللہ نے یوں کہا تھا کہ میرے لیے ہے۔ ہم نے اُس میں دوسری چیزوں کو لا رکھا۔ دیکھو! یہ مسجد ہے، یہاں یہ منبر ہے، اس کو خطبہ کے لیے خاص

کرر کھاہے۔ اب تم جمعے کے دن یہ کرو کہ مسجد کو صاف کرو اور تمام کوڑا کرکٹ یہاں اس منبر پر اکٹھا کرو تو ڈین صاحب اُس کو ڈنڈے سے سیدھا کریں گے کہ میرے مقام کو گندہ کرتے ہو لیکن ہم جسم کا تو غسل کر لیتے ہیں لیکن دل کا غسل نہیں کرتے، چہرے کو خوب صابن لگا کر صاف کرتے ہیں اور کبھی بلیڈوں سے صاف کرتے ہیں۔

داڑھی خدا کا نُور ہے لیکن فیشن کے انتظامِ صفائی کا کیا کریں؟

تو چہرے اور بدن کو تو خوب صاف کرتے ہیں لیکن تمام غلاظتوں کو دل میں اکٹھا کرتے ہیں۔ فرمایا: کہ اللہ نہیں دیکھتا تمہاری صورتوں کو اور تمہارے مالوں کو لیکن وہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو۔ اب سب سے پہلے تجلّی دل پر پڑتی ہے، اگر یہ صاف ہے تو کہتا ہے کہ چاہے ٹوٹے پھوٹے ہیں لیکن میرے محل کو تو صاف کر لیا ہے اور اگر یہ ناپاک ہے تو کہے کہ اچھا ہماری ہی جگہ کو غلاظت اور گندگیوں سے بھر دیا تو خداوند قدوس جو یہ چاہتا ہے کہ یہ دل صرف میرا ہو اور دوسروں میں مشغول نہ ہو تو پھر اُس کو غصہ نہیں آئے گا تو ”لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ کا مطلب کیا ہے؟ نکال ڈالو ہر غیر کو اور صاف کرو دل کو اللہ کے لیے۔

زبان سے کہہ بھی دیا لَا اِلٰہ تو کیا حاصل
دل و دماغ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایک شخص منافق ہو وہ دِن میں ایک لاکھ دفعہ کلمہ پڑھے تو کیا ہوا؟ تو دلوں کو صاف کرو۔ حضور ﷺ کے اعمال صرف ظاہر کے لیے نہیں لیکن اندرون کے پاک کرنے کے لیے بھی ہیں۔ جتنے بھی ہم حضور ﷺ والے اعمال کو لے لیں گے تو ہمارے دل بنتے جائیں اور اگر ہم آپ ﷺ کے طریقے سے ہٹتے چلے جائیں گے تو ہمارے دل بگڑتے چلے جائیں گے تو دل کو بنانے والے مشین اعمال محمد یہ ﷺ ہیں اور جس کا دل بن جائے گا تو کیا ہو گا، اللہ مل جائیں گے اور اللہ مل جائیں تو کیا ہو گا؟ جس کو اللہ ملے اُس کو سب کچھ ملا۔ اللہ ہو تو اگر وہ فقیر

ہے اور ساتھ کچھ نہیں تو وہ اُن تمام شاہوں سے اُونچا اور اعلیٰ ہے، اُس کا دل تمام بادشاہوں سے زیادہ مطمئن ہوتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ سرور والا ہوتا ہے، مالدار سے اگر مال گیا تو قصہ ختم، حکومت گئی تو کام بگڑ گیا۔ ارے!

من کی دنیا ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دنیا چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

جن کے دل اللہ کی یاد سے زندہ ہوتے ہیں، اُن کو موت نہیں مارتی۔ تو دوستو! اللہ کا تعلق انسان کو بناتا ہے۔ پھولوں کے سیج والوں کو اِتنا آرام میسر نہیں ہوتا۔ جتنا کہ اللہ والوں کو کانٹوں پر لیٹے ہوئے محسوس ہوتا ہے۔ حضرت بلالؓ کا نام تو سنا ہوگا جو کہ اذان دیتے تھے۔ وہ کالا کلوٹا جس کے کالے کلوٹے پن پر اس دنیا کی تمام سفیدیاں قربان ہوں تو ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک جگہ چھوڑی ہوئی تھی تو بڑے بڑے بیٹھے تھے اور آپ نے فرمایا کہ یہ جگہ عمارؓ اور بلالؓ جیسوں کے لیے ہے اور یہ وہ آدمی ہیں کہ جس کو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آج تو کعبۃ اللہ کی چھت پر اذان دیں حالانکہ کعبۃ اللہ کی چھت پر نماز پڑھنا بھی احتراماً منع ہے تو جب اذان دی تو ایک کافر نے کہا کہ '' کاش میں مرتا لیکن اس کالے کوّے کو کعبے کی چھت پر اذان دیتا ہوا نہ سنتا''۔

تو روایات میں تو نہیں لیکن مولانا رومؒ نے فرمایا کہ اشہد کے لفظ کو بھی صحیح نہیں کہہ سکتا تھا کہ ''اسہد'' کہتا تھا لیکن اُس ''اسہد'' پر ہزاروں کے ''اشہد'' کہنا قربان۔ تو اب وہ ہیں کہ انگاروں پر لٹائے جاتے ہیں لیکن احد احد کا مزا نہیں بھولتا تو جس کو آگ کے انگاروں پر وہ لذت محسوس ہوتی ہے جو اوروں کو پھولوں کی سیج میں نہیں آتی ہے، موت بھی ان کے عید کا دن ہوتا ہے، اللہ سے ملانے والا ہوتا ہے جیسے کہ روزوں کے بعد جو کہ اُنتیس اور تیس دن کے ہوتے ہیں اور ہمارے یہاں عموماً اٹھائیس اُنتیس کے ہوتے ہیں، یہ جب گزرتے ہیں تو عید آتی

ہے تو اس میں کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ کھاؤ پیو، اسی طرح جب موت آتی ہے تو احکام کی تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ فرمایا: ”وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾“ اس وقت تک بندگی کرو جبکہ موت آجائے تو اب جب موت کا دن آتا ہے وہ اللہ کے ملنے کا دن ہے جیسے کہ برات کا دن ہوتا ہے تو فرمایا ”کہ کیسا وہ دن ہوگا جبکہ رب سے ملیں گے، محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ سے ملیں گے“۔غدًا نلاقی احبہ۔ محمدًا و حزبہ۔

اللہ کے لیے محبت کرو تو یہ زندگی بھی پیاری ہو جائے، موت بھی پیاری ہو جائے، حشر بھی پیارا ہو جائے اور ابد الاباد کی زندگی بھی پیاری ہو جائے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ کے لیے دلوں کو خالص کرو اور جب یہ کر لو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے اور انسان بن جاؤ گے۔ یوں تو بندر اور ریچھ بہت پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم بندر کی اولاد ہیں اور جنہوں نے ریچھ کا نشان بنایا ہے اور اللہ کے نزدیک بھی وہ ایسے ہوتے ہیں۔ ”اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ“ تو اس کے لیے دین والوں کی مجالس اور ان کے ساتھ ملنا جلنا اختیار کرو تو جو ان میں ہوگا وہ تم میں بھی آئے گا تو جیسے خربوزہ سے خربوزہ رنگ پکڑتا ہے اسی طرح اللہ کے بندوں کی صحبتوں میں اللہ والوں کا رنگ چڑھتا ہے اور ان کا رنگ کیا ہوتا ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اُن پر اللہ کا رنگ چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ بہر حال فکر کر کے، محنت کر کے، اپنے میں اللہ کا رنگ پیدا کرو، اپنے ساتھیوں کو یہاں لاؤ۔ دیکھو! یہ ہماری تعداد ہر وقت کیوں کم ہوتی ہے اس لیے کہ ہم محنت نہیں کرتے۔ تو گشت میں شرکت کر لیا کرو، کچھ کام کرنے والے بن جاؤ۔ دیکھو بھائی! دین کو ذمہ داری کے ساتھ کرو۔ دیکھو! کھانا کھاتے ہو اور پھر پڑھتے بھی ہو، کیا اکیلے کھانے میں وقت ضائع نہیں ہوتا تو ہم یہ کہیں کہ جتنا وقت تم کھانا کھانے میں لگاتے ہو، اُتنا وقت ہفتے میں گشت کے لیے لگا لو۔ آپ کہیں گے کہ ہر وقت یہی کہتا ہے تو اگر آپ کرنے لگیں تو ہم کیوں کہیں؟ جب کوئی نماز پڑھتا ہے تو کوئی پگلا تو نہیں ہوتا کہ پھر بھی کہیں کہ بھائی نماز پڑھو۔

حُسنِ طلب کا اثر

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (11 دسمبر 1963ء، بعد از نمازِ مغرب بروزِ بدھ)

حضرت سعدیؒ کا شعر:

زھستی تہی آ کہ تا پُر شوی
تو از خود پُری زان تہی مبروی

(تو اپنی غرور کو چھوڑ کر نیک لوگوں کی صحبت کا ارادہ کر تو بامراد ہو کے جاؤ گے اور اگر پہلے سے تمہیں خود پر ناز ہو تو خالی خولی جانا ہو گا۔)

جواب: اُردو میں کہتے ہیں، خالی آؤ گے تو بھرے جاؤ گے اور بھرے آؤ گے کیا لیکر جاؤ گے۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ انسان آئے تو اعتراضات سے خالی ہو، تنقید کرنے والا نہ ہو، اپنے علوم ''انانیت'' کو باہر چھوڑ کر آئے اور یہ دُنیا کی بھی ہر بات میں ہے۔ شاگرد اُسی وقت بنو گے جبکہ اُستاد ہونے کے باوجود اپنی استادی کو بھلاؤ گے۔ حصول کے لیے اپنے آپ کو مٹانا پہلی شرط ہے اور اگر انسان کسی چیز کے حاصل کرنے کے لیے جاتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ مجھے آتا ہے تو اُس کا یہ زعم اس کو نامراد لائے گا۔

ہر کجا پستی است آب آنجا رود
ہر کجا رنج است دوا آنجا رود

(پانی پستی (نیچے) کی طرف جاتا ہے اور دوا بیماری میں اپنی تاثیر دِکھاتا ہے۔)

اسی طرح جو شخص اپنے کچھ جاننے کے دعوے کے ساتھ کسی جگہ پر جائے گا وہاں اُسے کچھ نصیب نہیں ہو گا۔ خالی جاؤ اپنی انانیت سے، کبر سے، دعویٰ کو مٹا کر جاؤ تو بن کر آؤ گے۔ اس خالی ہونے کا مدعا یہ نہیں کہ انسان طلب سے خالی ہو بلکہ مقصد اپنے دعویٰ علم، اپنی پند ار ہستی اور انانیت سے خالی ہونا شرط ہے۔ ہمارے حضرتؒ نے لکھا تھا، ہمیشہ تواضع،

صغرِ نفس اور فنا کا حال غالب رہے، ذرا اپنے نفس پر نگاہ جانے سے سارا کرا کرایا خاک میں مل جاتا ہے اور یہ تو راہ ہے ادب کی، اس میں بڑا ضرر یہ ہوتا ہے کہ انسان جب اللہ کے بندوں کے پاس جاتا ہے اور وہاں کسی دعوے کو ساتھ لیکر جاتا ہے، دعویٰ انانیت، کبر کے نتیجے کے طور پر پیدا ہوتا ہے اور کبر جب تک مٹتا نہیں۔ دین و ایمان کا کمال حاصل نہیں ہوتا۔ راہ سلوک میں پہلا قدم فنا ہے یعنی اپنے نفس کو مٹانا تو جب کوئی شخص اپنے دل کو کسی زعم اور کسی دوسرے دعوے کو لیکر جاتا ہے تو اہل اللہ کی مجالس سے خالی آتا ہے کہ ان کے علوم ان لوگوں پر کھلتے ہیں، ظاہر ہوتے ہیں، فائدہ پہنچاتے ہیں، فیضیاب کرتے ہیں کہ جو لوگ طالب بن کر بغیر کسی کبر نفس کے اُن کی خدمت میں جائے۔ ان لوگوں کا عمومی قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کے سامنے اگر کسی چیز کا بیان کرنا چاہتے بھی ہوں تو اعراض کرلیں گے یا اغماض بھرتیں گے یا عدم التفات کو اختیار کرلیں گے۔ بقولِ شاعر!

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی
بگزار تا بمیرد در رنج خود پرستی

(جو خود کو کچھ سمجھتا ہو اُس کو طریقت کے اسرار بتائے نہیں جاتے اس کو چھوڑے رکھو تاکہ خود پرستی میں مبتلا ہو کر مرے۔)

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے علوم کی جڑ لگتی ہے وہاں جہاں کہ دعویٰ کی کیفیت نہ ہو بلکہ جہاں کے نفس کے خاکے مٹتے ہوں وہاں ان کے علوم کی جڑ لگتی ہے، امتحان کے لیے جانا ہو تو ایسے بن جائیں گے کہ کچھ آتا ہی نہیں، دوسرے ان کو علوم قلبی ہوتے ہیں، خدا کی طرف سے آتے ہیں اور خدائی علوم خاص لوگوں پر کھلتے ہیں، ہمارے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ علوم خاصہ ایسا ہی پردہ کرتے ہیں جیسے کہ باحیا عورت، محرم پر کھلتے ہیں، غیر محرم پر نہیں کھلتے، دوسرے اس کے علاوہ وہ لوگ جو اُن کے رُخ کے نہیں ہوتے اُن پر نہیں کھلتے کیونکہ وہ ان کو غیر سمجھتے ہیں اور جو غیر ہو اُن پر نہیں کھلتے۔ مولانا فرماتے ہیں:

پردہ از اغیار باشد نے زیار
پوستین از بھرِ دے نے از بہار

(جو شخص اپنے کو غیر سمجھتا ہے اُس سے پردہ کیا جاتا ہے جیسے پوستین کا استعمال سردی میں ہوتا ہے بہار میں نہیں۔)

اور ایک موٹی بات یہ ہے کہ علوم باطنیہ کے آنے کے لیے دعویٰ، تکبر، انانیت لوہے کی چادریں ہیں۔ جب تک یہ ہوں گی علوم الٰہیہ کا ورود قلوب پر نہیں ہو گا، مٹاؤ اپنے آپ کو کہ کوئی چیز آجائے، اس منی میں جو لوگ کسی چیز کسی خیر کو لینے جاتے ہیں تو وہ لوگ اکثر خاموشی اختیار کر لیں، ان کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی۔ آپ کہیں کہ یہ تو تبلیغ نہیں ہوئی تو احکام ظاہریہ کا ظہور تو ہو ہی چکا ہے اور چونکہ یہ مدعی دعویٰ کی نیت سے آتا ہے، کچھ لینے کے لیے نہیں آتا اس لیے محروم رہتا ہے۔

مولانا منظور احمد نعمانیؒ کا نام تو سنا ہو گا، بڑے عالم ہیں۔ الفرقان کے ایڈیٹر تھے اور اب بھی ہیں۔ اب تو یہ دینی رُخ کا ہے لیکن اُس وقت ۱۹۴۱ء میں مناظرانہ رُخ تھا تو یہ نہ ان سلاسل کے قائل تھے، نہ مائل تھے نہ گھائل تھے۔ ویسے اکابر دیوبند کی عزت و احترام کرتے تھے اور اکابر دیوبند ہمیشہ ظاہر و باطن کے جامع ہوتے ہیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، مولانا شرف علی تھانویؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ سب اسی رُخ کے تھے تو ویسے ان کے دل میں دینی جذبہ تو تھا لیکن اپنے رُخ سے۔ تلاش کرتے تھے تو عبد القادر رائے پوریؒ کی خدمت میں رائے پوری خانقاہ میں گئے تو وہاں خوب ذکر و اذکار ہوتا تھا اور یہ جہاں بھی جاتے تھے۔ دو سو تین سو ذاکرین اُن کے ساتھ ہوتے تھے اور بہت سارے ذاکرین ایسے بھی ہوتے تھے جو ذکر بالجہر کرتے تھے تو وہاں جو گئے تو مولانا نعمانیؒ کے خیال میں یہ آگیا کہ لوگوں کا وقت ضائع کرتا ہے۔ کوئی سیاسی کام ہو، لوگوں کو بنانے کا کام ہو، یہ کیا ”اِلَّا اللہ“

ہے، ”اِلّا اللہ“ ہے۔ حضرت سے کہہ دیا: تو حضرتؒ نے جواب کیا دیا؟ کہ مولوی جی آپ بڑے کام کے آدمی ہیں۔ میں بیکار آدمی ہوں۔ یہ لوگ آتے ہیں تو اور کچھ تو ہوتا نہیں، چلو ”اِلّا اللہ“ ہی کر لیں۔ تو بات کھلی نہیں کیونکہ معترض ہے۔ اعتراض کے رُخ پر ہے، چلے گئے تسلی نہیں ہوئی، پھر اس کے بعد کچھ وقت گزر گیا، طالب بن کر حاضر ہوئے تو پھر کیا ہوا۔ ادھر سے کواڑ کھول کر جاؤ تو وہاں بھی دروازہ کھل گیا۔ اب تم نے حال دیکھا ہو گا کہ رونا ہی رونا ہے۔ بعد کے دور میں حضرت سے بہت لوگ بیعت ہوتے تھے، علمی رُخ سے جواب دیا کہ حضرت آپ سے جو اِتنے لوگ بیعت کرتے ہیں، کیا کوئی فائدہ ہوتا ہے تو فرمایا کہ اِتنے لوگوں میں ممکن ہے کوئی ہمارے نجات کا باعث بن جائے۔

تو حاصل یہ ہے کہ اگر انسان اپنے زعم، پندار نفس اور عجب سے خالی جائے اور طالب بن کر جائے تو خداوند قدوس طالب کو محروم نہیں کرتے اور شیخ جو ہوتا ہے وہ آلہ ہوتا ہے، اصل دینے والی ذات تو اللہ کی ہے۔ وہ قلوب کو جانتا ہے کہ کس نیت سے آیا۔ اگر طالب بن کر آیا تو طالب کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے۔ ہمارے حضرتؒ کا ایک شعر ہے:

فیض ساقی ہے باندازہ ظرف میخوار
دل حریف مے بسیار کہاں سے لاؤں

اگر طالب ہوئے تو اللہ تعالیٰ شیخ کی ذات میں اُن علوم کو، اُن فیوض کو پیدا کرے گی جس سے تمہاری تربیت ہو اور اگر طلب میں کمی ہو تو اِدھر سے بھی فیوض میں کمی ہو گی۔ حضرت سید صاحبؒ کے پاس ایک صاحب آئے اور بہت سارے سوالات کرنے شروع کیے علمی رُخ کے سوالات۔ حضرت اخلاق اور مروت کی بنا پر جواب دیتے تھے، اُن صاحب کا حال یہی تھا کہ گویا یہ جتانے آئے تھے کہ اگر آپ علامہ ہیں تو میں بھی کچھ جانتا ہوں۔ فرمایا: تعریف کیا ہے؟ کہا خادم کو عرشی کہتے ہیں۔ حضرت نے کہا کہ ”عرشی صاحب! انسان کو فرشی ہونا چاہیئے“۔ تمام جواب دیئے گئے کہ تم جو آئے ہو، کس لیے آئے ہو۔ بہر حال خادم کا مدعا

اس شعر سے اِتنا ہی ہے کہ اللہ کے بندوں کے پاس جاؤ تو ہر دعوے سے خالی جاؤ۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بھر کر واپس کرے گا اور اگر اپنے کو کچھ سمجھتے رہے اور جاتے رہے تو کچھ ملنے کا نہیں اور میں تو یہ کہوں کہ جو پندار میں گرفتار ہوئے ہیں، انہیں تو عموماً یہی بات ہوتی ہے کہ اہل اللہ سے حاصل کرنا تو کیا کوئی اللہ کا بندہ نظر ہی نہیں آتا جو اپنے کو دیکھتا رہے گا، اُسے دوسرا نظر نہیں آئے گا اور جو اپنے کو مٹائے گا، اُسے دوسرا نظر آجائے گا اور انسان اپنے کمال کو خوردبین لگا کر دیکھتا ہے، رائی کو پہاڑ بناتا ہے، قطرے کو دریا بناتا ہے اور دوسروں کے کمالات کو اگر پہاڑ ہوں تو رائی سمجھتا ہے اور سمندر ہو تو قطرہ جانے اور کبھی تو دیکھتا ہی نہیں تو اپنے کو دیکھتا ہے خوردبین سے اور یہ دیکھتا ہی نہیں کہ مجھ میں بھی کوئی عیب ہے۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے لکھا ہے کہ اللہ کے بندوں کا سب سے بڑا کمال تواضع ہے اور جن لوگوں میں کبر ہے، ان کے لیے کسی نے کہا کہ کل تو ایک ناپاک قطرہ تھا، آج گندگی کو اُٹھائے ہوئے ہے اور کل ایک مُردار لاش ہوگی"۔ ایسے لوگ جو کہ دعوے والے ہوتے ہیں اور اپنے کو دیکھتے ہیں اور دوسرے کو دیکھتے نہیں تو اُن کو شیوخ بھی نہیں ملتے اور کہاں ملے جن کی نگاہ عیب جو ہوتی ہے، وہ تو ہر چیز میں عیب تلاش کرے گی، ناقد کو چھوٹی سی بُرائی بھی نظر آتی ہے اور جو ناقد نہیں وہ بُرائی کو بھی چھپالیتا ہے۔ ہمارے حضرتؒ نے ایک دفعہ 15 اگست 1953ء کو فرمایا: ایک فقیر کملی اوڑھے پھر رہے ہیں، تلاش شیخ میں نکلے کہ کہیں شیخ مل جائے، سُنا کہ کوئی بزرگ ہے اُن کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا بہت سامان وغیرہ موجود ہے، فرش وفروش، تو ان کے جی میں آیا کہ یہ کیسا شیخ ہے کہ اِتنی دُنیا اکٹھی کر رکھی ہے۔ اب شیخ اُسی وقت نفل پڑھ رہے تھے، نفلوں کے بعد جو سلام پھیرا تو فقیر صاحب کو سلام کرکے بلایا تو شیخ نے کہا کہ میرا تو ارادہ حج جانے کو ہو رہا ہے، آپ نہیں چلتے کہ چلیں۔ کہا کہ ہاں چلتا ہوں۔ شیخ نے نہ ادھر دیکھا نہ اُدھر دیکھا روانہ ہوئے۔ اب اللہ کی شان کہ جب منزل پر پہنچے تو جو نو وارد تھے، کہنے لگے: آپ ذرا انتظار کرلیں۔ میں اپنی کملی بھول کر آیا ہوں تو حضرت نے فرمایا کہ تو اپنی کملی نہ چھوڑ سکے اور میں سب کچھ چھوڑ کر آیا اور فرمایا کہ "این ہمہ در گل اند اختم نہ در دل انداختم" تو

اب ان کے کان کھلے کہ میں یہاں کیا دیکھتا تھا اور حقیقت کیا تھی، وہ کسی نے کہا ہے:

تو چہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد

(تو کیا سمجھتا ہے کہ اس غبار میں سوار موجود ہو۔)

اور حافظ نے کہا ہے کہ تو انہیں نہ جانو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ دے دو لیکن جو نو وارد تھے۔ انہوں نے اپنا ایک معیار مقرر کیا ہے تو اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھی جاتے تو یہی اعتراض کرتے تو بزرگوں نے کہا کہ ولی پر سوء ظن کرنے سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے اور نبی پر اعتراض کرنے سے تو ایمان کے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے تو کہا کہ اللہ کے بندوں پر زبان نہ کھولو تو عیب چین نگاہ تو ہر جگہ پر اعتراض کرتی ہے۔

مولانا جامیؒ کے متعلق ایسا ہی واقعہ آتا ہے تو حضرت جامیؒ شیخ کی تلاش میں نکلے تو جہاں بھی جائے اور جس کے پاس بھی جائے، کچھ کمی نظر آئے۔ آخر شیخ احرارؒ کے پاس پہنچے تو یہ بہت بڑے بزرگ تھے لیکن اللہ نے دنیوی مال وحال بھی عطا فرمایا تھا تو جب دیکھا تو دل میں بات آئی اور تھے شاعر تو دل میں ایک مصرعہ کہا کہ:

نہ مرد آنست کہ دُنیا دوست دارد

(وہ مردِ کامل نہیں جسے دُنیا سے دوستی ہو۔)

تو واپس ہوئے، اب جب واپس آئے تو رات کو دیکھتے ہیں کہ حشر برپا ہے اور حساب کتاب ہو رہا ہے اور اس حساب کتاب کے دوران میں میری کمی واقع ہوئی اور مجھے کسی چیز کی ضرورت پڑی لیکن کوئی دینے کو تیار نہیں، اِتنے میں دیکھتے ہیں کہ خواجہ احرارؒ اسی طرح دربار لگائے بیٹھے ہیں اور مجھے فرماتے ہیں کہ جامی! اگر کوئی ضرورت ہے تو لے جاؤ، آنکھ کھولی تو دیکھا کہ خواب جو ہے، بے مقصد معلوم نہیں ہوتا اور واپس چلے خواجہ کے پاس۔ خواجہ صاحب نے جب دیکھا تو مصرع کے جواب میں کہا:

اگر دارد برائے دوست دارد

(ہاں اگر مردِ کامل کے پاس دُنیا ہو تو اپنے دوستوں کی امداد کے لیے۔)

یعنی دنیا کا اکٹھا کر لینا بالذات بُرا نہیں بلکہ عطیہ الٰہی سمجھ کر اس کو خدا کے لیے رکھے تو جب جامیؒ نے سُنا کہ یہاں تو معاملہ ہی اور ہے تو آپ کے پاس بیعت ہو کر سلوک کی منزلیں طے کیں اور اللہ تعالیٰ نے خاص الخاص مقامات کو پہنچایا اور حضور ﷺ کے عشاق میں سے ہیں اور بہت اُونچے صوفیوں میں سے ہیں۔ یہ تو خداوند کریم کا خصوصی فضل تھا ورنہ جو معترض قسم کے لوگ ہوتے ہیں، وہ اکثر فیض سے محروم رہتے ہیں تو بہر حال جو خالی آئے گا وہ بھرا جائے گا اور جو بھرا آئے وہ ایسا ہی جائے گا۔

حضور پاک ﷺ کی محبت کا تقاضا

مسجد گنج علی خان پشاور شہر (12 دسمبر 1963ء، شب جمعہ بعد از نمازِ مغرب)

عزیزو، دوستو اور بزرگو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے آقا سیدنا محمد ﷺ کو انسانیت کی طرف بھیجا اور انسانیت کو ان انعامات، حقائق، اخلاق اور فضائل سے سرفراز فرمایا جو کہ اُسے پہلے کسی ذریعے سے نہیں آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا محمد ﷺ کے ذریعے اُن تمام انعامات کی تکمیل کر دی، انسانوں پر نعمت تمام ہو گئی۔ وہ منازل کھولیں، وہ باتیں بتائیں اور وہ طریقے کھولے جو کہ پیشتر کسی پر نہیں کھولے تھے۔ حضرت محمد ﷺ سید المحبوبین ہیں، آپ سید المرسلین ہیں۔ ایک طرف آپ ﷺ محبوبیت کے اس مقام پر قائم ہیں جس مرتبے تک کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا اور دوسری طرف رسالت کے اس درجے پر ہیں جس تک کوئی دوسرا رسول نہیں پہنچ سکتا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی دوسرا نبی ناقص تھا لیکن حضور ﷺ وہ برگزیدہ ذات ہیں جن کا تصور نہیں ہو سکتا اور دیکھا جائے تو نبی اِتنا کامل ہوتا ہے کہ غیر نبی اس کا درجہ جان نہیں سکتا۔ انسان نے ٹیلی سکوپ اور کیا کیا بنایا لیکن یہ نہیں جانتے کہ سورج کیا ہے؟ کس چیز سے بنا ہے اور کن چیزوں سے اس کے خواص قائم ہیں حالانکہ ہر ایک شخص سورج کو دیکھتا ہے لیکن اس کی طرف ہم نگاہ نہیں کر سکتے حالانکہ سورج ایک مادہ ہے تو وہ ذات جو شمس الرسالت تھی اُس ذات عالی کو ہم کیسے جان سکتے ہیں؟ حالانکہ جو کہ عام درجے کے نبی ہوتے ہیں اُس کو غیر نبی نہیں جان سکتے۔ یہ منصب نبوت ایک ایسا درجہ ہے جس کو جاننے کے لیے اللہ تعالیٰ نے غیر نبی کے ذہنوں کو مسدود کیا، انسانیت کے تمام راستے مسدود ہیں جس راہ سے نبوت ملتی ہے، انسان نہ اپنی محنت سے نبوت کو پا سکتا ہے نہ یہ محنت اور مجاہدہ سے آ سکتا ہے۔ یہ ایک خاص عطیہ خداوندی ہے جو کہ ان لوگوں کو ملتا ہے جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے نبوت کے لیے صلاحیت رکھی ہوتی ہے اور ”اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ

رِسَالَتَہٗ'' (المائدہ۵:۶۷)ان کے اندر اللہ نے جو صلاحیتیں رکھی ہیں، اُن کو غیر نبی جان نہیں سکتا۔ بقول بوصیریؒ کے، دور سے سورج چھوٹا نظر آتا ہے اور جب جاؤ گے تو وہ اِتنا بڑا ہے اور اِتنا روشن ہے کہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور اس کو ایک ذہن جان نہیں سکتا تو نبوت کو نہ دُور سے جانا جا سکتا ہے نہ قریب سے۔

حضور ﷺ جو اپنی ذات کے لحاظ سے مجموعۂ نبوت ہیں اور جملہ نبیوں کی نبوت کو محمد ﷺ کی ذات میں ایسا اکٹھا کر لیا گیا ہے کہ اکیلے آپ کی ذات میں جملہ نبیوں کا نُور نظر آتا ہے۔ ایک گلدستہ لے لو جس میں چنبیلی بھی ہو، گلاب بھی ہو، سوسن بھی ہو تو اسی طرح میرے آقا حضرت محمد ﷺ کی ذات میں تمام انبیاء کا نُور ہے۔ ایسا نہیں کہ محمد ﷺ کی ذات میں صرف نبوت محمدیہ کا نُور نظر آئے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی نبی ہوئے ہیں تمام کا نُور آپ میں سمویا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر ایک نبی کی ایک خصوصی نسبت ہوتی ہے اور وہ نورانیت پوری اُمت کو تقسیم ہوتی ہے، پوری اُمت کو جو ایمان ملتا ہے وہ نُور ملتا ہے۔ وہ نبی کے واسطے سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہر آن ایک نُور کی شعاع نبی کے سینے پر بغیر کسی انفکاک کے آتی ہے اور یہی نُور نبوت ہوتا ہے جو کہ پوری کی پوری اُمت کے ایمان اور ہدایت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہدایت کا وہ بیج جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں انسانوں کے سینوں میں بکھیر دیا ہے، اس کو بیدار کرنے کے لیے نبوت کا شرارہ وہاں پہنچتا ہے۔ تب جا کر اُس میں وہ نُور چمکتا ہے جس کو ایمان والا نُور کہتے ہیں یعنی جس شخص کو بھی ایمان کا نُور ملتا ہے وہ نبی کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ اب جیسے کہ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے جو تعلق تھا، ایسا سمجھئے کہ گویا روشنی کی لائن ہے جو کہ ہر وقت اللہ کی ذات سے بغیر کسی انقطاع کے نبی کے سینے پر پڑتی ہے۔ اب جس شخص پر ایمان کے لیے راستہ نکلتا ہے تو اُس پر نُورِ نبوت

کی شعاعیں پڑتی ہیں۔

اب آیئے حضور ﷺ کی طرف، آپ ﷺ کا نور ایسا نُور نہیں جس میں صرف ایک ہی شعاع ہو بلکہ آپ کے سینہ اقدس پر جملہ انبیاء کے نُور کا ایک مجموعہ برس رہا ہے یعنی جملہ انبیاء کے انوارات اکٹھے ہو کر حضور ﷺ کے سینہ کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ تمام انبیاء کے سینوں میں جتنے انوارات تھے، اُن تمام کو اکٹھا کر کے حضور ﷺ کے سینے میں ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔ دیکھو! جو تاریخ آرہی ہے وہ ستائیس ہے۔ پرسوں ستائیسویں تاریخ ہے اور یہ وہ تاریخ ہے جس تاریخ کو حضور ﷺ معراج تشریف لے گئے تو جب حضور پاک ﷺ کو مکہ سے لیکر بیت المقدس تک لے گئے کہ آپ ﷺ کو امام بنایا گیا اور جملہ انبیاء علیہم السلام کو اکٹھا کر کے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اب نماز پڑھی تو آپ جانتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں ہو سکتی جو کہ اس کے مذہب کا نہ ہو مثلاً ایک مسلمان یہودی کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا، ایک عیسائی کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا "وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا" تو اسی طرح نبیوں نے جو حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو ہر ایک نبی کو اُس کی نسبت والا نُور نظر آتا تھا اور اُس سے حصہ لیتے تھے، تبھی نماز پڑھی۔

اب جب آپ ﷺ آئے تو کس لیے آئے۔ سید المحبوبین بھی ہیں اور سید المرسلین بھی ہیں بلکہ صوفیاء کے الفاظ میں کہ عالم ارواح میں تمام نبیوں کی روحوں نے آپ ﷺ سے نُور حاصل کیا، عالم ارواح میں تمام انبیاء کی روحوں نے آپ ﷺ کی نورانیت سے نُور پایا جیسے چاند کی اپنی روشنی نہیں ہوتی بلکہ سورج کی روشنی کو لیے ہوئے ہوتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ جس کو ایسے نبی ملے۔ فرمایا: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ"، تم بہترین اُمت ہو، ایسے درجے پر ہو۔ حدیث میں آتا ہے کہ تم سب سے بڑی اُمت ہو، آخری بھی ہو اور عزت مند بھی ہو۔ بجلی کی مثال لے لو۔ اس پر اگر اپنی طاقت

سے زیادہ لوڈ رکھا جائے تو Fuse ہو جائے تو دوستو! اللہ کا شکر ادا کرو کہ فیض محمد ﷺ سے نسبت حاصل کر لی۔ اگر ہم آپ ﷺ کی اُمت میں نہ ہوتے تو یہ فیض کہاں سے ملتا۔ تم کہو گے کہ ہم تو ٹوٹے پھوٹے ہیں تو بقول مجذوبؒ کے:

محروم بھی میخانے کا محروم نہیں ہے

اس اُمت کا ٹوٹا ہوا بھی بہت بڑھ کر ہے۔ بہر حال اُمت کو دی گئی محبوبیت اور نیابت رسالت۔ اب یہ نیابت اور محبوبیت کیسے رِہ سکتی ہے۔ ان کو اگر انسان لے لے تو انسان انسان بن جاتا ہے اور قیامت تک حضور ﷺ کا فیض جاری، ساری وطاری ہے۔ اب انسان یہ کیسے لے سکتا ہے۔

دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو دل دے رکھا ہے اور یہ دل بڑا اپگلا ہے۔ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے محبت رکھی ہے۔ اس کو اگر محل پر استعمال کرے گا تو اللہ والا ہو گا، حضور ﷺ کو چاہے گا اور اللہ والوں کو چاہے گا اور محل پر نہ ہو گا تو پھر کیڑے مکوڑوں کو یہ دل دے گا تو کھلے طور پر فرمایا: ”قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ“۔(آل عمران ۳:۳۱)

اور دوسری جگہ فرمایا: ”وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ“۔بقول ہمارے ایک بزرگ کے کہ تم نے جب ”اٰمَنَّا“ کہہ لیا تو گویا یہ کہا ”عَاشِقْنَا“ ہم عاشق ہوئے تو یقین اور ایمان ایسا نہ ہو کہ محبت کے بغیر رہے۔

وہ شاہ دلربا جب سامنے آجائے ہے
تھامتا ہوں دل کو لیکن پہلو سے نکلا جائے ہے

اس لیے صوفیاء نے کہا: ”مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ، وَ مَنْ عَرَفَهٗ فَقَدْ اَحَبَهٗ وَ مَنْ اَحَبَهٗ فَقَدْ اَطَاعَهٗ“ تو جب دِل رب کا جاننے والا ہوتا ہے تو وہ رب کا

نافرمان ہو ہی نہیں سکتا۔ فرمایا:

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

(عاشق اپنے معشوق کا فرمانبر دار ہوتا ہے۔)

تو گویا یہ کہا کہ اگر تم چاہتے ہو، ایمان والے ہو، تو تمہارے دِلوں میں میری محبت ہو گی۔ اب محبت تو چاہتی ہے کہ محبوب کا چہیتا رہوں، تو کہا کہ ایک طریقہ بتاتا ہوں کہ میرے ایک سید المحبوبین ہیں جن کا نام گرامی حضرت محمد ﷺ ہیں تو کہا "فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ" تو تم کہو گے کہ ہم گندے کہاں اور کہاں سید المحبوبین کی محبت تو فرمایا: "یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط" تو اب کیا ہو گا، اتباع محمد ﷺ کو اختیار کرو اور یہ صرف "ات ب اع" کو نہیں کہتے بلکہ

ہے وہی شیدا جمالِ مصطفیٰ
حال حالِ مصطفیٰ ہو قال قالِ مصطفیٰ

(حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا صحیح عاشق وہ ہے جس کا ظاہر و باطن دونوں اسکے تابع ہوں۔)

جو کچھ بھی آپ ﷺ کی زبان میں آئے، وہ ہمارا دین ہے۔ فرمایا: "اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ج" (الانفال:۲۴) آجاؤ حضور ﷺ کی طرف جو کہ تمہیں زندہ کرے گا۔ زمین پھٹ جائے گی، سورج چھٹ جائے گا، آسمان شق ہو جائے گا لیکن حضور ﷺ کی بات اپنی جگہ پر رہے گی۔ آئے ایک دفعہ اور فرمایا کہ نادار کون ہو گا؟ تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ جس کے پاس مال نہ ہو تو فرمایا: نہیں بلکہ نادار وہ ہے کہ آئے قیامت کے دن اور نیکیاں کافی کی ہوں لیکن کسی کو گالی دے دی، کسی کو مارا۔ اب جو نیکیاں جو اُس نے کی ہوں، اُن کو حقوق العباد میں دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ نیکیاں نہیں رِہ جائیں گی تو پھر لوگوں کی بُرائیاں اُس پر لادی جائیں گی۔

اب اتباع کیا ہے؟ تو بقول ہمارے شاہ صاحب کے کہ ہم اتباع اس کو سمجھتے ہیں کہ پاجامہ نصف ساقین تک کر لیا اور آنکھوں میں سُرمہ ڈال دیا اور اتباع ہو گئی پوری اور حضرتؒ کا

ایک شعر ہے:

قہر ہو یا مہر ہو جو کچھ بھی ہو
ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

تو اتباع تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی چلت ہو، پھرت ہو اور قال ہو، حال ہو، ہر بات میں آپ کی پیروی کرے تو حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے تر سٹھ (۶۳) اُونٹوں کو ذبح کیا اور یہ اس طرف بھی اشارہ تھا کہ آپ ﷺ کی عمر تر سٹھ (۶۳) سال ہو گی تو بقول راوی کے تمام اُونٹوں کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ پہلے مجھے (ذبح) کرے۔ ایک دفعہ دوسرا اُونٹ آیا اور حضور ﷺ باغ میں تھے۔ حضور ﷺ نے اس کو تھپکی دی اور پیار سے رخصت کیا اور پھر پوچھا: اُونٹ کا مالک کون ہے؟ اس اُونٹ نے مجھ سے شکایت کی کہ یہ مجھ سے میری طاقت سے زیادہ کام لیتا ہے اور خوراک پوری نہیں دیتا اور حضور ﷺ منبر بن جانے سے پہلے ایک ستون پر سہارا لیتے تھے۔ جب خطبہ فرماتے تھے تو ایک بڑھیا آئی اور کہا کہ میرا بیٹا ترکان ہے۔ اگر آپ ﷺ کہیں تو آپ کے لیے ایک منبر بنا دے تو اب جب آپ ﷺ نے منبر پر قدم رکھا تو وہ ستون ایسا بلبلایا جیسے کہ اُونٹ بلبلاتا ہے اور یہ روایت بیس صحابہؓ سے متواتر پہنچی ہے جس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تو خشک تنا اور جانور تو محبت کرے اور انسان نہ کرے اور کیوں نہ کرے جبکہ آپ کا وجود پاک ہر ایک چیز کے وجود کا ذریعہ ہے۔ ”لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ“ اور جب آپ ہیں باعث وجود کائنات تو جو شکر گزار ہوتے ہیں وہ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں اور اس کا شکر کرتے ہیں۔ تو اب انسان تو حضور ﷺ کا شکر گزار نہ ہو اور لکڑی اور جانور ہوں۔ فرمایا: ”تم میں سے کوئی کامل ایماندار ہو ہی نہیں سکتا جو کہ مجھ کو اپنے ماں، باپ، جان اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے تو حضور ﷺ کی محبت وجوب کے درجہ میں ہے۔

اور دیکھو! ایک موٹی بات کہہ لیں۔ ”اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَ اَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ ؕ“ (الاحزاب ۳۳: ۶) نبی ﷺ کی ذات مومنوں کو اپنی ذاتوں سے زیادہ عزیز ہے تو گویا محبت محمد ﷺ، عظمت محمد ﷺ اور اتباع محمد ﷺ ضروریات دین میں سے ہیں اور اتباع میں صرف ظاہری اتباع نہیں بلکہ اس میں باطنی اتباع بھی آتی ہے کہ اس میں بھی آپ ﷺ کا اتباع کرنا ہوتا ہے۔

حضور ﷺ کا تعلق اللہ سے کیسے تھا؟ نبی کی ذات ہر آن اللہ کی یاد میں مشغول ہوتی ہے، اس کا کوئی دوسرا داعیہ نہیں ہوتا، اس کا جذبہ ذاتی ہر آن اللہ میں گم ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات سے گم اور اللہ میں شاغل ہوتا ہے۔ دیکھو! ہمیں جو وساوس آتے ہیں تو کبھی مچھر کا، کبھی چوہے بلی کا تو فرمایا: ”اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِس قَلْبِیْ خَشِیَّتَكَ وَ ذِکْرِكَ“ اور یہ نبی کی دُعا ہے اور نبی کی دُعا مقبول ہوتی ہے تو یہ حال ہے جس کو دُعا کے الفاظ میں ادا کر دیا۔ جیسے ہم کو نماز میں کبھی تیتر و بٹیر کا خیال آتا ہے تو بھول جاتے ہیں اور سجدۂ سہو لازم ہو جاتا ہے لیکن نبی ﷺ کا جو سجدہ سہوہ ہوا ہے، وہ بقول حضرت کے کہ ”ہمیں تو سجدہ سہو ہوتا ہے عدم التفات کی وجہ سے اور حضور ﷺ کا سجدہ سہو غایت التفات سے ہوا تھا“ اور بقول مولانا رومؒ:

چوں نماز می گزارم بخدا خبر ندارم
کہ تمام شد رکوعے یا امام شد فلانے

(جب میں نماز پڑھتا ہوں تو خدا کی قسم مجھے یہ خبر نہیں ہوتی کہ رکوع تمام ہوا یا فلاں امام بنا بلکہ ذاتِ حق میں مشغول رہتا ہوں۔)

تو اُمت کو یہ بتانا تھا کہ نماز بھول جائے تو کیا کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ کو اِتنا مشغول کیا کہ غایت التفات سے سہو ہوا۔ مولانا روم نے فرمایا:

گر چہ یکساں در نوشتن شیر و شیر

ہم کو بھی سجدہ سہو ہوتا ہے اور آپ کو بھی ہوا لیکن درمیان میں بڑا فرق ہے تو بقول مولانا کے:

همسری انبیاء برداشتند
خویش را چوں اولیاء پندا شتند
گفت انیان هم بشر ما هم بشر
هستیم هر دو خیال خواب و خور

(اُنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی برابری کی اور اپنے کو بھی اللہ کا ولی سمجھا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ بھی بشر اور ہم بھی اور دونوں کھاتے پیتے ہیں۔)

این نمی بینند ایشان از عمٰی
درمیانش فرق هست لا منتھٰی

(اور اپنے اندھے پن سے یہ نہیں جانا کہ اُن کے درمیان بڑا فرق موجود ہے کہ ان کو خدا سے رسالت اور ولایت کا تعلق ہے جو ان کو نہیں۔)

اور فرمایا:

هر که کاه وجو خورد قربان شود
هر که نور حق خورد فرقان شود

(جو کہ گھاس اور جو کھائے تو اُن کی قربانی کی جاتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر زندگی گزارتا ہے وہ حق و باطل کے درمیان کسوٹی بن جاتا ہے۔)

کہ نبیاء علیہم السلام کے اعمال ظاہری مشابہت کی بنا پر ہم جیسوں کے اعمال کے برابر نہیں ہوتے بلکہ اُن میں ذات حق کا جلوہ ہوتا ہے تو میں عرض کر رہا تھا کہ اتباع نبوت ضروری ہے اور اگر ہم زیادہ نہیں کر سکتے تو تمنا کے درجہ میں اِتنا تو کریں کہ:

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن وہ اکثر یاد آتے ہیں
الٰہی ترک اُلفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں

ایسا یاد آئے کہ ہر ایک بھولے لیکن وہ نہ بھولے اور وہ بھی کوئی انسان ہے جو اپنے پیدا کرنے والے کو بھول جائے۔ کل ایک بچّہ سعدیؒ کا ایک فقرہ کتاب سے نقل کر کے لے آیا: ”ھر نفسے کہ فرومی رود ممد حیاتست وچوں باز آید سبب فرحت پس در ھر نفس دو نعمت موجود است وشکر آن واجب“۔

از دست و زبان کہ بر آید
کز عہدۂ شکرش بدر آید

(کسی کے ہاتھ اور زبان میں اِتنی قوت کہاں سے آئے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کر سکے۔)

تو اس کا شکر کیسے ادا کریں اور بقول مولانا کے کہ اگر ہم کو ہزاروں زبان دی جائیں اور ہر ایک سے شکر ادا کریں تو پھر بھی اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتے اور پھر اس نعمت کی بھی شکر کریں۔ بہر حال صرف سانس کی نعمت کا شکر بھی ہم سے ادا نہیں ہو سکے گا اور اس کا شکر یہ ہے کہ ہر آن اور ہر سانس ذکرِ الٰہی میں گزرے اور اگر اس مقام پر نہیں پہنچ سکتے تو اگر کعبہ میں نماز نہیں تو کعبہ کی طرف منہ تو کر سکتے ہو۔ اسی طرح ظاہری اعمال میں بھی آنکھیں بند کر کے بغیر دلیل مانگے اتباع کر لیں، یہ نہیں کہ کیسے اور کیوں؟ اور اِتنا کر سکتا ہوں اور اِتنا نہیں۔ جن راستوں پر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ چلے اُن راستوں کی خاک کو اپنے سر پر ڈالو، اُن راستوں کی پیروی کرو تو محب سے محبوب بن جاؤ گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ بہت سارے پریشان بالوں والے، غبار آلودہ ایسے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھا جائیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو پورا کرے۔ ”وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی ﴿۵﴾“ تم چاہو تو تمہاری دُعاؤں سے قوموں کے حالات بدل جائیں۔ صحابہؓ ایک مدت تک مجاہدوں کی بھٹی میں پڑ گئے اور پھر کیا ہوا، دریاؤں نے راستہ دیا اور یہ معمولی

بات نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ایک قسم کی پیروی تھی اور ایک نہیں سات مقامات پر دیئے اور ایک کو نہیں دو کو نہیں بلکہ بائیس ہزار کو راستہ دیا۔ اب دیکھو! کہ دریائے نیل پر مصر کی آبادی منحصر تھی تو اللہ کا قانون امہال چلتا ہے اور جب یہ لوگ اِس میں باکرہ لڑکی کو ڈال دیتے تو دریا میں طغیانی آجاتی تھی اور جس کی بنا پر پانی اُوپر چڑھ کر آس پاس کے علاقوں کو سیر اب کرتا تھا تو اب جب یہاں کا مسلمان گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ یہ حال لکھ دیتے ہیں حضرت عمرؓ کو، تو اُس نے دریائے نیل کے نام خط لکھا کہ اگر تُو اپنے حکم سے چلتا ہے تو ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں اور اگر اللہ کے حکم سے چلتا ہے تو اب جاری ہو جا۔ دریا میں خط ڈال دیا اور دوشیزہ کی قربانی کے بغیر دریائے نیل جاری ہوا۔ آگے چلئے تو صحابہؓ نے قیروان کے علاقے میں جنگل میں ڈیرہ ڈال دیا تو سالارِ لشکر عقبہ بن نافعؓ نے کہا کہ اے جنگل کے درندو اور گزندو! ہم صحابہؓ کے لشکر نے یہاں ڈیرہ ڈال دیا ہے تو تم یہاں سے رخصت ہو جاؤ تو دوسرے دن جو دیکھا کہ سانپ اپنے سنپولوں اور شیر اپنے بچوں کو لیے ہوئے جارہے ہیں اور یہ ایسی ویسی بات نہیں۔ البدایۃ والنہایۃ میں لکھا ہے۔ بقول بہلول کے اُن کا کیا پوچھتے ہو؟ جن کے اشاروں پر دنیا ناچتی ہے۔

چوں رضائے من رضائے حق شود
حق رضائے خویش را چوں رد کند

(جبکہ اللہ کی رضا میری رضا بن جائے اور میری اپنی خواہش فنا ہو جائے تو حق اپنی رضا اور منشا کو کیوں لوٹائے۔)

وہ کسی والی بات:

دیوانہ کنی ھر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ھر دو جہاں را چہ کند

(پہلے اپنا دیوانا بنالیتا ہے اور پھر دونوں جہاں بخش دیتا ہے جو آپ کا دیوانا ہو تو پھر دو

جہاں لیکر کیا کرے گا۔)

لیکن جسے تیرا دیوانہ پن نصیب ہو جائے وہ ہر دو جہاں کو کیا کرے گا۔

تو ہر نبی خدا کا محبوب ہوتا ہے اور محبوبیت کے راستوں کو کھولتا ہے لیکن حضور ﷺ نے جیسے ان راستوں کو کھولا، ایسے کسی نے نہیں کھولا۔ اب یہ محبوبیت کیسے ملے؟ لیکن بات تو ہے اطاعت اور پھر دوسری بات کیا کہ نیابت مل جائے تو حضور ﷺ کے بعد نبی تو کوئی نہیں آسکتا۔ تو فرمایا اور خوب کھول کر فرمایا کہ دیکھو! میرے بعد میں تیس دجال جھوٹے اور کذّاب آئیں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میرے بعد نہ کوئی نبی آئے اور بعض روایات میں نہ رسول۔ اب اس رسول کا کہنا یہ تھا کہ ''تم میرے نائب کی حیثیت سے پوری مخلوق کو محبوب والا بناؤ۔ انسان کو اللہ والا بنا کر اللہ کے راستے پر لگاؤ۔ میں جو کام کرتا تھا وہی تم کروگے، میں بالا صالۃ کرتا تھا تم بالوسیلہ کروگے جیسے دیا سے دیا روشن ہوتا ہے کہ ہدایت کا روشن چراغ دنیا والوں کو روشن کرے۔ فرمایا کہ وہ بندہ اللہ کو محبوب ہے اور وہ اللہ کا پیارا ہے''۔ وہ جو کہ بندوں کے دلوں میں اللہ کو محبوب بناتا ہے اور بندوں کو اللہ کا پیارا بناتا ہے۔

دوستو! یہ وہ طبقہ ہے کہ جو اس عالم میں روشن چراغوں اور روشن ستاروں کی مانند ہے اور صرف یہ نہیں کہ اپنے اُوپر ہی اکتفا کرے بلکہ ہدایت کے اندر آنے کے بعد پوری مخلوق میں اس کی کوشش کرے اور یہ کرے تو نبی کے قدم کے نیچے اُس کا طریقہ ہوگا تو جو لوگ نیابت نبوت کے سنبھالنے والے ہوتے ہیں تو جو انوارات نبی کے سینے پر آتے ہیں تو ان میں ان کو بھی حصہ مل جاتا ہے تو جیسے کہ کعبے پر بارش ہو جائے تو میزاب رحمت سے لوگ اس کے چھینٹوں کو لیتے ہیں تاکہ ہمارے اندر بھی اس کی روحانیت آجائے اور پھر بقول شخصے:

کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

تاکہ اس وقت جبکہ قبر کے اندر حضور ﷺ کا وہ روشن چہرہ آجائے تو تم یہ نہ کہو

گے کہ میں تو نہیں جانتا۔

اب کہا جاتا ہے کہ جنت کی حور کی اگر چنگلیاں بھی اس دنیا میں آجائے تو یہ سورج ایک سیاہ ٹکیہ معلوم ہو اور پھر یوں آتا ہے کہ جنتی عورتوں کا نور اُن سے ہزار ہا درجے بڑھ کر ہے اور جو یہ جنتی عورتوں کا درجہ ہو تو پھر حضور ﷺ کے نُور کا کیا عالم ہو گا۔ تو وہ ایسا نُور تھا جس کو یہ بھی دیکھ نہیں سکتے۔ چکا چوند محسوس ہوتا تھا تو ایک صحابیؓ نے فرمایا: ”کأنی انظر الی ساق رسول اللہ (ﷺ)“ اور کہ گویا میں حضور ﷺ کی پنڈلی کے اُٹھنے والے نُور کو دیکھ رہا ہوں تو کیوں نہیں جوڑتے اس ذات سے تعلق، جس کے جوڑنے سے اللہ کی محبت نصیب ہو جائے۔ معیت الٰہی نصیب ہو جائے، خاک مٹی سے جوڑتے ہیں، زمین سے جوڑتے ہیں۔ دیکھو! سورج سے اس دنیا کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور اگر سورج نہ ہو تو اِتنی ٹھنڈک پڑ جائے کہ یہ تمام دنیا سردی کی وجہ سے ٹھٹھر کر مر جائے۔ اب یہاں آدھی رات ہو لیکن سورج دوسری دنیا پر چمکتا ہے تو اب حضور ﷺ کا نُور کیسے ختم ہو جائے اور وہ ختم ہو جائے اور پھر عالم زندہ ہو تو فرمایا: ”وَمَاكَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ“۔

تو اب کیا کرنا ہو گا، نبی ﷺ کی محبت کو اختیار کرو اور ساتھ ساتھ نیابت محمدیہ کو اختیار کرو یعنی دو بتیہ والا چراغ بن جاؤ۔ ایک اپنے لیے روشن کرو اور ایک دوسروں کے لیے۔ تو کیا ملے گا جنت۔ آپ کہیں گے کہ جنت کو لیکر کیا کریں گے تو بقول حضرتؒ کے: ”رضائے الٰہی کا مقام جنت ہے“۔ اور اگر جنت نہیں لیتے تو کوئی دوسری جگہ ڈھونڈو اور یہ ملتا ہے عشق سے اور جو غیر سے محبت ہو وہ فسق ہوتا ہے تو خداوند قدوس نے کہا ہے کہ ”اگر تم میری رضا کے طالب ہو تو جنت کے بھی طالب بن جاؤ اور پھر کیا چاہو۔ وہ چاہو جو صحابہؓ نے چاہا“۔ ایک صحابیؓ سے حضور ﷺ بہت خوش ہوئے تو فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے تو فرمایا: ”مَعِيَّتِكَ فِى الْجَنَّةِ“ آپ کی رفاقت جنت میں چاہتا ہوں۔ تو اس سے بڑھ کر اور کیا مانگے۔ حضور ﷺ

کی رفاقت سے بڑھ کر اور کیا ہو گا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قدموں کی خاک ہمارے اُوپر پڑ جائے تو اس سے بڑھ کر کیا ہو گا تو فرمایا کہ ”من احیٰی سنتی فقد احیانی“ جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اُس نے مجھے زندہ کیا اور فرمایا: ”من احیٰی سنتی عند فسادامتی فله اجر مأة شهيد“ کیونکہ شہید تو ایک گولی لگ کر ”فزت برب الكعبته“ کہہ کر واصل بحق ہو جاتا ہے لیکن یہاں تو ہر وقت تیر و نشتر لگتے ہیں، داڑھی چھوڑتا ہے تو ہر طرف سے طعنے اور ملامتیں۔ موسمی بخار ہو جائے تو زبان کا مزہ بدل جاتا ہے، آنکھیں کج ہو جائیں جس کو اُردو میں بھینگا کہتے ہیں، شہر میں ہماری ایک ملازمہ تھی تو وہ لالٹین کو کہتی تھی ”تاته يو بنكاري ماته دوه بنكاري“ عُجل کہتے ہیں ایک کیڑے کو جس کو گھبریلا ”گھونگھٹ“ کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے خوشبو رکھ دی جائے تو مر جاتا ہے تو یہی بات ہماری ہے کہ نیکیوں کو بُرائیاں سمجھیں تو اس کے لیے اپنی زندگیوں میں وقت نکالیں۔ تو بھائی بتاؤ کہ آپ کا کتنا وقت ہے اور میرا کتنا وقت ہے تو کیا قبر میں پہنچ کر ختم ہو جائیں گے تو عالم ارواح سے لیکر ابد الاباد والے عالم تک جو پوری زندگی ہے اُس کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی میں سے تھوڑا وقفہ دے دیں۔ ”وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ“ اب موت آجائے تو کچھ بھی نہیں۔

اور ”اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ“ اللہ کے راستے میں مرنے اور مارنے والے اور یہ زندگی دے دے تو کیا ہو گا۔ وہی ہو گا جو کہ ہم نے آنکھوں سے دیکھا نہ کانوں سے سنا۔ قبر میں آرام سے سو گئے کہ اُٹھنے کو جی نہ چاہے گا۔ وہ کہتے ہیں مدینہ میں جو یونیورسٹی بنائی گئی ہے وہاں کے طالب علموں کے پلنگوں کو چھ چھ سوریال کا بنایا گیا ہے تو اُس زندگی کو بنانے کے لیے بزرگوں نے یہ کہا کہ اپنے جان و مال کو دین کے تقاضوں کے لیے ایسا کھپا دو جیسے کہ بنیادوں کو عمارت میں کھپایا جاتا ہے تاکہ تمہاری عمارت ایسی ثابت ہو جائے کہ پھر گرنے کا اندیشہ نہیں ہو۔ جڑ مضبوط ہو جائے تو جنت میں اسی باغ

کے مزے کھاؤ گے۔

دیکھو! ایک بات پوچھتا ہوں۔ پہلے اپنے نفس کو مخاطب ہوں اس لیے کہ میں سب سے گندا ہوں کہ اللہ والے بن کر ہم اللہ سے کتنے ہٹے ہوئے ہیں۔ محمد ﷺ کے ہوتے ہوئے ہم حضور ﷺ سے کٹے ہوئے ہیں تو اب ان راستوں کو زندہ کرنے کے لیے جو محنت ہوتی ہے اس کو تبلیغ کہتے ہیں۔ اب اللہ کے راستے میں نکلنا چاہو، محنت کرو۔ بہر حال انگریزی کا ایک محاورہ ہے کہ ''گلاب کو جس نام سے پکارو، گلاب گلاب ہی رہے گا'' تو اب ہمتیں کر کے جو جتنے جتنے اوقات کو لکھا سکتا ہے تو وہ لکھالے۔ دیکھو! اس ٹھنڈک میں جو آپ نے کوشش کی تو اب کوشش کرو کہ اللہ وہ حرارت نصیب کرے کہ اس دنیا میں بھی گرم رہے اور پوری زندگی میں گرم رہے تو بولو ہمتیں کرو۔

نسبت کیا ہے؟

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (21 دسمبر 1963ء، بروزِ ہفتہ بعد از نمازِ مغرب)

سوال: کیا برہمن وغیرہ لوگوں میں تاثیر ہوسکتی ہے۔ (از کمترین محمد سراج)

شعلے اُٹھیں ہزار تجلّی مگر کہاں
ہے آگ یہ ضرور مگر طور کی نہیں

اللہ تعالیٰ کا نظام ہر طریقے سے کامل اور مکمل ہے۔ ابلیس نہ ہو تو آدم علیہ السلام کا امتحان کیسے ہوتا؟ رات نہ ہو تو دن کا کیا پتہ چلے، ضلالت نہ ہو تو ہدایت کا پتہ کیا ہے؟ انجینئر وہی ہے جو بنا بھی سکے اور بگاڑ بھی سکے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا نظام مقرر فرمایا اور اُس ہدایت میں اِتنی قوت کا اظہار کیا اور ہدایت کا ذریعہ انبیاء علیہم السلام کی ذاتوں اور ان کے کامل متبعین کو بنایا، اسی طرح شیاطین الانس والجن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی کا ذریعہ بنایا۔ اب اگر ان لوگوں میں گمراہی کی پوری قوت نہ رکھ دی ہوتی تو ہدایت یابی کے لیے جس ٹکراؤ کی وجہ سے انسانوں کے اندر چمکنے کی قوت ہے وہ نہ رہتی تو جو اس ٹکراؤ میں آگے بڑھتا ہے، وہ ہدایت کے راستے پر گامزن ہوتا ہے۔ بقول ہمارے بزرگوں کے کہ انسانوں کی راہ مجاہدے کی راہ ہے اور فرشتوں کی مکاشفے کی۔ ہمارے لیے نفس ہے، شیطان ہے اور جب انسانوں کے نفوس گمراہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ ان میں گمراہی کہاں سے آئے گی جس طرح انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے مستقل ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ اسی طرح شیطانوں کو مستقل ذریعہ ضلالت بنایا۔ اب ان کے دو طبقے بنائے۔ کون سے؟ انسان اور جنات۔ جنات میں چونکہ سرکش زیادہ ہیں، پیدائش ہے اُن کی آگ سے تو اس لیے سرکشی کی طرف زیادہ بڑھتے ہیں اس لیے ان میں اکثر سرکش ہوتے ہیں۔ ”من کل شیطان مارد“ تو جس طرح صوفیوں کی اصطلاح میں فنافی اللہ اور فنافی الشیخ وغیرہ ہیں کہ اُسی کا دھن دھیان فکر اور پابندی ہوتی ہے اس طرح ضلالت اور گمراہی کے رُخ

پر جن وانس میں سر کشی کے سر غنے ہوتے ہیں اور اُن کے اپنے اثرات ہوتے ہیں۔

بعض اوقات قلب پر اثر ہو رہا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ آدمی بھی سمجھ لیں کہ میرے دل پر اثر ہو رہا ہے یا نہیں مثلاً ایک بچہ جو کہ بڑھ رہا ہوتا ہے لیکن وہ یہ محسوس نہیں کرتا کہ کون مجھ کو ربڑ کی طرح کھینچ رہا ہے لیکن معتدبہ مدت کے بعد پتہ لگ جاتا ہے۔ اسی طرح دوائی کے بارہ خوراک میں سے پہلی خوراک پر پتہ نہیں لگتا تو یہ بات نہیں کہ تاثیر کو ہر مبتدی بھی سمجھ لے۔ مثلاً انسان بیمار ہوتا ہے لیکن ابتدائی ”Stage“ کو وہ لوگ بھی عام طور پر نہیں جانتے، جن پر کہ بیماری گزر رہی ہو سوائے حاذق حکیم یا لائق ڈاکٹر کے۔ ایک جگہ پر آپ جاتے ہیں اور وہ آپ کو گیلی معلوم ہوتی ہے تو آپ سمجھیں گے کہ اس جگہ پر کوئی بات ہوئی ہے۔ اسی طور پر اگر دل میں کوئی اثر ہے تو اس کے اثرات اعمال سے ظاہر ہوتے ہیں۔ انابت الی اللہ بڑھ گئی، آپ کو گناہ کا احساس ہونے لگا، یہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے کوئی جرم کیا ہے تو یہ بھی دل میں زندگی آجانے کی نشانی ہے کیونکہ نفس امارہ سے نفس لوامہ کی طرف تبدیلی ہوگئی۔ پہلے گناہ کرتے تھے، پتہ نہیں چلتا تھا، اسی طرح اللہ کا دھیان پہلے آتا بھی نہیں۔ اب دل میں تڑپ آجاتی ہے۔ اسی طرح بُرے اعمال سے نیکی کے رُخ پر آجائے۔ اللہ کی محبت کا جذبہ پیدا ہو، جب الٰہی کی طلب پیدا ہوگئی جب رسولؐ کی طلب پیدا ہوگئی، نیکی کی نہ ہونے کی حسرت پیدا ہوگئی تو یہ بڑی بات ہے۔ ہمارے حضرتؒ کا ایک شعر ہے:

محبت تو اے دل بڑی بات ہے
یہ کیا کم ہے جو اس کی حسرت ملے
بہر حال بندہ پہ ہے بندگی
کرم ہے جو ذوق عبادت ملے

اگر طاعت کا ذوق پیدا ہونے لگا، حسرت ہونے لگی کہ ہائے مجھ سے یہ عمل نہیں ہوا، احساسِ زیان پیدا ہو جاتا ہے، نقصان کا احساس ہو جانا یہ خود ایک نعمت ہے۔ اصلاح کی

طلب پیدا ہو جانا اصلاح کا پہلا قدم ہے، قدم نہیں اُٹھایا لیکن طلب تو پیدا ہو گئی۔

دل کو اُمید کے کلیوں سے سجایا تو سہی

تو یہ تمام چیزیں نسبت کے آثار ابتدائیہ ہوتے ہیں، جیسے کہ بچے کے قرار کا قصہ جس کو ماں بھی ابتدا میں نہ سمجھے بلکہ تقریباً مہینہ کے بعد معلوم ہو جاتا ہے، اسی طرح نتائج اُن آثار کے جو کہ نسبت کے لینے والے ہوتے ہیں۔ وہ بتا دیتے ہیں کہ رُخ کدھر جا رہا ہے اور جب بات ایک حد تک پہنچ جاتی ہے تو اس کو بھی پتہ لگ جاتا ہے۔

کچھ دل میں نظر کرنا کچھ جلوہ گری ہو گی
یہ شیشہ نہیں خالی کچھ اس میں پَری ہو گی

چوبیس گھنٹے میں ایک لمحہ آنکھ کی جھپک کے بقدر بھی اگر انسان میں رقت طاری ہوئی تو بڑی بات ہے۔ ایک آنکھ بالکل دیکھتی نہیں، پردہ پڑا ہوا ہے اور پھر کسی وقت کچھ روشنی سی آتی دکھائی دے تو کافی بات ہے جو کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا دل ہے۔ اللہ اس کو ایک دن نوازیں گے۔ وہ فارسی میں کسی نے کہا ہے:

گر نشینی بر سر کوئے کسے
عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

ارے نیت کا تعین ہو جائے تو ہمیں معلوم ہو تو کیا؟ گاڑی میں بیٹھو اور گاڑی روانہ ہو جائے تو تمہیں پتہ ہے یا نہ چلے تو کیا۔ تو یہی بات نیت کی ہے۔ اگر اعمال صالحہ کو کوئی رضائے حق کے لیے کر رہا ہے تو اب اسے پتہ چلے یا نہ چلے تو کیا۔ ایک حسین و جمیل ہے اُس کو پتہ لگے یا نہ لگے، یہ تو اُس کو لوگ ہی بتائیں گے تو جن کے چہروں پر اعمال صالحہ کا حسن و جمال چمکے تو یہ تو وہ بتائیں گے جو کہ جاننے والے ہوں، نسبت کو اگر میری طرح کے آدمی بھی کہہ لیں کہ تحقق ہوا ہے تو بھی وہ بات نہیں، جب تک کہ کوئی محقق نہیں کہہ لیں۔

عیسیٰ نتوان گشت بتصدیق خرے چند

دل میں دھیان حق اور محبت محمد ﷺ کا تحقق ہو جائے تو یہی نسبت کا آجانا ہے۔ اس میں اب کمی اور زیادتی ہے اور کافی باریکیاں ہیں۔ اب یہ بات نہیں کہ پھر گناہ ہوتا ہی نہیں یہ تو متمکن الاحوال لوگوں کا مقام ہوتا ہے کہ اگر اُن سے کوئی بات ہو جائے شاذ کے طور پر تو جب تک رو دھو کر معاف نہ کرلیں تو چین نہیں آتا۔

چوں ز باغ دل خلالے کم بود
بر دل سالک ہزاران غم بود

اور پھر دل اِتنا صاف و شفاف ہو جاتا ہے کہ جو غلیظ القلب لوگ آجائیں اُن کے دلوں کا عکس اُن پر پڑتا ہے۔ نسبت کہتے ہیں غلبۂ ذکر کی اُس کیفیت کو جس کی بنا پر انسان کو اعمال صالحہ کی اور اتباع نبوت کی فکر دائمی طور پر لگی رہے۔ محض یادداشت کا پیدا ہونا جس سے گناہ نہ چھٹیں تو وہ نسبت نہیں کہلائے گی۔ جیسے بعض لوگ ہوتے ہیں کہ اللہ اللہ کرتے رہیں گے اور کہیں کہ سُنن و فرائض کی کیا ضرورت ہے تو یہ نسبت نہیں بلکہ ایک قسم کی مماثلت ہے۔

اللہ سے اُمید رکھتے چلتے رہیئے، نااُمیدی اس راہ میں حرام ہے، باقی بات یہ ہے کہ ہمارے اعمال سے تو ہماری نجات نہیں ہو گی بلکہ رحمت حق سے ہو گی اس لیے رحمت کی اُمید رکھ کر اعمال صالحہ کرتے رہیئے انشاء اللہ بیڑا پار ہو گا۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

(فراق اور وصل کوئی خاص چیز نہیں۔ اصل چیز دوست کی خوشی ہے۔ اُس پر صد افسوس جو دوست کی خوشی کے علاوہ اور چیز کا خواہاں ہو۔)

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کے لیے میں خدا چاہتا ہوں

وجودِ کائنات اور دینی فلسفہ

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (3 جنوری 1964ء بروزِ جمعہ)

عام طور پر بولا اور سمجھا جاتا ہے کہ چیزوں کی ذات میں خاصیتیں موجود ہیں اور نری عقل والے لوگ ملاحدہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں اور ان کی صفات خدا کی پیدا کردہ نہیں بلکہ خود بخود وجود میں آئی ہیں۔ مسلمانوں میں بعض لوگ ایسے ہوئے ہیں جو کہتے ہیں کہ چیزوں میں صفتیں ہیں لیکن خدا کی دی ہوئی ہیں جبھی چاہتا ہے وہ صفت اُس سے لے لی جاتی ہے۔ اس کے مقابل میں ایک اور نظریہ ہے کہ چیزوں میں صفات نہ تو ذاتی ہیں اور نہ مستقل۔

اشیاء میں جو کچھ صفات نظر آتی ہیں، چیزوں کی نہ ذاتی ہیں نہ مستقل بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی ہوتی ہیں۔ غیر مستقل سے مراد یہ ہے کہ یہ Permanent properties نہیں ہیں۔ سائنسدانوں کے نزدیک ہر ایک چیز کی Properties مستقل ہیں۔ ہم یوں کہیں کہ یہ اللہ میاں کی دی ہوئی Properties ہیں۔ یہ چیزوں کی اپنی مستقل صفات نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے اُن کو وجود مل رہا ہے تو گویا چیزیں اپنی حقیقت کے لحاظ سے کچھ بھی نہیں بلکہ ہر ایک چیز کا وجود اور صفات ہر وقت اللہ کی ذات سے آتی ہیں۔ ہر آن اشیاء کا وجود اور وجود کے اندر کی صفات اللہ میاں کی طرف سے آتی ہیں۔ اصل خدا کی ذات اور اس کی صفات ہیں، باقی اشیاء جو ہیں وہ خدا کے جلوے اور صفات کا انعکاس ہیں۔ اب کسی چیز میں حیات ہے تو حیات کا معنی یہ نہیں کہ یہ آپ کی (اصلی اور حقیقی صفت) ایک Substantial Quality ہے جو کہ آپ کو دی گئی بلکہ جیسا کہ بارش کے قطرے ایک مسلسل کڑی بن جاتے ہیں، اسی طرح حیات ہر آن اللہ کی صفت ”حی“ سے آتی ہے اور اُن موجودات پر گرتی ہے۔ جہاں چاہا تو وہ گرے اور اُن چیزوں کو حیات دی گئی اور جہاں نہیں گری، بس چیز ختم ہو گئی۔ ہم

کہتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے۔ یہ آگ کی صفت ہے اور یہ صفت ہم کو آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک نظر آرہا ہے۔ اسی طرح پانی میں ڈبونے کی صفت ہے۔ روزانہ لال کوٹ پہن کر آئیں تو ہم یہ کہیں کہ جو لال کوٹ والا ہو گا وہ مقصدؔ[58] ہے۔ بظاہر جو یہ حقیقت نظر آرہی ہے تو اس میں انسان نے تجربات کے رُخ سے دھوکا کھایا۔ جیسا کہ بارش میں دھوکا کھانا کہ قطروں کو متواتر ایک لڑی سمجھا۔ اللہ جب چاہیں قطروں کے سلسلے کو ختم کریں تو اب یہ ہمیں کیوں نظر نہیں آتا۔ تو یہ بات International Hall میں جب شمع جلا رہے تھے تو اب مہربانؔ کو شرارت سوجھی۔ ایک شمع لی اور اس کو گھمانا شروع کیا تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ ایک نکتہ نہیں بلکہ ایک دائرہ ہے حالانکہ دائرہ نہیں بلکہ فریب نظر ہے جو یہ کہتی ہے کہ یہ دائرہ ہے۔ دراصل یہ دائرہ نہیں بلکہ ایک نکتہ ہے اور دائرے کے نکتے کی ابتدا اور انتہا کیا ہے؟ جہاں ابتدا ہے وہاں انتہا ہے۔ ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ'' تو جو اشیاء میں صفات نظر آرہی ہیں تو یہ چیزوں کی ذاتی صفات نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے متواتر آرہی ہیں۔ آگ میں جلانے، پانی میں ڈبونے اور روٹی میں پیٹ بھرنے کی خاصیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آرہی ہے۔ جب چاہیں تو نہیں آئے گی اور بند ہو جائے گی۔ ''قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ''[59] خالق بھی وہ اور سنبھالنے والا بھی وہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ چیزوں میں کچھ نہیں۔ اب اللہ کو چھوڑ کر انسان چیزوں کے پیچھے بھاگ جائے مثلاً قاضی کے سامنے میرا مقدمہ ہے تو اب میں قاضی گل صاحب[60] کے پاس چلا جاؤں تو کیا میرا مقدمہ حل ہو جائے گا۔ وہ تو نام کا قاضی گل ہے۔ قاضی کا عہدہ کہاں ہے۔ ساری چیزوں کی حقیقت ایک جملہ میں ختم کی۔ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' (ساری سنھڑپے اللہ دی ذات دے) اور جب سب کچھ اس کے پاس ہے تو ہمیں بھی کچھ ملے گا تو فوراً کہہ دیا ''رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' یعنی جو کچھ بھی

---

[58] ۔ مقصد: یہ مولانا صاحب کا مرید اور میڈیکل کا طالب علم تھا۔ لاہور کا رہنے والا اور لال کوٹ پہنتا تھا۔

[59] ۔ انت قیم السمٰوٰت والارض و من فیھن و لك الحمد۔ (بخاری: ۷۴۹۹)

[60] ۔ قاضی: اسلامیات کا ایک طالب علم تھا۔

ہے تمام عالمین کے وجود کا رکھنا ان کی صفات کا قائم کرنا، اس کی ذات سے ہے اور پھر ''الرَّحْمٰن'' ہیں تو مہربان کیا کرے گا، نامہربانی کرے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ تو سب کچھ ہے اور جیسے کہ دائرہ کا اوّل اور آخر نقطہ کیا ہوتا ہے ایک ہی ہوتا ہے۔ اب چیزیں دے دیں، سب کو دے دیں لیکن رہیں کہاں، پھر بھی اس کے پاس رہیں اور اس کی طرف لوٹنے والی ہیں مثلاً چکلّ جو لڑکے ہاتھ میں لیکر دیوار پر مارتے ہیں تو تب بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔ مولانا نے کہا ہے:

قطرۂ کو در ھوا شد یا کہ ریخت
از بیرون قدرت کے باید گریخت

(پانی کا قطرہ گو ہَوا میں اُڑا یا زمین پر گرا اس کی قدرت سے بھاگ نہیں سکتا۔)

بارش کا قطرہ جو بادلوں سے گرتا ہے تب اس کے ہاتھ میں ہے اور اگر نہ گرے تب بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سائنسدان کہتے ہیں کہ مادہ فنا نہیں ہوتا۔ ہاں اس کی شکلیں بدل سکتی ہیں اور ہم یوں کہیں کہ موجودات جو ہیں وہ دائرہ الٰہی سے باہر نہیں جاسکتیں۔ قرآن کریم نے ایک مقام پر راکٹ چلانے والوں سب کو یہ کہا ''یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْاؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝'' (الرحمٰن:۵۵،۳۳) ''فرمایا: اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! اگر تم نکل کر بھاگ سکتے ہو آسمان اور زمین کی حدود سے (یعنی خدا کے دائرے سے) بھاگ سکتے ہو تو بھاگ جاؤ۔ خدا کے اختیار سے نہیں نکل سکتے''۔

بہرحال میں عرض یہ کر رہا تھا کہ جہاں بھی موجودات ہیں ذات کے لحاظ سے، صفات کے لحاظ سے، بقا کے لحاظ سے، جو بھی اشیاء دکھائی دے رہی ہیں، اللہ کی ذات سے قائم ہیں۔ اللہ نہ چاہے تو سب ختم ہو جائیں۔ سورج کے سامنے بادل آجائے تو ٹھنڈک محسوس ہوتی

ہے اور جب بادل ہٹ جائے تو پھر گرمی محسوس ہوتی ہے تو بلا تشبیہ عرض کروں کہ ہر آن اللہ کی طرف سے چیزوں کے وجود اور ان کی صفات کی شعاعیں آرہی ہیں اور جب بند ہو جائیں تو یہ فنا ہو جائیں تو فرمایا: ”كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۗ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۙ۝۳۹“ (سورة النور ۲۴:۳۹)

(اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا (آدمی) اس کو دُور سے پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو (جو سمجھ رکھا تھا) کچھ بھی نہ پایا اور قضاء الٰہی کو پایا۔)

جیسے سرابہو کہ دُور سے پانی دکھائی دے لیکن پاس آکر دیکھو تو کچھ بھی نہیں تو تمام اشیاء پر ”لا“ کی چھری پھر گئی۔

اول و آخر توئی ما در میان   ھیچ ھیچے کہ نیاید در بیان

(اے اللہ تعالیٰ اول اور آخر تُو ہی تُو ہے اور ہم درمیان میں ہیچ در ہیچ ہے جو قابل بیان بھی نہیں۔)

ایک دوسرے عارف نے پھر بھی کچھ تو ”میں“ کے لیے فرمایا:

باکارم و بے کارم چوں مد بکتاب اندر

(میری مثال لکھائی میں ”مد“ کی طرح ہے کہ کسی جگہ بالکل بے معنی اور کبھی معنی دینے لگتی ہے۔)

مد کے لیے جب تک کہ نیچے کا حرف نہ ہو تو بے کار۔ ذاتی لحاظ سے بیکار اور خدا استعمال صحیح رُخ سے کرلے تو بکار۔

بہر حال حاصل کلام یہ ہوا کہ یہ تمام عالم، اس کی تمام صفات اور تمام موجودات یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظاہر ہیں۔ ہوتا ہے وہاں اور ہمیں چیزوں میں یا ظاہر میں نظر آتا ہے حالانکہ چیزوں میں کچھ نہیں ہوتا ہے، سب کچھ اللہ کی طرف سے آتا ہے۔

رمضان کے روزے اور حصولِ تقویٰ

ایگریکلچر کالج ہال پشاور یونیورسٹی (17 جنوری 1964ء بروزِ جمعہ)

عزیزو اور دوستو! قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَۙ۝۱۸۳ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَؕ وَ عَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗؕ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۱۸۴"

(البقرۃ۲:۱۸۳، ۱۸۴)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو، گنتی کے چند دِن روزے رکھنے ہیں۔ پھر بھی اگر تم میں کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دِنوں میں اِتنی ہی تعداد پوری کرلے اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر (روزے کا) فدیہ ادا کر دیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے اور اگر تم کو سمجھ ہو تو روزے رکھنے میں تمہارے لیے زیادہ بہتری ہے۔)

روزہ کی تاریخ

جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی اس میں روزے کی فرضیت کے متعلق ارشاد فرمایا اور اس کے ساتھ اس کی تاریخ کی طرف اشارہ بھی فرمایا اور ساتھ ساتھ فائدہ بھی بیان فرمایا اور یہ قرآن کا ایک اعجاز ہے کہ لمبے چوڑے مضمون کو مختصراً بیان کیا جائے تو فرمایا: کہ جتنی بھی خدائی تعلق والی اُمتیں ہیں، آدم علیہ السلام سے لیکر سیدنا حضرت محمد ﷺ تک ہر ایک اُمت پر روزہ فرض کیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزے رکھے جبکہ وہ تورات

کو لینے گئے۔ اس کے علاوہ ہندو بھی (ہمارے یہاں ایسی قوم نہیں ہے جس کے پاس کوئی کتاب اب موجود ہو لیکن ان کے ہاں بھی روزے کا تصور موجود ہے) جس کو وہ ''بھرت'' کہتے ہیں۔ بہر حال ہر ایک دین میں یہ تصور موجود ہے اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے رمضان کے متعلق فرمایا کہ یہ یا اُنتیس دن کا اور یا تیس دن کا ہوتا ہے۔ انسان اس فریضے کو اُس رُخ سے ادا کرے جس رُخ سے نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کہا تو اسلام کا وہ پورے کا پورا نظام حیات تصور میں آتا ہے جس کے لیے اللہ نے انسان کو پیدا فرمایا۔ فرمایا: ''روزہ فرض کیا گیا تمہارے اُوپر تاکہ تم متقی بن جاؤ''، اسلام نے انسانی ذہن کی نفسیات کی ہمیشہ رعایت رکھی۔ یہاں یہ فرما سکتے تھے کہ تم پر ایک مہینے کے روزے فرض کیے گئے تاکہ تم ڈر نہ جاؤ بلکہ فرمایا: ''کہ گنتی کے چند دن اور وہ بھی کبھی اُنتیس اور کبھی تیس دن اور یہ اس تقویٰ کے لیے ماحاصل ہے۔ اے پوری کی پوری انسانیت! بندگی اختیار کرو اپنے پالنہار کی، اپنے پالنے والے کی جس نے کہ تم سب کے سب کو پیدا کیا اور یہ نہیں کہ کہہ دو کہ ہمیں تو ماں باپ نے پیدا کیا اور یہ سلسلہ آدم علیہ السلام تک پہنچ گیا یا بعض پگلوں کے نزدیک بندر سے پیدا ہوئے۔ بہر حال جو بھی ہو، تمام کو فرما دیا کہ تمہارے بڑوں کو بھی پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ''۔

تقویٰ کی حقیقت:

اور تقویٰ دل کی اُس کیفیت کو کہتے ہیں جو کہ ہر چھوٹے کے دل میں اپنے بڑے کے سامنے کسی کام کے کرنے سے جھجک محسوس ہو۔ بہر حال جس شخص کے دل میں یہ ہوگا اس کے دل میں کسی چھوٹے بڑے گناہ کا جذبہ پیدا نہ ہوگا اور یہ تو منفی پہلو ہے اور مثبت پہلو یہ ہے کہ نیکی کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اُسے نیکی کی "Urge" پیدا ہو جائے۔ دل طالب بن جائے نیکی کا اور متنفر بن جائے ہر بُرائی سے خواہ وہ اخلاق سے متعلق ہو، معاملات سے متعلق ہو، عقائد سے متعلق ہو۔ تمام گندگیوں سے اس کو بچا کر صحیح راستے پر لے جائے تو روزے کا

ماحاصل یہ ہے کہ تقویٰ انسان کے اندر پیدا ہو جائے۔

اسلام ایک عملی دین:

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور اس کا اظہار حضور ﷺ کے ذریعے ہوا اور آپ ﷺ انسانیت کے انتہائی اور تکمیلی اوج کمال پر قائم ہیں تو آپ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت اور قانون ناقص نہیں ہو گا بلکہ اُس میں دنیا اور آخرت کا فائدہ ہو گا۔ اسلام ایک نظریاتی دین نہیں بلکہ عملی دین ہے۔ اب جو یہ کہا کہ متقی بن جاؤ۔ اب یہ زندگی کتنے عرصے کی ہے۔ اسلام کے نزدیک عاقل بالغ ہونے کے بعد آخر تک جو زمانہ ہے پچاس ساٹھ سال، ستر تک کا جو زمانہ ہے وہ تقویٰ میں گزرے۔ اب طلوعِ فجر سے روزے کی ابتدا ہوتی ہے اور مغرب تک رہتا ہے۔ اب روزہ کسے کہتے ہیں کہ کوئی چیز کھائی نہ جائے، پی نہ جائے اور یہاں تک کہ حلال بیوی تک سے اپنے تقاضے کو پورا نہ کرے۔ حلال رزق ہو لیکن آپ اُسے کھا نہیں سکتے، سخت گرمی ہے پیاس لگ رہی ہے ٹھنڈا شربت ہے اور آپ کا پورا پورا یقین پانی کے گلاس اور کٹورے کے اندر آیا ہوا ہے لیکن اللہ کا لحاظ یہ ہو کہ کچھ نہ کھایا جائے۔ یہ بھی نہ ہو گا کہ رات کا کھانا منگوا کر کمرے کے اندر کھایا جائے، غسل خانے میں پانی پیا جائے۔

اسلام کا کمال

اسلام کا کمال یہ ہے کہ وہ نفاق نہیں بتاتا، دورُخی نہیں بتاتا، Diplomacy نہیں بتاتا، پروپیگنڈہ نہیں کرتا۔ اب ایک انسان حرام کو تو چھوڑو، حلال کو چھوڑ دیتا ہے تو کیا وہ حرام کو نہیں چھوڑے گا۔ بشرطیکہ وہ روزہ روزہ ہو۔ فرمایا کہ ”صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ“ (بخاری) ایسی نماز پڑھو جس طرح کہ میں پڑھتا ہوں تو روزہ صرف کھانے پینے اور خواہش نفس سے منع ہونے کا نام نہیں۔ کہتے ہیں کہ روزہ لگ رہا ہے اور روزہ لگ نہیں رہا ہے بلکہ فاقہ لگ رہا ہے۔ روزہ لگے تو اللہ تک واصل نہ کر دے۔ ایک عورت آئی، لوگوں نے کہا کہ اس عورت کو پیاس

کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے۔ فرمایا: قے کرے تو اس میں خون کا لو تھڑا نکلا تو فرمایا کہ حلال سے روزہ رکھا اور حرام پر افطار کیا۔ اُس نے غیبت کی تھی۔ مُردہ بھائی کے گوشت کا لو تھڑا کھایا تھا۔ جو معجزے اور اعجاز کے طور پر قے ہوا۔ امام غزالیؒ نے ''کیمیائے سعادت'' میں ایک مقام پر فرمایا کہ ''بعض لوگ صرف نہ کھانے اور نہ پینے کو روزہ کہتے ہیں حالانکہ اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ جن کے دل میں غیر اللہ تک آئے تو روزہ ٹوٹ جائے، کہ یہ روزے کی معیاری حالت ہے۔ یہ حکمی بات نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی کہے کہ غیبت ہوگئی تو روزہ ٹوٹ گیا۔ چلو پانی پی لیں۔ اب اس میں ایک کلام سنایا جاتا ہے تاکہ اگر اور دِنوں میں نہ سنا ہے تو ان دِنوں میں سن کر پورے احکام معلوم ہو جائیں اور یہ کسی اور کا کلام نہیں کہ لوگ ہلکا جانیں بلکہ فرمایا: ''تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ''۔(الزمر:۳۹،۱)(یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی جارہی ہے جو بڑے اقتدار کا مالک ہے، بہت حکمت والا ہے۔)اور پھر جو تسبیح سنائی جاتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت دِلوں میں پیدا ہو تو بہر حال روزہ ایک عظیم عبادت ہے اور اگر مسلمان اس کی پوری رعایت رکھے تو اللہ نے چاہا تو تقویٰ نصیب ہو جائے۔

روزوں کا مہینہ۔۔۔ذکر وعبادت

ریڈیو تقریر(26جنوری1964ءبوقت شام7بجے)

مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزہ کے لیے وہ روحانی و نورانی مہینہ مقرر فرمایا ہے جو اسلام کی کتاب آسمانی قرآن کریم کے اُترنے کا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰن۔ رمضان کا مہینہ وہ مبارک وبرگزیدہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن پاک جیسی کامل و سراپا ہدایت کتاب اُتاری۔ جس کا ایک ایک حرف ونقطہ نُور و حکمت، رہنمائی وبرکت ہے۔ جس کا فیض دائمی، ہدایت ابدی اور افادہ جاودانی ہے۔ قرآن کریم کا نزول ساری دنیا کے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے ہوا اور ہدایت کا یہ ربانی چراغ قیامت تک روشن رہے گا۔ ظاہر ہے کہ انسانی فوز وکامرانی، بھلائی وکامیابی، دنیوی صلاح واُخروی نجات وترقی کا یہ بیش بہا خزانہ اور اللہ کا سب سے بڑا انعام جس برکت والی گھڑی ومہینہ میں انسانیت کے سپرد کیا گیا وہ ساعت و مہینہ کتنا پُرانوار، رحمت الٰہی کا گنجینہ دار اور ہدایت و سعادت کا کیسا سزاوار ہوگا۔ روحانیتکی بہار و نکھار اِس ماہِ مبارک کا امتیاز ہے۔ قرآن مجید حقیقت میں رحمت و ہدایت، نورانیت و برکت کا وہ سب سے بڑا خزانہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی حکمت نے انسانوں کو دینا مناسب سمجھا۔ اب اس عطیہ الٰہی کی شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ اس کتابِ ہدایت کے ملنے کی خوشی میں وہ مہینہ جس میں یہ بے بہا نعمت ہاتھ آئی۔ انسان اللہ تعالیٰ کی یاد وشکر، عبادت وریاضت کی نذر کردے اور اس کی ایک ایک گھڑی، ایک ایک ساعت کو یادِ حق سے آباد اور فرائض بندگی کی ادائیگی سے پُربہار رکھے اور ان احکام و اعمال پر عمل پیرا ہونے کی پوری کوشش کرے جو یہ کتاب مقدس انسانوں کی صلاح وفلاح کے لیے لیکر آئی ہے تاکہ قرآن کے اُترنے کا مقصد پورا

ہو۔ منشائے الٰہی کی تعمیل ہو اور انسان رضائے الٰہی کے طلبگار، خداوند قدوس کے فرمانبردار بندے بن کر قربِ الٰہی و آخرت کی نعمتوں کے حقدار بن سکیں اور دنیا میں اس پاکیزہ زندگی کا نمونہ پیش کر سکیں جو تقویٰ و طہارت، اخلاق و خوش معاملگی، عبادت و طاعت میں بنی آدم کے لیے سرمایہ سعادت اور فرشتوں کے لیے باعث رشک ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان مقاصد کے حصول کے لیے اس مبارک مہینہ کو چنا اور مسلمانوں کے لیے اس مہینہ میں بندگی و طاعت، عبادت و ذکر، روحانی پاکیزگی اور جسمانی ضبط و نظم کا ایسا نظام مقرر فرمایا کہ اگر انسانیت صدق و اخلاص سے ان احکام و اعمال کی پوری طرح پابندی کر لے تو ساری اُمت اور پورے معاشرے کی کامل اصلاح گنتی کے اِن چند دِنوں میں ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝١٨٣ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ“۔ یعنی اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلی قوموں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم متقی بن سکو گنتی کے چند دِنوں میں۔

مدعا یہ ہے کہ اگر مسلمان روزہ کے احکام کو پوری طرح ادا کر دیں تو ان سب کو روزہ کے مجاہدہ و احکامِ الٰہی کی بجاوری سے تقویٰ کی دولت حاصل ہو جائے گی اور اسلامی لغت میں تقویٰ کا وسیع مفہوم اور اسلامی شریعت میں تقویٰ کا جو اُونچا مقام ہے وہ صرف اس ایک بات سے ظاہر و واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے جملہ عبادات کا حاصل و مقصد تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ”يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝١٨٣“۔ اے لوگو! اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا تاکہ تم تقویٰ (پرہیزگاری) والے بن جاؤ۔ گو تقویٰ کی کیفیت کا رضائے الٰہی کے لیے حصولِ عبادات کا مقصد ہے۔ روزہ کی خوبی اور رمضان کے اعمال کی بڑائی اس سے بڑھ کر اور کیا بیان ہو سکتی ہے کہ عبادت جو کہ انسان کی پیدائش کا مقصد ہے، اس کا

حاصل و مدعا یعنی تقویٰ رمضان کے مہینے کی عبادات سے انسان حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس مقصد کے حصول کے لیے رمضان کے اعمال بھی کچھ ایسے مقرر فرما دیئے ہیں کہ ایک مسلمان ان کو حُسن نیت سے اختیار کر کے اپنی اصلاح کے انتہائی مقامات پر فائز ہو سکتا ہے۔ روزہ پر فی نفسہٖ غور کیجیے۔ کیا ایک روزہ دار جو اپنے پرودگار کی خوشنودی کے لیے جلتی گرمی ہو یا کڑاکے کی سردی نہ صرف حرام و ناجائز اعمال سے دستکش ہو جاتا ہے بلکہ روزانہ فجر سے مغرب تک پاکیزہ پاکیزہ، حلال و طیب، پسندیدہ و لذیذ کھانوں، صاف و شفاف، طاہر و مطہر مشروبات، محبوب و حلال منکوحہ بیوی تک سے رضائے الٰہی کے لیے کنارہ کر لیتا ہے۔ ایسا فرمانبردار بندہ کیا حرام و ناجائز کو اپنے پیارے پالنہار کے لیے نہیں چھوڑے گا۔ یقیناً شر و بُرائی کے ہر عمل سے سچا روزہ دار پرہیز کرے گا کہ روزہ صرف کھانے پینے، خواہش سے بچنے کا نام نہیں بلکہ روزہ دار کے لیے لازم ہے کہ خلوت و جلوت، تنہائی و مجمع میں ہر چھوٹی بڑی بُرائی سے اپنے کو بچائے اور اپنے اوقات کو نیکی اور خیر کے کاموں میں گزارتا ہے۔ جھوٹ، غیبت، بے ہودہ کلمات سے اپنی زبان کو، فضول و ناجائز کلام سے اپنے کانوں کو، محرمات سے اپنی آنکھوں کو اور اسی طرح ہر گناہ سے، اپنے جسم و جان کو بچاتا رہے تاکہ نفس کی اصلاح، دل کی درستگی اور اعمال و اخلاق کی پاکیزگی سے اپنے جسم و جان کی پاکیزگی نصیب ہو، نمازوں کی پابندی، نوافل و ذکر کا اشتغال، صدقہ و خیرات، خدمتِ خلق و غمگساری و ہمدردی کو اپنا مشغلہ بنائے۔

اسی طرح اپنی رات کو قرآن کریم کے سننے، تراویح میں شرکت، پچھلی رات کی عبادت و دُعا اور سحری کی برکت حاصل کرنے میں صرؔف کرے کہ یہ مہینہ نیکیوں و بھلائیوں کے کمانے کا مہینہ ہے۔ اس میں ادنیٰ کوتاہی و سُستی ممکن ہے محرومی و نامرادی کا سبب بن جائے اور گزر جانے پر ندامت سے یہ کہنا پڑے۔

اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے

حبیب پاک سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی عبادات، روزے کے مقاصد کو مسلمانوں کی ترغیب و تشویق کے لیے اپنی تعلیمات میں خوب کھول کھول کر بیان فرمایا ہے تاکہ مسلمان اس برکت والے نورانی مہینے کے فیض سے محروم نہ رِہ جائیں۔ چنانچہ حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شعبان کے آخری دن ہمیں خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم پر ایک مہینہ آرہاہے جو بہت بڑا مہینہ ہے۔ اس میں ایک رات ہے (شب قدر) جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزہ کو فرض فرمایا اور اس کی رات کے قیام (یعنی تراویح) کو ثواب کی چیز بنایا ہے۔ جو شخص اِس مہینہ میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں فرض ادا کرکے (اللہ کا قرب حاصل کرے) اور جو شخص اس مہینہ میں کسی فرض کو ادا کرے، وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستّر فرض ادا کرنا۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غمخواری کرنے کا ہے۔ اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے وہ اس کے لیے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے خلاصی کا سبب ہوگا اور (اس) روزہ کے ثواب کی مانند اس کو ثواب ہوگا (جس کا روزہ افطار کرایا ہوگا) مگر اس روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر شخص تو اِتنی وسعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (پیٹ بھر کر کھلانے پر موقوف نہیں) یہ ثواب تو اللہ جل شانہ ایک کھجور سے کوئی افطار کرادے یا ایک گھونٹ پانی پلادے یا ایک گھونٹ دودھ یا لسی پلادے اس پر بھی مرحمت فرما دیتے ہیں۔ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول اللہ کی رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ آگ سے آزادی ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں اپنے غلام (خادم) کا بوجھ ہلکا کردے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرماتے ہیں اور اسے (دوزخ کی) آگ سے آزادی عطا

فرماتے ہیں۔ (اس مہینہ میں) چار چیزوں کی کثرت رکھو جن میں سے دو چیزیں ایسی ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہیں اور دو ایسی ہیں جن سے تمہیں چارہ کار نہیں۔ پہلی دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو وہ کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت ہے اور دوسری دو چیزیں یہ ہیں کہ جنت کی طلب کرو اور آگ سے پناہ مانگو۔ جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے، حق تعالیٰ قیامت کے دن میرے حوض سے اس کو ایسا پانی پلائیں گے جس کے بعد جنت میں داخل ہونے تک پیاس نہیں لگے گی۔

ایک دوسری حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے (یعنی اس کا بدلہ اس کے عمل کو دیکھ کر دیا جائے گا) سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لیے اور میں ہی اپنی ذات سے اس کا خاص بدلہ عطا فرماؤں گا کہ اس شخص نے میرے لیے اپنا کھانا پینا اور خواہش کو چھوڑا ہے۔ روزہ (گناہوں اور دوزخ سے بچنے کے لیے) ڈھال ہے۔ پس جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو نہ فحش بکے، نہ (فضول) چیخے چلائے (بلکہ) اگر اُسے کوئی گالی بھی دے یا اس سے جھگڑے بھی تو اِتنا کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ میں روزہ دار ہوں۔ (یعنی روزہ کی حالت میں نہ تو جھگڑ سکتا ہوں نہ بُری بات کہہ سکتا ہوں) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بُو (روزہ میں بھوک کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے) اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں جب افطار کرتا ہے تو افطاری کی اُسے خوشی ہوتی ہے اور جب اپنے پروردگار سے ملے گا تو اپنے روزہ (کے ثواب کو پاکر) خوش ہوگا۔

ایک روایت میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: روزہ اور قرآن بندے کی قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا میں نے اسے کھانے اور خواہش سے روک دیا تھا اس لیے تُو اس کے لیے میری شفاعت قبول فرما۔ پس اللہ تعالیٰ دونوں کی شفاعت کو قبول

فرمائیں گے۔ (اور اس بندہ کو بخش دیں گے)۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے شب قدر کا قیام یقین و ایمان کے ساتھ اور اجر و ثواب کی نیت سے کیا، اُس کے سب پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور جس نے رمضان کے روزے یقین و ایمان کے ساتھ اور اجر ثواب کی نیت سے رکھے اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ حدیث کے دفاتر رمضان شریف اور اس میں اعمال کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اس مبارک مہینہ کا شایانِ شان استقبال کر سکیں اور اس کے حقوق کو ادا کر سکیں۔ ہمارے روزے کامل روزے ہوں اور ہماری ہر گھڑی قرآن کریم کی تلاوت، ذکر کی وابستگی اور نیکیوں کے حاصل کرنے میں گزرے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس مبارک مہینے میں تقویٰ کی دولت، ایمان کی نعمت، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی متابعت کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی جامعیت

ایگر یکلچر ہال (1964ء)

خواہشات اور اطمینان

اساتذہ کرام اور دوستو! ہم اس عالم میں زندگی گزارتے ہیں اور زندگی کی مختلف راہیں اختیار کرتے ہیں۔ اس عالم میں کوئی بھی دو طبقے آپ کو ایسے نہیں ملیں گے جن کے خیالات میں فرق نہ ہو۔ بہر حال ہر آدمی زندگی کی مختلف راہوں پر چلنے کے لیے تلاش جاری رکھتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ سکون اور چین نصیب ہو جائے اور اس کے بعد جو مرحلہ آنے والا ہے کہ آئندہ کے لیے چین اور راحت نصیب ہو۔

اب جو ہم دیکھتے ہیں کہ انسان مختلف راہیں اِس دنیا کو دیکھ کر اختیار کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جسے بھی اِس دنیا میں ناکامیاں ملتی ہیں، اس وجہ سے ہوتی ہیں کہ انسان اس دنیا کو سامنے رکھ کر محنت کرتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ جتنی بھی اس دنیا کی چیزیں میسر آئیں گی میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اب جبکہ دنیا انتہائی محدود ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر خواہشات کا ایک سمندر رکھا ہے، اگر ایک شخص پوری دنیا کو حاصل کرلے تب بھی وہ یوں چاہتا ہے کہ اور مل جائے اور بقولِ غالب!

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دَم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اب یہ محدود دنیالا محدود خواہشوں کو پورا نہیں کر سکتی۔ کمال چین اُس وقت نصیب ہوتا ہے کہ انسان کی خواہشیں بغیر کسی ٹکراؤ کے پوری ہو جائیں۔ چونکہ دنیا محدود ہے اور اس کے چاہنے والے ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ اب جب ہر شخص اس دنیا کی چیزوں کو لینا چاہتا

ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میری ہر خواہش اُس معیار پر پوری ہو جائے جتنا کہ اُس کا جذبہ ہوتا ہے۔ اگر آسمان پر پہنچ جاؤ تو دوسرے پر چڑھنے کی خواہش رہے گی۔ ایک سونے کی وادی میسر ہو جائے تو دوسری کا طالب رہے گا۔ ایک سلطنت کا حاکم ہو، اس پر کفایت نہیں کرے گا بلکہ ایک دوسری سلطنت کا طالب ہو گا۔ غرض بے چینی ختم نہیں ہو گی۔

تعلیم کی جامعیت

اس کے مقابلے میں انبیاء علیہم السلام آتے ہیں۔ وہ دنیا پر لات مارنے کے لیے نہیں کہیں گے لیکن چونکہ وہ اللہ سے لے کر آتے ہیں اس لیے اُن کی باتوں میں دنیا اور آخرت کے جملہ پہلو سامنے ہوتے ہیں۔ اب جو شخص اللہ سے سن کر اور اللہ سے دیکھ کر بات کہے گا۔ اس کی بات میں راستگی ہو گی، ٹیڑھا پن نہیں ہو گا۔ اس کی بات تمام پہلوؤں کو محیط ہو گی چونکہ ان کی باتیں اللہ کی ذات سے آتی ہیں اور اللہ رب العزت انسان کی نفسیات کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ فرمایا: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ باریک بین اور خبر دار ہے۔ جب وہ جانتا ہے تو وہ طریقہ دیتا ہے جس سے تمہارے نفسیات کی ہر رُخ سے تسلی ہو جائے۔ انبیاء علیہم السلام تمام خلا کو بھر دینے کے لیے آتے ہیں، وہ دیتے ہیں تو مجموعہ کو دیتے ہیں۔ ایسے مجموعہ کو کہ دنیا بھی میسر ہو اور آخرت بھی۔

اب انبیاء علیہم السلام دو چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ پہلی چیز اللہ کا تعلق کہ دل میں اس جذبے کو بیدار کرے کہ انسان دوسرے کو راحت دینے والا بن جائے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اِس دنیوی تکلیف میں نہایت خوشی کے ساتھ رہے اور دنیا میں ایسی محنت کو اُٹھائے کہ لوگ نیکی کی راہ پر چل کر ہر بُرائی سے بچنے والے بن جائیں۔ ایک موٹی سی مثال دیتا ہوں کہ اگر انسان کو اللہ کا خوف نہیں ہو گا۔ تو سوسائٹی کے اثر سے اگر گناہ سے بچ جاتا ہے تو بچ جاتا ہے لیکن تنہائی میں نہیں بچ سکتا۔ پولیس ہم کو دیکھے گی لیکن پولیس کو کون دیکھے گا۔ اینٹی کرپشن

(Anti Coruption) والوں کو کون دیکھے گا؟ نہ تو دنیا میں U.N.O(یو۔این۔او) کام کر سکتی ہے اور نہ کوئی دوسری ایجنسی۔ اگر ہم کہیں کہ یو۔این۔او دنیا کا امن قائم کرنے والی ہے تو عیاں راچہ بیان۔ کہ اس کا امن اور انصاف کہاں تک کارگر ہے۔

راضی برضائے رب

مجلسی گفتگو در خانہ خویش (5 فروری 1964ء بروزِ بدھ)

چاہت کی قربانی:

بہر حال بات اس پر شروع ہوئی تھی کہ انسان کی تجویز اور اس کے مقابلہ میں کیا ہے ارادۂ الٰہی۔ کبھی چھکڑا چل رہا تھا اور اس کے مقابلے میں ہمارے نثار صاحب آئے اور اس کی زنجیر کے ساتھ سائیکل باندھ گئے۔ اب یہ یوں کہے کہ یہ میری سائیکل چل رہی ہے۔ ارے عقلمند! ذرا یہ زنجیر تو چھوڑ دے۔ پھر دیکھ لے کبھی چھوٹا سا بچہ ہو تو بعض اوقات والدین بچے کا دل لبھانے کے لیے بیٹے سے اگر کشتی کریں تو وہ بچہ تو اپنی پوری کوشش کرے گا۔ مرید الحسن اور فرید الحسن میں کشتی چل رہی ہو تو اگر فرید الحسن ہوشیار ہو تو وہ سمجھ جائے گا کہ باپ سے کیا کشتی کروں اور اگر مرید الحسن اکڑ گئے تو پھر کیا ہو گا۔ وہ تھک کر نااُمید ہو جائے گا تو بس یہی ہونا چاہیے کہ فرید اپنی مرضی کو مرید کی مرضی پر فدا کر لے حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ فرید پر مرید اپنی مرضی کو فدا کرے۔

تو اسی طرح چاہیے کہ اپنی سائیکل کو اس کی گاڑی سے باندھیں۔ چلنی ہے تو اس کی تو پھر اپنے کو کیا تکلیف دیں۔ اسی طرح سے ایک حکیم صاحب ہیں۔ وہ آئے اور لگے سوئی چبھونے۔ اب مریض تو یہ کہے کہ ایک تو مرض کی سختی اور دوسری حکیم صاحب کی لیکن وہ کہے کہ پگلے سوئی نہیں جاتی دوائی جاتی ہے اور دوائی نہیں بلکہ صحت جاتی ہے۔ یہی حال بندہ پر سختی اور تکالیف کا حال ہے جو کہ میاں کی طرف سے آتی ہیں۔ بات تو چلے اللہ میاں کی، ارادہ چلے اُس کا، اختیار ہے اُس کا۔ ایک ریل گاڑی ہے جس میں فرسٹ، سیکنڈ اور تھرڈ کلاس کے ڈبے ہیں اور پھر ائیر کنڈیشن کے بھی۔ اب اگر صدر ایوب صاحب بھی ہوں تو اس سے نہ چلے گی بلکہ اس کے ماتحت کی چلے گی۔ اب ایک عقلمند ہے کہ گاڑی کے ساتھ اپنے کو

باندھ لیا۔ اب گاڑی چلتی ہے مشرق کو اور یہ کہے کہ مغرب کو چلوں تو کیا ہو گا، چکنا چور ہو جائے گا، مر جائے گا اور گھسیٹتا ہوا اس کے ساتھ چلا جائے گا تو اب مخلوق جو ہے وہ ارادۂ الٰہی کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ یہ چاہے نہ چاہے۔ اب مخلوق پریشان کیوں ہے کہ جوانی میں بھی بوڑھے نظر آتے ہیں اور جوانی میں کیا ہوتا ہے، خواہشیں ہوتی ہیں۔ ہر ایک قطرۂ خون کے ساتھ ایک نئی چاہت نکل آتی ہے۔ اب وہ چاہتیں ہیں، آرزوئیں ہیں اور خواہشیں ہیں اب ماضی تو گزر گیا۔ اُس میں تو ہو نہیں سکتا اور حال بھی تو بے حال ہے کیونکہ اگر میں بات کروں تو ''ب'' کہنے کے ساتھ ہی یہ ماضی میں مل جاتی ہے، جلد ماضی ہو جاتا ہے۔ اب رِہ گیا ''Shining Future'' تو وہ تو اِتنا موہوم ہے کہ ایک پَل کے بعد کی بھی اطلاع کسی کو نہیں۔ کینیڈی صاحب فرعونِ وقت تھے لیکن ڈلاس میں جو گولی لگی تو پتہ لگ گیا ۔تو یہ ہمارے اندھیرے کے تیر پانچ سالہ اور دس سالہ منصوبے کیا ہیں اور کس کو معلوم ہے کہ ہمارا منصوبہ قائم بھی ہو گا۔ ایک کو معلوم ہے اور وہ اللہ کی ذات ہے۔ تو جو خواہش ہے تمہاری اس کا پورا ہونا کسی کے اختیار میں ہے؟ جب مستقبل کا پتہ نہیں تو اُس کی چیزیں اختیار میں کیسے ہوں گی۔ اب معلوم ہوا کہ اللہ خبر دار بھی ہے اور با اختیار بھی ہے جو کہ تمام چیزوں کو جانتے ہیں اور اُس کی چلتی بھی ہے۔ اُس سے رابطہ جوڑو۔ اب اس سے کیا ہو گا۔ تمام چیزیں تمہارے اللہ کے اختیار میں ہیں۔

مؤمن کی موت

موت بھی آئے جو کہ کالا پردہ ہے اور اس کالے پردے سے لوگ ڈریں لیکن اگر وہ ہٹ جائے تو کیا ہو گا۔ موت کا مستقبل جو ہے وہ قطعاً بھیانک نہیں۔ اگر ہمیں پتہ لگے کہ موت کے بعد کیا ہو گا تو سب موت کی آرزو میں مر جائیں۔

مزے مرنے کے جو عاشق بیان کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

وہی بات ہو گی ”وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ ﴿ؕ۳۱﴾“ (حٰمٓ السجدۃ: ۴۱،۳۱) (اور تمہارے لیے اس (جنت) میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور تمہارے لیے اس میں جو مانگو گے موجود ہے۔) جہاں چاہتیں پوری ہوں گی، اللہ کی ”کُنۡ فَیَکُوۡن“ شان کا عکس پڑے گا۔ جو اللہ کے جاننے والے، ماننے والے ہیں اُن کا حال یہ ہو گا۔

شب ہمہ گزشت و من محو تماشہ بودم

(ساری رات گزر گئی اور میں تماشہ دیکھتا رہا۔)

اللہ کے خوش نصیب بندے اللہ کے عرش کے سائے کے نیچے ہوں گے اور مزے میں ایسے مست ہوں گے کہ قیامت کے پچاس ہزار سال گزرنے کا ان کو پتہ بھی نہیں لگے لگا۔ معلوم ہو گا جیسے کہ عصر کی چار رکعت یا فجر کی دو رکعت سنت کا وقفہ ہے۔ نکیرین آئیں گے اور پوچھیں گے کہ ”مَنۡ رَّبُّكَ“۔

گفتم آن است کہ ربود این دِل دیوانۂ ما

(میرا جواب یہی ہو گا کہ میرا رب وہ ہے جو مجھ سے یہ دیوانا دِل لے گیا۔)

وہ اس آرزو میں رہتے ہیں کہ موت کب ہو گی لیکن موت کے طالب بالذات نہیں ہوتے کیونکہ یہاں تو اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ موت کے بعد دیدار ہو گا جیسے کہ کسی کی منگنی ہو جائے تو اب وہ کہے کہ شادی کب ہو گی۔

اپنی مرضی کو فنا کرنا

اب دنیا میں کیا ہو گا۔ تو ایک پگلا تھا دنیا والوں کی نظر میں جو کہ مٹی میں کھیل رہا تھا تو ہارون الرشید نے اُس سے حال پوچھا۔ اُس نے کہا کہ ”اس کا کیا پوچھتے ہو جس کے اشاروں پر دنیا ناچتی ہے“۔ ہارون نے کہا: ”اے پگلے! سوچو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ اللہ کے اشاروں پر دنیا ناچ رہی ہے“۔ تو فرمایا:

چوں رضائے من رضائے حق شود
حق رضائے خویش را چہ رد کند

(اگر میری رضا اللہ کی رضا میں فنا ہو جائے تو وہ تو خود اس کی رضا ہوئی اور اللہ تعالیٰ اپنی رضا کو کیوں رد کرے۔)

وہ ایک بزرگ نے کہا "أُرید أن لا أُرید" اب میں نے یہ ارادہ کیا کہ کبھی ارادہ نہیں کروں گا۔ وہ علامہ اقبال نے بھی کہا ہے:

خودی کو کر بلند اِتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

دیکھو! انسان کو اللہ نے کچھ اختیار دیا تو چند باتوں میں تو وہ یقیناً بے اختیار ہے۔ میں یہ چاہوں کہ میری عمر سو سال کی ہو جائے تو ہو جائے گی؟ انسان کی خواہشیں لا محدود ہیں۔ گھوڑا بھی چاہے، خچر بھی چاہے اور گدھا بھی چاہے اور اب تو چاند بھی چاہے اور سورج بھی چاہے تو اللہ نے اس کو اختیار دیا کہ اپنے مقصد کا تعین کرو اور اُس کے ساتھ ساتھ پوری مخلوق ایک طرف رکھ دی اور اپنی ذات دوسری طرف کہ مخلوق تمہاری محبوب بنتی ہے یا میں؟ اللہ کو مطلوب اور محبوب بناؤ گے تو اللہ کہے گا کہ میں نے تمہیں اختیار دے دیا اور تم نے مجھے اپنا محبوب قرار دیا ۔ مثلاً میں یوں کہوں کہ ایک میں ہوں اور ایک میرا دشمن ہے۔ اب ایک منٹ کے لیے میں تمہیں اختیار دیتا ہوں کہ مجھے اختیار کرتے ہو یا میرے دشمن کو۔ اب ہم اس دُنیا میں اختیار پا کر کبھی پتھروں کو اللہ کے مقابلے میں اپنا محبوب اور مطلوب بنائیں تو کیا یہ انتخاب اللہ کے غضب کو جوش میں لانے والا نہ ہوگا۔ اب جس نے اللہ کو محبوب اور مطلوب بنالیا اور انتخاب کر لیا اور اب یہ کہ جو جس کو اختیار کرتا ہے وہ اُس کے نظام پر چلتا ہے اور ہے بھی یہ عقل میں آنے والی بات۔ تو آپ اگر داخلہ لیں تو انجینئرنگ میں، امتحان دینا ہے اس میں اور تم وہاں جا کر میڈیکل

میں لیکچرز سنو اور مُردے چیرنا پھاڑنا بھی شروع کرو تو کیا ڈگری مل جائے گی، یقیناً نہیں۔

صالحین پر تکلیف

اللہ کا ہو کر یہ نہیں کہ دنیا چھڑانا مقصود ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ یوں چاہتا ہے کہ میرا بن جا اور جو اُس کا بن جائے اور ہو جائے اس کا محبوب تو کیا وہ اس کو تکلیف دے گا۔ بات یہ ہے کہ ایک ہے تازہ غنچہ نرگس کا اور اس کو پانی کے گلاس میں رکھ دیں تا کہ تازہ رہے اور ہم یہ کہیں کہ اس ٹھنڈک میں تو اُسے فالج ہو جائے گا اور یا یوں کہوں کہ مچھلیاں ہیں اور ٹھنڈا پانی ہے اور میں یوں کہوں کہ چلو ان غریبوں کو اس سردی سے نکال کر پانی سے نکال کر زمین پر رکھیں تو کیا یہ اُن کے لیے اچھا ہو گا یا بُرا اور یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ بعض پگلے اہل اللہ کو تکلیف میں دیکھ کر یوں کہتے ہیں کہ غریب کو مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا ہے حالانکہ وہ اس کو اللہ کی طرف سے ایک امتحان سمجھ کر اُس پر صابر ہے اور مطمئن ہے۔ ایک آدمی کو ہر قسم کی خوشی میسر ہے لیکن ہے دِل پریشان تو یہ دِل کی بے کلی اور پریشانی نہیں جاتی تو اب کیا ہو گا۔ اللہ یوں نہیں چاہتے کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔ ماں کا دل نہیں چاہتا کہ اُس کا پیارا بچہ بیمار ہو اور ڈاکٹر اس کو سوئی چبھوئے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ”اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ“۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہمیں مستقبل کا علم وادراک ہے ہی نہیں۔ ہمارے لیے تو یہ اندھیرے کے تیر ہیں۔ تو اِس سے کیا ہو گا۔ وہ پریشانی ختم ہو گی یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ مصائب پر صبر کرنے والوں کو وہ کچھ دے گا جو کسی کو نہیں دے گا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ ایک دفعہ صحرا میں چل رہے تھے کہ زخم سے کیڑا گر گیا۔ انہوں نے اُٹھا کر زخم میں رکھا۔ اُس نے اچانک وہ سخت حملہ کیا کہ بے اختیار زبان سے یوں نکلا ”اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾“(الانبیاء۲۱:۸۳)(مجھ پہ تکلیف لگ گئی ہے اور تُو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔)

تو کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً صحت دے دی اور سونے کی ٹڈیاں برسائیں اور مال، حال اور اولاد عنایت فرمائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں ڈالا اور عاشق نے جیل میں پہنچایا لیکن اللہ تعالیٰ نے جیل سے نکال کر مصر کی وزارت بخشی تو اللہ تعالیٰ کے دینے کی شان نرالی ہے۔ وہ اپنے محبوبین کے ساتھ اگر بظاہر امتحاناً سختی کا معاملہ کریں لیکن در حقیقت وہ درجات کی بلندی کے لیے ہوتا ہے۔

یار دے کہ تیغ زند بر سرت تو دم مزن
سر را فدائے یار کن ھیچ نہ خونبھا طلب

(اگر تیرا محبوب تیرے سر پہ تلوار چلائے تو تُو اس کی مرضی میں حائل نہ بننا اپنی جان اس کے حوالہ کر اور اس کا بدلہ کچھ بھی نہ مانگنا۔)

اُمت مسلمہ ایک دعوت والی اُمت

مجلسی گفتگو در خانہ خویش (20 فروری 1964ء بعد از نمازِ عصر بروزِ جمعرات)

فریضۂ دعوت

اُمت مسلمہ ایک دعوتی اُمت ہے جس کا صحیفہ آسمانی دعوت کے نغموں سے پُر شور، جس کا نبی ﷺ سراپا دعوت و تبلیغ اور جس کی بنیاد سراسر دعوت پر ہے۔ اُمت مسلمہ اُمت مبعوثہ اور اُمت مخرجہ ہے جس کی پیدائش کا مقصد اور اس عالم میں برپا کیے جانے کا مدعا، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ آیت قرآنی: ''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ''۔ (آل عمران ۳:۱۱۰) اسی حقیقت کا اظہار ہے اور بقول امام رازیؒ اس اُمت کی خیریت اور بہتری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہونے کی حیثیت سے ہے۔ اس آیت کی تفصیل فرماتے ہیں:

ای: صرتم خير اُمّة بسبب كونكم امرين بالمعروف وناهين عن المنكر و مؤمنين بالله۔ (تفسیر کبیر للرازی، ج۳، ص۲۶) (تمہیں بہترین اُمت بنایا گیا اس وجہ سے کہ تم خیر کا حکم کرو گے اور بُرائی سے منع کرو گے اور اللہ پر ایمان رکھو گے۔) نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين۔ (رواہ البخاری) تم کو آسانیاں پیدا کر دینے کے لیے بھیجا گیا نہ کہ مشکلات پیدا کرنے کے لیے۔

نبی پاک ﷺ نے اُمت کی تربیت اسی نہج پر فرمائی کہ من حیث الجماعۃ و من حیث الافراد ایک داعی کی حیثیت سے اس عالم میں ظاہر ہوئی۔ صحابہ کرامؓ کا اُسوہ اور ان کے کارنامے اس بات کی روشن دلیل ہیں اور بقول علامہ ابن کثیر کے اُمت مسلمہ نے تیس سال کے عرصے میں ایک طرف ماوراء النہر، دریائے سندھ، دوسری طرف بحر اوقیانوس اور اندلس تک،

تیسری طرف کاکیشیا سے لیکر بربر اور وسط افریقہ تک اسلام کی دعوت اور پیام کو پہنچایا۔

کیا قیامت ہے کہ وہی اُمت جو عالم میں نیکی کے پھیلاؤ اور بُرائیوں کے مٹانے اور عدل کے قائم کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ وہ اپنے مقصد کو بھلا کر ان فرائض سے غافل ہو کر دنیا میں کچھ ایسی اُلجھی کہ بجائے داعی کے مدعو ہو کر رہ گئی۔ موجودہ دَور میں اُمت اسلامیہ پورے عالم میں جس خلفشار اور دینی المیہ کی شکار ہے، اس کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کا فرادا کی غمزۂ خونریز ہے ساقی

غیروں کا استیلاء

ایک طالب علم کی حیثیت سے اپنا یہ خیال ہے کہ اُمت مسلمہ موجودہ مغربی استیلاء سے پیشتر دو مرتبہ ایسے خطروں سے دوچار ہوئی جس میں اس کے مٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ پہلی مرتبہ چوتھی صدی ہجری میں جب یونانی، ایرانی، ہندی اور عجمی علوم نے مسلمانوں میں بار پایا اور عقلی طور پر مسلمانوں کا ایک طبقہ اِس سے مرعوب ہوا۔ تو اندیشہ تھا کہ کہیں اسلام کا عقائدی نظام اور دینی قوام ان مہلک نظریات کی نذر ہو کر نہ رِہ جائے لیکن اُس وقت یہ حملہ ہوا جبکہ اُمت حکومت اور اقتدار سے محروم نہیں ہوئی تھی بلکہ دنیا کی سب سے بڑی قوت حاکمہ تھی۔ اسی بنا پر ذہنی مرعوبیت عالمگیر نہ ہو سکی۔ ایک محدود طبقے نے ان اثرات کو قبول کیا جن سے کچھ لوگ متاثر ہوئے لیکن اُمت کا اکثری حصہ اپنے دین و عقائد کو سنبھالے رہا۔ مزید براں یونان و عجم کے اس علمی اور ذہنی مقابلہ کرنے کے لیے امام غزالیؒ، امام رازیؒ، امام احمدیؒ، امام عشری اور امام فورق جیسے لوگ آگے بڑھے اور انہوں نے اس حملے کا منہ توڑ جواب دیا۔ اس کے بعد دوسرا حملہ تاتاریوں کی یلغار تھی جس نے مشرق سے لیکر مغرب تک خلافت عباسیہ کی اور اسلامی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی لیکن اس سخت حملہ کے باوجود مسلمان

اپنے آپ کو بچا گئے۔ گو مادی لحاظ سے انہوں نے شکست کھائی لیکن تاتاری علوم و فنون سے عاری تھے اس لیے اُمت ذہنی طور پر اُن کے وحشیانہ خیالات سے متاثر نہ ہو سکی بلکہ کچھ عرصے ہی میں اُمت کے اہل دل علماء، صلحاء حضرات کی کوششوں سے یہ فاتح مفتوح بن گئے اور بقول اقبال کے:

ہے عیاں قصہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اور پانچ سو سال تک ترکانِ عثمانی اسلامی پرچم کو یورپ کے خلاف تھامے رہے اور اِدھر بر کوچک ہندو پاکستان میں ترکان تیموری نے اسلامی شکوہ کے جھنڈے کو قائم رکھا۔

فتنۂ مغرب

اس کے بر عکس موجودہ فتنۂ مغرب جو اُٹھا تو ایک طرف اپنی قوت و اقتدار کے سیلاب میں اسلامی سلطنتوں کی شان و شوکت کو بہا کر لے گیا۔ دوسری طرف فرنگی استعمار کے ساتھ اُن کا پُر فریب نظام حیات اُن کے ظاہری علوم، ان کی طبیعاتی دسترس اور مادی سطوت و حکومت نے اُمت کے ذہین طبقے کو اس طرح متاثر کیا کہ وہ اپنے سرمایہ سے محروم ہو کر رہ گیا۔

علم حاضر جذبۂ دین وز وجودش
این قدر دانم کہ بود

(علم حاضر کے متعلق مجھے اِتنا معلوم ہے کہ کسی زمانہ میں اس میں دینی جذبہ موجود تھا۔)

اس وقت اُمت مغربی علوم و افکار کے جس غلبہ اور استیلاء کا شکار ہے، اس کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ اسلام کے عقائد و عبادات، اخلاق و معاشرت، تہذیب و تمدن ایک ایک چیز اس کی زد میں ہے۔ اس وقت غیروں میں دعوت اور تبلیغ کا مسائل سے اہم مسئلہ

اُمت کے اپنے افراد کو دین پر قائم رکھنے اور ان کے اذہان کو مغرب کی ذہنی برتری سے نکالنے کا ہے۔ گو اس وقت ہمارے تبلیغی مسائل دو طرح کے ہیں۔ اندرونی مسائل، دفاعی محاذ بیرونی مسائل یا پورے عالم میں اسلام کی دعوت و پرچار۔

غیروں میں ضم ہونا

دفاعی مسائل:

اُمت مسلمہ آج کل عمومی طور پر ہر جگہ دو یا تین طبقات میں بٹی ہوئی ہے اور اس تقسیم میں حاکم یا محکوم کی حیثیت نے کسی فرق کو پیدا نہیں کیا۔ سب سے بڑا اسلامی منطقہ انڈونیشیا، فلپائن کا جنوبی جزیرہ ملایا، مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان، ایران، عراق، ترکی، سعودی عرب، اُردن، مصر سے ہوتے ہوئے الجزائر اور مراکش تک اور جنوب میں نائیجیریا، بربر اور صومالیہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی متفرقہ آبادیاں مختلف ملکوں میں پائی جاتی ہیں جن میں سب سے زیادہ آبادی چین میں کہی جاتی ہے لیکن یہ پانچ یا آٹھ کروڑ انسان وہاں کی آبادی میں اسی طرح ضم ہیں کہ سوائے سرکاری ذرائع کے اس کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس کے بعد چار کروڑ کے قریب مسلمان روس کی اٹھارہ کروڑ کی آبادی میں مغلوب اور مقہور ہو کر رِہ گئے ہیں اور اپنی انفرادیت کو گم کر چکے ہیں۔ یورپ میں کسی زمانے میں موجودہ یوگوسلاویہ، بلغاریہ، جنوبی پولینڈ تک مسلمان کثرت سے پھیلے ہوئے تھے لیکن آج کل یونان میں اپی رس (Epirus) کے علاقے میں وسطی اور جنوبی یوگوسلاویہ میں مسلمانوں کی آبادی پائی جاتی ہے۔

عظمتِ الٰہی

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (21 فروری 1964ء بعد از نمازِ عصر بروزِ جمعہ)

اللہ کی عظمت کیسے دِل میں آجائے؟ اللہ کی بڑائی کے استحضار سے۔ خداوند قدوس کی پہچان اللہ کی صفات پر غور کرنے سے ہوتی ہے۔ اب یہ صفات تین طرح پر تقسیم کی جاتی ہیں۔ (۱) جمالی صفات (۲) جلالی صفات (۳) کمالی صفات۔

تو جلالی صفات کا سوچ لینا اللہ تعالیٰ کی عظمت دِل میں پیدا کر دیتی ہے۔ نماز میں تین طریقوں سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو لایا جاتا ہے۔ "اللہ اکبر" یعنی ایک ہے بڑا کہنا۔ اور ایک ہے اُس کو پوری بڑائی کے ساتھ یاد کرنا۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ "اگر اللہ کی بڑائی آجائے تو سب کی بڑائی نہ نکل جائے"۔ رکوع میں جاتے ہیں تو "سُبْحٰنَ رَبِّيَ الْعَظِيْم" اور عظیم کیا ہے؟ عظمت والا، اللہ کی عظمت کو جتنا سوچو گے اللہ کی بڑائی دِلوں میں آجائے گی۔ ایک ہے شیر لفظوں کا اور ایک ہے شیر کی حقیقت کہ اگر سامنے آجائے تو آپ فوراً بھاگ جائیں تو ایسی عظمت و جلال والا کہ انبیاءؑ تک اس کے سامنے کانپتے رہیں۔ "سُبْحٰنَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" کہ میرا پالنہار جو ہے وہ سب سے اعلیٰ ہے اور سب سے اعلیٰ کے سامنے تمام لوگ جھکتے ہیں تو اللہ کی عظمت کو سوچتے سوچتے اللہ کی عظمت پیدا ہو جائے گی۔

اسم اعظم بھی اللہ کی عظمت کے کھل جانے کے بعد کھلتا ہے اور جب تک اللہ کی بڑائی دِل میں نہیں ہو گی تو اسم اعظم کا بھی انسان کو فائدہ نہیں۔ اسم اعظم اگر ہاتھ میں ہو اور عظمت نہ ہو تو ایسے اُڑ جائے جیسے چڑیا اُڑتی ہے تو اب اللہ کی عظمت کو کیسے سوچیں۔ دیکھو! اللہ کی عظمت کو عام طور پر یوں سمجھا جائے کہ اللہ کی عظمت و جلال اور ہیبت و کبریائی جو ہے اگر کماحقہ کھل جائے تو ہم لوگوں کا کلیجہ پھٹ جائے۔ اللہ کی ہیبت اور جلال اور ہم لوگ برداشت

کریں تو بدرقہ کے طور پر جیسے کہ حکیم لوگ سخت دوا کے ساتھ کوئی نرم چیز دیتے ہیں۔ اللہ کی جلالی صفات کے ساتھ جمالی صفات عطا فرمائیں تاکہ اللہ کی عظمت کے ساتھ اللہ کی محبت آجائے۔ اگر نرا جلال آگیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم لوگ اُسے برداشت نہیں کر پائیں گے۔ تو یا تو ایسی ہیبت طاری ہو جائے گی کہ تعطل کی کیفیت پیدا ہو جائے گی یا خشیت مفرط پیدا ہو جائے گی اور خشیت ہے پسندیدہ لیکن وہ کہ اطاعت والی ہو اور جب انسان ذہنی طور پر کام کا نہ رہے تو وہ مطلوب نہیں۔ تو حضور ﷺ کی دُعا ہے: ”اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَشْیَتَكَ مَا تَحُوْلُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ مَعَاصِیْكَ“۔(الترمذی، حدیث نمبر ۳۵۰۲، مناجات مقبول) (اے اللہ میں آپ سے ایسی خشیت چاہتا ہوں جو مجھے تیری نافرمانی سے بچائے۔) تو خشیت مطلوبہ وہ ہے کہ اللہ کی عظمت اس طور پر آئے جیسے کسی محبوب اور پیارے کے خفا ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ اب حضور ﷺ اللہ کے بھی محبوب اور مخلوق کے بھی محبوب اور سید المحبوبین تک باوجود محبوب ہونے کے صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم دُور سے دیکھتے تو ڈر جاتے لیکن پہچانتے تو محبت ہو جاتی۔ اسی طرح اللہ کی محبت ہے کہ وہ عظمت و جلال کے پردوں کے اندر ہے تو اللہ کا ڈر سانپ بچھو کا ڈر نہیں لیکن وہ محبوب کے خفا ہونے کا ڈر ہے تو ڈر اِتنا ہونا چاہیے کہ بُرائیوں سے انسان کو روک دے۔ بڑائی اور کبریائی کا تصور ہے اور اس محبت کے ساتھ انسان احکام پر چلنے والا بن جائے۔ محبت رغبت بڑھائے اعمال صالحہ پر چلنے کی اور خشیت جو ہے وہ انسانوں کے اندر بُرائیوں سے بچانے کی قوت پیدا کرتی ہے اور میں محبت کا دعویٰ کرتا رہوں اور فرمانبردار نہ ہوں تو یہ محبت مطلوبہ نہیں۔ تو اللہ کی عظمت بھی پیدا ہوتی ہے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے نتیجے کے طور پر اور ذکر کو اس میں بڑا دخل ہے۔ جتنے دھیان اور فکر کے ساتھ ذکر ہوگا، اُتنی ہی معرفت پیدا ہوگی اور معین کے طور پر اہل اللہ کی صحبت ہے۔ یہ دونوں ہو جائیں تو اللہ کی عظمت اور محبت دونوں دِل میں آجائیں۔

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ”جیسے کسی پھول کا نام لینے سے اُس پھول کی جملہ صفات آجاتی ہیں تو اللہ کا نام لینے سے اس کی پوری صفات کیوں سامنے نہیں آتیں“۔ اللہ کا نام لے لیکن نہ تو اس کی کبریائی ذہن میں آئے نہ عطا ذہن میں آئے۔ اللہ کے ننانوے نام ہیں۔ اس کو پڑھتے رہا کرو۔ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ۔ اسماء میں اثرات ہوتے ہیں جیسے کہ میں اس مجلس میں اسرار کہوں تو اسرار متوجہ ہو جائے، زید کہوں تو زید متوجہ ہو جائے تو بعض اسماء ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی طاقت نہیں ہوتی۔ یہ جو بعض لوگ پگلے ہو جاتے ہیں تو کیوں ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے نام میں خرابی نہیں بلکہ ان میں خود کمزوری ہے تو اللہ کی ہر صفت ایک بے انتہا خزانہ ہے۔

اسباب زوالِ اُمت

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (22 فروری 1964ء بعد از نمازِ عصر بروزِ ہفتہ)

اقسامِ غفلت

اُمت کے زوال کے اسباب کیا ہیں؟ اللہ میاں کو بھولے تو خدا نے بھلا دیا۔ غفلت ایک قسم کی نہیں ہوتی بلکہ اس کی مختلف اقسام ہیں۔ پوری شریعت اور پورے دین کا حاصل یہ ہے کہ انسان خداوند قدوس کی ذات میں ظاہری اور باطنی طور پر مشغول رہے۔ احکام حقیقت میں شغل فی اللہ کے لیے دیئے گئے ہیں کہ انسان اللہ کی ذات میں مشغول رہے۔ اسی بنا پر احکام کی دو نوعیتیں ہیں۔

۱۔ وہ احکام جن میں کسی چیز سے روکا گیا، ان کو نواہی اور معصیت کہتے ہیں۔

۲۔ اور جن میں کسی کام کے کرنے کا حکم ہو، ان کو اوامر کہتے ہیں۔

نواہی میں پڑ کر انسان ایسی چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے جو بالذات یا بالواسطہ اللہ سے غافل کر دیتی ہیں۔ جتنے بھی منکرات ہیں یا جتنی بھی خواہشیں ہیں، یہ سب حجابات ہیں اور اللہ کی ذات سے انسان کو کاٹ کر غیر میں مشغول کر دیتی ہیں۔ اب ان میں مدارج ہیں۔ بعض منکرات اقبح یعنی بہت زیادہ خراب اور بعض قبیح ہیں۔ منکرات یا گناہ جتنے شدید ہوں گے، اُسی قدر اُن کی ظلمت اور سیاہی دِل پر گہری آئے گی۔ اسی مفہوم کو قرآن نے بھی بیان کیا ہے اور حدیث میں بھی آیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ”كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾“ (المطففین ۸۳:۱۴) (ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کے دِلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے)۔ حدیث میں ہے انسان گناہ کرتا ہے اور اُس کے دِل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ یہ سیاہ نقطہ حقیقت میں وہ حجاب ہے جو خداوند قدوس اور بندے کے درمیان حائل ہو جائے۔ اگر

بندہ توبہ کرے تو یہ نقطہ دُھل جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ توبہ کہتے ہی اللہ کی طرف لوٹنے اور رجوع کرنے کو تو جب انسان گناہ سے مغفرت چاہ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو گا تو اسی توجہ پر خداوند قدوس غفلت کو دُور کر کے اس گناہ کے اثرات مٹا دیں گے اور وہ حجاب جو اللہ اور بندے کے درمیان گناہ کی وجہ سے ہوا ہے وہ دُور ہو جائے گا۔ اگر انسان گناہ کرتا جائے اور توبہ نہ کرے تو یہ گناہ زنگار کی طرح تمام دِل کو سیاہ اور زنگ آلود کر دیتے ہیں۔ اگر ایسی حالت میں موت واقع ہو گئی تو قیامت میں خداوند قدوس کا دیدار تک نصیب نہ ہو گا اس لیے بعض عارفین نے اس آیت کو قرآن کی سب سے سخت آیت کہا ہے: ”كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝١٥“۔ (سورۃ المطففین: ۱۵،۸۴) (ہرگز ایسا نہیں یہ لوگ اس روز (ایک تو) اپنے رب کا (دیدار دیکھنے) سے روک دیئے جائیں گے۔) اس کو گناہوں کی وجہ سے جو حجاب آتا ہے وہ اِتنا موٹا ہو جاتا ہے کہ خداوند کریم کے دیدار تک سے مانع ہو اور ایک طالب کے لیے اس سے بڑھ کر عذاب کیا ہو کہ خدا کو نہ دیکھے۔ بہر حال نواہی اور جملہ گناہ حجابات ہیں اور یہ حجابات اللہ کی ذات سے غافل کرنے والے ہیں۔ اس کے مقابل میں جتنے اوامر اور احکام دیئے گئے ہیں۔

دھیانِ رب

تو ہر حکم کی حقیقت اللہ کی ذات کی طرف اُس عمل کے اختیار کرنے کے ذریعے سے متوجہ ہوتی ہے۔ ہر امر کی حقیقت ہی یہی ہے کہ انسان رضائے الٰہی کے لیے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے بجالائے۔ جب اس حیثیت سے انسان کسی عمل کو اختیار کرے گا تو اس امر میں یقیناً انسان اللہ کی طرف مشغول رہے گا۔ یہ مشغولیت کم یا زیادہ ہو سکتی ہے لیکن بہر حال جب تک انسان اللہ کے حکم کی بجا آوری کرتا رہے گا۔ وہ اللہ کی طرف متوجہ سمجھا جائے گا۔ باقی یہ توجہ تام تب کہلائے گی، جب انسان دھیانِ رب کے ساتھ

کوئی عمل کرے۔ دھیانِ رب عمل کی جان ہے۔ اس کو احسان کی کیفیت کہتے ہیں۔ اسی لیے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ“ بغیر حضورِ قلب کے کوئی نماز کامل نہیں ہوتی۔ یہاں نماز میں اصلاً حکم دیا گیا ہے لیکن ضمناً جملہ احکام میں اس کی ضرورت ہوگی جیسا کہ احادیث احتساب سے معلوم ہوتا ہے یعنی جب احادیث میں اعمال کی قیمتوں اور ایمان کی مغیبات کے ساتھ عمل کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ ”من قام شهر رمضان ایمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه“۔ (رواہ البخاری عن اَبی ہریرۃؓ، مشکوۃ: حدیث نمبر ۱۲۹۶، اَخرجہ مسلم: حدیث ۷۵۹) (جو رمضان کے مہینے میں ایمان اور ثواب کا خیال کرتے ہوئے (عبادت کے لیے) کھڑا رہے تو اس کے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔) ہر عمل کی جان اللہ کی رضا کے ساتھ اُس عمل کے وقت اللہ کو حاضر وناظر جان کر سمجھ کر کرنا ہے جیسے مزدور اپنے آقا کے سامنے کام توجہ سے کرتا ہے جیسے بچہ استاد کو سبق سناتا ہے تو سبق سناتے ہوئے اُس کو پورا دھیان ہوتا ہے کہ استاد سُن رہے ہیں۔ یہی ہی اُس کا طرزِ عمل ہونا چاہیے۔

اِس سے بڑھ کر اور کیا میرے لیے انعام ہے
آپ خود سنتے ہیں آکر جو میرا پیغام ہے
وہ اپنے کانوں سے سنتے ہیں میرے نالوں کو
وہ طرز نالہ ہو جو اُن کو بے قرار کرے

نعمائے الٰہی کا حصول

بہر حال حاصل اِتنا ہی ہے کہ اوامر کی جان اللہ کا دھیان ہے اور اللہ کا دھیان اللہ میں مشغولیت کو کہتے ہیں تو اوامر اور منہیات دونوں کا حاصل یہ ہوا کہ انسان غیر اللہ سے بچا رہے۔ اب اگر افراد میں یہ نوعیت ہوگی تو افراد اللہ کے انعامات سے نوازے جائیں گے اور اُمت میں

ہو گی تو اُمت نوازی جائے گی۔ جتنا بھی اُمت اُن احکامات کو اپنانے والی ہو گی، اللہ کے انعامات سے نوازی جائے گی اور توڑنے والی بنے گی تو انعامات سے دُور رہے گی۔ اس اُمت کا معاملہ اللہ سے خاص ہے۔ اچھی نوعیت پر آئے گی تو نوازی جائے گی تو اس اُمت کی ترقی اور تنزل کے اسباب دوسری اُمتوں (کی طرح نہیں ہیں) سے مغائر ہیں۔ دوسری قومیں گناہوں میں مشغول ہو کر بھی دنیا میں ترقی کر سکتی ہے۔ جوتی کو گند لگ جائے تو پرواہ نہیں ہوتی اور ہمارے خان کی ٹوپی کو ذرا سی کالک لگ جائے تو فوراً صاف کر دیں۔ ہماری ترقی کی راہ وہ اللہ کی ذات میں مشغولیت ہے اللہ کے احکام میں پابندی کے ساتھ۔ تو قرآن کہتا ہے۔ ”وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ“ (الاعراف ۷:۹۶) (اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور پرہیز گار ہو جاتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔) اور دوسری آیت کا مطلب یہ ہے: ”وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص“ (النور ۲۴:۵۵) جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا اُن سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا)۔

اسبابِ زوال

تو ہمارا معاملہ اوروں جیسا نہیں ہے۔ اللہ سے معاملہ درست کرو تو ترقی حاصل ہو جائے گی اور اگر اللہ سے بگاڑ لو گے تو دوسروں کے جوتے چاٹتے رہو گے اور اگر امہال کے طور پر اس دنیا کی عارضی ترقی حاصل بھی ہو جائے گی تو آخرت میں پٹائی ہو گی۔ اُمت جب تک دین پر رہے گی تو امامت کے مقام پر ہو گی اور دین کو چھوڑ دے تو غیروں کی تابع ہو گی۔ اس وقت ہم تابع کیوں ہیں؟ اس لیے کہ ہم نے دین کو چھوڑ دیا۔ اگر ہم اللہ والے ہو گئے اور اللہ کی ذات کے ساتھ کوئی نہیں ٹکرا سکتا۔ اس اُمت کے ساتھ بھی نہیں ٹکرا سکتا لیکن جب یہ چیز

نہ ہو تو یہ اُمت من حیث الاُمت ختم ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہماری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ اعمال اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔ اُن کا معاملہ صفات کے ساتھ ہے۔ بس دین کی قیادت کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے خدا کے احکام۔ ہدایاتِ الٰہیہ جن کے پاس ہوں اُن کے پاس خدائی تعلق ہے۔ باقی مخلوق کا تعلق وہ اگر اپنائیں گے تو مخلوق میں بڑھیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: ”اَعَزَّنَا اللہ بالاسلام فمهما ابتغينا العزة في غيره أذلنا الله“ خدا نے ہمیں اسلام کی وجہ سے عزت دی۔ اگر ہم اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز میں اپنی عزت جانیں گے تو اللہ ہم کو ذلیل کر دیں گے۔ یہ حضرت عمرؓ کے اُس وقت کے الفاظ ہیں جبکہ آپؓ بیت المقدس کی فتح کے لیے جا رہے تھے تو جابیہ کے مقام پر یہ الفاظ کہے۔ کوئی اُمت کے زوال کے اسباب کیا گر دانے اور کوئی کیا۔ اور ہم یہ کہیں کہ اُوپر والے کو چھوڑا اور نیچے آ گئے۔ تو کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ذرے کے نیچے ڈالا۔ ایٹم کے آگے اس کو جھکا دیا۔ بنی اسرائیل پر تو پہاڑ کو اُٹھایا تھا اور یہاں یہ ذرے سے کانپ رہے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اور دنیا

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (25 فروری 1964ء بعد از نمازِ عصر بروزِ منگل)

دُنیا کو دین بنانے کا عمل

انسان دنیا میں آیا ہے، دنیا میں زندگی گزارتا ہے اور انبیاء علیہم السلام تو دنیا کو دین بناتے ہیں۔

مُشت خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

(عشق کی برکت سے مٹھی بھر خاک نے آسمانوں کی سیر کی۔ پہاڑ میں رقص اور چالاکی آگئی۔)

مِس خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دِکھایا

تو کیمیا گر تانبے کو سونا بناتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام دنیا کو دین بناتے ہیں تو دنیا نام ہے اُن دنیاوی اشیاء اور اعمال کا جو انسان کے نفس کے تحت خدا کے احکام کے خلاف استعمال ہو۔ اشیاء کا استعمال اگر چاہت نفس کے تحت ہو تو وہ دنیا ہے اور اگر اشیاء کا استعمال جسے قرآن کی اصطلاح میں ”ھوٰی“ کہتے ہیں کے تحت ہے تو وہ دنیا ہے۔ اگر چاہت نفس کے لیے نہیں اور اللہ کے لیے ہے تو اُسے ”ھُدٰی“ کہتے ہیں۔

”لَا“ کی نفی سے چاہت نفس کو ختم کرو اور ”اِلَّا اللّٰہ“ کے اثبات سے چیزوں کا استعمال کرو تو وہ دین ہے۔ اگر ہمیں کہہ دیا کہ دنیا سے نکل جاؤ تو کہاں جائیں گے۔ دنیا میں رہتے ہوئے چاہت نفس سے نکلنا دین ہے۔ تیرا دین تیرے اندر ہے، تیری دنیا تیرے اندر

ہے۔ اگر تُو اپنی چاہت نفس کا تابع ہے تو تُو دنیادار ہے اور اگر چاہت نفس کا تابع نہیں تو دیندار ہے۔ تمام دنیا سر پر اُٹھائی ہو لیکن چاہت نفس سے نہیں بلکہ رضائے رب کے لیے ہے تو یہ دین ہے اور اگر ایک ذرہ تمہارے پاس ہے لیکن چاہت نفس کے لیے ہے، رضائے رب کے لیے نہیں تو تم دنیادار ہو اور اس سے بھی ایک قدم آگے کہتا ہوں کہ بالکل قلاش ہے پھوٹی کوڑی بھی نہیں لیکن دل میں دنیا بھری ہوئی ہے کہ فلاں سے مل جائے، حرام سے مل جائے، دنیا کا طالب ہے تو وہ دنیادار ہے اور اگر سونے کے تختوں پر بیٹھا ہوا ہے یا یوں کہیے کہ حکومت کے تخت پر ہو، جاہ و جلال ہو، دنیا قدموں میں ہو لیکن دل دنیا کا طالب نہ ہو بلکہ اللہ کا طالب ہو اور چیزوں کا استعمال اللہ کے حکم سے ہو تو وہ دنیادار نہیں بلکہ دیندار ہے۔ اسی طرح اگر پاس کچھ بھی نہیں، نہ زکوٰۃ دے سکتا ہے، نہ حج کر سکتا ہے، پاس کچھ بھی نہیں لیکن حقیقتاً اللہ کا طالب ہے تو وہ دیندار ہے، اللہ کا ولی ہے اور اگر یوں کہیں تو جائز ہے:

گر چہ ما قلاش و گر دیوانہ ایم
مستِ آن ساقی و آن پیمانہ ایم

(خواہ میرے پاس نہ مال ہے اور نہ عقل لیکن مجھے ساقیٔ کوثر پر فخر اور اس کی محبت ضرور موجود ہے۔)

فقیر کون

اصل بات یہ ہے کہ دین اور انبیاء علیہم السلام انسان کو خارجی چیزوں کا پابند اور محتاج نہیں کرتے۔ وہ انسان کو اپنی ذات کی داخلی اور خارجی چیزوں کے ساتھ معاملہ سکھاتے ہیں۔ کچھ بھی نہ ہو تو باخدا ہو سکتا ہے اور سب کچھ ہو تو باخدا ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی نہ ہو تو بے خدا ہو سکتا ہے اور سب کچھ ساتھ ہو تو بے خدا ہو سکتا ہے۔ انسان کو اس کی نیت اور اعمال باخدا اور بے خدا بناتا ہے۔ اگر طالب دنیا ہے اور دنیا سے مراد اللہ سے غفلت والی چیز ہے۔ سامان آرائش اور زیبائش نہیں، لوگوں نے ناس کیا فقیری کا، چلے کھینچ لو، بیوی کو طلاق دے

دو، جنگل میں بیٹھو گے تو فقیر بن جاؤ گے۔ ہمارے لیے تو حضور ﷺ نمونہ ہیں جس نے فرمایا: فقیری میرے لیے فخر ہے، فقیر غیروں سے بے نیاز ہو کر اللہ کا نیاز مند ہو جانا ہے اور اگر کسی کی نگاہ اللہ کی طرف نہ جاتی ہو بلکہ غیر خدا پر ہو تو فقیر نہیں، چاہے اپنے کو ہزار دفعہ کہہ دے۔ فقیر تو وہی ہے جو اپنے کو ایک داتا کا محتاج سمجھے۔

مسلمان فقر و سلطانی ضمیرش باقی وفانی بہم کرد
ولیکن الامان از عصر حاضر کہ سلطانی و شیطانی بہم کرد

آن مسلمانان کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

(مسلمانوں نے فقر و سلطانی کو یکساں کر دیا، ضمیر کی آواز کو دبایا نہیں اگرچہ دنیوی سازوسامان موجود نہ ہو لیکن موجودہ دَور سے پناہ مانگنا چاہیئے کہ اُس نے حکومت کو شیطان کا آلہ کار بنایا۔)

کامیابی کا معیار اور احکامِ الٰہی

اسلامیہ کالج مسجد پشاور یونیورسٹی (25 فروری 1964ء بعد از نمازِ مغرب بروزِ منگل)

اصل کامیابی:

اللہ تعالیٰ کی عطا کسی خاص قوم، علاقے، شکل و صورت اور مال و دولت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ جس پر بھی چاہیں، جیسے چاہیں، جب چاہیں، فضل فرمادیں اور اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل دین کا نواز دینا ہے، ایمان عطا کرنا ہے اور حضور ﷺ کے طریقے پر ڈالنا ہے۔ انعامات بہت زیادہ ہیں لیکن سب سے بڑا انعام دین ہے۔ کامیابی سونے چاندی اور جواہرات کا نام نہیں بلکہ اللہ کے تعلق کا نام ہے اور جو اللہ والا نہیں وہ ناکام ہے۔ جیسے کسی کو کلوروفارم کا انجکشن لگا دیا جائے یا کلوروفارم سنگھایا جائے، اُس کو کچھ بھی کیا جائے لیکن خبر نہ ہوگی لیکن جب ہوش میں آجائے تو پتہ لگے گا۔ تو کامیابی کا معیار کوئی کسی چیز کو قرار دے اور کوئی کسی چیز کو لیکن انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه“ اللہ والا کامیاب اور جو اللہ والا نہیں وہ ناکام۔ یہ اُمت اس لیے نہیں آئی تھی کہ یہ دنیا کو بنیاد بنا کر، مقصود اور محبوب بنا کر کفار کو اپنا مقتدا بنا کر اُن کے پیچھے چلنے والی بنے گی۔ جن طبقات اور جن گروہوں نے اللہ سے منہ موڑ لیا اور غیروں کے پیچھے چلے، اللہ کی قسم! انہوں نے اللہ کا حق ادا نہیں کیا۔ ظالم ہیں وہ لوگ جو حبیب پاک ﷺ کا طریقہ چھوڑ رہے ہیں اور غیروں کے پیچھے چل رہے ہیں۔ سوچو کہ تمام کے تمام لوگ ایک میدان میں کھڑے ہوں اور حضور ﷺ آجائیں اور آواز دیں ”هَلُمُّوْا اِلَيَّ“ میری طرف آؤ اور دوسری طرف کینیڈی، خروشیف اور تمام گمراہ کھڑے ہوں کہ آؤ ہماری طرف تو بتاؤ کہ کامیاب کون ہوگا۔ جو ان دجاجلہ کے پاس چلے گا وہ کامیاب ہوگا یا جو حضور ﷺ کی طرف چلنے والا ہوگا تو حضور ﷺ کو چھوڑ کر

دوسروں کے پیچھے چلے وہ اللہ والا ہو سکتا ہے؟ آج ہم کہتے ہیں کہ ہم ہیں اُمتی محمد ﷺ کے اور اُمتی مقتدی سے امام کا زیادہ تابعدار ہوتا ہے۔ جب تک آپ ایمان میں ہوں گے تو محمد ﷺ کی اُمت میں ہونے سے اتباع نبوت میں فرق نہیں آسکتا اور میں تو یوں کہوں کہ آپ حضور ﷺ کی ہدایت کو اپناتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر چلتے ہیں تو آپ ہدایت پر رہتے ہیں گمراہ نہیں ہوں گے تو آج ہَوا ایسی چلی ہے کہ ہم محمد ﷺ کے ہوتے ہوئے اور باخدا ہوتے ہوئے بھی غیروں کے طریقوں پر چل دیتے ہیں۔ کہتے ہیں ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ'' لیکن جب اطاعت کا وقت آجاتا ہے تو نہ جانے کس کس کے پیچھے چلتے ہیں۔ توحید یہ ہے کہ خدا کے حکم کے بغیر دوسروں کے حکم پر چلنے والے نہ ہوں۔ ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' دن میں کم از کم بیس مرتبہ پڑھتے ہیں، فرائض اور واجب نمازوں میں کہ تیری بندگی کرینگے، غیر کی نہیں کرینگے، لیکن پھر بھی کرتے ہیں، دیکھو درخت کا تنا ایک ہوتا ہے اور شاخیں مختلف ہوتی ہیں، غیر اللہ کی بندگی کیلئے آپ چاہے کسی کی بندگی اختیار کرلیں، تو وہ آپکے درخت نفس کے تنے کا طریقہ ہوگا۔

خود را کنم سجودے دیر و حرم نماند

انسان اپنے کو معبود بناتا ہے چاہے اس کو سمجھے یا نہ سمجھے، سعدی نے فرمایا ہے:

سعید یا گر بت شکستی خوش مباش

خود پرستی ہیچ گاہے کم تراز اصنام نیست

(اے سعدی! اگر تُو نے باہر کے بتوں کو توڑا تو اس پر نازاں نہ ہوں کیونکہ نفس پرستی بتوں کے پرستش سے کچھ کم درجہ نہیں رکھتی۔)

کلمہ کا مطلب

تو سب سے پہلے انسان جب ''لَآ اِلٰهَ'' کہے تو اس چیز کی بھی نفی کرے، کہ اس کے

بعد میں اپنی خواہش نفس پر نہیں چلوں گا، کسی کی نہیں مانونگا، ''اِلَّا اللّٰہُ'' صرف خدا کی مانوں گا، بھنور میں جب انسان پھنس جائے، تو ساحل پر نہیں پہنچتا، اسی طرح گرداب نفس میں جو پھنس گیا، اور اپنے آپ کو نہ نکالا، وہ کامیابی پر نہیں پہنچتا۔۔ جو میرا نفس کہے میں پہلے یوں کہوں کہ خدا کیا کہتا ہے مجھے وحی نہیں آئے گی، خداوند قدوس سے بالذات بات نہیں کہہ سکتے، قرآن بھی بالذات ہدایت نہیں دیتا، ہدایت کو اپنانا چاہو، تو محمد ﷺ کو اپناؤ۔ آپ کے طریقے کو جانو، آپ کے حلال کو حلال سمجھو، اور اگر آپ کا طریقہ اختیار نہیں کیا، تو ہدایت نہیں ملے گی، قرآن میں آتا ہے ''یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا ط ''(البقرۃ:۲،۲۶) ((اس طرح) اللہ اس مثال سے بہت لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے۔) یہاں بلب ہے، جس میں شو لگاتے ہیں، اب اگر بجلی سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو، تو کیا اس میں بلب کے بجائے انگلیاں دو گے، انگلیاں دو گے تو ختم ہو جاؤ گے تو اسی طرح قرآن کریم کے انوارات خدا کی ذات والے انوارات ہیں، سورج کو دیکھنا چاہو، تو آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ اس کو اندھے شیشے سے دیکھو گے تو قرآن کو دیکھنا چاہو گے تو حضور ﷺ کے طریقے کو اپناؤ گے، نہیں تو گمراہ ہو جاؤ گے اور وہ لال بجھکڑ والی بات ہو گی۔ ایک ہاتھی ایک گاؤں سے گزرا۔ گاؤں والوں نے ہاتھی کو دیکھا نہیں تھا۔ چلے لال بجھکڑ کے پاس تو وہ جو آیا تو کہا کہ اے عقلمندو! اِتنا بھی نہیں جانتے۔ کہا کہ لال بجھکڑ بوجھ گئے۔

پاؤں میں چکّی باندھے کوئی ھرنا کودا آئے ہے

تو کوئی پرویز صاحب آجاتے ہیں اور کوئی عطاء اللہ بابوی ہوتا ہے جو کتے کو حلال کہتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے، وجہ کیا ہے؟ کہ قرآن کو حضور ﷺ کے طریقے پر نہیں لیتے اور قرآن کھلتا نہیں حضور ﷺ کے طریقے کے بغیر۔

بہ مصطفیٰ برسان خویش را کہ دین ہمہ اوست

وگر با او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

(حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی راہ اختیار کر اگر ایسا نہیں تو باقی سارے راستے بولہبی (شیطانی) ہیں۔)

چاہتِ نفس

تو انسان جب اپنے نفس کی رضا پر چلتا ہے تو کبھی کسی کی بات مانتا ہے اور کبھی کسی کی مانتا ہے۔ بس اپنے نفس کی نہ مانو۔ میں اپنی بات کو مختصر کر کے کہتا ہوں کہ قرآن میں دو لفظ آتے ہیں۔ ایک ''ھدٰی'' اور دوسرا ''ھوٰی'' اور دین کسے کہتے ہیں۔ ترک ''ھوٰی'' اور اختیار ''ھدٰی''۔ چاہے بدن پر چھری چلے اور گردن اُڑا دی جائے۔ آج تو ہماری مثال پت جھڑ کے پتوں کی طرح ہے جو ہَوا میں اُڑتے چلتے ہیں اور اگر وہ سبز ہوں تو کیا ایسے اُڑتے چلے جائیں گے؟ اگر ہمارا رابطہ خدا سے مضبوط ہوتا، حضور ﷺ سے مضبوط ہوتا تو ہم مغرب اور یورپ کی ہَوا میں ایسے اُڑتے؟ بقول اقبال!

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

تعلق مع اللہ

اگر ہم حق والے ہوں تو ہم اپنے انداز سے نہ ہٹیں۔ دین حق ہے محمد ﷺ کا طریقہ حق ہے تو ہم حق سے کیوں بھاگیں تو تبلیغ کے نام سے جو بات کہی جا رہی ہے یہی بات کہی جا رہی ہے کہ اللہ کے تعلق اور محمد ﷺ کے طریقے کو نہ چھوڑو۔ اس رَسّی کو مضبوطی سے پکڑو۔ کوئی تم کو نہیں بچا سکتا۔ نہ یورپ بچا سکتا ہے اور نہ امریکہ۔ آپ کے لیے موٹی بات کہی جاتی ہے۔ باخدا بننے کے لیے کتنے سال لگیں گے۔ بی۔ اے کرنے کے لیے کتنے سال لگتے

ہیں۔ وہ ایک پروفیسر ہیں، ہمارے ہاں آتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دُعا کرو کہ سی۔ ایس۔ پی بن جاؤں۔ نام کے ساتھ تین الفاظ لگ جائیں تو باخدا بننے کے لیے کتنا وقت لگ جائے گا۔ آخر اس کے لیے بھی کچھ چاہیے۔ ان ڈاکٹروں کے ساتھ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس دو نام ہوتے ہیں تو کتنے سال لگیں گے۔

اگر آپ کے پاس نئی موٹر ہو اور اس میں آپ چلیں اور آگے آئے گا پہاڑ اور اُس پر سڑک نہیں تو کیا وہاں تمہاری موٹر کام آئے گی۔ نہیں آئے گی۔ بی۔ اے والے انجینئرنگ والے، ان کی ڈگریاں بھی موت تک کام آئیں گی۔ موت کے بعد کام نہیں آسکتیں۔ اس کے لیے دین کی ڈگری کام آئے گی تو اس کے لیے کچھ وقت لگالو۔ دِل جلوں کے پاس بیٹھ جاؤ تو لگتے لگتے لگ جائے گی۔ دِل جلوں کے پاس بیٹھو گے تو خود سلگتے جاؤ گے۔ تو یہاں بھی کام ہوتا ہے اور پہلے تو ہمارا کام گنج علی خان میں ہوتا تھا اور اب خواجہ معروف کی مسجد میں جمعرات کے دن شبِ جمعہ کو بات ہوتی ہے، وہاں چلے چلو۔

قرآن کریم ایک دائمی لائحہ عمل

اگریکلچر کالج ہال (28 فروری 1964ء، بروزِ جمعہ، وقت 8 بجے صبح)

طرزِ فکر کی تبدیلی

میرے عزیز اساتذہ کرام اور طالب علمو! ہمارا عقیدہ ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اس کے بعد وحی بند ہوگئی اور جس طرح ہمارے نبی ﷺ خاتم النبیین ہیں، اسی طرح قرآن خاتم الکتب ہے۔ اب ہدایت کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ بات کہنے کے لحاظ سے تو آسان ہے لیکن دعویٰ بہت بڑا ہے۔ خداوند قدوس اپنی عنایات کو کامل کرنے کے لیے اپنی کتابوں کو بھیجا کرتا تھا۔ اب اور کتابوں کا آنا بند ہوگیا تو نتیجہ یہی نکلا کہ خداوند قدوس انسانوں کو دینا نہیں چاہتے۔ دوستو! قرآن کریم کو خاتم الکتب ماننا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ قرآن اُن تمام ہدایات کو شامل ہے۔ زمانے بدلتے جائیں اور انسان سوچ سوچ کر نئی نئی ضروریات کو پیدا کرتا جائے۔ اُن تمام ضروریات کے لیے ہدایات موجود ہیں۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ زمانہ آگے بڑھ گیا۔ اب Atomic اور Age of space ہیں اور کیا کیا ہے۔ اس بڑھتے ہوئے زمانے میں ہمیں اب پورے دین کو دیکھنا چاہیے کہ آیا ہمارا دین موجود زمانے کے ساتھ چل سکتا ہے۔ اب انسان ستاروں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چاند پر کمند ڈال رہا ہے، تو کیا ہمارے لیے یہ آسمانی کتاب کافی ہے؟ آج پورا کا پورا عالم صرف ہندو پاکستان نہیں، یورپ نہیں بلکہ عرب ممالک کو دیکھو تو وہ قرآن کو اِس نظریے پر سوچتا ہے جو یورپ کا طرزِ فکر ہے۔ ہمارا طرزِ فکر دین کے بارے میں اپنا طرزِ فکر نہیں رہا۔ خواہ وہ بدھ مت والے ہیں اور خواہ وہ کون سے ہیں۔ تمام اپنے مذاہب کو یورپ کے نظریے سے سوچتے ہیں۔ اب جب یورپ کے طرزِ فکر سے سوچتا ہے تو مذہب سے بیزار نظر آتا ہے اور یہ خیال نہیں کرتا کہ مغرب نے اگر سوچا تو اپنی بگڑی ہوئی عیسائیت کے بارے میں سوچا جو کہ

زمانے کے آگے چل نہیں سکتا۔ چودھویں صدی میں جبکہ اُس نے سوچا اور اسلام کو تو سوچ نہیں سکتے تھے۔ ایسا نظریہ تھا کہ دشمنی کے سِوا اسلام کے متعلق وہ سوچ نہیں سکتے تھے۔ ابھی ۱۹۵۷ء کی بات ہے۔ میں آسٹریا گیا تو وہاں کے لوگوں نے کہا کہ آج تک ہمارے عیسائی گرجوں میں صلاح الدین ایوبی پر لعنت بھیجی جا رہی ہے۔ چونکہ عیسائیت اصلاً باقی نہیں رہی کیونکہ وہ تو ان کے مذہبی رہنماؤں نے بگاڑ دی۔ چنانچہ انہوں نے یہ سوچ لیا کہ مذہب اُس زمانے کی ترقیات کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا اور ان کے ہاں شروع سے یہ بات چلی آرہی تھی کہ قیصر کا حصہ قیصر کو دو اور خدا کا حصہ خدا کو دو یعنی شروع ہی سے ان کے ہاں مذہب اور دنیا الگ الگ چیز تھی۔

اس زمانے میں ان کے کیریکٹر (Character) کو اگر دیکھا جائے تو اللہ کے لیے جگہ نہیں رہی۔ روس والوں نے تو کھل کر کہا اور باقی اگر قولاً نہیں تو عملی حیثیت سے بالکل آزاد ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہاں گرجے نہیں ہیں مگر وہ آزاد ہو کر سوچتے ہیں۔ مذہب کے دائرے سے نہیں سوچتے۔

وحی اور فکرِ انسانی

ہمیں جو کتاب دی گئی تھی وہ دائمی ہے، ابدی ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے۔ اب اگر یہ کہیں کہ زمانہ آگے بڑھ گیا اور مذہب اُس کا ساتھ نہیں دے سکتا تو قرآن پہلے ہی کہہ چکا ہے: ”اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ“۔ (فاطر ۳۵:۲۴)، ”وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ع “۔ (الرعد ۱۳:۷) ہر ایک قوم کو ڈرانے والا آیا، ہدایت والا آیا لیکن وہ کسی خاص قوم اور علاقے کے لیے تھے اور کسی نبی اور کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا ماسوائے قرآن کے جس نے یہ دعویٰ کیا۔ جہاں انسانی عقل کی پرواز نہیں پہنچ سکتی۔ وہاں سے مذہب کا دائرہ شروع ہوتا ہے۔ فرمایا گیا: ”وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا“ (النساء ۴:۱۱۳) (اور آپ کو

وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔) یہ خدا کی کتاب ہے اور خدا کا تعلق صرف ماضی کے ساتھ نہیں، اس کا تعلق مستقبل کے ساتھ بھی ہے۔ انسان بھی منصوبہ بندی کرتا ہے۔ پانچ سال کا پلان بنایا کرتا ہے لیکن انسان کی منصوبہ بندی اندھیرے کا تیر ہے۔ میں یوں کہتا ہوں کہ پوری دنیا کے انسان اکٹھے ہو جائیں اور وہ سوچ لیں کہ کل ہم نے یہ کرنا ہے اور اس زمانے کا ایک سب سے بڑا انسان ظاہر کے لحاظ سے نہ جانے کس ارادے سے جا رہا ہے۔ بیوی سے ہنس رہا ہے اور سی۔ آئی۔ اے ساتھ ہے لیکن ایک منٹ میں گولی آتی ہے اور ختم ہو تا ہے۔

قدیم اور جدید

انسان اگر کوئی طریقہ کار مقرر کرے گا تو وہ زمانے کے تغیر کے لحاظ سے بدل جاتا ہے۔ آج کا ہر ایک جدید کل کا قدیم ہے۔ جدید اور قدیم ایک اضافی چیز ہے۔ دوستو! ہر جدید قدیم ہو جایا کرتا ہے تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انسان کے لحاظ سے تو قدیم و جدید چل سکتا ہے لیکن اللہ کے لحاظ سے قدیم و جدید کوئی چیز نہیں۔ وہ اول سے بھی جانتا ہے اور اب بھی وہی علم رکھتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا جبکہ ایسا ذہین طبقہ پیدا ہو جائے گا اور اس کے افراد پر یورپ کا استیلاء ہو جائے گا اور ایسی تیز رفتار چیزیں پیدا ہو جائیں گی۔ تو دوستو! اگر ہم یہ کہیں کہ اللہ نہیں جانتا تھا تو مسلمان کی حیثیت سے بہت بُری بات ہے۔

ہمارے نبی ﷺ آئے، ایک زمانہ ایسا تھا کہ لوگ یہ دیکھ رہے تھے کہ حضور ﷺ سوئے یعنی رحلت فرما گئے تو کیسے صدمہ لگا، تو کیسے آیا؟ اور وہاں تو یہ بات ہے Encyclopaedia Britanica میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود تھا بھی یا نہیں۔ موجودہ انجیل جو ہے وہ اصل کتاب ہے بھی کہ نہیں؟ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہمارے آقا ﷺ کا زمانہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور اس سے پہلے ایسی کوئی کتاب نہیں

آئی تو اس کی باتکو اُس کی قوم جان لیتی ہے۔ ہر قوم مقابلہ کرتی ہے۔ یہ جو اُمت اور نبوت کا ٹکراؤ ہوتا ہے اس لیے ہوتا ہے کہ نبی بدلتے نہیں وہ اوروں کو بدلتا ہے۔ جو اُن سے ٹکراتے ہیں وہ اُن کو دعوت دیتا ہے اور ان کی زندگی میں انقلاب لانا چاہتا ہے۔ نبی سب سے بڑا انقلابی ہوتا ہے۔ وہ ذہنوں، دِلوں اور زندگی کے ہر عمل میں انقلاب لانا چاہتا ہے۔

متابعتِ حق

بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ قرآن آخری کتاب ہے۔ ابدی کتاب ہے، اس کی باتیں ہر زمانے کے لیے ہیں۔ اس وجہ سے اپنے کو بدلو اور قرآن کو نہ بدلو۔ جیسے انگریزی میں کہاوت ہے "Do in Rome as the Romans do" اور عربی میں "دُرمع الدھر کیف دار"۔ زمانے کے ساتھ پھرو جیسے وہ پھرتا ہے اور اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے۔ "دُر مع الحق کیف دار" کہ حق کے ساتھ چلو جیسے وہ چلتا ہے تو دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ قرآن کی حقانیت کے متعلق کہ ہم زمانے کے ساتھ چلنے والے نہیں بلکہ زمانہ ہمارے ساتھ چلے گا۔ اقبال نے کہا:

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

اور فرمایا:

حدیث بے خبراں ہے تو بازمانہ بساز
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

(یہ کسی ناواقف کا کہنا ہے کہ زمانہ کے ساتھ چلو، زمانہ تمہارے ساتھ حق پر نہ چلے تو ایسے لوگوں سے لڑو اور سمجھوتہ اختیار نہ کرنا۔)

جب حضور ﷺ نے دعوت دی تو کیا ہوا، سردارانِ عرب نے کہا کہ ہم تم کو بیوی

دیں گے، فلاں دیں گے اور فلاں دیں گے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کو بھی لاکر رکھ دو گے تو میں اپنے دین سے نہیں ہٹوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ پورے کا پورا نظام تکوینی بھی رکھ دو گے تو میں اپنی بات سے ہلنے والا نہیں۔

دوستو! تم حضور ﷺ کے اُمتی ہو، تم کیسے اپنی بات سے ہٹ سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین

نفس کی مختلف اقسام

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (29 فروری 1964ء بروزِ ہفتہ)

سٹیشنوں کا جاننا ضروری نہیں، پوچھنا ضروری نہیں، مطلب تو منزل پر پہنچنا ہے۔

اقبال نے ایک مقام پر کہا ہے:

منزل عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

(عشق کا راستہ اگرچہ لمبا چوڑا ہے لیکن ہمت ہارنے کی ضرورت نہیں کہ کبھی کبھار ایک آہ سے سو سال کا راستہ طے ہو جاتا ہے۔)

شرعی مجاہدہ

جذبہ:

بعض کے نزدیک اللہ تک پہنچنے کا راستہ سات قدم ہیں اور ہمارے حضرت نے فرمایا: کہ خدا تک پہنچنے کا راستہ دو قدم کا ہے۔ ایک قدم نفس پر رکھو تو دوسرا قدم منزل پر ہو گا۔ چاہتِ نفس چاہتِ نفس نہ رہے، خدائی جذبہ میں بدل جائے۔ ”ھَوٰی“، ”ھدٰی“ میں تبدیل ہو جائے۔ میرا نفس مٹتا ہے تو مٹے لیکن اللہ کی بات چلے اور نبی کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے اور انسان اپنے تقاضوں سے نکل کر اللہ کے رنگ میں رنگ جائے اور قرآن نے ایک مقام پر فرمایا: ”کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ“ رب والے بن جاؤ اور اس کے لیے مجاہدہ شرط کے درجہ میں ہے اور مجاہدہ اس کو نہیں کہتے کہ اپنے کو کیل کے ساتھ دیوار میں ٹھونکو بلکہ احکام پر چلنے کی وجہ سے نفس پر جو گرانی آتی ہے وہ اللہ کے لیے جھیلنا ہے۔ مجاہدہ مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ اس حد تک ضروری ہے کہ انسان اللہ کے احکام پر چلتا رہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”مکارہ“ یعنی تکلیف کے وقت وضو کرنا ثواب کو

بڑھاتا ہے۔ اب ایک شخص نے کہا کہ گو گھر کے اندر گرم پانی موجود ہے لیکن یہ کہ جا کر برف سے ٹھنڈے پانی سے وضو کرے تو اس کو اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ مجاہدہ مقصود بالذات نہیں، تکالیف میں زبردستی نہیں ڈالا جاتا بلکہ انسان کی اصلاح کے لیے شریعت نے جو احکام بتائے ہیں اُن پر چلنے میں طبیعت کو جتنی گرانی، انقباض یا تکلیف پہنچتی رہے، اُن کو جھیلنے کو مجاہدہ کہتے ہیں۔ اس بنیادی بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگ خوامخواہ اپنے کو اذیتیں دیتے ہیں۔

تو نفس کی سرکشی توڑنے کے لیے مجاہدہ کرنا پڑتا ہے لیکن یہاں نفس کُشی مقصود نہیں۔ نفس کَشی مقصود ہے۔ گھوڑے کو مار ڈالو تو منزل پر پہنچو گے کیسے؟ تو اسلام اِتنا کہے کہ جب تقاضا آئے حرام کا تو لگام کو کھینچ کر روک دو۔ اس لیے نفس کُشی حرام ہے۔ اسی طرح جہاد میں چلے جائیں اور ایسے کریں کہ ہاتھ پاؤں پھیلائیں اور قتل کیا جائے تو شہید ہو تو اس لیے قرآن میں آیا ہے۔ ''يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ''۔ (التوبۃ۹: ۱۱۱) پہلے قتل کریں گے، پھر قتل کیے جائیں گے تو مجاہدہ کرنے سے نفس کَشی مقصود ہے۔ کون سی نفس کَشی جو نفس امارہ کو عبدیت اور نیکی کی راہ پر ڈال دے۔ جدھر جی چاہا آنکھ اُٹھا دی، جیسے بے لگام گھوڑا اور یا بے مہار اُونٹ ہوتا ہے کہ جدھر چلا گیا چلا گیا تو جب نفس میں ملامت کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کو کہتے ہیں نفس لوّامہ اور جب نفس بُرائی اور نیکی میں تمیز کرنے لگ جاتا ہے، بُرائی پر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور نیکی میں کچھ فرحت سی آتی ہے تو اس کے بعد نفسِ مسلمہ بن جاتا ہے۔ پھر جب ملامت کی کیفیت پیدا ہو جائے تو انسان جھجکتا ہے اور سلامتی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن
دل بدستِ دگرے دادن و حیران بودن

(عاشقی اور کیا ہے، بس اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرنی ہے۔ دِل (اپنے خواہشات)

اس کے حوالہ کرو اور پھر اس کی قدرت کا نظارہ دیکھو۔)

اسلام کی حقیقت

مسلمان کیا ہے؟ اپنی نہ چلائے لیکن اللہ کی چلائے۔ ہمارا نفس ہے تو مسلمان لیکن پتہ نہیں کہ چلاتا ہے کس کس کی۔ اب جبکہ مسلمہ بن جائے تو پھر نیکی اس کی طبیعت بن جاتی ہے۔ نیکی میں مزا آتا ہے۔ شر سے طبعی انقباض ہوتا ہے تو اُس کو کہتے ہیں نفسِ مطمئنہ۔ پھر یہ اللہ کے دونوں طرح کے حکموں پر راضی ہوتا ہے۔ شرعی احکام پر بھی دِل سے راضی ہو جائے۔ گویا یہ اُس کے نفس کا تقاضا ہو اور تکوینی احکامات کو بھی ایسا سمجھے اور جب یہ مرضیہ ہو جائے تو میاں بھی اس سے خوب راضی ہوتا ہے تو خوب نوازتا ہے اور کہتا ہے کہ چلو ہم بھی تجھ سے راضی ہیں۔

خودی کو کر بلند اِتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

تو فرمایا: وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝۵ (الضحیٰ ۹۳:۵) (عنقریب آپ کا رب تمہیں اِتنا دیں گے کہ تُو راضی ہو جائے)۔ اور جو فرمایا: ”قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠“۔ (البقرۃ ۲:۱۴۴) (بالتحقیق ہم تمہارے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف دیکھنا جانتے ہیں، پس عنقریب ہم پھیر لیں گے تمہارا رُخ اُس قبلہ کی طرف جسے تُو پسند کرتا ہے)[61]۔

[61]۔عن انس: اَنّ الربیع و ھی ابنۃ النّضر کسرت ثنیۃ جاریۃٍ، فطلبوا الأرشَ، و طلبوا العفو فابوا، فأتوا النبیﷺ فأمرھم بالقصاصِ، فقال أنسُ ابنُ النضرِ: أتَکْسَر ثنیۃُ الرّبیعِ یا رسول اللہ؟ لَا والّذی بعثكَ لا تُکسرُ ثنیّتُھا ، فقال یا أنس، کتابُ اللہِ القصاصُ، فرضی القومُ و عَفَوا، فقال النبیُّ ﷺ: اِنَّ من عبادِ اللہ من لَوْ اَقْسَموا علی اللہ لَا بَرَّہٗ، و فی روایۃٍ فَرَضِیَ القومُ و قَبِلُوا الأَرْشَ۔(صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۷۰۳، ص ۶۹۷)

عن ابی ھریرۃؓ اَنَّ رسولَ اللہ ﷺ قال: رُبَّ اشْعَثَ مدفوع بالابواب لو أقسم علی اللہ لابَرّہٗ۔ (صحیح مسلم،

تو ھمی خواھی خدا خواھد چنین
رد نہ دارد حق مراد متقین

(جیسے تو چاہتا ہے خدا کو بھی وہی منظور ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی آرزوؤں کو ٹکراتے نہیں۔)

تو اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ ”قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ“۔ (آل عمران:۳،۳۱)(اے پیغمبر!(لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔) یہ ہوتا ہے محبوبیت کا مقام اور فرمایا حضور ﷺ نے کہ بہت پریشان اور غبار آلود چہروں والے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اُن کی بات رد نہ کرلے۔ گویا یہ باتیں ہیں جن کو کوئی بتادیں یا نہیں بتادیں۔ یہ ہماری ڈور کیوں نہیں پہنچتی ہے میاں کے ہاتھ اس لیے کہ ہم نے میاں سے آنکھیں بند کرلی ہیں اور نفس وشیطان سے نہیں۔

نفس و شیطان زد کریما راہ من
رحمتت باشد شفاعت خواہ من

(اے میرے کریم اللہ! نفس اور شیطان دونوں نے مل کر مجھے بے راہ کر دیا اب تیری رحمت ہی میرے سفارش کا ذریعہ بن سکتی ہے۔)

حدیث نمبر:۶۶۸۲، ص۱۰۸۳، احمد بن حنبلؒ، مشکوٰۃ، حدیث نمبر: ۵۲۳۱، ص ۱۶۱۲) عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ: رُبَّ اشعث أُغبر ذی طمرین تنبوعنہ أعین الناس لوأقسم علی اللہ الابرّہ۔ (المدارك أبی نعیم) رُبَّ ذی طمرین لا یؤبہ لہ لو أقسم علی اللہ لأبرہ۔ البزار عن ابن مسعود۔(جامع الصغیر، ج۲،ص۲۱) عن أنسٍ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ”کم ضعیفٍ متضعَّف ذی طِمرینِ لو أقسم علی اللہ لابَرّ قسمہ، منھم البراءُ بن مالک۔ (تحفۃ الاخیار بترتیب شرح مشکل الأثار تحقیق و ترتیب ابی الحسین خالد محمود الرباط، حدیث نمبر:۳۸۸۰، ج۶، ص۲۳)

مذاہبِ عالم اور اِسلام

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش(29 فروری 1964ء، بعد از نمازِ عصر بروزِ ہفتہ)

ہمارے نزدیک مذاہب کی موٹی موٹی چار قسمیں ہیں۔(۱) مذہب اسلام (۲) آسمانی مذاہب یعنی اہل کتاب۔ وہ مذاہب جو آسمانی مذاہب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ (۳) جاہلی مذاہب اور ان جاہلی مذاہب میں دور حاضرہ کے معاشی اور سیاسی مذاہب شامل ہیں۔ جہاں تک اسلام اور دیگر مذاہب کے تقابلی مطالعے کا تعلق ہے، جاہلی مذاہب سرے سے زیر بحث آہی نہیں سکتیں۔ مثال کے طور پر کانگو کے وحشی اور آسٹریلیا کی وحشی قوموں کے اپنے اپنے مذاہب ہیں۔ ان جاہلی مذاہب کے سمجھنے کے لیے ایک بنیادی چیز سمجھنی ضروری ہے کہ موجودہ دور کا ایک طبقہ یورپ کے ارتقائی نظریے کے تحت میں ان مذاہب کو جملہ بعد کے مذاہب کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ ان کی اصطلاح میں (Primitive Religions) اور مذاہب کے پیدا ہونے کے سلسلے میں وہ بنیاد کو انسانوں کے وہم، ظن، گمان، جلب منفعت اور دفع مضرت پر رکھتے ہیں اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ جب انسان نے ترقی کی تو Finer Religions کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ پہلے دور میں انسان جس چیز سے خوف کھاتا تھا چاہے ذہنی ہو یا جسمانی اس کو ایک دیوتا یا دیوی قرار دیتا تھا۔ اسی طرح دیومالہ کا ایک کثیر طبقہ ایران، ہندوستان اور مصر میں پیدا ہوا۔

ذوق ظہور در جہان رسم صنم گری نہاد

(خود نمائی کی ذوق و شوق نے دُنیا میں بت پرستی کا طریقہ ایجاد کیا۔)

انسان اپنی خواہشات کے دونوں پہلوؤں کے لحاظ سے ان لوگوں کے نزدیک اپنے ابتدائی دور میں جن چیزوں سے ڈرتا تھا، ان سے بچاؤ کے لیے دیوی، دیوتا اور خدا مقرر کرتا تھا اور جن چیزوں کی اُسے خواہش ہوتی تھی، ان کے حصول کے لیے بھی خدا مقرر کرتا تھا۔

ابتدائی دور میں یہ خدا ذہنی تصورات تھے۔ پھر اپنے تصورات کو انہوں نے مجسموں اور تصویروں کی شکل میں مشکّل کر دیا، یا بعض مقامات میں سچ مچ جن چیزوں سے ظاہری نفع وضرر پہنچتا تھا، ان کو دیوی اور دیوتا بنایا گیا مثلاً ہندوستان میں سانپ سے ضرر پہنچتا تھا، جمنا دیوتا اور بڑ کا درخت جو سایے والا تھا، کی پرستش شروع ہوگئی۔ گائے سے دودھ پہنچتا ہے، بندر سے ضرر پہنچتا ہے۔ یہ نفع وضرر کے مجسمے تھے، جن کی پرستش شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ بعض قوموں نے انسان کے پیدائش کے اعضاء کی پرستش کی کیونکہ وہاں انسان کا ظہور ہوتا ہے اور اس دور تک مدراس اور کلکتے میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ گویا مذاہب نفع وضرر خدا بن گئے۔ سورج کو پوجا گیا، نفع پہنچتا ہے اور چاند کو پوجا گیا۔ سورج کی پرستش کثرت سے ہوتی ہے۔ شنٹوزم کو ایران میں اسے کثرت سے پوجا گیا۔ بابل وغیرہ میں اس کو کثرت سے پوجا جاتا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے ردّ کیا۔ اسی طور پر بابل اور کالدیہ میں چاند کی پرستش ہوتی تھی تو چاند تک نہیں پہنچ سکتے تھے تو وہاں کے باشندوں کی یہ رسم تھی کہ اُنگلیوں کو چوم کر پھر آنکھوں پر رکھتے تھے۔ اسی طرح چہلم یہودیوں سے مسلمانوں میں آیا۔ اسی طور پر بظاہر نفع وضرر کے مختلف دیوی اور دیوتا بن گئے۔ یہاں تک کہ پرانے مصریوں کے تو کروڑ دیوتا تھے۔ یونانِ قدیم نے جب فلسفہ میں ترقی کی تو بعض نفسیاتی کیفیتوں کے مظاہر کو انہوں نے دیوتا قرار دیا مثلاً عشق ایک نفسانی دیوتا ہے اس لیے اس کا مجسمہ بنایا۔ اس کا نام Pulpit رکھا اور اس کو اندھا رکھا۔ یہ بھی اُن کا کمال تھا کہ اپنے ذہنوں سے خدا گھڑ لیے۔ ایران والوں نے اپنے اس عمل کو آخر میں جا کر دو بڑے دیوتاؤں میں تقسیم کیا۔ ایک نفع کا خدا اور ایک ضرر کا خدا۔ ایک خیر کا اور ایک شر کا۔ خیر کا یزدان کہلایا اور دوسرا اھرمن۔ ہندوؤں نے اپنی ایسی دیومالہ کو تین بڑے خداؤں میں تقسیم کیا۔ (یہاں ایک انجن کو بھی دیوتا مان لیا)۔ ایک برھما ہے، دوسرا اگنی ہے اور تیسرا شیوا۔ جاپانی تو سورج دیوتا کے پیروکار ہوئے، چینیوں کے مختلف دیوتا ہیں

اور چونکہ یہ ملک زراعتی ہے تو زراعت کے دیوتاؤں کو انہوں نے زیادہ زور دیا ہے۔ ان تمام مذاہب میں اگر ایک چیز دیکھی جائے تو عمومی طور پر ایک مافوق ہستی جو ان تمام خداؤں سے اُونچی ہے، اس کا موہوم یا واضح تصور ہر قوم میں پایا گیا جس کو ہم اللہ کے نام سے پکارتے ہیں۔

دُنیا کی امامت کا حقدار کون؟

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش(3 مارچ 1964ء، بعد از نمازِ عصر بروزِ منگل)

امامت کا چھوڑنا

اُمت کے دین کے اس کام کے چھوڑنے کی بنا پر اور اپنا فریضہ بھلانے کی بنا پر عالم کو سب سے بڑا نقصان پہنچا۔ وہ ہدایات خدائی، پیغمبری تعلیمات اور روحانیت سے محروم ہو گئی۔ اُمت نے اپنی رہنمائی کا کام چھوڑا تو قیادت اس کے ہاتھ سے نکلی اور ان کے ہاتھ آئی جو کہ خدا ناآشنا، آخرت فراموش، نفس پرست، طالب دنیا، روحانیت سے ناآشنا قومیں تھیں اور اُن کی امامت کا پرچم جو تھا، وہ مادہ پرست یورپ کے ہاتھ میں تھا۔ جب ہم رخصت ہوئے تو جو جگہ خالی ہوئی وہ خالی تو رہا نہیں کرتی یا تو امامت اچھے لوگوں کی ہو گی اور اگر اچھے نہ ہوں گے تو یہ امامت ان لوگوں کے ہاتھ آجائے گی جو کہ صالح نہ ہوں گے۔ تو امامت یورپ کے بے خدا اور غیر صالح لوگوں کے ہاتھ آئی اور اس کے نتیجے کے طور پر پورا عالم گمراہی، بے دینی اور الحاد کی نذر ہو گیا۔ یورپ اور مغرب کی بنیاد لادینیت پر ہے۔ الحاد اور خدا بیزارگی پر ہے۔ تو جیسا بیج ہوتا ہے ویسا ہی درخت نکلتا ہے۔ تو یورپ کا شجرۂ خبیثہ جو ہے خدا بیزار ہے اور اس کی ہر شاخ، ڈالی اور پھل پھول میں یہ چیز سموئی ہوئی ہے۔

مسلمان کی ذمہ داری

تو یورپ کا تعلیمی نظام ہو یا دوسرے نظام ہوں، وہ ظاہر میں معلوم ہوں یا نہ ہوں، اُن میں لادینیت کے اثرات ہوں گے اور جو اس شجر ممنوعہ کا پھل کھائے گا تو جنت اسلام سے نکلے گا۔ حیا کا لباس اُترے گا، تو اس لادینی قیادت کی بنا پر پورا عالم بے دینی کے رُخ پر جا پڑا ہے۔ ہم اس چیز کو گوارا کر بھی لیتے لیکن کم از کم وہ اُمت جو ہدایت والی تھی، وہ اگر ان

کے اثرات سے بچی رہتی تو یہاں کیا ہوا؟ اگر یہودی، بدھ مت والے اس سیلاب میں ڈوب جاتے تو پھر بھی ہم تو راہ پر رہتے لیکن سب سے بڑی مصیبت یہ آئی کہ جیسے طوفان نوح میں کوئی پناہ کی جگہ نہیں رہی، سوائے کشتیٔ نوحؑ کے تو اُمت کا سب سے کثیر طبقہ مغرب کے اس ہمہ گیر سیلاب میں بہہ کر رہ گیا۔ نہ تو معاشرت باقی رہی، نہ تمدن باقی رہا، نہ اخلاق باقی رہے، نہ عبادات باقی رہیں۔ یہاں تک کہ اس سیلاب کی موجوں نے آکر عقائد کی دیوار میں بھی رخنے ڈال دیے۔ ایک تو ڈاکو لوٹتے ہیں اور ڈاکوؤں وغیرہ کے اُوپر پولیس تعینات ہوتی ہے۔ ڈاکو ڈاکے ڈالتے رہیں تو بُری بات ہے لیکن عظیم مصیبت یہ ہے کہ پولیس والے بھی ڈاکوؤں کی وردی پہن کر ڈاکے ڈالتے رہیں تو سب سے بڑی قیامت جس سے آسمان و زمین میں ہل چل مچی ہوئی ہے کہ محافظ و نگران اپنے کام کو چھوڑ کر دوسروں کے ایسے تابع ہوئے کہ جو دوسرے کہیں وہی کرنے لگے۔ تو اس وقت دنیا کا پہلا مسئلہ جو ہے وہ غیروں کو ہدایت سے روشناس کرانا نہیں بلکہ سب سے بڑی بات اُمت کو اُس کی ذمہ داری یاد دِلانی ہے کہ کیا خدمت سپرد کر دی گئی تھی۔ کس کام کے لیے بھیجے گئے تھے، مدعا کیا تھا، مطلوب کیا تھا؟ تو اس وقت سب سب سے بڑا کام یہ ہے کہ مسلمان مسلمان کی حیثیت سے پھر عالم میں زندہ ہو، مسلمان بنے اور مسلمان کا وہ کام کرنا شروع کرے جو اس اُمت کی ذمہ داری ہے اور وہ ہے پورے عالم میں اسلام کو عام کرنے کی۔ اُس کو سنبھالے اور دنیا کے قائد بنے۔ یورپ نے جو کچھ کر دیا کر دیا۔

عصرِ ما را از خدا بیگانہ کرد
از جمالِ مصطفیٰؐ بیگانہ کرد

(ہمارے زمانے کے غلط روی کے روش نے ہمیں خدا اور اس کے پیارے رسول سے بیگانگی کی راہ پر ڈالا۔)

لیکن ہمارا کام یہ ہے کہ:

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیٔ افرنگ

معمار حرم باز با تعمیر جہان خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز

(تمام دنیا انگریز کے ظلم سے ویرانہ بنگئی۔ اے حرم کے معمار (مسلمان) تو پھر اپنے گہری نیند کو چھوڑ کر اور اپنی پرانی ہمت کو بروئے کار لا کر دنیا کی تعمیر میں لگ جا۔)

اچھا ذرا تم نے ایسا کیا تو کہیں تو بجلی چلی ہو گی۔ پانچ سو واٹ کا بلب بھی ہو۔ وہ اُنگلی لگانے سے جلتا اور بجھتا ہے، ٹائپ میں اُنگلی تو یہاں ماری جاتی ہے لیکن اثر وہاں جاتا ہے۔ اب اس اُمت کو جگانے کے لیے کیا کیا جائے۔ بعض کو گدگدانا پڑتا ہے بعض کے چٹکی کاٹنی پڑتی ہے اور بعض جاگتے ہوئے سو رہے ہوتے ہیں۔ اب سویا ہوا تو جاگے لیکن جاگتے ہوئے کو کیا کروگے۔ بعض جاگنے والے یوں سمجھتے ہیں کہ ہم سو رہے ہیں۔ اس کے لیے سب سے پہلے اس چیز کا کھوج لگانا پڑے گا کہ یہ سوئے کیوں؟ کہیں ڈاکٹر صاحب نے سونے کی گولیاں تو نہیں کھلا دیں تو سب سے پہلے یہ معلوم کیا جائے گا، اُن وجوہات کو معلوم کیا جائے گا کہ یہ سو کیوں گئے؟

اسبابِ زوالِ اُمت

تو سب سے پہلے اُن اسباب کو معلوم کیا جائے گا کہ کس بنا پر اُمت اپنے مقاصد کو فراموش کر بیٹھی اور اُن اسباب کو معلوم کرنے کے بعد اُن اسباب کا تجزیہ کر کے معلوم کیا جائے گا اور پھر اس کے لیے علاج سوچا جائے گا۔ کیوں غافل ہوئے؟ کیوں سو گئے؟ جگانا ہے، آخر پوری کی پوری اُمت پر عمومی غفلت چھائی ہوئی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ جہاں تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق ہے تو جو حاسّہ اُمت میں حضور ﷺ نے پیدا کیا تھا، وہ حاسّہ ہی مر چکا۔ اُمت میں یہ احساس ہی نہیں کہ میں ایک پیامبر اُمت ہوں، عیسائیت کو دیکھئے، اُن کی جو آسمانی کتاب ہے، اُس میں بار بار تصریحاً یہ چیزیں ملتی ہیں کہ یہ صرف عیسائیوں کے لیے ہے لیکن باوجود اس کے وہ مشنری بناتے اور اس تیزی سے کام کرتے ہیں کہ انسان حیرت

زدہ ہو جاتا ہے مثلاً جاپان میں دوسری جنگ عظیم کے بعد جب ان کے بادشاہ جس کو وہ خدا بھی سمجھتے تھے، ہیر و ہٹو جو ان کے عقیدے میں سورج کی اولاد ہے، شکست کھائی تو پوری کی پوری جاپانی قوم کا عقیدہ متزلزل ہو گیا۔ آج تک انہوں نے شکست نہیں کھائی تھی اور وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ہمارا خدا بادشاہ بھی شکست کھا سکتا ہے۔ جب اُس نے شکست کھائی تو اس کے نتیجے کے طور پر اُن کے مذہب کی چولیں ہل گئیں۔ تو پورے کا پورا جاپانی نوجوان طبقہ ایک ذہنی کیفیت میں مبتلا ہو گیا۔ اپنا دین کھو چکا تھا اور دوسرے دین کو ڈھونڈنے لگا۔ اب چاہیے تھا کہ وہ قوم جن کو اللہ نے پورے عالم کے لیے پیدا کیا تھا، وہ اُٹھے اور اُن کو سنبھالے لیکن کوئی بھی نہیں اُٹھا لیکن (جنرل ڈوگلاس میک آرتھر) امریکہ کا ملٹری گورنر نے جاپان کے چپے چپے پر عیسائی مشن کو پھیلا دیا اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ عیسائی ہو گئے۔ حالانکہ اگر عیسائیت کے عقیدے کا تجزیہ کیا جائے تو کوئی عقل والا آدمی اس کے ماننے کے لیے تیار نہ ہو لیکن جب جگہ خالی ہو جاتی ہے تو اُسے پُر کرنے کے لیے کوئی چیز آ ہی جاتی ہے۔ اب یہ بھی عقیدہ ہے کہ تین میں کا ایک اور ایک میں کا تین۔ لیکن سب کا مرکز توجہ جو ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہاڑی کا وعظ ہے کوہِ زیتون پر آپ نے ایک وعظ فرمایا جو موجودہ انجیل میں موجود ہے کہ اگر کوئی تم کو ایک گال پر تھپڑ دے تو دوسرا گال آگے کر دو۔ اب ان کو کہا جائے کہ جاپانیوں نے تو ان کے ایک دو جہازوں کو ڈبویا تھا لیکن انہوں نے اس قول پر عمل یہ کر دکھایا کہ ہیروشیما اور ناگاساکی کو بھی ختم کر دیا۔ تو یہ ہر جگہ پہنچتے ہیں حالانکہ یہ میدان مسلمانوں کے لیے بالکل خالی ہے۔ کوریا میں ایک دستہ گیا اور اس کے ساتھ ایک مولوی صاحب گئے تو اس کے ذریعے کوریا کے چند لوگ مسلمان ہوئے اور اس کے بعد کوریا کے بہت سارے لوگ مسلمان ہو گئے تو وہ یہاں آئے تھے اور میرے ساتھ بھی دورات رہے تھے۔ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارا نوجوان طبقہ جنگوں کی بنا پر ایسی پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہے کہ اطمینان کو

چاہتا ہے اور اگر وہ اپنے مذہب بدھ مت پر آجائے تو یہ آج کل کے پُر ہمت نوجوانوں سے ہو نہیں سکتا کہ بھکشو بن جائیں۔ یہ اُن کے اندر کے لفظ تھے۔ تو یہ چیز جو ہمیں نظر آتی ہے کہ اسلام میں دین و دنیا بیک وقت لیے جاسکتے ہیں تو وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اگر سو آدمی آجائیں تو کروڑوں کی تعداد میں لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اس وقت اُمت کا داعیہ اور حاسّہ بھی مر چکا ہے۔ بہرحال مسئلہ اس وقت اس امر کا ہے کہ اُمت میں خیر پیدا ہو جائے کہ ہم اُمت کے امام ہیں۔ ہمیں عالم کو سنبھالنا ہے اور پوری اُمت کو اُٹھانا ہے۔ یہ حاسّہ کیسے مر گیا اور یہ اُمت ایسے کیوں ہو گئی؟

کامیابی کا معیار تقویٰ والی زندگی

اسلامیہ کالج مسجد پشاور یونیورسٹی (3 مارچ 1964ء، بعد از نمازِ مغرب بروزِ منگل)

تقویٰ

میرے عزیزو اور دوستو! ایک ہی بات ہے کہ جو مختلف عنوانات سے اور مختلف طریقوں سے سیدنا آدم علیہ السلام کے زمانے سے لیکر سیدنا حضرت محمد ﷺ کے زمانے تک اور آپ کی ظاہری موجودگی سے لیکر قیامت تک مختلف عنوانوں سے اللہ کے بندے سناتے، سمجھاتے اور بتاتے رہے ہیں اور رہیں گے۔ بات کیا ہے کہ تم اللہ کے بندے ہو اور اُس کی بندگی کے حق کو مانو اور ایسے مانو کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ (آل عمران ۳:۱۰۲) کہ اللہ سے ایسے ڈرو جیسے کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرو تو ایسے مرو کہ فرمانبردار ہو، ایسا نہ ہو کہ نافرمانوں کے زمرے میں تمہاری موت واقع ہو اور یہ تعلق اوروں کے ساتھ ایسا نہ ہو جیسا کہ اللہ کے ساتھ ہو۔ آدم علیہ السلام کی صفت پر ہو، لنگور نہ ہو۔ انسان دعویٰ بہت کرے اپنی عقل اور تمیز کا اور یہ کہ میں سب کچھ جانتا ہوں اور حال یہ ہے کہ نہ اپنے کو جانے اور نہ اللہ کی مخلوق کو جانے۔ سمجھانے والے سمجھاتے ہیں کہ اے اندھو! جس کو تم اپنا کمال سمجھتے ہو کہ ہم چیزوں والے ہوگئے تو یہ تمہارا کمال نہیں بلکہ تمہارا زوال ہے۔ تم ایک ایک چیز کے لیے نکلے پھرتے ہو، نفس کے بندے تم، چاہت کے بندے تم، بیوی کے بندے تم۔ تمہارا علاقہ تو ایک سے ہونا چاہیے تھا۔ کہتا ہے کہ میں ترقی کرتا ہوں، ترقی اُوپر جانے کو کہتے ہیں نہ کہ نیچے چلنے کو۔ ترقی کرتا تو اللہ آشنا ہوتا، مادہ آشنا نہ ہوتا۔ مخلوق کے لیے مرنے والا نہ ہوتا تو انبیاء علیہم السلام آتے رہے اور یہ بتاتے رہے کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" سبھوں کی ایک پکار ہے اور تم یہ کہو:

ابھی لوری نہ دی تھی مادر نے

اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ

کیا آپ کو اپنی پیدائش کا واقعہ یاد ہے کہ مولوی صاحب نے آپ کے ایک کان میں اذان دے دی اور دوسرے میں اقامت کہی اور جب اذان اور اقامت ہو جائے تو اس کے بعد نماز ہی غائب۔ بتادیا کہ تیری اذان اور اقامت ہو چکی۔ اب تمہارا جنازہ تیار ہے۔ آپ کا نہ سہی میرا جنازہ تیار ہے۔ یہ اس بات کی دلالت ہے کہ تمہاری اس دنیا میں اِتنی عمر ہے۔

دیکھو! بات یہ ہے کہ میں ایک زمانے میں اماں کے پیٹ میں بھی رہا تھا اور مجھے بالکل یاد نہیں کہ وہاں کیسے بستر لگے تھے اور یاد نہ ہونے کے باوجود وہاں جو حالت تھی وہی حالت ہے۔ تو اب یاد ہو یا نہ ہو تو وہاں جو مادی خوراک کھائی تھی اس کا ظہور ہوا یا نہ ہوا۔ اب اس اسرار کو یاد نہیں تو اس کے ماں باپ کو تو یاد ہے۔ اسی طرح ایک اور اذان بھی ہوئی تھی جبکہ ہم عالم ارواح میں تھے تو کہا ”اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ “، ”قَالُوْا بَلٰى“۔(سورۃ الاعراف: ۷،۱۷۲)(کیا میں تمہارا پالنے والا نہیں، سب نے کہا کیوں نہیں؟) اب جب دنیا میں آئے تو وہ سب بھول گئے لیکن بعض اللہ کے بندے ایسے تھے جو اس دنیا میں آئے تو کہنے لگے کہ ہمیں وہ بات یاد ہے کہ جب اللہ نے کہا: ”اَلستُ بِرَبِّكُمْ “۔ تو ہم نے کہا ”قَالُوْا بَلٰى“: زمین کے اندر بیج ڈالو اور اس کے اُوپر مٹی ڈالو تو مجھ جیسے ناواقف کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی لیکن جو جاننے والا ہوتا ہے وہ بتادے گا کہ ایک بیج سے درخت نکلے گا۔ اسی طرح روحانی چیزوں کا پتہ نہیں چلتا۔ جیسے روح چھپی ہوئی ہے، اسی طرح اُن پر جو حالات اور کیفیات طاری ہوتے ہیں۔ وہ بھی چھپے ہوئے ہیں۔ اسی طور پر جب بچے کے کان میں اذان دی جاتی ہے تو وہ چھوٹا ہو لیکن روحوں کے لحاظ سے تو سب ایک ہی عمر کے ہیں۔ جسم بھول جائے، دماغ بھول جائے لیکن روح پر تو اس کا تاثر نظر آتا ہے۔ یہاں پر میرا نشان ہو گیا تھا اور میں چار سال کا تھا لیکن یہاں تو نشان باقی ہے۔ اب جسم والا نشان جسم پر دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح روح پر اس کا اثر باقی رہتا ہے۔

اب یہ روح والے اثر پر اگر انسان غفلت اور غیروں کے پردے ڈال دے تو وہ نشان تو ہوگا لیکن محسوس نہیں ہوگا مثلاً میں اگر اس ہاتھ پر کپڑا ڈال دوں تو اس کے نیچے نشانات معلوم نہیں ہوں گے لیکن اگر کپڑا ہٹا دیا جائے تو نشانات ظاہر ہوں گے۔ اسی طرح جب روحانیت زندہ ہو جائے تو سب چیزیں دکھائی دینے لگیں مثلاً اندھے کو تو خارج کی چیزیں دکھائی نہیں دیتیں اور نہ اپنے جسم کو دیکھتے ہیں۔ یہی حالت اُن لوگوں کی ہے تو وہ نہ اور چیزوں کو دیکھے نہ اپنے چہرے کو دیکھ سکتے ہیں۔ یہی حالت خوشبو کی ہے۔ زکام والا شخص اس کو محسوس نہیں کرتا تو ان چیزوں کو روحانی حِس کے مُردہ ہونے کی وجہ سے محسوس نہیں کرسکتے تو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ اس کی جڑ میں پانی پہنچاؤ۔ اگر ہمارے دِلوں کے درخت مرجھا گئے تو ان کو پانی دو، دل کے درخت کا پانی ہے اللہ کا تعلق۔ تو شروع سے انبیاء علیہم السلام آئے اور ایک ہی بات کہتے گئے: ''قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا''۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو تم پورے کے پورے کامیاب ہو جاؤ گے۔

کامیابی کی حقیقت

اور کامیابی کیا ہوتی ہے؟ مثال کے طور پر تم چھوٹے بچے ہو۔ باپ نے کہا کہ میں اِس کو ڈاکٹر بناؤں گا۔ اب لڑکا تھا، اُس نے پورا ''Shining'' میٹرک پاس کیا۔ اسلامیہ کالج آیا اور آپ کی سوسائٹی ملی اور ملا مجھ جیسا اُستاد کہ اُسے نہ ''الف'' آئے اور نہ ''ب''۔ اب پہلے سال فیل ہوگئے۔ دوسرے سال فیل ہوئے، تیسرے سال جو محنت کی تو ''Margin'' پر پاس ہوگئے کہ میڈیکل میں داخلہ نہ لے اور جو ملے تو پوری کوشش کے بعد۔ تو کامیابی کا مطلب یہ نہیں کہ فیلڈ مارشل ایوب بن جاؤ اور جو قبر میں پہنچو تو ایک گرز ایسے لگے کہ چکنا چور ہو جاؤ۔ یہ نام تو میں نے ویسے لیا مثلاً کینیڈی ہے اور یا خروشوف ہو تو کامیابی یہ نہیں بلکہ کامیابی یہ ہے کہ پوری کی پوری زندگی بن جائے۔ یہ نہ ہو کہ یہ چند دن کی جگمگاتی زندگی بن جائے اور پوری ابدالاباد والی زندگی کی ناکامی ہو۔ جب تک تم کو دنیا کی چیزوں سے کامیابی کا تصور ہے تو جب تک تم دنیا میں زندہ رہو گے تو تمہاری کامیابی ہوگی اور اگر اللہ کی ذات سے اپنی کامیابی کی

نسبت کروگے تو جیسے اللہ کی ذات باقی ہے تو تمہاری کامیابی باقی ہے تو انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گو تم کو ظاہری کامیابی نظر نہیں آتی لیکن حقیقی کامیابی ملے گی۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تُو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

اگر تمام دنیا اللہ کی منکر ہو جائے تو اللہ کا کچھ نہیں بگڑے گا لیکن تیرا اپنا نقصان ہو گا۔ تو یہ کامیابی کہ اللہ کے ساتھ تعلق پیدا ہو، نبی ﷺ کے طریقے کو اپنانے سے ہے تو سب سے بڑا کام یہ ہے کہ ہم اپنی نفسانی خواہشوں سے ہٹ کر اللہ کا تعلق لینے والے بن جائیں اور حضور ﷺ کے طریقے پر چلنے والے بن جائیں۔

دوستو! ہر ایک شخص کو اپنی زندگی کی فکر ہوتی ہے تو اب زندگی کی فکر کس کو ہے۔ وہ رمضان کے مہینے میں جو زلزلہ آیا تو کوئی آتش فشاں ہلا ہو گا تو بڑے قوی قوی بھاگ گئے۔ اب اگر اللہ چاہتا تو کوئی شخص زندہ رِہ سکتا تھا۔ تو یہ تبلیغ کے نام سے جو آواز لگائی جارہی ہے۔ یہ بات اگرچہ مختلف طریقوں سے سنائی جارہی ہے لیکن مطلب سب کا ایک ہے کہ اس زندگی کی اول فرصت میں کم از کم چار مہینے تو اللہ کی راہ میں دے دو اور بھئی! کوشش کرو کہ ہفتے میں دو گشت ہوتے ہیں تو کوشش کرو کہ اپنے تو آجائیں اوروں کو بھی ساتھ لے آئیں۔ اگر کوشش ہو گی تو یہی مجمع بڑھتا جائے گا، وہی ڈھاک کے تین پات تو نہ ہوں تو اس کے لیے کچھ محنت اور کوشش کی ضرورت ہے۔ شب جمعہ کے لیے یہاں کے لیے اور ایک چلّے کے لیے اور تین چلّوں کے لیے جو بھی آدمی ارادہ کرنے والا ہو تو اس کے لیے نام لکھواؤ۔ تین دن کا ارادہ کر سکو تو تین دن کا ارادہ کر لو۔ بات سمجھ میں آئی ہے یا آپ کے محاورے میں It is all Greek۔

انبیاء علیہم السلام کے طریقے اور انسانی کامیابی

خواجہ معروف مسجد (5 مارچ 1964ء، شب جمعہ بعد از نمازِ مغرب، 7 بجکر 45 منٹ)

آزمائش

عزیزو، دوستو اور بزرگو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو زندگی عطا فرمائی۔ اس زندگی میں انسان کا واسطہ اپنی ذات کے علاوہ ایک خالق سے پڑتا ہے اور ایک مخلوق سے۔ ایک اللہ کی ذات باقی سب مخلوق۔ ایک بنانے والا باقی سب بنے ہوئے۔ اب انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو اپنی زندگی کے مراحل طے کرنے کے لیے اپنا اندرون بنانے کے لیے آتا ہے۔ اس کا اندرون اس کو اللہ کی طرف کھینچتا ہے لیکن اللہ ظاہر میں دکھائی نہیں دیتا بلکہ جس کو بھی وہ دیکھتا ہے وہ مخلوق ہوتی ہے اور وہ مخلوق کی دلدل میں پھنس جاتا ہے اور یہ ایک ایسی دلدل ہے جبکہ اللہ کی توفیق شامل حال نہ ہو تو انسان دھنستا اور پھنستا چلا جاتا ہے اور اس دھنسنے کو وہ کمال سمجھتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام انسان کو مخلوق میں دھنسانا پھنسانا نہیں چاہتے بلکہ وہ بتاتے ہیں کہ تمہارا صحیح طریقہ مخلوق میں دھنسنا اور مخلوق کو طلب کرنا نہیں بلکہ تیرا طریقہ خالق کو پہچاننے والا بن جانا ہے۔ اگر تُو اللہ کی ذات سے نہیں جُڑے گا تو مخلوق کے ذرے ذرے پر تو اپنی جان کھپائے گا۔ مخلوق کا کُل کبھی بھی میسر نہیں آئے گا۔ مخلوق کا ظاہری حصہ حکمت تکوینی کے تحت میں دیا جائے گا اور وہ بھی انعام کے طور پر نہیں ہو گا، امتحان کے لیے ہو گا۔ آزمائش کے لیے ہو گا۔ وہ پکڑوانے والا ہو گا۔ دنیا کی زندگی کو اپنا تقاضا نہ سمجھ۔ اللہ سے اپنی ذات کا بنانے والا بن۔ اللہ کی ذات تجھے بنائے گی، مخلوق نہیں بنا سکتی۔

انسان کی بناوٹ

بس ایک بننے کا مسئلہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ اللہ بناتا ہے اور دوسرے

کہتے ہیں کہ مخلوق بھی بنا سکتی ہے۔ کوئی لفظوں کے ساتھ کہتا اور کوئی عمل سے بتاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ اماں کے پیٹ میں تمہارے جسم کا کوئی ذرہ غیر نے نہیں بنایا، تمہاری روح غیر نے نہیں بنائی تو یہی یقین رکھو کہ جو ذات تمہیں بناتی ہے وہی تمہارے معاملات کو بھی بنائے گی۔ تصرف کلی طور پر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مخلوق کے اختیار میں کائنات کی بناوٹ کا ایک ذرہ تک نہیں۔ پگلے تو دیکھ لے کہ یہ دنیا ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے۔ غیر سے بنتا غیر سے دیکھنا کافری کی بنیاد ہے۔ ہم اماں کے پیٹ میں بنتے ہیں تو کیا ہم کو اماں بناتی ہے۔ اگر ہم اماں سے بننے والے ہوتے تو بہت سارے جوڑے ایسے ہیں کہ ڈاکٹروں پر پھرتے ہیں تو ایک بیٹا بھی نہیں ہوتا۔ تو جب اللہ نہیں چاہتے تو تمہاری تدبیروں سے ایک ذرہ بھی وجود میں نہیں آتا۔ وہ روایات میں آتا ہے: ”وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا“۔(ص: ۳۸،۳۴) (اور ہم نے ان کے تخت پر (ایک ادھورا) دھڑ اڈالا یعنی دایہ نے لاکر تخت پر رکھا کہ یہ پیدا ہوا ہے۔) حضرت سلیمان علیہ السلام کی نناوے بیویاں تھیں۔ بڑے تھے اور جتنے بڑے ہوتے ہیں اِتنی ہی ان کے معاملات کی نزاکت بڑھتی ہے۔ جتنی قربت ہوتی ہے اتنا ہی معاملہ بڑھتا جاتا ہے۔ ایک دفعہ فرمایا: دل میں ہوگا بھی لیکن زبان سے انشاء اللہ نہیں کہا۔ نبی کی طاقت ہوتی ہے اور جسمانی لحاظ سے نبی کو چار ہزار آدمیوں کی طاقت دی جاتی ہے۔ کہا کہ میں آج ننانوے بیویوں پر پھروں گا اور نناوے بیٹے پیدا کروں گا لیکن ایک پیدا نہیں ہوا اور جو پیدا ہوا تو وہ ایک بے جان جسد تھا تو اگر اللہ نہ چاہے تو نبی جیسی بابرکت ذات کو بھی نہ دے اور اگر دینا چاہے تو نوے سال کے بوڑھے کو دے دیں اور بیوی بھی اس کے لگ بھگ اور بیوی بھی وہ جو جوانی میں بھی بانجھ تھی تو سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی جگہ پر ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام آتے ہیں اور جارہے ہیں قوم لوط کی طرف جب ان پر گزرتے ہیں تو نوجوان لڑکوں کی صورت میں گزرتے ہیں۔ خیر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آتے ہیں تو آپ ان کو مہمان سمجھتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معمول تھا کہ بغیر مہمان کے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ایک دفعہ مہمان کے نہ ہوتے ہوئے بارہ دن تک کھانا

نہیں کھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی ضیافت کی تیاری کے لیے گھر جاتے ہیں اور مہمان کو بتاتے نہیں ”فراغ الی اھلہ فجآء بعجل سمین“ (الذاریٰت:۵۱،۳۴) کھسک کر چلے گئے اور ایک فربہ بھُنا ہوا بچھڑا لائے۔ اب اُن کے سامنے رکھا تو کھاتے نہیں۔ اب اُس زمانے کا دستور تھا کہ جو شخص کسی کا کھانا نہیں کھاتا تھا تو اس کو دشمن خیال کرتے تھے۔ اب وہ جانا پہچانا فرشتہ ہے لیکن جب اللہ بتانا نہیں چاہتے تو آپ پہچان نہیں سکتے۔ ”فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً“ تو آپؑ نے اُن سے خوف محسوس کیا۔ فرشتوں نے کہا کہ آپؑ خوف محسوس نہ کریں۔ ہم کو اللہ نے قوم لوط کے لیے بھیجا ہے۔ حضرت شاہ عبد القادرؒ لکھتے ہیں کہ کیوں؟ اس لیے کہ اُس وقت وہ اللہ کے عذاب کے مظہر تھے اور نبی کا قلب تو نہایت لطیف ہوتا ہے اُس پر اثر پڑا اور وہ ڈر سے گئے تو انہوں نے کہا: اُن میں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ وہاں کون کون ہے اور ابراہیم علیہ السلام قوم لوط کے عذاب سے بچاؤ کی سفارش کرنے لگے ”يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ“ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”يَآاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا“۔ (ھود:۱۱،۷۴)

کہ اس بات کو جانے ہی دے، محبت کی بات بھی رکھ دی اور ساتھ ساتھ رد بھی کیا تو فرمایا کہ سب کو بچالوں گا سوائے ایک بڑھیا کے۔ اب جیسے عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ کواڑ کے پیچھے کھڑی باتیں سنتی ہیں تو جب انہوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سُنی تو فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝ (سورۃ الذاریات ۵۱:۲۹) اُس نے ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگی کہ ایک بڑھیا بانجھ۔ کہ کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں ہوں بڑھیا اور وہ بھی بانجھ اور پھر خاوند بھی بوڑھا۔ ”قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا“ (سورۃ ھود ۱۱:۷۲) اب یہ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ بوڑھے کی اولاد قوت والی نہیں ہوتی لیکن یہاں یہ بات بیان فرمائی گئی کہ اسحاق علیہ السلام کے بعد اس کی اولاد ہوگی یعقوب علیہ السلام۔ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ (سورۃ ھود ۱۱:۷۱) اور یعقوب علیہ السلام کو اِتنا بڑھایا کہ پوری قوم بنی تو جب اللہ دینے پر آجاتے ہیں تو اِتنا دیتے ہیں کہ خواب وخیال میں نہ

آئے۔ جب آخرت کے بنانے پر آجائے تو قبر میں جو کچھ ملے گا اور جو آرام ہو گا، حضور ﷺ کی شبیہ دکھلائی جائے گی۔ جنت کی کھڑکی کھل جائے گی، اپنا مقام جنت میں دکھایا جائے گا تو جو راحت ہو گی، تو ہم کہیں کہ یہاں ہی کو اپنا ٹھکانہ بنالیں۔

مزے مرنے کے جو عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

اللہ تعالیٰ سے تعلق

تو بڑی جوانیاں ہوتی ہیں لیکن جب بڑھاپا آجاتا ہے تو تمام تشہ ختم ہو جاتا ہے تو انسان وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑتا ہے اور جو اللہ کے دھیان اور اللہ کے تعلق کی ایک چاشنی نصیب ہو جائے تو اس پر اگر وہ تمام دنیا کو نثار کرے تو اس کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ کسی بزرگ نے کہا کہ ''اگر دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ اہل اللہ کے سینوں میں جو اطمینان کی دولت ہوتی ہے تو اُن کو لینے کے لیے اُن پر فوج کشی کر لیں''۔ اب ذرا سوچ لیا جائے کہ جس نے اور چیزوں میں اِتنی لذت ڈالی ہے وہ خود کتنا لذیذ ہو گا تو جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے وہ خاک مٹی میں کہاں ملتی ہے۔

تکوینی اور تشریعی نظام

انسان کو محنت اور مشقت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ کسان کھیت میں محنت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو کھیتی میں سے غلّہ دیتا ہے۔ وہ محنت کرتا ہے لیکن محنت مطلوب نہیں۔ مطلوب غلّہ ہے لیکن چھ سات مہینے کی محنت اس لیے کی جاتی ہے کہ غلّہ حاصل ہو۔ ملازمت والے اس لیے محنت کرتے ہیں کہ تیسویں دن تنخواہ ملے گی۔ تو حصول منفعت انسان کو محنت پر ڈالتی ہے یعنی نفع ملتا نہیں بغیر محنت کے۔ اب نفع کے دو طریقے ہیں۔ ایک غلط طریقے پر دِلوانے والا اور دوسرا صحیح طریقے پر۔ پہلے کو ٹیڑھا اور دوسرے کو قرآن نے سیدھا طریقہ کہا۔

تو ٹیڑھے طریقے میں محنت بھی زیادہ ہوتی ہے اور پھر نفع بھی زیادہ نہیں ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے نفع کے لیے طریقے بتائے اور اس میں مومن اور کافر یکساں ہیں لیکن مومن کہتا ہے کہ یہ جو ہوگا تو میری محنت کی وجہ سے نہیں بلکہ جو میرا رب چاہے وہ ہوگا اور دنیا والے یوں کہیں کہ یہ جو "Law of Nature" قانون قدرت بن چکی اگر اس پر میں محنت کروں گا تو یہ میری محنت کی وجہ سے میرے ہی عمل سے بن جائے گا۔ کافر نتائج کو اپنے اعمال کا ثمرہ سمجھتا ہے اور مومن نتیجے کو اللہ کا فضل سمجھتا ہے۔ اب رب نے جو یہ تکوینی تدبیر مقرر کی کہ اگر بیٹا لینا چاہو تو یہ طریقہ اختیار کرلو، اب کوئی شخص بیٹا تو لینا چاہے اور کہے کہ شادی تو میں کرتا نہیں۔ ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک صاحب آئے اور میرے ساتھ بات چیت شروع کی کہ کیسا حال چال ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے تو کہا کہ بچے کیسے ہیں؟ میں نے کہا کہ اچھے ہیں۔ (مولانا صاحبؒ کا اشارہ طالب علموں کی طرف تھا کیونکہ آپ نے اُس وقت شادی نہیں کی تھی اور شادی کے بعد بھی آپ کی اولاد نہیں ہوئی) تو جیسے بغیر انفکاک کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تکوینی نظام چل رہا ہے تو اس نظام کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا دوسرا نظام جس کو تشریعی نظام کہتے ہیں، تو پہلے راستے میں تو مومن اور کافر دونوں شریک ہیں لیکن دوسرا راستہ جو ہے وہ خواص کا راستہ ہے اور خواص کون ہیں وہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور وہ راستہ جو ہے وہ خدا کے احکام پر چلنے سے خدا کو لینا ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جو انبیاء علیہم السلام بتاتے ہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ اگر یہ بستیوں والے اللہ کے احکام پر چلنے والے بن جائیں تو ہم ان کو نیچے سے بھی رزق دیں اور اُوپر سے بھی۔ "لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ"۔(المائدہ ۵:۶۶) تو گویا انبیاء علیہم السلام کا راستہ ایسا راستہ ہے جو دنیا کو بھی بنالیتا ہے اور آخرت کو بھی۔ گویا احکام پر چلنا انسان کے لیے ایسی سبیل ہے کہ اس کی یہاں کی بھی زندگی بنتی ہے۔ قبر میں بھی بنتی ہے۔ حشر میں بھی اُس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور ابد الاباد تک نعمتیں ملتی جاتی ہیں اور وہ کون سا راستہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ والا راستہ۔ کہ میں ہر حال کے حکم کو اپناتے ہوئے اللہ کے حکم پر چلتے ہوئے اللہ کے احکام پر زندگی گزارتے ہوئے اس طرح پالیں گے جیسے کہ حضرت ہاجرہ

اور اسماعیل علیہ السلام کو اُس بے آب و گیاہ میدان میں ڈال کر پالا تو احکام اور اعمال وہ سیڑھیاں ہیں جن پر چڑھ کر انسان اللہ کے تعلق کو حاصل کرتا ہے اور یہ وہ چیز ہے کہ اس کے ذریعے انسان کی یہ زندگی بھی بنتی ہے اور وہ زندگی بھی بنتی ہے اور اس سے صرف یہ نہیں ہو گا کہ ہماری بعد کی زندگی بنے گی بلکہ اللہ تعالیٰ یہاں کی زندگی بھی بنائیں گے۔

انسان کی حقیقی بناوٹ

تو انبیاء علیہم السلام بتاتے ہیں کہ دیکھو! دنیا والوں کا جو طریقہ ہے وہ اگر مال چاہیں تو مال پر محنت کریں، تجارت کے رُخ پر محنت کرنا چاہیں تو اُس پر محنت کر لیں گے لیکن اللہ کے تعلق سے انسان کی اپنی ذات بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف اپنا محتاج بنایا ہے، کسی غیر کا محتاج نہیں بنایا۔ اگر بننا ہے تو اپنے محتاج پنے کا تصور کر کے اپنی زندگی بنا لو تو اللہ تعالیٰ تمہاری حاجات کو اپنی ذات سے پورا کرے گا۔ اللہ ہر حال میں تم کو پال کر دکھائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے قُرب کے حصول کے لیے نبی کے اعمال کو اختیار کرنا ہو گا۔ یہی سیدھا راستہ ہے جو اللہ کی طرف جاتا ہے جو اُمت نبی کو چھوڑ کر غیر کے طریقے کو اختیار کرے گی۔ وہ تو تباہی کے رُخ پر جائے، اُمت بن نہیں سکتی جب تک وہ نبی کے طریقے کو اختیار نہ کر لے۔ بلا تشبیہ عرض کروں کہ ریل جب پٹڑی پر چلے تو ٹھیک رہے۔ اگر پٹڑی سے باہر ہو جائے تو چکنا چور ہو جائے۔ اس بات کو حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مقام پر فرمایا: ”کہ اللہ نے ہم کو اسلام کے ذریعے سے عزت دی“۔ تو بنانے کے لیے ہم کو نہ تو خارج کا محتاج کیا اور نہ دوسری چیزوں کا اور کھلے طور پر عرض کروں کہ اس اُمت کے افراد اعمالِ محمدیہ ﷺ سے بنتے ہیں۔ جس قدر یہ اُمت اعمال محمدیہ ﷺ سے ہٹتی جائے اُس قدر یہ بربادی کی طرف چلتی جائے گی۔ اللہ کی کتاب اور نبوت کے اُسوہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو، پنجہ مار کر پکڑنا۔ اب اعمالِ محمدیہ ﷺ میں زکوٰۃ بھی ہے، حج بھی ہے۔ اب ایک شخص ہے جس کے پاس مال ہی نہیں تو اُس کا بننا اس

پر موقوف نہیں کہ وہ زکوٰۃ ہی دے۔ اگر وہ اور احکام کو کرنے والا بنے تو اس کے زکوٰۃ والے حصے کی روحانیت اللہ اپنی طرف سے بنائے گا اور اگر مال ہے اور زکوٰۃ نہیں دے گا تو اول تو دنیا میں اس کا مال اس کے زکوٰۃ نہ دینے پر کھا جائے گی اور پھر قیامت میں اس کا مال گنجے سانپ کی صورت میں لایا جائے گا اور وہ کہے گا کہ اب چکھ لو اُس مال کا مزہ جس کو تو جمع کرتا تھا تو کہا جائے گا کہ ایک حکم جو تیری طرف متوجہ ہوا تھا تُو نے اس کو ادا نہیں کیا۔ اسی طرح ایک شخص ہے اُس پر حج فرض ہے اور وہ اُس فریضہ کو ادا نہیں کرتا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: "کہ مجھے پرواہ نہیں کہ یہودی مرے یا نصرانی مرے"۔ تو انسان کا بننا موقوف کر دیا اعمالِ محمدیہ ﷺ کے ساتھ۔

ابلاغ ہدایت کے ذرائع

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (6مارچ1964ء، بعد از نمازِ عصر بروزِ جمعہ)

انسانی جستجو

بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس میں جستجو کا مادہ ہوتا ہے۔ چیزوں کو توڑتا پھوڑتا ہے کیوں؟ کہ میں سمجھوں۔ اصل میں انسان میں جستجو کا مادہ جو ہے وہ اثر ہے اُس سوال وجواب کا جو ازل میں ہوا تھا جبکہ پروردگار نے کہا کہ کیا میں تیرا رب نہیں؟ کہا: ''ہاں''۔ اب یہاں جو آتا ہے تو وہ اس فکر میں ہوتا ہے، جستجو میں ہوتا ہے۔ نہ معلوم کس کی جستجو؟ وہ حقیقت میں جستجوئے رب میں ہوتا ہے۔ سب کی جستجو رب کی بنا پر ہے اور سب میں موجود ہے۔ وہ رب کی پہچان کے لیے ہے۔ ہر چیز میں اُس نے اپنی پہچان کے نشانات ڈال دیے ہیں۔ ذرہ کو بھی اگر انسان پہچان لے تو اللہ تعالیٰ کو پہچان لے لیکن پہچان حقیقی پہچان ہو۔ یہ نہیں کہ انسان فلاسفہ یا دہریہ سائنسدانوں کی طرح چیزوں میں اُلجھ جائے۔ اب آپ فارسٹ والے ہیں، آپ اگر درخت کے ایک تنے کو دیکھیں تو ایک درخت کے پتے جو ہوتے ہیں۔ گو درختوں کے پتے ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن اگر پتوں کا مقابلہ کریں تو اگر پتوں میں نہیں تو شیڈ میں کچھ فرق ہوگا، ریشوں میں فرق ہوگا اور تختوں کو چیریں تو بھی فرق نظر آئے گا۔ ایک باپ کے دو بیٹے ہوں تو بھی فرق نظر آئے گا۔ مقصد اور مقصود میں فرق ہوگا۔ اب یہ فرق کیوں ہے؟

راہ کو منزل سمجھنا

انسان راہ کو منزل سمجھتا ہے اور یہی انسان کی سب سے بڑی لغزش ہے۔ قرآن کریم میں شروع سے لے کر آخر تک آیت آیت کے لفظ آتے ہیں۔ اب یہ آیات کسے کہتے ہیں تو جیسے نشان سے ایک شخص پہچانا جاتا ہے، اسی طرح خالق نے مخلوقات کو اپنی معرفت کا

سبب بنایا ہے۔ مخلوق کو دیکھو! لیکن اس میں اپنی کاریگری کو دیکھو۔ ''صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ ط''۔ (النمل:۲۷، ۸۸) (یہ سب اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مستحکم طریقے سے بنایا ہے۔) اب انسان کی سب سے بڑی لغزش یہ ہوتی ہے اور اسی میں اس کی ابتلاء اور آزمائش ہے کہ اللہ نے مخلوقات کو بنایا ہے ذریعۂ معرفت لیکن ان چیزوں میں کاریگری کے ساتھ کچھ دل لبھانے کے بھی سامان رکھ دیئے ہیں کہ انسان اللہ کی طرف جائے یا اسی میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ پھول کو دیکھتے ہیں تو بنانے والے کی طرف نگاہ نہیں جاتی بلکہ پھول میں اُلجھ جاتا ہے۔ یہی حالت ہر چیز کی ہے۔ عارفین اللہ کے پہچان والے جو ہیں وہ مخلوق میں مخلوق کا تماشا نہیں کرتے بلکہ مخلوق میں خالق کی صفات کو دیکھتے ہیں۔ حافظ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے:

ما در پیالہ عکس رُخِ یار دیدہ ایم
اے بے خبر از لذتِ شرب مدام ما

(مجھے مخلوقِ خدا میں اس کے مظاہر نظر آتے ہیں۔ تجھے کیا خبر کہ عالم شہود کے نظارے سے مجھے کتنی لذت محسوس ہو رہی ہے۔)

عالم مظہر صفات

میں نے پیالے میں یار کا رُخ دیکھا ہے یعنی میرے لیے پورے کا پورا عالم مظہر ہے صفاتِ رب کا۔ میری نگاہ چیزوں پر پڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے لیکن میں اشیاء کو نہیں دیکھتا اور اگر چیزوں کو اپنے طور سے پہچان لیں اور اللہ سے نہ توڑ دیں۔ تو یہ جستجو اللہ کی طرف چلتی بڑھتی رہے اور یہ جملہ استعدادیں اگر انسان کو اللہ کی طرف لے جائیں تو انسان ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ'' ہم نے انسان کو بڑے اچھے پیمانے سے پیدا کیا ہے، تو اللہ کی وہ بات پوری ہوئی اور اگر یہ چیزوں میں اُلجھ جائے گا تو ''ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ''۔ (التین:۹۵، ۴۔۵) (پھر ہم اُسے پستی والوں میں سب سے زیادہ نچلی حالت میں کر دیتے ہیں۔) وہی جستجو کی قوت، وہی استعدادیں جو ہیں، اُسی سے انسان اپنے آپ کو مٹائے گا۔ عمومی

طور پر انسان میں اللہ نے یہ جذبہ رکھ دیا، جب انسان کسی شہر میں چلا جائے اور شہر کو پورا دیکھنا بھی چاہے تو پورے طور پر دیکھ نہیں سکتا بلکہ ایک "Guide" کی ضرورت ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے "Guide Books" بھیجیں ہیں لیکن گائیڈ بک سے بھی پورا کام نہیں چلتا بلکہ ایک گائیڈ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صحیفے جو ہیں وہ اس عالم میں اللہ تک پہنچانے والے ہیں اور سب سے بڑی عالی شان کتاب جو ہے وہ قرآن مجید ہے۔ وہ ہر پہلو کو لیتی ہے۔ یہ گائیڈ بک "کتاب ہدایت" ایسی ہے جس میں جُز سے لیکر کُل تک اور کُل سے لیکر جُز تک اور حضور ﷺ کے زمانے سے لیکر قیامت تک پورے حالات بیان فرمائے ہیں۔ کوئی چیز ہدایت کے متعلق ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ فرمایا: "بِیَانًا لکلّ شیءٍ"۔(النحل:۱۶،۸۹) (تاکہ وہ ہر بات کھول کھول کر بیان کر دے۔)

کتاب اور نبی

اب کتاب تو آگئی۔ پر کتاب کے آجانے کے بعد اس پر چلانے والا نہ ہو تو بات ادھوری رِہ جاتی ہے تو کتاب پر چلانے والا کون ہوتا ہے وہ اللہ کا نبی ہوتا ہے تو جیسے کہ آپ کی کتاب اکمل الکتب ہے۔ اسی طرح آپ اپنی ذات میں اکمل الرسل ہیں اور جب سب سے کامل ہیں تو افضل بھی ہوگا اور جب سب سے افضل ہو تو افضل کو چھوڑ کر سب سے افضل کی اتباع کی جاتی ہے تو اب کتاب بھی اکمل الکتب ہوئی اور رسول افضل الرسل۔ تو جب دونوں مکمل ہوں تو نئی کتاب کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ایڈیشن ہی ایسا ہے کہ نئے ایڈیشن کی ضرورت نہیں۔ اب خاتم الکتب اور خاتم الرسل جو بتائے گا وہ وہاں تک پہنچائے گا جہاں فرشتوں کی بھی رسائی نہ ہو۔ نبی ہر جز کا کُل دیتا ہے اور وہ جُز بھی کامل ہوتا ہے۔ ایک دیگ ہو اور اچھے باورچی کی پکی ہوئی ہو تو اُس دیگ کا ہر چاول پکا ہوتا ہے یہی بات نہ ہوگی کہ ایک حصہ پکا اور دوسرا نہیں۔ اب اس کو چکھو تو پوری دیگ کا مزہ معلوم ہو۔ اسی طرح معرفت رب کا جو طریقہ حضور ﷺ نے بتایا کہ اُس کا ہر جُز کامل ہے اور جو کُل آجائے تو پھر تو پانچوں گھی میں۔ تو معرفت جو حضور پاک ﷺ کے واسطے سے آئی۔

میرے آقا کی دنیا بھی عجب پُر کیف دنیا ہے
ہر اِک قطرہ صراحی ہے ہر ایک ذرہ ہے میخانہ

اور اگر کل کسی کو نصیب ہو جائے تو ابو بکرؓ جیسے بنے گا۔

تو میں نے عرض کیا تھا کہ اس عالم کے ہر ایک ذرے میں معرفت اللہ بسی ہوئی ہے لیکن اس کے گائیڈز کتاب اللہ اور نبی اللہ ہیں۔ اگر نبیوں کے راستے سے نہیں آئیں گے تو گمراہ ہو جائیں گے۔ ''یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ''۔ اب دیکھو! اس کائنات کے خواص تو کہاں تک جانتے ہیں، دل کو چیرا، رَگوں کو چیرا، ہڈیوں کو چیرا اور یہ انجنیئر ہیں تو یہ مٹی، لوہے اور پانی کو پڑھتے اور یہ جڑی بوٹیوں کو جانتے ہیں اور ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ ''اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاكُمْ''۔(مسلم) لیکن بات وہی ہے۔

قلندر جُز دو حرف لَآ اِلٰهَ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہ شہر قارون ہے لغت ہائے حجازی کا

(قلندر کے پاس صرف لَآ اِلٰه کے دو لفظ ہیں جن سے وہ سب حقائق کو پاتا ہے اور فقیہ شہر نے اخلاص عمل کے بجائے صرف الفاظ کے ڈھیر جمع کر رکھے ہیں۔)

کیا ہوتا ہے، یہ مٹی تک پہنچے، وہ آدمی تک اور وہ بتوں تک۔ بس چیزوں کو نہ دیکھو، اللہ کو دیکھو۔ ''اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَ صِفَاتِهٖ وَ قَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْكَامِهٖ''۔ ہم سائنس سے نہیں روکتے بلکہ کہتے ہیں کہ چیزوں کو جانتے اور پہچانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ کر خداوند کریم (چیزوں والے) کو پہچانے۔ تو اللہ کو حاکم مانو گے تو حکم ماننا پڑے گا۔ اب مانا حاکم لیکن حکم دوسروں کا مانوں گا۔ مانا رازق لیکن رزق کروں گا دوسرے سے تلاش۔ اسی طرح اللہ کا حکم ہے حق ہے تو جب حکیم ہے تو اس دنیا کو ویسے ہی پیدا کیا۔ جو ہر ایک چیز میں اِتنی کاریگری دکھاتا ہے کہ تمام عالم مل جائے تو ایک ذرے کی حقیقت کو بھی نہیں پاسکتے۔ اب تمام بُت اکٹھے ہو جائیں تو ایک مکھی کو بنا سکتے ہیں؟ یا اُس سے چھینی ہوئی چیز

واپس لا سکتے ہیں؟ مکھی کا پَر بنا سکتے ہو اللہ کی چیزوں کو استعمال کیے بغیر۔ ''سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط''۔(فصّلت ۴۱:۵۳) (ہم عنقریب ان کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں ان کے گرد و نواح میں بھی دِکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ قرآن حق ہے۔) تو جب حکیم ہے تو اس کی حکمت کو کیوں نہیں مانتے۔ اب جب مدبر ہے تو اس کی تدبیر ہر ایک چیز میں جاری ہے۔ اب جب حاکم، حکیم، مدبر، خالق، رازق۔۔۔۔ سب کچھ وہی ہیں تو اُس کو چھوڑ کر دوسروں کے پاس چلنا بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔ اب آگے فرمایا: ''وَ قَبِلْتُ جَمِيْعِ اَحْكَامِهٖ'' اور کیوں نہ مانیں کہ وہ تو ظاہر و باطن دونوں کو جانتے ہیں اور کیوں نہ جانیں '' اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ ع '' ((اور بھلا) کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین (اور) پورا باخبر ہے۔) یہ بات تو وہاں نہیں ہو سکتی کہ گلے میں ہار پہنا لیں اور دل میں گالیاں دیں۔ آجائے تو باؤلے کُتّے کی طرح بقول مفتی زین العابدینؒ استقبال کریں۔ جب آجائے تو کھڑے ہو جائیں تو اچھا معاملہ تو یہ ہے کہ دل میں اس کی عزت ہو، وہی تو ہے جس کو ظاہر و باطن نظر آتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی غیب اور حضور نہیں۔ یہ تو ہماری نسبت سے ہے۔ اُس کو خالق، مالک مانو گے تو پھر کیوں خرابی ہو؟ جو سچا ہو تو اُس کی ہر ایک بات سچی ہو گی، جو نڈر ہے ادر ہے وہ کسی سے نہ ڈرے۔ تو جب وہ سچا ہے تو جھوٹ کیوں بولیں؟ اب اللہ کو سچا مانو گے تو اس کی تمام باتوں کو ماننا پڑے گا۔ اللہ کہے کہ میرا نبی سچا ہے تو وہ سچا ہے۔ اب کوئی کہے کہ اللہ کیوں رسولوں کو نازل فرماتا ہے تو ہم کہیں کہ وہ کاریگر جس نے تمام چیزوں کو بنایا تو اس کی بقا کے لیے وہ نظام بنایا کہ وہ کسی کے خیال میں نہیں آسکتا۔ کیڑے مکوڑوں کو کس طریقے پر روزی دیتا ہے، پرندوں کو موسم کے لحاظ سے کیسے مختلف پَر دیئے۔ اسی طرح پودوں کو دیکھو تو یہ کیسی کیسی جگہوں پر اُگتے ہیں۔ اسی طرح حیوانات کو دیکھو اور اس میں مکڑی جو ایک چھوٹا سا کیڑا ہے اُس کو کیسے تانے بانے کا فن سکھایا جس میں مچھر، مکھی وغیرہ کو پھنساتا ہے۔

اب وہ اللہ جس نے مخلوق کے ظاہری رزق کے لیے اِتنا بندوبست فرمایا۔ تو جو روح ہے اُس کے لیے غذا کا انتظام نہ کرتا؟ یہ تو اس کے عدل کے خلاف تھا۔ تو اب یہ عدل کے تقاضے سے اللہ تعالیٰ پر لازم تھا کہ باطنی غذا کے لیے بھی انتظام کرے۔ یہ بات نہ ہو کہ مکان کو تو بنائے اور مکین کا انتظام نہ کریں۔ درختوں کی جڑوں کو کھودیں تو پتہ لگے۔ ڈاکٹر صاحب دیکھیں گے میرے ہاتھ کو اور چہرے پر نگاہ ڈالیں گے تو پتہ لگے گا کہ اس کو کیا تکلیف ہے۔ اسی طرح انجینئر صاحب ہیں۔ یہ اگر مکان کو دیکھ لیں تو کہے کہ اس میں اِتنی ریت ہے، یہ اِتنے دِنوں تک نہیں ٹھہر سکتا۔ اسی طرح روحانیت کا حال ہے۔ انسان وہ نگاہ رکھتا ہے کہ جو دیکھ کر بتاتا ہے کہ یہ کون سے لوگ ہیں اور نبی کو دیکھ کر بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔

کتاب اور سنت کی حفاظت

اب نبی انسانوں میں سب سے بہترین نمونہ ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی معرفت کو بتانے والے ہوتے ہیں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ جس طرح خداوند قدوس کا تقاضا صفات کو ماننا ہے۔ اسی طور پر صفات کا تقاضا یہ ہے کہ احکام اور اس کے نتیجے کے طور پر آخرت کو ماننا ہے۔ العیاذ باللہ حاکم بدہن لنگڑا لولا خدا نہیں کہ خدا کو مانو لیکن اس کی صفات کو نہ مانو یا احکام کو نہ مانو تو گویا پورے عقائد، صفات اور احکام کا ماننا اللہ کا ماننا ہے اور غور کرو کہ چیزوں کے خواص ہوتے ہیں۔ (Properties of Elements) اسی طرح اوامر میں بھی خواص رکھے گئے ہیں۔ تمہارے جزائے اعمال خواص اعمال کے ظہور کا دوسرا نام ہے۔ زہر کھاؤ گے تو مر جاؤ گے۔ چھری لگے گی تو خون آئے گا، گروگے تو چوٹ آئے گی۔ یہاں بُرا عمل کروگے تو وہاں جہنم میں گروگے، یہاں توڑوگے تو وہاں توڑوگے۔ تو مطلب یہ ہے کہ پورے کے پورے عقائد اور اعمال کا نظام اللہ کی معرفت سے بندھا ہوا ہے اور اللہ کی معرفت کو جاننے کے لیے اس عالم کو بھی بنالیا اور اللہ تک پہنچنے کے لیے کتاب ہدایت بھی نازل کی اور اس کی ہدایت کو بتانے

سکھلانے کے لیے محمد ﷺ کو بھی مبعوث فرمایا تاکہ کل کسی کو قیامت میں حجت نہ رہے اور پھر آپ کے جزو کُل کو خدا نے محفوظ رکھا۔ ہم بتا سکتے ہیں کہ حضور ﷺ آنکھوں میں سُرمہ کیسے ڈالتے تھے، سوتے کیسے تھے، تاکہ کسی کو حجت باقی نہ رہے کہ ہدایت کی کتاب باقی تھی لیکن نمونۂ ہدایت باقی نہ تھا۔ کیوں؟ تاکہ ”لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ“۔ (الانفال۸:۴۲) (تاکہ جو مرے، بصیرت پر (یعنی یقین جان) کر مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی بصیرت پر (یعنی حق پہچان کر) جیتا رہے)۔

یقین کی کمزوری کے مختلف اسباب اور اس کا مداوا

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (9مارچ1964ء، بعد از نمازِ عصر بروزِ پیر)

سوال: از نور عالم خان مروت "زراعت کا طالب علم" یقین کی کمزوری کا کیا سبب ہے؟

جواب:

وہی دیرینہ بیماری ، وہی نامحکمی دِل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی
متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

مولانا صاحب کے اپنے اشعار:

دیدۂ دل سے خون بہ نکلا ، ٹوٹے دیکھے جو چند پیمانے
مے شبانہ لُٹ گئی اشرفؔ ، کیسے پائیں گے راہِ فرزانے

ماحول کی خرابی

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جیسے غذا کے نہ کھانے کی بنا پر ضعف جسمانی ہو جاتا ہے یا صحت کے مطابق جو ماحول نہیں ہوتا وہاں کی رہائش سے جسمانی بیماریاں پیدا ہوا کرتی ہیں، اسی طرح روحانی غذا کی جب چلن ختم ہو جاتی ہے، روح کمزوری محسوس کرتی ہے۔ یقین میں ناتوانی آتی ہے اور اس میں ماحول کا بھی بڑا اثر ہے۔ اب ماحول بھی ایسا اور مریض بھی ایسا ناتواں۔

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالبؔ
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

صدمہ کہتا ہے ٹکراؤ کا۔ کہتا ہے کہ میں اِتنا کمزور تھا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پھونک ماری تو اُس سانس کے زور سے مر گیا۔ چنانچہ ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی دین کی بات

بتائے تو اس سے بھی بھاگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دور میں اس "Atomic Age" میں تم اُن صحرا نشینوں کی باتیں کیا کرتے ہو اور اگر ہم سے کوئی پوچھے:

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشین کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہان بان و جہاں آرا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا

تو زمانہ ایسا آگیا، ہم کیا کریں تو انبیاء علیہم السلام جس دین کو لیکر آئے نہ وہ موسم کو دیکھے، نہ زمان و مکان کو۔ وہ ہر زمان، ہر ماحول اور ہر وقت کے لیے کافی ہے۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

ہر زمان میں حیات آفرین ہے، حیات بخش زندگی دیتا ہے اور زندگی پر چلاتا ہے اور ہر زمانے کے لیے زندگی کو حیات آفرین بناتا ہے۔ اب اپنا حال یہ ہے کہ مریض ناتوان، ماحول ناساز گار، طبیب بے فکر، طبیب کو مریض کی فکر نہیں اور مریض اِتنا ناتواں ہے اور ناتوانی سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ جان جارہی ہے اور یہ سمجھ رہا ہے کہ میں اچھا ہوں، انتہا ہو چکی لیکن وہ ابھی تک اُسی غفلت میں ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کاروان جاتا رہا
کاروان کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

معالج اور مریض دونوں غافل، دونوں کاہل، دونوں نتائج سے بے خبر۔ ایک انجن ریل کے اِدھر سے اور ایک اُدھر سے، فاصلہ صرف دو فرلانگ کا رہ گیا لیکن ڈرائیور خوابِ غفلت میں مزے سے سگریٹ پی رہا ہے۔ اب پتہ لگے گا جب حادثہ ہو گا۔

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا کچھ
کچھ تو سمجھے خدا کرے کوئی

یقین پیدا ہوتا ہے یقین والوں کی صحبت سے، یقین والے اعمال سے، یقین والوں کی تحریروں کے سننے اور یقین والوں کے تذکروں کے پڑھنے سے۔ یہ دوائیاں ہیں، کسی کو کیا مفید ہو اور کسی کو کیا۔ یقین کی ابتدا امان لینے سے ہوتی ہے اور پھر اس کے بے انتہا منازل ہیں۔

اے برادر بے نہایت در گہے است
ہر کہ بروے می رسی بروے مییست

(اے میرے بھائی! اللہ تعالیٰ کی درگاہ بہت وسیع ہے تجھے ایک خاص درجے پر جاکر قناعت اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔)

اہل اللہ کی صحبت

سب سے بڑے یقین والے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر صدیقین اور پھر اس سے جتنے جتنے درجات کم ہوں۔ یقین بنیادی چیز ہے اور یقین کی بنیاد اُن عقائد کا اجمالی اعتراف ہے۔ جن عقائد کو انبیاء علیہم السلام لیکر آتے ہیں اور ان کی دعوت دیتے ہیں اور ان سب میں بڑھ کر جو ان سب عقیدوں میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے، وہ عقیدہ ہے اللہ کی ذات وصفات کے یقین کا۔ اللہ کی ذات کا یقین اُس کی صفات کے استحضار کے بقدر بڑھے گا۔

غور و فکر

تو کیا ہوا، کسی نے Pathology، کسی نے Geology اور کسی نے Evolution کو لیا۔ ان جیوں کو تولے رہے ہیں اور اپنا جی نکال دیا تو اللہ کی ذات کا یقین اس کی صفات کے یقین کے بقدر بڑھتا ہے۔ ان صفات میں غور اور صفات کا مراقبہ (نگرانی، توجہ) اس سے اللہ تعالیٰ کا ایک طرف تو یقین بڑھتا ہے اور ایک تعلق بھی بڑھتا ہے اور صفات میں مختلف اثرات

ہوتے ہیں۔ اُن میں بعض لوگوں کو بعض اسماء سے تعلق ہوتا ہے۔ بعض جلالی ہوتے ہیں، بعض کمالی ہوتے ہیں اور بعض جمالی لیکن قدر مشترک ان سب میں یہ ہے کہ ان صفات کو سوچو۔ تم تو ایگریکلچر والے ہو، پتوں کو دیکھو کہ ان میں سورج کی شعاعوں کے انجذاب کرنے کے لیے جو خلیے ہوتے ہیں اُن کو کس نے بنایا۔ اللہ کی کاریگری پر نگاہ رکھو۔ ایک ایک ڈالی، ایک ایک شاخ کی پرورش کرتا ہے۔ کیا انسان کو زندگی نہیں دے گا۔ پھولوں کو نکھارتا ہے تو کیا انسان کو ایسے چھوڑے گا۔

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

ہر چیز اپنی استعداد کے بقدر عارف رب ہے اور جتنا کہ عارف رب اُسی قدر اللہ کے احکام کا پابند ہے۔ میرا جسم اللہ کے حکموں کے خلاف تکوینی طور پر نہیں چلتا۔ میں تو یہ چاہوں کہ تمام عمر داڑھی نہ نکلے کہ بلیڈ کا استعمال نہ کرنا پڑے لیکن کیا کروں کہ امتحان کا دِن ہے، دوائی استعمال کرتا ہے لیکن پھر بھی نیند کو ضبط نہیں کر سکتا تو ہمارے قویٰ بھی ہمارے اختیار میں نہیں۔ تو میں یہ عرض کروں کہ ہر چیز تو میاں کے حکموں کی پابند ہے لیکن صرف انسان ہی ایسا ہے اور پھر قیامت میں یہی کہیں گے کہ ہم تو آپ کے حکموں کے پابند تھے لیکن یہ اجزائے جسم نہیں چھوڑتے تھے جس کی شکایت کریں گے۔

تو بہر حال عرفان رب کے حصول کا طریقہ رب کی صفات میں غور کرنا ہے۔ ''اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ''۔ (سورۃ الذاریات: ۵۸،۳۱) (اللہ تو خود رزاق ہے۔ مستحکم قوت والا۔) ہم رزق کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں اور رزق کہاں سے آئے۔ اللہ کی صفات میں یقین آئے گا تو اشیاء کی صفات کا یقین آئے گا۔

اب تو سو اور اس سے بھی زیادہ Elements ہیں لیکن پھر صرف ایک Element رِہ جائے گا ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ''۔ ننانوے میں غور کروگے تو ننانوے کے پھیر سے نکلوگے۔

اعمالِ ایمانیہ کا اختیار کرنا

صفات میں غور کرو۔ دوسری چیز جو ہے وہ اعمال ایمانیہ ہیں اور ایمان نرے یقین کا نام ہے۔ جتنا یقین بڑھے اُتنا ایمان بڑھے اور جتنا ایمان بڑھے اُتنا یقین بڑھے تو صحابہؓ کے متعلق آتا ہے کہ جتنے اعمال آتے تھے، اُتنا ہی ایمان بڑھتا تھا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (الانفال۸:۲) (مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں)۔

جب وہ شاہِ دلربا سامنے آجائے ہے
تھامتا ہوں دِل کو لیکن پہلو سے نکلا جائے ہے

لیلیٰ کا نام آجائے تو مجنون بے قابو ہو جائے۔ ایک دفعہ مجنون جارہا تھا کہ بے ہوش ہوا۔ تمام نے اُن کے تلوؤں کو ملا، منہ پر چھینٹے مارے لیکن کچھ نہ ہوا کہ اِتنے میں کسی نے کہا ''تعال لیلیٰ'' (لیلیٰ آجا) کیونکہ وہاں تو ایسے نام کافی ہوتے تھے تو کیا ہوا کہ اُس نے آنکھیں کھولیں اور اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا تو مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

(اگر مجنون کا حال یہ ہے کہ لیلیٰ کے عشق میں خوار و زار ہو کر وہ اس پر خوش ہو تو اللہ کے عاشق کو کتنی مجاہدات سے گزر کر صبر و استقامت کی ضرورت ہو گی۔)

تلاوت

تو کیا ہے کہ جب اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کی بڑھوتری کا سبب

بنتی ہیں۔ وہ یہ ہے کہ احکامِ الٰہیہ انسان کے دل پر اپنا اثر ڈالتے ہیں تو جب کوئی زندہ دل ہو۔ جب وہ قرآن کو سُنے تو ظلمتیں دُور ہو جاتی ہیں۔ آج تو "Sun bath" نکل آیا اور یہ قرآن کریم Bath ہے دِل کا تو جب دل زندہ ہوتا ہے تو وہ ان شعاعوں کو لیتا ہے تو جیسے سورج کی شعاعوں میں خوراک ہوتی ہے اسی طرح قرآن کی شعاعوں میں دل کے لیے خوراک ہوتی ہے۔ جتنا دل توجہ سے سنے گا، تو وہ اس کے اندر چلی آئے گی۔ قرآن کریم کا سن لینا دل کے یقین کے بڑھانے کا سبب ہے تو اگر پورے قرآن کو سُن لیا تو مخلوق سے بھروسہ نکل جاتا ہے اور دل اللہ پر آتا ہے۔

جب دل یہ جان لے کہ اللہ سے سب کچھ ملتا ہے تو پھر دل اُس کی طرف جائے گا یا نہیں۔ ایک طرف پچاس ٹوٹیاں لگی ہوں اور سب خشک ہوں اور ایک طرف بڑا پائپ ہوتا ہے اور اس پر ایک "Valve" ڈھکنا سا ہوتا ہے جس کو اگر اسی طرف پھیر دیں تو پانی آجائے اور اُدھر پھیر دیں تو پانی بند ہو جائے۔ تو اب ایک عقلمند اُس طرف جائے گا جس طرف پانی ہو یا اُسی طرف آئے گا جہاں پانی موجود نہ ہو تو ایک سبب جو ہے وہ قرآن کریم کا پڑھنا اور سننا ہے اور دوسرا طریقہ ایمان والے اعمال ہیں۔ جیسا کہ پانی درخت کو ملتا ہے اور وہ درخت پھلدار ہوتا ہے، اسی طرح جب درختِ ایمان کو ایمان کا پانی ملے گا تو وہ سرسبز و شاداب ہو گا۔

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر اُمید کا تھا
جب صرصرِ عصیان چلنے لگی اِس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

دعوتِ الی اللہ

جب اللہ میاں کا خیال تھا، اس کی فرمانبرداری تھی تو ایمان کا درخت سرسبز تھا اور جب وہاں سے تعلق کی کمی ہوئی تو یہ پیڑ بھی کمزور ہوا تو اب سرسبزی کے لیے دعوت کی زمین درکار ہے۔ اگر دعوت نہ ہوتی تو صدیق کا وجود نہ ہو، فاروق کا وجود نہ ہوتا، تبلیغ "اُمّ الحسنات" ہے، نیکیوں کی ماں ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ اللہ کے دین کی محنت سے بڑھ کر کوئی بات نہیں۔ اب زمین سخت ہو اس پر کوئی ہل نہ جوتے تو کیا درخت لگے گا۔ صدر ایوب

صاحب بھی شجر کاری کے دن درخت لگائیں۔ تو پہلے زمین کو کھودنا ہو گا۔ دین کے لیے محنتوں کے ارادے اور اس کے علاوہ اور باتیں اور اعمال کرنے ہوں گے۔ اس کے لیے ساز گار ماحول کی ضرورت ہے۔

ساز گار ماحول

دیکھو! خطِ استوا کے جو پودے ہیں، وہ ٹنڈرا میں پیدا ہو سکتے ہیں؟ وہ بھی اللہ کی زمین، یہ بھی اللہ کی زمین۔ کھجور کا درخت کوہِ ہمالیہ پر اُگاؤ تو کیسے اُگے۔ تو تیسری بات اس یقین کے پیدا کرنے کے لیے ماحول کی ساز گاری یا ماحول کو ساز گار کرنے کے لیے ایک ایسی فضا بنالو، ایک ایسا "Zone" بنالو۔ آپ کبھی ریل میں گئے ہوں گے کہ اِس میں "Air Conditioned" ڈبے ہوتے ہیں تو باہر 120 درجے گرمی ہے۔ سبّی کا علاقہ ہے لیکن اندر چلو تو بالکل ٹھنڈک محسوس ہو تو اپنا چھوٹا سا چلتا پھرتا ایسا ڈبہ بناؤ جو کہ ماحول پروف ہو، جو (Germs) جراثیم کو روک سکے۔ دیکھو! کافی سردی ہو اور آپ کو عبد الرزاق صاحب (ڈائریکٹر سپورٹس اسلامیہ کالج پشاور) کہے کہ اس گراؤنڈ میں بنیان اُتارو اور خوب چکر لگاؤ تو پسینہ اگر نہ آئے تو گرمی تو آجائے گی۔ تو جتنی محنت کرو گے ماحول کی ساز گاری کے لیے تو نتیجہ یہ ہو گا تو دوسرا اگر گرم ہو گا یا نہیں تم تو گرم ہو جاؤ گے۔ دیکھو! یہ ہاتھ ایسے رکھا تو سو جائے اور سوتے ہوئے کو سوتا رکھ لو تو بالکل شل ہو جائے گا اس کو تو حرکت دینا ہو گی۔

دعوت و تبلیغ کی اہمیت

اسلامیہ کالج مسجد پشاور یونیورسٹی (17 مارچ 1964ء، بعد از نمازِ مغرب بروزِ منگل، 6 بجکر 45 منٹ)

راستے کا انتخاب

میرے عزیزو اور دوستو! ہمارے بھائی اسرار صاحب (پروفیسر گورنمنٹ کالج مردان، پروفیسر میر حاتم صاحب کا چچازاد) نے اعلان کرتے ہوئے ایک بات کہی کہ ہماری کامیابی کا دارومدار حضور ﷺ کے طریقہ میں ہے۔ بات سچی کہی۔ اگر مسلمانوں کے تمام جوان ایسے ہی بات کہیں اور اس پر عمل بھی کریں تو کامیابی قدم چوم لے گی۔ بات یہ ہوئی کہ جو راستہ اللہ کو محبوب تھا، وہ مغضوب ہو گیا اور غیروں کے طریقے محبوب ہو گئے۔ آنکھیں بند کر کے غیروں کے راستے پر چل رہے ہیں، دوڑتے ہیں اور دیکھتے نہیں کہ اِدھر جا رہے ہیں یا اُدھر جا رہے ہیں۔ اللہ مغفرت کرے۔ سعدیؒ نے فرمایا:

آں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

واقعہ جو بھی ہو لیکن بہر حال فرماتے ہیں کہ جس راستے پر تو جا رہا ہے یہ مکہ معظمہ کو جانے والا نہیں بلکہ یہ ترکستان کی طرف جا رہا ہے۔

(جس راہ پر تو جا رہا ہے تجھے اپنے منزل پر نہیں بلکہ ترکستان پہنچائے گا۔)

احکامِ دین

محمد ﷺ کو بھی یہ جرأت نہ تھی کہ اپنی ذات سے دین کو بناتے بلکہ اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ نے تیرے لیے دین اسلام کو چُنا ہے اور تو ایسے ایسے بتا دے۔ اب جبکہ نبی جو ایسے مقام پر فائز ہوتا ہے، وہ اگر اپنے سے بتاتے نہیں تو اگر ہم اپنی مرضی پر چلنے والے ہوں گے تو کیا وہ کامیابی کا راستہ ہو گا، نہیں۔ بلکہ وہی بات ہو گی۔ ”فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ“۔ (یونس ۱۰:۳۲) (یہی اللہ تو تمہارا برحق ہے اور

حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا؟)۔ ایک راستہ ہے سیدھا اور اس کے علاوہ جتنے بھی راستے ہیں، وہ ٹیڑھے ہوں گے۔ وہ غلط طرف کو لے جانے والے ہوں گے۔ کسی کا دماغ اُلٹا ہو جائے تو وہ اُلٹا سوچتا ہے۔

عارضی کامیابی

قرآن کریم کے متعلق قرآن نے خود کہا ہے: ''وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا''۔ اس میں کوئی کجی نہیں جو اس کے ارشادات پر چلے گا وہ کج نہیں ہو گا۔ اب دنیا کی کامیابی، ایک دن، دو دن، سال، پچاس سال اور آخرت کی کامیابی اس کی کوئی حد نہیں اور کامیابی کو سمجھنے کے لیے دو چیزوں کا جاننا ضروری ہو گا۔ (۱) کامیابی کسے کہتے ہیں؟ (۲) اور کامیابی کتنے عرصے کے لیے ہے؟

آپ نے ایک شخص بادشاہ سقہ کا نام سنا ہو گا کہ کابل کا بادشاہ تھوڑے عرصہ کے لیے بن گیا تھا اور نظام سقہ جو ہمایوں کے زمانے میں تھا، اُس نے بھی ایسے دو تین دن تک بادشاہی کر کے چمڑے کے سکے چلائے اور اسی طرح 9 اپریل 1944ء کی بات ہے کہ ہٹلر جو بات بھی کہتا تھا، لوگ اس کو قضائے مبرم سمجھتے تھے تو کہا کہ جرمنی، ناروے، ہالینڈ پر ایک ہی رات میں قبضہ کر لیا اور اتحادیوں کو آٹھ گھنٹے میں شکست دے دی۔ اسی طرح 9 مئی 1944ء کو یہ بات ہوئی کہ ان فرانس والوں نے ایسے مورچے بنائے تھے کہ اُن کا خیال تھا کہ یہ فتح ہو ہی نہیں سکتے لیکن جو رُخ کیا تو یہ بھی فتح کیا۔ اسی طرح پولینڈ کو بھی قبضہ کر لیا۔ اسی طرح مسولینی کو جب گرفتار کیا گیا تو اس کو اٹلی کے مقام پر قلعہ بند کر دیا گیا۔ تو کیا کرتے ہیں وہاں Parachuters بھیج کر اس کو قلعہ سے لے جاتے ہیں یعنی آخری وقت تک یہی سمجھا جاتا تھا کہ اس کی تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔ 22 اپریل 1945ء میں تمام ملک فتح ہو چکا۔ صرف دو شہر باقی تھے لیکن اس وقت بھی ایک بات کہی کہ ہمارے پاس اب بھی ایسے پوشیدہ آلات ہیں جو

ان اتحادیوں کو خون میں ڈبو دے گی۔ یہی بات تھی لیکن 1945ء ختم ہوا تو جرمنی کا کوئی نام لینے والا نہ تھا۔ وہ ”أنا و لا غیری“ (صرف میں ہوں اور کوئی اور نہیں) ختم ہو گیا۔

اسی طرح ہم یوں سمجھتے ہیں کہ فلاں آدمی کامیاب ہوا، کیوں کامیاب ہوا؟ حکومت مل گئی، فرعون نے بھی حکومت کی، شداد اور نمرود نے بھی حکومت کی تو کیا وہ کامیاب تھے؟ تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ نری حکومت والا کامیاب نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض لوگ دولت کو کامیابی سمجھتے ہیں لیکن قرآن نے اس کو ردّ کیا ہے اور کہا کہ اگر دولت میں کامیابی ہوتی تو قارون کامیاب ہوتا جو کہ موجودہ راک فیلر سے بھی زیادہ مالدار ہو گا کیونکہ اُس کے خزانوں کی چابیوں کو لینے والے چند آدمی تھے۔

ایمان و تقویٰ

قرآن کہتا ہے اور بار بار کہتا ہے کہ یہ بات نہیں کہ جن لوگوں نے حکومت حاصل کی، دولت حاصل کی وہ کامیاب ہوئے یا زراعت والے کامیاب ہو گئے بلکہ یوں آتا ہے کہ ایمان اور تقویٰ والے کامیاب، دین والے کامیاب اور بے دین والے ناکام کیونکہ ایک دن کی کامیابی کو کامیابی نہیں کہتے بلکہ کامیابی وہ ہے جو کہ پوری عمر کی کامیابی ہو۔ ایک بچہ ہے جبکہ دودھ پینے کے وقت میں ہو، خوب ھٹّا کٹّا اور خوبصورت ہے۔ پورے لوگ تعریف کرتے ہیں۔ اب جو دو سال گزر گئے تو ہاتھ بھی کام سے رِہ گئے، پاؤں بھی رِہ گئے ۔ یہاں تک کہ دوسرے لوگ اس کے منہ میں کھانا دیتے ہیں اور اب اس کی ستر سال کی زندگی ہے تو اب اس کی یہ اڑسٹھ سال والی زندگی کامیابی کی ہو گئی۔ چاہے وہ دولت مند ماں باپ کا بیٹا ہو، خوب مالدار ہوں تو پھر اس کی یہ زندگی کامیابی کی ہو گی۔ اب تم حساب اور اندازہ لگا لو کیونکہ تم Proportions کو جانتے ہو۔ تو اب آتے ہیں کہ صرف قیامت کا زمانہ اِتنا ہو گا کہ پچاس ہزار سال کا ایک دن ہو گا، اُس حساب سے کہ تم کرتے ہو۔ اس کے بعد صراط اور ابد الاباد کی لامحدود زندگی شروع ہوتی ہے تو جیسے میں نے کہا کہ مرض آیا لیکن مرا نہیں۔ تو ایسے جہنمیوں

کے متعلق ہے "ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ۝١٣"۔ ان کی زندگی موت سے بدتر ہوگی، موت چاہیں گے لیکن موت نہیں آئے گی۔ اسی مضمون کو قرآن نے فرمایا ہے کہ تم دنیا کی زندگی کو محبوب رکھتے ہو۔ "وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝١٧" کہ آخرت کی زندگی خیر والی بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی۔ دیکھو! نبی کو جو دین ملتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور اللہ کے سامنے یہاں کی بھی زندگی ہوتی ہے اور آنے والی زندگیاں بھی ہوتی ہیں۔ وہ تمام زمانے، احوال اور کیفیات کو سامنے رکھ کر احکام دیتا ہے اس لیے اُن طریقوں سے ہٹنے سے کامیابی نہیں ہوتی اس لیے انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ سے لَو لگاؤ۔ کفار کا تعلق اسباب، چیزوں اور اس دنیا کے ساتھ ہوتا ہے۔ اب یہ چیزیں کب تک باقی رہیں گی؟ قیامت میں کوئی چیز ہمارے سامنے کام آجائے، تمام چیزیں ٹوٹ پھوٹ جائیں گی "تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَاب"۔ (البقرۃ:۲، ۱۶۶) اللہ کی ذات لافانی ہے۔ تو جو انسان اُس سے لَو لگائے گا تو وہ ہر جگہ اس کے کام آئے گا۔ کسی جگہ میں اُس کو چھوڑے گا نہیں۔ اب کیا ہے؟ ایک چھوٹی سی بات ہے۔ یہ وہ تمہارے "Economist" کی بات نہیں جیسے کہ کسی نے کہا کہ دو عورتوں کی بات متفقہ نہیں ہوتی۔ اس طرح دو اکانومسٹ کبھی کسی بات پر متفق نہیں ہوتے ہیں۔ یہاں تو فرمایا: "بعثتُ بِالْمِلَّةِ السهلة البَيضَآء" یہاں آسان راستہ ہے، روشن راستہ ہے۔ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی تو وہاں ہے ہی نہیں کہ ایسے تار کول لگائے کہ جلد ہی ختم ہو جائے اور دِنوں میں ہی کھڈے پڑے۔ اب مغرب کی اذان ہوئی اور سی۔ آر۔ ایس وارڈ والوں نے اب ایک تو "Short Cut" راستہ ہے اور یہ آنے لگے کہ ملے احمد گل جیسے لاپرواہ۔ تو کہا کہ بھئی! اس راستے سے کیوں آتے ہو؟ اُدھر میڈیکل کالج سے چکر لگاؤ۔ سیر بھی ہو جائے گی تو پہنچو گے تو نماز کو آدھ گھنٹہ ہو گیا ہو گا تو آج تو پوری دنیا مداری ہو گئی، پٹاری سے کیا کیا لے کر سامنے ڈالتے ہیں۔ میں تو کمرہ نشین آدمی ہوں اس لیے نہیں کہ کوئی بزرگی ہوئی بلکہ وہی بات:

زاهد نداشت تابِ جمالِ پری رُخان

کنجے گرفت و خوفِ خدا را بهانه ساخت

(زاہد خوبروؤں کا مقابلہ نہ کر سکا تو اللہ کے خوف کا بہانہ بنا کر کونے میں جا بیٹھا۔)

تو ہمارے مغربی حضرات آئے ہوئے تھے، ان کے ساتھ میں وی۔ سی کے دفتر میں جارہا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مجمع کا مجمع ٹوٹا پڑتا ہے اور پھر صرف نیچے نہیں بلکہ اُوپر بھی تھے اور دل تمام کا ایک جگہ جمع ہوا تھا تو سچ سچ بتاؤ کہ کبھی مسجد کو اسی طرح محبت کے ساتھ آئے ہوئے ہو۔ دوستو! ہمارا کعبہ ہمارا کعبہ نہیں رہا بلکہ ہم لندن، واشنگٹن اور ماسکو کو اپنا کعبہ سمجھنے لگے۔

دوستو! اگر کامیابی چاہتے ہو تو کامیابی حاصل کرنے کے لیے حضور ﷺ کے نقش قدم پر چلو، حضور ﷺ کے طریقے پر چلو۔ اب دوستو! نبی کے طریقے پر ہم کیسے چلیں۔ جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے اور نبوت کا اعلان کرایا تو تم بتاؤ کہ حضور ﷺ نے دین کو کیسے پھیلایا۔ اگر کعبۃ اللہ میں نمازیں شروع کرتے تو دین پھیل جاتا اور اگر خود زکوٰۃ دینا شروع کردیتے تو دین پھیل جاتا تو کس طرح دین پھیل گیا؟ دعوت کے ذریعے سے۔ تو ایک موٹی بات عرض کروں کہ یہاں [62] جو عجب کڑھی ہے اس کے قریب اگر مزبلے کا ایک بڑا ڈھیر ہو تو اُس سے بدبو یہاں آئے گی یا نہیں۔ کیا اس کے لیے یہ ترتیب کافی ہوگی کہ صرف یہاں خوشبو چھڑکی جائے۔ نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ وہاں کی گندگی کو ختم کرنا ہوگا۔ اب جو بلا یورپ سے آتی ہے تو اس بلا کا گلا وہاں ہی دبوچنا ہوگا۔ ہمارے ساتھی روز کا ایک مشغلہ (حجامت) کرتے ہیں لیکن وہ روز کا مشغلہ میں آکر کروں ۔ اگر ہاتھ اس طرح ہو جائے تو بجائے بالوں کے گال کٹ جائیں تو جب ہمارے روز کے مشغلے میں ایسی بات ہو سکتی ہے تو دین میں کچھ سیکھنے کے لیے وقت درکار نہ ہو تو جب ان جراثیم کش سپرے وغیرہ کے لیے اپنی چھٹیوں میں اوقات دیتے ہو تو اِس کے لیے بھی کچھ وقت دے دو۔

---

[62]۔ یہ اس زمانے میں اسلامیہ کالج کے قریب کباب کی مشہور کڑھی تھی اور اس کے مالک ک انام عجب خان تھا۔

دین کا پھیلاؤ اور ہجرت و نصرت

خواجہ معروف مسجد تبلیغی مرکز (19 مارچ 1964ء، بعد از نمازِ مغرب، شب جمعہ، 7 بجکر 40 منٹ) بعد از خطبہ مسنونہ۔

زندگی کی اہمیت

عزیزو، دوستو اور بزرگو! زندگی انسان کو جو دی گئی ہے تو اس زندگی کا مقصود زندگی دینے والے سے کمال تعلق پیدا کرنا ہے۔ اس کے احکام کو ماننے اور اس کے دیے ہوئے جملہ حکموں کو اپنانے کے لیے ہے۔ زندگی محض اس لیے نہیں کہ ہم اس عالم میں پیدا ہوئے جوں توں کر کے اس زندگی کو گزاریں جن حالات میں ہم کو پیدا کیا گیا ہے۔ ایک تابع کی حیثیت سے چلتے رہیں، ایسی زندگی گزار کر چلے جانا کوئی زندگی نہیں۔ زندگی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ انتہائی بڑی نعمت ہے۔ اِتنی بڑی نعمت ہے کہ پوری زندگی تو کیا بلکہ ایک سانس کی قیمت انسان کے پاس نہیں۔ مثال کے طور پر ایک آدمی ہے جس نے پوری زندگی کفر و الحاد میں گزار دی اور آخر میں جب موت کی گھڑی آجاتی ہے تو جب وہ یہ کہے کہ رَبِّ لَوْ لَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (سورۃ المنافقون ۶۳:۱۰) (اے میرے پروردگار! تُو نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا)۔

تو کیا اس کو اِتنی فرصت مل سکتی ہے کہ یہ کہے کہ "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" اور اگر مل جائے تو کیا ہوگا؟ زندگی بدل جائے گی۔ ہم تو موت کو یہ سمجھتے ہیں کہ قبر ہے اور وہ ایک گھڑا ہے۔ اگر ہم کو اس کے مزے کا پتہ لگ جائے تو ہم تمام کے تمام موت کے لیے تیار ہو جائیں۔ قرآن کریم نے ایک مقام پر دعویٰ کیا ہے کہ اگر اللہ کے چہیتے اور

پیارے ہو ''فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ'' تو مرنے کی آرزو کرو۔ اِتنا تو کرو کہ اپنے محبوب سے ملنے کی خواہش پوری ہو جائے۔

لمحے لمحے کی قیمت

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اگر انسان کو ایک لمحہ بھی مل جائے تو پوری زندگی کو بنا دے۔ فرعون اگر ساحل پر کہتا کہ ''اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ'' تو زندگی بدل جاتی لیکن جب ڈبکیاں کھانے لگا تو پھر کہنے لگا ''اٰمَنْتُ بِمَآ اٰمَنَ بِهٖ بَنُوْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ'' کہ میں ایمان لایا اُس اللہ پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تو اللہ نے فرمایا: ''آٰلْئٰنَ وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ'' اب ایسی بات کہتا ہے اور ابھی تک نافرمانی کرتا چلا آیا۔ ابھی تک تو یہ گمان کرتا رہا کہ یہ ناکامی ہے۔ ایک لمحہ کے لیے کہہ لیتا تو نجات پاتا لیکن ہم تیرے ظاہر کو بچا دیں گے۔ تو ظاہر پر ایمان لانے والا ہے۔ جب تجھ پر یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ دریا کی روانی اللہ کے حکم کے تابع ہے تو جسمانیت کا قائل ہے تو روحانیت کو نہیں مانتا تو ہمارا معاملہ بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا کہ تمہارا ہمارے ساتھ ہے۔ اُس کی پوری زندگی اس کے کام نہیں آئی اور اگر یہ ایک لمحہ ایمان والا ہوتا تو یہ لمحہ کام آتا۔

ایک صحابی ہے ابھی کفر کی حالت میں ہیں، پوری زندگی جاہلیت کے اُن غلط طریقوں پر گزر چکی تھی جو جاہلیت کا امتیاز تھا۔ موجودہ یورپ کی جاہلیت میں اُس کا نمونہ مل جائے تو مل جائے لیکن پہلی جاہلیت میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ غرض پوری زندگی گناہوں سے ملوث نظر آتے ہیں لیکن اللہ کی عطا کے ڈھنگ نرالے ہیں۔ جب اللہ کی تجلی ہو جاتی ہے تو نورانیت کی ایک تجلی کی چمک ہوتی ہے اور انسان اللہ والا بن جاتا ہے تو ایمان لایا اور ایمان لانے کے بعد یوں کہنے لگا کہ اگر میں اس وقت جنگ کر کے مارا جاؤں تو میرا ٹھکانہ کہاں ہو گا؟ عمل کچھ نہیں کیا۔ فرمایا ''جنت''۔ دو تین کھجور ہاتھ میں ہیں، منہ میں ڈالتا ہے تو سوچتا ہے کہ اگر ان

کو کھاؤں تو جنت میں پہنچنے کی دیر ہو جائے گی۔ کھجور پھینک دیں اور جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: "عمل تھوڑا سا اور جزا بڑی سی" تو شہید ہونا بڑی بات ہے اور شہیدوں میں بھی درجات ہوتے ہیں۔ پہلے درجے کے مقام بدر والے اور پھر اُحد والے اور شہید ایسا نہیں ہوتا کہ مر کر ختم ہو بلکہ فرماتے ہیں: وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ فرمایا کہ ان کو مُردہ بھی نہ کہو تم تو اس زمین کی زندگی کو جانو۔ تو آتا ہے روایت میں کہ حضور ﷺ اُحد کے شہداء پر گزرے تو ایسے رخصت کیا کہ جیسے کوئی زندہ کو رخصت کرتا ہے۔ تو جو نبی ﷺ کی ذات سے بے واسطہ لے لے تو ہم ان کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ یہ اُحد والے بڑے عجیب تھے۔ بقول شخصے: اُحد والے شہداء جو ہیں وہ تو ہیں ہی اُونچے لیکن وہ پہاڑ بھی اُونچا ہے۔ اس کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ ایسا پہاڑ ہے جو کہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اُس سے محبت کرتے ہیں"۔ "هٰذَا جبل یحبنا و نحبه"۔ (بخاری) زندہ ہے اور ویسے تو ہر چیز میں زندگی ہے لیکن ہم خود مُردہ نہ ہو جائیں۔ زندگی ہے تو ہر چیز میں زندگی ہے اور میرے آقا کے لیے تو منبر بھی زندہ ہے، ستون حنّانہ بھی زندہ ہے اور یہاں تُو آتا ہے کھا پی لیتا ہے، بچے پیدا کرتا ہے اور چلا جاتا ہے۔

تو ایک دن حضور ﷺ اس پہاڑ پر تشریف لے گئے اور ایک آپ ہیں اور ایک ابو بکرؓ، ایک عمرؓ اور ایک سیدنا عثمانؓ۔ کیا بات ہوئی کہ پہاڑ لرز پڑا تو فرمایا: "کہ اے پہاڑ! تو کیوں لرزتا ہے حالانکہ تجھ پر ایک نبی کے سوا، ایک صدیق اور دو شہید ہیں کوئی پانچواں آدمی نہیں۔ کیوں لرزتا ہے جبکہ تجھ پر ایسے آدمی ہیں جس پر ایسوں کے قدم پڑے تو انہیں چومنے کے لیے لرزتا ہے۔

صحابہؓ کی زندگی

ابن کثیر نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ یہ وہ طبقہ تھا جسے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت

محمد ﷺ کی صحبت کے لیے چنا تھا۔ یہ خاتم النبیین کے صحابی تھے۔ ایک صحابی تھا جس کا نام تھا سیدنا مصعب بن عمیرؓ مدینے میں آنے سے پہلے شہزادوں اور نہایت تعیش کی زندگی گزارتے تھے، دوسو سے کم چادر نہیں پہنتے تھے۔ بہر حال اللہ کی عطا تھی، نبی ﷺ کی نگاہ تھی اور اللہ نے تاثیر رکھی تھی تو آیا اور قرآن کو سُنا اور بن پڑا اور قرآن کا سننا معمولی بات نہیں۔ قرآن کی تجلیات بڑی اُونچی چیز ہے۔ جیسے کہ سورج ہوتا ہے جس کا انعکاس آئینہ پر ہوتا ہے تو سینۂ اقدس پر جو انوارات قرآن کے پڑ گئے ہیں، وہ تجلیات اُن لوگوں کے سینوں پر پڑتے ہیں جن سے ان کی زندگی بن جایا کرتی ہے۔ تو بہر حال ایسے بن گئے کہ قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے بن گئے۔ کیا ہم سوچ سکتے ہیں کہ عمارؓ پر کیا آیا تھا، یاسرؓ پر کیا گزرا تھا۔ جس روز حضرت سمیہؓ شہید ہوتی ہے، ابوجہل اور اس کے شریک کار اکٹھے ہوتے ہیں اور مجلس شوریٰ میں بات طے ہو جاتی ہے تو کہا کہ ابوجہل ہم نے بہت دیکھا کہ تُو نے ان مسلمانوں کو بہت تکلیف دی ہے لیکن ہم نے دیکھا کہ یہ سمیہ اور یاسر صرف یوں کہے کہ یہ بہت اچھے ہیں اور حضور ﷺ بُرے تو ہم تم کو دَس اُونٹ دیں گے تو عتبہ نے بھی یہ کہا اور شیبہ نے بھی یہ کہا۔

دنیا اور آخرت کا تقابل

بزرگو! بھائی اور دوستو! بات چل رہی تھی کہ اُحد والوں نے اپنے زمانے میں عجیب قربانیاں دیں اور یہ قربانیاں ایسی تھیں کہ اُن کی مثالیں نہیں ملتیں۔ اب یہ قربانیاں کیوں تھیں؟ جب ہم صحابہؓ کی زندگیوں کو دیکھیں تو یہ بات کھلے طور پر معلوم ہوتی ہے کہ وہ اللہ کو لینا چاہتے تھے۔ وہ زندگی گزار رہے تھے کہ قبر کا زمانہ، حشر کا زمانہ اور ابد الاباد والی زندگی بہتر ہو جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اللّٰھم لا عیش الاعیش الاٰخرۃ فاغفر الانصار والمھاجرۃ“۔(بخاری و مسلم) نبی کریم ﷺ صحابہؓ سے یوں فرما رہے تھے کہ کوئی زندگی زندگی کہلائے جانے کی مستحق ہی نہیں سوائے آخرت کے۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ پس انصار

اور مہاجر دونوں کو بخش دیجیے۔

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

ہزاروں اُمنگیں دل میں ہوتی ہیں اور یہ طاقت نہیں ہوتی کہ ان کو پورا کیا جائے اور بالفرض ہماری یہ اُمنگیں اور آرزوئیں پوری بھی ہو جائیں تو کب تک؟ یہاں کی تمام اُمنگیں اپنے اندر مصائب کو لیے ہوئے ہیں اور پھر یہ بھی نہ ہو تو موت آجاتی ہے۔ تو یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ جس زندگی کا آرام اور امن وراحت تمام ختم ہونے والا ہو۔ تخت مل جائے شیطان کا اور خود اس کے تخت پر بیٹھ جائیں۔ اپنی طبیعت کی راہوں کو چلا دیں تو یہ بھی ہم کامیابی سمجھتے ہیں۔ کامیابی ہے کب تک کی؟ اس کو دیکھ تو سہی بڑے سے بڑا شاہ اور اموال والا اُن سب کا لینے والا کہ جتنی بھی خوشیاں ہو سکتی ہیں جیسا کہ آتا ہے مغیرہ بن شعبہ کے متعلق کہ مال بھی بہت، اولاد بھی بہت، سب چیزوں کو اکٹھا کرو تو اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم ان کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اس کے برعکس اگر آخرت سنور جائے اور رب دینے پر آجائے تو ختم ہی نہ ہو ”وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝۳۱“۔(فصلت:۴۱،۳۱) (اور اس جنت میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لیے ہے جس کو تمہارا دل چاہے۔) یعنی جو چاہو وہی مل جائے۔ فرمایا: جنتی جنت میں لیٹا ہوا ہو گا اور ایک پھل نظر آئے اور اس کو خواہش پیدا ہو تو وہ پھل خود بخود اس کے پاس آموجود ہو جائے۔ وہ جنت کیسی؟ وہاں کنکریاں اور پتھر کیسے؟ وہاں کے واقعات کو خیال میں لایا بھی نہیں جا سکتا۔ یوں آتا ہے کہ تیز رفتار گھوڑا اگر جنت کے درخت سے گزرنا بھی چاہے تو پانچ سو سال میں نہ گزرے اور جب اِتنا بڑا درخت ہے تو اُونچا بھی تو ہو گا۔ اب انور میاں چاہے کہ اُٹھے بھی نہیں اور وہ پھل آجائے تو آجائے گا۔ روکو اپنے آپکو تاکہ ہمیشہ کے لیے ملتا جائے۔ حدود کی یہاں پابندی کرو تاکہ رب العزت لامحدود دے دے۔ وسوسے آتے ہیں جیسے کہ ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ نماز میں آتے ہیں تو وہاں انسان کا

دامن بھی وسیع ہو گا، آرزوئیں بھی وسیع ہوں گی۔ سب سے آخر میں جو جنتی جنت میں داخل ہو گا اس کو اس دنیا سے رقبے کے لحاظ سے دَس گنا زمین دی جائے گی اور قیمت کے لحاظ سے تو ایک کوڑے زمین کی قیمت پوری دنیا سے زیادہ ہے۔ دینے کا بہانہ ہو گا، دیتا جائے گا۔ اللہ کی مہمانی اور کیسی مہمانی؟ اللہ کا دیدار اور ایسا دیدار اگر یہ معلوم ہو جائے تو ہم جینے کی آرزو بھی نہ کریں اور اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مرنے والے بھی نہیں۔ اِتنی قوی غفلت ہو گئی ہے، اِتنی گہری غفلت ہو گئی ہے کہ اس طبقے کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسی غفلت ہے کہ یوں نظر آتا ہے ”نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ“۔ اللہ کو بھلایا تو اپنے آپ کو بھول گئے۔ یہ تو زندگی کا ایک مرحلہ ہے۔ اسی دنیا میں آخرت کی زندگی بنائی جاتی ہے۔ ”اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ“۔ یہاں اعمال کے بیج بولو تاکہ آخرت میں اُس کھیتی کو کاٹ ڈالو اور یہاں اعمال کو نہیں بویا تو ایسی زندگی ہو گی ”ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى“ کہ نہ موت آئے گی اور نہ زندگی زندگی ہو گی اور اگر نیک اعمال کے بیج بو دیے تو ایسی زندگی دی جائے گی کہ تصور بھی نہ ہو سکے۔

ہجرت و نصرت

تو فرمایا ”لا عیش الا عیش الاخرۃ“ اگر زندگی ہے تو آخرت کی زندگی ہے اور پھر فرمایا کہ یہ زندگی کسکے لیے ہے۔ ”فاغفر ا الانصار والمهاجرۃ“ کہ ان کو بخش دے جو ہر چیز سے دین کی مدد کرے، جس کے لیے اللہ حکم دے اور اُن کو کہ جو اپنے اللہ کے لیے ہر اُس چیز کو چھوڑ دے جس کے لیے اللہ کہہ دے جو کہ دین کی نصرت کرنے والے ہوں جو ایسے نہیں کہ دین مٹے اور ان کے دل پر کوئی خلش پیدا ہو نہ جبین پر بل آئے۔ نصرت دین ایک ایسی چیز ہے جس کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا: ”لو لا الهجرۃ لکنت رجلاً من الانصار“۔ (بخاری بحوالہ کنوز الحقائق) (اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا“ تو کہتے

ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام ہجرت کر گئے اور اللہ نے اُن کی مدد کی تو نصرت اللہ کی صفت ہے اور ہجرت انبیاء علیہم السلام کی سنت۔ اور یہ ایک ایسی سنت ہے کہ جب یہ کوئی کرے تو اللہ مددگار ہو جاتا ہے۔ اپنے قدموں کو بھی دین پر جما دیتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی دروازہ کھول دیتا ہے تو فرمایا کہ دین کا تانا بانا ہجرت اور نصرت ہے۔ آخرت کی زندگی کا تانا بانا ہجرت اور نصرت ہے، ہجرت سے رب العزت کی نصرتیں متوجہ ہوتی ہیں اور اِن کے اکٹھے ہو جانے سے دین کو اللہ تعالیٰ فروغ دیتے ہیں اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جب حضور ﷺ نکلے تو فرمایا: کہ اے کعبۃ اللہ! تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری ہوائیں کتنی پاکیزہ ہیں لیکن کیا کریں کہ تیرے رہنے والے مجھے یہاں نہیں چھوڑتے۔ تو کیا ہوا جب آئے تو فرمایا کہ اگر تم نے یہاں نصرت نہ کی تو اللہ تو وہ ذات ہے کہ اُس نے آپ کی نصرت کی جبکہ آپ صرف دو تھے۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (التوبۃ۹:۴۰) (اگر تم رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اُس وقت کر چکا ہے جبکہ آپ کو کافروں نے جلاوطن کر دیا تھا جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ ﷺ تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے جبکہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم (کچھ) غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہیں۔)

تو اب اگر دین کے لیے افراد میں دین کا تقاضا ہو گا، دین کی نصرت اور ہجرت زندہ ہو تو ان کی یہاں کی زندگی بھی بنائی جائے گی اور وہاں کی زندگی بھی بنائی جائے گی۔ قرآن کہتا ہے: اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۞ کہ اگر تم دین کی نصرت کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہاری نصرت کرے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا اور فرمایا: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۞ کیا ہو گا کہ جب نصرت الٰہی آئے گی تو صرف یہ نہ ہو گا کہ ملک فتح ہو جائیں گے بلکہ دِلوں کی فتح ہو گی اور دِلوں کی فتح کیا ہے۔ دل کھل جاتے ہیں قفل کفر کے، بدکاری کے گر پڑتے ہیں، دل طالب ہو جاتا ہے، فیضانِ الٰہی کے لیے۔ پھر صرف یہ نہ ہو گا کہ فرداً فرداً لوگ

دین میں داخل ہو جائیں بلکہ ملک کے ملک، گروہ در گروہ دین میں داخل ہو جائیں گے۔ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۝ اب دین کے تقاضوں کے لیے جتنا اپنے جان و مال کو صرف کر لو گے اُتنی ہی اللہ کی نصرت متوجہ ہو گی۔ دین پھیلے گا، کریں گے رب لیکن نام تمہارا ہو جائے گا کہ یہ بھی دین کے لیے قربانی کرنے والوں میں شامل ہیں۔ تو اس کے لیے اللہ کے راستے میں چار چار مہینوں کے ارادے کر لیں، چھ چھ مہینوں کے ارادے کر لیں۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ حضرت جی (مولانا محمد یوسفؒ) نے اس دفعہ حج پر جانے کا ارادہ کیا ہے۔ کچھ حضرات نے پہلے ارادہ کیا ہے اور باقی اب ارادہ کر لیں۔ پانچ مارچ تک وہاں پہنچنا ہے تو جتنے اوقات تک ارادہ کرنا ہو تو ہمت کر کے نام لکھوائیے۔

حضور ﷺ باعثِ تخلیق کائنات اور عبد کامل

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (20 مارچ 1964ء، بعد از نمازِ عصر بروزِ جمعہ، 6 بجکر 10 منٹ)

باعثِ وجودِ کائنات:

پتہ نہیں کہ کسی شاعر نے کہا ہے کہ ترنج کا درخت پھل پہلے لاتا ہے اور پھول بعد میں آتا ہے تو ہمارے حبیب ﷺ باعثِ وجودِ کائنات ہیں۔ آپ ﷺ اگر مقصود نہ ہوتے تو کون و مکان موجود نہ ہوتے۔ اب جب مقصود ہیں حضور پاک ﷺ تو دو چیزیں سوچنی ہیں۔ کیوں مقصود ہیں؟ عالَم آپ ﷺ کے لیے بنایا گیا، کیوں بنایا گیا؟ مقصود وہی ہوگا جس میں مقاصد خاصہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ اب رب نے چاہا، اپنا ظہور اور اپنی صفات کا انعکاس (صوفیاء کے رُخ سے) چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو رب کی پہچان کے لیے کروڑوں مخلوقات ہو سکتی ہیں اور ہر ایک مخلوق اپنی حیثیت کی رو سے عارف رب ہے لیکن سیدنا حضرت محمد ﷺ اعرف الخلائق ہیں۔ اب کیسے ہیں عارف؟ سب سے بڑھ کر کیسے گئے؟ جیسے فرمایا کہ "اَنَا اَعْلَمُكُمْ[63] بِاللّٰہِ وَ اَخْشٰكُمْ لِلّٰہِ"۔ (میں اللہ کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں اور اُس سے زیادہ ڈرتا ہوں۔) تو اب معرفت کے لحاظ سے جب رب نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو جہاں ضمنی طور پر اور مخلوق آسکتی تھی، سب سے زیادہ مقصود حضور ﷺ کی ذات تھی۔ اب پہچاننا آسان تو نہیں ہوتا۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا نظر آئے اور کیا دیکھے

---

[63]۔ عن عائشه رضی الله عنها: منع رسول الله شيئًا فرخّص فيه، فتنزه عنه قوم فبلغ ذلك النبی ﷺ فخطب فحمد الله ثم قال: "ما بال اقوام يتنزهون عن الشیء أمنعه فوالله إنی لأعلمهم بالله و أشدهم له خشية"۔ (تفسير البغوی) (تفسير الخازن) ج٣، ص٥٧٠، سورة فاطر: ٣٥: ٢٨)

تو اسی طرح آپ کی استعداد روحانیت، آپ کے فضائل اور آپ کے کمالات اِتنے اُونچے ہیں جتنے کہ خود آپ ﷺ اُونچے ہیں۔ حضرت سید صاحبؒ نے فرمایا:

فیض ساقی ہے باندازۂ ظرف میخوار
دِل حریف مے بسیار کہاں سے لاؤں

ظرف جس قدر ہوگا، اُتنا ہی مظروف ہوگا۔ آپ اگر بڑے نہ تھے کہ سب سے زیادہ معرفت کو سنبھالنے والے ہو جائیں تو یہ معرفت حاصل کیسے ہوتی؟ آپ کی استعدادیں ایسی تھیں کہ آپ کو اعرف الناس ہونا چاہیے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنایا ایسا تھا کہ آپ معرفت کے لینے والے ہوں۔ ایک دوسری بات ہے کہ اللہ کی صفات کا ظہور اور اللہ سے لینا اور ان صفات کا سب سے بڑا عکس مظہر اتم جس کی ذات بنی وہ آپ ﷺ کی ذات ہے۔ حمد کے سب سے جاننے والے ہیں اور قیامت میں لواء الحمد بھی آپ ﷺ کے ہاتھ ہوگا۔ ظہور صفاتِ الٰہیہ کا سب سے بڑا مظہر وہ آقائے محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ چونکہ اللہ کو اپنی صفات کا ظہور مقصود تھا اور وہ حضور ﷺ میں سب سے زیادہ تھیں تو وہ سب سے زیادہ محبوب ہوئے تو محبوبیت کے مقام پر ہیں اس لیے مقصود بھی ہیں مطلوب بھی ہیں اور مظہر اتم بھی ہیں تو اس لیے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

عبد کامل

اور چونکہ عالم بنایا گیا عبدیت کے لیے اور عبد کامل حضور ﷺ کی ذات ہے یعنی سب کچھ اُن میں دیکھنا چاہتے تھے اس لیے اُن کو وجود بخشا اور اس کے لیے کائنات کو وجود بخشا تو جب مقصود حضور ﷺ کی ذات گرامی تھی تو آدم علیہ السلام اور جملہ انبیاء علیہم السلام کے وجود میں لانے کا مقصد بھی حضور ﷺ کی ذات تھی کیونکہ اللہ کے علم کے نزدیک تو یہ تمام موجود تھے تو گویا انبیاء علیہم السلام حضور ﷺ کی بشارت کے لیے تشریف لاتے گئے تاکہ

آپ کے لیے حالات سازگار ہوتے رہیں۔ ختم نبوت جو آپ کی ہے نہ صرف زمانے کے لحاظ سے ہے بلکہ رُتبے کے لحاظ سے بھی ہے اور مکان کی حیثیت سے بھی ہے۔ اب نبی پاک ﷺ کی نبوت ہر لحاظ سے تکمیلی ہے اور حاصل ہے کائنات کے وجود میں لانے کا۔ اس بنا پر جملہ نبوتوں کا آنا اور جو کچھ جملہ نبوتوں میں ہے وہ حقیقت کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ان سب کی نبوتیں حضور ﷺ کی نبوت کے کل کا جُز ہے۔ یا یوں کہو کہ روحانیت محمدیہ جو تھی، اُس پر اللہ کی طرف سے کامل فیضان ہوا اور باقی نبیوں کو اللہ کی ذات سے بے واسطہ بھی مل گیا تھا لیکن وہ اس کُل کا ظہور ہوتا تھا جو کہ حضور ﷺ کو دیا گیا۔

بہر حال کہنے کا مدعا یہ ہے کہ نبوت محمدیہ ﷺ کی نبوت جو ہے وہ تمام نبیوں کی نبوت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور آپ کی نبوت میں صرف آپ کی نبوت کا ظہور نہیں بلکہ جملہ انبیاء کی نبوتوں کا ظہور ہے۔ حضور ﷺ کا فیضان پہلے ہوا تھا، ظہور بعد میں ہوتا ہے۔ چاند بھی سورج سے نُور لیتا ہے معلوم تو نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضور ﷺ کی ذات مبارک کو اللہ نے اس قابل بنایا تھا کہ نبوت کا کُلی ظہور ہو سکے۔ اسی بنا پر فرمایا کہ: انّی عند اللہ مکتوب ''خاتم النبیین و انّ اٰدم لمنجدل فی طینتہ و سأخبرکم بأول أمری: دعوۃ ابراھیم، و بشارۃ عیسٰی و رؤیا امی، رأت فی المنام حین و ضعتنی و قد خرج لھا نور اضاء لھا منہ قصور الشام۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر، والبغوی فی شرح السنۃ باسناد صحیح)

یعنی مقصود تو آپ کی ذات تھی لیکن آپ ﷺ سے پہلے اور نبی آئے اور گو ان کا ظہور پہلے اور آپ کا ظہور بعد میں ہوا۔ ظہور ہو یا نہ ہو جس غرض کے لیے کوئی چیز بنائی جاتی ہے۔ ذہنوں میں اُس کا تصور ہوتا ہے۔ عالم بنا نہیں تھا لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم میں تھا کہ عالم بنایا جا رہا ہے۔ وہ حضور ﷺ تھے جن کے لیے عالم بنایا گیا۔

ایمان اور اعمال

اسلامیہ کالج مسجد پشاور یونیورسٹی (24 مارچ 1964ء، بعد از نمازِ مغرب، بروزِ منگل، 6 بجکر 50 منٹ)

توفیقِ الٰہی

میرے عزیز و اور دوستو! نیکی انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کی توفیق سے کرتا ہے اور اللہ کی توفیق اللہ کی طرف سے ہدایت کی ایک شعاع ہوتی ہے جو دل کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اب ہدایت ہر آن اور ہر لحظہ ملتی رہتی ہے۔ جب انسان ہدایات کے کام کو کرتا جاتا ہے اور جب یہ ہدایت کی شعاع بند ہو جاتی ہے تو توفیقات سلب ہو جاتی ہیں۔ تو گویا نیکیوں کے کرنے کے لیے نور ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان سب سے بڑی ہدایت نور ایمان کے ساتھ تعلق ہے۔ اب باقی اس کے بچے ہیں کیونکہ نیک عمل کی شرط ایمان ہے۔ ایمان نہیں تو نیک عمل نیک عمل نہیں ہے۔

اعمال کی جان

بعض یوں کہیں کہ اگر ان امریکنوں، انگریزوں کی باقی تمام چیزیں اچھی ہیں، صرف ایک بات ہو تو سب سے پہلے جنت میں جائیں۔ کیوں جائیں؟ ہم یوں سمجھتے ہیں کہ جن چیزوں کو ہم اچھا سمجھیں تو ان کو اللہ بھی اچھا سمجھے۔ کیوں جائیں ان کی بنیاد ہی نہیں مثلاً ایک ہیرا ہو اور دوسری چیزیں صرف "Imitation" ہو تو کیا اس کو بھی ہیرا سمجھا جاتا ہے۔ ایمان نہ ہو تو چاند کو بھی آکر جیب میں رکھ دیں تو کچھ بھی نہیں اور ایمان کہتے ہیں خداوند قدوس کے اُس تعلق، یقین اور پہچان کو جس کے نتیجے کے طور پر آدمی خدا کا پہچاننے والا بن جائے کہ اللہ کو اس کا وہ درجہ دے جو اُس کا حق ہے اور مخلوق کو وہ حق دے جو اُن کا حق ہے۔ اللہ کو نہیں پہچانو گے تو مخلوق کو خدا بناؤ گے۔ چیزوں کو وہ درجہ دو گے جن کا یہ محل ہی نہیں۔ فرماتے ہیں "اِنَّ

الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ" شرک سب سے بڑا ظلم ہے اور ظلم کہتے ہیں کسی چیز کے بے محل استعمال کو۔ مثال کے طور پر میں اپنی عینکوں کو کان میں رکھ دوں اور کانوں کے اس آلے کو لگاؤں آنکھوں پر اور کہوں کہ یہ بھی میرا آلہ اور یہ بھی۔ جیسے کہ وہ آدمی تھا، جس نے کسی کے کھیت سے گنے توڑنے شروع کر دئے اور دلیل یہ دی کہ اس میں حرج ہی کیا ہے کہ میں بھی اللہ کا کھیت بھی اللہ کا اور گنے بھی اللہ کے۔ تو کھیت کے مالک نے کہا کہ ہاں بھائی میں بھی اللہ کا، ڈنڈا بھی اللہ کا اور تُو بھی اللہ کا اور لگے مارنے، یا یوں بات ہو کہ کسی کے گھر میں ایک ہو بہن، اور ایک بیوی، اب یہ بیوی کو تو بہن کہہ لے اور بہن کو بیوی پکارنے لگے، تو کیا ہو گا، یا چند چیزیں ہیں، کہ جو اندھیرے میں پڑی ہوئی ہیں ان کو سجانا ہے، تو اب تم چاہتے ہو کہ ان کو سجالوں تو کیا تم ان کو سجا سکو گے یا اور بھی منتشر کر لو گے۔ اب اگر ایک اُلّو آجائے اور اُلّو دیکھتا بھی ہے اندھیرے میں لیکن غضب یہ ہے کہ اُس کو ویرانہ پسند ہوتا ہے، اب جب یہ دیکھ لیتا ہے کہ یہ چیزیں بکھری ہوئی پڑی ہیں، تو اُس کو یہ چیزیں بڑی پسند آئینگی، اور کہے گا کہ بہت ٹھیک ہیں، اسی طرح جن کو خدا کا تعلق نہیں ہوتا، جو اُلّو ہوتے ہیں، اندھیرے میں دیکھتے ہیں، تو کیا کرتے ہیں، سر کی ٹوپی پاؤں میں پہن لیتے ہیں، اور چپلیوں کو سر پر رکھتے ہیں، کیوں بھائی ہم ان اُلوؤں کی باتوں کو مانتے ہیں، اسلئے کہ ہم کو دین مفت میں ملا ہے، وراثت میں ملا ہے، جیسے کہ ایک شخص جا رہا تھا، چپلیوں پر گرد پڑی، سو دو سو روپے کا دوشالہ تھا اس کو لگا چپلیوں پر ملنے، تو کسی نے پوچھا، کہ او پگلے، دس روپے کی چپلیاں اور اتنا قیمتی دوشالہ۔ اُس نے کہا کہ تم کو کیا معلوم کہ چپلیاں میرے اپنے ہاتھوں کی کمائی اور دوشالہ باپ سے ورثے میں ملا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ دین بھی ہم کو ورثے میں ملا ہے، اور ہم نے اس کی قدر جیسے کہ چاہیئے تھی نہیں کی۔

دعوت کا کام

اس دُنیا کی سب سے قیمتی متاع مسلمان ہے اب مسلمان کیسے بنے جبکہ وہ اللہ کے

احکام کو اپنا لے، تو اللہ اُسے چُن لے گا، ''اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَھۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ○'' (الشوریٰ:42، آیت:13) (اللہ جس کو چاہتا ہے چن کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو کوئی اُسسے لَو لگاتا ہے اُسے اپنے پاس پہنچا دیتا ہے۔) خدا کا طریقہ کسی کے ساتھ خاص نہیں، اگر اُن میں طلب پیدا ہو جائے، کہ اللہ کے تعلق والے ہو جائیں، تو اللہ اُن پر فیضان ہدایت کر لیتا ہے، وہ جو ''Evaporation'' ہوتی ہے، بدلی کو لاتی ہے اور پھر بارش ہوتی ہے، اب یہ بارش کہاں سے آئی، کس سمندر کا پانی تھا، بحر ہند، بحر اقیانوس، بحیرہ عرب کا تھا، مفت میں تمہارا کام ہو گیا، ٹھنڈک بھی پیدا ہو گئی، اسی طرح انسانیت کے لئے ہدایت کی بارش اللہ تالیٰ تب برساتے ہیں، جبکہ چند لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے دین کیلئے چُن لیتے ہیں، اور یہ کو نسا طبقہ ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام کا، انبیاء علیہم السلام کی محنت پر اللہ کو بہت پیار آتا ہے اور ان کے اعمال سے نہ صرف ان کو نوازتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی نوازتا ہے۔ اب انبیاء علیہم السلام بہت سارے کام کرتے ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، اور کیا کیا کرتے ہیں، جن کا ہمیں پتہ بھی نہیں، لیکن جو عمل تعدیہ والا ہوتا ہے، متعدی ہوتا ہے جن کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے وہ ہے دعوت والا عمل۔

محبت اور حضور ﷺ کی سیرت

دوستو! درود خوب پڑھا کرو، محبت سے پڑھا کرو، اگر اس کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو سیرت تو نظر آتی ہے اگر حضور ﷺ کی سیرت کو محبت سے پڑھو گے، تو وہ محبت والے ہیں، محبت آئے گی، اور جب آجائے، تو یہ ہو ہی نہیں سکتا، کہ آپ کی فرمانبرداری نہ ہو، یہ ہو ہی نہیں سکتا، کہ چاہتے تو آپ کو ہیں، اور اطاعت کریں کفر والوں کی، فرض کرو کہ جنگ بدر میں ایک طرف حضور ﷺ ہیں، اور دوسری طرف کفار ابو جہل، عتبہ، شیبہ ولید وغیرہ، کھڑے ہیں، اب خدا نہ کرے ہم جا کر ان کفار کی صف میں کھڑے ہو جائیں، اور کہہ دیں کہ

اے حضور ﷺ آپ سے تو بڑی محبت ہے لیکن کیا کروں۔ "Majority" اس طرف ہے، زمانے کا تقاضا ہے، سوسائٹی یہی کہتی ہے۔ تو دوستو! کن کن لوگوں کی کتابیں پڑھتے ہو، حضور ﷺ کی کتاب سیرۃ النبی بھی پڑھ ہو، تو کیا ہوا؟ ایک دفعہ جب حضور ﷺ گئے طائف کو، تو وہاں کے لوگوں نے حضور ﷺ کو اتنی اذیت دی، کہ پاؤں کی جوتیاں خون سے بھر گیں، اور آپ بے ہوش ہو گئے، کہ اتنے میں جب ہوش میں آئے، تو حضرت جبریلؑ آئے اور کہا کہ یہ پہاڑوں کا فرشتہ ہے اگر آپ چاہیں، تو ان طائف والوں پر اس پہاڑ کو اُٹھالیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ "نہیں، ممکن ہے کہ اگر ان میں نہ ہو، تو ان کی اولاد میں اللہ والا پیدا کریں"۔ تو کیا ہوا، انیس سال کی محنت کے نتیجے پر کیا ہوا خالد جو کہ ابتدا میں دین کا سب سے بڑا دشمن تھا، خود مدینے آئے اور ایمان لائے، اور حضور ﷺ نے فرمایا: کہ آج مکہ نے اپنے دل گردے نکال لائے، تو کیوں آئے ایک محنت کی بات تھی۔ تب آئے۔ اس کے بعد جب فتح مکہ ہو گئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ ہم نے آپ کو کھلی فتح دے دی۔ دلوں کو اسلام کے لیے کھول دیا اور کیا ہوا "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ﴿۲﴾" جب اللہ کی نصرت اور فتح آئے تو تُو دیکھے گا لوگوں کو فوج در فوج کہ دین الٰہی میں داخل ہو جائیں گے۔

دینی محنت کی برکتیں

جب محنتِ دین ہو جائے تو اللہ کی رحمت اِتنی جوش میں آجاتی ہے کہ رحمت کی بدلیاں صرف اپنوں پر نہیں برستیں بلکہ غیروں پر بھی برس جاتی ہیں۔ اُس شخص کو امان دی جو کہ مدتوں سے اسلام کے خلاف جنگوں کے سپہ سالار ہوتے رہے۔ تو کیا کہا کہ نہ صرف اس کو امان ہے بلکہ اس کے گھر میں بھی جو ہو اُس کو بھی امان ہے اور ان لوگوں کو جنہوں نے آپ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا تھا لیکن جب اُن سے پوچھا کہ آپ مجھ سے کیا سلوک کی توقع رکھتے

ہیں۔ کہا "کہ آپ ہمارے بھائی ہیں"۔ کہا "لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اَنْتُمُ طُلقاء"۔
(آج کے دِن تم پر کوئی ملامت نہیں، تم سب کے سب آزاد ہو۔)

ایک وحشی تھے جس نے حمزہؓ کے دل گردے نکال دیے تھے۔ اب یہ آئے کہ ایمان لانے کو جی چاہتا ہے لیکن میں نے تین بڑے گناہ کیے ہیں۔ ایک حمزہؓ کا قتل اور دو بڑے گناہ اور ہیں۔ ایک طرف تو حالت یہ ہے کہ ابو طالب کے لیے تو یوں کہیں کہ آپ پریشان نہ ہوں اور جب رحمت پر آجائے تو حمزہؓ کے قاتل کو بھی معاف کر دیں۔ اب وحشی جو آیا تو اللہ نے تینوں گناہوں کا ذکر کیا کہ اگر یہ بھی بات ہے تو اللہ معاف فرمائے۔ اس کے بعد کہا کہ میرے تو بہت بڑے گناہ ہیں جو معاف ہی نہیں ہو سکتے ہیں۔ تو فرمایا "قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ"۔ (الزمر ۳۹: ۵۳) (کہہ دو "اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یقین جانو اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے"۔) جب اللہ کی رحمت کی بارش کی بدلیاں آتی ہیں تو وہ نہ صدر ایوب کو دیکھتی ہیں اور نہ جمعدار کو۔ وہاں نسب برابر ہیں۔ بجھ جائیں گے تمام جگنو جو کہ اِن دنوں میں چمکتے ہیں۔ اب حضور ﷺ نے جب پردہ فرمایا تو وہ اب بھی رحمۃ للعالمین ہیں اور بڑھتی جاتی ہے رحمت۔ جتنا بھی مشک رگڑو گے اُتنی ہی وہ خوشبو دیتا ہے۔ یہ نُورِ ہدایت نبوت جو ہے وہ بڑھتی جاتی ہے۔ آپ اس ہدایت و نورانیت کے کام کو اُمت کی طرف منتقل کر کے گئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے: "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ"۔ (محمد: ۴۷، ۷)
(اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔)
اور پھر کیا ہو گا جیسے کہ کہاں کہاں سے بارش آکر برسی۔ تم کو تو نواز ہی لیں گے اور تمہیں پتہ نہیں ہو گا لیکن یہاں سے رحمت کی بدلیاں اُٹھ کر کہاں کہاں برسیں گی۔ کہاں امریکہ میں ہدایت اور کہاں روس میں۔

وہ آتا ہے کہ ایک آدمی کو جب قیامت کے دن میں لایا جائے گا تو اُس کے اعمال نامے میں حج، روزہ اور ایسے اعمال ہوں گے جو کہ اُس نے کیے نہیں۔ تو وہ کہے گا کہ اے اللہ تعالیٰ! یہ تو میرا اعمال نامہ نہیں۔ یہ اعمال تو میں نے کیے ہی نہیں تو جواب دیا جائے گا کہ یہاں کسی پر ظلم نہیں اور نہ یہاں اندھیر نگری ہے۔ بلکہ تم نے فلان کو دین کی طرف بلایا تھا۔ اُس کے بعد تجھے تو توفیق نہیں ہوئی لیکن اُس نے یہ اعمالِ نیک کیے جن کا ثواب اب بھی تمہیں ملا۔

دُنیا و آخرت میں حضور ﷺ کی رحمۃ للعالمینی شان

(مسجد کے صحن میں کُرسی پر بیٹھ کر بیان ارشاد فرمایا)

خواجہ معروف مسجد پشاور شہر (26مارچ 1964ء، شب جمعہ تقریباً ساڑھے سات بجے)

رحمت کی قسمیں

عزیزو، بزرگو اور دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی مختلف قسمیں اور صورتیں پیدا فرمائی ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اپنی رحمت سے پوری مخلوق کو زیادہ سے زیادہ دے۔ خداوند قدوس کی ذات گرامی سراپا رحمت ہے۔ خود فرمایا: کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اور اللہ نے اپنی رحمت کی کئی قسمیں بنائیں۔ مخلوق کو وجود بخشا۔ اب رحمت کی ایک قسم دیکھ لی جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے رحمت کو پیدا فرمایا۔ اُس رحمت کے سو حصے بنائے اور ان میں سے ننانوے کو اپنے پاس رکھا اور ایک حصے کو پوری کی پوری مخلوق میں تقسیم کیا۔ اب رحمت کائنات کی مختلف چیزوں میں تقسیم کر دی گئی اور آپ کی کائنات کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ ''وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ''۔ (المدثر:۷۴، ۳۱) (اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔) اب یہ رحمت مختلف نوعوں میں تقسیم کی گئی مثلاً فرشتے ہیں، جانور ہیں، انسان ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اب گھوڑی جو ہے ایک جانور ہے لیکن اُس رحمت کی بنا پر اپنے بچے کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ تو اب اندازہ لگایئے کہ اِس رحمت کے اِتنے قلیل حصے کا تقاضا یہ ہے۔ اب ننانوے حصے جو تھے وہ اللہ کی ذات میں تھے اور اِس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ انسانوں کو پیدا کیا تاکہ وہ اللہ کے ہر حکم کو ماننے والے ہوں اور اسی طرح ہر عمل کے ساتھ جو خصوصی رحمت والی نسبت ہو، چھوٹا عمل ہو تو چھوٹی رحمت اور بڑا عمل ہو تو بڑی رحمت منسلک ہو۔ اب یہ جتنی بھی رحمتیں ہیں، یہ تشریعی رحمتیں ہیں۔ اس کے تقسیم کروانے کا طریقہ اللہ تبارک و تعالیٰ بتاتے ہیں اور

اُن کے تقسیم کرنے والے انبیاء علیہم السلام کی ذوات عالیہ ہیں تو مطلب یہ ہے کہ ایک رحمت تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں رکھ دی اور ایک کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے تقسیم کرنے کا طریقہ بتایا۔ ہر نبی اپنی ذات میں رحمت بن کر آیا۔ ہر نبی سراپا رحمت تھے، وہ رحمت والے تھے، اپنے پر سہہ کر لوگوں کو بانٹتے تھے، اس عالم کی مصیبتوں سے لوگوں کو نکالتے رہے، قبر، حشر اور ابد الاباد تک کی مصیبتوں سے بچنے کے طریقے بتاتے رہے۔

اب یہ رحمتیں آتی رہیں۔ ہر علاقے میں مختلف قسم کی رحمتیں آتی گئیں مثلاً نارنج کا بوٹا ہے اس کو اگر آپ گلگت میں لگانا چاہیں تو نہیں ہو گا۔ اسی طرح ناریل اور جو دوسرے بیل بوٹے ہیں وہ اپنے اپنے علاقے اور اپنی آب و ہَوا اور ماحول میں اُگتے ہیں اور دوسری جگہ لگانا چاہو تو نہیں ہوں گے۔

حضور پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا وجود

تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا ظہور ناسوتی کے ہونے سے پہلے ہر علاقے اور ہر ایک قوم میں اللہ تعالیٰ رسول بھیجتے رہے، نبی آتے رہے۔ لوگوں کی زندگی میں خدائی انقلاب پیدا کرتے رہے، اپنے آپ کو اوروں سے چھین کر انسانوں کو وہ وہ دے کر گئے کہ انسانیت ان کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ مٹتے ہیں اور اللہ کی راہ میں لگاتے ہیں۔ ہر شخص دینداری کا دعویٰ کرتا ہے لیکن جن لوگوں نے دین کے لیے اپنی جانیں کھپائیں وہ انبیاء علیہم السلام کی ذوات ہیں اور ان کے بعد ان کے جانشین صحابہؓ اور اولیاء اللہؒ ہیں اور پھر نبیوں کو جو کچھ ملا وہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے طفیل ملا تو ہر ایک نبی نے اپنی اپنی قوم اور علاقے والوں کو دیا اور بہت زیادہ دیا لیکن آخر میں ایک آنے والا ایسا آیا جس کے ذریعے اللہ نے یوں چاہا کہ جز نہ دیا جائے بلکہ کل دیا جائے اور ایک قوم کو نہ دیا جائے بلکہ پورے عالم کو دیا جائے۔ آپ کے قبلہ پر جو رحمتیں اُتریں گی ان کی نسبت سے یہ تمام عالم پر پھیلنے والی ہوں گی۔ رحمت کُل کی تقسیم کرنے

کے لیے آئے۔ اندازہ کیجیے آپ کی رحمتیں اِس دنیا میں تو کھلی ہوں گی، قبر میں سب سے پہلے حضور ﷺ کا جمال آراسامنے آجائے گا۔ اس پر بھی اگر انسان مر جائے تو لائق ہے۔

اُمت دعوت واجابت

اب اس اُمت کے دو حصے ہیں۔ ایک اُمت دعوت اور دوسری اُمت اجابت۔ تو قبر میں جاکر پہلا سوال جو ہوگا وہ یہ ہوگا کہ تیرا پالنہار کون ہے؟ پوچھا جائے گا کہ تُو پتھروں، دیواروں، تجارت میں اپنے پالنے کو تصور کرتا تھا۔ اب بتاؤ، رب نہ ہو، ربوبیت نہ ہو تو مخلوق کا وجود نہ ہو تو جو درختوں اور گائے بیل سے اپنا پھلنا سمجھتے ہیں وہ یہ کہیں گے کہ:

یقین کی دولت:

”لَا اَدْرِیْ کُنْتُ اَقُوْلُ مَا یَقُوْلُ النَّاسُ فَیُقَالُ لَهٗ مَا دَرَیْتَ وَلَا تَلَیْتَ“۔ (رواہ البخاری ومسلم بحوالہ معارف الحدیث، محمد منظور نعمانی، ج۱، ص۱۲۵) (میں ان کے بارے میں خود تو کچھ جانتا نہیں، دوسرے لوگ جو کہا کرتے تھے وہی میں بھی کہتا تھا۔ اس کو کہا جائے گا کہ تُو نے نہ تو خود جانا اور نہ تُو نے پیروی کی)۔ میں نہیں جانتا تھا لوگ جو کچھ کرتے تھے، سُن کر میں بھی کرلیتا تھا۔ انہیں الوہیت چیزوں میں نظر آتی تھی اور مجھے بھی نظر آتی تھی۔ میں تو خزان کا پتہ تھا جس طرف کی ہَوا آتی تھی اُدھر چلتا تھا۔ بخاری نے نقل کیا ہے ”اَوْ مُؤْمِنُ اَوْ مُوْقِنُ“ پختگئ یقین ایسا یقین جس میں شک کی گنجائش نہ ہو۔ زمانہ تمام ایک طرف ہو جائے لیکن اس کا دل اندر سے یہ گواہی دے کہ یہ ٹھیک ہے۔ شک کیا ہے، ریب کیا ہے، ”مَاحَاكَ بِهٖ صَدْرَكَ“ (جس سے تمہارے سینے میں خلش پیدا ہو) تو وہاں جو آتا ہے، لوگ کہتے تھے تو میں بھی ایسا کہتا تھا اور دیکھو! شیطان کا سب سے بڑا حربہ وہ شک اور وساوس ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے یوں فرمایا: ”لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ“۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں۔ اللہ کے احکام پر چلیں تو پتہ نہیں کہ روزی ملے گی، سوسائٹی میں جگہ ملے۔ مولانا الیاسؒ فرماتے ہیں ”کہ اللہ کے

وعدوں پر یقین نہ کرنا ایمان نہیں زندیقیت ہے" جو اللہ کے وعدوں پر یقین نہ کرے، وہ ایمان والا کہاں رہا۔ "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا"۔ وعدوں کے غیر ایفاء کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں کہ جو چاہتا ہے وہ وسائل نہ ہوں اور یہ ہو نہیں سکتا۔ "يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ" جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ایک وہ جو کمزور ہو لالچی ہو تو اللہ تعالیٰ کو کسی سے کوئی حاجت نہیں۔ اُس نے تو صاف صاف کہا: "وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ"۔ (الکہف۱۸:۲۹)، (اور کہہ دو کہ "حق تمہارے رب کی طرف سے آچکا ہے اب جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے، ہم نے سب (ایسے) ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے"۔) "اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾"۔ (الکہف۱۸: ۱۰۲) (یقین رکھو کہ ہم نے ایسے کافروں کے مہمانی کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔) تو صحابہؓ کے متعلق یوں فرمایا: "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ"۔ (الحجرات۴۹:۷) (لیکن اللہ نے تمہارے دِل میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اُسے تمہارے دِلوں میں پُرکشش بنا دیا ہے۔) وہ نرے یقین والے تھے، یقین اُن کا بہتا تھا۔ سیدنا عمار بن یاسرؓ کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا: اور یہ ایسا خاندان تھا، سمیہؓ عمارؓ کی ماں اور یاسرؓ ان کا باپ تو ایک دفعہ حضور ﷺ نے فرمایا: "کہ اے اہل یاسر! اللہ تم پر رحمت کرے، اللہ نے تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ کیا ہے"۔ اور ایک دفعہ آپ ﷺ نے بڑی شفقت سے عمارؓ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ "اے بیٹا! تم کو باغیوں کے ہاتھ سے قتل کیا جائے گا اور تیرا سب سے آخری کھانا دودھ ہو گا" اور یہ تب کہا جبکہ حضور ﷺ مکہ میں تھے تو اُن کے متعلق فرمایا کہ "عمارؓ ایمان کا لبالب پیالہ ہے" تو قرآن نے جس طرح کہا ہے کہ جس کے سینے کو ایمان کے لیے کھول دیا گیا۔ "اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ"۔ (الزمر۳۹:۲۲) (بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے پروردگار کی عطا

کی ہوئی روشنی میں آچکا ہے۔)

ایمان و محبت کا تقاضا

اور ایمان جب تاثر پیدا کرتا ہے، تو سب سے پہلے یہ ہوتا ہے کہ مخلوق سے تعلق اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے احکام پر آجاتا ہے۔ جنگلوں میں کوئی رہتا ہے؟ ویرانی میں کوئی رہتا ہے؟ اللہ کہے کہ رہو تو رہتا ہے۔ اُس کے حکم سے جیتا ہے تو اب میں نے کہا کہ "حضور ﷺ کی شبیہ دِکھائی جائے گی" تو اب جس کو حضور ﷺ کے ساتھ محبت، اطاعت اور عظمت ہو تو وہ کب ایسا کہہ سکتے ہیں کہ نام لوں تیرا، محبت ہو تیری اور طریقہ کسی دوسرے کا اختیار کروں۔ محبت مع اطاعت و عظمت مطلوب ہے۔ خود فرمایا "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ"۔ (آل عمران: ۳، ۳۱) (اے پیغمبر! (لوگوں سے) کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔) ہر چیز ہر کُل و جز اور حالت رسول اللہ ﷺ کی اللہ کی رحمت میں ڈوبی ہوئی اور اللہ کی ذات تک پہنچانے والی ہے۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ محبت ہے لیکن محبت با اطاعت ہے اور اس میں یہ نہیں کہ جو بھی زبان پر آئے کہہ ڈالے۔ کہنے والوں نے تو یہ کہا:

"لا يمكن الثناء كما كان حقه"

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(رسول اللہ ﷺ کے ستائش کا حق کوئی ادا نہیں کر سکتا مختصراً یہ کہ خدا کے بعد آپ ﷺ مخلوق کی بہترین ہستی ہے۔)

اللہ والوں کی شان

ہم کیا ہیں کہ حضور ﷺ کے مقام کو جانیں۔ ہم تو ایک عام نبی اور نبی کو بھی چھوڑ وولی کے مقام کو بھی نہیں جان سکتے۔ نام لو تو عظمت کے ساتھ، دنیا کے یہ مچھر ہیں اُن کے نام

ذرا لو تو کہہ ڈالتے ہیں کہ ادب کرلو اور سید المرسلین کا نام لو تو کچھ نہ ہو جائے۔ وہ محبت والے ہیں، وہ معاف کر دے لیکن اللہ نہیں چھوڑتا تو حضور ﷺ نے وہ دُعا جو فرمائی کہ "فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَيُّمَا مُؤْمِنٍ اٰذَيْتُهٗ اَوْ شَتَمْتُهٗ اَوْ جَلَدْتُهٗ اَوْ لَعَنْتُهٗ فَاجْعَلْهَا لَهٗ صَلٰوةً وَ زَكٰوةً وَ قُرْبَةً تُقَرِّبُهٗ بِهَا اِلَيْكَ"۔ (مناجات مقبول اشرف علی تھانویؒ ص 41 منزل 4)

(میں چونکہ بشر ہوں کہ جو مسلمان کو تکلیف دوں میں، یا اُسے بُرا بھلا کہوں، یا اُسے ماروں پیٹوں یا اسے بد دُعا دوں، تو اس کو تو کر دینا اس کے حق میں رحمت اور پاکی، اور ذریعہ قربت کا، کہ مقرب بنائے تو اپنا اسکو۔)

تو اس کو رحمت کا ذریعہ بنادے قربت کا ذریعہ بنادے یہ نہیں کہ میں یہ کرونگا، بلکہ یہ لوگ گڑبڑ کرینگے، تو تُو اُن کو بخش دے، اور یہ بھی نہیں بلکہ رفع درجات کا ذریعہ بنادے، بزرگوں میں ایک مظہر جان جاناںؒ تھے، کوئی تکلیف پہنچاتے، قلبی تکلیف بھی ہو، تو اُن کو تکلیف پہنچتی، تو ایک دوسرے بزرگ اُن کے پاس گئے، کہ حضرت معاف کرتے رہیے کہ یہ ناسمجھ ہیں، جانتے نہیں۔ تو انہوں نے کہا، کہ میں تو معاف کرتا ہوں، لیکن میرا رب نہیں چھوڑتا۔ تو وہ تو رحمت والے ہیں، وہ جو قیامت میں آئے گا، "لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾" کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا اور حضور ﷺ کا راستہ اختیار کرلیتا۔ ایک تو ہے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور دوسرا ہے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" تو ایک تو پوچھ ہوگی کہ تیرا رب کون ہے اور پھر دوسرا جو ہے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" ہے۔ آپ کے بارے میں سوال ہوگا۔

تو محمد ﷺ کے ساتھ صرف دعوٰی محبت نہ ہو، بلکہ دلیل محبت ہو۔ اور دلیل محبت کیا ہے؟ کہ اطاعت محمد ﷺ ہو۔ تین اجزا ہیں حضور ﷺ سے نسبت کی: (۱) محبت محمد ﷺ۔ (۲) عظمت محمد ﷺ۔ (۳) اطاعت محمد ﷺ، اور جتنا بھی ان نسبتوں میں کمی آتی جائے تو تعلق میں کمی آتی رہیگی۔

اجمالی اور تفصیلی رحمت

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قبر میں بھی حضور ﷺ کی رحمت کا ظہور آپ کے چہرہ مبارک سے اور آپ کی پاک ذات سے ہو گا، تسلی بندھ جائے گی آپ کو دیکھ کر ان لوگوں کی ہمت آجائے گی جن کا تعلق حضور ﷺ سے ہو، ہمت بندھ جائے گی، طاقت آجائے گی جس کے لئے تمام عمر اپنی خواہشوں کو چھوڑا تھا، وہ آئے تو کیا ہو گا۔ یہ تو رحمۃ اللعالمین کی قبر میں رحمت ہو گی، اور اس کے بعد حشر ہو گا، اور میں یوں کہوں تو غالباً غلط نہ ہو گا، کہ حضور ﷺ کی رحمتوں کا ظہور اس عالم میں اجمالی ہے اور وہاں تفصیلی ہو گا، اب قیامت میں جب پہنچیں گے اور حشر بپا ہو گا، اور حشر معمولی بات نہیں بلکہ ایک ہیبت ناک منظر ہے، صرف قرنا کے پھونکے جانے سے کیا ہو گا۔

”يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا“ (المزمل ۷۳: ۱۷) (اُس دن بچے بوڑھے ہو جائینگے۔) تو اس وقت میں کیا ہو گا، لوگ مختلف پیغمبروں سے دُعا کیلئے چلینگے، لیکن وہ کہینگے کہ ہماری یہ طاقت نہیں۔ آج اللہ تعالیٰ ایسے غضب میں ہیں۔ کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا آخر میں حضور ﷺ کے پاس جائنگے، تو آپ ﷺ سجدہ میں گر پڑینگے اور ایسی حمد و ثنا کرینگے کہ اُن پر اس سے قبل نہیں کھولا گیا، اور پھر جو سجدہ سے سر اٹھائنگے، تو یہ رحمت عام ہو گی، پورے حشر والوں کیلئے ، اس کے بعد جو دوسری رحمت جو عام ہے وہ امت کی گواہی ہے دوسرے لوگوں پر، اور آخر میں حضور ﷺ کی گواہی ہے، امت کی بات پر۔

تو فرمایا! میں حشر میں تین جگہوں پر تم کو ملونگا، ایک تو حوض کوثر پر جو کہ خود رحمت کا ظہور ہے، ایک دفعہ جو اس کا پانی پی لے گا تو پھر کبھی پیاسا نہیں ہو گا، اور اسکے کٹورے اتنے زیادہ ہونگے، جیسے آسمان کے ستارے، اور حضور ﷺ تو ساقی کوثر اور سردار ہیں، اور جن لوگوں نے یہاں ایمان کے پیالے بھر بھر کے لوگوں کو پلائے ہیں، تو وہاں بھی پلائیں گے۔ تو

فرمایا اگر یہاں نہ ملوں، تو پھر میزان کے پاس اور اگر وہاں بھی نہیں تو پھر عرش کے قریب تلاش کریں۔

ایک دفعہ حضور ﷺ ایک یہودی کے بیٹے کی عیادت کیلئے گئے، اور یہودی حضور ﷺ کو ایسا پہنچانتے تھے کہ ایسا اپنے بچوں کو نہیں پہنچانتے تھے، اور ایسے جانتے تھے، کہ حضور ﷺ کے نام سے فتح مانگتے تھے،"وکانوا من قبل یستفتحون علي الذین کفروا"۔(بقرہ۲: ۸۹) تو اب کیا ہوا حضور ﷺ نے فرمایا:"بیٹا ایمان لے آ۔بیٹے کی نزع کا وقت نہیں تھا، باپ کی طرف دیکھا، باپ بھی جانتا تھا کہ بچنے والا تو ہے نہیں، اور یہ بیٹا تھا، محبت تھی تو کہا" ابو القاسم کی بات مان لے، اُس نے کلمہ پڑھ لیا اور حضور ﷺ اتنے خوش ہوئے کہ فرمایا[64]: الحمد لله الذی انقذہ من النار۔(البخاری حدیث نمبر:۱۲۹۰)(خدا کا شکر ہے کہ اللہ نے اُسے آگ سے نکال ڈالا۔)

ایک موقع آئے گا کہ لوگ دوزخ کی طرف ہانکے جائینگے، تو حضور ﷺ فرمائینگے، کہ یہ تو میرے والے ہیں، تو کہا جائے گا، کہ یہ تیرے والے نہیں، بلکہ یہ ظاہر میں تو تیرا نام لیتے تھے لیکن تیری اطاعت نہیں کرتے تھے، تو کیا ہو گا، حضور ﷺ سجدہ میں گرینگے، اور پھر شفاعت کرینگے، گناہ کبیرہ والوں کی شفاعت کرینگے، اور جتنے بھی ہونگے وہ معاف کئے جائنگے۔ اور پھر اس کے بعد جن کا ایمان بہت کمزور ہو گا، وہ بھی آخر میں دوزخ سے نکالے جائنگے، اور پھر اعلان ہو گا، کہ ہر ایک دوزخی دوزخ اور جنتی جنت میں رہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا، کہ انبیاءؑ رحمت کو لاتے رہے، اس کی تقسیم کرتے رہے، لیکن یہ رحمتوں کی جزوی تقسیم تھی، اور آخر میں حضور ﷺ رحمت کُل کے ساتھ آئے، اور

---

[64]۔ قال:کان غلام یهودی یخدم النبی ﷺ فمرض فأتاه النبی ﷺ یعوده، فقعد عند رأسه، فقال له اسلم فنظر الی ابیه وهو عنده فقال له اطع أباالقاسم ﷺ۔ فأسلم فخرج النبی ﷺ وهو یقول: الحمد لله الذی انقذه من النار (البخاری: حدیث نمبر:1356، رواہ احمد:13565 وابوداؤد:3095)

اس رحمت کو اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے ذریعے قیامت میں اور اس کے بعد ابد الا باد تک کی زندگی میں ظہور فرمائینگے۔ اگر کوئی شخص خاکم بدہن حضور ﷺ کو خاتم الانبیا نہیں مانتا اُس نے محمد ﷺ کو نہیں مانا، خاتم النبین حضور ﷺ کی عظمت کا اقرار ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ تمام انسانوں کیلئے تا قیام قیامت نبی ہے، جس نے یہ نہیں مانا اُس نے حضور ﷺ کی عظمت کو نہیں مانا۔

اسی طرح حضور ﷺ کو محبوب ماننا دین کا تقاضا ہے، اور محبوبیت کا نتیجہ اتباع ہوتا ہے جس کو محبوب بناؤ، اس کے طریقے پر چلو، تو حضور ﷺ کی عظمت اور آپ کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے نائبین کی حیثیت سے آپ کے خدام کی حیثیت سے دین کی نصرت کرنے والے بن جائیں، حق محبت ادا نہیں ہوتا بجز نصرت دین کے، جو لوگ اللہ کے دین کی نصرت کرتے ہیں اللہ کی رحمت کے بادل ان پر گھنگور گھٹاؤں کی طرح برستے ہیں، فرماتے ہیں۔"اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ"(اگر تم اللہ کیدین کی مدد کروگے تو اللہ آپ کی مدد کرے گا۔) اور فرمایا۔"اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَ الْفَتْحُ ۝" اور صرف ملک گیری کو فتح نہیں کہتے بلکہ دلوں کا کھل جانا فتح ہوتی ہے دلوں کو تالے لگ جایا کرتے ہیں، جیسا کہ فرمایا گیا،"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قلوب اقفالُھا"۔(محمد ۴۷: ۲۴) (کیا یہ لوگ قرآن میں فکر نہیں کرتے یا اُن کے دِلوں پر تھالے پڑے ہیں۔) تو دلوں کے تھالے کھل جاتے ہیں، جب لوگ اللہ کے دین کی نصرت کرتے ہیں، اللہ کو کوئی کھانا نہیں کِھلا سکتا، پانی نہیں پلا سکتا اُسکی مخلوق کو بھی روٹی کھلائی تو کیا وہ کل بھوکا نہیں ہوگا، کپڑے پہناؤ تو کیا وہ پرانے نہیں ہونگے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ کام اچھا نہیں، لیکن فانی ہے، لیکن دین کی محنت ایسی چیز ہے یہاں کا جام ایسا ہے کہ حوض کوثر کی طرح لافانی ہے ہمیشہ کیلئے تشنگی کو مٹا دیتی ہے، ایمان کا جام پلا دو، دین پر ڈالدو، اور دین کی۔ محنت پر لے آؤ، اس کو نصرت دین کہتے ہیں، حضرت علیؓ کو خیبر کا جھنڈا اعطا فرماتے ہیں، اس کی فتح ایک بڑی فتح تھی، کئی دن تک فتح نہیں ہوئی، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دے دونگا، جس کے ہاتھ یہ قلعہ فتح ہوگا، اور وہ ایسا

شخص ہو گا، کہ اُسے اللہ سے محبت ہو گی اور اس کے رسول سے محبت ہو گی اور اللہ اور اس کے رسول کو اُس کے ساتھ محبت ہو گی، تو اب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے کبھی امیری کی خواہش نہیں کی تھی سوائے اس دن کے کیونکہ یہاں تو محبت کی بات تھی تو کیا ہوا۔ فرمایا کہ ”علیؓ کہاں ہے، کسی کو یہ گمان بھی نہ تھا، کہ انکو دیا جائے گا، کیونکہ آپ کو آشوب چشم تھا، لیکن آپ نے ان کو بلا کر آنکھوں پر دم کیا اور پھر فرمایا کہ اگر تیرے ہاتھ پر ایک شخص بھی ہدایت پر آگیا۔ تو وہ تمہارے لئے سُرخ اونٹوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ تو بات یہ ہے کہ فتح صرف ملکوں کی فتح نہیں، صرف اس چیز کو فتح نہیں کہتے، بلکہ اصل فتح دلوں کی فتح ہے۔

ہر کام کرنے کا کوئی طریقہ ہوتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ دین ہی ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا کوئی ڈھنگ نہیں کہ جو آیا، اڑنگ بڑنگ ماردی۔ تو جب دین اتنا قیمتی ہے تو اس کا کوئی طریقہ بھی ہو گا، اور اس کا سیکھنا بھی ضروری ہے، اور نہیں سیکھیں گے تو کان کھینچیں گے، اور یہاں بھی کھینچے جاتے ہیں، لیکن ہماری آنکھوں پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے۔ کہ ان کو اپنے رب کی طرف سے جانتے نہیں، تو اس کے لیے جتنا گڑ ڈالو اتنا ہی زیادہ فائدہ ہو گا۔ لیکن کم سے کم مقدار میں صرف چار مہینے اس کام سے رغبت کو پیدا کرنے کیلئے دے دو۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بیوی بچوں کو رخصت دو اور گھروں کو تالے لگادو، بلکہ کچھ نہ کچھ دین کی محنت کرو۔ رائے ونڈ میں دین کی محنت کرنے والے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن پر کھول دیتے ہیں۔ تو اس لئے آپ بھی ہمت کر کے کوشش کرلیں۔ کوئی بڑی بات نہیں کہ تھوڑی تھوڑی محنت سے چاروں عالم بن جائیں۔ دنیا کی زندگی، قبر کی زندگی، حشر کی زندگی، ابدالاباد کی زندگی بن جائے۔ کوئی بڑی بات نہیں اُٹھو اُٹھو، اپنے اوقات کو لکھاؤ۔ جتنے بھی وقت کیلئے ہو، یہ کوئی کہانی نہیں تھی، کہ سنائی بلکہ ایک فکر کی بات ہے تو جتنا بھی وقت لکھا سکتے ہو، ہمتیں کر کے لکھاؤ۔ والحمد اللہ۔

9بجکر 50منٹ

مصیبت اور پریشانی کے اسباب اور استغفار

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (27 مارچ 1964ء، بعد از نمازِ عصر بروزِ ہفتہ 6 بجکر 10 منٹ)

اہل اللہ اور مصیبت

دریا کی روانی اور رفتار جو ہوتی ہے، وہ تو اپنے رُخ پر ہوتی ہے اور ظاہری طور پر پانی کی موجیں اوپر اٹھنے والی لہریں تو یہ بتاتی ہیں کہ وہ اوپر اور کناروں تک جاتی ہیں۔ اسی طرح جو رب کے تھپیڑے جو اہل اللہ پر آتے ہیں، لیکن وہ اوپر ہی اوپر رہتے ہیں، اس کی حضرت حکیم الاُمتؒ نے نہایت اچھی مثال دی ہے کہ جیسے کہ دہلی کے چٹ پٹے ہوتی ہیں، جو کہ کھاتے ہوں تو کڑوی بھی لگتی ہیں، لیکن مزہ بھی آتا ہے، آنکھوں سے پانی بہتا ہے، لیکن دل میں خوش ہوتے ہیں۔ اسی طرح اہل اللہ فاعل حقیقی تو اللہ ہی کو جانتے ہیں، گو ظاہری طور پر اسباب ہوں، حضرت حکیم الاُمتؒ نے ایک اور بات کہی ہے، کہ ایک شخص جا رہا تھا، کہ اچانک اس کا محبوب آیا اور اسکی آنکھوں پر ہاتھ رکھدے، تو یہ اسکو علیحدہ کرتا ہے لیکن اگر یہ پتہ لگے، کہ یہ میرا محبوب ہے تو پھر کہیں کہ دباتے ہی جائیں۔

ہمارے محمد ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصال ہوا جب لے جا رہے تھے تو نبی ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہ کیا؟ تو آپ نے فرمایا: ”وانّا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون“[65] اے ابراہیم ہم تمہارے فراق پر غمزدہ

---

[65]۔ عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: دخلنامع رسول الله ﷺ على أبي سيف القين، وكان ظئراً لإبراهيم علیہ السلام ابن النبی ﷺ فأخذ رسول الله ﷺ ابراهيم فقبله وشمّه ثم دخلنا عليه بعد ذلك يجود بنفسه۔ فجعلت عينا رسول ﷺ تذرفان فقال له عبدالرحمن بن عوف؛ وأنت يا رسول الله؟ فقال ﷺ: (ان العين تدمع، والقلب يحزن، ولا نقول الا ما يرضى ربّنا، و انّا بغراقك يا ابراهيم لمحزونون۔ (وكان ذلك فى شهر ربيع الاوّل سنة 10 للهجرة وكان عمره ستة عشر شهراً) (البخاری: حدیث نمبر 1303 ص 369)

ہیں، لیکن بات وہی کہیں گے، جس پر ہمارا پروردگار راضی ہو، مثلاً اسی طرح بھی یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ کوئی یہ جانے کہ یہ میرا مہربان رب ہے، تکلیف دے تو میری بھلائی کیلئے ہو گی، ماں ہے بچے کو تکلیف ہے اُس کو انجکشن لگایا جاتا ہے تو ظاہر اً تو بچے کو انجکشن لگتا ہے ورنہ لگتا ہے ماں کو۔ بلکہ اس کا دل محسوس کرتا ہے اور اس کو صرف جسمانی تکلیف ہوتی ہے بعض تو یوں کہتے ہیں:

یار دمے کہ تیغ زند بر سرت تو دم مزن
سررا فدائے یار کن هیچ نہ خون بہا طلب

(جب تمہارا محبوب تمہارا سر کاٹنے لگے تو تو بالکل حرکت مت کر اپنی جان اپنے دوست پر فدا کر کے کسی چیز کا طلب گار نہ بننا۔)

اور بعض یوں کہہ جاتے ہیں:

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(خدا دشمن کو یہ مرتبہ نصیب نہ فرمائے کہ تیرے ہوتے ہوئے وہ اُس کی تلوار سے ہلاک ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے تیغ آزمائی کے لیے دوستوں کو زندہ سلامت رکھے۔)

عافیت کی طلب

اب جی تو یہی چاہے کہ انسان کو اللہ سے ہمیشہ عافیت اور راحت مانگنی چاہیے۔ کبھی سختی، تکلیف اور مشقت نہ مانگے۔ یہ کرے تو تمام شیخی کر کری ہو جائے۔ وہ مطلب ہو گا کہ دیو نے ہنسی کی تھی تو دوست کا کندھا ٹوٹا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب کبھی دو چیزوں کا مقابلہ ہو جاتا تھا: ''اختار ایسرھما''[66] تو اُن میں آسان کو چُن لیتے تھے اور ایک صحابیؓ کی عیادت

[66]۔ ما خیر رسول اللہ ﷺ بین امرین قط الا اخذ ایسرھما مالم یکن اثما فان کان اثما کان ابعد الناس و ما انتھم رسول اللہ ﷺ لنفسہ فی شیءٍ قط الا ان تنتھك حرمۃ اللہ فینتقم بھا للہ۔ (عن عائشۃ رضی اللہ عنہا صحیح بخاری: ۶۱۲۰، و مسلم: ۲۳۲۷) و فی روایۃ للبخاری: الا اختار الیسرھما)

کے لیے گئے تو دیکھا کہ ایسا ہو گیا ہے جیسے چوزا ہوتا ہے۔ نبوت کی نگاہ تھی تو فرمایا کہ ''تُو نے کوئی بددُعا تو نہیں کی تھی؟'' تو اُس نے کہا بددُعا تو نہیں کی تھی لیکن یہ مانگا تھا کہ جو عذاب آخرت میں آنا ہے اُسے دنیا میں دے دیں تو فرمایا کہ ''اللہ تو عافیت والے بھی ہیں، بھلائی کیوں نہ چاہی۔

مجنون کا نام تو سُنا ہو گا۔ کہتے ہیں کہ لیلیٰ کا یہ دستور تھا کہ تمام لوگوں کو خیرات دیتی تھی تو تمام فقیروں کو تو خیر دیا اور جو اُس نے کاسہ دیا تو اُس نے زمین پر دے مارا تو جو اُس نے دیکھا، ناچنا شروع کیا تو اوروں نے کہا کہ ''پگلے! تُو نے کیوں ناچنا شروع کیا''۔ اُس نے کہا: ''ناچتا تو اس لیے ہوں کہ یہ بھی مجھے اپنا سمجھتی ہے، تبھی تو کاسہ توڑ دیا''۔ تو عرض یہ کر رہا تھا کہ تکلیف کا آنا مصائب کا آنا ہر حال میں پکڑ کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں: ''نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَآء''۔ کہ ہم انبیاء کے معاشرے پر بلایا سب سے زیادہ آتی ہے اور اس کے بعد ''الامثل فالامثل[67]'' جتنی بھی طاقت ہوتی ہے تو ہمارے اُستاد صاحب نے یوں عرض کیا کہ مومن کی مثال گھاس کی ہوتی ہے کہ مصائب اُس کو کبھی اِس طرف اور اُس طرف کر لیتے ہیں لیکن ٹوٹتی نہیں اور کافر کی مثال تناور درخت کی ہوتی ہے کہ جب آندھی آجائے تو توڑ دیتی ہے تو فرمایا: کہ ''مجھے اللہ کی راہ میں سب سے زیادہ تکلیف دی گئی'' اور یہ تو معلوم ہے کہ مجاہدہ سے مسلمان کا قرب بڑھتا ہے تو مومن کسی حال میں بھی گھاٹے میں نہیں

[67]۔ (ا) عن سعد رضی اللہ عنہ: اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل یبتلی الرجل علی حسب دینه فان کان فی دینه صلباً اشتد بلاءه و ان کان فی دینه رقة ابتلی علیٰ قدر دینه فما یبرح البلاء بالعبد حتی ترکه یمشی علی الارض و ما علیه خطیئته (مسند امام حنبل، صحیح بخاری، ترمذی، ابن ماجه)۔ (۲) اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الصالحون ثم الامثل فالامثل طبرانی عن اخت حذیفة۔ (۳) اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الصالحون لقد کان أحد یبتلی بالفقر حتی ما یجد الا العباءة یجو بها فیلبسها و یبتلی بالعمل حتی یقتله ولأحد هم کان أشد فرحًا بالبلاء من أحد کم بالعطاء (ابن ماجه، ابی اعلی الموصلی، المستدرک للحاکم، عن أبی سعید رضی اللہ عنہ)۔ (بحواله جامع الصغیر للسیوطی، ج۱، ص۴۱)

رہتا ہے اور اگر یہاں گھاٹے میں رہے تو آخرت کے بینک میں منتقل ہو تا ہے۔

ارتکابِ گناہ اور استغفار

اور ایک پریشانی دوسری ہوتی ہے وہ آتی ہے ارتکابِ گناہ سے جس کی وجہ سے دل پر پریشانی اور قساوت کی کیفیت ہوتی ہے۔ زنگار سا معلوم ہوتا ہے، دل صاف ہوتا ہے تو گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے دل پر گرانی ہو جاتی ہے۔ وہ حدیث میں آتا ہے کہ مومن جب گناہ کرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پہاڑ گر گیا ہو اور منافق گناہ کو ایسے سمجھتا ہے کہ جیسے ناک پر مکھی بیٹھی ہو۔ اسی طرح ایک اور قسم بھی ہے۔ مثلاً آپ کبھی گندگی کے ڈھیر سے تو گزرے ہوئے ہوں گے۔ اُس کو آپ نے اگر سونگھا نہیں لیکن دل میں تاثر تو لیا ہو گا۔ اسی طرح اہل اللہ جب کسی گناہ والی جگہ سے گزرتے ہیں تو دل پر گرانی آتی ہے۔ امراء اور وزراء سے ملنے کی وجہ سے دل پر ایسی سیاہی آتی ہے کہ اُس کے دھونے کے لیے تالاب چاہیے"۔ کیونکہ ان لوگوں میں تکبر ہوتا ہے اور کبر کی ظلمت اشد ظلمت ہے۔ آپ گزر رہے ہیں ایک ہَوا آئی تو اگر منہ کو ذرا بھی کھولا تو منہ میں ریت آتی ہے۔ صحرائے سندھ سے گزر گئے تو مٹی پڑ جاتی ہے۔ آپ نے ارادہ بھی نہیں کیا لیکن مٹی پڑ جاتی ہے۔ اس کے دھونے کے لیے استغفار کی کثرت ہو اور ایک دُعا جو اُس کے لیے بالکل اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے "اللھم اغسل خطایای بماء الثلج والبرد ونق قلبی من الخطایا کما ینق الثوب الابیض من الدنس و باعدبینی و بین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب"۔ (بخاری: ۶۳۷۷، مسلم:) (اے اللہ میرے گناہوں کو دھو ڈال برف اور اولوں کے پانی سے اور میرے قلب کو ایسے صاف فرما جیسے کہ سفید کپڑا گندگی سے صاف ہو جاتا ہے اور میرے اور میرے غلطیوں کے درمیان مشرق اور مغرب جتنا فاصلہ رکھ لے۔)اسی طرح توجہ الی اللہ ہو تو مطلب یہ کہ دل کی پریشانی صرف ایک وجہ سے نہیں ہوتی۔ کسی کو بخار لگ جائے تو ظاہر والے

دیکھ کر سر دہوا کو کہیں لیکن اجمل ہیں ڈاکٹر صاحب کہیں کہ کون سے بیکٹیریا آئے ہوئے ہیں اور سالکوں کا تو حال یہ ہوتا ہے:

بر دل سالک ہزاران غم بود
چوں زباغ دل خلالے کم بود

(سالک یعنی طالب حق کے دل پر ہزاروں غم آجاتے ہیں اگر اس کے دِل کے باغ سے نیکی کا ایک تنکا بھی غائب ہو۔)

اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب میں نکلتا ہوں تو "لیغان علی قلبی" دل پر ایک دُھواں سا آجاتا ہے تو بہر حال پریشانی اگر آجائے تو حصنِ ذکر یعنی ذکر کے قلعے سے اس کو دُور کرنا چاہیے۔ درود شریف، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور دیگر اذکار سے پریشانی دُور ہو جاتی ہے اور اگر ایسی پریشانی آجائے کہ فلاں چیز نہیں ملی، فلاں چیز نہیں ملی تو اس کے متعلق یہ سوچا کرو کہ اگر یہ چیز ملتی تو کب ملتی۔ جب میرا رب چاہے تو جب رب نہ چاہے تو میرے رب نے میرے لیے اس میں خیر رکھی ہوئی ہے۔ ایک شخص ہے جو چار سمتوں میں چلنا چاہتا ہے اور ایک شخص صرف ایک سمت میں بڑھتا ہے تو پریشانی کس کو زیادہ ہو گی۔ ظاہر ہے چار سمتوں والے کو کہ کس طرف جائے۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی قضائے تُو
دل شدہ مبتلائے تو ھر چہ کنی رضائے تو

(میرا دِل تیری محبت میں پھنسا ہوا ہے اب اگر تو زندہ رکھتا ہے تو تمہاری عطا ہے اور مارتا ہے تو آپ کا حکم ہے۔ اب تو جس طرح خوش ہو وہی کر گزر۔)

تو جو اللہ والا ہوتا ہے وہ کیوں اپنے لیے تجاویز بنائے اور اگر تجاویز پوری نہ ہو جائیں تو پریشان ہوتا ہے۔ حدیث کا مفہوم ہے کہ "لَو" کا دروازہ کھل جائے تو شیطان کا دروازہ کھل

جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر میں یوں کرتا تو یوں ہوتا۔ میں نے کیوں یہ چیز نہیں کی۔ میں نے فرسٹ ڈویژن کیوں نہیں لی تو وہی بات ہو گئی جو کہ ”Greek Mythology“ میں ہے کہ پنڈورا کا ایک بکس تھا جس میں ہر قسم کے مصائب بند تھے اور یہ کہا کہ اسے کھولنا نہیں۔ اب جو کھول دیا تو تمام مصائب آئیں۔ اپنی بات تو نہیں کرنی چاہیے لیکن حضرتؒ کی بات نقل کرتے ہیں کہ پارٹیشن میں مسلمانوں پر جو کچھ گزرا ہے، اُس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اَسّی لاکھ جانیں گئیں، اِس میں شملے میں ہمارا بھی کچھ نقصان ہوا تو میں نے حضرت کو لکھا تو فرمایا: ”آپ پر شملہ میں جو مصیبت پڑی ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے آپ کو صبر دے اور شکر کیجیے کہ مال کا نقصان ہوا، جان تو بچ گئی اور اس سے بڑی چیز ایمان تو محفوظ رہا“۔

ہدایت کا واحد راستہ اور بعثتِ انبیاء علیہم السلام

اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی (31مارچ1964ء، بعد از نمازِ مغرب، بروزِ منگل، 7بجے شام)

بھائیو، دوستو اور عزیزو! ہر چیز کے بننے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ جو چیز بنے گی، اپنے طریقے سے بنے گی اور بن بھی جائے تو بے ڈھنگی ہوگی جیسے کہ کسی موٹر کے کارخانے میں کپڑے بُننے کی مشین نہیں ہوتی اور اگر آپ جہاں کے موٹر کے پُرزے لگائے جاتے ہیں سوت کے دھاگے لگا لیں تو سوت بھی ضائع ہو جائے گا اور مشین بھی خراب ہوگی۔ اسی طرح انسانوں کے بننے کا اپنا خاص طریقہ ہے۔ اب دیکھو! میں ڈاکٹر حضرات سے پوچھوں کہ انسان کے جسم میں کیا کچھ ہے؟ تو یہ کہیں گے کچھ فاسفورس ہے کچھ کیلشیم ہے وغیرہ۔ تو پھر میں اُن سے یہ کہوں کہ جن چیزوں سے تم انسان کو بنا ہوا تصور کرتے ہو۔ یہ چیزیں ہم تم کو ان نسبتوں "Ratios" میں دیتے ہیں۔ ایک بڑا انسان تو چھوڑ دو، ایک چھوٹا سا بچہ تو بناؤ اور پھر اللہ اس کو بناتا ہے تو "فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ" تین اندھیروں میں اور یہاں تو ان لیبارٹریز میں اِتنے راڈ لگے ہوئے ہوتے ہیں کہ رات بھی ہو تو دن معلوم ہو لیکن یہاں بالکل روشنی نہیں ہوتی اور پھر بچہ اس وقت کا نازک ہوتا ہے کہ ہاتھ بھی لگاؤ تو پھسل جاتا ہے اور پھر معدہ اِتنا نازک ہوتا ہے کہ دودھ بھی پی جائے تو وہ بھی اُلٹی کر دیتے ہیں اور آج کل تو ڈبوں کا زمانہ ہے۔ اس میں اگر زیادہ پانی ڈال دیا جائے یا اگر گائے وغیرہ کا دودھ ہو اس میں کچھ الائچی اور دوسری چیزیں ہوں تو اگر بچہ مر نہ جائے تو پھر بھی مرنے کے قریب ہوگا اور وہاں کیا ہوتا ہے تو جو بچہ ہوتا ہے، وہ خون پیتا ہے اور یہاں آکر اگر تلی وغیرہ دیا جائے تو کیا ہوگا؟ تو وہاں خون پیتا ہے اور میں تو یہ سوچوں کہ اس کو پی کر زندہ کیسے رہتا ہے اور پھر پیتے ہیں بھی کس راستے سے، ناف کے ذریعے سے تاکہ منہ اللہ کے ذکر کے لیے صاف رہے۔ کوئی بیمار ہو جائے زیادہ تو ان کی رَگیں اِتنی سوکھ جاتی ہیں کہ معلوم بھی نہیں ہوں گی اور پھر یہ ڈاکٹر حضرات ان رَگوں کو پا کر ان کو گلوکوز

کا پانی چڑھاتے ہیں۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ بناتا ہے تو تین اندھیروں کے اندر اور پھر ایسا بناتے ہیں کہ ”لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ“۔(التین:۹۵،۴) (ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے۔) تو یہ عقلمند جو ہیں وہ ذرا ایک آنکھ تو بنادیں اور پھر اماں کا پیٹ دیکھو جس سے بچے ڈھل ڈھل کر نکل آتے ہیں تو اگر ماں کا پیٹ کوئی سانچہ ہوتا تو تمام بچے ایک ہی طرح کے ہوتے اور پہچان کے لیے لیبل لگانے پڑتے۔ایک دماغ کو دیکھو اور رات کے وقت میں کہہ رہا تھا کہ ہڈیاں تو ہماری جاتی ہیں اور دماغ باہر سے امپورٹ ہوا کرتا ہے۔یورپ کی طرف سے جیسے کہ ریڈیو کے ”Waves“ ہوا کرتی ہیں۔اسی طرح یہاں بھی ویوز ”Waves“ اگر آتی ہیں،یورپ کی بلا نے دل نکال دیے ہیں۔اب ان دماغوں کو دیکھ لو ان میں نہایت ہی باریک رَگیں ہوتی ہیں اور اس کے اُوپر بھی اثرات پڑتے رہتے ہیں۔یہاں تک کہ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اِتنے زمانے کی کھوپڑی ہے۔تو جب انسان کو ایک خاص کمرے میں جسم کے لحاظ سے بنایا ہے اور اگر یہ باہر بنانا چاہے تو نہیں بن سکتا۔اسی طرح اگر یہ اپنی روحانیت کو اپنی طرف سے اپنی سوچ اپنے دماغ سے بنانا چاہے تو تمام دنیا کے عقلمندوں کے دماغ اکٹھے ہو جائیں تو نہیں بنا سکتے۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ کو بچے تک خوراک پہنچنے کا ذریعہ بنایا ہے۔اسی طرح اس پورے کے پورے عالم میں ہدایت کا دودھ بغیر نبیوں کے واسطے نہیں ملے گا۔ڈاکٹر لوگوں نے آج سرجری میں ترقی کر لی ہے۔اب اگر یہ اُس رَگ کو کاٹ ڈالیں جس کے ذریعے بچے کو ماں سے خوراک ملتی ہے تو بچہ سوکھ جائے گا۔اسی طرح اگر آپ چاہیں کہ دینی ذہن بن جائے اور اس میں طریقۂ نبوی اختیار نہ کریں تو نہیں بنے گا۔اگر آپ چاہیں کہ حقیقت والا دل بنایا جائے،شریعت آشنا دل بنایا جائے تو وہ بغیر حضرت محمد ﷺ کے طریقے کے نہیں بنے گا۔اسی طرح آپ کی آنکھ شریعت محمدی ﷺ کے طریقے کے

بغیر نہیں سنبھلے گی۔ کان کو اس راستہ پر ڈالنا ہو گا۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ تمام اعمال کو حاصل کرنے کے لیے حضور ﷺ والے طریقے پر اپنے آپ کو ڈالنا ہو گا۔ یہ ایک ایسا "Organic Connection" ہے جس کا پورے کا پورا نظام ایکدوسرے کے ساتھ پیوستہ ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دل کو نکال لو تو انسان باقی رِہ جائے۔ دماغ کو نکال لو انسان باقی رِہ جائے۔ ریڑھ کی ہڈی کو نکال لو انسان باقی رِہ جائے۔ اسی طرح انسان کا روحانی نظام بھی دین والے طریقے سے آئے گا اور اگر تم اُن طریقوں سے دین کو لانا چاہو جو غیر کے طریقے ہیں تو دین کے طریقے مٹ جائیں گے، فرائض مٹیں گے، سنتیں مٹیں گی۔ یہ بگڑی ہوئی عیسائیت اور بگڑی ہوئی یہودیت کے طریقوں سے لیں گے۔ "الحق یعلو ولا یعلیٰ علیه"۔ (الکلمات المأثورہ) (حق غالب رہتا ہے اور کوئی دوسری چیز اس پر غالب نہیں آسکتی۔) (ایسا کرو گے تو ایسا ہو گا جیسے کہ آم کے درخت میں کسی زہریلی بوٹی کا پیوند لگا لو۔ اسی طرح جس طریقے پر حضور ﷺ کی مہر نہیں لگی ہو وہ خطرناک ہے۔ ڈاکٹروں کے لیے تو رجسٹریشن کی ضرورت ہے لیکن دین کے لیے ہم ان طریقوں کو لیں جو میاں کا مہر شدہ نہ ہو تو دین نہیں پھیلے گا۔ اس لیے وہ طریقہ لینا ہو گا جس کے متعلق فرمایا گیا: "رَضِیَ اللهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ"۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ تَرٰىهُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضۡوَانًا ۫ سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ ۚۖۛ وَ مَثَلُهُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ ۚ۟ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِهٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِهِمُ الۡکُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۲۹﴾ (سورۃ الفتح ۴۸:۲۹)

یہاں پر محمد ﷺ اور اُن کے صحابہؓ کی صفت بتائی کہ یہ کافروں کے مقابلے میں بڑے مضبوط ہیں۔ یہ نہیں کہ پتھر ہیں، پتھر بھی مضبوط ہے اور ریشم بھی لیکن مومن کی

مضبوطی ریشم کی مضبوطی ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہوگی کہ ہر ایک ہَوا اس کو موڑتی رہے، یہ نہیں ہوگا Uncle Sam آجائے تو اُن کے طریقے پر یہ نہیں ہوگا۔ یہ نہیں کہ گنگا آئے تو گنگا رام اور جمنا گئے تو جمنا داس اور فرمایا کہ تو دیکھے گا اُن کے چہروں میں رکوع و سجود کے اثرات۔ دیکھو گے تو چہرہ بتائے گا کہ یہ اللہ والے ہیں تو یہ نشانیاں ہم نے ان کی تورات میں بھی بتا دیں اور انجیل میں بھی۔ ایک درخت لے لو مثلاً یہ نارنج کا درخت لے لو، اس کے لگانے کے لیے زمین کو تھوڑا سا کھودیں گے، پھر بڑھتے بڑھتے اس کا تنا نکلے گا، بڑھے گا پھر پھول آئیں گے اور آخر میں پھل لگ جائے گا۔ تو یہ پورے کا پورا درخت کسی خاص نظام کے ماتحت بڑھتا ہے۔ یہ نہیں ہوگا کہ نیچے سے چلا تھا تو نارنج اور ذرا آگے بڑھا تو شفتالو اور پھر جو خوب بڑھ جائے تو آلوچہ۔ تو ایسا مسلمان نہیں ہونا چاہیے کہ ہر وقت بدلتا رہے۔ کبھی تو آم کا درخت ہو، پھر کبھی نارنج، کبھی لیموں اور کبھی کیا کبھی کیا اور پھر آم کی داڑھی بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح تم ہو اسلام کا درخت لیکن کبھی تمہارے ساتھ کیا لگے اور کبھی کیا۔ تو دیکھو! یہاں کے نارنج جو ہوتے ہیں، وہ آج دیکھو تو ہر طرف سے خوشبو آئے گی اور جب یونیورسٹی کے قریب پہنچ جائیں تو جو Imported درخت ہیں۔ اس وقت بالکل خشک ہیں تو ہماری اور اُن کی بالکل نہیں چلتی۔ ان کی بہار ہماری خزان ہوتی ہے اور ہماری بہار اُن کی خزان ہوتی ہے اور مکان نمبر 10 میں جب ہم رہتے تھے تو وہاں پر ہمارے گھر کے باہر Duranta پر جو زرد سی چیز لگی (Cuscuta) تو وہ نیچے سے نہیں اُگ آئی تھیں بلکہ اُوپر سے کہیں ڈالے گئے تھے۔ اسی طرح جو یہ زرد زرد بلکہ وہ سفید سفید پروں والی آجاتی ہیں تو پھر گرنٹا نہیں رہتا بلکہ کرو ینٹھا رِہ جاتا ہے۔ اسی طرح ایمان کے درخت اور پودوں کو لگانے کے لیے کوشش کرکے کچھ وقت لگاؤ اور اگر دیکھو! میں درخت لگانا چاہوں تو نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے مالی صاحب کو کہنا پڑے گا۔ دیکھو! دین از نظر و علم از خبر۔ کتابوں کے پڑھنے سے معلومات تو آجائیں گی لیکن دین نہیں آئے گا۔ اس کے لیے ضرور

بالضرور اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنا پڑے گا۔ تو اس کے لیے وقت لگالو تو اب امتحان کے دن ہیں اور آپ کہیں گے کہ ہم کو وقت نہیں ملتا تو میں عرض کرتا ہوں کہ ذرا اپنی چائے اور روٹی کو تو چھوڑ دو اور یہ تو پھر صاف کام ہے۔ میں یہ کہوں کہ وہ جو گندہ کام ہے اس کو چھوڑ دو۔ پیشاب، پاخانہ کو چھوڑ دو۔ بس دین کا کام ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس کو چھوڑا جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر آ کر بسنا

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (2 اپریل 1964ء، بعد از نمازِ عصر بروز جمعہ، 6 بجکر 20 منٹ)

بہر حال جنت جو ہے: یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ (البقرۃ ۲: ۳۵ ـ ۳۸)

(آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس میں سے جہاں سے چاہو جی بھر کر کھاؤ مگر اس درخت کے پاس بھی نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں شمار ہوں گے، پھر ہوا یہ کہ شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے ڈگمگایا اور جس (عیش) میں وہ تھے اس سے انہیں نکال کر رہا اور ہم نے (آدم، ان کی بیوی اور ابلیس سے) کہا۔ اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور تمہارے لیے ایک مدت تک زمین میں ٹھہرنا اور کسی قدر فائدہ اُٹھانا (طے کر دیا گیا) ہے پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (توبہ کے) کچھ الفاظ سیکھے جن کے ذریعے انہوں نے توبہ مانگی۔ چنانچہ خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ بیشک وہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ ہم نے کہا "اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ پھر اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہیں پہنچے تو جو لوگ میری ہدایت کے پیروی کریں گے ان کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے"۔)

ضابطے کا جواب یہ ہے، زمان و مکان کے تبدّل سے احکام بدل جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس دنیا میں آپ اگر آج ہی کے دن اسی وقت میں قطب شمالی چلے جائیں تو کہا جائے گا

کہ گرمی کے کپڑے نہ پہننا، نمونیہ ہو جائے گا اور اگر کوئی آدمی ہو ٹنڈرا کا اور وہاں اُس نے رینڈیر(Reindeer) وغیرہ کی کھال پہنی ہوئی ہو، وہ جولائی کے دِنوں میں جیکب آباد آنا چاہتا ہے تو اُسے کہا جائے گا کہ یہ کپڑے اُتار دینا ورنہ سرسام ہو جائے گا تو مقام کی وجہ سے حکم لباس بدل گیا۔ اسی طرح پہلی جنوری کو آپ جو لباس پہنتے ہیں پہلی جون کو نہیں پہنتے اور اس سے تھوڑا آگے اور بڑھو Outer space میں Garigan صاحب اور اُس کی بیگم، وہاں اگر آربٹ کو کراس کریں تو وہاں وزن والا انسان بھی بے وزن بن جاتا ہے اور انسان نیوٹن کے قانون کے مخالف بے وزن Weightless ہو جاتا ہے۔

اسی طرح سیدنا آدم علیہ السلام جس وقت جنت میں تھے تو تغیر زمان واقع ہوا یا نہیں تو بات ختم ہو گئی اور اسی طرح وہ اکیلے آدم علیہ السلام کی تھی اور اب ہر جنتی کو دی جائے گی۔ اب اُس جنت کا مکان اور رقبہ جو تھا، تمام جنت پر حاوی تھا تو ممکن ہے۔ وہ جنت کے اُس حصے میں تھے جہاں کہ یہ حکم ہو اور میں تو یہ کہوں کہ دیکھو! شریعت موسوی اور ہے، شریعت عیسوی اور ہے اور شریعت محمد ﷺ اور ہے۔

یہ راکٹ جو چھوڑتے ہیں، پہلے اس کی ایک Base ہوتی ہے۔ پہلے اس کو اُس پر وہ فٹ کر لیتے ہیں۔ جیسے بندوق ہوتی ہے جس میں بولٹ کو وہ اِدھر اُدھر کر کے بھر لیتے ہیں اور پھر گولی چلائی جاتی ہے اِسی طرح یہ راکٹ بھی شوٹ کر لیتے ہیں اور وہ چیز نکل جاتی ہے۔ کبھی تو اس کے سوئچ کو اُوپر کر لیتے ہیں اور کبھی نیچے اور پھر اس کی Controlling Machine جو ہوتی ہے اس کو کبھی اِدھر کر لیتے ہیں اور کبھی اُدھر۔ کبھی (+) اِدھر پھینکتا ہے اور کبھی (–) اُدھر پھینکتا ہے۔ تو اُس وقت ترقی آدم علیہ السلام جو تھی وہ Minus ''لا تقربا'' پر تھی اور اس کے بعد جب ان دونوں کو شیطان نے ورغلایا، رب کے عاشق تھے، رب کا نام جو لیا تو ظاہراً تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب انہوں نے اس ''نہی'' کو چھوڑا تو زوال شروع ہوا اور جب

انہوں نے یہ کہا: وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ (الاعراف:۷، ۲۳) (اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔) تو جب انہوں نے اعترافِ ظلم کیا تو وہ اعترافِ ظلم آپ کے لیے رفع درجات کا سبب بنا۔ آدم علیہ السلام اگر وہاں ہوتے تو جو جنت اُن کو ملی تھی اس میں درجات کے بڑھنے کی صورت نہیں تھی لیکن یہاں جو آئے تو آپ کے اعمال کے بقدر آپ کے درجات بڑھنے کی صورت ہوئی۔ اب جب آدم علیہ السلام اس دُنیا میں آئے اور انہوں نے توبہ کی تو خلافت کا ظہور ہوا اور انسان کا کمال خلافت کے ظہور کی وجہ سے ہے۔ یہاں عبادات کی اور ہر عبادت پر جو جنت ملتی ہے۔ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ دو صحابیؓ تھے۔ ایک ہی دن میں مسلمان ہوئے۔ ایک ان میں شہید ہوئے اور دوسرے ایک سال کے بعد شہادت کی آرزو میں اپنے بستر پر وفات پا گئے۔ اب ایک صحابیؓ نے خواب میں دیکھا کہ یہ دوسرے صاحب اوّل سے پہلے جنت میں داخل ہوئے تو صحابہؓ نے استعجاب ظاہر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُس کے وہ ایک سال کی نمازیں اور روزہ کیا ہوئیں۔

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ اُس وقت پابندی اُس زمانے کے لحاظ سے تھی مثلاً کوئی رمضان میں یہ کہے کہ اگر تم نے آب زمزم پی لیا تو انتہائی گنہگار ہوں گے۔ اسی طرح عید الفطر کا دن تھا اور ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ نے روزہ رکھا تو گناہ ہو جائے گا۔ اب اس کو اگر آپ نے ضابطہ بنایا تو نتیجہ کیا ہو گا۔

نوٹ: معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے سوال کیا ہو گا کہ جنت میں تکلیف نہیں تو پھر آدم علیہ السلام کو خاص درخت سے منع کیوں کیا گیا۔ پھر آپ نے شیطان کی بات پر کیوں بھروسہ کیا اور زمین پر آپ کا اُترنا گویا تنزل کا سبب بنا تو اِس قسم کے سوالات کے جوابات دیے گئے۔ واللہ اعلم

مشیخت کے لیے شرط ہے یا نہیں؟

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (4اپریل1964ء، بعد از نمازِ مغرب بروزِ اتوار، 6بجکر40منٹ)

کیا شادی کے لیے جب کہ بچے پیدا کرنے کا خیال ہو تو بلوغ شرط ہے یا نہیں؟ اسی طرح شیخ بننے کے بھی اپنی شرائط ہیں جن کے بغیر اپنے کو شیخ سمجھنا بڑی غلطی ہے مثلاً شیخ کا صاحب نسبت ہونا ضروری ہے اور نسبت کہتے ہیں کہ جس کا عمومی حال یہ ہو جائے کہ غلبۂ ذکر اس کی کیفیت ہو، اللہ کی فرمانبرداری اور نبی ﷺ کی اطاعت کی کیفیت ہو۔ اسی طور پر کسی شیخ سے تعلق ہو اور اپنے شیخ سے اجازت ہو۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو کامل ہونے کا یقین بھی ہو گیا لیکن اجازت نہ ہو تو بچہ پیدا بھی ہو لیکن وہ "Illegitimate" ہوگا اور اس کے لیے شیخ کی اطاعتِ شریعت بھی نہایت ضروری ہے۔ اپنی طرف سے شریعت پر مستقل ہو اور پھر اس کے خلاف بھی فتویٰ نہ دے اور پھر یہ تمام صوفیاء کا متفقہ فیصلہ ہے اور حضرت نقشبندؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر ہَوا میں اُڑے تو مکھی بھی اُڑتی ہے اور اس کے لیے ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ ایک ہوتا ہے بازاری شیخ اور اس کا مقصود مال و جاہ ہو مثلاً فلاں کے پانچ سو مرید ہیں اور فلاں اُس کے مرید ہیں۔ وہاں تو صمدیت کا عکس ہوتا ہے۔ جو آئے تو آئے اور جو جائے تو جائے۔ اور ایک ہوتے ہیں فلسفیت کے رُخ پر مثلاً وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود وغیرہ کے مسائل میں پھنسانا اور ایک تیسری جو حقیقی اور شرعی ہے۔ وہ یہ ہے کہ پوری طرح اپنی طرف سے متبع شریعت ہو اور سنت کے خلاف دعوت دینے والا نہ ہو تو بعض اوقات اگر کوئی بات خلاف بھی ہو جائے لیکن اس پر اصرار نہ ہو اور یہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ بیعت کا اصل تعلق مرید کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر مرید کی نیت خالص ہے تو اگر پیر کی طرف سے انقباض بھی ہو تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے دیں اور اصل شیخ المشائخ تو حضور ﷺ تھے۔ تو وہاں تو وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ

ظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١١٨﴾ (التوبۃ۹:۱۱۸) (اور ان تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہاں پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے خود اسی کی پناہ میں آنے کے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی تو پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا تاکہ وہ آئندہ کے لیے اللہ سے رجوع کیا کریں۔ یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔) تو کیا ہوا، یہاں تک بات ہوئی کہ جب آتے تھے تو کوئی بات تک نہیں کرتا تھا اور سلام کا جواب تک نہ دیتا لیکن چونکہ دلی ندامت تھی تو اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی۔

بیعت حقیقت میں معاہدہ ہے شیخ اور مرید کے درمیان۔ محبت کا معاہدہ کہ مرید کی طرف سے محبت اور اتباع میں کمی نہیں ہوگی اور شیخ کی طرف سے ارشاد اور نصیحت میں کمی نہیں ہوگی۔ اگر مرید کی محبت میں کمی آجاتی ہے، اعتقاد ٹوٹ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شیخ کے متعلق شبہات اور خیالات مضبوط ہو جاتے ہیں تو تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ دل میں بے ادبی آگئی تو فیضان بند ہو جائے گا تو فسخ بیعت میں اگر کوئی بات ہوگی تو وہ مرید کی طرف سے ہوگی۔ شیخ نہایت رقیق القلب ہوتے ہیں۔ شیخ تمام عیوب کو جانتے ہوئے بھی ان کے ساتھ محبت رکھتے ہیں اور یہ اُس کے متعلق معمولی بات بھی ہضم نہیں کر پاتے اور اسی وجہ سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ جب تعلق شیخ و مرید کا قائم ہو جاتا ہے، اُس وقت اصلاح کی توجہ مرید کی طرف ہوتی ہے اور جب مرید کی لینے کی توجہ ہوتی ہے تو دونوں فٹ ہو جاتی ہیں۔ جب تک مرید میں طلب رہتی ہے، شیخ کے فیض کے لینے کے وہ قابل ہوتا ہے۔ پیالہ ہے سیدھا رکھا گیا تو فیض ہوگا اور اگر اُلٹا رکھا تو پھر بند ہوگا اور یہ شیخ اور مرید کے درمیان نسبت کا حال ہے اور اللہ کے ساتھ نسبت دوسری بات ہے۔

مناسبت محبت کے لیے معین ہے اور محبت نہ ہو تو فیض نہیں ہوتا۔ دل را بدل رہیست۔ مناسبت نہ ہو گی تو محبت نہ ہو گی اور بعض اوقات مناسبت پیدا بھی ہو جاتی ہے کیونکہ انسان جب غلط راہ پر ہے تو نفس امارہ گناہ کی طرف کھینچتا ہے۔ اب جب شیخ کے ساتھ تعلق ہو تو نفس کا کھچاؤ بُرائی کی طرف اور شیخ کا بھلائی کی طرف اور یہ کچھ عرصہ تک چلے گی۔ یہاں تک کہ شیخ کی اتباع طوعاً و کرھاً کرتے ہوئے اپنے رُخ کو دیکھ لے اور پھر بھی اگر نہ ہو تو پھر دوسرا اختیار کیا جائے۔

اور ایک مناسبت طبعی ہوتی ہے مثلاً عبد الماجد صاحب دریابادی خلافت کمیٹی کے ارکان میں سے تھے اور مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے تو حضرت تھانویؒ نے یہ خیال کیا کہ یہ کہیں مخالفت پر منتج نہ ہو جائے تو اس لیے آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ بیعت کا تعلق تو حسین احمد مدنیؒ سے ہو اور تربیت کا رُخ آپ نے کیا۔

ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجا ست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(طریقت ایک آسان کام نہیں اس میں بعض ایسے مسائل پیش آجاتے ہیں جو کہ بال سے بھی زیادہ باریک ہوتے ہیں، اس کی حقیقت جاننے کے لیے صرف ظاہری صورت کام نہیں آتی۔)

حصولِ فیض کے لیے اہلِ دِل کی صحبت کی ضرورت

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (5 اپریل 1964ء، بعد از نمازِ مغرب، 7 بجکر 20 منٹ)

صحبت صالح ترا صالح کند — صحبت طالح تُرا طالح کند
یک زمانہ صحبتے با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکے یا عبیرے — کہ از بوئے دلاویزے تو مستم
بگفتا من گل ناچیز بودم — و لیکن مدتے با گُل نشستم
جمال ہمنشین در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(نیکوں کی صحبت اختیار کرو گے تو نیک بنو گے اور بُری صحبت تجھے بُرائی کی طرف لے جائے گی۔ نیک لوگوں کی صحبت ایک خاص وقت تک میسر آجائے تو اس کے برکات سو سالہ طاعت سے زیادہ فائدہ دے گی۔ ایک دفعہ حمام میں خوشبو دار مٹی اپنے دوست کے ہاتھ سے میرے ہاتھ آئی۔ میں نے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیرے خوشبو سے مجھ میں مستی آئی۔ اُس نے کہا میں ایک بے قدر مٹی تھی لیکن ایک مدت تک پھول کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ میرے ساتھ والے کے جمال نے مجھ میں بھی اپنا اثر ڈالا ورنہ میں تو وہی مٹی کی مٹی ہوں۔)

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ (الكهف ۱۸:۲۸) (اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں اُن کے ساتھ صبر کرتے رہو اور تمہاری نگاہیں ان میں سے (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں، کہ تم آرائش زندگانی دنیا کے خواستگار ہو جاؤ اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ اس کا

کام حد سے بڑھ گیا ہے۔ اس کا کہانہ ماننا)۔ اور دوسری آیت ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ (التوبۃ۹:۱۱۹) (اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو)۔ جو یہ پہلی آیتیں اُتریں تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شکر ہے اللہ کا کہ میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ جن کے متعلق مجھے حکم دیا کہ میں اُن کے ساتھ رہوں۔

صحبت کی دو نوعیتیں ہیں: (۱) ایک عام صحبت (۲) اور دوسری خاص صحبت۔

ہر صالح شخص کی صحبت میں فائدہ ہوتا ہے۔ انسان میں مسارقت کا مادہ ہے۔ ایک دوسرے سے چراتا ہے۔ سوسائٹی حقیقت میں ایسا سانچہ ہوتا ہے کہ جو بھی اس میں آتا ہے، اس کی شکل اختیار کرتا ہے تو صحبت ہر صالح شخص کی اچھی ہے لیکن سلوک میں جو کہا جاتا ہے کہ بزرگوں کی صحبت اختیار کرو تو اس کی نرالی شان ہوتی ہے۔ حقیقتاً یہ صحبت نسلاً بعد نسلٍ حبیب پاک ﷺ کی صحبت در صحبت کی کڑی ہے۔ تسلسل ہے۔ فلان نے فلان کی صحبت اُٹھائی، تابعین کی اُٹھائی، تابعین نے صحابہؓ کی اور صحابہؓ نے حضور ﷺ کی۔

تو بزرگوں میں جس کو صحبت کہا جاتا ہے وہ در حقیقت وہ فیض باطنی ہے جو صحابہؓ کو حضور ﷺ سے منتقل ہوا اور پھر مختلف لوگوں کو منتقل ہوتا رہا تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بزرگوں کی صحبت اختیار کرو۔ یہ سیڑھیاں ہیں کہ چھت تک چڑھنا ہوتی ہیں یا بجلی جو ہوتی ہے کہ آپ نے اس کو کس سورس (Source) سے لی ہے، یہ شجرہ ہوتا ہے، شجرۂ صحبت تو صحبت کے ذریعے ایسی چیزوں کا انتقال ہوتا ہے۔ جو لفظوں سے مختلف چیز ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن و حدیث کے انوارات سفینہ در سفینہ ہوتے ہیں اور یہ سینہ بہ سینہ ہوتے ہیں۔ یہ انہیں کے خاص علوم ہوتے ہیں بلکہ خاص نسبت ہوتی ہے جو کہ صحبت سے منتقل ہوتی ہے۔ ہم باپ کے بیٹے، باپ دادا کے بیٹے اور ہم پیداوار ہیں صحبت کے۔ صحبت سے دِلوں سے دِلوں کو دیا جاتا ہے۔ یہ کتاب سے نہیں ملتا۔ حسن بصریؒ اور دوسرے بزرگ جنہوں نے حضور ﷺ کی صحبت کو

نہیں پایا۔ صحابہؓ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ ایک ہوتا ہے استاد والا اور ایک ہوتا ہے استادا۔

استاد زندگی کا نچوڑ پیش کرتا ہے جس طور پر انسان کے جسم متاثر ہوتے ہیں، ارواح متاثر ہوتی ہیں اور دل متاثر ہوتے ہیں مثلاً ایک خوشبودار سینٹ کی شیشی ہے۔ اُس میں آپ رومال کو رکھ لیں تو سینٹ تو آپ دوسری جگہ لے چلیں لیکن رومال خوشبودار ہوتا ہے کیونکہ رومال نے سینٹ کی صحبت پائی اس لیے تو کہتے ہیں کہ فلان فلان کا شاگرد ہے۔ فلان گاما پہلوان کا بیٹا ہے۔

دِل دل سے لیتا ہے اور روح روح سے لیتی ہے۔ انسان جن چیزوں کو ذہن کی رُو سے لیتا ہے۔ وہ کتابوں سے لیا جاسکتا ہے لیکن جو دل سے دل کو ملتا ہے اس کے لیے صاحبِ دل حضرات کی ضرورت ہے۔

اندھیرا ہے عالم پہ چھایا ہوا
چراغ جہاں قلبِ آگاہ ہے

سید صاحبؒ نے فرمایا: کہ ہمارے اور آپ کے قلوب خالی ہو جائیں لیکن اب بھی اللہ کے بندے موجود ہیں اور فرمایا: جیسے دیا سے دیا روشن ہوتا ہے اسی طرح دل دل سے روشن ہوتا ہے۔ صحابہؓ کے دل روشن تھے تو حضور ﷺ سے فرمایا گیا: يَآيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ (الاحزاب ۳۳:۴۵،۴۶)

(اے نبی! ہم نے بیشک تمہیں ایسا بنا کر بھیجا ہے کہ تم کو گواہی دینے والے، خوشخبری سنانے والے اور خبردار کرنے والے ہو اور اللہ کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے اور روشنی پھیلانے والے چراغ ہو۔) داعی ہو گا، سب کچھ ہو گا لیکن روشن وہی ہو گا جو کہ تیرے ساتھ لگے گا۔ روشن گر چراغ ہیں۔ ابو جہل نے بھی دعوت سنی تھی، عتبہ اور شیبہ نے بھی سنی تھی لیکن صحبت کے چراغ سے روشن نہیں ہوئے۔ ابو بکرؓ، عمرؓ اور دوسرے

حضرات نے دعوت کے ساتھ صحبت کی دولت بھی لی۔

دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
کیا نگاہیں تھیں کہ مُردوں کو مسیحا کر دیا

میری زندگی اپنی جان سے نہیں بلکہ جانان سے وابستہ ہے مجھے اب اپنی جان کی پرواہ نہیں میں تو اب جانان بن گیا ہوں اور اپنی ہستی گم کر بیٹھا ہوں۔)

تو نگاہ سے یہ نگاہیں مراد نہیں بلکہ اس سے دل کی نگاہیں مراد ہوتی ہیں اور نگاہ میں جان آتی ہے جبکہ دل سراپا دعا بن جاتا ہے اور اللہ سے اُس کا اِتنا تعلق ہو جاتا ہے کہ اللہ اس کے ارادے پر فیصلے کرلیتا ہے۔ جس طرف وہ توجہ کرلیتا ہے، اللہ ہدایت کے فیصلے کرلیتا ہے۔ ابھی ہم بیٹھے ہوئے تھے، وہ ایسے کرلیتے تھے، بجلی چمکی اور فوٹو لیا گیا۔

من ز جانان زندہ ایم و زجانان نہ یم
من ز جان بگزشتہ و جانانہ یم

میں تو اپنی ذات سے زندہ نہیں ہوں بلکہ جانان سے ہوں تو اولیاء اللہ کے قلوب آئینہ رب اور ظرف عطائے رب اور محل فیوض ربانی ہوتے ہیں۔ ہم یوں کیا کرتے تھے کہ یوں تصور میں بیٹھ جائیں جیسے کہ پرنالے سے پانی آرہا ہو تو کیا اس پر بھی کوئی چھینٹا پڑے گا؟ تو صحبت ایک مستقل ذریعہ ہے۔ صحبت شیخ کی وجہ سے ''میں'' مرتی ہے ورنہ سب کچھ ہو گا اور ''میں'' نہیں نکلے گی۔ پارہ کبھی دیکھا ہو گا تو پارہ کو مار کر سر میں ڈالا جاتا ہے جب جویں پڑ جاتی ہیں، پارہ زندہ ہو تو کبھی اِدھر نکلتا اور کبھی اُدھر نکلتا ہے تو "Most illusive thing in the world" جو ہے وہ ''میں'' ہے۔ قابو میں نہ آنے والی چیز۔ تو ''میں'' نہیں مرتی اس لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ ''مُردے گردی چوں گردِ پائے مردے گردی''۔ ایک بڑے عاشق الٰہی نے کہا:

آزمودم عقل دُور اندیش را | بعد ازاں دیوانہ سا ختم خویش را
اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد | مرعسس را دید در خانہ نہ شد
قال را بگزار مرد حال شو | پیش مردے کاملے پامال شو
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم | تا غلام شمسِ تبریزی نہ شد

(عقل کی دُور اندیشی کو خوب پرکھ کر اب جان بوجھ کر دیوانہ بن گیا ہوں بلکہ وہ آدمی دیوانہ ہی ہے کہ جو دیوانہ نہ بنے۔ کوتوال کو دیکھے اور اپنے کو بچا کر گھر کے اندر چلا نہ جائے اور یہ دیوانگی اور حقیقتاً فرزانگی تبھی نصیب ہوگی جب کہ تو فضول باتوں کو چھوڑ کر حقیقت کو اپنائے اور مردِ کامل کے پاؤں کی خاک بن جائے۔)

اور ہمارے حضرتؒ نے فرمایا:

اب درِ پیر مغان چھوٹے نہیں
اس کی مٹی میں بھی کیفِ جام ہے

دیکھو بھائی! اگر آدمی نری اپنی محنت سے بن جایا کرتا اور کسی سے لینے کی ضرورت نہ ہوتی تو انبیاء علیہم السلام کیوں آتے۔ آدمی محنت کرتا، کتابیں اُوپر سے آتیں، ان کو پڑھتا تو کتاب بھی بھیج دی اور کتاب والا بھی بھیج دیا اور پھر کتاب کے ساتھ محنت بھی بھیج دی۔ عام طور پر ایک بڑی غلطی یہ ہے کہ کتاب پڑھیں گے اور پھر محنت کریں گے اور دعوت کا کام کریں گے تو بن جائیں گے مثلاً ایک کھڑا درخت ہو، وہ جب اُوپر رکھ لیتے ہیں تو خشک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب درختِ ایمان کو صحبت لگائی جاتی ہے تو وہ تازہ ہو کر برگ و بار لاتا ہے۔ ہمارے حضرتؒ نے فرمایا: زبان کی روانی اور قلم کی جولانی قلب کی تابانی کے بغیر سراب کے نمو سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی جو ظاہر میں تو چمکدار نظر آتا ہے لیکن مستقل اور مستقبل کے وجود سے عاری ہوتا ہے۔

میں نے کل کفیل صاحب سے کہا کہ میں اس چھت پر درخت لگاتا ہوں۔ مطلب میرا یہ تھا کہ ہَوا میں لگایا جائے تو کیا ایسے ہوتا ہے۔ خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے۔ جس کا تعلق اللہ سے ہو گا۔ جو اللہ کا جاننے والا ہو گا۔ اللہ کا پہچاننے والا ہو گا، اُس کی صحبت سے نفع ہوتا ہے تو یہاں تمام دعوت کی باتیں کہہ کر پھر فرمایا کہ ''روشن چراغ ہے'' جس کا دل تیرے روشن چراغ کے نزدیک آ گیا تو وہ روشن ہوتا ہے۔ تم کہو کہ ابوجہل نے بھی تو دیکھا تھا تو اُس نے نہیں دیکھا تھا۔ ظاہر کی آنکھوں سے تو دیکھا لیکن دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ وَ تَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَ هُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ (الاعراف۷:۱۹۸) (اور تم انہیں دیکھتے ہو کہ (بظاہر) آنکھیں کھولے تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر (فی الواقع) کچھ نہیں دیکھتے)۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو نظر آئے کیا اور کیا دیکھے

جیسے کہ آتشی شیشہ کسی کاغذ کے بالمقابل سورج کے سامنے کراؤ تو وہ کاغذ جل اُٹھے گا۔ اسی طرح اہل اللہ کے دل خود جلے ہوئے ہوتے ہیں، اُن کی صحبت اختیار کرنے سے دل جل اُٹھتے ہیں۔ ایک دفعہ شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی صحبت میں بیٹھا ہوا تھا تو میں نے کہا کہ حضرت! تھوڑا بہت پڑھ لیا ہے، عمل نہیں ہوا کرتا۔ عمل کی توفیق نہیں ہوتی تو فرمایا کہ ''عمل والوں کی صحبت اختیار کرو''۔ اب بات آئی گئی ہو گئی۔ بیٹھے تھے کہ اس میں قہوہ آ گیا تو کہا کہ تمام عمر قہوہ نہیں پیا۔ یہ صحبت کا اثر ہے۔ اس کے بعد وہ سبز پتے، پان آ گیا تو فرمایا کہ ''دیکھو! یہ صحبت کا اثر ہے''۔

وہ پہلے جو میں نے عرض کیا کہ سعدیؒ نے یوں فرمایا کہ میں نے مٹی اپنے محبوب کے ہاتھ سے لے لی تو میں نے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ میں تمہاری خوشبو سے مست ہوا جاتا ہوں تو اُس نے کہا کہ میں تو وہی ناچیز مٹی ہوں لیکن ایک مدت سے گل کے پاس بیٹھی تو

جمال ہم نشین نے مجھ پر یہ اثر کیا ورنہ میں تو اصلاً وہی خاک ہوں جو کہ پہلے تھی۔

ارشد صاحب فرماتے ہیں کہ میں جب جاپان میں ہیروشیما کے مقام پر چلا گیا تو جب ایٹم بم گرایا گیا تو اس کی گرمی سے وہ پہاڑ پگھل گیا اور پھر ایسا پگھل گیا کہ درخت بھی جل اُٹھے اور پھر اُن درختوں کے نقش اُن پر بیٹھ گئے تو اسی طرح ہمارے دلوں کے پتھر اہل اللہ کی صحبت کی وجہ سے گرم ہو کر ہدایت کے نقوش اُن پر پڑ جاتے ہیں۔ ہم سید صاحبؒ کی صحبت میں جایا کرتے تھے تو میں یہاں سے سال میں پانچ پانچ مرتبہ گیا ہوں۔ مکی مسجد میں رہا کرتے تھے اور آپ کے پاس جایا کرتے تھے تو حضرت صبح کے وقت بھی کچھ وقت چھوڑ دیا کرتے تھے۔ اب میں سب سے پہلے جایا کرتا تھا اور سب سے اخیر میں آتا تھا اور میں بہت باتونی ہوں۔ سید صاحبؒ بہت کم بولتے تھے اور پھر جو کہتے تھے تو وہ مستقل عنوان ہوا کرتا تھا اور پھر ایسی بات ہوئی کہ آپ نے اگر کوئی بات حکایتاً بھی کہی تو وہ ہماری زندگی میں آئی۔

قلندر ھر چہ گوید دیدہ گوید

(قلندر جو کچھ کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے۔)

تو ایک دفعہ میں گیا اور گیارہ بجے تک رہا لیکن سید صاحبؒ نے ایک بات نہیں کی۔ کتاب دیکھتے رہے تو میرے دل میں وسوسہ آ گیا کہ عجیب بات ہے کہ بات تک نہیں کرتا تو فوراً فرمایا: ''لوگ کہتے ہیں کہ تقریر کر لو اور اکبر کہتا ہے کہ:

تاثیر دِکھا تقریر نہ کر

اب جبکہ حضرتؒ جمعہ کے غسل کے لیے تیاری کر رہے تھے تو میں نے عرض کیا:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(اولیاء اللہ کے ایک زمانہ کی صحبت اگر آداب کے ساتھ گزارے تو صد سالہ بے

ریاعبادت سے بہتر ہو کیونکہ اس میں روحانیت کے ساتھ کنکشن قائم ہو جائے گی۔)

تو اس کا کیا مطلب ہے تو فرمایا کہ: اس سے مراد وہ گھڑی ہے جس میں انسان چُن لیا جاتا ہے لیکن محنت تو اس کے لیے کی جاتی ہے۔ وہ گھڑی جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو چُن لیتے ہیں۔ اس سے مراد وہ گھڑی ہے اور چونکہ یہ گھڑی اہل اللہ کی صحبت سے ہوا کرتی ہے۔ مثلاً ایک عورت ہو کہ ہو خوب "Mature" اور "Fertility" کے لحاظ سے انتہائی درجہ پر ہو لیکن جب صحبت نہ ہو تو بچہ تو چھوڑو، چوہیا بھی پیدا نہ ہو گی۔ اسی طرح کسی میں خواہ کتنی ہی صلاحیت ہو لیکن جب اولیاء اللہ کی نگاہ نہ ہو تو "Mature" ہونا ناممکن ہے۔ اسی طرح پودوں میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں جن کے باہم ملنے سے چیزیں بن جاتی ہیں۔ اسی طرح یہ "Electricity" والوں میں (-) Negative اور (+) Positive چارج کی وجہ سے کرنٹ چلتا ہے۔ اسی طرح القائے نسبت جو ہوتی ہے وہ اولیاء اللہ کے سینوں سے ملتی ہے اور کسی کو اپنی ذات سے نہیں ملتی ہے بلکہ سلسلہ بسلسلہ چلتا ہے۔ میں اپنے باپ کا بیٹا اور وہ اپنے باپ کا بیٹا اور اس طرح آدم علیہ السلام تک سلسلہ چلتا ہے اور آدم علیہ السلام کو اللہ نے اپنی نسبت خاص سے بنایا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے اندر کی روحانیت کو اللہ تعالیٰ اپنے دست سے بناتے ہیں، اُن کی Charging اللہ خود کرتے ہیں اور ایسی نسبت ہوتی ہے کہ اس کی کبھی انفکاک نہیں ہوتی۔ وہاں قطرے نہیں گرتے بلکہ دریا کو اُلٹایا جاتا ہے۔ اب نبی کے دل میں تو سب کچھ آ گیا اور اُس نے لے لیا۔ اُس سے صحابہؓ نے لے لیا اور صحابہؓ سے سلسلہ بہ سلسلہ چلتا رہا اور دیکھو! رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں سے ایک فریضہ مستقل یہ ہے۔ میں ایک آیت کو پڑھتا ہوں، اور ہر ایک بیان میں پڑھتا ہوں، لیکن یہ باسی نہیں ہوتی بلکہ تازی ہوتی ہے۔ تو وہاں کیا ہوتا ہے۔ اور باتوں کے ساتھ تزکیہ کرتے ہیں، یہ نکھارنا، سنوارنا، دلوں کو روشن کرنا، ہدایت کا فیضان خدا سے لیکر بندوں کو دینا یہ دعوت کی جُز نہیں، بلکہ دعوت کی جڑ

ہے، دیکھو ان درختوں میں بعض ہوتے ہیں، جن کی جڑیں اوپر ہوتی ہیں، تو یہ اتنی مضبوط نہیں ہوتیں، جتنے کہ وہ درخت جن کی جڑیں دُور دُور تک پھیلی ہوتی ہیں، تو یہ معدنیات کو زمین سے لیکر انکو دور تک پھیلاتی ہیں، اب یہ جڑیں تو دکھائی نہیں دیتیں، تو ''میں'' میں انسان نہیں بنا کرتا، بلکہ ''من'' میں ڈوب کر انسان بنا کرتا ہے۔

اپنے من میں ڈوبکر پاجا سراغ زندگی
تُو اگر میرا نہیں بنتانہ بن اپنا تو بن

بہر حال وہ کہتے ہیں:

بے عنایات حق وخاصان حق
گر ملک باشد سیاہ گرددورق

(حق تعالیٰ اور اس کے خاص بندوں کے عنایات شامل حال نہ ہوں تو فرشتوں کا پتہ بھی سیاہ پڑ جائے۔)

فرماتے ہیں، کہ اے اللہ کے بندوں اور خاصان حق کی عنایت کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہو، تو اس کا ورق سیاہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو! یہ ابلیس جو ہے اوپر تھا، فرشتوں کے ساتھ ملا جلا رہتا تھا۔ یہ کیوں گمراہ ہوا، ''میں'' نہیں مٹی تھی، اور وہ کیوں نہیں مٹی، کسی کے آگے اپنے کو ڈالا نہیں تھا، یعنی اپنے آپکو مٹایا نہیں تھا۔

گو یہ شیخ جو ہیں اُن کی حیثیت کچھ بھی نہیں، باغ کے مالی ہیں، باغ کے مالک تو خداوند کریم اور داروغہ حضرت محمد ﷺ اور یہ تو پانچ دس روپے کے مالی ہوتے ہیں تو فرمایا: ''وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ۔۔۔الخ'' تو تعلیق بالمحال کے طور پر یوں کہا کرتے ہیں، کہ آپ دنیا کو چاہنے لگیں اور انکو نظروں سے ہٹائیں، تو محبت اولیاء اللہ جو ہے وہ فیضان حق کے لینے کا مستقل ذریعہ ہے، Main Power House تو انبیاءؑ کی ذات ہے، اور اس کے

بعد Substations وغیرہ ہوتے ہیں، تو محبت جو ہے وہ دعوت سے متغائر نہیں بلکہ اُس کا ایک ضروری جزو ہے، دیکھو! تم ایگریکلچر پڑھتے ہو، تو اس میں مختلف مضامین ہوتے ہیں، اب تم ایک ٹہنی کو لے لو۔ اسکو توڑو اور پھر دیکھو کہ اس میں مختلف نسیں ہوتی ہیں جو کہ حیاۃ رکھنے کیلئے ضروری ہوتی ہیں، اس کو اگر کاٹا جائے تو پانی پر اثر پڑتا ہے۔ اس میں ایک دو کو بھی نکالو تو باقی پر اثر پڑتا ہے۔ بیج کو لے لو، بیج تو بہت بڑا ہوتا ہے، اُس میں ایک جگہ ہوتی ہے "Embryo"، اُس کو اگر تم ضائع کرو، تو بیج ضائع ہوگا۔ اسی طرح دل والا مصالحہ ہے اس کو اگر تم خراب کرو، تو پھر بیج نہیں پھٹے گا، چاہے میری طرح دو گھنٹے کی دعوت بھی دے، اور بعض اوقات محبت جو ہوتی ہے مثلاً آپ نے کسی صاحب کی صحبت اختیار کی، اور پھر آپ اُس کے حکم سے کسی جگہ چلے بھی جائیں، تو یہ غیاب نہیں ہوگا بلکہ حاضری تصور ہوگی، اسی طرح صحبت والوں کی بھی تصور ہوگی اگر تعلق قائم ہو جائے۔

بعد منزل نہ بود در سفر روحانی

(روحانیت کا مقام خاص حاصل ہوئے تو فاصلے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں۔)

ایک دفعہ ایسی بات ہوئی، کسی اخبار میں خبر دیکھی، کہ حضرتؒ لاہور تشریف لا رہے ہیں، تو میں جب گیا تو حضرتؒ واپس تشریف لے گئے تھے، تو میں نے حضرت کو لکھا کہ میں آیا تھا لیکن آپ سے ملاقات نہ ہو سکی، تو فرمایا" ظاہری ملاقات کے نہ ہونے سے ناشاد نہ ہوں' روحانی ملاقات تعلق مع اللہ ہونے سے ہر وقت حاصل ہے"، لیکن یہ تب ہوتا ہے جبکہ معاملہ پختہ ہو گیا ہو، دیکھو! ایک چھوٹا سا بچہ ہو، جو کہ اب چل پھر نہ سکے، تو اماں ایک لمحہ کیلئے اُس کو اپنے سے دُور نہیں رکھتی، اور یہ چھوڑو، مرغی کو دیکھا ہوگا کہ اگر اس کے بچے ذرا بھی کبھی ادھر اُدھر ہو جائیں تو یہ بھی پریشان اور وہ بھی ٹان ٹان کرتی ہوگی۔ اور یہ تو چھوڑ دو بطخ کا بھی انڈا ہو، تو وہ جب مرغی کے سینے کے اندر آجاتا ہے، تو تب سوزش سینے کی وجہ سے بطخ بن جاتا ہے، اور اگر یہ نہ ہو تو چاہے بطخبننے کی پوری صلاحیت ہو، لیکن بطخ بنے گا نہیں۔

خواہش اور نفس و شیطان سے بچنے کی راہ

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (6 اپریل 1964ء بعد از نماز عصر، بروزِ منگل، 6 بجے)

نفس و شیطان اور خواہش:

جیسے دل کی راہ سے خدا تک پہنچا جاتا ہے ویسے ہی نفس کے بھکنے کے ذریعے انسان جہنم کو پہنچ جاتا ہے شیطان نفس کے ذریعے حملہ لاتا ہے نفس کو وسوسہ ڈالتا ہے ''فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ'' اب وسوسہ اگر استقرار پکڑے اور استقرار کے بعد بھی اگر انسان اس پر عمل نہ کرے، تو بھی بچاؤ کی صورت ہے اور اس پر عمل کرے۔ اِسکو اپنا تقاضا بنالیا، شیطان کا وسوسہ گردان نہیں لیا، بلکہ اپنا داعیہ (Urge) بن گیا، قوت عملیہ متحرک ہوگئی اور اس کے بارے میں اسی وسوسے کا گناہ ہوگیا کیوں مانتے ہیں ہم اس کی بات؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ''الحمد لله الذی رد کیده الی الوسوسة''۔(رواہ مسلم) (اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے شیطان کی فریب کو وسوسہ تک محدود کیا۔) اختیار کلی نہیں ہے۔ اس کا کام وسوسہ ڈالنا، اُکسانا ہے، بُری راہ کو اچھا بتانا، بُرے عملوں کو اچھا بتانا ہے۔ اُس وجہ سے شیطان عموماً جو بہکانے کے رُخ پر آتا ہے تو سب سے زیادہ وہ شہوات اور لذات کی راہ کو اختیار کرتا ہے اور اُس میں خصوصاً جوانوں کیلئے بے حیائی جو ہے وہ بڑی شاہراہ (Thorough fare) ہے۔ کیونکہ نفس کے تقاضے بھی شدید ہوتے ہیں، اُس کیلئے راہ آسان ہوتی ہے۔ سب سے پہلے فحاشی میں مبتلا کرتا ہے اور فحش میں یہ ضروری نہیں کہ فوراً ہی انتہائے فحش تک پہنچادے بلکہ فحش کے تذکرے کرنا اور اُس کی طرف مائل ہونا دروازہ ہے جس سے انتہائے فحش کے دروازے کے مواقع پیدا ہوتے ہیں، اس لئے فرمایا۔ ''البذاء من الجفادوالجفاء فی النار''[68]۔ (الترمذی:۲۰۰۹) (بے حیائی کی

---

[68]۔ قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: الحیاء من الایمان والایمان فی الجنة والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار۔ (ترمذی بر 64، ابن ماجه زهد:17،مُسند احمد 3، 501) البذاء: الفحش، ترك الصلة والبر، الجافی، هو الغليظ الطبع القليل الفهم والعلم والادب، السوء فی الخلق۔

باتیں ایک قسم کا ظلم ہے اور ظلم کا انجام آگ ہے) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس بنا پر حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھا ہے۔ بے حیائی کی باتیں یہاں تک کہ جانوروں کو ملتے دیکھنا اسلیے منع ہے کہ انسان کو ابھارتے ہیں، تو جب یہاں تک منع ہے تو پھر ٹیلی ویژن، ریڈیو پر تذکرے کرنا اور فیملی پلاننگ کرنا کہاں تک درست ہے۔

فواحش کی اقسام

نفسیات کا مسئلہ ہے کہ جس کو ظاہر کرنا ہے اس کو چھپاؤ، اس لئے فرمایا۔ ''لعن اللہ الکاسیات العاریات'' لباس پہنا جاتا ہے نمایاں طور۔ لیکن ایسے پہنا جاتا ہے جس سے چھپانے کے حصے مزید نمایاں ہو جاتے ہیں، اسی طور پر شیطان بے حیائی کی راہوں پر لاتا ہے اور ابتداء بے ہودگی، فحش باتیں، اور پھر آگے بڑھتے بڑھتے بدکاری کے جو داعیے ہیں، ان میں مبتلا کرتا ہے۔ قرآن کریم نے کہا ہے۔ ''ولا تقربوا الزنا'' زنا کے قریب نہ جاؤ، اُس کی قریب کیا ہے؟ فعل خاص نہیں بلکہ اُن تک پہنچانے والے راستے بھی اختیار نہ کرو، کیا ضرورت ہے کہ گندگی کی گاڑی میں بیٹھتے ہو، اس لئے فرمایا۔ ''العینان تزنیان'' آنکھیں بدکاری کرتی ہیں، آنکھ کی بدکاری کیا ہے بری نظر سے دیکھنا، اسی طرح ہاتھ پاؤں بھی بدکاری کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں چونکہ تہذیب یورپ کی چل رہی ہے اور یورپ کا معاشرہ زنا پسند نہیں، بلکہ زنا پرست معاشرہ ہے، اس لیے ان کی وجہ سے جتنی بھی تفریحی مشاغل آتے ہیں، اُن سے زنا کے داعیے پیدا ہوتے ہیں، کسی میں لذت گوش، کسی میں لذت چشم آنکھیں دیکھیں، کان سنیں اور دل یوں یوں کرے، دل مریض ہو جاتا ہے۔ ذہنی انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ دل کی ہوس نکال نہیں سکتے، لذت یاب اپنے کو کرتے ہیں وہ آگ بن جاتی ہے اور گھٹ گھٹ کر اندر مر جاتے ہیں۔

شیطان اور نفس

بہرحال میں عرض کر رہا تھا، ان تمام لذات اور شہوات کو عام کرنے کے لیے اور انسانوں کو اُس میں مبتلا کرنے کے لیے شیطان نفس کے راستے سے آتا ہے۔ نفس ابتدائی

حالت میں خود امارہ ہوتا ہے شیطان جو اُکساتا ہے اور امارہ بن جاتا ہے۔ ایک کریلا اور دوسرا نیم چڑھا۔ ''وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ ''۔(یوسف:۱۲،۵۳)(اور میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرا نفس بالکل پاک صاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نفس تو بُرائی کی تلقین کرتا ہے۔)مولانا فرماتے ہیں:

نفس ما ہیچ کم تراز فرعون نیست

لیک اوراعوان ماراعون نیست

فرماتا ہے کہ میرا نفس فرعون سے کم نہیں ہے، اُسے مددگار ملا، شیطان نے اُکسادیا۔ اور مجھے اللہ نے بچادیا''اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ'' کے دائرہ میں آگیا،''اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ'' یہ وہی طبقہ ہے عبدیت کا جو کہ اللہ کے رحم کے دائرے میں آچکا ہے، نفس تو آگ ہے بقول علامہ مفتی محمد حسنؒ کے فرید الدین عطارؒ بڑے بزرگ گزرے ہیں جن کے متعلق مولانا فرماتے ہیں:

مادر پے سنائی وعطار آمدیم

ہفت اقلیم عشق راعطار گشت

ہم چنانما درخم آن یک کوچہ ایم

(مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ہم نسائیؔ اور عطارؔ کے بعد آئے ہیں۔ عطارؔ نے تو عشق کے سات ملک چھان مارے اور ہم لوگ صرف اس کے ایک گلی میں پھر رہے ہیں۔)

تو مفتی صاحب فرمانے لگے، کہ حضرت حکیم الامتؒ صبح چہل قدمی کے لئے نکلے تھے۔ حضرت اپنا کوئی وقت ضائع نہیں کرتے تھے، تو اُس وقت عطار نامہ پڑھ رہے تھے۔ تو جب اُس جگہ پر پہنچے۔

نفس و شیطان زد کریما راہ من

رحمتت باشد شفاعت خواہ من

(اے خداوند کریم! نفس و شیطان دونوں نے مل کر ہماری منزل کو ڈھا کر دی اب ہم تیری رحمت سے مدد کے خواہاں ہیں کہ ان کی جناثت سے جان چھڑائے۔)

نفس کا علاج

تو حضرت فرمانے لگے کہ عطار جیسے عارف ہیں، ویسے قادر الکلام شاعر بھی ہیں، وہ نفس کو مقدم کیوں لائے، تو پھر خود فرمایا کہ ہم تو کہیں کہ ہم کو شیطان بہکائے، شیطان کو کس نے بہکایا۔ تو میں تو کہوں کہ نفس شیطان کا بھی چچا ہے، اور شیطان ہمیں بہکاتا ہے اس لحاظ سے نفس پر چوکی بٹھانی چاہئے، اور نفس کا پہرہ کیا ہے ذکر اللہ، یادِ حق، دہیان رب، خشیت الٰہی، عظمت الٰہی، اب جب ہم نفس کو محصور کر دینگے، یادِ حق سے۔ تو شیطان کو آنے کا وقت نہیں ملے گا، ”اذا غفل خنس فوسوس“[69] جب نفس غافل ہوتا ہے یادِ حق سے تو شیطان ڈنک مارتا ہے، وسوسہ ڈالتا ہے۔

اس لیے قرآن کریم میں بھی آتا ہے کہ انسان اپنے حقیقی نفع سے اُس وقت غافل ہوتا ہے۔ جبکہ وہ ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے ”نسوا اللہ فَانسٰھُم اَنفسھم“ اس لیے یادِ حق سب سے بڑا پتھر ہے، جو شیطان کو دھتکارتا ہے، گناہ ہوتا ہے غفلت کی بناپر، شیطان آدبکتا ہے، پھونک مار کر نفس کو اتنا بڑا ابلڈر (builder) بناتا ہے، تو غفلت سے بچو گے، شیطان سے بچو گے، اور نفس قابو میں آئے گا، تو پھر گناہ سے بچو گے۔

---

[69]- وفی الخبر: ان الشیطان جاثم علی قلب ابن اٰدم، فاذا غفل وسوس، واذا ذکر اللہ خنس، ای تأخر و أقصر۔۔۔ وعن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان الشیطان واضع خطمہ علی قلب ابن آدم، فاذا ذکر اللہ خنس واذا نسی اللہ التقم قلبہ فوسوس۔ (القرطبی: ج ۲۰، ص ۲۶۲)

ہدایت کے چراغ اور نیکیوں کی اماں

اسلامیہ کالج مسجد پشاور یونیورسٹی (6 اپریل 1964ء، بروزِ منگل بعد از نمازِ مغرب 7 بجے شام)

ہدایت کے چراغ

میرے عزیزو اور دوستو! ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ روحانیت کے سورج اور ہدایت کے روشن چراغ ہیں۔ جیسے کہ آپ کے یہ سائنسدان کہتے ہیں کہ یہ نظامِ شمسی ہے اور اس کے متعلقہ تمام ستارے، کہکشاں اور زمین اس نظامِ شمسی کے ساتھ متعلق ہیں۔ اسی طور پر ہدایت کے رُخ سے اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے رُخ سے اصل سورج جو ہیں وہ ہمارے آقا سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ جیسے سورج نہ ہو اور یہ زمین موجود ہو تو باوجود موجودگی کے یہ تمام خطۂ زمین برباد ہو جائے۔ یہاں روئیدگی نہ ہو۔ جبکہ سورج ایک ایسا جرم ایک ایسا جسم ہے جو کہ محض ایک پیسہ کا پیسہ نظر آتا ہے تو جیسے اس کو نُور بخشا، ضیاء بخشی اور اس کو اس عالم کی روئیدگی کا سبب بنایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام عالم کے لیے ہدایت کا سورج بنایا۔ اب نبی کس لیے آتا ہے؟ نبی ہدایت کا چراغ ہوتا ہے۔ اُس سے ہدایت لی جاتی ہے۔ نبی کا کام یہ نہیں ہوتا کہ اس عالم میں انسان پلاؤ کھانے والا بن جائے۔ خوب موٹے تازے ہو جائیں۔ دنیا کے یہ پٹو تو اہل اللہ کے قدموں کے نیچے آتے ہیں۔

پیسہ را بخشی ضیاء و روشنی

(تو سورج کی ٹکیہ کو گرمی اور روشنی بخشتا ہے جس سے دُنیا والوں کی زندگی کو سہولت ملتی ہے۔)

جلال الدین خلجی اور نظام الدین اولیاء

فرماتے ہیں کہ اگر تُو دنیا سے کنارہ کرنے والا ہو، آخرت کا طالب ہو تو دنیا ناک

رگڑتی ہوئی آئے گی۔ شاہوں نے گداؤں کی جوتیاں اُٹھائیں۔ جلال الدین خلجی بہت بڑے بادشاہ تھے اور حضرت نظام الدین اولیاء فقیر تھے لیکن عالم یہ تھا کہ اِتنے آدمی وہاں نہیں جاتے تھے جتنے کہ یہاں آتے تھے۔ تو جلال الدین خلجی نے کہا کہ میں آنا چاہتا ہوں، اُس نے کہا کہ اُسکو آنے کی کیا ضرورت۔ ویسے بھی میں دُعا کرتا ہوں لیکن اُس نے کہا کہ اگر ایسے دیدار نہیں کراتے تو زبردستی دیدار کروں گا۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے گھر کے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازے سے آئے گا تو میں دوسرے دروازے سے نکل جاؤں گا۔

مال وجاہ کی محبت انسان کو کیسے گندہ کرتی ہے۔ یہ جو بڑی بڑی موٹروں میں پھرتے ہیں، ان کے دِلوں پر مال وجاہ کی وجہ سے جو اندھیرا آتا ہے اُتنا اندھیرا رات کو بھی نہیں ہوتا۔ دل ویران بن جاتے ہیں غیر کے تعلق سے۔ دل کی آبادی ہے اللہ کا تعلق، جیسے کہ ہر ایک چیز کا اپنا اپنا کام ہوتا ہے۔ اسی طرح دل کا کام ہر ایک سے بے نیاز ہو کر اللہ کی نیاز میں آنا ہے اور

وہ جو دیتے تھے دوائے دِل دکان اپنی بڑھا گئے

ڈسپنسریاں تو کھل گئی ہیں، یہ زہر دل دیتے ہیں، وہ دوائے دل دیتے تھے۔ وہ آب حیات دیتے تھے اور یہ زہر حیات دیتے ہیں۔

مال وجاہ

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ فقیر جو ہوتے ہیں، بڑے شاہ دل ہوتے ہیں اور فقیری یہ نہیں جیسے کہ حضرت سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ”فقیری کا آسان نسخہ بتاؤں“۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں جی فرمایئے تو فرمایا کہ ”دو پیسے کا گیروا رنگ لے لو اور پھر اگر ایک ٹیڑھا ڈنڈا مل جائے تو لے لو اور پھر ھو حق کہنا شروع کرو“ اور پھر انتہائی درد سے فرمایا کہ ”لوگوں نے فقیری کا ناس کر دیا“ تو فقیر یہ نہیں بلکہ فقیر وہ ہے جو کہ اپنی حاجت کو اللہ سے وابستہ سمجھے۔ اقبالؒ فرماتے ہیں:

مانگنے والا گدا ہے بھیک مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطان سب گدا

نماز کی اہمیت

مسلمان کا شعار تھا نماز اور حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے زمانے کے منافق تک نماز پڑھتے تھے اور اگر کوئی باجماعت نماز میں شامل نہ ہوتا تھا تو اس کو منافق خیال کرتے تھے۔ ”وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۳۱“(اور نماز کو قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہونا۔)جو نماز پڑھتا ہے وہ ہر ایک رکعت میں کہتا ہے کہ تیرا ہی بندہ ہوں، تیری عبادت کرتا ہوں اور تجھی سے مانگتا ہوں اور جو اُس کا طالب ہوتا ہے وہ غیروں کی محبت کو اپنے دل میں نہیں لاتا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو کہتے ہو لیکن اس کو دل کے اندر سے بھی تو کہو۔ جب لَآ اِلٰهَ کی حقیقت اندر نہ اُتر جائے تو قرآن کے ترجمے بھی کرلیں تو کافر کے کافر رہتے ہیں۔ سیلؔ(Georg Sale)نے ترجمہ کیا، Edward Henry Palmerنے کیا لیکن کیا ہوا؟

ایمان کی کمزوری

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ کا ہونا اور غیر کا طالب بننا، اپنے کو مومن کہنا اور اپنے کاموں کو غیر سے وابستہ سمجھنا یہ نہیں ہوا کرتا اور اگر ہوتا ہے تو ایمان کی کمزوری کی نشانی ہے۔ صحابہؓ کا کیا حال تھا، کیا وہ احد احد ہر قسم کی اذیتوں کے باوجود چھوڑتے تھے۔ پہلے زمانے میں لوگوں کا یہ حال تھا کہ جب کوئی مشکل ہوتی تھی تو اللہ سے مانگتے تھے اور اب تو یہ حال ہے کہ سٹڈی میں سب کچھ سمجھتے ہیں۔ وہ مشرکوں کے متعلق آتا ہے کہ بتوں کا حصہ تو پورا اُن کو دیتے تھے اور پھر ان کے حصے میں اللہ کا بھی شامل کر لیتے تھے لیکن جو اللہ کا حصہ ہوتا اُس میں اللہ کا حصہ بالکل شامل نہیں کرتے تھے۔ تو یہی حال ہمارا ہے کہ سٹڈی کے اوقات تو سٹڈی کے ہیں، عجب کڑھی کے اوقات تو عجب کڑھی کے ہیں لیکن نماز کے اوقات میں بھی ہم کو سٹڈی یاد آتی ہے۔

دُنیا کی آبادی

بھائیو! چمگادڑ اگر دوپہر کے وقت بھی آئے یہ اندھا ہے۔ اُس کو سورج سے کوئی فائدہ پہنچے گا؟ گو اس کی حیات میں سورج کی تمازت کا حصہ ضرور ہے لیکن آنکھوں کی دولت سے تو محروم ہیں۔ اسی طرح اگر کفار کو بھی اگر کچھ دنیوی عیش و آرام ملتا ہے یہ بھی میرے آقا محمد ﷺ کی وجہ سے ہے۔ وہ نہ ہوتے اور مسلمان نہ ہوتے تو دنیا کو چکنا چور کر کے رکھ دیا جاتا اور پھر یہ ایسے تخت پر رہتے تو یہ جو عیش و آرام کی زندگی گزارتے ہیں لیکن استفادہ بالنبوۃ جس کو کہتے ہیں اس کو اپنی روحانی آنکھوں کی غیر موجودگی کی وجہ سے حاصل نہیں کر سکتے تو نبوت کا بڑا سورج جب اللہ نے ہمارے سپرد کیا اور آپ ﷺ جیسی نبوت سے اگر گریز کریں تو ہماری کتنی بڑی کم نصیبی ہے۔ تمام دنیا کو دیکھا۔ کہا جائے تو حضور ﷺ کے ایک کٹے ہوئے ناخن کے ایک ذرے کے برابر نہیں۔ مبالغہ سمجھو تو میرے نزدیک یہ مبالغہ نہیں اور میں تو یہ کہوں کہ عرش و کرسی سے بھی بڑھ کر ہے۔

نیکیوں کی اماں

تو اب چراغ موجود ہو لیکن اُس سے استفادہ کی نوعیت کیا ہوگی۔ دیے کو روشن کرنے کے لیے اس میں تیل ڈالنا ضروری ہوتا ہے اور اعمالِ صالحہ دِلوں کے روشن کرنے کے نُور ہیں۔ ب اس کو حاصل کرنے کے لیے ذاتی اعمال کے ساتھ ساتھ جیسے نماز، روزہ وغیرہ ہیں، دعوت کا عمل ہے اور دعوت سے مراد روٹی کباب کھانا نہیں بلکہ دین کی طرف بلانا ہے، اللہ کی طرف پکارنا ہے اور میں تو یوں کہوں کہ اگر دعوت کا عمل نہ ہو تو صرف ابو بکرؓ کے اعمال تو کجا حضرت ابو بکرؓ کا ایمان نہ ہوتا۔ اگر حضور ﷺ کہتے کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں، مجھ پر ایمان لاؤ تو پھر کیا ہوتا۔ دعوت نیکیوں کی اماں ہے۔ تمام اعمال صالحہ نیکیوں کے انڈے بچے ہیں۔ ایک لطیفہ سا ہے کہ ایک بطخ روزانہ سونے کا انڈا دیا کرتی تھی تو مالک نے یوں کہا کہ ہر روز کی

محنت کیوں گوارا کریں بلکہ پورے کے پورے ایک ہی دن نکالیں تو جو ذبح کیا تو جو کچھ اُس میں تھے وہ تو نکال دیئے اور پھر عمر بھر کے لیے آمد بند ہو گئی۔ تو ہم نے جو دنیا کی حرص کی وجہ سے دعوت کی بطخ کو ذبح کیا، لوگوں کا داخلہ بھی اسلام میں بند ہوا۔ سونے کے انڈے آنے بھی بند ہوئے اور میں تو یوں کہوں کہ سونے کی حقیقت ہی کیا ہے؟ مسلمان بہت قیمتی ہے۔ تو اب اس عمل کو زندہ کرنے کے لیے ہم آپ سے یوں عرض کرتے ہیں کہ یہاں اُس بڑے امتحان کے لیے گشتوں میں کچھ اوقات لگاؤ، شب جمعہ کے لیے جس سے ہو سکے وہ بھی چلے اور پھر جو حضرات چھٹیوں میں چلے اور تین چلّے کا ارادہ کرے وہ بھی اپنا نام لکھا دیں۔

دِلوں کی زندگی مُردہ کے زندہ کرنے سے زیادہ اہم

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (8 اپریل 1964ء، بروزِ جمعرات بعد از نمازِ عصر)

مُردے کا زندہ کرنا اِتنا اہم نہیں جتنا کہ دِلوں کو زندہ کرنا۔ احیائے اموات کی قوت دجال کو بھی استدراج کے طور پر دی جائے گی لیکن دِلوں کا زندہ کرنا انبیاء علیہم السلام اور اُن کی متبعین ہی کا معجزہ اور کرامت ہے۔ مُردے میں روح پڑ جائے تو پھر مر جائے گا لیکن دِل میں زندگی آجائے تو پھر ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی نصیب ہو گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شُد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(جن کے دِل عشق حقیقی سے زندہ ہوں وہ کبھی نہیں مرتے اور چونکہ ہم عشق حقیقی کے طالب ہیں تو پوری دنیا کے نقشے پر ہماری حیثیت باقی رہے گی۔)

دِلوں کی زندگی عبارت ہے اللہ کے تعلق سے۔ تعلق تو ہر مسلمان کا اللہ سے ہوتا ہے، کسی نہ کسی حد تک ہر مسلمان کا ہوتا ہے اور ہر مسلمان کے دل میں کسی حد تک زندگی ہوتی ہے لیکن جس کو زندہ کہیں وہ وہ ہے جس کا پورے کا پورا دل اللہ کی محبت میں ڈوبا ہو جو حقیقتاً "اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ " (بیشک میری نماز اور قربانی، زندگی اور موت سب اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔) کا مظہر ہو۔ سب سے پہلے حیات کا ترشح دل پر ہوتا ہے اور یہ ترشح جو ہوتا ہے ایمان، محبت الٰہی، خشیت الٰہی اس ترشح کے بنیادی اجزاء ہوتے ہیں۔ بعضوں کا دل محبتِ الٰہی سے جی اُٹھتا ہے، بعض میں اولاً خشیت الٰہی آتی ہے، بعد میں محبت الٰہی آتی ہے۔ گو حق میں محبت الٰہی ہوتی ہے۔ ان کے دل میں بھی خشیت الٰہی ہوتی ہے۔ گو تقدیم و تاخیر کا فرق ہوتا ہے۔ محبت الٰہی خشیت الٰہی کے ساتھ

مقرون ہوتا ہے اسی لیے کہا گیا: ''اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرِّجَآء'' جیسے کہ بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے، اسی طرح کے بنیادی اجزاء سے حقیقت ایمان وجود میں آتی ہے اور حقیقت بھی اصلیت میں دل کی زندگی کا نام ہے۔ جس طور پر انسان کے جسم میں جب تک خون کا دوران رہتا ہے جسم کی صورت قائم رہتی ہے۔ اسی طور پر قلب میں ایمان کی بقا کے ساتھ دل کی زندگی باقی رہتی ہے۔ ایمان کے مدارج میں تفاوت ہوتا ہے۔ اسی تفاوت کو ہدایت کے مختلف درجات سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ جس قدر دل رب کے دھیان میں ڈوبیں گے، اللہ کی توحید کو اپنائیں گے۔ اس کی ذات سے ہر چیز کا ہونا پائیں گے، اُسی قدر دلوں میں حیات اور زندگی آئے گی۔ وہ قلوب جو کہ کلیتاً اللہ کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں اور ہدایتِ الٰہی سے فیضیاب ہو جاتے ہیں اور جن کی غالب حالت توجہ الی اللہ کی ہوتی ہے، اصطلاح میں زندہ دل کہلاتے ہیں۔ ایسے دل عالم کے لیے چراغ، اپنے لیے برکت وعزت کا سبب اور عالم کے لیے ہدایت کا سبب ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرتؒ کا ایک شعر ہے:

اندھیرا ہے عالم پہ چھایا ہوا
چراغِ جہان قلبِ آگاہ ہے

یہاں آگہی سے مراد خدا آگہی ہے جسے کہ ہم معرفت کہتے ہیں یعنی عارفین ہی زندہ دِلوں کے مالک ہوتے ہیں۔ معرفت حق ہی حیات قلبی کا دوسرا نام ہے۔ جتنی معرفت حق بڑھے گی قلب کی قوت بڑھے گی اور یہ قوت دائمی ہوگی۔ معرفتِ حق سے جو قوت نصیب ہوتی ہے اُسے نہ اس عالم میں زوال ہوتا ہے نہ عالم برزخ میں اور نہ ابد الاباد میں۔ عرفان کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں۔

اے برادر بے نہایت درگہے است
ہر کہ بر دے می رسی بروے مہ ایست

(او بھائی! اللہ تعالیٰ کی درگاہ بڑی کشادہ ہے تو جس مقام پر بھی پہنچے اس سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگا رہ۔)

اس کے حصول کا مختصر ذریعہ انبیاء علیہم السلام کے طریقۂ عالیہ کے ظاہر و باطن کو اپنانے کے لیے اخلاص اور دھیان کے ساتھ محنت کرنی ہے۔ جس قدر محنت نبی کے طریقے کے مطابق ہوگی رضائے الٰہی ملے گی۔ جیسے جب تک نبض چلتی ہے، آدمی زندہ رہتا ہے۔ ایسے ہی دل کی دھڑکن، رب کی یاد، اللہ کی محبت، اللہ کی معیت ہے جس سے دل کی زندگی عبارت ہے۔

عشق مجازی سے حقیقت تک رسائی کا تصوّر

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (11 اپریل 1964ء، بروزِ اتوار بعد از نمازِ عصر)

حواس کا اثر قلب پر

10 دسمبر 1950ء کی بات ہے جبکہ میں پہلی دفعہ قائد ملت کو مسلم لیگ کے نامزد کرنے کے سلسلے میں کراچی گیا اور پھر حضرت سید صاحبؒ کے ساتھ پہلی ملاقات ہوگئی تو فرمایا کہ ''اچھا ہوا کہ ہمیں دیکھ لیا تاکہ ہمارے عیوب پوشیدہ نہ رہے'' اور پھر فرمایا:

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کز لذتِ گفتار خیزد

(عشق کا تعلق صرف دیکھنے سے نہیں بلکہ بسا اوقات گفتار کی لذت اس کا سبب بن جاتی ہے۔)

اس لیے فرمایا قرآن کریم نے ازواجِ مطہراتؓ کو کہ دیکھو! اپنی آوازوں کو پست رکھیں تاکہ جس کے دلمیں مرض ہو، وہ بیمار نہ ہو جائے۔ تم پاک ہو تو انسان کا رابطہ کسی دوسری چیز سے کسی کو دیکھ کر اور کسی کو سن کر پڑتا ہے۔ دوسرے کا اثر جو آتا ہے تو اکثر آنکھ سے آتا ہے اور یا کان سے آتا ہے۔ ہر ایک چیز کو انسان نہ تو چکھ سکتا ہے اور نہ مَس کر سکتا ہے تو جس طور پر حواس نگاہ اور کان انسان کو اس عالم میں مبتلا کرتے ہیں اسی طرح انسان کو اُس عالم کا بھی دیوانہ کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے لکھا کہ آج کل مجھ پر عشق مجازی کا غلبہ ہے تو میں نے لکھا ''تم اس کو عشق مجازی سمجھتے ہو اور میں اس کو فسق حقیقی سمجھتا ہوں''۔ جو کان، آنکھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھنے کے لیے تھی اُس کو تم نے غلط جگہوں پر استعمال کیا اور دیکھو! ایک لطیفے کی بات ہے کہ عشق کا پہلا لفظ ہے ''ع'' اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو عفتِ

کاملہ حاصل ہو تو یہ عشق ہے۔ انسان فسق سے ملوث نہ ہو، پورا شفاف ہو، عفت کاملہ، عفت قلبی کے نتیجے کے طور پر حاصل ہوتی ہے۔ یہ نہ ہو تو انتشار ذہنی میں مبتلا ہو۔ دل میں خوب کھچڑی پکاتے رہیں، بازار سے چاول نہ خرید سکے تو اب اُس نے کیا کمال کیا۔ جہاں تک بس چل سکتا تھا وہاں تک تو دنیا کا کام کیا۔

زاہد نداشت تاب جمالِ پری رُخان
کنجے گرفت و خوفِ خدا را بہانہ ساخت

(زاہد کو خوبروؤں کی دیکھنے کی طاقت نہیں اس لیے کونے میں بیٹھ کر اللہ سے ڈرنے کا بہانہ تراشا۔)

سچ یہ ہے کہ ہماری مثال تو ماچس جیسی ہے۔ بس رگڑنے کی دیر ہے کہ جل اُٹھیں۔ تو عفت قلبی شرط ہے عشقِ حقیقی کے لیے۔ عین عشق چاہو تو عفت قلبی حاصل کرو۔

مجاز سے حقیقت تک رسائی

غلط ہے کہ مجاز سے حقیقت تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی پہنچا ہو۔ گندگی تھی تو اُس کو صاف کرنا چاہو تو پہلے دھونا ہوگا۔ اب کوئی نفاست پسند، سلیم الطبع آدمی اس کو پسند کرے گا۔ اب اگر اس غلطی سے انسان کو حقیقت حاصل ہوگئی تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ پہلے اچھے تھے بلکہ بات یہ ہے کہ پہلے گندے تھے اور اب پاک ہوگئے۔ غلط ہے جو کسی نے یہ کہا ہے کہ مجاز سے حقیقت تک پہنچا جاتا ہے۔ اگر صاحبِ طریقت نے کہا ہے تو اجتہادی غلطی ہوگئی ہے اور اجتہادی غلطی پر گناہ نہیں آتا۔

تو دل مبتلا کب ہوتا ہے؟ جبکہ انسان کوئی خرابی کرے اور عموماً نگاہ سے یہ کام ہوتا ہے۔

دل کا نہیں قصور یہ آنکھیں ہیں ظالم
یہ جا کے نہ لڑتیں تو گرفتار نہ ہوتا

مصنوع سے صانع تک رسائی

تو نگاہ اصل ہے اور گفتار بدل ہے۔ جذبۂ حس اصل میں اللہ کے لیے رکھی ہے۔ اب خداوند قدوس کا دیدار اس عالم میں ہماری آنکھوں کی کمزوری کی بنا پر اور ہماری بینائی کے احاطے کی کمی کی بنا پر نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں کہ اللہ نہیں، اللہ تو موجود ہے، ظاہر ہیں یہ نہیں کہ چھپے ہوئے ہیں "هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ" اللہ میاں نہاں نہیں عیاں ہے۔ ہماری نگاہ سے کیوں نہاں ہے۔ اللہ اس کا بیان کرتے ہیں: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام ۶: ۱۰۳) تمہاری آنکھیں اس کو پا نہیں سکتیں، وہ تو انہیں پاتا ہے۔ عارف سیالکوٹی کے لفظوں میں:

وہ اپنے حُسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی
میری آنکھوں کے بینائی میں ہیں اسباب مستوری

وہ تو ظاہر ہے لیکن ہماری آنکھوں میں اسبابِ مستوری ہیں۔ اب جب ہماری آنکھیں اللہ کو نہیں پاسکتیں تو اب روئے تو نہیں تو کوئے ہی سہی۔ یوسف نہیں تو بوئے پیراہن ہی سہی۔ اب جس کے ساتھ محبت ہو تو اُس کی ہر چیز سے پیار ہوتا ہے۔ اب دیدارِ حق چونکہ کھل کر اس عالم میں نہیں ہو سکتا جس کو کرانا تھا، اُس کو زمان و مکان سے باہر لے کر کرایا۔ انہوں نے لامکان میں اللہ کا دیدار کیا۔ زمان ومکان کے حدود سے نکل چکے تھے اس لیے دیدارِ حق حاصل ہوا اور زمان ومکان کی حدود میں موسیٰ علیہ السلام جیسے بھی کہے کہ "رَبِّ اَرِنِيْ" تو کہا جاتا ہے "لَنْ تَرَانِيْ"۔ اب جب بوئے یار نہیں تو کوئے یار تو ہو اور یہ عالم جو ہے یہ کوئے حق ہے اس لیے فرمایا: "سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ"۔ (فصلت ۴۱: ۵۳) (عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے دنیا میں اور اُن کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے اُن پر کہ یہ ٹھیک ہے۔) تو اگر دیدۂ بینا ہو تو ہر چیز

شہادت دیتی ہے، مصنوع صانع پر گواہ، مخلوق خالق پر گواہ، جو بن گئی ہے وہ تو بنائی گئی ہو گی۔ اب ہر چیز جو بنی ہوئی ہے وہ ''صُنۡعَ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ'' (النحل ۲۷: ۸۸) ہر چیز انتہائی کاریگری سے بنائی گئی ہے۔ اور اس میں جمالیات کا کتنا اثر ہو گا۔ اب جس نے ایسی چیز بنائی تو اُس کا حُسن کتنا جمیل ہو گا۔ اِسی طرح پر جمال، نوال، کمال جو اللہ کی صفات ہیں تو اگر تمام چیزوں کو دیکھا جائے تو یہ تینوں چیزیں بحد کمال موجود ہیں۔ تو جب چیزوں کو پیار کرتے ہو تو جو ان سب کا بنانے والا ہے اس کو کیوں پیار نہیں کرتے؟ یہ آیتیں ہیں یہ کوئے یار ہیں۔ اب لیلیٰ کے کوچے میں مجنون جائے تو دیوانا ہو جاتا تھا اور شاہ ولی جائے تو خوب ہٹے کٹے پھرتے ہیں۔ وہ خارشتی کُتّے تک کو چومتا ہے تو جو عشاقِ لیلیٰ نہیں، اُن کے لیے لیلیٰ کی گلی بالکل ناآشنا لوگوں کی طرح ہے اور جو عشاق ہیں وہ کہتے ہیں:

ما در پیالہ عکس رُخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر از لذتِ شربِ مدامِ ما

(میں نے پیالہ میں اپنے محبوب کا عکس دیکھا ہے، اس لیے ہمیشہ کے لیے اس کا عادی بنا۔)

مصنوع میں صانع کا عکس

ابھی پیا نہیں لیکن ڈالتے وقت جو عکس نظر آیا اُس نے دیوانہ کر دیا۔ تو اگر اصل کو دیکھتا تو کیا ہوتا۔ تو عشاق کے لیے ذرہ ذرہ مرأت جمال حق ہے تو دیدار کا بدل آیات الٰہیہ ہیں یعنی آفاق آیات۔ مخلوق کا ذرہ ذرہ آئینۂ جمالِ حق ہے تب تو ہمارے عقلمند کہتے ہیں کہ پھولوں سے لذت لیتے ہیں تو یہ بھی تو پھول ہیں۔ بہار کا موسم ہے اور اور پھول بہار پر ہیں تو یہ بھی تو بہار ہیں اور ایک تو پنکھڑیوں والے پھول ہوتے ہیں اور ایک دوسرے ہوتے ہیں کہ آئینے میں دیکھا جاتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے لیے نہیں بنایا جاتا بلکہ یہ کسی اور کے دیکھنے کے لیے

بنایا جاتا ہے۔ تو مخلوق کا جو آئینہ ہے یہ اپنی ذات کے لیے نہیں بنایا جاتا بلکہ اگر کہیں دلدل میں دھنس جاؤ تو لاحول پڑھو۔ دلدل میں پھنس جاؤ تو اُوپر تختہ رکھو اور Folding Bridge لگاؤ اور اس طرح احتیاط سے اپنا سفر جاری رکھو۔ دلدل میں قدم رکھو گے تو نکلنا نصیب نہ ہو گا۔ تو یہ بہت دلدلی پھول ہیں، یہ ضلال تک پہنچاتی ہیں۔

تو عرض کر رہا تھا کہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو مرآت جمال حق بناؤ۔ اِن آئینوں میں کچھ نہیں اِن کو آئینے نہ بناؤ بلکہ ان کو توجہ ہی نہ ہو۔ ایسی چیز سے پرہیز لازم ہے جو پھنسانے والی ہو۔ مکڑی کے جالے کی تار بڑی لچکدار ہوتی ہے لیکن مکھی غریب جو آجاتی ہے تو پھنس جاتی ہے اور ان مصیبتوں کے پڑنے سے دل مر جاتا ہے تو دیدارِ حق کا ذریعہ آیاتِ آفاق ہے اور اپنے نفس میں غور کرنا ہے جو اپنے نفس کو پہچاننے والا بن جائے گا۔ وہ حق کا پہچاننے والا بن جائے گا۔ چاہے نفس کو پہچانو، چاہے روح کو پہچانو اور چاہے اپنے وجود کے نظام کو پہچانو۔ وہ بقول کسے اگر یہ نظام حادثے کے طور پر موجود ہوتا تو اِتنا باقاعدہ کیوں ہوتا۔ ایک سانس کی نالی میں اگر کوئی چیز پھنس جائے تو پتہ لگ جائے۔

انبیاء علیہم السلام اور کتابوں کا نزول

تو اللہ نے انسانوں کی سہولت کے لیے اپنے عیاں ہونے کے بیان کے لیے کتابیں اُتاریں اور ان کے بیان کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تو جس طرح عالم کوئے حق ہے اسی طرح قرآن کریم رونمائے حق ہے۔ بوئے حق اِس میں آتی ہے۔ وہ دیدار اور یہ گفتار۔ قرآن کریم کو صحیح پڑھو گے تو خود بتادے گا تو قرآن سے بوئے حق آتی ہے اور بقولِ مولانا رومؒ کے رونمائے حق، تو یہ صحیفہ کائنات کوئے حق ہے تو اللہ کی کتابیں رونمائے حق ہیں اور اِن میں سے بوئے حق آتی ہے۔ اب گفتار حق کو صحیح پڑھتے رہو تو نتیجہ یہ نکل آئے گا کہ بوئے حق نصیب ہو گی اور صحیح کون پڑھے؟ جس کی آنکھیں صحیح ہوں اور کان صحیح ہوں اور

کانوں کی ڈاٹیں ہٹاتے ہیں انبیاء، آنکھوں کے پردے ہٹاتے ہیں انبیاء اور دِلوں کے قفل کھولتے ہیں انبیاء۔ اب جو یہ ہو جائے تو صحیح سمجھ آجاتی ہے۔ اب جب انبیاء علیہم السلام نہ ہوں تو بدل کے طور پر صحابہؓ، پھر تابعین اور پھر اصحاب کاملین کے صحبت اختیار کی جائے۔ اُن کے دِلوں میں شعاع نبوی ہوتی ہے۔

ایک نلکی لو، اُسمیں کسی جگہ سے شعاع ڈالو اور پھر اس کو جہاں ڈالو گے تو روشنی پڑے گی تو وہی نُور سینہ بہ سینہ اہل اللہ کے قلوب سے منتقل ہوتا ہے۔ تو ان کی صحبت کی تاثیر، دِلوں کی طاقت اور دُعا کی قوت سے آنکھوں کے پردے، کانوں کے ڈاٹ اور دِلوں کے قفل ٹوٹتے ہیں۔ تو یہ پکی تلی، باون تولے پاؤ رتی کی بات ہے کہ اولیاء اللہ کی صحبت کے بغیر احسان کی کیفیت نصیب نہیں ہوتی۔ دل کے اندر یہ مرغی مرغا کی جو قلابازیاں محسوس ہوتی ہیں، اوپر سے وہ کلغی دیکھی اور پھر لوٹنے پوٹنے لگتا ہے اور اگر اللہ کی محبت آجائے تو اس کے نام میں بھی لذت آتی ہے۔ ہر چیز میں لذت آتی ہے اور یہ بڑھتے بڑھتے عشق حقیقی تک پہنچ جاتی ہے تو حاصل کلام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لیے تفکر ''فی آیات اللہ'' اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرنا اور تذکر ''آلاء اللہ''، یعنی اللہ کی نعمتوں کا ذکر۔ تفکر فی آیات اللہ میں جمال و کمال کا خیال ہو گا اور تذکر ''آلاء اللہ'' سے نوال کا خیال آجائے گا اور تدبر فی کتاب اللہ ''اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝'' ۔(محمد:۴۷، ۲۴) (بھلا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دِلوں پر وہ تالے پڑے ہوئے ہیں، جو دِلوں پر پڑا کرتے ہیں۔) خود فرمایا کہ دل کے قفل تب ٹوٹیں گے جب تدبر فی القرآن آجائے۔ اب ان کی سازگاری کے لیے ان تینوں دندانوں والی چابی کے دندانے بنتے ہیں۔ اصلاً نبیوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں، پھر صحابہؓ اور تابعین اور اس کے بعد اصحابِ کاملین کی صحبت میں۔ یہ چابی تمہارے ہاتھ میں دلا دیں گے لیکن صحبت کے حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اس کے لیے ایجابی اور سلبی دو

شرط ہیں۔ تو ایجابی رُخ سے طلب اور اخلاص کے ساتھ جاؤ اور سلبی رُخ سے امتحان و اعتراض کی نیت نہ ہو۔ یہ گُر ہیں اس کو کانوں میں ڈال دو تو صحبت کے اثرات مرتب ہونے شروع ہوں گے اور اگر معتد بہ وقت گزار چکو تو وہی چیز حاصل ہو جائے گی جو خود اُس کے اندر ہے۔ طالب سے مطلوب بن جاؤ گے، عشق الٰہی نصیب ہو گا اور عشق الٰہی کے نتیجے کے طور پر اللہ اور اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے احکام کی حقیقت کامل طور پر نصیب ہو گی اور پھر طلب کے ساتھ اخلاص ہو اور اخلاص کامل تب ہو گی جبکہ اس کے ساتھ ساتھ ہر اُس بات پر عمل ہو جو کہ اہل اللہ سنت کی پیروی میں بتا دے اور جس بات پر عمل نہ ہو سکے تو اس کے لیے اللہ سے توبہ کر لیں اور اس طرح چلتے رہا کریں تو انشاء اللہ مطلوب تک پہنچ جاؤ گے۔

نبی کی پہچان کے لیے دیدۂ بینا کی ضرورت

یونیورسٹی ہاسٹل نمبر 6 (17 اپریل 1964ء، بروزِ جمعہ بعد از نمازِ مغرب 7 بجکر 10 منٹ)

دیدۂ بینا

میرے عزیزو اور دوستو! نبوت کے سمجھنے میں انسان کو عموماً غلطی ہوتی ہے۔ نبی کا ماننا، جاننا، پہچاننا اور نبی کی لائی ہوئی باتوں پر عمل کرنا ایسی چیزیں ہیں جو کہ باوجود عام ہونے کے اکثر ان میں غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ اس کے لحاظ سے ہم انسانیت کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ طبقہ ہے جو کہ قطعاً نبی کو جانتا نہیں اور اس کے نہ سمجھنے کی بنا پر بہت ساروں کو غلطی ہوتی ہے۔ نبی آتا ہے، اُن کے سامنے ہوتا ہے، معجزات بھی دکھاتا ہے اور اُن کی زندگی خود معجزہ ہوتی ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ اُنگلی کو ایسا کیا اور چاند کے دو ٹکڑے ہوئے یا عصا ماری اور پتھر سے چشمے پھوٹ پڑے اور یا حضور ﷺ کی اُنگلیوں سے پانی بہہ پڑا۔ تو یہ لوگ دیکھتے ہیں لیکن مع اپنے دلائل کے ان لوگوں کو مائل نہیں کرتے کیونکہ دل کے میلان کے لیے پہلے اس کا گھائل ہونا ضروری ہے۔

نبی ﷺ کا تبسم بھی معجزہ، بیٹھنا، چلنا، اُٹھنا بھی معجزہ۔ انسان ہو کر آپ ﷺ نے زندگی کے کمالات کا جو معجزہ پیش کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جو نمونہ پیش کیا، کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ نبی چنا ہوا ہوتا ہے جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا: وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ (طٰہٰ ۲۰: ۴۱) (ترجمہ: اور میں نے تم کو (اپنے کام) کے لیے بنایا ہے)۔ ان کو بتایا جاتا ہے ابتدا سے لے کر انتہا تک، اول سے لے کر اختتام تک۔ انبیاء علیہم السلام کی ذات ایک نمونہ ہوتی ہے۔ پوری مخلوق اکٹھی ہو جائے تو ہو بہو اسی طرح کا عملی کلیتاً کمیت، کیفیت کے لحاظ سے سو فیصد کسی میں آجائے یہ ممکن نہیں۔ نبی کی ذات ایسا پیار والا نمونہ ہوتی ہے۔

ایک اُونٹ آیا اور حبیب پاک ﷺ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور اس کے بعد اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے مجھے اپنے آقا کی شکایت کی اور فرمایا کہ حیوانات تک مجھے پہچانتے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں لیکن سرکش انسان اور سرکش جن نہیں مانتے۔ خود فرمایا کہ مجھے وہ پتھر یاد ہے جو نبوت سے پہلے مجھے سلام کرتا تھا۔ ابوجہل جس کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت تھا، کنکریوں کو لے کر آیا کہ ہاتھ میں کیا ہے؟ تو کنکریوں تک نے آپ کی نبوت کی گواہی دی تو یہ معجزات تھے لیکن اس کے باوجود وَ تَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَ هُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ (الاعراف۷: ۱۹۸) (اور تو دیکھتا ہے اُن کو کہ تک رہے ہیں تیری طرف اور وہ کچھ نہیں دیکھتے۔) مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ (ھود۱۱: ۲۰) (نہ طاقت رکھتے تھے سننے کی اور نہ دیکھتے تھے۔) کہ آپ کو دیکھتے اور سنتے تھے لیکن انکار کا اظہار تھا کہ ایمان نہ لائے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ ابوجہل نے دیکھا، ابولہب نے دیکھا اور نبی ﷺ نے اپنا اُسوہ پیش کیا۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (یونس۱۰: ۱۶) (کیونکر میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے کیا پھر تم نہیں سوچتے۔) اور بعثت سے پہلے اپنی بے داغ زندگی کی شہادت دی۔ کچھ تھوڑی سی بھی آنکھ ہو کہ کیا ہے اور کیا نہیں۔ آگ، پانی میں فرق کر سکتے ہو، پتھر اور ریشم کی سختی اور نرمی میں فرق کر سکتے ہو اور نبی کو نہیں پہچان سکتے۔ سچے کا چہرہ بتاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ مدینے کو جب آپ ﷺ چلتے ہیں تو عبد اللہ بن سلام کی نظر پہلی دفعہ جب پڑی تو کہا: ''أَنَّ وَجهَهُ لَيْسَ بِوَجهِ كَذَّاب[70]'' یہ جھوٹے کا چہرہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اب یہ کون تھے؟ یہودی عالم تھے اور اُن کے بہت بڑے عالم تھے۔ اب یہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ آئے تو کیا ہوا۔ حضور ﷺ سے کہا کہ میں پردے کی اوٹ میں

---

[70] ۔ عن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ: قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ جئت، فلما تبینت وجهه، عرفتُ اَنَّ وَجهَه لیس بوجه کذّابٍ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی، مشکوٰۃ، حدیث نمبر:۱۹۰۷)

بیٹھتا ہوں اور آپ ﷺ اُن سے پوچھے کہ میں کیسا ہوں تو کہا کہ وہ سچے اور سچے کے بیٹے اور اُن کا سب خاندان بھی ایسا۔ تو فرمایا کہ وہ تو ایمان لا چکے ہیں تو کہا کہ وہ بھی جھوٹا اور اُس کا باپ بھی جھوٹا۔ کیوں؟ نبوت کھلتی نہیں اور جب کھلتی نہیں تو کھلتی نہیں۔ تو کیا کہتے ہیں: ''وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط''۔ (الفرقان ۲۵: ۷) یہ رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو ہمارے جیسے کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں پھرتے ہیں۔ تو مولانا رومؒ کہتے ہیں:

همسریٔ با اولیا برداشتند
خویش را چوں انبیاء پنداشتند
گفت ایشان ہم بشر ما هم بشر
ہستیم ہر دو خیال خواب و خور

(کافر اولیاء کو اپنا ہم سر سمجھنے لگے اور انبیاء علیہم السلام کو اپنے جیسے سمجھا اس دلیل پر کہ ہم بھی بشر اور وہ بھی بشر اور دونوں کھانے پینے والے۔)

انہوں نے اولیاء اللہ کی برابری کی اور اپنے کو نبیوں جیسا سمجھا اور کہنے لگے کہ یہ بھی بشر اور ہم بھی بشر ہیں اور یہ بھی ہماری طرح سوتے جاگتے اور کھاتے پیتے ہیں لیکن انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ دونوں کے درمیان زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ تو آگے کہتے ہیں کہ شَیر اور شِیر لکھنے میں تو ایک جیسا ہوتا ہے:

شِیر آن باشد کہ مردم می خورد
شَیر آن باشد کہ مردم را درد

(شِیر اور شَیر لکھنے میں تو ایک طرح کا ہوتا ہے لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے کہ دودھ کو تو آدمی کھاتا ہے اور شیر آدمی کو پھاڑ لیتا ہے۔)

لیکن شِیر (دودھ) وہ ہوتا ہے جس کو انسان پی لے اور شیر وہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو

پھاڑ کھائے۔ جو کہ اب آئے تو یہ تمام جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں وہ بھاگ جائیں۔ دیکھو! ظاہر میں بکری اور بکری ایک جیسی ہے لیکن فرق کیا ہے؟ اور دیکھو بھئی! اللہ کے متعلق تو کہہ سکتے ہو کہ ہم نے دیکھا نہیں لیکن نبی کے متعلق کیا کہہ سکتے ہو۔ دیکھو! تمہاری گھاس پھوس ہوتی ہے جس میں تم یہاں بھی سولہ سترہ سال لگاتے ہو اور پھر باہر جاکر ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملتی ہے اور ایک پودے کو جو جان لیتا ہے تو اس کو اِتنی ڈگری ملتی ہے تو جو نبی کو پہچان لے تو اس کو کیا ملے۔

دیکھو! فرعون کے پاس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور اُس کو اپنی نبوت کی نشانیاں بتائیں اور کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں تو کہا: قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿١٨﴾ (الشعراء ٢٦: ١٨) کیا تم ہمارے ہاں پلے نہیں اور ہمارے ساتھ عمر بسر نہیں کی۔ تو جو یہاں دنیا کے عقلمند ہوتے ہیں وہ آخرت کے پگلے ہوتے ہیں۔ ایک بڑا زمانے کا خروشوف، کون نمرود؟ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرے رب پر ایمان لاؤ۔ اُس نے کہا کہ تمہارے رب کیا کرتے ہیں؟ کہا کہ وہ جلاتے ہیں اور مارتے بھی ہیں۔ تو کیا کیا؟ دو قیدیوں کو بلایا۔ ایک کو مار ڈالا اور دوسرے کو چھوڑ دیا اور کہا کہ ایسا تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ اب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اچھا میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تُو مغرب سے نکال لا۔ تو تمام شیخی کر کری ہو گئی تو پگلے ہوتے ہیں کہ جو سورج کو نہیں دیکھا۔

دیکھو! چمگادڑ کہے کہ سورج نہیں تو کیا اس کی دلیل مان لی جائے گی۔ تو نبوت کو نہ ماننے والے جتنے بھی ہیں وہ سب کے سب چمگادڑ کے برابر ہوتے ہیں۔ تو نبوت کا نُور ان کی آنکھوں پر ایسا پڑتا ہے جیسے کہ Dazzling Light جس سے تو آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور میں تو یوں کہوں کہ جب اللہ نبی کی حفاظت کرتے ہیں تو سامنے سے گزر جاتے ہیں اور اندھے اُس کو دیکھ نہیں پاتے۔

غفلت اور کبر کا پردہ

ایک واقعہ بیان کروں۔ ایک رات کو مکہ کے رؤساء نے فیصلہ کیا کہ جن کی وجہ سے زندگی قائم ہے، عالم قائم ہے، ان کو قتل کے منصوبے بنائے۔ تو کیا ہوا:

وہ دہراتا ہوا وحدت کا دم بھرتا ہوا نکلا
تلاوت سورۃ یٰسٓ کی کرتا ہوا نکلا

سورۃ یٰسٓ کی تلاوت کرتے ہوئے نکلے تو کیا ہوا وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝ (یٰسٓ ۳۶: ۹) (ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنا دی اور اُن کے پیچھے بھی پردہ ڈال دیا تو یہ دیکھ نہیں سکتے)۔ حضور ﷺ ان کے سامنے سے نکلے اور ان کو پتہ بھی نہ چلا تو جو ظاہر کو نہ دیکھ سکے تو باطن کو کیا دیکھ سکیں اور دیکھو! جب رات کے وقت آپ سورج کو دیکھنا چاہیں تو دیکھ سکو گے۔ تو جب کفر اور غفلت کا پورا اندھیرا ہو، ''ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ''۔ (النور ۲۴: ۴۰) (اندھیروں کے اُوپر اندھیرا) اور دیکھو! نبوت کے پہچاننے کے لیے پہلی شرط یہ ہوتی ہے کہ اپنے والے خیالات سے نکل جائیں اور اللہ والی راہ پر جائیں اور کفر والوں میں کبر سب سے زیادہ ہوتا ہے اور شیطان کو کس نے گمراہ کیا؟ کبر ہی تو تھا، تمام گناہ جو ہیں وہ کبر کے انڈے بچے ہیں۔ بڑا گناہ تو بڑے انڈے کا بچہ اور دیکھو! جو ایمان لاتے ہیں ان کے بھی ایمان کے مدارج ہوتے ہیں۔ اور دیکھو! آپ کے ہاں ایک چیز ہوتی ہے Microscope جس سے چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بڑا دیکھ سکتے ہیں تو پھر جتنی بھی اس کی پاور ہو، اُتنی ہی وہ چیز بڑی دکھائی دے گی۔ تو ایمان کے درجے میں سب سے پہلے یہ بات ماننی ہوگی کہ خدا کے لینے کا طریقہ نبی کی ذات پر منحصر ہے۔ اس کو کہتے ہیں نبوت کا اقرار تو جس نے نبوت کو مان کر نبی کے طریقے کو اپنا طریقہ، اُس کے عمل کو اپنا عمل اور اُس کی فکر کو اپنی فکر بنایا تو یہ فرقہ ہوگیا مومن اور یہ اللہ کی ذات کا لینے والا ہوگیا۔

یورپ کی اندھی تقلید

اور قرآن میں اللہ نے یوں بتایا کہ ایک فرقہ تو کہتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے حق ہے تو ہم اس کی پیروی کرتے ہیں تو اُن کی باتوں کو اس طرح لیں گے جس طرح کہ آج کل ہم یورپ کی ہر ایک بات کو دل سے مان لیتے ہیں۔ وہ اگر دن کو رات کہیں تو ہم بھی کہیں۔ نبی کو ماننے کے بعد ذہن سے سوچنا ہوتا نہیں جیسے کہ یورپ سے ہر چیز درآمد "Import" کرتے ہیں اور اپنے دماغ کو الماری میں رکھتے ہیں۔ سوچے گا تو اُن کی اور کہے گا تو اُن کی۔ وہ قرآن کریم نے ایک مقام پر کہا ہے کہ جب ہم نے چاہا کہ اس قوم پر عذاب آئے تو کہا: " كُونُوا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۚ۝۶۵ "(سورۃ البقرہ ۲: ۶۵) (ذلیل وخوار بندر ہو جاؤ)۔ اور بندروں کی صفت کیا ہوتی ہے، نقالی۔ تو کیا ہوا، گئے جنگل میں، رومی ٹوپیوں کے سوداگر تھے اور خود بھی یہی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، آنکھ لگ گئی۔ بندروں نے جو دیکھا کہ یہ ٹوپی پہنے ہوئے ہیں تو آگئے اور ان کے بنڈل کو کھول دیا اور پہنیں وہ ٹوپیاں۔ جب یہ جاگا تو دیکھا کہ تمام ٹوپیاں غائب۔ اب حیران ہوا کہ سرمایہ ہی لٹ گیا تو ایک دوسرا آدمی آیا اور کہا کہ بندر ہوتے ہیں نقال۔ پھینک دو اپنی ٹوپی کو۔ تو جب اپنی ٹوپی پھینک دی تو تمام بندروں نے اپنی ٹوپیاں پھینک دیں تو یہی حال ہماری نقالی کا ہے اور دیکھو! اس یونیورسٹی میں جو درخت لگے ہوئے ہیں، وہ بھی Imported ہیں اور پھر یہ کہ ابھی ہمارے درختوں کی بہار ہے تو اُن پر خزان ہے۔ تو اِسی طرح جو اُن کی بہار ہوتی ہے وہ ہماری خزان ہوتی ہے اور جو ہماری بہار ہو وہ اُن کی خزان ہوتی ہے تو اس تمثیل سے یوں سمجھو کہ نبی پر ایمان لانے کے بعد آنکھوں کو بند کر کے چھوڑ دو اور چلو حضور ﷺ کی پیروی میں۔ اُن کے پاس کچھ نہیں۔ دیکھو! جتنی بھی روشنی ہمارے پاس ہے، قرآن کا نُور، حضور ﷺ کا نُور اور اللہ کا نُور لیکن جب غفلت کا اندھیرا چھا گیا تو ہمیں اپنی ہر چیز تاریک نظر آنے لگی۔

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کی غمزۂ خونریز ہے ساقی

کوہِ ہمالیہ پر انسان چڑھ جائے تو کوٹھڑی جیسی چیزیں بھی چھوٹی دکھائی دیتی ہیں اور آسمان پر چڑھیں تو ماؤنٹ ایوریسٹ بھی پست دکھائی دے لیکن اگر کنویں میں کو دے تو زمین کی سطح بھی بہت اُونچی دکھائی دے گی۔ اسی طرح ہم نے اپنے کو غفلت کے کھڈوں میں ڈال دیا تو غیروں کی پستی بھی بلندی دکھائی دیتی ہے۔

دین کے لیے مشقت

ایمان لانے کے بعد پہلا قدم ہوتا ہے کہ اپنے ذہن والی چیزوں سے نکل کر نبی والے طریقے کو اس طرح اپنا لینا ہے کہ جیسے آپ کے یہ سفید کپڑے رنگ کرنے کے بعد دوسرا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح نبی والا ہونا اور نبی پر ایمان لانا کیا ہے؟ اپنے طریقے کو چھوڑ کر نبی کے طریقے کے جزو کل کو لینا ہوتا ہے۔

بتوں کا ہے بندہ خدا کا نہیں وہ
خدا کا نہ ہو جو مسلمان ہو کر

اور میں تو یوں کہوں۔ ایک مثال دیتا ہوں کہ میں ہو گیا بیمار، ابجو سوئی چبھنے لگی تو تکلیف ہوتی ہے۔ اس کو کھال کے ساتھ رکھ کر چھوڑ دیں تو دوائی گرے گی اور فائدہ ہو گا نہیں تو اسی طرح آج ہم ایمان کا انجکشن اُوپر لگا دیتے ہیں اور دوائی کو اندر جانے نہیں دیتے کہ اُن جیسے اعمال کریں۔

وہ ایک قزوینی گیا حجام کے پاس۔ وہاں دیکھا تو مختلف قسم کے نقشے پڑے ہوئے تھے جیسے کہ آج کل امامانِ مغرب ہیں جو کہ یورپ کے بعد اب ہم پڑھ کر امریکہ تک پہنچ گئے تو قزوینی نے شیر کے نقشے کو پسند کیا اور حجام سے کہا یہ یہ تصویر پیٹھ پر بنا دی جائے۔ حجام نے جب سوئی چبھو دی تو درد اُٹھنے لگا۔ کہا: کیا بناتا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ دُم۔ قزوینی نے کہا کہ چھوڑو دُم کو۔ حجام نے وہ جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ سوئی لگائی۔ اب یہ پھر بول پڑا کہ کیا بناتے ہو۔ حجام نے کہا

کہ کان۔ اُس نے کہا کہ اس کو بھی چھوڑو۔ اب حجام نے اس جگہ کو بھی چھوڑ کر دوسری جگہ سوئی لگادی تو قزوینی نے چیخ لگا کر کہا۔ اب کیا بنا رہے ہو؟ حجام نے جواب میں کہا کہ پیٹ تو اس نے کہا اس کو بھی چھوڑ دو تو حجام نے سوئی زمین پر دے ماری اور اس کو دھکا دے کر باہر نکال کے کہا:

این چنین شیرے خدا ہم نافرید

(اس قسم کا شیر تو خدا نے بھی نہیں پیدا کیا۔)

کہ اس قسم کا شیر تو خدا نے بھی نہیں بنایا۔ بغیر دُم اور کان کے تو شیر کا تصور ہو سکتا ہے لیکن پیٹ بھی نہ ہو تو شیر کہاں ہوا۔

تو ہم نے ایمان کو اب ایسا ہی شیر سمجھا ہے کہ کچھ دیئے بغیر آجائے۔ یہاں پر بیٹھ کر دین آجائے۔ یہ تو بدر و حنین میں آتا ہے۔ ہم نبی کو تو مانتے ہیں لیکن نبی والی زندگی کو اختیار نہیں کرتے۔ زبان سے کہتے ہیں لیکن اتباع کرتے نہیں۔ وہ ایک آدمی آئے اور کہنے لگے کہ ''یہ تو معمولی سنت ہے اُس کو چھوڑ کر کیا ہو گا'' تو میں نے کہا: کہ ہاں چھوٹی سنت ہے۔ مدعا یہ ہے کہ نبی ﷺ نے سوچ کر یہ نہیں بتایا اور گو میری بات بھی نبی کی بات سے بڑھ کر ہے۔ کہنے میں تو یہ ایک قول ہے لیکن

بات پہنچی تیری جوانی تک

دین سیکھنے کے لیے محنت

تو نبی ﷺ کی زندگی کو اپنا لینا بہت بڑی بات ہے۔ اس کو معمول نہ سمجھا جائے۔

قہر ہو یا مہر ہو جو کچھ بھی ہو۔ ہر ادا محبوب کی محبوب ہے۔

تو اس کو اپنا لینے کے لیے ہم کیا کریں۔ سب سے پہلے ہم کو نظریے کے ساتھ اتفاق کرنا ہوتا ہے۔ یہ کمیونسٹ جو ہوتے ہیں سب سے پہلے بناتے ہیں مقصد کو۔ جب مقصد تمام کا

متفق نہیں ہوتا تو چند ایک قدم چل کر انسان تھک جاتا ہے تو نبی ﷺ کا کیا یہ مقصد تھا کہ صرف ہاسٹل نمبر چھ والے مسلمان ہو جائیں اور یا صرف ایگریکلچر والے یا صرف فرنیٹیئر والے اور پاکستان والے ایمان لائیں یا پورے عالم میں دین کو پھیلانا تھا تو نبی ﷺ کے مقصد کو اپنانا ہو گا۔ جیسے کہ ایک دستر خوان ہو، اُس پر مرغ پلاؤ سب کچھ موجود ہو لیکن ہم بیٹھ گئے ٹیک لگا کر اور کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے اور یہ ہوا:

یہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

تو اگر تم ایسے بیٹھ گئے تو کیا وہ تمہارے اندر آجائے اور اگر وہ مرغا زندہ بھی ہو جائے تو منہ تک اُچھلے گا۔ اندر جائے گا بھی نہیں بلکہ اس کو خود لینا ہو گا اور پھر منہ میں چبا چبا کر نگلنا ہوتا ہے۔ نگلنے کی قوت نہ صرف کی جائے تو بھی نگلتا نہیں تو اسی طرح اس نبوت کے دستر خوان کو اگر عالم میں پھیلایا جائے اور پھر خود بھی کھایا جائے تو اس کے لیے بھی مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور میں تو یوں کہوں کہ لقمہ بنانے تک کی بات بھی بتائی جاتی ہے جیسے کہ میں نے چھوٹا ہو کر ایک بڑا لقمہ لیا تو ہمشیرہ نے ایک تھپڑ مارا۔

تو ہر کام کو سیکھنا اور اس کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔ وہ اُحدی والا معاملہ نہیں چلتا۔ دو اُحدی بیٹھے تھے بیر کے درخت کے نیچے تو ایک بیر ایک کے سینے پر گر پڑا۔ ایک سوار پاس سے گزر رہا تھا۔ اُس نے سوار کو بلایا۔ وہ گھوڑے سے اُترا کہ کیا بات ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ یہ بیر میرے منہ میں ڈالو۔ اُس نے کہا کہ کم بخت اس کے لیے بلایا اور ایک لگا کر چل پڑا کہ اگر خواہ مخواہ کہنا تھا تو پاس کے ساتھی سے کیوں نہ کہا تو دوسرا کیا جواب دیتا ہے۔ بھلا میں کیوں اس کے منہ میں بیر ڈالوں۔ کل جو کُتّا میرے منہ میں موت رہا تھا اُس کو تو اس نے منع نہیں کیا۔

تو کیا اُحدیوں کی طرح ایسے آرام سے بیٹھے رہیں اور دین ہمارے اندر ایسے بغیر محنت اور مجاہدہ کے آجائے۔ دین کو زندہ کرنا چاہتے ہو تو اس کے لیے نکلنے کے بعد نگلنے کی

طاقت صَرف کرو اور پھر یوں بات ہوتی ہے کہ بت بدلتے رہتے ہیں لیکن مقاصد نہیں بدلتے۔ اب دین جو آئے گا محنت سے، بغیر محنت کے نہیں آئے گا مثلاً سراجؔ یا شبیر صاحب کے پاس گندم کے چند دانے ہیں۔ اس کو زمین پر ڈالا نہیں اور کہے کہ یوں ہی ہاتھ پر جم جائے تو ہو جائے گا۔ نہیں جیسے کہ میرے مکان پر ایک سیدھے سادے آتے ہیں اور بہت عقلمندی کی بات کرتے ہیں۔ تو میں نے اُسے یوں کہا " کہ میں اپنے گھر کی چھت کے اُوپر آم کا ایک درخت لگانا چاہتا ہوں" تو کہا کہ کیسے ہو گا یہ تو بالکل نہیں ہو سکتا۔ تو میں نے کہا کہ جب آم کا درخت تو گھر کی چھت پر ویسے نہ نکلے اور دین کا کام ایسے ہی ہمارے اندر آجائے تو اس کے لیے اپنا وقت نکالو۔

حضور پاک ﷺ اور ابراہیمؑ کی باہمی مناسبت

مسجد خواجہ معروف تبلیغی مرکز (23 اپریل 1964ء، شب جمعہ بعد از نمازِ مغرب 7 بجکر 45 منٹ)

باہمی مناسبت

میرے عزیزو، بزرگو اور دوستو! ہمارے آقا سیدنا محمد ﷺ جو دین لے کر آئے، اُس کو قرآن نے ''مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ'' (الحج ۲۲: ۷۸) (تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت)۔ کے نام سے یاد کیا۔ ابراہیمؑ صلبی طور پر حضور ﷺ کے جد مبارک ہیں اور حقیقت کے لحاظ سے بھی وہ پیشرو ہیں جس کے ذریعے سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے کعبے کی بنیادوں کو اُٹھا کر یہ دُعا کروائی تھی کہ اے اللہ! تُو میری اولاد میں سے ایک ایسے نبی کو پیدا کر جو ان ہی میں سے ہو۔ اُن پر تیری آیتیں پڑھیں، تعلیم دلائے اور انہیں پاکیزہ بنائے اور حکمت کی تعلیم دے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یوں کہا: ''يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِيْ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ''۔ (الصف ۶۱: ۶) (میرے بعد جو رسول آئے گا اس کا نام احمد ہو گا) اور اسی طرح توراۃ میں بھی ''فارقلیط'' کے نام سے آپ کے آنے کی پیش گوئی کی گئی۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ظاہر کے لحاظ سے حضرت ابراہیمؑ سے دُعا کروائی گئی لیکن حقیقت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو آپ کی اولاد میں رکھا وہ دراصل آپ اور حضور پاک ﷺ کی نورانیت کی مناسبت کے لحاظ سے تھا۔ جیسے اور چیزوں میں مناسبت ہوتی ہے۔ اسی طرح نبوت میں بھی مناسبت ہوتی ہے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت وہ کلی ہے جو کہ کھل کر بعد میں حضور ﷺ کی صورت میں ظاہر ہوئی اور حقیقت میں ابراہیم علیہ السلام آپ کے آنے کے پیش رو تھے۔ جیسے کہ فجر کے وقت سورج ابھی نہیں نکلا ہوا ہوتا ہے تو سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نورانیت آپ ﷺ کی نورانیت کے ظہور کا پیش خیمہ

ہے۔ آپؑ وہ جڑ ہیں توحید کی جس کی پرورش کر کے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ظہور بخشا۔ اب مختلف انبیاء آئے اور مختلف علاقوں میں آئے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت گو حضرت محمد ﷺ کی طرح بین الاقوامی تو نہیں لیکن پھر وسیع تھی۔ بابل میں پیدا ہوئے اور جب آپ نے توحید کا اعلان کیا اور جس وقت کہ نمرود کی بادشاہت ختم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی نبی آتا ہے، دعوت دیتا ہے تو جو لوگ آپ کے ساتھ ہو جاتے ہیں وہ بچا لے جاتے ہیں اور باقی کو ہلاک کر دیتا ہے۔ پھر اس کے بعد وہ ہجرت کر لیتا ہے تو اسی طرح ابراہیم علیہ السلام شام کو چلتے ہیں۔ وہاں حضرت سارہؓ سے شادی ہوتی ہے۔ اس کے بعد مصر چلتے ہیں اور وہاں کے جو فرعون مصر تھے وہ حضرت سارہؓ کو دیکھ کر ہاتھ ڈالتا ہے لیکن ہاتھ خشک ہوتا ہے۔ دوبارہ ڈال دیتا ہے تو پھر خشک ہوتا ہے لیکن آخر بار میں تیسری مرتبہ جب یہ ہوا تو آپ نے حضرت ہاجرہؓ کو آپ کے لیے پیش کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر مصر سے فلسطین کی راہ لی اور کنعان میں آباد ہوئے۔

اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد آپ ہاجرہ اور اُس کے شیر خوار بچہ کو لے کر عرب کی طرف چل دیئے اور کعبہ تک آجاتے ہیں ۔ اس وقت میں کعبہ موجود نہ تھا۔ یہ طوفانِ نوح میں اُٹھا لیا گیا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی یہاں سے طواف کر رہی تھی۔ اسی طرح یوں آتا ہے کہ چاہ زمزم اور میزابِ رحمت کے درمیان نوے کے قریب انبیاء علیہم السلام دفن ہیں لیکن مجھ جیسوں کو اُن کی نورانیت نظر نہیں آتی جیسے کہ نابینا کو بازار اور مسجد ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں لیکن جن کی آنکھیں بینا ہوتی ہیں، جن کے دل صحیح ہوتے ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں تو کعبہ پر تجلیات کی موسلادھار بارش ہوتی ہے تو اس لیے انبیاء علیہم السلام یہاں کی نورانیت کو دیکھ کر ہجرت کرتے رہے تو جب ابراہیم علیہ السلام یہان سے گزر رہے تھے تو یہ ممکن نہیں کہ آپ کو یہاں کی نورانیت دکھائی نہ دے۔

میری آنکھیں نابینا ہوں اور میں تم کو نہ دیکھوں اور میں کہوں کہ آپ نہیں ہیں تو یہ بات نہیں کہ آپ موجود نہیں بلکہ میری اپنی آنکھیں نہیں۔

حرم کا بسانا

جب ابراہیم علیہ السلام کو کہا گیا کہ بیٹے کو لے جاکر وہاں چھوڑ۔ تو کیا ہوا، آپ نے ایک دُعا فرمائی کہ ''میں نے اپنی اولاد کو بسایا، ایسی وادی میں جہاں کہ کچھ اُگتا نہیں لیکن تیرے پاکیزہ گھر کے پاس ''عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ''تو یہ کس لیے بسایا۔ یہ اندھے تو پانچ سالہ منصوبے بنائیں اور میرا رب نہ جانے۔ تو حضور ﷺ کے وجود مبارک کو پیدا کرنا تھا تو اس لیے آپ کو وہاں جاکر آباد کیا۔ کعبۃ اللہ انبیاء علیہم السلام کا کعبہ رہا لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ انبیاء علیہم السلام کی تجلیات کا انعکاس ہے تو کہا گیا کہ جاکر سیدنا حضرت اسماعیلؑ کو وہاں بساؤ۔ بسایا جاتا ہے اور وہ نورانیت جس سے کعبہ کی نورانیت کا ظہور ہونا تھا، یہاں پیدا کیا۔

تو جیسے حضور ﷺ تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بھیجے گئے تو اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو عراق، شام، فلسطین اور عرب کے مقامات پر بھیجا گیا تو گویا یہ ایک مناسبت تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ میں۔

جیسے کہ میں نے عرض کیا تھا کہ کلی اور پھول کی نسبت تھی۔ گویا نمونہ از خروارے۔ توحید کامل جو کہ حضور ﷺ کا حقیقی شعار تھا، ہر ایک سے کٹ کٹا کر ایک کا ہو جانا جو کہ آپ کا شعار تھا اس حقیقت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے یوں ادا کیا گیا: اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٧٩﴾ (سورۃ الانعام:٧٩:٦)

(میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اُسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں)۔

اور توحید جو ہے وہ کہتے ہیں اُس کو کہ جتنی بھی بنی ہوئی چیزیں ہیں، اُن سے ہونا نہ

سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ سے سمجھے۔ بنی ہوئی چیزوں میں اٹکو گے تو اللہ سے ہٹ جاؤ گے۔ یہ دَور مصنوعی جو چل رہا ہے تمام چیزیں جو مصنوعی ہیں تو انسان کا ہنسنا، رونا اور زندگی گزارنا بھی مصنوعی ہے۔ ہنستے ہیں تو اس کو کہتے ہیں Diplomatic Smile تو ابراہیم علیہ السلام نے یوں کہا کہ ''میں بنی ہوئی چیزوں، مصنوعات کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ کسی نے تاروں کو پوجا، کسی نے چاند، سورج اور کسی نے دریا کو اور کسی نے اپنے آپ کو سجدہ کیا۔

خود را کنم سجودے دیر و حرم نہ ماند

(جس کی سرشت میں خرابی ہو تو بُرائی کے اڈے اگر نہ رہیں تو نفس پرستی میں مبتلا ہوتا ہے۔)

اللہ سے ٹوٹ کر اپنے نفس کو سجدہ کرنے کے متعلق کہا ہے: ''أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَه هَوَاهُ'' اپنے رب سے تعلق کو ختم کر کے اپنے نفس کی خواہشات پر چلنا اپنے آپ کو اللہ بنانا نہیں تو کیا ہے اور بقول سعدیؒ:

سعدیا گر بُت شکستی خوش مباش
خود پرستی ہیچ گاہے کم تر از اصنام نیست

(سعدیؔ اگر بت کو توڑا تو خوش نہ رہ کیونکہ خواہش نفس پر چلنا بھی بتوں کے پوجنے سے کم نہیں۔)

تو یہ چیز تھی جس کی وجہ سے آپ کی زبان سے نکلوایا گیا کہ میں مصنوعات کی طرف توجہ نہیں کرتا اور اس میں آپ دنیا کی بڑی سی بڑی طاقت کی پرواہ نہیں کرتے۔

صحابہؓ اور مصائب

بلالؓ ہے ریت پر لٹایا جا رہا ہے، اُونٹ کی کھال میں بند کیا جا رہا ہے، گلے میں رسی پڑی ہوئی ہے، بچوں سے کھینچا جا رہا ہے، کانٹوں میں پھرایا جاتا ہے اور یوں کہتے ہیں کہ اس اُحد

کو چھوڑ دیں اور تین سو ساٹھ کو پکاریں جس کی وجہ سے ان کے دل لرزتے ہیں۔ وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ (الزمر ۳۹: ۴۵) (اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منقبض ہو جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں)۔

ضعیف کمزور ہے، سوسائٹی میں کمزور ہے لیکن سوسائٹی کی بات اب وہ نہ رہی جبکہ آپ نے اسلام کو قبول کر کے اور ہر ایک سے تعلق توڑ کر اللہ کی ذات سے جوڑا تھا، کالا تھا، تمام لوگ آپ سے نفرت کرتے تھے۔ اب کہا جاتا ہے۔ دیکھو! کعبہ کے اُوپر عظمت کی وجہ سے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ تو بلالؓ سے اذان دلائی گئی اُس کے اُوپر سب سے پہلے آپ سے فتح مکہ کے وقت۔ ہشام کہتے ہیں صفوان سے کہ اگر آج تیرا اچھا ہوتا تو وہ اس منظر کو دیکھ لیتا۔ تو وہ کہتا ہے کہ کاش! میں اس کالے کوے کو اس چھت پر چڑھنے کے بجائے ہلاک ہوتا تو اچھا تھا۔ (صفوان بعد میں ایمان لائے) اور بقول مولانا کے یہ ایسے تھے کہ عجمی ہونے کی وجہ سے ''احد'' بھی ٹھیک طور پر نہیں پکار سکتے تھے لیکن آپؓ کی اس ''احد'' پر ہزاروں دوسرے لوگوں کی آوازیں قربان تھیں۔ جس وقت حضور ﷺ کی وفات ہو گئی اور جب حضرت بلالؓ آئے اور اذان دی اور جب ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰه'' پر پہنچ جاتے ہیں تو تمام مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ گویا کہ آپ کی وفات دوبارہ ہو گئی اور جب حضور ﷺ کو دفن کیا گیا تو پھر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''اے ابو بکرؓ! اگر تُو نے مجھے اللہ کے لیے خریدا تھا، تب تو مجھے آزاد کر دے اور اگر اپنے لیے خریدا تھا تو میں تیرا غلام ہوں'' تو آپ نے فرمایا کہ کیا کہا؟ میں نے تو تجھے آزاد کر دیا تھا۔ ''میرا مطلب یہ ہے'' آپ نے کہا کہ ''ناممکن ہے کہ جس علاقے میں حضور ﷺ کا مزار مبارک ہو وہاں پر میں گزروں''۔ تو چلے گئے

(دمشق اور وہاں جہاد کرنے لگے اور جبکہ وہاں وفات کا وقت قریب آیا تو حضور ﷺ خواب میں ظاہر ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ”اے بلالؓ! ہم سے ایسے روٹھ گئے کہ اب یہاں کا رُخ نہیں کرتے“۔ وہ بقولِ مولاناؒ:

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود

تا نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود

(عشق اول معشوق کے دِل میں پیدا ہوتا ہے جیسے کہ شمع پہلے جل اُٹھتا ہے اس کے بعد اُس پر پروانوں کا تانتا لگ جاتا ہے۔)

یہاں جو آتے ہیں تو حضور ﷺ کے وہ نواسے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما جو حضرت محمد ﷺ کے مبارک کندھوں پر سواری کر چکے تھے، وہ آپ سے کہتے ہیں کہ ”اے بلالؓ! ذرا اذان تو دے دو تو آپ ان کی بات کو کیسے رد کر سکتے تھے۔ تو اذان دی اور پھر مدینہ میں ایسا کہرام مچ گیا گویا قیامت آگئی اور پھر جو مدینہ چھوڑا تو دوبارہ رُخ نہ کیا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جن کی آنکھیں بینا ہوں اُن کو مدینہ یوں دکھائی دیتا ہے۔ اب جہاں کے حضور ﷺ دفن ہیں جو کہ حضرت محمد ﷺ نے تعمیر کیا ہے اُس کو قبلہ نہ بنایا گیا جبکہ کعبہ کو قبلہ بنایا۔

کعبہ را ہر دم تجلی مے فزود

زانکہ ز اخلاصات ابراہیم بود

(کعبۃ اللہ کی تجلیات برابر بڑھتی رہتی ہیں کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص کا مظہر ہے۔)

کیونکہ توحید کامل کا ظہور ہونا تھا اور پھر جو ٹیلی ویژن کے ذریعے دُور اور قریب کو

ملایا جاتا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ حضور ﷺ کے انوارات کعبے پر ہوں، وہ حضور ﷺ کے ذریعے ہوں اور جو کعبے پر ہوں وہ حضور ﷺ کے سینے پر ہوں۔

اسی طرح حضرت خبیبؓ کا واقعہ ہے۔ پھانسی تیار ہے تو اس وقت پوچھا جاتا ہے کہ کوئی آرزو ہے۔ تو کہا کہ ”ہاں! مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دو“۔ تو پھانسی جن کو دی جاتی ہے ان کے لیے نماز پڑھنی سنت ہے اور پھر مختصر نماز فرمائی اور فرمایا کہ ”میں لمبی نماز پڑھتا لیکن لوگ کہتے کہ موت کے ڈر سے لمبی نماز پڑھی۔ اب جس وقت آپ کو پھانسی دی جاتی ہے تو آپ کے رُخ کو کعبہ سے پھرا دیتے ہیں لیکن وہ پھر کعبے کی طرف ہو جاتا ہے اور اُسی حال میں رہے اور پھر کیا ہوا کہ جو آخری بات آپ نے کہی۔ وہ یہ تھی جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ ”مَنْ لَّمْ يَشْكُرُ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ“ (رواہ احمد والترمذی) (جس نے انسانوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا) تو جن کے ہاتھوں آپ کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی تھی اس کا شکر کیسے ادا نہ کرتا تو کہا کہ ”محمد ﷺ کو میرا سلام پہنچا دو۔ حضور ﷺ مدینہ میں مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دوبار فرمایا: ”سَلَامٌ عَلٰى خَبِيْب“ اے خبیب! تم پر سلام ہو۔

تو جو حقیقت کہ خون میں کھیل کر، تلوار کے سایوں میں پل کر جو حقیقت پایا جاتا تھا وہ منبر پر کیسے پائی جائے۔

با دار تو ان گفت بہ منبر نہ تو ان گفت

(میرے دِل میں ایسے راز چھپے ہوئے ہیں جو کہ دار پر کہے جاسکتے ہیں لیکن منبر پر نہیں۔)

تو کیا ہوا کہ ”فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۚ﴿۱۰۳﴾“ (الصّٰفّٰت ۳۷: ۱۰۳) (جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا) تو بتایا کہ جا رہا تھا ابراہیمی نسل اور ابراہیمی اُمت قربانی سے دریغ نہیں کرتی اور چھری چلنے کے بعد اور کیا تکلیف ہوتی ہے جس کا انتظار کیا

جائے اور بیٹے کے بعد اور کون پیارا ہوتا ہے۔ یہاں تو کہا جاتا ہے:

یار دمے کہ تیغ زند بر سرت تو دم مہ زن

سر را فدائے یار کن ہیچ نہ خون بہا طلب

(اگر تیرا محبوب تیرے سر پر تلوار چلانے لگے تو تو خاموش رہ۔ جان دے دو اور اس کا عوض کچھ بھی نہ مانگ۔)

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ پگلے تو منصوبے بنا کر ان کو پتہ لگے اور اللہ تعالیٰ کو یہ پتہ نہ ہو کہ حضرت محمد ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے۔

تو وعدہ لیا کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ (التوبۃ۹: ۱۱۱) (خدا نے مؤمنوں سے اُن کی جان اور اُن کے مال خرید لیے ی ہیں (اور اس کے) عوض ان کے لیے بہشت (تیار کی) ہے۔ یہ لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں)۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ان دو موٹی باتوں پر اُٹھا تھا۔ ایک توحید اور دوسری قربانی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو پیش کیا وہ ایک بیج تھا اور حضور ﷺ نے اس کو ایک درخت کی صورت میں پیش کیا۔ بیج میں ایک چیز ہوتی ہے لیکن اس کا ظہور درخت کی صورت میں ہوتا ہے۔

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ وَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ﴿۲﴾ (ابراہیم۱۴: ۱، ۲) (کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ، یعنی

ان کے پروردگار کے حکم سے غالب اور قابل تعریف خدا کے رستے کی طرف) کہ آپ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں اور حمید کا لفظ لاکر گویا اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد ہو جائے تو محمود بن جاؤ گے۔ توحید کاملہ نصیب ہو گی۔ آج کل ایک توحید کو پیش کیا جاتا ہے اور وہ کیا ہے چاچھ والی توحید ہے۔ نبی پاک ﷺ کی نسبت نکال دیں تو چاچھ ملے گی، توحید نہ ہو گی۔ توحید کامل نصیب ہوتی ہے حقیقت محمدیہ کے اپنانے سے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہر غیر کو پس پشت ڈال کر حضور ﷺ کے طریقے کو اپنانا توحید کامل ہے جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو لٹا کر گردن پر چھری چلائی تھی تو اسی طرح دین کی دوسری چیز جو ہے وہ قربانی ہے۔ تمہاری جانیں تمہاری نہیں تم بِک چکے۔''اذا استنفرتم فانفروا''۔ (ابن ماجہ بحوالہ کنوز الحقائق، ص ۱۴ علی ہامش الجامع الصغیر) (جب تم سے جہاد پر جانے کا مطالبہ ہو تو چل پڑو)۔ فرمایا گیا کہ تمہارے دین کی بنیاد توحید اور بقا قربانی پر ہے اور یہ قربانی محمد ﷺ کے طریقہ پر ہو۔ یہ بھی تو قربانی ہے کہ میں جوش میں آکر دیوار سے اپنا سر ماروں اور ویسے توڑ دوں تو یہ قربانی تصور نہیں ہو گی تو اپنی والی زندگی دی جاتی ہے اور حضور ﷺ والی زندگی لی جاتی ہے۔ جتنی بھی تمہاری قربانی اُونچی ہو گی اُتنی ہی اجر کے لحاظ سے بڑھے گی۔

یک جان بستاند و صد جان دھد
آنکہ در وہمت نہ آید آن دھد

(اللہ تعالیٰ اگر تیری ایک جان لے لے تو اس کے بدلے سو جانیں دے جائیں اور اُن انعامات سے نوازے جو کہ تیرے وہم وخیال میں بھی نہ گزریں۔)

وہ آتا ہے ''کنز الاعمال'' میں کہ ابھی قیامت میں حساب وکتاب ختم نہیں ہوا ہو گا تو ایک طبقہ جنت کے دروازے پر جاکر کھٹکھٹائیں گے۔ نگران کہے گا، ابھی تو حساب وکتاب بھی

ختم نہیں ہوا۔ تم کیسے آئے تو کہیں گے۔ کیا حساب و کتاب ہماری تو تلواریں نیام میں نہ ہوتیں تھیں اور دوسرے الفاظ میں آتا ہے کہ ہماری زاد راہ ہمارے کندھوں کے اُوپر ہوتی تھی تو کہا جائے گا چھوڑو، جانے دیجیے۔

توجو قربانی کرے گا وہ تو یا صدیقیت کا مقام پا جائے گا اور یا شہید کا۔ وہ آتا ہے کہ جس نے نبیوں والے طریقے کو سیکھ لیا اور پھر اس کی تبلیغ کرتے تھے تو ان کے اور انبیاء علیہم السلام کے مقام میں ایک درجے کا فرق ہوگا اور دوسرا طبقہ وہ ہوگا کہ جو ان طریقوں کے لیے جان دے دے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قیمت گرا نہیں کرتی بلکہ اُوپر چڑھتی ہے۔ فرمایا: وہ کیا لوگ ہوں گے جبکہ لوگوں پر دو چیزیں چھا جائیں گی۔ موت کی کراہت اور حب دینا جو اس دور میں دین کا کام کرنے والا ہوگا تو اُس کو پچاس پچاس مؤمنوں کا ثواب ملے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اُن میں سے یا ہم میں سے۔ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تم میں سے۔ وہ پچھلے دَور کے محقق نے کہا کہ پچاس پچاس ابو بکرؓ جیسا مثلی ثواب ملے گا۔ تو وہ ایسے سخی ہیں لیکن تم بجائے کسی چیز کے لیے پیالی کے بجائے چھاننی کو آگے کرو تو کیا لوگے۔ فرمایا گیا: میری اُمت کی مثال بارش کے قطروں جیسی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس اُمت کی بنیاد توحید اور اُس کے پہنچنے کا ذریعہ قربانی ہے اور اس کو کہتے ہیں تبلیغ۔ اب تبلیغ کیا ہے؟ کہ جو حضور ﷺ نے پیش کیا اُن کو آپ کے طریقے کے مطابق پوری دُنیا میں پھیلائے اور اگر یہ اُمت اس کام کو چھوڑ دے گی تو یہ اُمت بانجھ ہو جائے گی۔ یہ اُمت خدا کی اُمت ہے اور اس کے ساتھ معاملہ اور اُمتوں جیسا نہیں۔ اس کا طریقہ دوسرا ہے۔ یہ اُمت وفد کی حیثیت سے آئی ہے۔ یہ اللہ کی Delegate ہے۔ اس میں تبلیغ کی یہ صلاحیت ختم ہو جائے تو یہ اپنی حیثیت کھو بیٹھے گی۔ اس

کے لیے ہم نہیں کہتے کہ تم داروغہ بن گئے بلکہ اپنی طرف سے کوشش کرو کہ قیامت میں تم کہہ سکو۔

گو نالہ نارسا تھا نہ تھی آہ میں اثر
میں نے تو کچھ کمی نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

تو اگر اپنی بقا کو چاہتے ہو تو اپنی ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار ہو جاؤ اور اس کے لیے اگر اپنے پورے اوقات کو نہیں لگا سکتے تو ایک مشق کی حیثیت سے پوری زندگی میں سے چار مہینے لگاؤ کہ پتہ چلے کہ دین کی بنیاد کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ ہماری بنیاد کج ہو گئی، ہمارے اعمال غلط ہو گئے تو جب بنیاد کج ہے تو اعمال کیسے ٹھیک ہو جائیں۔ وہ کسی نے کہا تھا کہ جب بنیاد ٹیڑھی ہو تو ثریا تک عمارت کج چلتی ہے۔ تو اس کی بنیاد کو ٹھیک کرنے کے لیے اپنے اوقات کا ارادہ کرو اور چار چار مہینے اور چالیس چالیس دن دیا کرو اور اسی طرح ہمتیں کر کے جلد جلد اپنے اوقات کو لکھاؤ۔

فقہ اور آئمہ اربعہ اور سودی بینک کاری کا حل

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (25 اپریل 1964ء، بروزِ ہفتہ بعد از نمازِ عصر)

فقہ کیا ہے؟

اعمال محمدیہؐ کو قانونی لحاظ سے ترتیب دینا فقہ ہے، "Codify" کرنا۔ یہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہ جس کو کہتے ہیں یہ ان کا ذاتی فقہ نہیں ہے لیکن دراصل یہ فقہ محمدیؐ کے مرتب ہیں۔ فقہ کے معنی "دین کی سمجھ ہے"۔ قرونِ اولیٰ میں فقہ جو تھی وہ ظاہری و باطنی علوم دونوں کی فقہ کہلائی جاتی تھی۔ امام ابو حنیفہؒ نے فقہ "تعمیر الظاہر والباطن" کو کہا ہے۔ ایسے عمومی طور پر فقہ "اصطلاحاً" نبی پاک ﷺ کے اُن علوم و اعمال سے نکالے ہوئے مسائل کا نام پڑ گیا جو انسان کی ظاہری زندگی سے متعلق ہے۔ وہ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی ہو، جیسی بھی ہو، زندگی کے جملہ شعبے جو ہیں اُن کے متعلق نبی پاک ﷺ نے جو ارشاد فرمایا یا جو اُسوہ بتایا اور یا صحابہؓ کو جس عمل پر ڈالا، نبی پاک ﷺ کی پوری زندگی کے احوال و اعمال کو سامنے رکھ کر ہر ایک امام نے اپنی فہم و فراست، علم اور خداداد قلبی نورانیت کے اِن سے جو سمجھا ان کو مرتب کیا اور صرف امام ابو حنیفہؒ نے ذاتی طور پر چھ لاکھ جزوی مسائل کا حل بتایا اور بعض تو سات لاکھ کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کی فقہ جو ہے انہوں نے صرف اپنی ذاتی رائے سے مرتب نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ اچھی خاصی جماعت تھی جس کے بڑے بڑے اراکین امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ تھے۔ گو یہ اُن کے شاگرد کہلائے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چالیس سال انہوں نے عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے۔ صرف دوپہر کو تھوڑی دیر قیلولہ کرتے تھے اور میں نے خود ایک میواتیؔ کو دیکھا کہ تقریباً ڈھائی مہینہ میں میں نے نہیں دیکھا کہ کس وقت سوتے ہیں تو بعض اوقات ایک ایک مسئلے میں ابو حنیفہؒ اور صاحبان ابو حنیفہؒ عشاء

سے لے کر فجر تک لگے رہتے تھے اور تمام چیزوں کو لے کر ایک بات تک پہنچتے تھے اور اگر یہ مسائل فقہیہ اللہ کو منظور نہ ہوتیں تو اللہ ان کو اس وقت تک باقی نہ رکھتا اور آپ کہیں گے کہ ایسے تو شر بھی باقی رہتا ہے تو بات یہ ہے کہ علمائے حق کا اتفاق ہونا کہ یہ حق ہے، یہ بات ثابت کرتی ہے کہ یہ منصور من اللہ تھے۔ گو ظاہری اختلافات ہیں اور ان اختلافات کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مسائل کو اپنے سے نہیں بنایا بلکہ صحابہؓ کے اُسوے کو دیکھ کر ہر ایک نے اپنی نورانیت، علم اور تفقہ سے معلوم کر کے فیصلہ کیا اور اُس میں اختلاف ہو سکتا ہے۔

مسائل میں اختلاف کی وجہ

مثال کے طور پر عدالتیں ہوتی ہیں تو ہو سکتا ہے کہ ایک ہی قسم کی شہادتیں چاروں کے سامنے آجائیں اور اُن میں بھی بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نیچے والا تو پھانسی کرتا ہے اور اُوپر والا بری کرتا ہے اور پھر اُن اماموں میں سے ہر ایک نے یوں کہا کہ دیکھو! اگر میری بات کسی ''نص'' کے خلاف ہوئی تو پتھر پر مار دینا۔

فقہ حنفی فقہ عملی

اب فقہ حنفی جو تھی یہ عملی فقہ تھی اور اس وجہ سے دُنیا میں اب بھی اس کے پیروکار سب سے زیادہ ہیں۔ اس کے بعد مالکیہ اور شافعیہ کے پیروکار ہیں۔ اختلاف کی وجہ عرض کرتا ہوں۔ قرآن کی ایک آیت کو سامنے رکھیے ''وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ'' (سورۃ النساء۴: ۵۹) (اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہو، پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو صرف اللہ کے اور رسول کے۔) تو اگر جھگڑا ہو جائے تو اصالتاً اتباع خدا اور رسولؐ کا ہے، کسی دوسرے کا نہیں۔ تو کہا کہ اگر تم میں جھگڑا ہو جائے کسی بات میں تو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹایا جائے۔ کہ کتاب و سنت اصالتاً دین کی جڑ ہے۔ اب اُس سے باقی جتنے بھی مسائل نکلیں گے وہ

اُس پر قیاس کر کے نکلیں گے۔ جب یہ نوعیت ہے تو ہماری نگاہ نہ حالات کو دیکھے اور میں یہ نہیں کہتا کہ حالات سے آنکھیں بند کر دی جائیں بلکہ یوں سوچا جائے گا کہ اگر حضور ﷺ یا صحابہؓ کے دَور میں یہ بات آجاتی تو آپ اس کے متعلق کیا فرماتے۔

اجتہاد کیا ہے؟

اجتہاد کتاب و سنت کے ذریعے صحیح رائے کے تلاش کرنے کا نام ہے۔ حضور ﷺ کا ہر ایک صحابی ثقہ ہے اور انہوں نے حضور ﷺ سے جو بات نقل کی، اُس میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی نہیں کی۔ ان میں سے بعض نے پورے تیئس سال گزارے۔ بعض نے دَس سال اور بعض نے صرف آپ کو دیکھا اور پھر واپس چلے گئے اور جو بات سُنی یا دیکھی اُس کو بیان کیا۔ اب قرآن نے کہا ہے کہ قرآن میں نسخ آرہا ہے لیکن اُس صحابی تک بات پہنچی نہیں تو انہوں نے وہ بات پھیلائی تو اختلاف ہوا اور وہ اختلاف ہونا بڑی بات نہیں اور میں یہ کہوں کہ جو اُمت اتنی عالمگیر ہو، اُس میں اگر اِتنی وسعت نہ ہوتی تو وہ اس اُمت کے عالمگیری پنے پر اثر انداز ہوتا۔

آئمہ اربعہ

اب فقہ حنفی دوسری صدی ہجری میں شروع ہوئی اور سب سے پہلے امام ابو حنیفہؒ، پھر امام مالکؒ، پھر امام شافعیؒ اور پھر امام حنبلؒ ہوئے تو امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں چار صحابی موجود تھے۔ آپ کی پیدائش ۸۰ ہجری میں ہوئی تو انہوں نے صحابہؓ کو دیکھا ہے اور اس لحاظ سے تابعی ہیں اور پھر کبار تابعین کا دور دیکھا ہے اور ان کے عمل جو تھے تو وہ دین تھا اور پھر یہ حج کو بھی چلتے تھے اور پھر امام مالکؒ کا دَور جو آیا وہ مدینہ میں تھا۔ اس کے بعد امام شافعیؒ کا دَور آیا۔ انہوں نے بنیاد رکھ لی کتابی رُخ پر اور ان چاروں ائمہ کرام نے اپنی دیانت کے لحاظ سے کوئی کوتاہی نہیں کی فقہ محمدی کے مرتب کرنے میں۔ تو اِن چاروں کی فقہ جو ہے وہ حقیقت میں

فقہ محمدیہ ہے جو ان حضرات نے کمپائل (Compile) کر دیا۔

اب زمانہ اس پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ دین زمانے سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ دین حق زمانے کو متاثر کرتا ہے۔ وہ مسائل جو کہ تغیر زمانہ اور احوال کے بدلنے سے پیدا ہوتے ہیں، اُن کے لیے نبی پاک ﷺ نے اُمت کو قیاس اور اجتہاد کا طریقہ عطا فرمایا۔ ''قیاس'' اس عمل کو کہتے ہیں کہ جو مسائل ایسے پیش آجائیں جن کا حکم صراحتاً کتاب و سنت میں نہ ہوں تو کتاب و سنت کے احکام اور دَور نبویہ کے ایسے معاملات جو نئے زمانے کے آمدہ مسائل کے مشابہ یا مماثل ہوں اُن پر قیاس کر کے نئے مسائل کا حل سوچا جائے، اُن کی اصل قرآن میں ہے: ''فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ''(الایہ الخ)۔ (سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں، بھیجا تھا ان کو نشانیاں دے کر اور اوراق اور اُتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اُتری ان کے واسطے تاکہ وہ غور کریں۔) اس میں قیاس بھی آجاتا ہے۔ آئمہ اربعہ نے اولاً بنیادی دینی مسائل کو کتاب و سنت کی روشنی میں اور فتاویٰ صحابہ اور فتاویٰ تابعین کو سامنے رکھ کر مرتب کرنے کی کوشش کی اور فقہ کے مسلمہ، استنباطی مسائل سے حل کیے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت تھی کہ آئمہ اربعہ کے ذریعے سے کچھ دین کے جملہ مسائل اس طور پر مدون اور مرتب کرا دیئے گئے کہ آئندہ آنے والی نسلیں اُن پر قیاس کرتے ہوئے ہر زمانے میں نئے نئے مسائل کا حل تلاش کرتی رہیں۔ گو چاروں آئمہ تیسری صدی ہجری تک گزر چکے تھے لیکن ان کی مرتب کردہ فقہ کے تحت میں اب تک علماء مسائل کا حل نکالتے رہے اور نکال رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۹ء میں جب تک خلافتِ عثمانیہ قائم تھی، وہاں کا قانون شریعت اسلامیہ مذہب حنفی تھا۔ اسی طرح ہندوستان میں مغلوں کے آخری دَور تک فقہ حنفی کا نفاذ تھا بلکہ انگریزوں کے دَور میں بھی اکثر ہمارا پرسنل لاء ''Personal Law'' جو تھا، وہ فقہ اسلامی کے مطابق تھا اور ابھی ممالک

اسلامیہ میں کم و بیش ان پر عمل کیا جارہا ہے۔

آج کل بدلے ہوئے حالات و مسائل کے نام سے فقہ میں جو تحریف اور تاویل کی مہم شروع ہوگئی ہے یہ دراصل مسائل کو اُن طریقے سے حل کرنے کی کوشش نہیں جو کہ تیرہ سو سال تک اُمت حل کرتی رہی بلکہ متجددین مغرب کے عصری نظاموں سے متاثر ہوکر دین کے کتر بیونت میں مبتلا ہوا چاہتے ہیں۔ نئے مسائل کا حل شریعت کی کاٹ چھانٹ نہیں بلکہ جس طور پر پہلے زمانے میں قیاس و اجتہاد سے قرآن و حدیث کی صحیح روشنی میں ذاتی تقاضوں سے بچتے ہوئے حل سوچا گیا۔

سودی کاروبار اور اس کا حل

اب بھی ان مسائل کا حل سوچا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اس زمانے کا ایک عام مسئلہ سود اپنے وجود میں کوئی نئی چیز نہیں۔ نہ سودی بیوپار اور کاروبار نئی چیز ہے لیکن مغرب کے لادینی استیلاء یعنی غلبے نے سودی کاروبار اور "Banking" کے نظام کے ذریعے سے سود کو اس طور پر عالمگیر اور ہمہ گیر کردیا ہے کہ جس کو دیکھ کر حبیب پاک سیدنا حضرت محمد ﷺ کی وہ پیش گوئی یاد آتی ہے کہ "ایک زمانہ آئے گا کہ اگر تم سود نہیں کھاؤ گے تو سود کا دُھواں تمہارے حلقوں تک پہنچے گا"۔ تو ہر تجارت اور سرمایہ بینکوں میں سے نکلتا ہے۔ اب یہ مسئلہ اس معنی میں جدید ہے۔ اب اس کے حل کے لیے صحیح طرز فکر یہ نہیں ہوگا کہ سود کو حلال قرار دیا جائے کیونکہ یہ دین کا مسلمہ امر ہے کہ سود شریعت اسلامیہ میں حرام ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہماری تجارت، دوسرا کاروبار کیا بغیر سود کے چل سکتا ہے یا کوئی ایسی اسلامی بینک کاری کا کوئی نظام ہو سکتا ہے کہ جس کے ذریعے سے اس حرام سے بچا جا سکتا ہے۔ مسائل گو عمیق، گہرے اور پھیلے ہوئے ہیں لیکن محقق، متقی علماء اور مسلمان ماہرین اقتصادیات اس کا حل تلاش کر سکتے ہیں مثلاً عمومی طور پر تجارت میں جو بینک کا نظام چلتا ہے، اُسے اُن کی اصطلاح میں

"Current account" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور "Current account" پر سود نہیں دیا جاتا بلکہ رقم داخل کرنے والے کو کچھ نہ کچھ خرچ کے حساب سے لگانا پڑتا ہے تو اس لحاظ سے اگر کاروباری رُخ سے اس باتکو چلایا جائے تو اسلامی نکتہ نظر سے گنجائش نکل سکتی ہے۔ مزید بر آں اگر یوں کہا جائے کہ اس طور تو سودی کاروبار کے ذریعے سے جو منافع کماتا ہے وہ تمام ختم ہو جائیں گے۔ ہم یوں کہیں کہ اسلامی مضاربت کو موجودہ حالات کے پیش نظر اس طرح پر رکھا جا سکتا ہے کہ سود سے بچاؤ کی صورت ہو۔ اس زمانے میں سعودی عرب سودی کاروبار نہیں چلاتی اور غیر ممالک بھی جو قرضہ دیتے ہیں وہ بھی بغیر سود کے اور اب تو ان کو قرضہ لینے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اسلامی ممالک ہمت کریں تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ بغیر سود کے کام چلے۔ تو ہم یہ کہیں کہ اسلامی ممالک میں سودی کاروبار کو نہ کیا جائے لیکن حربی قومیں جو ہیں ہم ان کے اموال کو اباحت کے درجے میں رکھ سکتے ہیں۔ تو اگر ہم چاہیں تو اس زمانے میں بھی سود کا حل نکل سکتا ہے۔ اسی طرح یہ نلکیوں زادوں کا جو مسئلہ ہے تو اس کے متعلق فرمایا گیا "الولد للفراش وللعاهر الحجر" ولد جس کے فرش پر ہو گیا۔ اس کے لیے ہے اور دوسرے کے لیے پتھر ہے۔ "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝٣ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝٥ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝٦ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧" (المؤمنون:٢٣، ١-٧) (اُن ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی ہے جو اپنی نماز میں دِل سے جھکنے والے ہیں اور لغو چیز سے منہ موڑنے والے ہیں اور جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور اُن کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں کیونکہ ایسے لوگ قابل ملامت نہیں ہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں تو ایسے لوگ حد سے

گزرے ہوئے ہیں۔) تو اس میں بھی جو اِن دونوں کے علاوہ جو بات ہو وہ آتی ہے کیونکہ ’’وَرَآءَ ذٰلِكَ‘‘ میں تو ہر چیز آتی ہے۔ تو سود پر قرآن نے اِتنی سخت دھمکی دی ہے لیکن اس کو بھی حلال کر دیتے ہیں کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ زمانے کے تغیر سے احکام بدلتے ہیں۔

ہدایت کا حصول اور انبیا علیہم السلام کی محنت

یونیورسٹی ہاسٹل نمبر 6 (5 مئی 1964ء، 7 بجکر 20 منٹ)

اللہ تعالیٰ کی معرفت

میرے عزیزو اور دوستو! ایسے تو انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں سے اِتنا مالا مال ہے کہ انسان اگر تمام عمر سوچتا رہے تب بھی اللہ تعالیٰ کی جملہ نعمتوں کو پہچان نہیں سکتا، گننا تو علیٰحدہ رہا۔ جب جانتا نہیں پہچانتا نہیں تو کیسے کرے۔ لیکن دوستو! جیسے اور چیزوں میں چھوٹی بڑی ہوتی ہیں اسی طرح نعمتوں میں بھی ہوا کرتا ہے اور ایک نعمت خاصہ جو انسان کو ملی، وہ یہ تھی جس کے ذریعے سے منعم کو لے سکے۔ ہر نعمت جو ہے وہ عطا ہے اور منعم حقیقی جو ہے وہ اللہ کی ذات ہے تو سب سے بڑی نعمت یہ ہو گی کہ انسان اللہ کا لینے والا بن جائے اور یہ نعمت ہر کس و ناکس کو نہیں مل سکتی۔ ویسے جتنے بڑے بڑے دکھائی دیں، خروشوف ہو اور یا اور کوئی بلا ہو۔ یہ نعمت ان کو نہیں ملتی۔ یہ کمند اُن کو نہیں ملتی اور جس کو مل جائے، ان کا کیا کہنا۔

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزدان بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

(میں حقیقت کا ایسا دیوانہ ہوں کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام کا ہاتھ آنا ایک معمولی بات نظر آئے میری ہمت اِتنی بلند ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنی محبت کے گھیرنے کا متلاشی ہوں یعنی مخلوق کے بجائے خالق کی آرزو ہے۔)

گو جبریل بھی ملائکہ میں سب سے بڑی روحانیت کا حامل ہے لیکن رب جبریل کا مل جانا تو اور بات ہے۔

ہدایت کی راہ

دوستو! ہر ایک چیز کے استعمال کا ایک خاص طریقہ ہوتا ہے۔ اُس طریقے سے

استعمال نہیں ہو گی تو وہ جاتی رہتی ہے۔ مثال کے طور پر میرا یہ خان کہے کہ روزانہ تو منہ سے کھاتا ہوں اب تھک گیا۔ اب کان میں گھسیٹنا شروع کرے۔ اسی طرح آپ اگر یوں کہیں کہ آنکھ تو دیکھتے دیکھتے تھک گئی۔ اب زبان کے ذریعے دیکھنا شروع کروں۔ اسی طرح زبان کا فعل بھی اُس طریقے سے کرو تو فائدہ ہو گا ورنہ نہیں۔ اس لیے وہ نعمت جو اللہ نے انسانوں کو اپنی ذات سے دی۔ اگر اس کا استعمال اُس خاص طریقے پر ہو گا تو فائدہ ہو گا ورنہ نقصان اُٹھائے گا۔

دیکھو! یہ میرا جسم انگور کے بیل کے ساتھ نہیں لگا تھا۔ ایسا نہیں ہوا کہ صبح اماں گئی اور میں لٹکا ہوا پایا گیا۔ اسی طرح آنکھوں کو یہاں رکھا، سر کے اُوپر نہیں رکھا۔ اسی طرح ہدایت کے لینے کا بھی ایک خصوصی طریقہ ہے۔ سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بتایا اور پھر ان کے ذریعے ان کے صحابہ کو عطا آتی ہے اللہ سے اور تقسیم ہوتی ہے نبیوں کے ذریعے۔ فرمایا حضور ﷺ نے ''انا قاسم واللہ معطی وانما انا قاسم ویعطی اللہ''۔(بخاری، حدیث:۳۱۱۲۷) سب کے سب نعمتوں کے لینے اور دلوانے کے لیے انبیاء آتے ہیں اور وہ جو آتے ہیں وہ خدا کے لینے کے طریقے بتاتے ہیں کہ خدا ایسے ملتا ہے، ان چیزوں کو اختیار کرو گے تو خدا ملے گا۔ ہمارے آقا محمد ﷺ جب تشریف لائے تو دو باتیں بتائیں کہ دیکھو! اگر فلاں فلاں چیزوں کو اختیار کرو گے تو تم خود بن جاؤ گے اور اگر فلاں چیزوں کو اختیار کرو گے تو لوگوں کو خدا والا بناؤ گے۔ پانچ کروڑ ڈگریاں لے لو تو ایک ذرہ کے برابر حقیقت نہیں رکھتیں۔ اصل ڈگری ہدایت کی ڈگری ہے جو ساتھ رہتی ہے۔ یہ جتنی بھی کھیتیاں پیدا کرو گے ایک دن ختم ہو جائیں گی۔

ہر کہ کاہ و جو خورد قربان شود
ہر کہ نور حق خورد فرقان شود

(جو گھاس اور جو کھاتا ہے اس کو ذبح کیا جاتا ہے اور جو کہ نور حق (اعمال خداوندی) پر چلنے کا عادی ہو وہ حق اور باطل کے درمیان تمیز کرنے والا بن جاتا ہے۔)

جو گھاس پھوس کھاتا ہے وہ تو ذبح ہو جاتا ہے اور جو کہ نُور حق کھاتا ہے وہ نورانی ہو جاتا ہے۔ موت آئے تو اُس کو مار نہ سکے، نہ تصور، نہ خیالات، نہ وسوسے اور تصور میں بیٹھے ہوئے ہیں تو ایک کے۔

بیٹھے رہیں تصوّر جانان کیے ہوئے

وہ مولانا والی بات کہ کیا کرتے ہیں یہ دنیا والے:

اہل دُنیا کافران مطلق اند
ہر زمان در جک جک و در بک بک اند

(کافر لوگ ہی اصل میں اہل دنیا ہیں جو کہ ہر وقت دنیا کی دوڑ میں لگے رہتے ہیں۔)

وہ جو جاتے ہیں صدر میں اور شہر میں اور کبھی تصویروں کے دیکھنے کے لیے سینما جاتے ہو اور کبھی کیا کرتے ہو اور کبھی کیا کرتے ہو۔

ستم است کہ دوست کشد کہ بسیر سر و سمن در آ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دِل کشا و چمن در آ

(یہ ایک بڑا ظلم ہے کہ تجھے تیرا نفس سیر سپاٹے میں مصروف رکھتا ہے حالانکہ اگر تو اپنے دل میں جھانکے تو تجھے بہت کچھ نظر آئے۔)

پریشانی کیوں ہے؟

کیونکہ ان چیزوں سے اپنی خوشی کا سامان کرتے ہو اس لیے کہ ہم نے اپنے اندر کو کوئی چیز سمجھ نہیں رکھا ہے۔ دل کے اندر غلاظتیں بھری ہوئی ہیں اور ہم جو بھی تجویز کرتے ہیں وہ تمام بیکار۔ دِل محل ہے بنا شاہ کے لیے اور تم تمام چماروں کو اکٹھا کرکے اس میں لاتے ہو۔ اُن کو تو یہاں بیٹھنے کا طریقہ نہیں آتا۔ وہ امان اللہ خان کے زمانے میں جب ان لوگوں کا قبضہ ہوا جو تہذیب سے ناواقف تھے تو وہ پاخانے اور گندگیوں کے جو برتن تھے، اُن

میں کھانا شروع کیا۔

ہدایت کے حصول کے دو طریقے

ہدایت کے لینے کے لیے حضور ﷺ نے دو طریقے بتائے۔ خود بنو اوروں کو بناؤ اور خود طریقے پر چلو اوروں کو چلاؤ تو اس طریقے کو لینے کے لیے اوروں کو بتانے کے لیے ایک محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ جو یہاں آئے ہیں، وقت لگاؤ گے تو کچھ حاصل ہو جائے گا۔ اب ہمارے فرسٹ ائیر والوں نے جو تھیوری کے پرچے کیے تو اب ایک دوسرا امتحان بھی جس کو آپ پریکٹیکل کہتے ہیں، دینا ہو گا۔ اب اگر آپ چاہیں کہ پانچ پرچوں کے بجائے ہم سات پرچے دیں گے تھیوری کے مگر ہم کو یہ پریکٹیکل معاف کر دیں تو یونیورسٹی والے معاف کر دے گی؟ اسی طرح دین کے کام کو بھی عملی طور پر کرنا ہو گا۔ آج ہم میں سب سے بڑی کمزوری آگئی۔ وہ یہ ہے کہ ہمارے امتحان کی لائٹ ڈم ہو گئی۔ آپ یہاں ان تمام لائٹوں کو بجھا دیں اور ایک موم بتی جلا دیں اور پھر سب سے بڑی بڑی کتابیں اور موٹی موٹی کتابیں لے کر بیٹھو۔ تو کیا پڑھ سکو گے۔ اس طرح بات ہے کہ ایک ہو خوب پری پیکر اور دوسرا ہو میری طرح بھوت۔ اب لائٹ ہے نہیں جس میں کہ آپ دیکھ سکیں تو یہ دیو اور پری پیکر ایک جیسا دکھائی دے گا یا نہیں؟ تو ذرا جو گلے ملا تو کلیجہ نکال دے گا۔ اسی طرح ہمارے نور ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ہم دیو اور پری پیکروں میں تمیز نہیں کر سکتے اور دیکھو! ایک ہوا دیا، اس میں جتنا بھی تیل ڈالو اُتنا ہی یہ روشن رہے گا اور پھر دوسری بات یہ ہے اگر آپ اس دیئے کو ہوا میں رکھ دیں تو بجھ جائے گا یا نہیں؟ اسی طرح یہ کفر کی ہوائیں جو چلتی ہیں وہ ہمارے ایمان کے دیوں کو خراب کرتی ہیں۔ تو اس کے لیے رائیونڈ میں جا کر کچھ کام کرو اور وہاں جا کر انشاء اللہ کچھ ملے گا اور دیکھو! رائیونڈ ہو آؤ اور اپنے پرائے کو ہوا دے کر ختم کرو تو کچھ لے آؤ گے۔ اب آیا جونؔ، کہیں کہ گھر چلا جاؤں۔ تھوڑا سا اپنے ماں باپ کی زیارت تو کر لوں تو وہاں جو چلو تو یہاں پر تو تم

پر مجاہدہ ہوتا ہے والدین کا ذہن بھی اب تک بنا نہیں۔ تو وہ تو یوں کہیں کہ آٹھ مہینے کے بعد تو میرا بیٹا آیا، پڑھ پڑھ کر تو اِتنا سا ہو گیا۔ یہ آٹھ دس دن تو کچھ کھا پی کر تنگڑا ہو جائے۔ ان تبلیغ والوں کا اللہ ایسے ایسے کرے۔ بیٹے کو آرام کرنے نہیں دیتے، چھوڑتے نہیں۔ اب دیکھو! تم جو گھر جا رہے ہو، کیوں جا رہے ہو؟ اس لیے تو جا رہے ہو کہ ماں باپ کے ساتھ ملو اور اللہ کی محبت تم سے ماں باپ سے بھی زیادہ ہے تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں کہ ایک شخص ہے وہ بیابان میں چلتا ہے اور اس کے ساتھ ایک اُونٹ ہے جس پر اس کا سامان پڑا ہوا ہے تو اب کیا ہوتا ہے کہ یہ لیٹتا ہے کہ اِتنے میں اُونٹ چلتا ہے۔ آنکھ کھلتی ہے تو اُونٹ کو نہیں پاتا۔ اب پوری تلاش کرتا ہے لیکن ملتا نہیں۔ تو جب خوب تھک کر چور چور ہو جاتا ہے تو آ کر کسی جگہ لیٹ جاتا ہے کہ اِتنے میں آنکھ لگ جاتی ہے۔ تو جب آنکھ کھولتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ اُونٹ سامنے کھڑا ہے۔ اب اِس آدمی کو کتنی خوشی حاصل ہو گی۔ تو فرمایا کہ اللہ اس سے بھی زیادہ خوش ہوتے یں جبکہ اُس کا بچھڑا ہوا روٹھا اُس کے پاس واپس آ جائے۔ تو اب جو لوگ اللہ میاں سے روٹھ گئے ہیں اگر آپ اُن لوگوں پر محنت کر کے منا لیں تو اس سے اللہ میاں کتنا خوش ہو جائیں۔

صحبت کا اثر

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (9 مئی 1964ء، بروزِ ہفتہ بعد از نمازِ عصر 6 بجکر 35 منٹ)

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ صحبت سے ملتا بھی ہے اور چھنتا بھی ہے۔ کہتا ہے:

اگر آگ کے پاس بیٹھو گے جا کر
تو اُٹھو گے اِک روز کپڑے جلا کر
اگر روز کپڑے بچاتے رہے تم
مگر سینک تو روز کھاتے رہے تم

اگر صحبت کی ضرورت نہ ہوتی اور آدمی آدمی سے نہ بنتا تو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو نہ بھیجتا۔ کتاب کافی ہوتی تو نبی نہ آتا۔ اللہ میاں قادر تھے کہ ایک ایک نسخہ کتاب کا ہر ایک گھر میں اُتار لیتے اور جیسے کہ بچے کو دل میں دودھ پینے کا طریقہ بتا دیتے ہیں، اسی طرح انسانوں کو پڑھنا سکھا لیتا، ہزاروں روپے خرچ کر لو، بچے کو لے آؤ کہ دودھ پینے کا طریقہ بتاؤ، نہیں بتا سکتے۔ آنکھوں کو دیکھنے کا طریقہ بتایا، ماں کی پہچان بتائی۔ کتاب بتا دیتے اور مولوی بن جاتا۔ اللہ کتاب کو نازل فرما دیتا اور پھر فطرتی طور پر پڑھنے کا داعیہ پیدا کر دیتا اور جیسے کہ ذہن کو بتدریج ترقی دیتا ہے اسی طرح دفعتاً ترقی دیتا۔

اللہ کی حکمت نے کچھ ایسا فیصلہ فرمایا ہے کہ اس عالم میں بہت ساری چیزیں اسباب کے تحت کرتا ہے۔ چاہتے تو بغیر ماں باپ کے محمد علی جوہر کو پیدا کر دیتا، اُوپر سے ٹپکتا اور پھل بغیر درختوں کے بارش کی طرح برسا دیتے لیکن اسکی قدرت نے یوں چاہا کہ درخت لگیں گے،

شاخیں پھوٹیں گی، پھول آئیں گے اور پھر پھل ملیں گے۔ اسی طرح قدرت نے یوں فیصلہ فرمایا کہ انسان انسانوں سے بنیں اور وہ انبیاء علیہم السلام کی ذات ہے اور ان کا تعلق ایک طرف تو اللہ سے ہے اور دوسری طرف مخلوق سے ہے۔ اُن کا کنکشن ہر آن خدا سے لگا رہتا ہے، کسی وقت ٹوٹتا نہیں اور یہی فیضان مخلوق کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ سورج کی صحبت اُٹھائی ہے، گرمیوں کے دن ہو جائیں تو اندر بھی پنکھا چلانا پڑتا ہے، سورج خطِ سرطان پر آجائے تو سرسام ہو جائے۔ اسی طرح نبوت کا نور جو ہے وہ سورج کی طرح منتقل ہوتا رہتا ہے خواہ متکلم ہو یا نہ ہو۔ اس کے سینے سے ہدایت کی شعاعیں اُٹھتی ہیں اور پاس والوں پر پڑتی رہتی ہیں۔ کبھی مرغی کو دیکھا ہے۔ مرغی کے سینے کے نیچے وہ سفید سفید انڈے رکھ دیتے ہیں۔ مرغی اُس پر سینہ مَلتی ہے اور چھوٹے چھوٹے چوزے نکل آتے ہیں۔ کیا کچھ دانہ کھلاتی ہے، غلاف آخر وقت تک رہتا ہے۔ بتاتے ہیں کہ مرغی کھلاتی نہیں بلکہ اللہ اُس کی صحبت سے اُن کو پیدا کرتے ہیں، نکل آتے ہیں اور نکلتے ہی دانہ چگنا شروع کرتے ہیں۔ بتاتے ہیں کہ غلاف کے اندر بھی اثر پہنچتا ہے تو جب مرغی کی صحبت اور چھاتی میں اِتنا اثر ہے تو کیا آدمی کے سینے میں یہ اثر نہ ہو کہ مرغ اذان دینے لگے۔ دلوں کو کسی تپش والے کے سامنے رکھو تو بال و پَر پیدا ہو جائیں گے۔

آدمی بنتا ہے صحبت سے اور سب سے بڑی صحبت نبی کی اور پھر نبی کے بعد نائبانِ نبی کی صحبت ہوتی ہے۔ اگر صحبت کی ضرورت نہ ہوتی تو نبی نہ آتے۔ اچھوں کے پاس بیٹھو گے تو اچھے ہو جاؤ گے اور بُروں کے پاس بیٹھو گے تو بُرے ہو جاؤ گے۔ اب اس مشینی دَور میں دیکھو! ہم خود مشین ہو گئے۔ اب دیکھو! ان وزیروں، مسعودوں کو، کیا ان کے باپ دادا اِتنے ہوتے تھے، دیکھتے ہی ڈر لگتا تھا لیکن اب بناسپتی دَور میں کیا ہو گئے۔

تو ہم بننے میں سوسائٹی کی پیداوار ہیں اور سوسائٹی کیا ہے؟ معاشرے کا جو رنگ ہو گا، وہی ہمارا رنگ ہو گا۔ اگر خربوزے ''خر'' ہیں تو باقی بھی ''خر'' ہو جائیں گے۔ تو بات

صرف یہ نہیں کہ اہل اللہ کی صحبت میں اثر ہوتا ہے بلکہ جو اولیاء الشیطان ہوتے ہیں وہ بھی شیطان بن جاتے ہیں۔ دیکھو! انڈے کو صحیح تپش مل جائے تو چوزہ نکلے اور اگر صحیح تپش نہ ملے تو ایسا بگڑ جاتا ہے کہ اُس کی بو سے انسان بھاگ جاتا ہے تو جس طرح کہ اچھے کی صحبت بنا دیتی ہے، بُرے کی صحبت بگاڑ دیتی ہے۔ بُری صحبت سے اچھائی کی استعداد جل جاتی ہے اور پھر انسان بُرا ہونا شروع ہوتا ہے تو آج سب سے بڑی کوتاہی جو ہم میں پیدا ہوگئی کہ صحبت کی مضرت اور اچھائی کا ہمیں احساس نہیں۔

دیکھو! انبیاء علیہم السلام جو ہوتے ہیں وہ نرے لیکچرر نہیں ہوتے، نرے مقرر نہیں ہوتے اور نبی نے تو کتاب لکھی نہیں بلکہ وہ تو اللہ کا دیا ہوا صحیفہ ہوتا ہے۔ اُس کی تو زندگی کتاب ہوتی ہے۔ وہ خدا سے لیتا ہے اور انسانوں کو دیتا ہے۔ نبی کے الفاظ سے لوگ بنتے ہیں لیکن جو نورانیت ہوتی ہے وہ بھی نبی کی شخصیت کا نُور ہوتا ہے۔ آپ کہیں چلیں باغ میں اور آپ کو خوشبو آرہی ہے تو جو خوشبو آرہی ہے یہ پھولوں ہی سے قائم ہے۔ پھول نہ ہوں تو خوشبو کہاں ہو۔ اسی طرح نبی کی بات کا فیض اس کی شخصیت کا ظہور ہوتا ہے۔ لوگ فیض پا جاتے ہیں لیکن حضور ﷺ کا فیض اُس شخصیت کا فیض ہے جو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیا۔ اللہ بناتا ہے نبی کی صحبت سے اور ایسا بناتے ہیں کہ نبی کی انوارات کو لے لیتے ہیں۔ عطر میں کیا ہوتا ہے؟ بوئے گل ہی ہوتی ہے جو کشید کر لی جاتی ہے اس لیے اگر کسی غیر میں انواراتِ الٰہیہ نظر آجائیں تو یہ کشیدہ ہیں نبی سے۔ تو نبی کی ذات عالیہ سے جو روحیں معطر ہوئیں اور معطر ہونے کی وجہ سے اُن کا خدا کی ذات سے تعلق جُڑ گیا تو اب جو کسی بھی صحبت میں چل جائیں گی تو خوشبو پھیلے گی۔ تو صحابہ کرامؓ کی روحیں معطر تھیں حضور ﷺ کی خوشبو سے اور اس خوشبو کو تابعین اور تبع تابعین نے لیا اور پھر نسلاً بعد نسل (پشت بہ پشت) منتقل ہوتی رہی ہے۔ جہاں بھی فیض نبوت جاری ہے، ہدایت کا سلسلہ جاری ہے۔ وہ تمام معطر ہے، جاری ہے حضور ﷺ سے۔ جہاں

بھی خیر کا ذرہ ہے حضور ﷺ کی برکت سے ہے۔

دیکھو! خوشبو کو ہم ایسے ایسے لگا لیتے ہیں۔ اسی طرح بوئے محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کیسے منتقل ہو، یہ صحبت کے ذریعے۔ ہمارے حضرت تھانویؒ دعویٰ کبھی نہیں کرتے تھے لیکن ایک دفعہ جوش میں آکر کہہ گئے، مجھ میں تو کچھ نہیں بلکہ

من منور از جمال حاجیم

من مکمل از کمال حاجیم

(یعنی مجھے جو کچھ جمال و کمال ملا وہ اپنے شیخ حاجی امداد اللہؒ کی برکت سے ملا۔)

حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو فرمایا اور اُن میں کہاں سے آگیا، میاں جی نور محمد صاحبؒ سے۔ تو یہ سینہ بہ سینہ چلتی رہتی ہے۔ بھوسہ کبھی دیکھا ہے۔ اس کے اندر ہی اندر پانی چلا جاتا ہے اور دیکھو گے یہاں لیکن نکلتا ہے وہاں۔ برمہ کر دیتی ہے صحبت انسان کو۔ آتشی شیشہ لے لو اور آگے رکھو کاغذ اور پھر سورج کے سامنے رکھو تو کاغذ جل جاتا ہے۔ تو آگ نہ تو سورج میں تھی نہ شیشہ میں تھی اور نہ کاغذ میں تھی تو جیسے کاغذ کو لگ جاتی ہے ایسے ہی جب دل کو کسی اہل دل کے متوازی کر دیا جاتا ہے اور پھر وہ دل اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو ممکن ہے کہ جل اُٹھے اور جل اُٹھنے سے مراد کیا؟ نورانیت رب کے حامل بن جائیں۔ آگ کہیں جلائی ہے۔ جگنو لیا کرو اور پھر درمیان رکھ کر پھونکیں مار لیا کرو کیا آگ جلے گی؟ وہ بندروں نے دیکھا کہ سردی میں مسافروں نے گھاس پھوس کو انگارے پر رکھ کر آگ جلائی تو انہوں نے جگنو کو پکڑ کر لکڑیاں جمع کر لیں اور پھونکیں مارنی شروع کیں لیکن آگ کہاں جلتی۔ اسی طرح جو اہل اللہ نہیں ہوتے اور متبع سنت نہیں ہوتے تو اُن سے آگ نہیں لگتی۔ اب یہ لگے کیسے؟ لگے رہیئے، لگے رہیئے تو لگ جائے گی۔ آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں۔

جو آج لذت دردِ نہاں کا جو یا ہے
وہ پہلے سوز سے سینہ تو داغدار کرے

ماچس کی ڈبیہ ہوتی ہے یا سگریٹ لائٹر کہو، اُس کو بھی ایسا کر لیتے ہیں تو کیا اس کو پھینک دیتے ہیں اور دیکھو! بعض اوقات ماچس ٹوٹ بھی جاتی ہے لیکن نا اُمید نہ ہو اور یہی رگڑا رگڑی لگی رہے تو ایک دِن خود بخود جل اُٹھو گے۔

خلافتِ الٰہی اور انسان

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (12 مئی 1964ء، بروزِ منگل بعد از نمازِ عصر 6 بجکر 10 منٹ)

اللہ تعالیٰ نے انسان میں کچھ جواہر رکھے Potentialites of Capalilites جیسے تلوار کو زنگ لگ جائے تو صیقل کرتے ہیں، ایسے ان جواہرات کو انسان ضائع کرے تو ضائع ہو جاتے ہیں اور استعمال کرے تو چمک جاتے ہیں۔

اللہ کا خلیفہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا تو نائب اور خلیفہ جو ہوتا ہے اُس میں اصل کے کمالات، خوبیوں اور بھلائیوں کا پرتو اور عکس پڑتا ہے۔ آئینے میں سورج دکھائی دیتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آئینہ سورج ہو گیا۔ اسی طرح انسان میں خدائی صفات آنے سے اللہ نہیں بنتا مگر ان صفات کا عکس اور سایہ پڑتا ہے۔ انسان اپنی ذات میں تو کچھ نہیں۔ یہ محتاج مطلق ہے۔ فقیر بے نوا ہے، بے سروسامان ہے۔ نہ خود اپنا نہ جان اپنی، اللہ میاں کی دہشت ہے جو صفات ہیں وہ بھی اللہ میاں کی دی ہوئی اور وجود بھی اللہ میاں کا دیا ہوا۔ اب اللہ میاں نے جب یوں چاہا کہ یہ بندہ میرا نائب ہے تو اپنی صفات کا امین بنایا۔ تھا تو بندہ زمینی لیکن بنایا بندہ اَمینی۔

خدا ستّار ہیں، چاہتا ہے کہ بندہ بھی پردہ پوشی کرے، لوگوں کی عیب پوشی کرے، وہ غفّار ہیں تو چاہتے ہیں کہ بندہ میں بھی عفو و درگزر کی شان پیدا ہو جائے۔ گویا انسان جتنا لینے والا بن سکتا تھا، اُسی قدر اللہ تعالیٰ نے اس کو ان صفات کا حامل بنایا اس لیے ایک عارف نے فرمایا:

من پاکباز عشقم ذوق فنا چشیدیم
من جلوہ گاہ ذاتم من مظہر صفاتم از ایں و آں رمیدم

(میرا عشق پاکباز ہے اور میں اپنی خواہشات کو فنا کر چکا ہوں، اب میں ذات حق کا

جلوہ گاہ اور اس کی صفات کا مظہر ہوں اور مجھے دُنیا کی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔)

یعنی میری ذات اللہ کی تجلیات کا مرکز ہے اور میں جو ہوں اللہ کے صفات کا مظہر ہوں، آئینہ ہوں۔

تو انسان کو اللہ نے اپنی صفات کا مظہر بنایا۔ انسان اِتنا چمکے گا جتنا کہ انسان میں اللہ کی صفات آجائیں۔ اللہ کی بعض صفات جلالی ہیں، بعض جمالی ہیں اور بعض کمالی ہیں۔ تو اللہ کی جلالی صفات کا اظہار بندہ مؤمن سے اس طور پر ہو کہ کفر کے مقابلے میں انتہائی شدید ہو، نرم نہ ہو، مضبوط ہو آہن کی طرح یا ریشم کی طرح۔ ریشم کی مضبوطی میں نرمی بھی ہوتی ہے تو اللہ کی صفات جلال کا مظہر بن کر کفر کے مقابلے میں کامل سخت ہو اور مؤمن کے مقابل میں بالکل نرم ہو۔ ”اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ“ تو جلال کا مظہر بن کر انسان ”اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ“ کا محل بنے گا اور جمال کا جب مظہر بنے گا تو ”رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ“ کی نوعیت ہوگی۔ یہی ”رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ“ کی حقیقت تھی جس کے لیے حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو فرمایا گیا: ”حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾“ (التوبۃ: ۹، ۲۹) (جسے تمہاری بھلائی کی دُھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہیں۔) اسی طرح خداوند قدوس کی کچھ ایسی صفات ہیں جن کو حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ذات اقدس میں انعکاس کیا گیا۔ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں سچائی تھی، اللہ میاں کی خشیت تھی، تسلیم و رضا کے پیکر تھے۔ تو ہمیں بھی ان اعمال کو اپنانا چاہیئے، رضا برضائے حق ہونا چاہیئے۔

اسی طور پر ظاہری اعمال ہیں۔ حبیب پاک صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے، اُن کے جزو کل کے لینے کی کوشش کی جائے اور عقائد جتنے بھی ہیں، یہ باطن سے تعلق رکھتے ہیں، حقائق ایمانیہ کا تحقق سینہ نبوت میں ہے۔ کیا مطلب؟ جن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ہے اُن کی اصلیت، حقیقت کے ساتھ نبی کے وجود میں ہوتا ہے۔ باقی لوگوں میں اس کا عکس آجاتا ہے۔ ایک

شخص نے آگ میں ہاتھ ڈالا اور جلایا تو وہ جانتا ہے جلانا اور ہم نے آگ دیکھی نہیں تو ایمان لائے کہ آگ جلاتی ہے۔ ایمان کے سمندر سے ایک چھینٹا دیا تو ہم نے اُن سے وہ لیا اور حقیقت ایمان سینہ نبوت میں ہے تو اس حقیقت میں سے انسان لے لے اور پھر ظاہری اعمال میں عبادات سے لے کر اخلاق تک اور معاملات سے لے کر معاشرت تک ہر ایک بات کو اپنا لے۔ خدا خدائی میں وحدہ لاشریک اور بندگی میں جس مقام پر حضور ﷺ ہیں، اُس مقام پر بندگی میں لاشریک ہیں۔ بندگی میں سب سے اُونچے منارے پر ہیں۔ عظیم تبھی بنو گے جب عظیم سے تعلق ہو جائے گا۔ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اندر اُترے اور محمد ﷺ والے اعمال و اخلاق ہمارے اندر اُتریں۔

ہے وہی شیدا جمالِ مصطفیٰؐ
حال حالِ مصطفیٰؐ ہو قال قال مصطفیٰؐ

(رسول پاک ﷺ کا حقیقی عاشق وہ ہے جو کہ آپ ﷺ کے ظاہر و باطن کو لیے ہوئے ہو۔)

اصل شیدا وہ ہے جس کا حال اور قال دونوں حبیب پاک ﷺ جیسے ہو جائیں، اپنے سے گزرے اور آپ کے در کی فقیری اختیار کرے اور در کی گدائی یہ ہے کہ اپنے اعمال کو چھوڑے اور حبیب پاک ﷺ کے اعمال پر چلے۔

امین کون؟

تو امین وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت نہ کرے، جو استعدادیں اللہ نے اس میں رکھی ہیں، اُن کو ناجائز استعمال نہ کرے اور ناجائز کسے کہتے ہیں؟ جائز و ناجائز کا معیار حبیب پاک ﷺ ہیں۔ حق کیا ہے؟ جسے حضور پاک ﷺ نے حق کہا اور جسے حضور ﷺ نے باطل کہا، وہ باطل ہے۔ اب اس میں انسان سے غلطی ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم بالحق

کو لیتے ہیں، ظاہر کی اہمیت نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ باطن کی اہمیت نہیں اور ہم ظاہر کو لیتے ہیں۔ اللہ نے انسان کو جسم اور روح دونوں کا مجموعہ بنایا اور جیسے بغیر جسم کے انسان اس عالم میں نہیں رِہ سکتا اسی طرح احکام ظاہریہ کے بغیر انسان انسان نہیں اور ہم تو کہیں۔

بمصطفیٰؐ برسان خویش را کہ دین ہمہ اوست

دگر با او نہ رسیدی تمام بولہبی است

(اصل دین حضور ﷺ کی ظاہری اور باطنی تابعداری ہے، اگر یہ حاصل نہیں تو باقی سب راستے بولہب والے ہیں۔)

اللہ ہم سب کو اللہ کی رضا نصیب فرمائے اور حضور ﷺ کی معیت عطا فرمائے۔

ذکرِ الٰہی اور اہل اللہ کی صحبت کا اثر

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (14 مئی 1964ء، بروزِ جمعرات)

نگاہ کی تاثیر

انسان جس ماحول میں ہوتا ہے اس کی بات کا خلاف اُس کے یقین میں نہیں آتا۔ امریکہ والوں کو یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے بھی گرمیوں میں روزے رکھتے ہیں تو ان کو یقین نہیں آئے اور ایک پرندہ جو کہ خزان میں پیدا ہو جائے اور خزان ہی میں اُس کی ترقی ہو اور پھر اس کو کہا جائے کہ بہار ایسی ہوتی ہے تو کیا اُس کو یقین آئے گا۔ اسی طرح جبکہ دین کی بہار تھی اور ایک نہیں دو نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ہوا کرتے تھے جن کی نگاہیں زندگی دیتی تھیں اور اب بیسیوں کی تعداد میں ایسے ہوں گے اور زندگی کہتے ہیں اعمال محمدیہؐ کے اپنانے کو۔ جو لوگ حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کو اپنا لیتے ہیں تو ان کی نسبت اتنی قوی ہو جاتی ہے کہ ان کے اثرات دوسروں پر پڑ جاتے ہیں، اُن کی نگاہ سے انسان بنتے ہیں مثلاً بُری نگاہ کے متعلق یوں آتا ہے: وَ اِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ یَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ (سورۃ القلم ۶۸: ۵۱) (جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے جب وہ نصیحت کی یہ بات سُنتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ اپنی (تیز تیز) آنکھوں سے تمہیں ڈگمگا دیں گے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو دیوانہ ہے۔) قریب ہے کہ یہ کافر لوگ اپنی نگاہوں کی بُری قوتوں سے آپ کو بچھلا دیں تو جب بُری نظر میں یہ قوت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اَلْعَیْنُ حَقٌّ'' نظر لگنا حق ہے تو جب ظاہر کی یہ حالت ہے تو اہل حق کی نگاہوں کی شعاع ظاہر کے پردوں کو چیرتی ہوئی باطن پر لگ جاتی ہے اس لیے فرمایا: ''اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ'' (من کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نُور سے دیکھتا ہے)۔ (الترمذی بحوالہ الجامع الصغیر) تو

جہاں نورانیت حق آ ئے گی تو وہ تو زمین و آسمان کو چیر لے۔ یہ نُور ہدایت ہے اور جیسے کہ آنکھ کی روشنی آنکھوں کا نُور ہے اسی طرح اُن کی نگاہ ہدایت کے نُور کے ذریعے برما کی طرح دِلوں کو چیرتی ہے اور جیسے کہ آج کل برموں کے ذریعے ٹیوب ویلز کھودتے ہیں اسی طرح اُن کی نگاہیں دِلوں میں ہدایت کے ٹیوب ویلوں کو کھولتی ہیں۔

غفلت اور ذکر

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ فضا میں سب کچھ ہے لیکن نگاہ ہو تو دکھائی دے اور جیسے کہ کوئی آنکھوں کا آپریشن کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آنکھ بنانے گئے تھے تو اسی طرح باطن کی آنکھ کا حال ہے اور اِس پر بھی پردے آتے ہیں تو کفر کا پردہ سب سے بڑا، اس کے بعد گناہوں کا پردہ اور پھر غفلت کا پردہ۔ اب ترتیب کے لحاظ سے ایک آسان سی چیز ہے۔ کفر سے تو اللہ تعالیٰ نے نکال دیا ہے۔ اب دو پردے رِہ گئے گناہوں کا پردہ اور غفلت کا پردہ۔ اب اگر غفلت کا پردہ ہٹا دیا جائے تو گناہوں کا، معاصی کا پردہ خود بخود ہٹ جائے اور وہ کیسے کہ گناہ کی اصل وجہ غفلت من اللہ ہے۔ جب خدا سے غافل ہو گا، گناہ میں شاغل ہو گا، خدا سے غفلت نہ ہو تو پھر یاد ہو گی اور اس کے مدارج ہیں۔ اگر اچھٹتی ہوئی اُوپری اُوپری یاد ہے تو ممکن ہے گناہوں میں اُلجھ جائے اور اگر حقیقی یاد ہے اور اُس کے ساتھ خدا کی صفات کا استحضار ہے یعنی انسان اللہ کو اُس کی صفات کے ساتھ یاد کرے گا اور کم از کم ننانوے صفات تو ذہن میں ہوں گی۔ اللہ حاکم ہے، رازق ہے، قریب ہے، سُن رہے ہیں، نیکی کی توفیق عطا فرمائیں گے اور اگر بُرائی کی تو قادر ہے کہ کان کھینچ لیں گے اور خدانخواستہ انہوں نے تھوڑا سا بھی مروڑ لیا تو ہڈی پسلی ایک ہو جائے اور پھر یہ راہ محبت والی راہ ہو کہ میرا رب خوش ہو جائے گا اور یہاں بھی عطا فرمائیں گے اور وہاں بھی عطا فرمائیں گے تو یاد جب صفات کے ساتھ ہو تو گناہ چھوٹ جاتے ہیں اور وہ یاد یاد نہیں جو گناہوں کو چھڑانے والی نہ ہو۔

دیکھو! موٹی مثال ہے نماز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد قرار دیا۔ ''اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ''(طٰہٰ: ۲۰، ۱۴)(نماز کو میرے ذکر کے لیے قائم کرو۔) اب اگر یہ یاد اپنی جگہ پر آجائے تو ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ''(العنکبوت:۲۹، ۴۵) (بیشک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر سب سے اُونچی چیز ہے۔) یقیناً نماز اگر نماز ہو تو خواہشات سے انسان کو روک لیتی ہے اور ''وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَصۡنَعُوۡنَ'' (العنکبوت:۲۹، ۴۵)(اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سب کو جانتا ہے۔) کا استحضار ہو کہ میاں تمہیں دیکھ رہے ہیں تو ذکرِ حق کے آنے سے جیسے کہ غیر انسان کے دل سے خارج ہوتا ہے اسی طرح اعمالِ غیر بھی خارج ہوتے ہیں تو اگر ذکر کا رسوخ ہو جائے تو معاصی سے نجات ملے۔

اب جبکہ معاصی نہیں رہیں گے تو پردے ہٹ جائیں گے۔ اسی وجہ سے صوفیائے کرام ذکر پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ ذکر آئے گا تو غفلت جاتی رہے گی۔ ذکر کے اپنے انوارات ہوں گے اور اعمالِ صالحہ کے اپنے انوارات آئیں گے اور معیتِ حق نصیب ہو جائے گی اور اس سے یہ ہوگا کہ اُس کی صحبت سے دوسرے بننے لگیں گے۔ وہ کسی نے کہا ہے۔ اللہ کے بندے خدا نہ باشند از خدا جدا نہ باشند، خدا نہیں ہوتے لیکن خدا کی معیت نصیب ہوتی ہے اور دیکھو! جبکہ بُرے لوگوں کی صحبت کا اثر ہوتا ہے تو جو خدا والے ہوں گے اُن کی صحبت سے انسان پر اثر نہیں ہوگا اس لیے مولانا نے فرمایا:

من ز جانان زندہ ام و ز جان نیم
من ز جان بگزشتہ و جانانہ یم

(میں اپنی جان سے جی نہ رہا بلکہ میری جان میرا محبوب ہے، مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں اگر کچھ خیال ہے تو محبوب کا ہے۔)

اور وہ فضائل ذکر میں جو آتا ہے کہ میں اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، پاؤں بن جاتا

ہوں تو مولانا نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا ہے:

دست و پا یم گوش و چشم او گرفت
من بدر رفتم سرا یم او گرفت

این بصر این سمع چوں آلات اوست
بلکہ ذرات تنم مرأت اوست
چوں مرا دیدی خدا را دیدۂ
گرد کعبہ صدق حق گر دیدۂ
گفتن او گفتن اللہ بود
گر چہ از حلقوم عبداللہ بود

(میرے سارے اعضاء ہاتھ، پاؤں، کان سب پر اس کا قبضہ ہے ۔ میں نے دروازے کا رُخ کیا کہ اُس نے سارا سامان اپنے قبضے میں لے لیا۔ اب میں میں نہ رہا بلکہ میرے کان، آنکھ سب کچھ اس کے تابع ہیں۔ اب میں آئینہ حق بن گیا، مجھے اگر دیکھ لیا تو گویا مظہر حق کو دیکھا۔ اب میری تابعداری ایسی سمجھو کہ گویا تو کعبۃ اللہ کے گرد طواف میں مشغول ہے۔ اس کا کہا اللہ کا کہا ہوتا ہے اگر چہ بات عبد اللہ کی زبان سے نکلے۔)

تو حاصل کلام یہ ہوا کہ خدا کا تعلق پردوں کو ہٹاتا ہے اور اس کے لیے تین پردے ہیں۔ کفر کا، معاصی کا اور غفلت کا اور آسان طریقہ یہ ہے کہ غفلت کے پردے کو ہٹایا جائے۔ یہ ہٹ جاتا ہے ذکر اللہ کی کثرت سے تو اس لیے:

یاد کر بس یاد کر بس یاد کر
یاد سے اس کی غفلت کو تو برباد کر

غفلت نہیں رہے گی اور غافل نہیں ہوگا تو شاغل ہوگا۔ حضرتؒ کو ایک دفعہ عرض

کیا کہ کچھ دیجیے تو فرمایا کہ "ہمارے پاس کیا ہے یہاں تو اللہ ہی اللہ ہے" اور اللہ ہی اللہ ہو جائے تو اور کیا رہا۔

فغان صبحگاہی نے جگر خون کر دیا میرا
خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے
میں کیمیا گر ہوں تو میری کیمیا کیا ہے
یہی تار نفس ہے اور میری کیمیا کیا ہے

تار نفس سانس کے ساتھ ذکر اللہ کے جاری ہونے کو کہتے ہیں تو کثرتِ ذکر کو اختیار کرو تو دوام ذکر نصیب ہو جائے گا۔ کثرتِ ذکر بھی خدا کی توفیق سے ملتا ہے لیکن دوام ذکر اللہ کی خصوصی عطا ہے تو کثرتِ ذکر کو اپنا لو تو غفلت بھی ختم ہو جائے گی اور معاصی بھی ختم ہو جائیں گے اور ذکر کی مثال تلوار کی ہے اور تلوار کاٹتی ہے لیکن کسی کے ہاتھ میں۔ اسی طرح انسان ذکر کرتا رہے تو فائدہ تو ہو لیکن یہ کسی مشاق کے ہاتھ میں ہو تو مطلب یہ ہے کہ کسی اجازت یافتہ صاحب ذکر سے ذکر لو تو پورا فائدہ ہو گا۔ گتھکا ماری کا فن بغیر استاد کے نہ آئے، تو تلوار بازی کا یہ فن کیسے آئے اور بقول اقبال!

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ نگاہ کی تیغ بازی وہ سپاہ کی تیغ بازی

اور ذکر ایک زبان سے ہوتا ہے۔ ایک دل سے ہوتا ہے اور ایک دل کے اندر ہوتا ہے اور مشائخ ذکر سے یہ دولت نصیب ہوتی ہے۔

مادہ پرستی کو چھوڑ کر معرفتِ الٰہی کا حصول

اسلامیہ کالج مسجد پشاور یونیورسٹی (19 مئی 1964ء، بروزِ منگل بعد از نمازِ مغرب 7 بجکر 35 منٹ)

مادہ پرستی

عزیزو، بزرگو اور دوستو! انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پہچاننے کے لیے استعداد عطا فرمائی۔ انسان میں اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت رکھ دی ہے کہ اگر وہ اس کو صحیح استعمال میں لے آئے تو وہ اللہ کا عارف بن سکتا ہے اور اللہ کا قاعدہ یہ ہے کہ انسان جس رُخ پر محنت کرتا ہے تو وہ راہ اُس پر آسان ہو جاتی ہے۔ انسان اگر مادی چیزوں پر محنت کرے گا تو مادی چیزیں اُس پر کھل جاتی ہیں کہ مٹی میں کیا ہے؟ خاک میں کیا ہے؟ شجر و حجر میں کیا ہے؟ اور زمین میں کیا ہے؟

اب ایک موٹی سی بات ہے کہ انسان شجر و حجر، مٹی خاک تمام سے اُونچا ہے۔ اب لوگ بندر کو پوجے اور کوئی اُس کو اپنا باپ کہے۔ انسان جب بیوقوف تھا تو خاک مٹی کے آگے سر جھکاتا تھا۔ اب مادی طور پر جب عقلمند ہوا تو کیا سوجھا کہ ویسے ڈنڈوت اور سجدہ لگانے کا طریقہ تو ختم ہوا اور یا کم ہوا لیکن اس کا طریقہ اب دوسرے رُخ پر چلا گیا۔ ہندوؤں کو دیکھا کہ صبح سویرے چلتے تھے اور مندر میں جاتے تھے اور پھر اپنے کام کے لیے چلے جاتے تھے لیکن اب جو زیادہ عقلمند ہوئے تو کیا ہوا کہ مادے کو اپنا مقصد بنایا اور پورے کے پورے اوقات اس پر لگائے اور نام رکھ لیے مزیدار۔ گھاس پھوس کا نام رکھ لیا "Botany" اور ایک علم ہو گیا کیڑوں مکوڑوں کا اور نام رکھا "Entomology" اور اسی طرح "Minerology" اور پھر جو اُوپر ہے تو "Cosmology"۔ او اللہ کے بندو! سوچو تو سہی کہ اپنے اندر کیا ہے اور خدا کا معاملہ میرے ساتھ کیسا ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

تو وہی پرستش ہے جو پہلے تھی۔ اب پرستش کرتا ہے لیکن پرستش کو سمجھتا نہیں کہ میں پرستش کرتا ہوں۔ تو پہلے اگر کوئی سمجھا دیتا تو جو سمجھنے والا ہوتا وہ سمجھ جاتا اور اب جو سمجھتے نہیں تو نصیحت بھی اثر نہیں کرتی۔

جی کا جانا ٹھہر چکا ہے صبح گیا یا شام گیا

تو اب اگر یوں کہا جائے کہ ان جیوں نے تمہارا جی نکال دیا تو کوشش کرو۔ اگر انہوں نے اپنے رب کے لیے محنت نہ کی تو ایسے ختم ہو جائیں جیسے کہ کیڑے مکوڑے۔

دوستو! اللہ نے تمہیں ایک استعداد دی ہے تو اس استعداد کو ضائع نہ کرو۔ انسان کو خدا نے پیدا فرما کر اس میں خدا کی معرفت کی استعداد کی طاقت پیدا کر دی۔ اب جو اس رُخ پر محنت کرے گا تو خدا کا اس کے ساتھ تعلق ہو جائے گا۔ آپ کہیں گے دنیا سے روکتے ہیں، دنیا سے روکتے نہیں بلکہ دنیا کو دِلوانا چاہتے ہیں کیونکہ جو خدا کا ہوتا ہے ساری خدائی اُس کی ہوتی ہے۔ خدا کی قسم! پورے خسارے والے وہ لوگ ہیں جو صرف دنیا پر محنت کرتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ انسان تمام مخلوق سے اُونچا ہے۔ اب اگر یہ اپنے سے نچلی مخلوق پر محنت کرے تو یہ بھی نیچے جائے گا اور اُوپر کیا ہے خدا کی ذات۔ تو اگر یہ اللہ کی طرف محنت کرے گا تو اُوپر چلتا جائے گا۔ جب خدا کو تم مطلوب اور مقصود بناؤ گے تو خدا تمہارے لیے اپنے تک پہنچنے کے راستے آسان بنائے گا۔ ایک ہاتھ بڑھو گے تو خدا دَس ہاتھ تمہاری طرف آئے گا۔ چل کر جاؤ گے تو وہ دوڑ کر آئے گا۔

معرفت کا آسان راستہ

دیکھو! زندگی برف کی سِل ہے۔ استعمال کروگے تب یہ پگھلے گی اور نہ بھی استعمال کروتب بھی یہ پگھلے گی تو اس لیے اللہ تک پہنچنے والے راستوں کو اختیار کرو اور یہ راستہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر کھولتے ہیں اور سب سے آخر میں ہمارے آقا محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جو راستہ بتایا وہ سب سے چھوٹا، سب سے آسان اور سب سے زیادہ خدا تک پہنچنے والا ہے۔ اللہ نے محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو کیا بتادیا: ''اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ''۔ بیشک تم سیدھے راستے پر ہو اور سیدھا راستہ کیا ہوتا ہے، سب سے چھوٹا راستہ ہے۔ اس سے کوئی چھوٹا راستہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اور دیکھو! اگر سیدھا راستہ نہیں لیا تو ٹیڑھا ہوگا۔ خدا تک پہنچنے تک ایک ہی راستہ ہے اور وہ راستہ محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا راستہ ہے کوئی دوسرا راستہ جا ہی نہیں سکتا۔ تو اب اگر خدا تک پہنچنا ہے تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی راہ اختیار کرنی ہوگی۔ لاہور کو جانا آپ نے طے کیا کہ کم سے کم وقت میں طے کروں اور اب چلنے لگے ہوائی جہاز میں اور ممکن ہے کہ راکٹ بھی اس غرض کے لیے استعمال ہو جائیں۔ اب اس کے علاوہ اور بھی تو ذریعے ہیں۔ ریل ہے، لاری ہے، چھکڑا ہے تو اللہ تک پہنچنے کا سب سے آسان راستہ کون سا ہے؟ جیسے کہ ہم چھوٹے تھے تو کہا جاتا تھا کہ آنکھیں بند کرو تو آپ نانی کے گھر پہنچ جاؤ گے اور جیسے کہ لفٹ پر بیٹھ کر انسان چلا جاتا ہے تو خدا تک پہنچنے کا جو آسان راستہ ہے وہ یہ ہے کہ ''دَعْ نَفْسَكَ وَ تَعَالِ''(خواہش نفس کو چھوڑ اور آجاؤ)۔ یوں سوچو کہ کوئی قدم بھی حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے راستے سے ہٹ کر نہ اُٹھاؤں گا اور یوں سوچو کہ اس وقت اگر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہوتے تو کیا فرماتے؟ اور ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ'' اس کو کہتے ہیں کہ تم تم نہ رہو بلکہ تمہاری ذات پر حبیب پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مہر لگ جائے۔

اللہ اور رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بات کی بڑائی

وہ ہمارے چچا تو نہیں تھے لیکن والد صاحب کے دوست تھے۔ انہوں نے شہادت

اور درمیانی اُنگلی کو اپنی اصلی پوزیشن میں رکھ کر کہا کہ یہ چھوٹی یا یہ چھوٹی تو ہم نے کہا کہ شہادت والی چھوٹی تو اُس نے شہادت کی اُنگلی کو کھینچ کر پھر کہا یہ چھوٹی یا یہ تو اب یقیناً شہادت والی چھوٹی تھی تو ہم یوں کہیں کہ نفس کو چھوٹا کرو اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات کو بڑا سمجھو۔ اللہ کو راضی کرلو، رب کو منالو اور اس کے لیے حضور ﷺ کے راستے کو اختیار کرلو تا کہ یوں نہ ہو جائے کہ اُس غریب کا ہوا تھا، جو شہزادی پر عاشق تھا اور اپنے دوست سے کہا تھا کہ آدھا معاملہ تو طے ہوا کہا کہ میں تو پورا راضی، اب اگر وہ راضی ہو جائے۔

دینی محنت

تو اس کے لیے ہم عرض کریں کہ جس طرح آپ یہاں آکر وقت لگاتے ہیں اور کچھ بن جاتے ہیں۔ کوئی بی۔ اے ہو جاتا ہے، کوئی ایم۔ بی بی۔ ایس ہو جاتا ہے تو اس مقصد سے ذرا ہٹ کر خدا تمہارا مقصود اور حبیب پاک ﷺ کا طریقہ تمہارا معمول بن جائے تو اس کے لیے آپ سے وقت مانگا جاتا ہے۔ بس یہی مقصد ہوتا ہے کہ یہ خدا کو لے لیں حبیب پاک ﷺ کے طریقے پر تو اس راستے میں جتنی محنت کرے گا اُتنی ہی اُس میں خدا کی محبت اور حبیب پاک ﷺ کا رنگ آجائے گا اور یہ ایک دن میں نہیں ہوتا بلکہ

رنگ لاگت لاوے ہے
سو برس کا روٹھا منو امانت مانے ہے

ایک بوڑھا ہندو تھا، مسلمان ہوا۔ ایک شیخ سے بیعت ہوا۔ اُسنے اللہ اللہ بتایا۔ اب جب وہ باہر گیا تو یہ بوڑھا شخص تو تھا ہی، اللہ اللہ کہنا بھول گیا اور رام رام شروع کیا تو شیخ نے کہا کہ یہ کیا شروع کی۔ اُس نے کہا کہ اجی حضرت! اب سو سال کا گھسا ہوا رام ایک ہی دن میں نکالتے ہو اور ہم نے بچپن میں بقراط کا قصہ سنا تھا کہ ایک شخص کی کھوپڑی میں ہزار پا گھسا ہوا تھا۔ اُس نے کھوپڑی کو علیٰحدہ کیا۔ اب یہ خیال ہوا کہ اس کو زنبور سے پکڑ کر علیٰحدہ کر لیں تو

اب کسی نے دیکھا کہ وہ تو اس سے اور بھی اندر گھسے گا اور اس کے نکالنے سے تو مغز بھی ساتھ آجائے گا تو اُس نے مشورہ دیا کہ ایسا نہیں بلکہ شیشے کو تپا کر اس کے اُوپر رکھو تو یہ خود بخود پنجے نکال دے گا۔ تو ہم یوں کہیں کہ یہ دنیا کا ہزار پا جو ہمارے دلوں پر اپنے پنجے جمائے ہوئے ہے اس کو مجاہدات سے تپا کر نکال لو اور اس کے لیے اپنے اوقات کو جلدی جلدی لکھواؤ۔

ایمان، عبادات اور اخلاق سنوارنے کی محنت

اسلامیہ کالج مسجد پشاور یونیورسٹی (26 مئی 1964ء، بروزِ منگل 7 بجکر 40 منٹ)

میرے عزیزو اور دوستو! ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد ﷺ اس عالم میں انسانیت کی تکمیل کا وہ نسخہ لے کر آئے جس نسخے کے بغیر نہ انسانیت انسانیت کے مقام پر فائز ہو سکتی ہے اور نہ انسان انسان بن سکتا ہے۔ ایک پہلو یہ ہے اور دوسرا یہ کہ یہ نسخہ اگر انسان کے انسان ہونے کے لیے ضروری ہے تو دوسری طرف اس نسخے کے استعمال کے بغیر خداوند قدوس تک پہنچنے تک چارۂ کار نہیں۔ اگر اس نسخے کو کلی طور پر چھوڑ دیا جائے تو کلی طور پر قوم خراب ہو جائے اور اگر جزوی طور پر چھوڑ دیا جائے تو جزوی خرابی آئے گی اور بقول شاعر!

مس خام کو جس نے کندن بنایا
وہ ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

ایمان کی مضبوطی

اور میں تو یہ کہوں کہ ایک ہے کندن بنانا اور ایک ہوتا ہے کیمیا بنانا تو حضور ﷺ کیمیا بنانے والے تھے۔ خداوند قدوس سے انتہائی روحانی قربت اور اس دنیا میں اُونچے سے اُونچا مقام پا سکتا ہے۔ افراد کے لحاظ سے اس نسخے کا پہلا جزو ایمان اور یقینیات جس کو عقائد کہتے ہیں اور یہ دل کا وہ ارادہ اور کیفیت ہوتی ہے جس ارادے، کیفیت اور حال کی بنا پر اگر دوسرا کتنا ہی دلائل دے تو یہ مٹا نہیں کرتی۔ مثلاً آپ نے آگ کو دیکھ لیا اور دوسرا شخص کتنا ہی دلائل دے تو آپ اس کو پانی ماننے کے لیے تیار نہیں تو ایسی پتھر کی لکیر جس کو کوئی مٹا نہ سکے اس کو عقیدہ کہتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے۔ اب تمام دنیا کے لوگ مل کر آپ کو اس کے خلاف دلائل دیں تو آپ کے یقین میں کمی نہ آئے اور اب اس کے بعد یقین قوی ہوتا

چلا جائے اور اتنی حد تک یہ یقین مضبوط ہو جائے جیسے کہ آگ کے جلانے کا ہمیں یقین ہے، اس سے بڑھ کر خدا کا استحضار ہمارے اندر ہو۔ وہ رزاق ہے رزق دینے والے ہیں، وہ نہ چاہے اور پوری دنیا اکٹھی ہو جائے تو اس کی مرضی کے بغیر ایک دانہ نہیں دے سکتی۔ یہ عقیدہ ہے یہ قول نہیں۔ یہ عام بات نہیں یہ حقیقت ایمانیہ ہے اور حقیقت ایمانیہ بول کا نام نہیں۔ یہ دل کے یقین کی صفت ہے اور دل کی یقین کے آئے بغیر ایمان نہیں آتا تو یقنیات کے بارے میں جو عقیدے حضور ﷺ نے بتائے، وہ ہماری قلبی کیفیت ہو، بھوک تو لگی ہو گی اور پیاس بھی لگی ہو گی تو بھوک کے وقت آپ کے پیٹ کی خاص کیفیت ہوتی ہے اور بے چینی کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اُس وقت میں اگر کوئی عقلمند آجائے اور سینکڑوں دلائل دے کہ آپ کو بھوک نہیں لگی تو آپ کہیں کہ او پگلے تو کیا جانے ہماری تو کیفیت بطنی ہے اور تو کہے کہ تجھے بھوک نہیں لگی۔ تو یہ ہے کیفیت بطنیہ اور ایک ہوتی ہے کیفیت باطنیہ۔ تو یہ دل کے تار تار میں ایمان کے اجزا ایسے طور پر چلے جاتے ہیں کہ ایمان کو نکالنا چاہو تو دل نکل جائے۔ ایمان تو وہ ہے کہ لوگ لوہے کی کنگھیوں سے گوشت نوچ ڈالے تو پھر بھی ایمان میں کمی نہ آئے۔ ایک کافر بادشاہ ہے انہوں نے چند مسلمانوں کو گرفتار کیا اور اُن سے کہا کہ ایمان کا انکار کرو تو آزاد ہو لیکن نہیں مانتے۔ اب آگ کی ایک بڑی کڑاہی جو ہے وہ گرم کر لیتے ہیں اور ایک صحابیؓ کو اُس میں ڈالد یتے ہیں اور وہ بالکل جل کر کوئلہ بن جاتے ہیں۔ اب یہ دوسرا دیکھ لیتا ہے۔ آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں تو اب نوکروں نے بات بادشاہ تک پہنچائی تو اُس نے بلایا اور کہا کہ کیوں روتا ہے؟ اب بھی اگر مان لیتا ہے تو خلاص ہو تو اس نے کہا کہ اس لیے نہیں روتا کہ یہی حالت میری ہو گی بلکہ اس لیے روتا ہوں کہ بس اِتنی سی جان ہے کہ چند منٹوں میں ختم ہو جائے۔ آرزو ہے کہ بالوں کے برابر جان ہوں اور اُن کو فدا کیا جائے تو ایمان تو صرف اقوال کا نام نہیں بلکہ اُس حقیقت کا نام ہے جس کی بنیاد پر انسان کی تعمیر کا محل بنا دیا۔ دوزخ کی

سختیاں نگاہوں کے سامنے آجائیں، جنت ایسی دکھائی دے جیسا کہ نگاہوں کے سامنے ہو۔ حضور ﷺ کے ختم نبوت کا ایسا یقین ہو کہ وہ ہمارے دل کی کیفیت ہو۔ دیکھو! ایک شخص ہے ایک وقت میں تو کلمہ پڑھ لیتا ہے اور دوسرے وقت میں یہ یقین نہیں رہتا تو اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یقین کی کمی کی وجہ سے ایمان جاتا ہے بلکہ وہ تو یقین کے انکار سے ہوتا ہے لیکن کمی تو بہر حال ہے تو قدموں کے اُٹھانے سے پہلے سوچ لو کہ حضور ﷺ نے قدم کیسے اُٹھائے؟ لقمہ بنانا چاہو تو اُن اُنگلیوں کی طرف دیکھ لو کہ اُنہوں نے لقمہ کیسے بنایا؟

تو ہر وقت اُس طرف دیکھ لو اور اگر ایک لحہ بھی وہ نقشہ اوجھل ہو گیا تو سمجھ لو کہ کمزوری آگئی تو یہ یقین ہو اور آپ دیکھتے ہیں کہ نماز پڑھ لیتے ہیں لیکن نماز تو مدینے کے منافقین بھی پڑھ لیتے تھے تو میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ کی نماز منافقین کی نماز ہے۔ عقیدے کا نفاق تو اب ختم ہو گیا ہے لیکن وہ کیفیت نہیں جیسے کہ سچے مومن کی ہونی چاہیئے۔ دیکھو! ایک شخص نے کہا کہ شیر ہوتا ہے اور شیر آیا اور اب شیر کو آپ نے خود دیکھا نہ ہو تو کچھ بھی نہ ہو گا اور اگر سچ مُچ کا شیر آیا اور آپ نے دیکھ لیا تو یہ تمام شیر گیدڑوں کی طرح بھاگ جائیں گے۔

ایمان اور اخلاص

عقائد کے بعد عبادات اور پھر اخلاق آتے ہیں اور اخلاق محمد ﷺ کا دوسروں کے ساتھ برتاؤ کا نام ہے۔ اس کے علاوہ تم کتنا بھی Code of Morals بناؤ تو وہ کوئی اخلاق نہیں بلکہ تمام منافقت ہے، دنیاداری ہے۔ کوئی اخلاق جو اخلاق حضور ﷺ والے قدموں کے نیچے نہ ہوں وہ اخلاق نہیں۔ اس کے بعد آتا ہے اخلاص۔ اخلاق کی پہلی بنیاد اخلاص ہے۔ کسی سے ملو تو خدا کے لیے، کسی کو دو تو اخلاص سے۔ تو ظاہر کے لحاظ سے تو طریقۂ محمدیہ ﷺ ہو اور باطن میں ہو اخلاص اور یہی مفہوم ہے حضرت شیخ الہندؒ کے اُس قول کا کہ جس کے پاس

کسی نے کسی کافر کے اخلاق کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا کہ ''ارے کافر کے بھی اخلاق ہوتے ہیں'' اور جس میں اخلاق محمدیہ ؐنہیں تو وہ بھی کوئی بندہ ہے۔ یہ جو عورت آگئی اور دل سے سکون کا چھن جانا یہ کس بنا پر ہے اخلاق محمدیہ ﷺ کے کم ہونے پر اور اس کے ساتھ احترام مسلم اور معاملات کی درستگی ہے اور جتنی بھی معاملات والی یا معاشرت والی اور عبادات والی زندگی درست ہوگی تو زندگی درست ہو جائے۔ اب یہ نسخہ ہے اور یہ نسخہ آئے گا کہاں سے۔ ایک ہو نسخہ اور ایک ہو ڈاکٹر۔ اب ہسپتال نہ ہو، ڈسپنسری نہ ہو تو اس نسخہ کو کوئی پائے گا کیا؟ تو اس کے لیے فرمایا کہ ہر ایک جو ہے روحانی ڈاکٹر ہے، کیسے ڈاکٹر بنایا۔ قرآن میں پڑھا ہوگا ''فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ'' ان کے دِلوں میں مرض ہے اور یہاں کی بیماری قبر میں ختم اور دل کی بیماری ابدالاباد تک کی خرابی کی باعث ہوگی۔ اگر اس کا علاج نہ ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک ڈاکٹر ہو اور اس کے لیے کیا ہو۔ یہاں تو اس کا یہ حال ہے کہ ۱۵ روپے نہ ہو تو نسخہ نہ لکھوائے اور انہوں نے یہ کہا کہ گھر گھر پھرو اور گلی گلی پھرو اور دوائیاں تقسیم کرو اور اُن مریضوں کو دوائی دو جن کو ابھی اپنے مریض ہونے کا علم بھی نہیں ہوتا تو اس میں کیا ہوتا ہے اور اس کے لیے تو وہ لگاتے ہیں۔ ہمارے لاعلموں کی زبان میں ''دُور بین'' تو وہ لگاتے ہیں اور یہ دل کی دھڑکن ختم ہو جائے تو انسان ختم ہو جائے۔ تو انسان ختم ہو جائے اور دِلوں کی دھڑکن ذکر اللہ ہے اور یہ ختم ہو جائے تو دل کی زندگی ختم۔

تو دوستو! بات ختم تو نہیں ہوتی لیکن جو عرض کیا جاتا ہے کہ لیڈی ریڈنگ میں اگر سرجن بنایا جائے اور سرجن تو چھوڑ دو ایک ڈاکٹر بھی بنایا جائے تو کسی سے بات بھی نہیں کرتا اور یوں کہتا ہے کہ یہاں نہیں مجھے گھر پر ملو۔

تو خدا کی قسم! کہ ایمان کا ڈاکٹر بننا اور لوگوں کو دین کی بات بتانا ان جیسے کروڑوں ڈاکٹروں سے اعلیٰ ہے تو جسمانی ڈاکٹر تو وہاں تک کام کرتا ہے جبکہ موت نہ آئی ہو اور روحانی

ڈاکٹری یہاں سے شروع ہوتی ہے، وہاں بھی رہتی ہے تو دوستو! فکر کرو اور دلوں کو دیمک جو لگ گئی اور جو ناسور پکڑ گیا، اس کی فکر کرو۔ اگر تم ایسے پکّے ہوئے تو تمام عالم کا نقشہ پلٹ جاتا۔ دوستو! سوچ لو، پچاس کروڑ کی تعداد ہو اور پھر بھی ہم یہ نہ کہہ سکیں کہ فلاں جگہ کی حالت دیکھ لو، وہ مثال ہے وہاں آپ کو اسلام کی مکمل تصویر ملے گی۔

فیضان کے حصول کے لیے اولیاء اللہ کی صحبت کی ضرورت

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (2 جون 1964ء، بروزِ منگل بعد از نمازِ عصر)

یہ کس میکدہ سے اُٹھی موج مے ہے
چلی آ رہی ہے جو فیضان ہو کر

فیضان کیا ہے؟

فیضان بہنے کو کہتے ہیں۔ کاریز دیکھی ہے۔ دیکھو! مفیض حقیقی ایک اللہ کی ذات ہے۔ ہدایت کے تمام چشمے اور سوتے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے پھوٹتے ہیں۔ اسی طور پر فیضان کا اصل منبع ذات حق ہے۔ خداوندی قدوس کی ذاتِ عالی کا انعکاس دِلوں پر پڑتا ہے۔ بعض اوقات جب ارادۂ الٰہی ہوتا ہے ایک صفت متوجہ ہوتی ہے۔ بعض دفعہ کئی صفات اللہ مل کر ان کا پرتو اور فیضان پڑتا ہے۔ بعض اوقات صفات اللہ کا مجموعی عکس پڑتا ہے۔ اب ہدایت کے ظہور وجود کے لیے علوم الٰہیہ کا انعکاس بھی ضروری ہے۔ علوم معرفت کا ذریعہ ہیں اور معرفت رب ہی حصول ہدایت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ چونکہ اصلاً عالم ناسوت میں نبیوں کے سینوں کو اپنی ہدایت کا محور بناتے ہیں، نزول گاہیں ہوتی ہیں، انبیاء علیہم السلام کے سینے، متواتر جیسے کہ سانس آتا جاتا ہے۔ سانس کٹ جائے تو انسانی زندگی ختم ہو جائے۔ اسی طرح بغیر کسی انفکاک کے علوم الٰہیہ کا سیلان انبیاء علیہم السلام کے سینوں پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ گویا انجینئروں کی اصطلاح میں Reserroir یعنی خزینہ معرفت و ہدایت بن جاتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام کے سینے نور ہدایت کے گنجینے ہوتے ہیں جہاں کہ ہر آن خداوند قدوس کی طرف سے

علوم وہدایات کا ورود ہوتا ہے جیسے کہ ایک شمع ہو اور اس کو جلاؤ تو ایک دائرہ کی شکل میں نظر آئے گی۔ اسی طرح یہ ایک تسلسل لڑی سی دکھائی دیتی ہے۔ اب سینہ نبوت جو معرفت کا گنجینہ ہوا، کبھی فوّارہ دیکھا ہے، اُس میں پانی آتا ہے کہاں سے؟ کسی نیچے نلکے وغیرہ سے وہ دکھائی نہیں دیتا لیکن جو نچلے زور سے آتا ہے کہ پانی دور دور تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی طور پر حکمت وعادت الٰہیہ یہ ہے کہ نبی کے سینے کو فوّارۂ علوم وہدایت بناتا ہے آتا ہے خدا سے اور پھوٹتا رہتا ہے اور بعض فوّارہ دُور دُور تک پانی پھینکتا ہے۔ اب نبی کی نسبت جتنی دُور رَس ہوگی اُتنی ہی اس کی پہنچ ہوتی ہے۔ اگر بنی اسرائیل والا پیغمبر ہے تو اُس کی نسبت کی اُن تک پہنچ ہوگی اور اگر حضور ﷺ ہیں تو آپ کا فیضان پورے عالم کو عام ہوگا۔

تو مفیض حقیقی خداوند قدوس کی ذات ہے جس نے حبیب پاک ﷺ کے سینہ مبارک کو ذریعہ فیضان بنایا ہے اور فیضان اِتنا ہے جیسا کہ میں نے کہا کہ اگر عالمگیر اور دائمی نسبت ہوگی تو فیض بھی عالمگیر اور دائمی ہوگا اور یہی ہمارے حبیب پاک ﷺ کی نسبت ہے۔ ہمارے حضرت سید صاحبؒ کا ملفوظ ہے کہ ”نبی پاک ﷺ کے فیوض وبرکات ہر زمان میں جاری وساری ہیں۔ اپنے میں استعداد اور ملکہ ہونا چاہیئے“۔ اب نبی پاک ﷺ کے سینے سے ہر وقت فیض جاری ہے۔ بعض لوگ یوں کہیں جن کو توحید کا ہیضہ ہوجاتا ہے وہ یوں کہیں کہ پردہ فرمانے کے بعد فیضان کی بقا کیسے ہوسکتی ہے۔ بات یہ ہے جیسے معجزہ فعل نبوت نہیں کرامت فعل ولی نہیں، کرامت فعل ہے اللہ کا جس کو ان کی شان بڑھانے کے لیے اللہ ان کے ذریعے سے ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ کا فیضان ہر وقت مستمر ہے۔ وہ نبی کے سینے سے حیات میں اور پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری ہوتا ہے۔ حق میں نہ کوئی تغیر آتا ہے نہ انتقال زمانی ہے اور نہ مکانی تو جس ذات کو وہ محل بنائیں گے اپنے فیضان کے اجرا کا، اُس فیضان کے انقطاع کا کوئی سبب نہیں ہوتا۔ بات دراصل وہاں اَڑ جاتی ہے جبکہ ہم نبی کو دیکھتے ہیں لیکن اس کے بھیجنے والے کو نہیں دیکھتے۔ معراج میں اشکال کیوں ہے۔ ہم جانے والے کو تو دیکھیں اور

لے جانے والے کو نہ دیکھیں تو اول تو انبیاء علیہم السلام کے جسم جو ہیں وہ بھی زمین پر حرام ہیں اور دوسرے نبی کی روحانیت اِتنی قوی اور اُونچی ہوتی ہے اور اصل اجرا بھی نبی کے فیض سے ہوتا ہے اور وصال کے بعد یہ روحانیت کمزور نہیں ہوتی بلکہ اور قوی ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر یہ اشکال تو قطعی غلط ہوا کہ فیضان باقی نہیں رہتا۔ اب اس فیض کے لینے کے لیے اپنے اندر استعداد کی ضرورت ہے۔ اس کی مثال "Radiology" سے دیتا ہوں۔ اس میں ایک اُصول ہے کہ آواز کی Waves (لہریں) فضا میں موجود ہیں پرانی بھی اور نئی بھی اور جو نئی آوازیں ہیں اُن کو اگر ہوا میں اس طرح پھینکا جائے کہ وہ "Frequencies" کے مقابلے میں لینے والا کوئی ایسا آلہ ہو کہ اس کو Catch کر سکیں تو وہ آواز پیدا ہوتی ہے۔ تو جس طرح ان آوازوں کو Catch کرنے کے لیے آلے میں استعداد ہو تو وہ ان آوازوں کو Catch کر سکے گا۔ اسی طرح بلا تشبیہ عرض کروں کہ نبی پاک ﷺ کا فیضان ہواؤں میں بھی ہے، فضاؤں میں بھی ہے لیکن ملتا نہیں اُن لوگوں کو جن کی شرائط درست نہیں۔ اپنے ریڈیو کے Valres درست کر لو تو پھر دیکھ لو کہ کیسے Catch کرتا ہے۔ تو شرائط کیا ہیں۔ پہلی شرط ہے توحید، توحید کامل کرنا اور حقیقی توحید کا لینا، توحید کے ہیضے کو نہ لینا اور پھر رسالت کی شرائط کو درست کرنا۔ اپنے میں اِتنی قوت ہو کہ وہاں کے پاور ہاؤس سے کچھ لے سکے تاکہ "Load" کو برداشت کر سکے اور یہ پیدا ہوتی ہے توحید سے، رسالت کے اقرار سے، خدمت دین سے، بزرگوں کی صحبت سے۔ تو جیسے کہ ایک "Main Station" ہوتا ہے تو انبیاء علیہم السلام کے سینے جو ہیں وہ مرکز ہدایت ہیں اور اولیاء کے سینوں پر فیضان ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سینوں سے، اولیاء نائبین انبیاء ہیں جیسے کہ آئینے میں عکس آجاتا ہے۔ اتنے بڑے عظیم ہیں اور یہ اُس میں اِتنا چھوٹا سا دکھائی دے۔ اب ہر ولی کا آئینہ جتنا صاف و شفاف ہو گا اُتنا ہی اُس میں یہ عکس پڑے گا اور پھر اُس "Sub-station" سے اوروں کو تقسیم ہو گا۔ بہر حال ہر ولی کو اس کے بقدر جتنی دیر تک خدا رکھنا چاہے یہ فیضان جاری رہتا ہے۔

موت کے بعد والی زندگی کے لیے محنت کی ضرورت

اسلامیہ کالج مسجد پشاور یونیورسٹی (2جون 1964ء، بروزِ منگل بعد از نمازِ مغرب)

نہرو اور گاندھی کی مثال

عزیزو اور دوستو! انسان کو اس دنیا سے ایک روز جانا ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جسے کوئی بھی جھٹلا نہیں سکتا۔ دہریہ خدا کی ذات کا انکار کرے گا لیکن موت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح عیسائی اور یہودی حضور ﷺ کی ذات کا انکار کرے لیکن موت کا نہیں اور موت کا کمال یہ ہے کہ یہ آتی ہے اور ایسی آتی ہے کہ ہمیں بھی اچک کر لے جاتی ہے۔ آپ نے سنا ہو گا کہ ہمارے اس ملک کے قریب ایک ملک ہے جس کے تھے بڑے نہرو مہاراج اُس سے کسی نے پوچھا کہ اپنا جانشین کیوں نہیں مقرر کرتے تو کہا کہ ابھی تو میں بہت جیوں گا تو ہم نے جو یہ خبر پڑھی تو یہ خیال ہوا کہ اس کی موت آئی اور دو تین دن کے بعد چل بسے۔ اسی طرح اس کے گُرو گاندھی جی نے کہا کہ میں ایک سو بیس سال کی زندگی پاؤں گا تو اُس دن کسی نے گولی ماردی اور کام تمام کیا۔ تو جب موت کے آنے کا یہ حال ہے کہ ضرور آنی ہے تو اب ہم دین کو اپناتے کیوں نہیں؟ اور دنیا پر دن رات پڑے ہوئے ہیں۔ اس کی تو وہی مثال ہے کہ ایک شخص تو اَٹھنی (آٹھ آنے، پرانے روپے کا آدھا حصہ) کو تو بڑے بڑے تھالے لگائے اور پھر ان کی خوب چوکیداری کرے اور لاکھوں کروڑوں روپے ویسے بغیر کسی احتیاط کے رکھے تو یہ کیسی عقلمندی ہے کہ دین جو قیمتی ہے اُس کی تو پرواہ نہیں کرتے اور دنیا کی فکر ہے تو اب بات یہ ہے کہ نبی کہتا ہے کہ یہ نہیں سمجھتے اَٹھنی کو تو بچاتے ہیں اور کروڑوں کو برباد کرتے ہیں۔ اللہ جس کے سامنے ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی ہے۔ اُس نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے بتایا اُن اعمال کو جس سے موت تک کی بھی اور بعد کی زندگی بنتی ہے۔ دیکھو بھئی! اگر ہمیں ایسا آلہ دیا

جائے جس کے ذریعے ہم اُن سے بات کر سکیں جو بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہو اور اُس کو یہ کہیں کہ دیکھو اِتنی بڑی دنیا ہے لیکن یہاں کے آنے کے لیے وہاں ماں کے پیٹ میں ماں کا خون پینا ورنہ اس زندگی کے آنے کے قابل نہیں رہے گا تو وہ کہے کہ کیسے پگلوں کی بات کہتا ہے تو اسی طرح انبیاء علیہم السلام پر موت کے بعد کی زندگی کھلی ہوتی ہے۔ وہ آنکھوں والے ہوتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ اگر انسانوں نے اس زندگی کے بنانے کی کوشش نہیں کی تو یہ گڑھے میں گر جائیں گے۔ تو اب یہ زندگی کیسے درست ہوگی۔ ظاہر کو درست کرلو اور باطن کو۔ عقیدہ وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام بتاتے ہیں وہی یقین ہو، وہی ایمان ہو اور وہی اعمال ہوں جن کو اعمالِ صالحہ کہتے ہیں۔

اب اس کے لیے انبیاء علیہم السلام نے بھی محنتیں کیں، صحابہؓ نے بھی کیں اور اولیاء اللہ نے کی اور آج بھی یہی محنت باقی ہے۔ یہ ایک ایسی بدیہی چیز ہے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں لوگ منہ سے کھانا کھاتے تھے، آنکھوں سے نہیں کھاتے تھے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے یہی بتایا کہ ایمان اس طرح آئے گا۔ اگر دنیا کو مقصود بنالیا تو یہ دنیا جس طرح خود فنا ہونے والی ہے تم بھی فنا ہو جاؤ گے۔ ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شُد۔

وہ بقولِ مولانا:

گلِ مخور گلِ رامخر گلِ را مجو
زانکہ گل خوار است دائم زرد رو

(مٹی مت کھاؤ، نہ اس کو خرید اور نہ ڈھونڈو کیونکہ مٹی کھانے والا ہمیشہ بیمار اور زرد رو رہتا ہے۔)

یہاں گلِ سے مراد دنیا ہے تو کہا کہ دنیا پر اپنی کوششوں کو صَرف نہ کرو بلکہ خدا کو لے لو۔ تو ہم یوں کہیں کہ اِس دنیا میں جبکہ مادیت کا انتہائی عروج ہے تو ہم اگر یوں کہیں کہ

ہماری زندگی بن جائے، ہماری زندگی اللہ والی ہو جائے اور پھر حضور ﷺ کی زندگی ہم میں آجائے۔ اس کے لیے کچھ اوقات لگالیں اور یہ ایک اِتنی بڑی چیز ہے جس کے رائج کرنے کے لیے اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور جس کے لیے انبیاء علیہم السلام نے اپنی جانیں کھپائیں۔ یہ ابلیسی نظام نہیں کہ ویسے ہی چل پڑے گا۔ ایک بات عرض کر دوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''صَلِّ صِلَاۃً مُّوَدِّعٍ'' (نماز ایسی پڑھو جیسے یہ تیری آخری نماز ہو۔)[71]

ایسی نماز پڑھو جیسے کہ ایک رخصت ہونے والا نماز پڑھتا ہے۔ یہ وداعی نماز ہے تو اگر ایسی نماز پڑھوگے تو اُس نماز میں کیا ہو گا۔ اُس میں مزہ آئے گا، چَس ہو گی اور کیا ہو گا۔

خرم آن روز کہ ازین منزل ویران بردم
راحتِ جان طلبم وسوئے جانان بروم

(میرے لیے وہ دِن خوشی کا دِن ہے جبکہ میں اس دُنیا کے ویرانے کو چھوڑ کر چلا جاؤں۔ جہاں میری جان راحتیں ہو اور اپنے محبوب کے پاس چلا جاؤں۔)

وہ ہمارے ایک عزیز گئے تھے مچھر ماری کے سلسلے میں صدر ایوب کے پاس تو وہ اِتنے خوش تھے کہ بات بھی نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو صدر ایوب کے پاس گئے تھے تو جس نے صدر ایوب کو بھی پیدا کیا ہے اس کے ملنے سے کیا ہو گا۔ وہ بقولِ غالب!

کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا؟

تو یہی یقین ہو کہ میاں سے ملنا ہے تو خوشی سے مر نہ جاتے۔ پھر تو وہ نماز خبیبؓ والی

---

[71] ۔ عن ابی ایوب: قاہ رسول اللہ ﷺ: اذا قمت فی صلٰواتك فصل صلاۃ مودع، ولا تکلم تعتذر منہ، و اجمع الایاس مما فی أیدی الناس''۔ (رواہ احمد فی السند ۳۸/۴۸۴، برقم: ۲۳۴۹۸، رواہ ابن ماجہ ۴۱۷۱ و صححہ الشیخ الألبانی فی السلسۃ الصحیحۃ ۴۰۱)

ہو گی جن کو پھانسی سے پہلے نماز کا موقع دیا گیا تو کہا کہ جی تو چاہتا تھا کہ خوب لمبی نماز پڑھ لوں لیکن اس خیال سے کہ یہ مکہ کے کافر کہیں کہ موت سے ڈر گیا اس لیے مختصر کی تو دِلوں میں وہ سرور نہیں جو نماز پڑھتے وقت ہونا چاہیئے۔

صفیں کج دِل پریشان سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

کلیں ہیں جو کہ پھرتی ہیں جیسے کہ وہ حدیث میں آتا ہے کہ پھریں گے لاتعداد انسان ڈھور ڈنگروں کی طرح لیکن خدا پرواہ نہیں کرے گا کہ کون سی وادی میں ہلاک ہو جائیں۔ تو دوستو! ویسے بھی جانا ہے تو اس کے لیے اپنے بناؤ کی فکر کرو اور اگر فکر نہ کی تو ایسی پٹائی ہو گی کہ اماں یاد آجائے تو اس کے لیے کوشش کرو۔ ذہن مسخ ہو گئے اور جب کوئی بات کہے تو یقین نہیں آتا۔ وہ کل میرے پاس فرانسیسی آئے تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اسلام کا موجودہ تہذیب پر کیا Impact ہو گا، کیا اثر ہو گا تو لمبی چوڑی بات ہو گئی تو میں عرض کروں کہ سب سے بڑا اثر تو یہ ہے کہ اس کے ذریعے تعلق کا ڈورا ٹوٹ گیا۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور روح پر محنت

مسجد خواجہ معروف پشاور شہر (3 جون 1964ء، شبِ جمعہ)

جسم اور روح کی بناوٹ

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے خصوصی طور پر لینے کے لیے پیدا کیا اور اس کے طریقے بیان فرمائے۔ اب جسم کے لحاظ سے دیکھو۔ گھاس پھوس بنتی ہے، گائیں بنتی ہیں اور جانور بنتے ہیں۔ جتنا بھی کسی کے حجم اور جسم کو بڑھانا چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ میں چاہوں کہ میری تین آنکھیں ہو جائیں تو نہیں ہو سکتیں۔ چار کان بنانا چاہیں اور دو زبانیں چاہیں تو اس پر کوئی اختیار نہیں لیکن اس سے بڑی چیز روح ہے اور انسان کی روح کی بقا اور اس کی ترقی اور بڑھوتری اللہ کے ارادے پر موقوف ہے اور اس کے بننے کے طریقے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بتائے۔ کافر کے اندر بھی جان ہے، مومن کے اندر بھی جان ہے اور ایک خاص مومن کے اندر بھی جان ہے، نبی کے اندر بھی جان ہے اور سید الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اندر بھی جان ہے تو اس روح کی ترقیات کے لیے انبیاء علیہم السلام نے طریقے بتائے۔ انہوں نے کہا کہ جسم تو بنتا جائے گا لیکن ایک دن تجھ کو چھوڑے گا اور روح تیرے ساتھ رہے گی۔ قبر کے اندر تیرے جسم کا یہ حال ہو جائے گا کہ اگر تیرے چاہنے والے، تیرے قبر کے اندر جو حال ہو گا وہ دیکھیں تو بھاگ جائیں۔ ہمارے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ قبر کے اندر بعض مردوں کا جو حال ہو گا اور ان پر جو عذاب ہو گا اگر اُن کو میں تم کو دِکھا دوں تو تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے۔

ہارون الرشید اور بہلول دانا

ہارون الرشید جس کے قبضے کے میں اِتنی سلطنت تھی کہ جس نے ایک دن بادل

کے ٹکڑے کو کہا کہ اے بادل جا اور جہاں تو چاہے برس جا، تیر اخراج مجھے پہنچے گا تو ایک پگلا ظاہر کے لحاظ سے لیکن حقیقت میں فرزانہ تھا یعنی بہلول دانا لیکن پگلوں کی بستی میں تھا اس لیے اُس کو دیوانہ نہ کہا جائے تو کیا کہے گا تو ابھی تیرے ملک کے قریب ایک عقلمند تھا یعنی جواہر لال نہرو جس کو کہ مرنے سے تین چار دن پہلے کہا گیا کہ اپنا جانشین کیوں نہیں بناتے تو اُس نے کہا کہ ابھی تو میں کافی عرصہ جیوں گا تو اللہ نے بتایا کہ تو کس طرح جیتا ہے اور اب حال یہ ہے کہ اگر راکھ میں ڈھونڈا جائے تو جسم کے ذرات مشکل سے ملیں گے تو اُس فرزانے پر بادشاہ کا گزر ہوا تو کہا کہ کیا کرتا ہے۔ اُس نے کہا کہ یہ دو کھوپڑیاں ہیں۔ ایک تیرے باپ کی اور ایک میرے باپ کی۔ اس میں دیکھتا ہوں کہ تیرے باپ کی کھوپڑی کون سی ہے اور میرے باپ کی کون سی اور مولانا روم نے ابتداہی میں ایک قصہ بیان کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے:

عشق کز پئے رنگے بود
عشق نہ بود عاقبت ننگے بود

(محبت کی بنیاد اگر صرف ظاہر کا رنگ و روغن ہو تو وہ محبت کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ اس کا آخری انجام شرمساری کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔)

روح کا اثر جسم پر

(کہ جو محبت صرف ظہاری رنگ کی بنا پر ہوتی ہے تو اس کا انجام سوائے ننگ و ناموس کی بربادی کے اور کچھ نہ ہو) تو اللہ کے بندو! اگر روح کو بناؤ گے تو روح کے تعلق سے جسم کی یہ حالت ہو گی کہ اُس پر بھی زوال نہیں آئے گا۔ مولانا فرماتے ہیں:

جسد خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

(عشق کی برکت سے خاکی جسم افلاک کی سیر کر گئی، پہاڑ بھی رقص اور مستی میں

آنے لگا۔)

ہمارے آقا کا وجود اطہر مٹی ہی سے تو بنا تھا لیکن روح کے تعلق سے وہاں پہنچ گیا جہاں کہ جبریلؑ کی روحانیت بھی نہیں پہنچ سکتی تھی اس لیے فرمایا گیا کہ ہم انبیاء علیہم السلام کا جسم مٹی پر حرام کیا گیا۔ اس کو مٹی نہیں کھا سکتی ہے اور اس پر بس نہیں بلکہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ترقیات نقل مکانی پر ختم نہیں ہوتیں بلکہ اُن کے وصال کے بعد بھی برابر ترقی ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام تو بہت بڑی ذاتیں ہیں بلکہ اولیاء اللہ میں ایک کے متعلق آتا ہے کہ ایک شہید کو دفنایا گیا تھا۔ اس کو بعد میں جو نکالنا چاہا تو اس نے اپنے ہاتھ کو اپنے زخم پر رکھا تھا۔ جب اُس سے ہٹایا گیا تو پھر تازہ خون نکلنے لگا تو جو لوگ اللہ کے اپنے ہوتے ہیں جنہوں نے روح کو بنایا ہوا ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ اللہ کا معاملہ اور قسم کا ہوتا ہے اور تم تو اپنے روپوں کوڑیوں کو خوب سنبھال کر رکھ دو، بینک میں حفاظت کرو اور اللہ اپنے بندوں کی حفاظت نہ کرے۔

روح عالم امر سے ہے۔ ”وَ نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ“ (الحجر ۱۵: ۲۹) (اور اللہ تعالیٰ نے اُس میں اپنی نسبت والی روح پھونک دی) تو جتنی بھی اوامر الٰہیہ کی پابندی کروگے تو روح بڑھتی چلی جائے گی اور جتنی بھی اس سے اپنی توجہ ہٹاؤ گے تو نام کے تو زندہ ہوگے لیکن حقیقت یہ ہوگی ”ثُمَّ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَ لَا یَحۡیٰی“ (الاعلیٰ ۸۷: ۱۳) (پھر وہاں نہ مرے گا نہ جیئے گا) نہ زندہ ہوگا نہ مُردہ اور دیکھو ایک نیم جان لاش ہے جو آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتی، کانوں سے سُن نہیں سکتا، جان مفلوم ہو چکی ہے، کروٹ بدل نہیں سکتا لیکن صرف ایک نبض ہے جو چلتی ہے تو ایسی بے جان لاش کو آپ زندہ کہیں گے یا مُردہ۔ تو اسی طور پر کافروں کی ارواح ہوتی ہیں تو اگر آپ روح کا ایک خاص مقصد متعین نہیں کریں گے اس کو پابند نہیں کریں گے تو روح پریشان ہو جائے گی۔ اطمینان نہیں رہے گی۔

مولانا صاحبؒ اور دو فرانسیسی فلسفی

چند دِن ہوئے کہ فرانس کے دو فلاسفر میرے پاس آئے تھے اور کہا کہ تم تو یورپ جا چکے ہو اور اس کو دیکھ چکے ہو تو یورپ کی موجودہ تہذیب کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس سے انسان سے وہ رَسّی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو لے سکتا تھا وہ اس سے چھوٹ گئی اور ظاہر میں یہ خواہ کتنی ہی چمکدار نظر آئے لیکن حقیقت میں یہ کافر کی گور کی مانند ہے جس کے متعلق مولانا نے فرمایا کہ

ظاہرش چوں گور کافر پُر حُلَل
و اندرش قہر خدائے عز و جل

(اس کا ظاہر کافر کی قبر کی طرح خوبصورت لگتا ہے لیکن اس کا اندرون قہر خداوندی سے بھرا رہتا ہے۔)

عذاب والی جگہوں کے اثرات

میں جب کالج جایا کرتا تھا تو راستے میں گوروں کا قبرستان نظر آتا ہے۔ وہاں دو بھلے چھنگے کھڑے پہرہ دے رہے تھے تو میں نے کہا: دیکھو! ان غریبوں کو کیا ہو گیا ہے کیونکہ ہر ایک چیز کے اپنے اثرات ہوتے ہیں۔ ان پر لعنت اُترتی ہے اور زیادہ دیر تک ان کے ساتھ ٹھہرنا بھی سختی کا سبب بنتا ہے۔ جب حضور ﷺ ثمود کی بستیوں سے گزر رہے تھے تو فرمایا کہ جلدی گزرو کہ یہ وہ بستی ہے کہ جس پر اللہ کا عذاب نازل ہو گیا تھا اور ایک صحابی نے وہاں کے پانی سے آٹے کو گوندھا تھا تو وہ بھی وہاں پر پھینک دیا گیا تو آج ظواہر کی دنیا میں کسی کو دکھائی نہ دے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر ایک چیز کے اپنے اثرات ہیں۔ تو روح پر اثرات پڑتے ہیں اور یہ اثرات اس کے اُوپر مختلف حالات کو لاتے ہیں۔ روح تو اللہ کو مانگتی ہے۔ ظلم کرتے ہیں وہ لوگ اپنی جانوں پر جو کہ اس کو دوسری چیزوں میں مشغول کرتے ہیں۔

ماہ من گر بتماشا سوئے بحر جو آید
ماہیاں شور بر آرند کہ ماہے ماہے

(میری چاند (محبوب) اگر ندی کی طرف تماشا کے لیے آئے تو مچھلیاں آسمان سر پر اُٹھا کر کہنے لگیں کہ اصلی چاند آیا اصلی چاند آیا۔)

وہ کسی ظاہری شاعر نے کہا تھا:

بیٹھے رہیں تصورِ جانان کیے ہوئے

مولانا نے فرمایا:

قلب را تابان کن از انوارماہ
تا کہ از آسیب شُد دِل سیاہ

(دِل کو چاند (یعنی حقیقی نُور) سے منور کر کیونکہ شیطان کے تاریکیوں سے بالکل سیاہ تو ابن گئی۔)

تو اس وجہ سے لَآ اِلٰہَ میں ہر چیز کی مقصودیت، مطلوبیت اور محبوبیت کی نفی ہے۔ تمہارے دل کے اندر کسی دوسری چیز کی محبوبیت، مطلوبیت باقی نہ رہے۔ ایک غبارے میں ہوا بھری جائے اور پھر اُس کو چھوڑ دیا تو وہ تو اُوپر اُڑ جائے اور جس دل میں اللہ کا تعلق آ جائے وہ یہیں رہے، عرش پر نہ اُڑے۔

دل فراز عرش باشد نے بہ پست

(دِل کا اُڑان اُوپر عرش کی طرف ہے نہ کہ نیچے کی طرف جو خواہشات کا منزل ہے۔)

معرفت کی بے قدری

وہ اسی گھاس پھوس پر رہے، ہمارے ایک بزرگ تھے۔ ایک آدمی نے دعوت کی۔

اُس نے فیرنی رکھی تو وہ جو کہ موٹے موٹے چاولوں کا کھانے والا تھا۔ اُس نے جو فیرنی دیکھی تو کہا کہ یہ کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ فیرنی۔ اُس نے کہا یہ تھوک سا معلوم ہوتی ہے تو جو اندھے ہوتے ہیں، جو پگلے ہوتے ہیں، وہ اللہ کی قدر نہیں کرتے ہیں۔ ''مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ'' اور جب کہ خدا کی قدر نہیں پہچانی، تو اوروں کی قدر کیا پہچانے۔ اسی طرح ہم نے حبیب پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قدر نہیں پہچانی اور دیکھو! حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جو کہ سید المحبوبین تھے۔ اور بقول ہمارے حضرتؒ کے:

تصویر پہ خود اپنی مصور بھی فدا ہے

خود بنایا اور خود اُس پر پیار آ گیا۔ اب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ کا سب سے بڑا چاہنے والا اور اللہ اس کے سب سے بڑے قدردان۔ اب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تو اللہ کی محبت میں لگے رہے، اللہ کی معرفت میں مشغول ہو اور دنیا والے ایسے رہیں تو اب دوستو! ایسے پیارے کو جب کہ طائف میں چھوڑ دیا گیا، اللہ کی حکمت تکوینی نے یوں چاہا کہ اِس پر پتھر برس جائیں اور وہ جس کے پاؤں میں کانٹا چبھ جانا سینکڑوں بھونچالوں سے زیادہ اشد ہے تو کیوں اِتنے پتھر برسائے اور اِتنی تکلیفیں دی گئیں اور دیکھو! ایک معمولی سا انسان جو آتا ہے یعنی پریزیڈنٹ صاحب تو یہاں ہل چل مچی ہوتی ہے۔ دروازے بن رہے ہیں، سپاہی کھڑے ہیں اور وہ جو آتے ہیں، ایسے گزرتے ہیں کہ کسی کو دیکھتے نہیں اور یہ جا وہ جا چلے جاتے ہیں تو آپ پر پتھر پڑ گیا اور جبال کی ملکہ نہ آئے، کیوں نہ آئے جبکہ ظاہر والے معمولی انسان کا یہ حال ہے تو اللہ کے پیاروں کے لیے کائنات مسخر نہ ہو۔ وہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک دفعہ کوہِ اُحد پر مع ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کھڑے تھے تو پہاڑ ہِل گیا تو کہا کہ کیوں ہلتا ہے تم پر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا اور کوئی نہیں اور یہ تو کائنات کی بقا کے لیے آتے ہیں، اعمال صالحہ سے دنیا کی بقا ہے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جو کہ دنیا میں اللہ کے سب سے زیادہ چاہنے والے تھے، اُن کا جی چاہتا ہو گا کہ اللہ

کی معرفت میں مشغول رہے۔ جنہوں نے یہ فرمایا: ''اِنَّ فِی الصَّلٰوۃَ لَشُغْلًا''۔(مسلم، بخاری، حدیث:۳۸۷۵)(بیشک نماز میں خاص مشغولیت ہوتی ہے۔) تو کیوں گلی گلی پھرایا۔ دوستو! یہ اللہ کے بندے بڑے رحیم و کریم ہوتے ہیں اور وہ تو اُونچی ذاتیں ہوتی ہیں۔ صحابہؓ کے متعلق فرمایا: ''وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ''۔(الحشر:۹،۵۹) (اور ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں چاہے اُن پر تنگدستی کی حالت گزر رہی ہو۔)

روح کی زندگی

تو روح کی زندگی ہے خدا کے تعلق میں، خداوند قدوس کے احکام کی تابعداری میں۔ ایک شخص کو انتہائی سردی لگ گئی، لرزتا ہے اور اُس کو جا کر سورج کی گرمائش میں ڈال دو تو جب گرمائش پہنچ جاتی ہے اور اس میں جان سی آجاتی ہے، اُس میں حرکت آتی ہے تو اسی طرح اللہ پر یقین رکھتے ہوئے اگر اللہ کے اوامر پر اللہ کی مرضی کو حاصل کرنے کے لیے محنت کی جائے تو روح میں جان آجائے۔ روح بن جائے، غیر کا یقین نکل جائے، خدا کا یقین آجائے۔ انبیاء علیہم السلام اولاً اولاً روپے پیسوں کے بانٹنے کے لیے نہیں آتے۔ وہ اگر کچھ دیتے بھی ہیں تو باطنی اصلاح کی غرض سے۔

حضور ﷺ کی فیاضی

وہ ایک نئے نئے صحابی دیہاتی آتے ہیں۔ حضور ﷺ وادی میں کھڑے ہیں اور بنی ہوازن کی بھیڑیں آئی ہوئی ہیں تو کہتا ہے: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ایک سوال کروں گا اور سختی سے کروں گا۔ تو فرمایا: کہہ۔ تو عرض کیا کہ مجھے کچھ دے دیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان دو وادیوں کے درمیان جو کچھ بھیڑیں ہیں اُس کو لے جا۔ تو اُس نے کہا کہ اللہ کا نبی ہو کر بھی مذاق کرتا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں کی زبان سے جو کچھ نکل جائے چاہے غصے کی حالت میں ہو، وہ حق ہوتا ہے۔ تو اُس نے جب وہ لے لیں اور اپنے قبیلے

کے پاس چلا گیا تو کہا کہ اے لوگو! مسلمان ہو جاؤ۔ محمد ﷺ اِتنا دیتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جو ظاہر کا اِتنا خیال رکھیں تو وہ باطن کے خیال کے لیے کیا کچھ نہیں کریں گے۔ اُن پر قبر کے احوال کھلے ہوئے ہوتے ہیں، حشر کے احوال کھلے ہوتے ہیں، صراط کے احوال کھلے ہوں تو وہ اُس کے متعلق کیا کچھ نہ کرے۔ تو وہ یوں کہتے ہیں کہ جسم پر محنت کرو گے تو وہ خوراک کھا کر ماں بن جائے گا اور روح پر محنت کی تو جسم بھی بن جائے گا اور روح بھی۔

ایک بزرگ اور پانی نہ پینے کی وجہ

وہ ایک بزرگ کے متعلق آتا ہے کہ پیاس لگی تو اس حالت میں ایک خوب صاف و شفاف پانی کا پیالہ دیا گیا تو اُس نے جو منہ کے نزدیک کیا تو ہٹایا۔ کیوں ہٹایا؟ فرمایا کہ مجھے اس سے مُردے کی کھوپڑی کی بُو آئی جو کہ پچاس سال پہلے انسان تھا۔ تو دیکھ لو بھائی! آج کل کے جو برتن ہم استعمال کرتے ہیں کیا معلوم کہ یہ ہمارے آباؤ اجداد کے جسم کے ذرات نہ ہوں۔ وہ ریڈیو ہوتا ہے، اُس کو یوں یوں پھراتے ہیں اور کبھی تو ماسکو آئے اور کبھی واشنگٹن آئے، کبھی پھراتا ہے لیکن سٹیشن آتا نہیں۔ تو کہہ لیتے ہیں مستری کے پاس لے چلو۔ وہاں جا کر وہ کہتا ہے کہ اس کے وال جل گئے ہیں اس لیے یہ سٹیشن کو Catch نہیں کرتا۔ تو وہ تین سو تیرہ ہو کر دنیا بدل ڈالیں اور یہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ہو کر کبھی ماسکو کے آگے سجدہ کریں اور کبھی واشنگٹن کے سامنے۔

صفیں کج دل پریشان سجدہ بے ذوق
کہ سوز اندروں باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تُو باقی نہیں ہے

تو سب کچھ ہے لیکن سوز اندرون باقی نہیں۔ دیکھو بھائی! تم میں سے کوئی سو سال پہلے تھا اور اب سے سو سال کے بعد کوئی باقی رہے گا کوئی "Exceptional Case" ہو تو ہو۔ تو اب جبکہ ان چیزوں کا یہ حال ہے۔ زندگی کی یہ حالت ہے تو کیوں نہ اُس زندگی کی فکر کی جائے جو کہ ہمیشہ والی زندگی ہے اور اب تو یہ حال ہے کہ مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو بھی گانے کی آواز آتی ہے اور اب یہاں جو ایک مٹی کا غبار آجائے تو تمام اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں اور گناہوں کے غبار جو دِلوں پر پڑتے رہتے ہیں تو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ تو دوستو! قبل اس کے کہ چار آدمی اُٹھالیں، چار مہینے اللہ کے لیے خالص کرو۔ جب اللہ کا ہرکارہ آجائے تو مجمعوں میں بیٹھے ہوں گے کہ اُٹھا لیے جائیں گے اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوگی۔ تو جب اللہ ہم سے راضی ہو جائیں، حضور ﷺ والی زندگی ہم میں آجائے تو اس کے لیے کچھ اوقات کو فارغ کرو۔

باطن کی اصلاح اور اہل اللہ کی صحبت

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (7 جون 1964ء، بروزِ اتوار بعد از نمازِ عصر)

ظاہر اور باطن

لوگ ظاہر کو دیکھتے ہیں حالانکہ باطن اصل ہے اور ظاہر فرع ہے۔ جسم کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیئے لیکن باطن کی زیادہ پرواہ ہونی چاہیئے۔ عام طور پر انسان ظاہر کو دیکھتا ہے اور باطن سے غافل ہو جاتا ہے اور یہی باطن سے تغافل عالم کی بربادی کا سبب ہے۔ آپ کہیں گے کہ ہم تو نہیں مانتے۔ لکڑی اور پتھر کا کیا باطن ہو گا۔ آج سے پہلے اگر کوئی شخص کہہ لیتا کہ ذرّے کے اندر اِتنی طاقت ہے اور تو چھوڑ دیں اُس زمانے کے عقلمند سائنسدان بھی اس کو نہ مانتے لیکن آج کل سب ماننے کو تیار ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس کی طاقت اور باطن ہے۔ یہ بھی مادہ ہے۔ مدعا عرض کرنے کا یہ ہے کہ تمام زمانوں اور خصوصاً اس زمانے میں انسان بہکا ہے، بچلا ہے کہ وہ ظاہری خاکوں کو حقیقت سمجھتا ہے اور وہ ہمیشہ یہ کوشش کرتا ہے کہ فلاں کیا ہے؟ کفر اور شرک ہمیشہ ظواہر پرستی سے پیدا ہوتے ہیں۔ بقولِ اقبال!

ذوق نمود در جہاں رسم صنم گری نہاد

(نمود، دکھاوا، ظاہر پرستی سے صنم گری اور صنم پرستی کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔) اگر انسان حقیقت پرستی کی کوشش کرے گا تو خود بخود معلوم ہو جائے گا اور یہ حقیقت کہاں ہے خود تمہارے اندر جو دل ہے۔ اصل میں دل جو ہوتا ہے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ ہے بھی یا نہیں۔ دل سے مراد روح کی حقیقت ہے۔ وہ روحانیت جس کے ذریعے انسان خدا تک پہنچتا ہے۔ یہ حقیقت میں خدا تک چڑھنے کا زینہ ہے۔ اقبال کہتا ہے:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تُو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

غفلت کا اثر

غفلت انسان کو خدا سے غافل کرتی ہے اور یہ وہ حجاب ہے جو بندے اور خدا کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ مؤمنین اور خدا کے درمیان صرف غفلت اور عصیان کا پردہ ہے اور گناہ یا عصیان غفلت ہی کا نتیجہ ہے۔ خدا کے بھولنے کی کیفیت کو غفلت کہتے ہیں۔ اگر خدا کو ہم کالعین دیکھ رہے ہوں تو ہم گناہ کر سکتے ہیں؟ یہ علیٰحدہ بات ہے کہ نادانی میں ہو جائے لیکن اپنے اختیار سے نہیں کریں گے۔ ہر گناہ کی جڑ جو ہے وہ غفلت ہے اور جب اللہ کی یاد آجاتی ہے تو گناہ سے دُور ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رضامندی نصیب ہو جاتی ہے اور خدا کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ خدا تو ہر وقت قریب ہوتے ہیں لیکن ایک قرب رضامندی کا ہے اور ایک غصے کا۔ جیسے کہ ایک بادشاہ سلامت ہیں۔ جس کے پاس تو اُس کے لاڈلے بیٹھے ہیں اور ایک وہ مجرم ہے جس کے اُوپر قتل کا حکم جاری ہے تو قریب تو دونوں ہیں لیکن ایک رضامندی والا قرب ہے اور ایک ناراضگی کا قرب ہے۔ تو صوفیاء کا مطلب قرب سے خدا کی رضامندی والا قرب ہے اور یہ ملتا ہے بہت آسانی کے ساتھ۔ دو عمل کر لو اور دو کو چھوڑ دو۔ غفلت کو ترک کر دو اور گناہ کو چھوڑ دو۔ ہر آن اللہ کو یاد کرو اور ہر خیر کو اختیار کرو۔ اب آپ کہیے گا کہ تُو نے تو جزو کل لے لیا، نواہی بھی تمام آگئے اور اوامر بھی اور یادِ حق کا دوام جو ہے یہ اگر نصیب ہو جائے تو ولی اللہ بن جائے۔ احسان کی کیفیت ہو جائے۔ گناہ آتے ہیں غفلت سے، خدا سے جب انسان غافل ہو جاتا ہے تو گناہ ہو جاتا ہے اور غافل نہیں ہو گا تو یاد ہو گیا ور یاد یہ ہے کہ اللہ کی یاد پوری صفات حسنہ کے ساتھ ہو۔ خدا حاکم ہے، قادر ہیں، علیم ہیں اور یہ ایک ایسا ٹانک ہے کہ انسان چھوٹے بڑے گناہوں کو چھوڑے گا۔ آپ کہیں گے کہ یہ کیسے ہو جائے؟ تو اب اگر یہ ذکر نہیں کرتے تو اس کی فکر لگاؤ اور فکر کہتے ہیں اُسے جبکہ تم میں طلب والی فکر پیدا ہو جائے اور اس کے لیے اہل ذکر کی صحبت اختیار کرو۔ دوام ذکر کے حصول کے لیے خدا کی محبت اختیار کرو اور محبوب

کوئی بھلایا نہیں کرتا۔

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن وہ اکثر یاد آتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی محبت کا حصول

رچاؤ خدا کی محبت اپنے دل میں اور یہ کیسے رَچے گا۔ محبت کی پڑیا کھالو۔ اب محبت کی پڑیا کیا ہے اور یہ کہاں ملتی ہے؟ محبت کی دوکان کا پتہ نہیں تو تلاش کرو۔ موٹا نسخہ ہم بتائیں گے۔ اللہ کی محبت والوں کو تلاش کرو۔ اللہ کے بندے ابھی ختم نہیں ہوئے لیکن ایسے بندے کے پیچھے جانا جو حبیب پاک ﷺ کا متبع ہو۔ اگر حبیب پاک ﷺ کا متبع نہیں تو وہ محب صادق نہیں۔ اُس کی باتوں پر عطایا نہیں ملا کرتے۔ تواتر کے ساتھ اہل محبت کی صحبت میں بیٹھو گے تو ممکن ہے کہ کوئی محبت کی چنگاری تمہارے دِلوں میں بھی آجائے اور ذکر خدا تھوڑی دیر کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ پانچ منٹ کا بھی ذکر ہو تو یہ ذکر بھی دل کو برما کر دے اور زبان کے بول کو ذکر نہیں کہتے۔ یہ زبان کا فعل نہیں بلکہ یہ دل کا فعل ہے۔ دیکھئے ''اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ'' (نماز کو میری یاد کے لیے قائم رکھ) اور فرمایا ''لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ'' (گنج حکمت: ص۱۷۶) (وہ نماز نماز نہیں جو دِل کے حاضر ہونے کے ساتھ ادا نہ کی جائے) اور جو بھی عمل کرو نیکی کا اُس میں جہاں رضا کی نیت رکھو وہاں محبت حق کی نیت رکھو۔ رضا بھی ملے گی اور محبت بھی ملے گی۔ اعمال میں جان آئے گی اور پھر اعمال کو اپنانا سہل ہو جائے گا۔ پھر اس کے معین کے لیے اولیاء اللہ کے تذکرے پڑھو اور اس میں سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے تذکرے اور پھر اور اولیاء اللہ کے قصے بھی پڑھو کہ انہوں نے دین کے بارے میں کیا کیا۔ اِن سے بھی مدد ہو جائے گی۔

اشیاء کا وجود اور خواص اللہ کے قبضے میں

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (9 جون 1964ء، بعد از نمازِ عصر 6 بجکر 23 منٹ)

اشیاء کے خواص

"ذٰنِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَّبِّكَ" (القصص:۲۸،۳۲) یہ دو دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے فرمایا: قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ۝۱۹ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ۝۲۰ قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ ٚ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ۝۲۱ (طٰہٰ ۲۰: ۱۹،۲۱) (فرمایا کہ موسیٰ اسے ڈال دو تو انہوں نے اس کو ڈال دیا اور ناگہاں سانپ بن کر دوڑنے لگا، خدا نے فرمایا کہ اسے پکڑ لو اور ڈرو مت۔ ہم اس کو بھی اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے)۔ تو موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے فرمایا کہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے۔ اُنہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔ اس پر میں سہارا لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کئی فائدے ہیں تو اللہ نے فرمایا کہ ذرا اسے ڈال دو تو ناگہاں وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام اُس سے ڈر کر بھاگ گئے تو فرمایا کہ میرے مرسَل میرے سامنے ڈرا نہیں کرتے۔ آگے بڑھو اور اس کو پکڑو تو پھر لاٹھی کی لاٹھی اور پھر کہا: وَ اضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی ۝۲۲ (طٰہٰ ۲۰: ۲۲) اور اپنے ہاتھ کو اپنی بغل سے لگا لو تو روشن ہو گا بغیر کسی بیماری کے برص وغیرہ نہیں تو ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ دو دلیلیں ہیں تیرے پروردگار کی طرف سے۔ بھائی! اس میں کیا دلیل عصا سانپ بن جائے اور پھر عصا بن جائے۔ ہاتھ روشن ہو جائے اور پھر ویسے ہو جائے۔ تو اس کو کہتے ہیں کہ تیرے پروردگار کی طرف سے دلیلیں ہیں اور یہاں دیکھو! تو عصا وہ بھی موسیٰ کا عصا ہے۔ کہا، یہ میرا عصا ہے۔ تو موٹی بات سمجھو۔ تیرا ہاتھ تیری جسم کا حصہ تیری ذات کا حصہ۔ وہ بھی تیرے اختیار میں نہیں۔ چاہے

روشن کر دے چاہے ویسا کر دے اور تیرا عصا بھی تیرا عصا نہیں۔ تیرا جانا پہچانا ہے لیکن وہ بھی تیرے قابو میں نہیں۔ چلتا پھرتا کہیں جا رہا ہے، سانپ بن جائے اور ڈس جائے تو کیا کرے۔

تو معجزے جو ہوتے ہیں وہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہوتی ہیں۔ اب کیا کہا؟ دیکھو! اس عالم میں جہاں تک انسان کا تعلق ہے ایک خدا کی ذات ہے۔ ایک انسان خود اور ایک انسان سے خارج کی چیزیں۔ تم ہو، خدا ہے اور باقی مخلوق۔ ایک جگہ قرآن میں آتا ہے: ”سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ“ (سورۃ فصلت ۴۱: ۵۳) (ہم عنقریب ان کو اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے)۔ تو فرما رہے ہیں کہ ہم عنقریب دکھائیں گے اپنی نشانیاں آفاق میں اور پھر اپنی جانوں میں بتائیں گے یہاں تک کہ ان پر کھل جائے گا کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے تو دراصل موسیٰ علیہ السلام کو آیت آفاقی دلیل دی گئی اور ایک انفسی، خارجی عصا اور انفسی ہاتھ۔ تو فرمایا کہ دو چیزوں کو تم دیکھ کر اللہ کی معرفت کو حاصل کرو گے۔ ایک آفاق سے اور ایک اپنے نفس میں ڈوب کر۔ تو بتایا کہ جتنے بھی تصرفات ہیں، اُلٹ پلٹ، ایسا کرنا ویسا کرنا۔ یہ سب کلی طور پر اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ کل بوٹیاں چننے کے لیے تم جاؤ اور وہ بن جائیں ننھی ننھی گڑیاں، پریاں بن جائیں تو قادر ہے، اللہ کہ جیسا چاہے بدل دیں۔ تُو تو دیکھتا ہے یہ تیرا عصا ہے لیکن یہ تیرا نہیں بلکہ میرے ہاتھ میں اس کی ذات کا بھی بدلنا ہے۔ تو اے اپنی مملکتوں پر غور کرنے والو! ممکن ہے کہ تمہارا اپنا عصا بھی تمہارے ہاتھ میں سانپ بن جائے اور تجھے کاٹ ڈالے تو اشارہ اس طرف تھا کہ حکومت یہ طاقت کا عصا مانا جاتا ہے، قوت و اقتدار کا عصا۔ کہتا ہے آگے چل کر وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ؕ (الزخرف ۴۳: ۵۱) (اور فرعون نے اپنی قوم سے پکار کر کہا کہ اے میری قوم! کیا مصر کی

حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے (محلوں کے) نیچے بہہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں) کیا تم دیکھتے نہیں)۔ لیکن وہی انہار اُس کے اپنے نہیں ہیں جیسے عصا تھا پھر سانپ بنا اور پھر عصا بنایا گیا اسی طرح فرعونیوں کی جتنی نظر بندیاں تھیں فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿۱۱۷﴾ (الاعراف۷: ۱۱۷) عصائے موسیٰ نے سب کو نگل لیا اور پھر وہی کا وہی عصا۔ خدا کے قدرت کے کرشمے اظہار قدرت رب ہے۔ "وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" (اٰل عمران ۳: ۱۴۰) (اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں)۔ فرعون کبھی سوچ سکتا تھا کہ ایسا ہو جائے گا لیکن خدا انہیں کے گھروں کے اندر ایسے حالات لے آتا ہے، تغیرات پیدا کرتا ہے۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ (غافر ۴۰: ۱۶) (کسی کی بادشاہی ہے آج؟ (جواب ایک ہی ہوگا) کہ صرف اللہ کی جو واحد و قہار ہے۔) یہ صرف قیامت کے لیے نہیں بلکہ آج بھی ہر طرح کی طاقت اللہ کے اختیار میں ہے۔ تو یہ جوانان سعادت مند کہ ڈراموں میں کردار کریں، تو لڑکی بن جائے اور ایسی "Acting" کریں کہ معلوم ہی نہ ہو کہ لڑکا ہے یا لڑکی تو میاں یوں فرمائیں کہ اے موسیٰ! یہ تیرے پروردگار کی طرف سے دو نشانیاں ہیں اور دیکھو عصا جو تھا یہ ایک جزوی نمونہ تھا اللہ کے اُن تصرفات کا جو اللہ تعالیٰ رات دن پورے مخلوق میں ظاہراً اور پوشیدہ کرتے ہیں۔ تم کہو کہ Natural Phenomena ہیں لیکن ہم کہیں کہ اللہ کے "Phenomena" ہیں۔ موت لاتے ہیں تو اللہ لاتے ہیں اور حیات لاتے ہیں تو اللہ۔ اگر تم کہو کہ ہم کرتے ہیں تو ہم کہیں "فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ" (البقرہ۲: ۲۵۸) (ابراہیم علیہ السلام نے کہا "اچھا اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر لاؤ" اس پر وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔) نمرود جب بقائے روح اور روح کے نکالنے کو نہ سمجھا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ جب تُو اِتنی طاقت والا ہے تو میرا پروردگار جب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ایک

دن تُو مغرب سے نکال۔ تو جتنے بھی تصرفات ہوتے ہیں اللہ کے اختیار میں ہیں۔ غیر کے اختیار میں نہیں ہوتے ہیں۔ عصا نمونہ تھا ان کونی تغیرات کا جو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر آن اور ہر ساعت اس مخلوق میں کرتے ہیں۔ جو ہمیں نظر آتی ہیں اور ان میں بھی جو ہمیں نظر نہیں آتیں۔ اب انسان بڑا عقلمند ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ''من چو دیگرے نیست'' اپنی انانیت سب سے بعد میں نکلتی ہے اوروں کی خدائی تو نکلتی ہے لیکن اپنی چاہت نفس یعنی نفس کی خواہش جو کہ اپنے آپ کو سجدہ ہے سب سے بعد میں نکلتا ہے۔

خود را کنم سجودے دیر و حرم نہ ماند

(انسان کی فطرت سلیم نہ رہے تو گمراہی کا ماحول نہ ملے تو خود اپنی نفس کی سجدہ ریزی میں مبتلا ہو۔)

تو بتایا کہ ارے وہ انسان جبکہ تیرا ہاتھ جو کہ تیرا دست و بازو ہے وہ تیرا نہیں۔ تو کہے کہ ادھر آجا اور وہ چل جائے۔ آپ کہیں کہ نوالہ ادھر کرو اور وہ کہیں کہجا میں اللہ کے اختیار میں ہوں اور آخرت میں جب ہر چیز خلاف میں گواہی دیں گی۔ تو ہم کہیں گے تم تو ہمارے تھے، تم نے کیسے ہمارے خلاف گواہی دی؟ تو وہ کہیں گے کہ ''اَنۡطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ كُلَّ شَیۡءٍ''(فصلت ۴۱: ۲۱) (ہمیں اللہ نے بولنے کی طاقت دی جس نے ہر چیز کو گویائی کی طاقت عطا فرمائی۔) تو ہم کو یہی سمجھتا تھا کہ ہم تمہارے اختیار میں ہیں لیکن ہم تو اصل میں وہاں بھی اللہ کے اختیار میں تھے اور آج بھی اللہ کے ہیں۔ تو بتایا گیا کہ تمہارے ہاتھ تمہارے اختیار میں نہیں اور دیکھو! ایک بات اور بتاؤں کہ کبھی ہاتھ سے قوت سلب کرتا ہے، کان ہوتا ہے لیکن سنتا نہیں تو ہر ایک چیز اس کی قدرت کی گواہ ہے۔ تو یوں بتایا کہ اے موسیٰ! جس کو تُو اپنا ہاتھ سمجھتا ہے وہ بھی تیرے اختیار میں نہیں ہے۔ تو بتایا کہ جیسے عصا آفاق کا ایک جزو ہے۔ وہ تیرے اختیار میں نہیں۔ اسی طرح تیرا ہاتھ جو کہ تیری ذات کا ایک جزو ہے وہ

بھی تیرے اختیار میں نہیں۔ تو جب ہر چیز اللہ کے اختیار میں ہے تو اے پگلو! اس کے آگے کیوں نہیں جھکتے؟ اور دیکھو! دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک اچھائی کی اور ایک بُرائی کی۔ تو ظاہری حالت میں عصا کا سانپ بن جانا بُرا تصرف ہے تو یہ بھی خدا کے ہاتھ میں اور ہاتھ کا روشن ہونا اچھا تصرف ہے۔ تو وہ بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے تو دونوں قسم کے تصرفات اللہ کے ہاتھ میں ہیں اس لیے فرمایا حبیب پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کہ انسانوں کے دل اللہ کی دو اُنگلیوں کے درمیان ہیں جیسے چاہیں تصرف کر لیں اور اسی لیے دُعامانگا کرتے تھے: ''يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ''[72]۔ (مشکوٰۃ، حدیث نمبر: ۱۰۲ بحوالہ الترمذی و ابن ماجہ، رواہ ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۸۳۴، جامع الترمذی، حدیث نمبر: ۲۲۷۷) (اے دِلوں کے پھیرنے والے میرے دِل کو اپنے دین پر مضبوط رکھ۔) اور یہ استفادہ ہے قرآن کی اُس آیت سے ''رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا''۔ (اے ہمارے پروردگار! تو نے جو ہمیں ہدایت عطا فرمائی ہے اس کے بعد ہمارے دِلوں میں ٹیڑھ پیدا نہ ہونے دے۔) تو یہ دونوں دلیلیں جب فرعون اور اس کی قوم کے لیے دلیلیں تھیں تو اس اُمت کے لیے بھی تو دلیلیں ہیں کہ ان کو بھی سنائی گئیں تو بتایا یوں جا رہا ہے کہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے آگے جھکو۔ تشریعاً نہیں جھکو گے تو تکویناً تو ویسے جھکے ہو۔ ایک آیت آفاقی ہے اور دوسری آیت نفسی میں سے ہے۔

---

[72] ۔ عن انس رضی اللہ عنہ قال: كان رسولُ الله صلى الله عليه وسلم يُكثر ان يقولَ: يا مُقَلب القلوب ثبت قلبي على دينك فقلت يا نبيّ الله، اسنابك بما جئت به، فهل تخافُ علينا؟ قال: نعم، انّ القلوب بين اصبعين من اصابع الله، يقلبها كيف يشاء۔ (جامع ترمذی، حدیث نمبر: ۲۲۷۷، صحیح احمد: ۱۲۱۰۷، ابن ماجه: ۳۸۳۴)

انسانی ترقی اور تنزل اور اختیار کا استعمال

ریجنل لیبار ٹریز ڈائریکٹر زہاؤس (10 جون 1964ء، بروزِ بدھ بعد از نمازِ مغرب)

انسانی اختیار

میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور انسان کی پیدائش ساری مخلوقات کی پیدائش سے ایک معنی میں جداگانہ ہے عام مخلوق کو اپنے ارادے اور اختیار سے اپنی زندگی کی راہیں تجویز کرنے کی طاقت نہیں بخشی گئی لیکن انسان کو پیدا فرما کر اس کے اندر اللہ نے نہایت صلاحیتیں رکھ لیں اور ان صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے اللہ نے ان میں تھوڑا سا ارادہ رکھ لیا۔ پودوں کو دیکھ لیں۔ حیوانات کو دیکھ، چاند کو دیکھیں اور فرشتوں کو دیکھ لیں کہ ان کا بھی اپنا اختیار کچھ نہیں۔ ''یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ'' جو اللہ میاں چاہیں اُس سے وہ نکل نہیں سکتے۔ اب انسانوں کو اختیار دیا گیا جو کہ اس کی بڑائی کا سبب ہے۔ زیادہ اختیار نہیں بس اِتنا اختیار ہے جیسا کہ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ ہم صاحب اختیار ہیں یا بے اختیار تو فرمایا کہ ایک ٹانگ اُونچی کر لو تو اس نے ایسا کیا۔ اب اُس نے فرمایا کہ دوسری ٹانگ بھی اُونچی کر لو تو کہا کہ حضرت دوسری کو کیسے اُونچا کریں۔ تو بس اِتنا اختیار ہے۔ بچپن میں ایک کھیل کھیلا کرتے تھے کہ ربڑ کے تار سے گیند کو باندھا جاتا اور اس کو دیوار پر مارتے اور تار کو کھینچتے تو وہ واپس آجاتا جیسا کہ آج کل کی دنیا میں یہ راکٹ چھوڑ دیتے ہیں۔ تو ظاہر میں وہ اُوپر اُڑ رہا ہے گو حقیقت میں وہ انسان کے اختیار میں ہوتا ہے اور جب بھی اس کو چاہیں تو واپس لاتے ہیں۔

اختیار سے ترقی اور تنزل

تو فرمایا ''وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ'' اور اُن کو دونوں راہیں کھول دیں۔ نجد کا نام تو سنا

ہو گا۔ مولانا رومؒ نے فرمایا:

باز گو از نجد و زیارانِ نجد
تا در و دیوار را آری بوجد

(نجد اور اس کے دوستوں کے قصے سناؤ تا کہ در و دیوار سب کچھ پہ وجد طاری ہو جائے۔)

دراصل اللہ کو پہنچنے کی راہ جو ہے وہ عشق کی راہ ہے جیسے کہ قرآن میں آتا ہے کہ: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ (الاحزاب ۳۳: ۷۲) (ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو اُنھوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کا بوجھ اُٹھالیا حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ظالم اور نادان ہے۔) تو حافظ شیرازی نے فرمایا:

آسمان بار امانت نتو است کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

(آسمان الٰہی امانت کا بوجھ برداشت نہ کر سکی تو وہ سب کچھ دیوانے (انسان) کے سر آپڑا۔)

تو یہ اختیار جو ہے اِتنا ہی ہے اور پھر اس اختیار ہی کی وجہ سے انسان کی ترقیات ہیں۔ انسان کی ترقیات کا زینہ اختیار کا صحیح استعمال ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کمال کیا تھا جو قرآن میں مذکور ہے۔ جوانی ہے، وقت کے لحاظ سے سب سے حسب و نسب والی عورت اپنی طرف دعوت دیتی ہے لیکن آپ یوں فرماتے ہیں کہ "میں اللہ سے ڈرتا ہوں"۔

راہِ حق کی ہدایت

دیکھو! میں اپنی شنوائی کو نہیں بڑھا سکتا۔ میری دو ٹانگیں ہیں زیادہ نہیں بنا سکتا۔

اب جب میں یہ نہیں کر سکتا جب تک اللہ نہ چاہے تو اللہ نے جو دو راستے بتائے اور پھر ان کو اختیار دیا اور جو خود فرمایا: ''اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ؕ''(فاطر ۳۵: ۳۷) ''کیا ہم نے تم کو اِتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو سوچنا چاہتا سوچ لیتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا''۔ اور ہم نے تم کو دونوں راہیں بتا دیں۔ ایک ہدایت کی راہ اور ایک ضلالت کی راہ۔ تمیز حق و باطل رکھ دی اگر انسان صحیح طریقے کو استعمال کرے گا تو ہدایت کو پالے گا۔ اللہ نے عقل دے دی، دماغ دے دیا اور اللہ نہایت ہی رحیم و کریم ہیں۔ صرف عقل پر بھی حق و باطل کا فیصلہ نہیں رکھ دیا بلکہ اس کا فیصلہ اپنے پاس رکھا اور ایسی شخصیتوں کو بھیجا جن کی زبان پر حق جاری تھا اور جن کے اعمال حق تھے اور پھر ایک رُخ سے سب سے بہتر اور ایک رُخ سے سب سے بعد میں بھیج دیا اور فرمایا کہ سچائی کو دیکھنا چاہو، حقانیت کو دیکھنا چاہو تو مجھے دیکھو ''مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَأَیَ الْحَقّ'' حضور ﷺ کی نگاہ وہاں اُٹھی جہاں کہ حق تھا۔ حضور ﷺ کی زبان وہاں چلی جہاں کہ حق تھا۔ تو خوب کھول کر بتا دیا کہ یہ حق ہے اور یہ باطل ہے۔ جیسے کہ قیامت میں ہوگا کہ وَ امْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ (یٰسٓ ۳۶:۵۹) (ترجمہ: اور گنہگارو! تم آج الگ ہو جاو)۔ تو اسی طرح یہاں جو آئے تو فرمایا: وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ (الاسراء۱۷: ۸۱) (ترجمہ: کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا بیشک باطل نابود ہونے والا ہے)۔ اب آپ کہیں گے کہ اب تو باطل ہی باطل ہے۔ عرض ہے کہ اب شام ہے اندھیرا ہوتا چلا جا رہا ہے ہم سب موجود لیکن دکھائی نہیں دیتے۔ ایک کے غائب ہونے سے سورج کے چلے جانے سے، جتنا سورج چھپا رہتا ہے اُتنی ہی تاریکی آتی جاتی ہے اور یا یوں سمجھو کہ برف کی ایک سِل اگر سورج کی گرمائش کے سامنے رکھی جائے تو ختم ہو جائے۔ تو دوستو! جب حق آ جاتا ہے تو باطل چھپ جاتا ہے۔ اب اس حق کو اگر نہیں دیکھتا تو صرف اندھا نہیں دیکھتا۔ چمگادڑ اگر سورج کو نہ دیکھ سکے تو سورج کا قصور نہیں بلکہ چمگادڑ

کا قصور ہے۔ تو اسی طرح جو لوگ حضور ﷺ کی حقانیت کو نہ دیکھے تو ہم کہیں گے ذرا حقانیت کی نگاہ تو پیدا کرے۔

تو انبیاء علیہم السلام نے حقانیت کی راہ کو خوب واضح کیا اور سچائی کے راستوں کو ہم پر کھولا۔ اپنی جانیں لگائیں اور ہمارے لیے کیا رکھا۔ اُس راہ کو پہچانو، اُس راہ کو جانو، اُس راہ پر چلو جس کے لیے انبیاء علیہم السلام نے کوشش کی اس کے لیے کوشش کرو۔ ایمان لانے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم نے یوں کہا کہ ہم ایمان لائے لیکن اب ایمان کے لیے کوشش نہیں کرتے۔ یہ مانتے نہیں کہ ہمارا رازق اللہ ہے، رزق اُس کی طرف سے آتا ہے اور بقول ہمارے حضرتؒ کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ خدا کو یوں سمجھیں جیسا کہ ملکہ برطانیہ ہوتی ہے کہ تمام اختیارات پارلیمنٹ کے پاس ہوتے ہیں تو مولانا فرماتے ہیں:

نشہ ازو جو مجو از بنگ و خمر

رزق از او جو مجو از زید و عمر

(محبت حقیقی کا نشہ بھی اللہ سے مانگو، اسے بھنگ اور شراب میں مت ڈھونڈو اسی طرح رزق اگر درکار ہو تو وہ بھی وہاں کی عنایت سمجھو اور زید و عمر کے پاس اس کی تلاش مت کرو۔)

تو مطلب یہ نہیں کہ دنیا کے لیے محنت نہ کی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک اللہ والا کماتا ہے اور ایک غیر اللہ والا کماتا ہے تو دونوں میں بڑا فرق ہے۔ خدا کا تعلق دوسروں کے تعلقات سے کم ہے۔ خدا کے تعلق کا نشہ دوسرے کے نشوں سے کم ہے۔ ہم میں خدا کے تعلق کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی بلکہ جیسے اور ہوتے ہیں اسی طرح سے ہم لوگ ہوتے ہیں تو خدا والوں اور غیر خدا والوں کا فرق کیا ہوا۔ تو بات یہ تھی کہ پہچانو خدا کو اور اُس سے تعلق جوڑو۔ شیر آجائے تو سب اُٹھ جائیں اور حق آجائے اور ہم اللہ کے دین کے کام کرنے والے نہ بن جائیں۔ تو ایک شاعر نے کہا:

کل شیءٍ ما خلا اللہ باطل
اِن فضل اللہ غیم ھاطل

(اللہ تعالیٰ کے سوا سب چیزیں ختم ہونے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل ایک موسلا دھار برسنے والی بادل جیسی ہے۔)

اللہ کے فضل کا حصول

اللہ کے سوا ہر چیز جو ہے وہ باطل ہے اور اللہ کا فضل جو ہے وہ موسلا دھار بارش کی طرح برستا ہے۔ تو اللہ کے فضل کے لینے کے طریقے ہیں۔ کوئی شخص تم کو دودھ دینا چاہے اور آپ آگے کریں چھاننی تو کیا لوگے تو اللہ کے فضل کو ہم طریقے سے لینے والے بن جائیں تو یہاں بھی ہماری زندگی بنے گی اور اس کے بعد کی آنے والی زندگی بھی بن جائے گی۔ اِتنی سی بات ہے کہ غیر سے ہٹ کر خدا کی طرف چلو تو عربی میں ایک مثل ہے ''اَلْحَقُّ مُرٌّ وَلَوْ کَانَ دُرًّا'' حق کڑوا ہوتا ہے خواہ دُر ہو۔ ایک لطیفہ سا ہے کہ ہماری طرح ایک شریف بچہ تھا کہ اُس کی ماں نے اُسے کڑوی گولی کھلانا چاہی تو اُس نے ایک سیب لیا اور اس میں وہ گولیاں رکھ لیں۔ اب جو اُسکو دیا تو بچہ نے سیب تو کھا لیا۔ جب ماں نے پوچھا سیب کھا لیا؟ تو بچہ نے کہا کہ ہاں! سیب تو کھا لیا لیکن وہ بیچ کی کالی کالی چیزیں پھینک دیں تو یہی مثال ہماری ہے کہ دین کی وہ چیزیں لیں جو ہمارے خیال میں اچھی ہوں اور ان کو نہیں لیا جو کہ ہماری خواہشات سے ٹکرائیں۔ تو دوستو! دنیا کو تو ہم کماتے ہیں دن رات اس میں لگے رہتے ہیں لیکن نہ نماز رہے، نہ مسجدوں کی جماعت رہے نہ زکوٰۃ رہے اور نہ دین کے لیے محبت رہے تو ایسی دنیا کمانے کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اجازت نہیں دی تو مولانا فرماتے ہیں:

آب زیر کشتی بہر پشتی است
اب در کشی ہلاک کشتیؔ است

(پانی کشتی کے نیچے ہو تو وہ اس کے قوت کا سبب بنتی ہے لیکن اگر یہ اندر آنا شروع ہو جائے تو کشتی کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔)

اس لیے ہم یوں کہتے ہیں کہ اس کڑوے گھونٹ کو پینے کے لیے محنت کی ضرورت ہے اور دوستو! صبح کا اُٹھنا بعض کے لیے مشکل ہوتا ہے اور بعض کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا۔ تو جب انسان عادی ہو جاتا ہے تو پھر ذرا بھی مشکل نہیں ہوتا۔ تو اس طرح دین خواہ کتنا ہی ضروری ہو لیکن آج دین غریب ہو گیا اور اُردو کے لحاظ سے غریب اُس کو کہتے ہیں جس کے پاس دولت نہ ہو لیکن عربی میں غریب اسکو کہتے ہیں جو نا آشنا ہو۔ تو یہ دین جو نا آشنا ہو گیا تو کیا کرنا ہو گا اس کے لیے کوشش کرنی ہو گی اور اس کے لیے یہ نہ ہو کہ ہم کہیں "کہ کوئی نکلتا ہے تو ہم بھی نکلیں" بلکہ ہم تو یوں کہیں کہ اپنی طرف سے کوشش کریں گو لوگ نکلیں یا نہیں تا کہ کل قیامت میں یہ تو کہہ سکیں:

گو نالہ نارسا تھا نہ تھی آہ میں اثر
میں نے تو کچھ کمی نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

تو اس کے لیے زیادہ بات نہیں کرنی ہے لیکن اِتنی بات کہتے ہیں کہ دیکھو! اللہ کے دین کے لیے محنت کرو اور اس کے لیے کوشش کرو کہ اوروں میں محنت کی جائے اور تبلیغ نام ہے اُس چیز کا کہ اوروں میں محنت کی جائے اس لیے کہ خود اپنا ایمان مضبوط ہو جائے۔

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام نے نو سو پچاس سال محنت کی۔ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ (ھود ۱۱: ۴۰) (ترجمہ: اور ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے)۔ اور مفسرین نے یوں کہا کہ صرف اَسّی نفر تھے جو اسلام لے آئے اور محنت بھی ایسی کی کہ قرآن نے بتایا۔ ظاہری بھی محنت کی اور چوری چھپے بھی محنت کی۔ تو اس وجہ سے آپ کے اجر میں کچھ کمی نہیں ہوئی بلکہ آپ کو تو پورا اجر ملے گا تو اس کے لیے کوشش کر لیں۔ اس کے لیے ہم یوں

کہتے ہیں گو ہم اوروں کے چوہدری تو نہیں ہیں لیکن اپنی ذات کے لحاظ سے کچھ محنت کریں۔ کچھ نمازیں پڑھیں، کچھ دین کی بات کر لیں، کچھ چار مہینے پوری عمر میں دین کے لیے فارغ کریں، سال میں چالیس دن اور اسی طرح تھوڑی دیر کے لیے ذکر کریں اور فضائل کی کتابیں کچھ پڑھیں۔ اسی طرح تھوڑا وقت شہر کی مسجد ''خواجہ معروف مسجد'' کے لیے نکال کر تشریف لائیں۔ اب اللہ کا احسان ہے کہ یہاں مغرب کی نماز تو ہوتی ہے تو اس کے لیے آپ میں سے جو حضرات موجود ہیں وہ ارادہ کر لیں۔

اللہ کی طرف لوگوں کو بلانا اور حکمت

خواجہ معروف مسجد (11 جون 1964ء، شب جمعہ بعد از نمازِ مغرب 6 بجکر 35 منٹ)

دعوت الی اللہ کے لیے بصیرت

میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد ﷺ انبیاء علیہم السلام کے سلسلے کی آخری کڑی اور انبیاء علیہم السلام کے سلسلے کی وہ ہستی ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ختم فرمایا یہ سوال کہ نبی کیا ہوتا ہے؟ کس لیے آتا ہے؟ کس راستے پر لگاتا ہے؟ یہ ایسا سوال نہیں کہ ایک نشست میں ختم ہو جائے۔ نبی کی حقیقت نبی جانے اور وہ بتائے بہر حال ایک بات جس کا بیان کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ”قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ“۔ (ترجمہ: کہہ دیجیے یہ میرا راستہ ہے جس کے لیے میں پوری بصیرت کے ساتھ بلاتا ہوں اور جو میرے اتباع کرنے والے ہیں یہ اٹکل پچّو بات نہیں)۔ خدا کی دعوت کا مقام کیا ہے اور یہ راہ ایسی نہیں کہ جس کا کوئی حصہ کوئی طریقہ مجھ پر چھپا ہوا ہو بلکہ اس کے جملہ راستوں کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولا۔ میری بات اپنی بات نہیں کہ کوئی اندھیرے کا تیر ہو جس میں شبہ کی گنجائش ہو۔ بلاتا ہوں اللہ کی طرف یہی ہے میرا راستہ۔ بلاتا ہوں میں اللہ کی طرف پوری بصیرت کے ساتھ، پورے یقین کے ساتھ، جیسے کہ تم آنکھوں سے چیزوں کو دیکھتے ہو۔ میں اس سے زیادہ دل کی بصیرت کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ آنکھیں دیکھتی ہیں تو ایک طرف دیکھتی ہیں، دوسری طرف نہیں دیکھتیں۔ جب دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو پھر پردے حائل نہیں ہوتے۔ دل کی آنکھ جب روشن ہو جاتی ہے تو اس پر اندھیرا نہیں آیا کرتا۔ بصارت اور ہے اور بصیرت اور ہے۔ یہ آنکھ کبھی نہیں بجھے گی اور اس میں اِتنی قوت ہے کہ یہ خداوند قدوس کو جنت میں بے حجاب دیکھ لے گی۔ بہر حال فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ کہتا ہوں

یہ ایسی ویسی بات نہیں۔ میں کھلی طور پر جانتا ہوں کہ اس راستے میں پوری کی پوری کامیابی ہے اور یہ صرف میرے لیے خاص نہیں بلکہ جو میرے طریقے پر ہو گا وہ اسی طریقے کی طرف دعوت دے گا۔ خدا شناس ہو گا، خدا کو پہچاننے والا ہو گا اور خدا کی طرف دعوت دینے والا ہو گا۔

نبی اور قرآن کی سمجھ

قرآن کریم جو ہے وہ خدا کا کلام ہے تو جیسے خدا کو کوئی نہیں جان سکتا۔ اسی طرح قرآن کی تہہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے نبی پر کھولا کرتے ہیں اور نبی کا خاص الخاص طریقہ دعوت الی اللہ ہے اور نبی کا موضوع بھی یہی ہے اور یہ کیا ہے۔ ہر ایک سے توڑ کر ایک خدا سے جوڑنا۔ نبی کا موضوع، مدعا اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ خداوند قدوس کے تعلق کو اور صفاتِ الٰہیہ کو مخلوق پر کھول دے جو کہ اگر پوری انسانیت جمع ہو جائے اور پوری مخلوق اپنی طاقت کو اکٹھا کرے تو خدا کو نہ پہچان سکے۔ خداوند کریم تک پہنچنے کا واحد ذریعہ انبیاء علیہم السلام کی ذوات ہیں۔ اُن پر خداوند کریم اپنی صفات کو کھولتے ہیں، نبوت وہ سیڑھی ہے جس پر خدا کی معرفت کھولا جاتا ہے۔ نبی تو ایسا ہوتا ہے کہ جو کچھ کہتا ہے وہ بصیرت سے دیکھ کر کہتا ہے۔ میں اپنے ہاتھ کو دیکھتا ہوں لیکن اس کی رَگیں، اس میں خون کو چلتا ہوا نہیں دیکھتا۔ میں ظاہر کو دیکھتا ہوں لیکن نبی پر حقیقت کو کھولا جاتا ہے۔ وہ انوارات کو محسوس کر لیتا ہے۔ نبی کہتا ہے کہ جنت ہے اور ہم بھی کہتے ہیں لیکن وہ دیکھ کر کہتا ہے۔ نبی کا کہنا عقلی، ظنی اور دماغی نہیں ہوتا بلکہ عینی ہوتا ہے۔ ایسا ہوتا ہے جیسے کہ دیکھتے ہوں۔ ایمانیات کی ''الف'' سے لے کر ''ی'' اور جز سے لے کر کل تک پوری چیز اُن پر کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ نبی ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ مولانا الیاسؒ فرماتے ہیں کہ زمانہ نبوت سے بعد ہونے کے بعد حقیقت بھی ایک رسم بن جاتی ہے۔ بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ معراج کو گئے اور

کیا کیا دیکھا۔ جنت کو دیکھا، دوزخ کو دیکھا اور کیا کیا دیکھا۔ معراج پر جانے سے پہلے آپ ﷺ سے انبیاء علیہم السلام کی امامت کرائی گئی۔ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے اور وہاں پہنچے کہ جبرئیل بھی نہ پہنچ سکے اور پیچھے رہ گئے۔

جبرئیل علیہ السلام کو دو دفعہ حضور ﷺ نے اصلی صورت میں دیکھا، بہت قوت والا فرشتہ ہے۔ اِتنا قوت والا ہے کہ ایک پَر کو قوم لوط پر مارا تھا تو پوری قوم ہلاک ہو گئی لیکن یہ بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ اور نورانیت کے ساتھ کہتا ہے کہ ایک بال کے برابر اگر بڑھتا ہوں تو رب کی نورانیت ایسی ہے کہ جل جاؤں تو وہاں حضور ﷺ اپنی جسمانیت کے ساتھ چلے گئے تو ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''رَأَیٰ رَبِّیْ مَرَّتَیْن''۔[73] اپنے رب کو قلب سے دو دفعہ دیکھا اور بقول شاعر کے:

ایک پَل میں سر عرش گئے آئے محمدؐ

معراج اور صدیق اکبر

تو کیا ہوا کہ تھوڑی ہی دیر میں گئے اور آئے یا یوں کہو کہ اللہ میاں نے اپنی ٹریفک روک لی۔ یہ پگلے ہوتے ہیں کہ جب کہیں چلتے ہیں تو یہ سپاہی اُن کی حفاظت کے لیے ہر ایک چیز کو روک لیتے ہیں لیکن پھر بھی حالت یہی ہوتی ہے کہ جو چیز ہونی ہوتی ہے ہو جاتی ہے تو بہر حال ایک دولہا تھا جو گیا۔ اس کے لیے اگر اللہ تعالیٰ نے دَس منٹ، بیس منٹ اور چاہے لاکھ سال روک دے تو کیا ہوا۔ تو بات پہنچتے پہنچتے ایک بڑے جاہل تک پہنچ گئی اور جاہل قرآن کی اصطلاح میں اُس کو نہیں کہتے کہ جو اَن پڑھ ہو بلکہ جاہل اس کو کہتے ہیں جو بصیرت کا اندھا ہو۔ چاہے وہ اس زمانے کا آئن سٹائن ہو، چاہے چرچل ہو، چاہے کانٹ ہو اور گیا تو کہا کہ اب تک تو

---

[73] ۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: فی قول اللہ (و لقد راٰہ نزلۃ اخری) قال ابن عباس رضی اللہ عنہ: قد رای النبی ﷺ ربہ عزوجل۔ (الترمذی، والطبرانی، والبیہقی)

یہ کہتا تھا کہ آسمان سے فرشتہ آتا ہے اور اب یہ دعویٰ کرنے لگا کہ میں گیا تو اچھا بتاؤ۔ بیت المقدس کیسا ہے؟ ارے اندھے جو راکٹ میں تیزی کے ساتھ جارہا ہو، اس کو سڑک پر کار چلنے کی کیا پرواہ اور جو اس رفتار سے جارہا ہو کہ کہتے ہیں کہ براق کا ایک قدم وہاں پڑتا تھا جہاں تک حد نگاہ جاتی ہو۔ گویا ایک ہی نظر ستاروں پر پڑتی تھی تو اس کو چیونٹیوں کے چلنے کی کیا پرواہ۔ ظاہر پرست تو ظاہر کو دیکھنے کے لیے جاتے ہیں۔ کعبے میں جاتے ہیں، تو بھی ظاہر پرستی کے لیے۔ مولانا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک بڑھیا آئی تو کہا کہ یہ کس کی قبر ہے جس پر غلاف ہی غلاف ہیں تو جو باطن سے جاہل ہوتے ہیں ان کو تو اس دنیا کی بھی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (الروم ۳۰: ۷) (وہ دنیوی زندگی کے صرف ظاہری رُخ کو جانتے ہیں اور آخرت کے بارے میں ان کا حال یہ ہے کہ وہ اس سے بالکل غافل ہیں۔)

پوست کو جانتے ہیں لیکن مغز سے بے خبر ہوتے ہیں۔ تو کیا ہوا کہ ابو جہل راستے پر جارہا تھا تو ابو بکر صدیقؓ کو ملے اور دیکھو! یہ بھی اللہ کا زبردست نظام ہے کہ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہوئے یہاں بھی ہوئے تو جن کے پاس علم نہیں ہو وہ اپنے آپ کو بڑا تصور کرتے ہیں۔ چیونٹی پر قطرہ گر پڑے تو کہے کہ دریا آپڑا اور کوہِ ہمالیہ کے دامن پورے کا پورا دریا بہتا ہے تو کچھ پرواہ نہیں۔ تو یہی حال ان کا ہوتا ہے کہ جب علوم الٰہیہ کھلتے ہیں تو کہتے معراج کی ہیں کہ ''لَا عِلْمَ لَنَا'' تو خدا کی ذات سے جو علم آتا ہے وہ خدا کی طرف سے آتا ہے تو جب معراج کی بات آئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کہتے ہیں جو خود اندھا ہوتا ہے۔ ان کا خیال ہوتا ہے کہ جیسے مجھے دکھائی نہیں دیتا ان کا بھی یہی حال ہوگا۔ تو کہا کہ اور موقع تو ابو بکرؓ کو پھسلانے، دین سے ہٹانے کا نہیں ملتا ہے چلو اس طریقے کو آزمائیں۔ تو یہ کہا کہ اب تک تو تمہارا یار یہ کہتا تھا کہ آسمان سے مجھ پر فرشتہ اُترتا ہے اور اب تو یہ کہنے لگا کہ میں خود آسمانوں پر گیا

اور صدیق وہ ہوتا ہے کہ جو نبی کے سینے پر اُترتا ہے، صدیق کے سینے پر اس کا عکس پڑتا ہے تو کیا کہا؟ تُو نے یہ حضرت کے دھان مبارک سے سنا ہے تو کہا، ہاں! تو پھر فرمایا'' کہ جب آپ ﷺ نے کہا ہے تو پھر اس میں شک کی کیا گنجائش ہے؟

نبی ﷺ اور صدق

اور آپ ﷺ تو صدق کے اُس مقام پر قائم ہیں کہ کافر بھی آپ کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ (الانعام۶: ۳۳) (جو باتیں یہ کرتے ہیں اُن سے تمہیں رنج ہوتا ہے کیونکہ دراصل یہ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔) اور خود اپنی زندگی کو پیش کرتے ہیں۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ (یونس۱۰: ۱۶) (آخر اس سے پہلے بھی تو میں ایک عمر تمہارے درمیان بسر کر چکا ہوں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے۔) اور آپ ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ کر فرماتے ہیں کہ اگر میں تم کو یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر ہے تو تم اس کو مان لوگے اور نبی کی تمثیلات ہوتی ہیں وہ ایسے نہیں ہوتیں بلکہ اُن پر حقائق کو کھولا جاتا ہے تو یوں فرمایا گیا کہ جیسے کہ میں اس مقام پر کھڑے ہو کر دونوں طرف کو جانتا ہوں۔ اسی طرح میں نبوت کے جس مقام پر فائز ہوں اس کے ذریعے میں دنیا اور معاد دونوں کو دیکھتا ہوں۔ تو کفار نے کہا کہ تجھ سے تو ہم کو سوائے سچ کے اور گمان ہی نہیں ہو سکتا۔ تو فرمایا کہ دیکھو! میں تم کو یہ بتاتا ہوں کہ اللہ کا عذاب نزدیک ہے اس پر ایمان لاؤ تاکہ عذابِ الٰہی سے بچ جاؤ تو اس پر ایک لال بجھکڑ (ابولہب) نے کہا کہ ''تمہارے ہاتھ ایسے ایسے ہو جائیں اس کے لیے ہم کو اکٹھا کیا تھا''۔ جھٹلایا نہیں لیکن ایک قسم کا شور مچایا کہ لوگ ان کی بات کی طرف دھیان نہ دیں اور مکہ مکرمہ میں اُن کا یہ شیوہ تھا کہ کہتے تھے لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ (فصّلت۴۱: ۲۶) (اور یہ کافر لوگ (ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ ''اُس سے قرآن کو سُنو ہی نہیں اور

اس کے بیچ میں غُل مچا دیا کرو تا کہ تم ہی غالب رہو"۔) اور کہتے تھے کہ ایک فلاں آدمی ہے، ہے جادوگر اُس کی بات نہ سننا، وہ جادو سا اثر رکھتی ہے۔ تو یہ تو تھے اس وقت کے حالات۔

حق کا اثر

یمن میں قبیلہ دوس کا سردار طفیل مکہ آیا تو کفار کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر کانوں میں روئی ٹھونسدی۔ دو دن گزرے تو کیا ہوا، دل میں ایک بات آئی اور میں تو کہوں کہ رب کی رحمت کی نگاہ پڑ گئی تو کہا کہ میں آخر قبیلہ کا رئیس ہوں۔ عقلمند ہوں اور پھر شاعر ہوں۔ تو گیا حضور ﷺ کے پاس کہ آپ ﷺ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ اللہ پر ایمان لاؤ، ان بتوں سے کچھ نہیں ہوتا اور پھر قرآن مجید کی آیتیں سنا دیں" تو کیا ہوا پتھر جیسا دل موم ہو گیا اور انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر بیعت کرنا ایسا ہوتا ہے کہ پھول جھڑنے لگتے ہیں اور حضور ﷺ کا تو میں بعد میں ذکر کروں گا پہلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیعت کا حال بیان کرتا ہوں۔ تو کیا ہوا؟ کہ جب مقابلہ کے دن جادوگر آئے عید کے دن۔ وہ تو جادوگر تھے، خیال کر گئے کہ وہ بھی جادوگر ہوں گے۔ رسیوں کے سانپ بناتے ہوں گے، ہم بھی بناتے ہیں اور یہ بات ضمناً عرض کر دوں کہ "اَلْحَقُّ يَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى" (الکلمات المأثورہ) (حق غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔) قرآن میں ہر بات کی ردّ ہے۔ کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ تم ڈالتے ہو یا ہم ڈالتے ہیں؟ تو یہ اوچھے لوگ اپنے آپ کو آگے کرتے ہیں تو جب ڈال دیا تو کیا ہوا يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ (طٰہٰ ۲۰: ۶۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ایسا نظر آنے لگا کہ گویا سانپ ہیں اور یہاں جو عصا پھینکا گیا، اُس میں تو قدرت حق کا زور تھا۔ جادوگروں کی تو رسیاں تھیں، پھرتی تھیں اور یہاں جو خدائی سانپ نے منہ کھولا تو سب رسیاں نگل گیا تو کیا ہوا جادوگر فوراً سجدہ میں گر گئے اور پکار اُٹھے کہ ہم ہارون اور موسیٰ (علیہم السلام) کے رب پر ایمان لے آئے۔ ادھر فرعون نے دیکھا

کہ ساری ترکیب اُلٹی ہو گئی تو دھمکی دی کہ میں تم کو انتہائی سخت سزا دوں گا تو انہوں نے کہا: قَالُوْا لَا ضَیْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ۚ (الشعراء۲۶: ۵۰) (ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا ہمیں یقین ہے کہ ہم لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس چلے جائیں گے۔) تو ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صحبت کا پورا موقع نہیں ملا تھا لیکن معرفت کے دورازے کھل جاتے ہیں اور دل کو جو دل بڑھاتا ہے تو وہ معاملہ اور طرح کا ہوتا ہے۔ جان دینے تک کے لیے تیار ہوئے۔

اور یہ تو عام انبیاء علیہم السلام کی بات ہے اور میرے حبیب پاک ﷺ کے ہاں تو دوسری بھی نسبت ہے۔ نبوت والی بھی اور ختم نبوت والی بھی۔ تو میں طفیلؓ کا قصہ عرض کر رہا تھا کہ ابھی تک تو کانوں میں روئی رکھی تھی اور اب جب دل کے پردے کھل گئے تو یوں کہا کہ میں تو ایمان لے آیا۔ اب جاتا ہوں اپنے قبیلے کی طرف۔ حضور ﷺ خاموش ہو گئے اور اللہ کے بندے ایسے نہیں ہوتے کہ اپنی مرضی سے بات کر لیں۔ اُن کی تو حالت یہ ہوتی ہے:

پھرتا ہوں پھیرتا ہے وہ دلربا جدھر
پُتلی کی طرح میں نہیں ہوں اختیار میں

تو جب چلے گئے اور دعوت شروع کی، قوم نے ہنسی اُڑانی شروع کی تو واپس آئے اور حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یہ خس و خاشاک تو مانتے نہیں، اُن کے لیے ہلاکت کی دُعا فرما لیں۔ اب حضور ﷺ نے ہاتھ اُٹھائے تو صحابہؓ کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ ہلاک ہو گئی قوم دوس (رواہ ابن حجر) لیکن یہاں کیا ہوا۔ فرمایا گیا کہ ”اے اللہ! دوس کے قبیلے کو ہدایت دیں“ تو جب واپس چلے گئے تو پوری کی پوری قوم اسلام لے آئی۔ گویا بخت جاگ اُٹھی اور طفیلؓ نے اپنے ہاں حضور ﷺ کو ہجرت کرنے کی دعوت بھی دے دی۔ یہ دُعا بھی عجیب چیز ہوتی ہے کہ اِتنے راستوں کو آسان کرتی ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضور ﷺ کا راستہ بصیرت والا راستہ ہے اور اس راستہ کو ہم قبول کر چکے ہیں۔ جب ہم نے ایمان لانے کا اقرار کیا، اس کے ساتھ اِس بات کا بھی اقرار

کیا کہ اِس راہ کو اپنانے کی کوشش کریں گے تو اس راہ کی تلاش کے لیے اور اِس راہ پر آنے کے لیے ابتدائی طور پر چار مہینے دے دو کہ جس دعوت کی راہیں ہم سے چھوٹ چکیں۔ اب پھر اُس رسّی کو پکڑیں تا کہ اللہ کے تعلق کی حقیقت ہم پر کھلے۔ دعوت کی حقیقت ہمارے اندر آئے، نماز کی حقیقت اندر آئے، جان لیں کہ علم کیا ہوتا ہے۔ ذکر کی حقیقت کیا ہوتی ہے۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ معاملات کیسے رکھے جاتے ہیں اور اپنی نیت کے اندر خلوص کیسے پیدا کیا جائے اور مسلمان بھائیوں کے حقوق کو ادا کرنے والے کیسے بنیں اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ جوڑ کیسے رکھیں تو جن لوگوں نے ان حقوق کو ادا نہیں کیا تو توڑا جائے گا۔ اب توڑنے پر ایک بات یاد آئی کہ جو شخص قتال نہ کرے، جہاد نہ کرے اور جس کے دل میں جہاد کا جذبہ بھی نہ ہو تو قیامت کے دن اُس کے جسم میں گہرا زخم ہو گا کیونکہ اُس نے تمنا ہی نہیں کی تو اول تو یہ کرے اور اگر کرنے کا موقع نہ ملے تو تمنا رکھے تو اعمال کے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ کہا کہ سوال کرے تو مجھ سے کرے اور غیر سے دل کے سوال کو اشراف کہتے ہیں تو خدا چاہتا ہے کہ جس طرح اُس کے ہاتھ اللہ کی طرف اُٹھیں۔ اسی طرح اس کا دل بھی غیر کی طرف نہ اُٹھے، ظاہراً اور باطناً ''حنیف'' ہو تو فرمایا کہ جو گدا اگر سوال کرنے والے ہوں گے۔ اُن کو جب قیامت کے دن اُٹھایا جائے گا اُن کے چہرے پر گوشت نہ ہو گا۔ تو جو سوال کرنے سے اپنی آبروریزی کرتا تھا تو قیامت کے دن اس کو اُسی حالت پر اُٹھایا جائے گا تو ہمیں صرف اس کا مکلف کیا گیا کہ تم جیسے میں کہوں کرتے جاؤ۔ اگر تم قلت والے ہو تو میں تعداد والوں کو تمہارے سامنے مٹاؤں گا اور اگر تم تاج و تخت والے نہیں ہو، میں تاج و تخت والوں کو تمہارے قدموں میں ڈالوں گا۔

دین کے لیے محنت

اب یہ اعمال کس طرح وجود میں آتے ہیں اور ان کے بننے کا کیا طریقہ ہے۔ تو جیسے

ہر موسم کے پھل اپنے موسم میں آتے ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے حالات اور اعمال خاص حالات اور خاص فضاؤں میں ہوا کرتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ نہیں کہ اعمال تو دیئے ہوں اور اعمال کے طریقے نہیں بتائے ہوں۔ تو اس اُمت کو اعمال کرنے کا ایک عمومی طریقہ بتایا تو جب یہ اُمت عالمگیر ہے، دائمی ہے تو جیسے کہ ان کے اعمال دائمی ہیں تو ان کے اعمال کے پیدا کرنے کا جو طریقہ ہے وہ بھی ایسا طریقہ نہیں کہ صرف خواص کے لیے ہو افراد کے لیے ہو بلکہ وہ ایک عمومی طریقہ ہے اور وہ طریقہ کیا ہے۔ اس اُمت کے اعمال صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ کو دعوت کی زمین پر اُٹھایا گیا۔ بنیادی ہدایت ایمان والی ہدایت ہے اور ہر عمل کے کرنے کے لیے اللہ کی طرف سے رحمت خاص ہوتی ہے تو اللہ کی رحمت کی بدلیوں کے برسانے کے لیے جب انسان کے اعمال میں ایمان پیدا کرے تو جیسے بارش سے مُردہ زمین میں پھول اور پھل اُگا کرتے ہیں تو جب روحانی اعمال کی بارش ہوتی ہے تو انسان چاہے یا نہ چاہے اُن سے اعمال محمدیہؐ پیدا ہوتے ہیں۔ مخلوق کے دل چاہیں یا نہ چاہیں، نیک اعمال کی اور رحمت کی بارش آتی ہے لیکن جس طرح اعمال تکوینیہ میں ہوائیں مل کر سمندروں کی طرف چلتی ہیں تو پانی سے بھر جاتی ہیں اور پھر بارش پیدا کرتی ہیں تو جب مسلمان اپنی جان کو کھپا دیں گے جیسے صحابہؓ نے کیا۔ گرمی و سردی کو نہ دیکھا، احوال کو نہ دیکھا بلکہ ایمان ویقین کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے دین کے لیے بیویوں کو رانڈ کرانا پڑا تو رانڈ کیا۔ دین کے لیے نکل گئے، ان کے سامنے ایک بات تھی وہ کیا تھی؟ دین کا فروغ۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم چمک جائیں بلکہ اللہ کا دین چمکے۔ اُن کا اپنا داعیہ نہیں تھا۔ وہ اپنے لیے زندگی نہیں گزارتے تھے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم دنیا کو چلانے والے بن جائیں بلکہ اُن کا مطلب یہ تھا کہ دنیا میں اللہ کا دین چالو ہو جائے تو جو خدا کے لیے مٹنا چاہے تو خدا کا قاعدہ ہے کہ وہ اُس کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔ اُن کی گردن پر چھری بھی چلے، اُس کی گردن اگر تن سے جدا دکھائی دے تو بھی اُس کو مُردہ مت کہو۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ

يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ (البقرہ۲: ۱۵۴)(اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوں ان کو مُردہ نہ کہو۔ دراصل وہ زندہ ہیں مگر تم کو (ان کی زندگی کا) احساس نہیں ہوتا۔) اور اگر مُردہ تک کہا تو گنہگار ہوگا تو جس کو خدا بناتا ہے وہ بنا کر رِہ جاتے ہیں جو اپنے تقاضوں کو خدا کی مرضیات پر لگائے۔

تو دوستو! یہی وہ طریقہ تھا، ایمان سے اپنی زندگی بنانے کا طریقہ اور یہ وہ طریقہ تھا جس سے صحابہ کرامؓ کے زمانے میں دین چمکا اور ایسے چمکا کہ آج کل بھی جو دین کی گاڑی چل رہی ہے۔ بقول حضرت مولانا الیاسؒ بعض اوقات ریل کے ڈبے چل رہے ہوتے ہیں، وہ خود نہیں چلتے بلکہ اُن کو آپ نے دھکا دیا ہوا تھا۔ وہ چل رہے ہوتے ہیں ۔ تو اب دوستو! وہی ڈبے جو سُست رفتار ہو گئے تو اس لیے کہتے ہیں کہ ہم اُن کو ایسا دھکا دیں کہ اُن کی رفتار تیز ہو جائے۔ تو دین کی گاڑی کو چلانے کے لیے کہا کرتے تھے کہ اسکے لیے چار مہینے لگا لو تاکہ دین کا کچھ ذائقہ چکھ لو۔ اسی طرح سال میں چالیس دِن، مہینے میں تین دِن، ہفتے میں دو گشت، صبح و شام اللہ کی تسبیحات اور فضائل کی تعلیم میں لگا دو اور دوستو! بہت ہی فضائل کے مہینے ہیں تو اس میں اوقات لگا دو۔ اب شوال کا مہینہ ہے۔ حضرت علیؓ کو جھنڈا دیتے ہوئے حضور پاک ﷺ نے فرمایا: اے علیؓ! اگر تمہاری وجہ سے ایک آدمی بھی اسلام پر آیا تو وہ تمہارے لیے سرخ اُونٹوں سے زیادہ قیمتی ہے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ حجۃ الوداع کے مہینے میں جو بات حضور ﷺ نے فرمائی تو کہا: ''اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَ اَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ'' (میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔) تو اگر تم نے دین ک کام نہیں کیا تو کون کرے ۔ تو بھائی لکھا لو اپنا نام اور اوقات۔[74]

[74] ۔ عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ فی حدیث طویل أنا اٰخر الانبیاء و انتم اٰخر الامم۔ (حدیث نمبر: ۳۵، ختم نبوت، مفتی محمد شفیعؒ: ابن ماجہ، و ابن خزیمہ، والحاکم والفیناء من منتخب الکنز)

انسانی اور ربانی علوم اور اوقات کا استعمال

اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی (27 اکتوبر 1964ء، بروزِ منگل بعد از نمازِ مغرب 5 بجکر 30 منٹ)

جاہل اور اُمّی کا فرق

میرے دوستو اور عزیزو! حبیب پاک ﷺ جس وقت اس عالم میں تشریف لائے اور آپ ﷺ کی بعثت فرمائی گئی اور اعلانِ نبوت فرمایا تو شروع میں ایسے طبقے سے خطاب تھا جو زیادہ جاننے والا نہیں تھا۔ ایسا طبقہ جو نہ خدا سے آشنا تھا نہ تہذیب سے آشنا تھا۔ ایک ریوڑ تھا جو کہ زندگی گزار رہا تھا۔ جاہل طبقہ یہاں ایک بات کہوں کہ عام طور پر آج کل جاہل اس کو کہتے ہیں جو کہ جانتا نہیں جو کہ اے۔ بی۔ سی نہ جانے لیکن قرآن جاہل اس کو کہتے ہیں جس میں اخلاق نہیں، جس میں اعمال صالحہ نہیں۔ قرآن نے پہلی جاہلیت کو جاہلیتِ اولیٰ کہا ہے۔ اُس میں جوّا عام تھا، بدکاری عام تھی، حرام کو حرام نہ سمجھتا اور خدا سے بیگانگی اُس میں موجود تھی۔ اس لیے حاصل کیا ہوا۔ اگر قرآن کے معیار میں آپ موجودہ تہذیبی ترقی یافتہ اقوام کو جانچ لیں تو اُس کو اگر اُس زمانے کی جاہلیت کو جاہلیتِ اولیٰ کہا گیا تو اس کو جاہلیت اُخریٰ کہا جائے۔

عالم کون؟

دیکھو! سورج کا حساب تو ہم جانتے نہیں، یہ تو جنتریوں والے جانیں، ہمارے لیے چاند کا آسان حساب کتاب ہے۔ حضور ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا: ”اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ“ کہ ہم اَن پڑھ اُمت ہیں۔ دیکھو! یورپ کا 3/4 حصہ پڑھا ہوا ہے۔ ان میں نوشت و خواندہ بہت زیادہ ہیں لیکن زندگی حیوانات سے بدتر ہے جیسے چوپائے زندگی گزارتے ہیں۔ فواحشات میں ڈوبے ہوئے ہیں، تمام دِن مال کمانے میں، رات کو کلب اور بے حیائی کے تماشوں میں گزارتے ہیں۔

اب انہیں تو ہم عالم نہیں کہتے۔ ''لا نکتب ولا نحسب الشھر ھٰکذا و ھٰکذا یعنی مرّۃ تسعۃً وّ عشرین ومرّۃ ثلاثین''۔(الصحیح البخاری حدیث نمبر:۱۹۰۸، صحیح مسلم حدیث نمبر:۲۵۱۱)[75] ہمیں نہ لکھنا آتا ہے اور نہ گننا۔ بتانا یہ تھا کہ اسلام جو ہے وہ نرے پڑھے لکھے بھوتوں کا مذہب نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو لکھنا جانتا ہو یا نہ ہو وہ اس دین کا عالم بن سکتا ہے۔

میرے آقا ﷺ سب سے بڑے عالم تھے اور عالم کسے کہتے ہیں؟ جو خدا کے احکام کو جانیں۔ ان تمام جیوں کو حاصل کر کے اپنا جی بھی دے دو تو موت تمہارے ان علوم کے فائدے کو قطع کر دے گی۔ یہ عالم ختم ہو جائے تو سب ختم۔ زمین سے چیزیں یوں پیدا ہوتی ہیں، فلاں یہ سونا ہے اور فلاں اس طرح۔ برٹن رسل (Bertrand Russel) اور آئن سٹائن (Albert Einstein) بن جاؤ تو آج دیکھ لو کہ آئن سٹائن جہنم کے کون سے طبقے میں ہے۔ اندازہ تو یہی ہے کہ ساتویں میں ہو گا۔ ویسے اگر اللہ نے کچھ آسانی فرمائی ہو تو چھٹی پانچویں میں ہو۔ تو حق کسے کہتے ہیں؟ ''کل شیءٍ ماخلا اللہ باطل'' (اللہ کے علاوہ ہر چیز ختم ہونے والی ہے) اسی طور پر یہ جتنے بھی علوم ہیں، یہ سب باطل ہیں۔ اسی لیے میں یہ کہوں کہ ان علوم کو اصل علم نہ سمجھو بلکہ اصل علم وہ ہے جو انسان کو اللہ سے وابستہ کرتا ہے اور یہ علوم نہیں مگر فنون ہیں جیسے بیالوجی، جیالوجی، انجینئرنگ وغیرہ۔

انسانی علم کی بنیاد

اور دیکھو! ہم ان علوم کے لحاظ سے یہی کہتے ہیں کہ پانی میں ڈبونے، آگ میں جلانے اور زہر میں مارنے کی خاصیت ہے اور دیکھو! انسان کا علم تجربے اور قیاس کا نام ہے۔ ایک بڑا پگلا، مخبوط الحواس، اُس کو کچھ کھوپڑیاں ملیں۔ اس کے خیال میں وہ انسانوں کی کھوپڑیاں لگتی تھیں تو کیا ہوا۔ اب اُس نے سمجھ لیا کہ ہو نہ ہو یہ بھی انسان کی کھوپڑی ہے۔

---

[75] ۔ سنن النسائی؛ الجزء ۴: ص ۱۳۹، ۱۴۰۔ بشرح السیوطی وحاشیۃ السندی دراکجیل ج ۲۔

ایک لطیفہ عرض کروں۔ ایک گاؤں میں ایک دفعہ رات کے وقت کیچڑ میں ہاتھی گزرا۔ دیکھا تو کہا کہ اِتنا بڑا پاؤں کس کا ہو سکتا ہے تو گئے ایک عقلمند کے پاس دادالا بجھکڑ تو بڑی سنجیدگی سے کہا: ''لال بجھکڑ بوجھ گئے اور کوئی نہ بوجھے۔ پاؤں میں چکی باندھ کر کوئی ہرنا کودا آئے ہے'' تو اِسی طرح ڈارون نے کہاں نینڈرتھال کی کھوپڑی دیکھی اور کہاں کیا دیکھا اور کہاں کیا دیکھا تو سمجھا کہ ہو نہ ہو یہ میرے دادا بندر کی کھوپڑی ہے۔

آج کل یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ ڈیٹا (Data) جمع کرتے ہیں۔ خیال آرائی کرتے ہیں اور پھر اس کی بنیاد پر قیاس لگاتے ہیں اور جب یہ کتابیں خوبصورت جلدوں میں لپیٹ کر آتی ہیں تو ہم اُن کو آسمانی وحی کے برابر سمجھتے ہیں اور انسانی علم تو ابتدائی سٹیج میں کوؤں سے بھی کم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے دوسرے کو قتل کیا۔ اب اس کو دفنانا نہیں جانتا تھا۔ کندھے پر لیے پھرتا تھا تو اللہ نے اس کو سمجھانے کے لیے کوّے بھیج دیئے جس میں ایک نے دوسرے کو مار کر خاک میں دفن کر دیا۔ تو جو دیکھا تو کہا کہ ہائے! میں اس کوّے سے بھی کم تھا تو جب انسان حواس سے کوئی چیز محسوس کرتا ہے تو اس محسوس چیز پر بنیاد قائم کر لیتا ہے جیسے کہ ہم جانتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے، پانی ڈبوتا ہے وغیرہ۔ دیکھو! آنکھ بھی دھوکا دیتی ہے، زبان بھی دھوکا دیتی ہے۔ ایک دفعہ شملہ میں کوئی دو ہزار فٹ کے بلندی پر میں نے دیکھا۔ عینکیں نہیں لگائی ہوئی تھیں۔ دیکھا تو نیچے گائیں چر رہی تھیں تو کہا کہ دیکھو ان آدمیوں کو کیا ہوا کہ جو ایسے ایسے کر رہے ہیں تو کہا گیا کہ یہ تو گائیں ہیں اور آج تک کہتے ہیں کہ تم تو وہی آدمی ہو جو کہ گائیوں کو آدمی سمجھتا تھا۔

علوم انبیاء علیہم السلام کی تاثیر

تو انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آگ نہیں جلاتی بلکہ خدا کا حکم جلاتا ہے۔ خدا سب کچھ کرنے والا ہے۔ ہر یقین سے نکال کر خدا پر یقین لے آنا اس کو ایمان کہتے

ہیں۔ دیکھو! حضرت خالدؓ کا نام تو سنا ہو گا۔ جنگِ یرموک میں مسلمانوں کے لشکر کا سپہ سالار تھا۔ ماہان جرنیل تھا رومیوں کا۔ آیا اور زہر کا پیالہ پیش کیا اور کہا کہ تم کہتے ہو اور تمہارا نبی کہتا ہے کہ اور کسی چیز سے نہیں ہوتا بلکہ انسان اللہ کے حکم سے مرتا ہے تو اگر تمہارے نبی کی بات سچ ہے تو اس کو پی لے۔ اب مجھ جیسے کوئی ہوتا تو تاویل کر لیتا اور آج کی تاویل بھی ایسی تاویل ہوتی ہے کہ خدا کا حکم غلط اور بندوں کا حکم جائز۔ زنا حلال اور دو بیویوں سے نکاح ناجائز تو اُس نے کچھ نہیں کہا۔ اُٹھا اور کہا ''بِسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیء فی الارض ولا فی السمآء'' تو نہ سقراط کی طرح موت آگئی اور نہ کچھ ہوا اور نہ کچھ ہوا۔ تو جب دیکھا تو کہا کہ تمہارے نبی کی بات سچی ہے لیکن دل پر تالا تھا، پھر بھی ایمان نہیں لایا اور دیکھو! دجلہ بہہ رہا ہے۔ سعد بن وقاصؓ کھڑے ہیں اور ساتھ سلمان فارسیؓ ہیں۔ کہا کہ کیا کریں تو کہا کیا کریں۔ اللہ کا دریا ہے، ہم اللہ کے حکم سے چلتے ہیں تو کہا کہ اپنی فوج کو دیکھو کہ کوئی ان میں سے اللہ کا حکم توڑنے والا تو نہیں۔ دیکھا۔

انسانی علوم کی مثال

اور دیکھو! اللہ کے بندوں کی آنکھ سے کیا ہوتا ہے۔ ان کے دِلوں میں بصیرت ہوتی ہے۔ حضرت عثمانؓ ایک دفعہ خطبہ دے رہے تھے۔ ایک آدمی دیر سے آیا تو کہا کہ لوگوں کو کیا ہوا کہ زنا کر کے ہماری مسجد میں آتے ہیں۔ آنکھ کہیں غلط جگہ پر پڑی ہوئی تھی تو جب دیکھا کہ تمام لشکر میں کوئی کبیرہ گناہ کا مرتکب نہیں تو دریا میں کود پڑے اور ایسے جا رہے تھے کہ ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کر رہے تھے اور ایک صحابیؓ کا ایک کٹورا گر گیا تو دوسرے ساتھی نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ گڑبڑ ہے تو کہا کہ کچھ نہیں۔ اس دریا میں یہ طاقت نہیں کہ اس کو ڈبو دے تو ایک لہر آئی اور اس کے کٹورے کو کنارے پر نکال گئی۔

تو دیکھو! یہ موجودہ دُنیاوی علوم جوتے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب ہم نے کیا کیا

۔جوتے کو سر پر رکھ دیا اور سر کے تاج کو لا کر جوتیوں پر رکھ دیا تو اگر ہم دین کی باتوں کو سیکھتے نہیں، اُن علوم کو نہیں سیکھتے، خدا کی یاد نہیں کرتے، اُس علم کو نہیں جانتے جس سے اللہ کا یقین آتا ہے اور ہر ایک بات اپنی اپنی جگہ پر دکھائی دے تو ہم علم حقیقی سے علم جاہلیت میں لگ گئے اور علم حقیقی یوں کہتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ ان اسباب سے نہیں ہوتا بلکہ خدا اسے ہوتا ہے جیسے پُتلیاں نہیں ناچتیں بلکہ نیچے اُنگلیاں ہِلتی ہیں اور ان کو نچاتی ہیں۔

پھرتا ہوں پھیرتا ہے وہ دلربا جدھر
پُتلی کی طرح میں نہیں ہوں اختیار میں

تو اگر ہم خدا والے ہو گئے، یقین والے ہو گئے تو ہم کامیاب ہوں گے۔ فائدہ مند ہو جائیں گے اور اگر ہم نے مخلوق میں بننا دیکھا، مخلوق میں بگڑنا دیکھا تو اگر اللہ نے دنیا میں ڈھیل دے دی، مہلت دے دی تو آخرت میں ایسی پٹائی ہو گی کہ اماں یاد آجائے گی۔ یہاں جو شیطان کے تختوں پر بیٹھتے ہیں، جب وہاں چلے جائیں تو جب ایک چپت لگ جائے گی تو اماں یاد آجائے گی، سب کچھ بھول جائے گا۔

تو بس ایک چیز اختیار کر لو کہ جو اللہ کرنے کا کہے ان کو اختیار کرو اور جو کچھ اللہ چھوڑنے کا کہے ان کو چھوڑ دو۔ اب اللہ کا کہنا کیا ہے۔ وہ حضور ﷺ کا طریقہ ہے۔ وہ جو کچھ کہے اور جو کچھ کرے وہ ہمارے لیے نمونہ ہے۔

در دو عالم از دو عالم این بس این خوش آید مرا
روئے تو یا کوئے تو یا خوئے تو یا بوئے تو

(دونوں جہانوں میں اگر مجھے خوشی ہوتی ہے تو یا تیرے چہرے سے، یا تیرے کوچے سے یا تیرے اخلاق سے یا آپ سے اُٹھنے والی خوشبو سے۔)

اوقات کا صحیح استعمال

تو اس کے لیے دینی ماحول میں چلے جاؤ اور جیسے ہنڈیاں پکتی ہیں، اس میں کچھ پانی ڈالتے ہیں، کچھ چاول وغیرہ ڈالتے ہیں۔ اب ہنڈیا کو چولہے پر چڑھا دیا اور اماں غافل ہو گئی یا سو گئی تو کیا ہو گا؟ ہنڈیا پکے گی؟ یا تو جل جائے گی اور یا کچھ کچے اور کچھ پکے رہیں گے۔

اِسی طرح وقت ایک ہنڈیا ہے۔ اس میں مرچ کو مرچ کی حیثیت سے ڈال دو، نمک کو نمک کی حیثیت سے ڈال دو اور سبزی کو سبزی کی حیثیت سے اور اگر مرچ کو سبزی کے برابر ڈال دو اور نمک کو گوشت کے برابر ڈال دو تو وہ ترکاری ہو گی یا کیا ہو گی۔ تو اسی طرح ہم جب دینی ماحول میں آجائیں۔ تبلیغ میں رائے ونڈ میں چلے جائیں تو وہاں اپنے اوقات کو خراب نہ کر لو بلکہ ان کو انتہائی احتیاط سے گزارو۔

اہل اللہ کے قلوب اور فیض رسانی

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (28 دسمبر 1964ء، بروز ہفتہ بعد از نمازِ عصر 4 بجکر 55 منٹ)

اہل اللہ کے قلوب کا اثر

حضرت رائے پوریؒ آخری دَور میں بولتے نہیں تھے لیکن پوری مجلس پر ایک قسم کی سکینت طاری ہوتی تھی۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کے قلوب متوجہ بحق ہوتے ہیں اور وہ خاص رحمت جو سکینہ کہلاتی ہے، ان کے قلوب پر برستی ہے اور اس کی بنا پر سکون کو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھتے بلکہ مکان سے مکین بھی متاثر ہوتا ہے جیسے مکانوں میں کولر لگاتے ہیں یا ہیٹر لگاتے ہیں، اسی طرح ان کے قلب کا سکون پوری کی پوری مجلس پر تسکین کو طاری کر لیتے ہیں۔ اور دیکھو! ''مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ''۔ (اسی نے دو سمندروں کو اسی طرح چلایا کہ دونوں آپس میں مل جاتے ہیں (پھر بھی) ان کے درمیان ایک آڑ ہوتی ہے۔) اسی طرح جیسے کہ سورج کی شعاعیں سورج سے چھن چھن کر نکلتی ہیں، اسی طرح اہل اللہ کے قلوب سے ہدایت کی شعاعیں نکلتی ہیں جو پورے عالم کے قلوب کو متاثر کرتی ہیں۔ وہ جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں اور اس کو ہم دِلوں کا نظام کہتے ہیں۔ دل ایک بہت بڑی قوت ہے گویا یہ ایک آلہ ہے جس کا ایک رُخ خدا کی طرف اور دوسرا مخلوق کی طرف۔ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں اور لینے کی کیفیت کیا ہے؟ دل جب تک غیر میں اُلجھا ہوا ہوتا ہے، اُس وقت تک دل صحیح کام نہیں کرتا۔ جب غیروں سے نکلتا ہے اور خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دل کا نظام درست ہو جاتا ہے اور انسان تندرست ہو جاتا ہے۔

قلب کی قسمیں

قرآن کریم نے دل کے تین صفاتی نام بتائے۔ ۱) قلب منیب ۲) قلب سلیم ۳)

قلب اثیم۔

قلب سلیم: صحت مند دل، بے روگا دِل۔ روگ کہتے ہیں بیماری کو۔ منیب: انابت والا دل اور اثیم: گناہ والا اور بیمار دل۔ اثیم دل وہ ہے جو کہ غیر میں اُلجھا ہوا ہے۔ ہر گناہ کا سبب غیر میں اُلجھاؤ ہے۔ چاہے اپنے نفس میں اُلجھا ہو اور چاہے اور کسی میں۔ اپنا نفس بھی تو اُلجھا دیتا ہے۔ ''أرایت من اتخذ الٰھه ھواہ'' اور یہ اُلجھاؤ انسان کو معصیت میں مبتلا کر دیتا ہے اور اثیم دل کے حال میں انسان انسانیت کے انتہائی نچلے درجے پر ہوتا ہے جتنے بھی گناہ ہیں تو یہ خصائل ہیں یا جتنی بُری عادتیں اور رذائل وغیرہ ہیں۔ قلب اثیم کی کیفیتیں ہیں۔ اب اثیم کے بعد دوسرا قلب منیب ہے۔ درمیانی کیفیت ہے۔ اس کا حال یہ ہوتا ہے۔ انابت خداوند قدوس کی رحمت کو بندے کی طرف متوجہ کرتی ہے اور توفیقات ربانی انسان کی طرف آتی ہیں اور جب خداوند کریم کی توفیقات بندے پر آتی ہیں تو بندہ کا خیر کی طرف آنا شروع ہوتا ہے اور انابت کاملہ جب میسر آجاتی ہے تو کلی رجوع خداوند قدوس کی طرف ہو جاتا ہے اور یہی قلب پھر قلب منیب کے بجائے قلب سلیم کہلایا جاتا ہے۔ پھر اس کی کیفیت غیر کی طرف جھکاؤ والی نہیں رہی اور اپنی جملہ حاجات کو خدا ہی کے ساتھ باندھ لیا تو وہ ہر بیماری سے پاک ہو کر بے روگا دل اور قلب سلیم بن جاتا ہے۔ گویا دل کو غیر سے خالی کر کے ربکی محبت کو اندر سمو لینے کا نام قلب سلیم ہے۔

قرآن کریم کی ایک آیت ہے ''يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾'' (جس دن کہ نفع دیں گے نہ مال اور نہ بیٹے۔ وہی قلب سلیم آخرت میں نفع دے گا۔) ان دونوں کی طرف انسان کا قلبی میلان ہوتا ہے اور جب قلب سلیم کی فطرت یہ بن جائے کہ ان دونوں سے زیادہ رجوع خدا کی طرف ہو۔ جیسے قلب اثیم غیر کی طرف جھکتا ہے قلب سلیم اللہ کی طرف جھک جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بیٹے پر چھری پھیرنے کا حکم ہوتا ہے

تو چھری پھیر لیتا ہے۔ مال کو چھوڑنے کا حکم ہوتا ہے تو چھوڑ دیتا ہے اور یہ فراغ ہر ایک کی استعداد اور درجات کے لحاظ سے مختلف ہے۔ نبی کا فراغ ولی کے برابر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اُونچے درجے کے ولی کا نیچے درجے کے ولی کے برابر نہیں۔ جب قلب سلیم ہو جاتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ ایک خاصیت پیدا کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اُس طرف متوجہ ہو جاتی ہیں۔ دیکھو! جب دل اللہ کا ہو کر اللہ کی طرف کلی طور پر متوجہ ہو جاتا ہے تو انتشار ختم ہو جاتا ہے۔ دل کا انتشار اُسی وقت تک ہے جبکہ دل غیر کی طرف کچھ نہ کچھ متوجہ ہو۔ طمانیت بڑھتی جاتی ہے جتنا کہ فراغت بڑھتی جائے۔

اللہ کی طرف سے سکینہ کا نزول ہوتا ہے ”اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ“ (الزمر ۳۹: ۲۲) (بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول رکھا ہے وہ اپنے پروردگار کی عطا کی ہوئی روشنی میں آ چکا ہے ”سنگدلوں کے برابر ہو سکتا ہے“۔) خدا کی طرف کا دروازہ کھل جائے اور خداوند قدوس کی تجلیات کا ظہور ہونے لگے تو دل ایک سکون کی جنت میں پہنچ گیا۔ ایمان اور طمانیت خدا کے ساتھ ہے۔

بات چلی تھی اس پر کہ اولیاء اللہ کے قلوب سکینہ الٰہیہ سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے سکون تام نصیب ہو جاتا ہے اور وہ جب بڑھتا چلا جاتا ہے تو ان کی صحبت میں بھی اثر محسوس ہونے لگتا ہے۔ اب سکینہ اور طمانیت اہل اللہ کے دلوں کی خاص مایہ ہے تو یہ سکینہ اور طمانیت جس قدر بڑھ جائے تو عام لوگوں اور یہاں تک کہ جانور تک بھی ان کی صحبت میں تسکین پا جاتے ہیں۔ ترشح ہوتا ہے اور اس میں یہ ضروری نہیں کہ اُس ولی کو معلوم ہو کیونکہ یہ فعل خداوندی ہے جو کہ اُس کو بھی متاثر کرتی ہے اور اوروں کو بھی۔ کسی نے جنیدؒ سے پوچھا۔ تفرید و تجرید کیا ہے؟ کہا اس کا حال ابو بکرؓ سے پوچھو۔ تجرید عن غیر اللہ اور تفرید باللہ کا۔ حبیب پاک ﷺ نے پردہ فرمالیا لیکن آپ کا یہ حال تھا کہ اپنی جگہ پر قائم

رہے، آئے آپ کو بوسہ دیا اور فرمایا: ''کہ اللہ پاک آپ پر دو موتوں کو اکٹھا نہیں کرے گا'' اور منبر پر آئے اور کہا ''من کان یعبد محمدًا ﷺ فان محمدًا قد مات و من کان یعبد اللہ فان اللہ حیٌّ لا یموت''۔ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۱۲۴۲) (جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ تو وفات پا گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اُس پر موت نہیں آتی اور وہ زندہ جاوید ہے۔) عبد اللہ بن زبیرؓ کعبہ میں نماز پڑھتا ہے۔ ایک پتھر آتا ہے اس کے گلے اور داڑھی میں سے گزرتا ہے۔ بعد میں یہ پوچھتا ہے کہ کیا ہوا تھا۔ شور سا تھا۔

ہر کہ خواهد همنشینی باخدا
تا نشیند در حضور اولیاء

(جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کا خواہش مند ہو تو اس کو اولیاء اللہ کے پاس بیٹھنا چاہیئے۔)

اُن کا دل خدا سے لیتا ہے ان کی گرمی خدا سے ہوتی ہے۔

کار پاگان روشنی و گرمی است
کار دونان حیلہ و بے شرمی است

(نیک لوگوں سے دین کی روشنی اور عمل میں گرمجوشی پیدا ہوتی ہے اور جو بُرے لوگ ہیں اُن کا کام حیلہ سازی اور بے شرمی ہے۔)

اہل اللہ متکلم ہوں یا ساکت، اللہ اُن سے کام لیتا رہتا ہے اور بندوں کی فیض رسانی کا کام ہوتا ہے۔ اب یہ بجلی بولتی ہے؟ ہیٹر بولتا ہے؟ لیکن گرمی نکلتی ہے۔ اسی طرح اہل اللہ کے قلوب کی شعاعیں ہر ہم جلیس کو متاثر کرتی ہے۔ صحبت اہل اللہ کو اسی لیے شرف دیا گیا ہے۔

توحید تامہ کا حصول عبدیت کی راہ سے

مجلسی گفتگو در دولت خانۂ خویش (29 دسمبر 1964ء، بروزِ اتوار بعد از نمازِ مغرب)

توحید تامہ

انبیاء علیہم السلام جو آتے ہیں، سب کا مقصد توحید تامہ کا حصول ہے۔ جیسے انبیاءؑ کا یہی مقصد ہے اور اس کے حصول کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ اِسی طرح اُمت کا وہ طبقہ جو صوفیاء کے نام سے مشہور ہے توحید تامہ کے حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں جیسے کہ میرے حضرتؒ نے ایک شخص کو لکھا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر اِتنی کثرت سے کرتے رہو اور اس کو خیال میں لاتے رہو کہ ہر غیر دِل سے نکل جائے۔ اب یکے گفتن تو آسان ہے لیکن ایک ہی کو دیکھنا ایک ہی کو سننا اور ایک ہی کا پانا یہ مشکل ہے۔ اس کو کہتے ہیں توحید افعالی کہ خداوند کریم کا اظہار اس طرح ہو جائے کہ خداوند کریم کا اظہار ہم آفاق میں بھی دیکھیں اور ہم اپنی ذاتوں میں بھی دیکھیں یعنی خداوند کریم کی ذات سے ہر چیز کا ہونا، اس کا احساس ہمارا حال بن جائے۔ یوں سمجھیں اور اگر سمجھیں نہیں تو یوں کوشش کریں کہ ایسا ہونا محسوس ہو جائے۔ تمام صفات حسنہ تمام محامد اور تمام اچھائیاں ایک اس کی ذات میں ہیں۔ سب کچھ اُس کی ذات میں ہے۔ جیسے خدا کی فاعلیت کا یقین آجائے، اسی طرح خدا کی حاضری کا بھی یقین آجائے، جہاں بھی تم ہو تمہارے ساتھ خدا کی ذات ہے۔ ''وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ'' (اللہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں جہاں بھی تم ہو۔) تمہارے ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی۔ اور تمہاری ہر ہر حالت کو دیکھتا، سنتا اور جانتا ہے۔ یہ صفاتی عقیدہ ہمارا حال بن جائے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے صفاتی نام مشہور ہیں تو یہ صفاتی نام ہم پر کھلیں۔ ہر صفت اور ہر حالت خدا کی ذات میں نظر آئے اور جو کچھ غیر میں نظر آتا ہے وہ خدا کا دیا ہوا اور خدا

سے ملا ہوا نظر آئے۔ گویا توحید کا حاصل یہ ہوا کہ ہم ہر چیز کو ہر آن خدا کی ذات سے ہوتے ہوئے دیکھیں۔ تو اب انہی صفات کو لینا، اپنانا اور اپنی استعداد کے بقدر ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا ہمارے اخلاق بن جائیں۔ ہمارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق تب پیدا ہو گا جبکہ ہم خدا کی صفات کو اپنائیں۔ خدا کی کبریائی ہے تو یہ تو ہم میں آ نہیں سکتی تو اُس کا عکس ہم میں آئے تو خداوند قدوس کو ہم قادر جانیں تو اپنے آپ کو بالکل عاجز سمجھیں لیکن باقی جو اللہ کی صفات ہیں مثلاً رحیمی ہے تو ہم میں اُس کا اثر ہو، اسی طرح وہ رزاق ہیں تو اس لحاظ سے ہم کو بھی جو کچھ خدا نے دے رکھا ہے اُس کو خرچ کرنے والے بن جائیں۔ تو توحید کا اثر یہ ہو گا کہ خداوند قدوس سے انسان اِتنا متاثر ہو جائے کہ اس کی صفات کا ظہور ہماری ذاتوں میں ہو جائے اور جب ایسا ہو گیا تو گویا ہم اللہ کے رنگ میں رنگ گئے۔ ''صبغة الله و من احسن من الله صبغة و نحن له عابدون''۔(البقرۃ: ۱۳۸،۲)(ہم پر تو اللہ نے اپنے رنگ چڑھا دیا ہے اور کون ہے جو اللہ سے بہتر رنگ چڑھائے؟ اور ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔)

توحید اور عبدیت

تو توحید کا حاصل خدا سے دیکھنا اور اس کی صفات کا اپنا لینا اور یہ عبدیت کی راہ سے آتی ہے۔ بندگی کی زندگی اپنی رائے کا فنا کرنا اور خدا کے احکام کو لاگو کرنا ہے اور جب سے ہم میں اپنی رائے اور ''میں'' ختم ہو گئی تو عبدیت آئے گی اور یہ نمونہ ہم کو کہاں سے ملے گا حضور ﷺ کی ذات بابرکت کو دیکھ لینا، خدا کا رنگ اگر کسی پر چڑھا اور صحیح معنی میں چڑھا اور پورا کا پورا چڑھا تو وہ حبیب ﷺ ہیں تو خدا کو اپنانا حبیب پاک ﷺ کے رنگ کو اپنانا ہے۔ اس کے مختلف رنگ ہیں اور ان کا مختصر سا نام عبدیت ہے اور پھر اس کی سرخیاں عبادات، معاملات اور اخلاق ہیں۔

اب عبادت اللہ سے لینے کے طریقوں کا نام ہے۔ بندے میں عبدیت جتنی آئے گی

اُس میں خدا سے لینے کی صلاحیت بڑھتی چلی جائے گی یہاں تک کہ عبد کامل ہو گا تو ابد الاباد تک ملتا رہے گا۔ عبدیت بندے میں خدا سے لینے کا طریقہ پیدا کرتی ہے۔ انسان کو خدا کی عطایا کا محل بنا دیتی ہے اور پھر انسان کو ابد الاباد تک دلاتی چلی جاتی ہے۔ گویا عبدیت ایک طریقہ ہوا جس کے واسطے انسان پر خدا کی عطایا کا دائمی اور ابدی دروازہ کھلتا ہے اور انسان خدا کے عطایا کے لینے کا قابل بن جاتا ہے اور پھر انسان خدا کے ساتھ معاملہ کرنے کا اہل بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے پہلے کہا ''اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ''۔ بندگی کی راہیں کھلیں گی تو استعانت کی راہیں کھلیں گی۔ اب بندگی میں عبادت آتی ہے اور عبادت میں ہے نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج۔

اب نماز میں بندہ خدا کے آگے اپنے کو بالکل جھکا دیتا ہے، پیشانی کو رکھ لیتا ہے لیکن یوں کہا گیا کہ اس میں سجدہ خدا کی نزدیکیت کا سب سے بڑا محل ہے تو گویا یوں ہوا کہ عبدیت سے انسان قریب ہوتا ہے۔ زکوٰۃ میں انسان کو اللہ محل بناتا ہے اپنی عطایا کا۔ ایک دفعہ ہمارے حضرتؒ کے پاس کچھ آیا۔ تو تقسیم کیا اور کچھ آنے پاس رِہ گئے تو کہا کہ یہ اللہ کی تقسیم ہے۔ روزہ کیا ہے؟ کہ کہا کھاؤ تو کھایا اور جب منع فرمایا تو منع ہو گئے۔ تو فرمایا کہ ''اُمت جب تک خیر پر رہے گی جبکہ افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرے گی۔ اب حج عبدیت کا وہ مقام ہے جبکہ انسان عبدیت کے قانون پر چلتا چلتا بالکل عشق کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ یہاں بندہ اپنے سلے ہوئے کپڑے بھی اُتارتا ہے۔ اس کے بعد اخلاق آتے ہیں۔ عبدیت سے خدا کے ساتھ محبت پیدا ہو گی اور خداوند قدوس کے عطایا میں صرف لڈو پیڑے ملنا شامل نہیں بلکہ خداوند قدوس کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ اس کو دائم اللیل اور صائم النہار کا ثواب مل جاتا ہے۔ خداوند کریم کی صفات کا جب بندے پر سایہ پڑتا ہے تو وہ خلیق ہو جاتا ہے یعنی انسان خدا کے ساتھ تعلق پیدا کر کے اپنے اندر خدا کے اخلاق پیدا کرے۔ اب جتنا بھی خلق آئے گا اور خلق

کیا ہے؟ خالق کے خلق کو اپنانا، اُسی کی طرف دیکھنا، اسی سے اُمید رکھنا، خدا سے لینا اور بندوں کو دینا، خدا سے لینا عبدیت اور دینا نیابت۔ بندہ عبد بھی ہے اور خلیفہ بھی ہے۔ ہر خیر کو تقسیم کرو، شر کو نہیں تو جب بندہ میں وہ اخلاق آجاتے ہیں تو خداوند قدوس کی محبت کا مورد بن جاتا ہے۔ چاہے گا اُس ذات کو جس میں خدا کے اخلاق ہوں تو جتنا بھی ہم خدا کے اخلاق کو اندر لائیں گے خدا کے محبوب بن جائیں گے اور خداوند کریم اپنے محبوب کو ہر حالت میں راضی رکھ لیتے ہیں۔ دے کر بھی اور نہ دے کر بھی۔ اب بندہ جس میں خدا کے اخلاق ہوں وہ لوگوں کے ساتھ معاملہ اپنے نفس کے لیے کرے گا یا خدا کے لیے۔ خلیفہ تب ہی کہلایا جاتا ہے جب انسان خداوند قدوس کے اخلاق کو اپنا کر اس کا نائب بن کر خدا کے احکام کا اجرا کرتا ہے اور یہ اپنے نفس، اپنی حکومت اور ذاتی جذبے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ خدا کی مرضی کے لیے۔ اگر وہ قتل بھی کرے تو روا ہے۔ مولانا نے کہا:

آن کہ جان بخشند اگر بکشد رواست
نائب است و حکمِ او حکمِ خداست

(جو کہ جان دیتا ہے اگر وہ اس کے لینے کا تقاضا کرے تو بالکل ٹھیک اگر یہ کام ان کے نائبین کے ذریعے سرانجام ہوں، تو وہ بھی اللہ کے حکم چلانے والے ہیں کوئی غیر نہیں۔)

اب بندہ بندے کی حیثیت سے زندگی گزارتے ہوئے خدا کے احکام کو خود بھی اپنائے گا اور اس کا اجرا بھی کرے گا تو ایک کہنا تو آسان ہے لیکن ایک ہی کو لینا اور ایک ہی کو دل میں سمو لینا اور ایک ہی کا خوف دل میں اُتارنا یہ مشکل ہے۔ تو توحید صرف ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے لفظوں کا بولنا نہیں بلکہ مسلمانوں کے پورے اخلاقی ضابطے کا عنوان ہے۔ یعنی جو اخلاق اس میں آتا ہے توحید سے آتا ہے۔ جو معاملات بھی ہوتے ہیں وہ بھی اس کے نتیجے کے طور پر ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ خدا کو ایک مان لو ''فان التوحید رأس الطاعات'' اور توحید

کے پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ اور تجربہ شدہ ذریعہ ہے اور یہ صوفیائے کرام جو ہوتے ہیں، ہم کہتے ہیں اور انہوں نے پایا ہوا ہوتا ہے۔ ہم ناقل اور اُن کا اصل ہے اور انسان کا اندرون جو بنتا ہے وہ انسان کے حواس کی پیداوار ہوتی ہے۔

این جہاں چیست صنم خانۂ پندار ماست

(یہ جہان کیا ہے ہماری خواہشات کا صنم خانہ ہے جسے ہم اپنی ذہنی کمزوری کی بنا پر حقیقت خیال کرتے ہیں۔)

اب مولانا نے فرمایا:

لب بہ بند و چشم بند و گوش بند
گر نہ بینی روئے حق بر من نجند

(بُرائی سے اپنی زبان، آنکھ اور کانوں کو بند رکھ، اور حق کے متلاشی رہو، پھر بھی اگر جلوۂ حق نہ ملے تو آکر میرا مذاق اُڑاؤ۔)

اب ''لب بہ بند'' کا مطلب کیا ہے؟ ہر اُس بات کو نہ کہو جو کہ خیر والی نہ ہو۔ وہ کہو جو میاں سے متعلق ہے۔ ''من سکت نجیٰ'' ہر ایک بات انسان پر وبال ہے سوائے میاں کے ذکر کے۔ ہر وہ چیز جو خدا کا حجاب بنے اس کو نہ دیکھو، چاہے رنگ رنگیلی ہو، اُس سے نگاہ کو ہٹاؤ۔ دل کی نگاہ کو بھی ہٹاؤ اور آنکھ کے ذریعے سے بھی ہٹاؤ۔ اسی طرح کان ہیں ہر غیر حق سے ان کو بند کرو۔ یہاں تک کہ حفاظت کی گئی کہ آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ ہر اُس بات کو مشہور کرے، اس کو روایت کرے بغیر تحقیق کے۔ اب جب ایک کی کہو گے، ایک کی دیکھو گے اور ایک کی سنو گے تو وہ سلطان باھوؒ والی بات ہوگی۔

یکے گویم یکے پویم یکے در دِل چوگل بوئم
نہ جویم غیر الا اللہ نہ پویم غیر الا اللہ نہ بویم غیر الا اللہ

(ایک کی کہتا ہوں، ایک کی طرف بھاگتا ہوں، اور ایک کو گل کی طرح دِل میں رکھتا ہوں، نہ غیر اللہ کو ڈھونڈتا ہوں، نہ اس کی طرف چلتا ہوں اور نہ اس کی خوشبو کو کوئی توجہ دیتا ہوں یعنی میری محبت اور کوشش کا محور اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔)

تو حاصل یہ ہو جائے گا کہ

ہر کہ غیر اوست آن را جملہ سوخت

(عشق حقیقی دِل میں سما جائے تو غیر اللہ کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔)

اور توحید کا حصول ہو جائے گا اور دیکھو گندگی کا نام لو، طبیعت متلانے لگے گی۔ خوشبو کا نام لے لو تو جی خوش ہو جائے گا تو جیسے ان چیزوں کے نام لینے سے منہ میں پانی آتا ہے تو سچ کہتا ہوں حق کہتا ہوں، جتنا بھی میاں کا ذکر کرو گے محبت کے ساتھ تو ہر ایک غیر کو نکال دے گی تو خوب چاہت سے یاد کرو، اُس چاند کو یاد کرو جس سے تمہارے دِلوں کی چاندنی ہو، جس کے نُور سے تمہارے یہاں کا بھی اُجالا ہو اور وہاں آخرت میں بھی اُجالا ہو۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے: ''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض'' اللہ ہی تو زمین و آسمان کے نُور ہیں۔ اُس کو چھوڑ کر روشنی کہاں ملے گی۔ دِل کو روشن کرو تو ابد الاباد تک روشن رہے گا اور دُھواں بھی نہ دے گا اور اس کا دُھواں غیر کا دھیان اور بُرے اخلاق ہیں۔ اللہ مجھے اور آپ سب کو نصیب کرے اور توحید تامّہ نصیب کرے۔

ایمان اور اعمالِ صالحہ

حضرت الشیخ مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کی تقریر، ایگریکلچر کالج ایوب ہاسٹل
(14 مارچ 1965ء بعد از نمازِ مغرب)

فضیلتِ علم

میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! اللہ رب العزت نے حبیب پاک حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے انسانیت کو جو کچھ عطا فرمایا اس میں سب سے پہلی اور اُونچی چیز اللہ تبارک و تعالیٰ کا وہ علم ہے جس کی بناء پر انسان خداوند قدوس کے یقین معرفت اور تعلق کو جانتا ہے اور پھر ان احکام پر چل کر خلافت الٰہیہ کے منصب پر فائز ہو جاتا ہے۔ اگر وہ انبیاء علیہم السلام کے بتائے ہوئے حقائق کو نہ جانے تو انسان جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ وہ اس مقصد کے لیے نہیں رہتا بلکہ وہ ایک چلتا پھرتا حیوان ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزار کر انسان بن جاتا ہے۔ انسان صرف صورت انسانیہ کا نام نہیں بلکہ اُس حقیقت کا نام ہے جو کہ فرشتوں تک کہ اُن سے کوئی عمل سرزد نہیں ہو سکتا جو کہ اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔ اُن کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے آگے جھکایا اور اس کے رُتبے کو فرشتوں سے اُونچا کیا۔ وہ صورت کا کمال نہیں بلکہ وہ روح کا کمال ہے۔ صورتیں اللہ کے نزدیک اُس وقت قابل قدر ہوتی ہیں جب کہ اُن کی روحیں قابل قدر ہوں ورنہ بقول مولانا رومؒ کے:

اے بسا ابلیس کہ آدم روئے ہست
پس بہ ہر دستے نشاید داد دست

(بہت سے ابلیس آدم کی شکل لیکر پھرتے ہیں اور اپنے آپ کو اللہ والا ظاہر کرتے ہیں اس لیے ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیئے بلکہ خوب سوچ سمجھ کر اپنے شیخ کو چُن لیا جائے۔)

یعنی وہ شیطانوں کا ایک شیطان ہوتا ہے لیکن انسان کا ایسا روپ دھار لیتا ہے کہ

انسان دکھائی دیتا ہے۔

تو انسان انسان تب بن جاتا ہے کہ اُس میں وہ اخلاق، معاملات اور اعمال آجائیں جو انسانوں کا شیوہ ہیں۔

ایمان اور اعمال

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "ان اللہ تعالیٰ لا ینظر الیٰ صورکم واموالکم ولکنّ انّما ینظر الیٰ قلوبکم و اعمالکم"۔

(مسلم کتاب البر والصلۃ والادب، ۴۵: ۶۵۴۳)

ترجمہ: "بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دِلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے کہ کیسے سُرخی پاؤڈر ملتا ہے اور نہ اموال کو دیکھتا ہے۔ دیکھتا تو ہے لیکن نظرِ رحمت سے نہیں دیکھتا۔ پیار کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ کتنے بڑے گورے چٹے بن جاؤ اور امریکہ کی چمڑی اوڑھ لو، سونے کے تخت پر بیٹھے رہو اور حیوانوں کی طرح کھاتے رہو جس طرح کہ وہ کھاتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ اُن کو باندھ دیا جائے۔ بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ خداوند قدوس نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتے ہیں اور نہ تمہارے مالوں کو دیکھتے ہیں۔ ایک خلیفہ گزرے ہیں سیدنا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جو کہ صحابی تو نہیں ہے لیکن خلفائے راشدین میں گنے جاتے ہیں تو اس سے پہلے جو خلفاء تھے انہوں نے اور تو اور ایک حد تک تبلیغ کا کام بھی بند کیا تھا کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور جزیہ بند ہو جائے گا تو اس زمانے کا جو عامل تھا اُس نے رپورٹ کی کہ اگر تم نے تبلیغ کا کام ایسا شروع کیا اور لوگ مسلمان ہو جائیں تو جزیہ نہیں ملے گا تو پھر ملک کا کام کیسے چلے گا اور دیکھ یہ جزیہ کی رقم جس کا اِتنا شور ہے یہ کتنی رقم ہے۔ ساڑھے تین آنے ہے۔ آج کل کے حساب سے تو آپ نے جواب میں لکھا: "کہ حضور ﷺ ٹیکس وصول کرنے والے نہیں آئے تھے بلکہ وہ ہدایت رسان بن

کر آئے تھے"۔ ایک واقعہ ہے کہ جنگ خندق میں پوری طاقتیں مدینہ کے گرد آکر جمع ہوئی ہیں اور اِدھر حضور ﷺ کے پاس چند صحابہؓ ہیں۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے فرمایا جیسا کہ بدر کے مقام پر دعا کی تھی تو فرمایا: "کہ اے اللہ! یہ بھوکے ہیں، ان کو کھانا کھلا دے اور یہ ننگے ہیں اُن کو کپڑے پہنا دے تو کیا تھا بھوک کی حالت میں پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے خندق کھود رہے تھے اور یہاں تک کہ ایک صحابیؓ آیا اور پتھر دکھایا"۔ مطلب یہ تھا کہ دعا کرے تو حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ چلو کھانا کھلاتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کی نظر اللہ کی ذات پر تھی۔ کیا کیا؟ کہ اپنی شکم پاک سے پردہ ہٹایا اور دو پتھر باندھے ہوئے تھے دکھایا کہ اگر اُن کا دو دن کا فاقہ ہے تو آپ کا چار دن کا فاقہ ہے لیکن اس وقت بھی آپ ﷺ ثابت قدم رہے۔ خندق کھود رہے ہیں اور مٹی کو اُٹھا رہے ہیں۔ ایک چٹان آتی ہے جو کہ ٹوٹتی نہیں تو صحابہؓ آپ ﷺ کے پاس آئے کہ ایک چٹان آگئی جو ٹوٹتی نہیں تو آپ ﷺ آتے ہیں اور پھاوڑہ لیکر مارتے ہیں تو چٹان سے ایک چنگاری اُٹھتی ہے۔ پھر دوسری اور پھر تیسری اور آپ ﷺ "اللہ اکبر" کا نعرہ لگاتے ہیں تو فرمایا کہ پہلی چنگاری اُٹھی تو اس میں مجھے خیبر کے اور دوسری میں کسریٰ کے اور تیسری میں رومیہ کے محلات نظر آئے اور مجھے اللہ سے اُمید ہے کہ یہ جگہیں میری اُمت کے قبضے میں آجائیں گی تو مسلمانوں کا اور کوئی مسئلہ نہیں صرف ایک مسئلہ ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے تعلق کو حاصل کرے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں۔

ہارون الرشید نے ایک دن کہا کہ جو آدمی جو کچھ مانگے وہ اُن کو دے دیا جائے گا تو ہر ایک نے کچھ نہ کچھ مانگا اور ایک لونڈی تھی کہ مور چھل جھلا رہی تھی، اُس نے کچھ نہیں کہا۔ پوچھا کہ تُو نے تو کچھ نہیں مانگا۔ اُس نے ہارون کے سر پر ہاتھ رکھا کہ میں آپ کو چاہتی ہوں۔ آپ مل گئے تو سب کچھ مل گیا اور آپ ناراض ہوئے تو یہ چیزیں پھر کس کام کی۔

ایک کہانی ہے کہ ایک چیونٹی نے سلیمانؑ سے یوں کہا کہ میں آپ کے لیے دعوت دیتی ہوں اور صرف آپ کے لیے نہیں بلکہ آپ کے جملہ لشکر کے لیے دعوت دیتی ہوں۔ چیونٹی نے کیا کیا کہ ٹڈی کی ایک ران لے آئی اور آگے رکھا اور کہا کہ بس صرف یہی طاقت ہے۔ اس کو قبول کرلے تو آپؑ نے اس کو دریا میں ڈال دیا اور کہا کہ چلو یہ آپ کا شوربا بن گیا تو یہ ایگریکلچر والے جو ہوتے ہیں وہ زمین کو نرم کر کے اس میں امریکن والے بیج ڈال دیتے ہیں تو ایک سیدھا سادا آدمی آتا ہے کہ دیکھو اے پگلے! تو کیا کرتا ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ اے پگلے! یہ ایک دانہ جو ہم ڈالتے ہیں اس کے بعد ہم اس سے ہزاروں دانے لیں گے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس کو نہیں دیکھتا کہ تم صبح کے وقت ٹیڈی بن جاؤ اور سرخی پاؤڈر لگاؤ لیکن اگر وضو کر کے اللہ کے سامنے جھک گئے تو ایسے پیار کرے گا کہ جیسے ماں بچے کو گلے سے لپٹاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی جو نصیب ہوتی ہے وہ اعمالِ صالحہ سے پیدا ہوتی ہے اور پیار میں ایک خاص بات ہے کہ بچہ بھی اس کو پہچانتا ہے۔ پیار والی ہو تو آگے جا کر گود میں جا بیٹھتا ہے اور غضب کی نگاہ ہو تو پیچھے ہٹتا رہتا ہے۔

ہاں! ایک بات ہے کہ بعض اوقات کسی شخص کو یہاں دنیا میں ڈھیل ملتی ہے اور پکڑائی نہیں ہوتی ہے۔ تو وہ ایک ایسی بات ہے کہ جتنا لمبا جھولا ہو تو اُتنا ہی دُور جا گرے گا تو جتنی لمبی ڈھیل ہوتی ہے اُتنی ہی پکڑ بھی سخت ہو گی۔

تو بات یہ تھی کہ انسان بنتا ہے دل سے اور دل والے اعمال سے اور پھر یہ ہوتا ہے کہ جو کوئی اللہ کے کام کرتا ہے تو فرشتے اس کے لیے اپنے پَر پھیلاتے ہیں۔ اُس کی مثال گلاب جیسی ہوتی ہے کہ لوگ اس کی خوشبو محسوس کر کے خریدار بنتے ہیں۔ ظاہر کے لحاظ سے وہ کانٹوں میں اُلجھا ہوا نظر آتا ہے تو اگر اہل اللہ کو تم مشکلات میں دیکھو تو یوں سمجھو کہ وہ پھول

ہیں کانٹے اس کے اِرد گرد ہوتے ہیں اندر نہیں جاتے۔ تو دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرنا اور اللہ کی ذات سے یقین کو چوسنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا استحضار اپنے اندر پیدا کرو۔ شہد کی مکھی کے چھتے کو دیکھا ہو گا کہ کتنی محنت سے اپنا چھتا بناتی ہے اور اس میں شہد بھرتی ہے۔

تو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں کہ دل کو بناؤ اور اعمال کو بناؤ۔ دیکھو موم بھی کام کا ہوتا ہے اور شہد بھی لیکن زیادہ اچھی کون سی چیز ہے، شہد ہے۔ تو تمہارے لیے بھی دو کام ہیں۔ شہد کی مکھیوں کی طرح اللہ والی محنت کو اختیار کرو اور اللہ کے بندوں میں جاکر محنت کرو اور دیکھو کہ پھولوں سے تم کو شہد ٹپکتا ہوا نظر آتا ہے۔ کبھی تم نے پھول کھا کر شہد پیدا کر لیا ہے لیکن شہد کی مکھی اُس میں انجکشن لگا کر اُن سے شہد پیدا کرتی ہے تو جیسے شہد کی مکھی میں ایک رَس آتا ہے تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے قلب کے چھتے میں ایسا شہد آجائے گا کہ اس کی حلاوت تم اپنے اندر محسوس کرو گے اور دیکھو ایک تو ہوتے ہیں شہد کے الفاظ اور دوسری ہے شہد کی حقیقت جو تمہارے منہ کو میٹھا کرتی ہے تو اس طرح اگر پانچ ہزار صفحات کتاب ایمان کی ہو وہ تمہارے یقین کو بدلے گی نہیں۔ ایمان کی حلاوت آئے گی نہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر لوگ جو انجکشن لگاتے ہیں۔ اب تم ایسا کر لو کہ تمام جسم کے گرداگرد انجکشن کی دوائی کی بوتلیں باندھ لو تو کیا وہی فائدہ ہو گا۔ تو میں یہ نہیں کہتا کہ علم بُری چیز ہے بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ تھوڑا سا بھی مجاہدہ حضور ﷺ کے طریقے پر وہ کام دیتی ہے کہ ایک پوری دو ہزار صفحات کی کتاب سے حاصل نہیں ہوتا اور ایمان کی حلاوت ہر ہر ریشے میں دوڑنے لگے گی۔

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
جیسے شاخِ گل میں ہو بادِ سحر گاہی کا نم

حضور ﷺ نے فرمایا: ”اللّٰھم اجعل فی قلبی نورًا و فی بصری نورًا و فی سمعی نورًا و عن یمینی نورًا و عن یساری نورًا و فوقی نورًا و تحتی نورًا و امامی

نورًا و خلفی نورًا و عظم لی نورًا"۔

(مسلم کتاب الصلاۃ، باب الدعاء فی الصلاۃ الیل و قیامۃ، حدیث نمبر:۱۷۸۸)

ترجمہ: "اے اللہ! میرے دل میں نُور کر دے، میری آنکھوں میں نُور کر دے اور میرے کانوں میں نُور کر دے۔ میرے دائیں بھی نُور کر دے اور میرے بائیں بھی نُور کر دے۔ میرے اُوپر بھی نُور کر دے اور نیچے بھی نُور کر دے۔ میرے آگے بھی نُور کر دے، پیچھے بھی نُور کر دے اور میرے نُور کو بڑھاتے رہیے"۔

تو ایسا ہوتا ہے کہ ایمان اُبھرتا ہے۔ وہ عمارؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ ایمان کا لبالب پیالہ ہے اور ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ کے مساموں سے ایمان نکلتا ہے۔ صحابہؓ کے متعلق فرمایا: "وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲"

(سورۃ الانفال ۸:۲)

ترجمہ: "اور جب انہیں اُس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں"۔

اور دیکھو میں نے مثال دی تھی۔ تو کہا کہ پہلے زمین کو بھی نرم کر لیتے ہیں اور ہمارے ایک دوست تھے وہ جب امریکہ جانے لگے تو کہا کہ اُن کے دو ساتھیوں نے وہاں جانے کے لیے یہاں کا فوک ڈانس سیکھ لیا تو جب وہ ہماری لیلیٰ بن گیا تو ہم اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے لگیں تو جب اللہ کے عاشق بنو گے تو سب کچھ اللہ کے لیے قربان کرنے والے بن جائیں گے اور اس کی محبت کے لیے سب کچھ کریں گے اور فرماتے ہیں: "ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"۔

ترجمہ: "اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری متابعت کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا"۔

تو وہ بات ہو جائے کہ ایمان دل کے اندر ایسا چلا جائے۔ سویدائے قلب میں ایسا داخل ہو جائے، اس رسوخ ایمان کے لیے کوشش کرنے کا نام تبلیغ ہے اور جیسے کہ صحابہؓ نے ایمان کو اور

اعمال کو اپنی ذات تک محدود نہ رکھا بلکہ اُن میں ہر ایک حضور ﷺ کی طرح آپ کے مقصد میں شریک ہوتا ہے اور آپ کو اپنا امام بنالیتا ہے۔ اب جو کچھ امام کرتا ہے، یہ اس کی متابعت میں کرتا جاتا ہے لیکن آج ہمیں کیا ہوا کہ ہم نے حضور ﷺ کو چھوڑ دیا الاماشاء اللہ۔ تو کسی نے امریکہ کو اور کسی نے روس کو، کسی نے کارل مارکس اور کسی نے سٹالن کو اپنا امام بنالیا تو اپنی دنیا اور عاقبت سنوارنے کے لیے اور اپنا قبلہ درست کرنے کے لیے اپنی زندگی میں سے کچھ اوقات فارغ کرکے چار مہینے کے لیے وہاں جاؤ جہاں دین کی فضا ہو اور لوگوں میں چل پھر کے دین کو اپنے اندر لانے کے لیے محنت کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح رُخ پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

محبتِ الٰہی اور اعمالِ صالحہ

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (6 اپریل 1965ء بعد از نمازِ مغرب بروزِ جمعہ)

ایمان اور اعمالِ صالحہ:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ (مریم:۱۹،۹۶)

((ہاں) بیشک جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں خدائے رحمان ان کے لیے دِلوں میں رحمت پیدا کر دے گا۔)

قرآن مجید میں بنیادی بات معرفتِ الٰہی ہے اور اللہ کی پہچان، اللہ کی معرفت جو ہوتی ہے وہ کم ہی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کے واسطے اپنی معرفت کے لیے ایک موٹا سا راستہ بیان فرمایا ہے جس کی ایک اصل ہے اور باقی فروعات ہیں۔ اصل جو ہے اُسے کہتے ہیں ایمان و یقین اور فروعات جو ہیں انہیں اعمالِ صالحہ کہتے ہیں۔ ایمان کی حیثیت جڑ کی ہے اور اعمالِ صالحہ کی مثال شاخوں جیسی ہے۔ ہم اعمال صالحہ کو اعمال ایمانیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ کوئی عمل ظاہر کے لحاظ سے کتنا ہی اچھا، خوبصورت اور بھلا معلوم ہو رہا ہو وہ عمل اپنے اندر بقا اور خدا اپنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ جب تک ایمان نہ ہو۔ مثال کے طور پر ایک کافر سچ بولتا ہے، ظلم نہیں کرتا تو صوری طور پر یہ اعمالِ صالحہ نظر آئیں گے لیکن حقیقتاً یہ اعمال وہ روح اندر نہیں رکھتے جس کو ایمان کہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ بنیاد کے درجے میں ایک انسان کو وہی دیا جاتا ہے جو اس کا مقصد اور مدعا ہوتا ہے۔ بے ایمان شخص کے اعمال سے وہ نتائج مرتب نہیں ہوتے جو ایمان والوں کا مقصود ہوتا ہے یعنی ایمان والا عمل کرے گا تو اللہ کی رضا کے لیے اور آخرت کے لیے کرے گا۔ کافر کے اعمال میں اولاً تو اللہ کے یا آخرت کے لیے ہونا نہ پایا جائے گا۔ اگر آپ کہیں کہ بہت سارے کافروں کا اللہ اور آخرت پر ایک حد تک یقین ہوتا ہے تو ہم

کہیں کہ اللہ کا یقین وہی مقبول ہے جو حقیقتاً اللہ کا یقین ہو۔

ایک بادشاہ ہے۔ آپ مانتے ہیں کہ وہ بادشاہ ہے لیکن اگر آپ اس کی حاکمیت کو نہیں مانتے، احکام کو نہیں مانتے جو کہ اُس نے کسی خاص زمانے میں رائج کر دیئے ہوں۔ جو شخص آخری زمانے میں اللہ کے رائج کردہ احکام کو نہیں مانتا۔ وہ اللہ کو نہیں مانتا اور جو اللہ کو نہیں مانتا تو اعمال میں بقا کی کیفیت اللہ کی ذات سے آتی ہے۔ وہ اللہ کی قوت بقاہے اور جب اللہ کے خدانہ کرے تم منکر ہو تو اللہ اُس کے ذمہ دار نہیں کہ اس عمل کو باقی رکھے۔ اسی طرح آخرت میں جو عمل کا ثواب ہے وہ نیت پر ہے۔ آخرت کی نیت نہیں تو دنیا میں پھل ملے گا لیکن آخرت میں نہیں ملے گا تو حقیقت ایمانیہ کے فقدان کی وجہ سے اعمالِ ایمانیہ کی بقا نہیں رہتی اور جب اعمال نہیں رہتے تو اجور کیا ملیں گے؟ نجات کا مدار انسان کی ذات کے بننے کے لیے طریقہ ایمان اور عمل صالح کو رکھا ہے۔

محبت کا اثر

اب اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ آپ دل سے بھی مانتے ہیں اور زبان سے بھی اور عمل صالح کرتے ہیں تو ایمان اور عمل صالح ظاہر کے لحاظ سے وجود میں آرہے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کرے گا تو ہم یوں نہیں کہہ سکتے کہ اس کو اس کا اجر نہیں ملے گا لیکن اب ایک معاملہ ہے روٹین (Routine) کا، خانہ پُری کا، تو نجات کے لیے یہ بھی کافی ہے لیکن ایمان اور عمل صالح یہ ہے کہ جس کی بنیاد طوعاً و کرھاً پر نہیں ہوتی کہ جی چاہے تو مان لو اور جی نہ چاہے تب مان لو اور یہ عموماً عامۃ الناس کا راستہ ہے۔ اس میں جو لگن کی شان ہو وہ پیدا نہیں ہوتی۔ ایک حاکم جس کے ساتھ آپ کا لگاؤ ہو تو اس کے حکم کو محبت سے مانیں گے اور ایک دوسرے حاکم ہیں جس کے ساتھ آپ کا لگاؤ نہ ہو لیکن حکم مانتے ہیں۔ گو قانوناً آپکی پکڑ نہ ہوگی۔ اب اگر حاکم آپ کا محبوب بھی ہو تو آپ ان کے احکام پر حکم حاکم سمجھ کر عمل نہیں

کریں گے بلکہ محبت آپ کو مجبور کرے گی اور ایک لذت آئے گی۔ حضرتؒ کا ایک شعر ہے:

ہر ضرب تیشہ لذتِ کیفِ وصالِ دوست
فرہاد کی جو بات ہے مزدور کی نہیں

فرہاد جو تھا وہ سچا عاشق تھا، تیشہ لیا اور پہاڑ کو کھودنا شروع کیا۔ اب ایک پتھر جو ٹوٹتا تھا تو اس کو محبت کی وجہ سے مزہ آتا تھا تو ایک عمل وہ ہے جس میں محبت کی چاشنی ہو تو پہاڑوں جیسا عمل بالکل نرم ہو جاتا ہے۔ دل کا داعیہ اور چاہنا بن جاتا ہے اور پھر انسان (Automatic Machine) آٹو میٹک مشین کی طرح خود بخود چلے گی اور بغیر بھاپ کے دھکم دھکا میں وہ رفتار کم ہو گی۔ بغیر محبت کا عمل دھکم دھکا والی ہے۔ اب ہو گیا جو شخص اللہ کا محب چاہنے والا تو بقولِ شاعر:

محبتے است کہ کس را نمی دھد آرام
وگرنہ کیست کہ آسودگی نمی خواھد

(یہ محبت ہی ہوتی ہے کہ کسی کو آرام کرنے نہیں دیتی ورنہ ایسا کون ہے جو آرام و آسائش کو نہیں چاہتا ہے۔)

ٹھنڈی رات ہے، میٹھی نیند ہے تو اس میں کون اپنے بستر ے کو چھوڑ سکتا ہے لیکن میاں کی محبت ہے کہ چھوڑتا نہیں۔ وہ کسی نے کہا ہے:

ہر رات کے پچھلے حصہ میں کچھ دولت لٹتی جاتی ہے
جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے اور جو جاگتا ہے وہ پاتا ہے

اب محبوب کے لیے جان کا بھی دینا آسان ہوتا ہے اور اِتنا آسان ہوتا ہے کہ:

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(اللہ دشمن کو ایسا موقع نہ دے کہ تیرے تلوار سے ہلاک ہو۔ اللہ تیرے دوستوں کو زندہ رکھے کہ آپ کی تیغ زنی کی مشق ان کے سر بنیں۔)

تو یہ راستہ اعمال کو آسان کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس راستے کو آسان بنا دیا: ”وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ“۔ (اللہ نے تمہارے لیے دین میں تنگی نہیں رکھی اور تمہارے ساتھ سختی کا ارادہ نہیں رکھتا۔) اور فرمایا: ”يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ“ (البقرۃ ۲:۱۸۵) (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی کا ارادہ نہیں رکھتا۔) مولانا رومؒ نے فرمایا:

راہ را بر من چوں بستان کن لطیف
مقصد ما باش ھم تو اے شریف

(راہ حق کو مجھ پر باغ کی طرح خوشگوار بنائے اور میرا مقصد سوائے آپ کے رضا و خوشی کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو۔)

تو اللہ آسان کر دے گا تو پھر کچھ بھی دقت نہ ہو گی اور یہ راہ اجتباء اور چناؤ کی راہ ہے۔ فرمایا: ”وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ“۔ ”اشد حب“ کیا ہوتا ہے، عشق ہوتا ہے اور بقول حضرت تھانویؒ جس نے ”اٰمنّا“ کہا۔ اُس نے ”عشقنا“ کہا۔ اب حضور ﷺ نے فرمایا: ”اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ“۔ (اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی اختیار کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت رکھے گا۔) مطلب یہ ہے کہ یہ تو تسلیم کے درجہ میں ہے کہ تم مجھے چاہتے ہو تو اب میرے محبوب کی متابعت کرو تو خداوند قدوس کی محبت انسان کے لیے دینی راہ پر چلنا سہل کر دیتی ہے اور محبت جو ہوتی ہے وہ کسی مقام پر ٹھہرتی نہیں۔ اب جو چیز فانی ہے اور متناہی ہے تو اس کی محبت کے حدود بھی فانی اور متناہی ہوں گے اور اس کے برعکس اللہ کے متعلق ہر چیز جو ہے وہ لامتناہی ہے تو بڑھتی جائے گی۔ تو یہ تو کم نہیں ہوتی۔ اب

لوگوں نے چومنے چاٹنے کا نام محبت رکھ دیا، فسق کو عشق کا نام رکھا، جذبہ محبت لامتناہی ہے اور محبوب بھی لامتناہی ہو۔ اس بنا پر اللہ کی ذات کے سوا کوئی محبت کا محل نہیں ہو سکتا۔

عشق آنکہ از پے رنگے بود
عشق نہ بود عاقبت ننگے بود

(جو عشق محض رنگ کی بنیاد پر ہو اس کا انجام ننگ و شرم کے اور کچھ نہیں ہوتا ہے۔)

وہ کسی نے کہا ہے:

ازل ابتدا ہے ابد انتہا ہے
نہ صبح محبت نہ شام محبت

اب اس لامتناہی کے لیے اللہ کی ذات بھی لامتناہی تو دونوں خوب فٹ آئیں گے تو مولانا نے فرمایا:

اے برادر بے نہایت در گہے است
ہر کہ بروے می رسی بروے ما لیست

ہمارے حضرتؒ نے فرمایا کہ "علم و عقل کے جس مقام پر بھی پہنچو تو یہ سمجھو کہ ابھی ابتدا ہے"۔ یعنی ابھی اور مقام باقی ہیں تو زیادتی ہے محبت الٰہی میں، ایسا جامع اور نافع نسخہ ہو کہ ہر وقت قابل عمل ہو، نسخہ کا نسخہ، عطا کی عطا، شفا کی شفا۔ بتایا: "اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾"۔ محبت سے بھرپور شاہانہ خطاب ہے۔ یقیناً وہ لوگ جو ہمارے یقین والے ہوئے جنہوں نے ہمیں جانا پہچانا اور اُن اعمال کو اختیار کیا جو ہماری ذات تک پہنچانے والے ہیں۔ عنقریب اس کا فائدہ یہاں استقبال کے لیے بھی ہے اور استمرار کے لیے بھی ہے اور شاہانہ خطاب بھی پایا جاتا ہے۔ کردے گا رحمان واسطے اُن لوگوں کی محبت،

شاہانہ ناز کے انداز میں یوں کہا کہ گھبراتے کیوں ہو؟ جو ایمان اور اعمالِ صالحہ کرے گا، تو وہ نہایت مہربان ہے۔ محبت تمہاری کم نہیں رہے گی۔ ایمان کو اپنے اندر سے نکلنے نہ دو۔ یہ ایک حقیقت دائم قائمہ ہے جو مسلمان کے سینے میں موجود ہے۔ اب جس وقت ایمان ہے تو مومن کا درجہ بڑھتا رہتا ہے۔ اب اس کو اعمال صالحہ کا پانی پلاتا رہے تو حقیقت ایمانیہ پیدا ہو جائے تو ہر عمل صالح کے نتیجے کے طور پر تمہارے اندر میری محبت بڑھے گی اور اس طرح ایک لامتناہی سلسلہ بنتا چلا جائے گا۔ وہ کسی کا قول ہے:

کیا سے کیا تُو نے اے ذوقِ فراوان کر دیا
پہلے جان پھر جانِ جان پھر جانِ جانان کر دیا

پہلے چلتا ہے اور پھر ایسے محبت کرنے لگتا ہے ہمارے ہاں تو یوں کہیں کہ:

عشق است و ہزار بدگمانی

(عشق بھی ایک عجیب چیز ہے کہ اس کے ساتھ بدگمانی لگی ہوتی ہے کہ یا دوست مجھ سے خفا ہے یا اس کا میلان غیروں کی طرف کیوں ہے؟)

لیکن وہ پوری کائنات میں اعلان کرا دیں اور جتنے بھی اللہ والے ہیں اس کے ساتھ محبت کرنے لگتے ہیں۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تسلی دی ہے کہ اے مومنو! گھبراؤ نہیں اگر تم ایمان والے ہو اور اعمال صالحہ کرتے رہو تو اللہ تعالیٰ اپنی محبت سے سرفراز فرمائیں گے اور ہمارے حضرتؒ نے یوں فرمایا:

محبت تو اے دل بڑی بات ہے
یہ کیا کم ہے جو اس کی حسرت ملے

اور حضرت تھانویؒ کے ایک مرید (مراد خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ) نے یوں کہا:

محبت محبت محبت محبت میرے سامنے لو نہ نام محبت
چھلک جائے گا خود یہ جام محبت

تو بہر حال ایمان اور اعمالِ صالحہ کی وجہ سے جو محبت پیدا ہو جائے گی تو وہ محبوب بن جائے گا اور محبوب کو کوئی آگ میں نہیں ڈالتا۔

نظر لگے کبھی نہ اُن کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں میرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ایک دُعا ہے:

درو نم را بعشق خویشتن سوز
بہ تیر درد خود جان و دلم دوز

(میرے اندرون کو اپنی محبت کی آگ سے جلا اور اپنے درد والم کے تیر سے میرے دِل وجان دونوں کو ایک ساتھ سی ڈالو۔)

آخرت کے لیے زادِ راہ کی ضرورت

مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی (23 اپریل 1965ء مطابق 21 ذی الحجہ 1384ھ، بروزِ منگل)

بعثت عامہ:

میرے عزیز اور دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے حبیب خدا حضرت محمد ﷺ کو قیامت کے قیام سے پہلے اس عالم میں اس طور پر مبعوث فرمایا کہ آپ کا آنا انسانوں، جنّات اور پوری مخلوق کے لیے ہے جو کہ آپ کی بعثت سے لیکر قیامت تک آنے والی ہیں تا کہ ان کے پاس کوئی حجت باقی نہ رہے کہ ہم اللہ کو پہچان نہ سکے۔ ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ ہم اللہ کو جان کر آپ کے احکام پر چلنے والے بن جاتے۔ رسول خدا ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا "لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا" (تاکہ پورے عالم کو چوکنا کرے) آپ کی بولی میں "Warner" تو حضور ﷺ ھوّا بن کر نہیں آئے بلکہ آگاہ کرنے کے لیے آئے ہیں کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ تمہارے سب خاکے خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی ہوں، قومی اور وطنی ہوں اور بین الاقوامی ہوں جس کے مطابق تم اپنی زندگیوں کے نظام کو چلا رہے ہو۔ ان جملہ نظاموں کو توڑا جائے گا۔ کوئی بھی نظام باقی نہیں رہے گا۔ سب کو ختم کر دیا جائے گا تو نبی ﷺ یوں فرماتے ہیں کہ دیکھو! اپنے آپ کو غفلت میں نہ رکھو۔ عقل کے ناخن لو اور سوچ لو۔ حدیث میں آتا ہے: "من مات فقد قامت قيامته"۔ (احیاء العلوم الدین) جو مر گیا اس کے لیے تو قیامت قائم ہی ہو گئی۔

تہہ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے
ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے

ہم تو اکیلے ہوں گے، تربت میں کون آتا ہے تو اس کا کیا، تو اللہ کا نبی آتا ہے اور کہتا

ہے۔ آگاہ کرتا ہے کہ تم جانے والے مسافر ہو۔ تم چلے جاؤ گے اور یہ سب چیزیں یہاں رہیں گی۔ دودھ کی مکھی کی طرح نکال دیئے جاؤ گے۔ تمہیں اس تمام دنیا کی دلچسپیوں سے نکال دیا جائے گا، یقیناً نکال دیئے جاؤ گے۔

تو نبی یوں کہتا ہے کہ تم یہاں ہمیشہ نہیں رہو گے۔ اب یہاں نہیں رہیں گے تو کرو گے کیا؟ تو نبی یوں بتاتا ہے کہ ایک ذات ہے جو کہ زمان و مکان میں گھری ہوئی نہیں۔ جملہ عالم سب کے سب اللہ کی قدرت میں ہیں، جہاں مخلوق ہے وہاں خالق ہے اور یہ بات لازم نہیں کہ جہاں خالق ہو وہاں مخلوق بھی ہو۔ اللہ جہاں ہوگا کہ اس کی مخلوق کا ہر حصہ موجود ہو۔ جز کل میں ہوتا ہے اور کل جز میں نہیں ہوتا اور العیاذ باللہ ہم اللہ کے اجزا نہیں لیکن وہ اپنی مخلوق کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔

زادِ راہ کی ضرورت

تو نبی یوں کہتا ہے کہ دیکھو! ایسی ذات سے رابطہ بنالو کہ جہاں کہیں تم ہو اُس سے اپنی حاجتیں پوری کرلو۔ ایک شخص جاتا ہے بے ٹکٹ سوار ہوئے۔ اب دِل یوں یوں کرتا ہے۔ رسول منان (احمد گل وزیرستان کا چچازاد) سے ٹیٹی نے پوچھا اور یہاں اسرار (میر حاتم کا چچازاد) کے پاؤں لرزے تو مسافر کے لیے لازم ہے کہ اپنے پاس زادِ راہ رکھ لے۔ اب تم نے حج کا ارادہ کرلیا۔ نوشہرہ کے لیے خوب پراٹھے پکائے اور پنڈی تک دال بھی ساتھ لے لی۔ اب آگے کچھ نہیں جو پوچھا کہ کیسے جاؤ گے تو کہا کہ اللہ پہنچائیں گے تو بقول شخصے: خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ یہ نہیں کہ سب سے بعد مِسل پہنچی اور سب سے آگے چلی گئی۔ اب میں جو وہاں لاہور گیا، کسی کام کے سلسلے میں، تو وہاں ایک دوست نے کہا کہ یہاں مِسل چلتی نہیں چلایا کرتی ہے، اس کے یا تو پر لگانے ہوتے ہیں اور یا پاؤں؟ کہا کہ یہ کیسے؟ تو جواب دیا کہ پَر سبز سبز ہوتے ہیں اور پاؤں گول قسم کے۔

توجب حج کے لیے جانے لگے تو فرمایا: ”فانّ خیر الزّاد التقوٰی“۔(البقرۃ:۲،۱۹۷) (کیونکہ بہترین زادِراہ تقویٰ ہے۔) کہ میرے گھر میں آتے تو ہو لیکن پہنچنے کے لیے زادِراہ تو لیا کرو تو ایک گھر تو اللہ کا یہاں ہے کہ عظمت کے طور پر کہہ دیا اور ایک سچ مچ اللہ کا گھر ہے۔ آخرت جہاں پر تمہیں اللہ ملیں گے، بہت خوشی ہو گی۔ اب اُس گھر کے جانے کے لیے اللہ میاں یوں کہیں کہ اپنے لیے زادِ راہ لیا کرو۔ اب اس منزل کے لیے تمہیں ہر منزل میں توشہ لینا نہ ہو گا۔ اللہ میاں یوں کہتے ہیں کہ سب منازل میرے ذمے لیکن ایک منزل کی ذمہ داری تم پر۔ عالم ناسوت کی منزل جس میں تم بس رہے ہو اور یہ سب سے چھوٹی منزل ہے۔ اب تم میں سے سوائے اِس چھوٹے باقی سب کی عمر ۱۸ (اٹھارہ) سال سے اُوپر ہو گی۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شخص اس اٹھارہ، بیس سال کے متعلق کچھ بتا سکے۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا اور جو سُنا افسانہ تھا

اب جو زندگی گزر گئی بالکل خواب، تو ایسی آتی جاتی زندگی جس کے متعلق حضرت مولانا الیاسؒ نے فرمایا: ”یہاں کا آنا ایسا جیسا کہ گھر کے دو پٹ ہوں اب ایک پٹ تو بند ہو گئی“ جنازے کی نہ اذان ہوتی ہے اور نہ تکبیر، کسی نے کہا کہ جنازہ تو پڑھتے ہو، اب اذان اور تکبیر تو کہہ لو تو کہا کہ اذان اور تکبیر تو پہلے ہی ہو چکی ہے اور کہا کہ تیرا جنازہ تیار ہے۔ اب اقامت کے بعد امام کتنی دیر تک انتظار کرتا ہے۔ صفیں تیار کر لو اور چلے جاؤ۔ آپ کہیں گے کہ موت کا قصہ شروع کر دیا۔ مر جائیں گے تو گھر جائیں گے۔ رات بے فکر آرام سے جائیں گے۔

خاک جینا ہے جو یہ جینا ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

اس کو کہنا چاہیے بعد کی زندگی، قرآن نے اس کو آخرت کہا ہے اور حضور ﷺ نے یوں کہا: ”لا عیش الا عیش الاٰخرۃ“ کوئی عیش ہے نہیں سوائے آخرت کے عیش کے۔

ہمارے بعض طالب علم آتے ہیں تو ہوتے ہیں ایف۔اے میں لیکن بال سفید۔ تو یہ موت کا پیغام آجاتا ہے۔ ہمارے نوجوان نازک شاخوں کی مانند ہیں۔ اب وہاں جنت میں پتہ نہیں ستر ستر، پچیس پچیس ہزار اور پچیس پچیس لاکھ حوروں کو سنبھالیں گے۔ قوت بڑھے گی، وہاں جاکر دیکھ لو کہ کیا ہوگا تو جوانی ملے تو اس میں کمی نہ آئے، دولت ملے تو اُس پر کمی نہ آئے اور عزت ملے تو اس پر کمی نہ آئے تو ایسی تیاری کر لو۔ اب اسرار کو لگتا ہے پلاؤ بہت مزے دار۔ اب اس نے رکھ دی ایک پرات تو کھاتے کھاتے پیٹ بھر جائے گا اور وہاں تو یہ بات ہوگی کہ پچاس من تک کھالو اور پھر وہاں یہ ہوگا کہ پہلا کھالیا تو دوسرے میں اور مزہ ہوگا۔ اسی طور پر ہوتے ہوتے کتنی مدتیں گزار لوگے۔

جنت کی نعمتیں

یہاں کی پی ہوئی انسان کو بدمست کرتی ہے اور وہاں کی پی ہوئی انسان کو اللہ کا ہوشمند بناتی ہے۔ سر میں درد نہ ہوگا، پیتے چلے جاؤ گے، بیویوں پر بھی پابندی، چار بیویاں بھی کوئی کرنے نہ دیں گے۔ اب چار بیویاں کرلیں تو چار بیویوں کے ساتھ تم اَٹکے رہو گے تو میں عرض کر رہا تھا کہ موت کے بعد کی چیزیں ابدی ہیں۔ عطایا ابدی ہیں، اب وہاں کے ان عطایا کے لیے اِس دنیا میں بلوغ سے لیکر موت تک تھوڑی دیر کے لیے محنت کرنی ہوگی جب آخرت کا دروازہ کھلے گا۔ اللہ استقبال کے لیے آئے، حوریں استقبال کے لیے آئیں اور جو کہا جائے:

يَٰٓأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِي فِي عِبَٰدِي ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿٣٠﴾ (الفجر:۸۹، ۲۷۔۳۰) (اے وہ جان جو (اللہ کی اطاعت میں) چین پا چکی ہے، اپنے پروردگار کی طرف اس طرح لوٹ کر آجا کہتو اُس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی اور شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔)

جب موت آتی ہے تو یہ آخرت کی برات نکلتی ہے اور اس کے لیے زیادہ نہیں دو

چیزیں بنانی ہیں۔ ایک دل کو بنانا ہے اور ایک جسم کو بنانا ہے اور تم یہ کہو کہ دل کے نظام میں نہ تو ہم کمی کر سکیں اور نہ زیادتی کر سکیں تو دل کا بنانا یہ ہے کہ دل میں یقین پیدا کر لو۔ وہ یقین پیدا کرو کہ انسان بنتا ہے خدا سے بنتا ہے، غیر خدا سے نہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے خدا سے ہوتا ہے، غیر خدا سے نہیں ہوتا۔ وہ ہم پر بہت شفیق ہے۔ اگر ہم اس کے ہو جائیں تو خدا ہمارا ہو جائے۔

تو ایک چیز ہے۔ انسان کا دِل سنور جائے اور ایک ہے عمل کا سنوارنا۔ ہاتھ اُٹھے تو خدا کے رضا والے طریقوں پر اُٹھے۔ آنکھ سے اُسے دیکھو جسے خدا کہے کہ دیکھو۔ نگاہ، ہاتھ، پاؤں اور تمہارے جسم کا جو بھی حصہ ہے وہ خدا کے حکموں کا پابند ہو جائے اور جب دل میں خدا کا یقین آ جائے گا تو خدا ہمارے دلوں کی حفاظت ابد الاباد تک کریں گے۔ ''لا یموت من أحیٰی قلبه'' شہید کی گردن پر چھری چلتی ہے لیکن وہ مرتا نہیں۔ خدا اُن کی حفاظت فرماتے ہیں۔ وہاں تمہارا مونس خدا کی ذات ہو گی۔ قبر میں ایسا مزہ ہو گا کہ ایک خدا اور ایک تم۔

بیٹھے رہیں تصوّر جانان کئے ہوئے

حضور ﷺ جب جا رہے تھے تو ایک بات کہی اور ایسی بات کہی جو کہ ایک نبی ہی کہہ سکتا ہے۔ ''اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ'' ۔(فتح الباری) (اے اللہ تو بہت ہی اچھا ساتھی ہے۔) اور اگر تم اس کا مزہ چاہتے ہو تو تھوڑی دیر کے لیے ہر چیز کو نکال کر اللہ کا سوچ لو۔ اگر ایک لمحہ بھی ایسا نصیب ہو جائے تو بقول خاقانی:

بعد از سی سال این نکتہ محقق شد بہ خاقانی
یک لمحہ با خدا بودن بہہ از ملک سلیمانی

(خاقانیؒ پر یہ بات تیس سال کے مجاہدے کے بعد کھلی کہ اللہ کا حضور حاصل کرنا اگر ایک لمحہ بھی ہو سلیمان علیہ السلام کی سلطنت سے بہتر ہے۔)

تو بس ایک تو یہ کہ قبر میں بھی تنہائی نہ ہو گی اور حشر میں بھی تنہائی نہیں ہو گی۔ خدا کی رحمت کے سائے میں ہوں گے، وہاں کی نعمتیں یہاں پر سمجھ میں نہ آجائیں تو اب ان دو چیزوں کے بنانے کے لیے کچھ محنت کر لو۔ ایمان اور عمل صالح تاکہ ہماری ابد الاباد کی زندگی چین سے رہے تو اس کے لیے ایمان کا ٹکٹ اور عمل کا زادِ راہ لے لو۔ اب اس کے لیے محنت کرو اور اس محنت کے لیے کچھ اوقات نکالو اور بغیر نکلنے کے تو کوئی چیز نہیں آتی تو اس کے لیے کچھ اوقات نکالو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دین کی بات کی توفیق دے۔

اور دیکھو! سائیکل چلانا ہو تو اس کے "Balance" قائم کرنے کے لیے پہلے کوشش کرنی ہوتی ہے اور پھر تو ہینڈل پر ہاتھ رکھے بغیر چلائی جا سکتی ہے اور عزیز کا بیٹا رشید تو پاؤں کو اُوپر ڈنڈوں پر رکھے ہوئے سائیکل چلاتا تھا۔ سائیکل چلانے کے لیے یہ محنت کرنی ہو گی اور تیرنا سیکھنا ہو تو تالاب میں جانا ہو گا تو آپ حضرات اپنے اوقات کو فارغ کر کے یہاں قریب اجتماع ہو رہا ہے، سربند چلے جاؤ۔

حضور ﷺ کا مقام

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (27 اپریل 1965ء، مطابق 5 ذی الحجہ 1384ھ، بروزِ جمعہ، بعد از نماز عصر)

نبی پاک ﷺ کا مقام:

فی جواب من قال: کہ جس نے حضور ﷺ کو نہیں دیکھا اور پیش کی جائے حضور ﷺ کی صورت مبارک

ماہ من گر بتماشا بسوئے جو آید
ماھیاں شور بر آرند کہ ماھے ماھے

(اگر میرا محبوب ندی کی طرف تماشہ دیکھنے آئے تو مچھلیاں شور لگائیں کہ اصلی چاند آگیا اصلی چاند آگیا۔)

موت کے بعد انکشافات حقائق ہو جائیں گے اور محمد ﷺ کی ذات اللہ کے بعد سب سے بڑی حقیقت ہے جیسے اللہ کی ذات ہم پر نہیں کھلتی۔ اپنے حجابات کی وجہ سے، اسی طرح حضور ﷺ کی ذات بابرکت ہم پر اپنے حجابات کی وجہ سے نہیں کھلتی۔ حالانکہ حضور پاک ﷺ کا وجود ظہور وجہ کائنات ہے اور ہمارا وجود حضور ﷺ کی ذات بابرکت کے صدقہ میں ہے۔

آپ اگر مقصود نہ ہوتے کون مکان موجود نہ ہوتا

ایک بات عرض کرتا ہوں۔ آم کا درخت تھا، اُس آم کے اُوپر ایک آم لگ گیا اور تمثیلیں قرب ذہن کے لیے ہوتی ہیں۔ اب یہ آم اینٹھتا پھرتا ہے کہ میں موجود ہو گیا۔ کہے کہ ارے آم تو اترانا نہیں بلکہ تیرا وجود اُس جڑ کی وجہ سے ہے تو حضور ﷺ کی ذات بابرکت کو اللہ تعالیٰ نے سبب کائنات بنایا ہے۔ جب کائنات غفلت کے پردے میں ہے تو وہ نہ تو اس کو جان سکے نہ پہچان سکے اور جب غفلت کا پردہ اُٹھ جائے تو وہی بات کہ:

ماہ من گر بتماشا بسوئے جو آید

ماھیان شور بر آرند کہ ماھے ماھے

(میرا چاند اگر تماشہ کے لیے ندی پر آ نکلے تو مچھلی شور مچائیں گے کہ اصل چاند تو یہی ہے۔)

نبی پاک ﷺ کی محبت

ہمارے وجود کا ایک ایک ذرہ حضور ﷺ کی طرف کشش رکھتا ہے۔ اب اس کی طرف اس عالم میں توجہ نہ ہونا غفلت کی وجہ سے ہے اور جب پردہ اُٹھ جائے۔ ”فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ“۔(ق: ۵۰، ۲۲) (اب ہم نے تجھ سے وہ پردہ ہٹا دیا ہے جو تجھ پر پڑا ہوا تھا۔ چنانچہ آج تیری نگاہ خوب تیز ہو گئی ہے۔) جب پردہ اُٹھ جائے تو حقائق نظر آئیں گے اور آپ ﷺ کی حقیقت کھل جائے گی۔

ایک ہوا ماں، اُس کا شیر خوار بچہ تھا، کھو گیا۔ دس بارہ سال کے بعد وہ بچہ جوان ہوتا ہے، آتا ہے ماں بچے کو نہ پہچانے اور بچہ ماں کو نہ پہچانے لیکن پیار آتا ہے۔ اندر کی محبت ہو گی تو جیسے ماں کی امومت، ماں کی توجہ اس بچے کی طرف کر دیتی ہے۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ پوری انسانیت کے لیے عموماً اور مومنین کے لیے خصوصاً اِتنے قریب ہیں کہ فرمایا: ”النبی اولٰی بالمؤمنینمن انفسھم و ازواجه امھاتھم“۔(الاحزاب: ۳۳، ۶) (ایمان والوں کے لیے یہ نبی ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔) تعلق محمد یہ جو ہے وہ ہر مسلمان کے ساتھ ہے۔ ماں کی محبت سے بڑھ کر حضرت محمد ﷺ کو تعلق ہے اپنی اُمت کے ساتھ۔ اب ماں کے سامنے اُس کا بچہ آ جائے تو ماں کی محبت خود پکارے تو اب جو حضور ﷺ کو دیکھ لے تو شادی مرگ ہو جائے تو ایک بات تو یہ ہے کہ جو تعلق حقیقی جو کہ آپ کو اُمت سے ہے وہ خود بتا دے گا کہ یہ آپ کی ذات ہے۔

اور ایک آسان سی بات ہے کہ خواب تم دیکھتے ہو۔ خواب میں دیکھا تو نے اور اللہ میاں نے زیارت کروادی تو خود معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آپ ہی ہیں اور ایک بات یہ ہوتی ہے کہ حضور پاک صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ”من رانی رأی الحق“۔(بخاری و مسلم) (جس نے مجھے (خواب) میں دیکھا تو سچ دیکھا۔) جس نے مجھے دیکھا اُس نے سچ میں مجھے دیکھا۔ شیطان آپ کی صورت میں آنہیں سکتا تو جب خواب میں یہ حال ہے تو موت جو کہ خواب کی بڑی بہن ہے۔ اس میں حضور صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی شبیہ پاک کو دیکھ کر کیونکر شبہ کرے گا تو غرض یہ کہ جب قبر میں حضور پاک صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی شبیہ اقدس سامنے کی جائے تو خود دِل گواہی دے گا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔

قبر میں سوال

آپ نے پردہ فرمالیا۔ کسی نے اُس کو نہیں دیکھا لیکن ایمان یوں کہتا ہے کہ جیسے ابو بکرؓ اور عمرؓ آپ پر ایمان لے آئے تھے جیسے کہ وہ ایمان لے آئے تھے، بغیر دیکھے خدا کی وحدانیت سے آپ کے نُور سے ہم پر ایمان کی تجلی ہوئی اور اگر مومن کی کھال اُتاری جائے، آگ میں جلا دیا جائے تو یہ حقیقت نہیں اُترتی۔ یہ مومن کے قلب کا ایک روحانی منظر بن جاتا ہے، اُس کی آنکھیں یا خدا پر اور یا رسول پر جمی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ اُس کی دِل کی حالت ہو جاتی ہے۔ ایک معنوی حقیقت ہے ایمان باللہ و ایمان بالرسل اور قبر میں جب اعمال مجسم ہو جائیں گے تو ایمان کا نُور اُس شبیہ کو اپنے نُور قلب کے غلبے سے دیکھیں گے اور جس قلب میں حضور صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا نور پاک مجسد ہو چکا تو جب وہ حقیقت آئے گی تو ہمارا یقین اس کو دیکھتے ہوئے آئے گا تو گویا ہمارا وہ ایمان جو کہ ہمیں آپ پر ہے تو قبر میں ہمارا وہ نُور ایمان حضور صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی پہچان کی آنکھ بن جائے گی اور ہم پہچانیں گے کہ یہ آپ کی ذات مبارک ہمارے آقا سیدنا محمد صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہے۔ اب جو کافر ہے اُس پر ایک سکتے پن، حیرت زدگی کی حالت چھا جائے گی اور جب اُس

سے پوچھا جائے گا کہ کیا کہتے ہو اس آدمی کے بارے میں ”فیقول ھاہ“ لوگ کچھ کہتے تھے، میں بھی کہتا تھا۔ نہیں جانتا کیوں نہیں جانتا اس لیے کہ اُس کے آئینہ قلبی میں حضور ﷺ کا ایمان ویقین اس عالم میں نہیں اُترا تھا۔ اگر اس عالم میں اُس کا یقین اُترا تھا تو وہاں بھی دیکھ کر بتا دیتا۔ دل کی آنکھ نہیں بنائی اور دل کے یقین کی وجہ سے وہ جنت ملتی ہے تو ”علی الیقین کنتو علیه مِتّو علیه تبعثُ ان شآء الله“۔ (ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۴۶۲) (تم دنیا میں ایمان و یقین کے ساتھ زندہ تھے اور اسی پر پر مرا اور اسی پر اُٹھایا جائے گا انشاء اللہ۔) یہ یقین وہاں معنوی حقیقت بن جائے گی، کیسے؟ کبھی تصویر کشی کی ہو، اُس میں ایک شیشہ ہوتا ہے جب تم اس کو فوکس کرتے ہو اُس چیز کا اُس میں عکس آجاتا ہے۔ اب جب تم نے دبایا تو وہ اس ریل (Reel) پر جم جاتا ہے اور جب تم دھو جاتے ہو تو پہلوان کا پہلوان کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خیالات یا یقین قلب کے آئینے پر اُترتے ہیں اور اُس پر ایسے پڑ جاتے ہیں جیسے پلیٹ پر تصویر ہوتی ہے۔ اس عالم میں جن کے یقین کے آئینے ڈھل گئے، انہیں تو یہاں بھی پتہ لگ جاتا ہے اور جن کے آئینے یہاں نہیں ڈھلے تو وہاں جب حجابات ظلمانی، حجابات عالم ناسوت سب اُتر جائیں گے تو وہ تصویر عقائد کی ایسے سامنے صاف و شفاف نظر آئے گی۔ یہ عقیدے کی تصویر جو ہے اس میں میاں کے بھی برکات ہیں اور فیوض محمدیہ ﷺ ہیں۔ تو جب یہ حقیقت مجسد ہو جائے گی تو حبیب پاک ﷺ کی پہچان میں کوئی شبہ نہ ہو گا اور ایسا پہچانیں گے کہ اپنی جان سے بھی زیادہ پہچانیں گے۔ ”النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم“۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ قبر میں اُس یقین پر ہوں گے جیسے کہ یہاں ہیں تو فرمایا کہ ہاں، تو کہا پھر تو آسان ہے اور کسی نے کہا:

گر نکیر آیند و گویند رب تو کیست
گفتم آنکس کہ ربود این دِل دیوانۂ ما

(اگر منکر نکیر (قبر میں سوال کرنے والے فرشتے) میرے پاس آئیں اور یہ کہیں کہ تمہارا پروردگار کون؟ تو میں کہوں کہ وہی ذات جس نے یہ دیوانہ دل لے گیا ہے۔)

کسی نے کہا تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس وقت میری روح کا قفس چھوٹے تو اُس گنبد پاک کی جھالیوں پر اُڑ کر بیٹھ جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو ارشاد فرمایا: میرے بھائی کون ہیں؟ صحابہؓ نے فرمایا: کہ ہم تمہارے بھائی ہیں۔ فرمایا: کہ تم تو میرے صحابہؓ ہو اور میرے بھائی تو وہ ہیں جو کہ مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائے۔

اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر سے قمیص کی بو کو محسوس کرتے ہیں۔ "انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون"۔(یوسف:۱۲،۹۴) (اگر تم مجھے یہ نہ کہو کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے تو مجھے یوسف کی خوشبو آتی ہے۔) اور جو یہاں جوڑ نہ کرے گا۔ وہ آخرت میں یوں کہے گا:

"یوم یعضُّ الظالم علی یدیه یقول لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلًا"۔(سورۃ الفرقان ۲۵:۲۷) (اور جس دِن ظالم انسان (حسرت سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا اور کہے گا "کاش میں نے پیغمبر کی ہمراہی اختیار کرلی ہوتی۔)

اور اللہ کی تجلیات تو ہیں ہی لیکن حبیب پاک ﷺ کی تجلیات کھل جائیں تو طور والا معاملہ پیش آجائے۔

تو گھبراؤ نہیں کہ کیسے پہچانیں گے اور میں تو یوں کہوں کہ صورت نہیں اگر روح محمد ﷺ کی تجلی پڑجائے تو بھی پہچانیں گے۔

غذائے روح

اسلامیہ کالج مسجد پشاور یونیورسٹی (27 اپریل 1965ء مطابق 25 ذی الحجہ 1384ھ، بعد از نمازِ مغرب)

ہر چیز کے لیے ایک حد

میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو انسان کی حیثیت سے بنانے کے لیے اس عالم میں انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ انہوں نے اگر اس عالم میں محنت کی، اس کا مقصود یہ تھا کہ انسان بن جائے۔ انسان کا بننا اس کے گوشت والے اعضاء کا بننا نہیں بلکہ انسان کو کسی اور چیز کے بناؤ کے لیے بھیجا گیا ہے کہ جس کے نتیجے کے طور پر یہ اللہ کا بن جاتا ہے۔ ایسا بنے کہ اس کے بگاڑ کی کوئی صورت نہ ہو۔ نو مہینے میں ماں کے پیٹ میں بنایا گیا اور اس عالم میں اس کا جسم ایک محدود حصے تک بنایا۔ یہ نہیں ہوتا کہ انسان پندرہ سال کی عمر میں پانچ فٹ بن جائے، سولہ سال میں چھ فٹ اور اس طرح بنتے بنتے لمبا درخت بن جائے بلکہ اِتنا ہوتا ہے جیسا کہ اللہ نے چاہا۔ بعض کو لمبا اور بعض کو چھوٹا بنا دیا۔ جیسے رُخ پر بنانا تھا ویسا بنا دیا۔ آپ چاہیں کہ آپ کا ہاتھ لمبا ہوتا رہے کہ اُس درخت تک پہنچ جائے تو یہ آپ کی خواہش پر نہیں بلکہ سب کچھ اللہ کی مرضی کے مطابق ہو گا۔

مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو ایک خاص حد پر پہنچا کر ٹھہرا دیتے ہیں۔ جوانی ہے، جوانی کی حد تک انسانی طاقت بڑھتی رہتی ہے اور چالیس تک پچاس تک اور بعض ساٹھ تک پہنچ جاتے ہیں تو زوال کا رُخ شروع ہو جاتا ہے، قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں اور ڈھلتے ڈھلتے جس وقت قبر میں پہنچ جاتا ہے تو یہ جسم ختم ہو جائے گا۔ اس کا وجود باقی نہیں رہے گا۔ الا یہ کہ جس کی روح اِتنی قوی ہو گی کہ جس کی وجہ سے جسم کو بچا دیا جائے گا۔ ماں کے اندر بننا تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے، ماں تمہارے سامنے آتی ہے، تم دیکھتے ہو، کہنے والا کہتا ہے کہ وہاں بچہ

بنایا جارہا ہے، دماغ بنایا جارہا ہے، اُس میں عقل ڈالی جاتی ہے۔ آنکھ بنائی جارہی ہے۔ ہر چیز خدا نے ماں کے وجود کے اندر ”فی ظلمٰتٍ ثلٰث“ تین اندھیروں کے اندر بنائی اور ہم تو یوں سمجھتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ دائی اماں نے دریا سے پکڑ کر لایا۔

قبر اور حشر کی زندگی

اسی طرح تم قبر کے پھولے ہوئے ڈھیر کو دیکھتے ہو، تم کو کہا جائے کہ یہاں بن رہا ہے اور تم کہتے ہو کہ اس مٹی کے ڈھیر میں کیسے بنے۔ ہم یوں کہیں کہ ماں کے پیٹ میں جو بچہ بن رہا ہے۔ تو تم نے کہا کہ کچھ نہیں ہو رہا لیکن جن کی آنکھیں بینا ہوتی ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ پہلے مرحلے میں کیا ہوتا ہے۔ دوسرے مرحلے میں کیا ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ کس وقت کیا ہونا ہے۔ جہنم کے وسیع عذابوں کے لیے یہ پانچ فٹ کے انسان کا قد کافی نہ ہوگا۔ ایک ہڈی ایک دانت کو اُحد کے برابر کیا جائے گا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ قبر کے اندر کیا ہو رہا ہے۔

اس عالم میں انسان کو بھیجا جارہا ہے اور سب کے لیے یوں فرما دیا ”وما من دابّةٍ فی الارض الا علی اللہ رزقُھا و یعلم مستقرّھا و مستودَعھا“۔ (ھود ۱۱:۶) (اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمے لے نہ رکھا ہو اور وہ اس کے مستقل ٹھکانے کو بھی جانتا ہے اور عارضی کو بھی۔) فرمایا کہ اللہ کے ذمے رزق کیسا رزق؟ جس طاقت کی ضرورت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسے دیتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ ایک خاص مقام تک پہنچ کر ٹھہر جائے گا۔ تمہارا پالنا اللہ نے اپنے ذمے لے لیا ہے۔ انسان کی اس عالم کی ضروریات اُس کی چیزیں خدا نے اپنے ذمے لے لی ہیں۔ تمہارے اندر اُس نے ایک حقیقت رکھ لی یعنی روح اور وہی انسانیت کا جوہر ہے۔ انسان اپنی روح سے بنتا ہے جسم سے نہیں بنتا۔ روح خداوند کریم سے لینے والی صورتوں کا مظہر ہے۔

اب جس طرح خداوند کریم نے تمہارے جسم کا بڑھانا اپنے ذمہ لیا، دو انگل کا جسم

تھا، اللہ نے اُسے یوں بڑھایا کہ ماں سے بھی بڑھ گئے اور اِتنے بڑھ گئے کہ اپنی ماں کو گود میں پھراؤتو پھرا سکتے ہو تو اسی طرح اللہ تعالیٰ روح کے بنانے کے لیے انبیاء کو بھیجتے ہیں اور اس کے لیے کھانے کی ضرورت نہیں۔ اس کا بناؤ کھانے سے نہیں۔ اگر اس کے ساتھ روح بنتی تو محمد ﷺ کی روح کو سب سے زیادہ کھانے کی ضرورت ہوتی کیونکہ آپ کی روح سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ اگر ایک طرف پر تمام انبیاء، اولیاء، تمام صدیقین، تمام مؤمنین کی روحیں ہوں اور دوسری طرف آپ کی روح رکھی جائے تو آپ کی روح زیادہ طاقتور ہے کیونکہ اوروں نے آپ کی روح سے فیض لیا ہے۔ تاجدار ہیں دونوں عالموں کے، خدا کے بعد عطا کے لحاظ سے سیدنا محمد ﷺ سے اُونچا کوئی نہیں۔ اقتدار کے ظاہری خاکوں کو دیکھتے ہوئے جس وقت ۹ ہجری میں جنگ تبوک کی تیاریاں ہوتی ہیں تو جب حضرت عمرؓ حجرے میں داخل ہوتے ہیں تو آنکھوں سے آنسو ٹپکتے ہیں تو آپ کی تمام ملکیت ایک مشکیزہ، جو کی خوراک اور ایک گدیلہ تھا اور آپ کے پہلوؤں پر دھبے پڑے ہوئے تھے تو عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! تیرا یہ حال ہے جبکہ قیصر اور کسریٰ باغ و بہار کے مزے لے رہے ہیں تو فرمایا:

دُنیا کا حال

اے عمرؓ! تمہیں کیا ہو گیا؟ ”لا الفقر اخشی علیکم ولٰکن اخشی علیکم ان تُبسط علیکم الدنیا کما بُسطت علیٰ من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا و تھلککم کما اھلکتھم“۔(بخاری، مسلم وابن ماجہ ومسند امام احمد) میں تم پر فقر سے نہیں ڈرتا لیکن مجھے تم پر دنیا کی وسعت کے بارے میں ڈر ہے کہ تمہیں ایسی کشادگی حاصل ہو جائے جیسے کہ پہلوں کو ہوئی تھی اور تم اس میں ایک دوسرے سے بڑھنے لگو جیسے کہ وہ لوگ اور وہ تمہاری ہلاکت کا سبب بنے جیسے کہ پہلوں کو ہلاک کیا۔ تو اگر دنیا کے چینوں میں آپ کو حصہ ملا تو فرمایا کہ میں اللہ کے راستے میں وہ اذیت دیا گیا ہوں کہ کوئی نہیں دیا گیا آپ نے فاقے

اُٹھائے لیکن باوجود اس کے تمام انبیاء اُس مقام سے پیچھے رہ گئے جس پر آپ گئے۔

اگر روح کے لیے اُن چیزوں کی ضرورت ہوتی تو حضور ﷺ کو سب سے زیادہ ضرورت ہوتی تو روح کے بننے کی چیزیں اور ہیں اور جسم کے بننے کی چیزیں اور ہیں۔ انسان کی روح اور چیز ہے اور جسم اور چیز۔ حدیث میں آتا ہے: ”خلق أدم من قبضة قبضها من جميع الارض فجاء بنو اٰدم على قدرالارض جآء منهم الاحمر والابيض والاسود و بين ذلك والسهل والحزن والخبيث والطيب“۔(سنن ابی داؤد، ابن ماجہ والترمذی وقال حسن صحیح) (آدم کی پیدائش کی گئی مٹھی بھر خاک سے جس کو تمام زمین سے لیا گیا، اسی وجہ سے بنی آدم کی رنگت زمین کی طرح ہے کہ کوئی اُن میں سرخ، کوئی سفید، کوئی کالا اور اسی طرح ان کے درمیان رنگوں والا ہے اور کوئی نرم اور کوئی سخت کوئی ناکارہ اور کوئی پاکیزہ ہے۔)

روح کا بننا

تو جسم زمین سے بنی ہے لیکن روح امر الٰہی سے ہے۔ یہ روح بنتی ہے اُن یقینوں کے ذریعے جو انسان کو چیزوں سے ہٹا کر رب کی ذات کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ جو بنا ہوا اُس سے نہیں بنتا۔ جو بنانے والا ہے اس سے بنتا ہے۔ جب یہ یقین کا سوتا انسان کے دل میں پھوٹتا ہے تو روح سیراب ہوتی ہے۔ روح اگر ٹھیک ہوگئی تو انسان حقیقت کے لحاظ سے زندہ ہوگا اور اگر یہ خراب ہو جائے جیسے کسی کا خون Septic ہو جائے زہر آلود ہو جائے تو چلے گی رَگوں میں تو سہی لیکن کہیں پیپ پیدا ہوگا، کہیں پھوڑے پھنسی ہوں گے اور کہیں کیا اور کہیں کیا۔ اسی طرح جب روح خراب ہو جائے تو اس کا یہ حال ہوگا۔

ہم حواس سے علم کو لیتے ہیں، حواس والے علم سے روح نہیں بنتی، روح بنتی ہے اللہ والے علم سے اور یہ علم اللہ نے اپنی کتابوں میں کھولا۔ کتابوں پر ایمان لانا ہوگا۔ نبی روحانیت

کو پیش کرتے ہیں۔ وہ جسمانیت کے لیے نہیں آتے۔ اُن کی زندگی اللہ کے لیے ہوتی ہے جن کی زبانوں پر خدا کے الفاظ جاری ہوتے ہیں۔ نبی کا عمل اللہ کے احکام کی زندگی والا ہوتا ہے اس لیے خداوند قدوس جس روحانیت کو چاہتا ہے اس کے چلتے پھرتے نمونے انبیاء علیہم السلام کی صورت میں بھیجے اور نبی پاک ﷺ کی زندگی میں جس کو اُس نے اُس مقام تک پہنچایا جہاں کوئی نہ پہنچ سکا۔ اُن انوارات کو لوگے تو تمہاری روح بنے گی، اُس آئینے سے تمہارا آئینہ متجلی ہوگا۔ آپ کے اعمال خداوند کریم کے احکام کا چلتا پھرتا نمونہ ہے۔ آپ والے اعمال کو اپناؤ تو روح بنے گی۔

جسم تو ختم ہو جائے گا لیکن روح اُس وقت بنی جبکہ اللہ نے بنایا۔ پھر اس کو اپنے خزانے میں رکھا اور اس کے بعد جس آدمی کو پیدا ہونا تھا، اس کی روح جسم میں ڈالی گئی۔ ۱۹۳۲ء کی بات ہے کہ دجلہ میں طغیانی آئی۔ عراق کے بادشاہ شاہ فیصل کے خواب میں دو آدمی آئے کہ ابھی تو بادشاہ بن بیٹھا ہے اور دجلے کا پانی ہمارے قدموں میں آرہا ہے تو جب اُن کو نکالا گیا تو خون ابھی تک بہہ رہا تھا جیسے کہ تازہ ہو۔ جن کپڑوں میں رکھا تھا تو وہ بھی اسی طرح تھے اور یہ پکی بات ہے۔ یہاں تک کہ اس زمانے کے مسلمان بادشاہ ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ یہ شہدا خدیمہ یمنیؓ اور جابر بن عبداللہؓ تھے اور اس واقعہ سے متاثر ہو کر پہلے ایک جرمن (Physiologist) اور پھر کافی سارے عیسائی اور یہودی مسلمان ہوئے۔

اس کے بنانے کے لیے تم کو محنت کرنی پڑے گی۔ اُس محنت میں رسالت کا بھی یقین آئے گا، موت کے بعد پھر زندگی شروع ہوگی، روح کو بنایا ہوگا تو جنت کی نعمتیں دی جائیں گی اور اِتنی نعمتیں دی جائیں گی جو نہ تمہاری آنکھوں نے دیکھیں نہ تمہارے کانوں نے سنیں اور نہ تمہارے دلوں میں ان کا خیال گزرا ہوگا تو موت کے بعد کی زندگی کا یقین پیدا کرنا ہوگا اور اس بات کا یقین پیدا کرنا ہوگا کہ اللہ سب کچھ کرتا ہے ”وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى

وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ'' اللہ پر یقین آجائے، فرشتوں کے وجود پر یقین آجائے، اللہ کی کتابوں پر یقین آجائے اور اس کے رسولوں پر یقین آجائے، آخرت کے دن پر یقین آجائے، تقدیر پر یقین آجائے۔

مومن جو مرتا ہے وہ اپنے گھر جاتا ہے جیسے میں یہاں سے گھر جاؤں اور شاہ ولی یوں کہے کہ وہ مر گیا۔ مریں گے تو اپنے گھر جائیں گے۔ سچ کہو تم یہاں خوب پُلاؤ کھاؤ، خوب آرام سے رہو تو وہاں گھر کی سادہ روٹی پھر بھی محبوب ہو گی اور پھر سب سے پہلے قبر میں دیدار حضرت محمد ﷺ ہو جائے گا۔ اس خوشی میں مر جائیں تو مر جائیں۔ ہر صبح قبر میں جنت کا محل دکھایا جائے گا۔ تیری اِتنی حوریں، پچیس لاکھ حوریں اور ایسا محل کہ ایک در شاہی (دہلیز) پچاس پچاس سال کی مسافت پر ہو گا۔ ایسی قبر اگر مل جائے تو زمین کے اندر رہنا زمین کے اُوپر رہنے سے زیادہ مفید ہو گا تو یہ اللہ کے بندے جو مرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مر گئے اور ہم کہیں کہ مرے نہیں گھر گئے۔

یہاں پر اگر کوئی کہے کہ روح ہے تو کہیں کہ ہم تو نہیں دیکھتے لیکن تھوڑا سا گلا دباؤ تو پتہ چل جائے تو اس روح کے بنانے کے لیے حضور والی محنت کرو اور اس کے لیے چار مہینے اللہ کے گھر میں گزارو۔ اللہ تمہیں کہیں کہ میرے گھر میں آؤ، چار مہینے گزارو تو میں تمہیں اپنا مہمان بناؤں گا اور یہ جو تم کھاتے ہو، دال چپاتی ہو، مرغ پلاؤ ہو، لڈو پیڑا ہو تو تھوڑی دیر کے بعد کیا بن جائے گا کہ تم دیکھ بھی نہ سکو اور اللہ کے گھر اُس کے مہمان بنو تو تمہارے دل کو ایسا بنائیں گے کہ ہمیشہ ہمیشہ اللہ کی طرف سے نعمتیں ملتی رہیں گی۔

سب کچھ کرو لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنا پہلا مقصد یہ بناؤ کہ ہمارا پہلا کام اللہ کی طرف دعوت ہے، مسجدوں میں چار چار مہینے گزارو تو مزہ آجائے۔ ایک تھی کالی کلوٹی بڑھیا، وہ کیا کرتی۔ رسول پاک ﷺ کے زمانے میں مسجد کا جھاڑو کیا کرتی۔ ایک دن حضور ﷺ نے

نہیں دیکھا تو کہا وہ کالی کلوٹی کہاں گئی۔ دوسرے دن پوچھا۔ اب صحابہؓ نے کہا کہ وہ بڑھیا بھی مر گئی۔ رات کے وقت دفنا دی گئی اور آپ کو اطلاع نہیں دی تو آپ ﷺ نے کہا کہ اچھا مجھے بتاؤ کہ اس کی قبر کہاں ہے؟ وہ تو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ گئے اور اُس کی نماز جنازہ پڑھائی اور نبی جس کی نماز جنازہ پڑھے تو یہ پختہ بات ہے کہ وہ جنتی ہو جاتا ہے۔ اب جو تم مسجدوں میں جھاڑو دینے کے بجائے اللہ کے احکام کو اور حضور ﷺ والے طریقوں کو زندہ کرو تو تمہیں اس کالی کلوٹی سے زیادہ ملے گا۔

نوٹ: واقعہ شہداء جس میں عراق کے شاہ فیصل اور مفتی دونوں کو خواب میں بتایا گیا کہ دریائے دجلہ کا پانی ہماری قبروں میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ ۱۹۳۲ء کی بات تھی اور حج کا موسم اور ان کو حاجیوں کے لیے بھی متاخر کیا گیا اور ایک جم غفیر مسلم اور غیر مسلموں نے دیکھا اور بہت سارے غیر مسلم مسلمان ہو گئے۔

محبت کی حدود اور تقاضے

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (28 اپریل 1965ء مطابق 26 ذی الحجہ 1384ھ، سوا چھ بجے شام)

محبت کی حدود

محبت کے مختلف احکام ہیں۔ محبت خدا اور رسول کے اپنے احکام، حدود اور رعایتیں ہیں اور ان میں سب سے بڑا حق یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنی شان کے مطابق پہچاننے کی کوشش کرے۔ اسی طرح حبیب خدا ﷺ کو پہچاننے کی کوشش کرے بغیر پہچان کے حق کی ادائیگی نہیں ہو سکتی۔ جیسے اللہ کی معرفت لازم ہے ایسے معرفت رسول بھی لازم ہے۔ جتنا جانو گے، جتنا پہچانو گے، اسی قدر رسول ﷺ کی محبت اور عظمت دِلوں میں آئے گی۔ محبت کی ایک لمبی چوڑی لائن ہے۔ ایک نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت پیدا ہو گی، عظمت پیدا ہو گی اور جب عظمت اور بڑائی پیدا ہوتی ہے تو ہر بات جو اللہ کی طرف منسوب ہے یا حضور ﷺ کی زبان سے نکلی ہے، اُس کی بڑائی آجاتی ہے۔ آپ کسی کے حکم کے مطیع ہو نہیں سکتے جب تک کہ مطاع کی عظمت اور بڑائی دل میں نہ ہو اور اللہ کی معرفت کی وجہ سے عظمت دل میں آئے گی۔ حضور ﷺ کے برابر کسی نے بھی اللہ کو نہیں پہچانا تو آپ ﷺ فرماتے ہیں "امّا واللہ انّی لاخشاکم اللہ واتقکم لہ"۔ (متفق علیہ) (اللہ کی قسم کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف اور خشیت رکھتا ہوں۔) میں تم سب سے اللہ کا زیادہ جاننے والا ہوں اور اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ اب یہ اللہ کا ڈرنا سانپ، بچھو اور اژدھا کا ڈر نہیں۔ اللہ کا ڈر ایسا ہے کہ جیسے چاہنے والا اس چیز سے ڈرے کہ میرا چہیتا مجھ سے ناراض نہ ہو جائے تو اب شیر اور بلا کے ڈراوے میں اور اللہ کے ڈر میں یہ فرق ہے۔ جب یہ چیز جسے تقویٰ کہتے ہیں آجائے تو اللہ کا لحاظ دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔

اللہ دیکھ رہا ہے۔ میں اس کا بندہ ہوں، جاننے والا ہوں۔ وہ جس نے مجھے پالا پوسا، ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے، کچھ تو اُس کا پاس چاہیے۔ جب یہ ہو گا تو انسان کے دل کے اندر اللہ کے حکم سے روگردانی نہیں ہو گی۔ مجمع میں ہو گا تب، تنہائی میں ہو گا تب۔ اسی طرح جسے حبیب خدا ﷺ کی معرفت سے آپ کی عظمت اور بڑائی دل میں آجاتی ہے، آپ ﷺ کی نسبت نصیب ہو جاتی ہے۔ کم از کم اُمتی کی نسبت تو ہے۔ آپ ﷺ کے ہو کر میں آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کروں۔ کبھی اگر میں حضور ﷺ کے حکم کو چھوڑوں تو رسوائی کی کالک ملکر سامنے نہ جاؤں، رسوا ہونا پڑے گا۔

مکن رسوا حضور خواجہ مارا
حسابمن زچشم اونہاں گیر

(اے اللہ تعالیٰ! میرے گناہ حضور ﷺ کی آنکھوں سے پنہاں رکھ تا کہ آپ کے سامنے میری رسوائی نہ ہو جائے۔)

یہ دل کی کیفیت ہو جائے گی کہ پاسِ نبی پیدا ہو گا اور وہ پاس تمہیں پاس کرے گا۔ اُس پاس کے نتیجے کے طور پر جب کوئی عمل کرو گے تو خیال آئے گا کہ میں تو ہوں اُمتی اور اُمتی وہ ہوتا ہے کہ اپنی چاہتوں کی قربانی کرنے والا ہو، اپنی چاہتوں کی قربانی کرنے کے بعد اُمتی بننا نصیب ہوتا ہے۔ اُمتی تب بنتا ہے جبکہ اپنی خواہشوں پر چھری پھیر دے۔ اپنی بھی چلے اور نبی ﷺ کی بھی رہے یہ ہو نہیں سکتا۔

اُمتی بننے کی شان پیدا ہو گی جبکہ آپ کا اتباع کرنے لگے اور اگر یوں کہیں کہ میں اُمتی ہوں اور نہ آپ کا عمل، نہ آپ کی راہ، نہ آپ کا ڈھنگ، نہ طرز و طریق تو یہ اُمتی کیسے بنے؟

ہے وہی شیدا جمالِ مصطفیٰؐ
قال قال مصطفیٰؐ ہو حال حالِ مصطفیٰؐ

(درحقیقت حضور ﷺ کا محب وہ ہے جس کا ظاہر و باطن حضور ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہو۔)

تو یہ جو پاس نبوت ہے تو پھر اپنا حال و قال بدلے گا، پھر یوں نہیں کہے گا کہ جو میں چاہوں وہ ہو جائے بلکہ یوں سوچے گا کہ میرے نبی ﷺ اگر یہاں ہوتے تو مجھ سے کس عمل کا مطالبہ کرتے۔ ہر عمل کے شروع میں ہوشیار آدمی سوچتا ہے تو اُمتی اپنے دل سے حضور پاک ﷺ کے حکم سے مشورہ کرتا ہے۔ جب یوں کرے گا تبھی قرآن کی بات کو پورا کرے گا۔ ”النّبی اولٰی بالمؤمنین من انفسھم“۔(سورۃ الاحزاب:٦،٣٣) نبی کی ذات زیادہ قریب ہے مومنین کے لیے اُن کے اپنی نفسوں سے، نبی کی چاہت کو ترجیح دیتے ہیں اپنی چاہت پر، اپنی چاہت کی قربانی دیکر نبی کی چاہت چلاتے ہیں۔ اب نبی کا فیض آتا ہے، انوارات آتے ہیں اور یہ شخص دین پر مستقیم ہو جاتا ہے۔ طریقۂ نبوی پر جماؤ نصیب ہو جاتا ہے۔ اس کی عظمت، محبت اور اطاعت ہوگی اور معرفت بھی ہوگی اور یہ ایک چیز کو پیدا کرے گی۔ وہ ایک پگلا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک چرواہا تھا تو وہ کہتا ہے:

اے خدایا تو کجائی تا شوم من چاکرت
چارقت دوزم کنم شانہ سرت
گر بہ بینم خانہ اَت را من دوام
روغن و شیرت بیارم صبح و شام
ھم پنیر و نان ھائی روغنین
خمرھا چغرات ھائی نازنین
سازم و آرم بہ پیشت صبح و شام
از من آوردن ز تو خوردن تمام

دست کت بوسم بما لم پائی کت
وقت خواب آید بروبم جائی کت
گفت با آنکس کہ مارا آفرید
این زمیں و چرخ از و آمد پدید
گفت موسیٰ ھائے خیرہ سر شدی
خود مسلمان ناشدہ کافر شدی

(اے اللہ تو کہاں ہے کہ میں تیرا خادم ہو جاؤں تیری جوتی سیا کروں تیرے سر میں کنگھی کیا کروں اگر مجھے تیرا گھر معلوم ہو جائے تو ہمیشہ تیرے لیے صبح و شام دونوں وقت گھی اور دودھ حاضر کیا کروں۔ ساتھ ہی پنیر اور روغنی روٹیاں اور مختلف قسم کی شراب اور طرح طرح کے عمدہ دہی بھی مہیا کروں اور صبح شام تیرے سامنے حاضر کروں۔ میرا کام ان اشیاء کو حاضر کرنا اور تیرا کام طعام کھانا۔ تیرے پیارے پیارے ہاتھ چوموں اور تیرے نرم و نازک پاؤں ملوں، جب سونے کا وقت آئے تو تیری جائے خواب کو صاف کروں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ تو یہ باتیں کس سے کر رہا ہے، گڈرئے نے جواب دیا کہ اُس سے جس نے ہم کو پیدا کیا اور یہ زمین و آسمان اس کی قدرت سے ظہور میں آئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تو بڑا بیوقوف ہے ابھی مسلمان نہیں ہوا کہ کفر میں مبتلا ہو گیا۔)

کہ اے خدا! تُو کہاں ہے کہ میں تیری خدمت کروں، تیرے چپل سیوں اور تیرے سر میں کنگھی لگاؤں، تجھے بھوک لگے تو روغنی روٹیاں کھلاؤں اور جو تو تھک جائے تو پاؤں دباؤں۔ اب محبت نئی نئی باتیں بتا دیتی ہیں۔

گفتگوئے عاشقان در قعر رب
جوشش عشق است نے ترکِ ادب

(عشاق کی گفتگو اللہ کے متعلق ترکِ ادب کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کا سبب غایت عشق ہوتا ہے۔)

وہ محبت کا مارا تھا، سمجھ نہیں آتا تھا کہ اللہ کی کیسی خدمت کروں تو کہا کہ جوئیں ہی نکالوں، جب اللہ کی صفات کھلتی ہیں کریمی رحیمی کھلتی ہیں، محبت خدا حقیقتاً فطرتِ انسانی میں پیوست ہے لیکن ظہور عموماً نہیں ہوتا۔ بلا تشبیہ عرض کروں، ہارمونیم میں تمام آوازیں بھری ہوئی ہیں لیکن یوں نہ کرو تو آواز نہیں نکلتی۔ یہی حال انسان کا ہے کہ محبت تو ہوتی ہے لیکن اُوپر غفلت کا ایسا قفل لگایا گیا کہ نتیجتاً خدا کی محبت کا ظہور نہیں ہوتا۔ ہم ہوتے ہیں مشغول غیروں میں تو جیسے غیروں کا شغل کرتے ہیں خدا کا بھی شغل ہو سکتا ہے اور جب خدا میں مشغول ہوتا ہے تو محبت میں بڑھاوا ہوگا اور خدا میں مشغولیت خدا کے اعمال میں مصروف ہونے سے ہوتی ہے۔ دل میں پھر خدا کی محبت کی تاریں بجیں گی، محبت کی لہریں اُٹھیں گی، ترنگ اُٹھے گی، خدا کی محبت ہر محبت پر چھا جائے، اس کے لیے کیا ہے؟ جیسے آج خدا سے غافل ہے، غیر سے غافل اور خدا میں مشغول ہونا سیکھے۔ خدا کی محبت میں بڑی قوت ہے۔ جب یہ آجائے تو ہر غیر ختم ہو جائے اور کسی کی محبت ہوگی وہ بھی خدا کی محبت کے رنگ میں ہوگی، کپڑا سفید ہو تو اس کو رنگ دیا جاتا ہے۔ جب خدا کے رنگ میں رنگ جاؤ گے تو غیروں کی محبت بھی خدا کی محبت کے لیے ہو، پیار کا خاکہ بدل جائے گا، پیار نفسانی نہیں رہے گا۔ جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ ”من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان“۔ (ابو داؤد عن ابی امامۃ بحوالہ الجامع الصغیر، ج۲، ص۱۵۹) جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے بغض کیا، اللہ کے لیے دیا اور اس کے حکم سے منع کیا۔

اس نے ایمان کو مکمل کیا، اس کے ہر عمل میں خدا کی ادا ہے، اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، مرنا جینا سب خدا کے لیے ہوتا ہے۔ ربانی انسان ہو جاتا ہے۔

محبتِ الٰہی کا تقاضا

خدا کی محبت کا ظہور ہوتا ہے تو خدا کی محبت کا ایک شعبہ ہے رسولِ خدا کی محبت۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت اللہ کی محبت کا غیر نہیں بلکہ آپ سے محبت کرنا اللہ سے محبت کرنا اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بغض کرنا اللہ سے بغض کرنا ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے احکام کی اطاعت اللہ کے حکموں کی اطاعت ہے۔ جب ہم "لَآ اِلٰہَ" میں ہر غیر کو نکالتے ہیں تو اس میں حبیب خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت نہیں آتی۔ یوں نہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خدا کے جز ہیں۔ تو جب نبوی محبت اللہ کی محبت کا جزو ہے۔ ترمذی کی روایت ہے کہ اللہ سے محبت کرو کہ اُس نے تم کو اپنی نعمتوں سے نوازدیا۔ "و ان تعدوا نعمة الله لا تحصوها"۔ (ابراہیم: ۱۴، ۳۴) (اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار بھی نہیں کرسکتے۔) اور اللہ کی محبت کی وجہ سے میرے ساتھ محبت کرو اور میری وجہ سے میرے اہل بیت کے ساتھ محبت کرو تو اب جس طور پر اللہ کی محبت آتی ہے تو ہر اُمتی کے لیے اُس کے نبی کی محبت اور اطاعت بمنزلہ اللہ کی اطاعت اور محبت کے ہے۔ اگر کوئی اپنے نبی سے محبت نہیں کرتا، اپنے نبی کی اطاعت نہیں کرتا تو گویا وہ اللہ کی اطاعت نہیں کرتا۔ اسی طرح حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات گرامی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں اس لیے اللہ کے بعد سب سے زیادہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت فرض ہے اس لیے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو اپنے نفس، ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ تو حبیب خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے۔ اب محبت کے کچھ حدود، آداب اور طریقے ہوتے ہیں اور شریعت محبت کے آداب خود سکھاتی ہے۔

محبت محبت محبت ، بڑا لطف دیتا ہے نامِ محبت
میرے سامنے نہ لو نامِ محبت، چھلک جائے گا خود یہ جامِ محبت
ازل ابتدا ہے ابد انتہا ہے ، نہ صبح محبت نہ شامِ محبت

تو محبتیں تو ہوتی ہیں لیکن ہر ایک کی محبت اپنی اپنی حدود میں ہوتی ہے اور جو بیوی کے ساتھ ماں والی محبت شروع کرے اور کہے کہ اماں جان تو کیا یہ محبت کا حق ادا کرے گا۔

تو اللہ کی محبت کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے "لَا یُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا" اُس کی ذات میں، اس کی صفات میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اب جب وہ بالکل وحدہٗ لاشریک ہے تو اس کی صفات بھی ہر ایک سے یگانے ہیں تو اُس کی یگانگت کا تقاضا ہے۔

معشوق یگانہ ہے ، عاشق بھی یگانہ ہو

یعنی کہ جو اُن کا ہے وہ سب سے ہو بیگانہ

جو اُن کا ہو وہ غیر کا نہ ہو اور دوسرا تقاضا ہے کہ محب اپنے محبوب کی بات کو ردّ نہیں کرتا۔ یہ غریب سپاہی جو کھڑے ہوتے ہیں ۔ بارہ بجے میں جو گرمی میں صدر محترم کو Solute کرتے ہیں تو ہاتھ تو اُٹھے گا لیکن دِل میں گالیاں دیتا ہو گا اور محبوب کے لیے پانچ گھنٹوں کے بجائے دس گھنٹے بھی رہیں تو دِل میں خوش ہو گا جو بھی حکم ہو اُس کو محبوب کا تحفہ سمجھے گا، انعام سمجھے گا۔ جیسے گلاب کا عطر ہو، اسی طرح اللہ کے ہر حکم کو عطر کی شیشی سمجھو۔ اب اسی طرح اللہ کی محبت کے یہ تقاضے ہیں اور جو سچا عاشق ہوتا ہے وہ اپنے محبوب کے برابر کسی کو نہیں جانتا اور اللہ تو ہے ہی ایسا اور پھر یہ بھی سمجھو کہ ہے تو میرا محبوب لیکن اُس کے خاص آداب ہیں۔ گڑبڑ کو پسند نہیں کرتا۔ جو گڑبڑ کرے تو کان کھینچ لے گا۔

ادب سے دیکھ لیں مشتاق دُور سے اُن کو

مجال ہے جو اُسے کوئی ہمکنار کرے

محبت میں پِس جاؤ اور پھر یوں کہو:

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پِس جانے کے بعد

سُرخ رو ہوتا ہے انسان ٹھوکریں کھانے کے بعد

حنا جتنا پِس جاتی ہے اُتنا ہی رنگ لاتی ہے تو اللہ تشریعی لحاظ سے جو حکم دیں اس کو

مانتے رہو اور تکوینی لحاظ سے جو حالت طاری کر دیں اُس پر راضی رہو۔ اپنے لیے عافیت مانگو، سوال اچھا کرتے رہو لیکن اُس کی رضا پر راضی رہو تو یہ تو ہو گا اللہ کا معاملہ۔

اب حضور ﷺ کا معاملہ کیا ہے؟ پوری کی پوری مخلوق میں کوئی بھی ایسا نہ ہو کہ اس کا خیال آپ کی محبت پر غالب ہو۔ اللہ کی صفات مخصوصہ کو چھوڑ کر جو کچھ خوبیاں ہیں حضور ﷺ میں تصور کرو۔ اللہ کے نام کے بعد حضور ﷺ کے نام کا رٹا لگالو۔ حضور ﷺ کی یاد ایسی پیوست ہو جائے کہ دل نکلے لیکن حضور ﷺ کی یاد نہ نکلے۔ دل میں اللہ کے بعد بساؤ تو اُس ذات کو بساؤ جس کی محبت کو اللہ نے اپنی محبت کے بعد سب سے اُونچا مقام دیا۔

اب ایک ہوتی ہے محبت کہ میں تجھے چاہوں اور تُو مجھے چاہو، نعرہ نہ ہو، قاری محمد طیب صاحبؒ نے کراچی میں فرمایا کہ جو چیز نعرہ بن جاتی ہے اُس کی حقیقت گم ہو جاتی ہے۔ مانگو اللہ سے، حضور ﷺ نے بھی مانگی تھی جس طرح ہم پر حضور ﷺ پر ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح اپنے پر ایمان لانا حضور ﷺ پر فرض تھا۔ "اللّٰھم انی اسئلك حبُّك و حُب رسولك و حُب عملٍ یقرّبنی الی حبك"۔[76]

اپنی محبت کیوں مانگی؟ آپ کو اپنے ساتھ اپنے نفس کی وجہ سے محبت نہیں تھی بلکہ اس لیے کہ آپ اللہ کے محبوب تھے۔

نازم بچشم خویش کہ روئے تو دیدہ است

(میں اپنے آنکھوں پر نازاں ہوں کہ اُنہوں نے تیرا چہرہ دیکھا ہے۔)

اور کسی دوسرے نے کہا:

آن کس کہ دید روئے تو بوسید چشم من

---

[76]۔عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ: اللّٰھم انی اسئلك حُبك و حب من یحبك و حب عمل یقربنی الی حبك اللّٰھم ما رزقتنی مما احب فاجعله قوۃ لی فیما تحب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔(الترمذی: ۳۲۳۵/۳۵۱۶، الامام احمد بن حنبل:۲۲۱۶۲، والحاکم:۱۹۱۳، والطبرانی:۲۱۶، و قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح، ص۱۰۹۵)

کارے کہ کردہ آن چنان بے بصر نہ کرد

(جس نے بھی آپ کا چہرہ دیکھا اُس نے میری آنکھوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ جو کام تم نے کیا ہے ایسا کوئی اندھا نہیں کر سکتا۔)

ایسا انتخاب کیا ہے کہ بے آنکھوں والا نہیں کرتے تو حضور پاک ﷺ کی محبت کو دل میں بسائے خوب بسائے یہاں تک کہ بے اختیاری میں میں جیسے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ کا نام آئے، موت کا گرز لگے تو جو دِل کے اندر ہے وہی پھوٹے گا تو پکارو کہ: ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ'' دل کی صفت بن جائے۔ اللہ پر ایمان اور رسولِ خدا پر ایمان۔

اب اس محبت کا تقاضا کیا ہے؟ ایک تو یہ کہ آپ ﷺ کی محبت کی وجہ سے آپ کا مقام آپ کے مقام سے اُونچا نہ کیا جائے اور آپ کے مقام سے آپ کا مقام نیچا نہ کیا جائے اور تفصیل یہ ہے کہ آپ کا مقام مخلوق میں تمام سے برتر ہے۔ اگر اس کو اُونچا کرو تو اللہ سے ملاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد تو حضور ﷺ کا درجہ ہے اور دوسرے آپ تو عمر بھر توحید کا ڈنکا پیٹتے رہے تو آپکے خلاف کرنا آپ کی محبت کے خلاف کرنا ہے اور یہ کہ ایک بال نیچے نہ کیا جائے۔ جس کی محبت کو اللہ نے اپنی محبت قرار دیا اور کہا کہ ''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲''

(الحجرات ۴۹:۲)(اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کرو اور نہ اُن سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔) تو جن کے ادب کا اللہ کو اِتنا پاس ہے تو بندے کے لیے کیا کرنا ہو گا۔ ادب سے نام لو اور ساتھ ﷺ ضرور پڑھو۔ فرمایا جس کے سامنے میرا نام لیا گیا اور اُس نے درود نہیں بھیجا تو اُس سے بڑھ کر کوئی بخیل نہیں اور دیکھو ''صلعم'' بعض کتابوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے تو یہ کوئی چیز نہیں۔ پورا صلی اللہ علیہ وسلم

پڑھو۔ محبت کا پورا سلسلہ ہے۔ حضور ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ چاہے وہ دھیان سے کرے یا بغیر دھیان کے وہ اس کے جملہ اعمال کو اپنائے گا۔

در دو عالم ازدو عالم این خوش تر آید مرا
روئے تُو یا بوئے تُو یا خوئے تُو یا کوئے تُو

(دونوں جہانوں میں اگر مجھے کوئی چیز پسند ہے تو وہ آپ کا چہرہ، خوشبو، اخلاق اور کوچہ ہے۔)

راہ سے مراد کیا ہے؟ آپ کا طریقہ۔

نذر دارم کہ شفاعت را در یوم الحساب
تو بہ بینی سوئے حق و من بہ بینم سوئے تو

(میں نذر مانتا ہوں کہ شفاعت کے لیے حشر کے دن آپ تو دیکھیں اللہ میاں کو اور میں تم پر نظر گاڑھے رکھوں۔)

اُمید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن تُو اللہ کو دیکھو گے اور میں روسیاہ آپ کی طرف دیکھوں گا کہ اس کا بھی معاملہ بن جائے تو یہ بھی حق ہے کہ حضور ﷺ کی ہر ادا کو اپنایا جائے۔ حضرتؒ کا شعر ہے:

قہر ہو یا مہر ہو جو کچھ بھی ہو
ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

اور فرمایا کہ کیوں؟

تُو ہے مجموعۂ خوبی و سراپائے جمال
کون سی تیری ادا دِل کی طلبگار نہیں
دِل کند سجدہ بایں طرز خرا میدنِ تُو

دیدہ صد شکر بجا آورداز دیدن تُو

(آپ کی اس انوکھی چال سے دل سجدہ ریز ہے اور آنکھیں آپ کو دیکھ کر شکر بجا لاتی ہیں۔)

پُرسش عاشق بےچارہ کن اے جانِ جھان
ناشود زندۂ جاوید زپر سیدن تُو

(اے جان جہاں تو اپنے اس بیچارے عاشق کی خیریت دریافت کیا کرو تاکہ آپ کی اس نوازش سے وہ زندگی جاوداں حاصل کرے۔)

نور مطلق متجلی زجمال رُخ تست
کافران است کہ کند منع پرستیدن تو

(آپ کے جمال سے نُور مطلق کی تجلی برستی ہے وہ لوگ بڑے ناشکرے ہیں کہ آپ کی خدمت سے لوگوں کو روکنا چاہتے ہیں۔)

تو یہ بھی حق ہے کہ پوری اطاعت اختیار کی جائے اور جس دین کے لیے جن احکام کے لیے جن اعمال کے لیے حضور ﷺ نے اپنی جان کو جان نہ سمجھا، خون کو خون نہ سمجھا، مال کو مال نہ سمجھا اس لیے کہ جو دین میں لیکر آیا ہوں وہ پوری دنیا میں عام ہو جائے۔ آپ تو بنے ہوئے تھے بلکہ آپ کی محنت جو تھی وہ یہ تھی کہ پوری کی پوری مخلوق خدا کے دین کا تابع ہو جائے۔ یہ حق ہے حضور ﷺ کا۔ انسان آپ کی محنت پر آپ کے دین پر اپنی استعدادوں کو صرف کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ آپ سب کو عمل کی توفیق دے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

مقامِ دِل اور تقویٰ

مجلسی گفتگو در دولت خانہ خویش (30 اپریل 1965ء مطابق 28 ذی الحجہ 1384ھ، بعد از نمازِ عصر)

قلبِ سلیم

محمد سلیم ففتھ ائیر ایگریکلچر کے نام پر (جو پلانٹ بریڈنگ میں پی۔ایچ۔ڈی کر کے زرعی یونیورسٹی میں پروفیسر رہے اور اب مرحوم ہو گئے ہیں)۔ سلیم کہتے ہیں سانپ کا ڈسا ہوا اور ایک سلیم ہے "يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾" (الشعراء۲۶: ۸۸، ۸۹) (جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا اور نہ اولاد، ہاں جو شخص اللہ کے پاس سلامتی والا دِل لیکر آئے گا۔) بے روگا دِل، قلب سلیم، من درستی کا نام ہے اور دوسری جگہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ "وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾" (الصّٰفّٰت۳۷: ۸۳، ۸۴) (اور اُنہی کے طریقے پر چلنے والوں میں یقیناً ابراہیم بھی تھے جب وہ اپنے پروردگار سے صاف ستھرا دِل لیکر آئے۔) پھر کیا ہوتا ہے:

دیتے جو دُھواں اب وہ دیئے سب بجھا دیئے

خُلّت کا مقام

تو ایسا دل جس میں غیر خدا باقی نہ رہے، وہ باخدا ہو گا اور جس میں غیر خدا بھی دھندناتا ہو اور خدا کا بھی تھوڑا سا حصہ ہو تو وہ باخدا نہیں ہو گا۔ تلاش کرو کہ رَگ جان میں تو کوئی نہیں اور جس وقت باخدا ہو جاتا ہے تو انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ نبی کے لیے تو خُلّت کا مقام کہا ہے۔ "وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾" (النساء۴: ۱۲۵) (اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا خاص دوست بنالیا تھا۔) خُلّت اُس محبت کو کہتے ہیں جب دل میں سوائے محبوب کے دوسرے کی گنجائش نہ ہو اور اللہ کی طرف نسبت ہو جائے تو محبت کے معنی میں آئے گا کیونکہ اللہ تو دِل سے پاک ہے۔

دِل ما بے دلان بُردند و رفتند

تجرید اور تفرید

اس مقام کو صوفیاء کی اصطلاح میں تجرید کہتے ہیں جبکہ تمام شاخیں کٹ جائیں، جب دل سے غیر نکل جائے تو اُسے کہتے ہیں تجرید عن الخلائق اور تفرید۔ اب جب تجرید ہو گی تو یہ فردیت کے مقام پر پہنچ جائے گا۔ جب یہ ہر ایک کو اپنے سے کاٹتا ہو تو خدا کا معاملہ بھی اس کے ساتھ اور ہو گا اور یہ ہیں خُلّت کے نتائج اور ہم نے اللہ کے ایک بندے کو دیکھا کہ مجمع گرداگرد ہے کہ لوگ کہتے ہیں سو رہے ہیں اور وہ بالکل انقطاع عن الخلق کے مقام پر فائز تھا۔ انسان خلاصۂ کائنات ہے اور خلاصۂ انسان انسان کا دِل ہے تو کیا مطلب؟ جب انسان کا دِل خلاصۂ انسان ہے تو یہ دل اللہ کی نگاہ کا مرکز ہے۔ حدیث میں کھلے لفظوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گورے گورے چہروں کو نہیں دیکھتا، نہ پتلی پتلی ناکوں کو دیکھتا ہے۔ ”اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَ اَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُاِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْ“۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، حدیث نمبر ۵۳۱۴، الصحیح مسلم: حدیث نمبر ۶۵۴۳، ابن ماجہ: ۴۱۴۳، احمد بن حنبل: ۱۰۹۶۰) (بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دِلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔)

دِل اور کعبہ

کہتے ہیں:

یار را با من نظر شد دوختہ
حیف من با دیگران دِلدوختہ

(یار کی نظر مجھ پر گڑھی ہوئی ہے، بڑی افسوس کی بات ہے کہ میں نے اپنا دِل اِدھر اُدھر غیروں میں لگا رکھا ہے۔)

دِل منظر گاہ رب ہے۔ مولاناؒ نے کہا ہے:

دِل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاران کعبہ یک دِل بہتر است

(کسی کی دلداری کر کے حج اکبر جیسا ثواب پاؤ ایک دِل کا خوش کرنا بہت کچھ ثواب دِلا دے گا یہاں کہ ہزاروں کعبہ سے بھی اس کی قیمت زیادہ ہے۔)

دِل اللہ کی طرف متوجہ نہ رہے تو کعبہ میں جا کر کیا کرو گے؟ پہلے دل حاجی بنتا ہے اور اس کے بعد جسم۔ جیسے ہمارے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "پہلے داڑھی دِل پر آتی ہے اور اس کے بعد منہ پر"۔ ایک صاحب تھے شاہ جہاں کے زمانے میں پنڈت تخلص کرتے تھے اور تھے بھی ہندو۔ اُس وقت ہندو بھی مسلمانوں کی زبان کہا کرتے تھے۔ کہا:

مرا دِل است بکفر آشنا کہ چندیں بار
بکعبہ بردم و بازش برھمن آوردم

میرا دِل کفر سے ایسے آشنا ہے کہ چند بار کعبہ لے گیا اور پھر بھی ویسے کا ویسے لے آیا تو ایک ساتھی نے چوٹ کی:

خر عیسیٰ اگر بہ مکہ رود
چوں باز آید ہنوز خر باشد

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گدھا مکہ جائے جس میں استعداد نہ ہو۔ واپس آ کر وہی گدھا کا گدھا ہو گا۔)

تو اوّل تو حج کے لیے جاؤ گے نہیں اور اگر گیا بھی تو دکھاوے کے حاجی ہوں گے کہ بورڈ پر نام لکھے "الحاج" حج کے ایک فعل کے متعلق کہ جزو حج ہے۔ فرمایا: "لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ؕ" (الحج22:۳۷) (اللہ کو تمہارا گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن اس کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔) تقویٰ آسمان میں نہیں ہوتا، دِل ہی میں ہوتا ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ التقویٰ ھٰھنا و یشیر الی صدرہ ثلث مرّات۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۶۵۴۱، ص ۱۰۶۴) (ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

تقویٰ یہاں ہے اور تین دفعہ اپنے دِل کی طرف اشارہ کیا۔) کبھی اِدھر آنکھ دیکھ لیتی ہے اور کبھی اُدھر دیکھتے ہو۔ ہوتا ہے بھئی جب تک دل قابو میں نہ ہو تو آنکھ کیسے قابو ہو جائے تو دل قابو میں لاؤ اور فرمایا:

کعبہ بنیاد خلیل آزر راست
دل گزرگاہ جلیل اکبر است

(کعبہ کی بنیاد ابراہیم علیہ السلام جو کہ آزر کے بیٹے ہیں نے رکھی اور دِل اللہ جل جلالہ کا گزرگاہ ہے۔)

کعبہ کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی ہے اور دِل اللہ کے گزرنے کی جگہ ہے اور فرمایا کہ کعبہ کی تجلیات اور بزرگی بھی اخلاصِ دِل کی وجہ سے ہے۔

کعبہ را ھر دم تجلی می فزود
زانکہ ز اخلاصات ابراھیم بود

(کعبہ کی تجلیات کو اللہ تعالیٰ ہر دم بڑھاتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اخلاص کے ساتھ رکھی ہے۔)

تو دل کو بناؤ سلیم، یہ ہوتا ہے سقیم اور صوفیاء کی محنت بس اِتنی ہے کہ دِل سقیم کو دِل سلیم بنائے۔ بیمار دل تندرست بن جائے۔ پورا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دلوں کے آئینے گردوغبار سے خالی ہو کر توجہ تام خدا کی طرف ہو جائے۔ تمام بیماریوں کی جڑ طلب غیر ہے۔ حرص، حسد، کینہ، بغض، جھوٹ، ریا، بدکاری، بد نظری، حب مال، حب جاہ، طلب غیر کے نتائج ہیں۔ کیڑے پڑ جاتے ہیں دل میں ناسور ہو جاتا ہے اور ناسور کا علاج معلوم نہیں۔ ناسور کی خوراک ہے خونِ انسان۔ خود قوی ہوتا ہے اور انسان کو کمزور کر دیتا ہے تو یہ ناسورِ جسمانی ہے اور ناسورِ قلبی غیر اللہ کا تعلق۔ مولاناؒ نے ایک دُعا کہی ہے:

عفو کی طلب

اے حبیب عفو از ماعفو کن
اے طبیب رنج ناسور کہن

(اے عفو کے پسند کرنے والے مجھے معاف فرمادے خواہ میری بیماری کتنی ہی زیادہ شدید ہو لیکن تیرے دسترس سے باہر نہیں کیونکہ تو پرانے ناسور کا علاج کرسکتا ہے۔)

عن عائشہ رضی اللہ عنہا أنها قالت: یا رسول الله: أرایت ان وافقت لیلة القدر ما ادعو؟ قال تقولین: اللّهم انك عفو تحب العفو فاعف عنی۔ (سنن ابن ماجہ، صححہ البانی)

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول اگر میں شب قدر پاؤں تو کون سی دُعا پڑھوں۔ آپ نے فرمایا، اے اللہ! بیشک تو معاف کرنے والا ہے تو مجھے معاف کردے۔)

اے عفو کرنے والے! مجھے معاف فرمادے تُو تو طبیب ہے دِلوں کے پرانے ناسور کا ۔ جیسے حضرتؒ جی کے لفظوں میں نیکیوں کی اماں دعوت ہے۔ اسی طرح اُم الآثام میرے نزدیک تعلق غیر اللہ ہے۔ طلب غیر چھوڑ دو، نہ رہے گا بانس نہ بجے بانسری۔ "لَآ" کی نفی کے نیچے ہر غیر کو لاؤ۔ کبھی آپریشن تھیٹر میں گئے ہو، یہ جسم ہے کسی کا اور یہ پھوڑا ہے۔ اب اس گندہ گوشت کا گہراؤ ایک انچ تک چلا گیا ہے تو اچھا ڈاکٹر وہ ہے جو کہ اس گندہ گوشت کو نکالے اور پھر مرہم لگائے تو اسی طرح "لَآ" کی نفی سے ہر گندی چیز کو نکالو اور گندی چیز وہ ہے جو اللہ کے لیے نہ ہو اور اللہ کے لیے جو ہو وہ اللہ کا غیر نہیں۔ "من احب لله وابغض لله واعطی لله و منع لله فقد استکمل الایمان"۔ (ابو داؤد عن ابی امامۃ بحوالہ الجامع الصغیر للسیوطی، ج ۲، ص ۱۵۹) جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے بغض کیا، اللہ کے لیے دیا اور اس کے حکم سے منع کیا۔ تو اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ تو غیر خدا کا خوف اور محبت نکل جائے، اسے خوب صاف کرلو۔ بچھو، کیڑا نیچے بیٹھا ہوا ہوتا ہے تو باہر نکال کر خوب جھاڑ دو۔

جب ''لَآ'' کی نفی کہہ لوگے تو ہر غیر کی نفی کرلو تو اِس میں تمام چیزیں داخل ہوتی ہیں۔ جو اللہ سے تعلق کو توڑتی ہیں یا کمزور کرتی ہیں اب جو ایسی چیزیں ہوں جو اللہ سے تعلق کو توڑتی نہیں بلکہ مضبوط بناتی ہیں اُن کو مضبوطی سے پکڑو اس لیے فرمایا: ''وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۲۲'' (لقمان ۳۱:۲۲) (اور جو شخص فرمانبردار بن کر اپنا رُخ اللہ کی طرف کر دے اور نیک عمل کرنے والا ہو تو اُس نے یقیناً مضبوط کنڈا تھام لیا اور تمام کاموں کا آخری انجام اللہ ہی کے حوالے ہے۔) یہ بات نہیں کہ دودھ کو صاف کرتے کرتے مکھن بھی پھینک دو۔ اول تو اللہ دل میں بسایا جائے گا اور جو اللہ آجائے تو سب کچھ آجائے گا اور اللہ کی تجلی ہو جائے تو دِل ''قط قط'' شروع کر دے جیسے جہنم کے متعلق آتا ہے کہ جب بھر نہ جائے اور کہے کہ ''هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ'' (کیا کچھ اور بھی ہے۔) جب تجلی ساق پڑ جائے تو کہے'' قط قط'' بس بس۔ نہیں برداشت کر سکے گی۔ سب مستی نکل جائے جبکہ ایک نگاہ پڑ جائے۔ وہ کسی کا شعر ہے:

یک نگاہ نازِ جانان قیمت ایمان ما

(ہمارے پورے ایمان کی قیمت میرے محبوب کی ایک نگاہ کے برابر قیمت رکھتی ہے۔)

ایک اُن کی رحم کی تجلی ہو جائے۔ تو بقول مولاناؒ:

فضل ساعت کار صد سالہ کند
نارِ ابراہیم را لالہ کند

(اللہ کی نظر رحمت ہو جائے تو سالوں کی محنت کے برابر ہو، وہ ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو گلزار بنا دیتا ہے۔)

میری ساری عمر کا حاصل وہ تیری اِک نظر
جس نے دنیا ہی بدل ڈالی میرے دِل کے لیے

انسان کا مقام

مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی

(30اپریل1965ء مطابق28ذی الحجہ 1384ھ، بعد از نمازِ مغرب،7بجکر19منٹ)

اللہ تعالیٰ کی حکمتیں:

میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے کائنات کے جتنے خاکے بنائے ہیں جو ہمیں دکھائی دیتے ہیں اور جو نہیں دکھائی دیتے۔ دونوں اللہ کی حکمت سے پُر ہیں۔ دکھانا بھی حکمت سے خالی نہیں اور نہ دکھانا بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہماری نگاہوں سے اوجھل ہونا بھی حکمت سے خالی نہیں۔ جس نے ہماری نگاہوں کو ایسے بنایا کہ کچھ دیکھتی ہیں اور کچھ نہیں اور جو نہیں دیکھتیں وہ بہت زیادہ ہے۔ یہاں پر اگر آپ بیٹھے ہوئے ہیں تو کچھ چیزیں دکھائی دیں گی اور کچھ نہیں۔ تو اب جو آنکھیں اُن چیزوں کو جو کہ مخلوق ہے اور وہ بھی اس دنیا کی، نہیں دیکھتیں تو جو ذات وراء الوراء ہے اُس کو اس دنیا میں کیسے پالیں۔ اللہ کا حجاب بھی نورانی ہے "حجابه النّور"۔(ابن ماجہ، حدیث نمبر:۱۶۳) (اللہ تعالیٰ کا حجاب نورانی ہے۔)وہ کھل جائیں تو ہم اندھے پڑ جائیں۔ اسی طور پر اللہ کی حکمت کاملہ نے یوں چاہا کہ وہ ہماری آنکھوں سے مستور ہو حالانکہ وہ عیاں ہیں۔ ہماری نگاہوں سے غیب ہیں۔ وہ تو عیان در عیان ہیں لیکن ہماری نگاہوں سے پنہاں ہیں۔ اقبال نے کہا:

وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی
میری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسباب مستوری

انسان اور فرشتوں میں فرق

اگر کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی اور اس کو آپ دلیل قویہ بنائیں تو میں کہوں کہ آپ کا

امریکہ شریف بھی نہیں ۔ آپ کی نسبت سے شریف کہہ رہا ہوں ورنہ میرے نزدیک وہ شریف نہیں تو ہمارے امتحان کے لیے کہ یہ مجھے چاہتے ہیں کہ نہیں۔ آنکھوں سے پنہان ہو جائیں۔ اللہ میاں ظاہر ہو جاتے تو یہ اللہ کے نہ ماننے والے، طاقت والے جس طبقے سے بھی تعلق رکھتے ہیں یہ جملہ افراد کون ان کے حکموں سے روگردانی کرے۔ قیامت کے دن ہوگا ''لمن الملك اليوم'' آج بھی اللہ کی بادشاہی ہے لیکن ہر ایک کے لیے عیاں نہیں اور اہل دل کے لیے آج بھی عیاں ہے۔ وہ تو غیروں کو مچھر کے پَر سے بھی کم گردانتے ہیں تو فرمائیں گے ''لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ''۔(المؤمن:۴۰،۱۶)((کہا جائے گا) کس کی بادشاہی ہے آج؟ (تو جواب ایک ہی ہوگا کہ) صرف اللہ کی ہے جو واحد اور قہار ہے۔)تو اگر آج کے دن بھی اللہ نمایاں ہو جائے تو ترقیات رُک جائیں، ترقیات انسان اُن چیزوں کے پردے میں ہونے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بھیجا اور انسانوں اور فرشتوں میں ایک خاص فرق ہے۔ ان کے لیے اللہ کی بادشاہی نہاں نہیں عیاں ہے۔ وہ ہر آن اللہ کے نزدیک ایسے ہیں۔

گویا اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔ دل میں جو روشنی ہوتی ہے، آپ روشنی کو توجہ دیں یا نہ دیں، دِل کہتا ہے کہ روشن ہے۔ زبان کہے یا نہ کہے اس لیے فرشتوں کے لیے اللہ کا وجود ہر آن روشن ہوتا ہے جیسے بلا تشبیہ ہمارے لیے دن ہے اس لیے وہ ''يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْن'' (فرشتے وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔) حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی حکم آتا ہے تو ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ سب کے سب کانپنے لگتے ہیں اور ان کے پَروں سے ایسی آوازیں پیدا ہوتی ہیں جیسے کوئی زنجیر کو چٹان سے مارتا ہے۔ اس کے بعد جب ہوش میں آجاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ''مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ'' تو پھر کہتے ہیں ''قَالُوا الحَقَّ'' (بخاری بحوالہ تفسیر ابن کثیر تحت ایۃ حتی اذا فزّع عن قلوبھم) (تمہارے رب نے کیا کہا تو پھر جواب دیتے ہیں حق ہی کہا) کہتے ہیں کہ جو کچھ کہا حق کہا۔ اُن کے جسم میں طاری ہوتے ہیں احکام اور ان کے اندر کو

سمجھ جاتے ہیں جیسے مثالاً عرض کرتا ہوں جیسے حضور ﷺ پر وحی آتی تھی تو آپ پہلے ہونٹ ہلایا کرتے تھے تو فرمایا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾ (القیامۃ ۷۵: ۱۶ تا ۱۸)

(اور اے محمدؐ!) وحی کے پڑھنے کے لیے اپنی زبان نہ چلایا کرو کہ اس کو جلدی یاد کرو اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم (اس کو سنا کرو اور) پھر اسی طرح پڑھا کرو۔ پھر اس (کے معانی کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے) تو خود کار آلے کی طرح اُن پر اللہ کے حکم کا جریان ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑا فرشتہ آجائے اور خم ٹھونک کر کہے کہ میں اللہ کے حکم کی نافرمانی کروں تو اللہ کی قسم! ایسا نہ کر سکے۔

توجس میں اللہ نے نافرمانی کی طاقت نہیں رکھی وہ اگر نافرمانی نہ کرے تو یہ کیا کمال ہے۔ ہاں فرشتے ہیں تو یہ کمال ہے، دیوار میں دیکھنے کی طاقت نہیں تو یہ کسی غیر کو نہ دیکھے تو اس کا کیا کمال ہے؟ کمال تو یہ ہے کہ شاہد میاں جیسے نوجوان ہوں اور پھر اپنے کو روک لے اس لیے ان کی ترقیات نہیں۔ جبریل کا وہی مقام، میکائیل کا وہی مقام، ملک الجبال کا وہی مقام، ملک الانہار کا وہی مقام جس پر آپ نے پیدا کر لیے۔

اب جو ابتدائی وقت میں پیدائش کا ارادہ فرمایا ''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ'' (میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں)۔ تو کہا کہ اللہ میاں! ہم تو آپ کے وفادار سپاہی ہیں۔ ہم کو معزول کر کے کسی دوسری مخلوق کو لانا چاہتا ہے جو کہ اس زمین میں خونریزی کرے اور یہ کیسے معلوم ہوا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''قبض اللہ قبضة من جمیع الارض''[77] اللہ نے مٹھی لے لی پوری کے پوری زمین سے اور اللہ کی مٹھی بھی تو پورا مٹھا ہوگا تو مختلف اجزائے

[77]۔ قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ خلق اٰدم من قبضة قبضها من جمیع الارض فجاء بنو اٰدم علی قدر الارض جآء منهم الأحمر والأبیض والأسود و بین ذلك والسهل والحزن والخبیث والطیب۔ (سنن ابی داؤد: ۴۶۹۳، أخرجه الترمذی: ۳۱۸۸ قال حسن صحیح) مسند احمد بن حنبل: ۱۹۵۸۲، ورواه الترمذی وابن حبان فی صحیحه)

زمین کے اکٹھا کرنے سے انہوں نے سمجھ لیا کہ ان تمام کی باہمی مصالحت کیسی ہوگی۔ ”وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ“ (اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں) تو فرمایا: ”اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ“ (میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)۔ (البقرہ ۲:۳۰) تو فرشتوں نے کہا کہ ہاں آپ وہ جانتے ہیں جو ہم نہیں جانتے۔ جو کچھ آپ کرتے ہیں ہم حکم کی فرمانبرداری کرتے رہیں گے۔

انسان اور اختیار

اب جو انسان کو پیدا کیا تو اختیار کا ایک لمبا چوڑا ڈھیل دے دیا اور اس کے بعد ”فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا“ (الشمس ۹۱:۸) (پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیز گاری کرنے کی سمجھ دی)۔ اچھائی بھی دی بُرائی بھی دی اور پھر یوں فرمایا: ”لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا“ (سورۃ الملک ۶۷:۲) (تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے)۔ اب یہ امتحان نہ ہو تو Presedential Award نہ ملے اور نہ سونے کا تمغہ ملے تو امتحان کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم کو دینا چاہتے ہیں۔ فیل کرتے ہو، تو تمہارے دِلوں پر آرے چلیں۔ ہائے میں یوں کرتا میں یوں کرتا۔ ہر طرح سے پابند کر دیا۔ یہ کیسا دین ہے، نہ ہم کو چوری کرنے دے، نہ ڈاکہ ڈالنے دے، کیسا دین۔ یہ پابندیاں تمہیں پابند کرنے کے لیے نہیں۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لیے

یہ مجاہدہ کہتے ہیں، محنت و مشقت کو، تمہارے دِلوں پر جو پڑتی ہے کہ فلان عمل کیا تو یہ ہوگا تو اس پر اللہ کو پیار آتا ہے کہ بن دیکھے یہ مجھ سے ڈرتا ہے تو وہ اپنی طرف سے درجات دیتا ہے اور ایک ایک درجہ آسمان تک پہنچانے والا ہے اور جو جو عطا ہوگی آج تم اس کا وہم و گمان بھی نہیں کرسکتے۔ ایک شخص ہوگا اس کے تمام کے تمام کھاتے میں صرف ایک

نیکی ہوگی۔ اب ایک شخص اور ہوگا اس کو صرف ایک نیکی کی ضرورت ہوگی۔ تمام حشر والوں کے پاس جائے گا۔ نہ تو ابا جان کام آئے گا، نہ اماں جان کام آئے گی۔ اب جو یہ دیکھ لے گا تو کہے گا کہ چلو میں تو ویسے بھی جاؤں گا۔ چلو یہ ایک نیکی اس کو دے دو تو اب اللہ کو پیار آئے گا۔ کہے گا کہ تُو نے اپنی نیکی کیوں اس کو دی؟ تو عرض کرے گا کہ اللہ میاں! تجھ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ میرا یہ خیال تھا کہ مجھ کو تو اس سے کوئی بڑا فائدہ نہیں اور اس کا کام ہو جائے گا تو اللہ میاں فرمائے گا: ''چلو تجھ کو میں نے اپنے فضل سے بخش دیا'' عدل سے نہیں، فضل سے بخشا جائے گا۔

اللہ کی نعمتیں

مواعظ کی کتابوں میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا، اُس نے بڑی عبادت کی۔ جب قیامت کے دن، اس کو جو حاضر کیا جائے تو پوچھا جائے گا کہ ''کیا کیا؟''۔ اب وہ کہے کہ میں نے اِتنی عبادت کی اور ایک چشمہ تھا اُس کے پاس رہتا تھا اور پانچ سو سال تک عبادت کرتا رہا اور انار کے ایک درخت میں سے کھاتا تھا تو کہا جائے گا کہ ذرا لگاؤ اس کو جہنم کا ایک چکر تو واپس جو لایا جائے گا تو پھر کہے گا کہ بتاؤ کیسے ہوا۔ تو وہ کہے گا کہ ''بات تو بعد میں کروں، تھوڑا سا پانی تو پلا دو'' تو کہا جائے کہ ''یہاں پانی کہاں'' تو وہ کہے گا کہ اے اللہ! تُو قادر ہے۔ تو وہ کہے کہ ''دے دوں گا لیکن جتنی عبادت تم نے کی ہے اُس کو دے دو'' تو وہ کہے گا کہ ''پانچ سو سال کی عبادت؟'' تو اللہ میاں کہے کہ ''نہیں دیتے تو نہ دو کھڑا رہ'' اب وہ راضی ہو جائے گا تو اللہ میاں فرمائیں کہ تمہاری پانچ سو سال کی عبادت ایک دفعہ پانی پلانے کا نذر ہوا اور جو تو پانچ سو سال تک پیتا رہا اور کھاتا رہا اور مزے کرتا رہا تو وہ کہاں گیا۔ پھر اپنے فضل سے بخشا جائے گا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ میاں نے جو اپنے کو پنہاں رکھا اور اعمال دیے تو ان کو درجات کی بلندی کے لیے دیئے۔ بات صرف اِتنی ہے کہ پوری کی پوری زندگی میں بالغ ہونے سے مرتے دم تک ناجائز خواہش سے بچتے ہوئے اللہ کے حکم پر چلنے کی کوشش کرو تو اللہ تعالیٰ

تمہارے دل کو روشن کریں گے، ہر حکم گویا اللہ کے قرب کی سیڑھی ہے۔ احکام کے اختیار کرنے سے انسان اللہ کا قرب حاصل کرلیتا ہے اور بے نہایت عطا کے دروازے انسان کے لیے کھل جاتے ہیں۔ اللہ نے انسان کو اس لیے نہیں رکھا کہ تمہیں مصیبت میں ڈالنا چاہتا ہے۔ وہ تو تمہیں دینے کے لیے اپنے کو چھپائے رکھتا ہے۔ میاں نے ہماری آنکھوں پر جو پردہ رکھا ہے وہ پیار کے لیے ہے مار کے لیے نہیں ہے۔ تو فرمایا: ”یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ“ غیب پر ایمان لاؤ اور اس کے حکموں کی ایسی پیروی کرو ”کَاَنَّكَ تَرَاهُ“ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، تمہارے دلوں میں ظاہر کا اِتنا یقین نہ آئے جتنا کہ اُس غیب کا یقین آجائے اور پھر اس غیب کے بعد وہ اعمال اختیار کروگے، اُسی کے ساتھ ساتھ تمہارے اندر یہ جذبہ پیدا ہوجائے گا کہ اوروں کے لیے ان اعمال کے اختیار کرنے والے بن جائیں۔ وہ شہر کی مسجد میں میں نے بیان کیا کہ تمام لوگ اندھے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام بینا ہیں تو ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کہ دین کی بات کرنے والا بنتا ہے اور لوگوں کو اندھا بناتا ہے۔ تو میں عرض کررہا ہوں کہ جو اندھے ہوں تو دنیا کی یہ تھوڑی تھوڑی چیزیں دیکھتا ہے اور اللہ کے احکام کو نہیں دیکھتا۔ اب اس کے سمجھنے کے لیے کہ اللہ کے حکموں کی ہمیں پہچان آجائے اس کے لیے محنت کی ضرورت ہوگی تو کیا ہوگا۔ یہ محنت تمہارے رُخوں کو پلٹ دے گی تو جب یقین آجاتا ہے تو انسان کے اعمال کا رُخ پلٹا جاتا ہے اور یہ نہیں تو ایسے بھلا دیتا ہے جیسے کہ شیخ سعدیؒ نے یوں فرمایا:

چنان قحط سالی شد اندر دمشق
کہ یاران فراموش کردند عشق

(دمشق میں ایسی خشک سالی ہوئی اور قحط پڑا کہ یار لوگ عشق کو بھول گئے)۔

تبلیغ کی اہمیت

تو فرشتے دیکھ کر کرتے ہیں اور تم بن دیکھے اللہ کے حکموں پر چلتے بن جاؤ تو فرشتوں سے اُوپر پہنچ جاؤ کہ اللہ میاں پیار کرے کہ اور لوگ اور کام کرتے تھے اور یہ میرا کام کرتا تھا۔

شیطان جو ہے اس کے متعلق آتا ہے کہ شیطان نے اپنے تخت کو پانی پر بچھار کھا ہے اور یہ اپنے شطونگڑوں کو بھیج دیتا ہے اور پھر جب واپس آجاتے ہیں تو ہر ایک کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا لیکن یہ دیکھتا نہیں لیکن جب ایک آتا ہے کہ میں نے فلاں خاوند اور عورت کے درمیان افتراق ڈال دیا تو شیطان گلے لگاتا ہے تو اب اگر بُرائی پر شیطان گلے لگاتا ہے تو حضور ﷺ نیکیوں پر گلے نہ لگائیں تو "اُمرّ الحسنات" پر جو کہ تبلیغ ہے اِس پر حضور ﷺ گلے نہ لگائیں گے اور میں تو یہ کہوں کہ گلے لگانا تو درکنار اگر دیکھ بھی لے تو بڑی بات ہے اور دیکھو! دعوت کو حضور ﷺ سے خصوصی نسبت ہے۔ جیسے فرمایا کہ : يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ (الاحزاب ۳۳: ۴۵،۴۶)

(اے پیغمبر! ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن)۔

تو حضور ﷺ تو تھے نبوت ورسالت کے سورج اور باقی اگر جگنوؤں کی طرح بھی ہو جائیں تو جب پکار اجائے کہ دعوت والے کہاں ہیں تو ممکن ہے کہ ہم کو بھی جبکہ انبیاء اور صلحاء اکٹھے ہو جائیں کہ ہم کو بھی جوتیوں میں جگہ مل جائے گی۔

طریقِ انبیاء علیہم السلام اور نعمائے الٰہی

ایوب ہاسٹل یعنی ہاسٹل نمبر 6 پشاور یونیورسٹی (5 مئی 1965ء ساڑھے سات بجے بعد از نماز مغرب بروزِ بدھ)

صراطِ مستقیم

میرے عزیزو اور دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے حبیب پاک ﷺ کے ذریعے انسانیت کو بہت کچھ دیا۔ اِتنا دیا کہ اگر سمیٹنا چاہیں تو سمیٹ نہیں سکتے۔ یہ علیٰحدہ بات ہے کہ کسی شخص کا گھر گندم سے بھرا ہوا ہو۔ وہ اپنے گھر کو نہ دیکھے اور ایک ایک دانہ گندم کے لیے پھرتا رہے اور گندم بھی نہیں بلکہ جو کے لیے تو وہ وہاں بھی جاتا ہے جہاں کچھ بھی نہیں ہوتا اور بعض اوقات ایسے کھانے کھا جاتا ہے کہ پیٹ میں جاتے جاتے درد پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح معاملات، معاشرت، معیشت کو لے لو کہ ہر زندگی کا رُخ انسان نہیں لے لیتا تو ظاہر میں مزیدار ہو، ظاہر میں لقمہ کتنا ہی مزیدار ہو لیکن جب درد شروع ہوتا ہے تو بعض اوقات جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم انبیاء علیہم السلام کے طریقے سے مخالف کام کریں گے تو جب وہ کھائیں گے اور پھر اس کی وجہ سے تکلیف شروع ہوگی۔ ایک گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد ہمارے حساب سے نہیں بلکہ اللہ میاں کے حساب سے جب قیامت ہوگی اور پوری پٹائی شروع ہوگی تو پتہ چلے گا کہ لقمے تو کھاتے تھے لیکن صرف یہ نہیں ہوگا کہ قیامت میں سزا ہوگی بلکہ ہلاکت ایسی ہو جائے گی اور ایسے جہنم میں ڈالے جائیں گے کہ ابد الاباد تک مصیبتوں کو جھیلتے رہیں گے۔

مثال عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر لقمہ کھانے کا نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر عمل روح کا لقمہ ہے۔ اب یہ عمل یا تو میٹھا ہوگا اور یا کڑوا ہوگا اور تم اپنے حساب سے یوں کہو کہ اچھا عمل اور بُرا عمل اور اِس اچھے اور بُرے عمل کا معیار ہر ایک کا علیٰحدہ ہے۔ روس والوں کا

اپنا نظریہ، امریکہ والوں کا اپنا نظریہ، ہندوستان والوں کا اپنا نظریہ۔ تو اب بات کس کی مانی جائے۔ خالص چیز تو ایک ہی ہو سکتی ہے لیکن خلط ملط چیز میں مختلف معیار ہوتے ہیں۔ ایک حصہ پانی دو حصے دودھ، دو حصے پانی ایک حصہ دودھ اور پھر یہ نہیں کہ صرف پانی ہو گا بلکہ اور چیزیں بھی ملاتے ہیں۔ اسی طرح خالص گھی ایک قسم کا ہو گا لیکن غیر خالص بہت سارے قسم کا ہوتا ہے تو قرآن یوں فرماتا ہے: وَ اَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡہُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ؕ (انعام ۶:۱۵۴) (اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اُسی پر چلنا اور اور راستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے)۔ اور تم تو پڑھے لکھے ہو کہ دو نقطوں کے درمیان کتنے خط مستقیم کھینچے جاسکتے ہیں۔ ایک ہی خط کھینچا جاسکتا ہے اور ٹیڑھے بہت سارے ہو سکتے ہیں تو یہ فیصلہ کہ اچھائی کیا ہے بُرائی کیا ہے کون کرے گا؟ ان اچکوں کی کمیٹی جو بنائی U.N.O۔ اُس نے تو کشمیر کا فیصلہ حل نہیں کیا۔

توحید

اس وجہ سے اللہ نے یوں فرمایا: ”لَوۡ کَانَ فِیۡہِمَاۤ اٰلِـہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا ۚ“ (الانبیاء ۲۱:۲۲) (اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے)۔ یا تو ایک چھوٹا ہو گا اور ایک بڑا تو جو چھوٹا ہو گا وہ خدا کیسے؟ اور جو ایک طاقت کے ہوں تو باہمی مخالفت ہو گی۔ روس والا اپنی بات کو مانے، امریکہ والے اپنی بات کو مانے اور فرانس والے اپنی حیثیت کو باقی رکھیں۔

وہ ایک صحابیؓ تھے۔ اسلام سے پہلے اُس کا ایک خدا تھا۔ پتھر کا اس کو باہر رکھا تو جب صبح دیکھا تو پیشاب سے آلودہ تھا۔ صاف کیا، خوشبو لگائی لیکن جب دوبارہ سہ بارہ اسی طرح ہوا تو اُسنے کسی پر شک کیا تو اُس نے کہا کہ مجھے کیا کہتے ہو۔ اپنے خدا سے پوچھو۔ آخر کار وہ مسلمان ہوا کہ جب یہ اپنے آپ کو گندگی سے نہیں بچا سکتا تو مجھے کیا بچائے گا۔

تو اگر دونوں خدا برابر کے ہوتے تو پھر تو ان کے نزدیک یہ راکٹیں بھی معمولی حیثیت کی ہیں۔ ایک سورج کو پھینکتے دوسرا چاند کو، تیسرا زمین کو تو جب خدا ایسے ہوں گے تو امن و امان کیسے؟

بھلائی کا معیار

تو اللہ ایک ہے اور ایک ہے۔ بُرائی اور بھلائی کا معیار کیا ہے؟ ہمارے سامنے بُرائی بعض اوقات ایسی شکل میں آتی ہے کہ پہچاننا مشکل ہوتا ہے جیسے کہ ایک چمکدار خوبصورت سانپ سردی کی صبح کو نظر آئے اور پھر دوپہر کو سورج کی تپش ملنے کے بعد تو کمزوری کی حالت میں اور، اور طاقت کے مل جانے کے بعد اور۔ شروع اور آخر کا دور پہچانا نہیں جاتا تو جو بُرائی اور بھلائی کا ایسے فیصلہ کرے کہ آخر تک اُس کا جاننے والا ہو تو ایسی ذات کی ضرورت ہے کہ وہ اس کے ہر رُخ کا جاننے والا ہو اور ایسی ذات صرف اللہ کی ذات ہے تو اب جس چیز کو اللہ نیکی قرار دیں گے وہ نیکی اور جس کو بُرائی قرار دیں گے وہ بُرائی ہو گی۔

اور دیکھ لو کہ بعض اوقات خارجی اثرات سے انسان متاثر ہوتا ہے۔ ایک آدمی تھے۔ جج کے پاس گئے، اُس نے چادر میں کچھ رکھا تھا۔ اب جج نے جو فیصلہ کے لیے قلم اُٹھایا تو اُس نے چادر کو ہلایا تو جج نے فیصلہ اس کے حق میں کر دیا۔ فیصلہ کے بعد جب چادر کو کھولا تو اُس میں پتھر تھا تو کہا کہ یہ کیوں تو اُس نے جواب دیا کہ یہ پتھر اس لیے رکھا تھا کہ میرے خلاف فیصلہ کرو گے تو اس سے پٹائی کروں گا تو اللہ تو نہ کسی سے طمع رکھے اور نہ ڈر ہو۔ اس کے فیصلے میں کسی کی رورعایت اور خوف و خطر نہیں ہو گی۔ وہ کسی کا پارٹ نہیں لیں گے۔ ''ومن اصدق من اللہ قیلًا'' اللہ کا فیصلہ باون تولہ پاؤرتی ہے تو اب اللہ سے ان فیصلوں کو کون لائے گا۔ اب تم نے اللہ سے یہ جسم نہیں مانگا تھا۔ سانس چلتا رہتا ہے تو کوئی قدر نہیں آتی لیکن دمہ کا مرض ہو جائے، سانس رُک رُک کر آنا شروع ہو جائے تو پتہ لگے تو جس اللہ کو تمہارے جسمانی

فائدوں کی فکر ہے تو اس کو تمہارے روحانی فائدوں کی بھی فکر ہے۔ جس نے ماں کے پیٹ میں تمہارے مانگے بغیر تمہاری خوراک کا اہتمام کیا اور جس نے پیدائش کے بعد بچے کے لیے ماں کے سینے سے دودھ کو نکالا، اسی طرح اللہ نے ہدایت کو انبیاء علیہم السلام کے سینوں پر کھولا۔ جس کے متعلق فرمایا: ''اِنَّكَ لَعَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ'' اور فرمایا: ''وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ'' (الشوریٰ ۴۲: ۵۲، ۵۳)

(بیشک (اے محمد!) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو یعنی اللہ کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے)۔

تو معیارِ اچھائی کیا ہے؟ جس چیز کو حضور ﷺ نے اچھا کہا وہ اچھی، جس کو کیا وہ اچھی۔ جس عمل کی طرف اشارہ کیا تو وہ اچھا تو آپ کے اعمال اعمالوں کے سردار ہیں۔ جتنے انبیاء علیہم السلام آئے۔ انہوں نے جو عمل کیے وہ سب اچھے لیکن اُن تمام سے حضور ﷺ والے اعمال زیادہ اچھے۔ آپ کا کیا ہوا اچھا، آپ کا بتایا ہوا اچھا اور آپ کی ہر چیز اچھائی کی طرف جانے والی، مرہم ہے۔ دل کے اندر کی کیفیت ایسی ہوگی کہ ایسا آرام ہو، ایسا چین ہو کہ کسی کو نہ ہو اور دیکھو! ہمارے دلوں کی مثال ہمارے سینوں کے اندر ایسی ہے کہ جیسے مُردہ اور یہ گوروں کا قبرستان تو تم نے دیکھا ہوگا کہ اُوپر سے تو خوب سفید سفید چمکتے رہتے ہیں لیکن اندر کیا ہے؟ بقول مولاناؒ کے:

ظاہرش چوں گور کافر پر حُلَل
و اندرش قہر خدائے عزّوجل

(اس کی ظاہر تو کافر کے قبر کی طرح چمک رکھے لیکن اندر سے خدا کے قہر میں مبتلا ہو)۔

تو مجھے دیکھ کر اُن درختوں پر افسوس آتا ہے کہ یہ اللہ کے ذکر کرنے والے کیسے ان

جہنمیوں کے دھوؤں کے قریب کھڑے ہیں۔ اسی طرح اگر آپ نے ان سنگ مرمر کی طرح اپنے کو گھیرا ہے تو وہ ایسے ناسور میں مبتلا ہوتے ہیں اور آج پتہ نہ لگے تو کل تو سب کچھ کھل جائے گا اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کے جسم میں پھوڑا ہو اور وہ دکھائی نہ دے اور نہ درد محسوس ہو اور ”pus“ ترقی کرتا رہے اور یہ سمجھ رہا ہے کہ موٹا ہو رہا ہوں۔ جب یہ شباب پر پہنچ جائے تو پتہ لگے تو اسی طرح یہ دنیا والے جو یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ترقی کر رہے ہیں۔ جب ان کی حقیقت کھلے گی اور یہ ”pus“ پلائی جائے تو پھر اماں یاد آئے گی۔

اب آپ کے ہاں یہ سکوٹر چلی ہے کہ نہ ادھر سے سہارا اور نہ اُدھر سے سہارا اور اب یہ کبھی اِدھر دیکھے اور کبھی اُدھر اور اِس پر سوار بھی اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے تو ”Accident“ کا خطرہ ہے یا نہیں تو ہم بھی اس سکوٹر پر سوار ہیں تو اس کے لیے حضور ﷺ کی بات پر چلے جائیں تو تمہارے لیے حضور ﷺ کے دین میں ہر چیز کامل ہے۔ ”اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ“ (المائدہ ۵:۳) (آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا)۔

اب اگر آپ نے یہ طے کیا کہ بینگن لینا ہے تو وہاں جو گیا تو فوراً لے آیا اور ایک یہ شیر حسن صاحب ہیں۔ اب یہ ہیں گوشت کے کھانے والے۔ یہ بازار گیا اور وہاں دیکھا کہ پچاسوں ترکاریاں پڑی ہوئی ہیں۔ اب اس نے کسی ترکاری کو کھایا نہیں، کبھی ایک کو لے لے اور کبھی دوسری کو اور اسی طرح پندرہ بیس منٹ سوچتے سوچتے گزارے تو اب اس کے لیے سوچنا نہیں پڑتا تو مقصد یہ رکھو کہ طریقۂ عالیہ حضرت محمد ﷺ سے کسی حالت میں بھی نہ ہٹوں گا جیسے کہ فرمایا: ”وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ“ (اور مت مرو مگر ایسی حالت میں کہ تم مسلمان ہو)۔ خوشی خوشی بستر باندھتے ہوئے جاؤ۔ فرشتوں کی بارات تمہارے

ساتھ ہو۔ سیدنا حضرت سعدؓ کا جب انتقال ہوا تو فرمایا: "اھتزّ عرش الرحمٰن[78]" کہ سعد بن معاذ کی موت پر رحمٰن کا عرش ہلا اور ہماری موت پر تو بلی تک نہ ہلے اور پھر جو جنازہ نکلا تو ستّر ہزار فرشتے آپ کے جنازے کے ساتھ ہیں اور آپ ﷺ ایسے پنجوں کے بل جا رہے ہیں تو صحابہؓ نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے۔ فرمایا: فرشتوں نے اپنے پَر ایسے بچا رکھے ہیں کہ پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں تو اب کون انتظار کرے گا؟ اور پھر سب سے پہلے حضور ﷺ کا دیدار ہو تو دوستو! یہ اچھا یا وہ جس کا مرے ہوئے کوئی نہ پوچھے اور مار پڑتی رہے۔

تو دیکھئے لمبی چوڑی بات نہیں بلکہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اللہ کے لیے دل کو خالی کرتے ہوئے محمد ﷺ کے جملہ طریقوں کو لو۔ پورے کا پورا دین جسے کہتے ہیں اُسے اپنانے کی کوشش کرو۔ ایک روٹی ہے اسکے تو لقمے توڑنے پڑتے ہیں۔ پشاوری روٹی ہے کوئی ہندوستان والی چپاتی تو نہیں کہ ایک نوالہ کر دے تو یہ دین اسلام کوئی دوسرا دین تو نہیں کہ ایک لقمہ ہو جائے تو اس کے لیے تھوڑے تھوڑے نوالے کرنے ہوں گے، چار مہینوں کا نوالہ لے لو اور اس روٹی کے کھانے کا طریقہ سیکھ لو۔

اور دیکھو! ایگریکلچر میں تم ساٹھ، بہتر اور بعض اَسّی مہینے لگاتے ہیں اور ہم کہیں کہ چار مہینے دو تو آپ کہیں کہ یہ کیسے؟ تو ہم یوں کہیں کہ چار مہینے میں تو تم کو بیل ہنکانے نہ آئیں اور وہاں کے لیے یہ دینا مشکل نظر آئے۔ اللہ پر بھی بھروسہ کرو کہ کہیں دماغ ڈھیلا نہ ہو جائے تو اس کے لیے نام لکھاؤ اور جلدی جلدی لکھاؤ۔

---

[78]۔ اھتزّ العرش لموت سعد بن معاذ۔ (صحیح البخاری، حدیث نمبر:۳۸۰۳، الصحیح المسلم، اھتزلہ عرش الرحمٰن" حدیث نمبر:۶۱۸۳)

عبدیت اور ختمِ نبوت

مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی

(7 مئی 1965ء مطابق 5 محرم 1385ھ، بعد از نمازِ مغرب، 7 بجکر 30 منٹ)

نبی کی پہچان:

بھائیو اور عزیزو! ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کے صفات، کمالات، درجات اور جو کچھ آپ ﷺ لیکر آئے اور دیا اس کے لیے پوری زندگی لگ جائے تو کمالاتِ محمدیہ ﷺ کو کماحقہ بیان نہیں کر سکتا کیونکہ ہر جنس کی معرفت اس کی جنس کر سکتی ہے۔ جو پیدائشی بہرا ہے وہ آواز کی حقیقت کو نہیں جانتا۔ اسی طرح جو شخص نابینا ہو وہ بینائی کی حقیقت کو نہیں پہچانتا۔ وہ تمہاری بول کا محاورہ ہے:

Birds of the same feathers flock together.

کند ھم جنس با ھم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

مجھ جیسا انسان مجھ جیسے انسان کو پہچانے گا جو اللہ والے ہیں جس پر باطن کھل چکا ہے وہ تو اپنی اصطلاحات کو سمجھیں۔ اب مثال کے طور پر ریڈیو ہوتا ہے۔ آج سے سو سال پہلے کہا جاتا کہ ایک ڈبہ ہو گا، اس کے گوٹے ہوں گے، اُس کے آگے پیچھے تاریں لگا دی جائیں گی اور ان گوٹوں کو ہلانے سے مختلف جگہوں کی آوازیں آئیں گی تو لوگ کیوں یقین کریں۔ اسی طرح اہل باطن یوں کہیں کہ یہ ڈبہ ہے۔ اس کے آگے پیچھے کرنے سے یوں ہوتا ہے تو وہ کہیں کہ پگلوں کی باتیں کرے اور وہ تو یوں کہیں کہ عرش کی باتیں کھینچ لیتا ہے۔ اب جو وہ کہا گیا کہ چاند پر بھیج دیا اور وہاں سے اشارات آئے، تصویر آئی تو "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ بِمَآ اُنْزِلَ عَلٰی اَرُبَّا وَبِمَا یَعْمَلُوْنَ وَ یَقُوْلُوْنَ"۔ (اب اگر ایمان بالغیب ہے تو اُس پر ہے کہ جو یورپ

والوں پر نازل ہو اور جو کچھ وہ کریں اور کہیں)۔

اسی طرح اللہ کے بندوں کا ایک میدان ہے۔ باٹنی والا اپنی باٹنی کو، کیمسٹری والا کیمسٹری کو جان سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر فن کا ماہر اپنے فن کی بات کو جان سکتا ہے لیکن دین جو کہ آتا ہے نبیوں کے راستے تو مجھ جیسا شخص اُس پر بات کہے گا اور اِتنار سوخ سے کہے گا کہ چودہ سو برس کی محنت کرنے والوں کی محنت پر خط تنسیخ کھینچ دیتا ہے اور جو کہے کہ ایسی بات نہیں تو کہے گا کہ میں نے سیل کے ترجمے کو پڑھا ہے اور بیل کے ترجمے کو دیکھا ہے[79]۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہر فن والا اپنے فن کے ماہر کو جانتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جانے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کیا کہا۔ غیر نبی الفاظ کو جانے گا لیکن اس کی حقیقت کو نہیں سمجھے گا۔ ایک شخص جس کو عمر بھر میں بخار نہ آیا ہو، اس کو کہا جائے کہ ٹائیفائیڈ سے بدن ایسے ٹوٹتا ہے تو وہ سمجھے کہ ہتھوڑے والا ٹوٹنا ہو گا۔ تو وہ کیا جانے کہ بخار کا ٹوٹنا اور ہے اور ہتھوڑے کا ٹوٹنا اور۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقان وہی یٰسٓ وہی طٰہٰ

(حضور ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جن کو آپ کے ساتھ صحیح محبت ہو تو اُن کے نظر میں آپ اول بھی اور آخرین نبی تھے اور قرآن کی حقیقت آپ پر کھولی گئی اور یٰسٓ اور طٰہٰ میں آپ کے صفات مذکور ہیں۔)

قادیانی نبی

اب آپ جانتے ہیں کہ قادیان میں ایک پگلا پیدا ہوا جس پر "Hysteria" کے دورے پڑتے تھے اور ہوتے ہوتے کہا کہ میں ہو گیا نبی۔ پہلے نائب تحصیلداری کا امتحان دیا تھا، فیل ہوا اب چونکہ خود اُس نے کہا کہ میں سلطنت برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہوں تو وہ اسی رُخ سے

---

[79] . George sale (1734) & Richard Bell (1937-39).

کہنے لگا کہ جیسے نائب تحصیلدار، پھر تحصیلدار، پھر A.C اور پھر اسی طرح آگے بڑھتا ہے۔ تو اسی طرح وہ پہلے مجتہد، پھر ظلی، بروزی اور پھر بڑھتے بڑھتے نبی ہو گیا اور پھر اُس پر جو وحی لانا تھا تو اُس کا نام ہے ٹیچی ٹیچی اور پھر یوں کہتا ہے: نقل کفر کفر نہ باشد تو کہا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں عورت ہوں اور پروردگار کو میں نے خاوند جیسا محسوس کیا تو اب وہ کہتا ہے کہ میں بروزی نبی ہوں اور جیسے کہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ اسی طرح میں حضور ﷺ سے زیادہ کامل ہوں۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ''خاتم'' صرف ایک ہو سکتا ہے اور ''خاتم النبیین'' ہیں رُتبوں کے لحاظ سے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جو آپ سے رُتبے کے لحاظ سے کامل ہو تو آپ کی نسبت میں تمام نسبتیں اکٹھی ہوئی ہیں اور جو کچھ آپ میں ہے وہ تمام کے تمام کسی نبی میں اکٹھی نہیں۔ عطر جیسے ہوتا ہے۔ اب گلاب کا عطر ہے اور تم نے اکٹھا کیا بسیار پھولوں کا اور تم نے اس میں تمام پھولوں کا عطر ڈالا تو اس میں تمام خاصیتیں ہوں گی تو یہ ''خاتم النبیین'' ﷺ کی ذات گرامی ہے جس میں تمام کمالات اکٹھے ہوئے اور اب آپ کے تمام کمالات کو اگر کوئی دوسرا نبی بھی کماحقہ جاننا چاہے تو نہیں جان سکتا اور بقول ہمارے ایک بزرگ[80] کے کہ ''ولی را ولی می شناسد، و نبی را نبی می شناسد، و خاتم الانبیاء را خدا می شناسد''۔

مقامِ عبدیت

تو کلمہ شہادت میں ہم کہتے ہیں ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ'' کہ محمد ﷺ اللہ کے خاص بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ تو اب اگر اللہ چاہتے تو بہت سارے کمالات بیان کرتے لیکن اور بات نہیں کی۔ اپنے نام کے ساتھ ملایا اور دو کمالات بتائے یعنی عبدیت اور رسالت۔ اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں کو یہ دو صفات ایسی

---

[80]۔ اس سے مراد حضرت مولانا یوسف بنوریؒ ہیں۔

پسند ہیں کہ اس کا ہر ایک زبان پر ذکر ہے اور پھر یہ کیسے پسند ہیں کہ ان کا نام لینا پسند آیا۔ تو اب عبدیت کیا ہے؟ ایک بزرگ کہتا ہے: آخری دَور کا ہے لیکن بڑی پکی پکی باتیں کرتا ہے۔

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر

ما سراپا انتظار او منتظر

(بندہ اور اس کا خاص بندہ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہ انتظار کرتا رہے تو قرب حق نصیب ہو اور قرب حق اس کا منتظر رہتا ہے۔)

کہتا ہے کہ عبد اور ہوتا ہے اور اس کا بندہ اور ہوتا ہے۔ اب جب وہاں "QUEUE" والی بات آجائے کہ وہاں قطار میں کھڑے ہوتے ہو۔ "Ladies first" والی بات آجائے تو پیچھے ہٹنا ہو گا کہ اب تم انتظار کرتے رہو۔ اب "عبدہ" وہ ہوتا ہے جس میں عبدیت کے کمالات پورے طور پر آجائیں اور عبدیت یہ ہوتی ہے کہ اپنے نفس کو کلیتاً ملیامیٹ کر کے میاں کے سامنے اپنے آپ کو ڈال دو اور "معبد" کہتے ہیں اُس راستے کو، جو کہ چلتے چلتے ملیامیٹ ہو کر سُرمہ بن جائے اور دیکھو! تم نماز میں یہ کہتے ہو: "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" اور یہ "کامل عبدیت" کس میں پاؤ گے۔ حضرت محمد ﷺ عبد کامل ہیں۔ اُس میں پاؤ گے، "عبد" اُسے کہتے ہیں کہ جب اللہ کا حکم آتا ہے اور اللہ کا حکم اللہ سے آتا ہے۔ گلاب کے عطر میں گلاب والی خوشبو ہو گی اُس میں چنبیلی کی خوشبو نہ ہو گی۔ اسی طرح اللہ کے حکم میں خدا والی خوشبو ہو گی ااور اُس میں رنگ بھی گلاب کا ہو گا۔

اودے اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن

جو بخشا ہے وہ اپنے اندر کیا رکھے گا اور اپنے میں اللہ کا رنگ کیسے اُتارے۔ "وَنَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ" تو "عبدیت" کی راہ سے خدا کا رنگ اُترتا ہے اور عبدیت کیسے آجائے؟ عبد کامل کے اتباع سے جس کے متعلق قرآن نے کہا اگر عرش پر بھی جائے تو وہاں بھی یوں

کہے ”سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ “۔(الاسراء۱۷:۱) (وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ سے) لے گیا)۔ عبدی عبدی، میرا بندہ میرا بندہ، جیسے کہ بڑے پیار سے بیان کرتے ہیں۔ پہلے زمانے میں جو عورتیں ہوتی تھیں اپنے میاں کو کہتی ہیں کہ اُن کا ابّا، اُن کا ابّا۔

تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم انبیاء علیہم السلام میں کامل ہیں اور سب میں کامل ہیں اور اسی طرح آپ کا طریقۂ عبدیت تمام انبیاء علیہم السلام کے طریقوں سے فائق ہے اور اگر تم اس کو اپناؤ تو وہ تو انبیاء کے سردار بنے اور تم غیر انبیاء کے سردار ہوں گے۔ اولیاء کے سردار بنو گے اور اس کے لیے یہ نہیں ہو گا کہ دنیا کو چھوڑو۔ قرآن مجید میں آتا ہے ”رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعۡیُنٍ وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا ۝“ (الفرقان ۲۵:۷۴) (اے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے (دِل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا)۔ یعنی بیوی بچوں والا بھی ہو اور متقیوں کا امام بھی ہو۔ اسلام میں یہ دونوں متضاد چیزیں نہیں۔ ”اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیۡءٍ قَدۡرًا ۝“ (الطلاق ۶۵:۳) (اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے)۔ جو متقی بن جائے تو اُسے در در پھرنا نہ پڑے، اس کے لیے اللہ اپنی طرف سے راستہ نکال دیں گے اور رزق وہاں سے ملے کہ اس کا وہم و گمان بھی نہ ہو اور پھر عبدیت میں کامل ہو جاؤ تو امام المتقین بن جاؤ گے۔

تو عبدہ کہہ تو لیتے ہیں لیکن اس کے رنگ میں کچھ رنگ تو لے۔ آپ کی زبان، کانوں، آنکھوں، آپ کے جسم والے اعمال سے کچھ تو لیں اور مختصراً لفظوں میں قلب ہو طریقۂ مصطفیٰ پر اور جسم ہو اعمالِ مصطفیٰ پر اور وہ بات ہو:

مصطفیؐ جمالِ شیدا وہی ہے
مصطفیؐ قال قال ہو مصطفیؐ حالِ حال

(نبی پاک ﷺ کا اصل عاشق وہ ہے جس کا حال اور قال دونوں آپ ﷺ کے شریعت کے مطابق ہوں۔)

خاتم النبیین ﷺ

تو عبدیت کا رنگ چڑھے گا اور جب یہ صفات آجائیں گی تو رسول ﷺ سے نسبت قائم ہو جائے گی اور دیکھو! حضرت محمد ﷺ نہ صرف امام الانبیاءؑ ہیں بلکہ رحمۃ اللعالمین بھی ہیں۔۔ اب یہ ذات جب پردہ فرمانے لگی تو آپ عالم ارواح میں بھی "رحمۃ للعالمین" تھے اور اس دنیا میں بھی اور پردہ فرمانے کے بعد بھی۔ آپ کو رحمت عالم نہیں بنایا گیا بلکہ "رحمۃ للعالمین" کہا گیا تو آپ سے جو پہلے نبی آیا کرتے تھے تو پوری قوم، علاقے اور ملک میں رسول آتا تھا۔ اب آپ پر نبوت ختم ہوگئی اور نبوت کا جزو کل آپ پر ختم ہوا لیکن نبی کا فیضان ختم نہیں ہوا اور جیسے کہ سورج کے چلے جانے کے بعد جیسے اب بجلیوں سے روشنی لیتے ہو اور دیوں سے بھی لیتے ہو اور جگنوں سے بھی لیتے ہو۔

جگنو میاں کی دُم بھی چمکتی ہے رات کو

اسی طرح آپ ﷺ کے دُنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اگر کوئی کہے کہ میں نبی ہوں تو وہ بات ہوگی:

سب چاند ستارے ماند ہوئے خورشید کا نُور ظہور ہوا

تو نبی پاک ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد نبوت ختم ہوگئی لیکن نیابت رسالت میں حصہ دیا گیا اور نیابت کیا ہے؟ دعوتِ احکام رسالت، اُس دعوت کو لیکر جس کو آپ نے اللہ سے لیا، ہم آپ سے لیکر گلی گلی، کوچہ کوچہ، قریہ قریہ دیتے پھریں۔ عبدیت سے حصہ ملے تو کیسے ملے۔ عبدیت سے تقویٰ ملے گا اور دعوت کے کام سے اُن انوارات میں سے حصہ ملے گا جو کہ آپ کی نسبت والا ہو۔ تم اللہ کے دین کا کام کرو اور اللہ وہ نُور دے گا جو کہ بڑوں بڑوں کو ملتا ہے۔

نبی ایسا نہیں ہوتا جیسے غلام احمد قادیانی۔ لاہور میں دو پاگل تھے۔ اُس میں ایک نے کہا کہ میں نبی ہوں، دوسرا درخت میں سے بول اُٹھا کہ تو غلط کہتا ہے۔ میں نے کب تم کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ تو اگر نبی والے اعمال کرو تو اللہ تعالیٰ اپنے والے انوارات میں سے حصہ دے گا اور پھر اُن لوگوں کے اعمال سے حصہ ملے گا جو کہ اس کے ذریعے سے اعمال کرنے والے بن گئے۔

ایمان اور ہدایت کی محنت

جامع مسجد اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی

(12 مئی 1965ء مطابق 10 محرم 1385ھ، بعد از نمازِ مغرب، 7 بجکر 26 منٹ)

استعدادوں کی تفاوت

میرے عزیزو اور دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو بہت ساری صلاحیتوں کے ساتھ اِس دنیا میں بھیجا۔ اس کے اندر بہت ساری استعدادیں اور ایسی چھپی ہوئی طاقتیں ہیں کہ جو یہ خود بھی نہیں جانتا۔ مثال کے طور پر عرض کروں۔ ماچس کی تیلیاں ماچس کے ڈبے کے اندر پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ اب ان کو یہ پتہ نہیں کہ میں جل اُٹھوں تو کتنوں کو جلا دوں۔ پڑی رہے تو نہ خود جلے اور نہ اوروں کو جلائے اور جلنے پر آئے تو پورے کا پورا جنگل تک جلا دے اور پانی بھی ڈال دو تو مٹی کے تیل کا کام کر دے۔ پرسوں کی بات ہے کہ ہمارا ایک جہاز خدا بخش رود بار انگلستان میں جل اُٹھا۔ انگلینڈ جا رہا تھا، پٹ سن بھری ہوئی تھی اور جل اُٹھا تو سمندر کے پانی میں جل گیا۔ یہی حال انسان کا ہے اور ہر انسان انسان نہیں ہوتا۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہ ہر دستے نشاید داد دست

(بہت سارے ابلیس انسانوں جیسے چہرہ لیے ہوئے ہوتے ہیں پس ہر ایک کو اپنا پیر و مرشد مت بناؤ۔)

شیطان کی طرح پھرتا رہتا ہے، جامۂ انسانیت پہنے ہوئے ہے۔ جنگل میں ایک گدھا رہتا تھا تو جب شیر آتا ہے تو تمام جانور بھاگ جاتے ہیں تو لومڑی سے پوچھا کہ بہن ری بہن، یہ شیر میں کیا ہوتا ہے کہ سب جانور بھاگ جاتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ ذرا اُس کی شکل و صورت کو دیکھو۔ کہا کہ میرے ساتھ یہ صورت نہیں ہو سکتی تو اس نے کہا کہ شیر کی کھال اوڑھ لو تو اُس نے کھال

کہیں سے پیدا کر لی۔ جانور ڈر گئے۔ اب اس کے اندر غرور آگیا اور کہا کہ شیر کی دھاڑ بھی تو کر لے۔ اب دھاڑنے کا ارادہ کیا تو ھینگا۔ اب سب کو پتہ لگا کہ نقلی شیر ہے اور اصل میں ہے گدھا۔

اسی طرح بہت سارے انسان ہوتے ہیں کہ انسانیت کا جامہ پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔ جب ان کے جسموں سے نکلتا ہے عمل تو وہ انسانیت والا نہیں ہوتا۔ انسانوں سے تو وہی عمل صادر ہو گا جو کہ انسانوں کے متعلق ہوں۔ اب ایک شخص ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں انسان ہوں لیکن کرتا ہے ظلم۔ کہتا ہے کہ میں انسان ہوں لیکن غیبت چغلی وغیرہ کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کیا ہے؟ عربی کا ایک محاورہ ہے ''اِنَّ الْمَرْءَ مخفی تحت لسانہ'' (آدمی اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے)۔ اب میں خاموش بیٹھا ہوا ہوں تو تم نے سمجھا کہ مولوی صاحب ہیں لیکن جو بکواس شروع کر دی تو تب معلوم ہوا کہ پورا مولوی ہے۔

تو میں نے ماچس کی مثال دی تھی کہ اگر ایک جل اُٹھے تو پتہ نہیں کس کس کو جلا دے اور صلاحیت سے کام لیکر دِل کو روشن کر دیں۔ دل سے روشنی، دیا سلائی، موم بتی غرض یہ کہ باہر سے نہیں آیا کرتی۔ یہ خدا سے آتی ہے۔ وہ آتا ہے ''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' اور حضور ﷺ نے فرمایا ''اَللّٰهُمَّ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَنْ فِیْهِنَّ'' (اے اللہ! تُو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا نُور ہے) اور یہ خدا کی روشنی کیسے پیدا ہوتی ہے جیسے ماچس جل اُٹھتی ہے۔ اسی طرح دل کو جلایا جاتا ہے، روشن کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس جل اُٹھنے کے طریقے بتائے۔

در فشانی نے تیرے قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

ماحول اور محنت

اب یہ کیسے ہو؟ کہ خود بھی منور ہوں اور دوسروں کو بھی روشن کر دیں۔ دلوں کی روشنی دِلوں میں آجایا کرتی ہے۔ دیے سے دیا جل اُٹھتا ہے اور دیکھو! یہ ماچس لکڑی ہوتی ہے۔ اب اس کے سر پر وہ کالا کالا سا لگایا جاتا ہے۔ اب یہ کہے کہ یہ کیا بگاڑتا ہے لیکن تو کہے کہ ذرا صبر تو کر۔ اب ''لَآ اِلٰہَ'' دلوں کی لکڑی پر لگے۔ کلمے کے لفظوں کا خول دِلوں کی لکڑی پر لگ گیا لیکن اب یہ نہ خود جلے نہ اوروں کو جلائے، نہ خود روشن ہو اور نہ اوروں کو روشن کیا اور جیسے رگڑ ار گڑی سے ماچس روشن ہو جاتا ہے۔ اب یہ دل کا ماچس کب جل اُٹھے۔ رگڑ ار گڑی سے جل اُٹھتا ہے۔ ''وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَاؕ''۔(العنکبوت۶۹:۲۹) (جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی، ہم اُن کو ضرور اپنے رستے دکھا دیں گے)۔ لفظوں سے معنی تک پہنچ جاؤ اور معنی کو حقیقت تک پہنچاؤ۔ لفظوں کو معنی تک پہنچاؤ۔

لَآ اِلٰہَ گوئی بگو از گوئے جان

(لَا اِلٰہَ کے الفاظ تو کہہ لیے لیکن اس کو دِل کے اخلاص کے ساتھ سمجھ کر کہنا چاہیئے صرف الفاظ کو تقاضا سمجھے بغیر کام نہیں چلے گا۔)

''لَآ اِلٰہَ'' کے لفظوں کو تو کہتے ہو، اس کو یقین کے ساتھ کہو۔ ہر بول ''لَآ اِلٰہَ'' کا جتنا یقین سے نکلے گا، اتنا ہی یقین کو اندر لائے گا۔ نہیں ہے کوئی معبود، نہیں ہے کوئی مطلوب، نہیں ہے کوئی بنانے والا، نہیں ہے کوئی بگاڑنے والا۔ جو کرے وہ میاں کرے۔ وہ کسی نے کہا:

آپ ہی کرتے یہ سارے کام ہیں
آپ ہی لگاتے یہ سارے نام ہیں

جب یقین کے ساتھ یہ کلمہ کہو گے تو کلمے کا یقین اندر اُترے گا۔ ''اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ''۔ (میں بندہ سے اس کے گمان والا معاملہ کرتا ہوں)۔ تم کہو کہ جنگل میں پال کر

دکھائے گا تو صحرا میں پالے گا۔ ''لَآ اِلٰہَ'' کے معنی کی ضربیں دل میں لگالو، پورے یقین کے ساتھ ایک دفعہ ''لَآ اِلٰہَ'' کہہ لینا ایک سو مرتبہ کے بے یقین کہنے سے افضل ہے۔ کوئی منافق پانچ ہزار کی تسبیح لے لے اور ''لَآ اِلٰہَ'' کہتا رہے تو کیا ''لَآ اِلٰہَ'' کا نُور اندر آئے گا۔ پہلی تبلیغ تو یہ ہے کہ جو زبان کے اُوپر ہے وہ دل کے اندر پہنچاؤ اور دیکھو! ایک طریقہ بتاؤں، عدسی شیشہ کو سورج کی طرف لگاؤ اور اس کو اپنے ہاتھ کی طرف کرلو۔ یہ جل اُٹھے گا یا نہیں۔ اب تم دھیان کو آتشی شیشہ بناؤ اور قلب کرو اللہ کی طرف۔ پھر دیکھو کہ دل جل اُٹھتا ہے یا نہیں۔

جو آج لذتِ وردِ نہاں کا جو یا ہے
وہ پہلے سوز سے سینہ تو داغدار کرے

یہ یقین، سوچ اور فکر کا کلمہ ہے:

قطرہ قطرہ آب بر آتش بزن
تا شود نارے تو نور ابے بوالحزن

(اگر نیکی کا قطرہ قطرہ بُرائی کے آگ پر ڈالو گے تو اس کی ہیئت بدل کر نُورانی ہو جائے گی۔)

نُورِ ایمان اور ہدایت

جب خدا کا دھیان، اللہ کی فکر تمہارے اندر آئے گی اور ایمان ایک نُور ہے جب کسی قلب میں آتا ہے تو یہ اس کی ذات تک محدود نہیں رہتا۔ بیٹری جب تک تم نے اپنے پاس رکھی ہوتی ہے اور بٹن کو ایسے نہیں کیا ہے تو جلتی نہیں لیکن بٹن دباؤ اور کسی کی آنکھوں کی طرف کرو تو آنکھیں چندھیا جائیں۔ اسی طرح جب دل میں ایمان کا نُور آتا ہے تو یہ اوروں کے دلوں کو بھی اثر میں لیتا ہے جس کو بزرگوں کی اصطلاح میں توجہ کہتے ہیں۔

اور دیکھو! سب سے زیادہ نُور کس میں تھا؟ حضرت محمد ﷺ میں۔ آپ ﷺ

نُورانیت کے جامع تھے، نُور علیٰ نُور تھے اور محمد ﷺ کی ذات گرامی سے ہر نکلنے والا ہر عمل نُور ہے، روشنی ہے۔ اب جو شخص چاہے کہ میں نُورانی بن جاؤں تو آپ والے اعمال کو اپنائے۔ زبان والا عمل زبان میں لائے، دل والا دل میں اور ہاتھوں پاؤں والا عمل ہاتھ پاؤں میں لائے تو اللہ کے رنگ میں ڈوبے گا کیونکہ آپ کی نورانیت، آپ کا رنگ آپ کا اپنا نہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے، عطائی ہے۔ یہ ہو جائے تو پھر دعاؤں میں اللہ تاثیر پیدا کرے گا۔ یہاں بولوں سے دلوں کی کایاپلٹ جایا کرے گی جس پر تمہاری نگاہ پڑے گی وہ ہدایت والا بنے گا۔ تم خدا والے بن جاؤ گے۔

بہ مصطفیٰؐ برسان خویش را کہ دین ہمہ اوست

و گر با اونہ رسیدی تمام بولہبی است

(حضور ﷺ کے اعمال کو لے لو کہ دین سارے کا سارا یہی ہے اور اگر ان کو نہیں لیا تو پھر تمام کے تمام کفر یہ بولہبی والے اعمال رِہ جاتے ہیں)۔

اور یہ سب کچھ آتا ہے حبیبِ خدا ﷺ کے طریقے سے۔ اب ایک طریقہ تو یہ ہے کہ خود اس پر آجائے اور ایک یہ ہے کہ خود بھی لے، اوروں کو بھی دِلائے۔ حضور ﷺ کی ذات صرف اپنے لیے رحمت نہ تھی بلکہ آپ تمام عالمین کے لیے رحمت تھے۔ ہر ایک کے لیے ہدایت مانگی اور جو قیامت تک آنے والوں کے لیے ہدایت مانگی اور جب کوئی ہدایت پر آیا کرتے تھے تو اِتنی خوشی ہوتی کہ تم کو کسی بڑی سے بڑی دولت ملنے پر نہ ہو۔

ایک یہودی کا بیٹا حضور ﷺ کے پاس آیا کرتا تھا۔ باپ اُس کو روکتے تھے۔ اب وہ ہوگئے بیمار تو حضور ﷺ عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اب اُس پر نزع کی حالت تو طاری نہیں ہوئی تھی لیکن معلوم یہ ہوتا تھا کہ بچنے والا نہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ بیٹا ”لَا

اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہہ لے۔ اب یہ کلمہ بڑی چیز ہے۔ ہائے! مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (جس نے بھی سچے دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہا وہ جنت میں داخل ہو گا۔) تو اب اُس کے باپ تو ہمیشہ روکتے تھے۔ اب وہ جانتے تھے کہ اللہ کے نبی ہیں اور میں یہ کہوں کہ آج کل کے یہ جتنے مستشرقین ہیں یہ آپ کو جانتے ہیں لیکن بغض و عناد سے ایمان نہیں لاتے۔ تو باپ نے جب دیکھا کہ جا رہا ہے تو محبت آ گئی۔ کہا کہ ابو القاسم کی بات کو مان لے تو اُس نے کلمہ طیبہ کہا۔ اس کو دیکھ کر حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا اور کہا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ''[81] (خدا کا شکر ہے جس نے اس کو آگ سے بچایا۔) تو دوستو! جہاں اور محنتیں کرتے ہو وہاں دین کی بھی محنت کرو۔

---

[81]۔ عن بريدة رضى الله عنه قال: كنا جلوسا عند رسول الله ﷺ فقال: اذهبوا بنا نعود جارنا اليهودى، قال فأتيناه۔ فقال: كيف انت يا فلان؟ فسأله، ثم قال: يا فلان۔ اشهد أن لا اِلٰه الا الله و أنى رسول الله، فنظر الرجل الى ابيه، فلم يكلمه۔ ثم سكت ثم قال وهو عند رأسه فلم يكلمه، فسكت۔ فقال يا فلان، اشهد ان لا اِلٰه الا الله و أنى رسول الله فقال له ابوه: اشهد له يا بُنَىَّ۔ فقال أشهد أن لا اِلٰه الا الله، و أنه رسول الله۔ فقال: الحمد لله الذى اعتق رقبة من النار۔ (رواه ابن السنى فى ''عمل اليوم والليلة، رقم ۵۵۳) و عن أبى هريرة عند العقيلى فى ''الضعفاء الكبير، ۲/۲۴۲)
عن أنسٍ رضى الله عنه قال: كان غلام يهودى يخدُم النبى ﷺ فمرض، فأتاه النبى ﷺ يعودُه، فقعد عند رأسه، فقال له: ''اسلم'' فنظر الى أبيه وهو عنده، فقال له: أطع أبا لقاسم ﷺ فأسلم فخرج النبى ﷺ وهو يقول: الحمد لله الذى انقذه من النار۔ (صحيح البخارى، حديث نمبر: ۱۳۵۶)

کامیابی کا راستہ اور حضور پاک ﷺ کی امامت

ہاسٹل نمبر 6 ایوب ہاسٹل

(20 اکتوبر 1965ء، بعد از نمازِ مغرب بروزِ بدھ، 6 بجکر 10 منٹ)

امام الانبیاء علیہ و علیہم الصلاۃ والسلام

میرے عزیزو اور دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے حبیب خدا سید الانبیاء ﷺ کو ہر زمانے کے لیے نبی بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ کی رسالت کو اللہ تعالیٰ نے ابدی پیام بنایا اور وہ ہر زمانے کے لوگوں کے لیے ہدایت کا واحد ذریعہ بنے۔ ایک اُسوہ، ایک طریقہ اور ایک ہی نمونہ۔ فرمایا: دیکھو! میرے راستے کی پیروی کرو اور اگر تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ گے تو متفرق ہو جاؤ گے۔ نبی اپنی اُمت کا امام ہوتا ہے اور اُس زمانے میں تمام مخلوق پر اس کی اطاعت ایسی واجب ہو جاتی ہے جس طرح کہ تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام تک مقتدی پر امام کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس پورے کے پورے وقت میں مقتدی امام کے عمل کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی کرے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ کوئی شخص امام کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ امام نیت باندھتا ہے اور مقتدی چاہے ایک صف ہوں، دو ہوں یا زیادہ تو اب آخری صفوں کو اختیار نہیں کہ وہ یوں کہیں کہ وہ رکوع میں جائیں۔ ہم سجدہ کریں، ایسا کریں تو بھی اطاعت چھوٹ جائے گی۔

اب حضور ﷺ امام ہیں اور ہمارے کیا بلکہ وہ تو امام الانبیاء ہیں۔ انبیاء کے امام ہیں۔ ہمارے سراج امام نے یوں کہا کہ لوگ تو یوں کہیں کہ "كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا"۔(البقرۃ:۲،۱۳۵) (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہودی بن جاؤ یا نصرانی بن جاؤ تو صحیح راستہ پاؤ گے، کہہ دو کہ "نہیں" بلکہ م تو ابراہیم کے دین کی پیروی کریں گے جو ٹھیک سیدھی راہ پر تھے۔) نہ تو یہودی بنیں اور نہ نصاریٰ بنیں بلکہ ملت ابراہیم علیہ السلام والا بنیں اور دیکھو! یوں بھی کہا کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو

موت آئی تو اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور دیکھو! وصیت عمر کے تجربات کا نچوڑ ہوتا ہے تو کیا بات کہی کہ ایک تو دین کو مضبوطی سے پکڑنا اور دوسری ”وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ“۔ (البقرۃ: ۲، ۱۳۲) (لہٰذا تمہیں موت بھی آئے تو اس حالت میں آئے کہ تم مسلم ہو۔) کہ نہ مرنا مگر مسلمان ہوکے اور چونکہ ہم بھی ملت ابراہیمی میں ہیں تو اللہ میاں نے یوں کہا: ”یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ“۔(اے ایمان والو! دِل میں اللہ کا ایسا ہی خوف رکھو جیسا کہ خوف رکھنا اس کا حق ہے اور خبر دار! تمہیں کسی اور حالت میں موت نہ آئے مگر ایک ہی حالت میں آئے کہ تم مسلمان ہو۔) اور ایمان والا وہ ہے جو کہ دل کا پختہ یقین کر کے اللہ کو مانے اور دیکھو! تم نے پڑھا ہے کہ قیامت کے دن بعض کے اعمال نامے بھاری اور بعض کے ہلکے ہوں گے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جن کے اعمال بہت کم ہوں گے۔ ”فلا نقیم لھم یوم القیامۃ و زنًا“ کہ ان کے اعمال کے لیے وزن ہی قائم نہیں کیا جائے گا۔ جانِ ایمان ہو تو اعمال میں وزن ہو اور یہ نہ ہو تو وزن کیسے؟

اللہ کا ڈر

تو کہا ”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا“ اے وہ لوگو! جو میرے ہو چکے ”اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ“ اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس کے ڈرنے کا حق ہے۔ صحابہؓ کے تو پسینے چھوٹ گئے۔ آئے حضور ﷺ کے پاس اور کہا کہ اللہ میاں کی شان کے مطابق ڈر کا حق کون ادا کرے۔ کروڑ ٹن کی ایک چیز ہو اور عطاء الرحمٰن کے سر پر رکھو تو سر کیسے اُٹھائے تو اللہ میاں نے آسانی فرمائی۔ ”فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَااسْتَطَعْتُمْ“۔(التغابن ۶۴:۱۶) کہ جتنا ہو سکے اُتنا ڈرے۔ اپنی استعداد کے بقدر ڈر اس کا ”حَقَّ تُقَاتِہٖ“ ہے۔ تم اپنی شان کے مطابق ڈرو۔ میں اس کو اپنی شان کے مطابق سمجھوں گا اور دیکھو! ”وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ“ ۔(آل عمران: ۳، ۱۰۲) عربی قاعدے کے مطابق ”تَمُوْتُنَّ“ مبالغے کا صیغہ ہے۔ یہ نہیں گنگا گئے تو گنگا رام

اور جمنا گئے تو جمنا داس، مصر گئے تو مصری شاہ اور عراق گئے تو عراق گل اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔ اسلام پر چلنا دین پر چلنا اور دین پر چلنا اسلام پر چلنا ہے اور اسلام کہتے ہیں "Submission to the will of Allah" اور یہ کیا ہوتا ہے عشق ہے، یہ نہیں کہ مرغ اور چڑے کے پیچھے چل دیئے۔ طریقۂ محمدیہ ﷺ کا اتباع اسلام ہے۔

امام جیسے کہ رکوع میں جاتا ہے، رکوع میں چلے گئے، سجدے میں چلتا ہے تو سجدے میں چلے گئے۔ اسی طور پر سیدنا محمد ﷺ ہمارے امام ہیں اور آپ ﷺ کا زمانہ کونسا ہے۔ ایک دور زمانہ بعثت سے لیکر قیامت تک اور دوسرا قیامت سے ابد الاباد تک۔ تو اب ہم کس زمانے میں چل رہے ہیں۔ ہم حبیبِ پاک ﷺ کے زمانے میں چل رہے ہیں۔ "اٰمَنْتُ بِاللہِ" کہا تو نیت باندھ لی اور قیام ساعت کا یہ پورے کا پورا زمانہ "Span of life" جو ہے وہ آپ کا زمانہ ہے اوروں کی کیا مجال۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُتر کر اُس میں ایک رَتی بھر تبدیلی نہیں کریں گے۔ قیامت تک کا زمانہ آپ ﷺ کا زمانہ ہے۔ یہ اچھی بات ہے کہ تم نے نماز پڑھ لی لیکن یہ پورا دین نہیں ہے۔ دین کا ایک شعبہ ہے۔ سر ہے لیکن یہ نہیں کہ سر کے ہوتے ہوئے باقی اعضاء سے انسان مستغنی ہو جائے۔ دل کے بغیر، پھیپھڑوں کے بغیر، گردے کے بغیر، انتڑیوں کے بغیر انسان کی زندگی ہوگی اور ہوگی تو کیسے اور دل جو ہے وہ اسلام کا ایمان ہے۔ اب دین میں ایک بھی چیز نہ ہو تو اُس سے پورے دین پر اثر پڑتا ہے۔ ایمان، عبادات، معاشرت، اخلاق۔ ایک لگا ہوا درخت آپ کے پاس امرود کا تھا۔ اب انہوں نے کیا کیا کہ کل "Viva" ہونے والا تھا تو انہوں نے امرود اُتار کر نارنگی لگا دیئے۔ اب اگر وہ ہم جیسا ناواقف ہو تو کہے گا کہ بڑا کمال کیا اور واقف ہو تو اگر ایک دفعہ ہلائے تو سب ختم۔ تو میں یوں کہوں کہ جس نے دین ھدیٰ، حضور ﷺ کے طریقے کو دیکھا، اس کے پھل، شاخ، پتوں وغیرہ کو دیکھا ہوگا۔ وہ فوراً سمجھے گا کہ کہاں سے ہوگا۔ آپ یوں کہیں کہ ہم نے تو اس کو برآمد نہیں کیا ہے؟ یہ تو نپولین کے زمانے کا ہے۔ اب تم کہو کہ یہ تو ہم نے برآمد نہیں کیے۔ مثال

کے طور پر یہ محمد علی کہے کہ یہ آلو ہمارے تیراہ کی پیداوار ہے۔ اب جو سمجھنے والا ہے وہ سمجھے گا کہ یہ تیراہ کی نہیں یہ تو امریکہ کی پیداوار ہے بلکہ اس نے یہاں کی مٹی کا رنگ لیا۔ اب میں نے یہ گھڑی حجاز میں خریدی ہے۔ یہ بڑی پیاری گھڑی ہے۔ اب مجھ جیسا سادہ ہو وہ آنکھوں سے لگائے لیکن جو سمجھنے والا ہو وہ کھول کر پڑھے گا(Switzer Land)۔ تو جو طریقہ محمد ﷺ نے بتایا ہے اب اگر خاکم بدہن بالغرض محال ابو بکرؓ کہیں کہ اس طریقے کو لے لو اور نبی ﷺ دوسرے طریقے کو کہیں تو تم ابو بکرؓ کی بات کو مانو گے؟ تو دیکھو! دوسرے کا کیا اختیار ہے کہ آپ ﷺ کے طریقے میں تغیر و تبدل کرے۔

مسلمان اللہ تعالیٰ کا سپاہی

ایک موٹی بات ذہن میں رکھ دو۔ کوئی زمانہ آجائے، کوئی شخص آجائے۔ ہمارے لیے طریقہ ہدایت حضور ﷺ والا طریقہ ہے۔ دیکھو! ایک بات تم سے پوچھوں، مثال کے طور پر تم لاہور یا سیالکوٹ کے محاذ پر چلے گئے اور وہاں پر سکھوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں ایک گھنٹے تک آؤ۔ لڑو نہیں پاکستان سے تو ایک منٹ یا ایک لحظہ تک اس بات پر آمادہ ہو جانا ملک سے غداری ہے تو اسی طرح اگر غازہ لگا کر حقیقت کے لحاظ سے گندے امریکن جن کے اندر کفر کی گندگی بھری ہوئی ہے تم سے کہے کہ تم اپنے فلان طریقے میں ذرا تغیر کر لو تو کیا تمہارا طریقہ صحیح ہو گا۔

مسلمان اللہ کا سپاہی ہے۔ اسلام کا داعی ہے۔ وہ اس کے متعلق دن رات سوچتا ہے کہ لوگ کس طور پر اوروں کے طریقے سے ہٹ کر محمد ﷺ کے طریقے پر آجائیں۔ یہ ہمارا ایک مقصد ہے اور اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو کھڑا کر دیا ہے۔ ”حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ“۔(البقرۃ ۲:۱۹۳) (یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے۔) تو ہمارے امام کی نیت کیا تھی۔ یہ سراج امام نہیں۔ ”سِرَاجًا مُّنِيْرًا“ ان کا

قرآن بھی تمام دنیا کا سراج اور آپ بھی تمام دنیا کے روشن چراغ۔ ان کا زمانہ ہر زمانے کو لیے ہوئے ہے۔ نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اللہ نے ایک کام دیا کہ وہ تمام زمانے اور علاقے والوں کو غیروں کے یقین سے نکال کر اللہ میاں کے طریقے پر لے آئیں۔ ہوتا ہے خدا سے اور غیر خدا سے نہیں ہوتا۔ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم والے اعمال کو اختیار کرو تو کامیابی آجائے گی۔ سیڑھیوں پر چڑھ کر کامیابی نہیں ہوگی۔ اعمال محمدیہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اختیار کرکے پوری کامیابی لینی ہوگی اور دیکھو! کامیابی وہ ہے جس کے بعد ناکامی نہ ہو اور جنت دیکر بھی خدا کے خزانوں میں کمی نہ ہوگی۔ ”وَلَدَيْنَا مَزِيْد“ کروڑوں جنتیں اللہ نے بنائیں۔ یہ اللہ نے بنائیں، یہ خارج کی چیزیں ہیں۔ اللہ میاں کے بنانے کی قوت بحال ہے، اس کی حکمت اگر چاہے تو اس کے ساتھ اور بھی کروڑوں جنتیں بنائیں تو مختصر لفظوں میں یقین اللہ پر راسخ کرلو اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے طریقے کو اپناؤ۔

دیکھو! آپ میں سے کتنے آدمی ایسے ہیں جو یہ کہہ سکیں کہ ہمارا ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ مکمل ہوگیا اور اب مزید ضرورت نہیں۔ کوئی بھی ایسا نہیں تو اگر اب ہمیں ضرورت ہے کہ ہمارا کلمہ صحیح ہوجائے تو بسم اللہ کے سیکھنے کے لیے بھی آپ تبلیغ کے مدرسے میں چار مہینے گزار دو اور تم میں سے بعض تو بہت ہی اچھے پڑھیں، خول تو اچھا ہو لیکن مغز کو بھی اچھا بنادو۔ گندے چلغوزے کی طرح نہ ہو کہ باہر سے تو خول ویسا ہے اور اندر کا مغز ایسا کڑوا کہ سب مزا ختم ہوجائے۔

اسلام میں دُنیا اور آخرت کی کامیابی

ایوب ہاسٹل (مارچ 1966ء ساڑھے چھ بجے شام)

اللہ تعالیٰ کا قانون اور اعتدال

میرے عزیزو اور دوستو! اللہ رب العزت نے حبیب پاک ﷺ کے ذریعے سے ہمیں ایک طریقۂ حیات مرحمت فرمایا۔ زندگی ہمیں ملی ہے۔ انسان زندگی گزارتا ہے اور انسان تو کیا حیوان بھی زندگی گزارتا ہے اور حیوانوں میں بھی کوئی درندہ ہے، کوئی چرندہ اور کوئی پرندہ۔ اب ایک بھیڑیے سے پوچھ لو کہ اے بھیڑیے! تم جو بھیڑوں کو چیر پھاڑ لیتے ہو تو اُس سے کیا ہوتا ہے تو وہ کہے گا کہ یہ ہمارا طریقہ ہے۔ اِسی طرح سانپ بھی یہی کہے گا کہ میرا یہ طریقہ اِتنا بہترین ہے کہ اس سے بہترین طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ باز کہے گا کہ میں جو چڑیوں کو دبوچ لیتا ہوں، اس سے اچھا کوئی طریقہ نہیں ہے اور بقول اقبال:

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

(جنگل کے قانون میں کمزوری ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا سوائے موت کے اور کچھ نہیں۔)

تو اب دیکھنا یہ ہے کہ زندگی میں سب کے لیے اچھائی ہو تو اب کوئی ایسا طریقۂ حیات بھی ہے جس میں ہر ایک کی بھلائی ہو، ہر ایک کے لیے چین ہو اور ایسا طریقہ ہو جس میں شیر اور بکری ایک گھاٹ میں پانی پی سکیں تو ایسا طریقہ اگر ہو سکتا ہے تو اُس کا ہو سکتا ہے جس کے متعلق فرمایا گیا: ”وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ“۔ (ترجمہ: ہم نے نہیں بھیجا تمہیں مگر ساری جہانوں کے لیے رحمت)۔ تو فرمایا کہ جو بھی تیرے طریقے کو اپنائے گا اس کی زندگی خود بھی چین والی ہو گی اور ہر ایک کے لیے تسلی قلب اور طمانیت کا ذریعہ ہو گا اور جس

طرح سے انسان کی جملہ رَگیں جب ہر ایک اسی عمل پر قائم ہوتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے اور ایک رَگ بھی ڈھیلی ہوگئی تو کہتے ہیں کہ دماغ خراب ہوگیا تو اُسی طرح اگر انسان اُس طریقے پر عمل کرنے والا بن جائے کہ پوری مخلوق ایک Organism (وجود) کی طرح کام کرے تو یہ طریقہ کون بتا سکتا ہے۔ تمہارا ملک ہے، ایک حصہ اِدھر اور دوسرا اُدھر۔ پہلا آئین بنا، دوسرا بنا، پہلے کے متعلق کہا گیا کہ سب آئینوں کا لپیٹ ہے۔ اب جو ایوب خان آیا تو ایوب صاحب جو آئین بنائے تو فطری طور پر اس میں اُس کی حمایت ہوگی اور یہ میں آپ کے ہاسٹل کی نسبت سے کہہ رہا ہوں مثلاً فضل کریم صاحب کو کوئی کہے کہ تم اپنے پیپر خود دیکھ لو تو کیا اپنے کو فیل کرلے گا۔ ۹۰ فیصد تو دے گا تو یہ ایک فطری بات ہے۔ میں سیاسی بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ فرد کا جو قانون ہوگا اُس میں فرد کو اپنا نفع مدنظر ہوگا۔ اگر آپ کے ہاں سوسائیٹیاں ہوں تو ہر ایک سوسائٹی اپنی منفعت چاہے گی۔ اب ہمارا پاکستان لے لو، اس میں مغربی پاکستان میں سرحد والے کہیں کہ ہمیں زیادہ دو، بلوچ، سندھ اور پنجاب اپنی اپنی منفعت چاہیں گے اور مشرقی پاکستان والے اپنے لیے زیادہ مراعات کے طالب ہوں گے۔ اب ملک کا قانون لے لو تو انگریز کو کہا جائے تو کیا وہ ایسے قانون کو بنائے گا کہ اُس میں اُس کا فائدہ نہ ہوگا۔ اب اس کے بعد اُس یو۔این۔او (U.N.O) شریف کو لے لو۔ اس کے متعلق You know better (تم خوب جانتے ہو) تو بقولِ اقبال: لٹیروں کا مجمع ہے جو کہ انہوں نے (League of Nations) کے متعلق کہا تھا۔ تو مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے بس میں نہیں کہ اپنی فطرت سے برکنار ہو کر ایک قانون بنائے اور پھر یہ انسان کی طاقت میں نہیں کہ وہ اپنے اس دنیا کے اور آخرت کے متعلق جتنے بھی فائدے ہوں، اُن کو جانے اور اِس دنیا کے متعلق تمام ضرورتوں کا کیا علم ہے اور جس قانون کی بنیاد علم محیط پر نہیں ہوگی وہ ناقص ہوگی۔ اب آئین اگر دے سکتا ہے تو وہ ذات دے سکتی ہے جو خالق ہے، مخلوق نہیں دے سکتی۔ اقبال نے ایک

مقام پر کہا ہے:

عادل اندر صلح و هم اندر مصاف
وصل و فعلش لا یراعی یخاف

(قانونِ الٰہی خواہ امن کے وقت ہو اور خواہ جنگ کے وقت، خواہ اپنا ہو خواہ پرایا ہو نہ کسی کی بے جا رعایت کرے اور نہ کسی سے خوف کھائے۔)

اللہ میاں کسی سے ڈرتا نہیں کہ ڈر کر کسی کے موافق فیصلہ کر لے اور نہ کسی کی رعایت کرتا ہے۔ ''اَلْخلقُ عِیَال الله'' (ترجمہ: تمام مخلوق اللہ کا عیال ہے)۔ اب سچ مچ کی اماں ہو تو وہ یہ چاہتی ہے کہ اُس کے بچے کو کسی طرح گزند پہنچے۔ اب میری دو آنکھیں ہیں۔ کیا میں چاہتا ہوں کہ ان دو کے بجائے صرف ایک رِہ جائے۔ جنگ ہو گئی اور اس جنگ میں ایک مامتا کی ماری ماں کا بچہ کھو گیا۔ اب یہ جس بچے کو دیکھتی ہے اپنے بچے کے پیار میں لیتی ہے اور دودھ پلاتی ہے۔ حضور ﷺ نے دیکھا تو صحابہؓ سے فرمایا: ''بتاؤ کہ اگر اس اماں کو اپنا بچہ مل جائے تو یہ اُس کو دوزخ میں ڈال دے گی تو اللہ کیسے اپنے بندوں کو دوزخ میں ڈال دے''۔ فرمایا: اللہ نے رحم کو پیدا فرمایا اور ننانوے حصے تو اپنے پاس رکھ دیے اور ایک حصہ پوری مخلوق میں تقسیم کر دیا اور اس رحمت کا اثر ہے کہ گھوڑی نہیں چاہتی کہ اپنے بچے کو دودھ پلانے کے بجائے لات مار دے۔ اللہ نہیں چاہے گا کہ اس کو دوزخ میں ڈال دے مگر یہ کہ ایک کو دو کہہ دے یعنی اِتنا سرکش ہو جائے کہ بغاوت پر اُتر آئے اور باغی کی سزا ہر قانون میں قتل ہے۔

دُنیا کے لیے محنت

اب حضور ﷺ سراپا رحمت بن کر آئے اور ہر نبی رحمت بن کر آتا ہے۔ زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ایک دِل ہے ایک جسم۔ ایک تمہارے خیالات، تمہارے احساسات وغیرہ۔ حضور ﷺ نے ان تمام کے متعلق ایک قانون دیا جو

کہ ان تمام پر حاوی ہے۔ اب نفع مندی کا جب تک تمہیں کسی کی ذات کا تصور نہ ہو، یقین نہ ہو تو وہ وہاں کیسے جائے گا۔ اب تم میں یہاں کہاں کہاں سے آئے، کوئی ڈیرہ اسماعیل خان کا ہے، کوئی پنڈی کا ہے، کوئی کہاں کا ہے اور کوئی کہاں کا۔ تو یہاں کوئی مٹھائی ملتی ہے۔ بس یہ ہو گا کہ وہ کپڑے پہن کر گورنر صاحب ڈگری دیں گے جس کے متعلق تمہارا ظن غالب یہ ہے کہ دو تین سو روپے کی نوکری ملے گی۔ اب اسلام یہ پکارتا ہے کہ دیکھو تمہیں نفع نظر آئے گا لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے لیے نقصان کا باعث ہو۔

پرستش کی بنیاد

دیکھو! تم نے دیکھا ہے، تاریخ میں پچھلی قوموں کا مطالعہ کرو کہ کسی نے سورج کی پرستش کی ہے، کسی نے سانپ کی اور دیکھو! اب بھی میڈیکل کالج کے یہاں وہ ایک بلا سا ہوتا ہے اور یہ ناگپور وغیرہ کس وجہ سے ہیں اور اسی طرح جو یہ بڑے بڑے His Excellency آجائے تو تم تمام اُٹھو گے کیوں؟ کہ ڈس لیں گے تو عزت و حرمت وہی ہے کہ جس سے اگر وہ مقام (Position) چلا جائے تو پھر بھی تمہاری محبت میں کمی نہ آئے جتنی بھی پرستشیں شجر پرستی، حجر پرستی وغیرہ تمام جو چلی ہیں تو نفع و ضرر سے یہ پرستش کا سکہ قائم ہے۔ یہ پہیا سا جو ہے کہ اس میں جو نفع تمہیں نظر آتا ہے۔ یہ دراصل سورج میں نہیں بلکہ اللہ کا بخشیدہ ہے۔

پہیہ را بخشی ضیا و روشنی

(تو سورج کی پہیہ کو گرمی اور روشنی بخشتا ہے۔)

اور پھر فرمایا "وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ" اور جب سمندر جلا دیے جائیں اور دیکھو! امریکہ نے ایک تجربہ کیا "بیکیجا" میں Pacific Ocean (بحر الکاہل) میں ایک جزیرہ ہے اس میں جب بم پھینکا گیا تو پورا جزیرہ غائب ہو گیا اور پانی میں آگ لگ گئی تو اب امریکہ کا تجربہ یوں کر سکتا ہے تو اللہ میاں کا تجربہ یوں نہیں کر سکتا اور دیکھو! ہم تو "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" میں یوں

کہتے ہیں کہ تمام خوبیاں اللہ ہی کی ذات میں ہیں۔ اسی طرح کلمہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' میں اللہ نے یہ بات بتائی ہے۔ کہ سب کچھ اللہ کی ذات میں ہے، کسی میں کوئی خوبی نہیں، کوئی کمال و جمال نہیں۔

مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ حکومت نے پابندی لگائی ہے راشن پر۔ راشن ڈپو مقرر کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ تمام لوگوں کو وہاں سے ملے گا۔ اب ایک عقلمند شخص ہے، وہ کہتا ہے کہ میں تو وہاں سے نہیں لیتا۔ میں تو فلاں جگہ سے لوں، جہاں کچھ نہیں۔ اب لوگ اُسے سمجھاتے ہیں، اپنے کو خراب و برباد نہ کرو بلکہ جہاں غلّے کی ڈپو ہے وہاں سے لے لو لیکن یہ بضد ہے کہ مجھے تو وہاں سے نہیں لینا خواہ مر جاؤں تو انجام کیا ہو گا تو انبیاء علیہم السلام یوں فرماتے ہیں کہ اے لوگو! اپنی محنتوں کو ضائع نہ کرو۔ اپنے کام کو خراب نہ کرو بلکہ جہاں سے ملتا ہے وہاں سے لے لو۔ اب حضور ﷺ اپنے یقین کے بڑھانے کے لیے ایک دُعا فرمایا کرتے تھے اور حضور ﷺ کا جو یقین تھا اُتنا کسی کا ہو سکتا ہے لیکن جس کے پاس جب کچھ ہو تب اُس کی حفاظت کرتا ہے مثلاً ایک مزدور بالکل کھلی سڑک پر سو سکتا ہے لیکن کیا جس کے پاس مال ہو وہ سو سکتا ہے۔ فرمایا: ''اَنْتَ قيم السَّمٰوٰت وَالْاَرْض وَ مَن فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ، لَك مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض وَ مَنْ فِيهِنَّ وَ لَكَ الْحَمْدُ، اَنْتَ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ لَكَ الْحَمْدُ، اَنْتَ مَلِك السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض وَلَكَ الْحَمْدُ۔۔۔ فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْت وَمَا اَخَّرْتُ، وَمَا اسررتُ وَما اعلنتُ، اَنت المقدِّم وَ اَنْتَ المؤخر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ''۔

(بخاری، کتاب التہجد: ۱۰۸۷)

تو چار باتیں فرمائیں اور پھر فرمایا کہ جب یہ چیزیں تمہارے پاس ہیں تو ہماری مغفرت فرما۔

مالک حقیقی

وہ ایک بزرگ کا قصہ یاد آیا کہ وہ کعبہ کا غلاف پکڑے ہوئے تھا اور یوں کہہ رہا تھا کہ ''اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ وَ سَعدیكَ'' تو وہاں ایک دوسرا بزرگ تھا، اُس نے صدا سنی کہ آتا ہے کہ ''لَا لَبَّیْكَ وَلَا سَعْدِیْكَ'' کہ نہ تمہاری لبیک قبول اور نہ سعدیک قبول۔ تو کہا ''کچھ سُنا بھی؟'' کہا ''کہ تم نے ایک دفعہ سنا اور میں چالیس سال سے یہ سن رہا ہوں لیکن بتا کہ کیا دوسری جگہ بھی ہے؟''۔ اِس پر آواز آئی:

قبول است گر چہ ھنر نیستت
کہ جُز ما پناھے دگر نیستت

(مجھے منظور ہے اگر چہ ان کا کام قبولیت کا درجہ نہیں رکھتی لیکن چونکہ میرے علاوہ یہ اپنے لیے دوسری پناہ گا نہیں سمجھتا اس لیے شرفِ قبولیت بخشتا ہوں۔)

اب ہم یوں سمجھیں کہ ہم اپنی اماں سے پیدا ہوئے۔ اب میں کہوں کہ دیکھو! اماں، تُو نے ہم کو پیدا کیا اور وہ بھی ''فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰث'' تین اندھیروں میں بنایا۔ تو یہاں آکر میرے لیے ایک کان تو بنادے کہ لوہے کا کان لیے پھرتا ہوں اور اس اسباب پرست دنیامیں اب بھی ہندوستان میں کالی مائیں کے مندر میں انسان کے اعضائے خاصہ کی پرستش ہوتی ہے تو یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے خواہشات کے حصول کو ان چیزوں میں سمجھ رکھا ہے لیکن جب وہاں چلے جاؤ گے جہاں کہ یوں فرمایا جائے: ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمِ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّار'' (آج کے دن بادشاہی کس کی ہے، اس اللہ کی جو اکیلے اور قہار ہیں)۔ اب یہاں جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ ہو جاتی ہے اور میاں جنتیوں کو یہ طاقت دیں گے۔ ''وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ''۔ (ترجمہ: اور تمہارے لیے جنت میں وہی ہو گا جو تمہاری خواہش ہو اور جس کا تمہیں تقاضا ہو)۔

اب یہاں پر تم میں اکثر کی دلہنیں نہیں ہوں گی اور ہمارے ساتھیوں میں سے بہتوں کو والدین کی منت کرنی پڑے گی تو وہاں فیملی پلاننگ (Family Planing) نہیں ہوگی اور وہاں کے درخت بھی ایگریکلچر والوں کے درختوں کی طرح نہیں ہوں گے۔ ”فِیْ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ“ لمبے سایے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: کہ ایک تیز سوار پانچ سو سال تک اس کے سایے سے نہیں گزر سکے گا اور لمبائی بھی تو اِس حساب سے ہوگی اور اُس پر پھل جو لگیں گے اب تم یہ چاہو کہ یہ کھاؤں تو یہ نہ ہوگا کہ چلو اس کو توڑوں اُوپر چڑھ کے، مشقت نہیں ہوگی بلکہ تمہاری خواہش پر تمہارے پاس نیچے آئے گا اور جمعہ کے دن میلہ لگے گا تو وہاں Abasin Art کی طرح نہیں بلکہ بہت خوبصورت تصویریں ہوں گی۔ اب تم نے دیکھ لیا اور تعریف کی تو تم اُسی کی طرح ہو جاؤ گے اور ایسے خوبصورت ہو جاؤ گے کہ پھر گھر والی کہے گی کہ آج تو تُو اِتنا خوبصورت ہو گیا اور وہ کہے گا کہ تُو کتنی خوبصورت ہو گئی اور بقولِ مولانا:

ہر کہ نُور حق خورد فرقان شود
ہر کہ کاہ و جو خورد قربان شود

(جو حلال رزق کھائے تو حق و باطل کے درمیان فارق بن جاتا ہے اور جو کوئی جانور کی طرح سب کو چر لیتا ہے خواہ گھاس ہو اور خواہ جو تو اُس کو ذبح کیا جاتا ہے۔)

قرآنی دُعا ہے: ”رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا“۔ (سورۃ التحریم:۸) (ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمارا نُور ہمارے لیے مکمل فرمادے)۔

یہ عالم کی جو سوئیاں چل رہی ہیں، جیسا کہ ایک لطیفہ ہوا کہ گھڑی رُک گئی۔ جب کھولی گئی تو وہاں مُردہ مکھی پائی گئی۔ یہ سمجھے کہ اس کو مکھی چلاتی ہے تو دوسری زندہ مکھی ڈال دی تو گھڑی نے نہ چلنا تھا اور نہ چلی تو عالم کے نظام کو اللہ پاک چلاتے ہیں اور ”لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ میں ہم یوں کہتے ہیں کہ تمام کاموں کو چلانے والی اللہ کی ذات ہے تو اسلام نے آسان طریقہ بتایا کہ

خدا کو منالو تو تمام کام آسان ہو جائیں گے۔

اطاعتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

تو میں نے شروع میں بات کہی تھی کہ زندگی کا گزارنا آسان ہے جیسے کہ امریکہ، یورپ کے درندے گزار رہے ہیں۔ اطمینان چھین رہے ہیں، چاہتے ہیں کہ گھروں میں بھی مفاد کا ٹکراؤ آجائے تو جنگ چھڑ جائے تو دوستو! اگر ہم اپنے مفاد کو ٹکرائیں تو تمام کام آسان ہو جائے تو سیدنا محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زندگی اللہ سے لینے کے لیے اِس دنیا میں اور آخرت میں زیادہ سے زیادہ دِلانے والی ہے اور اگر محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا طریقہ تم سے نکل گیا تو سب کچھ رِہ جائے گا۔ رحمت آئے گی محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے طریقے سے آئے گی اور اگر محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے طریقوں کو چھوڑ دیا گیا تو نہ یہاں ملے گا اور نہ وہاں ملے گا۔ جیل خانے کا نام سُنا ہو گا۔ اب وہاں ہوتی ہے ایک پھانسی کی کوٹھڑی۔ اب وہ پھانسی کی کوٹھڑی والے کو رزق مل رہا ہوتا ہے یا نہیں۔ اب اگر وہ سمجھ لے کہ ہم بڑے مزے میں ہیں تو یہ ان کی کم فہمی ہو گی۔ اسی طرح جو کفر کے درجے پر ہوتے ہیں وہ پھانسی کی کوٹھڑی میں ہیں جیسے کہ وہ خروشیف تھا۔ ایک خر تھا وہ مر گیا اور کینیڈی۔ اب اُن سے اگر یہ پوچھا جائے کہ تم اب خوش ہو یا اگر دنیا میں بھوکوں مرتے اور یہاں اللہ کا قُرب ملتا تو کیا کہے گا تو یہی کہ بھوکوں مر کے اللہ کے قُرب کے طالب ہوں گے۔

گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھو۔ جب صنادید قریش کو بدر کی جنگ کے بعد ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پوچھا کہ "فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ"۔ (سورۃ الاعراف ۷:۴۴) (ترجمہ: کیا تم نے اپنے پروردگار کے وعدے کو سچا پایا)۔ حضرت عمرؓ بولے: یہ تو بے روح لاشے ہیں تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اُس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جان ہے کہ جس بات کو میں کہتا ہوں اس کو تم اُن سے بہتر نہیں

سنتے [82]۔

تو اب ابو جہل بھی تھا اور دیکھو جتنا کہ نبی برگزیدہ ہوتا ہے اُتنا ہی اُس کا فرعون سخت ہوتا ہے۔ دیکھو فرعونِ موسیٰ (علیہ السلام) نے آخر میں کہا، جب ڈبکیاں کھانے لگا ''اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِيۡلَ''۔ (میں اُس خدا پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے)۔ بہرحال کچھ تو مان گیا۔ اب جب ابو جہل کو معاذ اور معوذ نے گرا دیا اور ابن مسعودؓ اس کی گردن کاٹنے کے لیے گیا تو سدرمق باقی تھا تو پوچھا کون؟ کہا ''ابن مسعود''۔ کہا کہ وہ بکریوں کا چرانے والا۔ کہا ''ہاں'' تو کہا کہ اس کی خوشی ہوئی کہ یثرب کے زمینداروں نے مجھے قتل نہیں کیا لیکن دیکھنا کہ جب گردن کاٹتے ہو تو ذرا نیچے سے کاٹنا کہ معلوم ہو کہ سردار کا سر ہے۔

تو بہرحال آپ ٹور (Tour) پر جاتے ہیں۔ وہاں آپ کو دوست بھی مل جاتے ہیں تو وہاں کیا آپ ان کے ساتھ یارانہ جوڑ کر وہاں اُن کے ساتھ رہ جاتے ہیں یا واپس آتے ہیں بلکہ وہاں بھی تو آپ کے محاورے میں To kill the time کا معاملہ رہتا ہے۔ او ظالم! اُس قیمتی متاع کو خراب کرتے ہو۔ اب ہمارے اساتذہ کے ساتھ صرف پچیس نمبر ہیں اور کسی کے ساتھ اس سے زیادہ بھی ہوتے ہیں تو کیا ہوتا ہے۔ ان کی پوری رعایت کرنی ہوتی ہے اور یہ تو ہوئے ہمارے اُستاد۔ اب جو ان استادوں کے بھی اُستاد ہیں اور کہ ان کے استادوں کے بھی استاد۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کے بھی اُستاد ہیں۔ اللہ میاں۔ اس کے پاس Cent per cent (سو فیصد) مارکس ہیں۔ اب کتنی بے عقلی کی بات ہے کہ 25 نمبروں کے لیے تو اِتنا قصہ ہو اور اللہ میاں کے ساتھ اِتنے نمبر ہوں اور اس کے لیے کچھ نہ ہو تو یہ تبلیغ والے موٹی بات کہیں کہ اللہ سے رشتہ جوڑ لو اور حضور ﷺ کا طریقہ اختیار کر لو اور ہم تو موٹی عقل کے آدمی ہیں۔ وہ بات کہتے ہیں کہ چھوٹا بھی سمجھے اور بڑا بھی سمجھے۔ تو دیکھو! یہ دو بول ہیں اور نکاح میں تو کوئی

---

[82]۔فقال عُمَرُ: یا رسولُ الله، ما تُكَلِّمُ من اجسادِ لَا ارواحَ لَهَا؟ فقال رَسولُ الله ﷺ: والّذی نفسُ محمدٍ بیدہِ، ما اَنتم باسمع لم اَقُوْلُ مِنهم۔ (بخاری، کتاب المغازی، باب۸: ۳۹۷۶)

موٹی کتاب پڑھائی نہیں جاتی بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ قبول ہے اور وہ کہے کہ قبول ہے تو یہ دو بول ہی ہوتے ہیں کہ انسان پھر جُڑ جاتا ہے اور اُس کے حقوق واجب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب کلمہ کے ان دو بولوں میں ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه''میں ہم نے اللہ سے جو وعدہ کیا ہے تو کیا یہ ایسا ویسا ہے۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لَآ اِلٰهَ را

(اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے لرزہ طاری ہو جاتا ہے کہ مجھے لَا اِلٰہ کے تقاضے میں جو قربانیاں آتی ہیں وہ معلوم ہیں۔)

تو اس طرح تبلیغ میں کچھ لوگ پھرتے رہتے ہیں تو ان کے ساتھ لگنے کی کوشش کرو تو جسے لگ جاتی ہے وہ لگ جاتا ہے اور جسے لگ جائے وہ بے فکر نہیں ہوتا بلکہ لگا رہتا ہے۔ دیکھو! ماچس جلائی ہوگی۔ ایک دفعہ ایسا کرتے ہیں (یعنی رگڑتے ہیں) اگر نہیں ہوتا تو پھر کر لیتے ہیں اور پھر نہ جلے تو پھر اس طرح کر لیتے ہیں حتیٰ کہ جل جاتا ہے تو اب ایک چلّہ دیا اور نہیں جلا تو دوسرا اور اسی طرح تیسرا۔ یہاں تک کہ جل کر دِل روشن ہو جائے۔

اور دیکھو! میں آپ کے ہاں سال کے بعد آیا تو جو فقیر دیر سے آئے تو اس کو دیا بھی زیادہ جاتا ہے۔ اب آپ سمجھ چکے ہوں گے کیونکہ آدمی فقیر کی صورت ہی دیکھ کر سمجھ جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں، شکل فقیر کیا ہے؟''سوال''۔

حضور پاک ﷺ کے فضائل اور تعلیمات

تربیلا ڈیم، اباسین کالونی، رائٹ بینک کینال مسجد (26 اپریل 1972ء، بسلسلہ میلاد شریف)

خطبہ ماثورہ اور آیات مخصوصہ کے بعد۔

حضور پاک ﷺ جامع الصّفات

میرے عزیزو! یہ کائنات کا نظام جو آج ہمیں دکھائی دے رہا ہے، سورج نکلتا ہے، چاند آتا ہے جاتا ہے، پہاڑ ہیں، دریا ہیں، ایک عظیم کائنات او جھل ہے اور کچھ نگاہوں کے سامنے ہے۔ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان تمام جہانوں کو پیدا فرمایا۔ اپنے اختیار کو جاری و ساری کیا۔ جو کچھ بنایا اپنی قدرت سے اور جو کچھ ہو رہا ہے اختیارِ خداوندی سے ہو رہا ہے۔ ایک بات ہے سوچنے اور سمجھنے کی کہ اس پوری کائنات کو کیوں بنایا؟ وہ ذات جس نے اس پوری کائنات کو بنایا، اس کا خالق اور مالک ہے اور جس سے سوال نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ حاکم حقیقی ہے لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کا مقصد ایک ذاتِ عالی کو مبعوث فرمانا تھا جس کا یوم ولادت یا ظہور کے دن کو منانے کے لیے آج ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ طبرانی کی روایت ہے: ''لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ''[83]۔ اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو کون و مکان موجود نہ ہوتے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ محمد ﷺ کی ذاتِ عالی کی برکت سے وجود میں آیا۔ ہر چیز کی پیدائش کسی مقصد کے تحت ہوتی ہے۔ یہاں تربیلا ڈیم میں جتنا کام ہو رہا ہے۔ چند مقاصد کو سامنے رکھ کر ہو رہا ہے۔ پانی کی نہریں اور بجلی کا حصول مقصد ہے۔ اس کے لیے پہاڑ کو توڑا جا

---

[83]۔ رواہ الطبرانی فی معجمہ الاوسط ۶/۳۱۳ و ابن عساکر فی تاریخہ ۷/۴۳۷ و مکی عن البیہقی ان مدارہ علی ابن اسلم و ھو ضعیف و قال السیوطی فی الدارالمنشور (اخرج الطبرانی فی المعجم الصغیر والحاکم و ابو نعیم والبیہقی فی الدلائل و ابن عساکر)

رہا ہے، بند بنایا جا رہا ہے، پہلے چیزیں اور آخر میں نتائج آتے ہیں اسی طرح اللہ نے زمین و آسمان اور پورے نظام کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ اللہ نے ایک ذات گرامی کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ ہر نبی جو آیا، اپنی شان میں مکمل، اپنی ذات میں رحمت بن کر آیا۔ کوئی کسی علاقے کے لیے اور کوئی کسی ملک کے لیے آیا۔ حقیقت میں سب کے سب انبیاء علیہم السلام کے آنے سے پہلے لوگوں کو اس چیز کے تیار کرنے کے لیے مبعوث فرمائے گئے کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری مقصود تھی۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور صحائف کو اکٹھا کیا جائے تو تمام کا نچوڑ قرآن میں موجود ہے۔ آدم علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی نبی آئے اور جو کچھ لیکر آئے وہ بھی دیا اور مزید بھی دیا۔ ''مھیمنا علیہ'' پہلی کتابوں میں جو کچھ تھا، قرآن کو اس کا محافظ بنایا۔ محمد ﷺ کی اتباع میں گویا تمام انبیاء علیہم السلام کی اتباع ہے۔ جو حضور ﷺ کی اتباع کرتا ہے وہ تمام انبیاء علیہم السلام کی اتباع کرتا ہے۔ تمام نبیوں کے انوارات حضور ﷺ کی واحد ذات میں اکٹھے ہیں۔

حُسن یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضاداری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری

(اللہ تعالیٰ نے تم میں تمام انبیاء علیہم السلام کی خوبیاں اکٹھی کر رکھی ہیں، خواہ وہ یوسف علیہ السلام کا جمال ہو، عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک ہو اور موسیٰ علیہ السلام کا چمکتا ہوا ہاتھ ہو۔)

جو نبی کی ذات رکھتی تھی، حضور ﷺ کی ذاتِ واحد تمام کمالات وخوبیوں کا مرقع ہے۔

تُو ہے مجموعۂ خوبی و سراپائے جمال
کون سی تیری ادا دِل کی طلبگار نہیں

واقعۂ معراج

سر سے پاؤں تک، صورت سے سیرت تک، اعمال و اخلاق سے لیکر پوری تعلیمات

تک جو محمد ﷺ کے ذریعے سے انسانیت کو دیا۔ کوئی اکیلے اپنی ذات سے نہیں لے آیا۔ اللہ نے محمد ﷺ کو وہ عطا فرمایا جو اور کسی کو نہیں عطا فرمایا۔ میرے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کو جب معراج کی رات آسمان پر لے جانا چاہا لے کر گئے۔ آسمانوں پر جانے سے پہلے کعبہ سے مسجد اقصیٰ لے گئے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَاؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝۱ (الاسراء۱۷: ۱) (وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) کی طرف جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، لے گیا تاکہ ہم اُسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے)۔ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو کعبہ سے اُٹھایا گیا۔ آن واحد میں مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ یہ سلیمانؑ اور داوٗدؑ کی تعمیر کردہ مسجد اور بنی اسرائیل کا قبلہ ہے۔ حضور ﷺ بھی ہجرت سے پہلے اور مدینہ میں بھی سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ مکہ میں درمیان میں بیت اللہ کو لے لیتے تھے تاکہ دونوں منہ کے سامنے آئیں۔ جب مدینہ ہجرت فرمائی تو بیت المقدس شمال میں اور کعبۃ اللہ جنوب میں تھا۔ ایک وقت میں دونوں کی طرف چہرہ ہو نہیں سکتا۔ تمنا کی کیفیت پیدا ہوئی کہ کعبۃ اللہ کو قبلہ کا حکم ہو۔ ”قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا۪“۔(البقرۃ۲: ۱۴۴) ((اے محمد!) ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں۔ سو ہم تم کو اُسی قبلہ کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو، منہ کرنے کا حکم دیں گے)۔ ہم آپکو اُسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جو آپ پسند فرماتے ہیں۔ نبی ﷺ کو معراج پر لے جانا چاہا، بیت المقدس میں جتنے بھی نبی تھے، حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں کو اکٹھا فرمایا اور نبی علیہ السلام سے امامت کرائی۔ تمام نبی مقتدی اور آپ ﷺ امام۔ یہ اعلان کرنا تھا کہ تمام نبیوں کی امامت حضور ﷺ کی ہے۔ ہم

عیسائی کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ ہر اُمت والے اپنی اُمت والے کے پیچھے اقتدا کریں گے جبکہ حضور ﷺ کے پیچھے تمام اکٹھے پڑھتے ہیں تو گویا یہ دلیل ہے کہ آپ کُل باقی اجزاء۔ کسی کو کچھ حصہ ملا اور کسی کو کچھ اور حضور ﷺ پر تکمیلِ دین ہوئی۔ حقیقت دین کلی طور امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو سپرد کر دی گئی۔ اس معنی کر کے حقیقت یہ ہے کہ جتنے نبیوں کو ملا۔ حضور ﷺ کے وسیلہ سے ملا۔ ''اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ''۔ (ابراہیم ۱۴: ۳۴) (اور اگر اللہ کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو)۔ اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ ان تمام نعمتوں کے نزول کا ذریعہ حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ حضور ﷺ مقصد تخلیق کائنات ہیں۔ اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو کوئی چیز موجود نہ ہوتی۔ ہر چیز کی بقا اور عالم وجود میں آنا حضور ﷺ کی ذات بابرکت کا وسیلہ ہے۔

رحمتِ عالمین

دوستو! وجود میں آنے کے بعد باقی چیزیں ملتی ہیں۔ آپ کی ذات ہو گی تو انعامات ہوں گے۔ مخلوقات میں جتنی نعمتیں پیدا فرمائی گئی ہیں، دنیا، حشر اور موت کے بعد کی نعمتیں حضور ﷺ کے صدقہ میں دی جائیں گی۔ اللہ نے نعمتیں دیں لیکن حضور ﷺ کا احسان کر کے دیں۔ نعمائے حق جہاں بھی ملیں یا ملیں گی حضور ﷺ کی برکت سے ملیں گی۔ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۰۷ (الانبیاء ۲۱: ۱۰۷) ہم نے آپ کو محض رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ایک ملک کے لیے نہیں، علاقے کے لیے نہیں، جہاں اللہ کی رب العالمینی شان ہے وہاں حضور ﷺ کی رحمۃ للعالمینی شان کا ظہور ہے۔ جہاں اللہ کی ربوبیت کی چادر نے عالم کو گھیرا ہے وہاں حضور ﷺ کی رحمت کا ظہور ہو گا۔ حضور ﷺ کا وجودِ پاک اِتنا بلند ہے کہ:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ کے بعد اگر کوئی اُونچی ذات ہو سکتی ہے یا ہے وہ حضور ﷺ کی ذات بابرکت ہے۔ اللہ کے بعد سب سے افضل و اعلیٰ اور اُونچی ذات جس کے بغیر اللہ بھی نہیں مل سکتا۔ آپ ﷺ ''خاتم النبیین'' ہیں۔ پوری کی پوری انسانیت اور جنّات کو قیامت تک اللہ کی طرف سے نعمتیں، عطایا حضور ﷺ کے واسطے سے ملیں گی۔

انبیاء علیہم السلام کا سینہ ہدایت کا گنجینہ ہوتا ہے۔ نبی کا سینہ اللہ کے انوارات کا وہ خزانہ ہوتا ہے جس سے ہر ایک کو ہدایت ملتی ہے۔ ہر انسان ماں کے پیٹ سے ہو کر آیا۔ ماں کے پیٹ میں بچہ کو غذا ملتی ہے ماں کے خون سے۔ آج کل سب کچھ ہوتا ہے، چاند پر چلا نگیں لگاتے ہیں، پہاڑوں کو توڑتے ہیں۔ اگر کوئی عقلمند کسی مشین کے ذریعے بچہ کو کہے کہ ماں گندہ خون پلا رہی ہے، ماں کے خارج میں بہت بڑا عالم ہے تو جس دنیا میں رِہ رہا ہے وہ بہت تنگ ہے۔ نہ سر اُٹھا سکے نہ پاؤں پھیلا سکے تو کیا وہ یقین کرے گا۔ اللہ نے جسم پر خون پینے کا نظام ناف کے ذریعے کیا اور اسی طرح جسم کی پرورش کی۔ ایک گندگی، پھر دوسری گندگی اور پھر تیسری۔ کیسے بنایا۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ (المؤمنون ۲۳:۱۴) گندے قطروں سے گندے خون سے ایسی ذات بنائی جو اشرف المخلوقات ہے۔ بچہ کو اگر ماں کے پیٹ کے اندر یہ اطلاع پہنچائی جائے کہ ہم اور تیری ماں باہر دنیامین مزیدار چیزیں کھاتی ہے اور تجھے گندہ خون کھلاتی ہے۔ بچے کے دل میں آئے کہ سمگلنگ کروں تو وہ بچہ لا سکتا ہے۔ پوری کوشش کرے۔ غذا کے رُخ سے ماں کے واسطے سے ملے گا۔ اماں کا واسطہ ہی وہ واسطہ ہے جس سے غذا دی جاتی ہے اور جسم بنتا ہے۔

روحانی تربیت

اس بات کو خیال کرتے ہوئے دیکھئے کہ جس طرح ماں جسم کے وجود میں آنے کا ظاہری سبب اور ذریعہ ہے یہی بلا تشبیہ نوعیت ہے اس عالم کے اندر جس اُمت کو ہدایت ملتی

ہے، اس کے نبی کے سینہ اور واسطہ سے ملتی ہے۔ سر پھوڑے دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی۔ جسے بھی ہدایت ملے گی، ایمان ملے گا، اللہ کا رابطہ میسر آئے گا۔ اللہ کا تعلق آئے گا تو اپنے نبی کے واسطے سے مستفید ہو گا۔ ماں کے پیٹ میں جس طور پر بچہ ماں کے واسطہ کے بغیر غذا حاصل نہیں کر سکتا، اسی طرح روحانی غذا کا واحد ذریعہ انبیاء علیہم السلام کی ذواتِ عالیہ ہیں۔ انبیاء آتے رہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار کے لگ بھگ آئے۔ اللہ نے ہر زمانے میں نبی کو بھیجا۔ وہ پوری محنت اور کوشش سے دین اپنی اُمت کی طرف منتقل کرتے رہے۔ کوئی نبی ایسا نہیں کہ جو ہدایت نازل ہوئی ہو، اُمت کو پہنچانے میں اُس نے کوتاہی کی ہو۔ تمام انبیاء علیہم السلام کامل ہیں لیکن کسی کا زمانہ غیر محدود قرار نہیں دیا گیا۔

آج آپ عیسائیت کو ملکوں میں پھیلا ہوا پاتے ہو لیکن انجیل میں ہے کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔(متی باب:۱۵، آیت:۲۵) وَرَسُوۡلًا اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۙ(آل عمران ۳: ۴۹) بنی اسرائیل کے علاوہ دوسری عورت نے کہا: مجھے عیسائی بنالے۔ کہا کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔ (متی باب:۱۵، آیت:۲۶) اور فرمایا: پاک چیز کُتّوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو، ایسا نہ ہو کہ وہ اُن کو پاؤں تلے روندیں اور پلٹ کر تم کو پھاڑیں۔(متی باب:۷: آیت:۶) یعنی عیسائیت صرف عیسائیوں کے لیے ہے۔ جو مذہب و دین آیا، اپنے علاقے کے لیے آیا۔ ایک ذات گرامی آئی جسے اللہ نے چُنا جس کے بارے میں آیا یہ مختلف شانیں ہیں اور ختم نبوت کے مختلف جلوے ہیں۔ رحمۃ للعالمینی شان بھی ختم نبوت کا جلوہ ہے۔ ”وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا“۔(سبا۳۴: ۲۸) آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشارتیں سنانے والا اور چوکنا کرنے والا بھیجا گیا ہے۔ آپ کی کتاب ”هُدًى لِلنَّاسِ“ ایک کلمہ کی تفسیر ہے۔ وہ خاتم النبیین ہے۔ یہ وہ اُونچا اور چمکیلا تاج ہے جس سے یہ عالم بھی روشن ہے اور آخرت بھی۔ پہلا معنی تو یہ ہے کہ

حضور ﷺ سے پہلے جو انبیاء آتے تھے اُن کی نبوت زمانے کے لحاظ سے محدود تھی۔ دوسرا آیا وہ زمانہ نبوت ختم لیکن حضور ﷺ کا دائرہ نبوت زمانہ کے لحاظ سے لا محدود ہے۔ آپ کا زمانۂ نبوت ختم نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ ہم حضور ﷺ کے زمانۂ نبوت میں چل رہے ہیں۔ جیسے کتاب ابدی ایسے دین ابدی، ایسے آپ کی رسالت ابدی۔ اگر نبی ابدی نہ ہو تو کتاب اور دین کیسے ابدی قرار دیے جا سکتے ہیں۔ قیامت کا زمانہ، جنت و دوزخ کے دخول کا زمانہ حضور ﷺ کی نبوت کا زمانہ ہے۔ ایک بادشاہ کے ہوتے ہوئے دوسرا بادشاہ نہیں آسکتا۔ اگر بادشاہی کا دعویٰ کرے گا تو گردن اُڑا دی جائے گی۔ اگر کوئی دعویٰ کرے گا تو وہ جھوٹا ہو گا۔ عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: أنه سيكون في أمتي كذّابون ثلاثون كلهم يزعم أنه نبي، و أنا خاتم النبيين لا نبيَّ بعدي۔ (رواہ مسلم ختم نبوت، مفتی شفیعؒ، ص ۲۶۳) میرے بعد تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ ایک معنی یہ ہے کہ دورِ نبوت جاری، ساری اور مستمر ہے۔

شفاعتِ کبریٰ

جو شفاعت لیں گے وہ بھی آپ کے زمانہ میں۔ اُنیس قسم کی شفاعت ہو گی۔ بعض میں انبیاء بھی فائدہ پائیں گے۔ جس وقت حشر ہو گا، لوگ سخت پریشان ہوں گے لیکن حساب کتاب شروع نہیں ہو گا۔ جیسے عدالت لگ گئی ہو اور جج تشریف نہ لائے تو ملزم کتنا پریشان ہوتا ہے۔ تمام لوگ آدم علیہ السلام کے پاس ہوتے ہوئے مختلف انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے کہ حساب کتاب شروع ہو۔ آخر میں حضور ﷺ کے پاس آئیں گے تو حضور ﷺ سجدہ میں گر جائیں گے۔ اللہ کی صفات کے ذریعے سے مانگیں گے جو اُس وقت آپ پر کھلیں گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ سوال کرو، پورا کیا جائے گا۔ شفاعت قبول کی جائے گی، آپ کی پارٹی آپ کے پیچھے ہے اور آپ اُن کا مسئلہ حل نہیں کر

سکتے اور دوسرا آدمی حل کرے تو لیڈر کو فائدہ پہنچا۔ یہ سب دورِ نبوت محمد یہ ہے جیسے کہ صحابہؓ اور بعد کے آنے والے زمانہ میں لوگ حضور ﷺ کی روحانیت سے مستفید ہوئے ہیں۔ عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام آپ کی روحانیت سے مستفید ہوئے۔ عن عرباض بن ساریۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: اِنّی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین و انّ اٰدم لمنجدل فی طینتہ۔ (ختم نبوت، مفتی محمد شفیعؒ، حدیث نمبر:۴۶، ص ۲۸۹) میں اُس وقت خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اگر کوئی مدعی اُٹھے کہ مجھے نبوت ملی ہے تو ہم کہیں گے کہ تیری بات اِتنی بعید از عقل ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ میں خدا ہوں۔ لاہور کے پاگل خانے میں دو پاگل تھے۔ ایک نے کہا کہ میں نبی ہوں، دوسرا جو درخت پر چڑھا ہوا تھا، اُس نے آواز دی کہ میں خدا ہوں اور میں نے تو تجھے نبی بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ تو نیا نبی کوئی نہیں آئے گا۔ اگر حضور ﷺ کے بعد نبوت والوں میں کوئی آئے جسے پہلے نبوت دی گئی تھی تو وہ چھن نہیں جائے گی جیسے عیسیٰ علیہ السلام۔ وہ جب تشریف لائیں گے تو وہ اپنی شریعت نہیں چلائے گا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے مینار سے اُتریں گے۔ امام مہدی نماز پڑھا رہے ہوں گے، آپ پیچھے ہٹنے لگیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ ٹھہرے رہو اور آپ امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ عن جابر رضی اللہ عنہ : قال ''فینزل عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام فیقول امیر ھم تعال صل لنا، فیقوم: لا ، اِنّ بعضکم علی بعض امراء تکرمۃ اللہ لھذہ الامۃ۔ (مسلم کتاب الایمان:۱/۱۳۷) میرے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو اس کے لیے میرے اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا۔ دوسرا معنی ختم نبوت کا یہ ہے کہ جس طور پر کہ زمانہ میں آپ کی نبوت جاری وساری ہے، اس طرح مکان کے لحاظ سے بھی ہے۔ امریکہ ہے یا روس اور یا چین۔ چاہے مریخ اور سورج پر پہنچ جائے، کوئی مکان دائرہ نبوت محمد سے خالی نہیں۔ اس کے لیے نبوت کو وجود بخشا گیا۔ نبوت میں جتنے کمالات تھے۔ وہ آپ ﷺ میں انتہائی کمال کے ساتھ اکٹھے کیے گئے۔ تمام نبیوں کے کمالات واحد ذات حضور ﷺ میں

ہر مکان میں آئیں۔ تیسری معنی میں حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی جس طرح زمان و مکان کے لحاظ سے خاتم النبیین ہیں۔ اسی طرح رُتبے کے لحاظ سے بھی آپ خاتم النبیین ہیں۔ ختم نبوت زمانی، مکانی اور رتبی جب مراتب انتہا تک پہنچ جائے کہ اُوپر صرف الوہیت رہ جائے۔

اخلاقِ محمدی ﷺ

بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

کمالات، محاسن، خوبیاں ممکن میں ممکن ہو سکتی ہیں۔ حضور ﷺ درجات، کمالات، حُسن و جمال، خوبی و محبوبی کے لحاظ سے اس درجہ پر ہیں کہ اس کے بعد انسانیت کے لیے کوئی کمال باقی نہیں رہتا۔ آپ کی کمالات کو کون بیان کرے؟ ایک بزرگ نے کہا کہ ولی را ولی می شناسد، نبی را نبی می شناسد و خاتم الانبیاء را خدا می شناسد۔ آپ کے کمالات کو کماحقہ جاننا میرے بس کی بات نہیں جس کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرمائیں: وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ﴿۴﴾ (القلم ۶۰: ۴) عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کا خلق کیا تھا؟ تو فرمایا: ”کَانَ خلقہ الْقُرْاٰن“ (صحیح مسلم) قرآن کے اندر یقینیات و انوارات پوری توانائی کے ساتھ حضور ﷺ کے سینہ میں اور ایک ایک حکم حضور ﷺ کے عمل سے مجسد بنا ہے۔ اگر حضور ﷺ نہ کہتے کہ قرآن قرآن ہے تو ہم کس طرح جانتے۔ اُس قلب کا کیا کہنا اس کی حقیقت کا کیا کہنا جس پر قرآن اُترا۔ ”لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡیَةِ اللّٰهِ ؕ“۔ (الحشر ۵۹: ۲۱) (اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو دیکھتے کہ خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے)۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰی قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾ (الشعراء ۲۶: ۱۹۴) (اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اُترا ہے (یعنی اُس نے) تمہارے دل پر (القا کیا ہے) تاکہ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو)۔ اس دل کا اندازہ کیجیے جس نے قرآن کو لیا۔ سید القلوب جس کے انوارات سے پورا عالم بقعۂ نور ہے، جس کا سینہ حقیقت میں خدا کی معرفت کا بڑا خزانہ ہے جس نے خدا کو اِتنا پہچانا کہ کسی نے نہیں پہچانا۔ اِتنی خشیت میں

ڈالا کہ کوئی آپ سے بڑھ کر نہیں ہوا۔ چاہنے والے، علم والے، محبوب، فرمانبر دار کہ کوئی بڑھ کر آپ سے زیادہ فرمانبر دار نہیں بنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ہر ادا کو دین بنایا۔ میرے آقا کی اداؤں کا نام قرآن ہے۔ اگر حضور ﷺ کے سمجھانے سے نکل جائیں اور قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرے تو ''یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا'' کا مظہر بنے۔ حضور ﷺ محبط قرآن ہیں۔ اس طرح اکیلے شارح ہیں۔ جس طور پر اللہ نے سینہ میں اُتارا، نکھارا، جمایا پورے عالم میں پھیلایا۔ سب حضور ﷺ کے ذریعے سے ہوا۔ ایک وحی متلو ہے جو لفظ و معنی میں اللہ کا بول ہے اور ایک وحی غیر متلو ہے جو لفظ محمد ﷺ کے ہیں اور معنی ہے خدا کی طرف سے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم ۵۳:۳،۴) (اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ (قرآن) تو حکمِ خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے)۔ جہاں حضور ﷺ کی بات میں حضور ﷺ کے انوارات وہاں اللہ کے علوم کے انوارات۔ تمام دنیا کی خرافات کو اکٹھا کر لو، ایک بول میرے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کا اُن پر بھاری ہو گا، اتنا اُونچا تعریف کیے ہوئے کہ جس کا نام بھی محمد ﷺ۔ عطار نے کہا:

حمد بے حد مر خدائے پاک را
آنکہ ایمان داد مشتِ خاک را

(اللہ تعالیٰ لا انتہا حمد کے لائق ہیں جس نے مٹھی بھر خاک کو ایمان کی دولت سے نوازا۔)

تو اقبال نے کہا:

حمد بے حد مر رسول پاک را

درود شریف

محمد ﷺ اللہ کے بعد صحیح معنی میں تعریف کا زیبا اور وہ حضور ﷺ سب سے

زیادہ تعریف کرنے والے اللہ کی، ''احمد'' ﷺ ۔کوئی مقام تھا کہ خدا خود لازم کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (الاحزاب۳۳:۵۵)(خدا اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو)۔بیشک اللہ اور آپ کے فرشتے، کتنے فرشتے، ہم تو سوچتے نہیں، کتنے ہمارے ساتھ، قطرہ قطرہ کے ساتھ فرشتے سب کے سب درود بھیجتے ہیں۔ میں خود درود بھیجتا ہوں۔ رحمتیں بھیجتے ہیں۔ جب یہ بات ہے کہ جس کام کو ہم نے اپنے اُوپر لازم کیا ہے تو اے انسانو! تم تو احسانوں میں دبے ہوئے ہو، آخر کہاں تک احسان فراموشی کرو گے، کچھ تو درود و سلام بھیجو۔ کچھ تو رابطہ قائم کرو، احسان کا بدلہ چکانے سے اللہ درجات بلند کرے گا۔ ایکدفعہ درود بھیجو تو اللہ دَس رحمتیں، دَس درجات اور دَس گناہ معاف کرے گا۔ اگر کوئی سو دفعہ درود بھیجے تو ہزار رحمتیں، ہزار گناہ معاف کیے جائیں اور ہزار درجات بلند ہوں گے۔ آپ کی نسبت لینا محبت کا ذریعہ، حق کی ادائیگی کا ذریعہ ہے۔ آپ ﷺ ایک تحفہ ہیں جو اللہ نے دیا۔

میرے آقا ﷺ کے احسانات کا کون شکریہ ادا کر سکتا ہے اور آپ ﷺ کی صفات کو کون بیان کر سکتا ہے۔ جس طور پر اللہ نے آپ کو خاتم النبیین بنایا، دین بھی خاتم الادیان ہے جس کے بعد دوسرا دین نہیں آئے گا۔ آپ کی کتاب ''خاتم الکتب'' کوئی دوسری کتاب و ہدایات آسمان سے نہیں آئے گی۔ جس وقت قرآن اُتار رہے تھے تو اللہ کو دَس ہزار سال کے بعد جو نسلیں پیدا ہوں گی وہ علم میں تھا تو کیا وہ قرآن خاص طبقہ کے مفادات کے لیے نازل کر رہا تھا۔ اس کی نگاہ میں آگے پیچھے، چھوٹے بڑے سب حاضر تھے۔ تمام جہاں کی اسمبلیاں اور عقلمند اکٹھے ہو جائیں تو اگر وہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف بنائیں تو وہ جہل ہو گا۔ وہ یہاں پٹوائیں گے اور آخرت میں ہر رُخ سے پٹائی ہو گی۔ جو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کے دامن کو پکڑتا ہے، یہ وہ دامن ہے جو حضور ﷺ کے ذریعے سے پھیلا۔ جو قرآن کو

چھوڑتا ہے وہ ”رحمۃ للعالمین“ کی چادر کو جھٹک دیتا ہے۔ کوئی بات طے نہیں ہو سکتی۔ کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ جب تک حضور ﷺ کو پکڑا نہیں۔ جس نے آپ کے دامن کو پکڑا وہ ضرور کامیاب ہو گا۔ نہ مل والا، نہ مزدور، نہ جاہل، نہ عالم سب کے ذہنوں کو ختم کیا۔ ایمان کا مطلب کیا کہ ہم نے اپنے ذہنوں کو، مفادات کو حضور ﷺ کی ذات پر قربان کیا۔ میری بات چلے حضور ﷺ کی بات نہ چلے۔ یہ ایمان والا نہیں۔ ایمان تو یہ ہے کہ فاقے ہو لیکن میرے نام پر قربان ہو۔ دل و ذہن کو محمد ﷺ کے قربان گاہ پر قربان کرو۔

یہ شہادت گہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

مسلمانی کے دروازے کے اندر کیا کہتے ہیں ”لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ“۔ تیری خدائی کے سوا کسی کی خدائی، حکم کے سوا کسی کا حکم، حضور ﷺ کے طریقے کے سوا کسی کا طریقہ نہیں مانیں گے۔ اے محمد ﷺ! تیرے دامن کو پکڑا، تمام آستانوں پر لات مار دی۔ جس نے محمد ﷺ کا دامن پکڑا:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

(مجھ پر یورپ کی دانش کا جادو نہ چل سکا کیونکہ مجھے مدینہ والے اور نجف والے کا تعلق حاصل تھا۔)

جس کی آنکھ میں مدینہ کی خاک ہو، وہ یورپ و امریکہ کے سُرموں پر خاک ڈالے۔ اللہ نے محمد ﷺ کے ذریعے سے وہ عدل والا نظام دیا جس میں بڑے چھوٹے، اعلیٰ و ادنیٰ، حاکم و محکوم کا تحفظ کر دیا۔ وہی دین ہے اگر وہ آ گیا تو سب آپس میں جُڑ جائیں گے۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

(انبیاء علیہم السلام اور اُن کے نائبین کا کام اللہ تعالیٰ اور مخلوق کا جوڑ پیدا کرنا ہے نہ کہ جدائی۔)

دین سے جوڑ پیدا ہو گا، دین جائے گا تو توڑ ہو گا۔ ہر ایک دوسرے کے سر کو توڑے گا اور اپنا گھر بنائے گا لیکن کسی کا نہیں بنے گا۔ جب نبی اور اللہ سے نگاہ اُٹھتی ہے تو پھر کچھ بن نہیں پاتا۔ اللہ اور رسول کو لے لو، یہاں بھی چمک جاؤ گے اور وہاں بھی۔ صحابہؓ ایسے تھے کہ اُونٹ چرانا نہیں آتا تھا۔ محمد ﷺ کے قدموں میں آئے تو اللہ نے عرب و عجم کو پاؤں میں ڈال دیا۔

در فشانی نے تیرے قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
وہ کیا نگاہیں تھیں جو مُردوں کو مسیحا کر دیا

اُس دامن کو پکڑو جس میں یہاں کی بھی نجات ہے اور وہاں کی بھی۔ اگر کوئی دعوت دیتا ہے کہ مشرق و مغرب میں کامیاب ہو تو حضور ﷺ سے کوئی بڑھ کر غمخوار نہیں ملے گا۔ اُمت کے چوروں تک کے لیے روئے۔ ”شفیع المذنبین“۔ صدقے تیرے ”الطالح لی“۔

نیکوکاروں کو ہر ایک پسند کرتا ہے، بات تو تب ہے کہ بدکاروں کو کوئی چمکا لے۔ کبیرہ گناہ کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ گنہگاروں میں سے ایک دو کا ہاتھ کاٹا جائے تاکہ لاکھوں کے جیب نہ کٹیں۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں لاکھوں کا سامان پڑا ہوا ہوتا ہے اور دوکان خالی ہوتی ہے کوئی موجود نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ حفاظت کے لیے ایک چادر ڈال دیتے ہیں۔ سونے کی دکانیں ہوتی ہیں لیکن چوری نہیں۔ کیوں؟ ایک کا ہاتھ کاٹا تو سب جگہ

امن ہوا۔ ہم نے کسی کا ہاتھ کٹا نہیں دیکھا۔ کسی کا کٹا ہو گا۔ جب ایک کا کٹا تو دوسروں کے لیے سامان عبرت ہوا۔ اب تو یہاں چور جیل خانہ سے نکل آئے تو مونچھوں کو تاؤ دیتا ہے۔ ایک حد کے قائم ہونے سے دنیا میں عدل قائم ہو جاتا ہے۔

احکام اور انسانی فطرت

حضور ﷺ کا ہر حکم عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ انسانیت کے لیے رحمت بن کر آیا، ہدایت آئی، دین انسان کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی تقاضوں کا حل ہے۔ ہمارا دین کامل ہے اس کی ضرورت نہیں کہ مذہب حضور ﷺ سے، سیاست امریکہ سے اور معاش روس سے لیا جائے۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ (الانعام ٦:٨٠) (میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اُسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں)۔ نظام کے لحاظ سے جو بھی نظام ہو، ہر ایک سے کٹ کٹا کر چھٹ چھٹا کر حضور کے پیچھے چلنا ہے۔ کیا ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ نے دین ایک جگہ سے لیا تھا اور معاش دوسری جگہ سے۔ اُن کا راستہ وہی تھا جو حضور ﷺ نے بتایا تھا۔ اگر اس وقت بڑے بڑے لاؤڈ سپیکر لگا دیے جائیں، ایک میں روس کا بڑا، دوسرے میں چین کا، تیسرے میں امریکہ کا، چوتھے میں برطانیہ کا اور ہر ایک پکارے کہ مسلمانوں آؤ تمہاری نجات اِدھر ہے۔ پیچھے سے حضور ﷺ بغیر لاؤڈ سپیکر کے کہے کہ اُمتیوں اِدھر آؤ۔ سینہ پر ہاتھ رکھو، کدھر جاؤ گے، جان قربان کرو گے۔ اگر حضور ﷺ کے قول ہمارے کانوں میں آ گئے۔ مسلمان کتنا بُرا ہو، بدکار ہو، محمد ﷺ کا نام آتا ہے تو جان قربان کرتا ہے۔

حضور ﷺ کی بات نہ کہی جاتی ہے نہ سمجھائی جاتی ہے۔ دین وہی ہے جو حضور ﷺ نے ہمیں دیا۔ نجات اس میں ہے جو حضور ﷺ نے بتایا۔ دین یہ نہیں کہ زید

ایک بات کہے اور عمرو دوسری بات کہے۔ جھگڑوں سے حاصل کیا۔ دین وہی ہے جو صحابہؓ نے کیا اور کر کے بتا دیا۔ یہاں بھی کامیاب اور آخرت میں بھی کامیاب۔ بات سے بات پیدا ہوتی ہے۔ بحث سے بحث پیدا ہوتی ہے۔ انسان اکیلا ہو تو دماغ میں کتنے چھچھوندر اور چوہے اکٹھے ہوتے ہیں۔ آپ کی طرح بعض لوگ بارہ گھنٹے کام کرتے ہیں۔ اُسے کون سی فرصت ہو گی اور کسی چیز کو سوچنے کا وقت کب ملے گا۔

دین کی محنت

میرے عزیزو! اللہ کے دین کی محنت کرو اور دین کا شغل رکھو۔ اللہ کے دین کے لیے دل و دماغ کو فارغ کرو اور حضور ﷺ کے طریقوں کو اپناؤ اور اللہ کے علاوہ چیزوں سے فارغ ہو کر محمد ﷺ کے طریقہ پر چلو گے تو خود دین کے کمالات ظاہر ہوں گے۔ کھانا کھاؤں نہیں اور دو گھنٹے تقریر کروں کہ مزیدار مزیدار تو اس سے پیٹ بھرے گا، طاقت آئے گی؟ آج ہم دین کے طریقوں کو اپناتے نہیں۔ واہ واہ کرتے ہیں، عمل نہیں کرتے۔ اللہ ہم کو توفیق دے کہ اس مبارک رات میں طے کر لیں کہ زیادہ نہیں مرتے دم تک اس دین پر قائم رہیں گے۔ مرنے کا وقت معلوم ہے؟ چھوٹی سی زندگی کا وعدہ کر لو، خدا سے عہد باندھ لو کہ وہ پیارا طریقہ جس میں حضور ﷺ کے انوارات اور دنیا و آخرت کی کامیابی ہے، اس کو اختیار کریں گے۔ حضور ﷺ کو اللہ کی طرف سے جو دین ملا، آپ چاہتے تھے کہ اس کا عکس تم پر پڑے۔ ایک باپ گھر میں مزیدار کھانا لاتے ہیں، دس بچے ہیں اور باپ شفیق ہیں تو کیا کونے میں بیٹھ کر چھپ کر کھائے گا یا بچوں کو کھلائے گا تو حضور ﷺ تو ہم پر باپ سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔

من بہ تو مشفق ترم از صد پدر

جو ہدایت کے الوان لائے۔ کیا چاہتے تھے کہ ساتھ لے جائیں۔

سلاطین ہیں غلامانِ محمدؐ
غلامانِ محمدؐ ہیں سلاطین

میرے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ جو ہدایت والی نعمتیں لے کر آئے، کیا پسند کرتے تھے کہ میں اکیلے جنت میں جاؤں۔ خود ارشاد فرمایا: **واللہ المعطی و أنا القاسم**[84]۔ (بخاری، حدیث نمبر:۳۱۱۶) قیامت تک زمانہ کے لیے جو انوارات اللہ نے دی ہیں اس کو تقسیم کے لیے کہا گیا۔ بڑی نعمت کیا ہے وہ ایمان ہے۔ ایمان کی ایک رَتی بھی نجات کا ذریعہ ہے۔ اگر کوئی بادشاہ بادشاہی دے دے اور کہے کہ ایمان دے دے تو کیا دو گے؟ سب سے بڑی دولت نبی کے ذریعے سے جو ملتی ہے وہ ایمان ہے اور وہ اعمال جس کے ذریعے سے جنت اور اللہ کی رضا ملتی ہے۔ ایمان ہو تو موت راحت ہی راحت ہے۔

بلا سے تکلیف نزع میں ہے سکون خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

قبر میں پہلے شبیہ پاک دکھائی جائے گی اس کے لیے تو مر ہی جائیں کہ حضور ﷺ کو دیکھیں گے۔ پہلا سوال ہو گا "مَنْ رَّبُّكَ" کہ تیرا رب کون ہے، دوسرا سوال "مَا دِيْنُكَ" تیرا دین کونسا؟ پھر شبیہ مبارک پیش کی جائے گی کہ اس کے بارے میں کیا رائے۔ اگر ایمان و دین ہو تو مرنا بھی پیارا۔ صحابہؓ کو تیر لگتا تھا تو فرماتے "فزتُ بربِ الكعبة" رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ جوان شادی کے دن کتنا خوش ہوتا ہے کہ دُلہن ملے گی۔

تو حضور ﷺ نے ایمان تقسیم کیا اور اعمال تقسیم کیے اور یہ حقیقت میں اللہ کی رضا اور جنت کی تقسیم ہے۔ خوش قسمت ہے وہ جس کا حال و قال حضور ﷺ والا ہو۔

ہے وہ شیدا جمالِ مصطفیؐ

---

[84]۔ عن البراء بن عازب رضی الله عنه عن رسول اللهﷺ: (فیاتیه ملکان شدید ان فینتهرانه و یجلسانه فیقولان له: من ربّكَ؟ ما دینك؟ من نبیّك وهی اٰخر فتنة تعرض علی المؤمن۔۔۔۔ ربی الله، فیقولان له: ما دینك؟ فیقول: دینی الاسلام، فیقولان: ما هذا الرجل الذی بعث فیکم : فیقول: هو رسول الله۔ فیقولان له: ما یدریك: فیقول: قرأت کتاب الله فاٰمنت و صدقت فذلك قوله۔ (یثبت الله الذین الخ) (مشکوٰۃ، حدیث نمبر:۱۳۱)

حال حالِ مصطفیؐ ہو قال قالِ مصطفیؐ

صرف زبانی کہنے سے کہ میں عاشق رسول ہوں بات نہیں بنتی جب تک ظاہر و باطن حضور ﷺ کے طریقے پر نہ آجائے۔)

آپ ﷺ نے چاہا کہ اگر تم میرے والے ہو تو جو کام میں کرتا ہوں وہ تم کرو۔ میراث پدر خواہی ہنر پدر آموز (اگر باپ دادا کی میراث چاہتے ہو تو ان کا ہنر سیکھو)۔ اگر حضور ﷺ کی میراث چاہتے ہو تو آپ کے طریقے پر چلو۔ وہ خود اللہ والے تھے اور دوسروں کو اللہ والا بناتے۔ فرمایا: اللہ کو وہی زیادہ پیارا جو اوروں کو اللہ کا محبوب بنالے۔ ایک کام ہم کو دے گئے۔ اگر حضور ﷺ کی جوتیاں سر پر رکھو گے تو حضور ﷺ کی جوتیوں میں جگہ ملے۔ ڈرائیور کو بھی آقا کی طرح ملتی ہے۔ فرمایا: ”من احی سنتی“[85] جس نے میرے طریقے کو زندہ کیا گویا اُس نے مجھے زندہ کیا اور جو مجھے زندہ کرے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔

میرے دوستو! ہم میں کون نہیں چاہتا کہ حضور ﷺ کے جوتوں میں جگہ ملے۔ چاہتا تو ہر ایک ہے لیکن اس کے لیے چاہ کی ضرورت ہے۔ دل لگے گا، پھر جسم چلے گا، دل جدھر اٹک جائے تو صورتیں ملاقات کی تلاش کرتا ہے۔ جب اللہ اور رسول کے ساتھ دل لگ جائے تو چاہتے ہیں کہ دین مجھ میں بھی آجائے اور پوری دنیا میں آجائے۔ آپ سب جانتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی ترقی دین سے ہو گی تو یہ دین کافر اور سکھ پھیلائیں گے۔ یہ تو ہم مسلمان پھیلائیں گے۔ ہر ایک کے دل میں لگن ہے لیکن اس کے لیے محنت کرنی پڑے گی اور اس کے لیے کچھ وقت لگانا ہو گا، محنت سے صحراؤں کو دریا اور دریاؤں کو صحرا بنایا جا سکتا ہے۔ اگر اسی

---

[85] ۔ من احيا سنتى فقداحيانى و من احيانى كان معى فى الجنة عن ان بن مالك رضى الله عنه ۔ (رواہ الترمذی، حدیث نمبر:۲۸۷۳)

طرح محنت کرو گے تو یہ دل کے اُجڑے بستان روشن ہوں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ دلوں کی کھیتیاں اُجڑ گئیں اس کو اعمال کا پانی دو۔ دل کے خانے اندھیرے ہو گئے۔ اس کو روشن کرو کہ خدا راضی ہو جائے اور رسول راضی ہو جائے۔ نفس کی رضامندی نہیں یہ تو جو کھاتے ہو، چھ گھنٹے کے بعد کیا حال ہو گا، دین کی محنت کے لیے چار چھ مہینے لگا دو تو پتہ لگ جائے۔

قطرہ قطرہ آب بر آتش بزن
تا شود نارِ تو نور اے بوالحزن

(نیکی کا قطرہ قطرہ بُرائی کے آگ پر چھینکتا رہ، تو تمہاری بُرائی کی آگ نیکی کے نور میں بدل جائے گی۔)

اعمالِ دین میں مستورات کا حصّہ

صنوبر کالونی تربیلہ ڈیم "مستورات کو بیان" (27 اپریل 1972ء)

خطبہ ماثورہ کے بعد۔

اللہ سے مانگنا

میری بہنو! اللہ نے نبی انور حضرت محمد ﷺ کو جیسے مردوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی۔ نبی اور رسول اُسے کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے انسانوں کے لیے ہدایت، بھلائی اور نیکی کے احکام لے آئے۔ جو بھی اس پر چلے وہ کامیاب، جو نہ مانے وہ یہاں بھی ناکام اور موت کے بعد بھی ناکام۔ یوں کہتے ہیں: نبی کا پیغام مرد، عورت ہر انسان کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ اگر اس کے پیغام کو چھوڑ دیں۔ دنیا میں بھی ناکامی اور آخرت میں بھی خسران۔ حضور ﷺ تشریف لائے، اللہ نے زیادہ انعامات اور دین کا زیادہ حصہ عطا فرمایا اس لیے عطا کیا گیا زیادہ حصہ کہ اعلانِ نبوت سے قیامت تک جتنے لوگ آئیں، حضور ﷺ کی بات کو مان کر چلیں۔ حضور ﷺ کے طریقے کو اختیار کریں تو کامیاب۔ نہیں اپنائیں گے تو ناکام۔ حضور ﷺ نے اُمت کو جو سب سے پہلی بات ارشاد فرمائی: "یَآ اَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا" اللہ کی وحدانیت کا یقین کر لو اور یہ مان لو کہ اللہ سب کچھ کرتے ہیں۔ جیسے اللہ چیزوں کے بنانے میں اکیلے، اسی طرح ہر چیز کو سنبھالنے، ضرورتوں کو پورا کرنے اور حاجتوں کو پورا کرنے میں ویسے ہی اکیلے ہیں۔ اسی سے سب کچھ ہوتا ہے۔ اس کے سوا جتنی بھی مخلوق ہے، اس کی پیدا کردہ ہے۔ وہ جو چاہے وہی ہو گا یعنی خدا کو رازق، خالق، مالک مان لینا، ضرورت میں اس کی طرف رجوع کرنا، جھکنا اور مانگنا چاہیے۔

احکام پر چلنا

ہر چیز کے خزانے اللہ کے پاس ہیں۔ سب چیزیں اس کی پیدا کردہ ہیں اور اس کے خزانوں سے آتی ہیں۔ جو کچھ بھی ہے اللہ سب کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا تمام مخلوق اللہ کی پیدا کردہ اور محتاج ہے۔ اللہ کے ماننے کے ساتھ پورے حکموں پر چلنا سب سے پہلی بات ہے۔ جو کچھ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، اُس پر عمل کرنا لازم ہے۔ جب انسان خدا کو مان لیتا ہے تو ہر چیز اس کو ملتی ہے۔ جیسے بڑا گھر میں ہوتا ہے اور وہ ضروریات پوری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہزاروں شوہروں، باپوں، بیٹوں سے انسان پر زیادہ شفیق ہیں۔ وہ بچپن میں ہماری ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اپنی حاجتوں کو اللہ سے مانگے۔ وہ حاجتوں کا پورا کرنے والا ہے۔ انسان ایک اللہ کا طالب اور چاہنے والا ہو۔ جو خدا کا ہو جاتا ہے تو اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ چاہے مرد ہو یا عورت۔ جو اس کے در پر آئے گا، محروم نہیں ہو گا۔ اللہ کا یقین حضور ﷺ کی پہلی دعوت، دوسرا جزو محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے بڑے پیارے نبی محمد ﷺ ہیں۔ ماننے کا مطلب یہ کہ آپ جو احکام اور دین لے کر آئے، سب کا سب ہمارے خیر بھلائی اور نجات کا ذریعہ ہے۔ آپ نے یہ دعوت مکہ مکرمہ میں چلائی۔ سب سے پہلے جس نے دعوت کی تصدیق کی وہ ایک عورت تھی۔ غارِ حرا میں حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ آپ ﷺ گھر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے بیوی خدیجہؓ سے بات کی کہ اللہ کا فرشتہ آیا۔ واقعات سنائے تو سب سے پہلے اللہ کے بولوں کو سننے والی ایک عورت تھی خدیجہؓ۔ یہ اِتنی بڑی فضیلت ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں حضرت خدیجہؓ ہیں۔ یہ فخر ان کو نصیب ہوا۔ وہ صرف ایمان نہیں لائی بلکہ جب وحی آئی اور آپ ﷺ پر اِتنی بڑی ذمہ داری ڈالی گئی، واحد ایک انسان کو تمام انسانوں کی ذمہ داری دی گئی۔ گھبرایا اور وحی کی عظمت سے کانپ رہے تھے اور کہا: اے خدیجہؓ! مجھے کمبل اڑھا دو۔ سب سے پہلی مدد خدیجہؓ نے کی۔ آپ ﷺ کو تسلی دی اور کہا کہ آپ ﷺ اپنے اُوپر ہلاکت کا خوف نہ کھائیں۔ آپ بے چاروں کی چارہ گری

کرتے ہیں، یتیموں کے مولیٰ ہیں، بے والی وارث کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ اگلی بات جو تھی، اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئی۔ وہ عالم تھے جانتے تھے کہ وہ فرشتہ آپ پر آیا ہے جو انبیاء علیہم السلام کو اللہ کا پیغام لانے پر مقرر ہے اور آرزو کی کہ کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا کہ آپ کی مدد کرتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔

عورتوں کی قربانیاں

یہ نہیں کہ عورتیں دنیا میں شوہر کی مدد نہیں کر سکتیں۔ عورتیں پہلی صف میں ہیں باشوہر ہونے کی حیثیت سے حضرت خدیجہؓ ایسی بیوی ہے جسے اللہ نے کافی مال دے رکھا تھا۔ اَسّی ہزار درہم کے ساتھ اسلام میں آئی۔ اسلام کے تقاضوں پر نہ صرف اپنی ذات پر خرچ کیا، ایمان لائی، مشقتوں کو برداشت کیا۔ مردوں میں حضرت ابو بکرؓ جو دولت لے کر آئے تھے، سب کچھ قربان کیا۔ ایک پھٹا کمبل رہ گیا۔ اسی طرح حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں حضور ﷺ پر سب کچھ قربان کر چکی تھی۔ آخر میں دین کے راستوں میں قربانی کی وجہ سے کچھ نہ رہا۔ جس وقت نبی پاک ﷺ کو کافروں کی طرف سے اذیتیں پہنچیں، آپ کو ایک گھاٹی میں بند کیا گیا، وہاں حضرت خدیجہؓ اور دوسری عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ یہاں تک تکلیف دی گئی کہ بنی ہاشم کے بچے روتے تھے اور اُن کو دودھ نہیں مل رہا تھا۔ سب کچھ برداشت کیا۔ جیسے آپ سب سے پہلے ایمان لانے والی عورت ہے، اسی طرح سب سے پہلے مال خرچ کرنے والی ہے کہ جب شروع اسلام میں لوگ مسلمان ہوتے تھے، ان کو تکلیف دی جاتی، پانی میں ڈبکیاں اور نیزوں سے کچوکے دیتے تھے۔ یہ تکلیف جہاں مرد برداشت کرتے تھے وہاں عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ حضرت عمارؓ اس کے والد یاسرؓ اور والدہ سمیہؓ کو ہر طرح کی ایذائیں دی گئیں۔ آگ پر لٹایا جاتا، تپتی ہوئی دھوپ میں رکھا جاتا، ایک دفعہ ابو جہل نے آگ جلائی اور حضرت عمارؓ کو انگاروں پر ڈال دیا گیا۔ پھر پانی میں ڈبکیاں دیں۔ ابو جہل نے کہا کہ بتوں کی اچھائی کہے۔ بہت

تکالیف پہنچائیں لیکن وہ اللہ کے ذکر کے سوا اور کچھ نہیں کہتے ۔ حضور ﷺ ان کو مصیبت میں دیکھتے تو دُعا فرماتے اور صبر کی تلقین کرتے۔ ایک دفعہ حضرت سمیہؓ جب اس آگ کی تپش سے نکلی تو کہا کہ ہلاکت ہو تیرے لیے اور تیرے خداؤں کے لیے ۔ میں وہ نہیں کہ محمد ﷺ کے بارے میں کچھ کہوں۔ جب غم و الم سے نڈھال اور بوڑھی عورت نے یہ بات کہی تو ابو جہل نے غصہ میں آکر آپؓ کو برچھی مار کر آپ کو شہید کیا اور وہ اسلام میں سب سے پہلی شہیدہ ہیں۔ اسی طرح اسلام میں پہلے ایمان لانے والی عورت، پہلے مال خرچ کرنے والی عورت اور پہلے شہادت پانے والی عورت۔

علم دین

اسی طرح دین کے علم کے لحاظ سے عورتیں علم حاصل کرنے میں پیش پیش تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے آدھا حصہ علم اُمت کو پہنچایا۔ عورتیں دین کے حاصل کرنے میں ، پھیلانے میں پیچھے رہنے والی نہیں تھیں۔ امام حسنؓ اور حسینؓ نے جس طور پر قربانیاں دیں، وہ حضرت فاطمہؓ کے تربیت یافتہ تھے کہ جس کی گود سے اللہ تعالیٰ نے ایسے لعل پیدا کیے جن کی قربانیوں کو دیکھ کر آج بھی دنیا ششدر رہے۔ ایک فاطمہؓ یا صرف ایک عائشہؓ یا سمیہؓ صرف اس رُخ پر نہیں تھیں بلکہ صحابیات میں سے کسی کو لے لو تو ہر ایک دین پر اپنے کو قربان کرنے میں پیش پیش تھیں۔ ایک مرتبہ نبی انور ﷺ کے ایک بچے کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہؓ کی آنکھوں سے آنسو نکلے۔ کہا کیوں روتے ہو؟ جبریل علیہ السلام کو اللہ نے بھیجا ہے، تم پر سلام کہتے ہیں اور بیٹا جنت میں ہے۔ یہ سن کر اللہ کے شکر کے انداز سے رو پڑی کہ میرا نام اللہ نے لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو اس کو جنت میں دیکھ سکتے ہو۔ کہا کہ آپ کا بول آنکھوں کے دیکھنے سے زیادہ قیمتی ہے۔ ضرورت نہیں کہ میں آنکھوں سے دیکھوں۔ میں ایمان لاؤں سوال پیدا نہیں ہوتا کہ ایسا سوال کروں۔

جہاد اور عورت

صحابیاتؓ رات کو جاگنے والیاں، نمازیں پڑھنے والیاں، جنگوں میں اگر پیچھے ہٹنے کا خطرہ پڑا ہے تو خیموں کے چوبیں نکال کر صحابہؓ کے پیچھے لگی ہوئی ہیں، بیٹوں اور رشتہ داروں کو نصیحت کہ اگر جہاد میں منہ پھیر لیا تو ہم سے منہ نہ لگاؤ گے۔ ہر جگہ ہر مقام پر خود دین پر چلنے والی تھیں۔ دین کی مددگار تھیں، خود چلتی تھیں اور بچوں کو چلاتی تھیں۔ بہن بھائیوں کے لیے، ماں بچوں کے لیے اور بیوی خاوندوں کے لیے سہارا بنتی تھیں۔ حضرت عمرؓ اسلام کے دوسرے خلیفہ بہت بڑے آدمی ہیں۔ حضرت عمرؓ کی تمام قربانیاں آپ کی بہن حضرت فاطمہؓ کے حصہ میں جاتی ہیں۔ حضرت فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی بہن ہے۔ آپ سے پہلے ایمان لا چکی تھی۔ یہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا ذریعہ بنی۔ شروع اسلام میں مرد و عورت اور بچے سب دین کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ بڑے جلال والے تھے۔ کفار نے فیصلہ کیا کہ حضور ﷺ کو شہید کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے تلوار اُٹھائی، راستہ میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ کہا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ جواب دیا کہ حضور ﷺ کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں۔ اُس نے جواب دیا۔ پہلے اپنے گھر کی خبر لو کہ تمہارا بہنوئی اور بہن پہلے اسلام لا چکے ہیں۔ بہن حضرت خبابؓ سے قرآن کا سبق لے رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کی آہٹ سنی، قرآن کے پاروں کو چھپا دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: کیا چھپا رہی ہو؟ میں سن چکا ہوں کہ تم بے دین ہو چکے ہو، مارنا شروع کیا، بہن زخمی ہو گئی۔ آخر میں ارشاد فرمایا کہ اے عمر! ہم مسلمان ہو چکے اور محمد ﷺ کے فرمانبردار بن چکے۔ اب جو کچھ تجھ سے ہو سکتا ہے کر لے۔ جسم سے خون آنکھوں سے آنسو جاری لیکن کیا دین چھوڑیں گے۔ حضرت عمرؓ پر اس منظر کو دیکھ کر اثر ہوا اور کہا کہ جو کچھ تم پڑھ رہے تھے وہ لے آؤ۔ اس پر بہن قرآن کے وہ صفحات لے آئیں اور کہا کہ تو ناپاک ہے۔ پہلے غسل کر لو۔ اللہ نے اس قربانی کی بنا پر آپ پر ہدایت کا نزول فرمایا۔ آپؓ نے غسل کر کے سورۃ طٰہٰ کی آیتوں کو پڑھنا شروع کیا۔ طٰهٰ ۝١ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝٢ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ

یَّخْشٰی ﴿٣﴾ (طٰہٰ ٢٠:١۔٣) کچھ آیتیں پڑھیں۔ اللہ نے دین کا دروازہ کھول دیا۔ پکار اُٹھے ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ''۔ اتنے بڑے بڑوں کے ایمان کا ذریعہ عورتیں بنی ہیں۔ اگر آج بھی عورتیں قربانی دیں گی، علم میں پیچھے نہ ہٹیں، ان تمام باتوں سے پرہیز کریں جو دوزخ تک پہنچانے والی ہیں تو بہت انقلاب آسکتا ہے۔ دنیا چند دن کی ہے اور آخرت ایک ابدی حقیقت ہے۔ اگر ہمارا ایمان اچھا ہو گیا، موت کے بعد اللہ جنت دے گا جس کا کم از کم رقبہ پوری دنیا سے دَس گنا ہے۔ ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی۔ حُسن اِتنا کہ جنت کی حوریں بھی پانی نہیں بھریں گی۔ ایسے کپڑے و دولت کہ یہاں ہم اس کا گمان بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ ہم کو توفیق دے کہ ان چیزوں کو سامنے رکھ کر کوشش کریں کہ اللہ راضی ہو جائے۔ دین کی موٹی موٹی باتوں کو سیکھیں، نماز کو ترک نہ کریں، اللہ کا ذکر، درود شریف، استغفار کا وِرد کرتے رہیں۔ آج ہمیں اس کی قیمت معلوم نہیں۔ مرنے کے بعد معلوم ہو گی۔ فضائل کی تعلیم کا اہتمام کریں، کسی کو حقیر نہ جانیں، غیبت نہ کریں، جھوٹ نہ بولیں، ایک عورت کا رشتہ بھائی، باپ، بیٹے اور خاوند کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان چاروں کو دین پر اُبھار سکتی ہیں۔ خود نہیں نکل سکتی تو اگر مردوں کو دین کے لیے نکلنے کی ترغیب دیں تو ثواب ان عورتوں کو بھی ملتا رہے گا۔ اللہ کے دین کا پھیلانا اللہ کو اِتنا عزیز ہے کہ ایک صبح و شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ ایک روپیہ کا خرچ کرنا سات لاکھ روپیہ سے زیادہ بہتر۔ اگر خاوند، بیٹا اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، آپ نے آمادہ کیا تو ''الدّال علی الخیر کفاعله''۔ (مسلم بحوالہ کنوز الحقائق، والترمذی عن انس بن مالک البزار عن ابن مسعود الطبرانی بحوالہ الجامع الصغیر للسیوطی) (نیکی پر ڈالنے والا اس کے کرنے والا جیسے ہے)۔ عورت کے کہنے پر مرد نیکی کرے گا۔ تو ثواب دونوں کو ملے گا۔ یہ بات طے کر لیں کہ آج سے موت تک زندگی حضور ﷺ کے طریقے پر لگائیں گے۔ جنت میں جا کر رہیں گے، جنت کا راستہ نیکی کا اختیار کرنا اور ہر بُرائی سے اپنے کو بچانا ہے۔ اپنے بھائی اور شوہر وغیرہ کو دین پر اُبھاریں گے تو اللہ اپنے فضل سے جنت نصیب فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت کا تقاضا

کیارہ کیمپ (12 ربیع الاوّل 27 اپریل 1972ء بعد از نمازِ عشاء)

دُعائے ماثورہ کے بعد۔

اللہ تعالیٰ کی محبت

میرے عزیزو! نبی انور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ کے سب سے بڑے رسول اور آخری نبی ہیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات گرامی کو اللہ نے اس دنیا میں بھیجا اس لیے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذریعے سے اپنے دین کو کامل کر دے اور اپنی نعمتوں کو انسانوں کے اُوپر مکمل کر دے۔ اللہ کے ہاں جتنی بھی چیزیں ہیں، اللہ نے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے واسطے عطا فرمادیں۔ گویا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اس دنیا میں آنا اللہ کا انسانوں پر بڑا انعام اور عطا ہے۔ اس سے بڑھ کر کچھ نہیں دیا جا سکتا۔ آپ جانتے ہیں کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ کے سب سے بڑے محبوب ہیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نرے محبوب نہیں بلکہ اللہ نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات کو ایسا بنایا کہ جو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے طریقہ پر آئے گا وہ بھی اللہ کا محبوب بن جائے گا۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ (آل عمران ۳:۳۱)

اور ہر مسلمان کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے۔ کسی نہ کسی درجہ میں محبت ضرور ہوتی ہے۔ یہ ایمان کا نتیجہ ہے۔ جہاں ایمان آئے گا وہاں اللہ کی محبت آئے گی۔ مسلمان اللہ کا سب سے زیادہ محب ہوتا ہے۔ ”وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ“۔ (البقرة ۲:۱۶۵) اللہ سے زیادہ کسی اور سے محبت نہ ہو۔ خدا کے مقابلے میں سب کو چھوڑ دیں گے لیکن خدا کو نہیں چھوڑیں گے۔ اللہ اس ایمان کو حجت بناتے ہوئے کہتے ہیں: اے ایمان والو! تم ایمان والے ہو اور ایمان والے مجھ سے محبت کرتے ہیں تو ہر چاہنے والا یہ چاہتا ہے کہ جس سے وہ محبت کرتا ہے وہ بھی

محبت کرے تو آسان طریقہ کیا ہے: ''اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ''۔ (آل عمران ۳:۳۱)

رسول ﷺ کی تابعداری

حضرت محمد ﷺ کی تابعداری اختیار کرو، آپ ﷺ کی پیروی اختیار کرو۔ اتباع اسے کہتے ہیں کہ جس کی آپ پیروی کریں، بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کرکے اس کے پیچھے چلے جائیں۔ حضور ﷺ کی فرمانبرداری یہ قرار دی گئی، اللہ کے ساتھ محبت کا نتیجہ۔ ایک یہ کہ کوئی حکم دے آپ مان لیں۔ ایک اتباع ہے کہ بغیر حکم دیے اس کے پیچھے چلیں۔ جیسے امام کے اشاروں پر آپ چلتے ہیں۔ اللہ اکبر کہنے پر کبھی سجدہ، کبھی رکوع، کبھی قیام، عمل ایک ہے لیکن آپ اس کے اشاروں پر کبھی سر اُٹھاتے ہیں، کبھی رکھتے ہیں، امام کی تابعداری اس لیے کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی تابعداری ہے۔ جب امام کی اِتنی تابعداری کی جاتی ہے تو حضور ﷺ کی تابعداری کتنی ہوگی۔ جو کچھ کیا، جو فرمایا، جس پر وہ ڈال کر چلے گئے۔ نبی انور ﷺ ہماری پوری زندگی کے امام ہیں بلکہ نبیوں کے امام ہیں۔ ہماری زندگی کا ظاہر اور باطن حضور ﷺ کے طریقے پر آئے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی محبوبیت کا راستہ کھول دیا۔

قہر ہو یا مہر ہو جو کچھ بھی ہو
ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

حضور ﷺ کی ادائیں آپ کے اندر آجائیں تو اللہ آپ سے پیار نہیں کرے گا؟ اپنا چھوٹا بچہ ہے، اس کے مثل، یا شکل و ادا کا بچہ آپ کو کہیں اور مل جائے تو اس سے پیار کروگے؟ اس سے بڑھ کر کیا انعام ہوگا کہ حضور ﷺ کی پیروی آپ کے لیے محبوبیت الٰہیہ کا دروازہ کھول دے۔ آپ سید المحبوبین ہیں، سب سے اُونچے اور اعلیٰ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ نے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے کیا دیا۔ دیکھو سب سے بڑی نعمت جو ملی وہ ایمان ہے۔ اگر ادنیٰ سے ادنیٰ ایمان والے کو کہہ دے کہ پوری سلطنت دیتے ہیں، ایمان چھوڑ دے۔ کیا چھوڑ دے گا؟

صحابہ کرامؓ کا ایمان

صحابہ کرامؓ کے بارے میں آتا ہے۔ حضرت عبداللہؓ نام ہے، تیس آدمی گرفتار ہو کر عیسائی بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے۔ عیسائی بادشاہ نے کہا: اے عبداللہ! اگر عیسائیت قبول کر لو گے، آدھی سلطنت اور بیٹی کا بیاہ کروں گا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا: اے بادشاہ! تو ہمیں کیا سمجھتا ہے، اگر ہفت اقلیم کی بادشاہی بھی ملے تو آنکھ جھپکنے کی دیر تک بھی عیسائی نہ بنوں گا۔ کہا: اگر قبول نہیں تو ایسی سزا دوں گا کہ قیامت تک یاد رکھو گے۔ حکم دیا کہ تیل کی کڑاہی چڑھا دی جائے۔ آگ جلا کر اُسے گرم کیا گیا اور قیدیوں میں سے ایک کو عبداللہؓ کے سامنے ڈال دیا گیا اور بادشاہ نے کہا کہ عبداللہ پر جو اثر ہو مجھے اطلاع دی جائے۔ قیدی جل بُھن کر ختم ہو گیا۔ عبداللہ کی آنکھوں سے آنسو آئے۔ درباریوں نے بادشاہ کو خبر دی کہ وہ رو پڑا ہے۔ بادشاہ نے بلایا اور کہا: دیکھو! تیرا بھی یہ حال ہو گا۔ اب بھی عیسائی ہو جانا۔ کہنے لگے: میں اس لیے نہیں رویا کہ میری جان چلی جائے گی اس لیے رو رہا ہوں کہ اللہ نے ایک جان دی ہے کہ تھوڑی دیر میں ختم ہو جائے گی۔ اگر جسم پر جتنے بال ہیں، اِتنی جانیں ہوں تو دین کو چھوڑنے والا نہیں۔ یہ وہ ایمان کی دولت ہے کہ جس کا ایک ذرہ جنت اور ہر چیز سے اُونچا ہے۔ ایمان کی بدولت یہاں بھی ہر نعمت ملے گی اور آخرت میں بھی۔ یہ ایمان کس کے صدقے میں ملا۔ یہ اِتنا بڑا انعام ہے کہ اس سے بڑا انعام نہیں۔

ہر مسلمان کو اس تحفے کو سنبھال کر رکھنا چاہیے کہ اگر ایمان ہو گا تو حضور ﷺ کی شفاعت ہو گی، حضور ﷺ کا دیدار ہو گا، اللہ تعالیٰ کا دیدار اور جنت کے درجات اس کے

صدقے میں ملیں گے۔ حضور ﷺ نے ایمان دیا، اللہ کا تعلق دیا، جنت دی۔ اسی طرح اللہ نے حضور ﷺ کے ذریعے قرآن جیسی کتاب دی کہ جس سے اُونچی کوئی کتاب نہیں۔ اللہ کا کلام ہے ہر ایک حرف پر دَس نیکیاں ملتی ہیں۔ جتنا اپناتے چلے جاؤ گے لیتے چلے جاؤ گے۔ جسم نورانی ہو گا، جسم میں خیر آئے گی۔ قرآن کا ایک حرف دنیا کی پوری کتابوں سے اُونچا ہے۔ یہ حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے ملا۔ حضور ﷺ نہ آتے تو قرآن نہ آتا۔ حضور ﷺ کی پیدائش کی سب سے بڑی خوشی یہ ہے کہ حضور ﷺ ملے، قرآن ملا، ایمان ملا، جنت ملے گی، ہر چیز ملے گی۔ قرآن کے ساتھ دین ملا، جتنے بھی ادیان تھے وہ حضور ﷺ کے دین کے مقابلے میں جزو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ پوری مسجد تو یہ حضور ﷺ کا دین اور دوسرے دینوں کی مثال جیسے مسجد کی چھت۔

تکمیلِ دین

تو حضور ﷺ کے ذریعے سے دین کی تکمیل ہوئی۔ ”اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ“۔ (المائدہ۵:۳) دین کا مکمل ہونا کیا ہے کہ پوری نعمتوں کو بھی کامل کیا۔ جتنا دین آئے گا اُتنی نعمتیں مکمل ہوں گی۔ دین نہیں ہو گا تو نعمتیں نہیں ہوں گی بلکہ زحمت آئے گی۔ اللہ نے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے اپنا دین کامل کیا جس میں اللہ پر یقین ہے وہ قادر ہے، مالک ہے، رازق ہے۔ جو چاہیں کر کے دکھا دیں۔ اِتنی قدرت والے ہیں کہ پورے عالم کو ایک قلم سے فنا کرنا چاہیں تو مکڑی کا جالا جیسے پھونک سے اُڑ جاتا ہے۔ یہ ختم ہو جائے۔ اللہ کے حکم میں اِتنی طاقت ہے کہ قیامت میں ایک فرشتہ اسرافیل جس کے منہ میں ایک سینگ ہے، منہ میں پکڑا ہے اور حکمِ رب کے منتظر ہیں۔ اللہ حکم دے گا، وہ پھونک ماریں گے تو قیامت ہو گی۔ سب چیزیں ختم ہو جائیں گی، پہاڑ اُڑ جائیں گے، جتنے بھی دنیا کے ملک ہیں تو ان کی حیثیت اللہ کی قدرت کے مقابلے میں مچھر کے برابر نہیں۔

ہم کہتے ہیں خدا کی قدرت پر ایمان لاؤ۔ یہ قدرت کس نے بتائی ؟حضرت محمد ﷺ نے۔ صرف یہ نہیں بلکہ اللہ کی قدرت سے فائدے حاصل کرنے کے طریقے بھی بتائے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہو جائے گا تو اللہ کی قدرت ساتھ ہوگی۔ یہ سورج، چاند، ستارے تمہاری مرضی کے مطابق چلیں گے۔ صحابہؓ ساتھ ہو گئے تو دریا پر بائیس ہزار کا لشکر گزر رہا ہے اور گھوڑوں کے سُم بھی نہیں بھیگے۔ عقبہ بن نافعؓ ایک جنگل میں پہنچے۔ فیصلہ کیا کہ جنگل میں کیمپ لگائیں گے۔ آواز دی کہ اے جنگل کے درندو! ہم حضور ﷺ کے صحابہ ہیں۔ یہاں رہنا چاہتے ہیں، تم یہاں سے نکل جاؤ۔ سب نے جنگل چھوڑ دیا۔ یہ کیا بات تھی۔

محبوبیت کا حصول

جب تم حضور ﷺ کے طریقے پر چلو گے تو تم اللہ کے پیارے ہو جاؤ گے اور پیاروں کو پھول کی طرح رکھا جاتا ہے لیکن ہم بن گئے خار۔ خاروں کو پھینکا جاتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے ”من کان للهکان الله له“۔(احیاء العلوم للغزالی) (ترجمہ: جو اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ کا محبوب ہو جائے گا)۔ اللہ پوری قدرت کو اس کے حق میں استعمال کرے گا۔ اگر بارش پہلے زمانے میں نہیں ہوتی تھی تو حضور ﷺ کا ایک معمولی طریقہ کہ شہر سے باہر نکل جاؤ۔ صلوٰۃ الاستقاء پڑھو، پھر چادر کو بدلو۔ حضور ﷺ کی ادا ہے۔ بادل آتے ہیں، بارش برس جاتی ہے۔ آپ کے دو رکعت نماز پر آسمان کے بادل اگر برستے ہیں تو کیا ہماری چھوٹی چھوٹی مرادوں کو پورا نہیں کریں گے۔ ہمارے ایک دوست کہنے لگے کہ ریاست الور میں بارش نہیں ہوتی تھی۔ ہندوؤں نے بہت کچھ کیا، بارش نہیں ہو رہی تھی۔ وہ دوست پولیس افسر تھا۔ اُس نے کہا کہ علاقہ میں دیکھا ہوا تھا کہ دو رکعت پڑھ کر بارش ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ تم نے من مانی کی نہیں ہوئی۔ میں نے کہا: میں اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کا طریقہ اختیار کرتا ہوں۔ کہنے لگا: باہر نکلا، دو رکعت پڑھی اور کہا کہ اے اللہ! میں تیرے حبیب ﷺ کے طریقے کو ان ہندوؤں میں اُونچا کرنے آیا ہوں تو اپنے فضل سے بارش برسا دے۔ بارش آگئی۔ حضور ﷺ کے طریقوں کو اپناتے نہیں، اختیار نہیں کرتے۔ میں نے لاؤڈ سپیکر دیکھا نہیں، آپ کہتے ہیں،

اس سے آواز اُونچی ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ لوہا ہے، اس سے آواز کیسے اُونچی ہوگی؟

ہم غیروں کے طریقے پر چلتے ہیں۔ نہ دنیا کا کوئی مسئلہ حل ہوتا ہے نہ دین کا۔ نہ حال اچھا نہ مآل اچھا کیونکہ جو حضور ﷺ کے در کو چھوڑ کر جائے گا تمام دنیا میں پھرے گا، کامیاب نہیں ہوگا۔

فیّاضی

میرے عزیزو اور دوستو! حضرت محمد ﷺ کے راستہ کے قدم قدم پر اللہ کامیابی دیتے ہیں جس کے ساتھ اللہ کی قدرت ہوگی، وہ ناکام کیسے ہوگا۔ حضور ﷺ کے ایک صحابی حضرت بلالؓ تھے۔ حضور ﷺ کے مہمانوں کا خرچہ کرتے تھے۔ ایک دن ذہن میں آیا، کہاں سے خرچ کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''انفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالا''[86]۔ (البزار عن بلال و عن ابی ہریرۃ والطبرانی عن ابن مسعود، حسن) جو اللہ کا نبی ہوتا ہے، خدا کا خزانہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ اولیاء اللہ کارخانے قائم کرتے تھے، یا دنیا کماتے تھے لیکن لوگوں کو کھلاتے تھے جسے اللہ کھلانے والے ہیں تم سے بھی کھلائے گا۔ جب اللہ سے نگاہ ہٹ جاتی ہے تو پھر کوئی نہیں رہتا۔ دنیا میں کسی کے پاس کیا ہے۔ حضرت پیرانِ پیر صاحب کے زمانے میں ایک بادشاہ سنجر تھا۔ اُس نے ایک دفعہ لکھا کہ فلاں ملک ہے نیمروز کا۔ وہ آپ کو دیتا ہوں کہ اس سے اپنا لنگر چلائے۔ حضرت نے خط کے دوسری طرف لکھا:

چوں چترِ سنجری رُخ بختم سیاہ باد
در دل اگر بود ھوس ملک سنجرم
زاں روز کہ خبر شدمرا از ملکِ نیم شب

[86]۔ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہ قال: دخل النبی ﷺ علی بلال و عندہ مبرۃٌ من تمر فقال: ما ھذا یا بلال؟ قال یا رسول اللہ ادخرتہ لك و لضیافك فقال أما تخشنی أن یّفور لہ بخار فی جھنم؟ انفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالًا۔ ١٠لطبرانی فی الکبیر، والامام احمد فی الزھد، والبیھقی فی الشعب والبزار فی المسند و صححہ الالبانی۔

من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

(ترجمہ: سنجر کے چھتر جیسا میرا بخت سیاہ ہو جائے اگر میرے دل میں سنجر کے ملک کی ہوس ہو، جب سے مجھے نیم شب کی بیداری نصیب ہوئی ہے تو اب میرے دل میں نیمروز کے علاقے کی قدر ایک جو کے برابر بھی نہیں رہی ہے)۔ اے سنجر کیا نیمروز کا کہہ رہا ہے جبکہ مجھے نیم شب کی دولت ملی۔ پوری سلطنت کو ایک جو کے بقدر نہیں سمجھتا۔ سورج نکل آئے تو دیے جلاؤ گے۔

میرے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کی سخاوت کا یہ عالم تھا۔ ایک دفعہ مالِ غنیمت میں اِتنی بھیڑیں آئیں کہ وادی بھر گئی۔ ایک بدو آئے اور کہا کہ اے محمد ﷺ! مجھے کچھ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان جو ریوڑ ہیں وہ لے لے۔ کہنے لگا آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ دھان مبارک ہے کہ جس سے خوشی یا غم کے موقع پر غیر حق نہیں نکلتا۔ جب وہ بدو اپنے قبیلہ گیا تو کہا کہ اے قبیلہ والو! ایمان لے آؤ۔ محمد ﷺ اِتنا دیتے ہیں کہ اس کے بعد تنگدستی نہیں رہتی۔

آج بھی اگر مسلمان حضور ﷺ کے طریقے کو اختیار کریں تو اُن پر اُوپر اور نیچے سے نعمتوں کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ ”وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ ؕ“ (الطلاق ۶۵:۳،۴) (اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کو مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کرے گا اور اُسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اُسے گمان بھی نہ ہوگا۔) حضور ﷺ کے قال و حال اپنانے کا نام تقویٰ ہے۔

ہے وہی شیدا جمال مصطفیؐ
حال حالِ مصطفیؐ ہو قال قالِ مصطفیؐ

جو حضور ﷺ کے بول وہ اس کے بول، جو حضور ﷺ کا حال وہی اس کا حال۔

حضور ﷺ کے رنگ میں رنگ جاؤ۔ یہ تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ وہاں سے کھلائے گا کہ وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا۔ اگر بنی اسرائیل کو من و سلویٰ دے سکتا ہے تو اگر ہم حضور ﷺ کے طریقے پر چلیں تو ہمیں رزق نہیں دے گا؟

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

محبت کا اثر اطاعت

سب تمہارے لیے ہے اگر تم اللہ اور رسول ﷺ کے بن جاؤ۔ ہم نے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' تو کہا لیکن ہر غیر کے بنے اللہ کے نہ بنے۔ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه'' کہا لیکن اس کے نہ ظاہر کو اپنایا نہ باطن کو، نہ عقیدہ اس کا نہ اعمال اس کے۔ محمد ﷺ والوں کو اللہ ردّ نہیں کرتا، چمکاتا ہے۔ آپ کا کوئی پیارا ہو، اس کی نسبت سے کوئی چیز مل جائے تو رد کرو گے۔ ایک دفعہ مجنون خارشتی کُتّے کو گود میں اُٹھار کھا ہے اور اس کو چوم رہا ہے۔ لوگوں نے کہا: مانا کہ لیلیٰ میں حُسن ہو لیکن اس کُتّے میں کیا رکھا ہے۔ کہا کہ افسوس کہ تم مجنون نہیں ہو۔ ابھی لیلیٰ کے کوچے سے آیا ہے۔ میرے دوستو! اگر محمد ﷺ کی گلی میں گزرنے والے ہوتے، فرشتے ہمارے پاؤں کے نیچے پَر بچھاتے۔ آسمان و زمین کی دولت نچھاور ہوتی۔ آج ہم نے آپ کے طریقے کو چھوڑ دیا۔ راہ سے ہٹ گئے۔ ایک ایک کے در پر جاتے ہیں، بڑے بھی جاتے ہیں، چھوٹے بھی کاسۂ گدائی لیکر۔ ہر جگہ سے ٹھکرائے جارہے ہیں، کیوں؟ بڑے کے دامن کو چھوڑ دیا۔ اگر اس کے دامن کو پکڑ لیا، پوری مخلوق اللہ تابع کر دیں گے۔

شیخ سعدیؒ کا نام سنا ہو گا۔ اس کے پیر تھے، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ۔ ایک دن دریا پر تیرتے ہوئے آرہے ہیں۔ چیتے پر سوار ہیں، سوال کیا کہ یہ کیسے تابع ہو گیا؟ شیخ نے کہا: ''ہر کہ از حق ترسید و تقویٰ گزید''۔ جو شخص بھی اللہ سے ڈرے اور تقویٰ حاصل کرے تو ہر

چیز اُس کے تابع ہو جاتی ہے۔ منصور حلّاج کے بارے میں آتا ہے کہ شیر پر سوار ہیں اور سانپ کا کوڑا لیے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ کی نافرمانی کرو گے تو گھر کی بیوی بھی تابعدار نہ ہو گی۔ بچہ بات نہیں مانے گا۔ ایک صاحب فرمانے لگے: بیٹا تھا باپ کا نافرمان۔ باپ نے کہا: آخر تم میری اولاد ہو۔ میری بات نہیں مانتے۔ بیٹے نے کہا کہ ”تم مجھ پر کیا احسان کرتے ہو۔ تو نے اپنی خواہش پوری کی“۔ ایک بزرگ سے اللہ کی نافرمانی ہو جاتی ہے تو بیوی اور گھوڑے میں اثر دیکھتا ہے۔ اللہ کی بات مانو گے سورج اور چاند تجھے دیکھ کر چلیں گے۔ آج ہم نے اُلٹی راہ اختیار کی۔ مسائل میں گرفتار ہیں۔ بیوی کا مسئلہ، زمین کا مسئلہ، دولت کا مسئلہ۔ ایک راہ تو یہ ہے کہ ہم اپنے طریقے اختیار کریں اور ایک یہ کہ ہم ”رحمۃ للعالمین“، ”شفیع المذنبین“ کے طریقے کو اختیار کریں۔ نماز میں تو ہم بار بار کہتے ہیں: ”اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ“ تو حضور ﷺ کا طریقہ ”صراطِ مستقیم“ ہے۔ ”اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝“ (یٰسٓ ۳۶:۳،۴)

حضور ﷺ کے طریقوں کو چھوڑ کر کوئی مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ ہم کہتے ہیں کہ فلان ملک کا یہ حال ہے اور فلان کا یہ حال۔ تو مثال یہ ہے کہ کوئی ہسپتال میں دیکھے کہ بیمار ناک کے ذریعے سے کھاتا ہے۔ گھر میں آتا ہے تو خود ناک میں کھانا ڈال کر شروع کرے تو یہ بے وقوفی ہے۔ وہ کافر ہیں، وہ بیمار ہیں۔ دنیا کے ہسپتال میں پڑے ہیں۔ تمہارا مسئلہ دوسرے طریقوں سے حل نہیں ہو گا۔ ہم کو کوئی آواز دے کہ فلان طریقہ سے حل کر دو اور ہم کہیں کہ ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ ہم تو وہی طریقہ اختیار کریں گے جو اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا طریقہ ہو۔ جس نے کہا کہ حضور ﷺ کے طریقوں میں کامیابی ہے، دنیا و آخرت بنتی ہے۔ کلمہ شریف ایک عہد ہے کہ پوری دنیا ایک طرف چلائے اور اپنے طریقوں کی طرف بلائے، نہیں جائیں گے۔ ایک طرف حضور ﷺ ایک بات کا کہے اور دوسری طرف تمام دنیا کے بادشاہ کہ ہمارے طریقوں پر چلے تو سچ سچ بتاؤ کہ کس کے طریقے پر جاؤ گے؟ آپ بادشاہوں کو لات ماریں گے اور کہیں گے کہ جہاں حضور ﷺ کا پسینہ بہا وہاں ہمارا

خون بہے گا۔ ایک کی نہیں چلنے دیں گے۔ آج کافروں نے کیا کیا کہ بیشک تم مسلمان ہو لیکن طریقے ہمارے اختیار کرو۔ صراحی میں سوراخ کرو تو اس میں پانی رہ جائے گا؟ کافروں نے ہمارے ایمان کی صراحی نہیں توڑی لیکن خواہشات کے سوراخ کر دیے۔ مال کی محبت، جائز و ناجائز کا سوراخ، آج وہ ایمان کی قوت نہیں رہی کہ جس سے ہم کافروں کو شکست دیں۔ چورانوے ہزار مسلمان ہندو کے آگے ہتھیار ڈال دیں، کیوں ڈال دیں۔ ایمان کی وہ قوت باقی نہیں رہی۔ پہلوان میں روح نہ ہو تو وہ کسی کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ مسلمان طاقت و ہتھیار سے نہیں جیتتا ہے، اللہ کی مدد سے جیتتا ہے۔ اللہ کی مدد حضور ﷺ کے طریقے سے آتی ہے۔ عید میلاد النبی ﷺ کا پیام کیا ہے کہ جو کلمہ پڑھا ہے اس کو تازہ کرنا ہے۔ میرے آقا نے فرمایا کہ جیسے کپڑے پرانے ہو جاتے ہیں، ایمان بھی پرانا ہو جاتا ہے۔ اس کو تازہ کر لیا کرو "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" سے۔ کیا مطلب ؟ لباسِ یقین کو تازہ کر لیا کرو۔ حضور ﷺ کے طریقے گھر کے اندر، عدالت کے اندر، بادشاہوں کے اندر لانے سے۔

حضور ﷺ کی خوشی

سلاطین ہیں غلامانِ محمد ﷺ
غلامانِ محمد ﷺ ہیں سلاطین

ان سلاطین کو ہم حضور ﷺ کے غلاموں کے کف پا کے برابر نہیں سمجھتے۔ آج کے دن اگر یقین کو تازہ کر لے۔ اے اللہ! آج اس مبارک دن ہم اس عہد کو تازہ کرتے ہیں کہ آپ کے حکم کو دیکھیں گے جس کے متعلق حکم دیا کریں گے، جس سے روکا روکیں گے تو حضور ﷺ کی روح اِتنی خوش ہو گی جیسے کہ کسی کا اکلوتا بیٹا اغوا ہو گیا ہے۔ سالوں کے بعد ملے تو کتنا خوش ہوں گے۔ حضور ﷺ کا اُمت کے ساتھ اِتنا تعلق ہے کہ چوروں کے لیے روئے ہیں جو کسی کا نہیں وہ حضور ﷺ کا ہے۔ ہم حضور ﷺ کے راستے سے ہٹ گئے۔

ہمارے اعمال حضور ﷺ پر پیش ہوتے ہیں، خوش ہو کر دُعادیں گے۔ حضور ﷺ کی دُعا لینے کے لیے عہد کر لیں کہ اے حبیب ﷺ! تیری راہ سے ہٹ کر زندگی نہیں گزاریں گے۔ دوسری بات آپ خاتم النبیین ہیں، آپ کا دین ہر زمانہ ہر ملک کے لیے ہے۔ حضور ﷺ نے پردہ فرمایا۔ دین کی بات لوگوں کو کون پہنچائے گا۔ جیسے باپ جاتا ہے بیٹوں کو کہا کہ دکان سنبھالو۔ حضور ﷺ کا کاروبار کیا تھا کہ لوگ اللہ والے بن جائیں۔ اب بھی حضور ﷺ کا زمانہ چل رہا ہے۔ آپ نے یہ کہہ دیا: اے میرے دوستو! سب کا کام یہی ہے کہ میری بات کو لوگوں تک پہنچادو۔ "بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً"۔ (الترمذی، حدیث نمبر: ۲۸۶۰، البخاری، حدیث نمبر: ۳۴۶۱ و احمد بن حنبل) (ترجمہ: مجھ سے سیکھ کر دوسروں تک پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو)۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خود ایک آیت ہے۔ بہت سارے لوگ ہیں جنہیں کلمہ نہیں آتا، اُن کو پہنچاؤ۔ جو محمد ﷺ کے در سے کٹا ہے، اسے حضور ﷺ کے در پر پہنچاؤ۔ جو اللہ سے دُور ہے اللہ سے ملاؤ۔ ارشاد فرمایا[87]:

اللہ اس شخص کو سر سبز و شاداب رکھے کہ میری بات سن لے اور دوسروں تک پہنچائے۔ حضور ﷺ کی دُعاؤں سے بڑی دُعا کس کی ہو سکتی ہے۔ حضور ﷺ کی دُعا سب سے اُونچی ہے۔ دُعا کا اثر دائمی ہے۔ آپ کی باتوں میں دائمی اثر ہے جیسے آپ کی نبوت دائمی ہے۔ جو بھی حضور ﷺ کی اس بات پر عمل کرے گا، اللہ اُسے سر سبز و شاداب کرے گا۔ ہم کو پورا یقین ہونا چاہیے۔ آج سے ہم یہ عہد کریں کہ اللہ ہم کو توفیق دے کہ اللہ کے رسول

---

[87] - نضر اللہ عبدًا سمع مقالتی فحفظھا و وعاھا و بلغھا من لم یسمعھا فرب حامل فقہ لا فقہ لہ و رب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ۔ (جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ، اخرجہ احمد و ابن ماجہ والطبرانی، ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۳۰، ۲۳۶، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ و انس مالک رضی اللہ عنہ و فی روایۃ نضر اللہ امرأً)

ﷺ کے کہنے پر چلیں گے۔ اس طرح یہ بھی عہد کر لیں کہ اسے دوسرے تک پہنچائیں گے۔ یہ نہ کہیں کہ یہ صرف مولوی کا کام ہے۔ جو کام حضور ﷺ نے پوری زندگی کیا، جس کے لیے خون بہایا، دانت مبارک شہید کیا اس لیے کیا کہ لوگوں کے اندر دین آجائے۔ اگر ہم کریں تو حضور ﷺ خوش ہوں گے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے راضی کرنے کے لیے جیسے حضور ﷺ کے طریقوں کو وقت پر کرتے ہو، وہاں حضور ﷺ کے پیغام بھی پہنچاؤ۔ قیامت کے دن گلے لگائیں گے کہ یہ وہ اُمتی ہے کہ جس نے عام بغاوت کے وقت میرے اُمتیوں کو بڑھایا تھا۔ اس طریقہ کے سیکھنے کے لیے وقت دو، کوئی یہاں رہنے کے لیے نہیں آیا، جانے کے لیے آیا۔ جانے کے لیے تیاری کرو کہ کل سرخرو ہو۔

اعمال میں شرائط قبولیت

مجلسی گفتگو در خانہ خویش (29 اپریل 1972ء، بعد از نمازِ عصر)

شرائطِ قبولیت

عمل میں شرائط قبولیت پیدا کرنی چاہیے۔ قبول ہو گا تو نصرت آئے گی، خدا اسباب کے محتاج نہیں۔ وہ صورت گر ہے۔ وہ ضابطہ و قانون کا پابند نہیں۔ جس رُخ سے چاہے اپنی قدرت کو استعمال کرے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے اعمال میں شرائط قبولیت کے وہ صورتیں پیدا ہو جائیں تو اللہ کی نصرت ہمارے ساتھ ہو گی۔ اللہ کی قدرت کا ایک ڈنڈا چین، روس اور امریکہ کے لیے کافی ہے۔ ہمارے اعمال کی مثال ریلوے گاڑی کی سبز و سرخ جھنڈی کی ہے۔ عقلمند آدمی نے دیکھا کہ سبز جھنڈی سے گاڑی چلتی ہے۔ اُس نے کہا کہ بات سمجھ میں آگئی کہ جب سبز جھنڈی کو ہلائیں گے تو گاڑی چلے گی۔ جھنڈی ہلانا شروع کیا لیکن چلتی نہیں۔ اس کو پتہ نہیں کہ گارڈ اور ڈرائیور کے درمیان تعلق ہے۔ اگر ڈرائیور کو جھنڈی کا ہلانا قبول ہو گیا تو چلے گی۔ اس طرح اگر عمل اللہ کے ہاں قبولیت کا شرف لے گیا تو عمل مقبول ہو گا اور مدد آئے گی۔ شرائط قبولیت کی کوشش کرنا ضروری ہے، عمل ڈھانچہ ہے، شکل ہے اس کی اندر کی جان بعض چیزیں ہیں۔

پہلی چیز جو جان عمل ہے وہ ایمان ہے۔ دوسری چیز تشکیل عمل ہے جو حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ تیسری چیز جس سے عمل کے اندر وہ توجہ آتی ہے جو کہ عمل کے اندر قبولیت کے رُخ کو پیدا کرتی ہے وہ اخلاص ہے۔ خدا کے لیے عمل ہو گا تو قبول ہو گا ورنہ پہاڑ کے برابر عمل ذرہ کے برابر نہیں ہو گا۔ حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو فرمایا: **اخلص دينك يكفيك قليل من العمل**۔ (ابن أبي الدنيا في الاخلاص المستدرک للحاکم عن معاذ رضی اللہ عنہ)

(اپنے دین میں اخلاص پیدا کر تو توڑا عمل بھی تمہارے لیے کافی ہو گا۔) چوتھی بات جو کہ عمل میں مزید قوت پیدا کرتی ہے، وہ ہے کیفیت احسان۔ احسان کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ عمل ایسا کرو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے۔ خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے عمل کی تحسین۔ دوسری چیز خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے عمل کو درست کرنا۔ اسی کی بناء پر کثرت ذکر ضروری ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر خدا کا دھیان آئے گا، دھیان آئے گا تو کیفیت احسان پیدا ہو گی۔ اس جذبہ کے تحت عمل کو خوب کرنا۔ پانچویں چیز جس کے نتیجے کے طور پر انعامات کی بارش ہوتی ہے اور تصدیقی ایمان کی حلاوت انسان پاتا ہے وہ ہے احتساب۔ یعنی عمل کرتے ہوئے اللہ کے وعدوں پر یقین ہو۔ وعدوں کا استحضار ہو تو یہ یقین اور استحضار ہو مثلاً درود پڑھ رہا ہے کہ دس نیکیاں مل رہی ہیں، دس درجے بلند ہو رہے ہیں، دس رحمتیں نازل ہو رہی ہیں۔

بدعت اور سنت

یہ چیزیں بغیر دو چیزوں کے میسر نہیں آتیں۔ ایک چیز یہ کہ انسان عمل کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ میں ٹھیک کر رہا ہوں لیکن عمل کی درستگی کی بنیاد علم صحیح ہے۔ علم صحیح حضور ﷺ کا عمل ہے۔ بدعت و سنت میں یہی فرق ہے۔ بدعتی عمل کر رہا ہے اس پر خوش ہوتا ہے لیکن خدا خوش نہیں ہو رہا۔ تابع سنت، عمل کا خاکہ حضور ﷺ سے لیتا ہے اور وہ اللہ کو پسندیدہ ہے۔ علم نبوت میں سے یہ پتہ چلے گا۔ اس کے دو رُخ ہیں۔ ایک وہ جس سے عمل پر اُبھارنا آجاتا ہے۔ وہ فضائل کا علم ہے اور مقصود یہ ہے کہ وقتِ عمل استحضارِ فضیلت ہو کہ جس وقت تم کوئی عمل کر رہے ہو تو تمہارے ذہن میں اس وقت ثواب کا خیال ہو۔ ”من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه“۔ (صحیح البخاری، حدیث نمبر:۳۸، مسلم، حدیث نمبر:۱۷۸۱) (جس نے رمضان کا روزہ ایمان اور ثواب کا یقین رکھتے ہوئے رکھا اُس کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے)۔ فضائل کا علم استحضار ثواب کے لیے ہے۔ فضائل اعمال کی

قیمتیں بتادیں گی لیکن اعمال کی صورتیں نہیں بتائیں گی۔ اعمال کی صورتیں مسائل سے معلوم ہوں گی۔ ایک لطیفہ ہے: ایک شخص نماز نہیں پڑھتے تھے۔ امام صاحب نے بتادیا کہ نماز پڑھا کرو۔ اُس نے پڑھنا شروع کیا۔ عرصہ کے بعد امام صاحب نے پوچھا کہ نماز پڑھتا ہے۔ کہا کہ "ہاں"۔ پوچھا "وضو بھی کرتے ہو؟"۔ کہا: کہ تم نے وضو کا نہیں کہا تھا۔ کہا نماز وضو کے بغیر نہیں ہوتی تو اس پر یہ جواب دیا کہ میں کر کے دکھاتا ہوں۔ ائمہ اربعہ کا اختلاف ججوں کی طرح ہے کہ سیشن جج کا ایک فیصلہ ،ہائی کورٹ کا دوسرا فیصلہ اور سپریم کورٹ کا تیسرا فیصلہ۔ سب نے اپنے صوابدید پر ٹھیک کیا ہے۔

اکرامِ مسلم

صورت عمل کے لیے علم کی ضرورت ہے۔ علم صحیح کے آنے کے بعد عمل بنے گا۔ انسان اسی دنیا میں رہتا ہے۔ جب عبادت کے نشے میں آتے ہیں، بزرگ بن جاتے ہیں۔ ساتویں آسمان پر ہوتے ہیں۔ دوسرے زمین سے بھی نیچے نظر آتے ہیں۔ عبادت کے رُخ سے جو اعمال ہیں اِن پر پڑنے کے ساتھ یہ نہ ہو کہ حقوق العباد کے ساتھ ٹکراؤ پیدا ہو جائے کہ حقوق العباد ضائع ہوں۔ اس کے لیے خلق نبوی کی مشق کرنی پڑے گی۔ حضور ﷺ کا اللہ کے ساتھ تعلق کتنا گہرا تھا لیکن مخلوق کے ساتھ بھی تعلق تھا۔ اس طرح عبادت اور حقوق نبوی کے بعد لوگوں کے ساتھ خلق نبوی کا اختیار کرنا ہے۔ ہمارے ہاں اس کو اکرامِ مسلم کہتے ہیں۔ کسی پر حقارت کی نگاہ نہ ڈالنا۔ ممکن ہے کہ اللہ کبر کی بناء پر تمہارے اعمال حبط کر لیں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ آدمی کی بُرائی کے لیے یہ کافی ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کو بُرا جانے۔[88]

---

[88]۔ المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يخذ له ولا يحقر ه و حسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم۔ مسند امام احمد حديث نمبر: ٨٠٣٢، ج دوم، ص ٥٩٩۔ عنابي هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ قال الله عز وجل الكبر ردائي والعظمة ازاري فمن نازعني واحدا منهما قذفته في النار۔ (مسلم، امام احمد، ابو داؤد، ابن ماجه وابن حبان)

حالاً اپنے سے ہر مسلمان کو اچھا سمجھے۔ عمل بالمعروف کا پہلا ادب یہ ہے کہ جس وقت کسی کو امر بالمعروف کر رہا ہو، اس کو اپنے سے اچھا سمجھے۔ اگر اس کو اچھا نہ سمجھا۔ ممکن ہے کہ اس کو اس کی جگہ کر لے۔ کسی پر بُرائی کی نگاہ نہ ڈال دی جائے۔ اس کا اکرام کرتے ہوئے ایسا معاملہ کرے جیسے ماں کا اکلوتا بیٹا ہو اور گندگی میں لتھڑا ہو اور ماں اس کو پیار کرتی ہے۔ خود عمل کرتے ہوئے دل سے بڑائی کے جذبہ کو نکالو۔ جو تجھ کو دوسرا حقیر دکھائی دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے جو بھی ان کو مجھ سے چھینناچاہے میں اُسے آگ میں ڈال دوں گا۔ فرمایا: کبر والا جنت میں اس وقت تک داخل نہیں کیا جائے گا جب تک دوزخ میں ڈال کر اس کو ختم نہ کرے۔ اکرام میں کوتاہی تب ہو گی جب دل میں کبر چھپا ہو۔

پوری بنی نوع انسان کی عزت و اکرام کرنی چاہیے۔ جب اللہ نے اپنے فضل سے بغیر استحقاق کے تم میں روشنی ڈالی۔ اگر خیر کا عمل وجود میں آیا ہے یہ فضل خداوندی ہے۔ اس پر فخر نہیں چاہیے بلکہ شکر اور استغفار ہو۔ حضرت مولانا الیاسؒ کا قول ہے: نیکی پر استکبار بُرائی پر اصرار سے زیادہ اشد ہے۔ (صغیرہ پر دوام کبیرہ تک پہنچاتا ہے)۔ اور کبیرہ پر دوام کفر تک پہنچاتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے: عمل کے بعد اپنی کوتاہی کا اعتراف اور کمی پر استغفار ہو۔ اب اس نعمت کو لوگوں میں عام کرنا ہے۔ مولانا یوسفؒ کا قول ہے: جتنی جلوت بڑھتی رہے اُتنی خلوت بڑھتی رہے۔ جتنا لوگوں میں پھرتے ہو، اُتنا اپنے میں ڈوبو۔ اپنے تعلق کو بھی خدا سے جوڑتے رہو۔ جتنا خدا سے جڑو گے اُتنا آپ کے کام میں برکت ہو گی۔ حضرت جی مولانا الیاسؒ فرماتے تھے: اس عمل (تبلیغ) کا مقصد قوت دُعا کو بڑھانا ہے۔ اندر خدا کا تعلق پیدا ہو جائے، خدا کے لیے اپنے جسم اور دل کو اِتنا استعمال کرو کہ خدا کو غیرت آجائے کہ بندہ اپنے کو میرے لیے استعمال کرتا ہے۔ میں اس کو خالی نہیں لوٹاتا۔

دعوت و تبلیغ انبیاء علیہم السلام والی سڑک

بمقام ورسک (13 ستمبر 1972ء مطابق یکم شعبان 1392ھ)

خطبہ ماثورہ کے بعد:

انبیاء علیہم السلام کی بعثت

میرے عزیزو! اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو اس دنیا میں اس لیے بھیجا کہ انسان کا رابطہ اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہو جائے۔ اللہ کا جاننے والا، سمجھنے والا، صفات کو پہچاننے والا اور مان کر چلنے والا بنے۔ مان کر چلنے والے کو مسلمان کہتے ہیں۔ ایسے مانا جائے جیسے ماننے کا حق ہے۔ مختصر لفظوں میں پہلے پڑھا کرتے تھے ایمان مجمل۔ ایمان لایا میں اللہ پر جیسے کہ نام ہیں اُن کے جیسے کہ صفتیں ہیں اُن کی اور میں نے ان کے تمام احکام کو قبول کیا، زبان سے اقرار کر کے اور دل میں یقین کر کے۔ اللہ کو عقل و ذہن کے رُخ سے ماننا نہیں ہو گا جیسے بتایا ویسے ماننا ہو گا۔ اللہ کا ماننا نبیوں کے واسطے سے ہو تا ہے، ایسا نہیں کہ جیسے عقل نے بتایا۔ قرآن شریف نے بتایا کہ اللہ مالک ہے، خالق ہے، اس کی چلتی ہے کسی اور کی نہیں چلتی۔ جہاں کمال و جمال و نوال ہو تا ہوا دکھائی دیتا ہے، اللہ کا ہے۔ یہ ظاہر کے کرشمے اللہ کی فاعلیت کی ظاہری صورتیں ہیں۔ جیسے میرا ہاتھ چلتا ہے، آنکھ دیکھتی ہے، جسم میں مختلف اعضاء ہیں۔ اگر یہ سب ایک وقت میں حرکت کرنے لگیں۔ یہ میری روح کے اشارے پر چلتی ہیں جیسے میری روح چاہتی ہے ویسے زبان بولتی ہے، ہاتھ حرکت کرتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو نہ آنکھ دیکھے گی نہ زبان بولے گی۔ جیسے روح پورے جسم کو چلاتی ہے تو جتنی بھی مخلوقات ہیں، جتنی معلوم ہیں اور جتنی نامعلوم اللہ کی ذات اس میں روح سے بڑھ کر جاری و ساری ہے، روح نہیں تو لاشۂ بے جان ہے تو پوری کائنات اللہ کے حکم سے چلتی ہے۔ فاعلیت ایک اللہ کی ہے۔ اسے کہتے ہیں ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ''۔ جیسے بچہ جسم کی حرکات کو دیکھتا ہے روح کو نہیں دیکھتا اور سمجھتا ہے کہ جسم حرکت کرتا ہے۔

نبی آ کر بتاتا ہے، سورج کا چڑھنا، دریاؤں کی روانی، یہ سب اللہ کی فاعلیت ہے جو ہوتا ہے اللہ سے ہوتا ہے۔ اللہ کرتا ہے، اللہ کو ماننا، جاننا، پہچاننا اور پوری صفات پر دِل کے اندر اس یقین کو لانا اور دل کے اندر پیوست کرنا کہ سب کچھ اللہ کرتے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں ایمان۔ دل کے اندر یہ بات ایسی ڈوب جائے اور اُتر جائے جیسے ایک شخص بہت بھوکا ہو۔ کوئی اسے قسم کھا کر کہے کہ تو بھوکا نہیں۔ وہ تمام دنیا کے لوگوں کی قسموں پر یقین نہیں کرے گا۔ وہ کہے گا: دیوانو! میرا پیٹ آواز دیتا ہے کہ میں بھوکا ہوں۔ جیسے بھوکا بھوک پر یقین کرتا ہے، انتہائی پیاسے کو پیاس کی شدت میں کروڑوں قسمیں کھائیں کہ تو پیاسا نہیں، تو وہ نہیں مانے گا۔ اس طرح ایمان والے کو اللہ کا یقین ہو گا کہ تمام دنیا اس کے خلاف دلائل دے تو نہیں مانے گا۔ تو اسے کہتے ہیں ایمان۔ ایمان دل کے رَگ رَگ کے اندر اُتر جائے، ریشہ ریشہ خدا میں ڈوب جائے، دل سے کھال اُتر جائے، چھلنی ہو جائے اور یہ کہے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور اس سے نہ ہٹے۔ یہ دل کے اندر کی بات ہے جو دل کے اندر ثبت ہو چکی ہے۔ کیسے اسے بھول سکتا ہے۔ ایمان ایک حقیقت ہے جو دل کی صفت ہے۔ جیسے سننا، بولنا، کان وزبان کی صفت۔ اس کو کہتے ہیں یقین۔ جب ایمان آتا ہے تو انسان کا دل مخلوق سے ہٹ کر خالق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

غنی کون؟

آپ ہیں ضرورت مند جہاں آپ کی ضرورت پوری ہو گی، وہاں جاؤ گے۔ پیاس کے عالم میں پانی کے پاس جاؤ گے، بیمار ہو تو دوائی کے پاس جاؤ گے۔ اسی طرح انسان پورا حاجتمند ہے۔ وجود میں حاجتمند ہے۔ ہم نہیں تھے اگر پیدائش کے دس مہینے پہلے یہ سوچے کہ ہم کہاں تھے۔ بچہ کا کوئی وجود ہوتا ہے؟ کوئی حقیقت ہوتی ہے؟ ہم وجود میں اللہ کے محتاج ہیں۔ روح میں اللہ کے محتاج ہیں، جسم کے بقا میں اللہ کے محتاج ہیں، سانس لینے اور باہر نکالنے میں اللہ

کے محتاج ہیں۔ پانی پینے، ہضم کرنے، رزق کے کھانے، ہضم کرنے میں اللہ کے محتاج، پانی اور کھانے کے باہر نکالنے میں اللہ کے محتاج۔ ایک پیشاب کا قطرہ پھنس جائے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ انسان تڑپ جاتا ہے۔ سب چیزیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ آنکھوں میں بینائی اللہ کی ذات سے آتی ہے، کان میں شنوائی اللہ کی ذات سے آتی ہے۔ میں ایک دفعہ بیمار ہو گیا۔ تین دن تک بات نہ کر سکا، کان موجود ہے سن نہیں سکتا۔ ہر چیز اس کے خزانوں سے آتی ہے۔ ہم فقیر ہیں، محتاج ہیں۔ ”اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ۝۱۵“ (فاطر ۳۵:۱۵)(ترجمہ:)شاہ ہے وہ فقیر، عالم ہے وہ فقیر، مشرق کا ہے وہ فقیر، جنوب اور شمال کا ہے وہ فقیر، سونے کے تختوں پر رہنے والے گدا، کوئی کس طور پر مانگتا ہے اور کوئی کس طور پر۔

مانگنے والا گدا ہے بھیک مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطان سب گدا

سلطان خراج مانگتا ہے وہ بھی محتاج، فقیر دوسروں سے مانگتا ہے وہ بھی محتاج۔ یہ حکومتوں کے مالک ایک سانس کے مالک نہیں۔ ایک پل کے لیے سانس رک جائے تو پتہ لگ جائے۔ اس عالم میں اللہ کی صفت فاعلیت کے سوا اور کیا رکھا ہے۔ اللہ سے رابطہ جب قائم ہو جاتا ہے تو پوری مخلوق کی قدر ایک مچھر کے برابر ہو جاتی ہے۔ سورج نکل آتا ہے تو کروڑوں ستارے غائب ہو جاتے ہیں، سب گم ہو جاتے ہیں جب توحید کا نُور دِلوں پر چمکتا ہے، ایک اللہ باقی رہتا ہے۔ اسے کہتے ہیں ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“۔ جب خدا ہی خدا رِہ گیا، روٹی کی، پانی کی، رہائش کی ضرورت ہے۔ اللہ سے مانگوں گا۔ ”لا ملجا ولا منجا منك الا اليك“۔ (رواہ ابو داؤد والترمذی وصححہ الالبانی) ہر ایک سے ٹوٹ کر اس کے در پر گر جانا، اسے کہتے ہیں ایمان۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے قوت دُعا زندہ ہو جاتی ہے اور جب قوت زندہ ہو گئی، وہ جیلوں میں ہے، مچھلی کے پیٹ میں ہے، فیصلہ کرواتا ہے۔ دو عالم سے بے نیاز اللہ کا نیاز مند۔

توحید کا مطالبہ

توحید کہتے ہیں غیروں سے یقین سمٹ کر ایک اللہ میں آنے کو۔ شرک خدا کے سوا غیروں میں کچھ دیکھنا۔ میرے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ غارِ ثور میں ہے، دشمن آرہا ہے، سر پر آ پہنچا۔ ابو بکرؓ نے کہا: اگر سر جھکالیں تو ہمیں دیکھ لیں۔ فرمایا: ابو بکرؓ! کیا کہتے ہو؟ "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا"۔(سورۃ التوبۃ۹:۴۰) غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ دشمن آپہنچا۔ یقین دشمن پر نہیں تھا۔ اللہ پر تھا۔ اور فرمایا: غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہیں۔ جس کے ساتھ اللہ ہو پوری مخلوق کچھ نہیں کر سکتی۔ کیسی حفاظت فرمائی۔ مکڑی نے جالا تن لیا، ہلکا سا جالا ہوتا ہے پھونک سے اُڑ جاتا ہے۔ مکڑی کے جالے سے سید الکونین ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ کبوتر نے انڈے دیے۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہ دونوں اندر ہوتے تو یہ جالا نہ ٹوٹتا۔ حفاظت اللہ کے ہاتھ میں ہے، بقا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ کب ہو گا جب اللہ کے ساتھ قوی رابطہ بن جائے۔ انسان کا کوئی مسئلہ نہیں صرف ایک مسئلہ ہے وہ قدرت کے ساتھ رابطہ ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہو جائے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح جیل خانہ سے تخت پر پہنچ جائے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح مچھلی کے پیٹ سے صحیح سالم نکل جائے۔ حضور ﷺ کو مدینہ کے تخت پر بٹھادیں۔ انسان کا رابطہ جب اللہ کے ساتھ قائم ہوتا ہے تو دو چیزیں فوری مل جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ مخلوق کی حقیقت کھل جاتی ہے کہ یہ کچھ نہیں۔

دُعا کا ہتھیار

سب کچھ کرنے والی اللہ کی ذات ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یقین ایک اللہ پر آجاتا ہے۔ پھر انسان اپنی ہر حاجت کو اللہ سے کرواتا ہے۔ اللہ کی ذات سے حاجت کے پورے کرنے کا نام ہے دُعا۔ یہ اِتنی بڑی بات ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: "اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃ، اَلدُّعَاءُ ھُوَالْعِبَادَۃ"۔ (الترمذی، حدیث نمبر:۳۶۶۷، ۳۶۶۸) دُعا مغزِ عبادت

اور عین عبادت ہے۔

مولانا الیاسؒ نے فرمایا: اس کام (تبلیغ) کا مقصد قوت دُعا کو زندہ کرنا ہے۔ بارش نہ ہو، حضور ﷺ کے طریقے پر نماز پڑھو، بادل آجاتے ہیں، بارش ہو جاتی ہے تو کیا اللہ خود چھوٹے مسئلوں کو تمہارے ہاتھوں کے اُٹھانے سے حل نہیں کرے گا۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

جسے اللہ سے مانگنا آگیا، اُس کے دُنیا اور آخرت کے کام بن گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "اَلدُّعَآءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ"[89] دُعا مومن کا اسلحہ ہے۔ دُعا سے کیسے فیصلے ہوتے ہیں؟ بدر میں کامیابی ہوئی، ظاہر میں کیا تھا، دو تلواریں، آٹھ گھوڑے اور کچھ نیزے۔ بدر کا فیصلہ میدانِ بدر میں نہیں ہوا۔ اس جھونپڑی میں ہوا جس میں حضور ﷺ دُعا مانگتے رہے۔ اے اللہ! میں قسم دیتا ہوں وہ وعدہ دلاتا ہوں جو تُو نے کیا۔ اگر آج کے دن یہ گروہ ختم ہو گیا تو تیری بندگی قیامت تک نہیں ہوگی۔ ابو بکرؓ برداشت نہ کر سکے۔ کہا بس اللہ اپنے وعدے کو پورا کرے گا۔ فرشتہ آتا ہے اور کہتا ہے: شکست کھا گئے کافر اور بھاگ گئے۔[90] انبیاء علیہم السلام کی سب سے بڑی ہتھیار دُعا ہوتی ہے۔ نو سو پچاس (۹۵۰) سال نوح علیہ السلام محنت کرتے رہے۔ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ۔ (ھود۱۱: ۴۰) اور آپ کے ساتھ ایمان نہیں لائے مگر بہت کم لوگ۔ باقی سب ہٹ دھرم اور نہ ماننے والے۔ نبی کی بصیرت نے نگاہ ڈالی کہ پشتوں کے اندر جو اولاد ہے وہ بھی ایمان نہیں لائے گی۔ دل کی آنکھ بھی نگاہ رکھتی ہے۔ یہ دنیا اللہ نے کفر والوں کے لیے نہیں پیدا کی۔ آج بھی جو یہ دنیا قائم ہے چند اللہ کے بندوں کے لیے ہے۔ سلطنتوں غریبوں اور عوام جو دین سے ہٹے ہیں ان کے لیے قائم نہیں۔ ان کے لیے قائم ہے

---

[89]۔ الدعاء سلاح المؤمن و عماد الدین و نور السمٰوٰت والارض۔ (لابی یعلی فی مسندہ وللحاکم فی مستدرکہ عن علی رضی اللہ عنہ۔ بحوالہ الجامع الصغیر للسیوطی)

[90]۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ (القمر ۵۴: ۴۵)

جن کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے۔ ایک آدمی اگر ایسا ہو گا تو اس عالم کو ویران نہیں کیا جائے گا۔ دیکھا کہ کچھ نہیں، دُعا فرمائی: وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ (نوح ۷۱:۲۶) (اور نوح نے یہ بھی کہا کہ ”میرے پروردگار ان کافروں میں سے کوئی بھی زمین پر باقی نہ رکھئے۔)

ایک تیر نکلا زبان سے دُعا کا۔ آسمان بھی برس رہا ہے، ریت سے، پتھروں سے، لکڑی سے، تنور سے پانی نکلا۔ پہلا جو چشمہ اُبلا وہ تنور کے اندر سے اُبلا حالانکہ دونوں کا جوڑ نہیں۔ قوم عاد اور قوم ثمود اس طور پر ہلاک ہوئے۔ پیغمبروں کی دُعاؤں پر۔ انسان کو اللہ نے اپنے رابطہ ویقین کے بعد بہت بڑی دولت دی۔ اپنے آگے ہاتھ پھیلانے کی جسے اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانا آگیا، دوسرے کے آگے ہاتھ نہیں اُٹھائے گا۔ یہ یقین اصل الاصول ہے۔ یہ جب آتا ہے تو پتے اور میوہ آتا ہے۔

جب سب کچھ اللہ میں پاؤ، نمک کی ضرورت ہے اللہ سے مانگو، جوتے کا تسمہ بھی اللہ سے مانگو۔ خدا پر یقین بڑھاؤ جو پتھر کے اندر چیونٹی کو غلہ پہنچا سکتا ہے تم کو ماں کے پیٹ کے اندر جو نہ مانگ سکتے ہو نہ سمگل کر سکتے ہو وہاں سب کچھ پہنچایا۔ آنکھ بنائی، دل بنایا، جسم بنایا۔ باہر تشریف لائے۔ بچہ کے پاس کیا ہوتا ہے ایک ہتھیار ہوتا ہے کان میں درد ہوا رونا شروع کیا، بھوک لگی رونا شروع کیا۔ سوائے رونے کے بچے کے پاس کیا ہے؟ یہ زاری رب کو اِتنی پیاری ہے کہ جس کے اندر زاری آگئی اللہ کے لیے مٹنا آگیا تو اللہ اُس بندے کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ حضور ﷺ کی دُعا ہے: اللّٰهم واقية كواقيه الوليد۔
(مناجات مقبول اشرف علی تھانوی المنزل الخامس)

اے اللہ! میری ایسی حفاظت فرما جیسے دودھ پیتے بچے کی۔ بچہ ساتھ راشن لاتا ہے، کپڑے ہوتے ہیں، دوائی ہوتی ہے۔ اللہ بندوبست کرتا ہے۔ ماں کے دل میں محبت، باپ کے دل میں شفقت جو اندر خون پیتا تھا اسے دودھ میں تبدیل کرتے ہیں۔ بچہ کو دودھ پینے کا

طریقہ کون بتاتا ہے۔ یہ کس نے بتایا کس نے سکھایا۔ دودھ پینا بتایا۔ ماں باپ کے دل میں شفقت ڈالی۔ ناف کاٹا، نشان قائم رکھا کہ یہ وہ منہ ہے جس سے گندہ خون پیتے تھے۔ کہیں اکڑ کر نہ چلنا، گرمی کے کپڑے اور سردی کے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ جتنا بڑا ہوتا ہے اسی کے بقدر خیال رکھا جاتا ہے۔ مولانا رومؒ نے فرمایا:

تا نہ گرید طفل کے جو شد لبن
تا نہ گرید ابر کے خندد چمن

(جب بچہ روئے نہیں تو ماں کا دودھ جوش میں نہیں آتا اور جب تک بادل روئے نہیں تو چمن میں ہریالی نہیں آتی۔)

اگر بچہ نہ روئے ماں کا دودھ جوش میں نہیں آتا۔ وہ رویا دودھ جوش میں آیا۔ ماں نے بچہ کے منہ میں دیا۔ بارش برسے نہیں تو چمن اگتا نہیں۔ تو جیسے بچے کے رونے سے اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے اسی طرح اللہ کے سامنے رونا سیکھو۔ اللہ کی رحمت کے بادل برسیں گے اور تمہاری ضروریات پوری ہوں گی۔ اللہ کے لیے رو دو، اللہ کے آگے زاری کرو، رحمت کے بادل برس کر آئیں گے۔ نظام عالم کسی کے ہاتھ میں نہیں۔ نہ پاکستان، نہ روس، نہ امریکہ کے ہاتھ میں۔ "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" (یوسف ۱۲:۶۷) حکم اللہ کا چلتا ہے۔ اگر ورسک سے بجلی بند کی جائے تو تمام جگہوں سے بجلی بند ہو جائے گی۔ اللہ کے ہاتھ میں ہر چیز کا مین سوئچ (Main Switch) ہے۔ شاہ صاحب[91] فرماتے تھے:

پھرتا ہوں پھیرتا ہے وہ دلربا جدھر
پتلی کی طرح میں نہیں ہوں اختیار میں
آپ ہی کرتے وہ سارے کام ہیں
آپ ہی کرتے کسی کا نام ہیں

---

[91]۔ مراد مولانا صاحبؒ کے شیخ شاہ عبد العزیز دعاجو ہیں۔

ان سے معاملات طے کروانے کی دو چیزیں ہیں۔ پہلے دِل کے اندر توبہ زاری اور انابت آجائے اور یہ اعمال کی درستگی سے پیدا ہوگی۔ دعا کی قبولیت کے لیے (میں تو اس یقین کا ہوں، گندے ہیں، ناپاک ہیں، بدکردار ہیں، گناہوں میں ڈوبے ہیں) اپنے اعمال بد کے باوجود اگر سچے دل سے ہاتھ اُٹھائیں تو ردّ نہیں کرے گا۔ عمومی طریقہ یہ ہے کہ یقین کے راستے سے اللہ کے ساتھ رابطہ قائم کروں گا اور یہ رابطہ عبادات میں "اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ" پہلے ہے بندگی اور پھر استعانت۔ یہ ضابطہ ہے اور فیض و احسان یہ بھی ہے کہ جیسے چاہے بخش دے۔ دل اگر انسان کا مسل جائے، پس جائے اس لیے مظلوم کی دُعا سیدھی عرش پر پہنچتی ہے۔ رابطہ اللہ کا بندگی سے پیدا ہوتا ہے۔ بندگی نام ہے سر سے پاؤں تک ظاہر سے باطن تک حضور ﷺ کے خاکے پر آنا۔ حضور ﷺ سید العابدین ہیں۔ "وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ" بندوں کے سردار ہیں۔ حضور ﷺ کے طریقے پر چل کر ہمارے جسم سے گندے اعمال کی گندگی نکل جائے اور حضور ﷺ کے اعمال اختیار کرکے اللہ کی بندگی آجائے۔ حضور ﷺ والے اعمال اللہ کو پیارے ہیں جہاں حضور ﷺ کا نقشہ ہوگا وہیں اللہ کا پیار ہوگا۔ تمہارا ایک پیارا بچہ ہے جو تم سفر میں گئے ایک بچہ دیکھا جو تیرے بچے کے مشابہ ہے تو اُس سے پیار ہوگا تو اللہ کو پیار آتا ہے کہ اس کو میرے محبوب کے ساتھ تشابہ ہے۔ نیکوں سے مشابہت فلاح کا ذریعہ ہے اور جس نے حضور ﷺ کی مشابہت اختیار کی تو اللہ کا پیارا بن جائے گا۔

نماز اور عبدیت

عبدیت کی صلاحیت جس چیز سے پیدا ہوتی ہے اس کا نام ہے نماز۔ نماز کا خارج و داخل حضور والا ہو۔ سر جھکاؤ حضور ﷺ کے نقشہ پر، دل کے اندر کا حال بھی حضور ﷺ کے مطابق ہو۔ حضور ﷺ کی نماز میں اللہ ہوتا تھا یا غیر۔ بھول بھی حضور ﷺ کو زیادہ محویت الٰہی میں ہوئی۔ ہماری نماز تو گھڑی کی چابی کی طرح ہے۔ اللہ اکبر کہا، سوچا کہ دُلہن نے

دوپٹہ کا کہا تھا اس کا کیا ہو گا؟ کیا پکا ہو گا۔ اِتنے میں نماز ختم۔ ہماری نماز میں ایک اللہ نہیں ہوتا باقی سب کچھ ہوتا ہے۔ نماز درست ہو جائے، یقین رب، دھیان رب، خیالِ رب آجائے تو دل روشن ہو جائے۔ اب بھی دل میں نظارہ دیکھو اور نماز بنی ہو تو روشنی ہو گی، دل کے بھی آنکھ و کان ہوتے ہیں۔ یہاں کیا کیا دیکھے گا اور کیا کیا سنے گا اور قیامت میں کیا کچھ ملے گا۔ یہاں حرام کا دیکھنا بند کرو، جہاں دیکھنے کا حکم ہے وہاں استعمال کرو تو دل کی آنکھ بنادے گا۔ اس طرح کان بنادے گا جیسے ٹیلی ویژن اور ریڈیو میں دیکھتے اور سنتے ہو اس طرح جب کان بن گئے، دل بن گیا پورے عالم کی حقیقت کھل جائے گی۔

دیوانہ کر دی ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

(آپ نے مجھے اپنا دیوانا بنایا اور پھر دونوں جہاں بخش دیئے۔ جو آپ کا دیوانہ ہو وہ دونون جہاں لیکر کیا کرے گا۔)

آپ کا کوئی پیارا ہو، تم اس کی تلاش میں ہو، وہ ملے اس وقت کوئی لڈو پیڑے رکھے تو اس کو کھاؤ گے یا اس کو دیکھو گے۔

اذکار

کان، زبان، آنکھ درست ہوں گے تو دل و روح کے کان، زبان اور آنکھ بنیں گے۔ اس لیے نمازوں کو درست کرنا اور حضور ﷺ کا خاکہ معلوم کرنا، اس کے لیے تعلیم کے حلقوں میں بیٹھنا اور یہ نہیں کہ نرے پڑھا کو بنے بلکہ عمل کی قوت ہو اور عمل کی قوت اللہ کے تعلق سے پیدا ہو گی اور اللہ کا تعلق ذکر سے آئے گا۔ اللہ کا ذکر کرو گے، اللہ تمہارا ذکر کرے گا تو جو اللہ کی یاد میں ہو تو اس کو ضائع نہیں کرتا۔ اِتنا یاد کرو کہ دل بھولنے پر بھی قادر نہ

ہو۔ جیسے نبض دھڑکتی ہے اس طرح دل اللہ کی یاد میں ہو۔ ہم سب گنہگار ہیں۔ بہتر گنہگار وہ ہے جو استغفار کرتا ہو۔ فرمایا: ”تین دفعہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ“ کہے تو سمندر کی جھاگ کے برابر گناہ ہوں تو دور ہو جائیں۔ صابن مل کر دھونے سے جسم کا میل کچیل دُور ہوتا ہے تو استغفار مل کر دل کو دھو لو۔ گناہوں کا صابن کیا ہے؟ استغفار۔ گناہوں کی معافی میں اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اُمت کی طرف سے نیابت کر کے اُمت سے جو گناہ ہوتے ہیں جیسے زبان پورے جسم کی طرف سے بولتی ہے اس طرح ہم پوری اُمت کی طرف سے استغفار کریں۔ جس سے ہماری کشتی سمندر میں پھنس گئی۔ اے اللہ! تُو معاف کرنے کو پسند کرتے ہو، پوری اُمت کے گناہوں کو معاف فرما اور اللہ کی صفات کو لینے کے لیے کلمہ سوئم پڑھتے رہو۔

سُبْحٰنَ اللّٰہِ! اے اللہ! تُو پاک ہے ہر قسم کی کوتاہی اور نقص سے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! ہر کمال، جمال، نوال جو تیری شان کے لائق ہے تو اس کا مالک ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ: جب تُو ایسا ہے تو ہر ایک کو باہر کیا، تجھ پر دیں گے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی
سما جا میرے دل میں ارمان ہوکر
دوئی دُور کر دے میری جان ہوکر

کوئی نہ رہے دل میں سوائے اللہ کے، اس کو کہتے ہیں ”لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ: اے اللہ! میں ذرہ، بے قیمت اور تیری شان بہت اُونچی۔ میں کس طرح تیری کبریائی بیان کروں۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ: میرے آقا نے ارشاد فرمایا: یہ ننانوے بیماریوں کا علاج

ہے۔ سب سے ہلکی بیماری غم و حزن ہے۔ اگر ان غموں کو دُور کرنا چاہتے ہو تو ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ“ کی کثرت رکھو۔ نیت یہ کرو: ”عن أبي ذر رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ یا بأباذر ألا أدلُّك علی کنز من کنوز الجنة؟ لا حول ولا قوة الا بالله“۔

(الفتح الربانی الجزء ۱۴، ص ۲۲۸، متفق علیہ بروایت ابو موسیٰ اشعریؓ، مرقاۃ: ج۵، ص ۱۳۱)

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ کیا میں تمہیں عرش کے خزانوں سے خزانہ نہ بتاؤں۔ پھر فرمایا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

سُبْحٰنَ اللّٰہِ: پڑھتے ہو، اے اللہ! تُو پاک ہے میرے دل کو ہر غیر سے پاک کرو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ: اس یقین سے پڑھو کہ اے اللہ! مجھ میں بھی صفاتِ حسنہ پیدا کرو۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ: دِل سے ہر ایک کی محبت نکال اور اپنی محبت ڈال۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ: اے اللہ! اپنی عظمت میرے دل میں پیدا فرما۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ: جسے خیر کی طرف آنے کی قوت نہ ہو تو ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ“ پڑھا کرے۔ بیماری میں جب ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ”Multi Vitamins“ کھاؤ تو ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ“ بھی ”Multi Vitamins“ ہیں۔ نیکی کی توفیق ملنے کی۔ بدی سے رُکنے کی۔ خدا کی عظمت دل میں بٹھانے کا اور پریشانیوں کے دُور کرنے کا۔

اس کے ساتھ ساتھ درود شریف کی ایک تسبیح۔ حضور ﷺ کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں۔ ایک احسان کے لیے جسم پر جتنے بال ہیں، اتنی جانیں قربان ہوں تو حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ایک دفعہ درود پڑھنے سے دَس گناہ معاف، دَس نیکیاں ملتی ہیں اور دَس درجات بلند ہوں تو سو دفعہ کہنے سے کتنا ہو گا۔ اس سے دل نورانی اور حضور ﷺ کا فیض ملتا ہے۔ جہاں حضور ﷺ کا نام آئے دل اٹک جائے۔ علم کے حلقوں کو قائم کرو، ذکر کی مجلسوں کو جماؤ۔ جب شیطان لڑائی کراتا ہے تو دو بھائیوں کو لڑاتا ہے، دلوں کو صاف کرو بغض سے۔ حضور ﷺ نے حضرت

انسؓ کو فرمایا: کہ اے بیٹا! اگر تو صبح کرے اور شام کرے۔ میں تم کو یوں کہوں اور تیرے دل میں مسلمان کے لیے کینہ نہ ہو تو بہت خیر پر ہو۔ ”وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۰“ (الحشر ۵۹:۱۰)

مخلوقِ خدا سے محبت

جو دنیا میں ہمارے ساتھ ترچھا کرتے ہیں، ہم سیدھا کریں۔ جو گالی دے اس کو دُعا دو، جو پتھر مارے اُس پر پھول برساؤ۔ یہودیہ نے زہر سے بھرا لقمہ دیا، لقمہ نے کہا کہ اُلٹا دو۔ اس میں زہر ہے۔ حضور ﷺ نے لقمہ باہر پھینکا۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا وصال بھی اس زہر کے اثر سے ہوا۔ حضور ﷺ نے جان کا بدلہ کبھی کسی سے نہیں لیا۔ ایک دفعہ یہودیوں نے بلایا۔ مسند نیچے بنائی۔ اُوپر چکی کا پاٹ گرانا تھا۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا باہر آئے اور معاف کیا۔ ایک شخص نے تلوار سونت لی کہ کون بچائے گا۔ کہا کہ اللہ۔ اس کے ہاتھ سے تلوار گری۔ آپ نے لے لی اور فرمایا: تجھے کون بچائے گا۔ اُس نے کہا تُو کریم ہے۔ کہا جا معاف کیا۔ برائی کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرنا نبیوں کا کام ہے۔ جب یہ جذبات ہوتے ہیں، اُمت میں جوڑ آتا ہے۔ جب زلزلہ آتا ہے پوری بلڈنگ شق ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے پوری اُمت کو جسد واحد قرار دیا۔ اس کے اندر روحِ محبت ہوگی۔ اُمت میں جوڑ ہوگا۔ جب یہ محبت ختم ہو جاتی ہے، اُمت ٹوٹتی ہے۔ کسی سے اپنے لیے محبت نہ کرو، اللہ کے لیے محبت اور بغض رکھو کیونکہ ”اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ“۔

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کے لیے میں خدا چاہتا ہوں

خدا کو بھی خدا کے لیے چاہو، کسی سے تعلق ہو تو خدا کے واسطہ سے ہو، میری محبت خدا سے ہے۔ وہ کہتا ہے اس سے محبت کرو اس لیے کرتا ہوں۔ نہ علاقہ سے، نہ قبیلہ سے، نہ ملک سے بس خدا کے واسطے سے محبت ہو۔ سلمان فارسیؓ سے کسی نے کہا: تیرے باپ کا کیا نام

ہے۔ فرمایا: سلمان بن اسلام بن اسلام بن اسلام۔

ابی الاسلام لا اب سواہ

اذا الناس یفتخرو بقیس و تمیم

(فرمایا: میرا باپ اسلام ہے، اس کے علاوہ کوئی اور باپ نہیں۔ لوگ قیس و تمیم کے قبیلوں پر فخر کرتے ہیں۔ میں اسلام پر فخر کرتا ہوں۔)

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلان ابن فلان چیزے نیست

(جامی! اب تو عشق کا غلام ہے، نسب پر فخر کرنا چھوڑ دو کیونکہ اس راہ میں اب نسب پر اترانا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔)

جب تو خدا کا ہے تو خدا تیرا اور خدا کی پوری مخلوق تیری۔ لیڈر لوگ توڑتے ہیں، جس وقت جلسہ شروع کرتے ہیں تو کہیں ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا''۔ (آل عمران۳:۱۰۳)(اور اللہ کی رسّی کو سب کے سب مضبوط پکڑ لو اور باہمی اختلاف نہ کرو۔) اور مقصود ہے توڑ اور منہ پر یہ آیات۔ اللہ کی رَسّی احکام اور اعمال و محبت کی رَسّی ہے نہ کہ تمہاری پارٹی کی رَسّی۔ جب اللہ کا دین نہیں رہتا تو ہلاکتیں ہی ہلاکتیں ہیں۔ کروڑوں سبیلیں بناؤ، جب تک اللہ کا تعلق اور حضور ﷺ کا طریقہ نہ ہو تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ زندگی کے بنانے کا ایک ہی طریقہ ہے ہر ملک والوں اور قوموں کے لیے وہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اس کے پیدا کرنے کے لیے ابتدائی چیز ایمان ہے۔ اس اُمت میں محمد ﷺ کے بعد سب سے بڑا ایمان ابو بکرؓ کا تھا۔ اگر حضور ﷺ دعوت نہ دیتے تو ابو بکرؓ کا ایمان نہ ہوتا۔ نماز سب سے افضل پڑھی لیکن وہ بھی حضور ﷺ کے بتانے پر۔ تمام اعمال ابو بکرؓ کے، عمرؓ کے، عثمانؓ کے، علیؓ کے اور جتنے بھی صحابہؓ ہیں یہ حضور ﷺ کے بتائے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ دعوت اُم

الایمان ہے، اُم الاعمال ہے۔ دعوت ہوگی، ایمان پیدا ہوگا، علم، عمل اور جوڑ پیدا ہوگا اس لیے ہم یوں کہیں، اپنی زندگی دعوت کے رُخ پر لے آؤ، تمام نیکیاں اس سے پیدا ہوں گی۔ سب سے بڑے داعی خدا خود ہیں۔ ”وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ“ (یونس ۱۰:۲۵) انسانوں میں سب سے بڑے داعی حضور ﷺ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ (الاحزاب ۳۳:۴۵،۴۶) (اے نبی بیشک ہم نے تمہیں ایسا بنا کر بھیجا ہے کہ تم تو گواہی دینے والے خوشخبری سنانے والے اور خبر دار کرنے والے ہو اور خدا کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے اور روشنی پھیلانے والے چراغ ہو۔) وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ (فصلت ۴۱:۳۳)، (اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے اور نیک عمل کرے اور یہ کہے کہ میں فرمان برداروں میں شامل ہوں۔) ”قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ“ (یوسف ۱۲: ۱۰۸)، (اے پیغمبر! کہہ دو کہ ”یہ میرا راستہ ہے، میں بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور جنہوں نے میری پیروی کی ہے وہ بھی۔) داعی اللہ میاں ہو گئے خیر کے، حضور ﷺ داعی ہو گئے خیر کے اور یہ اُمت بھی خیر کی داعی ہے۔ دائی بچہ جناتی ہیں اور داعی نیکیاں جناتے ہیں۔ جب دعوت ہوتی ہے تو قومیں دین میں آتی ہیں۔ جب دعوت نہیں ہوتی ہے قومیں دین سے، عقائد سے، اعمال و اخلاق کے لحاظ سے نکلتی ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا: دو چیزیں ہو جائیں، وقت زندہ ہوتے ہیں دن میں دعوت ہو رات کو دُعا۔ دن میں لوگوں میں محنت کرو، رات کو خدا پر محنت کرو، ایک دفعہ فرمایا کہ اگر نکلے ہو تو کس کو دعوت دو گے۔ کہا: اپنے نفس کو دعوت دو کہ لوگوں کو باتیں بتاتے ہو تو خود بھی تو کچھ عمل کرو۔ بغیر خدا کے تعلق، اعمال اور اخلاص کے کچھ نہیں بنتا۔ فرمایا: مجمع میں مخلوق کو دعوت دو اور تنہائی میں

اپنے نفس کو۔ فرمایا: تبلیغ میں کون لگا ہے؟ فرمایا: جسے لگی ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ اگر لگی نہ ہو۔ فرمایا: لگاتے رہے، لگاتے لگاتے رہے، لگ جائے گی۔ ایک دفعہ میرا ہاتھ پکڑا، دوسرے ہاتھ کے ساتھ رگڑا۔ کہا کہ گرمی پیدا ہوئی۔ بس یہ تبلیغ کی رگڑ ارگڑی سے کام بنے گا۔

یوسف علیہ السلام قید خانہ میں ہے۔ دو آدمی آئے۔ ایک نے کہا کہ سر پر روٹیاں ہیں اور پرندے اُس سے کھارہے ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ بادشاہ کو شراب پلارہا ہوں۔ کہا کہ موقع مل گیا اور تبلیغ شروع کی۔ فرمایا: کہ کیا ایک خدا بہتر ہے یا زیادہ خدا۔ ہم تبلیغی بھی بڑے مطلبی ہیں کہ جتنا بھی آپ نیکی کا کام کروگے اُتنا اُن کا کام بھی بنے گا۔

ایک دفعہ شاہ صاحب بیمار تھے۔ مفتی صاحب اور حاجی صاحب عیادت کے لیے گئے۔ فرمایا: کہ تبلیغی لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ وہ حیران ہوگئے کہ دماغ کو کچھ ہوگیا۔ پھر کہا کہ قسم کھاتا ہوں کہ بے وقوف بناتے ہیں۔ پھر کہا کہ اپنی جگہ ٹھہرنے نہیں دیتے۔ حرکت میں لاتے ہیں۔ میں بات کر رہا ہوں۔ اگر مطلب اپنی اصلاح اور کمیشن نہ ہو تو کس لیے کہوں گا۔ ہر ایک دال اپنی روٹی پر کھینچتا ہے۔ یہ تبلیغ چاہے بیوقوف بنانے کا نام ہے۔ یہ نبیوں کا خاصہ ہے۔ سید الانبیاء کا کام ہے۔ ایک دفعہ شاہ صاحب نے فرمایا: انبیاء کی سڑک معلوم ہے کہ جس پر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء چلے ہیں۔ میں نے کہا کہ کہاں ہے؟ کہا کہ تبلیغی سڑک۔ تمام انبیاء علیہم السلام تبلیغی تھے۔ یہ تو اِتنا اُونچا راستہ ہے، نبیوں کا راستہ ہے، اللہ دنیا و آخرت کو بناتے ہیں۔ اگر ہم پر بندش آئے جتنا مجمع ملتا ہے اُن پر محنت کرو۔ زندگی میں ایک دفعہ چار مہینے نکالیں، اگر اللہ کی طرف سے پابندی آجائے تو شعب ابی طالب میں حضور ﷺ نے کس طرح وقت لگایا۔ دُعا میں جان کو پیدا کرے، زاری کرے، تعلیم و ذکر دنیا و آخرت کو آسان کرے گا۔

مظاہرِ قدرت صفاتِ الٰہی اور جھاڑ پھونک

(1972ء)

حاجت براری کا عمل

شاہ صاحب نے فرمایا: انسان کی کوئی حاجت اَٹکی ہوئی ہو تو اول و آخر درود ابراہیمی بمع بسم اللہ کے اور سورۃ الم نشرح پڑھے اور پھر تین مرتبہ پڑھے یَا بَدِیْعَ الْعَجَائِبِ بِالْخَیْرِ یَا بَدِیْعُ۔ جب مولانا صاحبؒ جرمنی جارہے تھے اس وقت بتایا تھا، اصل میں بات یہ ہے کہ کتاب اللہ اور اسم اللہ تعالیٰ (اللہ کا کلام اور اللہ کا نام) ان سب میں اللہ کے برکات، انوارات اور اللہ کی صفات کا انعکاس ہے۔ اب امر الٰہی جس طرف متوجہ ہو جائے تو اللہ کی رحمت وہاں آئے گی۔

مظاہرِ قدرت اور صفات

اصل میں اللہ کے نام ذریعۂ معرفت الٰہیہ ہیں۔ اللہ کی پہچان اللہ کی صفات کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ عارف کے لیے اللہ تک رسائی اللہ کے ناموں کی حقیقت کھلنے سے ہوتی ہے۔ اسماء کی جتنی وضاحت اور حقیقت کھلتی چلی جاتی ہے اس کے بقدر سیر فی اللہ نصیب ہوتی ہے۔ اللہ سے رابطہ قائم ہو گا۔ اللہ کی ہر صفت ایک بڑا خزانہ ہے۔ ایک وہ خزانے جو مخلوق میں اپنی قوت کن فیکونی سے وجود بخشے، اتنی مخلوق ہے کہ بندہ اس کو نہیں جان سکتا۔ ”وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ“ (المدثر ۷۴:۳۱) ”لَهٗ خَزَآىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ“ (المنافقون ۶۳:۷) آسمان کے اُوپر ہو نیچے ہو، سب اللہ کے لیے ہے۔ یہ خزائن علویات کے ہوں یا سفلیات کے ہوں جو مخلوق ہیں وہ اللہ کے امر اور حکم کا نتیجہ ہیں۔ چیونٹی سے لیکر پہاڑوں اور انسانوں تک اللہ کی قوتیں ہیں۔ اللہ میاں ہوا کو تیز کر دے قوم عاد کو تباہ کر دے۔ ایک ایک فرشتہ کی قوت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ یہ مظاہر قدرت الٰہیہ ہیں۔ اللہ نے ان خزائن کو پیدا کیا۔ ان کے علاوہ جو

ذات حق میں ہیں اور ذات کے ساتھ قائم ہیں ان کو ہم صفات کہتے ہیں۔ ہر ہر صفت ایک بڑا خزانہ ہے جس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ میں بولتا ہوں سینکڑوں الفاظ زبان سے نکل جاتے ہیں۔ میرے بول ظہور ہیں میری گویائی کے۔ بولنا مجھ میں ہے، بول میری زبان پر ہیں۔ اسی طور پر اللہ کی ذات میں ان کی صفات ہیں۔ مخلوقات ان کا ظہور ہے۔ اللہ کی صفت خلق ہے۔ اس کا مظہر یہ پوری کائنات ہے۔ چاہے تو پل بھر میں کروڑوں کائنات کو وجود میں لائے لیکن مخلوق میں وجود کے آنے کے ساتھ صفت خلق میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ جس صفت کا ظہور ہوا ہے وہ اپنی جگہ پر موجود ہے۔ جس صفت خلق سے اللہ نے پوری کائنات کو پیدا کر کے قائم کیا۔ وہ اپنے اندر کتنی قوی ہوگی۔ عامۃ الناس مخلوق سے استفادہ کرتے ہیں اور عارفین صفات سے استفادہ کرتے ہیں۔ جن کی یہ مخلوق مظہر ہے۔ کائنات سے استفادہ میں مومن اور کافر میں فرق نہیں ہے لیکن صفات باری تعالیٰ سے استفادہ کی قدرت بقدر معرفتِ الٰہیہ ہے۔ ہر صفت خزانہ ہے قوت کا طاقت کا۔ برقیات کے عالم میں آپ بجلی کی قوتوں کو اُن کے ذرائع سے حاصل کرتے ہیں جیسے بٹن کے دبانے سے بجلی کی قوت کی رو بہہ پڑتی ہے، اس طور پر عارف کا قلب جب اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ کی اس صفت کی تجلی اُس پر ہوتی ہے اور اس سے وہ استفادہ حاصل کر لیتا ہے۔ عارف بیٹھے ہیں اس کو پکارا، وہ متوجہ ہو جائے گا۔ میر زمانؔ پکارا وہ متوجہ ہو جائے گا حالانکہ سب بیٹھے ہیں۔ اس طور پر عارف جب اللہ کے اسماء کو جس وقت پکارتے ہیں کہ کسی خاص نام کو لیکر تو اللہ کی وہ صفت اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ آپ بیمار ہیں۔ کہا یا شافی تو صفت شفا تیری طرف متوجہ ہو جائے گی۔ یورپ میں بعض دوکانیں ہوتی ہیں۔ سامان مختلف خانوں میں پڑا ہوتا ہے۔ بٹن دبایا، مطلوبہ سامان نکل آیا۔ اللہ کے ننانوے صفات میں جس صفت کو لے کر پکارو گے اس کی تجلی متوجہ ہوگی۔ میں ایک دفعہ ٹانگوں کا علاج کر رہا تھا تو ڈاکٹر نے کہا: فلان Rays تمہارے لیے مفید ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات سے استفادہ کا رُخ

فلان نے فلان نام پختہ کر لیا ہے۔ یہ اسماء بڑی قدرت کے خزانے ہیں۔ ایک ایک نام بہت بڑا خزانہ ہے۔ میرے حضرتؒ نے جس وقت اسماء کی اجازت دی۔ فرمایا: ساڑھے سترہ سال بزرگوں کی جوتیاں اُٹھائی ہیں۔ ان کی اجازت دیتا ہوں۔ فرمایا:

ہر چہ ارزان خرد ارزان دھد
گوہرے طفلے بقرص نان دھد

(جو کوئی سستا خرید تا ہے وہ اسے سستا بیچتا ہے۔ بچہ گوہر کو بھی روٹی کے ٹکڑے پر دے جاتا ہے کیونکہ اُسے گوہر کی قیمت کا پتہ نہیں۔)

اگر ہلکا سمجھ کر لو گے تو ہلکا ہو کر اُڑ جائے گا۔ عظمت سے لو گے تو عظمت کا بھاری پن قیمت دل میں بٹھائے گا۔ اگر اللہ کے ناموں کو وقعت، عظمت اور بڑھائی کے ساتھ لو گے تو جس صفت کو پکارے وہ متوجہ ہو جائے۔

آپ ہی کرتے وہ سارے کام ہیں
آپ ہی کرتے کسی کا نام ہیں

سب ان کی ذات سے ہوتا ہے۔ جب وہ کرتے ہیں۔ ''وَ اْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ص'' (البقرۃ ۱۸۹:۲) اس صفت کے ساتھ جو چیز متعلق ہے اس کا واسطہ دے دو۔ جس طرح نام ہیں اللہ کے اس طرح اللہ کا کلام ہے۔ ہر کلمہ اور کلام اوّلاً ہدایت کے لیے موضوع ہے۔ ضمناً کلام کے ہر جزو میں اثرات ہیں، تجلیات ہیں، خیریں ہیں، برکتیں ہیں۔ ابن تیمیہؒ وسیلہ کے قائل نہیں۔ ایک مقام پر ''منہاج السنۃ'' میں لکھا ہے۔ کلماتِ الٰہیہ سے واسطہ پکڑا جا سکتا ہے۔ اللہ کا کلام، اللہ کی ذات و صفات کے ساتھ قائم ہے۔ ہر ہر بول میں بے شمار اسرار ہیں۔ بے شمار حکمتیں ہیں، اللہ جس پر جتنا کھول دیں۔ یہ اللہ کے بندے جو بتاتے ہیں کہ فلان چیز پڑھو تو یہ ہو جائے گا۔ یہ بات موجود ہوتی ہے۔ جب اللہ کا نام ساتھ ہو جائے۔

بعض باطنیہ کے بڑے نے ایک کتاب لکھی ہے "کُنْ فَیَکُوْن" (عبید اللہ درانی) وہ "کُنْ فَیَکُوْن" باطل ہے کیونکہ وہ باطنیت پر مبنی ہے۔ میں نے دو کتابیں دیکھیں، اندازہ ہے۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

اسمِ ذات کی حقیقت

اسم ذات کی حقیقت جب کھلتی ہے تو اللہ سے دل کا رابطہ ہو جاتا ہے۔ جس کے ساتھ معیت حق ہو گی۔ یہاں معیت سے مراد معیت نصرت ہے۔ جو انسان کو شریعت کی پابندی کے ساتھ میسر آتی ہے۔ نصرت والی معیت، رحمت و عطا والی معیت ان لوگوں کے ساتھ ہو گی جو حاملین شریعت ہیں۔ بغیر حضور ﷺ کے قدموں کے پٹائی ہو گی۔ حضور ﷺ کے دین پر اپنے کو مٹاؤ تو چمک جاؤ گے۔ اس شاہ کلید لینے کی شاہ کلید ہے حضور ﷺ کے ظاہری اور باطنی احوال۔ جس قدر چمکو گے خداوند قدوس چمکائیں گے۔ چمک عند اللہ بقدر اتباع نبوت ہے۔ حاصل کلام یہ ہے۔ اللہ کے نام، اللہ کی صفتوں سے انسان استفادہ کر سکتا ہے۔ بعض بزرگ کہتے ہیں۔ یہ پڑھو یہ پڑھو۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ چھوٹے چھوٹے کام ہیں۔

کسی چیز سے استفادہ بقدر وقعت شے ہوتا ہے

اگر آپ کے دل میں کسی چیز کی قدر نہیں اور اس کو پامال سمجھے گا، پامال ہو جائے گی۔ معمولی چیز کو اچھا جانیے تو اس سے استفادہ کی صورت پیدا کر سکتے ہو۔ اللہ کے نام بہت اُونچے ہیں۔ اللہ کا "مہا" نام جو سب رَٹتے ہیں، پڑھتے ہیں لیکن قدر نہیں ہو پاتی "اللہ" ہے۔ ہوا کتنی ضروری ہے، ایک پل کے لیے نہ ہو تو مر جائیں لیکن عام اِتنی ہے کہ نہ کوئی قیمت دیتا ہے اور نہ ختم ہوتی ہے۔ اس طرح "اللہ" "اللہ" پکارتے تو سب ہیں لیکن جس قدر عظمت

چاہیے اللہ کا نام نہیں آتا۔ جس وقت عظمتِ الٰہیہ کے ساتھ قلب پر اسم جلالہ کی تجلی ہو جائے گی۔ اس وقت اسم اعظم کھل جائے گا۔ اسم اعظم تو ایسے فقہاء نے لکھا ہے کہ اللہ ہے لیکن ظہور کب ہو گا جبکہ عظمت کے ساتھ ہو اور اس کی عظمت دل پر مستولی ہو جائے تو اسم اعظم کی کلید مل جائے گی۔ پتہ ہے کہ یہ محل ہے اس کے اندر سب کچھ ہے لیکن شاہ کلید ساتھ نہیں۔ شاہ کلید مل گئی۔ سب کچھ کھلتا چلا جائے گا۔ اس طرح جیسے لفظ ''اللہ'' کھلتا ہے تو سب صفات کھلتے ہیں۔ جب اللہ کی چابی مل جائے گی۔ پھر سب خزائن کھلتے جائیں گے۔ اس معنی میں اللہ کی اسم ذات کو پکالینا ہے۔ اس کی دو نوعیتیں ہیں۔ ایک زبان سے ایک دل سے۔ زبان پر ورد ہو دل میں عظمت ہو۔ عظمت حق کے ساتھ ''اللہ'' جب دل میں ڈوب جاتا ہے۔ اسم ذات کے ذکر میں اور اس کی حقیقت جب قلب کے لطیفہ پر کھل جاتی ہے تو شاہ کلید مل جاتی ہے۔ دل بھی اللہ والا ہو جاتا ہے۔ عامۃ الناس کی اصطلاح میں اس کو قلب کا جاری ہونا کہتے ہیں۔ محققین اس کو ذکرِ قلبی کہتے ہیں۔ دل میں اللہ کا ذکر پیوست ہو جاتا ہے۔ جیسے نبض دھڑکتی ہے، ایسے دل میں ''اللہ'' دھڑکتے ہیں۔ نبض رکھا، جان رکھا، اس طرح دل میں اللہ کا نام رکھا، دل رکھا۔ اللہ کا نام جب آتا ہے انسان میں۔ ہمیں نام لینا نہیں آتا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جس وقت سلیمان علیہ السلام کو ھُدھُد نے کہا کہ ملکہ سبا کا بڑا تخت ہے۔ عفریت نے کہا۔ آپ اس جگہ سے نہیں اُٹھیں گے میں لاؤں گا لیکن ''عالم کتاب'' نے کہا کہ میں آنکھ کے جھپک میں حاضر کروں گا۔ جب ایسے ہی ہوا تو علم الکتاب سے مراد یہاں ''اسم اعظم'' تھا۔

جھاڑ پھونک

حکمت کا معنی شیخ الہندؒ نے کیا ہے۔ تہہ کی باتیں، تہہ کی باتیں غوطہ لگا کر ملتی ہیں۔ سرے پر نہیں ملتیں۔ جب تک اپنے آپ میں ڈوب کر اللہ کو تلاش کرنے کی کوشش نہ کرو

گے اللہ نہیں ملتا۔ اللہ اپنے کلام کے حقائق کو کھولتے ہیں، جب آپ کلام میں ڈوب جائیں۔ جیسے قرآن شفا ہے قلوب کے لیے اور روح کے لیے اسی طور پر شفا ہے امراض کے لیے۔ ایک بزرگ گزرے ہیں شاہ ولی اللہؒ کے ہم عصر تھے۔ ہمارے پشاور میں ایک صاحب تھے، ان کے مرید تھے۔ ان کی کتاب ہے قطب الارشاد۔ یہ دم ہے ایک قسم کا۔ انہوں نے کہا کہ درود شریف اول و آخر پڑھو۔ "وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ" (الرعد ۱۳:۳۱) اگر اللہ چاہے تو اس کے حکم سے پہاڑ چل پڑے، زمین طے ہو جائے، مُردے بول پڑیں۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ (البقرۃ ۲:۲۸) وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ (طٰہٰ ۲۰:۱۰۵۔۱۰۷) اللہ ان سب کو اُڑا دے گا، نہ بلندی رہے گی اور نہ پستی۔ اسی طور پر تو بھی اُڑ جائے گی اے بیماری۔

یہ ہمارے بزرگوں نے ایسی چیزیں جمع کی ہیں۔ حضرت تھانویؒ کے "اعمالِ قرآنیہ" میں موجود ہیں۔ اللہ ہم سب کو اپنے کلام سے نام سے استفادہ کی توفیق آخرت اور دنیا دونوں کے لحاظ سے عطا فرمائیں۔

نظر، سحر اور جنّات کے لیے

۱۔ ایک عام دَم بتاتا ہوں جو "General Tonic & Multi vitamins" ہے۔

پہلے بسم اللہ مع درود ابراہیمی تین دفعہ

پھر الحمد شریف بمع بسم اللہ کے تین دفعہ

آیۃ الکرسی بمع بسم اللہ کے تین دفعہ

تین دفعہ معوذتین بمع بسم اللہ

یہ نظر کے لیے پانی پھونک کر پئیں اور چند چھینٹیں منہ پر ماریں۔

تین دفعہ آخر میں درود شریف

۲۔ جنّات کے دم کا طریقہ یہ ہوتا ہے۔ ایک دفعہ آیۃ الکرسی پڑھ کر چاروں طرف پھونکیں، عام سحر کے لیے جادو کا اثر ہو تو یہ سب جو اُوپر ہے پڑھ لو۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ (سورۃ یونس ۱۰:۸۱) بسم اللہ کے ساتھ سات بار بعد میں سورۃ الناس پڑھیں۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾ (سورۃ الانفال ۸:۸)

۳۔ ردّ سحر: اول و آخر درود شریف ابراہیمی ایک ایک مرتبہ اور ۷ مرتبہ: فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ (سورۃ یونس ۱۰:۸۱) تین مرتبہ: وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ (سورۃ الاسراء ۱۷:۸۱) پر چھینٹیں ماریں۔ اگر مکان میں جادو کا شبہ ہے تو پانی پر دَم کر کے دیوار پر پھونکنا چاہیے۔

۴۔ دردِ سر: اللہ کہہ کر پھونک دو۔ عمومی طور پر اللہ کی قدرت کا دھیان۔ اول و آخر درود شریف پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پھر سات دفعہ صرف بِسْمِ اللّٰهِ، پھر اعوذ بعظمۃ اللہ و قدرتہ من شر ما أجد و احاذر ۔ اس کے علاوہ معوذ تین پڑھ کر پھونک لو۔

۵۔ جنرل ٹانک: اول و آخر درود شریف، پھر ایک دفعہ الحمد للہ۔ تین دفعہ قل ھو اللہ احد ایک پھونک۔

اول و آخر درود شریف، پھر معوذ تین۔ ایک پھونک

اول وآخر درود شریف، اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق۔

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَ هُوَ

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ تین دفعہ۔ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

(سورۃ البقرۃ ۲:۱۳۷) تین دفعہ

۶۔ دانت کا درد: (۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما اجدُ و اُحاذر۔

(۲) درد کی جگہ پر ہاتھ یا اُنگلی رکھو۔ بسم اللہ پڑھ کر سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ (یٰسٓ ۳۶:۵۸)

۷۔ ناف: بیمار کو لٹا دو اور وہ اپنے ناف پر ہاتھ رکھے اور سات مرتبہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ (آل عمران ۳:۱۴۴) اور ایک مرتبہ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ۔ (سورۃ ھود ۱۱:۴۴)

۸۔ بھڑ کا مچھر کا سات مرتبہ اس جگہ پر تھوک لگا دو۔ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ۚ (سورۃ الزخرف ۴۳:۷۹)

سات مرتبہ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ۚ

(سورۃ الشعراء ۲۶:۱۳۰،۱۳۱)

۹۔ بچھو: جس وقت کوئی بچھو کا کاٹا ہو جائے۔ پہلے پوچھو کہ زہر کسی جگہ جا رہا ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہہ کر اُس جگہ دائرہ لگالو، پھر جھاڑنا شروع کرو۔ ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ'' پڑھتے رہو۔ پوچھو کہ کہاں آگیا۔ پھر لب لگا کر جھاڑو۔ آتے آتے نیش کی جگہ پر آجائے گا۔ نیش کے لیے چار لفظ ہیں۔ منتر کے قسم کے لفظ ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ شَجَّة قرنيّةً مِلْحَةُ بَحرٍ قفطا۔ تین مرتبہ۔ (مناجات مقبول: ص ۱۶۸) نیش عموماً چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں اس کو نکالنے کے لیے تھوڑی سی مٹی لے لو اور سات دفعہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَعَظْمَتِهٖ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ۔ پھر اُنگلی سے جھاڑو اور مٹی لگا دو۔ پھر دو دفعہ پڑھو بِسْمِ اللّٰهِ تربةُ ارضنا

بریقة بعضنا یُشفٰی سقیمُنا باذن ربّنا یا شافی یا شافی۔ (مناجات مقبول: ص ۱۹۰)

۱۰۔ یہی آخری چیز چینی ہو یا دوائی یا کوئی چیز تھوک کر لگادو۔ جس بیماری کے لیے دے دو۔ اللہ شفاڈال دیں گے۔ زیادہ کرنا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں دائمی طور پر وہ اثرات ہیں جب پڑھ کر پھونک دوگے وہ تاثیر آجائے گی۔ زخم ہے پھنسی۔ مٹی پر انگلی لگا کر لگاتے ہیں۔ ٹھیک ہو جاتی ہے۔

۱۱۔ انجیریں Tonsils: بڑی چیز ہے۔ ۴۱ دن تک سورۃ الغاشیۃ پڑھ کر پھونک دے۔ چھوٹا دم: وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ (طٰہٰ ۲۰: ۱۰۵-۱۰۷) سات مرتبہ پڑھ کے اس پر جھاڑ دو۔ دھتکار دو، اللہ چاہے گا ٹھیک ہو جائے گا یا جو دوائی لگاتا ہے اُس پر پھونک دو۔

۱۲۔ خون بند نہیں ہوتا ہے یا زیادتی ہے: ہاتھ رکھ لو، اول و آخر درود شریف پڑھو۔ ۱۱ مرتبہ پڑھے: يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ۔ (سورۃ ھود ۱۱: ۴۴) دم کرے یا لکھ کر ناف پر باندھ لے۔

۱۳۔ اسی طرح سَلَسُ بول کے لیے بھی یہی چیز ہے۔ رات کو شیطان سے حفاظت کے لیے۔ ہاتھ رکھ لے انسان اول و آخر درود شریف پڑھے۔ ایک مرتبہ آیۃ الکرسی، دو تین مرتبہ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ (سورۃ یوسف ۱۲: ۶۴)

۱۴۔ رات کے وقت آنکھ کھلنے کے لیے: سورۃ الکہف کی آخری آیات اول و آخر درود شریف۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ (سورۃ الکہف ۱۸: ۱۱۰)

۱۵۔ بڑی قیمتی چیز ہے۔ شاہ صاحب کا خصوصی عطیہ ہے۔ بہت سے تاثیرات پائے جاتے ہیں۔ سورۃ قریش۔

مرگی کے لیے چاندی کا چلہ پر اول و آخر درود شریف پڑھ کر مع بسم اللہ کے ۴۱ دفعہ پڑھ کر دم کر دے اور تھوک لگا دے اور پہنانے والا یا پہننے والا آیۃ الکرسی پڑھ کر لگا دے۔ اُتارنے کے وقت بھی آیۃ الکرسی کہے۔

۱۶۔ اسی طرح بے خوابی پریشان خیالی (Nervous break down) کے لیے اور اس طور پر اس کے لیے مع بسم اللہ ''لِاِیلٰفِ قریش'' تین مرتبہ پڑھو خود۔ اس سے بیماری و پریشانی کا دھیان جاتا رہے گا۔

۱۷۔ رزق کی بے اطمینانی ہے یا برکت نہیں ہے تو اس کے لیے صلوٰۃ فجر کے بعد ۱۱ مرتبہ مع بسم اللہ کے لایلاف پڑھو ''اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوْعٍ'' پر یوں خیال کرے کہ اللہ نے مجھ سے یہ پریشانی اُٹھالی۔ پہلے حج میں منیٰ میں سو رہا تھا۔ خواب دیکھتا ہوں کہ تین چیزوں کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ تین چیزیں تین چیزوں کے لیے ہیں۔ انشراح قلب، زیادتی حافظہ ''رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ'' سات مرتبہ روزانہ پڑھے۔ اور تیسری چیز یہ بتائی گئی کہ تنگی رزق کی دُوری کے لیے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ (الذاریات ۵۱:۵۸) ۱۱ مرتبہ، ۲۱ مرتبہ یا ۴۱ مرتبہ۔

۱۸۔ بلڈ پریشر (Blood Pressure): پانی پر دم کر کے اول و آخر درود شریف، دو مرتبہ یا ۱۱ مرتبہ یہ دُعائیں پڑھیں اور پھونک دے۔ پانی پلا دے۔ تین مرتبہ یہ دم کرے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَرِ النَّارِ وَ مِنْ كُلِّ عِرقٍ نعّارٍ اَعُوْذُ بِاللّٰه الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَّعَّارٍ وَ مِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔

دوسری دُعا: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَرِّ هَا وَ بَرْدِهَا وَ وَصَبِهَا۔ تیر بہدف ہے۔

۱۹۔ سرطان کے لیے: اول علاج تو Radiation ہے۔ اس پر توجہ کرتے ہوئے اول و آخر درود شریف پڑھو۔ ۱۱ مرتبہ اس دھیان سے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَ قُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَ اُحَاذِر۔ تین مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مع بِسْمِ اللّٰهِ کے۔ جو کچھ کھانے پینے کے لیے دے اس

پر بھی پھونک دے اور دوائی پر بسم اللہ تربۃ ارضنا بریقۃ بعضنا لیشفٰی سقیمنا باذن ربنا۔ تیر بہدف ہے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ختم نبوت کی وجہ سے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے معجزات میں اثر دائمی ہے۔

۲۰۔ جنّات: ایک ہے استدراج اور ایک ہے منتر۔ استدراج میں مہلت کے طور پر جو کچھ اللہ دیتے ہیں جس سے فائدہ نہیں پہنچتا۔ منتر اور ٹوٹکوں کے بھی اثرات ہوتے ہیں لیکن وہ سفلی ہوتے ہیں۔ بعض گفتگوں کے بھی اثرات ہوتے ہیں۔ کوئی جن آجائے، اُسے کہہ دو کہ اشرف کہتا ہے چلا جاورنہ ٹھیک کر دے گا۔

۲۱۔ باد کی بیماری: عام طور پر لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے ''باد'' کی بیماری کی۔ اس کے لیے اول و آخر درود شریف اور قل اعوذ برب الفلق پڑھو۔ کپڑے سے جھاڑ اور پھر اس جگہ پر پھر اس کپڑے کو جھاڑو۔ ان میں الفاظ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ہے۔

۲۲۔ فالج: اس کے لیے فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ (فاطر ۹:۳۵) دو مرتبہ پڑھ لے۔

ایک دوسری آیت بھی ہے: فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (الشوریٰ ۹:۴۲) سات مرتبہ۔ اس کے ساتھ ایک دُعا ہے جو حدیث میں آتی ہے ''جمع الفوائد'' میں موجود ہے [92]۔

نظر بد کی دُعا

بسم اللہِ اَذْهِبْ حَرَّو بَرْدَها وَ وَصَبَهَا۔ (مناجات مقبول، ص۱۶۷)

---

[92] سِنّی، ورقّ عظمی فأتیتُكَ تعلمنی ماینفعنی الله عزّوجلّ بہ، قال یا قبیصةُ! مامررت بحجر ولا شجر ولا مدر الّا استغفرلك، یا قبیصةُ، اذا صلّیتَالفجر: فقل: سبحان الله العظیم و بحمده، تعافی من العمی والجذاب والفالج یا قبیصة: قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ ممّا عندك، وَ اَفِضْ عَلَیَّ من فضلِكَ وانشر عَلَیَّ رحمتَكَ و أنزِل عَلَیَّ من برکاتِك۔۔۔۔''۔

عن رجل من اهل البصرة، من قبيصة بن المخارق قال: اتيتُ رسول اللهﷺ فقال لی: (يا قبيصة ما جآءك) قلت كبرت سنی، ورقّ عظمی، فأتيتك تعلمنی ماينفعنی الله عزوجل به، قال (يا قبيصة ما مررت بحجر ولا شجر ولا مدر، الا استغفرلك، يا قبيصة، اذا صليت الفجر؛ فقل سبحان الله العظيم و بحمده، تعافی من العمی، والجذامِ والفالج يا قبيصةُ، قل: اللّهم انی اسئلك مما عندك و أَفِض علی من فضلك وانشر علی من رحمتك، و انزل علی من بركاتك۔ پھونک بھی دے اور دم کرے ۔چاہے تو تیل وغیرہ پر بھی دم کر سکتے ہو۔(قبیصۃ المغارق رواہ احمد، ص ۲۰۶۰۲)

نظر بد کی دُعا

بِسْمِ اللّٰھُمَّ اَذْھِبْ حَرَّھَا وَ بَرْدَھَا وَ وَصَبَھَا۔(مناجات مقبول، ص۱۶۷)

مصنفین کی دیگر کتابیں













